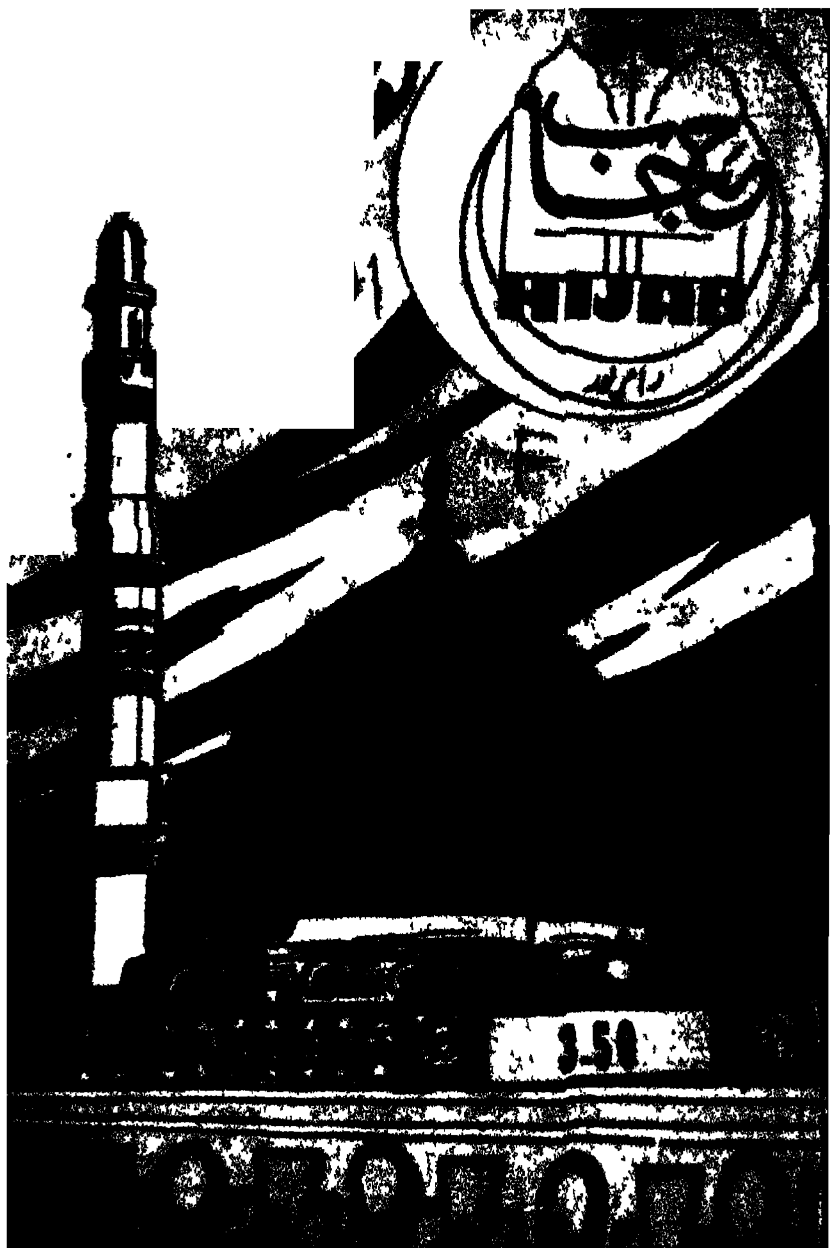

HIJAB
3-50

جنوری ۱۹۸۷ء

خواتین اور طالبات کا
پاکیزہ ڈائجسٹ

ماہنامہ حجاب

جنوری ۱۹۸۷ء ربیع الاول ۱۴۰۷ھ

شمارہ ۱۲۹ جلد ۱۲

سالانہ زر تعاون 40/-
ایک پرچہ 3.50
تحفہ کی کتاب صحابہ و صحابیات کیلئے
پوسٹیج 3/- زر تعاون میں شامل ہے
V.P. سے بھیج کر بھی منگائیے۔
V.P. میں خرچ آپ کو 5/- زائد دینا ہوں گے

اس دائرے میں سرخ نشان
علامت کی علامت ہے کہ آپ نے
حجاب کے لئے زر تعاون عنایت
فرمایا تھا اس کی مدت اس پرچے کے
ساتھ ختم ہوگئی آئندہ کے لئے
زر تعاون عنایت فرمائیں۔ منیجر

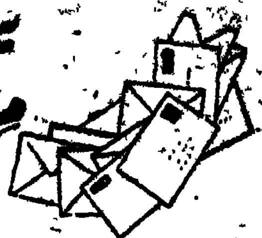
مختصر کیلنڈر ۱۹۸۲ء

مرتب :- مجید عارف - امتیاز کیفے - قلعہ اسٹریٹ - نظام آباد (اے پی)

اکتوبر جنوری	جون	فروری نومبر مارچ	جولائی اپریل	مئی	اگست	دسمبر ستمبر					
جمعہ	منگل	پیر	جمعرات	سنیچر	اتوار	بدھ	۱	۸	۱۵	۲۲	۲۹
سنیچر	بدھ	منگل	جمعہ	اتوار	پیر	جمعرات	۲	۹	۱۶	۲۳	۳۰
اتوار	جمعرات	بدھ	سنیچر	پیر	منگل	جمعہ	۳	۱۰	۱۷	۲۴	۳۱
پیر	جمعہ	جمعرات	اتوار	منگل	بدھ	سنیچر	۴	۱۱	۱۸	۲۵	
منگل	سنیچر	جمعہ	پیر	بدھ	جمعرات	اتوار	۵	۱۲	۱۹	۲۶	
بدھ	اتوار	سنیچر	منگل	جمعرات	جمعہ	پیر	۶	۱۳	۲۰	۲۷	
جمعرات	پیر	اتوار	بدھ	جمعہ	سنیچر	منگل	۷	۱۴	۲۱	۲۸	

یہ نامے :-





میرے نام آتے ہیں

• قاضی محی الدین ڈھاکہ ——— • محمد عارف کاظمی ——— • عصمت آرا ملک ڈیرہ بابا نانک بھاگل پور

(۱) پچاس سالہ تجربہ ——————— قاضی محی الدین ڈھاکہ

گزشتہ دنوں حجاب کے تین شمارے موصول ہوئے۔ یہ تینوں شمارے میرے علاوہ اور بھی بہت سے حجاب نے پڑھا اور پڑھ رہے ہیں۔ ان پڑھنے والوں میں زیادہ تر میرے قلم کار ساتھی ہیں۔ حجاب کے بنیادی مقاصد کے بنیادی طور پر میں بہت زیادہ متاثر ہوا ہوں۔ لکھنے لکھانے اور کتب فروشی و اشاعتی کام میں میری پچاس سالہ زندگی بیت گئی۔ بے شمار دینی، اخلاقی اور نسوانی رسائل میری نگاہ سے گزرے، لیکن جدا جو خوبی میں نے حجاب کے صفحات میں پائی وہ کہیں نہ ملی۔ اس کے مطالعے کے بعد سوچتا ہوں اس پسندیدگی کے پس پردہ کیا میری عمر کی سنجیدگی کارفرما ہے۔ یا آپ کا پیش کردہ پُرخلوص پاکیزہ ادب کا کرشمہ؟ بہرحال اس قدر خوبصورت زندگی افروز اور مشترع تحریریں پیش کرنے پر ناچیز کی جانب سے دلی مبارکباد قبول فرمائیں۔

میں ایک مقامی باشندہ ہوں اور کتابوں کا کاروبار ہے اور قلم کار و صاحب تصنیف ہوں۔ یہاں بنیادی طور پر ایک رسالہ شائع کرنے کا منصوبہ زیر غور ہے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے اس کار خیر کو نبھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

یہ حقیقت بھی ہے کہ حجاب جیسے رسالے میں جو ادب موجود ہے، یہی تو ہمارے کے سارے ازدواجی اور فطری رشتوں کا نچوڑ ہے۔ انسان کو ساری زندگی بھٹکنے کے بعد وہیں آنا پڑتا ہے جو فطری منزل ہے۔ کرم ہمیشہ کی طرح یاد فرمائیں۔ اراکین حجاب کو میری جانب سے سلام عرض کریں۔

(آپ جیسوں کا خیر طلب — قاضی محی الدین۔ ڈھاکہ۔ بنگلہ دیش)

(۲) سعد و سلمیٰ ——————— قاضی محی الدین۔ ڈھاکہ

کل آپ کے ادارے کے نام چند بنگلہ دیشی مطبوعات اور تفصیلی خط ارسال کر چکا ہوں۔ رجسٹرڈ پیکیٹ دو ایک دن کے اندر ہی جائے گا۔ خط لکھ کر بے فکر ہوگیا تھا۔ مگر کیا کروں۔ آپ کے "سعد و سلمیٰ" کے سحر نے مجھے مجبور کردیا کہ خلاف توقع ایک اور خط آپ کی خدمت میں ارسال کردوں۔

کم از کم میں اپنا تجزیہ بیان کرتا ہوں۔ کہ چودھویں صدی کے اختتام کے بعد سے اب تک جتنے غیر متوقع واقعات رونما ہوئے، کسی نے میرے ذہن کو متاثر نہیں کیا۔ البتہ آپ کے پاکیزہ ناول "سعد و سلمیٰ" نے میرے ذہن کو متاثر کیا۔ نہیں بلکہ روشن ترین کرکے رکھ دیا ہے۔ اس کو پڑھنے کے بعد (اگر مسلسل یہی انداز رہا تو) ذاتی طور پر میں۔ بہانگ دہل کہہ سکتا ہوں کہ شعوری یا غیر شعوری طور پر آپ لکھنے والوں کو بھی ایک نیا انداز فکر اور اچھوتا اسلوب بیان دے رہے ہیں۔ خدا کرے آپ اپنے اس جہاد میں کامیاب ہوں۔

زیر نظر حجاب کا شمارہ بہت ساری حیثیتوں سے جامع اور قابل ستائش ہے۔ خدا کرے آپ کا ادارہ دن دونی رات چوگنی ترقی کرے۔ آپ کا خیر طلب۔ قاضی محی الدین۔

(۳) حجاب کے بغیر ——————— محمد عارف کاظمی

خدا کے فضل و کرم سے اچھا ہوں۔ آپ کی صحت کے لیے خدا سے دعا گو ہوں۔ خدا آپ کو ہمیشہ تندرست و صحت مند رکھے کہ ہمیں آپ سے بہت کچھ سیکھنا ہے۔ حجاب کے بغیر چین نہیں ملتا ہے۔ جب بھی حجاب کے وصول میں دیر ہوتی ہے۔ بہت بے چینی سے حجاب کا انتظار کرتا ہوں۔ محمد عارف کاظمی۔ پٹنہ

(۴) توجہ کی ضرورت ——————— عصمت آرا۔ ملک ٹولہ۔ بانکا۔ بھاگلپور

محترمی جناب مائل صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ستمبر ۸۶ء کا حجاب نظر نواز ہوا۔ صفحہ ۶۸ پر بہن ساجدہ فرزانہ صاحبہ کا ایک مختصر مضمون بعنوان غیبت شائع ہوا ہے اس میں سورہ الحجرات کی جو آیت لکھی گئی ہے وہ صحیح نہیں ہے شاید آپ نے دھیان نہ دیا ہو۔ یا کتابت میں آیت کا ایک حصہ رہ گیا ہو۔ قرآن و حدیث کی عبارت نقل کرتے وقت صحت کا خصوصی اہتمام ہونا چاہئے۔ عصمت آرا

سعدہ سلمیٰ ساجدہ فرزانہ

★ چچا میاں مائل صاحب! السلام علیکم!! اب آپ کی صحت کیسی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی صحت کو برقرار رکھے۔

اب حجاب بہت ہی دلچسپ ہو گیا ہے۔ سعدہ سلمیٰ کی ہر قسط بہت ہی دلچسپ اور ایمان افروز ہے۔ "بنت سراقہ" ناول کا اعلان آپ نے کیا ہے اگر وہ کم صفحوں کی ہو تو ایک شمارہ میں شائع کر دیجیے۔

"حجاب" حلقۂ خواتین میں

★ مکرمی و محترمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!!

حلقۂ خواتین میں آپ کا رسالہ حجاب بڑی پسندیدگی سے مطالعہ کیا جاتا ہے امید ہے کہ حجاب جاری کرنے کے ساتھ ہی آپ صحابہ نمبر اور تابعی نمبر بھی ضرور روانہ کریں گے۔ وی پی موصول ہوتے ہی چھڑا لیا جائے گا۔ متعلقین سے سلام عرض کر دیں۔ والسلام

دعا کی طالب ناظمہ حلقۂ خواتین جماعت اسلامی

صحیح رہنما کی ضرورت

★ مکرمی! تسلیمات!!

الجھنوں کے گرفتار میں جناب مائل صاحب کا عنوان...

"ہندوستان میں تحریک اسلامی کی کامیابی کے امکانات" دیکھا جنوب میں ہریجن کثیر تعداد میں مشرف بہ اسلام ہو رہے ہیں یہ کسی جماعت کی کدوکاوش کا نتیجہ نہیں محض فضل ربی سے ایسا ہو رہا ہے۔

ہریجن دراوڑی قوم سے تعلق رکھتے ہیں جو حضرت سام کی اولاد میں سے ہیں۔ یہ اصنام پرست نہ تھے اس لئے ان کے ہندو ہونے کا سوال ہی نہیں البتہ بدھ مذہب والوں کے برخلاف یہ لوگ ہندو مذہب میں ضم نہ ہو سکے چنانچہ مسلمانوں کا ہندو مذہب میں جذب ہو جانا خیال خام ہی نہیں وہم و خلفشار ہے۔ اب قرآن کی آواز چاروں طرف گونج رہی ہے۔ اب صرف ایک قابل رہنما کی ضرورت ہے جو خوابیدہ قوم میں ہلال کی روح پھونک سکے۔

فقط والسلام محمد رشید احمد

معلومات میں اضافہ

★ محترمی مائل چچا جان! السلام علیکم!!

آپ کی روانہ کردہ رجسٹری ملی جس میں حجاب اگست ستمبر اکتوبر و کتاب صحابہ و صحابیات ملی ہیں کس منہ سے آپ کا شکریہ ادا کروں کہ اتنی بہترین کتاب مجھے تحفہ میں ملی۔

تمام رسالے و کتاب اسی وقت سے پڑھنا شروع کیا کیونکہ بقر عید و دسہرے کی چھٹی تھی۔ تمام مضامین پسند آئے خاص طور پر آپ کا تحریر کردہ "الجھنوں کے گرفتار" نے معلومات میں کافی اضافہ کیا شکریہ۔

آپ کی آنکھوں کا کیا حال ہے اس کی بڑی فکر رہتی ہے کہ آپ کی تحریروں سے اگر ملاقات نہ ہوئی تو کوفت ہوگی۔ والسلام۔

عبدالعزیز خان۔ مالیگاؤں۔

نعتِ رسولؐ

(عزیزالدین۔ بلگام۔ کرناٹک)

جب مدینے کی یاد آتی ہے — مضطرب روح جھوم جاتی ہے
ان کی گلیوں سے جستجو میری — جامِ آبِ حیات لاتی ہے
چلنے والوں کو راہ ملتی ہے — وہ جو سوئے مدینہ جاتی ہے
عدل و انصاف کی تجلّی سے — اپنی تاریخ جگمگاتی ہے
خیر و شر کی ستیزہ کاری میں — بدر کی جنگ مسکراتی ہے

دور ہوں میں عزیزؔ دنیا سے
فکرِ عقبیٰ مجھے رُلاتی ہے

کلامِ شادؔ

(مظہر علی شاہ۔ شادؔ وارثیؒ)

جب آنکھوں میں تری ہوتی نہیں ہے — دعا پوری کبھی ہوتی نہیں ہے
محبت کی وہ دنیا ہے جہاں پر — کبھی اپنی خوشی ہوتی نہیں ہے
برابر اُن کی ہے بندہ نوازی — ہمیں سے بندگی ہوتی نہیں ہے
خرد سے عشق میں چلتا نہیں جو — اُسے شرمندگی ہوتی نہیں ہے
محبت کی تڑپ اللہ اکبر — کبھی اس میں کمی ہوتی نہیں ہے

محبت بڑھتی ہی جاتی ہے اے شادؔ
محبت میں کمی ہوتی نہیں ہے

۹ ــــ صرف دو چیزیں تھیں! ــــ (ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعوت لیکر اٹھے تھے تو ساری دنیا میں تنہا آپ ہی ایک مسلم تھے نہ کوئی آپ کا ساتھی اور ہم خیال نہ تھا۔ دنیوی طاقتوں میں سے کوئی طاقت آپ کو حاصل نہ تھی۔ گرد و پیش کے لوگ تھے ان میں خود سری اور انفرادیت انتہا درجہ پر پہنچی ہوئی تھی۔ ان میں سے کوئی کسی کی بات سننے اور اطاعت کرنے پر آمادہ نہ تھا۔ وہ نسل اور قبیلہ کی عصبیت کے سوا کسی اور عصبیت کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔ ان کے ذہن ان خیالات اور مقاصد سے کوئی دور کا لگاؤ بھی نہ رکھتے تھے۔ جن کی تبلیغ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے تھے۔ اس ماحول اور ان حالات میں کون سی بات تھی جس نے ایک تنہا انسان بے یار و مددگار اور بے وسیلہ انسان نے ان لوگوں کو اپنی طرف کھینچا؟ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کو یہ لالچ دیا تھا کہ میں تم کو زمین کی حکومت دلاؤں گا؟ رزق کے خزانے دلواؤں گا؟ دوسروں پر فتح اور غلبہ بخشوں گا؟ بیرونی طاقتوں کو نکال باہر کروں گا اور عرب کو ایک طاقتور سلطنت بنا دوں گا؟ تمہاری تجارت اور صنعت و حرفت کو ترقی دوں گا؟ تمہارے وسائل معیشت بڑھاؤں گا اور تمہیں ایک ترقی یافتہ اور غالب قوم بنا کر چھوڑوں گا؟ ظاہر ہے کہ ایسا کوئی لالچ آپ نے نہیں دلایا تھا۔ پھر کیا آپ نے امیروں کے مقابلہ میں غریبوں کی اور سرمایہ داروں اور زمینداروں کے مقابلہ میں مزدوروں اور کاشتکاروں کی حمایت کا جھنڈا اٹھایا تھا؟ سیرت نبوی گواہ ہے کہ یہ چیز بھی نہ تھی۔ پھر کیا آپ نے کوئی سیاسی یا تعلیمی یا تمدنی یا تہذیبی یا معاشی یا قومی تحریک اٹھائی تھی اور اس کی طرف لوگوں کو کھینچنے کے لیے فلسفیانہ دلائل سے کام لیا تھا؟ واقعات شاہد ہیں کہ ان میں سے بھی کوئی چیز نہ تھی۔ پھر خود دیکھیے کہ آخر وہ کس چیز کی کشش تھی کہ عرب اور عجم، امیر اور غریب، آقا اور غلام سب کو آپ کی طرف کھینچا؟ دنیا جانتی ہے کہ وہ صرف دو چیزیں تھیں، ایک قرآن کی تعلیم دوسرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت۔



طاہرہ بیگم، ملّاہیلی

اللہ اکبر! کیا فضا ہے کیسا سماں ہے۔ عرش سے فرش تک نور ہی نور۔ سرورِ کائناتؐ جلوہ افروز ہیں۔ اس نورانی فضا میں فرشتے ایستادہ اور صحابہ کرامؓ دست بستہ حاضر ہیں۔ ایک سائل آیا اور اس نے کچھ سوالات پیش کرنے کی اجازت چاہی۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپؐ نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی پھر ارشاد ہوا: "ہاں اجازت ہے۔ تو دنیا و آخرت کے بارے میں جو بات چاہے دریافت کر۔"

اُس نے عرض کیا	آپؐ نے فرمایا
★ یا رسولؐ اللہ! میں چاہتا ہوں کہ سب سے بڑا عالم بن جاؤں۔	★ اللہ سے ڈرتا رہ تو سب سے بڑا عالم بن جائے گا۔
★ میں چاہتا ہوں کہ سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤں۔	★ قناعت اختیار کر سب سے زیادہ مالدار ہو جائے گا۔
★ میں چاہتا ہوں کہ لوگوں میں سب سے بہتر ہو جاؤں۔۔۔	★ جو شخص لوگوں کو نفع پہنچائے وہ سب سے بہتر ہے تو لوگوں کے لئے نفع بخش بن جا سب سے بہتر ہوگا۔
. . . .	
★ میں سب سے زیادہ عادل اور منصف بننا چاہتا ہوں۔	★ دوسروں کے لئے وہی پسند کر جو اپنے لئے پسند کرتا ہے تو سب سے زیادہ عادل اور منصف بن جائے گا۔
. . . .	
★ خدا کی بارگاہ میں سب سے زیادہ مخصوص و مقرب بننا چاہتا ہوں۔	★ تو خدا کا ذکر خوب کیا کر، خدا کی بارگاہ میں مخصوص اور مقرب ہو جائے گا۔
★ میرا شمار مخلصین اور صالحین میں ہو جائے۔۔۔	★ تو خدا کی عبادت ایسی کر گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے اگر اس طرح ممکن نہ ہو تو ایسی عبادت کر گویا وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے
. . . .	
★ میں چاہتا ہوں کہ میرا ایمان مکمل ہو جائے۔	★ تو اپنے اخلاق درست کر لے تیرا ایمان مکمل ہو جائے گا۔
★ میری یہ آرزو ہے کہ حشر کے دن نور میرے ساتھ ہو۔	★ تو کسی پر ظلم نہ کر، قیامت کے دن نور تیرے ساتھ ہوگا۔

اُس نے عرض کیا	آپؐ نے فرمایا
★ میں چاہتا ہوں خدا مجھ پر رحم فرمائے	★ اطاعت و بندگی کے ذریعہ اللہ کے بندوں پر رحم کر، خدا تجھ پر رحم کی نظر فرمائے گا۔
★ میری خواہش ہے کہ میرے گناہ کم ہو جائیں۔	★ کثرت سے استغفار کیا کر تیرے گناہ کم ہو جائیں گے۔
★ میں بزرگ بننا چاہتا ہوں	★ مصیبت کے وقت لوگوں سے اللہ کی شکایت نہ کر، سب سے زیادہ بزرگ ہو جائے گا۔
★ میں چاہتا ہوں کہ میرے رزق میں برکت ہو	★ تو ہمیشہ پاک یعنی باوضو رہ تیرے رزق میں برکت ہوگی۔!
★ میرا شمار خدا اور رسولؐ کے دوستوں میں ہو جائے ..	★ جو باتیں خدا اور رسولؐ کو پسند ہیں ان کو پسند کر، اور جن باتوں سے اللہ اور رسولؐ کو نفرت ہے ان سے نفرت کر تو خدا اور رسولؐ کا دوست بن جائے گا۔
★ میں چاہتا ہوں مجھ پر خدا کا غضب نازل نہ ہو ..	★ تو کسی پہ بے جا غصہ نہ کر خدا کے غضب اور ناراضگی سے بچا رہے گا۔
★ میں چاہتا ہوں کہ میری ہر دعا قبول ہو جایا کرے ..	★ حرام چیزوں اور حرام باتوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھ تو جو دعا مانگے گا قبول ہوگی۔
★ میں چاہتا ہوں کہ خدا میرے عیب چھپالے	★ تو خدا کے بندوں کی پردہ پوشی کر، خدا تیری پردہ پوشی کرے گا۔
★ کون سی نیکی خدا کے نزدیک افضل ہے	★ بہترین اخلاق، عجز و انکساری، مصیبتوں پر صبر کرنا اور خدا کے فیصلوں پر راضی رہنا افضل ترین نیکیاں ہیں۔!



لب پہ تو اللہ کی تعریف ہے تمجید ہے
اور عمل دیکھیں تو خود ایمان کی تردید ہے
کیا یہی توحید ہے؟ ______

جن کو وردِ سورۂ اخلاص کی تاکید ہے
ان کو بھی کفار ہی سے خوف اور امید ہے
کیا یہی توحید ہے؟ ______

خود ہوائے نفس کی ہے بے تکلف پیروی
اور خدائے پاک کے احکام پر تنقید ہے
کیا یہی توحید ہے؟ ______

جا رہی ہے یک قلم تعلیمِ قرآں کے خلاف
آیتِ قرآں سے جس تقدیر کی تمہید ہے
کیا یہی توحید ہے؟ ______

مشرکانہ رنگ میں ہوتا ہے اسکا اہتمام
خواہ وہ تقریبِ غم ہے خواہ جشنِ عید ہے
کیا یہی توحید ہے؟ ______

تو ہے کوشاں [illegible] کی سربلندی کے لئے
اور باطل قوتوں سے طالبِ تائید ہے
کیا یہی توحید ہے؟ ______

زندہ مردانِ خدا سے بے نیازی کا سلوک
اور مُردوں سے تجھے اولاد کی اُمید ہے
کیا یہی توحید ہے؟ ______

سجدہ قبروں پہ نظر دنیا پہ طعنہ بتاں
دین کی تنقیص میں اغیار کی تقلید ہے
کیا یہی توحید ہے؟ ______

کعبۂ دل میں بسا لے جا رہے ہیں بُت نئے
جاہلیت کے پرانے دور کی تجدید ہے
کیا یہی توحید ہے؟ ______

اب مسلماں کو نہیں لا تقنطوا کا بھی یقین
کفر سے مرعوب ہے اسلام سے نومید ہے
کیا یہی توحید ہے؟ ______

وحدتِ ملت ہوئی ہے پارہ پارہ اے اسد
انتشارِ فکر کی ہر طرح سے تائید ہے
کیا یہی توحید ہے؟ ______

سلام

وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا (النساء — ۸۶)

جب تمہیں سلام کیا جائے تو اس سے اچھا یا اسی کے موافق جواب دو۔

سلام کرنے سے آپس میں محبت بڑھتی ہے۔ داخل ہونے والوں کو چاہئے کہ گھر کے لوگوں کو سلام کرے جیسا کہ آیت مذکورۂ ذیل میں حکم ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا (النور — ۲۷)

اے ایمان والو کسی دوسرے کے گھر میں مت داخل ہو جب تک ان سے مانوس نہ ہو جاؤ اور سلام نہ کر لو۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ ہمیشہ سلام میں سبقت فرمایا کرتے تھے حتیٰ کہ اپنے سے چھوٹوں کو بھی موقع نہ دیتے تھے کہ وہ پہلے سلام کر سکیں۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی عمل تھا ایک دفعہ آپ جا رہے تھے راستہ میں بچے کھیل رہے تھے۔ آپ نے ان کو سلام کیا۔

پیدل چلنے والے کو چاہئے کہ سوار کو سلام کرے۔ کھڑا ہونے والا بیٹھنے والوں پر سلام کرے اسی طرح ہر چھوٹے کو سلام کرنے میں سبقت کرنا چاہئے۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ)

شکر

وَسَنَجْزِي الشَّاكِرِينَ ۝ (آل عمران ۱۴۵)

ہم عنقریب شکر کرنے والوں کو بدلہ دیں گے۔

ہر چھوٹی نعمت پر خواہ کسی بندے کے ذریعہ ہی کیوں نہ ہو اس پر اللہ تعالیٰ کا احسان ماننا چاہئے اس کو شکر کہتے ہیں آپ نے فرمایا مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ۔ (ابوداؤد، مسند احمد) جس نے لوگوں کا شکر ادا نہ کیا اس نے خدا کا بھی شکر ادا نہیں کیا۔ لہٰذا اپنے ہر محسن کا شکریہ ادا کرنا

ضروری ہے۔

وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝ (آل عمران) عنقریب اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو بدلہ دیگا۔

یہی کیا تھوڑا بدلہ ہے کہ شکر کرنے والے کا دل خوش رہتا ہے۔ وہ تھوڑی چیز سے بھی خوش ہو جاتا ہے اور جو لوگ کفرانِ نعمت کے عادی ہوتے ہیں ان کو جب کبھی کوئی نعمت ہاتھ آتی ہے تو اس کو تھوڑا سمجھتے ہیں۔ اس میں برائیاں نکالتے ہیں۔ بہر صورت وہ کبھی مسرور نہیں ہوتے ہمیشہ غمگین ہی رہتے ہیں۔ یہ عادت عموماً اپنے سے اونچے طبقہ کی طرف دیکھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اسی لئے آپؐ نے فرمایا ہے "ہمیشہ اپنے سے بُری حالت والوں کو دیکھو اوپر کی طرف نظر نہ کرو ایسا کرنے سے یقیناً شکر کا مادہ پیدا ہوتا ہے"۔ (جامع ترمذی)

صبر

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (آل عمران ۱۴۶) اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

تکالیف کو خوش روئی سے برداشت کرنے کا نام صبر ہے۔ یوں تو ہر شخص کو کچھ دن گذرنے پر صبر آہی جاتا ہے مگر صابر وہ ہے جو ابتدائے مصیبت میں صبر کرتا ہے "اَلصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْاُوْلٰى"۔ صبر کی قرآن و حدیث میں بہت تعریف آئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ کرام نے کفار سے ہر قسم کی تکالیف اُٹھائیں مگر ہمیشہ صبر کرتے رہے۔ بھوک، پیاس، جان و مال، اولاد غرض سب ہی طرح کی مصیبتیں ان لوگوں پر پڑیں مگر وہ حق سے نہ پھرے۔ ان کو جلتی ریت پر مکہ کی تیز دھوپ میں پتھروں کے نیچے دبایا گیا۔ مگر وہ برابر اَحَد، اَحَد کہتے رہے۔

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (البقرہ۔ ۱۵۴) اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

صبر کا پھل ہمیشہ میٹھا ہوتا ہے۔ خدا صابروں کے ساتھ ہے اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہو سکتی ہے روزہ سے قوتِ صبر بڑھتی ہے اور سخت زندگی گذارنے سے بھی۔



ایمان افروز کہانی

مائل خیرآبادی

محبت، ایمان اور یقین کی ملی جلی داستان

قیصر و کسریٰ کی جنگ کا ایک دلچسپ باب

اب تک کہانی کا خلاصہ

سعد و سلمیٰ مدینے کے ایک مشہور قبیلے کے دو خاندانوں اوس و خزرج کے چشم و چراغ تھے۔ سعد و سلمیٰ کی ملاقات ایک نخلستان میں ہوئی اور دونوں نے ایک دوسرے سے متاثر ہو کر باہم پیمان محبت کیا۔ اس کے بعد وہ مسلمان ہو گئے۔ وہ قیصر و کسریٰ کی جنگ کے حالات سے واقف ہو چکے تھے۔ سورہ روم کی ابتدائی آیات کی پیشین گوئی سے متاثر ہو کر قیصر کی مدد کرنا چاہتے اور اسے یہ پیشین گوئی پہنچا کر تقویت دینا چاہتے۔ دونوں طرابزون کے علاقے میں قیصر سے ملے۔ وہ ایرانیوں کے ڈر سے بھاگا بھاگا پھرتا تھا۔ انھوں نے اسے قرآن کی پیشین گوئی سنائی۔ پھر اپنے خاندانوں کا تعارف کرایا۔ قیصر نے جاسوس مدینے اور مکے کی طرف روانہ کر دیئے۔ اسی درمیان ہمت کر کے ارمینیا کا قلعہ سعد و سلمیٰ کی مدد سے فتح کیا اور یہیں اس کے جاسوں نے مکے اور مدینے کے بہت سے واقعات سنائے۔ قیصر بہت خوش ہوا۔ اسے یقین ہو گیا کہ سعد و سلمیٰ جو پیشین گوئی سنا رہے ہیں وہ پوری ہو کر رہے گی۔ یہ پیشین گوئی بھی صحیح ثابت ہوئی کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم مکے سے مدینے ہجرت کر جائیں گے اور یہ پیشین گوئی بھی ٹھیک نکلی کہ اوس و خزرج جو مدتوں سے باہم لڑ رہے تھے اُن کے دل جڑ جائیں گے۔ ان تصدیقوں سے قیصر کا دل بہت مضبوط ہوا۔ اس کی ہمت بڑھ گئی اور اب وہ ایران کی طرف بڑھنے کے منصوبے بنانے لگا۔ اس عرصے میں اس کا سپہ سالار تیس برس کا جوان سعد و سلمےٰ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔ سعید رابرٹ (سپہ سالار)، سعد و سلمےٰ آپس میں بھائی بہن بن گئے۔ اس کے بعد سعید رابرٹ ہراول دستہ لے کر آگے بڑھا۔ ہوشنگ شاہ سے جنگ شروع ہوئی۔ ہوشنگ شاہ مارا گیا۔ اس کا سر کاٹ کر میدان جنگ میں پھینک دیا اور مسلمانوں نے پکارا "یہ ہے اس کا سر"۔

اب آگے پڑھئے:۔

سرا گرمیدانِ کارزار میں گرا تو ایرانیوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ وہ رات کی تاریکی میں بھاگ گئے۔ قیصر ٹھیک اس وقت جب سورج طلوع ہو رہا تھا فاتحانہ قلعے میں داخل ہوا۔ قلعے کے اندر داخل ہوتے ہی اعلان کروا دیا کہ جو ہتھیار ڈال دے اور اپنے گھر کے دروازے بند رکھے اسے اماں ہے۔

شہریوں نے کسی طرح کی مدافعت نہیں کی۔ سب نے سر تسلیم خم کر دئے۔ پورا تسلّط قائم کرنے کے بعد جب قیصر اور اس کے لشکری فارغ ہوتے اور سعید رابرٹ اور سعد کے جانباز جو بھوت بنے ہوتے تھے، نہا دھو کر آئے تو قیصر نے حکم دیا کہ قباد شہر یار اور مہرنگار کو تلاش کیا جاتے۔ داروغہ زنداں نے خود حاضر ہو کر سر تسلیم خم کر دیا تھا۔ اس نے نہایت اعزاز کے ساتھ شہزادہ قباد ثانی اور مہرنگار کو حاضر کر دیا۔ مہرنگار سلمٰی کے گلے سے لپٹ کر خوب روئی۔ شہزادہ قباد شہریار کو قیصر نے گلے سے لگا لیا۔ پھر وہ سعد و سعید رابرٹ سے ملا۔ مہرنگار کی طرف دیکھا ہنس کر بولا "تم تو کہتی تھیں کہ اس قید سے دو تین برس میں چھٹکارا ہوگا۔ وہ تو دو تین مہینے ہی میں ہو گیا جو کچھ ہونا تھا۔" مہرنگار رو رہی تھی وہ ہنس پڑی۔ سلمٰی نے اس سے گلے ملتے وقت مختصر طور پر سب کچھ بتانے کے بعد کہا کہ اپنے بھوت سے بھی تو مل لے۔ مہرنگار نے سعید رابرٹ کو اور سعید رابرٹ نے مہرنگار کی طرف دیکھا۔ ایک قہقہہ بلند ہوا۔ مہرنگار شرما گئی۔

سعد و سلمٰی نے آپس میں سرگوشی کی کہ اب ان دونوں کی شادی ہو جانا چاہئے۔ انھوں نے قیصر سے اور قیصر نے ان دونوں سے کہا تو عجیب لطیفہ ہوا۔ ان دونوں نے اصرار کیا کہ جب تک سعد و سلمٰی آپس میں شادی نہ کریں گے اس وقت تک وہ بھی نہیں کریں گے۔ قیصر نے سعد و سلمٰی پر زور دیا تو وہ دونوں بھی راضی ہو گئے۔ قیصر ان سب کا ولی بنا اور بڑے ٹھاٹ سے ان کی شادی خانہ آبادی ہو گئی۔ قیصر نے دل کھول کر خرچ کیا۔ مہرنگار کے نام ارمینیا کا خراج لکھ دیا۔ پوری فوج کی دعوت ہوئی۔ سلمٰی کے تحفے محفوظ کر دئے گئے اس وقت کے لئے جب کہ وہ اپنے وطن واپس ہو۔ بہت دنوں تک شہر میں دونوں شادیوں کی دھوم رہی۔ قباد شہریار کے بارے میں سوچا جانے لگا کہ وہ کہاں رہے گا اور کیا کرے گا۔ قیصر کی رائے تھی کہ وہ ارمینیا کا گورنر بنا دیا جائے لیکن خود اس کا منصوبہ دوسرا تھا۔ وہ تن تنہا مدائن جانا چاہتا تھا لیکن اس کی اس رائے سے کسی نے

اتفاق نہیں کیا۔ قیصر نے اسے ارمینیا کی اس فوج کا افسر بنا دیا جس نے خوشی خوشی وفاداری کا اعلان کیا تھا۔ اب قیصر نے سعید رابرٹ کی ذمہ داری کم کی۔ وہ سپہ سالار بھی تھا اور ہراول دستے کی نگرانی بھی کر رہا تھا۔ اب ہراول دستہ قباد ثانی کے سپرد کیا گیا جسے اس نے بخوشی قبول کر لیا۔ جس نے سُنا وہ خوش ہوا کہ قباد ثانی ایران کا باشندہ ہے اور واقف بھی، وہ اس ذمہ داری کو بحسنِ اسلوب انجام دے گا۔



خسرو پرویز کو یہ ساری خبریں پہنچتی رہی تھیں۔ اب جو اس نے سُنا کہ آذربائیجان اس کے ہاتھ سے نکل گیا اور قباد شہریار آزاد ہو گیا تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔ حیران تھا کہ یہ تو بساط ہی الٹ گئی۔ آذربائیجان کے بعد اب ایرانیوں کے پیغمبر زرتشت کی جنم بھومی ارمیاہ کی بھی خیر نہیں۔ ایرانیوں کا سب سے بڑا آتش کدہ یہیں ہے۔ اگر قیصر نے یہ آتش کدہ بجھا دیا تو دینِ زرتشت کا چراغ گُل ہو جائے گا۔

خسرو نے کافی سوچ بچار اور مشوروں کے بعد طے کیا کہ ارمیاہ کو بچانے اور قیصر کو پیچھے دھکیلنے کے لئے پوری طاقت لگا دینی چاہئے اور اس نے ایسا ہی انتظام کر دیا۔

ادھر قیصر موسمِ گرما کی پہلی کرن کے انتظار میں تھا۔ اس وقت ایران برف سے ڈھکا تھا۔ ذرا برف پگھلے تو آگے بڑھے۔ اس عرصے میں اس نے نئی بھرتی کی۔ اپنی فوج آٹھ ہزار سے بڑھا کر بیس ہزار تک پہنچا دی اور اسے اپنے ڈھب سے تربیت اور ترتیب دینے لگا۔ آذربائیجان کی فتح میں اسے بے شمار دولت ہاتھ آئی تھی۔ اس نے اسقفِ اعظم کا قرض مع سود ادا کر دیا اور اس سے دعا کی درخواست کی۔ دوسری طرف مدینے اور مکے کی طرف کے اس کے جاسوس نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک بات کی خبر اسے دے رہے تھے۔ ان خبروں سے اس کے دل کو بڑی تقویت پہنچ رہی تھی اور اس کے سپاہیوں کا دل بڑھ رہا تھا۔ قباد شہریار کے ہراول دستے کے جاسوس خسرو کے انتظامات کا پورا حال آ آ کر بتا رہے تھے۔

اطلاعات کے مطابق قیصر اپنے منصوبے میں ترمیم کرتا رہتا تھا۔

موسم گرما کے پہلے دن جب سورج کی پہلی کرن سرزمین ایران پر پڑی اور برف پگھلنا شروع ہوئی تو ساری زمین لالہ زار بن گئی۔ باغ و بہار فضا میں سب سے پہلے قباد شہریار ہراول دستے کو لے کر آگے بڑھا۔ آگے پیچھے سپہ سالار سعد رابرٹ، سعد و سلمٰی اور قیصر بھی احتیاط کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔ ارمیاہ ابھی دور تھا۔ جاسوسوں نے خبر دی کہ دشمن نے اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ مقام 'نگارین' پر مورچے سنبھال لئے ہیں۔ انھوں نے طے کر لیا ہے کہ یہیں سے قیصر کو پیچھے ڈھکیل دیا جائے گا۔

قیصر نے قباد ثانی کی طرف دیکھا اور اس نے اپنا ہراول دستہ اسی طرف موڑ دیا۔ آگے پیچھے نگارین پہنچ کر دشمن کے لاؤ لشکر کی ترتیب دیکھی تو سب کے ہوش اڑ گئے۔ خسرو نے ایرانی افواج کا سپہ سالار رستم ثانی کو بنایا تھا۔ رستم بڑا جہاندیدہ اور تجربہ کار سردار تھا۔ اس نے اپنے لشکر کے آگے ہاتھیوں کی قطار قائم کی تھی۔ تمام ہاتھی آہنی جھولوں سے آراستہ تھے۔ ان کی سونڈوں اور مستک کے اوپر لوہے کی چادریں چڑھا دی گئی تھیں اور ان کی سونڈوں میں بے اندازہ وزن کے گرز تھما دیئے گئے تھے۔ ان کالے پہاڑوں کے آگے ایک پیل سپید (سفید ہاتھی) تھا جو ان تمام پہاڑوں سے اونچا اور بھاری تھا۔ اس کی سونڈ میں آہنی لٹ تھی اور وہ سب سے آگے کھڑا مستی کے ساتھ جھوم رہا تھا۔ ہاتھیوں کے پیچھے تیراندازوں کی صفیں تھیں جو رستم کے ایک اشارے پر تیروں کی بارش کرنے کے لئے بے چین تھے۔ اس کے بعد پیادہ اور سواروں کے دستے تھے۔ رستم نے ایک ٹیلہ اپنے لیے چنا تھا جہاں سے وہ پوری کیفیت جنگ آسانی کے ساتھ دیکھ سکتا تھا۔ جہاں تک نظر جاتی تھی زرہ بکتر اور تیر و تلوار سے لیس سپاہیوں کا جنگل ہی جنگل تھا۔

اس کے معنی یہ نہیں کہ قیصر اس لاؤ لشکر کو دیکھ کر ہراساں ہو گیا۔ وہ اور اس کے سردار یہ سوچ رہے تھے کہ ان پیلان مست سے کس طرح نبٹا جائے گا۔ رومیوں نے کبھی ہاتھیوں سے ٹکر نہیں لی تھی۔ سب اسی سوچ میں تھے۔ مسئلہ لاینحل نظر آ رہا تھا۔ قیصر کو سب سے زیادہ سعد و سلمٰی کی صائب رائے پر یقین تھا۔ وہ بار بار ان دونوں کی طرف دیکھتا تھا۔ سعد و سلمٰی کا یہ حال تھا کہ وہ سر پکڑے بیٹھے تھے۔ ان کے

دل و دماغ کی سوچوں کے تمام سوتے کھلے ہوئے تھے لیکن وہ بھی کوئی قطعی فیصلہ نہیں کر پا رہے۔
"تو کیا تمہارے نبی کی پیشین گوئی غلط ہو جائے گی؟" قیصر کے اس فقرے نے سعد
سعد نے سلمیٰ کے کان میں کچھ کہا۔ سلمیٰ کی زبان سے نکلا "طیب"۔ سعد سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اس نے کہا
شہریار سے تنہائی میں کچھ مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔ اس مشورے میں سعید رابرٹ اور سلمیٰ کے علاوہ
شریک نہ ہوگا۔ پھر جو فیصلہ ہم کریں گے اس کی ذمہ داری صرف مجھ پر ہوگی اور انجام اللہ کے ہاتھ
قباد شہریار اور سعید رابرٹ اٹھ کر سلمیٰ کے خیمے میں پہنچے۔ سعد بعد میں پہنچا لیکن اس طرح
خارا شگاف اس کے ہاتھ میں تھا۔ سر پر خود۔ زرہ بکتر سے لیس۔ اس شان کے ساتھ سلمیٰ نے بھی ا
دیکھا تھا۔ سب حیران رہ گئے۔

"کیا ارادہ ہے سعد! میری جان بھی تمہارے ساتھ ہے"، سلمیٰ نے کہا۔
"میں اپنے نبی کی پیشین گوئی کے لئے اپنی جان قربان کرنے جاؤں گا۔"

سعید رابرٹ اور قباد شہریار اٹھ کھڑے ہوئے اور سعد کے گلے سے لپٹ گئے۔ "کیا
میرے عزیز از جان بھائی! کیا تم مجھے نہ بتاؤ گے؟"

"تم سے ہی بتاؤں گا"، سعد بولا۔ "اے بہادر سپہ سالار! میں نے آپ کو اپنا بھائی
بڑا بھائی۔ یاد رکھئے کل اگر آپ کا چھوٹا بھائی مارا گیا تو قیامت تک دوسرا سعد آپ کو پیدا نہ ہو سکے گا۔"
"کیا سوچا ہے میرے سعد!" سلمیٰ نے سعد کے گلے کو بوسہ دیا۔ قباد ششدر تھا۔ آخر
"سعد! ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ تم نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ ہم یقین دلاتے ہیں کہ اگر تم کل
کود گئے تو ہم بھی اس میں کود پڑیں گے۔"

سعد نے دیکھا کہ قباد شہریار بھی جذبات سے بھر گیا ہے تو اس نے تدبیر جنگ بتائی:
"میں کل پیل سپید پر حملہ آور ہوں گا۔"

"ہائیں!" قباد، سعید اور سلمیٰ سب نے دانتوں تلے انگلی داب لی۔

"میں پیدل پیل سپید کے مقابلے کو بڑھوں گا۔"

"پیدل؟" سب کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"میں اپنے منہ بولے بھائی سعید رابرٹ سے قدر اندازوں کا تعاون چاہتا ہوں۔"

"کیا؟ انشاء اللہ مکمل تعاون ہوگا۔"

"کل جیسے ہی میرا قدم آگے بڑھے آپ قدر اندازوں کو حکم دیں کہ وہ اس قدر تیر برسائیں کہ فیلبانوں راد یں یں ان تیروں کے سائے میں آگے بڑھوں گا۔ سلمیٰ میرے ساتھ ہوگی۔ وہ بہترین برچھی مار ہے۔ آج اس کا نشانہ نہیں چوکا۔ سلمیٰ برچھی پھینک کر پیل سپید کی آنکھ میں مارے گی۔ اس کے بعد لوگ دیکھیں گے جو یکھیں گے۔ کیوں سلمیٰ! تم کو اپنی وفادار برچھی پر پورا بھروسا ہے؟"

"مجھے اپنے خدا پر پورا بھروسہ ہے۔" سلمیٰ کی زبان سے نکلا لیکن سعید رابرٹ اور قباد شہریار نے اپنے سر پکڑ لئے۔ انھوں نے مشورہ دیا کہ قیصر کا حکم ضرور لے لینا چاہئے۔ سعد نے کہا کہ قیصر کبھی حکم نہ دے گا۔ سعد بضد تھا اور سلمیٰ اس کی حامی لیکن سعید اور قباد کسی طرح اس کے جذباتی فیصلے کو ماننے کے لئے نہیں ہو رہے تھے۔ آخر سعد نے کہا "اگر آپ میرا فیصلہ قبول نہیں کرتے تو ہم دونوں آپ کی مدد کے بغیر ہی سپید پر پل پڑیں گے۔ اگر ہم اسے مار نہ سکیں گے تو مر تو سکتے ہیں۔"

"بہر حال میں وہ سب انتظام کر دوں گا جو تم کہتے ہو" سعید نے کہا اور سب اٹھ گئے۔ سعید رابرٹ نے کے وقت تنہائی میں قیصر کو سعد کا فیصلہ سنا دیا۔ اس نے کہا "ایسا ہرگز نہ کرنے دوں گا۔ سعد کبھی جذباتی نہ تھا کیا ہو گیا ہے؟"

"میں گذارش کروں گا کہ آپ اسے نہ روکیں۔ وہ کہتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پوری ہو کر ہے گی۔ یہ تو ممکن ہے کہ کل سورج پچھم سے نکلے لیکن یہ ناممکن ہے کہ پیشین گوئی پوری نہ ہو۔"

قیصر رات بھر کروٹیں بدلتا رہا۔ وہ ٹھیک سے سو نہ سکا۔ صبحدم سعد تیغہ خارا شگاف اور سلمیٰ برچھی لئے طرح میدان جنگ میں پہنچے کہ قرآن ہر ایک کے گلے میں لٹک رہا تھا اور دونوں کی شعلہ بار نظریں پیل سپید

پر مری تھیں۔

سورج کچھ بلند ہوا تھا کہ رستم نے اپنے قدر اندازوں کو حکم دیا۔ ادھر سے تیروں کی باڑھ چلی۔ سعد طرف دیکھا اور ادھر سے بھی تیروں کی بارش شروع ہو گئی۔ سعید رابرٹ کے قدر اندازوں کا نشانہ فیلبان

"بسم اللہ مجریھا و مرسٰھا" کہہ کر سلمیٰ آگے بڑھی۔ اس سے لگا ہوا سعد اس کے پیچھے چلا۔ ڈھالیں آگے کر لی تھیں۔ قیصر یہ سب دیکھ رہا تھا۔ اس نے انگلی سے صلیب کا نشان سینے پر بنایا اور پکار اٹھا "اے باپ کے پیارے یسوع مسیح! اپنے بندے کی مدد فرما۔"

سلمیٰ اور سعد بڑی احتیاط کے ساتھ آگے پیچھے بڑھ رہے تھے۔ تیر ان کے دائیں بائیں سن سن تھے۔ بہت سے تیر ان کی ڈھالوں سے ٹکرا کر ان کی قدم بوسی کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

پیل سفید سلمیٰ کی زد پر آیا تو اس نے سعد کی طرف دیکھا اور "اللہ اکبر" کے نعرے کے سا پھینک ماری۔ برچھی پھینک کر وہ پیچھے ہٹی تو دیکھا کہ پیل سفید نے ایک چنگھاڑ ماری۔ برچھی اس کی آ میں ترازو ہو چکی تھی اور آہنی لاٹ اس کی سونڈ سے چھوٹ چکی تھی۔ وہ پھر چنگھاڑا۔ سعد تیغ خارا شگاف۔ بدلے سامنے تھا۔ ہاتھی نے سونڈ اٹھائی اور چاہا کہ آگے بڑھ کر سعد کو گرا دے کہ بجلی کی طرح تیغہ چمکا۔ سعد کے نچلے حصے کی طرف وار کیا تو اس کا تیغہ سونڈ کے اوپری حصے پر منڈھی ہوئی آہنی چادر سے جا ٹکرایا۔ کی سونڈ جھول گئی۔ ہاتھی ترٗوس ہو کر پیچھے کی طرف مڑا۔ سعید رابرٹ کے قدر اندازوں نے اپنے تیروں سے فیلبانوں کو گرا دیا تھا۔ پیل سپید پیچھے مڑ کر بھاگا تو فیلبانوں سے آزاد ہاتھی اس کے پیچھے ہو لئے اور ایرانی فو روندتے ہوئے بھاگ نکلے۔

سعد و سلمیٰ اپنی فوج میں پہنچ چکے تھے۔ انھوں نے سعید رابرٹ کو پکارا "فوراً حملہ آور ہو جاؤ۔" آواز کے ساتھ بیس ہزار فوج نے گھوڑوں کو ایڑ لگائی۔ ایرانی لشکر کو انہی کے ہاتھیوں نے پامال کر رکھا اب جو رومی بلا تے بے درماں کی طرح ٹوٹ پڑے تو رستم جیسا جہاندیدہ اور بہادر سردار کمان سنبھال نہ وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ اور پھر رومیوں نے کشتوں کے پشتے لگا دئے۔ قیصر پکارا "اب ایرانیوں کو مہلت

جائے۔ مارو۔ اے بہادرو! جواں پاؤ ان آتش پرستوں کو مار دو!"

قیصر ہرقل بھگوڑی فوج کو مارتا کاٹتا ارمیاہ میں گھس گیا۔ اس نے زرتشت کی جنم بھومی ارمیاہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ ایرانیوں کے مرکزی آتشکدے کو آگ لگا دی اور اس وقت تک تلوار میان میں نہ کی جب تک کہ وہ آگ بجھ نہ گئی۔ جی ہاں وہی آگ جو ہزاروں برس سے روشن تھی اور ایک لمحہ کے لئے بھی نہ بجھی تھی۔ رؤسائے شہر اس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اماں طلب کی۔ قیصر نے جواب دیا "جب تک ہمارا لاٹ پادری زکریاہ قید سے آزاد نہ ہوگا بزن بزن۔"

حکم ثانی نے شہر میں قیامت ڈھا دی۔ رومیوں نے شہر میں آگ لگا دی۔ گھروں میں گھس کر قتل عام شروع کر دیا۔ رؤسائے شہر تلاش بسیار کے بعد ایک تہہ خانے سے لاٹ پادری زکریاہ کو نکال کر لائے اور جب اس نے قیصر سے کہا کہ یسوع نے یہ کبھی نہیں فرمایا کہ اماں مانگنے والوں کو قتل کیا جائے تو قیصر کا غصہ فرو ہوا۔

اپنے لاٹ پادری کے سامنے قیصر نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ شہر والوں کو اماں ملی۔ امن بحال ہوا۔ کاروبار ہونے لگا۔ قیصر قلعے میں داخل ہوا۔ نئے سرے سے نظم و نسق قائم ہوا۔ اس میں قیصر کو ایک مہینہ لگ گیا۔ ایک مہینے کے بعد دربار عام کا حکم دیا۔ لاٹ پادری زکریاہ سے درخواست کی کہ وہ بھی تشریف لائیں۔ زکریاہ نے کہا کہ میں خود آتا، مجھے بھرے دربار میں یسوع کا ایک پیغام پہنچانا ہے۔

دربار پوری شان و شوکت کے ساتھ لگا تھا کہ قیصر کو مطلع کیا گیا "مکے اور مدینے کی طرف متعین جاسوس آئے ہیں اور فوراً ہی حاضری کی درخواست کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ قیصر کو سب سے بڑی خبر سنانا ہے۔"

قیصر نے جاسوسوں کو بلا بھیجا۔ بولا "تم کیا خبر لائے ہو؟" انھوں نے بتایا کہ ایک ماہ پہلے مسلمانوں کے نبی نے ۳۱۳ نہتے مسلمانوں کو لے کر بارہ سو مسلح قریشی لشکر کو شکستِ فاش دی۔ قریش کے تمام بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ مسلمانوں کے نبی کا کہنا ہے کہ عنقریب ایک دوسری خوشخبری سنو گے اور وہ یہ کہ آج ہی قیصر نے ایرانیوں پر فتح حاصل کی ہے اور اب یہ سال نہیں گزرے گا کہ خسرو اپنے کسی لڑکے کے ہاتھ سے مارا جائے گا۔

جاسوسوں سے یہ سنا تو قیصر لاٹ پادری کی طرف دیکھنے لگا۔ زکریاہ بیچ دربار میں کھڑا ہوا تھا۔ اس نے

کہا کہ میں کل کا ایک خواب سُنانا چاہتا ہوں۔ یسوع نے مجھے تعبیر کا علم بھی عطا فرمایا ہے۔ میں نے کل ٹھیک اس وقت جب کہ سپیدۂ سحر نمودار ہو چکا تھا خواب دیکھا کہ میرے ہاتھوں میں کبوتروں کا ایک جوڑا ہے۔ جب تک یہ زنداں میں رہا یہ جوڑا اپنی غٹرغوں غٹرغوں سے میرا دل بہلاتا رہا۔ لیکن کل یہ سفید کبوتروں کا جوڑا آپ سے آپ میرے ہاتھوں سے نکل گیا۔ اس میں حیرت کی یہ بات ہے کہ میں اس جوڑے کو مبارکباد دے رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ ان کو سلام کہہ دینا۔ تم سمجھے وہ کون۔ یسوع مسیح کی قسم تم ہرگز نہیں سمجھو گے۔

لوگو! سُنو، اور میری بات مانو۔ کبوتروں کا وہ جوڑا سعد و سلمٰی ہیں۔ وہ اب یہاں نہیں ٹھہر سکتے۔ ان کا مقصد پورا ہو گیا۔ اے قیصر! ان کو نہایت اعزاز کے ساتھ رخصت کر اور اے سعد و سلمٰی! تم میرا سلام اس پاک نبی سے کہہ دینا جس کی خبر یسوع نے دی ہے۔ تم گواہ رہنا کہ میں کل ہی مسلمان ہو گیا ہوں۔ اب میں تھوڑی دیر کا مہمان ہوں۔ یہ میرے خواب کی تعبیر ہے۔ میں کبوتروں کے جوڑے کے بغیر زندہ نہ رہ سکوں گا۔ آہ ۔ ۔ ۔ !

لاٹ پادری زکریاہ نے سینے پر ہاتھ رکھا اور ایک دلخراش ہائے کے ساتھ زمین پر گر گیا۔ تمام دربار تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا۔ ہر شخص اپنے سینے پر صلیب کا نشان انگلیوں سے بنانے لگا۔ سب سے پہلے سعد و سلمٰی جھپٹ کر اس کے پاس پہنچے اور اس سے لپٹ گئے:

"اے ہمارے محترم بزرگ! ہم کو آپ کی زندگی عزیز ہے۔ ہم آپ کو چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔"

عجیب درد انگیز منظر تھا۔ قیصر اور سارے درباری کھڑے رو رہے تھے اور سعد و سلمٰی زکریاہ سے لپٹے تقریباً بیہوش ہو گئے تھے۔ اتنے میں ایک نحیف آواز آئی:

"میرے بچو! تم کو اپنا وطن مبارک۔ اپنے نبی کی ملاقات مبارک۔ جب تم ۔ ۔ ۔ جب تم اپنے نبی ۔ ۔ ۔ اپنے نبی سے ملو ۔ ۔ ۔ تو ۔ ۔ ۔ تو ۔ ۔ ۔ تو ۔ ۔ ۔"

قیصر نے گھبرا کر حکم دیا کہ فوراً عرقِ حیات ٹپکایا جائے۔ عرق کے دو قطرے ہی ٹپکائے گئے تھے کہ آواز آئی:

"میرا سلام نبی ۔ ۔ ۔ صلے اللہ ۔ ۔ ۔ صلے اللہ علیہ وسلم سے ۔ ۔ ۔" لاٹ پادری زکریاہ کا سر داہنی طرف ڈھلک گیا اور عین خوشی کے دربار میں ماتم برپا ہو گیا۔

تجہیز و تدفین کے بعد جب سعد و سلمیٰ رخصت ہونے لگے تو سعید رابرٹ اور مہر نگار نے درخواست کی کہ وہ بھی سعد و سلمیٰ کے ساتھ جائیں گے۔

قیصر نے ان سے کہا: "لاٹ پادری کا حکم میں ٹال نہیں سکتا۔ سعد و سلمیٰ کو میں روک نہیں سکتا حالانکہ ابھی مجھے ان کی ضرورت ہے۔ ابھی خسرو زندہ ہے۔ ابھی میرا منصوبہ پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا۔ میں وعدہ کرتا ہوں خسرو کو اس کے انجام تک پہنچانے کے بعد تم کو بھی رخصت کر دوں گا۔ تم خود سوچو، کیا میں اپنے سارے قوی بازو توڑ دوں؟"

دوسرے دن قیصر نے سعد و سلمیٰ کو نہایت اعزاز کے ساتھ اور قیمتی تحفوں سے لدا ہوا رخصت کیا۔ لاٹ پادری کا خواب سُن کر بہت سے لشکری مسلمان ہو گئے تھے۔ وہ سعد و سلمیٰ کے ساتھ کر دیئے گئے۔ قیصر نے ان کے لئے دعا کی۔ سینے سے لگا کر گلے کو بوسہ دیا اور بڑی حسرت کے ساتھ انہیں رخصت کیا۔ اس وقت اس کی حالت اس شعر کے مصداق تھی:

ان کو رخصت کر کے تا حدِّ نظر دیکھا کئے
کیا کہیں دیکھا نہ جاتا تھا مگر دیکھا کئے

دور تک پہنچانے گیا۔ جب تک سعد و سلمیٰ نظر آتے رہے وہ اپنی جگہ ... رہا۔ پھر دو قطرے اس کی آنکھوں سے گرے۔ انہیں اس نے اپنے دامن میں جذب کر لیا۔ اس کے ... قباد شہر یار کو حکم دیا کہ اپنا ہراول دستہ آگے بڑھائے۔



قباد شہر یار نے اب نقشۂ جنگ اپنی سمجھ سے ترتیب دیا۔ نقشۂ جنگ قیصر کو سمجھاتے ہوئے بولا:

"آپ تو شاہراہ پر ہی آگے بڑھیں گے۔ میرے جاسوس آپ کی رہنمائی کریں گے۔ میں شاہراہ چھوڑ کر ٹیڑھے میڑھے راستوں اور پہاڑوں کے درّوں سے گزر کر آپ سے پہلے نینوا پہنچ جاؤں گا۔ خسرو کے

جاسوسوں کی نظر آپ پر رہے گی۔ دراصل یہ میری چال ہے۔ خداوند یزداں نے چاہا تو میں خسرو کے جاسوسوں کو دھوکا دینے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ اگر نینوا فتح ہو گیا تو پھر خود خسرو کے گھر میں بغاوت پھوٹ پڑے گی۔ نینوا میں میرا بھائی ایرج قید ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ میری رہائی کی خبر سن کر خسرو ایرج کو قتل کرا دے۔ اس لئے مجھے جلد سے جلد نینوا پہنچنا ہے۔

ہرقل سے مشورہ کرنے کے بعد قباد نے سعید رابرٹ سے کہا کہ خسرو اپنی ساری طاقت نینوا کے میدان جنگ میں جھونک دے گا۔ شاہراہ پر روکنے والا شاذ و نادر ہی اس کا کوئی دستہ ہوگا۔ اس لئے تیز گامی کے ساتھ تم کو نینوا پہنچنا ہوگا۔ تم جس قدر جلد مجھ سے آ ملو گے، اُتنی ہی جلد کامیابی کی اُمید رکھنا چاہیئے۔

قیصر اور سعید رابرٹ سے مشورہ کر کے قباد شہریار اٹھا نہیں تھا کہ اس کے جاسوس گھبرائے ہوئے آئے اور انھوں نے فوراً باریابی کی درخواست کی۔ قباد نے وہیں بلا لیا۔ جاسوسوں نے بتایا کہ ایک ہفتہ کے بعد آج ہی کے دن دوشنبہ کو نینوا کا گورنر خسرو کے حکم سے 'رقصِ بسمل' کی رسم ادا کرے گا۔ یہ خبر سن کر قباد "ہائے میرا بھائی ایرج" چیخ اٹھا۔ قیصر نے اسے سینے سے لگا لیا، تسلی دی اور پوچھا "یہ رقصِ بسمل کیا ہوتا ہے؟" اس نے بتایا کہ مسطح (سپاٹ) بڑے توے پر ایرج کو کھڑا کر کے نیچے آگ دہکا دی جائے گی۔ توا گرم ہونے پر ایرج اس پر بھاگتا پھرے گا۔ پھر جب توا خوب گرم ہو جائے گا تو وہ توے پر ہی گر جائے گا اور بھن کر رہ جائے گا۔ اسے قیصر! ایرج ایران کی جان ہے۔ اسے بچانے کے لئے سبقت کیجئے۔

یہ کہہ کر قباد شہریار اٹھا۔ اپنے ہراول دستے میں گیا۔ اپنے نائب ولیم شاہ کو حکم دیا کہ دَرّۂ سیاہ سے گزر کر کوہ گردگان ہوتے ہوئے نینوا پر یکدم حملہ کرنا ہوگا۔ دشمن کو خسرو کی خبر تو ہو گی ہی لیکن وہ ہماری طرف سے غافل رہے۔ ولیم شاہ نے عرض کیا "لیکن اس طرح ہم تو بہت جلد پہنچیں گے، سعید رابرٹ اتنی جلدی شاہراہ سے ہٹتا ہوا کیسے آ سکے گا؟" قباد نے بتایا کہ سعید اپنے منتخب دو ہزار جانبازوں کے ساتھ

ہماری کمک کو آجائے گا۔ پھر اگر ہم نے جم کر مقابلہ کیا تو اس کا بقیہ لشکر بھی آملے گا اور خداوند یزداں نے چاہا تو ٹھیک ساتویں دن قیصر بھی اپنی فوج ظفر موج کے ساتھ آجائے گا اور ہم ایرج کو رقص بسمل شروع ہونے سے پہلے رہا کرانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔" "بہت مشکل ہے" دیلم شاہ کی زبان سے نکلا "اور اگر راستے میں انھیں دشمن نے روک لیا تو؟"

"تو ہم ایرج پر قربان ہو جائیں گے۔ تمہارے یہ چار ہزار جوان مرنے پر تل جائیں گے تو کیا انھیں کوئی مار سکتا ہے؟"

"ہم قربانی دینے کے لئے آپ کے ساتھ ہیں۔"

"تو خدائے خدایگان کا نام لے کر آگے بڑھو۔"

آدھی رات گزرنے پر اندھیرے میں قیصر اور سعید رابرٹ نے قباد شہریار کو خدا حافظ کہا۔ دیکھتے دیکھتے قباد شہریار اور اس کا ہراول دستہ رات کی کالی چادر میں چھپ گیا۔ وہ بڑی احتیاط کے ساتھ اس اندھیرے میں بڑھتا رہا۔ ابھی صبح کی پہلی کرن زمین پر نہیں آئی تھی کہ قباد درۂ سیاہ میں داخل ہو گیا۔ اب دائیں بائیں اونچے اونچے پہاڑ تھے اور اوپر آسمان۔ اس کے علاوہ نہ وہ کچھ اور دیکھ سکتا تھا اور نہ کوئی اسے۔ درۂ سیاہ کے اندرون میں تو راستہ نظر آتا تھا لیکن رات میں کچھ بھی سجھائی نہیں دیتا تھا۔ مشعلوں کی مدد سے بس قریب کا راستہ دیکھا جا سکتا تھا لیکن زہریلے کیڑے مکوڑوں سے کیسے بچا جائے اس کی ترکیب یہ کی تھی کہ لشکری آگے اور دائیں بائیں تیزاب کی بوچھار کر رہے تھے۔ اس طرح تین دن میں انھوں نے درۂ سیاہ پار کر لیا۔ چوتھے دن وہ کوہ گردگان پر پہنچے۔ پہاڑ پر انھیں بڑی زحمتیں اٹھانی پڑیں۔ انھیں سب سے زیادہ پریشانی یہ ہوئی کہ وہ گھوڑوں پر نہیں چڑھ سکتے تھے۔ یہی نہیں کہ وہ پیدل ہی پہاڑوں کی اونچائی اور نیچائی سے نبٹ رہے تھے بلکہ انھیں گھوڑوں کو بھی سہارا دینا پڑتا تھا۔ اور ایسا بھی ہوتا کہ سامان بھی اپنی پیٹھ پر لاد کر چلنا پڑتا تھا۔ مگر ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا۔ قباد شہریار اور اس کے ساتھی یہ سب جھیل لے گئے۔ وہ دو دن رات پہاڑوں میں سرگرداں رہے۔ چھٹے دن انھیں وادی نظر آئی۔ وہ

وادی میں نہیں اترے۔ وادی سے کچھ دور چٹانوں کی آڑ میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ گھوڑوں کی نعلیں گھس کر گر گئی تھیں۔ نعلیں پھر سے لگائی گئیں۔ جاسوسوں کو خبر لانے کے لئے نینوا بھیجا گیا۔ احتیاط کا تقاضا بھی یہی تھا کہ وہ چٹانوں میں ہی چھپے رہیں۔

جاسوس آتے جاتے رہے۔ نینوا کی خبریں لاتے رہے۔ قباد اپنے رفیق دیلم شاہ کی مدد سے حملہ کرنے کا منصوبہ بناتا رہا لیکن اہلِ نینوا کی احتیاطی تدبیروں کا حال سن کر وہ بڑی سوچ میں تھے۔ آپس میں کہہ رہے تھے کہ سعید رابرٹ اور قیصر کی مدد کے بغیر کامیابی ممکن نہیں ہے۔ شاہراہ پر جو جاسوس بھیجے گئے تھے ان میں سے کوئی بھی واپس نہ آیا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ سعید اور قیصر دور ہیں یا کہیں روک لئے گئے ہیں۔

شام کو کچھ جاسوس آئے۔ انھوں نے خبر دی کہ سعید اور اس کے دو ہزار جانباز پہاڑ کے اس طرف غاروں میں چھپے ہیں۔ یہ سن کر قباد بہت خوش ہوا۔ اس نے اسی وقت جاسوسوں کو حکم دیا کہ سعید سے رابطہ قائم کیا جائے۔

سعید رابرٹ کے آنے سے قباد اور اس کے ساتھیوں کی ہمت بڑھ گئی۔ منصوبہ یہ بنایا گیا کہ کل ٹھیک اس وقت جب رقصِ بسمل سے پہلے نینوا کی فوج نغمۂ بسمل گائے اور ایرج کو توے پر بٹھا دیا جائے اچانک ٹوٹ پڑنا چاہیئے تاکہ توے کے نیچے آگ نہ لگائی جاسکے۔

نینوا کے گورنر کو اس کے جاسوسوں نے اطلاع دی کہ قیصر اسی طرف بڑھا چلا آرہا ہے۔ اس نے اسے روکنے کے لئے آدھی فوج بھیج دی اور کہنے لگا کہ اس کے آنے میں دیر ہے۔ خسرو بھی غافل نہیں ہے خود فکرمند ہے اور تدبیر کر رہا ہے۔

دو شنبہ کے دن سورج نکلتے ہی ایرج کو خوب کھلا پلا کر توے پر بٹھا دیا گیا۔ فوج نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ نینوا کے شہریوں کو بھی رقصِ بسمل دیکھنے کی دعوت دی گئی تھی۔ وہ بھی آنے لگے تھے شہریوں میں کچھ ایسے بھی تھے جو رقصِ بسمل کے خلاف تھے لیکن وہ کر ہی کیا سکتے تھے۔

ٹھیک چاشت کے وقت جب سورج سوا نیزہ بلند ہو چکا تھا لشکر کے مغنیوں نے رقص بسمل کی دھن شروع کی۔ ایرانی ویسے ہی رقص و سرود کے ماہر اور عاشق ہوتے ہیں۔ رقص بسمل ایک خاص رسم اور عجیب و غریب نظارہ تھا۔ مغنیوں نے چنگ و رباب پر دھن گائی تو سارا لشکر اور شہری مست ہو کر جھومنے لگے۔ کمسن مغنی ساقی گری کی خدمت انجام دے رہے تھے اور جام پر جام بھر کر لوگوں کو پلا رہے تھے۔ اچانک نینوا کے گورنر کی گرجدار آواز بلند ہوئی "آگ لگا دو"۔ اور ٹھیک اسی وقت دو طرف سے دارو گیر کا شور بلند ہوا۔ پہلے تیروں کی باڑھ آئی۔ ہزاروں آدمی تیر کھا کر گرے۔ لشکر جب تک سنبھلے اس سے پہلے ایک طرف سے قباد شہریار چار ہزار جانبازوں کے ساتھ شہبازوں کی طرح ٹوٹ پڑا اور دوسری طرف سے سعید رابرٹ اپنے دو ہزار جیالوں کے ساتھ عقاب بن کر گرا۔ دونوں طرف سے 'بزن بزن' کی چیخوں نے سب کو ہراساں کر دیا۔ شہری تماشائی تو بے تحاشا جس طرف سینگ سمائے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اب رہ گئی فوج، تو اس سے پہلے کہ وہ ہتھیار تولے اور تلوار سونتے، قباد اور سعید نے پہلے ہی ہلے میں دس ہزار سپاہی کاٹ کر گرا دئے۔ وہ تو سے کے پاس پہنچ گئے۔ ایرج پابزنجیر حیران حیران اس بھیانک منظر اور امداد غیبی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اس وقت چونکا جب ایک طرف سے سعید رابرٹ نے آہنی جال پھینک کر اُسے اپنی طرف گھسیٹ لیا اور قباد کا خاراشگاف تیغہ زنجیروں پر پڑا۔ زنجیروں کی کڑیاں کٹیں اور قباد "عزیز بھائی" کہہ کر ایرج سے لپٹ گیا اور تلوار اس کے ہاتھ میں تھما دی۔

ایرانی فوج ابھی تک کچھ سمجھ نہ سکی تھی۔ اس نے مدافعت کی لیکن اس میں جماؤ اس وقت پیدا ہوا جب قلعے پر سے قباد اور سعید کی فوجوں پر منجنیق نے پتھروں کی بارش شروع کی۔ ایرج بھائی کو پہچان چکا تھا۔ اس نے کہا کہ اپنی دونوں طرف کی فوج سمیٹ کر پشت قلعہ کی طرف سے حملہ کرو ورنہ سب تباہ ہو جاؤ گے۔ قباد نے سعید کو بتایا اور وہ ایرج کی رہنمائی میں لڑتے بھڑتے پشت قلعہ پر جا پہنچے۔ لڑائی کا رُخ اسی طرف ہو گیا۔ اب ایک طرف چھ ہزار قیصری جانباز اور دوسری طرف تیس ہزار ایرانی جرار لشکر۔ دو پہر ہوتے ہوتے ایرانی لشکر نے قباد اور سعید کو گھیرے میں لے لیا۔ ایرانی کوشش میں تھے کہ قیصری لشکر کی ترتیب

الٹ دیں۔ ادھر ایرج کہہ رہا تھا کہ صفوں کو قائم رکھو۔ یزداں ہماری مدد کر رہا ہے۔ نعرۂ تثلیث، نعرۂ تکبیر اور زرتشت کی جے کے ملے جلے نعرے فضا میں بلند تھے۔ سر، ہاتھ، پیر کٹ کٹ کر گر رہے تھے گھمسان کا رن پڑا تھا۔ ایرج، قباد اور سعید لڑتے لڑتے تھک چکے تھے۔ سعید نے ابھی ظہر کی نماز نہیں پڑھی تھی۔ وہ گھوڑے سے کودا۔ اس نے زمین پر پیشانی رکھ دی اور دعا کی کہ اے پروردگار! اپنے نبی برحق کی پیشین گوئی کو مکمل فرما دے۔ ابھی اس نے سجدے سے سر نہیں اٹھایا تھا کہ ٹھیک اس وقت جب ظہر اور عصر کا وقت مل رہا تھا شاہراہ کی طرف سے نعرۂ تثلیث بلند ہوا۔ قیصر اپنی بیس ہزار فوج لے کر آپہنچا اور آتے ہی حملہ کر دیا۔ سورج ہیٹھتے بیٹھتے ایرانی فوج قلعے کی طرف بھاگ کھڑی ہوئی۔ ایرج پکار اٹھا "بگیر بگیر! لینا جانے نہ پائے۔" قیصر قلعے کے پھاٹک پر پہنچ چکا تھا۔ قلعے والوں نے جم کر مزاحمت کی لیکن وہ روک نہ سکے۔ قیصر قلعے میں داخل ہو گیا اور اب اندرون قلعہ مار دھاڑ شروع ہو گئی۔ ایرج نے قباد اور سعید کو لیکر جاپان شاہ گورنر نینوا کو جالیا اور گھیر کر اس کی گردن اڑا دی۔ اس کا مرنا تھا کہ فوج نے ہتھیار ڈال دئیے۔ ہزاروں ایرانی قید ہوئے۔ ہزاروں مارے گئے۔ ایرج نے قیصر سے کہا کہ شہریوں کو اماں دی جائے۔ ان میں بیشتر ہمارے طرفدار ہیں۔ آدھی رات تک یہ ہنگامہ دار و گیر برپا رہا۔ اس کے بعد قیصر نے تلوار میان میں کی اور لڑائی ختم ہو گئی۔

صبح کو ایرج نے قیصر سے کہا کہ اب خسرو کی کمر ٹوٹ چکی ہے لیکن اسے سنبھلنے کا موقع نہ دیا جائے۔ یہ کہہ کر اس نے قباد کا ہاتھ پکڑا اور کہا "آئیے چلیں ابا جان کی خدمت میں۔" قیصر نے پوچھا "یہ کیا کر رہے ہو؟" بتایا "اب آپ شام تک سن لیجئے گا۔"

قباد اور ایرج کے جانے کے بعد شام کو جاسوسوں نے خبر دی کہ خسرو کے گھر میں آپ سے آپ بغاوت پھوٹ پڑی۔ وہ اور اس کے اٹھارہ بیٹے قتل کر دئیے گئے اور قباد نے تخت پر قبضہ کر لیا اور وہ آپ کے استقبال کی تیاری کر رہا ہے۔

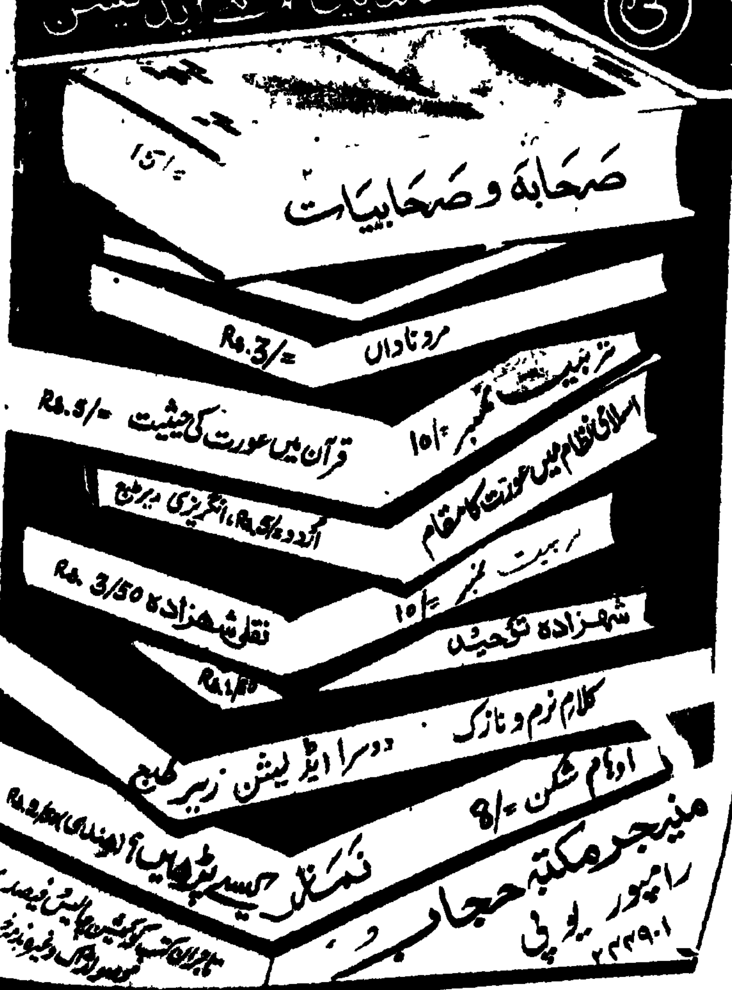
قیصر بہت خوش ہوا۔ وہ خوش خوش ایران کے دارالسلطنت طیسفون میں داخل ہوا۔ قباد تعظیم بجا

لیا۔ اس نے تمام رومی مقبوضات واپس کرنے کا اعلان کیا۔ خسرو صلیب اپنے ساتھ لایا تھا۔ صلیب قیصر کو واپس کی۔ قیصر صلیب پاکر بہت خوش ہوا۔ قباد کو گلے لگایا۔ تین دن آرام کر کے قیصر اپنی فوج کے ساتھ واپس ہوا۔ ۶۲۹ء میں قیصر مقدس صلیب کو اس کی جگہ واپس رکھنے کے لئے بیت المقدس گیا۔ بیت المقدس ہی میں قیصر کے جاسوسوں نے اطلاع دی کہ جس تاریخ کو آپ طیسفون میں داخل ہوئے اسی تاریخ کو مسلمانوں کے نبی حضرت محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے مکہ فتح کیا اور وہ کعبے میں داخل ہوئے۔

قیصر نے سعید رابرٹ سے وعدہ کیا تھا کہ مکمل فتح کے بعد وہ سعید اور اس کے ساتھی مسلمانوں کو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دے گا۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ نہایت قیمتی تحفہ و تحائف سعید کو دئے اور حضورؐ کی خدمت میں بطور ہدیہ اشیائے بیش بہا سعید کے ساتھ کر کے رخصت کیا اور اس طرح قیصر و کسریٰ کی جنگ ختم ہوئی۔

سعید رابرٹ جب مدینے کے قریب پہنچا تو سعد سلمیٰ کو ساتھ لے کر اس کے استقبال کو گیا۔ دونوں سعید رابرٹ اور مہر نگار سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ سعد وسلمٰے نے ان کو اپنا مہمان بنایا۔ پھر عصر کے وقت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے سعید رابرٹ کی زبان سے قیصر و کسریٰ کی جنگ کے حالات سنے۔ سعید نے شروع سے آخر تک بڑی تفصیل کے ساتھ سارا حال کہہ سنایا۔ پہلے قیصر خسرو سے شکست کھا کر کہاں کہاں بھاگا پھرا۔ پھر سعد وسلمٰے طرابزون میں اس سے ملے۔ انھوں نے غلبت الروم کی پیشین گوئی سنائی اس پیشین گوئی کے بعد قیصر فتح پر فتح حاصل کرتا چلا گیا اور پھر اے اللہ کے رسول! جس دن آپ نے مکہ فتح کیا اسی دن قیصر نے ایران کے دارالسلطنت پر قبضہ کیا۔ اے اللہ کے رسول! میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ آپ کے سامنے پھر گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول اور اس کے بندے ہیں۔ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ قرآن برحق ہے۔

کہتے ہیں کہ غلبت الروم کی پیشین گوئی پوری ہونے پر مدینے کے آس پاس کے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ الحمد للہ۔ سب تعریف اللہ کے لئے ہے۔


مکتبہ حجاب رامپور
کی
تازہ کتابیں * نئے ایڈیشن
صحابہ و صحابیات
مرد ناداں Rs.3/=
تربیت نمبر ۱۰/=
قرآن میں عورت کی حیثیت Rs.5/=
اسلامی نظام میں عورت کا مقام
اردو Rs.5/=، انگریزی زیر طبع
تربیت نمبر ۱۰/=
نقوش شہزادہ Rs. 3/50
شہزادہ توحید
کلام نرم و نازک
دوسرا ایڈیشن زیر طبع
اوہام شکن ۸/=
نماز کیسے پڑھیں؟ (ہندی)
منیجر مکتبہ حجاب
رامپور یوپی
۲۴۴۹۰۱
تاجران کتب کو کمیشن چالیس فیصدی

ایک خاص کتاب پر تبصرہ



بقلم مائل خیرآبادی

• "معجزہ قرآن اور پیغمبر قرآن ویدا ور پُران میں، ہندو مت اور ہندو قرآن و حدیث میں" یہ کتاب کا نام
مصنف ہیں شمس نوید عثمانی۔ ناشر روشنی پبلشنگ ہاؤس خسرو باغ روڈ۔ دفتر مارگ دیب رامپور یوپی بھارت
ات ۹۶۔ قیمت: آپ اور آپ کا سب کچھ ورنہ کچھ بھی نہیں۔ لاگت جو آپ دینا چاہیں۔

زیر تبصرہ کتاب کا موضوع اس کے پورے یک سطری اور ستر لفظی مرعوب کن، بھاری بھرکم اور طویل سے واضح ہے لیکن یہ اصل کتاب نہیں ہے۔ یہ اصل کتاب کا خلاصہ ہے۔ اس میں "اسمہٗ احمد" کے راز ستہ کو کھولنے کی کوشش کی گئی ہے یعنی جس طرح توریت اور انجیل میں نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پیش گوئی ہے یا تھی جو تحریف کی نذر ہو گئی، اسی طرح ویدوں اور پُرانوں میں بھی لفظ محمد حمد موجود ہے جسے معمہ بنا دیا گیا ہے۔ مولانا نے ۹۶ صفحہ کے اس خلاصے میں اسی معمے کو حل کیا ہے۔ مولانا اب کے پیش لفظ میں فرماتے ہیں کہ:۔

"سورہ توبہ کے مطابق (خصوصاً آیات ۲۳۔۲۴۔۳۸ تا ۴۲۔۱۱۱۔۱۱۲ کے مطابق) توبہ کے لیے گے بڑھیے کہ ہندو نہ صرف اہل کتاب اس معنی میں ہیں کہ ان کا سارا دھرم وَاِنَّهٗ لَفِي زُبُرِ الْاَوَّلِين ور پہلوں کے صحائف میں تو بس وہی وہ ہے) کے مطابق حضرت محمدؐ ہی کے راز احمدؐ پر مبنی ہے بلکہ ان معابد قبلہ رو ہونے سے وہ تو گم گشتۂ اہل قبلہ بھی ہیں"

مولانا کو امید ہے کہ اگر اسمہٗ احمد کا راز ہندو پا گئے تو وہ اپنے اصل دین کو پا جائیں گے اور پھر وہی کی نشاۃ ثانیہ کا سبب بنیں گے۔

کتاب کا موضوع اور اس کا مقصد سمجھنے کے بعد اس کی خوبیاں ملاحظہ ہوں۔ اس کتاب میں پہلی خوبی یہ ہے کہ ۹۶ صفحہ کی اس کتاب میں صرف پانچ پیراگراف ہیں۔ ابتدا میں صرف ایک چھوٹا سا پیراگراف ہے۔ دوسرا پیراگراف دو صفحہ کا۔ تیسرا پیراگراف دس صفحات کا۔ چوتھا بارہ صفحات کا۔ اس کے بعد پانچواں پیراگراف ص۲۷ سے شروع ہوا ہے اور ص۹۶ پر ختم ہوا ہے۔ یہ خوبی میں نے جتنی کتابیں پڑھی ہیں، ان میں سے کسی میں بھی نہیں پائی۔

اس کتاب میں دوسری خوبی یہ ہے کہ اس کی زبان وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس کو وہی علم ہو جو مولانا شمس نوید صاحب کو ہے اور اس علم پر اسی طرح یقین ہو جیسا مولانا کو ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ویسی ہی محبت ہو جیسی مولانا کو ہے اور کائنات کے ذرے ذرے میں اسی طرح نور محمدی نظر آئے جس طرح مولانا شمس نوید صاحب کو نظر آتا ہے یہ بات مولانا کے لفظوں میں ملاحظہ ہو۔ ص۳۶-۳۷

اور دیکھئے یجر وید اتری بھاگ ۱۸، ۱۷، ۱: ۳۱ جہاں اس زمین کی پہلی صورت تخلیق کعبہ کی جگہ پورے نظام تخلیق میں سب سے پہلی تخلیق کے جس "آدی رس" پہلے جوہر اور خلاصہ وجعبہ کا ذکر ہے اس کے لیے واضح طور پر دیئا احمت میں کا لفظ اس تشریح کے ساتھ موجود ہے کہ وہ مہان تم پرش۔ عظیم ترین انسان۔ آدتیہ ورن صفاتِ الٰہی کا صبغۂ اولین۔ پہلا رنگ ہیں جس کو جان لینے کے بعد ہی موت کو جیتا جا سکتا ہے اور جس کو چھوڑ کر ظلمت سے نکلنے کا کوئی دوسرا وسیلہ اور سہارا ہی نہیں ہے۔ اور دیکھئے رگ وید ۸: ۶۵: ۱۰ جہاں احمت کی جگہ احتا۔ احمد کی جگہ احمد نام لیتے ہوئے یہ تفصیل موجود ہے کہ اسی احمتا۔ احمد نے تمام انسانوں کے لیے قرآن اور وید دونوں کے لحاظ سے تخلیق حیات کے پہلے مادے پانی یا آب حیات کی بارانِ رحمت کی تھی۔ اگرچہ ان تمام صفات پر احمد۔ احمت کا ترجمہ موجودہ ہند و تراجم میں اسم احمدؐ کی حقیقت سامنے نہ ہونے کی بنا پر "میں اور میں نے ہی" اس لیے ہو رہا ہے کہ لفظ "اہم" سنسکرت میں "میں" کے معنی بھی دیتا ہے اور سنسکرت میں لفظ "اہمت" کے معنی حماد کی طرح جس کے معنی جل کا دان کرنے والے بادل کے ہیں اور اہم نما یعنی حیات کے شعور اور حیات کے شعور کا ... دینے والے کے

بھی ہوتے ہیں۔ اور اس رخ سے اسے ساری تخلیقات کے منصوبہ میں بطور الوسیلہ تخلیق استعمال ہونے والی تخلیق کا نام بھی مانا جاسکتا تھا مگر محمدؐ اور احمدؐ کا ماننا ہماری طرف سے ان حضرات کے سامنے نہ آسکنے کی بناء پر نہ جانا جاسکا اور اسی لیے نہ مانا جاسکا اور موجودہ تراجم میں ان اسماء کا جو ترجمہ میں اور ہم نے "ہوا" ہے۔ وہ سیاق وسباق کے لحاظ سے بے جوڑ ہو کر اس کے حقیقی معنی اور حقیقی مصداق کے متلاشیوں کو آواز پہ آواز دے رہا ہے۔ (کتاب ہذا صفحہ ۴۶، ۴۷)

تیسری خوبی اس کتاب میں یہ ہے کہ اس کی تصدیق وہی شخص کرسکتا ہے جس کو ایک طرف قرآن پر عبور ہو۔ دوسری طرف ویدوں اور پرانوں پر ایک طرف سنسکرت اور انگریزی سمجھتا ہو تو دوسری طرف فارسی اور عربی پر بھی کامل نگاہ بلیغ رکھتا ہو۔ فرماتے ہیں:۔

موجودہ انجیل یوحنا باب ۱۸ آیات نمبر ۳۷، ۳۸ میں مذکورہ لفظ TRUTH (الحق) کی جگہ کبھی سیہی "ایتھ" کا لفظ کھوج نکالا گیا ہے جو پیلاطوس کی عدالت میں ان آیات کی رو سے حضرت عیسیٰؑ نے گویا یہ کہا تھا کہ میں ایتھ کی گواہی دینے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔" قرآن کی قوم موعود کی زبان میں اسی اشارہ؟ ایک دھیانی "سب سے بڑے بدھ کو اسی حکیمانہ معنی میں کبھی بت کہا گیا ہوگا۔ جو حکمت و علم کتاب اور ساری تخلیقات کا پہلا پیکر جامعہ ہو کر اپنے براہ راست خالق کی نماز عبودیت کا خود ہی سمت تھا کعبہ تھا اور خود ہی عبودیت و تقویٰ کا امام مبین بھی تھا۔ گویا خدا کے ہاتھ کے اس ہٹی کے پہلے انسانی زندہ روحانی بت کی امامت ہی کو علم و حکمت اور عمل و عبودیت کا درمیانی الوسیلہ قرار دیا گیا تھا۔ شاید اسی لیے قرآن نے اسی قوم موعود کی زبان میں اس تخلیق اول کے لیے ایک اہم ترین نام کو ایک طرف سب سے پہلی طویل سورت "البقرہ" میں "بقرہ" کہا جو ویدوں اور گیتا میں اسی روحِ احمدؐ کے لیے مخصوص اصطلاح "اج" کا مرادف مانا گیا لفظ "بکرا" ہے جو درحقیقت "بکرام" تعالیٰ یعنی اللہ، نام کے ایک وک' واک (کلمہ) کی تخلیق جس نے بغیر کسی دوسرے ذریعہ سے بالواسطہ جنم لیے بغیر اجنمے مارگ سے جنم لیا تو اج۔ اجنا کہلایا تو دوسری طرف اس قوم میں اسی ہستی کے لیے "لوک یان تو۔ سارے لوک پہ لوک کے" مان وندھ۔ معیار تخلیق

وتشریح کو قرآن میں "لقمان" کے لفظ سے یاد کیا تو وہاں بدھ اور بدھی کا سنسکرت نسبت کو سامنے رکھ کر نبی کی اصطلاح کی جگہ بدھ اور بدھی کے معنی والے الفاظ حکیم اور حکمت استعمال فرمائے! ۔ اگر اس حقیقت کعبہ اولیٰ کی بات دونوں مذاہب کی روشنی میں اسی تخلیق اول کے ماڈل تک دونوں ہندو مسلم مذاہب کو لے آئے تو پھر مساجد اور مناور جو دونوں یکساں اصول تعمیر کی ایک ہی پُراسرار کہانی سناتے ہوئے سارے ہندوستان میں ایک ہی طرح شرقاً غرباً بنے ہوئے ۔۔ درحقیقت ایک ہی خانہ کعبہ کی سمت، یوگ کی اہم اصطلاح میں پچھم اوتان" ہیں۔ مغرب کی سمت قبلہ رو ہیں جیسا کہ سارے ملک کے معبدوں کا پورے ملک میں گھوم پھر کر مشاہدہ کرنے کے بعد ABBE J. DUBOIS جی نے اپنی انتہائی محققانہ کتاب میں جس کا انگریزی ترجمہ "HINDU MANNERS. CUSTOMS AND CERMONIES" ہے ۔۔۔ صفحہ ۹۱ء پر اس حقیقت کی حقیقت پوری طرح نہ سمجھ سکنے کی بنا پر بڑے تعجب کے ساتھ یہ انکشاف کیا ہے کہ سارے ہندوستان میں اگرچہ بنیادی ہندو مت۔ سناتن دھرم ہزاروں شاخوں میں تقسیم ہو کر کچھ کا کچھ ہو گیا اور کسی بھی ایک چیز میں کامل اتفاق و اتحاد کو اس اختلافی سیلاب نے باقی نہ چھوڑا۔ مگر تمام کے تمام معابد و مناور ہیں کہ وہ ہر جگہ اس ایک پُراسرار وحدت کو لیے ہوئے چل رہے ہیں کہ کوئی بھی عبادت گاہ شرقاً و غرباً تعمیر ہونے کے اصول کی خلاف ورزی نہیں کرتی:

" The structure of the large Temples, Both ancient and modern is every where the same the entrance gate ...faces the east. A position which is observed in all their Temples great and small."

ترجمہ:۔ بڑے بڑے مناور کا طرز تعمیر خواہ قدیم ہو یا جدید ہر جگہ یکساں پایا جاتا ہے۔ داخلے کے صدر دروازہ کا رخ مشرق ہی کی طرف ہوتا ہے۔ ایک پوزیشن جس کا ان کے تمام کے تمام مناور میں لحاظ کیا گیا ہے خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے۔ (کتاب مذا ص ۳۴، ۳۵، ۳۶)

اب آئیے معجزہ قرآن اور پیغمبر قرآن ویدوں اور پرانوں میں اور ہندو مت اور ہندو قرآن و حدیث میں سمجھیے۔ آپ کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے مگر ہے دلچسپ اس لیے لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم۔ ملاحظہ ہو زیر تبصرہ کتاب کا صفحہ ۳۰ و صفحہ ۳۱

اور پھر مختلف الفاظ والی زبانوں میں مختلف صحائف میں اس حقیقتِ اولیٰ کے جو لفظی نام استعمال ہوئے تھے وہ سارے حروف قرآن میں ایک طرف اسی حقیقت کے اعادہ کے لیے قرآن کو ساری کی ساری وحی کا مہیمن ثابت کرتے ہوئے حروف مقطعات کی شکل میں دہرائے گئے ہیں جیسے الف لام میم" جو قرآن کی "آخرین نامی عظیم موعود قوم کے قدیم ترین باقیات کے مرکز تبت میں" اوم کار۔ لاما اور" ولائی"۔ لا۔ ما" کی شکل میں چلے آرہے تھے!۔ اوم کار کے معنی الف ہیں اور الف کا دوسرا روپ اَلف جو ہزار کے معنی دیتا ہے اور ہزاروں ہزار کا مرادف دل بادل ہو ہے۔ وہ دونوں مفہوم اس سبب سے" الف۔ لام۔ میم" میں اس لیے موجود ہیں کہ یہ تخلیق کا الف۔ ابتدائی تخلیق ساری بعد کی تخلیقات کی روحوں کا ایک دل بادل تھی۔ حدیث پاک کے لفظوں میں" جنود مجندہ" تھی اور اس قوم موعود کی زبان میں ٹھیک" جنود مجندہ" کا مرادف" سینا جیو" تھی۔۔ تو دوسری طرف قرآن جس ہستی پر جسم و روح والی زمینی حقیقت کے ساتھ اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہوئے نازل ہوا ہے۔ جبریل علیہ السلام نامی فرشتے کے واسطے سے زمین پر نازل ہوا ہے اور جو تخلیق عالم کی اولین منزل میں اسی ہستی کی آسمانی حقیقت۔۔ احمدؐ نامی روح اعلیٰ کو لوح و قلم بنا کر براہ راست قیامت تک کی ساری تشریعی اور تکوینی وحی کی ایک کتاب مبین بنا کر جبریل علیہ السلام کی تخلیق سے بھی پہلے کھلوا دیا گیا تھا۔ (الکتاب ملاحظہ ۳۱)

اس کے بعد پھر ملاحظہ ہو صفحہ ۳۲

اسی تخلیقی نظام کی ابتداء و انتہاء غایت و۔ غایت تخلیق کل" روح احمدؐ" کے وہ تمام نام ہیں جو ابتدائے آفرینش سے قیامت تک کی وحی میں مختلف زمانوں اور مکانوں کی مختلف زبانوں میں منجانب اللہ رہے ہیں۔۔ البقرہ میں" الاسماء کلہا" والے قرآنی راز کی مصداق تخلیق جسے قرآن" کل"

کہتا ہے تو قوم موعود قرآنی کا وید پران کل ویو اور کل شرشیٹھ " کا ٹھیک عربی لفظ سنسکرت کے دوسرے معنوی زاویہ سے اسی کو نسل کے معنی میں استعمال کرتے ہیں ـــ اس لیے کہ وہی تخلیق بظاہر فرد تھی اور بباطن سنسکرت کے مفہوم میں کل اور ایک پوری نسل تھی۔ تخلیقات مابعد کی جو اس وقت سناتن دھرم کی پرم آتما میں اور جینی زبان میں اسی " پرم اٹموں " جوہر اعظم میں مستور تھیں اور قرآن اور احادیث کی زبان میں اس لیے وہ تخلیق اول بیت معمور بیت اللہ یا سورۂ نور کی زبان میں " بیوت " تھی۔

ورا آگے بڑھ کر ملاحظہ ہو۔ ص۴۳ کی آخری سطر سے ص۴۴ کی تین سطروں تک

عربی زبان میں " بیت " کا روپ بُد یا بُدھ ہونا سمت میں واضح اشارہ یہ بنا ہوا ہے کہ اس " اہتیابھ " نامی سب سے پہلے عظیم ترین بدھ جو اُمتِ آبھا۔ قرامت۔ قراءہ کا بگڑا ہوا بدلا ہوا روپ اسی طرح ہے جس طرح عبرانی سمت میں امۃ نے EMETH (امیتھ) کی شکل اختیار کرلی۔ (کتاب ہٰذا ص۴۳-۴۴)

پھر دیکھیے کتاب ہٰذا کے ص۱۲ کی آخری سطر سے ص۴۳ آخر تک

اس کعبہ کی مرکزیت اور حقیقت قربانی کے عرفان نو کا آغاز " بیت عتیق " کی طرف ہوگا۔ جو اس قوم موعود کی زبان میں اس پرانی سے پرانی قوم کی زبان میں " بیت عتیق " کا ٹھیک سنسکرت مترادف " پراچین تیرتھ " ہے۔ اس امت مرحومہ کے امت معدودۃ والا پہلا دور رسالت پورا ہونے کے بعد امت کے آخری فرقہ ناجیہ کے نفس کی دنیا میں حُبِّ مال ومنال اور عشق اہل وعیال کی سیاہ ترین رات میں اگرچہ یہ " فاصبحوا ظاھرین " والی بشارت کا نصف النہار اسی مافوق الفطرت ـــ سورۂ احزاب والے " باذنہ " اللہ کے اذن خاص، قدرت قاہرہ کے اشارے پر خود حامل قرآن ہستی صلی اللہ علیہ وسلم ہی روح اعلیٰ " احمد " اور ان کے ساتھ ساتھ قرآن کے نزدیک زندوں کی دوسری اعلیٰ ترقسم " النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین " کو نسارنامی صورت آیات ۷۰ - ۶۹ جن کی دوسری قسم کے زندوں کے ساتھ بہترین ایمانی رفاقت کے

لہٰذا اسے "حسن اولٰئک رفیقا" کہا گیا ہے، حالات دنیا کے غیبی پس منظر میں غائبانہ استعمال کے نتیجہ میں بادی النظر کی دنیا پر اس طرح ظاہر ہونے کی خبر دی گئی ہے کہ سارے عالم کے اذہان پر عام طور سے اور قوم موعود "آخرین" کے قلوب پر بطور خاص حقیقت کعبہ اور حقیقتِ احمدؐ کی روشنی میں اس "رام نام" کی معنویت پر سے حجاب اٹھا دیا جائے گا جسے اس قوم موعود کے دیرینہ عقیدہؔ کے بموجب کلی یگ میں کلیان کا واحد ذریعہ اس کے لیے اور اس کے ذریعہ ساری دنیا کی نجات کے لیے بنتا مقدر بتایا گیا ہے — وہی رام یا رامن یا وہ رامن یا برہمان نام جسے قرآن نے "الرحمان" یا وہ رحمان" کے لفظ سے قرآن مجید میں بڑے شرح و بسط کے ساتھ اس قوم کی قدیم ترین کتابی روایات کو چھوتے اور دھوتے ہوئے کھولا ہے اور بتایا ہے کہ جس طرح اس قوم کے ایک قدیم ترین شعبے "سہجیا" فرقہ کا عقیدہ ہے کہ اس تخلیقِ اول کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک اس کی انفرادی روح و جسم والی عام انسانی حقیقت اور دوسری اس "رام کرشن" "وہ" "جن سے" "یا جن سے" وراٹ روپ جب اس میں تمام کائنات کی روحانیت و جسمانیت مستور و معمور تھی۔ اس طرح "رحیم" تک کے اسمائے صفات الٰہی کا استعمال انسان حقیقی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی منفرد شخصیت اور اسکے حقیقی متبع انسان کے لیے ہو سکتا ہے مگر رحمٰن جو اسمائے صفات پر چوٹی پر ہیں اور اسے کسی مخلوق کی انفرادی حیثیت پر منطبق نہیں کیا جا سکتا وہ بھی ساری مخلوقات کے اس کلی روپ احمدؐ کے لیے اس وقت استعمال کیا گیا ہے جب ساری نیابت الٰہی کے اجزائے تخلیق اس کل میں کلی صفات الٰہی کا کامل عکس جمیل بنے ہوئے تھے۔ اسی طرح قرآن نے اس رحمٰن نام کے لیے "ھل تعلم لہ سمیا" (کیا تو جانتا ہے کہ اس نام سے جس سے کوئی فردِ تخلیق موسوم نہیں ہو سکتا تخلیق کا کون سا راز موسوم کیا گیا ہے؟) اور یہ رحمٰن نام بے مقبول قرآن "سمیا" جو اسلام پر سب سے پہلے شہید ہونے والی ایک بوڑھی کنیز حضرت "سمیہ" کے نام کی صورت میں الف کی جگہ ہائے ہوز کے ساتھ لکھا ہوا عرب جاہلیت میں پہلے سے ہی چلا آ رہا تھا اور قرآن کی قوم موعود کی زبان میں اس "سمیا" کے معنی سنسکرت میں بہترین ماں یا ماں" کے ہوتے ہیں اور "ام" کا لفظ عربی میں ماں اور جڑ کے معنی دیتا ہے۔ تو اسی "رسول النبی الامی" کو گویا ماتا یعنی رحمت کی وہ بنیاد اور

کائنات تشریعی و تکوینی کی وہ جڑ ثابت کرتا ہے جس کو تمام صحائف سابقہ اور راویان عالم اور سورۃ الاعراف نمبر ۷ کی آیات ۱۵۷، ۱۵۸ کے مطابق "الرسول النبی الامی" کی حیثیت سے ہی اپنے پاس پورے شرح و بسط سے لکھا ہوا پاتے ہیں۔ اس قوم موعود کی زبان میں اسی الرسول کو آدی رس "اولین کائنات کا ست اور رس ایجر و دیاتری بھاگ ۱۸۔۔۱: ۳۱) کہا گیا ہے ۔۔۔۔ "رسولاس آدی" (وشنوپران ۱۶: ۶) پر کہا گیا ہے۔ جو رس اگ اس۔ آدی "کے تین الفاظ پر مشتمل اصطلاح ہے یعنی جوہر کائنات۔ خلاصہ تخلیق۔ روشنی نور محمدؐ اور النکاریا استعارہ حدیث متشابہ جو اپنے گن کو دوسرے کے گن کا آئینہ دار ظاہر کرتا ہو اور جو سلسلۂ کائنات میں آدی یعنی سب سے اول ہے۔ (کتاب ہذا صفحہ ۴۲)

اس اقتباس اور کتاب میں جہاں جہاں قوم موعود آخرین "کا لفظ آیا ہے اس سے مراد ہندوستان کی ہندو قوم ہے جو جب بھی اسمہٗ احمد کا معمہ حل کرلے گی تو پھر وہی سارے عالم میں اسلام کا جھنڈا لہرائے گی پھر صفحہ ۴۴ پر الرحمٰن دور نبی کی نشاندہی سنسکرت زبان کی لشلوکوں میں ملاحظہ فرمائیے۔ مولانا فرماتے ہیں :۔

رحمٰن میں تمام صفات حسنہ، اخلاق عالیہ کے وسیلے خلاصہ اور اس عکس صفات رحمت میں اصل خدا اصلی رحمٰن کی خوبیٔ رحمت اور کرپا زرعانی اخلاق کا استعارہ اور عکس متشابہ بننے والی پہلی تخلیق! جیسے سنسکرت کے زاویہ سے نوی اور نبی نئی تخلیق کے معنی میں مان کر اس کو "اج" کی اصلاح دے کر "اجبنی" بھی کہا گیا ہے۔ اج نوی بھی! ۔۔۔ اور اس رام نام کے مجازی مصداق عکسی اظہار کے لیے عربی لفظ "امیّ" کے تو انتہائی قریبی لفظ "اوم" "ادم" کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ گویا "رسول النبی الامی" کے سارے کے سارے الفاظ اس "برہمان ۔۔۔ رہ رحمان" کے واحد مستحق وجود اول کے لیے بڑے شرح و بسط کے ساتھ اس قوم موعود کے پاس موجود ہیں جو سب سے پہلے کسی دوسری تخلیق کے واسطے کے بغیر محض کلمۂ کن سے تخلیق پا کر "اج" "یا کنہ" کا مصداق بن کر بعد کی ساری تخلیقات کے لیے عربی لحاظ سے اپنے آپ کو وہ جڈ یا بدھ ثابت کرتا ہے۔ یا سودہ اج میں اسے تیسری بار لفظ "ذالک" کے بعد جڑ جو

کی رسالت کے دورِ اول کے بعد دورِ ثانی۔ الآخرہ کا غماز ہے۔ آیت نمبر ۳۶ میں "بُدنَ" (قربانی) کے نام سے یاد کر کے خدا کی رضا کے قدموں پر اپنے نفس کی پہلی قربانی کے مظہر کے ادب میں پیش کیا گیا ہے وہی بد۔ بدھ۔ بُدنَ بنا کر اس پر اچین تیرتھ۔ بیت عتیق والوں کی سمت میں اس بُدن کے غیبی آثار کا اعلان ہے جس کو اس قوم نے اس کی حقیقتِ اولیٰ کو بھول کر بد کی جگہ بت بنالیا ہے اور اسے کعبہ کی سمت میں قبلہ رو مناور میں اپنے یہاں اس کی "امام مبین" والی قرآنی حقیقت کو بھول کر عبادت غلط وندی میں مشرکانہ زاویہ سے سمت نما بنالیا ہے اور اسی "بدن" کو یہ لوگ بت کے علاوہ کہیں بھوت کہیں پت پات۔ پوتا وغیرہ پُراسرار ناموں سے یاد کر رہے ہیں۔

اس طرح مولانا شمس نوید عثمانی صاحب نے اردو الفاظ کو ہندی میں پھر ہندی کو عربی میں اور پھر پلٹ کر عربی الفاظ کو سنسکرت کے معنی پہنا کر اس طرح پیش کیا کہ چاہے سمجھ میں نہ آئے لیکن زبان سے واہ واہ نکل جاتی ہے۔ بچپن میں ہمیں جن ہندو ماسٹروں نے پڑھایا تھا وہ ہمیں بتایا کرتے تھے کہ کس طرح ہمارے دیش سے دوسرے دیش والوں نے سب کچھ لیا اور اس ب پکھو میں سنسکرت کے الفاظ بھی لے کر اپنی زبان میں ڈھال لیے۔ مثال میں سب سے پہلے نہ) ماتا پتا دو لفظوں سے بات شروع ہوتی تھی اور مادر پدر تک پہنچتی تھی۔

مولانا نے ابھی تک بات "قوم موعود" "آخرین" "اور اُمّت احمت۔ احمد۔ اجنبی، اُمّی۔ نبی جیسے الفاظ استعمال کر کے مہندو قوم اور احمدؐ کی طرف اشارے ہی کئے۔ آگے چل کر اس راز کو اچھی طرح کھول دیا (ملاحظہ ہو کتاب ہذا صفحہ ۹۰، ۸۸)

ایک راز جو اس قرآنی قوم موعود کے یہاں اسی روح احمدؐ کو کہیں کرشن کہہ کر ماضی کے صیغہ میں مستقبل کی خبر دینے کے قرآنی اسلوب سے یوں مذکور ہوا ہے کہ "کرشن نے اپنے سارے یادو ونش کا خود سنہار کیا انھیں لوک سے پرلوک منتقل کر دیا۔ تو کہیں رام کہہ کر یہی واقعہ قرب قیامت یوں بیان کیا گیا تھا کہ "رام اپنی پوری اجودھیا سمیت زمین سے آسمان پر چلے گئے"۔ ماضی کے صیغہ میں

مستقبل کی خبر کی نظیریں ہندو مت کے صحیفہ بھاگوت میں بھی عام ہیں اور قیامت کے ذکر میں قرآن میں بھی) ہاں اس سورۂ محمدؐ کی دوہری پیشین گوئی کے فوراً بعد دیکھئے سورۂ الفتح جو اس عالمی فتح حق اور نبیؐ امامت کی برکات کی امامت اسی قوم کا ذکر ہمارے ملک میں پیدا شدہ تشکیک موجودہ ہندو مسلم صورتِ حال پر شانِ نزول دکھاتے ہوئے یوں کرتی ہے کہ سَتُدْعَوْنَ اِلٰی قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ یُسْلِمُوْنَ ۔ دو ہر رسالت اول "مخلفون" (پیچھے رہ جانے والوں سے تخاطب کے ساتھ یہی لفظ "مخلفون" ان خیر القرون کے عہد حاضر کے اخلاف کو کسی تجدید وحیٔ قرآنی کے معجزے کے ساتھ اس آیت کا بھی مخاطب بطور خاص بناتا ہوا کہ جنھوں نے فی الواقع "اضاعوا الصلوٰت واتبعوا الشھوات" (نماز کی حقیقت ضائع کر دی اور ہوا مالی کی انتہا کر دی) اس ملک اور اس عہد کے مسلمانوں پر اس آیت کا نزولِ ثانی واضح طور پر کرتا ہے۔ ایک آیت جس کے عمومی ہمہ گیر شانِ انطباق کا قول بھی فتح القدیر میں حضرت ابن عباس کی سمت سے روایت ہے۔ ایک آیت کے عمومی انطباق کے ساتھ ایک خصوصی انطباق کا اشارہ دیتے ہوئے قرآن کی اسی مخصوص قوم موعود کو "اولی بأس شدید" کہہ رہی ہے جس کی تفسیر اگر تفسیر کے اعلیٰ ترین معیار قرآن سے قرآن کی تفسیر کی شکل میں کریں تو یہی "اولی بأس شدید" کی صفت قرآن نے ملکۂ سبا کی یمنی قوم ہی کے لئے استعمال کی ہے اور قربِ قیامت کی مخصوص سورۃ الکہف نے بھی پہلے ہی رکوع میں لدنی سمت سے ایک "باس شدید" کی خبر میں ہماری حقیر تحقیق سے عنقریب باغیانِ رسالت محمدیؐ کو عالمی جنگ کی خبر دی ہے تو باس کے لفظ میں جنگ و جدل اور خون خرابے کا اشارہ بھی صاف ہو جاتا ہے اور "اولی باس شدید" میں سخت ترین اسلام دشمن اور کفر کی محبت میں انتہائی کٹرپن کا بھی پورا تعارف موجود ہو کر سندھ اور ہند کی یمنی نسبت والی ہندو قوم کو جس میں قوم موعود کے ایرانی اور یمنی دونوں عناصر ترکیبی آرین دراوڑ روپ میں یکجا ہیں۔ اس قوم اولی باس شدید" کا پوری طرح اور بنیادی خصوصیت کے ساتھ مصداق بنا دیتا ہے۔

میرے خیال میں بات واضح ہوگئی۔ مولانا نے اس سلسلے میں بڑے بڑے نکتے پیدا کئے ہیں۔ آپ نے تحریک
ی کی ابتدائی تاریخ میں پڑھا ہوگا۔ یاد بھی ہوگا کہ ابوجہل نے ایک بوڑھی کنیز کو مسلمان ہونے کے جرم
ل کردیا تھا۔ اس کنیز کا نام "سمیّہ" تھا۔ لفظ سمیّہ سے مولانا کے ذہن نے اڑان کی۔ نکتے کی بات مولانا
لفظوں میں ملاحظہ ہو۔

"اور قرآن کی قوم موعود کی زبان میں اس شمتیا کے معنی سنسکرت میں بہترین اُمّ یا ماں کے ہوتے ہیں اور اُم کا لفظ عربی میں ماں اور جڑ کے معنی دیتا ہے تو اسی رسول النبی الاُمّی"، گویا ماتا یعنی رحمت کی وہ بنیاد اور کائنات تشریعی و تکوینی کی وہ جڑ ثابت کرتا ہے جس کو تمام صحائف سابقہ اور ادیانِ عالم اور سورہ الاعراف نمبر ۷ کی آیات ۱۵۷، ۱۵۸ کے مطابق "الرسول النبی الامی" کی حیثیت سے ہی اپنے پاس پورے شرح و بسط سے لکھا پاتے ہیں۔ اس قوم موعود کی زبان میں اسی الرسول کو "آدی رس" اولین کائنات کا ست اور رس کہا گیا ہے۔ (کتاب ہٰذا ص۴۳)

اسی طرح کی دلچسپ اور عبرت ناک ایک تفسیر بھی ملاحظہ فرمائیے۔ کتاب کے ص۴۵ پر تقسیم ہند
رہ کرکے ہندو مسلم دشمن کا خونچکاں نقشہ کھینچا ہے۔ اس کے بعد انہی کے لفظوں میں پڑھے
ہیں کہ :۔

"ایک ہی کعبہ کی سمت دو قبلہ رو معابد (مسجد و مندر) کے مکینوں (یعنی ہندو اور مسلمان) کی اس عظیم وحدت کے باوجود (یعنی ہندو بھی مندر میں کعبہ کی طرف منہ کرتا ہے اور مسلمان بھی مسجد میں) آج یہ دونوں گروہ جس طرح باہمی لاعلمی اور پھر تقسیم ہند کی خونچکاں پھوٹ کے بعد ایک دوسرے کے دشمن جان بن کر رہ گئے ہیں۔ قرآن نے دوسرے نزول معانی کا ایک تازہ تنزیلی نمونہ پیش کرتے ہوئے سورہ مریم نمبر ۱۹ کی آیت نمبر ۹۶-۹۷ میں اعلان کیا ہے کہ یہ رام نام۔ رحمٰن۔ برہمان۔ رام۔ رامن۔ اوم اور امّی وغیرہ کی حقیقت کھول کر ان میں اسی رحمٰن کے ذریعہ وُدّاً یعنی باہمی پیار اور رحمت پیدا کردی جائے گی۔ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا"

کتاب کا یہ عرق کشید ہو کر جب میرے سامنے آیا تو دل سے دعا نکلی اور زبان پر بے ساختہ یہ مصرع آ گیا۔

شتاب آ کہ نہیں تاب اب جدائی کی

زیر تبصرہ ۹۶ صفحہ کی یہ کتاب اصل کتاب نہیں بلکہ اصل کا خلاصہ ہے۔ مولانا جب اصل کتاب تفصیل کے ساتھ لکھیں گے تب بات سمجھ میں آئے گی۔

اپنے بچپن میں جب میں فارسی پڑھتا تھا تو میرے فارسی کے استاد نے زرتشت (ایران کے پیغمبر) الہامی کتاب "ژند" کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا تھا کہ "ژند" کی تشریح میں جو کتاب "پاژند" لکھی گئی وہ "ژند" سے بھی مشکل ہو گئی۔ مولانا شمس نوید صاحب نے اردو میں "ژند" لکھ ڈالی۔ اب پاژند لکھنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی "پاژند" ان کی "ژند" سے زیادہ مشکل ہو جائے۔

مشورہ — (۱) آخر میں میرا مشورہ یہ ہے کہ یہ لفظی ریسرچ چھوڑ کر مولانا جب "ژند" لکھیں تو تمہید اس طرح شروع کریں کہ ابتداء میں سب "امۃ واحدۃ" تھے۔ سب کا دین اسلام ہی تھا۔ پھر لوگوں کو شیطان نے بہکایا اور انھوں نے امت واحدہ سے کٹ کٹ کر الگ الگ دین گھڑ لیے۔ عیسائی ہوں یا یہودی، انھوں نے دین حنیف چھوڑ دیا اور مسلم کے بجائے یہودی اور عیسائی بن گئے۔ اسی طرح ہندوستان میں آئے ہوئے نبیوں کے نام اور ان کی تعلیمات کو بھلا دیا گیا اور یہاں بھی اسلام کے بجائے غیر اسلام پھیلا دیا گیا۔ اگر ویدوں سے مولانا یہ ثابت کر دیں کہ یہ جزو خالص توحید ہے اور یہاں کے نبیوں نے یہی پیش کیا۔ نبیوں کے بعد لوگوں نے کتر بیونت کر کے شرک ملا دیا۔ آؤ توحید پر ہم آپ متفق ہو جائیں اور شرک چھوڑ دیں۔ یہ مولانا کی ایک عظیم خدمت ہوگی۔

(۲) دوسرا مشورہ یہ ہے کہ آئندہ جو کتاب میرے پہلے مشورے کے مطابق لکھی جائے وہ آسان بھاشا میں ہو اور اس میں ویدوں کے حوالے ویدوں کے رسم الخط میں ہوں اور نیچے آسان ترجمہ دیا جائے۔ ہندوؤں کا مزاج یہ ہو رہا ہے کہ انھیں اردو سے نفرت ہو رہی ہے اور وہ ہندی کو فروغ دے رہے ہیں۔ وہ آپ کی ہندی بھاشا والی کتاب پڑھیں گے۔ پھر جسے اللہ توفیق دے گا وہ مسلمان ہو جائے گا

...توفیق کے بغیر کچھ نہ ہوگا۔ گاندھی جی عمر بھر قرآن پڑھتے رہے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت بھی ...تھے مگر اللہ کی توفیق نہ ملی۔ ان کا انتقال ہوا تو وہ وہی تھے جو تھے۔

(۳) تیسرا مشورہ یہ ہے کہ وہ نوبابھاوے کی مرتبہ کتاب "روح القرآن" پر مولانا صدر الدین اصلاحی ...ب نے جو تنقید کی ہے اور وہ "زندگی" کے کسی شمارے میں شائع ہوئی ہے اسے ضرور پڑھ لیں۔

(۴) میں نے طالب علمی کے زمانے میں ایک کتاب (   ) پڑھی ہے اس کتاب کو شمس نوید ...ب نے ضرور پڑھا ہوگا۔ اسے پھر پڑھیں۔ اس میں یہی کچھ ہے لیکن اسلام اور غیر اسلام واضح ہے۔ یہاں ...شمس نوید کے یہاں سارا زور "احمدؐ" پر ہے۔ پہلے زمانوں میں جن لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ...ی" کی حیثیت سے پہچان لیا تھا۔ سوچیے، ان میں کتنے مسلمان ہوئے تھے؟ کیا جناب ابو طالب ...ن ہوئے تھے، ابوجہل، ابوالبختری اور عتبہ مسلمان ہوئے؟ ان سے پہلے وہ لوگ جو "فارقلیط" ...منا" کے ناموں سے حضورؐ کے متعلق اپنے نبیوں کی زبان سے پیشین گوئیاں سن چکے تھے، کیا وہ ...ان ہوئے، جواب نفی میں ہے۔ ام المومنین حضرت صفیہؓ نے اپنے والد اور چچا کی گفتگو نقل کی ہے ...دونوں عالم تھے۔ دونوں نے حضورؐ کو پہچان لیا تھا لیکن قسم کھائی تھی کہ مرتے دم تک مخالفت کریں گے ...ہندوستان میں آر۔ ایس۔ ایس ہندوؤں کا ایسا ہی ذہن بنا رہا ہے۔ کچھ بھی کیوں نہ ہو جائے ...اور مسلمانوں کی بہر حال مخالفت کرنا ہے لیکن امید پہ دنیا قائم ہے۔ جو مشورہ میں نے اوپر دیا ہے اگر ...نا شمس نوید صاحب مان لیں تو جس طرح یہودیوں میں سے عبداللہ بن سلام جیسے چند جید علماء اسلام ...ے اسی طرح اللہ تعالیٰ توفیق دے تو آر۔ ایس۔ ایس ہی کیا ہندوؤں میں سے بہت سی ایسی سعید ...یں مل سکتی ہیں۔ یاد رکھئے کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ پہلے اسلامی تعلیمات کے بارے میں سن چکے تھے ...بیت سے تقابل کر چکے تھے اس کے بعد جیسے ہی حضورؐ پر نظر پڑی تو بولے "خدا کی قسم یہ چہرہ جھوٹا ...یں ہو سکتا"۔ اس جملے کا یہی مطلب ہے کہ حضورؐ نے جو قرآن پیش کیا ہے یہی حق ہے۔

...مولانا شمس نوید صاحب بہت ہی مخلص مسلمان ہیں۔ میں انھیں اب بھی مخلص سمجھتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ ان کے خلوص کو صحیح رخ پر لگائے۔ میں نے ایک اصرار پر تبصرہ کر دیا مشورے دے دیے ا
آخر میں دعا بھی دے دی۔

آج کل ہندو ودوانوں کی طرف سے اس طرح کی کوششیں ہو رہی ہیں کہ کسی طرح ویدوں
قرآن مجید کا ماخذ ثابت کر دیا جائے۔ تاکہ مسلمانوں کے ذہنوں سے" ان الدین عند اللہ الاسلا
(اللہ کے نزدیک سچا دین اسلام ہی ہے) نکل جائے اور وہ وحدت ادیان کے قائل ہو جائیں
سے پہلے اس طرح کی کوششوں میں" وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود اور وحدت ادیان" کے ما
والے مسلمان صوفیوں کے حوالے دیے جاتے رہے۔ آج کہا جاتا ہے قرآن جو کچھ پیش کر رہا
یہ سب ویدوں میں ہے۔

پچھلے دنوں آچاریہ ونوبھاوے نے" روح القرآن" کے نام سے معروف آیتوں کو جمع کر
ایک مجموعہ اسی غرض سے پیش کیا کہ دیکھو یہ اچھائیاں جو اسلام میں ہیں سارے ہی دھرموں میں ہ
ایک اور ودوان نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو انتم کلکی اوتار ثابت کیا اور بھی کتابیں بڑی تیزی
اسی مقصد کے لیے لکھی جا رہی ہیں۔

مولانا شمس نوید عثمانی کی یہ کتاب ہندی میں ہوتی تو ان حلقوں میں بہت مقبول ہوتی۔ پھر بھی
ہند دیسں گا وہ مولانا کے پاس آ آکر تعریف کرے گا۔ نئے اور جذبے گی اور اس لئے کو ادھر
ہوا بھی دی جائے گی۔ (م ن)

بنتِ سُراقہ

ہم نے وعدہ کیا تھا کہ جنوری ۸۲ء سے ایک ناولٹ "بنتِ سُراقہ" کی قسطیں شروع ہو جائیں گی لیکن سعد ا
ناول کی ایک قسط باقی رہ گئی تھی۔ اُسے اس پرچے میں دینا ضروری تھا۔ اسلئے ہم بنتِ سُراقہ" ناول شروع ن
انشاء اللہ فروری ۸۲ء سے بنتِ سُراقہ کی ایمان افروز اور ولولہ انگیز پہلی قسط دیکھئے گا۔ (ایڈیٹر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ ربیع الاوّل کا مہینہ ہے۔ اس مہینے میں دو شنبے کے دن اللہ تعالیٰ کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تھی۔ تاریخ پیدائش کے بارے میں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ربیع الاوّل کی آٹھ تاریخ تھی، کچھ لوگ ۹ ربیع الاول بتاتے ہیں لیکن زیادہ تر لوگ کہتے ہیں کہ وہ ۱۱ ربیع الاول تھی۔ دو شنبے کا دن سب ہی کہتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک کی وجہ سے ربیع الاول مبارک مہینہ قرار پایا۔ یہ مہینہ آتا ہے تو مسلمان محبتِ رسولؐ میں میلاد شریف کی محفلیں کرتے ہیں۔ سیرۃ النبی کے جلسے کراتے ہیں۔ سیرتِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں انعامی مضامین لکھواتے اور ان پر انعامات دیتے ہیں۔ محفلوں اور جلسوں میں چراغاں کرتے ہیں۔ مٹھائیاں تقسیم کرتے ہیں۔ اس طرح رسولؐ کی محبت اور بڑائی کے وعظ سنتے ہیں۔ اس طرح کے جلسوں اور محفلوں کی غرض یہ ہوتی ہے کہ مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ساری باتیں جان جائیں۔ حضورؐ نے اسلام کے بارے میں ہم کو کیا بتایا؟ زندگی کے ہر کام میں ہمارے لئے کیا نمونہ پیش کیا؟ ہمارا عقیدہ اللہ کے بارے میں کیا ہونا چاہئے؟ آخرت میں کامیابی کے لئے ہم کیا تیاری کریں؟ توحید اور شرک کا فرق سمجھ کر ہم سچے مسلمان کس طرح بنیں؟ پھر دنیا میں کس طرح ایک سچے مسلمان کی طرح رہیں بسیں؟ شادی بیاہ کس طرح کریں؟ کس طرح لین دین کریں؟ کس طرح کمائیں؟ کیسے خرچ کریں؟ حرام کیا ہے؟ حلال کیا ہے؟ وغیرہ۔

اس غرض کے لئے بڑی بڑی محفلیں اور جلسے تو بڑی چیز ہیں۔ اگر ہم دو چار آدمی بھی کسی جگہ بیٹھ کر حضورؐ کے حالات کہیں سنیں تو یہ بھی ایک طرح کی عبادت ہے اور اس سے ہماری زندگی سُدھرے گی اور اللہ تعالیٰ ہمیں ثواب بھی دے گا۔ لیکن اگر ان جلسوں اور جلوسوں سے یہ جتانا ہو کہ دیکھو! ہم نے اتنا بڑا جلسہ کر ڈالا، سب سے بڑھ کر چراغاں کیا اور ٹوکریوں بھر بھر کے مٹھائیاں منگا کر بانٹیں تو اس طرح کی غرض رکھنے والوں کا ثواب گیا۔ اتنا ہی نہیں، اُلٹے وہ ریاکاری میں پکڑے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو ریاکاری سے بچائے اور ہر کام میں اللہ کی خوشی حاصل کرنے کی نیت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور یہ کہ ہم دکھاوے کے کام نہ کریں۔

ایک بات اور عرض کروں گا۔ جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری رسول ہیں، آپؐ کی زندگی ہمارے

لئے نمونہ ہے تو پھر اس طرح کے جلسوں جلوسوں کا اہتمام صرف ربیع الاول کے مہینے تک مخصوص کیوں ہے؟ یہ تو پورے سال، ہر ماہ، ہر دن، ہر ساعت، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، باتیں کرتے اور کھاتے پیتے ہر وقت ہمارے لئے واجب ہونا چاہیئے۔ غیر قوموں کی طرح ہم یہ سالگرہ تو مناتے نہیں ہیں کہ بس ربیع الاول میں چراغاں وغیرہ ایک فرض سے چھٹکارا پالیں اور پھر سال بھر تک نہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا خیال آئے اور نہ یہ سوچیں کہ دنیا میں مسلمان بن کر کس طرح رہیں۔

ایک بات اور ہم نے دیکھا بھی ہے اور سنا بھی۔ آپ بھی دیکھتے اور سنتے ہونگے کہ ان جلسوں اور محفلوں میں عام طور سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کے بعد کے حالات ہی زیادہ تر سنائے جاتے ہیں لیکن میں جب حضورؐ کی پوری زندگی کا حال پڑھتا ہوں تو مجھے آپؐ کی پوری زندگی بچپن سے لیکر آخر عمر تک ہر آن ایک نبی کی زندگی نظر آتی ہے حضورؐ کے حالات پڑھتے وقت محسوس ہوتا ہے کہ جسطرح آپؐ کی زندگی نبی ہونے کے بعد ایک نبی کی طرح بے داغ اور پاک صاف رہی اسی طرح نبیؐ ہونے سے پہلے کی زندگی بچپن سے لیکر چالیس برس تک پاک صاف اور بیداغ رہی صرف اتنا ہی نہیں کہ بچپن میں آپؐ برے کاموں سے بچے رہے بلکہ اس چھوٹی سی عمر میں شرک کے پاس بھی نہ پھٹکے جبکہ پورا گھر، پورا قبیلہ، پورا شہر اور سارا ملک شرک میں پھنسا تھا۔ اور پھر اتنا ہی نہیں، حضورؐ نبی ہونے سے پہلے اسی طرح سوچا کرتے تھے جسطرح ایک نبی سوچتا ہے۔ اللہ کو کیسے پوجیں؟ اللہ کے احکام کیا ہیں؟ پچھلے نبیوں نے کس طرح زندگی بسر کی؟ وغیرہ۔ آپؐ اسطرح نبی ہونے سے پہلے سوچا کرتے تھے

میں اپنے اس مطالعے کے سلسلے میں حضور نبی کریمؐ کے نبوت سے پہلے کے حالات لکھتا ہوں اور تمام پڑھنے والوں سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ پڑھ کر سوچیں، دیکھیں، غور دھیان لگا کر ملاحظہ فرمائیں کہ جسطرح ایک نبی معصوم ہوتا ہے اسی طرح حضورؐ نبی ہونے سے پہلے بھی معصوم اور بیداغ تھے۔ آپؐ بچپن میں بھی برائی سے بچے رہے۔ قرآن و احادیث کے مطالعے سے میں تو اسی نتیجے پر پہنچا ہوں۔ ہاں یہ ضرور مانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے نبی ہونے کا اعلان اس وقت کیا جب آپؐ چالیس سال کی پختہ عمر کو پہنچ گئے۔ میں اسی بات کو اعلان اشاروں میں اس طرح بھی کہا کرتا ہوں کہ حضورؐ نبی تو پہلے ہی سے تھے ہاں اس مرتبہ پر آپؐ کا تقرر چالیس سال کی عمر کے بعد ہوا۔

حضور نبی کریمؐ

بچپن سے لے کر نبی ہونے تک

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کے بہت سے نبیوں کے
ت قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے اور آپؐ کے
کرامؓ نے بھی آپؐ کے حالات بیان فرمائے ہیں۔ یہ سب پڑھنے کے بعد صاف صاف معلوم
ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب کسی قوم میں نبی بھیجنا چاہا تو خاص طور پر اپنے ایک بندے کو اسی لئے پیدا
کہ آگے چل کر وہ اسے نبی بنائے گا۔ بچپن ہی سے اسے بری باتوں سے دور ہی رکھا، شرک اور بت پرستی
بچایا اور ایسی سوجھ بوجھ اور اچھی عادتیں دیں کہ نبی ہونے سے پہلے اس کی قوم کے لوگ
اعلیٰ درجہ کا انسان اور کامل ہستی سمجھنے کے لئے مجبور ہو گئے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ
اپنے پیارے بندے کی پرورش اور اس کی تربیت خاص الخاص اپنی نگرانی میں کی۔ اس پر ایسی
ں نگرانی رکھی تاکہ بچپن میں بھی غلطی نہ کرنے پائے۔ اپنے کسی ساتھی کے کہنے سے کبھی دل کھیل تماشوں
رف جائے بھی اور وہ ان تماشوں کے دیکھنے کے لئے چل بھی دے تو اللہ تعالیٰ روک لگا دے

ئی حلیمہ کی گواہی

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا جو حلیمہ دائی کے نام سے مشہور ہیں انھوں نے
ورؐ کو دودھ پلایا تھا۔ آپؐ ان کے گھر چار برس کی عمر تک رہے تھے۔ جب حضورؐ نبی
ئے تو جعرانہ کے مقام پر آپؐ سے آکر ملیں اور مسلمان ہوئیں۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ میرا بیٹا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

چاہے کیسا ہی بھوکا ہوتا لیکن اسی طرف کا دودھ پیتا جس طرف میں نے اس کا حصہ رکھا تھا۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میرے بیٹے (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اپنے دودھ شریک بھائی کے دودھ پر قبضہ کیا ہو۔

یاد رکھنا چاہئے کہ یہ وہ عادت نہیں ہے جو عورتیں بچوں میں ڈال دیتی ہیں کہ فلاں وقت بچوں میں سونے کی عادت ڈالنا چاہیئے اور فلاں وقت کھانے کی عادت وغیرہ۔ یا یہ کہ دودھ دانی سے دودھ پلانے کی عادت ڈال دیتی ہیں۔ دودھ دانی کی عادت پڑنے پر بھی جب عورت اپنا کوئی پستان (دودھ) بچے کے منھ میں دیتی ہے تو وہ ہمک بھی پڑتا ہے اور خوش بھی ہو جاتا ہے۔ اس عادت سے چھاتی کے دونوں پستانوں (دونوں دودھوں) کا کوئی جوڑ نہیں۔ بچے کیا جانیں کہ ان کے لئے داہنی طرف کا دودھ خاص کیا گیا ہے یا بائیں طرف کا۔ بہت کچھ سوچنے کے بعد یقین یہی ہو سکتا ہے کہ انصاف حضورؐ کی گھٹی میں پڑا تھا اور وہ اللہ تھا جو آپؐ کو اس عمر میں بھی انصاف کی طرف لیجا رہا تھا۔

شرم وحیا

حضورؐ کے بچپن میں ایک بار کعبے کی مرمت ہو رہی تھی۔ مکّے کے بہت سے لوگ کام کر رہے تھے۔ آپؐ اس وقت دس گیارہ برس کے تھے۔ آپؐ بھی بچّوں کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ بچّوں کے ساتھ پہاڑ پر جاتے۔ وہاں سے پتھر کا ایک بڑا سا ٹکڑا لادکر لاتے۔ بار بار پتھر رکھنے سے آپؐ کا کندھا چھل گیا۔ بچوں میں آپؐ کے چچا عباس بھی تھے۔ کچھ ہی بڑے تھے بڑی محبت کرتے تھے۔ انھوں نے آپؐ کا کندھا چھلا ہوا دیکھا تو آپؐ کا تہمد کھول کر کندھے پر رکھ دیا۔

تہمد کا الگ ہونا تھا کہ آپؐ شرم کے مارے بیہوش ہو کر گر پڑے۔ لوگ دوڑ پڑے اور ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگے۔ ہوش آیا تو آپؐ کی زبان پر یہ لفظ تھے "میرا تہمد، میرا تہمد" آپؐ کا تہمد باندھ دیا گیا تب آپؐ نے آنکھیں کھولیں۔ لوگوں نے پوچھا "کیا ہوا تھا؟" آپؐ نے بتایا کہ جیسے ہی میرا تہمد الگ کیا گیا مجھے کچھ ایسا سنائی دیا، کوئی کہہ رہا تھا، "ڈھانپ! ڈھانپ!"

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تھا جو آپؐ کو شرم وحیا سکھا رہا تھا۔ اس زمانے میں بچے تو بچے بڑے لوگ بلکہ عورتوں کو بھی ننگا ہو جانے میں کوئی عار نہ تھا۔ کعبے کا طواف مردوں کے ساتھ عورتیں بھی ننگی ہو کر کرتی تھیں انھیں ذرا بھی شرم نہ معلوم ہوتی تھی۔ اس زمانے میں ایک بچے کے اندر یہ شرم اللہ کی نگرانی نہیں تو اور کیا ہے؟

کھیلوں اور تماشوں سے بچاؤ

اس زمانے میں مکے والے راتوں میں خوب کھیل تماشوں میں جی بہلایا کرتے تھے۔ جگہ جگہ بیٹھ جاتے۔ قصے کہانیاں کہتے کہیں شعر پڑھے اور سنے جاتے اور واہ واہ کا شور بلند ہوتا۔ کہیں ناچ گانا ہوتا۔ لوگ رات بھر شرابیں پیتے اور ایسی ی کی باتیں کرتے کہ بیان نہیں کی جاسکتیں۔

بچپن میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک ساتھی نے یہ کھیل تماشے دیکھنے پر اکسایا۔ آپؐ نے یہ سب کبھی دیکھا نہ تھا۔ یا کہ دیکھنا چاہیئے۔ ایک رات گھر سے نکلے۔ چلے۔ راستے میں پھوپی جان کا گھر تھا۔ پھوپی نے دیکھ لیا۔ گھر میں بلا لیا اور باتیں کرنے لگیں۔ باتیں کرتے کرتے آپؐ کو نیند آگئی۔ وہیں سو گئے۔ جاگے تو صبح ہو چکی تھی کھیل تماشے ختم ہو ے۔

ایک اور رات گھر سے نکلے۔ راستے میں ایک شادی تھی۔ آپؐ وہاں رک گئے۔ بیٹھ گئے اور چاہا کہ دیکھیں شادی میں تا ہے۔ بیٹھتے ہی اونگھنے لگے اور پھر سو گئے۔ جاگے تو صبح ہو چکی تھی۔ اٹھ کر گھر آئے اور پھر کبھی ان کھیل تماشوں کی دھیان نہ دیا۔

اس واقعے سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ان کھیل تماشوں کے دیکھنے سے روک دیا۔ کیوں دیا؟ صرف اس لئے کہ آگے چل کر آپؐ کو نبی بنانا تھا۔ نبی ہونے سے پہلے بھی آپؐ کی زندگی کو صاف ستھرا اور بیداغ تھا۔ ہونیوالے نبی کو ان خرافات سے کیا لگاؤ؟ اسے تو ایک بھاری ذمہ داری سنبھالنے کے لئے تیار کیا جا رہا تھا۔

ائی

انسان جب جوان ہونے لگتا ہے تو آپ سے آپ جوانی کی ترنگ میں دون کی ہانکنے لگتا ہے۔ ڈینگیں مارنے لگتا ہے اور جھوٹ بول جاتا ہے۔ حضورؐ تو جوانی اور بھری جوانی میں بھی سنجیدہ اور گمبھیر رہے۔ چچا ابوطالب کے گھر رہتے تھے۔ ابوطالب ت کرتے تھے۔ بڑے ہوئے تو آپؐ بھی تجارت کرنے لگے۔ آپؐ کے پاس روپیہ پیسہ نہ تھا۔ آپؐ دوسروں کے ساتھ ساجھا کر لیا تے تھے۔ جس کے ساتھ مل کر کام کرتے اس سے کھرا معاملہ رکھتے۔ آپؐ کسی کو دھوکہ نہ دیتے۔ بے ایمانی نہ کرتے۔ پائی پائی ساب سمجھا دیتے۔ لوگ بہت خوش ہوتے۔ لوگ آپؐ کو محمد نام کے بدلے صادق (سچا) اور امین (امانت دار) کے

ناموں سے بھی پکارا کرتے تھے۔ یہ لقب عرب میں بہت اعلیٰ مرتبے کا تھا۔ آپؐ سے پہلے عربوں نے کسی کو صادق اور امین کا لقب

خدیجہؓ کے ساتھ شرکت

مکے میں ایک مالدار خاتون تھیں۔ ان کا نام "خدیجہ" تھا۔ خدیجہ کی شادی دو بار ہو چکی تھی۔ وہ دونوں بار بیوہ ہو
تھیں۔ والد کا بھی انتقال ہو چکا تھا۔ خدیجہ کو باپ کی طرف سے اور دونوں شوہروں کی طرف سے بہت بڑی رقم ملی تھی
وقت ان کی عمر چالیس کے قریب تھی۔ وہ بھی تجارت کا پیشہ کرتی تھیں۔ کرتیں یہ کہ کسی شخص کو مال دے کر معاملہ کر لیتیں۔ ا
بکنے پر جو منافع ہوتا وہ حصہ رسد بانٹ لیتیں۔ لیکن لوگ انھیں چوٹ دے دیتے۔ بہت سارو پیہ بیچ میں ہڑپ کر لی
وہ عورت ذات، چپ رہتیں۔ ان کو ایک امانت دار اور سچے ساجھی کی تلاش تھی۔ انھوں نے حضورؐ کے بارے میں سنا تو ب
اور کہا کہ آپ میرا سامان لے جا کر تجارت کریں۔ میں دوسروں کو جو اجرت (کام کے بدلے رقم) دیتی ہوں اس سے دونی آپ
دوں گی۔ آپؐ نے ان کی بات مان لی۔ بات پکی کر لی اور کاروبار کرنے لگے۔

گواہی

آپؐ مال لے کر قافلے کے ساتھ ملک شام کی طرف چلے تو خدیجہؓ نے اپنا غلام ساتھ کر دیا۔ واپسی پر غلام سے حال
تو اس نے بتایا کہ ایسا سچا، کھرا، امانت دار آدمی نہ دیکھا نہ سنا۔ انھوں نے سودا کرتے وقت کسی کو دھوکا نہیں دیا اور جھ
بولے۔ سودا کرتے وقت بڑی نرمی سے پکی بات کہتے۔ لوگ بڑھ کر پہلے ان سے سودا کرتے پھر دوسروں سے۔ میں نے دیکھا کہ وہ
سوچ میں زیادہ رہتے۔ باتیں کم کرتے لیکن جب باتیں کرتے تو تلی تلی۔ میں نے بیکار باتیں ان سے نہیں سنیں۔ قافلے
مزدوروں اور غلاموں سے ان کا برتاؤ بہت ہی اچھا رہا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ کسی اور ہی دنیا کے انسان ہیں۔
یہ گواہی پھر پڑھیے اور سوچیے کہ اس کردار کی تربیت کس نے کی تھی۔ ابوطالب نے؟ مکّے کے سوداگروں نے
کسی قافلے کے سردار نے۔ جواب صاف نفی میں ہے۔ ٹھیک جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ براہ راست آپؐ کی تربیت فرما رہا
ورنہ آپؐ جس دنیا کے رہنے والے تھے وہاں تو لوٹ کھسوٹ ایک عام بات تھی۔ آج ہمارے ملک اور دنیا بھر میں دھن
دھن میں انسان جیسا اندھا ہو رہا ہے اس سے ہزار گنا بڑھ کر اس وقت تھا۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی ماحول کے اثر
ویسا ہی بننا چاہیئے تھا لیکن بات اس غلام کی سچی تھی جس نے کہا کہ وہ تو کسی اور ہی دنیا کے آدمی ہیں۔ اس کے معنی

ی کو سمجھنا چاہیئے۔ سچ کہتا ہوں ایمان بڑھے گا۔

ی

شادی کا واقعہ سُنئے تو حیران ہو کر کہنا پڑے گا کہ حضورؐ کی ہر بات ہے خدا کی قسم لاجواب ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے غلام
باتیں سُنیں تو دل چاہا کہ آپؐ سے شادی ہو جاتی تو اچھا تھا جبکہ وہ اس سے پہلے دل میں طے کر چکی تھیں کہ اب شادی
ں گی۔ وہ بہت خوبصورت، مالدار اور نیک چلن تھیں۔ بڑے بڑے لوگوں نے پیغام دیا تھا لیکن انکار کر دیا تھا لیکن اب
کا خیال آیا تو شادی کرنے کو جی چاہا۔ مگر ایک ایسی بات تھی جس سے ڈرتی تھیں اور دل کی بات زبان پر نہ لاتی تھیں۔
چالیس سال تھی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پچیس سال کے تھے۔ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ خدیجہ کی خوبصورتی اور نیک چلنی
تے ہوئے چالیس سال کی ایک عورت سے کوئی جوان شادی کرے گا۔

خدیجہؓ بات دل میں لئے رہیں۔ دل میں بات رکھنے سے بے چینی اور بڑھی تو اپنی ایک سہیلی نفیسہ سے کہا اور اس نے
ضورؐ تک پہنچا دی۔

کا احترام

حضورؐ نبی ہونے سے پہلے بہت ہی ادب و تہذیب کے آدمی تھے۔ عرب میں اس وقت بچہ بچہ اپنی رائے میں آزاد تھا
ایسے نہ تھے۔ آپؐ نے نفیسہ سے کہا کہ چچا سے پوچھ لوں۔ آپؐ نے چچا سے رائے لی۔ چچا کا جواب سُنئے:

"خدیجہ مکے کی ساری عورتوں سے ہر بات میں اچھی ہے۔ بُری باتوں سے دور رہنے والی۔ اسے لوگ اسی لئے
رہ (پاکیزہ عادات والی) کہتے ہیں۔"

چچا کی یہ بات سُنی تو آپؐ نے خدیجہ کی چالیس سال کی عمر کا خیال نہیں کیا۔ شادی طے کر لی۔ اپنے چچا ابو طالب اور گھر
وسرے بڑوں کے ساتھ گئے اور شادی ہو گئی۔ شادی کے موقع پر ابو طالب نے جو خطبہ دیا وہ آج بھی لکھا ہوا پایا جاتا
اپنے خطبے میں ابو طالب نے کہا کہ میرا بھتیجہ بہترین جوان ہے اور اس سے کبھی کوئی برائی سرزد نہیں ہوئی۔ خطبہ بہت
ہے اور حضورؐ کی خوبیوں سے بھرا ہے۔ سننے والے بار بار سر ہلا کر تصدیق کرتے جاتے تھے۔

شادی کے وقت حضرت خدیجہ کے ایک لڑکا ابو ہالہ تھا۔ سُنئے، یہ سوتیلا لڑکا اپنے سوتیلے باپ کا عاشق ہو گیا۔

جب حضورؐ نبی ہوئے اس وقت وہ کڑیل جوان ہو چکا تھا۔ اسی وقت کی بات ہے، سردارانِ قریش حضورؐ کے دشمن ہوگئے تھے ایک بار موقع پاکر آپؐ کو گھیر لیا اور چاہا کہ قتل کردیں۔ ابو ہالہ نے سُنا اور بے تحاشہ دوڑا آیا اور بھرے مجمع میں گھس گیا تلواریں اپنے جسم پر کھائیں لیکن سوتیلے باپ، جی ہاں، سوتیلے باپ کو جان دے کر سوتیلے بیٹے نے بچا لیا۔ تاریخ اسلام لکھنے والے کہتے ہیں کہ اسلام کی راہ میں مردوں میں سب سے پہلے ابو ہالہ نے اپنی قربانی پیش کی۔

ہے نا حیرت کی بات! لیکن جو شخص یہ یقین کر چکا ہو کہ ابو ہالہ کی یہ محبت اللہ کی طرف سے خاص عطیہ تھا، اُسے یہ پڑھ کر کوئی حیرت نہیں ہوتی۔ صورتِ حال کے عجیب ہونے میں کوئی شک نہیں۔

ایک عجوبہ

اس عجوبے کے پیچھے ایک کہانی ہے جو اس طرح ہے۔ حضرت خدیجہؓ کے ایک رشتہ دار نے ایک غلام خریدا۔ ایک لڑکا تھا۔ لڑکے کا نام تھا زید۔ حضرت خدیجہؓ نے اس لڑکے کو حضورؐ کی غلامی میں دے دیا۔

یہ لڑکا زید یمن کے رہنے والے حارثہ نامی ایک شخص کا لڑکا تھا۔ حارثہ نے سُنا کہ لڑکے کو کسی نے پکڑ کر بیچ ڈالا اور اب مکے میں فلاں صاحب کے پاس ہے۔ وہ اپنے بھائی کو لے کر مکے آئے۔ آپؐ سے ملے۔ اب ذرا حال کی، حضورؐ اور زید کی باتیں سنئے۔ دلچسپ باتیں، حیرت ناک باتیں، عبرت انگیز باتیں۔ حارثہ نے حضورؐ سے کہا

"اے محمدؐ! آپ بڑے اچھے اور شریف گھرانے کے آدمی ہیں اور خود بھی اچھے اور شریف ہیں۔ آپ ہماری پیتا سُنئے اور ہماری مدد کیجئے۔ ہم یمن کے رہنے والے ہیں۔ کئی برس ہوئے، ہمارا بیٹا اپنی ماں کے ساتھ اپنے ننھیال جا رہا تھا راستے میں ڈاکہ پڑا۔ ڈاکو اسے پکڑ لے گئے۔ ہم اپنے بیٹے کی جدائی میں بہت دکھی ہیں۔ ہم نے اسے بہت تلاش کیا۔ پھر لوگوں نے بتایا کہ ہمارا بیٹا یہاں مکے میں ہے۔ اس لئے ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ آپ کی مہربانی سے ہمارا بیٹا ہمیں مل جائے گا۔"

یہ کہہ کر حارثہ چپ ہوگئے۔ حضورؐ نے ان سے پوچھا "کیا تم زید کے بارے میں کہہ رہے ہو؟"

"انھوں نے جواب دیا "جی ہاں! زید ہمارا بیٹا ہے اور آج کل آپ کا غلام ہے۔ ہم آپ سے اپنا بیٹا مانگنے آئے ہیں۔ آپ اس کے بدلے جو رقم لینا چاہیں لے لیں اور ہمارا بیٹا ہمیں دے دیں۔

حضورؐ کا حیرت انگیز جواب

یہ سُن کر نبی صلے اللہ علیہ وسلم سوچ میں پڑ گئے۔ بات یہ تھی کہ آپؐ زید سے بہت ہی محبت کرتے تھے اور زید بھی آپؐ سے بہت ہی مانوس ہو گئے تھے۔ آپؐ نے کچھ سوچ کر حارثہ سے کہا "کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ زید کو بلایا جائے اور اس کی رائے پر چھوڑ دیا جائے۔ اگر وہ آپ کے ساتھ جانا چاہے تو خوشی سے چلا جائے میں ایک پیسہ بھی آپ سے نہ لوں گا۔ اور اگر وہ میرے ساتھ رہنا چاہے تو میں ایسا نہیں ہوں کہ جو مجھ سے محبت کرے میں اسے اپنے سے الگ کر دوں۔"

حارثہ اور ان کے بھائی کو یہ توقع نہ تھی کہ حضورؐ یہ جواب دیں گے۔ آج تک ایسا معاملہ نہ کہیں دیکھا نہ سُنا۔ انہوں نے کہا "یہ تو آپ نے انصاف سے بھی بڑھ کر بات کہی۔ آپ اسے بلائیں اور بات اس پر چھوڑ دیں۔" حارثہ نے سوچا تھا کہ بیٹا غلامی کی ذلیل زندگی بسر کر رہا ہے۔ جانوروں کی طرح کام کرتا ہوگا، اس پر بھی مار پڑتی ہو گی پیٹ بھر کھانے کو بھی نہ ملتا ہوگا۔ یہ سوچ کر انھوں نے اپنی جیت سمجھی اور بات مان لی۔ زید کو بلایا گیا۔

حیرت پر حیرت

حضورؐ نے زید سے کہا "تم ان دونوں کو پہچانتے ہو؟" زید نے جواب دیا "جی ہاں! یہ میرے والد ہیں اور یہ میرے چچا!" اب حضورؐ نے بتایا کہ "یہ دونوں تم کو لینے آئے ہیں۔ تم مجھ کو بھی پہچانتے ہو۔ تم چاہو تو میرے ساتھ رہ سکتے ہو اور چاہو گھر جا سکتے ہو۔" زید نے نہایت مختصر لیکن حیران کر دینے والا جواب دیا۔ کہا کہ میں آپ کا ساتھ چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا۔

حارثہ اور ان کے بھائی نے یہ جواب سُنا تو ہکا بکا رہ گئے۔ بولے "بیٹا! تم ماں باپ اور گھر بار چھوڑ کر یہاں کی غلامی میں رہنا پسند کرتے ہو؟" جواب ملا "جی ہاں! خدا کی قسم، میں نے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو جیسا پایا ویسا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ میں آپؐ پر اپنی جان نچھاور کرنے کو تیار ہوں۔"

حضورؐ کا حیرت انگیز فیصلہ

یہ سُن کر حارثہ اور ان کے بھائی چپ ہو کر رہ گئے۔ لیکن اب حضورؐ کا عجیب و غریب فیصلہ سُنئے۔ آپؐ نے زید کا ہاتھ پکڑا۔ لے کر کعبے کی طرف چلے پیچھے پیچھے زید کے والد حارثہ اور چچا چلے کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے۔ حضورؐ حرم کعبہ میں پہنچے جہاں مکے کے سردار بھی تھے۔ آپؐ نے بلند آواز سے کہا کہ آج سے زید میرا بیٹا ہے۔ میں اس کا وارث ہوں اور یہ میرا

وارث ہوگا۔ حضورؐ نے زید کو بیٹا بنالیا۔ یہ دیکھ کر حارثہ اور ان کے بھائی ہنسی خوشی یمن واپس چلے گئے۔

یہ واقعہ ایک افسانے سے زیادہ دلچسپ ہے۔ یہ واقعہ ہزار داستانوں پر بھاری ہے۔ یہ واقعہ حیرت انگیز واقعات سے بڑھ کر حیرت ناک ہے۔ مگر میرے نزدیک چونکہ حضورؐ کی طرف سے ہوا اس لئے بالکل حیرت انگیز نہیں۔ مجھے تو یقین ہے کہ یہ سب اللہ کے خاص اشارے پر ہو رہا تھا۔ ہاں دنیا کا سب سے بڑا عجوبہ ضرور ہے۔

سوجھ بوجھ

اب حضورؐ پینتیس ۳۵ برس کے ہو چکے تھے۔ آپؐ ایک مثالی انسان مانے جانے لگے تھے۔ عربوں سے سب سے بڑا لقب امین و صادق پا چکے تھے۔ مکّے کے تمام چھوٹے بڑے آپؐ کا احترام کرتے تھے اور آپؐ کی سمجھداری اور سوجھ بوجھ کے قائل ہو چکے تھے۔

اسی زمانے میں کعبے کے ڈھے جانے کا حادثہ پیش آیا۔ اچانک سیلاب آیا اور کعبہ ڈھے گیا۔ وہ پھر سے بنایا جانے لگا۔ مکّے کے تمام سردار دلچسپی لے رہے تھے۔ دیواریں پھر سے بن گئیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوگیا کہ حجرِ اسود کو اصل جگہ پر کون لگائے؟ مکّے کے تمام سردار پکارے "ہم ہم"۔ پھر سب اپنی اپنی ضد پر ایسے اڑ گئے کہ تلواریں میان سے نکل آئیں۔ ہر سردار کہہ رہا تھا کہ اگر میرے سوا کسی دوسرے نے حجرِ اسود کو ہاتھ لگایا تو اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔ ہر سردار کے پیچھے اس کے قبیلے کے لوگ تلواریں سونتے اور نیزے تانے کھڑے تھے۔ وہ تو کہئے ایک بوڑھے سردار کے دل میں اللہ نے بات ڈال دی ورنہ خون خرابہ ہونے میں دیر نہ تھی۔ بوڑھا گرجا:

"سُنو! اور مناسب سمجھو تو مانو۔ جو شخص کل صبح کعبے کے اندر سب سے پہلے داخل ہو اس کو اختیار دیا جائے کہ چاہے تو وہ اپنے ہاتھ سے حجرِ اسود نصب کرے یا جس سے کہے وہ لگائے۔" "ٹھیک ہے" سارے سرداروں نے مان لیا۔ اب ہر سردار یہ سوچنے لگا کہ کل صبح سب سے پہلے خود کعبے میں داخل ہوگا۔ اس کے لئے ہر سردار نے رات بھر جاگنے کیلئے سوچا

یہ کون؟

اب ایک دلچسپ اور حیران کر دینے والی بات سنئے۔ مکّے کے سردار رات بھر طرح طرح کے جتن کرتے رہے اور جاگتے رہے۔ صبح ہوئی تو یکدم سب کعبے کی طرف بڑھے اور چاہا کہ اندر کود جائیں مگر کیا دیکھتے ہیں کہ کعبے کے اندر ایک شخص

سجدے میں پڑا ہے۔" "بائیں یہ کون؟" ہر ایک کی زبان سے نکلا۔ پھر پہچانا اور کہنے لگے "یہ تو محمد امین ہیں۔" (صلے اللہ علیہ وسلم) کسی نے دیکھا نہیں، کب محمد امین آئے اور اندر رہ گئے۔ سب حیران تو ہوئے لیکن اس سے زیادہ حیران کر دینے والا واقعہ اس کے بعد آتا ہے۔ اس سے حضرت محمد امین صلے اللہ علیہ وسلم کی غیر معمولی سوجھ بوجھ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

سارے سرداروں نے کہا "محمد امینؐ! آپ حجر اسود اس کی جگہ لگا دیں۔ ہم آپ سے خوشی خوشی کہتے ہیں۔" سب نے یہ بات کہنے کو تو کہہ دی لیکن محمد امین صلے اللہ علیہ وسلم اچھی طرح سمجھتے تھے یہ سارے سردار بات کے دھنی ہیں۔ اس وقت مان تو گئے ہیں لیکن ان کے دل کا ارمان پورا نہ ہونے سے بے چین اور دکھی ہے۔ آپؐ نے فرمایا "حجر اسود کو ایک چادر پر رکھو۔" سب نے ایک چادر پر حجر اسود رکھ دیا۔ اب آپؐ نے فرمایا "کون کون حجر اسود اس کی جگہ رکھنے کا دعویدار ہے؟" مکے کے سردار آگے بڑھے۔ آپؐ نے ان سے کہا کہ چادر کو کناروں پر سے پکڑو اور چادر اوپر اٹھاؤ اور میرے پاس لاؤ۔ سب نے حکم مانا۔ جب چادر حجر اسود کی اونچائی تک پہنچی تو حضورؐ نے حجر اسود کو اٹھا کر اس کی جگہ رکھ دیا۔

سارے سردار آپ کی سوجھ بوجھ پر دنگ رہ گئے کہ کس خوبصورتی سے سب کا دل رکھ لیا۔ سب نے اطمینان کی سانس لی۔ آپؐ کی سمجھداری اور سوجھ بوجھ سے مکہ معظمہ کے اندر جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی۔

اب فیصلہ کیجئے

یہ ساری باتیں میں نے حضورؐ کے نبی ہونے سے پہلے کی بیان کی ہیں۔ بہت سی باتیں میں نے چھوڑ دیں۔ جو عرض کیں انکو بھی مختصر کر دیا۔ حجر اسود کے واقعے کے بعد ایک مشہور واقعہ حلف الفضول کا ہے۔ اب میں اسے بھی چھوڑتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اب آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ یہ حیرت انگیز واقعات ایک بچے سے، ایک نوجوان سے، ایک بھرپور جوانی والے انسان سے کس طرح عمل میں آئیں۔ آپ سوچیں گے تو بات وہیں آ کر اطمینان دلائے گی کہ آپؐ نبی ہونے سے پہلے بھی نبی تھے لیکن اس بلند مرتبے پر اللہ تعالیٰ نے اس وقت آپؐ کا تقرر فرمایا جب آپ چالیس برس کے ہو گئے۔ پھر اللہ تعالےٰ نے اس وقت جب سرداران مکہ نے آپؐ کی نبوت کو جھٹلایا تھا، آپؐ کی چالیس سالہ زندگی نبی ہونے کے ثبوت میں پیش فرمائی۔ اس کا بیان آگے آتا ہے۔

اس کے ساتھ یہ اضافہ کر لیجئے کہ نبی ہونے سے پہلے نہ تو حضورؐ نے کسی بت کے آگے سجدہ کیا نہ انھیں خدا تسلیم

کیا اور نہ بتوں کے چڑھاوے کی کوئی چیز کھائی۔ اللہ نے اس وقت آپ کو تمام باتوں سے بچا لیا۔ صلے اللہ علیہ وسلم۔

ثبوتِ قرآنی

میں نے گزشتہ صفحات میں جو کچھ عرض کیا ہے وہ سب صحیح روایات کا خلاصہ ہے۔ اب میں قرآن کی شہادتیں پیش کروں گا کہ ہر نبی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے منصوبے میں پہلے سے نامزد کر دیا تھا کہ فلاں بندے کو نبی بنائے گا۔ اس سلسلے میں زیادہ نہیں صرف دو تین پچھلے نبیوں کے بارے میں اللہ کی طرف سے بشارتیں (خوشخبریاں) ملاحظہ فرمایئے پھر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پڑھئے گا۔

حضرت اسحٰقؑ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو خوشخبری سنا دی تھی کہ:

وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ　(الصّٰفّٰت ۱۱۲-۱۱۳)

اور ہم نے ان کو (حضرت ابراہیمؑ کو) اسحاق کی خوشخبری سنائی کہ وہ نبی ہوں گے اور صالحین میں سے ہوں گے۔ اور ہم نے برکت نازل فرمائی ابراہیم اور اسحٰق پر۔

حضرت یوسفؑ کے بارے میں حضرت یعقوبؑ کو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ انھیں اللہ تعالیٰ نبی بنائے گا۔ قرآن مجید میں ان کا یقین ملاحظہ فرمائیں:

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ　(یوسف - ۶)

(حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسفؑ کا خواب سننے کے بعد فرمایا) تیرا خواب سچا ہے، تو نے جو کچھ بھی دیکھا، ایسا ہی ہوگا اور اللہ تجھ کو نبوت پر سرفراز فرمائے گا اور تجھے بات کی تہہ تک پہنچنا سکھائے گا۔

حضرت زکریاؑ بیٹے کے لئے دعا کرتے ہیں تو ان کو **حضرت یحییٰؑ** کے بارے میں یوں خوشخبری سنائی جاتی ہے:

اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (آل عمرٰن - ۳۹)

(فرشتے آئے اور) انھوں نے (حضرت زکریا کو) یحییٰ کے بارے میں خوشخبری سنائی۔ وہ تصدیق کرنے والا ہوگا اللہ کے کلمہ کی (یعنے حضرت عیسےٰؑ کے نبی ہونے کی) یحییٰ اپنے وقت کا سردار ہوگا اور پارسا ہوگا اور نبی ہوگا۔ وہ صالحین میں سے ہوگا۔

اسی طرح کی خوشخبری حضرت مریم کو **حضرت عیسیٰؑ** کے بارے میں سنائی گئی۔

اسی طرح کی خوشخبری **حضرت موسےٰؑ** کے بارے میں ہے۔ ہم آپ سب نے پڑھا ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ صندوق کے اندر بہتے ہوئے نکالے گئے اور فرعونِ مصر کی بیوی کے سامنے پیش کئے گئے تو آنحضرتؑ کی دلربا اور پیاری پیاری صورت نے اس کے دل میں گھر کر لیا (وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ)۔ پھر جب دائیاں دودھ پلانے کے لئے بلائی گئیں تو حضرت موسیٰ نے کسی کا بھی دودھ نہیں پیا۔ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی پرورش کا انتظام خاص اپنی نگرانی میں رکھا۔

اوپر کی ان چند مثالوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے اپنے جن بندوں کو نبی بنایا ان کے بارے میں پہلے سے منصوبہ بندی تھی اور وہ نبوت ہی کے لئے پیدا کئے گئے تھے۔

نبیؐ کے بارے میں بشارتیں

توراۃ۔ "میں ان کے لئے انہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند (حضرت موسیٰ کی مانند) ایک نبی پیدا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا، نہ سنے گا، تو میں ان کا حساب اس سے لوں گا۔ (استثنا رباب ۱۸۔ آیات ۱۵ تا ۱۹ بحوالہ سیرت سرور عالم مرتبہ علامہ مودودیؒ صـ ۱۳۵)

اللہ تعالیٰ کے اس کلام پاک میں کئی اشارے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خبر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہے۔

● وہ نبی بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے ہوگا نہ کہ انہی میں سے۔ یہ اشارہ ہے اس طرف کہ حضرت ابراہیمؑ کے دو فرزندارجمند تھے۔ ایک حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور دوسرے حضرت اسحاق علیہ السلام۔ حضرت اسحاقؑ کے فرزندارجمند حضرت یعقوب علیہ السلام جن کو اسرائیل بھی کہا جاتا ہے، ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ نبی تم میں سے نہ ہوگا بلکہ تمہارے بھائیوں میں سے ہوگا یعنے اس کا رشتہ بھائی کا ہوگا۔ اس جملے نے صاف بتادیا کہ وہ نبی حضرت اسحاقؑ کے بھائی حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل سے ہوگا۔

● وہ نبی حضرت موسیٰ کی مانند ہوگا۔ اس بات نے اوپر کہی گئی بات کو اور زیادہ کھول کر بتادیا۔ حضرت موسیٰؑ کی مانند ہوگا؟ یعنے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السّلام صاحبِ شریعت نبی تھے اسی طرح صاحب شریعت وہ نبی ہوگا۔ رسولوں کے حالات پڑھ جائیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی صاحب شریعت نبی ہوئے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السّلام صاحب شریعت نبی تھے تو ایسی بات نہ تھی۔ خود ملاحظہ فرمالیجئے حضرت عیسیٰ اپنے بارے میں کیا فرماتے ہیں:

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ۔	اور یاد کرو عیسیٰ ابن مریم کی وہ بات جو اس نے کہی تھی۔ اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف بھیجا ہوا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا اس تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے۔
الصف : ۶	

اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے دنیا کے سارے علما چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، سب یہ بات مانتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی صاحب شریعت نبی ہوئے۔ حضرت عیسیٰ بھی حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی شریعت کے پابند تھے۔ عیسائی علماء نے بڑا زور لگایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "وہ نبی" ثابت کردیں لیکن خود حضرت عیسیٰؑ کا یہ قول عیسائیوں کی بات کو رد کردیتا ہے۔ وہ آج تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صاحبِ شریعت ثابت ہی نہ کرسکے۔ ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ حضرت عیسیٰؑ خود حضرت موسیٰؑ کو اللہ کا نبی مانتے ہیں اور اپنے کو ان کا پیروی کرنے والا کہتے ہیں اور عیسائی حضرت موسیٰؑ کو نبی ہی تسلیم نہیں کرتے۔ اس ہٹ دھرمی

کا کیا علاج ہے ؟

انجیل میں ۔ میں نے سورۃ الصّف آیت ۶ کا ایک حصہ پیچھے نقل کیا ہے۔ ایک ٹکڑا اور ملاحظہ فرمائیں :۔

وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ — اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو

اَحْمَدُ ۚ — الصّف ۶ — میرے بعد آئے گا۔ اس کا نام احمد ہوگا۔

یہ بات ہر چھوٹا بڑا جانتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمدؐ بھی تھا اور احمدؐ بھی۔ یہ جان کر شاید آپ کا یقین اور عقیدہ بہت پکا ہوگا کہ حضورؐ سے پہلے محمد نام کے لوگ تو ہوئے ہیں لیکن حضور سے پہلے کسی کا نام 'احمد' کبھی نہیں ہوا۔

"وہ نبی" کے بارے میں

حضرت یحییٰ ؑ کی گواہی ۔ یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی 'کو یہ پوچھنے کے لئے حضرت الیاسؑ کے پاس بھیجا کہ تو کون ہے۔ کیا تو مسیح ہے یا 'وہ نبی' ؟ تو حضرت الیاسؑ نے اقرار کیا کہ میں نہ تو مسیح ہوں اور نہ 'وہ نبی'۔

(انجیل باب ۱۰، آیات ۱۹ تا ۲۵ کا حاصل)

حضرت عیسیٰؑ کا قول فیصل

—— "اس کے بعد میں تم سے بات نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں" (۱۴ - ۳۰)

—— "جب وہ آئے گا .... تو وہ میری گواہی دے گا" (۱۵ - ۲۶)

یہ بات سب مانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی نبی ہوئے۔ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمدؐ کے درمیان کوئی نبی (پانچ سو برس کے عرصے میں) نہیں ہوا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ کی گواہی دی۔

نجاشی حبشہ کی گواہی

اس سلسلے میں ایک نہایت دلچسپ گواہی بطور قصہ سنئے تو معلوم ہوگا کہ انجیل کے علما حضورؐ کے منتظر تھے اور "وہ نبی" کی پوری پہچان رکھتے تھے۔ واقعہ یوں ہے :۔

مکہ معظمہ سے مسلمانوں نے پہلی ہجرت حبشہ کی طرف کی تھی۔ پیچھے سے کفار قریش نے دو ذہین ترین شخص بھیجے۔ انھوں نے شاہ حبشہ نجاشی سے حبشہ میں آنے والے مسلمانوں کو مانگا تو نجاشی نے مسلمانوں کو بلایا۔ حال پوچھا تو حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے ایک بہت عمدہ تقریر کی۔ اپنی تقریر میں انھوں نے بتایا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو یہ اور یہ سکھاتے ہیں اور وہ ایسے اور اس طرح کے پاکباز اور کمال درجے کے انسان اور اللہ کے رسول ہیں۔

پھر دوسرے دن حضرت جعفرؓ نے نجاشی کے ایک اور سوال کے جواب میں سورہ مریم تلاوت فرمائی تو سنئے نجاشی کیا کہتا ہے:

مَرْحَبًا بِكُمْ وَبِمَنْ جِئْتُمْ مِنْ عِنْدِهٖ۔ أَشْهَدُ أَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَأَنَّهُ الَّذِیْ نَجِدُ فِی الْإِنْجِیْلِ وَأَنَّهُ الَّذِیْ بَشَّرَ بِهٖ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ مرحبا تم کو اور اس کو جس کے پاس سے تم آئے ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور 'وہ نبی' وہی ہیں جن کا ذکر ہم انجیل میں پاتے ہیں۔ اور وہی ہیں جن کی خوشخبری عیسیٰ ابن مریم نے دی تھی۔

منحمنا۔ لفظ 'محمد' کا ایک دلچسپ ہم مخرج لفظ:۔

یوحنا کی انجیل کے باب ۱۵ آیت ۲۳ تا ۲۷ اور باب ۱۶ آیت ۱ میں 'منحمنا' لفظ ہے جس کے معنی ہیں 'تعریف کیا ہوا'۔ لفظ 'محمد' کے بھی یہی معنی ہیں۔ 'منحمنا' سریانی زبان کا لفظ ہے۔ یونانی میں 'فارقلیط' کے بھی یہی معنی ہیں۔ تجوید کے تمام علماء ایک رائے ہیں کہ منحمنا اور محمد کا مخرج ایک ہی ہے۔ یعنی گلے کی جن حرکتوں سے منحمنا نکلتا ہے انہی سے محمد۔

بہت ثبوت ہیں حضورؐ کے بارے میں کہ پچھلے نبیوںؑ نے آپؐ کے بارے میں بشارت دی ہے۔ اب میں صرف ایک اور ثبوت دیتا ہوں۔ میں پوری عبارت لکھتا ہوں:۔

سردار کاہن نے پوچھا کہ 'وہ مسیح کس نام سے پکارا جائے گا اور کیا نشانیاں اس کی آمد کو ظاہر کریں گی؟' یسوعؑ نے جواب دیا: اس مسیح کا نام "قابل تعریف" ہے (فارقلیط یا منحمنا) کیونکہ خدا نے جب اس کی روح پیدا کی تھی اس وقت اس کا نام خود رکھا تھا اور وہاں اسے ایک ملکوتی شان میں رکھا تھا۔ خدا

نے کہا: اے محمد! انتظار کر کیونکہ تیری ہی خاطر میں جنت، دنیا اور بہت سی مخلوق پیدا کروں گا اور اس کو تجھے تحفے کے طور پر دوں گا۔ یہاں تک جو تیری تبریک کرے گا ذیشنے گا، ہی دے کہ تو برکت والا ہے اسے برکت دی جائے گی اور جو تجھ پر لعنت کرے گا اس پر لعنت کی جائے گی۔ جب میں تجھے دنیا کی طرف بھیجوں گا تو میں تجھ کو اپنے پیغامبر نجات کی حیثیت سے بھیجوں گا۔ تیری بات سچی ہوگی، یہاں تک کہ زمین و آسمان ٹل جائیں گے مگر تیرا دین نہ ٹلے گا۔ سو اس کا مبارک نام "محمدؐ" ہے۔

(باب ۹۷ بحوالہ سیرتِ سرورِ عالم جلد اول)

لطیفہ

چھان بین کرنے والے ایک عیسائی عالم برنا باس نے بائیبل سے لفظِ محمدؐ کا نام بڑی کثرت سے استعمال کیا ہے۔ وہ حضرت عیسیٰؑ کے بارہ حوارین میں سے تھا۔ عیسائی اس کے اس جرم پر آج تک اسے گالیاں دیتے ہیں۔ برنباس نے یہ راز فاش نہ کیا ہوتا تو عیسائی یہ بشارتیں رد کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔

اور ہمارا بھارت

یہ بات قرآن سے ثابت ہے کہ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ہر قوم میں نبی بھیجے گئے۔ یا۔ اس آیت اور ایسی ہی دوسری آیتوں کی رو سے ہندوستان میں بھی نبی آئے مگر یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ ؟ نے ان کی لائی ہوئی کتابوں اور ان کی تعلیم ہی کو نہیں، ان کے ناموں کو بھی بھلا دیا۔ آج ہم جن بزرگوں کی طرف دیکھتے ہیں ان کے چہرے بگاڑ دئے گئے ہیں۔ ہم ان کو پہچاننے سے قاصر ہیں کہ کیا یہ نبی ہو بھی سکتے تھے؟ وید یہاں کی الہامی کتابیں مانی جاتی ہیں لیکن افسوس کہ ان کو اس طرح چھپا کے رکھا گیا ہے جیسے وہ چوری کا مال ہو۔ آج اس کے جاننے اور سمجھنے والے بھی نہ رہے۔ کچھ وِدّوانوں نے بڑی محنت مشقت کے بعد حضور نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ثابت کیا ہے کہ ویدوں میں آپؐ کے لئے بشارتیں موجود ہیں۔ میرے پاس یہ کتابیں تبصرے کے لئے آئی ہوئی مدت سے رکھی ہیں۔ میں نے تبصرہ لکھ بھی ڈالا ہے لیکن ابھی تک اس لئے نہ شائع کرا سکا کہ مجھے شک ہے کہ یہ بشارتیں نیک نیتی سے نہیں لکھی گئیں، بلکہ ان کا مقصد وحدتِ ادیان کو فروغ دینا ہے۔ فکر و غور کرنے والے دو ایک مسلمان بھی ان کے دھوکے میں آگئے ہیں

اور لکھ رہے ہیں کہ لفظ محمد کے ہم مخرج نام ویدوں میں بھی ملتے ہیں جیسے مہامت، مہامد، کہتے ہیں کہ ویدوں میں ادم اس طرح لکھا ہے کہ عربی کا محمد معلوم ہوتا ہے۔ نمونہ اس طرح ہے:۔

لطیفہ

مولانا سلیمان ندویؒ نے قرآن کے پیغمبر 'ذوالکفل' پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ 'ذو' کے معنی 'والے' اور 'کفل' ہندی کا لفظ 'کپل' ہے، یعنی کپل وستو والے۔ یعنی بدھ جی مہاراج کیونکہ ان کا اصل وطن کپل وستو ہے اگر ویدوں میں حضورؐ کے بارے میں بشارتیں ہیں اور اگر وید واقعی الہامی شکل میں محفوظ ہیں تو یہ بشارتیں ضرور یہ برنا باس کی طرح ان ودّوانوں کو بھی گالیاں سننے کے لئے تیار رہنا چاہئے جنھوں نے ویدوں کا یہ مبارک راز طشت از بام کیا ہے اور اگر واقعی انھوں نے اس کے ذریعہ وحدتِ ادیان کی راہ ہموار کی ہے جیسا کہ میرا خیال ہے تو انھیں داد ملے گی اور وہ عظیم ریسرچ اسکالر تسلیم کئے جائیں گے بالکل اس طرح جیسے اس شخص کو ریسرچ اسکالر کی ڈگری ملی جس نے لکھا ہے کہ کعبے کے اندر مہادیو جی کا بت رکھا ہوا ہے اور اس کا نام مسلمانوں نے حجر اسود رکھ لیا ہے

نوٹ:۔ ہمارے محترم دوست مولانا شمس نوید صاحب پر یہ دُھن سوار ہے اور انھوں نے اپنی بقیہ زندگی یہ ثابت کرنے کے لئے وقف کر دی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ویدوں میں ہے۔ موصوف نے تبصرہ کے لئے یہ کتاب مجھے دی ہے۔ اس پر بھی میں نے تبصرہ لکھ لیا ہے۔ اب جبکہ میں یہ سطور لکھ رہا ہوں تو سوچتا ہوں کہ وہ تبصرہ بھی اسی شمارہ میں دے دوں کیونکہ شمارہ ربیع الاول کا ہے۔ تبصرہ صفحہ ۳۲ پر ملاحظہ فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ (الحجرات - ۱۳)

لوگو! ہم نے تمکو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ بیشک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہو۔ بیشک اللہ جاننے والا اور باخبر ہے۔

تم! ۔ تم یعنی اے دنیا کے سارے انسانو! چاہے تم گورے ہو یا کالے تم ہندوستان کے رہنے والے ہو یا دنیا کے کسی اور ملک کے بسنے والے۔ تم اردو بولنے والے ہو یا ہندی یا دنیا کی کوئی اور بولی بولتے ہو۔ قوم اور ذات کی بنا پر تم برہمن ہو یا چھتری، ویش اور سید ہو، مغل ہو، پٹھان ہو، یا شیخ۔ تم اپنی جگہ اپنے کو کچھ بھی کہو، ہو تم سب ایک ہی باپ اور ایک ہی ماں یعنی آدمؑ و حواؑ کی اولاد۔ اس لئے تم سب برابر ہو۔

یہ حقیقت یہ سچی بات بتا کر اللہ تعالیٰ نے پدرم سلطان بود (ہم شریفوں کی اولاد ہیں باقی سارے لوگ ہم سے کمتر ہیں) کی جڑ کاٹ دی۔ یہ بات اس لئے فرمادی کہ دنیا میں ذات پات کی بنا پر زبان اور ملک کی وجہ سے۔ دیش اور بھارت کے کارن ہمیشہ جھگڑا اور فساد برپا رہا ہے۔ آج بھی یہ جھگڑا ختم نہیں ہوا یہودیوں کو یہ زعم اور گھمنڈ ہے کہ وہ نبیوں کی اولاد ہیں اس لئے وہ شریف ہیں اور وہی جنت میں جائیں گے باقی تمام لوگ رذیل اور جہنمی ہیں۔ امریکہ اور یورپ کے گوری نسل والوں کو دیکھو، حبشیوں اور کالی رنگت والوں کو اپنے سے نیچ سمجھتے ہیں۔ ہندوستان کے برہمنوں کے تیور پہچانو جو "ہیں ہم" کا نعرہ بلند کئے ہوئے کسی طرح بھی شودروں کو انسانیت کا مقام دینے کو تیار نہیں جب کہ یہ جانتے ہیں کہ یہودی اور غیر یہودی، امریکہ اور یورپ کے گورے اور کالے اور برہمن اور شودر سارے کے سارے آدم اور حوا کے بیٹے ہیں۔ الخلق عیال اللہ جب کہ سب اللہ کے کنبے والے ہیں۔ انسان ہونے کے ناطے سب بھائی بھائی ہیں۔

یہ بات اتنی سچی اور صاف ہے کہ اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا لیکن یہودیوں کے نبیوں کی اولاد ہونے کا سہارا لے

اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ چاہے جیسی کمینی حرکتیں کریں اللہ کے پیارے وہی ہوں گے۔ امریکہ اور یورپ کے گوروں نے سفید رنگ کا سہارا لیا اور برہمنوں نے یہ منطق گھڑی کہ وہ ایشور کے منہ سے پیدا ہوئے ہیں اور شودر ایشور کی..... (ڈھونڈ اا الفاظ ہے) یعنی گندی جگہ سے نکلے ہیں اس لئے شودر کبھی برہمن کے برابر نہیں ہو سکتے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جب تک برہمن اور رجواڑوں کا آپس میں جوڑ توڑ رہا ان کی بات بنی رہی۔ برہمن رجواڑوں کو راجن او ظل اللہ کہہ کر چاپلوسی کرتے رہے اور ان راجوں مہاراجوں نے انھیں مہاآتما اور بھگوان پکارا کیوں؟ ___ وجہ یہ تھی کہ راجے مہاراجے برہمنوں سے یہ کام لیتے رہے کہ وہ ان کے لئے پرجا کے ذہنوں کو راجہ کے حق میں ہموار رکھیں اور یہ برہمن راجوں مہاراجوں کی مدد سے اپنے سے نیچی ذات والوں کو دبائے رکھیں۔

مصر کے نمرودوں اور فرعونوں کی حکومت اسی بنا پر قائم تھی۔ یہی گُر ہندوستان میں کھیلا گیا۔ لیکن اب جبکہ ہر طرف ہر طرح کی آزادی کا زور شور ہے۔ ہر ایک ریاست میں قانوناً یعنی سرکاری دفتروں کے کام میں سب کا حق تسلیم کیا گیا ہے کہ انسان ہونے کے ناطے سب شہری ہیں اور سب کے حقوق برابر ہیں پھر بھی اس قانون پر عمل کہیں نہیں ہو رہا ہے۔ امریکہ اور یورپ میں کالے پس رہے ہیں۔ ہمارے یہاں شودر لیکن آخر کب تک؟ ادھر کالوں کو ہوش آیا اور وہ گوروں سے اپنا حق منوانے کے لئے لڑ رہے ہیں۔ یہاں شودروں کو بھی شعور ہوا کہ وہ بھی انسان ہیں۔

شودروں نے دیکھا کہ پڑھ لکھ کر اور کوئی عہدہ پا کر بھی وہ ذلیل نگاہوں سے دیکھے جا رہے ہیں تو انھوں نے یہ تدبیر سوچی کہ عیسائی ہو جائیں تو شاید انسان مان لئے جائیں وہ عیسائی ہو گئے لیکن اصل عیسائیوں اور کرسچین اور کالے گورے کے فتنے نے ان کو برابری کا مقام نہیں دیا۔ پھر انھوں نے بودھ مذہب اپنانے کو سوچا۔ وہ بودھ ہو گئے لیکن برہمنوں کی نظر میں جگہ پیدا نہ کر سکے۔ شعوب اور قبائل (ذات برادری) کی نسبت سے رہے وہی کے وہی۔

اب کچھ دنوں سے انھوں نے مسلمان معاشرے کو دیکھنا شروع کیا۔ کہیں یہ بھی سن لیا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ تم میں اکرم اور شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے۔ اس آیت کی روشنی میں مسلمانوں کو دیکھا کہ یہ سب ایک صف میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں۔ کوئی نواب مسلمان اگر پچھلی صف میں ہے تو اگلی صف والے مزدور کو ہٹا کر نہیں بڑھ سکتا۔ شودروں نے مسلمانوں کو دیکھا۔ سب ایک ساتھ کھاتے

اور پانی پیتے ہیں۔ ایک دوسرے کا جوٹھا کھاتے پیتے ہیں۔ انھوں نے یہ بھی تجربہ کیا کہ مسلمان شودروں کا جوٹھا پانی بھی پی لیتے ہیں
نہیں کسی من چلے یا دل جلے شودر نے کسی مسلمان سے پوچھا۔

"آپ نے ہمارا جوٹھا پانی پی لیا؟"

مسلمان نے جواب دیا: "تو کیا ہوا کیا تم انسان نہیں؟" یقیناً تم انسان ہو۔ ہم تم ایک باپ اور ماں کے بیٹے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کا جوٹھا پانی پاک فرمایا ہے (الا یہ کہ کوئی شراب پی کر آیا ہو وہ مسلمان بھی ہو تب بھی اس کا جوٹھا ناپاک ہے)

یہ دیکھ کر اور یہ سن کر اور قرآن مجید کے ترجموں کو پڑھ کر یہاں کے شودر مسلمان ہونے لگے۔ مسلمان ہونے کے بعد وہ ہندو سوسائٹی میں گئے تو آئیے عبدالکریم خاں! یوں استقبال ہوا یہی عبدالکریم کل جنگو چمار تھے تو "چھی چھی" تھے اب کرسی پر جگہ دی گئی۔ بھگوان! ان کی آن میں یہ عزت و اکرام!۔

پھر ایسا ہوا کہ ہمارے دیش کے وندھیاچل پربت کے اس پار اور ذرا نیچے چل کر شودر ذات کے لوگ گاؤں کے گاؤں مسلمان ہوگئے تو یہاں کے ہندوؤں کے کان کھڑے ہوئے۔ آچاریہ جی دوڑے، حاکم حکام دوڑے۔ لیڈر اور نیتا دوڑے

"ارے بھائیو! تم سب پیسے کے لالچ میں کہاں بہے جا رہے ہو؟"

انھوں نے جواب دیا: "تم زیادہ پیسہ دے کر دیکھ لو ہم پیسہ چاہتے ہیں یا کچھ اور۔"

ان سے کہا گیا: "یقیناً تم مسلمانوں سے دب گئے۔ ڈر گئے اس لئے مسلمان ہوگئے؟"

انھوں نے جواب دیا: "مسلمان بیچارے خود چاروں طرف کھدیڑے اور مارے پیٹے جا رہے ہیں۔ ہم جان کے خوف سے نہیں کسی اور ہی لالچ میں مسلمان ہوئے ہیں۔"

"کچھ اور ہی" کے معنی سب ہی سمجھتے تھے اور سمجھتے ہیں۔ جب دیکھا کہ مسلمان ہونے والے کسی طرح نہیں سمجھتے اور برابر مسلمان ہوتے چلے جا رہے ہیں تو انھیں یہ بتایا جانے لگا "تم جو یہ سمجھتے ہو کہ مسلمانوں میں ذات پات کا جھگڑا نہیں ہے تو یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ وہاں بھی سید مغل پٹھان اور شیخ چاروں ذاتیں (برہمن، چھتری، ویش، شودر) ہیں۔ ان میں بھی باہم شادیاں نہیں ہوتیں۔ وہاں بھی اونچ نیچ ہے۔

یہ ثابت کرنے کے لئے یہاں کے دانشوروں نے مسلمان چمچوں کو تلاش کیا۔ ان چمچوں کی کمی نہیں۔ یہ چمچے مولانا قسم کے بھی مل گئے بلکہ یہاں تو مولانا صاحب کی پوری فوج ظفر موج مکمل چمچہ ہے۔ ایسے کچھ چمچے مل گئے۔ ان سے کہا کہ قرآن ہی سے ثابت کرکے دکھاؤ کہ اسلام میں بھی اونچ نیچ ہے۔ تبھی تم سپوت ہو سکتے ہو۔

ان سپوتوں نے کہا "لیجئے سرکار" چمچوں نے الحجرات کی اسی آیت کی تشریح و تفسیر یوں فرمائی۔ پہلے ترجمہ سنیئے!

"اے لوگو! تم آدم و حوا کی اولاد تو ہو لیکن تم کو ذات پات اور گوتوں میں اس لئے بانٹ دیا گیا تاکہ تم پہچانے جاؤ۔ ہاں یہ بات ٹھیک ہی ہے کہ اللہ سے ڈرنے والا ہی "متقی" ہوتا ہے اور اللہ ہی ایسے لوگوں کو جانتا بھی ہے۔ (دوسرا نہیں جان سکتا)

ترجمے کی یہ مٹی پلید کر کے اب تفسیر سنیئے، لِتَعَارَفُوا! تاکہ تم آپس میں پہچانے جاؤ کی تشریح یوں فرمائی گئی کہ بھئی تم کھیتوں کی زمین دیکھو، یہ زمین اور کنکریلی پتھریلی اور ریتلی اور بنجر۔ ہے سب زمین ہی لیکن زمین کے ٹکڑوں ٹکڑوں کی مٹی میں فرق ہوتا ہے کسی مٹی سے پھول اور پھل ملتے ہیں۔ کسی سے غلہ اور کہیں کی مٹی ایسی ہے جو بنجر ہے اور کسی مٹی سے ببول اور تھوہڑ کے پودے پھوٹتے ہیں تو ان زمینوں کی مٹی ایک کیسے ہو سکتی ہے۔ یہ بات اللہ جانتا تھا۔ وہی جاننے والا ہے تم نے تو اس وقت اس اچھی اور بری مٹی کو جانا۔ جب پیداوار دیکھ لی۔ بس یہ فرق ضرور سمجھتے رہنا چاہیئے۔

تو قرآن بھی تو وہی کہتا ہے جو منوسمرتی میں ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ انسان زمین کی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے تو بھائی جو انسان اچھی اور زرخیز مٹی سے بنایا گیا وہ سید ہے اور جو بنجر اور کنکریلی اور ریتلی مٹی سے بنایا گیا وہ نیچ ہو گیا۔ تو پھر تم کہاں جا رہے ہو۔ تم کو شہری حقوق مل گئے۔ شیڈول کاسٹ کے لئے مزید رعائتیں تم کو حاصل ہیں۔ مسلمان ہونے کے بعد یہ سب کھو دو گے اور مسلمانوں میں بھی عزت حاصل نہ کر سکو گے۔

لطیفہ ۱:۔ کچھ دنوں پہلے میں نے حجاب کے لئے ایک معاون کا اعلان شائع کیا تھا۔ ایک نوجوان مولانا سعید اختر صاحب رکن جماعت اسلامی و ناظم ضلع فتحپور کا خط لے کر میرے پاس آیا۔ اس کے ساتھ دو نوجوان تھے۔ اور رامپور کے رہنے والے تھے۔ میں نے سب کو چائے پلائی۔ ہونے والی بات! ایک پیالی میں شکر ڈالنا بھول گیا پیالی رام کمار کی طرف بڑھا دی۔ اس ایک گھونٹ پی اور ہٹا دی۔ میں نے سوچا شاید اس چائے میں کچھ خرابی ہے۔ میں نے وہی پیالی اٹھائی۔ ایک گھونٹ پی۔ معاً

کیجئے جھگڑا نا بھول گیا! میں نے تو یہ عذر کیا لیکن رام کمار کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

میں نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا "میں ذات کا بھنگی ہوں"۔ یہ سن کر میں نے وہی جواب دیا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں فرمایا ہے کہ ہر انسان کا جوٹھا پاک ہے۔

یہ بات رام کمار نے کسی مولوی سے پوچھی۔ یہ مولوی جو پھر آکر مجھ سے جھگڑنے لگا اور مٹی اور زمین کی پہچان سے ثابت کرنے لگا کہ اونچی نیچی ذات قرآن سے بھی ثابت ہے۔

ہم نے اسے اس طرح سمجھایا "شعوب اور قبائل (قومیں اور برادریاں) اس لئے بنائے گئے تاکہ تم پہچانے جا سکو۔ اس کو مثالوں سے سمجھئے۔ عرب میں بھی ایک نام کے بہت سے لوگ ہوتے تھے اور اب بھی ہوتے ہیں اور قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ ہمارے ہندوستان اور دوسرے ملکوں میں بھی ایک نام کے بہت سے لوگ ہوئے ہیں۔ آج بھی ہیں کل بھی ہوں گے۔ برطانیہ کی تاریخ پڑھو وہاں بہت سے چارلس بادشاہ ایک نام کے ہوئے تو ان کے ناموں کے آگے پہچان کے لئے اول، دوم، سوم، چہارم اس طرح نمبر لگائے گئے۔ اسطرح وہ بادشاہ آج پہچانے جاتے ہیں۔ اسی طرح عرب میں محمد بن عبداللہ، محمد بن مسلمہ محمد بن ابی سلمہ۔ عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن مبارک وغیرہ بہت سے نام ہوئے آج بھی ہیں، آئندہ بھی ہوں گے۔ ہمارے ہندوستان میں رام کمار جین، رام کمار ویش، رام کمار پانڈے، رام کمار دوبے۔ رام کمار سنگھ، لال بہادر شاستری۔ لال بہادر پانڈے۔ جواہر لال نہرو جواہر لال سنگھ۔ اور نہ جانے کتنے نام پائے جاتے ہیں پائے جاتے رہیں گے۔ اب اگر ان ناموں کے ساتھ پہچان کے لئے کچھ نہ ہو تو بڑی پریشانی ہوگی۔ میرے محلے میں ایک شخص آیا اس نے مجھ سے پوچھا۔ "پرکاش بابو کا مکان کون سا ہے؟"

میں نے بتایا۔ "پرکاش بابو کا مکان آپ پیچھے چھوڑ آئے"۔

اس شخص نے کہا "وہ نہیں، اور کوئی پرکاش بابو یہاں رہتے ہیں"۔

میں نے کہا "ایک پرکاش بابو بہاری ہیں اور کایستھ ہیں۔ ایک پرکاش بابو یادو ہیں آپ پہچان بتائیں"۔ اسطرح اس شخص کا مسئلہ حل ہوا۔

تو ــــ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جو قبائل اور شعوب (برادریوں) کا تذکرہ کیا تھا اس لئے کیا تاکہ تم اپنا اور پرایا کو

پہچان سکو۔ تاکہ تم پاکستانی ضیاء صاحب اور بنگلہ دیش کے ضیاء صاحب کو پہچان سکو۔ تاکہ تم مائل خیرآبادی، مائل دہلوی، مائل الٰہ آبادی، مائل ملیح آبادی کو پہچان سکو۔ یہ سب جانتے ہیں غالب چچا کا تخلص پہلے اسد تھا۔ اتفاق سے کسی نے اپنا تخلص بھی اسد رکھ لیا۔ غالب چچا نے سنا تو پہچان کے لئے اپنے آپ کو غالب کہنے لگے۔

تو بھائی مسلمانوں میں جو یہ ہاشمی، رضوی، قریشی، انصاری وغیرہ برادریاں ہیں یہ اسی لئے ہیں تاکہ تم ان کو ڈھونڈنے کے لئے بھٹکتے نہ پھرو۔ ان کو جلد ڈھونڈ لو۔

اس کی قدر اس وقت اور زیادہ ہوتی ہے جب ہم محدثین میں ایک نام کے سینکڑوں نام دیکھتے ہیں لیکن ان کو بخاری، قدوری، ترمذی وغیرہ ناموں کی پہچان ہی سے سمجھ پاتے ہیں۔ ورنہ بڑا خلط ملط ہوتا اور اسماء الرجال کے پانچ لاکھ ناموں کی شخصیت کو جاننا مشکل بلکہ ناممکن ہو جاتا۔

لطیفہ:۔ اس سلسلے میں ایک عبرتناک لطیفہ سن لیجئے۔ اس عبرتناک لطیفے کو ہم کہانی کی شکل میں پیش کرتے ہیں در اصل یہ واقعہ ہی ہے اور بڑا ہی عبرتناک۔

حجاج بن یوسف بنو امیہ کی حکومت میں ایک نہایت ظالم گورنر گذرا ہے۔ اس کے زمانہ میں جو لوگ بنو امیہ کی حکومت سے بیزار تھے ان میں سے دو بزرگ ایک نام کے بھی تھے اور دونوں بزرگوں کے والد صاحبان کا نام بھی ایک ہی تھا لیکن ان کا گھرانہ الگ الگ تھا یعنی ایک تھے حضرت ابراہیم بن یزید نخعی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے تھے حضرت ابراہیم بن یزید تیمی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت ابراہیم بن یزید نخعی رحمۃ اللہ علیہ حجاج سے بہت بیزار تھے۔ حجاج نے حکم دیا کہ ابراہیم نخعیؒ کو پکڑ لاؤ۔

یہ حکم سب نے سنا۔ حضرت ابراہیم بن یزید تیمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سنا۔ اب لطیفہ کی بات یہ ہے کہ ایک دن حضرت ابراہیم بن یزید تیمی رحمۃ اللہ علیہ نماز پڑھنے جا رہے تھے۔ علماء حضرات دور سے پہچان لئے جاتے ہیں۔ سپاہیوں نے دیکھا، پاس گئے پوچھا "مولوی صاحب آپ کا نام کیا ہے؟"

انھوں نے بتایا "ابراہیم بن یزید" یہ سننا تھا کہ سپاہیوں نے ان کو جیل میں ٹھونس دیا اور طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانے لگے کہ بنو امیہ کی حکومت کی تائید کرو۔ یاد کیجئے وہی کام جو راجے مہاراجے برہمنوں سے لیتے تھے۔ اگر ایسے اونچا عالم یہ تائید کر دیں تو پبلک کے باغی ہونے کا ڈر نہیں رہے گا۔ حضرت ابراہیم بن یزید تیمیؒ نے سپاہیوں کی بات ماننے سے انکار کر دیا

اور دیکھ دیکھ کر دکھ سہتے رہے۔ چند ہی دنوں میں وہ ایسے دبلے ہو گئے کہ گال پچک گئے کنپٹیاں دھنس گئیں آنکھیں اندر بیٹھ گئیں وہ پہچانے پہچانے بھی نہ جاتے تھے۔

ماں زندہ تھیں۔ وہ بیٹے سے ملنے گئیں صورت دیکھی، حال پوچھا۔ اس کے بعد بیٹے نے اس وقت کی مسلمان مائیں کیسی ہوتی تھیں، نصیحت کی بیٹا! اللہ تیری قربانی قبول فرمائے۔ دیکھو! کوئی تجھے پہچان نہ سکے۔

سوچئے۔ کیا بات ماں نے کہی یہ کہ تجھی اور تیرے خاندان کو پہچان نہ ہو سکے۔ اللہ علیم و خبیر ہے۔ وہ جانتا ہے کہ سماج میں یہ پہچان نہ ہو تو پھر کیسی کیسی نہ کھل سکنے والی گتھیاں پیدا ہوں گی۔ قرآن کی بات کتنی صاف اور سیدھی ہے جسے آج کل کے چھچھے مولوی ہیر پھیر سے بیان کر کے لوگوں کو ورغلاتے پھرتے ہیں اور اس سے زیادہ یہ کہ اپنے فداؤں کی جھوٹی پلیٹ چاٹ رہے ہیں۔

لطیفہ:۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پے درپے واقعات سے سمجھا اور دکھا دیتا ہے۔ میری ایک بھتیجی عفت بنت شرافت اللہ خاں رامپوری جو عالمہ ہے۔ اس کی شادی مولانا نسیم غازی صاحب کے بھتیجے سے ہوئی ہے اور اب وہ ماشاءاللہ دو بچوں کی ماں ہے۔

ابھی کل کی بات ہے۔ وہی چھچھے مولوی صاحب میرے دفتر میں بیٹھے تھے تو مولانا نسیم غازی صاحب آ گئے۔ میں نے تعارف کرایا "آپ نسیم غازی صاحب ہیں۔ غازی پور کے اگروال فیملی سے ہیں اور ڈاکٹر حامد بیگ صاحب رکن جماعت اسلامی رامپور کے داماد ہیں۔ مولوی چھچھے لفظ اگروال پر چونکے تو میں نے بتایا کہ ہاں وہ نو مسلم ہیں۔

نسیم غازی صاحب کے جانے کے بعد میرا داماد شمیم غازی آ گیا۔ میں نے اس کا تعارف بھی اسی طرح کرایا تو مولوی چھچھے چلنے لگے۔ میں نے عرض کیا "ایک منٹ اور بیٹھئے اور میرے بارے میں بھی سن لیجئے۔" مگر مولوی چھچھے میرے دفتر سے اس طرح بھاگے جیسے لاحول سن کر شیطان بھاگتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مسلمانوں کو یہ عقل دے کہ ان کے دماغوں سے یہ خناس نکل جائے اور رامپور اور اس کے علاقوں اور دوسری جگہوں کے مسلمان ہونے والوں کو استقامت عطا فرمائے اور وہ اس حالت میں اللہ کو پیارے ہوں کہ قیامت کے دن بھی اللہ کے پیارے ثابت ہوں اور اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کے لیڈروں نیتاؤں، حاکموں اور حکومت کو ایسی ... [illegible]

[illegible]

کپڑا دوڑ

(شبنم جعفری)

یہ عنوان قارئین کو کچھ نیا نیا سا لگے گا۔ کیوں کہ گھوڑا دوڑ، سائیکل دوڑ، میراتھن دوڑ اور کار ریلی کا نام تو سب نے سنا ہوگا۔ مگر کپڑا دوڑ کیسی ہوتی ہے یہ شاید کسی کو نہ معلوم ہو۔ اگر دوڑ کی ترکیب کو ذرا سے بدل دیا جائے یعنی کپڑا دوڑ کی جگہ کپڑا دور کر دیں تو بات کچھ صاف ہو جائے گی۔ مگر اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ آج کے دور کا (جس میں کپڑوں سے تن ڈھکا جاتا ہے۔) پرانے پتھر کے دور سے (جس میں لوگ یا تو ننگے رہتے تھے یا پتوں کی چھال اور جانوروں کی کھال سے تن ڈھکتے تھے) موازنہ کیا جائے۔ کپڑا دوڑ اس دوڑ کا نام ہے جس میں آج کل تقریباً ہر وہ آدمی جس کے پاس پیٹ بھرنے کے بعد کچھ پیسے بچ جاتے ہیں پوری ہمت اور حوصلے سے حصہ لے رہا ہے۔ بہتر سے بہتر لباس پہننے کی دھن میں اکثر لوگ تو غذا جیسی اہم اور اولین ضرورت کو بھی نظر انداز کر جاتے ہیں۔ زمانہ انھیں کا ہے جو بہترین تراش کے کپڑے پہنتے ہیں۔ انھیں کی بات سنی جاتی ہے۔ انھیں کو شریف سمجھا جاتا ہے۔ شخصی خوبیوں اور شرافت کو پرکھنے کا معیار یہ ہے کہ کون کیسا لباس پہنتا ہے اس موقع پر عہد قدیم کے مشہور مفکر اور فلسفی کا لباس کے متعلق وہ لطیفہ یاد آتا ہے جب ان کے پھٹے پرانے کپڑوں کو دیکھ کر دربان نے انھیں عالی شان دعوت میں جانے سے روک دیا تو وہ وہاں سے لوٹ آئے اور پھر عمدہ لباس زیب تن کر کے گئے مگر دعوت کا کھانا انھوں نے خود نہیں کھایا بلکہ اپنے کپڑوں پر بکھراتے رہے۔ جب کسی نے اس کے متعلق استفسار کیا تو انھوں نے کہا۔

"بھئی دعوت میں مجھے تو بلایا نہیں گیا تھا اور بہترین کپڑوں کو بلایا گیا تھا اسی لیے میں ان کپڑوں کو کھانا کھلا رہا ہوں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ

...س کو شرافت کا معیار قرار دینے کی ذہنیت نئی اور ...کی نہیں ہے۔ فرق صرف اس کی شدت میں ہے ... زمانہ حال یہ ہے کہ پورا سماج اور خالص چیزوں ... کے علاوہ جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے جیسے ...ر اخلاق، نشست و برخاست کی تہذیب، تواضع ... انکسار، گفتگو کا سلیقہ، بردباری اور سنجیدگی۔ ان ...وں پر کون دھیان دے جب ان ساری چیزوں ...ی صرف خوبصورت اور قیمتی لباس سے ہی پوری ...یا سکتی ہو۔ اسی لیے عام طور پر ہر آدمی اور خاص ...ور پر عورتیں لباس کی دوڑ میں سب سے آگے ...ں جانا چاہتی ہیں۔

اور یہ دھن بعض اوقات انسان کو رشتہ داروں ...ور عزیزوں کے حقوق بھی بھلا دیتی ہے۔ اپنی کمائی ...ں سے عزیزوں اور محتاجوں کا حصہ نکالنا انھیں ...وجھ لگنے لگتا ہے۔ کیوں کہ وہ اپنے لیے ہر فیشن کا ...ور ہر موسم کا الگ الگ لباس خرید لینا چاہتے ہیں۔

اس صورتحال کو بڑھاوا دینے میں مختلف تجارتی رسائل جو خاص اسی مقصد کے لیے چھاپے جاتے ہیں، بہت مددگار ثابت ہو رہے ہیں۔ ان رسالوں میں طرح طرح کے دلکش اشتہاروں میں

مقابلوں کے ذریعہ یہ واضح کیا جاتا ہے کہ نیا فیشن کیا ہے اور مستقبل قریب میں کیا ہوگا۔ کس طرح خوبصورت اور خوبرو بنایا جا سکتا ہے۔ کس طرح جسم سڈول بنایا جائے (تاکہ زینت محفل بن سکے) اور کس طرح میک اپ کیا جائے؟ تندرستی نعمت ہے۔ جسم کو صحت مند بنانا اور سنوارنا ضرور چاہیے مگر ہر وقت اسی فکر میں رہنا اور اپنا قیمتی سرمایہ برباد کرنا کہاں کی عقل مندی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اپنا سارا وقت جسم کی ناپ تول صحیح رکھنے اور چہرے کی آب برقرار رکھنے میں ہی صرف کر دیں اور روح کی پاکیزگی اور تقدیس کے لیے ہمیں مہلت ہی نہ مل سکے۔

فیشن کے پیچھے بھاگنا سراب کے پیچھے بھاگنے جیسا ہے۔ فیشن کی کوئی اصل نہیں۔ یہ غیر سنجیدگی کا دوسرا نام ہے۔ حد سے بڑھا ہوا خود نمائی کا جذبہ جو احساس کمتری کا نتیجہ ہے۔ فیشن کو بڑھاوا دیتا ہے۔ شخصیت کو نمایاں کرنے کے لیے بار بار نئے فیشن کا کپڑا بنوا کر انسان یہ بھی نہیں سوچتا کہ اس نے اپنی خودی کو کس قدر ارزاں کر لیا۔ اسلام نے فنائے خودی کی تعلیم نہیں دی لیکن احساس خودی

کی حد معین کردی ہے۔ اس حد سے بڑھ جانے والے
لوگ وہی ہیں جن کی سرزنش قرآن شریف میں یہ
کہہ کر کی گئی ہے کہ انھوں نے اپنی خواہش نفسانی
کو اپنا خدا بنالیا ہے۔

"ارأیت الذی اتخذ اللہ ھواہ"

اشتہاروں سے بھرے رسالوں میں مختلف
ملیں وقتاً فوقتاً اپنی کلیرنس سیل [illegible]
[illegible] کا اعلان کرتی رہتی ہیں جن میں کپڑوں پہ
پر فی میٹر ۲ یا ۲۰٪ کی رعایت دی جاتی ہے۔
اس طرح لوگوں میں کپڑے جمع کرنے کا شوق بڑھتا
ہے۔ اس دلکش سیل (رعایتی داموں پر فروخت) کی
خبر سن کر ہر اوسط گھر کی مالکہ کپڑے خریدنے کے لیے
بے تاب ہوجاتی ہے۔ چاہے ضرورت ہو یا نہ ہو۔
"ارے خرید کر رکھ لیں گے عید میں بنائیں گے" چاہے
عید کے چھ مہینے باقی ہوں اور یہ عید کی بات بھی
بس بات ہی ہے۔ کپڑا گھر میں آگیا تو بغیر سلے چین
کہاں۔ اس طرح شوہر کی آمدنی کا خیال کیے بغیر
عورتیں کپڑا خریدنے نکل پڑتی ہیں اور بہت سے
کپڑے بغیر ضرورت کے جمع ہو جاتے ہیں اور شوہر کو
ہر جائز ناجائز طریقہ سے پیسے جٹانے پر مجبور کرکے

چلو بیسوں جوڑے کپڑے تو بن گئے مگر اب انھیں
سنبھال کر رکھے کون؟ انھیں دھونا اور قرینے
رکھنا اور مرمت کرنا ایک وقت طلب کام۔
خاص کر اس صورت میں جب ان کپڑوں کو
پہن کر دکھانے کے لیے بلا وجہ پڑوسیوں کے
کے چکر بھی لگانے ہوں۔ کہاں اتنا وقت [illegible]
ہے کہ کپڑے سمیٹ کر رکھے بھی جائیں۔ نتیجتاً
سے کپڑے اِدھر اُدھر پڑے پڑے برباد ہو
رہے ہیں۔ پھر سوچا جاتا ہے کہ لاؤ یہ کپڑے
غریبوں کو دے کر ثواب کمایا جائے۔ بھلا [illegible]
سے اتری ہوئی بدرنگ اور پھٹی پرانی چیز
کسی کو دے کر کوئی ثواب کا مستحق کیسے ہو
ہے۔ خدا کی راہ میں اپنی محبوب ترین چیزیں
ہی انسان کا رتبہ بلند ہوتا ہے۔

لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون۔ (آ
"تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے یہاں تک کہ اپنی
محبوب چیز اللہ کی راہ میں دو"

پھر کپڑوں کی میچنگ کے لیے کتنی دوکانوں
کے چکر لگانے پڑتے ہیں۔ کبھی کبھی تو دوسرے شہر
سے میچنگ کی چیز منگوانی پڑتی ہے۔ بے چاری

بت کرے بھی کیا۔ مردوں پر تو میچنگ کے معاملے
بالکل بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ مردوں کو خدا
رنگ پہچاننے کی صلاحیت ہی نہیں دی ہے
وہ تو مردہ ہرے، دھانی، فیروزی، نیلے، بیگنی
اودے میں فرق ہی نہیں کر پاتے اور ان تمام
ں کو یا تو ہرا کہتے ہیں یا نیلا۔ اس لیے بے چاری
رتوں کو شاپنگ کے لیے دو دکان کی ٹھوکریں
لی پڑتی ہیں۔

جتنا مقدور ہو اتنا خرچ کرنا بے جا نہیں۔
قرآن شریف میں عورتوں کے لیے زینت کا
ر موجود ہے مگر زیب و زینت کے سامانوں
خریداری کے لیے بازار کے چکر لگانا اور اس
س اتنے منہمک ہو جانا کہ منعم حقیقی کا شکریہ ادا
کرنے کا بھی وقت نہ ملے، کیسے مستحسن ہو سکتا
ہم لباس کی ہزاروں قسمیں اور رنگ آمیزی
ل دنیا میں کی تعریف کے لیے اپنی بیش قیمت
سکون کو قربان کر دینا بہت بڑی
ادانی ہے کیوں کہ دنیاوی خواہشات جب دل
کو مغلوب کر لیتی ہیں تو شیطان کی جیت کا راستہ
ہموار ہو جاتا ہے اور روح اپنی لطافت کھو دیتی ہے۔

نیا کپڑا بنانے کے بعد عورتوں کو فکر لاحق
ہوتی ہے اس کپڑے کی نمائش کرنے کی جس اتفاق
سے اگر کوئی موقع ہاتھ آ جائے تو بہتر ورنہ بلا ضرورت
ہی کسی گھر جا کر بیٹھ جائیں گی۔ اب چونکہ اس آمد
کی کوئی معقول وجہ تو ہوتی نہیں اس لیے وہاں
بیٹھ کر ساس نندوں کی چغلی اور پڑوسیوں کی غیبت
کی جاتی ہے۔ کچھ اس طرح کی باتیں ہوتی ہیں۔

"ارے بہن انوری تم نے سنا! آج جمیلہ اور
اس کی ساس میں ٹھن گئی۔"

"کیا ہوا بھئی؟"

"ارے ہوتا کیا بڑھیا ہے بڑی خرانٹ ایک
تو بیٹی داماد کو گھر میں بسا رکھا ہے اوپر سے بہو کے
جہیز کی چیزیں بھی اٹھا اٹھا کے دیتی ہے کون
بھلا برداشت کرے گی؟ اے بھائی تمہاری
بیٹی ہے تم اسے دو۔ لو۔ گھر ہے کے اندر۔ اب مرغیاں
بھی انڈے دیتی ہیں۔ سیوں انڈے روزانہ نکلتے
ہیں۔ مگر بہو بیٹے کے صرف دو انڈے بندھے
ہیں۔ آج قریب پچاس انڈے جمع کر کے بیٹی
کو حلوہ بنانے کے لیے دے رہی تھیں۔ بس جمیلہ نے
دیکھ لیا تو لیجیے وہ لڑائی ہوئی کہ توبہ ہی بھلی

جمیلہ بھی کم تھوڑے ہی ہے۔ اسے تو لڑائی کا بہانہ چاہیے تھا صاف کہہ دیا اس نے کہ اب میں اپنے میاں کی تنخواہ میں سے ایک پیسہ نہ دوں گی۔"

آنکھ جیسی نعمت کا سب سے اچھا شکریہ یہ ہے کہ جو اچھی باتیں دیکھی جائیں ان کا ذکر عام کریں اور جو بری باتیں دیکھیں ان کا چرچا نہ پھیلنے دیں کہ کہیں کوئی اور نہ اس برائی کا اثر قبول کرلے لیکن عام طور پر لوگ دوسروں کے کمزور اور منفی پہلوؤں کا خوب نمک مرچ لگا کر ذکر کرتے ہیں۔ اس طرح گویا وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے اندر یہ سب برائیاں نہیں ہیں۔ تبھی تو ہم کھلے خزانے دنیا پر تنقید کر رہے ہیں اس کے برخلاف اچھی باتوں کا ذکر کرکے تو یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم خود بھی اس پر عمل کریں خود بھی اپنے اندر وہی اچھائیاں پیدا کریں۔ سننے والے ہم سے خود کو سدھارنے کی امید کریں گے جو کہ ہمارے ٹیڑھے دل کے لیے بہت مشکل ہے۔

لباس کو جسم ڈھکنا چاہیے۔ زینت بھی بننا چاہیے مگر اپنے جیسے دوسرے انسانوں پر اپنی برتری جتانے کا ذریعہ لباس کو بنانا نری جہالت

ہے۔ ہماری شان کیوں نہ سب سے الگ ہو کر سب سے زیادہ ہو۔ ہم بھی ماسی جنگ کے بنے جس سے ہمارے دوسرے بھائی [illegible] ہو مضبوط کرنا اور عمل کی صفات سے آرا انسان خود بخود سب کی توجہ اپنی طرف مرکو کرلیتا ہے۔ اس کی حسین روح کو کسی خوش لباس کی ضرورت ہوتی۔

قوت حق میں ہے

آخر کیا وجہ ہے کہ لوگ پیتل پر سونے کا ملمع کرکے لاتے ہیں لیکن سونے پر کسی مرات نے پیتل کا ملمع کبھی نہیں کیا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ گھٹیا مال بیچنے والے لوگ اعلیٰ مال بنانے والوں کی نقل کرتے ہیں لیکن اعلیٰ مال بنانے والے نقلی مال بنانے والوں کی نقل نہیں کرتے۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ قوت حق میں ہے۔"

مولانا مودودی رحمۃ اللہ

(محمد طاہر انجم)

کبھی یوں بھی احساس کرو...!

(۱)

ہمیں شکایت ہے کہ کھانا لذیذ نہیں۔ آپ
درست نہیں اور زید بھوک سے تڑپ رہا
ور دن بھر کی فاقہ کشی کے بعد اس فکر میں
کہ اگر روکھی سوکھی روٹی بھی مل جائے تو اس
پیٹ کی آگ کو بجھا سکے۔ تم ۔۔ تم رنجیدہ ہو
ارا لباس حامد اور محمود کے لباس سے کم قیمت
تم اس کے استعمال سے شرمار ہے ہو۔ لیکن
۔ بکر نے ایک عرصے سے کپڑے تبدیل نہیں
کثافت سے اس کی روح بے چین ہے۔
چاہتا ہے کہ کوئی پھٹی پرانی لنگی بھی مل جائے
اس موسم گرما میں ان کپڑوں کو اتار ڈالے جو بدن
دوسری کھال بن گئے ہیں۔ اب ذرا زید و بکر اور
زندگی پر غور کرو اور سوچو ۔۔ کہ اگر زید و بکر کی
ی سے تمہارا زندگی بدل دی جائے تو کیا ہو ۔۔
یا تم زندہ درگور ہو جاؤ اور وہ یہ سمجھیں کہ مرنے
سے پہلے جنت میں پہنچ گئے۔

(۲)

تم بڑے حریت پسند ہو تم بڑے حریت نواز ہو
تم جب وطن میں کال کوٹھریوں میں رہے تم نے وطن
کی خاطر جیل میں چکیاں پیسیں اور دیگر اقسام کی سختیں
برداشت کیں۔ تمہارے عزیز و اقارب نے اپنی
جانیں نچھاور کر دیں۔ تم نے اپنا ایک بازو اور ایک
آنکھ بھی وطن کی آبرو اور آزادی کی خاطر قربان کر دیا
یقیناً تمہاری قربانیاں قابل ستائش ہیں یقینی طور
پر جب وطن کی تاریخ لکھی جائے گی تو تمہارا نام سنہرے
حرفوں میں سرفروشان وطن کی فہرست میں سب
سے نمایاں ہوگا۔ لیکن اے وطن کے پرستارو ۔۔
کیا تم نے اس سے نصف بھی قربانیاں اس کے
لیے کبھی دی ہیں۔ جس نے تم کو یہ وطن، یہ جرأت
یہ جسم دیا جس نے تم کو یہ زمین دی جس کے ایک
ٹکڑے کو تم "اپنا وطن" کہہ کر فخر محسوس کرتے ہو۔
یقیناً ۔۔ تم کو بھول کر بھی کبھی اس ذات کی یاد نہ
آئی تم تو اپنے آپ کو بڑے آزادی پسند سمجھتے ہو

لیکن یہ آزادی کیسی کہ تم دنیاوی چیزوں کے غلام بنے ہوئے ہو۔ قدرت کی آواز سنو۔ وہ کہہ رہی ہے کہ۔

"آزاد ہے وہ جس نے دنیا میں رہتے ہوئے اپنے آپ کو دنیا کی آلائش اور محبت سے آزاد کرلیا اور رضائے الٰہی کے لیے اپنی زندگی وقف کردی"

(۳)

افسوس ــ کہ تم بری طرح سے جاہ و حشم کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہو۔ اپنی روح کو پہلے ان ظاہر داریوں سے آزاد کرو پھر ساری دنیا تمہاری آواز پر وطن کے لیے قربان ہونے کو آمادہ نظر آئے گی۔

یقیناً ـــ ماں باپ کا بڑا حق ہے۔ تم حتی المقدور انھیں خوش رکھنا چاہتے ہو۔ بھائی بہن کی رضامندی کے بھی تم خواستگار ہو۔ بال بچوں کی خبرگیری میں بھی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں نہیں کرتے۔ احباب و اعزہ سے بھی اپنے تعلقات خوشگوار رکھنا چاہتے ہو۔ تمہارا یہ طریق عمل ہر طرح پسندیدہ اور قابل ستائش ہے لیکن اس جدوجہد کے سلسلہ میں تمہیں کبھی اس رابطہ اور اس وابستگی کا بھی خیال آتا ہے جو تم ایک بندہ کی حیثیت سے اپنے خدا کے ساتھ رکھتے ہو۔ تمہیں زید و بکر کی خوشی کا بہت پاس ہے لیکن خدا کی خوشی کا بھی کچھ لحاظ ہے۔ تم دوستوں اور عزیزوں کی گرمیٔ محفل کے لیے وقت کا بڑا حصہ صرف کردیتے ہو لیکن رات دن کے آٹھ پہر میں کوئی لمحہ خدا کے لیے بھی ہے۔ تم اپنی ساری کمائی بال بچوں دوست احباب۔ اعزا و اقارب اور اپنی ذات پر خرچ کردیتے ہو لیکن ــ کیا تمہاری آمدنی میں سے کوئی حبہ اس کے نام کے لیے بھی مخصوص ہے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے، اور جو موت دے گا ــ اگر تم غور کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ بندے اور خدا کا تعلق دنیا کے ہر تعلق سے زیادہ مضبوط و مستحکم ہے اور ماں و اولاد سے بھی زیادہ قریب ــ تو پھر یقیناً ـــ اپنے روزمرہ کے چوبیس گھنٹوں میں سے کچھ وقت ایسا بھی نکالو کہ دنیا کے تمام تعلقات اور سلسلوں سے الگ ہوکر ذات باری کی طرف دل کو متوجہ کرو۔ بے زبانی کی زبان میں اس سے باتیں کی جائیں۔ اپنے دکھ درد اور مصائب و پریشانی میں اس سے رجوع کیا جائے اور یہ سمجھ کر کہ ہم ایک ایسی ہستی کے روبرو حاضر ہیں جو تمام کائنات کا واحد مالک

ابد مطلق ہے۔ مشکل کشا اور عزیز و مہربان ہے اور تکلف و تصنع کے تمام پردے اٹھا کر اس کی قربت
ں کر کے دونوں جہان کی کامیابی حاصل کرو ـــ اگر تم اپنی زندگی کا یوں احتساب کر و تو یقیناً تم اپنی گم کردہ
کر لوگے اور پھر وہی عزت و وقار کی زندگی تم کو میسر ہوگی۔ ؎

دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا ـــ!

قیقت رنگوں کا بھنور جو افسانہ بن گیا

سورج اپنی گرم سانسیں چھوڑ کر آسمان کی لامحدود تہہ میں پوشیدہ ہو رہا تھا۔ چاروں جانب سیاہی ہی
ہی پھیلنے والی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ قدرت کا یہ بھی عجیب نظام ہے۔ دن اور رات روز اسی طرح پیدا ہوتے
اور ایک دوسرے کا دیدار کئے بغیر ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ ان کا ملن کا انتظار کبھی نہیں ٹوٹتا۔

وہ بچپن ہی سے "بلیو اینڈ وائٹ" کا شیدائی تھا۔ اس کے جسم کی کشتی ان ہی دو رنگوں کے بھنور میں
ـلے کھا کھا کر آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ جب کسی شخص کو بلیو کپڑے میں ملبوس دیکھتا تو اس کی آنکھیں پتھرا
تیں اور وہ فریاد بھری نظروں سے آسمان کی جانب سر اٹھاتا۔ اور جب کسی کو وائٹ لباس میں دیکھتا
اس کی آنکھیں ڈبڈبا جاتیں۔ ایسے لگتا جیسے اس کی کوئی دیرینہ چیز گم ہو گئی ہو اور وہ مسلسل اسے کھوج رہا ہو۔

ایک روز آسمان پر بے شمار رنگوں کی پتنگیں اڑ رہی تھی۔ اس کی متلاشی نظریں چکری کی سفید ڈور، کالے
یلے، نیلے، منجوں میں گم تھیں۔ وہ کبھی آسمان پہ اڑتی پتنگوں کو فریاد بھری نظروں سے دیکھتا اور کبھی پتنگ بازی
رنے والوں کو۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کی نظروں کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ جب ایک بلیو رنگ کی پتنگ ڈور سے
ٹ کر ہوا کے دوش پہ نیچے گھسنے لگی اور سامنے کالی پکی سڑک پر ایک کمسن بچے کی ناگہانی موت ہوئی۔ تب اس
کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکل پڑی ـــ اب وہ آسمان نہیں دیکھتا اور نہ ہی کوئی فریاد کرتا ہے آج سے کئی سال
پہلے اسکی ماں بیوہ ہوئی تھی۔ اس نے ماں سے والد کے بارے میں پوچھا تھا جواب میں انگلی کا اشارہ اور نیلگوں آسمان تھا۔

(نکہت یاسمین)

ناقابلِ فراموش واقعہ

تقریباً دو سال پہلے کی بات ہے۔ ان دنوں میں S.S.L.C کے امتحانات کی تیاری میں مصروف تھی۔ میرا چھوٹا بھائی شکیل احمد جو اس وقت آٹھویں جماعت میں تعلیم پا رہا تھا۔ پڑھائی سے کچھ زیادہ ہی گھبراتا تھا۔ ان دنوں شکیل کے سالانہ امتحانات بہت قریب تھے۔ اس لیے ابّا اور بھائی جان بار بار پڑھنے کی تاکید کرتے رہتے تھے۔ ایک رات کا واقعہ ہے کہ اس وقت ۹ بج رہے تھے۔ میرے ابا جان کے ایک دوست بیمار تھے۔ میرے بھائی کو پڑھنے کی تاکید کر کے ابا جان ان کی بیمارپرسی کے لیے چلے گئے۔ ابا جان کے کہنے سے میرا بھائی کتاب ہاتھ میں لے کر پڑھنے لگا۔ ابا جان کو ابھی گئے ۵ منٹ بھی نہ ہونے پائے تھے کہ کتاب میز پہ رکھ کر لیٹرین چلا گیا۔ میں پڑھ رہی تھی۔ اور میری بہنیں والدہ وغیرہ دوسرے کاموں میں تھیں۔ کسی کو شکیل کا کچھ خیال نہ آیا۔ سب اپنی دھن میں مگن تھیں۔ تقریباً پون گھنٹہ بعد میرے والد گھر لوٹے۔ تب شکیل کو پکارنے لگے تو خیال آیا کہ وہ لیٹرین گیا تھا۔ لیکن ابھی تک نہیں آیا۔ لیٹرین کا دروازہ پیٹا گیا لیکن اندر سے کچھ آواز نہ آئی۔ کیونکہ وہ بے ہوش ہو کر وہیں گر پڑا تھا۔ آس پڑوس کے سب آدمی جمع ہو گئے۔ ابا جان کی حالت غیر ہو رہی تھی اور گھر کے سبھی افراد بے حد پریشان تھے اور دل ہی دل میں دعائیں کر رہے تھے کیونکہ طرح طرح کے خیالات آ رہے تھے۔

اس لیٹرین میں ایک کھڑکی ہے جس میں شیشے کے پٹ لگائے گئے ہیں۔ بھائی جان نے شیشے سے اندر نظر دوڑائی تو کچھ نظر نہ آیا۔ اس لیے طے پایا کہ شیشے کو پھوڑ کر اندر دیکھیں۔ چنانچہ بڑی مشکل سے شیشے کو توڑا گیا اور اندر جھانک کر دیکھا گیا تو صرف اس کے پیر نظر آئے جو دروازے سے لگے ہوئے تھے۔

یہ کر بھائی جان رونے لگے۔

کھڑکی کے سہارے اندر پانی اچھالا گیا کہ شاید ہوش میں آکر دروازہ کھولے گا. لیکن بہت دیر تک
ں نہ آیا تو چہ میگوئیاں ہونے لگیں. کھڑکی کے سہارے چھتری ڈال کر بڑی مشکل سے دروازہ کھولا گیا۔
ں نے بے خیالی کے عالم میں اٹھ کر پھر سے (Lock) (اندر سے) دروازہ بند کر لیا اور وہیں گر گیا۔
رسے پانی چھڑکا گیا. تب اس نے خود ہی اٹھ کر دروازہ کھولا۔

باہر آنے پر ابا جان نے پوچھا کہ کیا ہوا تھا. تب اس نے بتایا کہ میں اٹھ کر دروازہ کھولنے ہی والا
میرا سر دیوار سے جا ٹکرایا. اور اس کے بعد مجھے کچھ ہوش نہ رہا. بعد میں ڈاکٹر کو بلوا کر معائنہ کرایا گیا۔ ڈاکٹر
ری دوائیاں دے کر چلا گیا۔ اس کے بعد اس کی طبیعت ناساز ہوتی گئی۔ دوسرے دن شام کو جب اس
یک استاد دیکھنے کے لیے آئے تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا. کیونکہ اس میں بات تک
کی طاقت نہیں رہی تھی. یہ دیکھ کر ابا جان پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ اسی وقت کار منگوا کر مع
ور نیکل کے بنگلور گئے اور وہاں کی ہسپتال میں داخل کروایا۔ دس دن تک مسلسل علاج ہوتا رہا۔ ڈاکٹر
نکھوں کا معائنہ کر کے عینک بھی دے دی۔

دس دن کے علاج سے جب صحت کچھ درست ہوئی تو ڈسچارج کروا کر گھر لے آئے. تب سے
تعلیم کا سلسلہ رک گیا اور اب وہ الحمد للہ کاروبار میں دلچسپی لے رہا ہے۔

میں جب بھی یہ واقعہ یاد کرتا ہوں تو بدن میں جھرجھری سی لگتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ اس نے میرے بھائی کو صحت بخش کر نئی زندگی عطا فرمائی۔

● ایک شخص ایک ہوٹل میں گیا اور ایک چائے منگوائی اور اخبار پڑھنے لگا. بیرا چائے رکھ کر چلا گیا. کچھ دیر
شخص نے اخبار رکھ کر چائے پینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو اس کی نظر چائے میں گری ہوئی مکھی پر پڑی
س نے غصہ سے چلا کر کہا۔ چائے میں مکھی گر گئی۔ تو بیرے نے کہا۔ آہستہ بولیے جناب
تو مکھی اڑ جائے گی۔

(مرسلہ۔ نور بی رامپور)

(ایم صلاح الدین ایم اے)

عزم محکم

سری نگر سے بھائی جان کا خط آیا تھا انھوں نے مجھے مع اہل وعیال بلایا تھا۔ ہزارہ، باغ سے سری نگر ہزاروں میل پرے تھے اور اس تمام فاصلے کو ایک عدد نقاب پوش بیگم کے ساتھ طے کرنا بھاکڑا نہر تعمیر کرنے سے کم مشکل کام نہ تھا۔ چنانچہ میں نے بیگم کو کہا۔

"بیگم یہ پردہ وغیرہ دقیانوسی باتیں ہیں۔ اسے اب آپ طلاق دے دیں تو کیا ہی اچھی بات ہو۔"

تڑاپ کر بولیں: "کیوں نہ کہیے گا مجھے پردہ کو طلاق دینے کے لیے۔ کسی دن مجھے بھی دقیانوسی قرار دے کر طلاق دے دیجیے گا۔ مگر اتنا کہہ دیتی ہوں یہ طلاق وغیرہ آپ مردوں ہی کو مبارک ہو۔ ہم خواتین جس کا دامن ایک بار تھام لیتی ہیں۔ مرتے دم تک اسے نہیں چھوڑتیں۔" ان پر مذہبیت کا دورہ پھر پڑا۔ میں نے یہ سوچ کر کہ ان خدا رسول والیوں کو خدا اور رسول کی راہ ہی سے زچ دیا جا سکتا ہے: "تو آنجناب کے خیال سے طلاق وغیرہ بہت بڑی بات ہے۔ کیوں؟ ہے نا یہی بات؟"

چونک کر بولیں: "میں موئی کون ہوتی ہوں خدا اور رسول کے حکم کو برا کہنے والی؟"

"ہاں آپ بھلا کس کھیت کی مولی..." میں نے ان کی باتوں کا لطف لیتے ہوئے کہا۔

"میں کیوں رہنے لگی مولی اور گاجر؟ مگر اتنی بات تو ضرور کہوں گی کہ حلال چیزوں میں سب سے زیادہ طلاق اللہ کو ناپسند ہے۔"

"اوہ ہو تو گویا طلاق آپ کو اس لیے ناپسند ہے کہ یہ اللہ کو ناپسند ہے۔ میں آپ کے اس بلند مقام سے واقف نہ تھا۔ واللہ کیا بات فرما

۔جو اللہ کو ناپسند ہے وہ آپ کو ناپسند
کو پسند ہے وہ ... "

اخدا کرے اس وقت سے آپ اس
سی فرما رہے ہیں۔ کیا آج بھی آپ کے
تشریف لانے والے ہیں اور میرا آٹا گیلا
ے ہیں؟ "

گیلا میرے کرم فرما نہیں، آپ کریں گی
ے کر یا بیٹھے کھائیں گے آپ کے نازک
ول ہاتھوں کے اور مرغ کی ٹانگ
۔"

" ابھی نہ تو میرے گھر میں مرغ ہیں اور نہ
ہی میں ......"

" معاف کیجیے میرے کرم فرما چوری کے
...."

میں نے کب کہا چوری کے مرغ ...."

" پھر آپ نے پڑوس کے مرغ کا ذکر کیوں
پ جیسی اللہ والیوں کو ...."

" ارے بابا یہ کیا ضروری ہے کہ پڑوس کے
وری ہی کیے جائیں۔ خریدے بھی تو جا سکتے ہیں۔"

" اوہ یہ بات ہے۔ میں سمجھا ..."

" بھلا آپ کیوں نہ سمجھیں گے .. جیسی ہیں
ویسے فرشتے ..."

قدرے توقف کے بعد میں نے پوچھا۔

" مگر میڈم آپ نے یہ کیسے جانا کہ میں ابھی آپ
سے اپنے کسی دوست کی دعوت کے سلسلے
میں باتیں کر رہا تھا .... میں تو دراصل آپ
سے کہہ رہا تھا کہ ہمیں اتنی لمبی مسافت طے
کرنی ہے اگر آپ نقاب پوش رہزن میرا مطلب
ہے نقاب پوش زن کے بھیس میں جائیں گی تو
ہمیں بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ شدھ
نقاب دشمن علاقے سے گزرنا ہے اس لیے کیا
اچھا ہو کہ ...."

" کہ میں بے حیا آواری عورتوں کی طرح
ننگ دھڑنگ چلوں ...." انھوں نے میرا
جملہ مکمل کر دیا۔

" بے پردہ چلنا آپ کے خیال میں ننگ
دھڑنگ چلنا ہے؟"

" ہاں میں تو بے نقاب سفر کرنے کی
صورت میں ایسا ہی محسوس کروں گی۔ اتنا ہی
نہیں مجھے ایسا معلوم ہوگا جیسے اللہ میاں مجھے

ڈانٹ رہے ہیں۔"
"مگر مجھے تو ایسا نہیں لگتا حالانکہ میں تقول
آپ کے برابر ننگ دھڑنگ چلتا ہوں۔"
"آپ مرد ہیں آپ کے جسم کی بناوٹ
ایسی نہیں ہے کہ آپ کو پردے کی ضرورت
محسوس ہو۔"
"میرے کہنے کا مطلب آپ نے غلط سمجھا
میں دراصل کہہ رہا تھا کہ میں نہ نماز پڑھتا ہوں
روزہ رکھتا ہوں تو بھی ایسا محسوس نہیں ہوتا۔"
"آپ کا دل ایمان سے خالی ہے اس
لئے آپ کو خدا کا فرمان توڑتے ہوئے کچھ
بے چینی محسوس نہیں ہوتی...."
یہ میں غلط کہہ رہا تھا ورنہ حقیقت تو یہ تھی
کہ معمولی سے معمولی نافرمانی پر بھی ایک طرح
کی خلش سی محسوس کرتا تھا لیکن اس کا اعتراف
کر کے اپنی بیگم کے سامنے نکو نہیں بننا چاہتا تھا۔
"خیر آپ کو بھلے ہی خدا کی مرضی کے خلاف
کرنے پر کچھ بے چینی محسوس نہ ہوتی ہو مجھے تو
ایسی بے چینی محسوس ہوتی ہے کہ راتوں کی
نیند اُچاٹ ہو جاتی ہے کسی کام میں جی نہیں
لگتا ہے۔ دن بھر کھوئی کھوئی سی رہتی ہوں
جب تک اللہ کے حضور میں گڑگڑا کر اپنے
اپنے گناہ کی معافی نہیں مانگ لیتی اور ک
ادا نہیں کر لیتی مجھے چین نصیب نہیں
"کفارہ؟ آپ کا مطلب ہے پرائ
.... تو اس کے لیے کیا آپ کاشی یا پر
جاتی ہیں؟"
میں نے مذاق اُڑاتے ہوئے کہا
"جی نہیں مجھے کفارہ یا پرائشچت کے
نہ بنارس جانا پڑتا ہے نہ مکہ میں یہاں گھر
ہی بیٹھے ادا کر لیتی ہوں۔ کچھ نفل نمازیں پڑ
کچھ صدقہ دے کر، کچھ نفل روزے رکھ
"اوہو تو آج میری سمجھ میں آیا کہ آخر یہ اُپو
آپ کیوں کرتی ہیں.... اب تک میں یہ
تھا کہ آپ اپنا بجٹ درست کرنے کے خیا
سے یہ انجام دیتی ہیں — اچھا خیر یہ آپ کا ذ
معاملہ ہے۔ آپ چاہیں تو زندگی بھر روز
رکھیں مجھے کیا۔ مجھے تو صرف یہ فائنل طو
دریافت کرنا ہے آپ اس سفر میں نقاب
پوش کے میک اپ میں جائیں گی یا بے

"بے نقاب تو میں کہیں اللہ کبھی بھی نہیں جاؤں گی. خواہ اس سفر میں آپ مجھے اپنے ہمراہ جائیں یا نہیں"

"آپ کے بغیر تو میں جنت بھی جانا پسند نہیں کروں گا"

"بس بس رہنے دیجئے اپنی چاپلوسی ورنہ میں پھر یہی کہوں گی کہ کیا آپ کے کسی کرم فرمائی ت نہ ہے؟"

اور مجھے اس سفر میں بیگم کو نقاب پوش ہی لے جانا پڑا۔ ان کے عزم محکم کے سامنے میرے ہتھیار ڈال دینے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

تین دوست؟

حضرت انسؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دوست تین قسم کے ہوتے ہیں:

ایک دوست وہ ہے جو کہتا ہے میں تمہارے ساتھ رہونگا یہاں تک کہ تم قبر میں پہنچ جاؤ (یعنی جس کی دوستی زندگی تک ہے آدمی قبر میں پہنچ جاتا ہے تو یہ دوست ساتھ چھوڑ دیتا ہے) یہ انسانی دوست کا حال ہے۔

دوسرا دوست وہ ہے جو کہتا ہے: تمہارا حصہ بس وہی ہے جو تم نے غریبوں کو دیدیا اور جو غریبوں کو نہیں دیا اپنے پاس رکھا وہ تمہارا نہیں ہے (یعنی وہ تو ورثہ ہے جو دوسرے لوگ بانٹ کھائیں گے) اس دوست کا نام مال ہے۔

تیسرا دوست تم سے کہتا ہے: "میں تمہارے ساتھ رہوں گا" اس جگہ بھی جہاں تم (دنیا چھوڑ کر) داخل ہوگے۔ (یعنی قبر میں) اور اس مقام پر بھی جہاں (قبر سے نکل کر) آخر کار پہنچو گے اس دوست کا نام عمل ہے۔

آدمی حیران ہو کر عمل سے کہے گا کہ بخدا میں تمہیں ان تینوں دوستوں میں بہت ہی حقیر اور ... دوست سمجھتا تھا اکبھی تمہاری پروانہ کی ورنہ آج تم ایک اچھے دوست کی حیثیت سے میرے ساتھ ہوتے)

عتیق

جہیز

والدین شادی کے موقع پر جو تحائف اپنی بیٹی کو دیتے ہیں وہ جہیز کہلاتا ہے۔ لیکن آج کل ان تحائف
شکل اختیار کرلی ہے۔ یہ امیر لوگوں کی لائی ہوئی ہے۔ امیر لوگ اپنی لڑکیوں کو لاکھوں روپے کا جہ
لیکن دوسری طرف غریب آدمی جس کے سامنے سب سے پہلے پیٹ کا مسئلہ ہے۔ وہ جہیز ک
ہے۔ اتنا ہی نہیں اکثر امیر گھرانوں کی لڑکیاں غریبوں کے جہیز پر مذاق اڑاتی ہیں۔

ایک غریب آدمی کی لڑکی اس لیے کنواری رہ جاتی ہے کہ اس کے پاس جہیز کے لیے پیسے
وہ جہیز نہیں تیار کرسکتا۔ لیکن لوگ اس کی اس مجبوری پر اسے طعنے دیتے ہیں۔ اس کی ہنسی اڑا
وہ سماج میں اپنی عزت بچانے کے لیے جہیز تیار کرتا ہے تو وہ ساری عمر قرضے کے جال میں پھنس
یہی قرضے کا غم اسکی موت کا سبب بن جاتا ہے۔ اسی جہیز کے باعث ہمارے سماج میں لڑکی کی پیدائش
نہیں سمجھا جاتا۔ جہیز کے باعث لڑکی ایک غریب والدین پر بوجھ بن جاتی ہے۔ کم جہیز لانے والی ل
میں طرح طرح سے ستایا جاتا ہے اسکو دکھ دیے جاتے ہیں۔ آخر کار وہ لڑکی خودکشی کرنے پر مجبور ہو جا
کیا اس لڑکی کو اپنی جان پیاری نہیں؟ نہیں۔ نہیں ایسا تو نہیں ہے۔ ہر ایک کو اپنی جان پیاری
یہ کام کرنے کے لیے اسے مجبور کیا جاتا ہے۔ طلاق کا باعث بھی یہی جہیز بن جاتا ہے۔ اس جہیز کی رسم
ہی بند کرسکتے ہیں مگر باتوں کے طور پر تو یہ لوگ اور سرکار جہیز کے بہت خلاف ہے لیکن عملی طور پر
ہے۔ یہی امیر لوگ اسے بند کرنے کے بدلے اسے اور ترقی دے رہے ہیں۔ جہیز کی رسم زور
جا رہی ہے۔ اللہ ہم سب کی عزت محفوظ رکھے۔

ہمیں چاہیے کہ اس خوفناک رسم سے نجات حاصل کرنے کے لیے پہلے خود جہیز لینے سے
کریں اور پھر دوسروں کو سمجھائیں ••

(ندائے ملت)



ایک جانا پہچانا دوائی پودا ہے۔ اس کے پتے موٹے اور دو فٹ تک لمبے ہوتے ہیں۔ پتوں کے دونوں کناروں پر کانٹے ہوتے ہیں۔ یہ پتے جڑ ہی سے نکل کر ادھر اُدھر پھیل جاتے ہیں جس سے یہ پودا پتوں کا مجموعہ نظر آتا ہے۔ پتوں کو کاٹنے سے پیلا لیس دار گاڑھا پانی نکلتا ہے۔ جو لعاب دار گھیکوار کہلاتا ہے۔ یہ لعاب خشک ہونے پر جم کر سیاہ رنگ کا ہو جاتا ہے۔ اسی کو ایلوا یا صبر کہتے ہیں۔

- اس کے گودے اور لعاب کو چہرے اور جلد پر لیپ کرنے سے نکھار میں اضافہ ہو جاتا ہے۔
- گودے کے استعمال سے چہرے اور گلے کی جھریاں دور ہو جاتی ہیں۔
- داڑھی بنانے کے بعد اس کا لعاب چہرے پر لیپ کرنے سے جلد پر ایک نیا نکھار پیدا ہوتا ہے جراثیم مرتے ہیں۔
- اس کا گودا گنج پن کے لیے بھی بالعموم مفید ثابت ہوتا ہے اس کے گودے اور لعاب سے بالوں کی جڑوں میں جان پڑ جاتی ہے۔
- گھیکوار کے گودے کا حلوا بواسیر کے لیے بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔
- چھوٹے بچوں کے پیٹ کی گرانی، نفخ وغیرہ کے لیے تھوڑے سے گرم پانی میں ایلوا گھول لیں اور پھر اسے پان پر لگا کر بچے کے پیٹ پر رکھ دیں۔ تھوڑی دیر بعد بچے کی یہ تکالیف دور ہو جائیں گی۔
- گھیکوار ورموں کو گھلاتا ہے اس کے پتے کا ایک ٹکڑا لیکر اسکو ایک طرف سے چھیلیں اور اس پر تھوڑی سی ہلدی پیس کر چھڑک کر آگ پر گرم کر کے باندھیں۔ چند بار باندھنے سے بد اور گرانی اور پھوڑے گھل جاتے ہیں۔
- گھیکوار کے گودے کے کھانے سے گٹھیا کو آرام ہوتا ہے۔ گودے کو لیپ کرنے سے درد کم ہو جاتا ہے۔

منوشاستر

یہ منوشاستر وہ ہے جسے آریائی تہذیب کا جوہر پارہ اور پورے ہندوستان کے ہندو سماج کا قانون تصور کیا جاتا ہے اور اسے خدائی نظام کا درجہ حاصل ہے۔ حالانکہ یہ حقیقت میں خدائی قانون اور قانون انسانیت سے شدید انحراف ہے اور تقریباً چار ہزار سال سے ہندوستان کے لاتعداد نفوس اس کا شکار ہو کر تباہ و برباد ہو رہے ہیں۔ اس منوشاستر میں لکھا ہے۔

(۱) قادر مطلق نے دنیا کی بہبودی کے لیے اپنے منھ سے، اپنے بازوؤں سے، اپنی رانوں سے اور اپنے پیروں سے برہمن، چھتری، ویش اور شودر کو پیدا کیا (باب اول) (۲) اس نے دنیا کی حفاظت کے لیے ان میں سے ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ فرائض مقرر کیے۔ (۳) برہمنوں کے لیے ویدکی تعلیم لازمی قرار دی۔ وہ خود اپنے لیے اور دوسروں کے لیے دیوتاؤں کے چڑھاوے چڑھائیں اور دان لیں (۴) چھتری کو حکم دیا کہ وہ خلقت کی حفاظت کریں۔ دان دیں۔ چڑھاوے چڑھائیں اور خواہشات نفسانی میں نہ پڑیں۔ (۵) ویش کو اس نے حکم دیا مویشیوں کی سیوا کریں۔ دان دیں۔ چڑھاوے چڑھائیں زراعت تجارت اور لین دین کریں۔ (۶) شودر کے لیے صرف ایک ہی فرض قرار دیا وہ یہ کہ ان تینوں کی دن رات خدمت کرتے چلے جائیں۔ (۷) برہمن دنیا میں سب سے اعلیٰ مخلوق ہے وہ بادشاہ ہے کل مخلوقات کا۔ اور اس کا کام شاستر کی حفاظت ہے (۸) برہمن کو اگر ضرورت پڑے تو وہ بلا کسی گناہ کے اپنے غلام (شودر) کا مال جبراً لے سکتا ہے۔ کیونکہ شودر مالک نہیں غلام ہے۔ وہ کسی قسم کی جائیداد رکھنے کا مجاز نہیں۔ اسکی کل املاک برہمن کی ہے (۹) برہمن کو سزائے موت نہیں ہے صرف اس کا سر مونڈ دیا جائے تو کافی ہوگا لیکن دوسرے گناہ کریں تو انھیں سزائے قتل کر دینا چاہیے (۱۰) برہمن کی خدمت کرنا شودر کے لئے انتہائی قابل تعریف بات اور نعمت ہے اس سے بڑھکر کسی دوسرے عمل میں اتنا ثواب نہیں ہے (۱۱) شودر کو اگر موقع ملے بھی تو اسے مال و دولت جمع نہیں کرنا چاہیے۔

(سلطان قریشی دہلی)

میناکشی پورم کا واقعہ

(سلطان قریشی دہلی)

ہندوستان کے صوبے تامل ناڈو کا ایک قصبہ ہے میناکشی پورم۔ یہ قصبہ کیرالہ کی سرحد کے قریب ہے ج کل یہ قصبہ اخبارات میں خبروں کا بلکہ سرخیوں کا وضوع بنا ہوا ہے۔ وجہ یہ ہوئی کہ وہاں کے ہریجنوں نے ہزاروں کی تعداد میں اجتماعی طور پر اسلام قبول رلیا ہے۔

اس واقعے پر بعض فرقہ پرست اور تنگ نظر ندو جماعتوں نے بڑا شور مچایا۔ اور الزام لگایا ہے ہریجنوں کا قبول اسلام جبر کا اور لالچ کا نتیجہ ہے۔ ان ا کہنا یہ ہے کہ عرب ملکوں سے ڈالروں کی شکل ں امداد آرہی ہے اور وہ لوگوں کو مسلمان بنانے کے کام میں لائی جا رہی ہے۔

مرکزی حکومت نے اس الزام کی تصدیق کرنے کے لیے فیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب کے یشنل ڈائرکٹر کو وہاں بھیجا اور ان ڈائرکٹر صاحب نے خود وہاں جاکر ہندوؤں سے، ہریجنوں سے، مسلمانوں سے اور نو مسلمانوں سے سب سے ملاقاتیں کیں۔ اور حالات دریافت کیے، اور انھوں نے یہ رپورٹ دی کہ زور، زبردستی یا لالچ دینے کا کوئی کیس سامنے نہیں آیا۔ لیکن بہت سے فتنہ پرداز اس کے باوجود یہی رٹتے جا رہے ہیں کہ اس اجتماعی قبول اسلام کے پیچھے ڈالروں کا کرشمہ کام کر رہا ہے لیکن اصل حقائق جواب متفقہ طور پر سامنے آچکے ہیں اور تمام وہ لوگ اور وفود جو وہاں ہو کر آئے ہیں انھوں نے بیان کیے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

۱۔ اس قصبے میں ہریجنوں کی آبادی زیادہ ہے اور سورن ہندو تھیور جو اپنے آپ کو اونچی ذات والے سمجھتے ہیں۔ تعداد میں ہریجنوں سے بہت کم ہیں۔ مگر اس کے باوجود ہریجنوں پر طرح طرح کی زیادتیاں کی جاتی رہی ہیں۔ انھیں ناپاک

سمجھا جاتا ہے۔ نہ وہ کنوئیں سے پانی بھر سکتے ہیں اور نہ مندروں میں پوجا پاٹ کے لیے جا سکتے ہیں۔

۲۔ کئی دفعہ ہریجن برادری کے لوگوں نے اپنا کوئی چھوٹا موٹا کام شروع کرنا چاہا۔ جیسے نائی کی دوکان، بڑھئی کی دوکان وغیرہ تو ٹھیور ہندوؤں نے ان کی دوکانیں بند کرا دیں اور کاروبار نہیں کرنے دیا۔

۳۔ جو ہریجن کاشتکار ہیں اور کھیتوں پر جانے کے لیے ٹھیور قبیلے کے علاقوں سے ہو کر جانے پر مجبور ہیں۔ ان کے جانے کا راستہ بند کر دیا گیا۔

۴۔ ٹھیور قبیلے کے دو آدمیوں کا کسی باہمی رنجش میں قتل ہوا تو ہریجن برادری کے لوگ قید اور گرفتار کئے گئے اور ٹھیور قبیلے کی شہ پر پولیس نے ہریجنوں پر ظلم و ستم توڑے اور جھوٹے مقدمات میں پھنسانا شروع کر دیا۔

۵۔ ہریجنوں میں کئی لوگ اعلیٰ تعلیم یافتہ ڈاکٹر گریجویٹ اور انجنیئر وغیرہ ہیں لیکن جو لوگ اونچ نیچ کو جنم کی بنیاد پر مانتے ہیں وہ ان کی تعلیم اور لیاقت کے باوجود انہیں نیچ اور ذلیل سمجھتے ہیں۔

ان حالات میں ہریجنوں نے یہ طے کیا کہ ذلت کی زندگی سے نکلنا چاہئے اور یہ کام اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک اس سماج کو وہ نہ چھوڑ دیں جس نے ان کی یہ حالت بنا رکھی ہے۔ ان کے سامنے دھرم تبدیل کرنے کے تین راستے تھے

یہ کہ وہ بودھ دھرم کو اختیار کر لیں۔

یہ کہ وہ عیسائیت کو اختیار کر لیں۔

یا پھر وہ اسلام کو قبول کر لیں۔

بودھ دھرم کو اختیار کرنے کا تجربہ بڑا تلخ ہے اس پہلے نسخے کو آنجہانی ڈاکٹر امبیدکر نے آ کیا تھا۔ مگر بودھ دھرم اختیار کرنے والے بد ہندو اور ہریجن ہی رہے۔ اور ان کے سماجی مرتبے اس سے کوئی فرق نہیں آیا۔

عیسائیت کے متعلق ایک سوال کے جو میں خود ان نومسلموں نے بتایا کہ عیسائیوں میں خ بہت سے اختلافات ہیں اور ان میں تین فرقے بہت نمایاں ہیں۔ نئے آدمیوں کو وہ تیسرے د کا عیسائی بناتے ہیں۔ اور اسے ان عیسائیوں برابر درجہ نہیں ملتا جو درجہ اول کے عیسائی ہ ایک اور بہت دلچسپ بات ان لوگوں نے یہ بتا کہ عیسائی پادریوں کو صرف اس وقت تک دلچ رہتی ہے جب تک کوئی عیسائی نہ بنے بعد میں

اس کی پرواہ بھی نہیں کرتے۔

ایسی حالت میں ان کے سامنے اسلام قبول کرنے کے سوا دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اس میں شک نہیں کہ خود مسلم سماج میں بہت سی خرابیاں ہیں جو اسلام سے دور ہو جانے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں۔ ان خرابیوں کا ذکر کرکے جب ان نومسلموں سے پوچھا گیا کہ کیا مسلم سماج میں تمہارے مسائل حل ہو جائیں گے؟ تو انھوں نے جواب دیا۔

"زیادہ سے زیادہ جو پریشانی ہو سکتی ہے وہ ہمیں ہو سکتی ہے مگر ہمیں یقین ہے کہ ہماری آنے والی نسل کے سامنے اس طرح کا کوئی مسئلہ نہیں رہے گا۔"

مسلمانوں کے سماج میں ہزار طرح کی خرابیوں کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ وحدتِ الٰہ اور وحدتِ بنی آدم کا تصور بہت ہی صاف اور واضح اور بہت ہی نکھرا ہوا ہے۔ اور یہ اسلام کی زبردست تعلیمات کا نتیجہ ہے۔ مسلمانوں میں آج بھی بڑے پن کی علامت تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔ دولت و حشمت بڑائی کا معیار نہیں ہے۔ مسلمانوں میں اگر کوئی آدمی بے احتیاطی کے ساتھ روپیہ کما کر دولت مند بن گیا ہے تو مسلم سماج کا ادنیٰ آدمی بھی اُسے توقیر کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ مسلمان آج بھی سب کے ساتھ مل کر کھاتا پیتا ہے۔ نہ صرف مسلمانوں کے ساتھ بلکہ اپنے غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ بھی بلکہ ایک برتن میں ایک جگہ بیٹھ کر کھانا محبت بڑھانے کا ایک موثر ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غیر مسلموں کے تیوہاروں پر مسلمان حلوائی اور دوکاندار اپنی دوکانیں نہیں سجاتے۔ کیونکہ ہندو اپنے غیر انسانی خیالات کی وجہ سے ان کے یہاں سے کھانے پینے کی چیزیں نہیں خریدتے۔ جب کہ عید اور بقر عید پر ہندوؤں کی دوکانیں آپ کو خوب سجی ہوئی اور مٹھائیوں سے بھری ہوئی ملیں گی۔ کیونکہ مسلمان بلا امتیاز مذہب ان سے بھی سودا خریدتے ہیں۔ بلکہ بعض مسلمان محلوں میں تو ہندو حلوائیوں کی دوکان صرف مسلمان خریداروں کی وجہ سے ہی چلتی ہیں۔

عبادت میں بھی مسلمانوں کے یہاں بہت ہی سلیقہ اور مساوات کا رنگ پایا جاتا ہے۔ کسی اونچ نیچ کے بغیر ہر شخص ہر وقت مسجد میں جا کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ اپنے پروردگار کی عبادت

کرسکتا ہے۔ کوئی بھی آدمی اگلی پچھلی کسی بھی صف میں کھڑا ہو سکتا ہے۔ اس میں مسلمانوں اور نومسلموں کے درمیان کوئی امتیاز نہیں ہے۔ بلکہ اگر کوئی نومسلم علم حاصل کرکے دین کو سمجھ لے تو وہ مسلمانوں کا امام بھی بن سکتا ہے۔ اس طرح علم دین حاصل کرنے پر بھی مسلمانوں کے یہاں کسی طبقے کا اجارہ نہیں ہے۔ بلکہ ہر ایک کی حوصلہ افزائی ہے کہ جس کو توفیق ملے وہ اپنا دامن مراد دین کی دولت سے بھر لے۔ اس کام کے لیے جتنے بھی دینی مدرسے اور دارالعلوم کھلے ہوئے ہیں وہ نہ صرف علم دین سکھاتے پڑھاتے ہیں بلکہ نادار طلبہ کا قیام اور طعام کا خرچ بھی اٹھاتے ہیں۔

یہ ایسی موٹی موٹی باتیں ہیں جن کا مشاہدہ ہر شخص ہر جگہ اور ہر بستی میں کرسکتا ہے۔ ایسی حالت میں اگر میناکشی پورم کے ہریجنوں نے یہ سوچا ہو کہ ہم بھی آخر انسان ہیں اور ہم ایک ایسے جرم کی سزا بھگت رہے ہیں۔ جو ہم نے کبھی کیا بھی نہیں ہے تو کیوں نہ اس حالت سے نکلا جائے اور اس کے لیے اگر انھوں نے اسلام کا انتخاب کیا ہے جو سراسر سلامتی ہے اور باہمی خیرخواہی کا دین ہے تو اس میں انھوں نے آخر کیا غلطی کی ہے؟

ہم مسلمانوں کے لیے اگر اس میں خوشی کا کوئی مقام ہے تو صرف اس حیثیت سے ہے کہ انسانوں کی ایک تعداد کو اللہ نے نیکی کی توفیق بخشی اور ان کے لیے آخرت کی کامیابی کا راستہ آسان کردیا کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ آدمی خواہ مخواہ کچھ بھی سمجھتا رہے اس کے لیے سب سے اہم مسئلہ آخرت میں کامیاب ہونے کا مسئلہ ہی ہے۔

لیکن برادران وطن کا ایک طبقہ جس وجہ سے اس واقعے پر ناک بھوں چڑھا رہا ہے وہ دراصل کچھ سیاسی اغراض اور خطرے ہیں جن کی وجہ سے وہ ڈرے اور سہمے جا رہے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں اور لکھتے بھی رہتے ہیں کہ اگر قبول اسلام کا حال یہی رہا اور دوسری طرف فیملی پلاننگ کو ناجائز سمجھنے کی وجہ سے مسلمانوں میں اولاد کی کثرت رہی تو ایک روز اقلیت اکثریت میں تبدیل ہو جائیگی۔ اور اکثریت اقلیت بن جائے گی۔ اس لیے انھوں نے سورن ہندوؤں کو جگہ جگہ یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ اونچ نیچ اور ذات پات کی تفریق کو ختم کردیں ورنہ ہریجن مسلمان بنتے چلے جائیں گے اور اس

خطرے کی وجہ سے بعض جگہ سورن ہندؤں نے احتیاط برتنے کا یقین بھی دلایا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس اوپری لیپا پوتی سے کام نہیں چلے گا۔ جب تک دل نہ بدلیں جہاں اس بھید بھاؤ کی بنیاد مذہب اور دھرم پر ہو وہاں کوئی سطحی اصلاحی اسکیم کامیاب نہیں ہو سکتی۔

اب تازہ خبر یہ ہے کہ "دیورائے پورم علاقہ تعلقہ سیلم کے ستر دراوڑ ہریجنوں نے نوٹس دے دیا ہے کہ سورن ہندو ۳۱ جولائی تک ہمارے ساتھ ذات پات اور چھوت چھات کا رویہ ترک کر دیں ورنہ وہ یکم اگست ۱۹۸۱ء کو سب مسلمان ہو جائیں گے۔" (اخبار پرتاپ۔ مورخہ ۴ جولائی ۱۹۸۱ء)

یہ تو ہے عوامی رخ اب سنئے۔ مرکز کے لوگ بھی اس اجتماعی قبول اسلام سے خوش نہیں ہیں۔ مرکزی وزیر داخلہ گیانی ذیل سنگھ۔ وزارت داخلہ کے راجیہ منتری یوگیندر مکوانہ اور کئی مرکزی وزراء اس واقعے پر اپنی ناخوشی اور ناپسندیدگی ظاہر کر چکے ہیں۔ بلکہ اندرا کانگریس کے جنرل سکریٹری نے بتایا ہے کہ خود پرائم منسٹر اندرا گاندھی اس واقعے پر تشویش ظاہر کر چکی ہیں اور انھوں نے بھی اور یوگیندر مکوانہ صاحب نے بھی خشکر آچاریوں کی ما طرف متوجہ کیا ہے کہ وہ اس کا کوئی حل سوچیں۔

سمجھ میں نہیں آتا اس تنگ نظری کی وجہ کیا ہے جب کہ خود مرکز کے بھیجے ہوئے آفیسر نے اس بات کی تصدیق بھی کر دی ہے کہ جبر یا لالچ کا کوئی کیس سامنے نہیں آیا۔ اور یہ سب کچھ ایسی حالت میں ہے جبکہ ہندوستان ایک سیکولر ملک ہے۔ یہاں جمہوری نظام قائم ہے اور دستور کی رو سے ہر شخص کو اس بات کا حق ہے کہ وہ جو چاہے عقیدہ رکھے اور جو چاہے مذہب اختیار کرے۔

اصل بات یہ ہے کہ ہریجنوں کی فلاح و بہبود سے ان میں سے کسی کو دلچسپی نہیں ہے بلکہ یہ سب اپنا اپنا سیاسی الو سیدھا کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ اگر ان لوگوں کے دل میں محروم طبقوں کے لیے خلوص اور محبت کا جذبہ ہوتا تو یہ اس بات پر خوش ہوتے کہ انھوں نے ایسی دولت پالی ہے جس کا ہر انسان متلاشی اور ضرورتمند ہے۔ وہ خود بتائیں کہ یہ دولت اسلام کے دامن کے سوا ان کو اور کہاں مل سکتی ہے؟

برائے کرم: خط و کتابت کرتے وقت اپنا نمبر خریداری لکھا کریں۔

غزل

(تمکین آفاقی۔ ملاپلی)

جذبِ پروانہ وار سے گزرو — رقصِ برق و شرار سے گزرو
وقت اور فاصلہ ہے بے معنی — روز و شب کے حصار سے گزرو
رنگ و بو کا طلسم دھوکا ہے — اس فریبِ بہار سے گزرو
جس کے ہر پیچ و خم نے دہلایا — پھر اسی رہ گذار سے گزرو
ہو چکی سیر سبزہ زاروں کی — اب ذرا خارزار سے گزرو
ان کی چاہت کے مرحلے ہیں تمام — طوق و زندان و دار سے گزرو
مصلحت کوشیاں جو سکھلائے — ایسے ہر غم گسار سے گزرو
ہے میرے تجربات کا حاصل — غیر پر انحصار سے گزرو
سر ہتھیلی پہ اور کفن بر دوش — اس طرح کوئے یار سے گزرو
ان سے اک دن ضرور ملنا ہے — اس غمِ انتظار سے گزرو

کشمکش زندگی کا جوہر ہے
گردشِ روزگار سے گزرو

قطعہ: مقصدِ زیست کو اپنے اگر انسان سمجھے
قدر ہستی کی کرے، رب کا یہ احسان سمجھے
جن کی نظروں میں نہیں دین کی کچھ قدر ضیاء
اک دھوکہ ہے انھیں کوئی مسلماں سمجھے

ضیاءالاسلام ضیاء مدھوبنی

چاند مٹی میں چھپ گیا لوگو!

میری چھوٹی بہن خورشیدہ نگہت کی یاد میں جسے ہم سب پیار سے "چاند" پکارتے تھے اور جو پچھلے دنوں اپنی بوڑھی ماں کو سوگوار بھائی بہنوں کو غمزدہ اور اپنے چھوٹے اور معصوم بچوں کو روتا بلکتا چھوڑ کر اللہ کو پیاری ہو گئی۔ اللہ اسے کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ آمین۔

کیوں نہ روؤں بڑا ہے سانحہ لوگو — "چاند" مٹی میں چھپ گیا لوگو
اک قیامت گزر گئی سر سے — لٹ گیا میرا قافلہ لوگو
جب خبر یہ ملی ہوا محسوس — دل میں بھالا اتر گیا لوگو
اس کے بچوں کو کیسے سمجھاؤں — ایسا جانکاہ حادثہ لوگو
بچے ہر اک سے پوچھتے ہیں آج — میری امی کو کیا ہوا لوگو
اور سب کچھ تو مل ہی جائے گا — کون دے ان کو ماماتا لوگو
فصل گل تھی، بہار کے دن تھے — آشیاں کیسا جل گیا لوگو
ٹوٹے جاتے ہیں صبر کے بندھن — کیا ہوا میرا حوصلہ لوگو
بھائی بہنوں کے دل شکستہ ہیں — زندگی میں نہیں مزا لوگو
ہے ضعیفی میں اک کڑا صدمہ — روتی ہیں اس کی والدہ لوگو
اب تو جنت ہی جا ملیں گے ہم — مہرباں ہو اگر خدا لوگو
صبر کی دے ہمیں خدا توفیق — ہے یہ مالک کا فیصلہ لوگو
روتا جاتا ہوں لکھتا جاتا ہوں — بہن کا اپنی مرثیہ لوگو

بارش نور اس کی قبر پہ ہو
میرے دل کی ہے یہ دعا لوگو

(فضل قریشی)

بچوں کی ابتدائی تربیت

محترمہ شاہین فاطمہ سکندر آبادی نے اپنا تجربہ ایک طویل مضمون میں بیان کیا ہے۔ ہم وہ طویل مضمون شائع کرنے سے معذور ہیں۔ محترمہ نے ان باتوں کی طرف والدین کو توجہ دلائی ہے۔ (مدیر)

(۱) بچے ویسے ہی بنیں گے جیسی صحبت پائیں گے۔ بچوں کو اچھی صحبت میں بٹھائیے۔

(۲) بچے وقت پر مدرسے جائیں اور کم سے کم چھ ماہ تک آنے جانے میں انکی مدد اور نگرانی کی جائے

(۳) ہوم ورک میں انکی مدد کی جائے اور اسکول کا سبق پوچھا جائے اور یاد کرا دیا جائے۔

(۴) بچوں کو سینما دیکھنے سے بچایا جائے۔ ورنہ وہ تباہ ہو جائیں گے اور تعلیم سے دلچسپی نہ رہیگی

(۵) بچوں کو پیٹا نہ جائے۔ اسکا اثر بچوں پر برا ہوتا ہے دوسرے لڑکے بھی متاثر ہوتے ہیں۔

(۶) بچوں کو گھر میں دینی تعلیم ضروری جائے اور نبیوں اور بزرگوں کے قصے سنائیں جائیں۔

(۷) دینی تعلیم دلاکر انگلش اسکولوں میں داخل کر یا جائے۔

(۸) بچے معافی مانگیں تو معاف کر دیا جائے اور گلے لگایا جائے۔

(۹) بچوں کے اندر ہمدردی کے جذبات پیدا کئے جائیں وہ دوسروں کا کام کر کے خوش ہوں۔

(۱۰) بچوں کو کھیل کود اور تفریح کے لیے ضرور بھیجا جائے۔ موقع ہو تو خود بھی انکے ساتھ کھیلیں۔

(۱۱) بچوں کو زیادہ سے زیادہ مشغول رکھا جائے۔ گھریلو کام بھی ان سے کرائے جائیں۔

(۱۲) بچوں کے سوالات کا جواب نرمی اور خنداں جبینی سے دیا جائے اور جواب اطمینان بخش ہو۔

(۱۳) بچوں میں تحقیقات کا جذبہ ہوتا ہے ان کو حسب استعداد چیزوں کے بارے میں بتایا جائے

(۱۴) بچوں کو اچھی اور دلچسپ کتابیں پڑھنے کو دی جائیں۔ بری کتابوں سے بچایا جائے۔

(۱۵) سرکس آیا ہو تو بچوں کو دکھایا جائے۔ بتایا جائے کہ سدھانے سے شیر بھی رام ہو جاتا ہے۔

(۱۶) بچوں کو صاف ستھرا رکھا جائے۔ ان میں نہانے کی عادت ڈالی جائے۔

(۱۷) بچوں کے دانت ناخون اور ناک وغیرہ صاف ستھرے رکھے جائیں۔

(دوم نمبر پرآنے والا مضمون)

عورت ہی بنا سکتی ہے

(ابو ہارون مجاہد اعظمی)

عنوان بالا میں لفظ "ہی" پر مجھے وہی اعتراض ہے جو اس سے پہلے "عورت" سہارا دیتی ہے لیتی نہیں
" پر رہا ہے۔ عورت اور مرد دونوں گاڑی کے دو پہیئے ہیں۔ جب تک گاڑی کے یہ دونوں پہیئے
ں طور پر حرکت نہ کریں اور اپنی قوت اور طاقت سے ایک دوسرے کو سہارا نہ دے دیں زندگی کی
ی نہ تو چل سکتی ہے اور نہ ہی ان کے اندر وہ توازن باقی رہ سکتا ہے جو اس کو پیش آمدہ خطرات سے محفوظ
کے۔ مجھ کو نہیں معلوم کہ اگر لفظ "ہی" نہ ہو تو کونسی قیامت ٹوٹ پڑے؟ گھر بنانے، بسانے، سنوارنے کا
ہے جو مفہوم بھی مراد لیا جائے بہرحال یہ طے شدہ امر ہے کہ بناؤ یا بگاڑ کی تمام تر ذمہ داری بہر طور مرد اور
ت دونوں پر عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ دونوں جنم جنم کے ساتھی جو ٹھہرے۔

اگر اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابوالبشر آدم علیہ السلام کو اپنی قدرت کاملہ سے پیدا فرمایا تو انھیں کے پہلو سے
کا جوڑا بھی پیدا فرما دیا۔ یہ اشارہ تھا کہ انسانی زندگی کی تعمیر مل جل کر دونوں کو ہی کرنی ہے۔ لیکن مرد بہت
زیادہ چالاک، عیار اور خود غرض نکلا۔ اس نے تمام ذمہ داریوں سے فرار حاصل کرنے اور اسے عورت
سر ڈالنے نیز غلطیوں اور کوتاہیوں کو قبول کرنے کے بجائے عورت کے سر تھوپنے کی کوشش کی۔
ت میں شیطان کے بہکانے کے نتیجے میں اللہ کے حکم کی خلاف ورزی آدم و حوا دونوں ہی سے ہوئی۔
لهما الشيطان۔ مگر بائیبل اور دیگر مذاہب کی کتابوں کے عیار و مکار مصنفین ایک نیا قصہ گڑھ لائے
ں سے معلوم ہوا کہ ساری غلطی عورت (حضرت حوا علیہا السلام) کی ہے۔ اگر وہ نہ ہوتیں تو ممکن نہیں تھا کہ حضرت
م علیہ السلام شیطان کے بہکاوے میں آتے۔ اور اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھتے۔ نتیجۃً ان مصنفین
عورت کو کمین، ملیچھ اور نفرت کرنے کے قابل بنا دیا۔ کیونکہ ان جاہل مصنفین کی نظر میں اس کی حیثیت

"پاپ جنسی" کی تھی۔ تو ادھر تہذیب افرنگ کے متوالے نے اپنی جنسی آوارگی کی پیاس بجھانے کے لیے آزادی و مساوات کے نام پر عورت کو گھر سے نکالا اور کھیتوں اور کھلیانوں سے لے کر کارخانوں حتی کہ پولیس اور فوج تک میں لاکھڑا کیا۔ اور اس طرح ذہنی اور جنسی عیاشی کے مواقع حاصل کرنے کے ساتھ ذمہ داریوں سے پیچھے ہٹنے اور فرار ہو جانے کا اچھا موقع ہاتھ لگ گیا۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ انسانی زندگی فتنہ وفساد سے بھر گئی اور ایسا ہونا امر لازم بھی ہے۔ اپنی ڈگر چھوڑ کر چلنا تباہی و ہلاکت کا پیش خیمہ ہے۔

انسان فطرتاً ایک ذی حیات متمدن مخلوق ہے۔ پیدائش کے وقت اس کا دائرہ بہت محدود ہوتا ہے لیکن عمر، قد اور جسامت کی بڑھوتری کے ساتھ ساتھ اس کے تعلقات اور دائرے وسیع سے وسیع تر ہوتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ "ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست" کے مصداق اس کے گھر کا دائرہ پوری دنیا کو محیط ہو جاتا ہے۔

گھر اگر چند مربع میٹر قطعہ زمین پر اینٹوں اور پتھروں سے گھرے ہوئے گھروندے کا نام ہے اور انسانی زندگی کا حاصل اور مسائل زندگی "روٹی، کپڑا اور مکان" ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ نہ تو انسان کا کوئی مسئلہ ہے اور نہ اسے حل کرنے، بنانے اور سنوارنے کا کوئی سوال، اور پھر انسان اور جنگلی جانوروں، فضا کی چڑیوں اور سمندر کی مچھلیوں میں سرے سے کوئی فرق ہی نہیں رہ جاتا۔

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ انسان پیدائشی طور پر ایک متمدن مخلوق ہے۔ اس کے آپسی تعلقات اتنے مختلف النوع اور پیچ در پیچ ہوتے ہیں کہ دنیا کے کسی گوشے میں رونما ہونے والے کسی حادثے کے اثرات بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر پوری دنیا کے رہنے بسنے والوں پر لازماً پڑتے ہیں۔ اور خواہی نخواہی اس کی رحمتوں اور برکتوں یا ہلاکت خیزیوں کو پوری نوع انسانی کو بھگتنا پڑتا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ کنکر پتھر سے بنے ہوئے چھوٹے سے گھروندے سے بڑھ کر جو ایک عظیم دائرہ بنتا ہے بین الاقوام کو محیط ہوتا ہے اور جس کے نیک و بد اثرات لازماً پوری انسانیت کو محیط ہوتے ہیں۔ اس کے بناؤ بگاڑ کی ساری ذمہ داری صرف عورتوں پر کس طرح ڈالی جا سکتی ہے۔ اور اگر یہ ذمہ داری عورت پر ڈال

ہ تنہا کیوں کر اس سے عہدہ برآ ہو سکتی ہے۔

گھر — یعنی (سماج، ریاست اور بین الاقوام) کی تعمیر اور تخریب میں دو قوتیں مسلسل برسرپیکار ہیں
ور بھلائی کی قوتیں تعمیر اور بناؤ کے لیے کوشاں رہتی ہیں۔ شر کی طاقتیں اس کے بگاڑ کے لیے اور اس طرح
ر و شر کی کشمکش مستقلاً جاری رہتی ہے۔ لیکن فتح کا سہرا اکثر و بیشتر شر اور بگاڑ ہی کے سر بندھتا ہے اور خیر و بھلائی
ہر کو شکست کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ مگر ہر شکست تعمیر پسندوں کی ذمہ داریوں کو کچھ اور بڑھا دیا کرتی ہے اور
یری قوتوں کے اتحاد عمل کی متقاضی ہوتی ہے۔ اور اتحاد عمل کی واحد صورت یہ ہے کہ ہر تعمیر پسند خواہ مرد ہو
عورت ہر ایک اپنی اپنی ذمہ داریوں کو مل جل کر ادا کریں اور آپس میں ایک دوسرے کو اپنے عمل اپنے کردار
خلاص کے ذریعہ سہارا دیں اور معاون و مددگار بنیں۔ جب کہیں خیر کی فتح اور شر کی شکست ممکن ہو سکے گی۔

اب آئیے یہ دیکھیں کہ اس تعمیر کی بنیادیں کیا ہونگی اور یہ کام کیونکر انجام پا سکتا ہے۔

توحید یعنی خدائے واحد کی حاکمیت اعلیٰ اور معبودیت کا اقرار، رسالت یعنی خدا کے رسولوں کی رہنمائی اور قیادت
آخرت یعنی اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی یا عدم ادائیگی کی جزا یا سزا۔ یہی تعمیر جہاں کی بنیادیں ہیں۔ ان سے ہٹ کر
کچھ بھی کیا جائے گا وہ لازماً کار تخریب ہوگا۔ تباہی اور بربادی کا راستہ۔

خدا کی حاکمیت اعلیٰ اور رسولوں کی رہنمائی اور قیادت میں فرد، سماج، ریاست اور بین الاقوام کی تعمیر اور
اؤ کا کام کس انداز اور کس طرز پر کیا جاتا ہے اسے ایک لفظ میں ادا کرنے کے لیے "حسن معاشرت" یا "حسن اخلاق"
لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آمد کی غایت کا اظہار ان لفظوں میں فرمایا۔ بعثت
تمم حسن الاخلاق (موطا امام مالک) میں اخلاقی اچھائیوں اور بھلائیوں کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں
حابہ کو ہدایت فرمائی کہ احسن خلقک للناس لوگوں سے بہتر اخلاق کے ساتھ پیش آنا۔ آپ خود اخلاق عالیہ
کے بہترین نمونہ تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی گواہی موجود ہے کہ خلقہ القرآن۔ اس
سے معلوم ہوا کہ آپ کی بعثت حسن اخلاق کی تکمیل کے لیے تھی۔ قرآن مجید اخلاق عالیہ یا حسن معاشرت کی اعلیٰ
علیم کے لیے بھیجا گیا تھا اور آپ اس تعلیم کے بہترین نمونہ تھے۔

اب جس کسی کو اپنا گھر ـ اپنا سماج، اپنی قوم، اپنا ملک اور پھر یہ ساری دنیا اور اس کے لوگ اگر عزیز اور محبوب ہیں تو اسے لازم ہے کہ حسن اخلاق یا حسن معاشرت کی تعلیم حاصل کرے اور پھر اسے اپنی عملی زندگی میں اختیار کرے۔ یہ تعلیم اسے صرف خدا کی کتاب اور اس کے آخری رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی میں ملے گی

لغت کے اعتبار سے اخلاق اور معاشرت کے معنی مختلف ہیں لیکن حقیقت کے لحاظ سے دونوں ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ لوگوں سے اچھے تعلقات، عمدہ برتاؤ، نیک سلوک، بہتر معاملہ اور ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی یہی حسن معاشرت ہے اور اسی کا نام حسن اخلاق بھی۔

آپ ذرا چشم تصور میں اس گھر، اس خاندان، اس بستی اور شہر، اس قوم اور ملک کا تصور کیجیے جس کا ہر فرد خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورت، ایک دوسرے کی "بھلائی" کا خواہاں اور اس کے رنج و تکلیف سے دکھی ہو۔ جہاں ہر ایک کے دل میں دوسرے کے لیے محبت اور ہمدردی، غم خواری اور بھائی چارے کا جذبہ پایا جاتا ہو۔ جہاں ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی، اس کے حصول پر مقدم سمجھی جاتی ہو۔ چھوٹے بزرگوں کی عزت و تعظیم کرتے ہوں تو بزرگ چھوٹوں کی ساتھ شفقت اور محبت سے پیش آتے ہوں جو معاشرہ جھوٹ، دغا بازی، عیاری، مکاری، خود غرضی، بے حیائی اور بے شرمی سے پاک ہو۔ جہاں ہر ایک کی جان، مال، عزت و آبرو کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو وہ جنت سے کچھ یونہی کم ہو تو ہو۔

کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ایک ایسے گھر، ایسے سماج اور معاشرہ، ایسی ریاست اور بین الاقوامی کی تعمیر اور بناؤ کی ذمہ داریاں صرف عورت پر ڈال جا سکتی ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کے عدل اور اس کی حکمت سے یہ بعید نہیں کہ غلطیوں اور ذمہ داریوں کا سارا بوجھ صرف عورتوں پر ڈال دیا جائے۔ اور مردوں کو حکومت کرنے اور زندگی کی لذتیں لوٹنے کے لیے یکسر آزاد چھوڑ دیا جائے؟

ہم عرض کر چکے ہیں کہ عورت اور مرد انسانی زندگی کے دو پہیے ہیں جو ایک دوسرے کو سہارا دیتے اور تقویت پہنچاتے ہیں۔ گاڑی کے پہیوں کی طرح دونوں متوازی لائنوں پر یکساں طور پر حرکت کرتے ہو ممکن ہے ذمہ داریوں کی نوعیت بظاہر مختلف نظر آئے۔ لیکن ایسا دراصل تقسیم کار کی وجہ سے ہے۔ ورنہ

سمت سفر، زادراہ اور منزل دونوں کی ایک ہی ہے۔ دونوں جنم جنم کے ساتھی، انکا آغاز ایک اور انجام بھی ایک ہی۔

جب پورے شہر میں آگ لگی ہوئی ہو اور شہر کا ہر گھر جل رہا ہو تو تقاضا ہے کہ آپ اپنے گھر کو آگ کی زد سے بے داغ کیسے اور کیونکر بچا سکتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ قبل اس کے یہ آگ آپ کے گھر تک پہونچے آپ اسے بجھانے کی ساری طاقتیں صرف کر دیں۔

اس مضمون میں

• عنوان "عورت ہی گھر بنا سکتی ہے"، کے لفظ "ہی" پر بحث کرتے ہوئے جو تمہید شروع کی گئی ہے اسی کا اثر سارے مضمون پر پڑ گیا اور مضمون نگار "ہی" کو ہٹانے پر اصرار کرتا رہا جب کہ اس اعتراض کو نہ لایا جاتا تو بہت اچھا ہوتا۔ مضمون نگار کو دوسرے اشارات کے تحت لکھنے کا موقع مل جاتا۔ -

• زباں آسان نہیں ہے اور اس میں جھنجلاہٹ محسوس ہوتی ہے۔ پیش آمدہ خطرات، ذی حیات متمدن مخلوق۔ ہر ملک ملک ہست کہ ملک خدائے ہست۔ مختلف النوع۔ اس طرح کے الفاظ حلقۂ حجاب کیلئے مشکل ہیں

• ہم نے جو اشارات دیے تھے ان میں سے بہت سے اشارات کے تحت لکھا ہی نہیں گیا۔

• گھر کی ذمہ داریوں کے سلسلے میں قرآن و حدیث کے حوالوں کو نظرانداز کر دیا گیا۔

• گھر بنانے والی خواتین کی مثالیں بھی ہونی چاہئیں۔

• گھر میں رہ کر خواتین کی ملکی و ملی خدمات کا تذکرہ بھی نہیں ہے۔ (م)

اُدھار

(عصمت فاطمہ)

شہلا ایک گریجویٹ لڑکی تھی. کئی مضمونوں میں ایم اے۔ نہایت خوبصورت، لاکھوں میں ایک. گرلز کالج میں لیکچرر تھی۔ تنخواہ ایک ہزار سے اوپر تھی۔ خانہ داری کا ڈپلوما بھی۔ انگریزی فرفر بولتی۔ بڑی ہنس مکھ یوں سمجھو جیسے حور۔

شہلا کی شادی میں جو ساز وسامان جہیز میں دیا جا رہا تھا، گاؤں کی عورتیں دیکھ کر تعجب کر رہی تھیں کہ آج تک کسی نے جہیز میں اتنا سارا سامان نہیں دیا. کتنی چیزیں تو ایسی تھیں جو کہ دیہی لوگ اُسے استعمال کرنا نہیں جانتے۔ عورتیں اہلِ خانہ سے پوچھتیں، یہ سب کیا ہے؟

یہ دیکھیے، بال سکھانے کی مشین، یہ کپڑا سکھانے کی مشین، یہ اونی کپڑا صاف کرنے کی مشین، یہ دو کی مشین، یہ فلاں، یہ فلاں۔ وغیرہ وغیرہ۔

"تین ریڈیو دے رہی ہیں؟" کسی نے پوچھا۔

"نہیں یہ ایک ٹی، وی ہے ایک ٹرانسسٹر لگا ہوا ٹیپ ریکارڈ، ایک ریڈیو تو ہے۔"

"یہی ٹیلی ویژن ہے؟" صفیہ نے تعجب سے پوچھا، "تو کھولیے نا؟"

"اتوار کا اتوار صرف فلم دکھاتا ہے۔ اب دیکھو تین بکس لڑکی کے کپڑے سے بھرے ہیں۔ یہاں کی صرف بنارسی ساڑی ہے۔ باقی سبھی کپڑے غیر ممالک کے ہیں اور یہ چار درجن تکیہ غلاف، دو درجن بیڈ شیٹ، دو درجن ٹیبل کلاتھ اور یہ ایک ایک درجن دروازہ اور کھڑکی کے پردے۔" شہلا کی امی ایک خوبصورت اٹیچی کھولتے ہوئے بولیں۔ "یہ دیکھیے، نوشے بابو کا کپڑا یہ تین سوٹ ہیں. سوٹ پیرس سے آ

ہیں۔ ایک ایک ٹائی کی قیمت پانچ روپیہ ہے۔ اب کپڑے کی قیمت مت پوچھئے" سبھی عورتیں تعجب سے دیکھ رہی تھیں جن عورتوں کی کنواری لڑکیاں بیٹھیں ان کے تو حواس باختہ تھے۔ صفیہ بولی آپا! خدا بچائے آپ کے امتیاز کو کر باہری ملک گیا اور آج کتنے شان و شوکت سے بہن کی شادی کر رہا ہے۔"

"ہاں بہن! خداوند کریم حیات دے شوقین ہے فرمائش سے زیادہ سامان بہن کو دیا ہے۔ نوشے صاحب تو صرف تلک پر اکتفا کئے ہوئے تھے۔ یہ ڈبل ایم اے کر کے مرکزی دفتر میں کلرک ہوئے تھے مگر سوچنے کا معیار تھا کہ کوئی بہت بڑے افسر ہوں تو دلیا تلک بھی لوں گا۔ سرٹیفکٹ کے لحاظ سے ان کی عمر ۳۴ برس کی تھی۔ رنگ میں سانولا پن آچکا تھا۔ گو کریم پاؤڈر کا استعمال کرنا وہ نہیں بھولے۔"

نوشے میاں مسند پر بیٹھے۔ سامنے مولوی صاحب، لڑکے کے والد، لڑکی کا بھائی اور گواہ۔ لڑکی کا بھائی سر کو بائیں جانب ذرا اوچ دے کے مونچھ کو بھیڑ کائے مغرور انداز میں بیٹھا تھا۔ اس نے پرس کھول کر پانچ سو روپیہ بطور سلامی کی پیشگی اور جہیز کی فہرست دولہا کے حوالے کر دی۔ نوشہ نے روپیہ سے جیب گرمائی اور بے صبری سے فہرست کا جائزہ لینے لگا۔ کتنی چیزیں ایسی تھیں جن کا مطالبہ بھی نہ تھا۔ نکاح پڑھانے کے لئے مولوی صاحب تیار ہوئے۔ دولہا جیب میں جہیز کی فہرست رکھ کر بیٹھا۔ اس کا ساتھی امجد آوٹیڑ اس کے کان میں کہا۔ یار تمہیں تو جوڑے میں مہارت ہے۔ بتاؤ کتنے کا سامان ہے اس نے بتایا یار! ایک لاکھ کی ہڑ اتنے میں مولوی صاحب نے پوچھا کتنے دین مہر ادا کریں گے "شمیم بابو؟"

دولہا سے پہلے ان کے والد نے بھنکارتے ہوئے کہا بارہ ہزار۔

باپ، میرے دادا کا نکاح بارہ ہزار میں ہوا میرے پردادا کا نکاح بارہ ہزار میں ہوا تھا۔ آج میں باپ دادا کا رسم نہیں توڑ سکتا۔

رہنے دیجئے، اس سے کیا ہوتا ہے؟ باپ دادا کا رسم ہے حسن خوبی سے انجام پذیر ہو جائے۔ ایں مولوی صاحب! دولہن کے بھائی نے مولوی صاحب سے خوشامدانہ لہجے سے کہا۔ وہ پھر مسکرا کے پوچھنے لگے تو اچھا شمیم بابو نقد ادا کر رہے ہیں؟ دولہا نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے جہیز کی فہرست کو سینے سے چپٹائے ہوئے آہستہ سے کہا "جی ادھار"۔

سبز پتوں کی کرامات

(ڈاکٹر تنویر۔ بلند شہر)

شاید یہ آپ نے کبھی نہ سوچا ہوگا کہ پیڑ پودوں کے سبز پتے (Leaves) ہماری زندگی کو کس طرح قائم رکھتے ۱، اگر پتوں کا پودھوں پر وجود نہ ہوتا تو انسان کی زندگی کا قائم رہنا بھی دشوار ہو جاتا۔ پتے صرف خوبصورتی اور یالی کے لیے نہیں ہوتے ہیں بلکہ انسانی اور حیوانی بقا کے ساتھ ساتھ نباتات کی بقا کا انحصار بھی انھیں سبز ں پر ہے۔ یہ کس طرح ہے اس کو سمجھنے کے لیے اس مضمون کو پڑھیں۔

دیکھیے انسانی وجود کا بقا نباتات پر منحصر ہوتا ہے اور نباتات کی بقا پتوں (Leaves) پر ہوتی ہے سانی غذا کا اہم جز کاربوہائیڈریٹ (Carbohydrate) ہوتا ہے۔ ایک اوسط آدمی کے لیے 300 کیلوری Calories) توانائی (Energy) کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک گرام کاربوہائیڈریٹ سے چار کیلوری توانائی حاصل ہوتی ہے۔ اس طرح ایک روز کے لیے 750 گرام کاربوہائیڈریٹ خوراک میں ملنا چاہیئے۔ اسی پر ایک ماہ اور ایک سال کو قیاس کریں۔ تو آپ کو معلوم ہوگا کہ کئی کنٹل اناج کی آپ کو احتیاج ہوگی۔ اور ملک کے لیے کتنی تعداد ضروری ہے اور عالم کے لیے کتنی ضرورت تو آپ حیرت میں ہو جائیں گے

بہرحال کاربوہائیڈریٹ جیسے نشاستہ کہتے ہیں۔ ہماری خوراک کا زیادہ تر حصہ یہی ہوتا ہے اور خاص طور پر محنت کش افراد تو تمام تر اسی پر گذارا کرتے ہیں۔ ہوا اور پانی کے بعد تیسری ضرورت انسان کی روٹی ہے روٹی ہی دراصل علم کیمیا میں کاربوہائیڈریٹ کا مرکب ہے۔ کاربوہائیڈریٹ قدرتی طور پر چار صورتوں میں دستیاب ہوتا ہے۔ (۱) شکر (۲) نشاستہ (۳) گوند (۴) کاٹھ (Celluloses) میں حاصل ہوتا ہے

کاربوہائیڈریٹ کے تجزیے (Analysis) یعنی کیمیاوی طور پر الگ الگ کیا جائے یا اس کا

کیمیاوی امتحان کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو (Gases) گیسوں اور کاربن کا مرکب ہے۔ دو گیسیں ہیں (۱) (Hydrogen) ہائیڈروجن (۲) آکسیجن (Oxygen)

کاربو ہائیڈریٹ کو تیار کرنے کا کارخانہ سبز پتے ہی ہوتے ہیں۔ اب ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ کس طرح سے پتے کاربو ہائیڈریٹ تیار کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ دن کام کرنے کے واسطے بنایا اور رات آرام کے لیے اس حکم پر پتوں کا کارخانہ پوری طرح عمل کرتا ہے۔ پتے صرف دن میں ہی اس کو تیار کرتے ہیں۔ جب سورج نکل آتا ہے تب یہ اپنا کام شروع کر دیتے ہیں۔ ان کا کام کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اصل میں سورج توانائی کا مخزن ہے۔ زمین پر گرمی اور توانائی ہمیں سورج ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ سورج ایک آگ کی بھٹی ہے۔ اس سے برابر توانائی خارج ہوتی رہتی ہے۔ سورج سے نکلنے والی توانائی اور گرمی کو یہ سبز پتے مقید کر لیتے ہیں۔ سورج کی گرمی اور توانائی کو مقید کر کے کیمیاوی طور پر ایک مرکب میں بدل دیتے ہیں۔ اس مرکب کو کاربو ہائیڈریٹ کہتے ہیں۔

دنیا کے اندر کاربن (کوئلہ) ایک ایسا مادہ ہے جو گرمی کو جذب کرنے کی تمام مادوں سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ اس علم کی بنیاد پر ایٹم کو توڑنے کے لیے کاربن کا مکان بنایا جاتا ہے۔ تاکہ اس کی دیواریں توانائی کو جذب کر لیں اور آس پاس کوئی خطرہ نہ بنے یہ راز قدرت نے ہی تو انسان کو دیا۔ خیر دوسری شے جو توانائی کو جذب کرتی ہے وہ پانی ہے۔ آکسیجن اور ہائیڈروجن مل کر پانی بناتی ہیں۔ اس طرح سورج کی گرمی پانی اور کوئلہ میں جذب کر لی جاتی ہے اور یہ کام پتوں کے اندر انجام پاتا ہے۔ پتے اول شکر تیار کرتے ہیں۔ اس کے بعد اشارچ اور اس کے بعد سیلولوج اس شکر کو تبدیل کر دیتے ہیں۔

اول شکر تیار ہوتی ہے جس میں پانی اور کوئلہ کے ساتھ سورج کی توانائی قید ہو جاتی ہے اب شکر کو اور گاڑھا کرنے کے لیے اس میں سے پانی مقدار میں کم کر دیا جاتا ہے جس سے شکر اشارچ میں تبدیل ہو جاتی ہے جو ذائقہ میں پھیکا ہوتا ہے اور اس اشارچ کو اور گاڑھا کر کے یعنی پانی کی مقدار کم کر کے سیلولوج (Cellulose) میں منتقل کر دیا جاتا جسے ہم لوگ لکڑی یا کاٹھ کہتے ہیں۔ دیکھا آپ نے کس طرح سے پتے آپ کی

خوراک تیار کرتے ہیں۔

اب آپ اپنی اس خوراک کے بارے میں طبی طور طریقہ جانیے تاکہ اس کا ٹھیک استعمال کر سکیں۔ دیکھیے جو لوگ محنت کا کام کاج کرتے ہیں وہ زیادہ توانائی کاربوہائیڈریٹ کے ذریعہ حاصل کریں۔ مگر وہ لوگ جو محنت کا کام کرتے ہیں یعنی جسمانی محنت تو وہ اس کا کم استعمال کریں وہ اپنی غذا میں چربی وغیرہ بھی لیں۔ کیونکہ جو لوگ محنت کا کام کرتے ہیں وہ اس کو آسانی سے بچا لیتے ہیں۔ وہ لوگ جو (Diabetes) ذیابطیس یا شوگر کے مرض میں مبتلا ہوں وہ بھی کم سے کم اسٹارچ، شکر کا استعمال کریں۔ کاربوہائیڈریٹ ـ ں کرنے کا ذریعہ زیادہ تر اناج ہیں (Cereals) ۔

کل اناجوں میں اوسط کاربوہائیڈریٹ			
Water	پانی	۱۰ - ۱۲	فی صد
Protein	پروٹین	۱۰ ، ۱۲	،
	کاربوہائیڈریٹ	۶۵ ، ۷۵	،
Fat	چکنائی	۱.۵ ، ۸	،
Mineral	نمک	۲ ، –	،

مختلف اناجوں میں اوسط کاربوہائیڈریٹ			
Wheat	گیہوں	۷۱٫۲	فی صد
Barley	جو	۶۵٫۵۰	،
Maize	مکا	۶۸٫۹	،
Millet	باجرہ	۶۸٫۹	،
Rice	چاول	۷۹٫۴	،

اقوالِ حضرت عمر فاروقؓ

(مرسلہ۔ ایم اے خیامی کھرول)

- ایک شخص نے آپ کی تعریف کی، آپؓ نے اس سے فرمایا تو نے مجھے اور اپنے آپ کو ہلاک کیا۔
- تین چیزیں محبت کو بڑھاتی ہیں اول سلام اور اس میں پیش روی، دوم دوسروں کے لیے مجلس میں جگہ خالی کرنا اور سوم ہم کلام کو بہترین الفاظ سے مخاطب کرنا۔
- آپؓ اکثر دعا مانگتے تھے کہ خدایا ایسا کر دے کہ میں علم کے ساتھ بات کروں اور علم کیساتھ خاموش رہ

اور میں جماعت اسلامی سے وابستہ ہو گیا

(پروفیسر غلام اعظم)

مئی ۱۹۵۳ء کی بات ہے ان دنوں میں رنگ پور کالج میں بحیثیت پروفیسر کام کر رہا تھا اس وقت تبلیغی جماعت اور تمدن مجلس دونوں سے منسلک تھا۔ تبلیغی جماعت میں سیاسیات، معاشیات اور زندگی کے دوسرے شعبوں کا کوئی ذکر نہ ہوتا تھا اور تمدن مجلس میں نماز روزے کی کمی تھی میں دونوں سے وابستہ ہو کر اپنی پیاس بجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

رنگ پور ہی میں ۱۹۵۴ء میں جمعہ کا دن تھا اعلان ہوا کہ جماعت اسلامی کی طرف سے مولانا عبدالخالق صاحب اور تبلیغی جماعت کی طرف سے پروفیسر غلام اعظم خطاب کریں گے۔ مولانا عبدالخالق صاحب نے اپنی تقریر میں کہا کہ ہمیں اسلام کے لئے جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے۔ آج اسلام کو جس کشمکش سے گذرنا پڑ رہا ہے اس میں ہمیں اپنے بنیادی فرض کو سمجھنا چاہیئے۔ میں نے اپنی تقریر میں کہا کہ پہلے لوگوں کو صحیح کلمہ بتائیے۔

یہ بات یہاں ختم نہیں ہو گئی۔ مولانا عبدالخالق صاحب رخصت ہونے لگے تو میرے ساتھ تبادلۂ خیال کرتے ہوئے انہوں نے مجھے دو سوالات پر غور کرنے کی دعوت دی ان کا پہلا سوال یہ تھا کہ آپ بھی دین کی تبلیغ کرتے ہیں ہم بھی کرتے ہیں لیکن کوئی مصلح تو درکنار، کوئی نبی بھی ایسا نہ تھا کہ اس نے دین کی دعوت دی ہو اور وقت کے اقتدار نے اسے برداشت کر لیا ہو مگر آپ جو دعوت دیتے ہیں کوئی اقتدار اس سے کبھی برافروختہ نہیں ہوا۔ کیوں؟

ان کا دوسرا سوال یہ تھا کہ آج بھی جب دین کی مؤثر دعوت دی جاتی ہے تو ہر قوت اسے کچلنے کے لئے آگے بڑھنے لگتی ہے کیوں نہ آپ تمام حقائق کا مطالعہ کر کے بتائیں کہ جماعت اسلامی پر آئے دن حکومت مہربان نہ ہوتی رہتی ہے اس کا کیا جواز ہو سکتا ہے۔؟

مولانا عبدالخالق صاحب تو چلے گئے لیکن میں بے چینی اور کرب کے ایک سمندر میں گر پڑا جو چیز مجھے بار بار بے چین کر رہی تھی وہ میرا یہ احساس تھا کہ اگر اب تک حق کے لئے وقف رہا ہوں تو ایسا کیوں ہے کہ سارے سفر میں ایک کانٹا بھی میرے پاؤں میں نہیں چبھا ہو کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ باطل نے مجھے بے ضرر سمجھ کر میرے کام سے ایک سمجھوتہ سا

کرلیا ہے کہ تم مجھ سے تعرض نہ کرو، میں تم سے کوئی واسطہ نہ رکھوں گا ہ اگر میری موجودہ مصروفیات اور جدوجہد ہی حق کو سربلند کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہے تو باطل نے مجھے نظر انداز کیسے کر دیا ہے ؟

حقیقت یہ ہے کہ ان سوالات نے میری نیند اچاٹ کر دی بھوک پیاس کسی چیز کا خیال نہ رہا۔ پندرہ دن اس حالت میں گزر گئے۔ میں اس حد تک غیر مطمئن اور پریشان تھا کہ جب تین چار احباب نے مجھ سے اس موضوع پر گفتگو کی اور میں نے اپنے دل کا درد اُن کے سامنے رکھا تو وہ بھی اسی کیفیت میں مبتلا ہو گئے۔

ایک روز مولانا عبدالخالق صاحب کا خط آیا کہ جماعتِ اسلامی کی ایک دو روزہ کانفرنس گلے باندھا کے مقام پر منعقد ہو رہی ہے۔ انھوں نے مجھے شرکت کی دعوت دی تھی۔ میں کانفرنس میں شریک ہوا۔ بے حد متاثر ہوا لیکن پوری طرح یکسو ہونے میں ۲۴ گھنٹے مزید باقی تھے۔ کانفرنس ختم ہوئی تو اس کمرے میں مختلف حضرات سے گفتگو شروع ہوئی یہ مرحلہ بہت اہم تھا۔ رات کے تین بج گئے تو باقی گفتگو کو نمازِ فجر کے بعد تک ملتوی کر کے سونے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ دوسرے حضرات تو سو گئے لیکن میری نیند ایک بار پھر اچاٹ ہو چکی تھی۔

اس کمرے میں جماعت کے ایک معزز رکن شیخ امین الدین صاحب بہاری بھی موجود تھے۔ وہ میری حالت کو دیکھ رہے تھے، جب کسی طرح نیند نہ آئی تو میں اٹھا اور نمازِ تہجد پڑھنے لگا۔ دعا کے وقت میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، میں بار بار کہہ رہا تھا کہ یا اللہ میری رہنمائی کر۔ یا اللہ میری رہنمائی کر۔ شیخ امین الدین صاحب کی مشفقانہ آنکھیں مجھے دیکھ رہی تھیں۔ لیکن مجھے اس بات کا علم نہیں تھا۔

نمازِ فجر کے بعد جب ہم گفتگو کے لئے اکٹھے ہوئے تو شیخ امین الدین صاحب نے میرے سامنے متفقین کا فارم رکھ دیا میں نے پڑھا اور فارم پُر کر کے دستخط کر دیئے۔ متفق بننے کے ڈیڑھ ماہ کے اندر اندر میں رکنیت کی درخواستیں تحریر کر تھا۔ !

انھیں دنوں میجر جنرل سکندر مرزا مشرقی پاکستان کے گورنر بن کر آئے۔ اس وقت وہاں جماعت اسلامی کے خلاف کوئی اقدام نہیں ہوا تھا۔ مرزا صاحب نے آتے ہی یہ کام شروع کر دیا۔ مختلف تحقیقاتی کمیٹیاں بن گئیں۔ مجھے مرزا صاحب نے بلایا اور کہا کیا کالج چھوڑ دیں یا جماعت کا کام چھوڑ دیں۔ میرا جواب واضح تھا کہ میں کالج چھوڑ

جاعت نہیں۔

فروری ۱۹۵۹ء میں مجھے گرفتار کر لیا گیا۔ گرفتاری پر کالج میں ہنگامہ ہوگیا۔ پھر ہڑتال ہوئی۔ ۱۲ طلبا گرفتار کر لیے گئے۔ چنانچہ تعلیمی اداروں کو سیاسی عناصر سے پاک کرنے والی کمیٹی کی اس رپورٹ پر کہ یہ پروفیسر بار بار جیل جاتا ہے، اسے الگ کردیا جائے، مجھے الگ کردیا گیا۔

جیل کے یہ دو ماہ میرے لیے تربیت گاہ کے دوماہ ثابت ہوئے۔ کبھی میں تنہائی کے لمحات میں سوچتا کہ مولانا مودودی مغربی پاکستان کی کسی جیل میں اپنی طویل قید کاٹ رہے ہیں اور میں مشرقی پاکستان کی ایک جیل میں قید ہوں۔ اس احساس نے مجھے مولانا کے بہت قریب کردیا تھا۔ یہی احساس تھا جس کے تحت میں نے ان دنوں امیر جماعت اسلامی مشرقی پاکستان کو اپنے خط میں لکھا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیل میں دیوار کے اُس طرف مولانا ہیں اور اِس طرف میں ہوں۔"

اپریل ۱۹۵۹ء میں جیل سے نکلا تو میرا تقرر راجشاہی ڈویژن کے قیم کی حیثیت سے ہوا۔ ادھر مولانا مودودی صاحب بھی رہا ہو چکے تھے۔ جون ۱۹۵۹ء میں میں نے پہلی مرتبہ انھیں دیکھا۔ یقین نہیں آتا تھا کہ اتنا سادہ سا آدمی اتنا زبردست انسان بھی ہو سکتا ہے۔ میں انھیں دیکھ کر ڈرا نہیں بلکہ ان کے قریب آگیا۔ یہ سادہ سا انسان وہی تو تھا جس نے موت کے چہرے پر بھی پوری بے خوفی کے ساتھ نگاہ ڈالی۔ اور پھر یہی بے خوفی ہم سب کا سرمایہ بن گئی۔

غفلت کا انجام

جو لوگ خس و خاشاک کی طرح ہر رو پر بہنے کے لیے تیار ہیں اور جنکو خدا نے اتنی سمجھ بوجھ ہی نہیں دی ہے کہ اپنے لیے زندگی کا کوئی راستہ متعین کر سکیں۔ انکا ذکر تو قطعاً فضول ہے۔ انھیں غفلت میں پڑا رہنے دیجئے۔ زمانہ کا سیلاب جس رخ پر بھی بہے گا وہ آپ سے آپ اسی رخ پر بہہ جائیں گے۔ اسی طرح ان لوگوں سے بھی قطع نظر کیجئے جو آنے والی انقلابی قوتوں پر سمجھ بوجھ کر ایمان لائے ہیں اور بالارادہ اسی رخ پر جانا چاہتے ہیں جس پر زمانے کا طوفانی دریا جا رہا ہے۔ اب صرف وہ لوگ رہ جاتے ہیں جو مسلمان ہیں، مسلمان رہنا چاہتے ہیں۔ مسلمان مرنا چاہتے ہیں اور یہ تمنا رکھتے ہیں کہ اسلامی تہذیب زندہ رہے اور ہماری آئندہ نسلیں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی راہ راست پر قائم رہیں۔ ان لوگوں کے لیے یہ وقت رواروی سے گزار دینے کا نہیں بلکہ گہری سوچ اور غایت درجہ کے غور و فکر کا ہے۔ وہ اگر اس نازک وقت میں غفلت اور بے پروائی سے کام لیں گے تو ایک جرم عظیم کا ارتکاب کریں گے۔ اور اس جرم کی سزا صرف آخرت ہی میں نہ ملے گی بلکہ اسی دنیا کی زندگی میں ان پر چھا جائے گی۔ زمانہ کا بے درد ہاتھ ان کی آنکھوں کے سامنے تہذیب اسلامی کے ایک ایک نشان کو مٹائے گا اور وہ بے بسی کے ساتھ اس کو دیکھا کریں گے۔ زمانہ ان کے قومی وجود کو ملیا میٹ کرے گا۔ ایک ایک کرکے ان امتیازی حدود کو ڈھائے گا جن سے اسلام غیر اسلام سے متمیز ہوتا ہے ہر اس خصوصیت کو فنا کر دے گا جس پر مسلمان دنیا میں فخر کرتا رہا ہے، وہ یہ سب کچھ دیکھیں گے اور کچھ نہ کر سکیں گے۔ ان کی آنکھیں خود اپنے گھروں میں اپنی نوخیز نسلوں کو خدا پرستی سے دور، اسلامی تہذیب سے بیگانہ اور اسلامی اخلاق سے عاری دیکھیں گی اور آنسو تک نہ بہا سکیں گی۔ ان کو اپنی اولاد کو ا[ن] اور ماں کی تہذیب کے خلاف صف آرا کیا جائے گا۔ وہ اپنے جگر گوشوں کے ہاتھ سے تیر کھا[ئیں] گے اور جواب میں کوئی تیر نہ چلا سکیں گے۔ یہ انجام یقینی ہے اگر کام کے وقت کو غفلت میں

پسندیدہ اشعار

مرسلہ: شمیم اختر المو (انشاء اللہ خاں)

کیا ہنسی آتی ہے مجھ کو حضرت انسان پر
فعل بد تو خود کرے لعنت کرے شیطان پر

مرسلہ: شمیم اختر المو (فرزند مبارکپوری)

ہم نہ دیں گے کبھی قاتل کو مسیحا کا لقب
ساری دنیا بھی اگر سر پہ اٹھا لی جائے

مرسلہ: جویریہ آوسوی۔ (نامعلوم)

ہر جہالت سے بغاوت ہمیں کرنا ہوگا
فقر کی دھوپ میں تپ تپ کے نکھرنا ہوگا
مشعل نور میں خون اپنا جلانا ہوگا
تب کہیں جا کے زمانے میں اجالا ہوگا

● مرسلہ: فوزیہ سلطانہ۔ (اسعد ترابی)

تقدیر علی کی جاگ اٹھی ہجرت کی اندھیری رات آئی
ایک مہر مبین کے بستر پہ ایک نجم درخشاں سوتا ہے

ہو للّہیت تو دین بن جاتی ہے یہ دنیا (نامعلوم)
اغراض ہوں تو دین بھی ہے بدتر از دنیا

● مرسلہ: سلمیٰ خاتون خیرآباد (نامعلوم)

اصلاح قوم آپ کو منظور ہے اگر
بچوں سے پہلے ماؤں کو تعلیم دیجیے

● مرسلہ: احمد ندیم لاری (اشتیاق احمد لاری غازی)

سو رہا ہے کیوں مسافر آ کے منزل کے قریب
ہو گیا ہے زندگی سے اس قدر بیزار کیوں

● مرسلہ: طلحہ ایوب دیدار پور۔ (محمد اجمل اصلاحی)

اس قدر جلد تو شاید ہی وہ پگھلے یارو
آدمی ہے کوئی پتھر کوئی فولاد نہیں

● فاصلہ ختم جہاں ہوگا تصادم ہوگا
قرب اتنا بھی کسی سے نہ بڑھایا جائے

اسلامی شعور بیدار کرنے والی کتابیں

(تصانیف: مائل خیرآبادی)

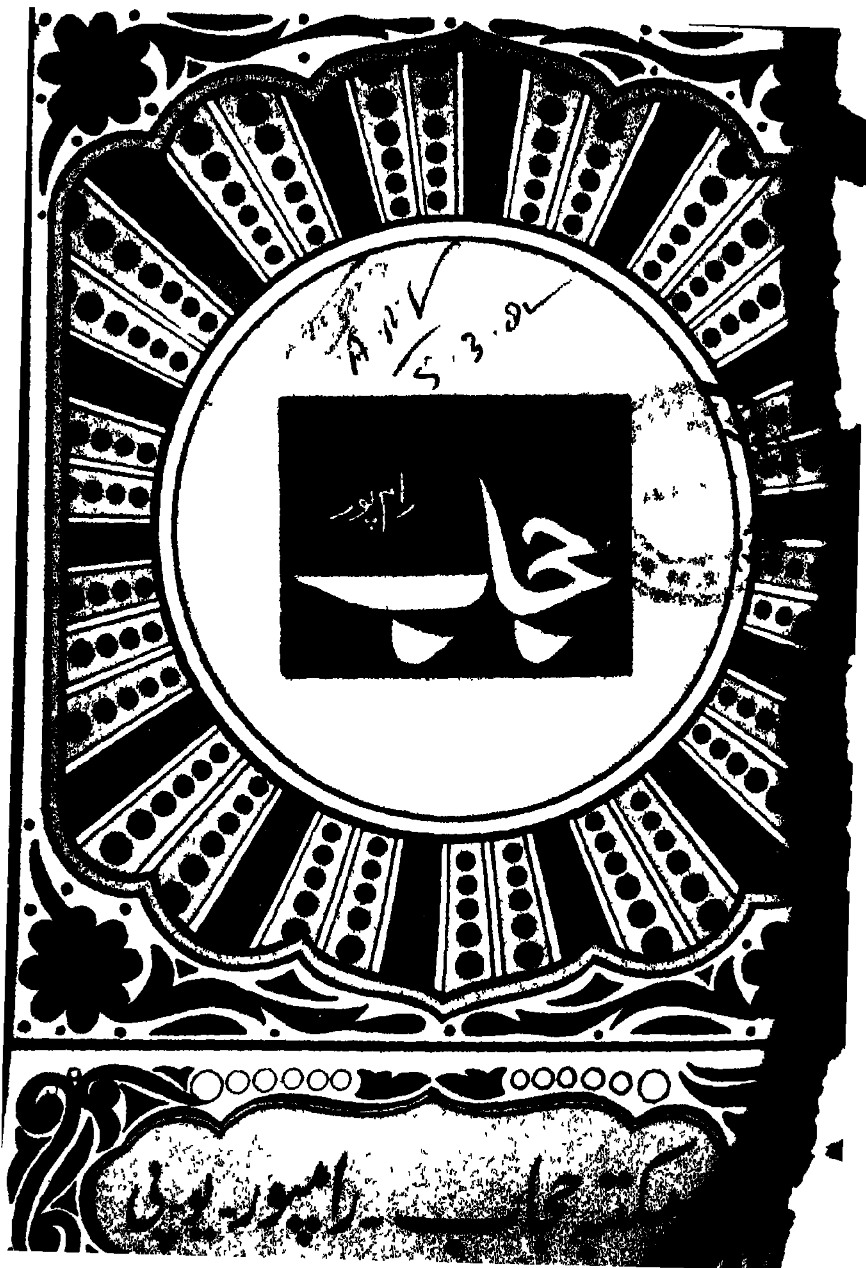
- اندیشوں کے گرفتار ۲/۴۰ جنتی بچہ ۰/۴۰
- ام المومنین حضرت عائشہ رضہ ۴/۵۰
- امانت کا بوجھ ۲/ فیصلے ۱/۵۰
- ایک شعر ایک کہانی ۰/۵۰
- اچھی اچھی مزیدار باتیں ۰/۵۰
- اسلامی تہذیب اور آداب ۱/۰۰
- امرود بادشاہ ۰/۷۰
- ابن بطوطہ کا بیٹا ۲/۵۰
- اچھی نظمیں اول ۰/۵۰ دوم ۰/۴۰
- اب تک یاد ہے ۲/۰۰
- اچھے افسانے ۲/ ترنول کا بھید ۰/۷۵
- ایک انسان دو کردار ۱/۲۵
- بے وقوف کی تلاش ۰/۷۰
- بدنصیب ۰/۳۰ بنتِ حوا ۱/۳۰
- بھولے ۰/۵۰ بہت خوب ۰/۷۰
- بنت الاسلام ۱/۸۰
- کلام نرم و نازک ۳/-

- بڑوں کی باتیں ۱/۲۵ بشریٰ کے خطوط ۱/
- تربیتی کہانیاں اول ۰/۵۰ دوم ۰/۵۰
- " سوم ۰/۵۰ چہارم ۰/۵۰
- ترکستان سے ترکی تک ۱/۰۰
- جانباز ساتھی ۲/۰۰
- خواتین کے دلوں کی باتیں ۲/۵۰
- خانہ آبادی ۰/۸۰ دانا حکیم ۱/۶۰
- خدیجۃ الکبریٰ رضہ ۰/۵۰
- دودھ کا لوٹ ۰/۷۰
- دانا حکیم کی دانا بیٹی ۰/۶۰
- دو انسان ایک کردار ۲/۰۰
- سچے افسانے ۲/۰۰
- شہزادہ توحید ۱/۵۰
- ۹۹ قتل کے بعد ۱/۰۰
- قرآن میں عورت کی حیثیت ۰/۵۰
- مہمان ریچھ ۰/۶۰

- میں نے مضمون نویسی کیسے سیکھی ۰/۷۰
- مرحلے ۲/۰۰ مرد ناداں ۲/۵۰
- مزدور یا فرشتے ۰/۵۰
- نقلی شہزادہ ۳/۵۰
- ہمارے بزرگ اول ۱/۷۵
- " " دوم ۱/۷۵
- ہم ایسی بنیں ۲/۰۰
- ہندوستانی عورت ۱/۵۰
- ہمارا ابن بطوطہ ۶/۰۰
- گڈو کے گیت ۰/۴۰
- گڈو کی گڑیا ۰/۴۰
- گڑیا کا وعظ ۱/۰۰
- حضرت عمر ثانی ۱/۳۰
- دہان کا زخم ۲/ دلی کا سایہ ۰/۵۰
- طویلے کی بلا ۱/۰۰
- ہیرے کا جگر 6.50
- اسلامی نظام میں عورت کا مقام ۹/

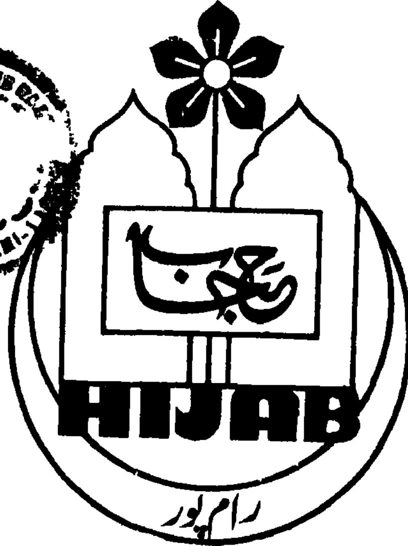
مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی

مالک شاہد پیرزی پرنٹر پبلشر محمد اسحٰق مائل خیرآبادی [illegible]


رامپور
حجاب
مکتبہ حجاب۔ رامپور۔ یوپی

خواتین اور طالبات کا پاکیزہ ڈائجسٹ





مارچ ۱۹۸۲ء جمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ شمارہ ۱۴۱ جلد ۱۳

قیمت 3.50 سالانہ چندہ 40.00

وی۔ پی سے ہرگز نہ منگائیے۔ وی۔ پی میں آپ کے پانچ روپے خواہ مخواہ زاید خرچ ہوں گے۔

١

اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ نے حجاب کے لئے جو زرتعاون عنایت فرمایا تھا اس کی مدت اس پرچے کے ساتھ ختم ہوگئی۔ آئندہ کے لئے زرتعاون منی آرڈر سے ارسال فرمائیں (مدیر)

در پردۂ حجاب

شمع ہدایت

جو کچھ بھی تم لوگوں کو دیا گیا ہے وہ محض دنیا کی چند روزہ زندگی کا سروسامان ہے اور جو کچھ اللہ کے
ہے وہ بہتر بھی ہے اور پائدار بھی۔ وہ اُن لوگوں کے لیے ہے جو ایمان لائے ہیں اور اپنے رب
بھروسہ کرتے ہیں، جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں اور
غصّہ آجائے تو درگزر کر جاتے ہیں، جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، اپنے معاملات
کے مشورے سے چلاتے ہیں۔ ہم نے جو کچھ بھی رزق انھیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے
اور جب ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو اس کا مقابلہ کرتے ہیں — بُرائی کا بدلہ ویسی ہی بُرائی ہے
جو کوئی معاف کردے اور اصلاح کرے اس کا اجر اللہ کے ذمّے ہے، اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا
جو لوگ ظلم ہونے کے بعد بدلہ لیں اُن کو ملامت نہیں کی جاسکتی، ملامت کے مستحق تو وہ لوگ ہیں جو
پر ظلم کرتے ہیں۔ اور زمین میں ناحق زیادتیاں کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔
جو شخص صبر سے کام لے اور درگزر کرے، تو یہ بڑی اُولوالعزمی کے کاموں میں سے ہے۔

جس کو اللہ گمراہی میں پھینک دے اس کا کوئی سنبھالنے والا اللہ کے بعد نہیں ہے۔ تم دیکھو
کہ یہ ظالم جب عذاب دیکھیں گے تو کہیں گے اب پلٹنے کی بھی کوئی سبیل ہے؟ اور تم دیکھو گے کہ یہ
کے سامنے جب لائے جائیں گے، تو ذلّت کے مارے جھکے جا رہے ہوں گے اور اسکو نظر بچا بچا کر
سے دیکھیں گے۔ اُس وقت وہ لوگ جو ایمان لائے تھے کہیں گے کہ واقعی اصل زیاں کار وہی ہیں جنھوں
نے آج قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے متعلقین کو خسارے میں ڈال دیا۔ خبردار رہو، ظالم لوگ
عذاب میں ہوں گے اور ان کے کوئی حامی و سرپرست نہ ہوں گے جو اللہ کے مقابلے میں ان کی مد
آئیں۔ جسے اللہ گمراہی میں پھینک دے اُس کے لئے بچاؤ کی کوئی سبیل نہیں۔ (الشوریٰ ۳۶

تفکرات سے نجات

صاحبزادے! تجھے یہ فکر نہ ہونی چاہیے کہ کیا کھائیگا، کیا پیئے گا، کیا پہنے گا اور کس سے نکاح کرے گا یہ تو سب
تفکرات اور خواہشات ہیں۔ تجھے قلب اور باطن کی فکر کرنی چاہیے۔ اسی فکر میں تجھے گھلنا اور ہلکان ہونا چاہیے
و باطن کی فکر کا مطلب حق تعالیٰ کی طلب اور جستجو ہے۔ تیری ساری سوچوں کا مرکز تیرا رب اور وہ چیز ہونی چاہیے
پاس ہے۔ دنیا اور مخلوق دونوں کا بدل موجود ہے۔ دنیا کا بدل آخرت اور مخلوق کا بدل خدا ہے اس دنیا میں تو جو
دیگا عقبیٰ میں اس کا عوض اور بدل اس سے بہتر ملے۔ یوں سمجھ کہ تیری زندگی کا صرف ایک دن باقی رہ گیا ہے
ت کے لئے تیار ہو اور ملک الموت کا نشانہ بن۔ دنیا لوگوں کی رونق کا سروسامان کرتی ہے اور آخرت انکے آباد ہونیکا
ہے۔ گونا گوں نعمتوں میں ڈوب کر بھی تیرا دعویٰ ہے کہ خدا تجھے محبوب ہے تو اپنے اس دعوے میں جھوٹا ہے جب
ئی ابتلا آتی ہے یا کسی مصیبت میں پھنس جاتا ہے تو پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے گویا اللہ تعالیٰ تجھے محبوب
نہیں۔ اللہ تو اپنے محبوب بندوں کو آزماتا ہے اور بندے کی بندگی آزمائش ہی کے وقت ظاہر ہوتی ہے لیکن جب
کی طرف سے آزمائشیں آئیں تو اسے چاہیئے کہ وہ ثابت قدم رہے۔ یہی ثابت قدمی اس کے محب ہونیکی علامت
ر وہ ثابت قدم نہیں رہیگا تو گویا اس کے جھوٹے دعویٰ محبت کا پول کھل جائیگا۔ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
میں حاضر ہوا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول میں آپ کو محبوب سمجھتا ہوں۔" آپ نے فرمایا: "یہ بات ہے تو اپنی چادر بنانے
تیار ہو جا۔" ایک اور صاحب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے: اے اللہ کے
ں اللہ تعالیٰ کو دوست سمجھتا ہوں۔" فرمایا: "ابتلا اور آزمائش کو اپنی چادر بنا لے۔" اللہ اور اس کے رسول
؛ فقر و آزمائش سے وابستہ ہے۔ اس لیے ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ ولایت (اللہ کی دوستی) پر ابتلا او
، تعینات کر دی گئی تاکہ ہر کوئی ولایت کا دعویٰ نہ کر سکے۔ اگر ایسا نہ ہوتا، تو ہر شخص اللہ کی محبت کا مدعی
بس آزمائش اور فقر سے دوچار ہونے پر ثابت قدم رہنے کو اللہ و رسول ؐ کی محبت کی علامت
یا ہے۔

(ملفوظات غوث اعظم ؒ)

روس میں اسلام

نیر جعفری نئی دہلی

روس میں اسلام آج بھی زندہ ہے۔ اس بات کا پتہ وہاں ملبوسات اور روایتی اسلامی طرز تحریک سے ہی نہیں، بلکہ دو چار اسلامی بورڈوں سے جو تاشقند، عفا، باقو اور مخشبکات میں معلوم ہوتا ہے کہ کریملن کے حکمرانوں کے ذریعہ منظور شدہ اسلام کو چلانے والے زیادہ تر نوجوان مولوی ہیں۔

ہمارا تعلق اسلامی لہر اور ان اسلامی عقائد قومی سے ہے جو روس کے مسلمانوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ گو کہ یہ لہر کہیں دھیمی ہے اور کہیں تیز۔ روس میں مسلمانوں کی پانچویں بڑی آبادی ہے جہاں تقریباً ساڑھے چار کروڑ مسلمان آباد ہیں۔ یہ مسلمان روس کے جنوب میں تاجکستان، ترکمانیہ اور آذربائیجان سے لے کر شمالی تاکیتونی کے لیکسرے سرے تک اور وہاں سے دریائے والگا کے کازان علاقے تک آباد ہیں۔ اُن کی ایک بڑی تعداد ترک منگولوں کی ہے۔ ان کی زبان میں بہت سی علاقائی زبانیں شامل ہوگئی ہیں مگر ان سب کا مادری مولوی ایک ہی ہے۔ ان کی تاریخی اور ثقافتی جڑیں ایک دوسرے سے ملتی ہیں۔ ان کی ایک بڑی تعداد سنیوں پر مشتمل ہے مگر آذربائیجان میں بڑی تعداد میں شیعہ بھی آباد ہیں۔ انھیں میں کچھ اسماعیلی بھی آباد ہیں۔

مسلمانوں کی یہ آبادی کریملن حکمرانوں کے لیئے بہت سے مسائل پیدا کرتی ہے جو تقریباً ناقابلِ حل نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر روس کی دوسری جمہوریات میں شرحِ پیدائش ۵ء۲ فی صد ہے۔ جو روسی آبادی کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا کچھ حل مخلوط شادیوں، تعلیم اور آئندہ نسلوں کو بتائیں مگر یہ کہنا مشکل ہی ہے اوّل تو مسلمان عورتیں بہت کم مغربی روسیوں کے ساتھ شادی پر رضامند ہوتی ہیں۔ دوسری بات تعلیم کی ہے۔ واقعات شاہد ہیں کہ کریملن کا یہ خیال کہ جب مسلمان تعلیمی طور پر آگے بڑھیں گے تو وہ اشتراکی نظریات اور روسی حکمرانوں کے حامی بن جائیں گے، صد فیصد غلط نکلا ہے کیونکہ ان جنوبی جمہوریات کے مسلمانوں کی تعلیمی اور اقتصادی حالت جوں جوں بہتر ہوتی ہے وہ زیادہ مصمم ارادے کے ساتھ کریملن کے خلاف پرچم بغاوت بلند کرتے ہیں

رُوس بہادر و اشرم شرم!

دی فار ایسٹرن اکنامک ریویو کے مطابق افغان فوج کے ایک سابق افسر جنرل قادر ڈگر وال نے جو مجاہدین سے جا ملا ہے اس دعوے کی تصدیق کی ہے کہ روس افغان میں زہریلی گیسوں اور دوسرے مہلک کیمیکل ہتھیاروں کا استعمال کر رہا ہے اس کا استعمال افغانستان کے ان علاقوں میں کیا جا رہا ہے جہاں افغان مجاہدین روسیوں کے لئے دردِ سر بن گئے ہیں۔ یہ اکثر ان سے بدلہ نکالنے کے لئے کنوؤں تک میں زہریلی گیس پھینک دیتے ہیں۔ تاکہ مجاہدین یا ان کے ہمدرد افغان عوام ان زہریلی گیسوں کا شکار ہو کر رہ جائیں۔

دی فار ایسٹرن اکونومک ریویو کی خبر سے اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ روس کی فوج افغانستان پر زبردستی قبضہ جمائے رکھنے کے لئے کیسے کیسے خطرناک حربے استعمال کر رہی ہے اور وہاں افغان عوام کا قتل کیا جا رہا ہے جس سے افغان عوام بھاگ بھاگ کر پڑوسی ملکوں میں پناہ لے رہے ہیں۔

ان زہریلی گیسوں اور مہلک ہتھیاروں کا استعمال بین الاقوامی معاہدوں اور جنیوا کنونشن کے مطابق ممنوع ہے۔

افسوس اس بات کا ہے کہ دنیا کا ضمیر اس کی ان شرمناک حرکتوں پر سویا ہوا ہے۔ اگر اب بھی اس حرکت سے روس کو باز نہیں رکھا گیا تو پھر دنیا کے لئے یہ ایک افسوس کا مقام ہوگا۔ دنیا کے تمام ملکوں کا فرض ہے کہ وہ روس کے اس فعلِ بد کی مذمت کریں۔ اور ایسا کرنے سے باز رکھیں۔

مخلص

محسن اختر

۵۹/۷ بازار لال کنواں ــــ دہلی۔

مُجاہدین کے حملوں سے

قندہار شہر کے نواح میں سرپوزہ کی عارضی چھاونی میں مجاہدین نے ۵۵ روسی ٹینک ایک گن شپ ہیلی کاپٹر ور متعدد فوجی گاڑیاں تباہ کر دیں۔ اتنی بڑی تعداد میں بیک وقت روسی ٹینکوں کی تباہی کا یہ پہلا واقعہ ہے، دریا ثنا غزنی ایئربیس پر مجاہدین نے دو ٹینک اور ایک ہیلی کاپٹر تباہ کر دیئے جبکہ کابل کے نواح میں مجاہدین نے دو روسی لن شپ ہیلی کاپٹر مار گرائے، طالیقان شہر میں روسیوں نے بمباری کر کے تین مساجد اور ایک دینی مدرسہ شہید کر دیا۔ کارمل فوجوں نے صوبہ قندہار میں مجاہدین کی بڑھتی ہوئی مزاحمت کو ختم کرنے کے لئے قندہار شہر کے مختلف نواحی علاقوں میں بڑی تعداد میں دس ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں جمع کر دی ہیں، جنھیں گن شپ ہیلی کاپٹروں کی مدد حاصل ہے۔ مجاہدین کی مشترکہ فوج نے قندہار شہر کے نواحی علاقہ سرپوزہ میں قائم کی گئی ایک ایسی ہی عارضی چھاؤنی پر زبردست حملہ کیا اور وہاں بڑی تعداد میں موجودہ ٹینکوں کو راکٹوں سے نشانہ بنایا۔ ٹینکوں کے علاوہ چھاؤنی میں کھڑا ہوا ایک فوجی ٹرک جو بموں اور مائینز سے بھرا ہوا تھا۔ مجاہدین کے راکٹوں کی زد میں آگیا جس میں موجود تمام بم اور مائینز خوفناک دھماکوں کے ساتھ پھٹ گئے اور چھاؤنی میں زبردست تباہی پھیل گئی ان بموں اور مائینز کے پھٹنے اور مجاہدین کے راکٹوں سے ۵۵ ٹینک اور متعدد فوجی گاڑیاں تباہ ہو گئیں، زبردست دھواں اور گرد و غبار کے طوفان میں دشمن کے جانی نقصان کا اندازہ بھی نہیں ہو سکا۔

اسی دن ایک گن شپ ہیلی کاپٹر درخت میں چھپے ہوئے ایک مجاہد کا نشانہ بن گیا۔ یہ ہیلی کاپٹر عنداب سے تھوڑے فاصلے پر گر کر تباہ ہو گیا۔ کابل کے نواح میں جب ایک روسی گن شپ ہیلی کاپٹر بم برسا کر لوٹ رہا تھا مجاہدین نے اسپر طیارہ شکن توپوں سے فائر کر دیئے۔ ہیلی کاپٹر فضا میں ڈگمگایا۔ پھر سرخ شعلوں میں لپٹا ہوا زمین کی طرف آنے لگا راستہ میں ایک دوسرا ہیلی کاپٹر جو فضا میں بلند ہو رہا تھا اچانک جلتے ہوئے طیارے سے ٹکرا گیا اس طرح دونوں ہیلی کاپٹر اپنے پائلٹوں سمیت جل کر تباہ ہو گئے۔ (ماخوذ)

پسندیدہ اشعار

ملہ۔ بشارت جبین ہاشمی (محمد رفیع سودا)

خدا دشمنوں کو نہ وہ کچھ دکھاوے
جو کچھ دوست اپنے سے ہم دیکھتے ہیں

وص دل سے سجدہ ہو تو اس سجدہ کا کیا کہنا
وہیں کعبہ سرک آیا جبیں میں نے جہاں رکھ دی

رسلہ۔ ایم۔ اے خیامی (کمال جائسی)

دوں کی طلب پھولوں کی ہوس کر دیتی ہے رسوائے چمن
نٹوں میں بسر کر لیتا ہے خوددار جو انساں ہوتا ہے

بعض خود اعتمادی مائل تدبیر رکھتی ہے
وہ ناکامی میں بھی تقدیر کو رویا نہیں کرتے

کمل تشنگی ہو تو سمندر اور شبنم کیا (نامعلوم)
زمیں سے چاہِ زمزم کی طرح چشمے ابل آئیں

• مرسلہ۔ جمیل النساء بیگم ورنگل (امیر)

خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہ ناز کس کی ہے
ہزاروں اٹھ گئے پھر بھی وہی رونق ہے محفل کی

• مرسلہ: فرحت فاطمہ بانو ورنگل (میر تقی میر)

خدا کو سونپ تو دوں اپنے سارے کام اے میر
رہے ہے خوف مگر واں کی بے نیازی کا

• مرسلہ: بدر النساء بیگم۔ ورنگل (حمید جالندھری)

نظر کے سامنے ہو جب بلندی کوہساروں کی
دل بے رحم کو ماضی کے افسانے سنا دینا

• مرسلہ: رابعہ نصرت بانو۔ ورنگل (نامعلوم)

اگر پار اترنا ہے موجوں سے کھیلو
کہاں تک چلو گے کنارے کنارے

• مرسلہ: نسترن سلطانہ ورنگل (اقبال)

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی تھا، برسوں میں نمازی بن نہ سکا

• مرسلہ: سیدہ نوشین بشریٰ، ورنگل (اقبال)

تمناؤں کی دنیا یوں تو ہر انساں لاتا ہے
مگر پاتا وہی ہے جو یہاں تقدیر لاتا ہے

"آدم مٹی سے ہے"

(ڈاکٹر تنویر۔ بلند شہر)

آدم صحراب

انسان کو خدا نے مٹی سے بنایا ہے۔ انسانی جسم کی بقا کا انحصار بھی مٹی پر ہی موقوف ہے انسان کے جسم کو نشو ونما دینے والی تمام غذا اور دوا بھی مٹی سے ہی بنی ہوئی ہے۔ انسانی جسم کی اصل ماہیت مٹی ہے۔ انسان کی خوراک تمام کی تمام مٹی سے تیار ہوتی ہے۔ اگرچہ ہر غذا کی صورت، ذائقہ، خاصیت اور بظاہر ماہیت الگ الگ دکھائی دیتی ہے مگر حقیقتاً سب مٹی ہی مٹی ہے۔

یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ انسانی وجود مٹی سے ہے مگر آپ کی سمجھ میں آسانی سے بٹھانے کے لیے ہم آپ کو چند مثالیں دے کر سمجھائیں گے گے تاکہ آپ بخوبی اس کو جان سکیں اور اپنی صحت تندرستی کو قائم رکھ سکیں۔ دیکھئے انسان اپنی خوراک دو ذرائع سے حاصل کرتا ہے۔ (۱) نباتات پیڑ پودوں کے ذریعہ (۲) حیوانات کے ذریعہ۔ یہ وہ ذرائع ہیں جن سے انسان اپنی خوراک حاصل کرتا ہے۔ یہ ہی ذرائع ہیں جن سے انسان خوراک کے علاوہ دیگر بہت سی اشیاء جیسے کپڑا، تیل، عمارتی سامان، فرنیچر وغیرہ حاصل کرتا ہے اور وہ حیوانات جن کو غذا کے طور پر انسان کھاتا ہے وہ بھی نباتات ہی پر منحصر ہیں۔

انسانی خوراک کا زیادہ انحصار پیڑ پودھوں ہی پر ہے۔ اناج، دالیں، تیل، شکر، پھل، ترکاری اور سبزی وغیرہ تمام چیزیں انسان کو پیڑ پودھوں سے ہی دستیاب ہوتی ہیں۔ ڈاکٹری اصول کے مطابق انسانی غذا کو پانچ طرح پر تقسیم کیا جاتا ہے۔

۱۔ کاربوہائیڈریٹ (نشاستہ) ۲۔ چکنائی ۳۔ پروٹین ۴۔ نمکیات ۵۔ وٹامن۔ انسانی غذا کے یہ پانچ جوہر ہمیں پیڑ پودھوں سے ملتے ہیں۔ پیڑ اور پودھوں میں جو مادہ ہے وہ کاٹھ یا لکڑی ([illegible])

کہلاتا ہے۔ اصل میں ہماری غذا کی تمام اشیاء جو پیڑ پودوں
دستیاب ہوتی ہیں وہ پودھے کے کسی نہ کسی حصے کی
صورت ہے۔ جیسے ہم پھل کھاتے ہیں وہ پیڑ کے پھل
ہیں۔ جو اناج یا دالیں ہیں وہ بیج ہیں۔ جو تیل حاصل
کرتے ہیں وہ بھی بیج سے ملتا ہے۔ اس طرح ہم پیڑ
پودوں کے مختلف حصوں کو اپنی خوراک بناتے ہیں
یہ حصے جڑ، تنا، شاخیں، پتے، پھل، پھول اور بیج
ہی میں سے کوئی نہ کوئی ہوتا ہے۔

گویا جب ہم سیب، سنترہ۔ کیلا، تربوز آم وغیرہ
کھاتے ہیں تب یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم کاٹھ کا استعمال
کر رہے ہیں۔ ہماری غذا کی روزمرہ جو اشیاء پودے
کا کوئی حصہ ہوتی ہیں۔ گویا انسانی خوراک کا زیادہ تر
دارومدار کاٹھ ہی پر ہے۔ آٹا دال ترکاری۔ سبزی
تیل شکر وغیرہ سب کے سب کاٹھ ہی ہیں۔ مگر
شان قدرت کہ اس نے ان میں ذائقہ پیدا کر کے انسانی
رغبت پیدا کر دی ہے ورنہ انسان کبھی بھی گھاس
پھوس اور لکڑیوں کو نہ کھاتا۔ پیڑ پودوں کے وہ حصے
جن کو انسان اپنی خوراک میں شامل نہیں کرتا ہے
جانوروں کی خوراک بنا دی ہے اگر انسان یہ غلطی
کرکے کہ جو نباتات حیوانات کے واسطے اللہ نے
مخصوص کر دی ہے انسان انہیں ہضم نہیں کر سکتا ہے
انسان اور حیوان کے ہاضمہ کے رس الگ الگ
ہوتے ہیں۔

ب آپ کی سمجھ میں آسانی سے یہ بیٹھ گیا ہوگا کہ
انسانی خوراک کا تمام تر دارومدار نباتات یعنی کاٹھ
(wood) پر ہے۔ جو کچھ ہم نباتات سے حاصل شدہ
اشیاء خوردنی استعمال کرتے ہیں وہ سب کے سب
لکڑی، کاٹھ ہیں۔ چونکہ نباتات کے جسم کا مادہ کاٹھ
ہے اور ہم نباتات کے کسی نہ کسی مفید حصے کو اپنی
اشیاء خوردنی میں شامل کر کے اپنا پیٹ بھرتے ہیں
یہ کاٹھ ہی ہمارے جسم کی نشو و نما کرتا ہے اور بگاڑ کی
صورت یعنی بیماری کی حالت میں ہمیں اور ہمارے
جسم کو صحت مند بناتا ہے۔ گویا دوا بھی نباتات
ہیں اور غذا بھی نباتات ہیں۔ نباتات کا مادہ
کاٹھ ہوتا ہے اس طرح کاٹھ ہی ہماری دوا
اور کاٹھ ہی ہماری غذا ہے۔ ایک طرح سے ہم
یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے جسم کا وجود نباتات کی
بدلی ہوئی ایک صورت ہے۔ گویا ہم لکڑی،
کاٹھ ہی کی بدلی ہوئی صورت ہیں۔

انسانی اجسام نباتات سے ایک خاص سلسلے

ہے کے ذریعہ جسے ہم فعل ہاضمہ کہہ سکتے ہیں۔ سے تغیر ہوکر حیوانی اجسام بنتے ہیں۔ یہ بھی ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ انسانی خوراک نباتات ہیں اور نباتات کی خوراک مٹی ہے۔ نباتات مٹی سے اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں۔ گویا مٹی کیمیاوی تبدیلی و تغیر کے ذریعہ نباتات کی شکل اختیار کرتی ہے اور نباتات سے کیمیاوی تبدیلی کے ذریعہ حیوانی اور انسانی اجسام تعمیر کرتی ہے۔ اس طرح مٹی ہی وہ اصل جوہر ہے جو نباتات اور حیوانات کے اجسام کی تعمیر اور تخلیق کرتی ہے۔ تب ہی تو ارشاد ربانی ہے کہ ہم نے انسان کو مٹی سے تخلیق کیا ہے۔

اسے ضرور پڑھ لیجئے!

پچھلے سال خواہ مخواہ رجسٹریشن M.R.B کے لیے ایک شمارہ روکنا پڑا تھا۔ اس سال پھر ولیا ہی ہوا لیکن خط و کتابت کے بعد یہ مرحلہ طے ہوگیا نتیجہ یہ ہوا کہ جنوری ۸۲ء کا پرچہ دیر میں پوسٹ ہوسکا۔ یہاں تک غنیمت رہا۔ اب میری داہنی آنکھ کے آپریشن کا نمبر آرہا ہے۔ یاد ہوگا کہ ۸۰ء میں داہنی آنکھ پر کالے پانی کا حملہ ہوا تھا جس کا آپریشن ناکام ہونے سے بائیں آنکھ کا آپریشن کرانا پڑا تھا۔ اس کے بعد میں چھ سات ہفتہ کے لیے بیکار ہوگیا تھا۔ اب ڈاکٹر نے داہنی آنکھ کے آپریشن کا مشورہ دیا ہے۔ ان شاء اللہ مارچ میں داہنی آنکھ کا آپریشن کرانے سیتاپور جاؤں گا۔ تو پھر ڈیڑھ ماہ بیکار ہو جاؤں گا۔ بعض رفقاء یہ بھی مشورہ دیتے ہیں کہ ممبئی میں آپریشن کرایا جائے۔ اس سلسلے میں دو گزارشیں ہیں

(۱) یہ کہ آپ میرے لیے دعا کریں کہ آپریشن کامیاب ہو تاکہ زندگی کے جو چند دن باقی ہیں یہی خدمت کرتے ہوئے مالک سے جا ملوں (۲) دوسری گزارش یہ ہے کہ جس طرح پہلے دو ماہ کا پرچہ ایک ساتھ شائع کیا تھا۔ اس سال بھی اپریل مئی کے دو پرچے ایک ساتھ شائع ہوں گے ـــ بہر حال میری مجبوری کی وجہ سے آپ کو یہ گوارا ہی کرنا پڑیگا۔ اپریل مئی کا پرچہ ... صفحات کا ہوگا۔ اسکی قیمت /5 ہوگی۔ یہ مشترک شمارہ آپکو اپریل میں ملے گا۔ اسکے بعد آپکو جون ۸۲ء کا شمارہ ملے گا۔ یہ مشترک شمارہ میں نے ترتیب دے دیا ہے باقی اللہ کے حوالے ہے ـــ میں حلقۂ حجاب سے توقع رکھتا ہوں کہ میرے ساتھ تعاون کریں گے۔ انشاء اللہ جون کا پرچہ میں ہی ترتیب دونگا۔ مشترک شمارہ میں "بنت سراقہ" ناول کا بڑا حصہ شامل ہوگا۔ اس کے بعد تیسرا ناول "آج کا حاتم" جون میں پڑھیے گا۔ والسلام۔ آپ کا۔ مائل خیر آبادی

باجی کا جواب

ڈیئر شکیلہ! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ !!

تمہارا خط ملا۔ بڑے خلوص اور محبت کے ساتھ تم نے خط لکھا ہے۔ پڑھ کر دل کی عجیب حالت ہوئی۔ الہٰ باد کا سماں آنکھوں میں پھرنے لگا۔

آپ نے caste feeling کے بارے میں جو لکھا ہے اسے پڑھ کر مجھے بہت دکھ ہوا۔ اسلام مساوات کا دین ہے۔ کلمہ گو سب بھائی بھائی ہیں۔ سب آدم کے بیٹے بیٹیاں ہیں۔ پھر یہ غرور اور برتری کا احساس کیسا؟ خدا نے جدا جدا قبیلے اس لئے بنائے تاکہ لوگ ایک دوسرے کو پہچان سکیں۔ یہ شیخ اور سید انصاری اور پٹھان صرف پہچان کے لئے ہیں نہ کہ اس لئے کہ کچھ لوگ دوسروں کا مذاق اڑائیں۔

ان مذاق اڑانے والوں کو اچھی طرح یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا کے نزدیک صرف تقویٰ اہم ہے۔ تقویٰ کے معنی ہیں۔ خدا کا ڈر۔ جب بندہ کے دل میں خدا کا ڈر ہوتا ہے تو وہ گناہوں سے بچتا ہے اور گناہوں سے بچنے والے اور نیکیوں سے ترغیب دینے والے ہی خدا کے محبوب بندے ہیں۔

۱۵ ویں پارہ کی ۳۶ ویں آیت میں ہے۔ (اور زمین پر اکڑ کر نہ چلا کرو کیونکہ تم نہ تو اپنی دھماکوں کی چال سے زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ تن کر چلنے سے) لمبائی میں پہاڑوں کے برابر پہنچ جاؤ گے۔

۲۱ ویں پارے کی ۱۷ ویں آیت میں ہے۔

"اور لوگوں کے سامنے اپنا منہ نہ پھلانا اور زمین پر اکڑ کر نہ چلنا کیونکہ خدا کسی اکڑنے والے اور اترانے والے کو دوست نہیں رکھتا اور اپنی چال ڈھال میں میانہ روی کو اختیار کرو۔" میانہ روی یعنی بیچ کے راستہ پر چلنا۔ نہ بہت زیادہ اکڑو کہ لوگ تمہارے ظلم سے پناہ مانگیں اور نہ اتنا جھکو کہ لوگ تمہارے اوپر ظلم ڈھانے لگیں۔

تکبر شیطان کی سرشت میں ہے۔ گھمنڈ کی وجہ سے اس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور خدائی بارگاہ

سے نکالا گیا اور خدا اور اس کے مخلص بندوں کی لعنت کا مستحق ہوا جو لوگ گھمنڈ کرتے ہیں وہ شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔

اسلام کالے گورے امیر غریب، حاکم محکوم کا فرق مٹانے آیا تھا۔ اسلام کے ماننے والوں کا برتاؤ ایسا نہیں ہونا چاہیئے کہ ہمارے رسولؐ کریم کی روحِ پاک کو تکلیف پہونچے۔ صاحبِ خلقِ عظیم کی تو یہ عادت تھی کہ جب اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھتے تو کبھی کسی اونچی یا نمایاں جگہ پر تشریف نہیں رکھتے تھے بلکہ اگر دائرہ میں بیٹھنا ہو تو دائرہ کے درمیان میں اس طرح بیٹھتے تھے جیسے خود بھی انھیں میں سے ہوں۔ ان سے الگ اور ان سے افضل نہ ہوں۔
۲۶ ویں پارہ کی سورۂ حجرات کی شروع کی آیت دیکھئے۔

"اے ایماندارو! تم میں سے کسی قوم کا مرد دوسری قوم کے مردوں کی ہنسی نہ اڑائے ممکن ہے کہ وہ لوگ خدا کے نزدیک ان سے اچھے ہوں۔" اور یہی بات عورتوں کے لئے بھی کہی گئی ہے۔

کچھ لوگوں کی زندگی گذارنے کا طریقہ ہی ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے کپڑوں اور جوتوں میں نئے فیشن کا خیال رکھتے ہیں اور اسی بنا پر ان کا مذاق بھی اڑایا جاتا ہے تو بھی یہ تو اپنی اپنی سمجھ کی بات ہے۔ میرے خیال میں تو فیشن ایک بے معنٰی سی دوڑ کا نام ہے۔ اس دوڑ میں حصہ لینے والا انسان اپنے کو اونچا اور الگ دکھانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ نہ تو اس کی اپنی کوئی زندگی ہوتی ہے اور نہ ضابطۂ حیات۔ بس جو فیشن نکلا اسی کی غلامی کرنے لگے۔ بروزِ قیامت جب خدا سوال کرے گا کہ "تم نے عمر کس کام میں صرف کی؟" تو فیشن پرست لوگ زبانِ حال سے فریاد کریں گے۔

"اے خدا میں نے اپنی عمر طرح طرح کے کپڑے پہن کر اترانے اور بلاوجہ لوگوں کے گھر بیٹھ کر دوسروں کی غیبت کرنے میں گذاری ہے۔ اے خدا مجھ پر رحم کر۔"

احتیاط کا تقاضا تو یہ ہے کہ جب دو آدمی ملیں تو ان کی گفتگو کا موضوع کوئی تیسرا شخص نہ ہو۔ تاکہ کہیں زبان سے اس کی برائی نہ نکل جائے۔ چھپ کر بھی ایسا کوئی کام یا بات نہ کی جائے جس کے ظاہر ہونے سے شرمندگی ہو۔ سیدنا امام حسینؑ نے فرمایا ہے۔ "تم کس لئے گھمنڈ کرتے ہو؟ کوئی بھی تو سونے چاندی سے نہیں بنا ہے

واقعی سوچنے کی بات ہے اگر انسان اپنی ابتدا کو اور اپنی اصل کو نہ بھولے تو غرور نہ کرے۔ حقیر سی خاک سے انسان کا ضمیر بنا۔ یہ تو خدا کا فضل ہے کہ اس نے خاک کو پاک کیا۔ پھر بجائے اس کے کہ اس فضلِ بے پایاں کا شکریہ ادا کیا جائے اپنے جیسے دوسرے انسانوں پر بیکار کی برتری جتانا چہ معنیٰ دارد؟

تعلیم کی کمی کا بھی مذاق اڑایا جاتا ہے۔ لیکن جو تعلیم انسان کو گمراہ کرے اسے انکسار اور خلوص کے بجائے تکبر اور غرور سکھائے تو ایسی تعلیم سے تو جاہلیت اچھی۔

باجی کو پیار اور دعائیں۔ تابش بھی باجی کو بہت یاد کرتی ہے اپنی امی کو سلام کہہ دیجئے گا۔

فقط شبنم۔ لکھیم پور کھیری۔



تھک چکا ہوں
نیند آتی ہے مجھے
طے کیا ہے میں نے ایک لمبا سفر
سوچنے کی راہ پر
یہ فلک بوس عمارات بنانے والے
جال سڑکوں کا بچھانے والے
(جن کو معمارِ جہاں کہہ لیجئے)
ان کو معلوم نہیں ہے شاید
اینٹ پتھر کی یہ تعمیر تو بے معنی ہے
سب فانی ہے
کاش دیکھیں یہ بھی
(اینٹ پتھر سے ہٹا کر نظریں)
ناؤ کاغذ کی بناتے ہوئے بچوں کی طرف
من کے سچوں کی طرف
کیا یہ معصوم ہیں واقف ابھی سیلابوں سے
تباہی کے عذابوں سے
اگر ایسا، نہیں ہے
تو ننھے منّے
ناؤ کاغذ کی بناتے کیوں ہیں ؟
ذہنِ شاعر کو ڈراتے کیوں ہیں ؟
چھٹی حس یہ بشارت دے رہی ہے
ایک دن
وہ بھی ہوگا
کہ جب انسان عمارت اور سڑکوں کے
گھنے جنگلوں کو چھوڑے گا
سکوں کی سمت دوڑے گا
مگر کہیں بھی سکوں نہ ہوگا
بس ایک وحشت برستی ہوگی
یہ نسلِ آدم سسکتی ہوگی
(جہاں میں پستی ہی پستی ہوگی)
ابھی سمے ہے سکو سکو تو ابھی سمے ہے
تربیت سے ننھے ذہنوں کی کرو تعمیر نو
وقت کے چہرے پہ لکھ دو، وقت کی تفسیر تم
مگر حقیقت تو یہ صاحب
آدمی جب سوچتا ہے
ذہن و دل کو نوچتا ہے

سید حسن اختر جس پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

(۱) دنیا میں حکومت کس کس طرح قائم ہوتی ہے؟
(۲) ہر طرح کی حکومت سے کیا فائدہ ہوتا ہے اور کیا نقصان؟
(۳) ان ہر طرح کی حکومتوں میں آپ کسے ترجیح دیتے ہیں اور کیوں؟
(۴) خلافت کے جو خواب آپ دیکھتے ہیں، اس میں الیکشن کی کیا صورت ہوگی؟
(۵) جماعتِ اسلامی ہند کے دستور کے مطابق آپ بھی الیکشن کر کے ہی امیر چنتے ہیں۔ آپ یہ الیکشن کس طرح کرتے ہیں؟

یہ ہیں چند سوالات جو بہت دنوں سے میرے پاس آتے رہے۔ جب تک اس طرح کے خطوط مردوں کی طرف سے آتے رہے تو میں نے انھیں ذاتی خطوط کے ذریعہ جواب دے دیا لیکن اب تین چار مہینے سے حجابی بہنوں نے بھی سوال اٹھا دیا۔ تحریکِ اسلامی سے وابستہ بہنوں کا کہنا ہے کہ اب بہنیں ہم سے اسی طرح کے سوالات کرتی ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ اس پر ایک سیر حاصل مضمون "حجاب" میں آجائے تو بہت فائدہ پہنچے گا۔

اب جب کہ یہ خواہش خواتین میں اُبھری ہے تو ہم شاید سیر حاصل مضمون نہ لکھ سکیں۔ ہاں مختصر طور پر اوپر کیے گئے سوالات کے جوابات عرض کرتے ہیں۔ اس کے بعد کچھ سوالات اور اُبھریں گے۔ اس وقت ان شاء اللہ پھر لکھیں گے۔

بادشاہت۔ جمہوریت۔ خلافت

بادشاہت بادشاہت کا مطلب ہے شخصی حکومت۔ کسی ایک شخص کی حکومت۔ چاہے اس کے قبضہ میں ایک علاقہ ہو یا بہت سے علاقے۔ چھوٹے علاقے کے مالک راجہ اور نواب

کہلاتے تھے۔ ان چھوٹے علاقوں کو اگر کوئی زبردست راجہ اپنے تحت کر لیتے۔ تو وہ مہاراجہ (بڑا راجہ یا راجوں کا راجہ) اور بادشاہ کہلاتا تھا۔ ایک لفظ اور ہے شہنشاہ۔ شہنشاہ کے معنٰی ہیں بادشاہوں کا بادشاہ۔ یہ شہنشاہ کس طرح ہو جاتا تھا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ چھوٹے چھوٹے راجہ اور نواب جو اپنی جگہ اپنے کو بادشاہ کہتے تھے۔ کسی بڑے بادشاہ سے مرعوب ہو کر اسکو اپنا بادشاہ مان لیتے تھے اور وہی بڑا بادشاہ شہنشاہ یا مہاراجہ کہلانے لگتا تھا۔ اس کو ایک مثال سے سمجھیئے۔

ہمارے ملک میں بہت سے بڑے بادشاہ (شہنشاہ) گزرے ہیں۔ سلطان علاءالدین، شہنشاہ اکبر، اورنگ زیب عالمگیر، مہاراجہ پرتھوی راج، رانا، سانگا وغیرہ۔ یہ سلطان، یہ شہنشاہ اور یہ مہاراجہ اس لیئے کہلاتے تھے کیونکہ ان کے ماتحت اور بہت سے راجہ، نواب اور چھوٹے چھوٹے بادشاہ تھے۔ ان میں سے ایک شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کو لیجئے۔ اس کے ماتحت راجپوتانہ کے بہت سے راجہ شمالی ہند کے بہت سے نواب اور دکن کے چھوٹے چھوٹے بادشاہ تھے۔ ان سب نے عالمگیر کو اپنا بڑا بادشاہ مان لیا تھا۔ یا یوں کہنا چاہیئے کہ شہنشاہ اپنے بل بوتے پر سب سے اپنی شہنشاہیت منوا لیتا تھا۔ یہ کس طرح؟۔ اس کے دو طریقے تھے۔

(۱) پہلا طریقہ یہ تھا کہ کسی علاقے میں ایک حوصلہ مند شخص اُبھرا۔ اس نے آس پاس کے لوگوں کا ایک جتھا بنایا۔ اور اپنے آس پاس کے رہنے والے لوگوں پر زبردستی اپنا حکم چلانے لگا۔ جس نے حکم نہ مانا اسے قتل کر دیا اور دھونس، دھاندلی، دھن اور اپنے جتھے کے ذریعہ ایک چھوٹا سا راجہ، ٹھاکر یا نواب بن گیا اور اس علاقے میں حکومت کرنے لگا۔ اگر آپ حکومتوں کا حال پڑھیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ ڈکیتی کرتے کرتے یہ لوگ راجہ اور نواب بن گئے اور حکومت کرنے لگے۔

(۲) حکومت پانے کا دوسرا طریقہ یہ تھا کہ باپ بادشاہ تھا۔ وہ مرا تو اس کا بیٹا بادشاہ بنا۔ یہ بالکل اسی طرح ہوتا تھا جس طرح آج کسی کا باپ مرا تو بیٹا اس کی چھوڑی ہوئی جائیداد کا مالک ہوا۔ جی ہاں۔ اسی طرح بادشاہت بھی ایک طرح کی جاگیر اور جائیداد تھی جو بیٹے کو ملتی تھی۔ جیسے رانا سانگا کا بیٹا

مان سنگھ اور مان سنگھ کا بیٹا رانا پرتاپ بنا۔ یا شہنشاہ بابر کا بیٹا ہمایوں، ہمایوں کا بیٹا اکبر شہنشاہ بنا۔

بادشاہوں کے حکومت کرنیکا طریقہ

بادشاہوں کے حکومت کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ ان کی زبان قانون ہوا کرتی تھی۔ وہ جو چاہتے اچھا برا حکم دیتے، علاقے اور ملک اور ملک کے لوگوں رجن کو رعایا کہا جاتا تھا ان سب، کو ماننا پڑتا تھا۔ جو نہ مانتا اس کو قتل کر دیتے، اسکا گھر جلا دیتے، اس کا سامان قبضے میں کر لیتے۔ اس میں اپنے مذہب اور غیر مذہب والے کی قید نہ تھی۔ بادشاہ عام طور پر مذہبی ہوا کرتا تھا لیکن وہ دوسرے مذہب والوں کے مذہبی کاموں میں روک نہیں بنتا تھا۔

کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ ایک جری راجہ یا ہمت والے نواب نے شہنشاہ کا حکم نہ مانا تو اس سے لڑائی ٹھن گئی۔ دونوں طرف سے فوجیں چلیں۔ لڑائی ہوئی۔ جو جیتا اس کی بات رہی۔ جو ہارا وہ اور اس کا خاندان ہمیشہ کے لئے بے نام و نشان کر دیا گیا۔

کبھی کبھی ہوشیار شہنشاہ ایسا بھی کرتا کہ ایسے حوصلہ مند نواب یا ڈاکو کو کچھ علاقے دے کر راضی کر لیتا لیکن رہتا اس کی تاک میں جہاں موقع ملتا۔ دھر دباتا۔ اسی طرح نواب اور ڈاکو دن بدن اپنی طاقت بڑھاتا۔ پھر ایک دن ایسا بھی آتا کہ وہ بادشاہ کو ہرا دیتا اور شہنشاہ بن جاتا۔

نقص

شخصی حکومت میں ایک بڑا عیب یہ رہا ہے کہ بادشاہ کو کسی کا ڈر نہ تھا۔ کوئی اس سے یہ نہیں پوچھ سکتا تھا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ عام طور سے بادشاہ گھمنڈی ہوا کرتے تھے۔ وہ یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے مقابلے میں لوگ کسی دوسرے کا حکم مانیں یا کسی کو اس سے بڑا جانیں۔ اس طرح کے بہت سے بادشاہوں کے قصے آپ نے سنے ہوں گے جنھوں نے اپنے کو خدا کہلوایا اور اللہ والے لوگوں کو قتل کرا دیا۔ پرانے عہد میں مصر میں نمرود اور فرعون ایسے ہی بادشاہ ہوئے ہیں ہمارے ہندوستان میں مشہور موحد پرہلاد کا باپ ہرناکشپ۔ رعایا کو سب سے زیادہ ظلم ایسے ہی بادشاہ سے سہنے پڑے۔

کبھی کبھی کوئی خدا ترس بادشاہ ہو جاتا تو رعایا کو کچھ آرام مل جاتا۔ دکھ درد کی شنوائی ہو جاتی۔ رعایا کے کچھ آنسو پُنچھ جاتے۔ ورنہ ہم نے آپنے سب نے بادشاہوں کا حال پڑھا ہے۔ ظلم وستم کی داستانوں سے ان کی زندگی بھری پڑی ہے۔ کسی زمانے میں اچھے انسانوں نے کبھی شخصی حکومت کو اچھا نہیں سمجھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی مصلحت سے خاموش رہے۔

جمہوریت جمہوریت کے معنی ہیں عوام کی حکومت، جنتا حکومت۔ ریاست کے اندر جتنے لوگ رہتے ہیں ان سب کی حکومت۔ ریاست کے اندر رہنے والے جیسا چاہیں قانون بنائیں اور اپنے بنائے ہوئے اس قانون کے خود ماتحت ہو جائیں۔ ایشور/خدا کی مرضی کو اس جمہوریت میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔

یہاں سوال یہ اٹھتا ہے کہ مثلاً کسی ریاست میں پانچ کرور آدمی رہتے ہیں۔ یہ پانچ کرور کسی ایک جگہ اکٹھے ہو کر کوئی ایسا قانون نہیں بنا سکتے جس پر سب کو اطمینان ہو جائے۔ اول تو ان پانچ کرور آدمیوں کا کسی ایک جگہ اکٹھا ہونا ہی ممکن نہیں۔ کوئی ایسی جگہ بھی نہیں ہو سکتی جہاں یہ پانچ کرور اکٹھا ہو سکیں۔ پھر اگر مان بھی لیا جائے کہ کسی جگہ یہ سب اکٹھا بھی ہو جائیں اور قانون کی صرف ایک دفعہ بنانے میں ہر شخص رائے دینے لگے تو وہ ٹائم کہاں سے آئے گا کہ یہ سب اپنی اپنی رائے دے سکیں گے پھر یہ کہ کوئی کچھ رائے دیگا۔ کوئی کچھ۔ رائے میں اختلاف ہوگا ہی۔ اس اختلاف (الگ الگ رائے ہونا) کو کیسے دور کیا جائے گا؟

جمہوریت نے اس کا جواب یہ دیا کہ ریاست میں جو پانچ کرور آدمی رہتے ہیں، یہ اپنے اپنے علاقے میں اپنا نمائندہ چن لیں۔ نمائندہ چننے کا کوٹہ، فرض کیجئے یہ رکھا کہ ایک لاکھ پر ایک نمائندہ بنے تو پوری ریاست کے پانچ کرور رہنے والوں میں کوٹہ پانچسو کا ہوا۔

ان پانچسو کے لئے قانون کی ایک دفعہ پر بحث کرنے کے لئے بھی بڑا وقت چاہیئے اس کا حل اس طرح تلاش کیا گیا کہ ایک مختصر جماعت دانشوروں اور قانون دانوں کی بھی ہو اس کا بھی کوٹہ مقرر کیا گیا مان لیجئے یہ کوٹہ سو کا مقرر ہوا۔ ان سو دانشوروں کی اس مختصر جماعت کا نام پارلیمنٹ رکھا گیا اور

سو کی نمائندہ مجلس کا نام اسمبلی. اس لئے اسمبلی کے ارکان کو ممبر لیجلیٹو اسمبلی M.L.A اور پارلیمینٹ کے
ان کو ممبر پارلیمینٹ M.P.

قانون بنانے کا کام M.P کو دیا گیا لیکن یہ قانون M.L.A کی منظوری کے بغیر لاگو نہیں کیا جا سکتا.
صرف ایک سوال رہ گیا. یہ کہ اس منظور شدہ قانون کی منظوری کے بعد اس پر کس کے دستخط ہوں. اسکے
ریاست کے ایک صدر کی ضرورت پڑی. صدر کو چننے کے دو طریقے بنائے گئے ایک یہ کہ M.P سے
یں. دوسرے یہ کہ ریاست کے پانچوں کروڑ چنیں. چنانچہ آج جہاں جہاں جمہوریت قائم ہے وہاں انہی
طریقوں سے انتخابات ہوتے ہیں M.L.A، M.P اور صدر چننے کو الیکشن بھی کہا جاتا ہے. الیکشن اور
ناب ایک معنیٰ کے دو لفظ ہیں.

لکشن کا طریقہ:۔ الیکشن کرانے میں اس بات پر بحث غیر ضروری ہے کہ ریاست کے پانچ کروڑ باشندوں
بچوں کو بھی شامل کر لیا جائے اور انھیں ووٹ دینا چاہیئے. بچے کیا جانیں کون آدمی کتنا بڑا ہے یا اچھا
ہے یا برا. چنانچہ باشعور کی قید لگا دی گئی. بالغ کی شرط نہیں. کیونکہ کہیں نو دس برس کے بچے بھی بالغ
جاتے ہیں. عمر کی ایک لمٹ (انتہا) مقرر کر دی گئی مثلاً یہ کہ جو شخص (مرد یا عورت) اکیس سال کا ہو
ئے اُسے رائے (ووٹ) دینے کا حق ہے. اب ریاست کے وہ تمام لوگ جو اکیس سال کے یا اس سے
ند ہوتے ہیں. سب الیکشن میں ووٹ (رائے) دیتے ہیں. کہیں کہیں عمر کی لمٹ انیس سال ہے.

وٹرس کی حیثیت:۔ رائے دینے والوں کی بنیادی حیثیت یہی عمر ہے. اس عمر کے وہ سب
ب باشعور مان لئے جاتے ہیں. اب یہ چاہے پڑھے لکھے ہوں یا نہ ہوں. باشعور ہوں یا بے شعور شرابی
اری گرہ گٹ، دولت کے پجاری، بدتمیز، بدمعاش ہوں ہوا کریں. ان کو امن و سلامتی سے دلچسپی ہو
نہ ہو. وہ چاہے یہ جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں .... کہ کون سا قانون بنے تو ٹھیک ہے اور
ن سا قانون بنے تو غلط ہے ان باتوں سے ان کو کوئی غرض نہیں. وہ اکیس سال کے ہو گئے بس یہ عمر
شعور ہونے کے لئے کافی ہے؟

یہ طریقہ بنا دیا گیا کہ ریاست کے جو لوگ M.L.A یا M.P یا صدارت کے امیدوار ہوں وہ فلاں تاریخ تک اپنا نام گورنمنٹ کو دیدیں۔ یہ امیدوار تاریخ مقررہ پر اپنی نامزدگی کرا دیتے ہیں اسکے بعد الیکشن کی دھوم مچ جاتی ہے۔ جو امیدوار زیادہ ووٹ پاتا ہے وہ عوام کا نمائندہ مان لیا جاتا ہے۔ عوام کا M.L.A عوام کا M.P اور عوام کا صدر چن لیا جاتا ہے۔ قانون بنانے کا حق ان کو دے دیا جاتا ہے۔ وہ جو قانون چاہیں بنائیں۔ عوام کو اس قانون کے تحت ہونا پڑتا ہے۔ چار پانچ سال جتنی الیکشن کے اوقات کی مدت ہوتی ہے۔ اس عرصے میں ؎

یہ عمرِ انتخاب تو ہے پانچ سال کی
رو کر اسے گزار کہ ہنس کر گزار دے

ایک اڑچن ایک لفظ ہم سب نے سنا ہے کہ کثرت رائے جس ممبر کی طرف ہوتی ہے وہی ممبر ہو جاتا ہے کثرتِ رائے کے معنٰی ہم کو یہ بتائے گئے ہیں کہ فرض کیجئے کہ سو آدمی رائے دینے والے ہیں۔ پچاس پچاس ووٹ ہر ممبر کو ملیں تو برابر برابر ہوں گے۔ کثرتِ رائے کے معنٰی یہ ہیں کہ ایک کو زیادہ مل جائیں چاہے ایک ممبر کو ۵۱ ووٹ ملیں اور دوسرے کو ۴۹۔ ۵۱ ووٹ پانے والا کامیاب ہوگا۔

لیکن انتخاب (الیکشن) میں ایسا نہیں ہوتا۔ یہ بھی تو ہوتا ہے کہ ایک ایک علاقے سے دو سے زیادہ تین تین چار چار یہاں تک کہ دیکھنے میں آیا ہے کہ پچاس پچاس امیدوار کھڑے ہوتے ہیں۔ کثرتِ رائے کو سمجھنے کے لئے چالیس پچاس کی گنتی نہ لیجئے۔ وہ تو پھر مذاق ہو جائے گا۔ مثال کے طور پر پانچ ممبروں کو لیجئے اب اگر برابر ووٹ ملیں تو ہر سو میں بیس بیس ہوئے۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ کسی کو سو میں دس ملتے ہیں کسی کو پندرہ کسی کو بارہ، کسی کو اکیس، کسی کو چوبیس اور کسی کو تیس تو یہ سو میں تیس پانے والا ممبر مان لیا جائے گا کیونکہ وہ سب سے زیادہ ووٹ پا گیا۔ لیکن سچ مچ یہ کثرت رائے نہیں ہے بلکہ دھوکا ہے کثرت رائے تو اس کے خلاف ہے جو ستر فیصد ہے۔ اس کا حل ابھی جمہوریت کے پاس نہیں ہے اور یوں

ہی دھاندلی چل رہی ہے۔

کسی کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اس اڑچن کو کیسے دور کریں۔ پچھلا الیکشن یاد ہوگا ہماری اندرا جی کو ۵۰ فیصد ووٹ نہیں ملے بلکہ اس کے دو تہائی سے بھی کم ملے اور وہ کثرت رائے جو ان کے خلاف تھی ان سے مغلوب ہوگئی۔ کیسی مضحکہ خیز بات ہے۔

الیکشن کی برکتیں الیکشن جیتنے کے لئے ہر ممبر دھن، دھونس، دھاندلی، مکر، فریب، جھوٹے وعدے اور ایسے ہی سارے حربوں سے کام لیتا ہے۔ وہ اپنے دھن سے ووٹ خریدتا ہے۔ محلے محلے، بستی بستی مکھیا، چودھری، با اثر آدمی اور دادا قسم کے لوگوں کو اپنے فیور میں کر لیتا ہے پھر یہ ہر قسم کے دادا اپنے یہاں کے لوگوں سے زبردستی اپنے امیدوار کے حق میں ووٹ ڈلوا دیتے ہیں۔ ان داداؤں سے شریف لوگ بھی ڈرتے ہیں۔ بیچارے اپنی عزت و آبرو بچانے کے لئے خاموش ہی رہتے ہیں اور جیت اُس کی ہوتی ہے جس کی طرف زبردست لوگ ہوتے ہیں۔

اثرات اس طرح اثر یہ پڑتا ہے کہ جو الیکشن جیت کر اوپر پہنچتے ہیں وہ داداؤں اور سرمایہ داروں کو راضی رکھنے کا جتن کرتے رہتے ہیں۔ اپنے رسوخ سے کام لے کر ان کا ہر جائز اور ناجائز کام کر دیتے، کروا دیتے ہیں۔ ان کے ذریعہ ممبران مہودے عوام سے خوب ہی دولت کھینچتے رہتے ہیں عیش کرتے اور اپنا بینک بیلنس بڑھاتے رہتے ہیں۔ کنٹرول کی چیزیں غریب اور شریف آدمی حاصل نہیں کر پاتا لیکن سرمایہ دار لوگ خوب لاتے ہیں اور چور بازاری کر کے دونے تگنے داموں بیچتے رہتے ہیں۔ اور پھر کھول کھول کر کیا عرض کروں۔ جملوں میں عرض کرتا ہوں۔

● اخلاقی گراوٹ عام ہو جاتی ہے ● چھوٹے بڑے سب حکومت سے نالاں ہو جاتے ہیں ● شریف لوگوں کو اپنی عزت و آبرو اور اپنا وقار بچانا مشکل ہو جاتا ہے ● ہر ایک ان داداؤں کی خوشامد کرنے لگتا ہے۔ ● اشیاء پر کنٹرول اچھی چیز ہے لیکن یہ کنٹرول سرمایہ داروں کی شرطوں پر ہوتا ہے۔ ● رشوت بلیک مارکٹنگ عام ہو جاتی ہے ● حکام رشوتیں لینے لگتے ہیں ● حکام ممبروں کے داداؤں سے

ڈرنے لگتے ہیں۔ • گھر کا پیسہ غیر ضروری کاموں میں بلکہ برائی کے کاموں میں بہت زیادہ خرچ ہونے لگتا ہے۔ • پولیس چوروں اور ڈاکوؤں کی دوست ہو جاتی ہے۔ • ممبران صاحبان اپنے علاقے میں رفاہ عام کے کام اس لئے کرنے کو سوچتے ہیں تاکہ دوبارہ الیکشن میں زیادہ سے زیادہ ووٹ حاصل کر سکیں • پوری ریاست کے لئے تعمیری کام سے کسی کو غرض نہیں رہتی • کامیاب پارٹی من مانی کرنے لگتی ہے۔ اور ناکام پارٹی غلط سلط تنقیدیں اور ہائے ہائے کرتی رہتی ہے۔

یہ جملے میں نے لکھے ہیں ان میں پبلک کی بڑی بڑی کہانیاں ہیں جو آپ سنتے اور دیکھتے رہتے ہوں گے۔ اس کے بعد ذرا ٹھنڈے دل سے میری اس گزارش پر توجہ دیں۔

• کیا خیال ہے آپ کا کہ ہر اکیس سال کا لڑکا (جسے باشعور مان لیا گیا ہے) واقعی اس میں اتنا شعور ہوتا ہے کہ وہ ریاست کی سیاست کو سمجھ سکتا ہو؟

• کیا خیال ہے آپ کا ہر وہ عورت جو اکیس سال کی باشعور مان لی گئی ہے کیا ریاست کی سیاست کے اتار چڑھاؤ کو جانتی ہے۔؟

• کیا خیال ہے آپ کا اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِہِمْ کا مظاہرہ نہیں ہوتا ہر چھوٹا ہر بڑے کے کہنے سے ووٹ دیتا ہے یا نہیں؟

• کیا خیال ہے آپ کا کہ آپ کے علاقے میں ماہر سیاست باشعور لوگ زیادہ رہتے ہیں یا بے شعور لوگ؟۔

• کیا خیال ہے آپ کا سرمایہ داروں، داداؤں اور بے شعوروں کے ووٹ سے جو شخص ممبر بنے گا وہ اسمبلی یا پارلیمنٹ میں حق بات کہہ سکے گا؟ اور ریاست کے لئے کوئی تعمیری کام کر سکے گا؟

اس طرح کی ساری باتیں سوچ لیجئے۔ آپ کا جواب ہوگا کہ "نہیں" بلکہ شاید آپ یہ کہہ دیں کہ جمہوریت تو بدترین لعنت ہے پبلک کے لئے جمہوریت کا سیکولر اسٹیٹ کا نعرہ فریب ہے ریاست کے لئے ۔۔۔

خلافت

● خلافت :- آپ یہ بات سمجھ چکے کہ ایک ڈاکو نے ڈکیتی سے اپنا رُعب قائم کرنا شروع کیا اور دھیرے دھیرے ترقی کر کے راجہ پھر مہاراجہ اور شہنشاہ ہوگیا۔ یا رعایت کیجئے تو یوں کہہ لیجئے کہ ایک معمولی سپاہی ترقی کرتے کرتے رسالدار بنا پھر صوبیدار بنا پھر نواب بنا اور اس طرح تخت شہنشاہی پر جا بیٹھا۔ نادر شاہ کو آپ جانتے ہیں۔ گڈریہ تھا۔ حیدر علی کو آپ جانتے ہیں معمولی سپاہی تھا پھر نواب اور سلطان ہو کر ایک کامیاب حکمراں ثابت ہوا اور وہ ٹیپو سلطان جیسے بیٹے کا باپ کہلایا۔ اس طرح کے بہت سے ڈاکوؤں اور ٹھاکروں کے نام آپ جانتے ہوں گے جو آگے چل کر راجہ اور پھر مہاراجہ بن بیٹھے۔

آپ یہ بات بھی سمجھ چکے کہ جمہوریت جسے عوامی حکومت کہا جاتا ہے لیکن وہ عوامی حکومت ہوتی ہی نہیں۔ یہ بھی ایک فریب ہے اور ہمارے لئے ایک لعنت ہے۔ آج دنیا میں چند ریاستوں ہی میں بادشاہت ہے جو دم توڑ رہی ہے۔ باقی تمام ریاستوں میں جمہوریت ہی ہے۔

اگر آپ نے حکومتوں کی تاریخ پڑھی ہے تو آپ جانتے ہیں کہ حکومت کرنے کا ایک طریقہ اور بھی دنیا نے دیکھا ہے۔ وہ ہے "خلافت"۔

خلافت کے معنی اہلِ خلافت، خلافت کے معنیٰ یوں سمجھاتے ہیں۔ ترتیب وار ملاحظہ ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ ● یہ زمین اور ساری کائنات اللہ نے پیدا کی ● وہی اللہ اس زمین اور ساری کائنات کا مالک اور حاکم ہے ● اسی اللہ کا حکم ساری کائنات میں چل رہا ہے ● اس زمین پر بھی اللہ کا حکم چلنا چاہیئے ● اس زمین پر انسان اللہ کا خلیفہ د وائسرائے، گورنر جنرل نائبِ سلطنت ہے۔ ● اس نائب انسان کو اپنے مالک بادشاہ۔ اللہ کی مرضی کے مطابق اس زمین پر رہنا چاہیئے۔

اہلِ خلافت نے یہ ترتیب اللہ کے فرمان سے اخذ کی۔ جتنی الہامی کتابیں نازل ہوئیں ان سب میں

یہی بات کہی گئی۔ اس بات کو سمجھانے اور کر کے دکھانے والوں کو اللہ نے خاص طور پر تربیت دی اور ان کے ذریعہ لوگوں کو خلافت کا علم ہوا۔ ان خاص انسانوں کو قرآن نبی، رسول کہتا ہے۔ ہندی بھاشا میں اس کو ایش دوت اور انگریزی میں پرافٹ کہتے ہیں اور فارسی میں پیغمبر۔

قرآن سے پہلے کی الہامی کتابوں میں کانٹ چھانٹ ہو گئی۔ کچھ نکال دیا گیا۔ کچھ اپنی طرف سے ملا دیا گیا اس لئے ان میں خلافت کے کام کی تفصیل ٹھیک ٹھیک نہیں ملتی۔ قرآن شریف میں تحریف نہیں ہوئی۔ پھر یہ کہ اہلِ خلافت نے محمد رسول اللہؐ (قرآن آپ پر نازل ہوا تھا) کی وہ ساری باتیں یاد رکھیں جو آپؐ نے قرآن کی تشریح میں فرمائیں اور کر کے دکھائیں ان باتوں کو حدیث کہتے ہیں۔ قرآن و حدیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی حکومت کا ڈھانچہ بنایا جو بعد میں خلافت کے نام سے مشہور ہوا۔

اسلامی حکومت کا بننا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں اللہ کے حکموں کے مطابق اسلامی ریاست بنائی۔ اس ریاست میں اللہ کے قانون (قرآنِ کریم) کے مطابق حکومت کر کے دکھائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو براہِ راست اللہ کی ہدایات پہنچتی تھیں اسلئے اللہ کے حکموں میں نہ کسی سے مشورہ کرنے کی اور نہ کمی بیشی کرنے کی ضرورت پڑی۔ اور نہ حضورؐ نے ایسی جرأت کی۔ ہاں کچھ باتیں ایسی آپڑتی تھیں جن کے لئے قرآن میں اشارہ نہیں ملتا ہے تو ایسی باتوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد فرماتے تھے۔ صحابہ کرامؓ سے مشورہ کرتے تھے۔ صحابہؓ پوچھ لیا کرتے تھے کہ یا رسول اللہ! آپؐ نے اس بات میں جو اشارہ فرمایا ہے یہ اشارہ خداوندی ہے یا صرف آپؐ کی اپنی رائے ہے۔ جب حضورؐ فرماتے کہ یہ میری رائے ہے تو صحابۂ کرام بے لاگ کھل کر رائے دیتے۔ حضورؐ انھیں اہمیت دیتے۔ بہت بار ایسا ہوا کہ حضورؐ نے صحابہؓ کی رائے پر عمل کیا۔

● ایک بار حضورؐ نے ایک لڑائی میں ایک جگہ چُنی۔ صحابہؓ کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ جگہ حضورؐ نے اپنی رائے سے چُنی ہے تو اس کے خلاف مشورہ دیا اور آپؐ نے مشورہ مان لیا۔

• ایک بار حضورؐ اپنی سوچی ہوئی پالیسی کے تحت کچھ قبیلوں کو رعایت دے کر ان سے معاہدہ کرنا چاہتے تھے۔ صحابہؓ کو معلوم ہوا کہ یہ حضورؐ کی اپنی رائے ہے تو اس معاہدہ کو رد کر دینے کا مشورہ دیا۔ حضورؐ نے رد کر دیا۔

——لیکن——

جہاں قرآن کا قطعی حکم لاگو ہوا اس میں آپؐ نے کسی کا مشورہ نہ مانا۔ مشہور واقعہ ہے کہ ایک قریشی عورت نے چوری کی۔ اس قریشی عورت کے اعزاز کے لئے جان لیجئے کہ وہ حضرت خالد بن ولیدؓ (حضورؐ کے سپہ سالارِ اعظم) کے گھرانے کی، حضرت زبیرؓ (حوارئ رسولؐ) کی رشتہ دار اور خود حضورؐ کی دور کی بہن یا پھوپھی تھیں۔ آپؐ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا۔ مدینے میں ہلچل مچ گئی۔ سفارشیں ہونے لگیں۔ یہاں تک کہ حضورؐ کے سب سے زیادہ پیارے حضرت اُسامہ بن زیدؓ کو بھیجا گیا تو آپؐ نے اُن کی سفارش بھی رد کر دی اور فرمایا کہ میری بیٹی فاطمہؓ چوری کرتی تو اس کا بھی ہاتھ کاٹا جاتا۔

اسلامی حکومت نے جو دراصل حکومتِ الٰہیہ تھی اس طرح انصاف کا نمونہ دیا۔ بیت المال (اسلامی خزانہ) کے بارے میں صرف ایک بات سنیئے :-

حضرت فاطمہؓ حضورؐ کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں۔ حضورؐ کی دوسری بیٹیاں اللہ کو پیاری ہو چکی تھیں۔ ایسی بیٹی سے آپ ہر شخص کو محبت ہو ہی جاتی تھی لیکن حضرت فاطمہؓ میں اور بہت سی خوبیاں تھیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ (حضرت فاطمہؓ کی سوتیلی ماں) فرماتی ہیں کہ میری بیٹی فاطمہؓ ہوبہو رسول اللہ سے مشابہہ ہے۔ مشابہہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ ہر کام حضورؐ کی طرح کرتی تھیں۔ بی بی صاحبہ نے حضورؐ کی تمام اچھی عادتیں اپنے اندر جذب کر لیں تھیں۔ یوں کہیئے کہ عادات و اطوار میں وہ حضورؐ کا نمونہ تھیں۔

فطری محبت اور ان خوبیوں کی وجہ سے حضورؐ بی بی صاحبہ کو بہت چاہتے تھے۔ اب اس کی تفصیل بیان کروں تو پھر جو مضمون لکھ رہا ہوں وہ رہ جائے گا۔ اسے چھوڑتا ہوں۔ بی بی صاحبہ کی شادی

حضورؐ نے حضرت علیؓ کے ساتھ کر دی۔ حضرت علیؓ بہت غریب آدمی تھے۔ اس لیے کوئی لونڈی بھی نہیں رکھ سکتے تھے۔ گھر کا سارا کام بی بی صاحبہ کرتیں۔ چولھا، چکی، بچوں کی پرورش، گھر میں جھاڑو دینا۔ مشک لے کر جانا۔ پانی بھر کر لانا۔ یہ کام کرتے کرتے ان کے کپڑے میلے ہو جاتے۔ مشک لادنے سے سینے پر اور چکی پیسنے سے ہاتھوں پر گھٹے پڑ گئے تھے۔ جی ہاں! یہ اس بیٹی کا حال تھا جس کا محترم باپ اسلامی ریاست کا حکمراں تھا۔

ایک بار مالِ غنیمت میں بہت سامان آیا۔ لونڈی غلام بھی تھے۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ جا کر حضورؐ سے کم سے کم ایک لونڈی مانگ لو۔ بی بی صاحبہ بہت ہی غیرت مند تھیں۔ جی نہیں چاہتا تھا مگر گئیں۔ حضورؐ نے پوچھا کیسے آئیں بیٹی! بیٹی غیرت کی وجہ سے کہہ نہ سکیں۔ پیچھے پیچھے حضرت علیؓ بھی پہنچے۔ انھوں نے بتایا کہ اس لئے حاضری دی ہے۔ اب سنیئے۔ حضورؐ نے کیا جواب دیا۔ فرمایا: "بیٹی! میں اس سے اچھی چیز کیوں نہ دوں۔ تم سوتے وقت ۳۳ بار سُبْحَانَ اللّٰهِ ۳۳ بار اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور ۳۴ بار اَللّٰهُ اَکْبَرُ پڑھ کر سو یا کرو۔ یہ تمہارے لئے کافی ہے۔

اللہ کے رسولؐ اسلامی ریاست کے حکمراں کی بیٹی خاموشی سے واپس چلی آئیں اور انھیں کلمات و بطور تسبیح پڑھنے لگیں۔ یہی تسبیح "تسبیح فاطمہؓ" کے نام سے مشہور ہے۔

یہ تھا برتاؤ اولاد کے ساتھ۔ خود حضورؐ کا یہ حال تھا کہ حضرتِ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مہینوں گھر میں چولھا نہ جلتا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ حضورؐ فرماتے "عائشہ! کھانے کو کچھ ہے؟ جواب دیتیں کہ اللہ کے سوا کچھ نہیں۔ یہ سن کر آپ کہتے "اچھا تو آج میرا روزہ ہے"۔ جب حضورؐ کا انتقال ہوا تو گھر میں ایک پیسہ بھی نہ تھا۔

ایک بات اور سن لیجئے۔ حضورؐ کے عہد میں جو علاقہ فتح ہوتا وہاں محمد بن عبد اللہؐ کی حکومت نہیں بنتی تھی بلکہ وہ علاقہ وہیں کے لوگوں کو دے دیا جاتا تھا اور قرآن تھما دیا جاتا کہ لو اس کے مطابق حکومت کرو۔ لوگ کہتے کہ حضورؐ اس کے سمجھنے کے لئے کوئی معلم عنایت فرمائیں تو حضورؐ کبھی

معلم، کبھی قاضی، کبھی اپنا صحابی بھیج دیتے۔ نوٹ کریجئے وہاں محمڈن لا نہیں چلتا تھا۔ بلکہ قانونِ خدا چلتا تھا۔ اور اسلامی خزانہ (بیت المال) اس مصرف کے لئے تھا جس کی تفصیل قرآن میں ہے۔

حضورؐ نے اسلامی حکومت کا کام کرنے کے لئے بہت سے لوگوں کو تیار فرمایا تھا۔ ان میں حضرت ابوبکرؓ بھی تھے۔ قریش میں سے بھی اور وہ لوگ بھی جو کبھی غلام رہ چکے تھے۔ حضورؐ کا یہ فرمان بہت مشہور ہے۔ فرمایا کہ تم پر حبشی غلام، چاہے اس کی ناک چپٹی ہو۔ حاکم بنا دیا جائے تو اس کی اطاعت کرو۔

آپ کے بعد اہل الرائے صحابہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو آپؐ کا جانشین یعنی خلیفہ۔ نائب بنایا۔ حالانکہ حضرت ابوبکرؓ نے امین الامت حضرت عبیدہ بن جراحؓ (اسلامی خزانے کے خزانچی) اور حضرت عمرؓ کا نام پیش کیا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے بڑھ کر حضرت ابوبکرؓ کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کے بعد دوسرے لوگوں نے پھر عوام نے بھی انہی کو خلیفہ مان لیا۔ جہاں جہاں اسلامی حکومت قائم ہو چکی تھی، وہاں یہ اعلان کرا دیا گیا اور اسلامی حکومت کے عوام نے بھی ان کو خلیفہ مان لیا۔ اور اب اسلامی حکومت کا نام "خلافت" ہو گیا۔

نوٹ کریجئے:۔ حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بناتے وقت نہ اکیس برس کے لوگوں کی قید تھی اور نہ بوڑھے ہونے کی بلکہ یہ دیکھا گیا تھا کہ ہم میں سب سے اہل تر کون شخص ہے اور یہ دیکھنے والے اہل الرائے تھے جن کو خدا کے سوا کسی کا خوف نہ تھا۔ اور بعض اپنی بعض خوبیوں کی وجہ سے ابوبکرؓ سے بڑھ کر تھے۔ جیسے سلمان فارسیؓ حضورؐ کے رازدار تھے جیسے حذیفہ بن یمانؓ امین الرائے تھے جیسے حضرت ابوعبیدہؓ بن جراحؓ امین الامت تھے۔ عمر فاروقؓ تھے جن سے شیطان بھاگتا تھا۔ حضرت عثمانؓ تھے بڑے حیادار۔ حضرت علیؓ باب العلم تھے۔ صہیب رومیؓ، بلال حبشیؓ زبیرؓ (حواری رسولؐ) حضرت خالدؓ سیف اللہ سپہ سالار اور بہت سے پایہ کے بزرگ تھے اور سردارانِ انصار بھی۔ ان سب متقی درصائب الرائے دین کی باتوں اور حکمتوں کو سمجھنے والے تھے۔ انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بنا۔ تب عوام نے پورے اطمینان سے یہی تسلیم کر لیا۔

ایک بار حضرت ابو سفیانؓ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ غیر خاندان کا آدمی خلیفہ بنا۔ تم کہو تو سواروں سے مدینہ بھر دوں اور تمہیں خلیفہ بنا دوں۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا۔" افسوس ابو سفیان! تم میں سے جاہلیت کی بو نہیں گئی۔

خلافتِ راشدہ

● خلیفۂ اول :۔ ابوبکر صدیقؓ نے کم و بیش ڈھائی برس خلافت کا کام کیا۔ خلیفہ ہونے کے بعد پہلی تقریر میں کہا۔" میں اسلامی حکومت کا کام اسی طرح کروں گا جس طرح اللہ کا حکم ہے اور جس طرح حضورؐ نے سکھایا ہے۔ اگر میں ایسا کروں تو تم کو چاہیئے کہ میرا ساتھ دو۔ میرا کہا مانو اور اگر میں ایسا نہ کروں تو میرا کہنا نہ مانو۔

تقریر کے دوران یہ بھی کہا کہ جو قوم اللہ کی راہ میں جہاد نہیں کرتی اللہ اُسے ذلیل کر دیتا ہے

س تقریر سے علمائے اسلام نے یہ اصول نکالا کہ اگر خلیفہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے اور توبہ نہ کرے تو اُسے ہٹایا جا سکتا ہے اور اسلامی حکومت کو ذمہ دار ٹھہرایا کہ وہ جہاد کے ذریعہ اسلامی حکومت اور ارکانِ دین کی حفاظت کرے۔ کیونکہ صحابہؓ کے درمیان آپ نے یہ تقریر فرمائی اور کسی نے تنقید نہیں کی۔ اب ظاہر ہے کہ ابوبکر صدیقؓ فرائض تو پوری طرح ادا کرتے ہی تھے۔ اور بڑی سختی سے ادا کرتے تھے۔ علماء نے اس سے یہ بات نکالی کہ جمہوریت (یعنی اسلام کے دانشور نمائندے) جس بات پر متفق ہو جائیں وہ "حکم قطعی" ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خلیفہ ہوتے ہی کچھ لوگوں نے بیت المال میں زکوٰۃ بھیجنے سے انکار کر دیا۔ ان کے بارے میں آپ نے جہاد کا حکم فرمایا۔ صحابہ نے اعتراض کیا کہ جو مسلمان ہے نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے تو کیا صرف زکوٰۃ کے بیت المال میں جمع نہ کرنے پر اس سے جہاد کیا جائیگا۔ حضرت عمرؓ جیسا شخص بھی یہ اعتراض کر رہا تھا۔

حضرت صدیقؓ نے قرآن و حدیث کے حوالوں سے ثابت کیا کہ اس پر جہاد کیا جا سکتا ہے۔

پھر فرمایا "خدا کی قسم اگر تم نے ... تو میں ان سے جہاد کروں گا اور جو شخص اونٹ باندھنے کی رسّی بھی زکوٰۃ میں دیتا تھا اس سے وصول کر کے رہوں گا۔

نوٹ کیجئے۔ یہاں ۹۹ فیصد اکثریت ایک طرف اور ایک شخص ایک طرف لیکن وہ چونکہ قرآن سے ثابت کر رہا تھا اس لئے اکثریت کو ماننا پڑا۔

اس سے علماء اسلام نے یہ اصول نکالا کہ قرآن کے خلاف چاہے بڑی سے بڑی اکثریت ہو جائے لیکن اس اکثریت کی رائے مردود ہے۔ اگر اکثریت کی رائے شراب کی طرف دار ہو جائے تو اسے رد کر دیا جائے گا۔ اگر اکثریت اغلام بازی اور رضامندی کی زنا کو جائز کر دے تو بھی اسلامی ریاست میں حرام مردود ہی رہے گا۔

فرائض کا مقام تو بہت ہے۔ اس سے نیچے آ کر دیکھئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال سے قبل حضرت اسامہ بن زید رضؓ (عمر ۱۷ سال) کو سپہ سالار بنا کر بھیجا تھا۔ حضورؐ کا انتقال ہوا تو بڑے بڑے دانشور صحابہؓ نے رائے دی کہ اسامہؓ ایک غلام کے بیٹے ہیں اور نوعمر ہیں ان کے بدلے کسی تجربہ کار اور خاندانی صحابہ کو سپہ سالار بنایا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم! میں اس بات کو رد نہیں کر سکتا جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طے کر دیا۔ چاہے میں تنہا رہ جاؤں اور تنہا بھیڑیئے اور کتے میری بوٹیاں نوچ کھائیں۔

اس لشکر میں عمرؓ ابوعبیدہ جیسے صحابی اسامہؓ کے ماتحت کر دیئے گئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے نوجوان سپہ سالار سے خلافت کی ذمہ داری کے حوالے سے اجازت چاہی۔ جی ہاں اجازت چاہی کہ عمرؓ کو مشورے کے لئے میرے ساتھ رہنے دیجئے۔ حضرت اسامہؓ نے خوشی خوشی یہ بات مان لی۔

علمائے اسلام نے اس سے یہ اصول بنایا کہ حضورؐ کی طے شدہ بات کو رد نہیں کیا جا سکتا چاہے اکثریت اس کے خلاف ہو جائے اور نسل کی چھوٹائی بڑائی نہ سپہ سالاری کے لئے ضروری ہے اور نہ خلیفہ ہونے کے لئے۔ سنیئے۔ میں ایک بات اور عرض کرتا ہوں۔ اس پر علماء نے بحث نہیں کی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر حضورؐ کے انتقال کے وقت حضرت زیدؓ زندہ ہوتے تو حضورؐ ان کو خلیفہ بنا دیتے چونکہ یہ حضرت عائشہؓ کا قیاس تھا اس لئے علماء نے جرح نہیں کی لیکن اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ اسلامی ریاست کا خلیفہ اس طبقہ کا شخص ہو سکتا ہے جو غلام ہو۔ علماء نے اس پر بحث کی اور اسے تسلیم کیا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ خلافت کا کام بھی کرتے تھے اور روزی کمانے کے لئے کپڑے کا روزگار بھی کرتے تھے۔ ایک دن تھان لادے ہوئے بازار جا رہے تھے۔ راستے میں حضرت عمرؓ ملے۔ انھوں نے پوچھا۔ "یہ کیا۔؟" جواب دیا کہ بچوں کے رزق کے لئے کچھ کرنا بھی تو واجب ہے۔" حضرت عمرؓ وہیں سے حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح (خزانچی) کے پاس لے گئے۔ پھر مشورے کے بعد اتنا مشاہرہ مقرر ہو گیا جتنا ایک عام آدمی کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔ تمام صحابہؓ نے یہی پسند کیا۔

اس سے علماءِ اسلام نے یہ قانون بنایا کہ اسلامی ریاست کا خلیفہ اور دوسرے ذمہ دار عہدیدار اعزازی طور سے بھی کام کر سکتے ہیں اور ان کی تنخواہ بھی مقرر کی جا سکتی ہے۔ اس سلسلے میں تین ایسے واقعات سنیئے جو اسلامی قانون میں کوئی دفعہ نہ پا سکے۔ ایک بار حضرت ابوبکرؓ کی اہلیہ نے شوہر کی مرغوب چیز پکائی۔ پیسہ پیسہ جمع کرتی رہیں۔ اور جب اس چیز کے لائق رقم جمع ہوگئی تو پکا کر پیش کی۔ حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا "یہ کہاں سے؟" انھوں نے بتایا کہ پیسہ پیسہ ہر روز جوڑ کر مہینہ بھر میں اتنی رقم بچالی اور یہ چیز پکائی، تو وہ مرغوب غذا خیرات کر دی اور خزانچی کو لکھا کہ مشاہرہ میں اتنی کمی کر دی جائے۔

دوسرا واقعہ یہ کہ جب حضرت صدیق کا آخری وقت آیا تو ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کو بلایا۔ اور وصیت کی کہ جو مشاہرہ ریاست سے لیا گیا ہے اس کا حساب لگا کر میرے بعد بیت المال میں جمع کر دینا۔

تیسرا واقعہ یہ ہے کہ وفات سے پہلے فرمایا کہ نئے کپڑوں کے حقدار مُردے نہیں، زندہ لوگ ہیں۔ اس لئے مجھے میرے پرانے کپڑوں میں کفنانا۔"

یہ تینوں واقعے اُسوۂ صدیقی تو کہلائے لیکن علمائے اسلام نے ان کو قانون میں جگہ نہیں دی۔ حضرت ابوبکرؓ کم و بیش ڈھائی برس خلافت کا کام کر کے بیمار ہوئے جب یقین ہو گیا کہ اب موت کا وقت آ گیا تو حضرت عثمانؓ سے (جنھوں نے سب سے زیادہ آپ کی تیمار داری کی) وصیت لکھوائی اور اپنے بعد حضرت عمرؓ کو خلیفہ نامزد کر دیا اور تمام صحابہؓ نے اس نامزدگی کو قبول کر لیا۔

علمائے اسلام نے اس سے یہ اصول بنایا کہ اسلامی ریاست کا خلیفہ اپنے بعد خلیفہ نامزد کرنے کا حق رکھتا ہے کیونکہ تمام صحابہؓ نے اس نامزدگی کو قبول کر لیا تھا۔

● خلیفۂ دوم:۔ حضرت عمرؓ نے حضورؐ اور ابوبکرؓ کو حکومت کرتے دیکھا تھا۔ جس وقت وہ وہ خلیفہ ہوئے تو ان کی زبان سے نکلا کہ ابوبکرؓ نے سخت آزمائش میں ڈال دیا۔ یہ اشارہ ابوبکرؓ کی وصیت کے مطابق سارا مشاہرہ بیت المال میں جمع کر دینے کی طرف ہے۔ اور اس طرف کہ عمرؓ کو خلیفہ بنایا۔

حضرت عمرؓ نے دس بارہ سال خلافت کا کام کیا۔ اس عہد میں بہت سے نئے ملک اسلامی حکومت میں شامل ہوئے۔ بہت سے نئے نئے قانون بنے۔ حضرت عمرؓ کو بھی بیت المال سے گزارا ملتا تھا۔ حضرت عمرؓ کے عہد کے دو چار واقعات سنیئے تاکہ سمجھ میں آ جائے کہ اسلامی حکومت کے قانون ہیں کیا۔ میں صرف چند قانونی واقعات لکھوں گا۔ اسوۂ فاروقی نہیں۔

ایک بار مالِ غنیمت میں کچھ تھان آئے۔ کپڑا برابر سب کو بانٹا گیا۔ پھر پہلا جمعہ آیا تو حضرت عمرؓ خطبہ پڑھنے ممبر کی طرف چلے تو پیچھے سے ایک کرخت آواز بلند ہوئی۔ "ہرگز نہیں، آپ اس وقت تک ہمارے امام نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپ یہ اطمینان نہ دلا دیں کہ جو کپڑا آپ کو ملا ہے اس میں آپ کا یہ کرتہ کیسے بن گیا جبکہ آپ کا قد لمبا ہے۔"

حضرت عمرؓ ٹھہر گئے اور صرف اتنا کہا کہ اس کا جواب میرا بیٹا دے گا۔ پھر عبداللہ بن عمرؓ نے کھڑے ہو کر بتایا کہ میں نے اپنے حصے کا کپڑا امیر المومنین کو دیا ہے۔" اعتراض کرنے والے نے کہا۔ "ہاں، اب آپ امام بن سکتے ہیں۔"

چونکہ جمعہ میں تمام بڑے چھوٹے صحابہؓ موجود تھے۔ سب معترض کے اعتراض پر خاموش رہے۔ اس لئے علمائے اسلام نے یہ دفعہ قائم کی کہ خلیفہ کو شبہ کی بنا پر ٹوکا اور روکا جا سکتا ہے اور خلیفہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ پبلک کو مطمئن کرے۔ اسی سے حرام حلال کی بہت سی اور باتیں بھی علمائ نے نکالیں۔ اس سے فقہی بات یہ نکلی کہ خلیفہ خزانے کا مالک نہیں ہوتا بلکہ امین ہوتا ہے اور غلط طریقے سے یا اپنی ذات سے کسی کو اپنا گرویدہ یا طرفدار بنانے کے لئے بیت المال کی رقم خرچ نہیں کر سکتا۔

حضرت عمرؓ نے حضورؐ کو دیکھا تھا۔ حضرت صدیقؓ کو دیکھا تھا۔ کہ حضورؐ ہر بات میں اہل الرائے سے مشورہ لیا کرتے تھے "شُوْرٰی بَیْنَهُمْ" قرآن میں حکم بھی ہے اس لئے آپ نے باقاعدہ مجلسِ شوریٰ بنائی۔ اس مجلسِ شوریٰ کے لوگ بڑے عظیم صحابی تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ عبدالرحمٰن بن عوفؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، معاذ بن جبلؓ، ابی بن کعب۔ حضرت زید بن ثابت۔ عمرو بن العاصؓ۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم وغیرہ۔

ان میں سے جو موجود ہوتے انھیں بلا کر مشورہ کر لیا جاتا۔ اس سے علمار نے یہ دفعہ بنائی کہ خلیفہ کو باقاعدہ شوریٰ نامزد کرنے کا حق ہے۔ اور یہ بھی حق ہے کہ سب موجود نہ ہوں تو جو موجود ہوں ان سے مشورہ کیا جا سکتا ہے اور وہی کافی ہے۔ کوئی اہم بات ہوتی تو بہت سے لوگوں کو بلا لیا جاتا۔ علمار نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ اہم کام کے وقت بہت سے نمائندے بھی بلائے جا سکتے ہیں۔ چاہے وہ دور علاقے کے ہوں۔ اور مجلسِ شوریٰ کے چند دانشوروں سے مشورہ کر کے بھی حکم نافذ کیا جا سکتا ہے۔

ایک بار حضرتِ عمرؓ تقریر فرما رہے تھے۔ تقریر میں مہر کے لئے ایک لمٹ (انتہا) مقرر کرنی چاہی تو ایک بوڑھی عورت نے ڈانٹ کر کہا "عمر! جس چیز کی لمٹ رسول اللہ نے مقرر نہیں کی تو پھر تو کون ہے؟"

علمار اسلام نے اس سے یہ قانون بنایا کہ قرآن و حدیث کے خلاف خلیفہ اپنی رائے ٹھونس نہیں سکتا۔ کیونکہ حضرت عمرؓ نے اس بڑھیا کی تحسین کی تھی۔ اور صحابہؓ نے بھی اس اعتراض کو

لیا تھا۔

حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں اسلامی حکومت دور دور تک پھیل گئی تھی۔ حضرت عمرؓ ایسے
ں میں صحابہؓ میں سے کسی کو گورنر بنایا کرتے تھے۔ بعض صحابہؓ نام و نمود اور عزو جاہ سے ڈرتے تھے
کار کرتے تو عمرؓ قرآن کے حوالوں سے ان کو مجبور کرتے تھے اور صحابہؓ کو گورنر بن کر جانا پڑتا تھا
ت عمرؓ کہتے کہ اگر تم ہی لوگ میرا ساتھ نہ دو گے تو پھر غیر ذمہ دار لوگ حکومت پر قابض ہو جائیں
!

اس سے ایک اسلامی ضمنی قانون بنا کہ حکومت کی باگ ڈور صالح لوگوں کے ہاتھ میں ہونا چاہیے
ہ ایسے لوگ ہوں جن کو اس کی تمنا نہ ہو (میری سمجھ میں نہ آیا کہ اس کی حیثیت قطعی ہے یا یہ تقویٰ
تم)

حضرت عمرؓ نے ایک بار تقریر کی کہ گورنر اس لئے نہیں بھیجے جاتے کہ وہ رعایا کے گالوں پر طمانچے
ماریں بلکہ ان کا کام یہ ہے کہ وہ رعایا کے اندر دین کی باتیں پھیلائیں۔ تمام صحابہؓ نے سنا۔

اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ امیر وقت یا اس کے مقرر کردہ شخص پر واجب ہے کہ وہ ارکانِ اسلام
ادا کرنے میں خود امامت کرے یا جسے وہ قائم مقام بنائے تو اس پر بھی واجب ہو جاتا ہے (اس پر کئی حدیثیں
بھی دلیل کے طور پر ملتی ہیں) ایک بار حضرت ابی بن کعبؓ سے حضرت عمرؓ کو ایک مقدمہ لڑنا پڑا۔۔۔
دونوں عدالت میں گئے تو قاضی نے خلیفہ کی تعظیم کی۔ پھر کہا کہ خلیفہ سے قسم نہ لی جائے تو حضرت عمرؓ
نے فرمایا "قاضی نے مقدمہ شروع ہونے سے پہلے دو نا انصافیاں کیں؟" اس سے یہ دفعہ بنی کہ
کہ اسلامی عدالت میں خلیفہ اور ایک عام آدمی کے ساتھ برابر برتاؤ ہونا چاہیئے۔

ایک بار کچھ مسلمانوں کا وفد سرکاری دورے پر مصر گیا۔ حضرت عمرؓ کی بیوی نے مقوقس کی بیوی
کے لئے بطورِ تحفہ عطر بھیجا۔ بدلے میں مقوقس کی بیگم نے موتیوں سے بھرا ڈبہ بھیجا۔ عمرؓ نے موتی بیت المال
میں جمع کروا دیئے۔ اور بقدر قیمت عطر رقم اپنی بیوی کو بھیجدی۔ بیوی نے اعتراض کیا کہ یہ تحفہ میرے

نام ہے آپ کو کیا حق ہے؟ فرمایا "وفد سرکاری تھا۔ اور تم ہو خلیفہ کی بیوی "یہ اہلیہ محترمہ تھیں ام کلثومؓ حضرت علیؓ کی بیٹی۔ حضرت علیؓ نے یہ فیصلہ سنا تو مسکرائے اور عمرؓ کی تعریف کی لے

قانون کو پھر دفعہ ملی کہ اس طرح کے تحفے بیت المال کا حصہ ہیں۔ ایسا ہی ایک واقعہ بیٹے کے معاملے میں پیش آیا تھا۔

واقعات بہت ہیں کہاں تک لکھوں۔ سمجھانا یہ ہے کہ اسلامی حکومت کا قانون قرآن وسنت اور اہل الرائے متقی اور صالح بزرگوں کے اتفاق سے بنایا جاتا ہے۔ صرف جزیہ کے بارے میں ایک دفعہ اور سن لیجیے۔

شام کی لڑائیوں میں سے ایک لڑائی کا واقعہ یوں ہے کہ مسلمانوں نے حمص کا قلعہ فتح کیا تو وہاں کے عیسائیوں سے جزیہ وصول کیا۔ جزیہ کا مطلب ابھی سمجھ میں آجائے گا۔ پھر سپہ سالار کو ضرورت محسوس ہوئی کہ قلعہ چھوڑ دیا جائے۔ سپہ سالار اسلام نے وہاں کے عیسائیوں کو جمع کیا اور کہا کہ ہم نے جزیہ کی رقم اس لئے تم سے لی تھی کہ اس سے تمہاری حفاظت کر سکیں لیکن ہم اسے چھوڑ رہے ہیں۔ ہم نے جو رقم وصول کی تھی اُسے واپس لو۔ تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ رقم واپس لیتے وقت وہاں کے لوگ روتے تھے اور کہہ رہے تھے کہ خدا تم کو پھر واپس لائے واضح رہے کہ یہ لڑائی عیسائیوں اور مسلمانوں میں ہو رہی تھی۔ چنانچہ جزیہ کی ایک دفعہ بن گئی جو قیامت تک ایسے موقعوں پر اپنا سنگ دکھاتی رہے گی۔

اس طرح دس بارہ برس حضرت عمرؓ نے خلافت کے فرائض انجام دیئے۔ ایک دن ایک پارسی

لے انگریزی حکومت میں ہم نے دیکھا کہ ملک کے نواب اور راجہ وائسرائے اور گورنروں کی مسنر صاحبہ کو تحفہ دیا کرتے تھے اور انگریزی حکومت اسے جائز سمجھتی تھی۔ ہاں وائسرائے یا گورنروں کے فنڈ میں جو روپیہ آتا۔ وہ سرکاری سمجھا تا۔

نے آپ کو زخمی کر دیا۔ بچنے کی امید نہ رہی تو چھ آدمیوں کو خلیفہ ہونے کے لئے نامزد کر دیا کہ ان میں سے کسی کو چن لینا۔ تمام صحابہؓ نے یہ فیصلہ مان لیا۔ اس سے یہ دفعہ بنی کہ خلیفۂ وقت کئی آدمیوں کو بھی خلیفہ نامزد کر سکتا ہے۔

● خلیفۂ سوم و چہارم :۔ حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے اور ان کے بعد حضرت علیؓ۔ ان بزرگوں نے بھی خلافت کا کام قرآن و سنت کے مطابق کیا۔ حضرت عثمانؓ مالدار تھے۔ انھوں نے "کفاف" نہیں لیا۔ اعزازی کام کرتے رہے۔ حضرت ابوبکرؓ، عمر فاروق، حضرت عثمانؓ اور علیؓ کے عہد خلافت کو خلافتِ راشدہ کہا جاتا ہے کیونکہ ان چاروں خلفاء نے قرآن و سنت سے ہٹ کر کوئی کام نہیں کیا۔ حضرت علیؓ کے بعد حضرت معاویہؓ نے خلافت سنبھالی۔ ان کے عہدِ حکومت میں دو نئی باتیں ہوئیں۔ وہ بیت المال کی رقم اپنی مرضی سے صرف کرنے لگے۔ اور اپنے لوگوں کو آگے بڑھانے لگے۔ نیز انھوں نے اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ نامزد کر دیا جبکہ بہت سے بزرگ صحابہؓ موجود تھے۔ ان پر یہ الزام لگایا گیا کہ انھوں نے اسلامی حکومت میں جاگیرداری کی بنا ڈالی۔ بیت المال پر اپنا قبضہ کر لینے اور بیٹے کو نامزد کر دینے کو آج تک مسلمانوں نے معاف نہیں کیا۔ اور جب کوئی اسلامی تاریخ لکھتا ہے تو ان دو باتوں پر ضرور تنقید کرتا ہے۔ اسی لئے ان کی عظیم خدمات کے باوجود ان کو خلافتِ راشدہ میں شامل نہیں کیا گیا اور ملوکیت کی چھاپ لگا دی گئی۔ مسلمان مؤرخ جب بھی عہدِ معاویہ پر رائے دیتا ہے تو ان کی ساری باتوں کی تعریف کرتا ہے لیکن ان دو باتوں میں ان کو نہیں بخشتا۔ جبکہ اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ نامزد کرنے کی بات حرام نہیں ہے۔ حضرت حسینؓ نے بھی حرام نہیں فرمایا۔ ان کا اعتراض یہ تھا کہ یزید کا انتخاب جبراً کیا گیا ہے۔

خلافت کے فوائد کے متعلق بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ میں صرف گاندھی جی کا ایک قول پیش کر کے آگے بڑھتا ہوں۔ جب ہندوستان آزاد ہوا اور کانگریس کی حکومت بنی تو گاندھی جی نے کانگریسیوں کو نصیحت کی کہ اب ابوبکرؓ و عمرؓ کی طرح حکومت کرنا۔ اس سے خود سمجھ لیجئے کہ خلافت کی برکتیں کیا

تھیں۔ ایک مورخ لکھتا ہے کہ اسلامی حکومت کی برکتیں دیکھ کر لوگ اتنی تعداد میں مسلمان ہوئے کہ اتنی تعداد میں اس سے پہلے مسلمان نہیں ہوئے۔

میرا خیال ہے کہ تمام سوالات کے جوابات اوپر آچکے۔ اب صرف باقی یہ رہا کہ جماعتِ اسلامی ہند کس طرح الیکشن کر کے اپنا امیر چنتی ہے۔؟

جماعتِ اسلامی ہند

یہ بات ہمیشہ جماعتِ اسلامی ہند کے پیشِ نظر رہی کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد دنیا کے عظیم ترین انسان صحابہ کرامؓ تھے۔ صحابہؓ کے بعد جو جماعت بنے گی وہ "الجماعۃ" نہیں کہی جا سکتی۔ جماعت اسلامی ہند "الجماعۃ" نہیں ہے۔ اس جماعت میں کسی کو نہیں معلوم کہ کب کوئی عظیم لیاقت والا شخص اس جماعت میں آجائے[1] اسی لئے شاید جماعت کے دستور میں یہ دفعہ رکھی گئی ہے کہ ہر میقات کے بعد امیر جماعت اسلامی ہند کا نیا انتخاب ہوگا[2]

خیر۔ سنئے کہ امیر کا انتخاب کیسے ہوتا ہے؟ دستور جماعت میں امیر کے لئے ان ہی اوصاف کی نشاندہی کی گئی ہے جو اوپر بتائے جا چکے۔ یعنی جو سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہو اور نظمِ جماعت کو قرآن و حدیث کی روشنی میں چلانے کی اہلیت رکھتا ہو وغیرہ ملاحظہ ہو۔ دستور جماعت اسلامی ہند میقات ختم ہونے کے بعد ہر حلقہ میں سرکلر بھیج دیا جاتا ہے کہ ہر حلقہ سے اتنے نمائندے چننا ہیں۔ ان کا کوٹہ مقرر کر دیا جاتا ہے۔ ہر حلقہ کے ارکان اپنے حلقہ کے نمائندے کو چنتے ہیں۔ آج کل ان کی تعداد ۱۰۳ ہے۔ یہ نمائندے جماعت اسلامی ہند کی نظر میں منتخب اہل الرائے ہوتے ہیں۔ یہ سب ایک مقررہ تاریخ پر ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔ نمائندوں کو حق دیا جاتا ہے کہ جس شخص کو اپنا

---

[1] میں نے یہ بات سنی ہے کہ مولانا زکریا قدوسی جب رکنِ جماعت ہوئے تو مولانا ابو اللیث صاحب ان کے حق میں دستبردار ہو جانا چاہتے تھے۔ یہ بات مولانا ابو اللیث صاحب سے پوچھنے کی میں ہمت نہ کر سکا (م)

[2] میں بذاتِ خود اس رائے کے حق میں نہیں ہوں۔ میری رائے یہ ہے کہ جماعت کا امیر بار بار نہ بدلا جائے

امیر چننا چاہتے ہیں اس کے لئے کوئی تحریک کریں۔ محرکین نام پیش کرتے ہیں۔ ایسے ناموں کے لئے تائید ضروری ہے۔ فرض کیجئے کہ پانچ آدمیوں کا نام نمائندوں نے دیا تو ان نمائندوں کے نامزد کردہ صاحبان کو نمائندگان کی مجلس سے ہٹا دیا جاتا ہے۔ ان کی عدم موجودگی میں ان پر تنقیدیں ہوتی ہیں۔ اس سے نمائندگان کی رائیں بنتی ہیں اور وہ اہل تر شخص کے قریب پہنچ جاتے ہیں۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ جو امارت کا متمنی ہوگا۔ اُسے امیر نہیں بنایا جائے گا۔ جس شخص کو نمائندگان نامزد کر دیں گے اس شخص کو اپنا نام واپس لینے کا حق نہیں ہے۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ پھر ایک رکنِ جماعت پر امارت کے لئے اتفاق ہو جاتا ہے ورنہ کوشش یہ ہوتی ہے کہ آخر میں دو کے لئے ووٹ لئے جائیں۔ عام طور سے دو پر ضرور اتفاق ہو جاتا ہے۔ اب بند ووٹ لیا جاتا ہے۔ کثرت رائے جسکی طرف ہوتی ہے اس کا انتخاب امارت کے لئے ہو جاتا ہے۔ ایسے منتخب شخص کو یہ حق نہیں کہ امارت سنبھالنے سے انکار کرے۔ وہ عذر تو پیش کر سکتا ہے لیکن اسے مجبور کیا جاتا ہے اور اسے یہ ذمہ داری سنبھالنا ہی پڑتی ہے۔ اگر کسی عذر کے بغیر وہ انکار کرے تو یہ نمائندگان کی توہین اور قطعی فیصلے سے انحراف ہے۔ اسلئے اسے بنیادی رکنیت سے خارج بھی کیا جا سکتا ہے۔

اب آپ دستور جماعت اسلامی ہند پڑھ لیجئے۔ اور جماعت کے الیکشن کے طریقے پر تنقید کر کے دیکھ لیجئے۔ یہ بھی دیکھئے کہ یہ طریقہ قرآن و سنت اور صحابہؓ کے فیصلوں سے کس حد تک مطابق ہے۔ نیز جو کچھ اور دفعات بطورِ تشریح بتائی گئی ہیں وہ تشریح کس حد تک مناسب ہے؟۔

دستور

حصہ سوم

نظام جماعت

نوعیت دفعہ ۱۰:- جماعتِ اسلامی ہند کا نظام شورائی ہوگا اور تنظیمی لحاظ سے مرکزی حلقہ وار اور مقامی نظاموں پر مشتمل ہوگا۔ نیز امیرِ جماعت حسب ضرورت دوسرے علاقائی نظام بھی مرکزی مجلسِ شوریٰ کے مشورے سے قائم کرسکتا ہے۔

مرکزی نظام

اجزاء دفعہ ۱۱:- مرکزی نظام حسبِ ذیل اجزاء پر مشتمل ہوگا:-

(۱) مجلسِ نمائندگان (۲) امیرِ جماعت (۳) مرکزی مجلسِ شوریٰ (۴) قیمِ جماعت

۱- مجلسِ نمائندگان

تشکیل دفعہ ۱۲:- اس جماعت کی ایک مجلس نمائندگان ہوگی جو ارکان جماعت کے منتخب نمائندوں اور امیرِ جماعت اور قیم جماعت پر مشتمل ہوگی۔

دفعہ ۱۳:- مجلس نمائندگان کے لئے منتخب کئے جانے والے نمائندوں کا طریقِ انتخاب حسبِ ذیل ہوگا:-

دس ارکان کا انتخاب تمام ارکانِ جماعت پوری جماعت میں سے غیر علاقائی بنیاد پر کریں گے اور یہ انتخاب پہلے عمل میں آئے گا۔ اس کے بعد ہر تنظیمی حلقہ سے ایک نمائندہ منتخب کرایا جائے گا بشرطیکہ اس حلقہ کے ارکانِ جماعت کی تعداد ۳۰ سے زائد نہ ہو اور اگر ارکان کی تعداد ۳۰ سے زیادہ ہو تو ہر ۳۰ یا اس کے نصف سے زائد پر ایک نمائندہ منتخب کرایا جائے گا۔

دفعہ ۱۴ (الف):- مجلس کے انتخاب کے وقت جو شخص جماعت کی امارت کے فرائض انجام دے رہا ہو، اس کا یہ منصب امارت اس کے رکنِ مجلس منتخب کئے جانے میں مانع نہ ہوگا۔

(ب) اگر امیرِ جماعت مجلس کا رکن منتخب ہو جائے تو امارت کے نئے انتخاب تک کی عارضی مدت میں جب کہ مجلس کے ارکان میں ایک رکن کی کمی رہ جائے گی مزید ایک رکن کے انتخاب کی ضرورت نہ ہوگی۔

رکنیت کے لئے مطلوبہ صفات

دفعہ ۱۵:- مجلسِ نمائندگان کی رکنیت کے لئے کسی کو منتخب کرنے میں حسبِ ذیل اوصاف کو ملحوظ رکھا جائیگا۔

(۱) وہ مجلس نمائندگان کی رکنیت یا کسی اور جماعتی منصب کا امیدوار یا خواہشمند نہ ہو۔

(۲) فہمِ دین، تقویٰ، امانت داری، تدبر و اصابتِ رائے، معاملہ فہمی، تحریکِ اسلامی کی مزاج شناسی اور اس سے وابستگی، دستورِ جماعت کی پابندی، نیز راہِ خدا میں استقامت کے لحاظ سے بحیثیتِ مجموعی اپنے حلقۂ ارکان کے ارکانِ جماعت میں بہتر ہو۔

مدتِ کارکردگی

دفعہ ۱۶:- (الف) مجلسِ نمائندگان کا انتخاب چار سال کے لئے ہوگا۔

(ب) ایک مجلسِ نمائندگان کی مدت کارکردگی ختم ہونے سے قبل نئی مجلس نمائندگان کا منتخب ہو جانا ضروری ہے۔ لیکن اگر کسی شدید مجبوری کی بنا پر چار سال کی مدت ختم ہونے تک نیا انتخاب نہ ہو سکے تو موجودہ مجلس نئی مجلس کے منتخب ہونے تک برقرار رہے گی۔

اختیارات

دفعہ ۱۷:- مجلسِ نمائندگان کے اختیارات حسبِ ذیل ہوں گے:۔

(۱) امیرِ جماعت کا انتخاب اور معزولی (۲) امیرِ جماعت کے استعفے کی بابت فیصلہ (۳) مرکزی مجلسِ شوریٰ یا اس کے کسی رکن کا انتخاب یا معزولی۔ (۴) امیرِ جماعت اور مرکزی مجلسِ شوریٰ کے درمیان اختلافی امور کی بابت فیصلہ (دفعہ ۳۹ ج) (۵) دستورِ جماعت میں ترمیم سے متعلق مرکزی مجلسِ شوریٰ کی سفارشات اور مجلس نمائندگان یا امیرِ جماعت کی تجاویز پر غور اور فیصلہ (دفعہ ۷۳، ۷۴) (میقاتی پروگرام کی روشنی میں گزشتہ چہار سالہ کاموں کا جائزہ۔

اجلاس

دفعہ ۱۸:- (الف) مجلسِ نمائندگان کا اجلاس معمولاً اپنی مدتِ کارکردگی کے شروع ہونے پر زیادہ سے زیادہ ایک ماہ کے اندر ہوگا۔

(ب) اس مجلس کا غیر معمولی اجلاس بوقتِ ضرورت طلب کیا جا سکے گا۔ (ج) مجلسِ نمائندگان کے اجلاس کے وقت امیرِ جماعت اور قیمِ جماعت مجلس کے صدر اور معتمد ہوں گے، لیکن جس وقت امیرِ جماعت کی ذات سے متعلق کسی مسئلہ پر غور ہو تو مجلس اس کے بجائے اپنے میں سے کسی اور شخص کو مجلس کا عارضی صدر منتخب کرے گی۔

حاضری کا نصاب | دفعہ ۱۹۔ مجلس نمائندگان کا نصاب حاضری (کورم) اس کے کل ارکان کے ساٹھ فیصد پر مشتمل ہوگا۔ لیکن اگر کوئی اجلاس نصاب پورا نہ ہونے کی وجہ سے ملتوی کرنا پڑے تو دوسرے اجلاس کے لئے کوئی نصاب نہ ہوگا۔

تشریح:۔ اگر کسی معاملے میں بعض ارکان مجلس کو حسب دفعہ ۱۲ رائے دینے کا حق نہ ہو تو نصاب حاضری ان کو مستثنیٰ کر کے بقیہ ارکان کے ساٹھ فیصد پر مشتمل ہوگا۔

فیصلے کا طریقہ | دفعہ ۲۰۔ کوشش کی جائے گی کہ مجلسِ نمائندگان کے فیصلے اتفاقِ رائے سے ہوں۔ بصورتِ دیگر فیصلہ کثرتِ آرا سے ہوگا۔ لیکن اگر کسی مسئلہ میں رائے برابر منقسم ہو جائیں تو فیصلہ ان رایوں کے مطابق ہوگا جن میں صدر مجلس کی رائے شامل ہو۔

تشریح:۔ دستور میں ترمیم اور عزل امیر یا عزلِ مرکزی مجلس شوریٰ کے سلسلے میں فیصلہ صرف حاضر ارکان کی اکثریت سے نہ ہوگا، بلکہ مجلس کے ان تمام ارکان کی کم از کم ۵۱ فیصد اکثریت سے ہوگا جن کو حسب دفعہ ۱۲ رائے دینے کا حق حاصل ہو اور اس کے لئے بشرطِ ضرورت غیر حاضر ارکان کی تحریری رائیں بھی حاصل کر لی جائیں گی۔

دفعہ ۲۱:۔ اگر مجلسِ نمائندگان کسی ایسے مسئلہ پر غور کر رہی ہو جس کا تعلق مرکزی مجلسِ شوریٰ کے کسی رکن کی، یا مرکزی مجلسِ شوریٰ کی یا امیرِ جماعت کی معزولی یا امیر جماعت کے استعفے سے ہو تو اس مسئلہ پر متعلقہ شخص یا اشخاص کو رائے دینے کا حق نہ ہوگا۔

۲۔ امیرِ جماعت

حیثیت | دفعہ ۲۲۔ جماعت اسلامی ہند کا ایک امیر ہوگا جس کی حیثیت "امیر المومنین" بہ اصطلاح

معروف کی نہ ہوگی بلکہ صرف اس جماعت کے رہنما کی ہوگی۔ ارکانِ جماعت اس کی اطاعت فی المعروف کے پابند ہوں گے۔ جماعت کی دعوت اپنے امیر کی شخصیت یا امارت کی طرف نہ ہوگی بلکہ اپنے عقیدے اور نصب العین کی طرف ہوگی۔

امارت کے لئے مطلوبہ صفات | دفعہ ۲۳:- امیر جماعت کے انتخاب میں حسب ذیل اوصاف کو ملحوظ رکھا جائے گا۔

(۱) وہ امارت یا کسی اور جماعتی منصب کا امیدوار یا خواہش مند نہ ہو۔ (۲) علم کتاب و سنت تقویٰ دینی بصیرت، امانت و دیانت، تدبر و اصابت رائے، عزم و حزم، معاملہ فہمی اور قوت فیصلہ، حلم و بردباری تحریک اسلامی کی مزاج شناسی اور اس سے وابستگی، دستور جماعت کی پابندی، راہِ خدا میں استقامت اور متعلقہ ذمہ داریوں کو انجام دینے کی صلاحیت کے لحاظ سے بحیثیت مجموعی جماعت میں سب سے بہتر ہو۔

انتخاب | دفعہ ۲۴:- (الف) امیر جماعت کا انتخاب مجلس نمائندگان کرے گی۔ (ب) امارت کا انتخاب عام حالات میں لازماً مجلسِ نمائندگان کے اجلاس میں ہوگا۔ تحریری رایوں کے ذریعہ انتخاب صرف غیر معمولی حالات میں ہو سکے گا۔ (ج) ضروری ہوگا کہ ہر مجلس نمائندگان اپنی مدتِ کارکردگی کے شروع ہونے پر زیادہ سے زیادہ ایک ماہ کے اندر امارت کا نیا انتخاب کر دے۔ (د) ایک ہی شخص کو امارت کے لئے بار بار منتخب کیا جا سکتا ہے۔

دفعہ ۲۵:- اگر امارت کی جگہ اچانک کسی وجہ سے خالی ہو جائے اور امیر جماعت اس موقف میں ہو کہ کسی شخص کو عارضی طور پر امیر جماعت نامزد کر دے تو وہ ایسا کر دے گا۔ بصورتِ دیگر مرکز میں موجود ارکان مرکزی مجلسِ شوریٰ باہمی مشورے سے اپنے میں سے کسی کو عارضی امیر منتخب کر لیں گے اور اگر مرکز میں مجلسِ شوریٰ کا ایک ہی رکن موجود ہو تو وہ عارضی طور پر امارت کی ذمہ داری سنبھال لے گا۔ بصورتِ دیگر مرکز میں موجود ارکان جماعت کثرت رائے سے عارضی امیر کا انتخاب کر لیں گے۔ امارت کا یہ عارضی انتظام زیادہ سے زیادہ چار ماہ کے لئے ہوگا۔ اور اس مدت کے ختم ہو جانے سے پہلے یہ ضروری ہوگا کہ مجلسِ نمائندگان حسب

۲۴ (الف)، و (ب)، امیر کا انتخاب کرے۔ امارت کا نیا انتخاب عارضی ہوگا اِلّا یہ کہ مجلسِ نمائندگان مصالحِ جماعت یا ضرورت کے پیشِ نظر اس انتخاب کو مستقل کرنے کا فیصلہ کرے۔

دفعہ ۲۶:۔ (الف) اگر امیر جماعت کے لئے عارضی طور پر اپنے فرائض سے از خود سبکدوش ہونا ضروری ہو، یا وہ مرکزِ جماعت سے کسی ضرورت کے تحت غیر حاضر ہو رہا ہو تو اسے اختیار ہوگا کہ وہ اس مدت کے لئے کسی کو اپنا قائم مقام کر دے۔ (ب) اس تقرر کی میعاد ایک سال سے زیادہ نہ ہوگی۔ اور تین ماہ سے زائد ہونے کی صورت میں اس کے لئے مرکزی مجلسِ شوریٰ کی توثیق ضروری ہوگی۔

تشریح:۔ کسی شخص کے "عارضی امیر" یا "قائم مقام امیر" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مستقل امیر کے آجانے پر اس شخص کی امارت خود بخود ختم ہو جائے گی۔

مدتِ کارکردگی | دفعہ ۲۷:۔ کوئی امیر جماعت اس وقت تک اپنے منصب پر برقرار رہے گا جب تک کہ حسب دفعہ ۲۴ (الف) و (ب) یا حسب دفعہ ۲۵، نیا امیر امارت کی ذمہ داری نہ سنبھال لے۔

فرائض و اختیارات | دفعہ ۲۸:۔ امیر جماعت کے فرائض و اختیارات حسبِ ذیل ہوں گے:۔

(۱) نظمِ جماعت اور تحریک کو چلانے کی آخری ذمہ داری امیرِ جماعت پر ہوگی۔ (۲) جماعت کی پالیسی کی تشکیل اور ان تمام اہم معاملات کے فیصلے جو مختلف فیہ ہو سکتے ہوں یا جن کا جماعت کی پالیسی یا اس کے نظم پر قابلِ لحاظ اثر پڑتا ہو، امیر جماعت مجلسِ شوریٰ کے مشورے سے کرے گا۔ (۳) امیرِ جماعت کے لئے لازم ہوگا کہ:۔

(۱) اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت و وفاداری کو ہر چیز پر مقدم رکھے۔ (۲) امیرِ جماعت کے مقصد و نصب العین کی دل و جان سے خدمت کو اپنا اوّلین فرض سمجھے۔ (۳) وہ اپنی ذات اور ذاتی فائدوں پر جماعت کے مفاد اور اس کے کام کی ذمہ داریوں کو ترجیح دے۔ (۴) ارکانِ جماعت کے درمیان ہمیشہ عدل و دیانتداری کے ساتھ فیصلہ کرے۔ (۵) جماعت کی جو امانتیں اس کی تحویل میں ہوں،

ان کی پوری پوری حفاظت کرے۔ (۹) اس دستور کا خود پابند رہے۔ اور اس کے مطابق نظمِ جماعت کو قائم رکھنے کی پوری کوشش کرے۔

۴ (الف) امیرِ جماعت کے اختیارات حسب ذیل ہوں گے:۔

(۱) اگر کسی اہم معاملے میں فوری طور پر قدم اٹھانا ناگزیر ہو اور مرکزی مجلس شوریٰ کے تمام ارکان سے تحریری طور پر بھی رائے لینے کا موقع نہ ہو تو امیرِ جماعت جن ارکانِ مرکزی مجلسِ شوریٰ سے بھی بروقت مشورہ لے سکتا ہو۔ ان کے مشورے سے فیصلہ کر کے کوئی قدم اٹھا سکتا ہے۔ البتہ مرکزی مجلسِ شوریٰ کا اجلاس ہونے پر امیرِ جماعت اس میں اس فیصلہ کو توثیق کے لئے پیش کرے گا۔ (تشریح دفعہ ۲۹) (۲) جماعت کے جملہ انتظامی معاملات کی انجام دہی۔ (۳) جماعت کے مفاد میں مرکزی مجلسِ شوریٰ کی عائد کردہ پابندیوں (اگر کوئی ہوں) کے تحت جماعت کی املاک میں تصرف کرنا اور جماعت کی طرف سے منقولہ و غیر منقولہ املاک کی خرید فروخت تبادلہ، ان املاک کو بطور عطیہ دینا یا ان کی کسی اور طرح منتقلی عمل میں لانا۔ (۴) جماعت میں ارکان کے داخلے کی منظوری دینا (دفعہ ۷) اور جماعت سے ارکان کو خارج کرنا۔ (دفعہ ۶۹) (۵) حسب ضرورت علاقائی انتظام اور تنظیمی حلقے قائم کرنا (دفعہ ۱۰ اور دفعہ ۴۵ الف) (۶) بوقت ضرورت عارضی امیر یا قائم مقام امیر نامزد کرنا۔ (دفعہ ۲۵۔ ۲۶ الف) (۷) مجلسِ نمائندگان کا معمولی و غیر معمولی اجلاس طلب کرنا (دفعہ ۱۸ الف و ب) (۸) مجلس نمائندگان کے اجلاس کی صدارت کرنا۔ (دفعہ ۱۸ ج) (۹) مجلسِ نمائندگان میں رائے برابر ہونے پر فیصلہ کرنا (دفعہ ۲۰) (۱۰) مرکزی مجلس شوریٰ کے معمولی و غیر معمولی اجلاس طلب کرنا (دفعہ ۳۵ الف، ب و ج) (۱۱) مرکزی مجلسِ شوریٰ کے اجلاس کی صدارت کرنا (دفعہ ۳۵ د) (۱۲) اگر مرکزی مجلسِ شوریٰ میں کسی مسئلہ میں اتفاقِ رائے نہ ہو سکے تو ارکانِ مرکزی مجلسِ شوریٰ کی ایک تہائی سے زائد رایوں کے ساتھ فیصلہ کرنا۔ (دفعہ ۳۹ ب) (۱۳) غیر ارکان مرکزی مجلسِ شوریٰ کو مجلس میں شرکت کی اجازت دینا (دفعہ ۴۰) (۱۴) قیم جماعت کا تقرر اور اسے ہدایات دینا۔ (دفعہ ۴۲ و ۴۴) (۱۵) امرائے حلقہ کا تقرر اور ان کے کاموں کی نگرانی (دفعہ ۴۶ الف و ب) (۱۶) حلقوں کی مجالسِ شوریٰ کے فیصلوں کی توثیق کرنا (دفعہ ۵۱)

(۱۷) مقامی جماعتوں کے لئے امراء کا تقرر کرنا (دفعہ ۵۳) (۱۸) مفادِ جماعت کے تحت کسی بیت المال کو مرکزی بیت المال میں ضم کر لینے کا فیصلہ کرنا۔ (دفعہ ۵۷ ب) (۱۹) منفرد ارکان کی زکوٰۃ وغیرہ کے سلسلے میں مناسب ضابطے بنانا (تشریح دفعہ ۸۵) (مرکزی بیت المال سے جماعتی کاموں پر رقم صرف کرنا (دفعہ ۵۹) (۲۱) امرائے حلقہ کے بیت المال کے مصارف پر نظر رکھنا (دفعہ ۶۱ ب) (۲۲) بیت المال کے قواعد وضوابط مرتب کرنا (دفعہ ۶۴) (۲۳) جملہ اصحاب منصب کے استعفوں کے بارے میں فیصلہ کرنا (دفعہ ۶۵ الف) (۲۴) قیم جماعت، امرائے حلقہ اور مقامی امراء کی معزولی (دفعہ ۶۷) (۲۵) جماعت کے کاموں کی انجام دہی کے لئے کارکنوں کا تقرر، ان کے فرائض کا تعین اور ان کی برطرفی۔ (۲۶) ارکان جماعت کو معطل کرنا (دفعہ ۶۹ ب) (۲۷) ماتحت جماعتوں کو معطل کرنا یا توڑنا (دفعہ ۷۰) (۲۸) ذیلی قواعد کا مرتب کرنا (دفعہ ۱۷) (۲۹) مجلس نمائندگان کے اجلاس میں ترمیم دستور کے متعلق کوئی تجویز پیش کرنا (دفعہ ۴۷)

(ب) امیر جماعت ان اختیارات کو جس طرح خود استعمال کر سکتا ہے اسی طرح اپنے ماتحت کارکنوں کی وساطت سے بھی استعمال کر سکے گا۔

تشریح:۔ یہ اختیارات جس طرح مستقل امیر کو حاصل ہوں گے۔ اسی طرح عارضی امیر کو بھی حاصل ہونگے البتہ قائم مقام امیر کو صرف وہ اختیارات حاصل ہوں گے جنھیں امیر جماعت نے اسے تفویض کر دیا ہو۔

۳۔ مرکزی مجلس شوریٰ

حیثیت | دفعہ ۲۹:۔ امیر جماعت کی امداد اور مشورے کے لئے ایک مرکزی مجلس شوریٰ ہوگی جس سے امیر جماعت ان تمام اہم معاملات میں مشورہ لے گا جو مختلف فیہ ہو سکتے ہوں یا جن کا جماعت کی پالیسی یا اس کے نظم پر قابل لحاظ اثر پڑتا ہو۔

تشریح:۔ اگر کسی معاملے میں فوری طور پر قدم اٹھانا ناگزیر ہو، اور مرکزی مجلس شوریٰ کے تمام سے تحریری طور پر رائے لینے کا موقع نہ ہو تو امیر جماعت جن ارکان مرکزی مجلس شوریٰ سے بھی مشورہ لے سکتا ہو، ان کے مشورے سے فیصلہ کر کے کوئی قدم اٹھا سکتا ہے۔ البتہ مرکزی مجلس شوریٰ کا

ہونے پر امیر جماعت اس میں اس فیصلے کو توثیق کے لئے پیش کرے گا۔

تشکیل | دفعہ ۳۰:۔ اس مجلس کے کل ارکان کی تعداد انیس (۱۹) ہوگی جن میں سے اٹھارہ (۱۸) کا انتخاب مجلس نمائندگان اپنے میں سے کرے گی۔ اور انیسواں رُکن قیم جماعت بحیثیت عہدہ ہوگا۔

تشریح:۔ ارکان مرکزی مجلسِ شوریٰ اس مجلسِ نمائندگان کے بھی بدستور رکن رہیں گے جس کے اندر سے ان کا انتخاب ہوا ہو۔

دفعہ ۳۱:۔ مرکزی مجلس شوریٰ کا انتخاب ہر نئی مجلس نمائندگان کی مدت کارکردگی کے شروع ہونے سے زیادہ سے زیادہ دو ماہ کے اندر ہو جانا ضروری ہے۔

رکنیت کے لئے مطلوبہ صفات | دفعہ ۳۲:۔ مرکزی مجلسِ شوریٰ کی رکنیت کے لئے کسی کو منتخب کرنے میں حسب ذیل اوصاف کو ملحوظ رکھا جائے گا۔

(۱) مرکزی مجلسِ شوریٰ کی رکنیت یا کسی اور جماعتی منصب کا امیدوار یا خواہشمند نہ ہو۔ (۲) فہم دین تقویٰ، امانت داری، تدبر و اصابتِ رائے، معاملہ فہمی، تحریکِ اسلامی کی مزاج شناسی اور اس سے وابستگی، دستور جماعت کی پابندی اور راہِ خدا میں استقامت کے لحاظ سے بحیثیت مجموعی مجلسِ نمائندگان کے ارکان میں بہتر ہو۔

مدتِ کارکردگی | دفعہ ۳۳:۔ ہر مرکزی مجلسِ شوریٰ اس وقت تک برقرار رہے گی جب تک حسب دفعہ ۳۰ و ۳۱ مرکزی نئی تشکیل نہ ہو جائے۔

دفعہ ۳۴:۔ اگر مرکزی مجلسِ شوریٰ کی کوئی نشست عارضی مدت کے لئے خالی ہو جائے تو اسے حسب ضابطہ پُر کرالیا جائے گا اور یہ انتخاب عارضی ہوگا۔

اجلاس | دفعہ ۳۵:۔ (الف) مرکزی مجلسِ شوریٰ کا اجلاس معمولاً سال میں ایک بار ہوا کریگا اور دو اجلاس کے درمیان پندرہ ماہ سے زیادہ فصل نہ ہوگا (ب) مرکزی مجلس شوریٰ کا غیر معمولی اجلاس امیر جماعت ہر وقت طلب کر سکتا ہے۔ (ج) مرکزی مجلس شوریٰ کے پانچ ارکان اگر امیر جماعت سے ا

طلب کئے جانے کا تحریری مطالبہ کریں تو بھی مجلس کا غیر معمولی اجلاس جلد از جلد بلانا ضروری ہوگا۔

حاضری کا نصاب | دفعہ ۳۶:- مرکزی مجلس شوریٰ کا نصاب حاضری دس ارکان پر مشتمل ہوگا لیکن اگر کوئی اجلاس نصاب پورا نہ ہونے کی وجہ سے ملتوی کرنا پڑے تو دوسرے اجلاس کے لئے کوئی نصاب نہ ہوگا۔

کارروائی | دفعہ ۳۷:- مرکزی مجلسِ شوریٰ کے ہر معمولی اجلاس میں حسبِ ذیل چیزیں غور اور فیصلے کے لئے پیش ہوں گی (۱) جماعت کی سالانہ رپورٹ (۲) سالِ گزشتہ کے بجٹ کی روشنی میں مرکزی بیت المال کے آمد و صرف کی رپورٹ، جس کے ساتھ آڈیٹر کی رپورٹ بھی منسلک ہوگی۔ (۳) سالِ آئندہ کا بجٹ (۴) بشرطِ ضرورت آئندہ کے لئے جماعتی پروگرام (۵) جماعت کی پالیسی پروگرام نظم یا دیگر جماعتی امور کے متعلق وہ تجاویز جو امیر جماعت یا کسی رکن مرکزی مجلسِ شوریٰ کی طرف سے پیش ہوں۔

تشریح :- نظم جماعت یا دیگر جماعتی امور جن پر ارکانِ مرکزی مجلسِ شوریٰ تجاویز پیش کر سکتے ہیں، ان کا وہ حصہ ان سے مستثنیٰ ہوگا جو امیر جماعت کے دائرۂ اختیار میں آتا ہے۔ (نوٹ) ارکانِ جماعت کی کسی تجویز کو اگر امیر جماعت یا کوئی رکن مرکزی مجلسِ شوریٰ اہم سمجھے تو وہ بھی پیش ہو سکتی ہے۔ (دفعہ ۳۸)۔ جماعت کے دستور سے متعلق اگر کچھ تجاویز ہوں تو مرکزی مجلسِ شوریٰ کے اجلاس میں ان سے متعلق سفارشات مرتب کی جائیں گی تاکہ انھیں مجلس نمائندگان کے سامنے پیش کیا جائے۔

فیصلے کا طریقہ | دفعہ ۳۹:- (الف) کوشش کی جائے گی کہ مرکزی مجلسِ شوریٰ کے فیصلے اتفاق رائے سے ہوں (ب) اگر کسی مسئلے میں اتفاق رائے نہ ہو سکے اور رائے دینے والے ارکان مرکزی مجلسِ شوریٰ کی ایک تہائی سے زائد رائیں امیر جماعت کی رائے کے ساتھ ہوں تو امیر جماعت اپنی رائے کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے۔ بصورت دیگر فیصلہ رائے دینے والے ارکان مرکزی مجلسِ شوریٰ کی اکثریت کی رائے کے مطابق ہوگا۔ (ج) بنیادی پالیسی کی تشکیل یا اس میں ترمیم سے متعلق فیصلے کے لئے ضروری ہوگا کہ یا تو حاضر ارکان مرکزی مجلسِ شوریٰ کی ۲/۳ اس کے حق میں ہو یا نصف حاضر ارکان مرکزی مجلس شوریٰ اور امیر جماعت اس کے حق میں ہوں۔ بصورت دیگر معاملہ اختلافی قرار پائے گا اور مجلس نمائندگان کے ذریعہ طے ہوگا

اور میں جماعت اسلامی ہند کا

ممبر ہوگیا!

بات اس وقت کی ہے جب میں جوان تھا۔ اس وقت جماعت "الفضول" کی بڑی دھوم تھی۔ جماعت الفضول کی طرف سے جو تقریریں ہوتی تھیں، ان میں فضائلِ کلمہ، فضائلِ نماز اور فضائلِ تبلیغ پر بہت زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ جماعت الفضول کی طرف سے جو کتابیں چھاپی جاتی تھیں ان کے نام اس طرح کے ہوتے تھے۔ فضائلِ ایمان، فضائلِ اسلام، فضائلِ قرآن، فضائلِ احادیث، فضائلِ تلاوت۔ فضائلِ اوراد وظائف، فضائلِ درود شریف، فضائلِ روزہ، فضائلِ حج، فضائلِ زکوٰۃ وغیرہ۔

جماعت کو لفظ "الفضول" پر اتنا اصرار تھا کہ اس کی طرف سے سیرت پر جو کتابیں لکھی جاتی تھیں ان کے نام اس طرح ہوتے تھے۔ فضائلِ صحابہؓ۔ فضائلِ اولیاء، فضائلِ بزرگانِ دین وغیرہ۔

ہر پڑھا لکھا آدمی سمجھ سکتا ہے کہ "جماعت الفضول" نام رکھنے میں "حلف الفضول" کا تتبع کیا گیا ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن میں کچھ نیک دل لوگوں نے ایک جماعت بنائی تھی۔ اس جماعت کا مقصد یہ تھا کہ ہم ہر ظالم کے مقابلے میں مظلوم کی مدد کریں گے۔ حضور نبی کریمؐ فرمایا کرتے تھے کہ اگر آج بھی لوگ اس مقصد کو لے کر اٹھیں تو میں ان کی حمایت کروں گا۔ پہلے پہل جن لوگوں نے یہ جماعت بنائی تھی ان کے ناموں میں "ف ض ل" شامل تھا جیسے فضل بن زید، فضل بن عمیر، فضل بن فضیل وغیرہ، یہی وجہ تھی کہ اس جماعت نے جو عہد نامہ لکھا تھا، اس کا نام "حلف الفضول" مشہور ہوگیا۔

میں بھی جماعت الفضول سے متعلق تھا۔ تھا نہیں، یوں کہئے کہ ہوگیا تھا۔ کیوں اور کیسے میں اس جماعت سے متعلق ہوگیا تھا۔ یہ بڑی دلچسپ کہانی ہے۔ اگر آپ میری یہ کہانی سنیں یا پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ایک ناکارہ بندے کو دین کی طرف کس طرح مائل کرتا ہے۔

وجہ بتانے سے پہلے یہ عرض کر دوں کہ مجھے شعر و ادب سے ہمیشہ شغف رہا ہے۔ شعر و ادب سے متعلق مضامین چھپا کرتے تھے، انھیں میں بڑے غور سے پڑھا کرتا تھا اور پھر میں بھی ایسے مضمون لکھنے لگا۔ دین اور اسلام کے تعلق سے اتنا بتا دوں کہ میں مسلمان تھا کیونکہ مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا تھا، اس سے زیادہ وابستگی اسلام سے نہیں تھی۔ اسلام کی طرف توجہ نہ دینے میں اس تعلیم کا بڑا حصّہ تھا جو مجھے دلائی گئی تھی۔

اب سنیئے، جیسا کہ عیب جُو یا متعصب لوگوں کی عادت ہے کہ ہر اچھی چیز میں کیڑے نکالنا اپنی اعلیٰ ...یت سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا یہ "کارنامہ" رہا ہے کہ وہ کچھ کرنا نہیں چاہتے۔ البتہ جو لوگ کچھ کرنا چاہتے ...ان پر تنقیدیں اور تنقیصیں بڑی "فیاضی" سے کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے کسی شاعر نے خوب ...ہے کہ: ؎

نقّاد تری تنقید بجا لیکن تو بھی کچھ کر کے دکھا!
ورنہ یہ ہم بھی جانتے ہیں یہ کام غلط وہ کام غلط

ایسے ہی لوگوں نے "جماعت الفضول" پر تنقیدیں شروع کر دیں۔ یہ لوگ اپنی تنقیدوں میں اَدبًا ...تنقیص کا پہلو شامل کر دیا کرتے تھے تاکہ مسلمان اس جماعت کی طرف راغب نہ ہوں۔ اگر مسلمان ... جماعت سے وابستہ ہو کر نیک بن جائیں گے تو بے عمل نقّادوں کی قدر کم ہو جائے گی۔ ایسے لوگوں ...منّا یہی ہوتی ہے کہ لوگ ان ہی کی طرح بُرے بنے رہیں۔ آپ نے وہ مثل سنی ہوگی۔ کسی کبڑی بڑھیا ...ی نے سلام کیا تو اس نے دعا دی "اللہ تجھے جیتا رکھے اور مجھ جیسا بنائے!"

جماعت الفضول پر ایک ادیب "ابو القلم" نے پہلا اعتراض یہ کیا کہ یہ نام ہی غلط ہے نیز لفظ "الفضول" کا پہلو پیدا کرتا ہے۔ اردو داں طبقہ اس کے معنی "کچھ اور" ہی سمجھے گا۔ یہ نقّاد "ابو القلم" ادبی دنیا میں میرا حریف تھا۔ اس سے اور مجھ سے نوک جھوک رہتی تھی۔

میں نے بُغضِ معاویہ میں حبِّ علی کو اپنا لیا اور حلف الفضول کی مثال دے کر جماعت "الفضول" کو صحیح

بتایا۔ پھر میں نے ادیب صاحب کے نام "ابوالقلم" پر بحث کی۔ میں نے لکھا "القلم" معرفہ ہے یعنی وہ خاص قلم جس سے لوحِ محفوظ پر قرآن لکھا گیا تھا اور ابوالقلم (القلم والا) اللہ تعالیٰ ہے۔ اس "القلم" اللہ تعالیٰ کو اتنا ناز ہے کہ اس نے قرآن میں اس کی قسم کھائی ہے "نون والقلم"۔ اب اگر کوئی آدمی کو ابوالقلم لکھے تو اس کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ وہ اپنے کو خدا کہتا ہے۔ ابوالقلم صاحب خدا تو ہو نہیں، وہ "کچھ اور ہی" ہو کر رہ جائیں گے۔ میں نے ان ہی کا فقرہ دوہرا دیا۔

میرا یہ تردیدی مضمون شائع ہوا تو لوگوں نے ابوالقلم کے لتے لے ڈالے۔ "کچھ اور ہی" ایسا زبانِ خاص و عام ہو گیا کہ کسی نے ابوالقلم صاحب کو دیکھا تو کہا کہ وہ "کچھ اور ہی" جا رہے ہیں۔ رمضان شریف کے جمعۃ الوداع کے بعد وہ لطیفہ رہا کہ بے چارے کو دُم دبا کے بھاگنا پڑا۔

ہوا یہ کہ کسی نے کسی سے ان کا تعارف چاہا۔ "جناب کی تعریف"

بتانے والا کوئی منچلا شاعر تھا اور شاید ابوالقلم صاحب کی طرف سے دل جلا بھی۔ بتایا کہ یہ جناب "کچھ اور ہی" ہیں۔ اس کے بعد برجستہ شعر پڑھا۔ : ؎

خدا کے گھر میں ہم آئے ہیں آپ بھی آئے
نماز پڑھنے جناب "کچھ اور ہی" آئے

سننے والوں نے قہقہہ بلند کیا تو آس پاس کے لوگ متوجہ ہو گئے وہ سب بھی ہنس پڑے پھر صاحب کی چڑ "کچھ اور ہی" پڑ گئی اور ان کو گھر سے نکلنا مشکل ہو گیا۔

اس واقعہ کے بعد میں جماعت الفضول کا حامی مشہور ہو گیا۔ میں نے سوچا کہ جب اس جماعت کا حامی اتنی مشہور ہوں تو مجھے چاہیئے کہ اسے اچھی طرح جانوں اور سمجھوں، اس کا لٹریچر پڑھوں، اس کے اجتماعات میں شرکت کروں تا کہ کہیں بات آپڑے تو سخن گسترانہ طور پر میں بھی کچھ کہہ سکوں۔

میں جماعت الفضول کے اجتماع میں پہلے پہل گیا تو وہاں عجیب لطیفہ ہوا۔ اس وقت ایک مولوی صاحب فضائل جہاد پر تقریر فرما رہے تھے۔ انھوں نے اپنی تقریر ان جملوں پر ختم کی۔

"جہاد یہ بھی ہے کہ ہم اپنی زبان سے حق کی حمایت کریں اور جہاد یہ بھی ہے کہ ہم اپنے سے دین کی حمایت کریں۔ جیسے آپ کے شہر میں جناب درانی صاحب نے کچھ اور ہی حب کے مقابلے میں کی۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کہہ کر ی صاحب بیٹھ گئے۔ سارے مجمع کی نگاہیں میری طرف اٹھ گئیں۔ سب مسکرا رہے تھے۔ میرے پاس گ بیٹھے تھے، ان میں نوجوان زیادہ تھے۔ وہ مجھے دیکھ دیکھ کر زیادہ ہی مسکرا رہے تھے۔ پھر وہ ہنسی انہ کر سکے۔ نوجوانوں میں سے پہلے ایک کی ہنسی بلند ہوئی اور پھر اس مہذب مجمع میں یکے بعد دیگرے ی ہنسنے لگے۔ میں بہت شرمندہ ہو رہا تھا کہ میری وجہ سے اس مذہبی اجتماع میں غیر سنجیدگی پیدا ی۔ مگر بھائی! وہاں تو بزرگانِ دین بھی ہنس رہے تھے۔ وہ تو کہیئے کہ بڑا اچھا ہوا۔ دوسرے مقرر نے فضا وشی پر تقریر شروع کر کے رُخ دوسری طرف موڑ دیا۔ اس کے بعد کچھ اور کارروائی ہوئی پھر ایک دعا کے بعد اجتماع ختم ہو گیا۔ ایک نوجوان نے مجھے لے جا کر جماعت الفضول کے ذمہ دار لوگوں سے یا۔ ان بزرگوں نے بڑے حوصلہ افزا کلمات سے مجھے نوازا۔ میں بہت خوش ہوا۔ اس وقت میرے لئے دِ تلوں کا نشہ تھا اک واہ واہ میں۔

دوسرے دن میں جماعت الفضول کا لٹریچر تلاش کرتا ہوا کتابوں کی ایک دکان پر پہنچا تو دوکاندار دیکھ کر مسکرایا۔ اس نے بڑے اکرام کے ساتھ بٹھایا۔ چائے پلائی پھر جب میں نے اپنا مدعا ظاہر کیا تو نے فضائل کی ایک کتاب نہیں، بہت سی "فضائلات" نصف قیمت پر مجھے دے دیں۔ میں نے اس کا یہ ادا کیا اور کتابیں لے کر گھر چلا آیا۔

ان کتابوں میں ادبی چاشنی نہیں تھی بالکل سادہ انداز اور پرانے طریقے پر کتابیں مرتب کی گئی ں۔ راوی کہتا ہے، حضرت فلاں سے روایت ہے، فرمایا شیخ الحدیث حضرت مولانا نے، معروف رحمۃ اللہ کا معمول تھا۔ بات اس طرح شروع ہو کر "روایت ہے، روایت ہے" کی تکرار کے ساتھ نام کو پہنچتی تھی۔ میں نے بڑی مایوسی کے ساتھ کتابیں باندھ کر اس قرآن مجید کے پاس رکھ دیں جو

جو برسوں سے گویا طاقِ نسیان پر رکھا ہوا تھا اور جس کے متعلق میری رائے یہ تھی کہ اس کے حق ہونے ایمان تو لانا چاہیئے اس کے بعد ؟۔۔۔ اس کے بعد مجھے کچھ نہیں معلوم تھا کہ کیا کرنا چاہیئے۔

پھر میں نے کتابیں تو نہیں پڑھیں لیکن اجتماعات میں برابر جاتا رہا۔ نماز پڑھنا بھی شروع کر تھی کیونکہ اس کی فضیلت میں ایک بہت بڑی دلیل قرآن کی تھی۔ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔ میں جس مسجد میں عصر کی نماز پڑھنے جاتا تھا، وہاں کا مو امام فضائل کی کسی کتاب سے تین چار منٹ میں دو تین روایات پڑھ کر سنا دیا کرتا تھا یہ تین چار منٹ خیریت ہی تھے اگر روایات کا سلسلہ جماعت الفضول کے اجتماعات کی دعا کی طرح دراز ہوتا تو پھر "خیریت" کے ساتھ میری نماز بھی اللہ اللہ خیر صلا ہو جاتی۔

میں نے جماعت الفضول ہی میں جماعت اسلامی اور سید ابوالاعلیٰ کا تذکرہ سنا۔ سید ابوالاعو کے بارے میں سنا کہ یہ شخص بہترین انشاء پرداز ہے جو کچھ لکھتا ہے بڑے ہی دلکش انداز میں لکھتا ہے یہاں تک کہ دین کی تعبیر میں سیاسی پہلو اس خوبی سے غالب کرتا ہے کہ غیر شعوری طور پر عوام خصوص نوجوان اس کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ جماعت اسلامی پر یہ اعتراض سنا کہ اس کے ارکان دین کی ذرا سی "شُد بُد" کے بعد بڑے بڑوں کی تنقیص کرنے لگتے ہیں۔ حتیٰ کہ صحابۂ کرامؓ کی توہین بھی کر دیتے ہیں۔

میں نے یہ سنا تو میری تنقیدی پسلی پھڑکی۔ میں نے قلم اٹھایا۔ پہلے لفظ "ابوالاعلیٰ" کے پرخچے اڑ میں نے جس طرح تنقیدی مضمون میں "ابوالقلم صاحب" کے بارے میں لکھا تھا اسی طرح ابوالاعلیٰ کی ترکیبی غلطی واضح کی۔ "الاعلیٰ" اللہ کی صفت ہے جیسے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی اور ابو کے معنیٰ باپ تو ابوالاعلیٰ کے معنی ہوئے "خدا کے باپ" ابوالقلم صاحب تو خدا ہی بنے تھے۔ سید ابوالاعلیٰ خدا کے باپ بن گئے۔ جماعت اسلامی پر میرا یہ اعتراض تھا کہ یہ نام غلط فہمی پھیلانے والا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ جو لوگ جماعت اسلامی میں ہیں وہ تو مسلمان ہیں باقی اسلامی جماعت سے خارج۔

پھر میں نے ابوالاعلیٰ مودودی کا وہ جملہ جو انھوں نے حضرت عثمانؓ کے بارے میں لکھا تھا کہ انکی

فت حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے پائے کی نہ تھی بلکہ ان کی خلافت میں ڈھیل آگئی تھی۔ اس فقرے سے
نے یہ ثابت کیا کہ واقعی جماعت اسلامی والے صحابہؓ اور بزرگانِ دین کی توہین کرتے ہیں۔

اسی زمانے میں جماعتِ اسلامی سے وابستہ ایک شاعر کی غزل چھپی۔ اس میں ایک شعر تھا: ۔

وہیں تو ہر قدم کو تربیت ملتی ہے چلنے کی
کہیں جب راہ کانٹے دار ناہموار ہوتی ہے

میں نے "تربیت" اور "کانٹے دار" دو لفظوں پر کڑی تنقید کی۔ میرا اعتراض یہ تھا کہ لفظ "تربیت"
ہا بلکہ "ی" پر تشدید کے ساتھ تربیّت ہے۔ "کانٹے دار لفظ پر اعتراض یہ تھا کہ یہ آدھا تیتر آدھا
بر کے مصداق ہے۔ "دار" لفظ فارسی ہے اور "کانٹے" ہندی۔ یہ ترکیب غلط ہے۔ اس کی جگہ
دار ہونا چاہیئے۔ میں نے مضمون کے آخر میں لکھا کہ یہ جماعتِ اسلامی والے ہمو ما دیگرے نیست
مارے جیسا قابل کوئی نہیں) کے مصداق ہیں اس لئے وہ دین کی تعبیر میں غلطی کر کے اصرار بھی
نے ہیں۔ یہی حال ادبی دنیا میں ہے۔

میں منتظر رہا کہ دیکھوں میری اس تنقید کا کیا جواب دیا جاتا ہے مگر میں منتظر ہی رہا
ہے اس چیلنج کا جواب کئی ماہ تک نہ آیا۔ میرے تنقیدی مضمون کا تعاقب جماعتِ
لامی کے ادیبوں کی طرف سے نہیں کیا گیا میرا خیال تھا کہ حضرتِ کوئی ضرور تلخ گوئی فرمائیں گے لیکن میر
لِ رہ گیا جب ایک دن اسحاق میرے گھر آیا اور کہنے لگا: "یلدرانی! تم بہت ہی با اصول آدمی
سحاق" حضرتِ کوئی کے نام سے تنقیدی مضمون لکھا کرتا تھا اور یہ بھی میرا حریف تھا۔ یہ میرے
اور اس نے مجھے با اصول آدمی قرار دیا تو میں حیران رہ گیا۔

"اسحاق! یہ تم کہہ رہے ہو؟"

"ہاں! میں ہی کہہ رہا ہوں۔ دیکھو تم حیران کیوں ہو؟"

"تم تو میرے حریف ہوا کرتے تھے۔ تم تو میرے رقیب ہوا کرتے تھے؟"

"بیشک میں تمہارا حریف ہوں لیکن اصول پسند ہوں اور اصولی حضرات کا قدردان۔"

"میرے اندر کیا اصولی بات پائی۔؟" اب میں ذرا نرم تھا۔

"یہ کہ تم تربیت، کیفیت۔ اصلیت وغیرہ الفاظ کو صحیح تلفظ میں دیکھنا چاہتے ہو...."

"اچھا ٹھہرو، اسحاق! ایک منٹ!" اور یہ کہہ کر میں اندر گیا۔ بیوی سے کہا۔ ذرا چا، بنا دو اور ذرا تکلف کے ساتھ۔ اس کے بعد پھر اسحاق کے پاس آبیٹھا۔ "ہاں، کیا کہہ رہے تھے تم؟"

"میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہمارے پیشرو اہلِ زبان نے جو یہ اصول طے کر دیا ہے کہ آدھا تیتر، آدھا بٹیر کا جوڑ ادب میں ٹھیک نہیں، دُرّانی! تم سمجھدار ہو اور اس کے پابند بھی۔ تم کاٹنے دار کو اصولاً غلط سمجھتے ہو۔ میرے خیال میں تم اصولی آدمی ہو۔ اس لئے میں تم کو پسند کرتا ہوں۔"

"ہت تیری کی۔ میں سمجھا تھا کہ تجھ سے دو دو چونچیں ہوں گی۔ ذرا شہرت میں اضافہ ہوگا۔ تو نے میری تنقید پر گھاس بھی نہ ڈالی۔ ارے اسحاق! تیری بھی تو شہرت ہوتی کمبخت!"

"دُرّانی! کیا تم یہ تنقیدی مضامین اپنی شہرت کے لئے لکھتے ہو؟"

"نہیں تو اور کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ سو بوتلوں کا نشہ ہے اک واہ واہ میں۔"

"شہرت سے حاصل؟"

"شہرت!" اسحاق ہنس پڑا اور سچ پوچھو تو میں بھی کھسیا گیا تھا۔ اس نے کہا۔

"یہ تو وہی بات ہوئی کہ زندگی برائے زندگی۔ بندگی برائے بندگی۔ تنقید برائے تنقید، شہرت ائے شہرت۔ دُرّانی! تم سمجھدار آدمی ہو۔ میں غلط کہہ گیا۔ سمجھدار کے بدلے عقلمند کہنا چاہیئے سوچو!"

"اسحاق، تم قلم کیوں گھستے ہو؟"

"میں نے تو اللہ کو راضی کرنے، اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے قلم اٹھایا ہے۔ میں آبِ ادہ نفع میں رہتا ہوں۔"

"وہ کیسے؟"

"اس طرح کہ میرا ہر مضمون کامیاب رہتا ہے چاہے چھپے' چاہے اڈیٹر کی ردی کی ٹوکری میں جائے۔"

"یہ کیسے؟"

"میں اللہ کی رضا کے لئے مضمون لکھتا ہوں۔ نیت کا ثواب مجھے مل جاتا ہے۔ اب اگر چھپ جائے تو دوہرا فائدہ۔ آپ کا مضمون اگر ایڈیٹر نہ چھاپے تو بیکار ہو گیا۔ نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم!"

"میں چپ ہو گیا۔ جماعت الفضول کے اجتماعات میں شامل ہونے کا ایک فائدہ آج محسوس ہوا۔ میں وہاں بار بار رضائے الٰہی کا لفظ سنا کرتا تھا۔ اسحاق کی گفتگو سے سمجھ میں آج آیا۔ اسحاق کہتا رہا:

"درّانی! اگر تم بھی رضائے الٰہی کو اپنا مقصود بنا لو تو ایک اطمینان محسوس کرو گے پھر یہ محدودیت بھی شاید پسند نہ کرو کہ عقلمند کے بدلے سمجھ دار کیوں لکھ دیا۔ یہ تھانیدار کی ترکیب غلط ہے' یہ چوکیدار غلط ہے' وغیرہ۔ اس طرح کے وہ تمام الفاظ پسند کرنے لگو گے جو پیشہ ور اہلِ زبان نے استعمال کئے ہیں۔ پھر شمس العلماء حالی" کے اس مصرع پر بھی تنقید نہ کرو گے کہ حرکت میں ہوتی ہے برکت خدا کی۔ جب کہ ان میں "ر" متحرک بالفتح ہے۔ پھر تم زبان کو محدود کرنے کے بدلے اس کو وسیع کرنا پسند کرو گے اور یہ زبان کی ایک خدمت ہو گی۔"

"اچھا اچھا' ذرا ٹھہر جا۔ وعظ بند کر۔ چائے لے آؤں!" میں اندر گیا۔ بیوی نے پوچھا' یہ تو کوئی ہے نا' بڑی خوشامدانہ باتیں کر رہا ہے۔ شاید تم سے "چت" ہو گیا۔"

"اری بیگم! آج اس نے "پٹ" کر دیا مجھے۔ وہ تو آج میری بولتی بند کئے دے رہا ہے مگر ایسی حکمت سے کہ میں بس ٹکر ٹکر دیدم' دم نہ کشیدم ہو کر رہ گیا۔ بیوی نے جواب دیا۔" سچ ہے جب اونٹ پہاڑ کے پاس پہنچتا ہے تب ہی سمجھتا ہے کہ اس سے بھی کوئی اونچا ہے! یہ ٹکر ٹکر دیدم کی ترکیب

مارچ ۸۲ء

کیسی ہے وہی آدھا تیتر آدھا بٹیر؟

"اونہہ، چائے لاؤ۔" میں چائے کر آیا، ٹرے میں دو انڈے بھی تھے اور چھوٹے چھوٹے بسکٹ

"اسحٰق! لو بھئی، بسم اللہ۔ اہلیہ سلام کہتی ہیں۔ وہ تو یار تمہاری طرفدار نکلیں۔ کم بخت جب گھر والی ساتھ نہ دے تو پھر میں کہیں کیسے کامیاب ہو سکوں گا۔" اسحاق نے ایک بسکٹ دانتوں کے درمیان دباتے ہوئے کہا:۔

"کیا مطلب؟" اور وہ چا، پینے لگا۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ جماعت الفضول والے رضائے الٰہی کی تلقین ٹھیک ہی فرماتے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک، میں جماعت الفضول والوں کا قدر دان ہوں۔"

"تم جماعت اسلامی والے! تم مودودئی تم ہیچ ما دیگرے نیست! تم جماعت الفضول والوں کی قدر کرتے ہو۔؟"

اسحاق چپکے چا، پیتا رہا۔ چائے پینے کے بعد اس نے اجازت چاہی۔ میں اُسے رخصت کرنے کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا۔ "آج ہماری ادبی نشست ہے۔ اگر وقت ملے تو آؤ۔ ہم سب کو بڑا فائدہ ہوگا۔"

"مجھ سے؟ وہ کیسے؟"

"بہترین نقاد ہو۔ ہمارے یہاں تعمیر پسند شعراء ابھی نئے ہیں۔ تمہاری تنقید ان کے لئے رہنما ثابت ہوگی۔"

اسحٰق جب مجھ سے رخصت ہو کر جا رہا تھا تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ وہ میرا دل بھی ساتھ لے جا رہا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ وہ ذرا دیر اور بیٹھتا مگر اس نے اجازت چاہی تو میں اسے روک نہ سکا۔ اس نے مجھے اس قابل ہی کب رکھا تھا کہ میں اس کی مرضی ٹال سکتا۔ میں اسے دیکھتا رہا اور یہ شعر پڑھتا رہا:

اس کو رخصت کر کے تا حدِ نظر دیکھا کیا
کیا کہوں دیکھا نہ جاتا تھا مگر دیکھا کیا

اسحٰق نے مجھے پابندی وقت کی تاکید کر دی تھی۔ میں عشاء کی نماز پڑھ کر گیا۔ اسحاق نے اٹھ کر اپنے پاس بٹھا لیا ادبی نشست کو شروع ہوئے چند منٹ ہو چکے تھے۔ ایک شاعر اپنی غزل پڑھ چکا تھا۔ اس کی غزل پر تنقیدیں ہو رہی تھیں۔ لوگ مشورے دے رہے تھے۔ وہ شاعر کچھ تنقیدوں کا جواب دیتا اور کچھ مشوروں کو مان لیتا تھا۔ اس کے بعد ایک اور شاعر نے غزل پڑھی۔ اس غزل کا مطلع یہ تھا:

ان کی فرقت ہی میں تو ہر رات مرجاتا ہے دل
جب انھیں میں یاد کرتا ہوں تو بھر جاتا ہے دل

شاعر اپنی غزل کے اشعار پڑھتا رہا۔ سننے والوں میں زیادہ تر نو عمر شعراء کچھ نوٹ کرتے رہے۔ اس نشست کی صدارت جاوید صاحب فرما رہے تھے۔ شاعر غزل پڑھ چکا تو جاوید صاحب نے میری طرف دیکھ کر فرمایا:۔

"آج اس نشست کے لئے خوشی کی بات یہ ہے کہ ہمارے درمیان مشہور نقاد جناب درانی صاحب تشریف فرما ہیں۔ امید ہے کہ آج ہمیں بہت اچھے مشورے ملیں گے۔ میں درانی صاحب سے گذارش کرتا ہوں کہ اس غزل کو اپنے مشوروں سے نوازیں۔

میں شاعر کے کلام اور اس کے پڑھنے کے انداز سے سمجھ گیا تھا کہ مبتدی ہی ہے۔ میں نے کہا کہ ٹھیک ہی ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ ادبیات کا مطالعہ کریں۔ لغات پر دھیان رکھیں۔ مبتدی معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے لئے میرا یہی مشورہ ہے۔

مجھ سے اصرار کیا گیا کہ میں ضرور غزل پر تنقید کروں۔ مجبوراً میں نے مشورہ دیا۔ "اول تو یہ شعر پرانے ٹائپ کا ہے۔ وہی فرقت کی راتیں، وہی معشوق کی یادیں، جماعت اسلامی کے شعراء کو چاہیئے کہ تعلق باللہ سے متعلق شعر کہیں اور اس میں نئی راہیں نکالیں۔ پھر میرا مشورہ یہ بھی ہے کہ زبان کا بھی بہت خیال رکھیں۔ " ہی تو ہر رات " بہت بُرا لگتا ہے۔ "ہر رات" کو "ہرّات" جو شخص سنے گا اس کے کانوں کو گراں گذرے گا۔ پھر اس مطلع میں جو محاورہ استعمال کیا گیا ہے " بھر جاتا ہے دل" شام

احب نے "دل بھر آنا" ہے کے بدلے استعمال کیا ہے حالانکہ دل بھر جاتا ہے کے معنی ہیں آسودہ ہونا
لک جانا۔ اور دل بھر آنا کے معنی ہیں آبدیدہ ہونا۔ اداس ہونا۔

مطلع کے بعد دوسرے شعر پر میرا مشورہ یہ تھا۔ شاعر نے آجکل کے فسادات کے اثرات کو اکٹھا
کے شعر میں شکایت کی ہے کہ اے فسادیو! ہمیں برباد کر ڈالو۔ قتل کر ڈالو، جب ہم نہ رہیں گے تو کسے
یاد کروگے۔ میں نے مشورہ دیا کہ غزل میں اس طرح کھل کر نہیں کہتے ایسی باتیں اشارے اور کنائے
ں کہتے ہیں۔ میں نے مثال دی کہ دیکھئے آج سے پچاس برس پہلے ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

بھول جائیں گے خدائی کا مزہ مرنے کے بعد
یاد آئے گا بتوں کو بھی خدا میرے بعد

جاوید صاحب بڑے فراخ دل ثابت ہوئے۔ انھوں نے میری تنقیدوں کو بہت سراہا۔ شکریہ ادا
یا نشست ختم ہونے پر اسحاق میرے ساتھ چلا۔ بولا "غضب کے نقاد ہو درانی! کیا کیا نکتے نکالے
شست میں سب تم کو دیکھ رہے تھے اور میں دیکھنے والوں کی نظریں دیکھ رہا تھا۔"

یں ہنس دیا۔ میں نے کہا "تمہاری یہ ادبی نشستیں بہت مفید ہیں اور یہ دیکھ کر میں بہت
وش ہوا کہ تم لوگ تنقید بڑی کشادہ دلی سے برداشت کرتے ہو۔"

"اچھا اب خدا حافظ۔" اسحٰق سلام کر کے چلا گیا اور میرے دل پر جماعت اسلامی کا پہلا نقش
ھوڑ گیا۔ میں نے جماعتِ الفضول میں ایک خاص بات یہ نوٹ کی کہ اس میں جو تعلیم یافتہ نوجوان آتے
یں وہ کچھ دنوں کے بعد نکل جاتے ہیں۔ پھر یہ نوجوان I.E.M سے وابستہ ہو جاتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟
یک دن مجھے جسیم مل گیا۔ یہ میرے ساتھ ایک تبلیغی دورے میں تھا پھر یہ I.E.M میں چلا گیا۔ میں نے اس
سے وجہ پوچھی۔ جواب ملا۔ "کچھ اور چاہیئے وسعت مرے بیاں کے لئے۔"

جسیم سے یہ سنا تو میں نہ جانے کہاں پہنچ گیا۔ وہ تو سلام کر کے اپنی راہ گیا۔ میں گھر آیا اور دن بھر
سوچتا رہا کچھ اور چاہیئے وسعت میرے بیاں کے لئے۔ اس وسعت کے لئے ضروری ہے کہ میں جماعت

اسلامی کا لٹریچر دیکھوں۔ میں جماعت اسلامی کی لائبریری گیا۔ وہاں جسیم پہلے سے موجود تھا۔ مجھے دیکھا ہی پھر وہی مصرع "کچھ اور چاہیئے وسعت مرے بیاں کے لئے" پڑھا۔ میں نے کہا کوئی اچھی کتاب دلواؤ۔ اس نے ایک نیا نیا پمفلٹ دیا۔ "اسلام کس چیز کا علمبردار ہے" یہ دراصل ابوالاعلیٰ کی ایک تقریر تھی جو انہوں نے لندن میں مقیم نوجوانوں کے درمیان کی تھی۔ میں نے وہیں بیٹھے بیٹھے اسے پڑھ ڈالا۔ پڑھ کر پمفلٹ کو چوم لیا۔ جسیم دیکھ رہا تھا۔ بولا "یہ کیا ؟" میں نے کہا " دیکھ اس طرح سے کہتے ہیں سخنور سہرا ؟"

پھر میں روزانہ لائبریری جانے لگا۔ ایک ایک کتاب لانے لگا۔ جماعت اسلامی کا لٹریچر پڑھتا رہا، پڑھتا رہا۔ جماعتِ اسلامی کی طرف دل بڑھتا رہا۔ جماعت الفضول کے اجتماعات ناغہ ہونے لگے۔ سب کو معلوم ہو گیا کہ مجھے جماعتِ اسلامی کھینچ رہی ہے۔ مجھے روکنے کے مختلف ذرائع استعمال کئے گئے لیکن میں رک نہ سکا۔ ایک بھائی نے صاف صاف پوچھا۔ کیا جماعت اسلامی سے وابستہ ہو گئے۔ میں نے بتایا نہیں، میں نے m۔ا۔ s کی ممبری کا فارم بھر دیا ہے۔" اس بھائی نے جھنجلا کر کہا۔ "کمبخت وہ بھی جماعتِ اسلامی کی اولاد ہے !"

مجھے یہ اندازِ کلام پسند نہ آیا اور پھر میں نے جماعت الفضول میں جانا چھوڑ دیا۔ یہاں m۔ا۔ s کے کے دفتر سے جواب آیا کہ آپ کی عمر تیس سال سے زیادہ ہے اس لئے آپ نوجوانوں کی اس جماعت کے ممبر نہیں بن سکتے۔

یہ جواب پا کر میں نے جماعتِ اسلامی کا فارم ( ) کنیت بھر دیا اور اپنی یہ آپ بیتی اخبار میں چھپوا دی۔ خوش تھا کہ جو کام مجھ سے ہوا وہ رستم سے نہ ہوگا۔ میرا خیال تھا کہ حضرت "کوئی" صاحب (یعنی اسحاق صاحب) اور جسیم صاحب جیسے ہی یہ آپ بیتی پڑھیں گے، فوراً ملنے آئیں گے۔ اور خوب ہی داد دیں گے۔

جسیم تو نہیں آیا۔ حضرت "کوئی" یعنی اسحاق آیا۔ اس کے ہاتھ میں اخبار "صبح صادق" تھا اور ایک لفافہ بھی۔ اُسنے لفافہ مجھے دے دیا۔ لفافے پر میرا نام و پتہ لکھا تھا اور مقامی امیر جماعتِ اسلامی کی طرف سے تھا۔ میں نے لفافہ کھولا خط

ھا تو میری زبان سے نکلا ۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم

نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

اسحاق نے پوچھا: "کیا لکھا ہے بھائی! خیریت ہے؟"

میں نے کہا "میں نے جماعتِ اسلامی کے لیے جماعت الفضول کو چھوڑا۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ آپ جماعتِ کا دستور پھر غور سے پڑھیں، جماعت کیا کام کر رہی ہے اور کیسے کر رہی ہے؟ یہ بات سوچیں!

"لا حول ولا۔ جماعت کا دستور اردو میں ہے اور میں اردو داں ہوں۔ امیر مقامی صاحب فرماتے ہیں کہ میاں یں سمجھے کہ جماعت کیا کام لے کر اٹھی ہے اور وہ اس کام کو کس طرح پیش کرتی ہے۔ لو دیکھو یہ خط اسحاق تم اپنے ھوں سے!"

اسحاق نے خط تو لے لیا لیکن اس نے پڑھا نہیں۔ پڑھے بغیر مقامی امیر کی تائید کرنے لگا۔ "بے شک، درّانی صاحب جماعت اسلامی کے لٹریچر کا مزید مطالعہ کریں۔ میری بات کا برا نہ مانیں۔ آپ نے آپ بیتی چھپوا کر اچھا نہیں کیا؟"

"کیا اچھا نہیں کیا؟ کیا میری آپ بیتی جماعتِ اسلامی کے لیے بہترین پروپیگنڈا نہیں ہوسکتی؟"

"آپ مجھے یہ بتائیے کہ اس پروپیگنڈے سے آپ کا مقصد کیا ہے؟" اسحاق نے مجھ سے پوچھا۔

بں نے کہا: "اس آپ بیتی چھپوانے سے میرا مقصد یہ تھا کہ جماعت الفضول ایک فضول جماعت ہے اور جماعتِ شعور اور بامقصد جماعت ہے۔

"باشعور جماعت اسلامی کا مقصد کیا ہے؟"

"دنیا میں نیکیوں کو غالب کرنا اور عقبیٰ میں اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا۔"

"اور جماعت الفضول کا مقصد کیا ہے؟"

ب میں چپ تھا کیونکہ اسحاق ہی کے سامنے میں کہہ چکا تھا کہ جماعت الفضول کے اجتماعات میں سمجھا تھا کہ مسلمان ۔اعلیٰ رضائے الٰہی ہونا چاہیئے۔"

میری زبان بند ہوئی تو اسحاق اس طرح وعظ کہنے پر اتر آیا۔ "بھائی درانی صاحب! ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اپنے بھائی کی توہین نہ کرے۔ قرآن و حدیث سے یہ بات واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو فرعون جیسے شخص کے پاس بھیجا تو حکمت کی بات یہ فرمائی کہ وہ ایک بگڑا ہوا شخص ہے اس سے ذرا نرمی سے بات کرنا۔ ایک مسلمان کا مرتبہ تو فرعون سے لاکھ درجہ زیادہ ہی ہے۔ تو بھائی! دل بدست آور کہ حج اکبر است۔ جس شخص کو نصیحت کرنا ہو پہلے اس سے ایسی نرم اور ہمدردی کی باتیں کرنا چاہیئے کہ وہ اپنا پن محسوس کرے۔ اگر پہلی ہی ملاقات میں اکرامِ مسلم کا خیال نہ رکھا تو وہ پھر آپ کا نہ ہو سکے گا۔ جب آپ کا نہ ہو سکے گا تو آپ کی بات بھی نہ سنے گا۔ جب آپ کی نصیحت نہ سنے گا تو بیچارا آپکا راہ راست پر اور ہو چکا باشعور اور بامقصد! میرے خیال میں امیر مقامی نے جو مشورہ دیا ہے اس پر غور کرو۔ بیشک آپ یہ سمجھ گئے کہ جماعتِ اسلامی کا مقصد کیا ہے لیکن آپ اس کا طریقِ کار سمجھیئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کا اسوہ سامنے رکھیئے۔

وہاں تو یہ ملتا ہے کہ ایک بدو آتا ہے اور کہتا ہے "محمد! مجھے کچھ دے"۔ لوگ اس بدتمیز بدو کو ڈانٹنے لگتے ہیں حضورؐ فرماتے ہیں کہ اسے میرے پاس لاؤ۔ وہ حضورؐ کے پاس پہنچتا ہے۔ آپؐ اسے دیتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ میں تجھے کچھ اور سمجھا تھا لیکن تو کم نکلا۔ بخل نہ کر اور دے۔ آپؐ اور دیتے ہیں۔ وہ پھر مانگتا ہے۔ آپؐ اور دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ راضی ہو کر اٹھتا ہے اور اسی حدیث کا نقطہ عروج یہ ہے۔ وہی اجڈ بدو کہتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ واقعی اللہ کے رسولؐ ہیں اور اسی وقت مسلمان ہو جاتا ہے۔ اب حضورؐ صحابہؓ کی تربیت اس طرح فرماتے ہیں۔

فرمایا "جو بات نرمی سے حاصل ہو جائے اسے گرمی سے حاصل کرنے کی کیا ضرورت ہے"۔

"درانی صاحب! قرآن و حدیث سے دعوت و تبلیغ کا طریق کار یہ ملتا ہے۔ آپ نے بیٹھے بٹھائے ایک اچھی بھلی جماعت کو گھٹا کر ثابت کر دیا اور خوش ہیں کہ جو کام ہوا مجھ سے وہ رستم سے نہ ہوگا۔ میں جاتا ہوں۔ یہ ہے اخبار صبح صادق۔ اسی میں آپ کی آپ بیتی چھپی ہے۔ لیجئے پھر پڑھیئے اور سوچئے کہ آپ نے یہ کام واقعی جماعتِ اسلامی کی ہمدردی میں کیا یا نادان دوستی میں! ضرورت یہ تھی کہ دونوں جماعتوں کو ساتھ لیا جاتا۔ سمجھے میرے بھائی!"

اسحاق چلا گیا۔ میں دم بخود بیٹھا رہا۔ اور اس وقت تک یونہی بیٹھا رہا۔ جب بیوی نے آکر بطورِ عیادت فرمایا۔

کہئے حضرت مزاج کیسا ہے؟ ٹھیک کل تک تھا آج کیسا ہے؟

میں نے کہا۔ "تم سن تو رہی ہوگی۔ مجھے کچھ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ میں نے آپ بیتی چھپوا کر اچھا نہیں کیا۔ ذرا سنئے! آپ میری رفیقۂ حیات ہیں نا!"

"اچھا ہوں۔ فرمائیے کیا فرماتے ہیں؟"

"غرض یہ ہے کہ کل سے میں تو جماعت اسلامی کے اجتماعات میں جایا کروں گا اور تم جماعت الفضول کے اجتماعات ہیں۔"

"خوب! تاکہ اگر اللہ تعالیٰ جماعت اسلامی سے راضی ہو تو مجھے بخشوا سکو اور اگر اللہ تعالیٰ جماعت الفضول سے راضی ہو تو میں تمہیں جنت میں لے جا سکوں۔"

"لاحول ولا۔ محترمہ صاحبہ! کیا آج میری نحوست کا دن ہے۔ اپنے پرائے سب ہی میرا مذاق اڑائیں گے؟"

"میاں ہوش کے ناخن لو۔ اسحاق جو کچھ کہہ گیا ہے۔ اس پر غور کرو جو زمین والوں پر رحم نہیں کرتا آسمان والا اس پر رحم نہیں کرتا۔"

"اچھا بس! بیوی خدا کے لئے مجھے معاف کرو۔"

"میں تو روز ہی معاف کرتی رہتی ہوں۔ تم کو چاہیئے کہ جماعت الفضول والوں سے شرح صدر کے ساتھ تحریری معافی مانگو۔"

"بھئی محترمہ! اللہ سے تو معافی مانگنے میں شرم نہیں آتی مگر اللہ کے بندوں سے معافی مانگنے میں شرم آتی ہے۔"

"تمہاری بے شرمی اور شرم میں وہی فرق ہے جو فرق یزداں و اہرمن میں ہے۔"

بیوی کے اس طنز پر میں تلملا کر رہ گیا۔ مگر کر ہی کیا سکتا تھا۔ خود کردہ را علاجے نیست۔ میں خاموش ہوگیا اور تقریباً تین ماہ بالاستعاب سبقاً سبقاً بیوی کے ساتھ لٹریچر کا مطالعہ کیا۔ کبھی اسحاق، جسیم اور دوسرے لوگ بھی آتے رہے۔ تین ماہ بعد میں نے اور بیوی نے ایک ساتھ رکنیت کا فارم بھرا۔ جو دس دن کے اندر منظور ہو کر آ گیا۔ حمدللہ۔! اس طرح گھاٹ گھاٹ کا پانی پی کر اس ٹھکانے پر آ گیا جہاں اللہ مجھے پہنچانا چاہتا تھا۔

ایران کا اسلامی انقلاب

ایران کے اسلامی انقلاب نے امریکی سی آئی اے اور روسی کے جی بی کے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ایجنٹوں پر ایک سکتہ طاری کر دیا ہے۔ دنیا کی بظاہر دو مخالف بڑی طاقتیں اپنے اپنے مفادات حاصل کرنے کے لئے دنیا کے مختلف ممالک میں ایک دوسرے کی ملی بھگت سے انقلاب لایا کرتی تھیں۔ ان کے لئے ایران کا اسلامی انقلاب یک حواس باختہ کرنے والا واقعہ ہے۔ شاید یہ پہلی دفعہ ہوا ہے کہ امریکہ اور روس کی خفیہ ایجنٹوں کو پاکستان فغانستان اور بالخصوص ایران میں جو کچھ واقع ہوا ہے اس کا پیشگی اندازہ لگانے میں سخت ہزیمت اٹھانی ی ہے۔ اپنی اس خفت کو مٹانے کے لئے ان طاقتوں نے ایران کے اسلامی انقلاب کو سبوتاژ کرنے کی مکان بھر کوشش کر لی جس کے نتیجے کے طور پر ان کے چہرے کچھ اور گرد آلود ہو گئے۔ اس پر مزید ستم ظریفی یہ وئی کہ ایران نے اپنے انقلاب کو اسلام کے حیات بخش تصور سے نہ صرف زبانی دعوے کی حد تک بلکہ ایک رم آگے عملاً بھی وابستہ کر لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سفاکانہ یہودی سرمایہ داری اور ننگِ انسانیت اشتراکیت نے بجا طور پر احساس کر لیا ہے اگر اس نظریہ کو سکون سے ایک جدید ریاست کی بنیاد بننے دیا گیا تو پھر اس الم کی مقبولیت بہت جلد ایک حقیقت بنجائے گی کیونکہ دنیا کی ایک کثیر آبادی اس نظریہ پر صدیوں سے نہ صرف ئم ہے بلکہ اکثر و بیشتر اس عملی نفاذ کے لئے کوشش بھی کرتی رہتی ہے۔ اور دنیا کے ایک اہم جغرافیائی قطعہ مالکانہ تصرف بھی رکھتی ہے جس کو قدرت نے عظیم معدنی ذخائر سے مالا مال کر رکھا ہے اور پھر دوسری طرف مایہ داری اور اشتراکیت کے باطل نظریات کا سحر نہ صرف ٹوٹ چکا ہے بلکہ بالفعل جہاں یہ نظریات نافذ ہیں ں انسانیت اس سے گلو خلاصی کے لئے بے چین اور مضطرب ہے۔

یہی وہ حالات ہیں جس کے پسِ منظر میں عالمی صیہونی اور اشتراکی پریس کی یہ رنگ آمیزی بالکل عریاں آتی ہے جو ایران میں نافذ کی جارہی موت کی سزاؤں کو لے کر کی جارہی ہے۔

غلام محبوب خیاط۔ یادگیر۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم



"کاش عرب اور فارس کے درمیان آگ کا پہاڑ ہوتا تاکہ نہ ایرانی عرب پر حملہ کر سکتے اور نہ عرب ایران پر چڑھائی کرتے۔"

امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ نے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے یہ فقرے کچھ ایسے کرب کے ساتھ فرمائے کہ لوگ تڑپ گئے۔ ان کے دل نوجوان قاسم بن جعثم بن سراقہ کی شہادت سے متاثر تھے ہی۔ پھر جب امیرالمومنین نے ایرانیوں کی شرارتوں اور خواہ مخواہ عراقِ عرب پر عراقِ عجم کی لوٹ مار کا حال بتایا تو سب انتقام انتقام پکار اٹھے۔

امیرالمومنین نے ہاتھ کے اشارے سے سب کو خاموش کیا اور پھر صورتِ حال بتانے لگے:

"ایہا الاخوان! (بھائیو!) بے شک ایرانیوں نے ہمارے سفیر ابن سراقہ کے بیٹے قاسم کو شہید کر کے سفارتی قانون کو توڑا ہے۔ انہیں معاف نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کو یہ سن کر دکھ ہوگا کہ یہ واقعہ شیبان کے پاس ایک پہاڑی پر ہوا۔ مشہور صحابیِ رسول مثنیٰ شیبانیؓ کے بہادر بیٹے حسن مثنیٰ نے ہماری اجازت کے بغیر عراقِ عجم پر تاخت شروع کر دی۔ پھر واپس آ کر قاسم شہید کی قبر پر عہد کرتے ہیں کہ اے ابن سراقہ کے بیٹے! مسلمان ایرانیوں کی اس حرکت کو معاف نہ کریں گے۔ حسن مثنیٰؓ کے اس بار بار کے عہد کو سن کر شیبان کے پورے قبیلے میں جوش و خروش پھیل گیا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہیں ایرانیوں کی کوئی بڑی فوج آ کر انہیں تباہ نہ کر دے۔

ایہا الاخوان! یہ بات مشورہ طلب ہے کہ اس وقت ہمارے بہترین جنرل خالد، ابوعبیدہ اور عمرو ابن العاص شام کی طرف روم سے نبرد آزما ہیں۔ انہیں اس محاذ سے ہٹایا نہیں جا سکتا۔ سوچتا ہوں کہ ایران پر فوج کشی کے سلسلے میں کس کو بھیجوں۔ آپ جانتے ہیں کہ میں آپ کے مشورے کے بغیر کچھ نہیں کرتا۔ آپ مجھے اس پیچیدہ مسئلے کا حل

"امیرالمومنیں! تو پھر آپ خود ہی سپہ سالار بن کر چلئے۔ انشاءاللہ فتح ہماری ہے" ہاشم بن سراقہ بے ساختہ اٹھا "اگر آپ ہمیں لے کر سمندر میں کود یں گے تو ہمارے گھوڑوں کی رکابیں آپ کے گھوڑے کی رکاب سے ملی ہوں گی"

نوجوان مجاہدوں نے اپنے رفیق کی آواز میں آواز ملا کر تصدیق کی۔ حضرت عمرؓ نے بزرگ صحابہؓ کی طرف دیکھا۔ وہ سب ش تھے۔ امیرالمومنین کو اپنی طرف مخاطب پاکر سب سے پہلے حضرت علیؓ بولے:

"امیرالمومنیں! آپ مرکز خلافت ہیں۔ جنگ دو رُخ دارد۔ خدانخواستہ آپ پر کچھ آنچ آئی تو خلافت کمزور ہو گی۔ اس لئے میری رائے نہیں ہے کہ آپ مرکز سے ایک قدم بھی ہٹیں۔"

حضرت علیؓ کی تائید عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کی اور پھر تمام بزرگ صحابہ زبیرؓ و طلحہؓ وغیرہ کی یہی رائے قرار پائی تو رت عمرؓ نے وہی سوال کیا کہ سپہ سالار کسے بناؤں؟ ایک رائے یہ آئی کہ حضرت علیؓ کو سپہ سالار بنا کر بھیجا جائے ائے کو خود امیرالمومنین نے رد کر دیا۔ فرمایا "میں باب العلم کو اپنے سے الگ کر دوں تو پھر مشورہ کس سے کروں گا؟"

ے بعد زبیرؓ، طلحہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور ایسے ہی دوسرے صحابہ کا نام آیا لیکن یہ سب امیرالمومنین س شوریٰ کے اہم رکن تھے اس لئے ان میں سے کسی کو وہ اپنے سے جدا نہیں کرنا چاہتے تھے۔ مسئلہ کچھ ایسا پیچیدہ تھا کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا لیکن اہم اتنا تھا کہ اسے چھوڑنا تو دور کی بات ملتوی بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اچانک "السلام علیکم" از آئی۔ تمام مسلمانوں کی نظریں اس طرف اٹھ گئیں۔ سترہ اٹھارہ سال کی ایک نوجوان لڑکی امیرالمومنین کی طرف بڑھ رہی پاس پہنچ کر اس نے کہا:

"امیرالمومنین! رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عظیم صحابی، میرے اور ہاشم بن سراقہ کے ضعیف اور بیمار باپ نے ور تمام مسلمانوں کو سلام کہلوایا ہے۔"

"علیہ وعلیک السلام" اس پُرخلوص مجمع میں دھیمی سی آواز گونجی۔ لڑکی نے پھر کہا:

میرے والد بزرگوار کو معلوم ہوا کہ آپ آج بہت متفکر ہیں۔ قال قل، انھوں نے مجھ سے کہا، جا کر امیرالمومنین سے پریشان نہ ہوں۔ آپ کسی کو بھی سپہ سالار بنا کر بھیجیں، انشاءاللہ ایران میری زندگی میں فتح ہوگا۔"

نے ابن سراقہ کی زندگی میں؟"

”جی! میرے باپ نے پورے یقین کے ساتھ فرمایا ہے اور آپ گواہ ہیں کہ وہ جھوٹ نہیں بولتے۔“

”اے عظیم باپ کی عظیم بیٹی! بے شک میں گواہی دیتا ہوں کہ ابن سراقہ جھوٹ نہیں بولتے لیکن یہ بھی تو سچ ہے کہ وہ بہت بوڑھے اور ضعیف ہو گئے ہیں۔“

”یعنی آپ کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ سٹھیا گئے ہیں اور اول فول بکنے لگے ہیں؟“

”نہیں، اے بیٹی! اول فول نہیں۔ میرا اشارہ علمِ غیب کی طرف ہے۔ ہم میں سب سے زیادہ عمر کے اور بزرگ صحابی ابن سراقہؓ ہی ہیں۔ اس عمر میں دماغ قابو میں نہیں رہتا۔“

”یا امیر! ہاشم بن سراقہ سے پوچھئے۔ ہمارے باپ کا ذہن نہایت عمدہ کام کرتا ہے۔“

”تو انہیں یہ بھی علمِ غیب ہوگا کہ وہ خود کب مریں گے“۔ یہ ایک دوسرے شخص کی آواز ابھری۔ سب نے اس شخص کو دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا اور دبی زبان سے کہہ رہا تھا ”یقیناً وہ سٹھیا گئے ہیں اور زبان و ذہن ان کے قابو میں نہیں“۔ لڑکی نے غضب ناک نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور بولی:

”اے شخص! اگر اللہ کا خوف اور امیر المومنین کا احترام مانع نہ ہوتا تو تیری زبان تیرے حلق میں گھس چکی ہوتی۔ شاید تو نے بنت ابن سراقہ کی برچھی نہیں دیکھی۔“

امیر المومنین نے بھی اس شخص کی طرف دیکھا، پھر لڑکی کو سمجھانے لگے:

”بیٹی! ایک بات بتاؤ گی؟“

”میں امیر المومنین کو ہر بات بتا سکتی ہوں چاہے وہ میری مصلحتوں کے خلاف ہی ہو۔“

”جزاک اللہ! یہ بتاؤ کہ ابن سراقہ کو غیب کا بھی علم ہے؟“

”یا امیر المومنین! ہرگز نہیں علمِ غیب کسی کو بھی نہیں۔ الا اللہ۔“

”تو پھر وہ یہ کیوں کہتے ہیں کہ ایران اُن کی زندگی میں ہی فتح ہوگا جبکہ ہر آن یہ خطرہ رہتا ہے کہ ہمارا سب سے بڑا اور بزرگ صحابی اب دم توڑ دے اور اب توڑ دے؟“

لڑکی لاجواب ہو گئی۔ اس نے اپنے بھائی کا سہارا لینا چاہا۔ ہاشم ابن سراقہ کی طرف دیکھا۔ ہاشم اپنی جگہ

ر امیرالمومنین کو مخاطب کر کے بولا :

"امیرالمومنین! والد بزرگوار اکثر بیمار رہتے ہیں۔ ہم لوگ پریشان ہونے لگتے ہیں تو کہتے ہیں "بچو! کیوں روتے ہو؟ بھی نہیں مروں گا" اور وہ واقعی اچھے ہو جاتے ہیں۔ کیوں نہ اے عاصمہ!"

عاصمہ (اس لڑکی) نے گواہی دی کہ ہاشم سچ کہتا ہے۔

"ایہا المومنین! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ ابن سراقہ کے معاملے میں آپ سنجیدہ رہیں۔ میں انھیں نہ تو سمجھتا ہوں اور نہ مجنوں۔ آپ یہ تحقیق میرے لئے چھوڑ دیں اور مجھے اس شخص کا نام بتائیں جسے اسلامی لشکر کا ذمہ دار بھیجوں۔"

"تو مجھے اجازت ہے؟" عاصمہ نے امیرالمومنین سے کہا۔

"بیٹی! جا اور میرا اور تمام مسلمانوں کا سلام ابن سراقہ کو پہنچا دینا۔"

اس کے بعد امیرالمومنین پھر مسلمانوں کی طرف مخاطب ہوئے۔ اچانک عبدالرحمٰن بن عوفؓ پکار اٹھے "میں نے پا لیا۔" عمرؓ نے فرمایا "کون؟" بولے "سعد بن ابی وقاص۔"

امیرالمومنین تردّد میں پڑ گئے۔ عبدالرحمٰنؓ نے عرض کیا :

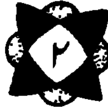
"آخر ہم میں سے کسی نہ کسی کی عدم حاضری آپ کو برداشت کرنی ہی پڑے گی۔ سعد بن ابی وقاص رسول اللہؐ کے عظیم صحابی اور بہت ہی جری اور بہادر ہیں۔ انھوں نے جنگِ احد میں حضورؐ کی حفاظت اس حال میں کی کہ ہم میں سب ہی بکھر گئے تھے۔ سعد کا ترکش خالی ہو گیا تھا تو بغیر پیکان کا ایک تیر اٹھایا۔ وہی تان کر ایک دشمن کے مارا تو ٹ گیا تھا۔ یہ سب ہم نے دیکھا تھا۔ یہ دیکھ کر رسول اللہؐ بھی مسکرا دئے تھے۔"

"میں یہ سب جانتا ہوں لیکن میں ان کی تدبیر جنگ کی طرف سے متردّد ہوں۔ سعد بہت ہی جوشیلے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت جبکہ حضورؐ کفار مکہ کے مظالم سہتے اور خاموش رہتے تھے تو سعد سے ضبط نہ ہوتا تھا بار اونٹ کی ہڈی پھینک کر ماری تو مکے کا سردار چیخ اٹھا۔ ایک بار جوش میں آ کر تیر چلا دیا تھا۔"

"امیرالمومنین! وہ زمانہ سعد کے شباب کا تھا۔ اب وہ نشیب و فراز سے واقف ہو چکے ہیں۔"

دوسرے بزرگ صحابہ نے بھی اصرار کیا تو حضرت عمرؓ نے بات مان لی لیکن لشکر کی تمام مہمیں اپنے ہاتھ میں رکھیں۔ حضرت سعدؓ کو نصیحت فرمائی کہ جو مشورہ میری طرف سے ملے اس پر عمل کرنا۔ حضرت عمرؓ نے مدینے سے عراق تک منزلیں خود نامزد فرمائیں اور سعدؓ سے کہا کہ جہاں پہنچنا وہاں کا نقشۂ جنگ بنا کر میرے پاس بھیجنا۔ اس کے بعد سعد بن ابی وقاصؓ کا ہاتھ پکڑا اور کہا "چلو، ابن سراقہ کی عیادت کو چلیں۔"

حضرت عمرؓ کا یہ کہنا گویا اس بات کا اعلان تھا کہ مجلس برخاست ہو گئی۔ ہاشم بن سراقہ باپ کو خبر دینے کے لئے بھاگا کہ امیرالمومنینؓ سعدؓ کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں



"کیا خیال ہے یا سعد!" امیرالمومنینؓ نے چلتے چلتے سعد بن ابی وقاصؓ سے سوال کر دیا۔

"امیرالمومنین! انسان بوڑھاپے میں مصلحت پسند ہو جاتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ابن سراقہ کے ذہن پر دنیا چھاتی جا رہی ہے۔ دنیا جب دل و دماغ پر قبضہ کر لیتی ہے تو انسان موت سے ڈرنے لگتا ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ ابن سراقہ موت سے ڈر گئے اور وہ مرنا نہیں چاہتے۔ یا سعد! یہ تو یہودیوں کی سی تمنا ہے"

"حاشا وکلا یا امیر! میں ابن سراقہ کے بارے میں اس حد تک نہیں سوچ سکتا۔ میں نے تو عمومی بات کہی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ بخار سرسامی کیفیت پیدا کر دیتا ہو اور اسی حالت میں وہ کہہ جاتے ہوں کہ میں ابھی نہیں مروں گا۔"

"لیکن اس کے گھر والے کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ اچھے ہو جاتے ہیں اور پھر یہ کہ اگر ہم سرسام ہی تسلیم کر لیں تو کیا یہ بھی ضروری ہے کہ وہ یہی فقرہ رٹتے چلے جائیں۔ مصلحتیں تو اور بھی ہوتی ہیں۔"

"آپ کا یہ تجزیہ بہت خوب ہے۔ بیشک وہ بڑے اعتماد کے ساتھ یہ کہتے ہیں۔"

"ہے نا! تو پھر کوئی ایسی بات ضرور ہے جس پر انھیں اس درجہ یقین ہے کہ جب تک وہ بات پیش نہ آ جائے، وہ نہ مریں گے۔"

"امیرالمومنین! یہ آپ کو زیب نہیں دیتا کہ آپ انھیں نبوت کا درجہ دیں۔"

"میں ابن سراقہ کو نبی نہیں کہتا لیکن ہو سکتا ہے کہ اللہ کے نبیؐ سے کوئی ایسی بات سُنی ہو اور وہی یاد رہ گئی ہو اور پھر وہی بات الفاظ بن کر زبان سے نکل رہی ہو!"

"یہ ہو سکتا ہے اس لئے کہ ابن سُراقہ ہم میں بزرگ صحابی ہیں، ایسے صحابی جو اپنے عالمِ کفر واسلام دونوں عہد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب اور بہطور واقف رہے۔"

"تو کیا رائے ہے، آج میں یہی بات پوچھوں؟"

"ضرور پوچھئے۔ ممکن ہے کہ پھر وہی بات میرے اور میرے ماتحت مجاہدین کے لئے باعث تقویت ہو۔"

"میرا دل کچھ یوں ہی سوچ رہا ہے۔"

"آپ کی سوچ، آپ کی فکر اور دور اندیشی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تصدیق فرما چکے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے۔ لیکن نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔"

"سعد! اب تم میرا نفس موٹا کرنے لگے۔ اچھا سنو! تمہارے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا ہے۔"

"نہیں نہیں، یا امیر المومنین! وہ دیکھئے ابن سراقہ کا گھر آ گیا اور ہاشم آپ کے استقبال کو آ رہا ہے۔"

امیر المومنین کو اس گفتگو میں ایسا انہماک تھا کہ وہ اس وقت چونکے جب ہاشم نے بڑھ کر "السلام علیکم" کہا اور مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دئے۔

"وعلیک السلام یا ولد! اب آپ کے والد بزرگوار کیسے ہیں؟" امیر المومنین نے مصافحہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ہاشم نے بتایا کہ "میں آپ کی مجلس سے اٹھ کر آیا۔ سارا حال بتایا۔ اس وقت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ والد بزرگوار کو کوئی بیماری تو بارہ کسی طرح کی کمزوری بھی نہیں ہے۔ وہ تو خود آپ کے استقبال کو آ رہے تھے۔"

حضرت عمرؓ اور حضرت سعدؓ دونوں بہت خوش ہوئے۔ اندر جا کر جب سلام کیا تو واقعی حضرت جعثم بن سراقہؓ نے کھڑے ہو کر مصافحہ کیا اور معانقہ کیا۔ پھر جب بیٹھے تو کسی تمہید کے بغیر امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا:

"اے ہمارے بزرگ رفیق اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عظیم صحابی! مجھے آپ کا پیغام ملا۔ میں نے سعد بن ابی وقاص کو سپہ سالار بنا دیا اور اب امروز فردا میں یہ امیر الافواج کی حیثیت سے ایران کی طرف کوچ فرمائیں گے۔"

حضرت جعشم بن سراقہؓ نے یہ سنا تو سعد بن ابی وقاصؓ کی طرف دیکھا اور ان سے پوچھا:

"کیا آپ نے خود اس کی تمنا کی تھی؟"

"نہیں اخی المکرم! ہرگز نہیں!"

"جزاک اللہ!" ابن سراقہؓ کی زبان سے نکلا۔ پھر امیر المومنین سے کہنے لگے:

"اتنے بڑے صحابی اور مجلسِ شوریٰ کے رکن کو ہرگز مدینے سے باہر اور مرکز خلافت سے جدا نہیں کرنا چاہئے مگر خیر اب جو متفقہ فیصلہ ہو چکا اسی میں بہتری ہے ورنہ آپ کسی بھی شخص کو امیر الافواج بنا دیتے، ایران فتح ہو جاتا۔ اور میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ ایران میری زندگی ہی میں فتح ہوگا۔"

"دیکھئے آپ بزرگ صحابی ہیں۔ آپ ایسی بات کیوں کہتے ہیں جو نہیں جانتے اور جس سے کفر کی بو آتی ہے؟"

"خدا کی قسم، میں جانتا ہوں یا امیر المومنین!"

"دیکھئے بزرگوار! آپ کے اس فقرے نے مدینے بھر میں بڑی تشویش برپا کر رکھی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ آپ پر جنوں کا اثر ہے۔ خدا کی قسم! آپ مجھے بہت عزیز ہیں لیکن اہلِ مدینہ کے ایمان کو آپ سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔ سنئے! اگر آپ نے اپنے اس علم کی گواہی نہ پیش کی تو میرے پاس آپ کی حفاظت کی صرف یہی تدبیر ہے کہ آپ کو مجنوں قرار دے دوں اور اہلِ مدینہ سے آپ کی جان بچا لوں۔"

"گواہ، گواہ! گواہ تو صرف ابوبکرؓ تھے یا امیر المومنین! اب میں انھیں کہاں سے لاؤں لیکن خدا کی قسم میں سچ کہتا ہوں"

"میں سمجھ گیا۔ میرا قیاس ہے کہ کسی ایسے وقت جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ اور آپ ایک جگہ ہوں گے تو حضورؐ نے وہ کچھ فرمایا ہوگا جس کا حاصل یہ ہے جو آپ فرماتے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتے۔ امیر المومنین اللہ تعالیٰ نے نبیوں کی سی فراست عطا فرمائی ہے۔ آپ نے بات پالی۔"

"تو پھر میری درخواست ہے کہ آپ ابا سعید کے سامنے وہ حدیث بیان کر دیجیے تاکہ وہ آپ کی طرف سے مطمئن ہو کے ایمان میں کامل ہو جائیں:

"امیرالمومنین! میں نے تو سوچا تھا کہ جب وہ بات سامنے آجائے گی تب ہی بتاؤں گا لیکن میں آپ کا حکم ٹال نہیں سکتا۔"

"جزاک اللہ۔ السّلام علیکم ورحمتہ اللہ!"

"وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ!"



الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسّلام علیٰ رسولہ الکریم۔ اما بعد ایہا الاخوان! میں وہ سب کچھ بڑے صبر کے ساتھ سنا کرتا ہوں جو آپ میرے بارے میں باہم کہا کرتے ہیں۔ خدا کی قسم، میں اس وقت تک صبر کرتا جب تک کہ حقیقتِ حال سامنے نہ آجاتی لیکن امیرالمومنین نے مجھے حکم دیا کہ میں اب وہ بات بتا دوں جو آپ کے نزدیک عوام الناس کے لئے فتنہ بن سکتی ہے۔

اے ایمان والو! گواہ رہو، محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے اور آخری نبی ہیں۔ حضورؐ نے کبھی کوئی بات غلط نہیں کہی۔ یہ میرا ایمان ہے، یہ آپ کا ایمان ہے، یہی سارے مسلمانوں کا ایمان ہے اور زمانہ گواہ ہے کہ جب حضورؐ نے کوئی پیشن گوئی کی وہ اللہ کے اشارے پر کی اور وہ پوری کی پوری اتری۔

واللہ! اے لوگو! سچ جانو، ایک وقت وہ تھا جب میں رسول خداؐ کا بدترین دشمن تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ سو سُرخ اونٹوں کے انعام نے مجھے دیوانہ بنا دیا تھا۔ اگر میں اس حال میں مرجاتا تو میرے لئے جہنم کے سوا کوئی جگہ نہیں تھی لیکن اللہ تبارک تعالیٰ کو مجھ پر ترس آگیا۔ مجھ کو اسلام کی توفیق ملی۔ وہ وہ دن تھا جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ مکّے سے مدینے کو ہجرت فرما رہے تھے۔ اے ایمان لانے والو! جانو، اس وقت میں کافر تھا اور کافر کو حرص ہی وہ قوت بخشتی ہے جس کی بدولت وہ دوسروں کا سر اتارنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ تو اے لوگو! سنو۔ اب جبکہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور اب جبکہ میرے قویٰ ضعیف ہو چکے ہیں، اور ہاں، افسوس! اب جبکہ میں جہاد سے محروم ہو چکا ہوں، وہ دن، وہ واقعہ اس طرح یاد ہے جیسے میں اسے اب بھی دیکھ رہا ہوں۔

اَیُّہَا الاِخوان! کفارِ مکہ نے اعلان کیا تھا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گرفتار کر کے لائے یا ان کا سر لائے اسے سو سرخ اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے۔ میں سو اونٹوں کے لالچ میں نکل کھڑا ہوا۔ میری قوت کے گواہ امیرالمومنین خود ہیں۔ جب میں جوان تھا، امیرالمومنین عمر نوجوان تھے۔ عکاظ کے دنگل میں جس دن عمر بن خطاب نے رومی پہلوان کو چت کیا تھا اسی دن میں نے شامی دیو کو پچھاڑا تھا۔ تو سو اونٹوں کے لالچ میں نیزہ لے کر گھوڑے پر سوار ہوا۔ واللہ، میں نے سُراغ پالیا کہ محمدؐ ابوبکرؓ کے ساتھ کس راستے سے جا رہے ہیں۔ وہ عام راستہ نہ تھا۔ حضورؐ نے رابغ کی راہ چھوڑ کر خالص ریت کے میدان کا راستہ اپنایا تھا۔ میں نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور پلک جھپکتے سر پر جا پہنچا۔

واللہ! حضورؐ بالکل مطمئن تھے۔ ابوبکرؓ جو پیچھے مڑ مڑ کر دیکھ لیا کرتے تھے وہ مجھے دیکھ کر گھبرا گئے۔ بولے "یا رسول اللہ وہ آگیا!" اور ہاں واقعی میرا نیزہ کام کر چکا ہوتا اگر میرے گھوڑے کے پاؤں ریت میں نہ دھنس جاتے۔

میں گھوڑے سے اترا۔ دہانہ پکڑ کر گھوڑے کو کھینچا۔ گھوڑا ریت سے اوپر آگیا۔ میں پھر سوار ہوا۔ دو قدم چلا تھا کہ گھوڑا دوسری بار گھٹنوں تک ریت میں دھنس گیا۔ میں پھر اترا۔ گھوڑے کو ریت سے نکالا۔ اور پھر جب حملہ کرنا چاہا تو گھوڑے کی وہی گت بنی اور اب کی بار میں بری طرح گر پڑا۔

اس وقت میرے سامنے آپ میں سے کوئی میری عمر کا نہیں لیکن جو لوگ بوڑھے ہو چکے ہیں وہ جانتے ہیں کہ میں مانا ہوا شہسوار اور نیزہ باز تھا۔ عالمِ کفر اور عالمِ اسلام میں جتنی جنگیں میں نے لڑیں میں کبھی گھوڑے سے نہیں گرا۔ اس وقت گھوڑے سے گرا تو اسے فالِ بد سمجھا۔ حضورؐ کی طرف دیکھا تو وہاں وہ اطمینان جیسے کوئی دشمن پیچھے ہے ہی نہیں۔ میرے دل نے مجھ سے کہا: سچ سچ محمد اللہ کے سچے رسول ہیں۔ پھر میرے ضمیر نے مجھے پکارا: سراقہ کے بیٹے! یہ اچھا موقع ہے۔ اللہ کے رسول سے معافی مانگ لے اور مسلمان ہو جا۔ اللہ کا یہ رسول کامیابی کی طرف جا رہا ہے۔

میرا دل، میرا ضمیر، میرا دماغ یقین کی حدیں طے کر چکا تھا۔ میں نے حضورؐ کو پکارا: یا محمد! اگر آپ اللہ کے سچے رسول ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، تو آپ ٹھہر جائیں۔ میری آواز سن کر اب حضورؐ نے مڑ کر دیکھا۔ قصواء پر سوار تھے۔ اس کی نکیل کھینچی۔ قصواء رکی۔ حضورؐ اترے۔ میں پاس پہنچا۔ حال بتایا اور معافی کی درخواست کی۔ قربان جائیے اس نبیٔ برحق کے جس نے اپنی ذات کے لئے کسی دشمن سے بدلہ نہیں لیا۔ آپؐ نے مجھے معاف کر دیا۔ میں نے کہا کہ مجھے تحریر دیجئے

حضورؐ نے ابوبکرؓ کو اشارہ کیا۔ مجھے معافی نامہ مل گیا۔

ایہا الاخوان! آپ کہتے ہوں گے کہ ابن سراقہ اتنا لمبا پس منظر سنا گیا لیکن حرف مطلب زبان سے نہ نکلا۔ بے شک وہ بات ابھی تک راز ہے جو آپ جاننے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ اے ایمان والو! سنو! اللہ کے رسولؐ نے معافی نامہ دیتے ہوئے مسکرا کر فرمایا تھا، اے سراقہ کے بیٹے! وہ دن بھی کیا ہی خوب ہوگا جب کسریٰ کے کنگن تمہارے ہاتھوں میں اور اس کا تاج تمہارے سر پر ہوگا اور اس کا لباس تم کو پہنایا جائے گا اور مسلمان خوشی کا نعرہ لگاتے ہوئے تم کو مدینے کی گلیوں میں لیجائینگے۔

اے مسلمانو! میں جو یہ کہتا ہوں کہ میں ابھی نہیں مروں گا اور ایران میری زندگی میں فتح ہوگا تو کیا غلط کہتا ہوں! اور اب جبکہ میں نے رسول خداؐ کی پیشین گوئی کہہ دی تو وہ کون مسلمان ہے جو اسے غلط قرار دیگا۔ وما علینا الا البلاغ۔

حضرت جعشم ابن سراقہؓ یہ مختصر تقریر کرکے بیٹھ گئے۔ چاروں طرف سے آوازیں بلند ہونے لگیں "ابن سراقہ! اے ہمارے بزرگ! ایران ضرور فتح ہوگا اور آپ کسریٰ کے کنگن ضرور پہنیں گے۔ انشاء اللہ"۔



"تم، کہ تمہاری پشت پر ترکش اور کاندھے پر کمان! تم، کہ تمہارے پر تلے میں ایک طرف تلوار اور دوسری طرف خنجر! اور ہاں تم، کہ تمہارے ایک ہاتھ میں نیزہ اور دوسرے ہاتھ میں برچھی! اور ہاں پھر تم، کہ تمہاری آنکھوں میں متلاطم سمندر! کیوں، آخر کیوں؟ تم کس ارادے سے آئی ہو؟"

"ابا جان! میں بھی ہاشم کے ساتھ جہاد پر جاؤں گی۔"

"بیٹی! عورتوں پر جہاد فرض نہیں ہے اور تم ایک عورت ہو۔"

"جانتی ہوں۔ لیکن آپ کو یاد دلاؤں کہ ضرار بن ازور کی بہن یرموک کے جہاد میں اپنے بھائی کے ساتھ ہے اور وہ بھی ایک عورت ہی ہے۔"

"لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ ضرار بن ازور خالد بن ولید کے دستے کا اس وقت سے سپاہی ہے جبکہ وہ سپہ سالار تھے۔ اب امیر المومنین نے خالد کو معزول کر دیا ہے اور ابوعبیدہ بن الجراح کو سپہ سالار بنا لیا ہے۔ وہ خالد کا دل رکھنے کے

میدان جنگ میں ضرار بن ازور کی بہن کو برداشت کر رہے ہیں ورنہ اس بارے میں ابوعبیدہ کی وہی رائے ہے جو سعد بن ابی وقاص کی ہے۔"

"لیکن اباجان! ابوعبیدہ اور سعد دونوں عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔"

"تو؟ اس سے تم کیا ثابت کرنا چاہتی ہو؟"

"سعد میرے شہید بھائی قاسم کی وجہ سے اور ہاشم کا دل رکھنے کے لئے مجھے برداشت کر لیں۔"

"میں جانتا ہوں۔ سعد ہرگز تم کو میدان جنگ میں برداشت نہیں کر سکتے۔ میں تم کو بتاؤں۔ اُحد کی لڑائی میں جب قریش کو غلبہ حاصل ہو گیا تھا اور وہ حضورؐ کو (خاکم بدہن) قتل کرنا چاہتے تھے تو ام عمارہؓ بڑی جانبازی کے ساتھ مدافعت کر رہی تھیں۔ بڑھ بڑھ کر حملہ کرتیں اور دور تک قریش مکہ کو بھگا دیتیں۔"

"اباجان! یہ واقعہ کیا آپ میری تائید میں فرما رہے ہیں؟"

"نہیں۔ پوری بات سنو! سعد بن ابی وقاص نے ام عمارہ کو مدافعت کرتے دیکھا تو کہا کہ کیا اب مدینے میں کوئی مرد نہیں رہا کہ عورتوں کو تلوار اٹھانی پڑی۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ میدان جنگ میں عورتوں کو دیکھنا پسند نہیں کرتے اور اسی لئے آپ مجھے اجازت نہیں دیتے؟"

"میرے دل میں ہے کہ تو جائے۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ ضرار بن ازور کی بہن اللہ کی راہ میں تجھ سے آگے نکل جائے۔ اسی دن کے لئے میں نے نیزہ بازی، برق اندازی، شمشیر زنی اور دیگر فنون حرب سکھانے میں جتنی محنت قاسم اور ہاشم کے لئے کی اس سے کم تیرے لئے نہیں کی بلکہ برچھا اندازی میں تو اپنے بھائیوں پر بھی سبقت لے گئی۔"

"اس کے معنی ہیں کہ آپ کی اجازت ہے؟"

"لیکن میری مشکل یہ ہے کہ اب گنجائش نہیں۔ کیوں ہاشم!"

"اباجان! سعد بن ابی وقاص نے مجھے ان سات سو نوجوانوں کا ذمہ دار بنایا ہے جو سارے کے سارے الطائف میں سے ہیں اتفاق ہے کہ عاصم بن زیاد کسی وجہ سے شریک جہاد نہ ہو سکا۔ اس کی جگہ مجھے پُر کرنا ہے بشرطیکہ وہ

کسی صحابی کا بیٹا ہو۔"

ہاشم کے یہ کہتے ہی عاصمہ بول اٹھی "ابا جان! عاصم زیاد کی جگہ میں عاصم سراقہ کیوں نہ بن جاؤں!"

عاصمہ کی اس برجستگی پر ہاشم ہنس پڑا اور ابن سراقہ جیسا سنجیدہ اور بوڑھا صحابی بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

ہاشم اور عاصمہ نے بڑھ کر باپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ باپ سے رخصت ہو کر عصر سے پہلے لشکرِ اسلام میں پہنچ گئے۔

عباد نے ہاشم کے ساتھ نوجوان مجاہد کو دیکھا تو پوچھا "یہ کون ہے؟" بتایا "یہ میرا خورد ہے۔ ہمیشہ باپ کی خدمت پر مامور رہا اس لئے مدینے میں غیر معروف رہا۔"

"مگر ہاشم! اس کے تیور بتا رہے ہیں کہ یہ ابن سراقہ ثانی ہوگا۔"

"انشاء اللہ!"

امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کو اس لشکر سے اس درجہ دلچسپی تھی کہ عصر کے بعد جب افواج اسلام کوچ کرنے والی تھیں خود روانگی کا منظر دیکھنے پہنچ گئے۔ سعد بن ابی وقاصؓ انھیں لے کر ایک ٹیلے پر کھڑے ہو گئے اور ہر اس دستے کا تعارف کرانے لگے جو سامنے سے گزر رہا تھا۔

"امیر المومنین! یہ ہے ہاشم بن عتبہ میرا بھائی۔ چار ہزار قریشی اور انصاری تجربہ کار مجاہد اس کے ساتھ ہیں آپ اس کے لئے دعا فرمائیں!"

"جزاک اللہ وجزاھم اللہ خیر الجزا۔ اللہ تعالیٰ تم کو اور ان کو جزائے خیر دے۔"

"اور یہ ملاحظہ فرمائیں۔ طلیحہ اسدی ہے۔ تین ہزار اسدی جانباز لے کر شریک لشکر ہوا ہے۔ اس کے دستے کا سپاہی صاحب سیف و علم ہے۔ امیر المومنین! آپ اس کے لئے دعا فرمائیں۔"

"ماشاء اللہ! جزاک اللہ وجزاھم اللہ خیر الجزا۔"

"اور یہ دیکھئے۔ بنو تغلب کے پانچ ہزار اور ان کے پیچھے بنو کلب کے چھ ہزار اور یہ اور یہ۔۔۔"

اس طرح جو فوج گزرتی سعد اس کا تعارف کراتے۔ ان افواج کے بعد ہاشم سراقہ سات سو نوجوانوں کے ساتھ نکلا۔ جس وقت نوجوانوں کا یہ دستہ سامنے سے گزر رہا تھا، امیر المومنین نے دیکھا کہ ہاشم سراقہ کے برابر دوسری طرف

جو نوجوان ہے وہ ہاشم کی آڑ لے رہا ہے جیسے وہ امیرالمومنین کی نگاہوں سے بچنا چاہتا ہو۔

یہ دستہ گزر گیا اور اب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی دس ہزار فوج گزر رہی تھی جس میں ستر وہ صحابی تھے جو غزوۂ بدر میں شریک تھے، تین سو وہ بزرگ تھے جو بیعت رضواں میں شامل تھے اور اسی قدر وہ حضرات جو فتح مکہ میں حضورؐ کے ہمرکاب تھے۔ لیکن امیرالمومنین ابھی تک اس نوجوان کو دیکھ رہے تھے جو ہاشم کے داہنی طرف اس کی رکاب سے رکاب ملائے چل رہا تھا۔ آگے بڑھ کر اس نوجوان نے مڑ کر امیرالمومنین کو دیکھا لیکن جب انہیں خود اس طرف دیکھتے پایا تو جھٹ رخ پھیر لیا۔ امیرالمومنین نے حضرت سعدؓ سے پوچھا:

"یہ ہاشم کی داہنی طرف کون سا نوجوان ہے؟"

"امیرالمومنین! یہ ہاشم کا چھوٹا بھائی ہے۔ واللہ یہ بالغ ہے۔"

"میں نے کبھی اسے مسجد نبوی میں نہیں دیکھا۔ تم نے اس سے یہ سوال کیا؟"

"امیرالمومنین! یہ عین اس وقت ہاشم کے ساتھ آیا جبکہ ہم کوچ کرنے والے تھے۔"

"اچھا، فی امان اللہ! اللہ تعالیٰ تم کو جلد کامیاب واپس لائے۔ سنو! بہت جلد تم ایک راز سے آگاہ ہو جاؤ گے میں تم کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کسی کا کوئی نازک سے نازک راز افشا نہ کرنا۔ جو لوگ تم سے لڑیں انہی سے لڑنا جو لوگ صلح کے لئے ہاتھ بڑھائیں ان سے صلح کر لینا۔ صلح بہرحال جنگ سے بہتر ہے۔ عورتوں اور بچوں پر ہاتھ نہ اٹھانا۔ تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مشرکین کے بچے تم سے اچھے ہیں۔ اگر وہ تمہارے قبضے میں آجائیں تو بعافیت ان کے ورثاء کو پہنچا دینا۔ دشمن سے رابطہ قائم کر کے پہلے اسلام کی دعوت دینا۔ پھر قاسم کے قاتل کا مطالبہ کرنا۔ اگر دشمن انکار کرے تو اللہ پر بھروسہ رکھنا۔ دشمن کی کثرت سے مرعوب نہ ہونا۔ اور دیکھو دعا سے غافل نہ ہونا۔ یہ بات خاص طور پر اس لئے کہتا ہوں کہ تمہاری دعا اللہ ضرور قبول کرتا ہے۔

اور دیکھو، مثنیٰؓ شیبانی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگ صحابی تھے۔ جسر کی لڑائی میں انھوں نے جو زخم کھائے وہ بگڑ گئے۔ اسی حالت میں ان کا انتقال ہو گیا۔ تم شیبان جا کر حسن مثنیٰؓ سے ملنا اور میری طرف سے تعزیت کرنا۔ حسن مثنیٰؓ ہمیشہ باپ کے دوش بدوش لڑا ہے۔ وہ ایرانیوں سے اچھی طرح واقف ہے۔ مشوروں میں اسے

ضرور شریک کرنا حالانکہ وہ ابھی کم عمر ہے۔ اچھا، خدا حافظ۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ امیر المومنین سے ہدایات لے کر اپنے تیس ہزار لشکر سے جا ملے، اس لشکر میں جس کا ہر سپاہی اپنی خوشی سے اور خدائے تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے شریکِ جہاد ہوا تھا اور شوقِ شہادت سے سرشار ہو رہا تھا



محلوں میں، محفلوں میں، نہ تو خانقاہ میں

جاتا ہوں، اب ملوں گا کسی رزم گاہ میں

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ مدینے سے روانہ ہوئے تو سیدھے موضع دمن وقار کا رخ کیا۔ یہی وہ مقام تھا جہاں سے حضرت مثنیٰؓ شیبانی عراق عجم پر تاخت کرتے تھے۔ حضرت مثنیٰؓ کے آٹھ ہزار سپاہی حسن مثنیٰؓ کی معیت میں یہیں سعدؓ کا انتظار کر رہے تھے۔ سعدؓ دمن وقار پہنچے تو حسن خدمت میں حاضر ہوا اور جو ضروری مشورے باپ نے دئے تھے بیان کئے۔ حسن مثنیٰؓ باپ کی طرح نہایت پُر وقار، خوش گفتار اور صاحبِ شخصیت نوجوان تھا۔ سعدؓ اس سے مِل کر بہت خوش ہوئے۔ مثنیٰؓ شیبانیؓ کے لئے دعائے مغفرت کی۔ اس کے بعد پوچھا کہ قاسم کو کس طرح شہید کیا گیا۔ حسن نے بتایا:۔

"قاسم یزدگرد کے حکم سے قتل نہیں ہوا بلکہ اس کے ایک درباری خراسان کے گورنر کے بیٹے فرخ زاد نے دھوکے سے قتل کر دیا۔ فرخ زاد جتنا ہی خوبصورت ہے اس سے زیادہ چالاک ہے۔ وہ یزدگرد کا منہ چڑھا ہے۔ عوام میں مشہور ہے کہ فرخ زاد یزدگرد کی بیٹی تہمینہ سے شادی کرنا چاہتا ہے لیکن تہمینہ کا عہد ہے کہ جو شخص اسے میدان جنگ میں شکست دیدے وہی اس کا شوہر ہو سکتا ہے۔ تہمینہ اب تک چالیس ایرانی بہادروں کو زیر کر چکی ہے۔ نہایت بہادر اور غیور شہزادی ہے۔ وہ فرخ زاد سے اس لئے ناراض ہے کہ اس نے ایک سفیر کو دھوکے سے قتل کر دیا۔

اے رسول اللہ کے بزرگ صحابی! یہ واقعہ یوں ہے کہ قاسم مسلمان سفراء کے ساتھ جا رہا تھا۔ آپ جانتے ہیں

قاسم مناظر قدرت کا عاشق تھا۔ یہاں آجکل ایران کا چپہ چپہ مرغزار بنا ہوا ہے۔ قاسم ایک پہاڑی پر چڑھ گیا اور مظاہر قدرت کے نظارے میں محو ہو گیا۔ اس حالت میں مغرب کا وقت آ گیا۔ وہیں نماز کے لئے کھڑا ہو گیا۔ فرخ زاد اس وقت شکار کے لئے اس طرف آیا ہوا تھا۔ اس نے ایک مسلمان کو نماز پڑھتے دیکھا۔ تیر کمان میں جوڑا۔ تاک کر مارا۔ تیر قاسم کی ناف میں در آیا۔ گرا تو پھر نہ اٹھ سکا۔ مجھے معلوم ہوا۔ میں لاش اٹھا لایا۔ سفراء نے مل جل کر قاسم کو وہیں دامن کوہ میں دفن کیا پھر میں بقیہ سفراء کے ساتھ یزگرد سے جا کر ملا۔ اس سے شکایت کی۔ اس نے یہ بات تسلیم کی کہ سفیر کا قتل افسوس ناک ہے لیکن جب ہم نے قاتل کا مطالبہ کیا تو اس نے انکار کر دیا۔ واپس آ کر میں نے قاسم کی قبر پر عہد کیا کہ جب تک قاتل سے انتقام نہ لوں گا، ایران پر تاخت کرتا رہوں گا۔ میرے ساتھ آٹھ ہزار شیبانی ہیں اور سب نے یہی عہد کیا ہے۔"

یہ سُن کر حضرت سعدؓ نے شراف کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ شراف پہنچ کر قیام کیا۔ اب تک کے سارے حالات لکھ کر مرکز خلافت بھیجے اور قاسم کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کی اجازت چاہی۔ یہ اجازت اس لئے چاہی کہ وہ پہاڑی عراق عجم کے حدود میں تھی۔

حضرت سعدؓ شراف ہی میں تھے کہ مرکز خلافت سے حکم آ گیا کہ شراف کے پاس غدیب میں ایرانی میگزین ہے۔ حسن سے مشورہ کر کے پہلے اسے تباہ کر دو۔ اس کے بعد قادسیہ میں ڈیرے ڈال دو اور وہیں اس طرح مورچے جماؤ کہ سامنے عجم کی سرزمین ہو اور پشت پر عراق عرب کے پہاڑ تاکہ جب چاہو اور جتنا چاہو آگے بڑھ جاؤ اور اگر خدانخواستہ کوئی اور بات پیش آ جائے تو پہاڑوں کو پناہ گاہ بنا سکو۔ قادسیہ پہنچ کر حالات کا جائزہ لو اور دیکھو کہ دشمن تمہارے مقابلے کو کہاں تک آ گیا۔ اگر دور ہو تو پہاڑی پر جاؤ۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے دستے کے ان جانبازوں کو ساتھ لے جاؤ جن میں کا ایک ایک دو ہزار سپاہیوں کے برابر ہے۔ ان کی تعداد بیس سے زیادہ نہ ہو۔ حسن مثنیٰؓ، ہاشم اور عاصم اس تعداد سے مستثنیٰ ہیں۔ ہاشم بن عتبہ اپنے بھائیؓ کو تاکید کر دو کہ ہراول دستے کو چوکنا کر دے۔ اور دیکھو جب قاسم کی قبر پر جاؤ تو عاصم کا خاص خیال رکھنا۔ وہ کم عمر ہے۔ ایسا نہ ہو کہ بھائی کی قبر پر وہ اپنے کو نہ روک سکے اور رو پڑے۔ اس کو میری طرف سے خاص طور پر صبر و ضبط کی تلقین کرو۔

اس ہدایت کے مطابق حضرت سعدؓ قادسیہ پہنچے۔ مورچے جمائے۔ جاسوس روانہ کئے۔ ہاشم بن عتبہ کو حکم دیا

الجھنوں کے گرفتار

ایرنا!

ایرنا میرے گھر عید کے دن آئی تھی۔ اس کا رنگ دودھ کی طرح سفید ذرا ذرا سرخی لیے ہوئے تھا یوں سمجھئے کہ بلور کی مورت میں گلاب کا رنگ ڈال دیا گیا تھا۔ چہرہ مہرہ گولائی لیے ہوئے۔ بچوں کی طرح پھولے پھولے گال۔ پتلے پتلے گلابی ہونٹ، چمکدار آنکھیں، نقطہ ناک۔ کالی کالی بھنویں، اونچا ماتھا۔ سر پر کالے کسی قدر سنہرے پٹے بال۔ یعنی پیچھے سے ترا شے ہوئے۔ ترچھی مانگ نکالے میرے چھ فٹ اونچے دروانسے میں جھک کر داخل ہوئی تھی۔ اتنی لمبی تھی مختصر پوشاک میں تقریباً عُریاں۔ میری اہلیہ نے دیکھ کر کہا "کیسا کچا کچا مکھڑا ہے۔ حالانکہ وہ پورے اکتیس سال کی ایک پوری عورت، بیاہتا نہیں کنواری لڑکی تھی، آسٹریا کی رہنے والی مذہبا کرسچین۔

آپ مجھ پر اعتراض کر سکتی ہیں کہ بہتر برس کے بوڑھے، دین سے لگاؤ رکھنے والے ادیب نے حسنِ عریاں کا اتنا گہرا مطالعہ کیوں کیا؟ اور یہ بھی پوچھ سکتی ہیں کہ وہ اس بوڑھے ادیب کے پاس کیوں آئی تھی؟ میں یہی بات بتانا چاہتا ہوں؟

لگ بھگ ایک سال سے یورپین تہذیب کی ایک نئی نویلی خوب صورت نومسلم دلہن میری تربیت میں ہے۔ وہ اسلام قبول کر چکی ہے اور ایک خوبصورت اور رئیس نوجوان سے شادی کر چکی ہے۔ وہ میرے پاس اپنی ساس کے کہنے سے نماز سیکھنے آئی تھی۔ پہلے اس کے لئے کئی انگریزی دان اور کئی مولوی بطور ٹیوشن رکھے گئے لیکن وہ ان سے مطمئن نہ ہوسکی۔ دراصل واقعہ یہ ہے کہ وہ بات چیت شروع کرتے ہی ایک نہ ایک اعتراض اسلام پر کر دیتی اور کھل کر بحث کرتی۔ کہتی کہ مسلمان گوشت کھاتا ہے اس لئے سنگدل ہوتا ہے۔ اسکا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ ایک اعتراض یہ کیا کہ اسلام ہر مرد کو چار بیویاں رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ اس کا ایک اعتراض یہ تھا کہ مسلمان کھاتا بھارت کا ہے اور گاتا عرب کا ہے۔ اس نے یہ مصرع بھی پڑھا کہ میرے مولا بُلا لو مدینے مجھے۔ وہ پردے کی سخت مخالف ہے اور کہتی ہے کہ آج کل بیوی کو بھی کمانا چاہیئے ورنہ اس زمانے میں کنبہ کی معاشی حالت کی وجہ سے دوسروں سے پیچھے رہ جائے گی۔ وغیرہ۔

دلہن بہت ذہین ہے۔ مادری زبان بنگلہ ہے لیکن انگریزی بھی مادری زبان والوں کی طرح بولتی ہے۔ وہ گریجویٹ ہے۔ اس نے پہلی ہی ملاقات میں میرے سامنے یہی سارے سوالات لاکھڑا کئے۔ میں نے ہر سوال پر سیر حاصل گفتگو کر کے بتایا کہ آپ کے سوالات اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کے زیر اثر ہیں۔ پھر میں نے مثالیں دیں۔ میں نے کہا کہ ہٹلر سبزی خور تھا لیکن اپنے زمانے کا سب سے بڑا بے رحم اور ظالم آدمی تھا۔ رام چندر جی گوشت خور تھے لیکن کیسے بردبار اور گمبھیر تھے۔ میں نے حضرت علیؓ کا وہ واقعہ سنایا جب انھوں نے ایک لڑائی میں ایک مشہور پہلوان کو پچھاڑا اور چاہا کہ قتل کر دیں کہ مثلاً اس نے ان کے منہ پر تھوک دیا۔ آپ اس کے سینے سے اُتر آئے اور تلوار میان میں کر لی۔ پہلوان کو حیرانی ہوئی۔ اس نے پوچھا کہ آپ نے قابو پا کر کیوں چھوڑ دیا؟ فرمایا کہ میں تجھ سے دین کی خاطر جہاد کر رہا تھا۔ تو نے تھوکا تو میرا غصہ بھڑکا۔ قتل میں میرا نفس شامل ہو گیا۔ میرے نفس نے اللہ کی رضا کو دبا دینا چاہا اس لئے میں نے تیرے بدلے اپنے نفس کو قتل کر دیا۔

میں نے سمجھایا کہ اگر انسان کو خدا کا خوف ہو تو وہ بڑی سی بڑی سخت بات کو پی سکتا ہے۔ کاظم الغیظ مسلمان کی ایک صفت ہوتی ہے۔ "اسلام تلوار سے پھیلا" اس پر میں نے کہا کہ یہ جنوبی ہند کے ہزاروں لوگ جو مسلمان ہو گئے ہیں ان پر اسلام کی کونسی تلوار لٹک رہی تھی؟ میں نے بتایا کہ مساوات اسلامی نے ان سب کو مسلمان کیا ہے۔ چار بیویوں والے سوال کا جواب میں نے یہ دیا کہ یہ حکم نہیں ہے۔ اگر یہ حکم ہوتا تو ہر مسلمان پر چار بیویاں کرنا فرض ہو جاتا اور بیٹی! آج تمہاری بھی تین سوکنیں ہوتیں ورنہ تمہارا شوہر گناہگار ہوتا۔ میں نے نرم لہجہ اختیار کر کے بتایا کہ یہ ضرورت کے تحت اجازت ہے اور اس کے لئے کچھ شرطیں ہیں۔ پھر میں نے وہ آیت پڑھ کر سنائی جس میں یتیموں کے سلسلے میں عربوں پر تنقید کی گئی ہے پھر میں نے یہ بھی کہا کہ مسلمان ایک بیوی کو کھلا نہیں پاتا بے چارہ اور بیویاں کیسے برداشت کر سکے گا۔ پھر میں نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ ذرا کھل کر بات کرنی ہوگی میں نے کہا کہ فرض کر لو، ایک مسلمان کی بیوی بانجھ ہے یا کوڑھی ہو گئی ہے یا اُنج ہے۔ وہ مسلمان تنومند اور کڑیل جوان ہے۔ اب کیا کرے وہ بیٹی! کیا تم اس کو اجازت دو گی کہ وہ دوسری عورت سے شادی نہ کرے اور محلے بستی میں کھل کھیلتا پھرے جیسے تمہاری مغربی تہذیب میں ہوتا ہے۔ یا اس غریب کو طلاق دے کر دو۔

کاح کرے۔ یا یہ اچھا ہے کہ اس کا بھی کفیل رہے اور دوسری بیوی کا بھی۔ بولو انصاف اور اچھی تہذیب کہاں ہے؟
دلہن مسکرائی۔ وہ بار بار گڈ اور ویری نائز کہتی رہی۔ پھر پردے اور معاشی بحران پر میں نے اس سے خوب بحث کی۔ عورت اور مرد کی جسمانی حالت کا مقابلہ کیا۔ پھر میرے اقدام میں جارحانہ پن آگیا۔ میں نے بھرپور چوٹ کی بیٹی! کیا ایک عورت حاملہ ہو کر ہوائی چھتری سے کود سکتی ہے۔ تم منتقلی کورس کی حالت میں وزارت عظمٰی کے فرائض سنجیدگی سے انجام دے سکتی ہو؟ اس طرح میں نے بوچھار شروع کی تو وہ پھٹی پھٹی نظروں سے مجھے تکتی رہی اور خاموش ہوگئی۔ میں نے اس سے کہا۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ میں گھنٹہ دو گھنٹہ تمہارے ساتھ لگنواؤں۔ تم اردو پڑھ لو۔ پھر کتابیں دوں گا۔ تم اسلام سمجھ لینا کل سے نماز سکھانے آؤں گا۔ وہ دوسرے دن سے اردو سیکھنے لگی۔ عادتاً کچھ سوال اٹھاتی، میں مختصراً سمجھا دیتا۔ ۱۳ دن میں وہ چھوٹے چھوٹے جملے پڑھنا اور لکھنا سیکھ گئی۔ وہ بی اے۔ بی ٹی ہے اور ٹیچر رہ چکی ہے اس لئے جو سبق میں پڑھاتا دوسرے دن وہ جو کچھ پیش کرتی وہ اس کی ذہانت کو ظاہر کرنے والی بات تھی۔

یہ دلہن یہاں یعنی سسرال میں کم رہتی ہے۔ دہلی میں بنگلہ کرائے پر لے رکھا ہے۔ وہیں زیادہ تر رہتی ہے۔ وہاں اپنی سہیلیوں سے کہا کرتی ہے کہ "میرے مولوی سے چل کر ملو۔" یہی بات اس نے ایرنا سے کہی تھی۔ یہ بات ایرنا سے عید کے دن ملاقات کے وقت معلوم ہوئی۔

میں نے ایرنا کے لئے کرسی پیش کی۔ کیونکہ وہ جو کچھ پہنے تھی اس کی وجہ سے پلنگ پر نہیں بیٹھ سکتی تھی۔ دلہن کو میں نے اپنے پلنگ پر بٹھالیا۔ ایرنا نے بیٹھتے ہی پوچھا "مولوی کسے کہتے ہیں؟" وہ انگریزی بول رہی تھی۔ دلہن میرے اور اس کے بیچ ترجمانی کے فرائض انجام دے رہی تھی۔ میں نے پوچھا "یہ لفظ مولوی آپ نے کہاں سے پایا؟" اس نے بتایا کہ یہ آپ کی شریر بہو دہلی میں سب سے کہتی پھرتی ہے کہ "میرے مولوی" سے ملو یہی مجھے پکڑ کر لے آئی۔

ایرنا نے معذرت کی۔ "آپ کی دلہن بی نے آپ کے بارے میں پورا تعارف نہیں کرایا ورنہ میں اوپر سے میکسی پہن لیتی۔ جی ہاں آپ کے احترام میں۔" میرے ذہن نے مجھ سے کہا کہ ایرنا شریف لڑکی ہے۔ میں نے اسے

بتایا کہ مولوی وہ ہوتا ہے جو قرآن سمجھتا ہے اور قرآن کے مطابق عمل کرتا ہے اور دوسروں سے عمل کرنے کو کہتا ہے۔ جیسے آپ کے یہاں پادری ہوتے ہیں۔ لیکن میں مولوی نہیں ہوں۔

اس کے بعد اس نے "روزہ" کے بارے میں سوال کیا۔ میں نے کہا کہ "روزہ تو آپ سمجھتی ہوں گی۔ یہ تو آپ کے یہاں، یہودیوں کے یہاں، ہندوؤں کے یہاں سب کے یہاں فرض کیا گیا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ لوگوں نے اس کی شکل بدل دی۔

اس نے کہا "ٹھیک کہا آپ نے؟" یہ بتائیے کہ ایک مسلمان روزہ رکھ کر کسی کو قتل کر دے تو؟" اس سوال کے جواب میں میں نے وہ حدیثیں سنائیں جو اس طرح کی ہیں۔ روزہ رکھ کر کسی نے غیبت کی۔ گالی بکی، جھوٹ بولا تو وہ بھوکا رہا۔ ایسے روزے کی اللہ کو ضرورت نہیں۔

یہ سن کر ایرینا خوش ہوگئی۔ اس نے کہا کہ جب عیسائی خدا کو مانتے ہیں، آخرت اور رسالت کے قائل ہیں تو آپ انھیں کافر کیوں کہتے ہیں؟" میں نے کہا کہ کافر کے معنی حق بات کو چھپانے والا۔ عیسائیوں نے بہت سی باتیں انجیل سے نکال کر چھپا دیں۔ اور ان کے بدلے اپنی طرف سے ملا دیں۔ اس لئے وہ کافر ہیں۔

ایرینا جھنجھلا گئی۔ اس نے نفی میں سر کو جھٹکا دیا۔ دو تین منٹ انگریزی میں تیز تیز بولتی رہی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ دلہن نے ترجمہ کیا معلوم ہوا کہ وہ کافر نہیں اور آپ نے زیادتی کی ہے۔

میں سنبھلا۔ میں نے بھی تقریر کر ڈالی۔ کیا عیسائیوں نے فارقلیط کو نہیں چھپایا۔ کیا انھوں نے ایک خدا کے بدلے تین خدا نہیں مان لئے۔ کیا آپ کفارے کے بارے میں آج کی انجیل میں خدا کا کوئی قول دکھا سکتی ہیں یا حضرت عیسیٰؑ کا قول پیش کر سکتی ہیں؟ کیا آپ نے حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا نہیں بنایا۔ معصوم مریم کو خدائی میں شریک نہیں کیا؟ جبکہ یہ سب کھاتے پیتے تھے۔ دکھ میں اُف کرتے اور خوشی میں واہ کرتے اور بول و براز کرتے تھے۔ کیا یہ خدائی صفات ہیں؟ خدا تو بے عیب ہے بیٹی!" آخری فقرہ جب میں نے اس کی طرف دیکھ کر کہا تو اس کا کان میرے اتنے قریب تھا کہ میں اس کی سانس کی آواز بھی سن رہا تھا اس کے سینٹ کی مہک سے فضا کبھی دیر میں معمور ہو چکی تھی

اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ میں نے پوچھا "یہ کیا بیٹی؟" اس نے کہا "کیا آپ نے انجیل مقدس ... ہی ہے؟" میں نے جواب دیا "انجیل مقدس کی بنیادی باتیں جانتا ہوں۔" اس نے خاموشی اختیار کی تو میں ... رخ بدلا "بیٹی! تم یہاں یعنی ہندوستان کیوں آئیں؟" اس نے بتایا کہ ایک سکھ نوجوان سے شادی ... نے۔ پھر دلہن نے ساری بات بتائی۔ ایرنا آسٹریا میں ٹیچر ہے۔ گیارہ ہزار تنخواہ پاتی ہے۔ سکھ نوجوان ... ائی ہزار پاتا ہے اسی کے پاس یہ آئی ہے۔

یہ سن کر میں نے مشفقانہ انداز میں معاشی حالت پر تبصرہ کیا۔ اس طرح کہ اگر شادی کر کے آپ ... ندوستان میں رہیں گی تو آپ کے سرٹیفکٹ کی یہاں کوئی ویلو نہیں ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ یہاں آپ کسی ... رائیوٹ اسکول میں عارضی ٹیچر بن جائیں گی۔ یا کسی دوکان پر "گرل" بن کر بیٹھیں گی اور مسکرا مسکرا کر گاہکوں کو ... ھائیں گی۔ آپ یہاں کہیں نوکری کریں آپ کو پانچ چھ سے زیادہ نہیں مل سکتے۔ پھر یہ کہ وہ سکھ اور تم کرسچین ... و دھرموں کے، بتاؤ کو تم کیسے نارمل کر سکو گی؟ اس نے جواب دیا کہ میں سکھ ہو جاؤں گی۔ میں نے سمجھایا کہ اصل ... وال دھرم بدلنے کا نہیں یہ بتاؤ کہ گھر کیسے کر سکو گی جبکہ یہاں تم دونوں مل کر تین ہزار سے زیادہ نہیں کما سکتے ... ں اگر تمہارا سکھ دوست آسٹریا چلا جائے تو مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔"

وہ کہنے لگی "کچھ تدبیر کرنی ہی ہوگی۔" میں نے دلہن کی طرف دیکھا، دلہن نے کہا کہ اس پر بھوت سوار ہو گیا ... ہے یہ مانے گی نہیں، اس کے بعد میرے ایک سوال پر اس نے کہا کہ وہاں ہر شہری کو ہر سہولت مہیا ہے۔ فلیٹ ... وزگار، علاج وغیرہ مہیا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے لیکن وہاں مشرقی ملکوں کی طرح عصمت کے کوئی معنی ... یں۔ کنواری ماؤں کو قانوناً سہولتیں دی گئی ہیں۔"

"بیٹی! تم یہ پسند کرتی ہو؟" اس نے جھینپتے لہجہ میں کہا "نہیں۔" پھر خود ہی بتانے لگی کہ وہاں فیملی سسٹم ... ٹ رہا ہے اور اخلاقی قدریں معدوم ہیں اب یورپین عورت جوانمرد اور با اخلاق شوہر کے لئے مشرق کی ... ت دیکھتی ہے۔

عید کے دن آتنی ہی گفتگو ہوئی۔ میری اہلیہ نے دسترخوان لگا دیا تھا۔ دلہن سے کہا کہ مہمان کو باتوں

ہیں الجھا رکھا ہے نہ خاطر نہ مدارات۔ دلہن ہنسی۔ اس نے انگریزی میں کچھ کہا۔ ایرنا مسکرائی۔ عید کا دن تھا۔ کھانے میں تکلف عید کے دن ہوتا ہی ہے۔ چیزیں میٹھی بھی چٹپٹی بھی۔ کھٹی بھی۔ اچار بھی۔ چٹنی بھی۔ اور امرود کیلا ملا کر کچالو بھی۔ سلاد بھی۔ بہت کچھ تھا۔

ایرنا نے ایک ایک چیز سب چکھا۔ پھر چٹنی اور سلاد خوب کھائی۔ پلاؤ بھی اسے پسند آیا۔ سوئیاں اسے اپنی طرف متوجہ نہ کر سکیں اور رائتہ بھی اس نے نہیں کھایا۔ مٹھائیوں میں صرف پیڑی پسند کی۔ کھا پی کر شکریہ ادا کیا اور چلی گئی۔ دوسرے دن پھر آئی۔ دوسرے دن فرغل کی طرح کی میکسی پہنے ہوئے تھی۔ اور مجھے دیکھ دیکھ کر گویا کہہ رہی تھی کہ ہے نا محترم یہ ٹھیک؟ میں نے اس کی تعریف کی اور کہا کہ صرف سر چھپانے کی کسر رہ گئی ورنہ مسلمان ہی ہوتیں۔

میری لڑکی اپنے شوہر کے ساتھ حج کو گئی ہوئی تھی۔ اس کا بچہ حسان حمزہ ہمارے یہاں تھا۔ یہ بچہ اسے بہت پسند آیا۔ اس نے اسے گود میں لیا پیار کیا اور پچیس روپئے کے نوٹ اس کی جیب میں ٹھونس دیئے۔ میں نے احتجاج کیا تو شریر دلہن نے بھی پانچ پانچ روپیہ سب بچوں کو دیتے ہوئے کہا۔ "تحفے کی چیز واپس کرنا اسلام میں کب جائز ہے۔"

میں نے ہنس کر کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو وہاں بکری کے کھر کی مثال دی ہے۔ دلہن نے پٹ سے جواب دیا۔ "آجکل پچیس روپے بکری کے کھر کے برابر بھی نہیں ہیں۔" اسی جملے سے افراط زر پر گفتگو ہونے لگی ایرنا نے بھی حصہ لیا۔ گھنٹہ بھر بڑی دلچسپ باتیں اور تبادلۂ خیال ہوا پھر ایرنا نے دلہن سے کہا۔ "تمہارا مولوی تو اچھا خاصا اپادری ہے۔ جتنے وقت ایرنا نے وعدہ کیا کہ آسٹریا جانے سے پہلے آپ سے ضرور ملوں گی۔" میرے گھر والوں سے ایک ایک ۔۔۔ ملی بچے بھی خوش ہو رہے تھے۔ ہنس رہے تھے۔ وہ بھی خوش تھی اور مسکرا رہی تھی۔ چلتے وقت میں نے پکتھال کے ترجمے والا قرآن، رسالہ دینیات انگریزی پرافٹ آف اسلام اور چند انگریزی کی کتابیں دیں۔ اس نے بنڈل بھی چوما اور میری طرف سر جھکا دیا۔ وہ چاہتی تھی کہ میں اس کے سر پہ ہاتھ رکھوں۔ مگر میرا ہاتھ لٹکا ہی رہا۔ دلہن نے انگریزی میں کچھ کہا اور وہ سلام کر کے رخصت ہو گئی

ایرنا چلی گئی۔ وہ آسٹریا چلی گئی۔ وہ حسب وعدہ مجھ سے مل کر نہیں گئی۔ دلہن سے معلوم ہوا کہ ایک ماہ رہ کر وہ ناکام ونامراد تنہا واپس گئی۔ آپ کو سلام کہہ گئی ہے۔ دلہن نے بتایا کہ جاتے وقت وہ بہت اداس تھی اور آپ کو یاد کر رہی تھی۔ کاش! وہ مجھ سے ملتی۔

ایرنا کی یاد مجھے اسی طرح آتی ہے جیسے میری اس لڑکی کی یاد آتی ہے جو اس وقت حج کے سلسلے میں مدینے کی زیارت کر رہی ہے۔ ایرنا مجھے خط لکھے گی تو میں ضرور جواب دوں گا۔ (۲۲ر نومبر کو یہ مضمون لکھا گیا)

ایمان کی کسوٹی

آپ کے تعلقات دنیا کے بے شمار لوگوں سے ہیں۔ کچھ لوگ آپ کے ہمسائے ہیں، کچھ آپ کے دوست ہیں، کچھ آپ کے دشمن ہیں، بہت سے وہ لوگ ہیں جو آپ کی خدمت کرتے ہیں اور بہت سے وہ لوگ ہیں جن کی آپ خدمت کرتے ہیں۔ کسی سے آپ کو کچھ لینا ہے اور کسی کو کچھ دینا ہے کوئی آپ پر بھروسہ کرکے اپنے کام آپ کے سپرد کرتا ہے، کسی پر آپ بھروسہ کرکے اپنے کام اس کے سپرد کرتے ہیں، کوئی آپ کا حاکم ہے اور کسی کے آپ حاکم ہیں۔ غرض اتنے آدمیوں کے ساتھ آپ کو رات دن کسی نہ کسی قسم کا معاملہ درپیش آتا رہتا ہے، جن کا آپ شمار نہیں کرسکتے۔ دنیا میں آپ کی مسرت آپ کی کامیابی، آپ کی عزت اور نیک نامی کا سارا انحصار اس پر ہے کہ یہ سارے تعلقات جو میں نے آپ کے سامنے بیان کئے ہیں، صحیح اور درست ہوں۔ اسی طرح آخرت میں خدا کے یہاں بھی آپ اسی وقت سرخرو ہوسکتے ہیں کہ جب اپنے مالک کے سامنے آپ حاضر ہوں تو اس حال میں نہ جائیں کہ کسی کا حق آپ نے مار رکھا ہو، کسی پر ظلم کیا ہو، کوئی آپ کے خلاف وہاں نالش کرے، کسی کی زندگی خراب کرنے کا وبال آپ کے سر پر ہو، کسی کی عزت یا جان مال کو آپ نے ناجائز طور پر نقصان پہنچایا ہو۔ لہٰذا آپ کو یہ فیصلہ کرنے کی بھی ضرورت ہے کہ ان بے شمار تعلقات کو درست کس طرح رکھا جائے، اور ان کو خراب کرنے والے طریقے کون سے ہیں جن سے پرہیز کیا جائے۔

ابوالاعلیٰ مودودیؒ

حجاب

آخرت کی زندگی

(ساجدہ فرزانہ)

اسلام ہمیں سکھاتا ہے کہ اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہے۔ وہ ہمیشہ رہنے والی زندگی ہے۔ دنیا کی اس زندگی کے بعد کی اس زندگی کا نام آخرت کی زندگی ہے۔ اس آخرت کی زندگی پر یقین اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے۔ اسلام دنیا کی اس زندگی کو آخرت کی زندگی کی کھیتی قرار دیتا ہے۔ اس دنیا کی مثال ایسی ہے (جیسے کوئی کھیتی بوئے اور فصل کاٹنے کے لیے آخرت کا منتظر ہو۔

دنیا کی یہ زندگی عارضی ہے یہاں انسان امتحان دینے آیا ہے امتحان کی مدت ختم ہو جاتی ہے تو آدمی موت کی گھاٹی میں سے گذر کر آخرت کی زندگی میں چلا جاتا ہے۔ وہاں اُسے اپنے عمل کا بدلہ ملتا ہے۔ اس نے اس زندگی میں اچھے کام کئے۔ خدا کے حکموں پر چلا اور خدا کی نافرمانی سے بچتا رہا تو اُسے ہمیشہ رہنے والی آخرت کی زندگی میں ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کی "جنت" ملے گی۔ ورنہ جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔

مومن کا مقصود یہ دنیا نہیں بلکہ آخرت ہے۔ اس لیے ہمیں ایک "مومنہ" کی حیثیت سے یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہیے کہ یہ دنیا ہی زندگی کا اول و آخر نہیں ہے بلکہ ہم مر کر ایک ہمیشہ رہنے والی زندگی میں داخل ہونگے

حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ان کے کندھوں سے پکڑ کر ارشاد فرمایا: "دنیا میں اس طرح رہو گویا یہ پردیس ہے اور تم مسافر ہو۔ ہمیشہ اپنے آپ کو قبر والوں میں شامل سمجھو۔" ایک سچا مومن دنیا کی فانی لذتوں اور آرائشوں میں کبھی کھو نہیں جاتا بلکہ وہ اپنی آخرت کی زندگی کو سنوارتا رہتا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جو انسان بھی موت کو یاد رکھے گا اور اس بات پر یقین رکھے گا کہ اسے اس دنیا کی ہر چیز کو چھوڑ کر ایک دن مالک حقیقی کے حضور جانا ہے اور اپنی ساری زندگی کا اُسے حساب دینا ہے ایسا شخص کبھی خدا کی نافرمانی نہیں کرے گا۔ اگر کبھی شیطان کے بہکائے میں آکر اس سے کوئی گناہ ہو بھی جائے تو وہ فوراً اپنے کئے پر نادم و شرمسار ہو گا۔



اسلامی تعلیم سیکھ سیکھ کر مینا کشی پورم رحمت نگر بنتا جا رہا ہے

۱۔ **سعادت:** ٹملناڈو کے ایک نومسلم سے حکومت کے ایک اعلیٰ عہدہ دار نے کوئی سوال کیا۔ نومسلم نے بغیر خوف کھائے نہایت اطمینان کے ساتھ اس کا جواب دیا۔ عہدہ دار کے لئے یہ جواب بالکل خلاف توقع تھا کیونکہ اب تک ہریجن حکومت کے کسی عہدہ دار کی صورت دیکھتے ہی سہم جاتے تھے اور جواب دینا ہوتا تو ہاتھ جوڑ کر اور گڑگڑا کر جواب دیا کرتے تھے مگر یہاں تو دوسری ہی صورت حال تھی۔ جب سے عادی یہ حکومت کے عہدیدار نہیں تھے۔ اس جواب سے عہدہ دار کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور اس نے کڑک کر کہا۔

"اسے تجھے معلوم ہے کہ تو کس سے بات کر رہا ہے"

"اپنے جیسے ایک انسان سے" نومسلم نے اطمینان کے ساتھ کہا۔

"نالائق تمیز سے بات کر" عہدہ دار غصے سے اکھڑ گیا۔

"تمیز سے مجھے نہیں تمہیں بات کرنی چاہئے کیونکہ میرے ٹیکس سے تم پل رہے ہو مگر تمہاری نوکری سے میں نہیں پل رہا ہوں" نومسلم نے اسی اطمینان کے ساتھ جواب دیا۔

"تجھے معلوم ہے کہ میں کیا کر سکتا ہوں"

"مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ تم یہ کر سکتے ہو کہ مجھے جھوٹے الزامات میں گرفتار کرا دو اس پر بھی تمہارا دل نہیں بھرا تو میری بیوی

بڑوا دو گے۔ اس پر بھی تمہارا دل نہیں بھرے تو میری معصوم بچی کو بھی تکلیف دو گے۔ اس کے باوجود بھی تمہارا دل نہ بھرے تو ہم سب کو ایذائیں دلوا کر قتل کروا دو گے یہی کرو گے نا ـــ لیکن تم یقین کرو کہ اب تمہارا کوئی حربہ ہم پر کارگر نہیں ہوگا۔

آہ ۔! تم کیا جانو کہ ہریجن ہو کر مرنا ہمارے لئے کتنا دردناک ہوتا۔ اور اب مسلمان ہونے کے جرم میں قتل کروا دیا جانا کتنی بڑی سعادت ہے۔

عہدہ دار نے چند ہی دنوں کے نومسلم کی زبان سے اس جذبۂ ایمانی کو سنا تو ہکا بکا ہو کر وہاں سے چل دیا۔

۲۔ سکون کہاں ملا؟ :۔ مرکزی حکومت کا ایک اعلیٰ آفیسر ٹملناڈو آکر ایک نومسلم سے ملاقات کرتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ۔

"حکومت نے تمہیں یہ اور یہ سہولتیں دی تھیں اور ہر قدم پر اتنی رعایتوں سے تمہیں نواز رہی تھی۔ اس کے باوجود بھی تم نے اپنا ہندو مذہب کیوں بدل دیا؟" اس کے جواب میں نومسلم نے کہا کہ ـــ

"ہاں صاحب حکومت ہمیں ہر طرح سے نواز رہی تھی۔ لیکن ایک بات میں کہتا ہوں، آپ اس پر غور کیجئے۔ ایک اچھی نسل کے کتے کو آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو شخص اسے اپنے پاس رکھتا ہے اسے اپنے ساتھ کھلاتا ہے۔ روزانہ اعلیٰ صابن سے نہلاتا ہے، اپنے ساتھ نرم گرم بستر پر سلاتا ہے، موٹر کار میں لئے لئے پھرتا ہے، روزانہ اپنے ساتھ تفریح کراتا ہے، موقع پڑے تو ہوائی جہاز میں اپنے ساتھ لیکر جاتا ہے اور اگر وہ کتا مرجائے تو اس کا ماتم کرتا ہے ـــ مگر صاحب سچ سچ بتائیے کتے پر اتنی مہربانیاں ہونے کے باوجود بھی آپ اسے کیا کہتے ہیں۔ کتا یا انسان ؟"

آفیسر نے جواب دیا: "کتا ہی کہیں گے۔"

نومسلم نے کہا: "تو بس صاحب، ہندوستان کے اندر ہمارا بھی یہی معاملہ ہے۔ ہمیں نیچے سے لیکر اوپر تک ساری آسانیاں دینے اور نوازشات سے نوازنے کے بعد بھی آپ ہمیں کیا کہتے تھے۔ ہریجن ہی نا۔ جس کے معنی ہندوستان کے اندر جانوروں سے بھی بدتر مخلوق کے ہیں۔ اور آپ جانتے ہیں کہ انسان آسانیوں پر نہیں بلکہ انسان بن کر رہنا چاہتا ہے اور ہمیں یہ چیز ہزاروں برسوں سے ہندو ازم میں نہیں ملی۔ اسی لئے ہم نے اسلام قبول کیا ہے اور ہمیں یہاں وہ چیز مل گئی ہے جس کے ہم بھوکے تھے۔"

آفیسر نے کہا۔ تم ہمارے مسلمان ہوتے ہی۔ حکومت وہ ساری رعائتیں تم سے واپس لے لیگی۔"

نومسلم نے کہا۔ "ہمیں جو ایمان، دل کا سکون اور بھائی چارگی ملی ہے اس کے مقابلے میں یہ ساری رعائتیں مچھر کے پر کی بھی حیثیت نہیں رکھتی ہیں۔"

یہ جواب سن کر آفیسر اپنا سا منہ لیکر وہاں سے چل دیا۔

قارئین کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ یہ جواب صرف چار کلاس پڑھے ہوئے نومسلم نے دیا۔ ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔

۳۔ <u>جیب ڈھو کر رہ گیئے</u>:۔ بی جے پی کے صدر اٹل بہاری واجپائی بڑے طمطراق کے ساتھ میناکشی پورم گئے اور اپنے لوگوں سے کہا۔ "جو ہریجن مسلمان ہو گئے ہیں میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔"

ان کے لوگ دو چار نومسلموں کو لے آئے۔ واجپائی جی ان کی صورت دیکھتے ہی بولے۔ "ارے بھائی! میں مسلمانوں سے نہیں بلکہ ابھی جو حال میں ہریجن لوگ مسلمان ہوئے ہیں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔"

یہ سُن کر نومسلموں میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا۔ "جناب ہم ہی وہ ہریجن ہیں جنھوں نے چند دن قبل اسلام قبول کیا ہے۔"

واجپائی جی نے کہا۔ "میں نہیں مانتا کہ تم ہی وہ نومسلم ہو اس لئے کہ تمہارا سارا حلیہ ہی بدلا ہوا ہے۔"

نومسلم نے کہا۔ "جناب مسلمان کو ایسا ہی حلیہ بنانا ضروری ہے۔"

واجپائی نے ان سے کوئی بات نہیں کی اور رخصت کر دیا۔

جو نومسلم واجپائی سے ملنے آئے تھے ان کے چہرے پر داڑھیاں تھیں۔ ساتر لباس تھا۔ سروں پر ٹوپیاں تھیں اور وہ اپنی وضع قطع سے برسوں کے مسلمان معلوم ہو رہے تھے۔

۴۔ <u>ایک گلاس پانی پی لیجئے</u>:۔ میناکشی پورم کے اطراف کے دیہاتوں میں قبولِ اسلام کی لہر چلی تو چند آر ایس ایس کے لوگ ایک دیہات میں گئے اور مسلمان ہونے والے ہریجنوں کو پکڑ پکڑ کر بہت دیر تک ہندو مذہب کی خوبیاں، آئندہ ان کو دی جانے والی سہولتیں، ان پر آئندہ ظلم نہ کئے جانے کے پکے وعدے اور ان کے ساتھ آئندہ کیا جانے والا بھائی چارگی کا سلوک وغیرہ کی باتیں سنانے لگے۔

نومسلم پورے اطمینان کے ساتھ ان کی باتیں سنتے رہے۔ پھر نومسلموں میں سے ایک عمر رسیدہ شخص نے ایک نوجوان سے کہا کہ "بھائی! یہ ہمارے مہمان ہیں اور اس تپتی ہوئی گرمی میں یہ بہت دیر سے ہم سے باتیں کر رہے ہیں جاؤ کم سے کم انھیں ٹھنڈا پانی ہی پلادو۔"

یہ سن کر ایک نوجوان پانی لانے کے لئے دوڑا اور اپنے گھر سے چند گلاسوں میں پانی لے آیا اور اپنے مہمانوں سے کہا کہ "لیجئے پانی پی لیجئے۔" مہمان نوازی کی اس پیش کش پر مساوات، بھائی چارگی اور برابری کا درجہ دینے کی ڈینگیں مارنے والوں کے پسینے چھوٹ گئے۔ اور ان کا ہندو فلسفہ ان کا گلا گھونٹنے لگا کہ ایک ہریجن کے ہاتھ کا پانی پی کر وہ کس طرح اپنے ہندو دھرم کو بچا سکتے ہیں۔ اچانک ہی وہ ایک ایسی مصیبت میں گرفتار کر دیئے گئے کہ نہ انکار کر سکتے تھے کہ اس انکار سے ان کے گرو گھنٹال قبولِ اسلام کے سیلاب پر جو بند ھ باندھنا چاہتے تھے اس میں سوراخ پڑ جاتا۔ اور اگر پانی پیتے ہیں تو ان کے ہندو دھرم کا بندھ ہی ٹوٹ جاتا۔ اس لئے ان کے چند لوگوں نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ "شکریہ ہمیں پیاس نہیں لگی ہے" مگر نومسلم بھی بڑے گھاگ تھے وہ کہاں ان کو چھوڑنے والے تھے۔ وہ تو یہ چاہتے تھے کہ اپنے ہاتھ کا پانی پلا کر ان کے مساوات کا امتحان لیں اسلئے وہ اصرار کرنے لگے کہ "ارے بھائی! آپ بہت دیر سے باتیں کر رہے ہیں گرمی سے حلق سوکھ رہا ہوگا دو گھونٹ پانی پی لیجئے۔ نومسلموں کے اس اصرار کو دیکھ کر مہاشے چوکڑی بھول گئے اور اپنا بھائی چارگی اور برابری کا درس سمیٹ کر جلد از جلد یہاں سے بچ نکلنے میں ہی اپنی عافیت سمجھنے لگے اس لئے کہا کہ "اچھا حضرت اب اجازت دیجئے ہم بھگوان نے چاہا تو بہت جلد آپ سے ملیں گے۔"

نومسلم کہاں چھوڑنے والے تھے انہوں نے کہا "ٹھیک ہے آپ پھر آیئے مگر ایک گلاس پانی تو پیتے جایئے۔"

آر ایس ایس کے گرگوں نے "شکریہ شکریہ! ہمیں ضرورت نہیں ہے" کہا اور پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر نو دو گیارہ ہوگئے۔ ان کے جاتے ہی نومسلموں نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا کہ یہ ہے ان کے مساوات کا حال۔"

۵۔ اے کاش تم بھی کلمہ پڑھ لو۔

ترونلی کے ایک نومسلم سے حکومت کے ایک

ذمہ دار نے پوچھا: "کلمہ پڑھ کر آخر تمہیں ملا کیا۔؟"

نومسلم نے جواب دیا: "یہ کیوں نہیں پوچھتے کہ کیا نہیں ملا؟"

حکومت کے ذمہ دار نے کہا: "مسلمان ہونے سے بھی تمہاری حالت سدھر نہیں سکتی۔"

نومسلم نے جواب دیا: "تم کیا جانو کہ مسلمان ہونے کے بعد ہماری حالت میں کتنا بڑا انقلاب آگیا ہے۔ دل کا سکون، من کا چین، محبت بھرا دل، اور انسانیت کی عظمت یہ سب چیزیں ہمیں مل گئیں مگر ان کی حقیقت کو تم کیا جانو — اے کاش تم کلمہ پڑھ لو تو یہ ساری حقیقت تمہارے دل میں اتر جائیگی۔"

۶۔ شیلا:۔ تملناڈو کے ایک قریہ میں ایک ہندو بیوہ رہتی تھی، ان کی ایک بچی ایسے اسکول میں پڑھنے جاتی تھی جس میں مسلمان لڑکیاں بھی آتی تھیں۔ غیر مسلم لڑکی شیلا بہت جلد مسلمان لڑکیوں سے گھل مل گئی اور کبھی کبھار مسلمان لڑکیوں کے گھر آنے جانے لگی۔ مسلمان گھرانے میں اس کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا جاتا رہا جس نے اس کے معصوم دل کو موہ لیا اور وہ چند ہی دنوں میں اسلام میں دلچسپی لینے لگی اور آخر ایک دن مسلمان ہوگئی۔ اس کے مسلمان ہونے کی اطلاع نہ اس کی ماں کو تھی اور نہ ہی بھائیوں کو۔ لڑکی نماز کا وقت آتا تو اپنے گھر میں چھپ چھپ کر نماز پڑھتی۔ ماں پوجا پاٹ کو بلاتی تو کوئی بہانہ بنا دیتی۔ اسی طرح وقت گزرتا رہا۔ آخر رمضان آگیا لڑکی رات کو ۲ بجے اٹھتی اور سحری کھاکر روزہ رکھ لیتی۔ ماں دن میں کہتی کہ "بیٹی آ کھانا کھالے" تو لڑکی سر درد یا پیٹ درد کا بہانہ بنا لیتی۔

ایک دن ماں گھر سے باہر گئی ہوئی تھی۔ نماز کا وقت آیا تو لڑکی نماز پڑھنے کے لئے کھڑی ہو گئی۔ اتنے میں اچانک اس کی ماں گھر میں آگئی اور اپنی لڑکی کو اٹھا بیٹھی کرتی ہوئی دیکھا۔ جب لڑکی نماز سے فارغ ہوگئی تو ماں نے حیران ہو کر پوچھا "تو کیا کر رہی تھی؟" بھانڈا پھوٹ گیا تھا اس لئے لڑکی نے چھپانا مناسب نہ سمجھا اور اللہ کا نام لے کر اپنے مسلمان ہونے کا سارا واقعہ بیان کر دیا۔ ماں نے سنا تو پہلے تو بہت ناراض ہوئی لیکن جب لڑکی نے مسلمانوں کا برتاؤ اور اسلام کی خوبیاں بیان کیں تو ماں ٹھنڈی پڑ گئی اور کہنے لگی کہ "بیٹی تو پڑھی لکھی ہے اگر تو اسی میں اپنی بھلائی دیکھتی ہے تو میں کیا کہہ سکتی ہوں؟" لڑکی نے ماں کے اندر جب نرمی دیکھی تو ماں کے

گلے میں باہیں ڈال کر محبت سے کہنے لگی۔" ماں اسلام بہت اچھا مذہب ہے۔ یہ من کو شانتی دیتا ہے، یہ انسان کو انسان بناتا ہے اور ہم ہزبجنوں کو دنیا میں انسان بن کر جینے کا درجہ دیتا ہے۔ ماں! اس دین کو اختیار کر کے ہم دنیا میں انسانوں کی طرح رہ سکتے ہیں اسلئے میری اچھی ماں تم بھی کلمہ پڑھ لو۔"

بات دل سے نکلی تھی دل پر اثر کر گئی۔ ماں نے چند دن سوچنے کی مہلت مانگی اور چند دنوں کے بعد وہ بھی اسلام کی آغوش میں چلی آئی۔ بھائیوں نے دیکھا تو انھوں نے کہا" جب تم دونوں اسلام میں چلی گئی ہو تو ہم باہر رہ کر کیا کریں۔ لہٰذا ہم بھی تمھارے ساتھ آتے ہیں۔ اس طرح ایک معصوم لڑکی نے سارے گھر کی کایا پلٹ دی اور گھر کا گھر اسلام کے نور سے منور ہو گیا۔

اس بیوہ عورت کا ایک بھائی دوسرے گاؤں میں رہتا تھا اس تک اطلاع پہنچی کہ اس کی بہن کا پورا گھر ہندو دھرم کو خیر باد کہہ چکا ہے۔ اس نے یہ سنا تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اور یار لوگوں نے بھی اس آگ پر طرح طرح کی افواہوں کے ذریعہ اور تیل چھڑک دیا۔ وہ اپنی بہن کے گھر پہنچ گیا۔ بہن نے بھائی کا آنا سنا تو اپنے بچوں کو جمع کر کے کہا۔ کہ تم اپنے ماموں سے کچھ نہ کہو میں اس سے نمٹ لوں گی اور وہ انشاء اللہ کچھ نہ کر سکے گا۔ بھائی مؤمن بہن کے گھر کے دروازے پر پہنچ گیا اور گالیوں کی بوچھار کرنے لگا۔ مگر جب اندر سے اس کے جواب میں کوئی آواز نہیں آئی تو اور آپے سے باہر ہو گیا۔ اور گھر میں گھس کر اول فول بکنے لگا۔ بہن نے بڑے اطمینان کے ساتھ اسے سمجھانا چاہا تو بھائی نے کہا کہ تو جہنم میں جاتی ہے تو جا مگر میرے بہنوئی نے جو سامان تجھے لاکر دیا ہے وہ نہیں لیجا سکتی۔

"بہن نے کہا" اگر سامان ہی پر تمہاری نظر ہے تو یہ لو۔ "تمہارے بہنوئی کی بنائی ہوئی سونے کی بالیاں۔ یہ کپڑے لتے، یہ بچوں کا سامان۔ یہ گھر کا سامان جس اللہ نے ہمیں یہ سامان دیا تھا وہی اللہ اب بھی ہمیں اور دیدے گا۔"

بھائی اس کے لئے تیار ہو کر کہاں آیا تھا وہ تو ہنگامہ کرنا چاہتا تھا اور یار لوگوں نے اسے ہنگامہ کرنے کے لئے تیار کر کے شراب پلا کے بھیجا تھا۔ اسلئے وہ مزید زیادتی پر اتر آیا۔ مقامی مسلمانوں کو اِس ہنگامہ کی اطلاع ملی تو وہ اس نومسلمہ بیوہ بہن کی

ہمدردی میں اس کے گھر کے پاس جمع ہو گئے۔ نومسلمہ بیوہ کو مسلمانوں کے جمع ہونے کی اطلاع ملی تو وہ فوراً گھر سے باہر آ گئی اور ہاتھ جوڑ کر مسلمانوں سے کہنے لگی کہ بھائیو! خدا کے لئے آپ اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیے آپ اطمینان رکھیئے کہ جس خدا نے اب تک ہماری حفاظت کی ہے وہی خدا اب بھی ہماری حفاظت کرے گا آپ اگر ذرا سی بھی مداخلت کریں گے تو اندیشہ ہے ہندو مسلم فساد ہو جائے گا۔ آپ اطمینان کے ساتھ انشاء اللہ میرا بھائی ہمارا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا پیدا اُنٹی مسلمانوں نے اس نومسلمہ کی خدا پر یقین کی حالت دیکھی تو اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ نومسلمہ کا بھائی ان کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکا آخر تھک ہار کر

دو غزلیں

شفیع اللہ خاں۔ راز اٹاوی

(۱)

تجربوں کی چٹان سے گزرے
آئینے جس جہان سے گزرے

اتنے ہونٹوں پہ پھول مہکے ہیں
جتنے کانٹے زبان سے گزرے

سینکڑوں پتھروں کے سوداگر
آئینوں کی دکان سے گزرے

چاہتے ہیں یہ مہر و ماہ و نجوم
آدمی آسمان سے گزرے

ہر قدم مشکلیں تھیں رستے میں
ہم مگر آن بان سے گزرے

وہ نتائج ہمیں بتائیں گے
جو ہر اک امتحان سے گزرے

زندگی کی تلاش میں ہم لوگ
موت کے درمیان سے گزرے

خاک میں مل گئے پرندے رازؔ
اتنی اونچی اڑان سے گزرے

(۲)

ہر ایک شخص کا جسم آج روشنی میں ہے
قسم خدا کی مگر روح تیرگی میں ہے

غم و الم کا فسانہ کہیں نہ بن جائے
عجیب طنز کا پہلو تری ہنسی میں ہے

قدم قدم پہ پلکیں بچھا رہا ہے فلک
نہ جانے کون ستاروں کی پالکی میں ہے

وہ دوستی کے لیے بیقرار رہتے ہیں
کئی دلوں سے عجب لطف دشمنی میں ہے

ستم ظریف امیروں میں بیٹھنے والے
کسی غریب کا گھر بھی تری گلی میں ہے

نہ جانے کونسے عالم میں آگئی دنیا
نہ بیخودی میں ہے کوئی نہ ہوش ہی میں ہے

وہ دلفریب اندھیرے فضا پہ چھائے ہیں
دکھائی دیتا ہے ہر شخص روشنی میں ہے

سکون رازؔ زمانے کو مل نہیں سکتا
کہ خلفشار ابھی بزم زندگی میں ہے

لاکھوں کی قسمت

(عصمت فاطمہ صدیقی۔ قیص پور)

اف! آج رات پھر دس بج گئے اور آج بھی مجھے موقع نہ مل سکا۔ امی بھابی وغیرہ کو خط کا جواب دینے کا۔ امی لکھتی ہیں کہ میری لاڈلی اللہ تمہیں خوش رکھے۔ میں تم سے ناراض نہیں ہوں لیکن تمہیں دیکھنے کے لیے تمہارے خیریت نامہ کے لیے ترس رہی ہوں۔ بھابی بھی سب قسم کے ڈائیلاگ اور محبت بھرے جملے لکھتی ہیں۔ پیاری شگوفہ وہاں تم نئی خوشیاں سمیٹنے میں یوں مگن ہو کہ بھابی کی محبت کو صندوقچہ میں بند کر دیا۔ بھئی! تم اپنی بھابی کی محبت کو قلم بند کر کے امانت لوٹا دو۔

میں ان ساری باتوں کا جواب کیا لکھوں؟ لکھ دوں کہ میں نئی خوشی نہیں جانتی کیا ہے؟ زندگی کے آغاز نے مجھے ایک نئی المناک زندگی بخشی ہے۔ حرص و ہوس کے چہار دیواری میں مقید ہوں۔ حریص ہی میرا نگہباں ہے جسے اپنے فرائض سے کوئی واسطہ نہیں بس ہر چیز کو سونے کے پلڑے میں تولتے ہیں۔ امی! آپ کو کیا معلوم کہ یہ لاکھوں کی قسمت آپ کی بیٹی کی خاک میں مل گئی۔ کیا ہوا آپ نے لاکھوں دے دیا؟ سہاگ رات ہی میں میرے مجازی خدا میرے شوہر۔ میرے گلے اور بازو میں پڑے زیورات پر تنقیدی نظر سے دیکھ رہے تھے اور بڑبڑا رہے تھے۔ اس سیٹ کی قیمت واقعی لاکھ روپئے ہیں اس میں سب نگ نیلم ہی کے ہیں؟ خیر سیٹ تو پاپا کے سامنے خریدی گئی ہے کیا معلوم پہلے ہی شکیل صاحب جوہری سے ساز باز کر لیا ہوگا۔ آخر شکیل صاحب بھی تو بزنس مین ہیں۔ پھر وہ سبھی زیورات پرکھ رہے تھے اور ایسے ہی حریصانہ جملے اگل رہے تھے۔ ایک دھوکہ باز کی نظریں دنیا کے سارے لوگ دھوکہ باز نظر آتے ہیں۔ میں جب دلہن بن کر یہاں آئی تو لوگ جہیز دیکھنے کو امنڈ پڑے۔ یہ ریفریجریٹر ملا ہے

ٹوکر ندارد۔ ٹی، وی سیٹ تو ملا ہے مگر ٹیپ ریکارڈ نہیں۔ توبہ۔ صرف جہیز ملنے کا نام ہی بلند ہو رہا تھا بڑی نند نے آکر کہا "تو اب میاں نعمان ڈرائیوری شروع کرے گا۔ ڈاکٹری کی ڈگری بالائے طاق رکھ دے گا" کسی نے کہا کہ میں نے تو کار دیکھی نہیں کیسی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ سیکنڈ ہینڈ ہے نہ کوچ اچھا نہ اسٹرنگ عام ٹیکسی سے بھی بدتر۔ لیجئے۔ نیو کار کی یوں ستیاناس ہوئی۔

امی! اس دن کی بات تو مت پوچھئے سارے جہیز سے پر عنبر اسی محلے میں اشرف کی دلہن بنکر آئی تو ستم ہی تو مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ میری سسرال کے لوگ جہیز کا سامان دیکھ آئے۔ نندیں اپنی ماں سے کہتی تھیں لو! کیا بُرا تھا جو عنبر اس گھر کی بہو بن کر آتی دیکھا نہیں کہ ان کے جہیز کو دیکھ کر سب لوگ کتنا رشک کر رہے تھے۔ شگوفہ اکلوتی زمیندار فیملی کی بیٹی ہے۔ اس پر چار بھائی ایک ڈاکٹر دبئی میں رہتا ہے۔ دوسرا انجنیئر سعودی عرب میں رہتا ہے۔ دولت بٹور رہا ہے۔ دو یہاں ہیں۔ بڑا بزنس مین ہے۔ یہ لوگ وہ جہیز دیں گے کہ کسی نے آج تک دیکھا ہے ہی نہیں۔ لو چار دولت مند بھائی کی اکلوتی بہن کو کیا ملا جو عنبر کو نہ ملا۔ زیورات کے ایسے سیٹ ملے ہیں کہ آنکھ نہیں ٹھہرتی۔ آہ! سامان ملا ہے اللہ کون سا مشین نہیں ہے۔ جو نہ ملا ہو۔ دیکھ کر تو سینہ پر سانپ لوٹ گیا۔ امی کی غلطی ہی تو ہوئی۔ نرگس جو کنواری ہے سسک کر بولی: "آج دیکھو ثریا کتنا اترا رہی ہے۔ اس کی بھابی کتنا جہیز لے کر آئی ہے کہ کوئی نہیں لائی ہے۔ میں بھی تو ارمان سجائی تھی کہ میری بھابی اتنا جہیز لے کر آئے گی کہ کوئی دنیا میں اتنا نہ لایا ہے۔ مگر۔۔۔ آج مجھے سہیلیوں میں شرمندگی ہوئی ساری سہیلیاں ثریا کی بھابی کا جہیز دیکھ کر عش عش کر رہی تھیں۔ نعمان خود فرماتے ہیں۔ امی بے چاری کیا جانیں۔ ابھی تو گولڈ کی بھول ہیں۔ خود کہا تھا کہ تلک۔ جہیز سب فیروز صاحب کے یہاں ملے گا۔ کیونکہ فیروز صاحب اسمگلر ہیں۔ اور اسمگلر کو دولت کی کیا کمی۔ مگر ضد کے آگے کون ٹھہرتا ہے۔ نہیں سامان ملے گا۔ کیونکہ فیروز صاحب کے یہاں پرانی دولت۔ نئی دولت سب ہے۔ مثالی شادی کریں گے وہ بیٹی کی۔ کیا ملا۔ بھیٹیر کار ملی۔ یہ ملا تو وہ ندارد۔ وہ ملا تو یہ غائب۔

نفرتِ و حقارت کے جملے زخمی دل میں نشتر چبھو رہے تھے۔ میں کچن روم میں سُن رہی تھی بسسک رہی تھی۔ عجب کرب تھا۔ نہ کھایا نہ پایا۔ روتی رہی۔ کوئی غمخوار ہمدرد نہیں۔ قہر درویش بجانِ درویش۔

امی! آپ ہی تو کہتی تھیں کہ اپنی لاڈلی بیٹی کی قسمت لاکھوں میں خریدونگی۔ آج بھی شمو خالہ کی مخلصانہ محبت بھری پیاری نظر سامنے آجاتی ہے۔ شمو خالہ! جہاں میں نے کپڑا قطع کرنے کو سیکھا جہاں میں نے پلوان بنانے کو سیکھا۔ انھوں نے مجھے سگھڑ بیٹی بنایا۔ سلیقہ سکھایا۔ وہ غریب معاوضہ پر کپڑا سیتی۔ میں اُن کی مدد کرتی تو وہ کتنا خوش ہو جاتیں۔ بعض وقت کہتی لاڈلی بیٹی تو اتنا کام میرا کرتی ہے تری امی کو معلوم ہوگا تو انھیں خواہ مخواہ رنج ہم سے ہو جائے گا۔ میں جواب دیتی نہیں خالہ۔ امی کو کیسے پتہ چلے گا۔ اور اگر پتہ چل بھی گیا تو میں جواب دوں گی۔ کہ ہمارے رسولِ پاک نے ضعیف پڑوسی کا حق بہت بڑا اہم بہ رکھا ہے۔ میں ان کی ڈھیر ساری دعائیں لے کر جب واپس آئی تو پیار سے مجھے گود میں بٹھا کر پوچھتیں کہ میری لاڈلی کہاں تھی؟ اور میں جواب دیتی ذرا روبینہ کے پاس گئی تھی۔ وہ کلاس اٹینڈ کرتی ہے لہٰذا وہ جو نوٹ اتارتی ہے تو اپنی کاپی میں بھی نقل کرلیتی ہوں۔ آپ کہتی ہیں۔ میری لاڈلی کو صرف پڑھنے لکھنے میں طبیعت لگتی ہے۔ قدرت کی طرف سے سج دھج کر آئی ہے۔

پھر جب شمو خالہ کے بیٹے کامران نے ایم۔ اے کی ڈگری پٹنہ یونیورسٹی میں اعلیٰ پوزیشن کے ساتھ حاصل کی تو انھیں فوراً یونیورسٹی میں ڈیمونسٹیٹر کے حیثیت سے بحال کر لیا گیا۔ غریب شمو خالہ کا غربت کا احساس جاگا۔ ارمان کو جگایا اور بیٹے کے لیے رشتہ مانگا۔ خود تو نہیں کہا مگر صفیہ خالہ سے کہلوایا۔ آپ نے جواب دیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ صرف لڑکے پر میں گڑیا ایسی بیٹی دوں مجھے تو گھر پر دولوں دیکھنا ہے اکلوتی بیٹی ہے لاکھوں میں قسمت خریدوں گی اور ایک دن آپ سے چھپ کر میں شمو خالہ کے یہاں گئی تو انھوں نے مجھے دیکھ کر بہت اداس لہجے میں کہا کاش! میں تمہارے برابر ہوتی بیٹی یا تو ہی میری برابر کی رہتی تو یہ من موہنی کامنی صورت ہمارے گھر کی زینت بنتی۔ اور میں بھی سوچتی تھی۔ کاش! یہ گھر واقع میں میرا اپنا ہوگا یہ گھ جہاں مجھے بچپن سے والہانہ لگاؤ ہے۔ مگر میرا کیسے ہوتا امی! کیونکہ آپ تو میری قسمت لاکھوں میں بنا

چاہتی تھیں اور وہ لوگ لاکھوں کے لائق نہ تھے۔ آج یہ لاکھوں کی قسمت کی داستان آپ کو بتا دوں میری مسکراہٹ چھین لی گئی ہے۔ میری خوبصورت آنکھیں جسے آپ برابر چوم لیتی تھیں۔ سیاہ حلقہ میں نیچے دھنس گئی ہے۔ میرے سرخ گال چپٹ گئے ہیں اور سرخی ڈھل کر زردی مائل ہوگئی ہے۔ میرا گداز جسم لاغر جسم میں تبدیل ہوگیا ہے۔ امی! آپ مجھے دیکھنا چاہتی ہیں۔ ملاقات کیسے ہوسکتی ہے۔ اگر وہ لوگ مجھے آپ کے پاس سے بلادیں گے تو وقت بے وقت سسر کو چائے کون دے گا۔ صبح نعمان صاحب کے لئے لنچ تیار کرکے ہاسپٹل ڈیوٹی کے لیے کون بھیجے گا۔ اتنے سارے خاندان کا کھانا کون تیار کرے گا۔ نعیمہ جو گھن کے کیڑے کی طرح لگی ہے۔ وقت پر تیار کرکے اس کے بچوں کو سکول کون بھیجے گا۔ یہ چھوٹی نند نرگس جس کو میرے سے کم جہیز ملنے پر سہیلیوں کے سامنے شرمندگی اٹھانی پڑتی ہے۔ اس کو وقت پر پہنچنے کے لئے قمیص تیار کرکے اور یونیفارم ڈریس پہ پریس کرکے کون دے گا؟ یہ سب تو مجھے ہی کرنا ہے۔ صبح نماز سے فارغ ہوکر کام میں جٹتی ہوں تو رات دس ساڑھے دس بج جاتے ہیں۔ روز کا یہ چکر لاکھوں کی قسمت یہ چکر شاید میرے مرنے کے بعد ہی ختم ہوگا۔

لو امی صبح کی اذان ہو رہی ہے۔ جل جلالہٗ ...... اب چلتی ہوں۔ موقع ملا، گا تو آپ کو خط ضرور لکھوں گی۔ لو تصور ہی میں لو رات بیت گئی۔ گرمی کی رات تو چھوٹی ہوتی ہی ہے اس پر آپ تصور نے تو اور چھوٹی کردی۔ ویسے یہ رات بھی ہم پر پہاڑ ہی گذرتی ہے۔ استغفر اللہ!

غزل

حسرت بھٹکلی منگلور

ہم کوئی چیز نہ تھے آپ نے شہرت دی ہے
ذرۂ خاک کو افلاک کی وسعت دی ہے

کوئی تحریک نہیں چلتی محرک کے بغیر
جنبشِ مرغ نے صیاد کو دعوت دی ہے

دستِ قدرت کو ہے معلوم مزاجوں کا تقاضہ
چاند کو چاندنی سورج کو تمازت دی ہے

مری نظروں میں نہیں بچتے ہیں عریاں منظر
عشق نے میری نگاہوں کو طہارت دی ہے

ہم نشینی میں محبت کی فضا بنتی ہے
گل کو کانٹوں نے تبسم کی اجازت دی ہے

راہ زن، وعدہ شکن، رند فریبی عیاش
اس نئے دور نے کس کس کو قیادت دی ہے

خیر و شر کے نئے مفہوم تراشے ہم نے
نئی تہذیب نے ذہنوں کو بھی جدت دی ہے

یہ بھی خدشہ ہے کہیں کاٹ نہ دی جائے زباں
لب کشائی کی جو دنیا نے اجازت دی ہے

اُنکے اندازِ عنایت کے تصدق حسرت
دامنِ خار میں ایک گل کو لطافت دی ہے

"رمض"

اُن روزے دار بچوں کے نام
جن کی
تصاویر
شائع ہو چکی ہیں

○ کس مہینے کی بات کرتے ہو؟
وہ کہ جسمیں میرے بچے بھوکے تھے
ستیہ گرہ یا بھوک ہڑتال کہیئے اس کو
گویا ایک وعدہ کروانا تھا ان کو
کہ کبھی ـــــ
نہ ستاؤں گا بھوکوں کو اور نہ کروں گا کوئی گناہ
یہ بھوک ہڑتال جس میں بڑے تو کھاتے تھے۔
اس میں بچوں کی کثرت تھی۔
میں نے ایک نہ رکھا
ان کو روکا کہ تم پہ فرض نہیں۔
بالآخر
سارے بچوں کی
تصویر شائع کروادی۔
میں نے ایک نہ رکھا ـــــ

طبی دنیا۔ حیاتین ج کی کثیر مقدار کھانے سے نزلے و زکام کی روک تھام ہوتی ہے

یہ یقین ایک عام طبی مفروضہ ہے کہ حیاتین ج کی کثیر مقداریں کھانے سے نزلہ و زکام نہیں ہوتا یا اس کا انسداد ہو جاتا ہے یہ محض ایک عام سا اور غلط مفروضہ ہے جس کی ابھی تک تصدیق ہونی باقی ہے۔ اسے آپ ادھوری یا نصف سچائی بھی کہہ سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ کی غذا میں حیاتین ج کی مقدار بہت کم ہے تو زیادہ مقدار میں اس حیاتین کی گولیاں کھا کر آپ زکام یا دیگر امراض کے خلاف اپنی قوتِ مدافعت بڑھا سکتے ہیں۔ نوبل انعام یافتہ مشہور سائنس داں پالنگ نے خود اپنے پر تجربات کئے اور یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچائی کہ حیاتین ج کی بڑی مقداریں کھانے سے وہ نزلہ زکام سے محفوظ ہو گئے۔ بڑا اور اہم سوال یہ ہے کہ حیاتین ج کے استعمال سے پہلے ڈاکٹر پالنگ کیا کھاتے رہے تھے؟ پھر یہ بات بھی اہم ہے کہ ڈاکٹر پالنگ حیاتین ج کی بڑی مقداریں کھانے کی ہر شخص کو جو سفارش کرتے ہیں کیا اس سے واقعتاً نزلہ و زکام کی روک تھام ہو سکتی ہے لیکن اس سے اس کے ساتھ گردوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ چنانچہ حیاتین ج کی بڑی مقداریں لازماً کسی بڑے معالج کے مشورے اور نگرانی میں ہی استعمال کرنی چاہئیں۔

چاکلیٹ کھانے سے

درحقیقت پھنسیوں، مہاسوں یا دانوں کا سبب جسم میں ان ہارمونوں کی تبدیلی ہے جو جلد میں قدرتی روغنیات دنبلوں کی پیدائش کا باعث یا محرک ہوتے ہیں۔ ایسا عام طور پر سنِ بلوغت پر ہوتا ہے لیکن بعض خواتین میں اس سے ذرا پہلے بھی ہو سکتا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ مسامات میں چکناہٹ بھر جاتی ہے جس سے ان میں میل بھر جاتی ہے اور ملد بردانے اور مہاسے نکل آتے ہیں۔ اگر ان بند مسامات میں جراثیم سرایت کر جائیں تو یہ مہاسے یا دانے پک جاتے ہیں۔ زیادہ چاکلیٹ مشروبات اور دیگر چکنی غذائیں کھانے سے دانتوں کو نقصان پہونچتا ہے۔ ان سے وزن میں غیر مفید اضافہ ہوتا ہے۔ یا صحت پر بالعموم خراب اثرات پڑتے ہیں، لیکن ان کا تعلق کسی طرح مہاسوں دانوں سے نہیں، بعض مچھلیاں آیوڈین ملے ہوئے نمکیات وغیرہ کھانے سے البتہ مہاسے یا پھنسیاں نکل سکتی ہیں اسی طرح تخم گندم سے بھی ایسا ہوتا ہے جس میں مذکر جنسی ہارمون سے ملتا جلتا کیمیائی مواد ہوتا ہے۔

مرسلہ م۔ ع۔ باسط۔ اورنگ آباد

عکس

اکرم فاروقی

محترمی و مکرمی . . السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ،
آل انڈیا ریڈیو کا پندرہ روزہ رسالہ "آواز" مورخہ یکم جنوری ۱۹۸۱ء میں اکرم فاروقی صاحب کا ایک افسانہ "عکس" شائع ہوا تھا۔ میں نے پڑھا میرے خیال میں یہ افسانہ حجاب میں شائع ہونے کے قابل ہے اس لئے نقل کر کے روانہ کر رہا ہوں۔ اسی طرح کی دوسری چیزیں اگر میں روانہ کروں تو کیا آپ اسے حجاب میں شائع کریں گے۔ میرا ارادہ حیدرآباد کے آل انڈیا اجتماع میں شرکت کرنے کا تھا۔ لیکن چند ناگزیر وجوہات کی بنا پر شریک نہیں ہو سکا اور آپ سے ملاقات کرنے کی حسرت پوری نہ ہو سکی۔ والسلام (م۔ ع۔ باسط)

سول جج مسٹر باجپئی کے متعلق مشہور تھا کہ مقدموں کا فیصلہ لکھاتے وقت ان کی آنکھیں خلاؤں میں بھٹکتی رہتی تھیں اور ہونٹ اس طرح ہلکے ہلکے جنبش کیا کرتے تھے جیسے کوئی منتر جپ رہے ہوں لیکن فیصلہ ایسا جامع لکھواتے کہ کبھی اپیل میں خارج نہیں ہوتا۔ پر اس دن پنڈت رماشنکر تواری کے مقدمے کا فیصلہ لکھاتے وقت ان کا چہرہ اس بات کی غمازی کر رہا تھا کہ وہ کسی شدید روحانی کرب میں مبتلا تھے۔ انھوں نے کئی بار کوشش کی کہ وہ اپنے تصور کے افق سے جمیدن کا مرجھایا ہوا چہرہ مٹا دیں۔ لیکن انتہائی کوشش کے باوجود سیاہ حلقوں میں گھری بجھی بجھی آنکھیں پژمردہ ہونٹ، پچکے ہوئے رخسار اور کھچڑی نما بالوں کی وہ سوکھی لٹ جو اس کی تنگ پیشانی پر آکر جم سی گئی تھی، بار بار ان کی آنکھوں کے سامنے آکر لہرانے لگی تھی اور انھیں محسوس ہوتا جیسے وہ بالوں کی سوکھی لٹ نہ ہو۔ کوئی پیچیدہ سوالیہ نشان ہو —— !!

جمیدن۔ منشی عبدالحکیم کی بیوہ اور پانچ سالہ نوشہ بنی کی بدنصیب ماں تھی جو سلائی کے کپڑے سی کر اور بیڑیوں پر چٹیں چپکا کر اپنی زندگی کے دن اس آس پر کاٹ رہی تھی کہ ایک دن اس کی امیدوں کا پودا پھل پھول سے لدے گا اور وہ سکھ کے سائے میں بیٹھ کر اپنے سپنوں کی کلیاں چنے گی اور رنگا رنگ پھولوں کا خوب بڑا سا گجرا سجا کر اپنے لڑکے کو دولہا بنائے گی۔ اور

اس کے لئے ایک چاند سی دُلہن بیاہ کر لائے گی لیکن اس دن مجیدن کے خوابوں کے پھول پنکھڑی پنکھڑی ہو کر بکھر گئے تھے جب پنڈت رماشنکر تواری نے اپنے کارخانے کو وسعت دینے کے لئے اس کو مکان سے جبراً نکالنے کی کوشش کی تھی حالانکہ اس سے پہلے بھی تواری جی نے مجیدن کا مکان خریدنا چاہا تھا اور وہ دو ہزار روپے کی پیشکش بھی کر چکے تھے لیکن اس دکھیا بیوہ نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا تھا کہ "بھیا! میں تمہارا جیسا پڑوس چھوڑ کر کہاں جاؤں گی ہمیں تو کوئی اس بستی میں سر چھپانے کے لئے دو گز زمین بھی نہ دے گا۔ اس گھر میں بیاہ کر آیا تھا میں چاہتی ہوں جنازہ بھی اس گھر سے اُٹھے اللہ کے لئے مجھ پر رحم کھاؤ دیا کرو بھیا... ...!!

لیکن مجیدن کی ساری منت سماجت بے کار ثابت ہوئی ــــــ!!

پنڈت رماشنکر تواری قصبے کے ایک معزز شخص تھے وہ دو بار ٹاؤن ایریا میں الیکشن بھی لڑ چکے تھے۔ ٹھاکر گمبھیر سنگھ ایم ایل اے سے ان کی دانت کاٹی روٹی تھی تو پھر بھلا ایسے ذی اثر شخص کے سامنے مجیدن بیوہ کی کون سننے والا تھا ـــ؟

پنڈت جی نے پوری تیاری کے ساتھ مجیدن کے خلاف دیوانی میں مقدمہ دائر کر دیا۔ ان کے کاغذات یہ ثابت کرتے تھے ــ کہ عبدالحکیم نے اپنی بیماری کے زمانے میں پنڈت رماشنکر تواری سے مبلغ پانچ ہزار روپیہ قرض لے کر مکان مذکورہ کا رہن نامہ ان کے نام لکھ دیا تھا کیونکہ عبدالحکیم اپنی حیات میں قرض ادا نہ کر سکے تھے۔ اس لئے مکان رہن بالقبض کی رو سے پنڈت جی کا ہو چکا تھا۔

جب مجیدن نے پانچ ہزار روپے کے قرض اور رہن نامہ کی بات سنی تو ہکا بکا رہ گئی اور وہ روتی پیٹتی ہوئی شکلا جی کے پاس گئی اور الف سے یے تک اپنی دردبھری کہانی سنائی...... شکلا جی ایک رحم دل انسان تھے انھوں نے اپنا وکالت نامہ لگا کر حکم امتناعی کی درخواست عدالت متعلقہ میں گذار دی۔ اسے منظور ہوا جس کے نتیجہ میں مجیدن اپنے مکان پر قابض رہی لیکن اسے مقدمے کا تو بہر حال سامنا کرنا ہی تھا ہر دو تین ماہ بعد مقدمے کی تاریخ لگتی پیشی ہوتی اور پھر اگلی تاریخ پڑ جاتی۔ اسی طرح بھاگ دوڑ میں دو سال بیت گئے۔ مجیدن شب و روز محنت مزدوری کرتی اب اس کا نورِ نظر نوشہ بنی بھی اس کا ہاتھ بٹانے کے لائق ہو گیا تھا وہ دونوں آدھا پیٹ روٹی کھاتے اور کچھ روپیہ مقدمہ کے لئے پس انداز کرتے۔ مجیدن اپنے وکیل شکلا جی کو دن رات دعائیں دیا کرتی تھیں چونکہ وہ اس سے کاغذ پتر کی قیمت کے علاوہ ایک پیسہ بھی اپنی فیس کا نہیں لیتے تھے۔

آخر کار تواری جی نے یہ پتہ لگا ہی لیا کہ سول جج مسٹر باجپئی کانپور کے رہنے والے تھے اور حُسنِ اتفاق سے جج صاحب

سے ان کی دور کی رشتہ داری بھی نکل آئی تھی اور پھر سونے پر سہاگہ یہ کہ جج صاحب کی ماتاجی نے اپنے دستی خط میں اس بات کی بھرپور سفارش کی تھی کہ وہ پنڈت جی کی ہر طرح سے مدد کریں سول جج مسٹر باجپئی کے لئے ان کی ماتاجی کا خط حکم کا درجہ رکھتا تھا اور انھیں یہ معلوم ہو کر بھی دلی خوشی ہوئی تھی کہ پنڈت رماشنکر تواری سے ان کی عزیزداری تھی۔

جج صاحب نے اپنی ماتاجی کا خط پڑھ کر تواری جی کو اپنے بنگلے پر مدعو کیا اور ان کی خوب خاطر مدارات کی لیکن اس دن پنڈت رماشنکر تواری چکر کھا کر عدالت کے فرش پر بیٹھ گئے تھے جب انھوں نے خلاف اُمید مقدمہ کا فیصلہ اپنے خلاف سنا تھا۔ اس فیصلہ کی اطلاع جب ان کی ماتاجی کو ملی تو وہ پہلی گاڑی سے اپنے بیٹے کے پاس آئیں اور ان پر بے حد ناراض ہوئیں کہ انھوں نے اپنی ماں کا کہنا نہیں مانا تھا ——!! مسٹر باجپئی سول جج نے اپنی ماتاجی کے چرن چھوتے ہوئے بہت ادب کے ساتھ پوچھا تھا —— ؟" ماتاجی جس وقت پتاجی کا دیہانت ہوا تھا اس وقت میں کتنا بڑا تھا۔؟" "اس وقت تو پانچ ورش کا تھا" ماتاجی نے تنک کر کہا۔

"ماتاجی! آپ نے پتاجی کے دیہانت کے بعد کتنے کشٹ اُٹھائے، کتنی مصیبتیں جھیلیں، پاس پڑوس والوں نے کس کس طرح پریشان کیا، پر آپ نے جیسے تیسے پڑھا لکھا کر مجھے اس قابل کر ہی دیا کہ میں ایشور کی کرپا اور آپ کے آشیرواد سے انصاف کی کرسی پر بیٹھا ہوں، آپ کو اپنے سب کشٹ یاد ہیں نا —— ؟" مسٹر باجپئی نے گلوگیر آواز میں پوچھا۔

"ہاں ...... ہاں مجھے سب یاد ہیں" ماتاجی کے لہجہ میں بدستور غصے کی آنچ تھی۔

جج صاحب بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔

"ماتاجی! میں جس وقت پنڈت رماشنکر تواری کے مقدمے کا فیصلہ لکھ رہا تھا اس وقت آپ میرے سامنے بحیثیت بیوہ کے روپ میں کھڑی تھیں اور کہہ رہی تھیں۔ بیٹا! جس کا جو حق ہے وہ اسے دے۔ نہیں دے گا تو بھگوان تیرا حق روک دے گا۔

نورالحق سبحانی۔ عادل آباد

درود و سلام

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلٰوةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا۔ (مسلم)

"حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے۔"

ہم پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بے پایاں احسانات ہیں۔ ہم آپؐ کے احسانوں کا بدلہ اسی وقت دے سکتے ہیں جب کہ ہم آپ کی تعلیمات پر عمل کریں۔ آپؐ ہی کی بدولت ہم نے حق کو پہچانا اور آپؐ ہی کے ذریعہ سے اچھا اخلاق سیکھا۔ دین وایمان کو سمجھنے اور ہم کو زندگی گذارنے کے طریقے معلوم ہوئے۔ اس احسان مندی اور حق شناسی کا تقاضہ یہی ہے کہ ہم اپنے رسولؐ کو جان و مال سے بڑھ کر عزیز رکھیں آپ ہی کے بتلائے ہوئے طریقہ پر اپنی زندگی گذاریں اور آپ کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کریں، اور وہ دعا یہی ہے کہ ہم آپ پر درود و سلام بھیجیں۔ اس دعا کا طریقہ بھی آپ نے ہمیں بتا دیا ہے کہ حضرت کعب بن عجرہ رضؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضور اکرمؐ ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ ہم نے آپ پر درود و سلام بھیجنے کا طریقہ پا لیا لیکن درود کس طرح بھیجیں تو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یوں کہا کرو۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ
مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ
اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

ترجمہ:۔ اے اللہ. درود بھیج محمدؐ اور محمدؐ کی آل پر جس طرح تو نے درود بھیجا ابراہیمؑ پر بے شک تو قابل تعریف اور صاحب عظمت ہے، خدایا برکت عطا کر محمدؐ کو اور آل محمدؐ کو جس طرح تو نے برکت عطا فرمائی ابراہیمؑ کو بے شک تو اپنی تعریف کا مستحق ہے اور عظمت والا ہے۔

حضورؐ کی آل میں آپؐ کے خاندان کے علاوہ وہ سب لوگ آتے ہیں۔ جو آپؐ کے لائے ہوئے طریقۂ زندگی پر ایمان رکھتے ہوں اور اس پر عمل کرنے والے ہوں۔ آپؐ پر درود وسلام پہنچانے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن حکیم میں فرمایا ہے کہ "بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبیؐ پر درود وسلام بھیجتے ہیں، اے ایمان والو تم بھی ان پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجو۔ (الاحزاب)

اس فرمان الٰہی سے یہ بات اخذ کر ہیں کہ اللہ تعالیٰ بذات خود آپؐ پر درود بھیجتا درود وسلام کا کثرت سے بھیجنا ایک پیمانہ۔ جس سے یہ پرکھا جا سکتا ہے کہ ایک آدمی دین سے کتنی محبت ہے۔ آپؐ کے لا۔ ہوئے دین سے کتنا لگاؤ ہے۔ اسی بنا قیامت کے دن اُسے آپؐ کا قرب نصیب ہوگا اور آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس زیادہ محبت ہوگی۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں آپؐ کثرت سے درود وسلام پہنچانے کی توفیق فرمائے۔ آمین۔

فارم ۴ تحت ضابطہ ۸

تفصیلات بابتہ ملکیت وغیرہ متعلقہ ماہنامہ "حجاب" رامپور یو۔پی

۱۔ مقام اشاعت:۔ محلہ بارہ دری محمود خاں۔ رام پور۔
۲۔ اوقات اشاعت:۔ ماہانہ
۳۔ پرنٹر کا نام مع پتہ:۔ محمد اسحٰق مائل خیرآبادی۔ محلہ بارہ دری محمود خاں رامپور
۴۔ پبلشر کا نام مع پتہ:۔ محمد اسحٰق مائل خیرآبادی محلہ بارہ دری محمود خاں رامپور
۵۔ ایڈیٹر کا نام مع پتہ:۔ محمد اسحٰق مائل خیرآبادی۔ محلہ بارہ دری محمود خاں رامپور
۶۔ ملکیت کی شخصی:۔ مالک محمد اسحٰق مائل خیرآبادی۔
۷۔ دیگر شرکا کے نام:۔ کوئی نہیں۔

میں محمد اسحٰق مائل خیرآبادی۔ اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم اور یقین کی حد تک بالکل درست ہیں۔ محمد اسحٰق مائل خیرآبادی۔ یکم

خدا کا خوف

(مرسلہ: تبسم افشاں)

انسان اس دنیا میں خدا کا تابعدار بن کر اسی وقت زندگی بسر کر سکتا ہے جب ہر وقت اس کے دل میں خدا کا خوف سمایا ہوا ہو کہ خدا اس کو ہر وقت اور ہر آن دیکھ رہا ہے اس سے چھپ کر اس سے بچ کر وہ کوئی گناہ کر ہی نہیں سکتا خواہ وہ سنسان جنگل میں ہو یا بند اور تاریک کوٹھری میں ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ خبیر و علیم ہے۔ ہر چیز سے باخبر ہے۔ ہر چیز کا وہ علم رکھتا ہے۔ اسے نہ کبھی اونگھ آتی ہے اور نہ نیند آتی ہے۔ وہ انسان کے دل کی دھڑکن کی کیفیت سے واقف ہے۔ لہٰذا خدا کی نافرمانی تک کا خیال یہ کیسے کر سکتا ہے۔

ایک شخص حضرت ابراہیم بن ادھم کے پاس آیا اور اس نے کہا میرا نفس ہے مجھے برائیوں کا حکم دیتا ہے۔ اور میں اس کو رد نہیں کر سکتا۔ ایسی صورت میں کیا کروں کہ گناہ سے بچ جاؤں۔ حضرت ابراہیم بن ادھم نے فرمایا کہ میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں۔ اگر تم نے ان باتوں پر عمل کیا تو انشاء اللہ تمہیں کوئی مصیبت نقصان نہیں پہنچائے گی۔ جب تمہارے دل میں برائی کا خیال پیدا ہوا تو اللہ کی سرزمین سے نکل جاؤ۔

اس شخص نے کہا کہ مغرب و مشرق سب خدا ہی کا ہے اس کی سرزمین سے نکل کر اور دوسری جگہ میں کہاں جا سکتا ہوں۔ تو حضرت ابراہیم بن ادھم نے فرمایا کہ کہاں کی عقلمندی اور کیسی دیانتداری ہے کہ تم اللہ کی نافرمانی کرو اور پھر اسی کی زمین پر رہو۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارادہ کرو تو اس کا رزق نہ کھاؤ اس نے

کہا ناممکن ہے کہ اللہ کا رزق چھوڑ دوں آپ تیسری بات بتائیے۔

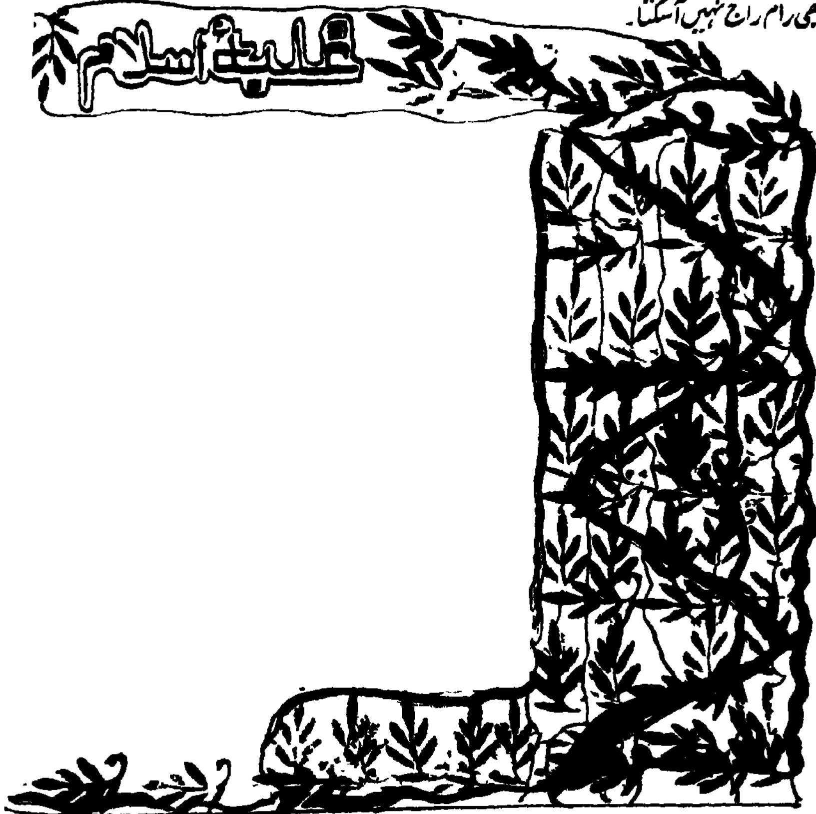
۳۔ آپ نے فرمایا کہ جب اللہ کی نافرمانی کا ارادہ دل میں پیدا ہو تو ایسا کرو کہ برائی اور نافرمانی کے لیے کوئی ایسی جگہ تلاش کرو جہاں اللہ تم کو نہ دیکھ سکے۔ اس نے کہا کہ یہ بھی ناممکن ہے کوئی چوتھی بات بتائیے۔

۴۔ آپ نے فرمایا کہ جب موت کا فرشتہ آئے تو اس سے کہنا کہ بھائی تھوڑی مہلت دینا تاکہ میں توبۂ نصوح کرلوں اور صالح بن جاؤں۔ اس نے کہا کہ وہ فرشتہ میری بات کب مانے گا۔ آپ پانچویں بات بتائیے۔ آپ نے فرمایا کہ جب خدا کے فرشتے تجھے دوزخ میں لے جانا چاہیں تو دوزخ میں نہ جانا اس نے کہا یہ کہاں ناممکن ہے وہ نہ میری بات مانیں گے۔ اور نہ مجھے چھوڑیں گے ہی تو حضرت ابراہیم بن ادھم نے فرمایا کہ پھر کیسے تو نجات کی امید کے لیے بیٹھا ہے۔ اس شخص نے کہا۔ اے ابراہیم حسبی حسبی۔ انا استغفر اللہ واتوب الیہ۔ کافی ہے کافی ہے میں اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔ اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں اور میں توبہ کرتا ہوں۔ اس کے بعد وہ شخص حضرت ابراہیم بن ادھم کی خدمت میں زندگی گذارنے لگا۔ اور ان ہی کی نگرانی میں عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گیا اور اس طرح اس کی زندگی سدھر گئی اور اس طرح سے وہ شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچ کر نکل گیا۔

آج کی سیاست سراپا جھوٹ

ہندوستانی سیاست کا پہلا سبق اس بات کی مشق کرنا ہے کہ جھوٹ کس طرح بولا جائے اور عوام کو کسطرح اُلّو بنایا جائے۔ ہمارے ملک کا کوئی سیاستدان ایسا نہیں کہ جو جھوٹ نہ بولتا ہو۔ اور جو موقع سے فائدہ نہ اٹھاتا ہو۔ پہلے کے سیاستداں اگر سخت ضرورت پڑنے پر جھوٹ بول بھی دیتے اور بعد میں ان کا جھوٹ کھل جاتا تو سخت شرمندگی کا اظہار کرتے تھے۔ آج کا سیاستداں جھوٹ کھل جانے پر ہنستا اور مونچھوں پر تاؤ دیتا ہے۔ گویا کہہ رہا ہو کہ دیکھا میں نے کس طرح تم لوگوں کو اُلّو بنایا تھا۔ سیاست میں جھوٹ اور فریب دہی آج اتنی عام ہے کہ لوگ اس کے عادی بھی ہو گئے ہیں اور وزیر اعظم جیسی ہستی بھی جھوٹ بولتی ہے تو اس کا کوئی بُرا نہیں مانتے۔ راجیو گاندھی کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ وہ سرکاری معاملات یا فیصلوں میں کوئی عمل دخل نہیں رکھتے۔ وہ پارلیمنٹ کے ممبر سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہیں۔ مگر اخباری نامہ نگار لکھتے ہیں کہ کوئی بھی ریاستی وزیر اعلیٰ راجیو سے ملے بغیر اندرا تک نہیں جا سکتا۔ اندرا راجیو کی سفارش کے بغیر کوئی کام نہیں کرتیں۔ راجیو کو جو چیز پسند نہیں وہ ہوتی ہی نہیں۔ ریاستی وزیر اعلیٰ تک اپنے بیانات میں کہتے ہیں کہ وہ راجیو سے اجازت حاصل کر کے ہی یہ باتیں بتا رہے ہیں۔ اب یہ کوئی نہیں جانتا کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا۔ اندرا گاندھی پہلے کہتی تھیں کہ راجیو سیاست میں نہیں آئے گا۔ یہاں تک کہ جو لوگ راجیو کا نام لیتے تھے ان پر برہم بھی ہوا کرتی تھیں۔ مگر جب راجیو سیاست میں آ گئے تو کہنے لگیں کہ ہر شخص کو سیاست میں آنے کا حق ہے۔ راجیو گاندھی خود بھی کہتے تھے کہ وہ خود کو سیاست کی گندگی سے دور رکھنا چاہتے ہیں اور ہندوستان کی سیاست انھیں پسند نہیں۔ مگر اب اسی گندی سیاست میں حلق تک ڈوب گئے ہیں۔ اور سیاست ہی کو انھوں نے اوڑھنا بچھونا بنا لیا ہے اسی طرح یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ راجیو گاندھی کو پارٹی میں کوئی عہدہ نہیں دیا جائے گا مگر یہ مشہور ہے کہ انھیں بہت جلد پارٹی کا جنرل سکریٹری بنایا جانے والا ہے۔ اس بات کی بھی سختی سے تردید کی جا رہی ہے کہ راجیو کو وزیر اعظم بنانے کی تیاریاں

ہو رہی ہیں اور اندرا گاندھی آہستہ آہستہ انھیں تربیت بھی دے رہی ہیں۔ اور یہ طے بھی ہو گیا ہے کہ راجیو کو اس گدی پر بٹھانے کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ اس سلسلے میں یہ دلیل پیش کی جا رہی ہے کہ اندرا نے شہزاد چارلس کی شادی میں جب راجیو کو روانہ کیا تو برطانوی اخبارات میں یہ لکھا گیا تھا کہ ہندوستان کا ہونے وا وزیر اعظم آیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ سب کچھ آپ ہی آپ ہو رہا ہے یا کرایا جا رہا ہے۔ اس سوال کا صحیح جواب ملنا مشکل ہے۔ کیونکہ اب سیاست میں سچ نام کی کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ اس لئے ہندوستان میں قیامت تک بھی رام راج نہیں آسکتا۔



ایک عظیم رعایتی اعلان

کرتے ہوئے بے حد خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ جو حضرات حجاب کے خریدار بنیں گے یا پرانے خریدار اگلے سال کے لئے سالانہ چندہ عنایت فرمائیں گے ان کی خدمت میں ایک نہایت خوبصورت دیدہ زیب ظاہری و معنوی خوبیوں سے آراستہ بہترین کتاب **صحابہ و صحابیات** بطور تحفہ پیش کی جائے گی۔ کاغذ بہترین۔ ٹائیٹل مونا جلد دار خوبصورت صفحات ۴۹۶ کتاب کا وزن ۔ گرام
حجاب کا سالانہ چندہ = روپے کتاب کے لئے ویلیو پی رجسٹری =/5 روپے مزید کل ملا کر =/ روپے براہ کرم وی پی بقدر مجبوری ہی منگائیے۔ وی پی سے منگاتے ہیں آپ تو خواہ مخواہ =/5 روپے زیادہ دینا پڑیں گے۔

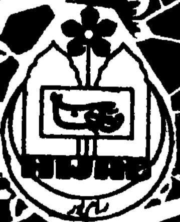
اگر آپ

چار سال کا چندہ =/ روپے پیشگی ادا کر دیں تو آپ کو پانچ سال کے لئے خریدار بنا لیا جائے گا اور کتاب "صحابہ و صحابیات" بھی بطور تحفہ پیش کی جائے گی۔

مینیجر حجاب رامپور یوپی (244901)


خواتین اور طالبات کا پاکیزہ ماہنامہ
حجاب
رامپور

خواتین اور طالبات کا پاکیزہ ڈائجسٹ



جلد ۱۷ ٭ ماہ - اپریل مئی ۱۹۸۲ء ٭ مطابق جمادی الاخری رجب



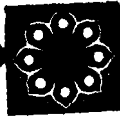
اس شمارے کی قیمت ۵/ روپیہ

قیمت :- سالانہ زر تعاون ۴۰/ روپیہ

نوٹ: ... وی پی ... ہوگا ... سمجھا جائیگا۔

اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ...





ایمان و اخلاق

[illegible]

[illegible]

مقالات ومضامین

[illegible]

ایڈیٹر، پبلشر اور مالک محمد اسحٰق مائل خیرآبادی مقام اشاعت بارہ دری محمود خاں رامپور یوپی-۲۴۴۹۰۱
مطبوعہ ایم آر آفسیٹ پرنٹرز، کٹرہ نظام الملک، اردو بازار۔ دہلی ۶

ادار یہ



اپریل فول ۔ کالج کے طلبہ اور طالبات کو دھوکا، جھوٹ اور بے حیائی سکھانے والی ایک بے ہودہ رسم اپریل فول ایک شرارت سے بھری ہوئی رسم ہے جو یکم اپریل کو صرف ایک دن کے لیے دیکھی جاتی ہے۔ یہ رسم انگریزی حکومت میں ہمارے ملک کے کالجوں میں رواج پائی۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارے سماج میں اسے بہت ہی گھناؤنا فعل سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اسکولوں اور کالجوں میں "اپریل فول" ترقی پسندی کی نشانی ہے۔ جو اسٹوڈنٹ جتنی ہی خوبصورتی اور چالاکی سے جھوٹ بول کر دوسروں کو دھوکا دیتا ہے ۔ اس کے دوست اتنی ہی اس کی تعریف کرتے ہیں۔ اور جو کسی کو دھوکا نہیں دیتا یا نہیں دے پاتا وہ احمق گدھا اور بدھو سمجھا جاتا ہے۔

ہوتا یہ ہے کہ جن لڑکوں یا لڑکیوں کو شرارت کرنے سے دلچسپی ہوتی ہے وہ کسی کو دھوکا دینے کے لیے یکم اپریل سے پہلے منصوبہ بنا لیتے ہیں۔ سوچ لیتے ہیں کہ اس طرح فلاں کو دھوکا دینا ہے۔ مثال کے طور پر پچھلے سال اس کا نشانہ ایک طالب علم کے باپ کو بنایا گیا۔ کالج کے ایک لڑکے نے اپنے دوست کے باپ کو تار دیا کہ آپ کے بیٹے کا انتقال حرکت قلب بند ہوجانے سے ہوگیا۔ بے چارہ باپ مع خاندان بدحواس ہو کر گھر سے بھاگا۔ کالج آیا تو پتہ چلا کہ اسے اپریل فول بنایا گیا۔

ظاہر ہے کہ اس مثال میں جھوٹ بھی ہے۔ دھوکا بھی ہے۔ اپریل فول بننے والے کا نقصان بھی ہے۔ دکھ اور تکلیف بھی ہے لیکن ستم ظریفی کی بات یہ ہے کہ ان ساری اخلاقی خرابیوں پر کوئی پوچھ گچھ نہیں۔ قانون بھی اس کی طرف دھیان نہیں دیتا۔

آپ نے بہروپیوں کو دھوکا دیتے دیکھا ہوگا۔ وہ روپ بدل کر آتے ہیں۔ اور لوگوں سے انعام پا۔ ہیں۔ یہ بہروپیے کسی کو نقصان نہیں پہنچاتے بلکہ وہ ایک طرح کے بھکاری ہوتے ہیں اور ایک فنکاری ساتھ پیسہ مانگتے ہیں۔

آپ نے اپنے گھروں میں ایک اور بات دیکھی ہوگی۔ یہ بات عام طور پر ان دنوں میں سامنے ہے جب آم کی فصل تیار ہوجاتی ہے۔ اگر کسی نے آم کے دو پھل جڑے ہوئے پائے تو وہ لاکر گھر میں دے ہے۔ پھر بہن اپنے بھائی کو چند پھلوں میں رکھ کر دیتی ہے۔ بھائی ہاتھ میں لیتا ہے تو فوراً بہن کہتی ہے کہ ف مال دو سو۔ بھائی ہنستا ہے۔ اور دو سو آم لاکر بہن کو کھلاتا ہے۔ یہ دھوکا نہیں۔ ہر بھائی فوراً سمجھ جاتا ہے جان بوجھ کر لیتا ہے اور دو سو آم دیتا ہے۔ یہ بالکل اس شعر کے مصداق ہوتا ہے کہ :

اکثر ایسا بھی محبت میں ہوا کرتا ہے کہ سمجھ بوجھ کے کھا جاتا ہے دھوکا کوئی

پچھلے سال ایک "اپریل فول" سے میں اتنا متاثر ہوا کہ پورا سال ہونے پر بھی آج تک نہ بھول سکا۔ گھناؤنے طریقے اور ذلیل پن سے ایک تعلیم یافتہ خاتون کی عزت بھی لی گئی اور اس کا مال بھی۔ کالج کے دو لڑکوں نے اپنے استاد کی بیوی کو نشانہ بنایا۔ یکم اپریل کو اس وقت جب لکچرر صاحب گھر سے باہر گئے ہوئے لڑکے گھبرائے ہوئے خاتون کے پاس گئے اور بتایا کہ ایکسیڈنٹ ہوگیا۔ خاتون ان لڑکوں کو جانتی تھی۔ ساتھ ہولی اس کے بعد جو ہونا تھا، وہ ہوگیا۔ دکھ کی بات یہ ہے کہ جب اس خاتون نے قانون کا سہارا لینا چا تو پتی دیو نے ہنس کر کہا: "جانے دو، اپریل کی پہلی تاریخ ہے۔ تم کو چوکنا رہنا چاہیے تھا۔"

یہ نتیجہ نکلا۔ قصوروار وہ ہے۔ جو دھوکا کھاتا ہے۔ یکم اپریل کی تاریخ گویا بدمعاش اور پاجی لو کے لیے جھوٹ کا دن ہے۔ وہ چاہے کچھ کریں، سب جائز ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ابھی یہ وبا اسکولوں اور کالجوں تک محدود ہے۔ سماج کے بااثر اور دیانت دار بزرگوں اور کے ٹیچرس کو چاہیے کہ یکم اپریل آنے سے پہلے طالب علموں کا ذہن سنوارنا شروع کریں کہ

...زکی دین ہے۔ نہایت ہی گھناؤنی اور سماج کو تباہ کرنے والی ہے۔ پچھلے سال کے وہ واقعات بتائے ...جن میں بتایا گیا ہے کہ اپریل فول کے کارن فلاں فلاں کی جان گئی۔ مال برباد ہوا۔ حجاب پڑھنے والے ...ؤں اور بہنوں کے لڑکے لڑکیاں بھی کالجوں میں زیر تعلیم ہیں۔ ان لڑکوں اور لڑکیوں کو اسلامی تعلیم واسطے سے اپریل فول سے نفرت دلانی چاہئے۔

ہماری دعا ہے کہ یہ بُری رسم ہمارے ملک سے جلد سے جلد دور ہو۔ آمین۔

قطعات

مائل خیر آبادی

(۱)

ایک شخص کا یہ جائزہ تشریح طلب ہے ۔ جو حق پہ ہے آ ما جگہ غیظ و غضب ہے
اللہ پہ اللہ کے نبیوں پہ بھی ایمان قرآن مقدس کا بھی پاس اور ادب ہے
پھر بھی یہ مسلماں ہے معتوب جہاں میں کیا بات ہے؟ کیوں ایسا ہے؟ کیا اسکا سبب ہے
مائل کا یہ کہنا ہے کہ اللہ کے بندو! یہ سب ہے زبانوں پہ مگر سینے میں کب ہے

(۲)

کبھی اُن سے میں نے ملاقات کی تھی ملاقات بھی وہ ملاقات کیا تھی
کسی بات پر عہد و پیماں کیا تھا مگر اب نہیں یاد وہ بات کیا تھی

(۳)

زباں کاٹ لو چاہے پھانسی دلادو بہر حال حق بات کہتا رہوں گا
مرے سامنے لاکے سورج سجادو مگر رات کو رات کہتا رہوں گا

(۴)

کس کے لیے تم ستم ایجاد کرو گے جب میں نہ رہوں گا کسے برباد کرو گے
ار مرے گھر کی گراتے ہو گر اؤ اک دن اسی کے سائے کو تم یاد کرو گے

●

شادی کا تحفہ

کوثر جہاں فاروقی

۱ تیرا حسن تیری اصل صورت نہیں بلکہ تیری پاکیزہ سیرت ہے۔ پاکیزہ سیرت اسلامی اصولوں سے بنتی ہے۔

۲ تیرے زیور سونا، چاندی، ہیرے، جواہرات نہیں بلکہ تیری حیا آدھا ایمان ہے۔

۳ اگر تو غریب ہے تو اپنی غریبی پر غم نہ کر۔ دنیا میں بہت سی عورتیں تجھ سے زیادہ غریب ہیں۔

۴ خدا نے تجھے حسن دیا ہے تو اس حسن پر مغرور نہ ہو کیونکہ حسن دو روزہ ہی نہیں بلکہ فانی بھی ہے۔

۵ تیرا چہرہ دلکش نہیں ہے تو غم نہ کر۔ اپنی سیرت ایسی بنا کہ وہ تیری دلکش صورت بن جائے۔

۶ تیرا خاوند تیری دنیا ہے۔ اپنے آپ کو اس سے باہر نہ لے جا ورنہ ذلیل ہو جائے گی۔

۷ تیرا لباس تیرا شوہر ہے۔ اس کی کمزوری کو کسی کے سامنے بیان کرنا گویا اسے ننگا کر کے ذلیل کرنا ہے۔

۸ تیرا شوہر بھی کسی کا بیٹا ہے۔ اُسے اپنے والدین کی خدمت سے نہ روک کیونکہ تو بھی ماں بننے والی ہے۔

۹ تیرے خسر تیرے باپ اور تیری ساس تیری ماں کے برابر ہیں۔

۱۰ بچہ دل کا کچا ہوتا ہے۔ اسے بھوت پریت سے نہ ڈرا ورنہ بزدل ہو جائے گا۔

۱۱ بچہ کے دل میں خدا کا ڈر پیدا کر۔ وہ بڑا ہو گا تو پاکباز اور شیر دل ہو گا اور تیرا نام روشن کرے گا۔

۱۲ یاد رکھ جس گھر میں پاکیزہ خیال، پاکیزہ دل، پاکیزہ نظر اور پاکیزہ عادت والی عورت ہے وہ گھر جنت ہے کیونکہ اسمیں راحت سکون اطمینان رہتا ہے

۱۳ اپنے گھر میں بڑوں کا ادب اور چھوٹوں کا لحاظ زندگی کو خوشگوار بناتا ہے۔

۱۴ یاد رکھ! میکے کی باتیں سسرال میں اور سسرال کی باتیں مائکہ میں شکایت کی صورت میں بیان کرنا اپنی زندگی کو جہنم بنانا ہے۔

۱۵ یاد رکھو! جھوٹ بولنا رزق میں کمی لاتا ہے

۱۶ اپنی غلطی پر نادم ہونا بڑے پن کی نشانی ہے

۱۷ آمدنی سے زیادہ خرچ کرنا مفلسی کو دعوت دینا ہے

۱۸ شوہر سے کبھی ایسی فرمائش نہ کرو جو اس کی آمدنی سے باہر ہو اور اُسے غلط راستہ پر ڈال دے۔

دھکا یا دھماکا

کس لئے روتی ہو اب
کچھ کہو، سچ سچ کہو؟
کیا تم سے یہ ممکن نہ تھا۔
غنڈہ گردی کے بھیانک دیس میں
پھوڑ دیتیں سر کوئی، کوئی گردن توڑتیں
کوئی سینہ اور چہرہ نوچتیں
کیا وہاں اینٹیں نہ تھیں، پتھر نہ تھے؟
کوئی لاٹھی، کوئی کلہاڑی،
کوئی کھرپا یا درانتی یا کدال،
کیا وہاں کچھ بھی نہ تھا؟
کیا وہاں چولہے نہ تھے؟
چولہوں میں انگارے نہ تھے؟
کچھ نہ تھا تو ——— ؟
کیا تمہارے دانت اور ناخن نہ تھے۔
نوچ لیتیں کوئی سینہ اور چہرہ
پھوڑ دیتیں سر کوئی، کوئی گردن توڑتیں؟

شاعرِ حساس! میں معذور تھی!
قوم جب بدکار ہو جائے تمام
کس سے میں اندازِ غیرت سیکھتی؟
میں اکیلی، تیرے بھائی سیکڑوں
پھر بھی جو کچھ ہو سکا، میں نے کیا
ہو گئی مجبور پھر!
اپنی نسوانی حیا ——— خاندانی آبرو
نذر کر کے آئی ہوں
تاکہ: ———

اپنے باپ کا، بھائی کا، پوری قوم کا
جیتے جی، کچھ اور سر اونچا کر دوں
یعنی کر جاؤں ذلیل و خوار، رسوا، روسیاہ
باپ بھائی اور ان کے اکابر دیکھ لیں!
اپنے سروں کی آنکھوں سے
پیشتر اس کے کہ یہ نکلیں رقص کرتے ہوئے
دینِ حق کے نام پر کرتے جہاد!

تسنیم صدیقی

صالح انقلاب

(ابوالبیان حمّاد)

ضوفشاں ہوگا نظامِ دینِ حق کا آفتاب
پھر بپا ہونے کو ہے دنیا میں صالح انقلاب

کھا رہا ہے نزع کے عالم میں باطل پیچ و تاب
کھل گیا اس کا بھرم، ڈھل بھی چکا اسکا شباب

ساز و سامانِ زوالِ ملک و اقوام و ملل
بادہ و رقص و سرود و چنگ و طاؤس و رباب

جس میں شانِ بندگی کچھ بھی نہ ہو وہ زندگی
ایک کربِ مستقل ہے یا مسلسل اک عذاب

یہ بھی پردہ ہے کوئی؟ یا ہے یہ پردے کا مذاق
غیر محرم پر نگاہیں، رخ مگر زیرِ نقاب

جائزہ لیتا ہے وہ ہر وقت اپنے نفس کا
مردِ مومن کے لیے ہر روز ہے روزِ حساب

ہیں نمایاں اس میں تقدیرِ امم بے کیف و کم
یعنی اک آئینۂ فطرت ہے یہ "ام الکتاب"

ہے بہارِ گلشنِ دنیائے دوں بے اعتبار
ہے فریبِ آرزو یا رنگ و بو کا اک سراب

ہے متاعِ بے بہائے زہد و تقویٰ جس کے پاس
درحقیقت ہے وہی کونین میں عزت مآب

پھیلتی ہے یوں شمیمِ غنچۂ دینِ مبین
جیسے ہو آوارۂ دشت و چمن بوئے گلاب

عظمتِ رفتہ خلافت کا وہ دورِ تابناک
جانے کب شرمندۂ تعبیر ہو میرا یہ خواب

پھر زمانے کو ضرورت ہے کسی صدیقؓ کی
اور باطل کو کچل ڈالے کوئی ابن خطابؓ

پھر کوئی عثمانؓ اب شرم و حیا کا درس دے
فتح کرے نفس کا خیبر بھی کوئی بوترابؓ

اب مٹانا ہے نظامِ کہنہ و فرسودہ کو
میرا نعرہ "انقلاب" "انقلاب" "انقلاب"

اہلِ حق ہی کے لیے اے الٰہی! دینِ حق
تو جو چاہے سینۂ صحرا سے پیدا ہو حباب

دل میں جو حمّاد ہو درد و گداز و سوز و ساز
بارگاہِ حق میں ہوگا نالۂ غم باریاب

۲۰۲۰ء میں
ہر دوسرا روسی بچہ مسلمان ہوگا

روسی لیڈر اس بات کی لاکھ تردید کریں مگر وہ اس حقیقت پر پردہ نہیں ڈال سکتے کہ احیائے اسلام کی وہ تحریک جو اس وقت ساری دنیا میں چل رہی ہے اور بیشتر ملکوں کو فیض یاب کر چکی ہے۔ روس کے اندر داخل ہوگئی ہے۔ غیر جانبدار نامہ نگاروں کا کہنا ہے کہ روس اس وقت دنیا بھر میں پانچواں بڑا اسلامی ملک ہے کیونکہ اس کی مسلم آبادی ۵ کروڑ سے بھی تجاوز کر گئی ہے۔ چار بڑے اسلامی ملک انڈونیشیا، پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش بالترتیب ہیں۔

نامہ نگاروں کا کہنا ہے کہ روس میں مسلمانوں کی آبادی بڑھتی جا رہی ہے اور شرح پیدائش بھی بہت تیز ہے۔ جس کی بنیاد پر پیش گوئی کی جا سکتی ہے کہ ۲۰۲۰ء میں روس میں مسلمانوں کی آبادی دس کروڑ ہو جائے گی۔ کہا جاتا ہے کہ روسیوں کے جبر و تشدد اور سرگرمیوں پر کڑی نگرانی کے باوجود وہاں کے مسلمانوں میں اسلام کی تڑپ پیدا ہو رہی ہے۔ مسلمان صوفیوں نے مذہبی حلقے بنا رکھے ہیں اور ان کے ذریعے اب تک لاکھوں افراد کو اپنا مرید بنا لیا ہے۔ روس نے افغانستان پر جو فوج کشی کی اس پر روسی مسلمانوں میں سخت بے چینی پھیلی ہوئی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ روس کا یہ اقدام ظلم کے مترادف ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ پہلے پہل روسی فوج کے ساتھ جو بھی مسلمان سپاہی آئے تھے انھوں نے قرآن کے بے شمار نسخے افغانستان سے روس میں اسمگل کیے اور بہت سے روسی سپاہی مجاہدین کے شانہ بشانہ لڑ رہے ہیں۔ یہ تمام باتیں روسی لیڈروں سے چھپی ہوئی نہیں ہیں۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ آنے والے برسوں میں روس کا مذہبی نقشہ کس طرح بدلنے والا ہے کیونکہ ابھی سے روسی ماہر کہنے لگے ہیں کہ ۲۰۲۰ء میں ہر پانچ روسیوں میں سے ایک مسلمان ہوگا لیکن اس اندازے کو غلط بتایا جا رہا ہے کیونکہ غیر جانبدار ماہرین کہتے ہیں کہ ۱۸ سال بعد ہر دوسرا روسی بچہ مسلمان ہوگا۔

مسکین حالی

---(افضل پرویز)---

چھوٹا جو اقتدار کوئی پوچھتا نہیں — اُن کو وفا شعار کوئی پوچھتا نہیں
آج ان کا حالِ زار کوئی پوچھتا نہیں — رہتے ہیں بے قرار کوئی پوچھتا نہیں
جاتے ہیں بے مہار کوئی پوچھتا نہیں
پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں

یارانِ ہم جلیس و وفادار کیا ہوئے — جو تھے نثار ہونے کو تیار کیا ہوئے
وہ ہر گھڑی کے حاشیہ بردار کیا ہوئے — جلسے جلوس مسند و دربار کیا ہوئے
جاتا ہے جب وقار کوئی پوچھتا نہیں
پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں

اس وقت لوگ آنکھیں بچھاتے تھے راہ میں — اپنے دلوں کے داغ جلاتے تھے راہ میں
پامال آرزوئیں سجاتے تھے راہ میں — نعروں کے زمزمے بھی لٹاتے تھے راہ میں
اب پھول ہیں نہ ہار کوئی پوچھتا نہیں
پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں

وجہِ نمود و نام تو کرسی تھی وہ نہ تھے — معبودِ خاص و عام تو کرسی تھی وہ نہ تھے
ان گوپیوں میں شیام تو کرسی تھی وہ نہ تھے — اور رہبرِ عوام تو کرسی تھی وہ نہ تھے
کرسی چھنی تو یار کوئی پوچھتا نہیں
پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں

(ساجدہ فرزانہ)

عاجزانہ التجا

اے اللہ! سارے جہان کے پروردگار۔ بے شک تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ تعریف صرف تیرے ہی لیے ہے۔ خدایا! ہم تیری حمد وثنا بیان کرنے اور تیری بے انتہا نعمتوں و بے شمار احسانات کا شکر ادا کرنے سے عاجز ہیں ——— مہربان آقا! ہمیں ایمان کامل عطا فرما۔ مومنانہ اخلاق و مومنانہ زندگی عطا فرما، ہمیں نیک ہدایت دے، صراط مستقیم پر ہمارے قدم جمادے۔ ہماری مدد و رہنمائی فرما۔ ہماری مشکلات آسان کردے۔ شیطان کے شر سے نفس کی شرارتوں سے بچا۔ بے شک تیرے سوا ہمارا کوئی آسرا و سہارا نہیں ہے۔

اے اللہ! ہم تجھ پر ایمان رکھتے ہیں۔ تیری ہی ذات پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ تجھ سے محبت کرتے ہیں تیرے قہر و غضب سے تیری پناہ چاہتے ہیں اور تیری رحمت سے بہتر امید رکھتے ہیں۔ تیری ہی پناہ چاہتے ہیں۔

اے غفور الرحیم! بے شک ہم تیرے خطا کار و نافرمان بندے ہیں۔ ہم جانتے ہیں تیرے سوا ہمارے گناہوں کو معاف کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ ہم اپنے گناہوں پہ نادم و شرمندہ ہیں اور تجھ ہی سے اپنے تمام گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔ مالک ہمارے تمام صغیرہ و کبیرہ، دانستہ و نادانستہ گناہوں کو معاف فرما۔

اے اللہ۔ اپنی عظمت و محبت، خوف و فکر آخرت سے ہمارے دلوں کو بھر دے، ہمیں گمراہیوں اور جہالت کی تاریکیوں سے نکال دے۔ ہمارے دلوں کو نور ایمان سے منور کر دے۔ ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت و فرماں برداری کی طرف پھیر دے۔ ہمارے سینوں کو اسلام کے لیے کھول دے۔ اے مالک ارض و سماء! ہمیں اس چند روزہ زندگی کی مہلت سے پورا فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرما۔ اپنی تمام صلاحیتوں، قوتوں اور پوری زندگی کو تیرے اور تیرے دین کے لیے وقف کر دینے کی توفیق عطا فرما۔ ہر عمل اخلاص سے تیرے لیے کرنے کی توفیق عطا فرما

مرسلہ: ایم اے خیامی

صحت و تندرستی کے دو بڑے،



آرام اور سکون :— یہ بیماری اور تندرستی سب کے لیے بڑے ہی سستے علاج اور محافظ ہیں۔ بیماری کی حالت میں دن کا آرام اور راتوں کی پرسکون نیند قوتِ مدافعت اور مقابلہ میں اضافہ کا باعث بنتی ہے تندرستی کی حالت میں بھی یہ بڑی خوبی اور خصوصیت کے اہم رول ادا کرتے ہیں۔ آرام و سکون کی زندگی کی جدوجہد میں جسم و دماغ کی کمی انرجی کو پورا کرتے ہیں۔ آدمی کو یہ خوشی اور مسکراہٹ نہ صرف تندرستی بلکہ طویل العمری کی بھی ضامن ہیں۔ مشہور مقولہ ہے (آدھا پیٹ کھانا کھاؤ، پونا پیٹ پانی پیو، اور پیٹ بھر ہنسو اگر صحت اور درازیٔ عمر کے خواہاں ہو)

دھوپ خدا کی نعمتوں میں سے ایک :— دھوپ نہ صرف پھوڑے پھنسیوں ہی کو دور کرنے کی احسن خدمت انجام دیتی ہے۔ بلکہ حیاتین ڈی مہیا کرکے تندرست و توانا ہونے میں مدد بھی دیتی ہے۔ سیاستداں برنارڈ بارک جو ریاست کے صدر کارکنان کا مشیر بھی تھا، حکمت و سیاست کا مشورہ دھوپ میں ہی بیٹھ کر دیا کرتا تھا اسے تندرستی اور زندگی کے لیے گراں قیمت دوائیں اور طاقتیں حاصل ہو سکتی تھیں۔ مگر اس نے دھوپ کو ہمیشہ ترجیح دی کیونکہ اس کی قدر و قیمت اور افادیت کو سمجھ چکا تھا۔ جس پرلطف اور صحت مند زندگی کا حظ اس امیر سیاستداں نے اٹھایا وہ لطف ہر خاص و عام حاصل کر سکتا ہے۔ چند منٹ دھوپ میں بیٹھ کر جو ذہنی اور بدنی تکان حیرت انگیز طور پر دور کرنے میں کسی دوا سے کم خاصیت نہیں رکھتی۔ بلکہ یہ علاج و محافظ مفت بھی ہے۔

تنگ دستی بھی ہو اگر غالب
تندرستی ہزار نعمت ہے!

(ڈاکٹر تنویر احمد)

لطائفِ رسولؐ

● ایک واقعہ حضرت عائشہ رضؓ بیان فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے خزیرہ (گوشت کا قیمہ کرکے پانی میں پکاتے اور پھر اس پر آٹا چھڑکتے جو ساتھ ہی پکتا) تیار کیا۔ حضرت سودہ رضؓ بھی موجود تھیں اور رسولؐ خدا دونوں کے درمیان بیٹھے تھے۔ بے تکلفی کی فضا تھی۔ میں نے سودہ رضؓ سے کہا کہ کھاؤ۔ انھوں نے انکار کیا۔ پھر اصرار سے کہا کہ تمہیں کھانا ضرور ہوگا۔ انھوں نے پھر انکار کیا۔ ادھر سے پھر کہا گیا کہ کھاؤ اس میں سے، ورنہ میں تمہارے منہ پر مل دوں گی۔ حضرت سودہ رضؓ نے بھی ہٹ دکھائی۔ حضرت عائشہ رضؓ نے خزیرہ ہاتھ پر ڈالا۔ اور واقعی حضرت سودہ رضؓ کے چہرے پر لیپ دیا۔ اس بے تکلفی پر حضورؐ خوب ہنسے اور سودہ رضؓ سے کہا تم اس کے منہ پر ملو تاکہ حساب برابر ہو جائے۔ چنانچہ سودہؓ نے بھی ایسا ہی کیا۔ حضور اکرمؐ پھر خوب ہنسے۔

● کسی سائل نے سواری کا اونٹ مانگا تو رسول اکرمؐ نے فرمایا۔ ہم تمہیں اونٹنی کا ایک بچہ دیں گے سائل نے حیرت سے کہا میں اسے لے کر کیا کروں گا۔ فرمایا۔ ہر ایک اونٹ کسی اونٹنی کا بچہ ہی تو ہوتا ہے۔

● ایک بڑھیا نے آکر عرض کی کہ میرے لیے دعا کیجیے کہ خدا مجھے جنت عطا فرمائے۔ حضورؐ نے مزاحاً فرمایا۔ اے امّ فلاں! جنّت میں کوئی بوڑھی عورت نہیں جا سکتی۔"

وہ روتی ہوئی اٹھ کر جانے لگی۔ حاضرین سے فرمایا۔ اس سے کہو کہ جنّت میں جانے والیوں کو اللہ تعالیٰ جوانی سے سرفراز فرمائے گا۔

● ایک بار تعجب سے حضرت ابوہریرہ رضؓ نے کہا "آپؐ ہم سے مذاق بھی فرما لیتے ہیں ؟" حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: "ہاں! مگر میں خلاف حق کوئی بات نہیں کہتا۔"

بنت سراقہ

اب تک کہانی کا خلاصہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مدینے کے دانشور اصحاب کو بلایا اور کہا کہ عراق عجم اسلامی ریاست کے اندر گھس کر بستیوں کو تباہ کرتا رہتا ہے۔ میں اس کی روک تھام کے لئے فوج بھیجنا چاہتا ہوں۔ کسے سپہ سالار بناؤں؟ آپ لوگ مجھے یہ مشورہ دیں۔ اسی وقت سترہ اٹھارہ برس کی ایک صحت مند لڑکی عاصمہ بنت سراقہ نے آکر باپ کا یہ پیغام سنایا کہ آپ کسی کو بھی سپہ سالار بنا کر بھیجیں فتح انشاء اللہ ہماری ہوگی۔ سراقہؓ کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا کہ ایک دن تم کسریٰ کے کنگن پہنو گے۔ اسی لئے وہ یہ بات کہا کرتے تھے۔ آخر سب کی صلاح سے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو سپہ سالار بنایا گیا۔

حضرت سعدؓ کے ماتحت جو فوجیں اس مہم میں گئیں ان میں سات سو صحابہ زادوں کا بھی ایک دستہ تھا۔ اس دستے کا افسر ہاشم ابن سراقہ تھا۔ عاصمہ اپنے بھائی کے ساتھ اوچھی بن کر اسی نوجوان دستے میں شامل ہو گئی۔

جب فوجیں روانہ ہو رہی تھیں تو حضرت عمرؓ بھی دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے عاصمہ کو پہچان لیا۔ سعدؓ سے کہا کہ ایک راز سے عنقریب آگاہ ہو جاؤ گے لیکن خبردار اس راز کو فاش نہ کرنا۔

حضرت سعدؓ مدینے سے چل کر قادسیہ کے مقام پر پہنچے۔ قادسیہ کے قریب حسن مثنیٰ ایک شیبانی نوجوان اپنے آٹھ ہزار بہادروں کے ساتھ ایرانیوں پر چھاپے مار رہا تھا۔ وہ حضرت سعدؓ سے آکر ملا مشورہ ہوا۔ حضرت سعدؓ نے اپنے بھائی ہاشم بن عتبہؓ (ہراول دستے کے افسر) کو حکم دیا کہ :-

ہراول دستے سے دو ہزار جانبازوں کو چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں ادھر اُدھر بکھیر دیں۔ اس کے بعد غریب کے میگزین کے بارے میں حسن مثنیٰؓ سے مشورہ طلب کیا۔ اس نے کہا کہ مجھے ایک ہزار شیبانیوں کے ساتھ حملہ کرنے کی اجازت دیں۔ میں صبح سورج کی پہلی کرن سے پہلے میگزین کو تباہ کر دوں گا۔ حضرت سعدؓ نے اجازت دے دی۔ سعدؓ ہاشم اور عاصم کی بہت زیادہ دلداری فرماتے تھے۔ انھیں بھی اس مشورے میں بلا لیا تھا۔ ان دونوں نے دیکھا کہ حسن اپنے ارادے میں کامیاب ہو گیا تو بڑی لجاجت سے دونوں نے کہا:

"یا اخی! ہم جانتے ہیں، سعدؓ اس مہم میں تم سے بڑے اہم کام لیں گے۔ کیا تم ان موقعوں پر اپنے قاسم کے بھائیوں کو بھول جاؤ گے؟"

"نہیں نہیں واللہ! تم کو دیکھ کر مجھے قاسم یاد آجاتے ہیں اور میرے دل کو سکون ملتا ہے۔"

"تو میگزین کی مہم میں ہمیں لے چلو گے؟"

"ضرور! انشاء اللہ!"

اس قول و قرار کے بعد راتوں رات حسن اپنے جانباز ... کو لے کر تاریکی میں گم ہو گیا۔ پھر ٹھیک اس وقت جب مجاہدین اسلام تہجد کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تھے، ایک زوردار دھماکے کی آواز نے سب کو چوکنا کر دیا۔ سب اپنے اپنے گھوڑوں کی طرف بھاگنے والے تھے کہ ہاشم بن عتبہ کے جاسوسوں نے خبر دی:

"کوئی خطرہ نہیں ہے۔ حسن نے میگزین تباہ کر دیا اور اس کا کوئی آدمی ضائع نہیں ہوا۔ صرف عاصم اپنی ناتجربہ کاری کی وجہ سے بیہوش ہو گیا ہے لیکن بالکل محفوظ ہے۔"

اس اطلاع کا پس منظر یہ تھا کہ حسن پہاڑیوں کے پیچدار راستوں سے میگزین کی پشت کی طرف سے رات ہی میں حملہ آور ہوا۔ اس نے حملہ کرتے وقت "منم حسن مثنیٰؓ" کا نعرہ لگایا۔ ایرانی سمجھے کہ مثنیٰؓ آگیا۔ حضرت مثنیٰؓ شیبانی کی تاخت سے ایرانی عاجز آچکے تھے۔ میگزین کے محافظ دستے نے نعرہ سنا تو "دیواں آمدند۔ دیو آگئے، دیو آگئے" کہتے ہوئے بھاگ گئے۔ انھوں نے بھاگتے وقت خود میگزین میں آگ لگا دی۔ ہاشم اور عاصم دونوں ناتجربہ کار تھے۔ یہ حسن کا ساتھ کسی خطرناک سے خطرناک جگہ بھی نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ اسی کشمکش میں عاصم ایک شعلے کی زد میں آگیا اور بیہوش

ہو کر گر گیا۔ ہاشم بھائی کی مدد کے لئے دوڑا لیکن اس سب سے پہلے حسن مثنیٰ نے بڑھ کر عاصم کو ہاتھوں پر اٹھا لیا اور پھر انّا للہ وانّا الیہ راجعون کہہ کر ہاشم کو دے دیا۔ عاصم کو ہوش میں لانے کی تدبیر کرنے لگا۔ عاصم کو ہوش آیا تو اس نے معنی خیز نظروں سے ہاشم کو دیکھا۔ ہاشم نے حسن سے کہا: "یا اخی! میں آپ سے تخلیے میں ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

حسن اٹھ کر الگ گیا۔ ہاشم نے کہا "اللہ اس بندے کے عیبوں سے چشم پوشی فرماتا ہے جو اللہ کے بندوں کے عیبوں سے چشم پوشی کرتا ہے۔"

حسن نے ہاشم سے وعدہ کیا کہ آج عاصم کا جو راز مجھے معلوم ہوا ہے، واللہ میں کسی سے نہیں کہوں گا "عزیز من! تم جانو، یہ راز کنویں کی تہہ میں پہنچ گیا۔"

حسن مثنیٰ مہم سے کامیاب آیا اور جب اس نے سعدؓ کو رپورٹ دی تو انھوں نے عاصم کی خیریت پوچھی۔ عرض کیا "ٹھیک ہے۔" حسن نے مزید عرض کیا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جشم ابن مراقہ نے اپنے بچوں کو گھاٹیاں عبور کرنے کا فن بھی سکھا دیا ہے۔ مجھے ان دونوں کی تربیت میں ذرا بھی دقّت نہیں ہوئی۔

اسی دن شام کو حضرت سعدؓ نے یزدگرد کے پاس اپنے سفیر بھیجنے کے لئے مشورہ کیا۔ طے پایا کہ سفراء کے ساتھ حسن مثنیٰ بھی جائے گا اور اپنے ساتھ دو ساتھیوں کو بھی لے سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے یہ ساتھی ہاشم اور عاصم ہی ہو سکتے تھے۔ اس کے بعد یہ بھی طے ہوا کہ حضرت سعدؓ بزرگ صحابہ کے ساتھ قاسم کی قبر تک اس وفد کے ہمراہ جائیں تاکہ سفیر سمجھ کر کہیں دشمن سے ٹکراؤ نہ ہو۔

یہ سب بالاتفاق رائے طے پایا۔ دوسرے دن حضرت سعدؓ اپنے صحابہ کے ساتھ وفد کے ساتھ چلے۔ سب سے پہلے پہاڑی پر گئے۔ قاسم کی قبر دیکھی۔ حضرت سعدؓ نے ہاشم اور عاصم کو بلا کر اپنے پاس کھڑا کر لیا۔ صبر و ضبط کی تلقین کی۔ اس کے بعد دعائے مغفرت کر کے پہاڑی سے اترنے لگے۔ اچانک ایک طرف سے ایک شیر تڑپ کر نکلا اور اس نے حضرت سعدؓ پر جست لگا دی۔ لیکن عاصم نے نہایت پھرتی سے پینترا بدل کر اس خوبصورتی سے برچھا پھینک مارا کہ برچھا شیر کی ناف پر پڑا اور پورا پیکان اس کے پیٹ میں گھس گیا۔ شیر غرّا کر گرا۔ اوپر سے عاصم کی تلوار پڑی۔ شیر دو ٹکڑے ہو گیا۔ اس پھرتی جرأت اور ہاتھ کی صفائی پر حضرت سعدؓ بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے بڑھ کر چاہا کہ عاصم کی پیشانی چوم لیں کہ عاصم چپکے

سے بولا" اتق اللہ۔ اے بزرگ صحابی۔"

حضرت سعدؓ نے عاصم کا چھوڑ دیا۔ ایک نظر عاصم کے خود پر ڈالی۔ فرمایا "خود سے سر پوری طرح ڈھک لو" اور لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھ کر منہ پھیر لیا۔ اس کے بعد سفرا اپنی راہ پر لگے اور حضرت سعدؓ لشکر سے قادسیہ واپس آ گئے وہ دل ہی دل میں کہہ رہے تھے "اُف! یہ تھا وہ راز جس کے لئے امیرالمومنین نے اخفاء کی تاکید فرمائی تھی۔ انشاء اللہ میں یہ راز فاش نہ کروں گا۔"



مدائن، ایران کا دارالسلطنت قادسیہ سے پچاس ساٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے سفراء قادسیہ سے گھوڑے اڑاتے ہوئے سیدھے مدائن پہنچے۔ اگرچہ ان کی ظاہری شکل و صورت یہ تھی کہ گھوڑوں پر زینیں پرانی تھیں، تلواروں کے پرتلے بوسیدہ اور میانیں پھٹی ہوئی تھیں تاہم چہروں سے بیباکی اور دلیری ٹپکتی تھی۔ راہ میں جدھر سے گزرتے تماشائیوں کے ٹھٹھ لگ جاتے۔ عورتیں چھتوں پر کھڑی ہو کر دیکھ رہی تھیں۔ انھیں حیرت تھی کہ یہ عرب ہماری طرف نہیں دیکھتے جبکہ ہم حسن و جمال میں عرب عورتوں سے کہیں زیادہ ہیں۔ ان عورتوں نے خاص طور پر ان تین نوجوانوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی بہت کوشش کی جو سب سے پیچھے گھوڑوں پر سوار برابر برابر چل رہے تھے۔ ان میں سب سے کم عمر نوجوان کو بھی سر نیچا کئے ہوئے گزرتے دیکھا تو ایک عورت نے پھول مالا پھینک ماری۔ اس پر بھی اس کمسن نوجوان نے عورتوں پر نظر نہ ڈالی تو اس عورت کی زبان سے برجستہ اشعار پھوٹ پڑے:

"میں نے ایران کی اس سرزمین پر
جہاں نوروز کے بعد برف بالکل پگھل چکی ہے اور سبزہ کی نمو اس طرح شروع ہے
جیسے کسی نوجوان کی مسیں بھیگ رہی ہوں
ہاں، اسی سرزمین پر
ایک عرب نوجوان کو دیکھا، نہایت شرمیلا

کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ شرمیلا
میں نے اس سے پوچھا
چپکے سے
کیا تو بالغ نہیں؟ یا یہ کہ تو نفس نہیں رکھتا؟
یہ سن کر
اس نوجوان نے مجھ پر نگاہ ڈالی
مجھے ایسا لگا
جیسے اس کی آنکھوں میں بجلیاں کوند رہی ہوں
میں اس کی نگاہوں کی تاب نہ لاسکی
میں نے آنکھیں موند لیں
اگر میں ایسا نہ کرتی
تو میں بھی آہو چشم ہوں، میری آنکھوں میں بھی بجلیاں بھری ہیں
میری نگاہیں اس کی نگاہوں سے ٹکرا جاتیں اور پھر سرِ راہ بجلیوں کا طوفان بپا ہو جاتا۔"

اس نوجوان نے ان اشعار کی بھی پروانہ کی۔ گھوڑا جو اس کی سواری میں تھا رانوں سے نکلا جا رہا تھا۔ یہی حال تمام عربی گھوڑوں کا تھا۔ گھوڑے بار بار زمین پر ٹاپ مارتے۔ جب وہ لگام چبا کر کلاں راس گردن جھکاتے تو لامحالہ عرب سوار جھٹکا کھا جاتا۔ ہنس کر اپنے راہوار کی گردن تھپتھپاتا اور کہتا" غازی! ٹھیک ہے۔ یہ میدانِ جنگ نہیں ہے۔" تماشائیوں پر اس کا اثر ہوتا۔

یزدگرد نے بڑے ساز و سامان سے دربار سجایا تھا۔ سامنے بلندی پر اس کا مرصّع تخت تھا۔ اس پر بڑی تمکنت سے تشریف فرما تھا۔ اس کے داہنی طرف اس کی بیٹی تہمینہ کا تخت زرنگار تھا۔ وہ اس پر مردانہ لباس میں اونچی بنی بیٹھی تھی۔ پھر دائیں بائیں دونوں طرف قطاروں میں نقش ونگار سے مزین گدّے دار کرسیوں پر امرا، وزرا اور گورنر متمکن

تھے۔ یہ سب اطلس و کمخواب کا لباس پہنے اور طرح طرح کے زیورات سے آراستہ تھے۔

سفراء عربی جبے پہنے، کاندھوں پر لمبی چادریں ڈالے، ہاتھوں میں کوڑے لئے، موزے چڑھائے دربار میں داخل ہوئے۔ پچھلے معرکوں یعنے مثنیٰؓ شیبانیؓ کی تاختوں نے ایران میں عرب کی دھاک بٹھادی تھی۔ یزدگرد نے اس شان بے نیازی کے ساتھ سفراء کو دیکھا تو اس پر ایک ہیبت طاری ہوگئی۔ اس نے نہایت عزت کے ساتھ انہیں جگہ دی۔

ستارہ پرست ایرانی ہمیشہ کے وہمی، بات بات میں خواہ مخواہ فال لینے کے عادی تھے۔ چنانچہ یزدگرد نے پوچھا "عربی میں چادر کو کیا کہتے ہیں؟" انھوں نے کہا "بُرد"! اس نے برجستہ (فارسی معنی کے لحاظ سے) کہا "جہاں برد" (یعنے تم لوگ سارے جہان پر تاخت کرنے والے ہو)۔ پھر کوڑے کی عربی پوچھی۔ بتایا گیا "سوط"۔ وہ "سوخت" سمجھا۔ فارسی میں سوختن کے معنی ہیں جلنا۔ بولا "پارس را سوختند (انھوں نے فارس کو جلادیا)"۔

درباری یزدگرد کے فقروں پر برہم ہوئے جارہے تھے لیکن شاہی آداب کے لحاظ سے کچھ نہیں کہہ سکتے تھے۔ پھر سوال کیا "دیکھو پتہ نہیں چلتا کہ تمہارا امیر وفد کون ہے۔" حضرت مغیرہ بن شعبہؓ جو ڈیل ڈول میں پہلوان اور تدبیر و سیاست میں یکتائے زماں مانے جاتے تھے، جواب دینے کے لئے آگے بڑھے۔ اس نے ایک نظر ان پر ڈالی۔ پھر مرعوب کرنے کے لئے کہا:

"تم کہ تمہاری کمر کے پٹکے کمزور اور تمہاری تلواروں کی میانیں پھٹی ہوئی ہیں، اپنے کو تلوار کا دھنی کہتے ہو!"

مغیرہ بن شعبہؓ نے جواب دیا "جو لوگ ظاہر دیکھتے ہیں وہ باطن کو نہیں پرکھ سکتے۔ ان کی اس بات پر ڈھالیں طلب کی گئیں۔ مغیرہ بن شعبہؓ نے میان سے تلوار کھینچ لی تو اس کی چمک سے نگاہیں خیرہ ہوگئیں۔ چاہا کہ بڑھ کر ڈھال پر ماریں کہ اچانک حسن مثنیٰؓ نے بڑھ کر عرض کیا "آپ کے شایاں نہیں کہ کسی مجمع میں تماشا دکھائیں جب کہ آپ کے خورد موجود ہیں۔" اس کے بعد حسن مثنیٰؓ نے اپنی تلوار کا ایسا بھرپور وار کیا کہ ڈھال کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ پھر ایک پتھر لایا گیا۔ اس پر ہاشم سراقہ نے خاراشگاف کا وہ ہاتھ مارا کہ پتھر ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ تہمینہ اپنے تخت پر بیٹھی اس تماشے پر جھنجلا رہی تھی۔ اس سے برداشت نہ ہوا تو پکاری "بند کرو یہ تماشا" اس کے بعد اس نے ایک ریشمی رومال فضا میں پھینکا۔ پھر تلوار کا ایسا صاف ہاتھ مارا کہ رومال کے دو ٹکڑے ہوگئے

اس نے نعرہ مارا " منم دخت شاہ شاہان جوانمرد یزدگرد (میں ہوں تہمینہ، بادشاہوں کے بادشاہ یزدگرد جوانمرد کی بیٹی۔ "
دربار میں واہ واہ کی گونج اٹھی۔
ہوا شکروں کو ایک طرف لے چلی۔ نوجوان عاصم نے فوراً ایک ٹکڑے پر تیچھے کا وار کیا۔ اس ٹکڑے کے دو ٹکڑے ہو گئے عاصم نے بھی نعرہ مارا۔ " انا ابن السراقہ " وہ کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ حسن حبشی کی زبان سے سبحان اللہ نکل گیا اور عاصم مسکرا کر خاموش ہو گیا۔ تہمینہ اپنے ماتھے کا پسینہ پونچھنے لگی۔ اس کی نظر عاصم پر جمی ہوئی تھی۔
اس نوک جھونک کے بعد حرف مطلب زبان پر آیا۔ یزدگرد نے پوچھا " تم اس ملک میں کس لئے آئے ہو؟ حضرت مغیرہؓ نے جواب دیا :

" میں سب سے پہلے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہم سب اللہ کے بندے ہیں۔ انسان ہونے کے ناطے ہم سب برابر ہیں۔ ہاں اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ۔ اللہ کے نزدیک شریف اور بزرگ وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے۔ اس حکم کے مطابق ہم انسانوں انسانوں میں تفرقی نہیں کرتے یہی وجہ ہے کہ میں آپ کو ان جیسا نظر آتا ہوں جیسے میرے یہ سب ساتھی ہیں۔

اے تخت ایران کے مالک! اس حکم کے مطابق ہم نہیں چاہتے کہ کوئی انسان انسانوں پر بادشاہ بن کر اپنا حکم چلائے اور رعایا کو غلام بنائے۔ میں آپ کو اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔ یہ کہ اللہ نے ہم کو پیدا کیا وہی ہمارا مالک، مولا، حاکم اور آقا ہے۔ ہم کو چاہئے کہ ہم اس کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق زندگی بسر کریں اور اس قانون پر اس طرح عمل کریں جس طرح ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے سکھایا، بتایا، اور کر کے دکھایا۔

اگر آپ یہ قبول کر لیں تو آپ ہمارے بھائی ہیں۔ ایران کی ریاست آپ کو مبارک۔ بصورت دیگر ہم آپ سے اس وقت تک لڑیں گے جب تک کہ انسانوں پر سے انسانوں کی خدائی ختم نہ ہو۔ ساتھ ہی ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ ہمارے سابق سفیر قاسم نوجوان کے قاتل کو ہمارے حوالے کریں۔ اگر آپ انکار کرتے ہیں تو میدان کارزار بتا دے گا کہ خدا کس کی طرف ہے اور وہ خدا کس کو ذلیل کرتا ہے۔ "

یہ چچی تلی اور مختصر تقریر کر کے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ ترجمان نے جب اس کا ترجمہ پیش کیا تو یزدگرد نے ماتھے سے پسینہ پونچھا، غصے میں ران پر ہاتھ مارا اور بولا "تم کو یاد نہیں کہ تمام دنیا میں تم سے زیادہ ذلیل اور بدبخت قوم کوئی نہ تھی۔ تم جب کبھی ہم سے سرکشی کیا کرتے تھے تو سرحد کے زمینداروں کو حکم بھیج دیا جاتا تھا، وہ تمہارا کس بل نکال دیتے تھے۔"

یہ سن کر حسن مثنیٰؒ اٹھ کر کھڑا ہوا۔ بولا:

"یہ لوگ شرفائے عرب ہیں۔ چچی تلی پوری بات کہنے کے بعد خاموشی ان کا شیوہ ہے۔ ہمارے امیر نے جو کچھ فرمایا ان کے لئے یہی زیبا تھا۔ لیکن کہنے کو کچھ باتیں رہ گئیں۔ وہ میں بیان کرتا ہوں۔ یہ سچ ہے کہ ہم بدبخت اور گمراہ تھے۔ آپس میں کٹتے اور مرتے تھے۔ اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔ لیکن خدائے تعالیٰ نے ہم پر ایک پیغمبر بھیجا جو ہر بات میں ہم سے اچھا اور ہم پر فائق تھا۔ اوّل اوّل ہم نے اس کی مخالفت کی۔ وہ سچ کہتا تھا تو ہم جھٹلاتے تھے۔ وہ آگے بڑھتا تھا تو ہم پیچھے ہٹتے تھے۔ لیکن پھر دھیرے دھیرے اس کی بات نے دلوں پر اثر کیا۔ وہ جو کچھ کہتا تھا، خدا کے حکم سے کہتا تھا۔ وہ جو کچھ کرتا تھا، خدا کے حکم سے کرتا تھا۔ اس نے ہم کو حکم دیا کہ اسلام کو دنیا کے سامنے پیش کرو۔ انسانوں کو خدائی کے مقام سے ہٹا دو۔ سارے انسان حقوق میں برابر ہیں۔ اے بادشاہ! اگر تجھے ان باتوں سے انکار ہے تو تیرے لئے تلوار ہے۔"

یزدگرد غصے سے بے تاب ہو گیا اور بولا: "اگر سفیر کا قتل جائز ہوتا تو تم میں سے کوئی زندہ نہ جا سکتا۔"

حسن مثنیٰؒ نے برجستہ جواب دیا "مگر آپ تو اس کا ارتکاب کر چکے۔ آپ نے آج بھی قاسم کے قاتل کو ہمارے سپرد نہیں کیا جبکہ قاتل اس دربار میں بیٹھا ہے۔ سُن! ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خبر دی ہے کہ ہم ایران فتح کر لیں گے اسی طرح جس طرح اب سے پہلے رومیوں اور ایرانیوں کی جنگ میں قرآن نے پیشین گوئی کی تھی کہ رومی بہت جلد ایران پر غالب ہو جائیں گے۔ اس وقت ایسا ہی ہوا اور انشاءاللہ آج بھی ایسا ہی ہوگا۔"

حضرت نعمان بن مقرنؓ نے حسن کو اپنی طرف کھینچ لیا اور اس کی جگہ بٹھا دیا۔ پھر یزدگرد کی طرف دیکھ کر بولے:

"میرا خیال ہے کہ بات پوری کی پوری آپ سمجھ گئے۔ ہمیں جواب بھی صاف ملنا چاہئے۔" یزدگرد نے اپنے سپہ سالار رستم ثانی کی طرف اشارہ کر کے کہا "کل یہ اس کا جواب میدان جنگ میں دے گا۔"

سفارت ناکام ہو گئی۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے سفراء نے واپس جا کر حال بتایا۔

اس سفارت کا ایک عجیب و غریب اثر یہ سامنے آیا کہ انس بن ہلال جو عراق عجم کا ایک بوڑھا عیسائی سردار تھا اور دربار میں حاضر تھا اسی رات کو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے آکر ملا۔ اس نے کہا کہ آپ کے سفارت کے نوجوان حسن مثنیؒ نے جو دو پیشین گوئیاں دربار میں بیان کیں ان میں سے ایک کی صداقت میں دیکھ چکا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ دوسری پیشین گوئی بھی پوری ہوگی۔ اب میں اور میری پوری قوم اس جنگ میں آپ کے ساتھ ہوگی۔

اس کے بعد انس بن ہلال نے بتایا کہ تہمینہ کے دل میں عاصم نوجوان کی طرف سے کینہ پیدا ہو گیا ہے۔ وہ سمجھ بیٹھی ہے کہ عاصم نوجوان نے بھرے دربار میں اس کو ذلیل کیا ہے۔ عاصم ناتجربہ کار اور نوعمر ہے۔ میرا قیاس ہے کہ جنگ کی ابتدا میں تہمینہ عاصم کو مقابلے کے لئے طلب کرے گی۔ تہمینہ نہایت مغرور اور سخت دل شہزادی ہے۔

انس بن ہلال کی یہ بات سن کر ہاشم سراقہ نے کہا: "انشاءاللہ میرا کمسن بھائی تہمینہ کا بر سر میدان مقابلہ کریگا میں نے دربار میں تہمینہ کی تلوار کا کاٹ اور عاصم کے نیچے کی دھار دیکھی ہے۔ ویسے ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ انس بن ہلال سے دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اس کے سامنے اسلام پیش کیا۔ اس نے سچے دل سے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت سعدؓ سے عرض کیا کہ آپ اللہ کے مقبول بندے ہیں۔ میرے لئے اللہ سے دعا کریں کہ مجھے شہادت کا درجہ ملے۔ حضرت سعدؓ نے ہاتھ اٹھا دئے اور اس طرح دعا کی:

"اے سب کی مرادوں کو برلانے والے آقا! انس بن مالک کے لئے شہادت اور فتح میں سے جو تجھے پسند ہے اس کے شرف سے اس کو مشرف فرما!"



سپہ سالار افواج ایرانی رستم ثانی نے پہلی تدبیر یہ کی کہ ایران میں ہر طرف ہرکارے اور نقیب دوڑا دئے۔ انھیں ہدایت کی کہ مذہبی حمیت و طرفداری کا جوش دلا کر تمام ملک میں مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلا دیں۔ دوسری تدبیر یہ کی کہ

لشکرِ اسلام کی طرف تجربہ کار جاسوس بھیج دیئے اور تاکید کر دی کہ ہر آن کی خبر پہنچاتے رہیں۔

اس کے بعد رستم نے نور زِ خراساں کے بیٹے فرخ زاد کو بلا کر اسے ہراول دستہ سپرد کیا اور کہا کہ میں فوج میں اعلان کرا رہا ہوں کہ جو شخص سعد بن ابی وقاص کو قتل کرے گا اسی کے ساتھ تہمینہ کی شادی کر دی جائے گی۔ فرخ زاد خوشی خوشی راضی ہو گیا۔ رستم نے دس ہزار فوج کے ہراول دستے کے ساتھ فرخ زاد کو اس شان سے روانہ کیا کہ درفشِ کادیانی (ایران کا متبرک جھنڈا) اس کے سر پر لہرا رہا تھا۔ اس کے بعد مردان شاہ کو جو عربوں کے ساتھ دلی عداوت رکھتا تھا دس ہزار فوج دے کر فرخ زاد کی مدد کے لئے مقرر کیا۔ پھر نرسی، جاپان، مہر دیہ جیسے تجربہ کار ماہر جنگ افسروں کو حصہ بقدر جثہ فوج دے کر اپنے دائیں بائیں متعین کیا۔ خود بارہ ہزار جری اور آزمودہ کار جانباز اپنے لئے خاص کئے اور جب ساٹھ ہزار کا عظیم لشکر لے کر کوچ کیا تو خسرو ہمدانی کو حکمنامہ بھیجا کہ فیل سواروں کا لشکر لے کر جلد سے جلد ہمدان سے قادسیہ پہنچے۔

حضرت سعدؓ کے جاسوس دم بہ دم کی خبریں دے رہے تھے۔ سعدؓ نے مرکز خلافت کو رپورٹ بھیجی۔ وہاں سے حکم آیا کہ حسن مثنیٰؓ کو انس بن ہلال کے ماتحت کر دیا جائے۔ اور دیکھو سعد! جب مجھے خط لکھو تو خط کو کئی بار غور سے پڑھ لیا کرو۔ تم نے خط لکھتے وقت روا روی میں عاصم نوجوان کے بارے میں لکھا "قالت" (بولی) یقیناً تم نے وہ راز پا لیا جو میں نے تم پر واضح نہیں کیا تھا۔ میں تم کو تاکید کرتا ہوں کہ اب تمہاری ذمہ داری بڑھ گئی۔ جس دن تم میرا یہ خط پاؤ اسی دن انس بن ہلال، حسن مثنیٰؓ، ہاشم سراقہ اور عاصم سراقہ کو اپنے خیمے کے آس پاس جگہ دو۔ لشکر کی ترتیب میں تبدیلی کی چنداں ضرورت نہیں۔ بس اتنا اور کر لو کہ اپنے بھائی ہاشم بن عتبہ کی فوج میں انس بن ہلال کی قوم کے لوگوں کو شامل کر کے دس ہزار سپاہی کر دو اور تاکید کر دو کہ رستم کی امدادی فوجیں اس تک نہ پہنچ سکیں۔ میں نے تہمینہ اور عاصم کے بارے میں ایک نہایت عمدہ خواب دیکھا ہے۔ واللہ بتا دوں گا تو لطف تعبیر جاتا رہے گا۔ میں تم کو ایک سیاسی تدبیر بتاؤں۔ میری طرف سے نہیں، نہ اپنی طرف سے، بلکہ کسی طرح فوج میں یہ مشہور ہو جائے کہ جو شخص تہمینہ کو زندہ گرفتار کرے گا وہ اسی کو دے دی جائے گی۔

حضرت سعدؓ امیر المومنین کا خط پڑھ کر مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔ اپنے غلام شہیر کو بلایا۔ اس سے کہا کہ مسلمانوں کو

ہر کام اللہ کی رضا کے لئے کرنا چاہئے نا؟" غلام نے کہا "بیشک۔" پھر فرمایا "میں نے سوچا تھا کہ فوج میں یہ اعلان کروا دوں گا کہ جو شخص تہمینہ کو گرفتار کرے گا وہ اسی کو دے دی جائے گی لیکن اس اعلان سے مقصد جنگ "رضائے الٰہی" مجروح ہوتا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خاموش ہی رہوں۔ کیا رائے ہے تمہاری؟" شہپر نے جواب دیا "آپ بہت مناسب سوچتے ہیں اور بڑی احتیاط فرماتے ہیں۔"

اس بات چیت کے بعد ابھی شام نہیں ہوئی تھی کہ لشکر کے عام سپاہیوں میں وہ بات مشہور ہو گئی جو شہپر اور سعدؓ میں ہوئی تھی۔ رستم کے جاسوسوں نے یہ خبر اسے بالکل ان لفظوں میں سنائی جو امیر المومنین نے سعدؓ کو لکھے تھے۔ رستم سن کر ہنسا، بولا "عمر بن خطاب بلا کا سیاست داں ہے۔ اس طرح اس نے میرے اس اعلان کا توڑ کیا ہے جو میں نے تہمینہ کے بارے میں کیا۔ اس کے بعد :-

زیک سوئے رستم زیک سوئے سعد برآمد خروشے بکردار رعد

'بادل کی گھن گرج کی طرح ایک طرف سے رستم اور دوسری طرف سے سعدؓ بڑے جوش و خروش کے ساتھ بڑھے'

رستم اور سعد دونوں نے ایک دوسرے کے لشکر کے رنگ ڈھنگ، فوجوں کی ترتیب اور مورچوں کی جگہوں کی دریافت کے لئے تجربہ کار فوجی افسر متعین کئے اور طلایہ (واچ اینڈ وارڈ) میں ناقابلِ تسخیر سرداروں کو مقرر کیا تھا۔

اتفاق کی بات ایک دن مشہور و معروف اسلامی سردار حضرت طلحہ اپنی تین ہزار فوج کے ساتھ طلایہ میں تھے۔ دوسری طرف بزرجمہر مشہور بہادر جو اکیلا ایک ہزار عسکری جوانوں کے برابر مانا جاتا تھا، طلایہ پر تھا۔ طلحہ کو خدا جانے کیا سوجھی کہ بھیس بدل کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور اس طرح رستم کے لشکر میں پہنچے گویا وہ انہی میں سے ہیں۔ ایک جگہ ایک بہترین گھوڑا تھان سے بندھا دیکھا۔ اس کی باگ ڈور کاٹی، اپنے گھوڑے کی باگ ڈور سے اٹکائی اور واپس ہو گئے۔ اب طلایہ والوں نے ٹوکا اور پیچھا کیا۔ شور سنا تو بزرجمہر بھی جھپٹا۔ قریب پہنچ کر اس نے برچھی اری۔ طلحہ نے وار خالی دیا۔ پھر طلحہؓ نے بھی برچھی کا وار کیا۔ برچھی بزرجمہر کے سینے سے پار ہو گئی۔ اس کے ساتھ دو اور سوار تھے۔ ان میں سے ایک کو اور مارا۔ دوسرے نے اماں طلب کی۔ اسے چھوڑ دیا۔

اتنی دیر میں طلایہ کے سپاہیوں نے طلحہ کو گھیر لیا۔ اس موقع پر اماں طلب کرنے والے نے بڑا ساتھ دیا۔ اس

نے اباب طرف اشارہ کیا۔ طلحہ نے اُس طرف حملہ کیا اور لڑتے بھڑتے صاف نکل آئے۔ طلایہ کی پانچ ہزار فوج دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی اور اس نے اپنا ایک بہترین افسر کھو دیا۔

طلحہ اپنے لشکر میں آئے تو اچانک عمرو معدی کرب سے ملاقات ہو گئی۔ وہ تہجد کی نماز کے لئے اٹھے تھے۔ طلحہ نے سلام کیا اور حال کہہ سُنایا۔ طلحہ اور عمرو معدی کرب میں آپس میں دوستانہ چشمک ہمیشہ سے چل رہی تھی۔ زبان سے ہنس نکل گیا "دیکھو معدی کرب! بہادر یوں لڑا کرتے ہیں" معدی کرب کو طیش آگیا۔ جواب دیا "چوری کر کے ڈینگ مارتے ہو۔ کل میدان جنگ میں اپنے دوست حریف معدی کرب کے مردانہ جوہر دیکھنا" اس کے بعد کہا کہ تہجد میرے خیمے میں پڑھو، پھر ساتھ ہی فجر کی جماعت میں شامل ہوں گے۔

طلحہ کے ساتھ اماں پانے والا بھی تھا۔ وہ بھی خیمے میں آیا۔ ان دونوں کی تہجد کی نماز اور ان کا خشوع و خضوع دیکھ کر بہت متاثر ہوا۔ اس نے دل میں کہا کہ اسلام دن کے ایسے غازی اور رات کے نمازی بناتا ہے۔ عرض کیا کہ میں بھی مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ وہیں کلمہ شہادت پڑھا۔ مسلمان ہوا اور جب فجر کی نماز کے لئے گیا تو بعد نماز سعدؓ سے ملا۔ انھوں نے اس کا نام 'مسلم' رکھا۔ مسلم نے سعدؓ کو وہ راز بتائے جو کسی ذریعہ سے بھی معلوم نہیں ہو سکتے تھے۔ اس نے کہا کہ کل دشمن اسلوب تجربہ آیا ایک جھڑپ کرے گا۔ آپ اپنی قوت کم سے کم صرف کریں گے۔ کل تہمینہ میدان جنگ میں آکر عاصم نوجوان کو مقابلے کے لئے طلب کرے گی۔ وہاں عام طور پر مشہور ہے کہ تہمینہ عاصم کو زندہ گرفتار کر کے لے جائے گی۔ میری رائے ہے کہ آپ عاصم کو اس کے مقابلے میں نہ بھیجیں کیونکہ عاصم ناتجربہ کار ہے۔ تہمینہ کے مقابلے کے لئے حسن مثنیٰ بہت موزوں رہے گا کیونکہ اس کی اور اس کی بات کی دھاک ایران پر بیٹھی ہے۔

رستم اس انتظار میں تھا کہ همدان سے فیل سواروں کی فوج آلے تو جنگ شروع کرے لیکن فرخ زاد نے اسے طلحہ کا طعنہ دیا تو اسی وقت سامان جنگ سے آراستہ ہوا۔ دُہری زرہیں پہنیں۔ سر پر خود رکھا۔ ہتھیار لگائے۔ گھوڑا طلب کیا۔ سوار ہوا اور طبل جنگ بجانے کا حکم دے دیا۔ جوش میں آکر کہا "آج عرب کو چکنا چور کر دوں گا" کسی سپاہی نے کہا "اگر خداوند یزداں نے چاہا"۔ بولا "خدا نے نہ چاہا تب بھی۔"

طبل جنگ پر چوٹ پڑتے ہی فوجیں چوکنا ہو گئیں۔ رستم نے فرخ زاد کو اشارہ کیا کہ وہ بڑھے اور مردان شاہ سے

کہاکہ اس کی مدد کے لئے تیار رہے۔ اس کے بعد ایرانی خطیبوں اور شاعروں کو حکم دیا کہ رستم و اسفندیار کے کارنامے گا گا کر دلوں کو گرما دیں۔

دوسری طرف حضرت سعدؓ کے لشکر کے عرب شعراء اور خطیبوں نے اپنی آتش خشانی سے لشکر اسلام میں آگ سی لگادی۔ قاریوں نے میدان میں نکل نکل کر نہایت خوش الحانی اور جوش کے ساتھ آیاتِ جہاد پڑھنا شروع کر دیں۔ ان آیات کی تاثیر سے دل ہل گئے اور مجاہدین کی آنکھیں سرخ ہوگئیں۔

قاعدے کے مطابق سب سے پہلے مبارز طلبی ہوئی (یعنی ایک پر ایک مقابلہ)۔ ایک ایرانی تیر انداز دیبا کا لباس زیب تن کئے، سنہری کمر بند لگائے، ہاتھوں میں سونے کے کڑے پہنے میدان میں آیا۔ حضرت سعدؓ نے اسے دیکھتے ہی تین بار اللہ اکبر کا نعرہ مارا۔ یہ گویا ان کی طرف سے اجازت تھی کہ اب جنگ شروع کی جائے۔ ادھر سے معدی کرب مقابلے کو نکلے۔ دشمن نے تیر کمان میں جوڑا۔ تاک کر مارا۔ لیکن اللہ کا فضل معدی کرب کے شاملِ حال تھا۔ وہ بال بال بچ گئے۔ انہوں نے گھوڑے کو دابا۔ گھوڑے نے جست کی اور دشمن کے سر پر جا پہنچا۔ معدی کرب نے نعرہ مارا اور اس کی دوال کمر پکڑ کر ہاتھ پر اٹھالیا۔ پھر اسے اچھال کر تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ جب وہ زمین پر گرا تو دو ٹکڑے تھا۔ معدی کرب نے طلحہ کی طرف دیکھا اور کہا "دیکھا! یوں لڑتے ہیں۔" طلحہ نے پکارا "ہر شخص معدی کرب کیسے ہو سکتا ہے۔"

اس کے بعد دونوں طرف کے بہادر میدان میں آتے رہے۔ مقابلے ہوتے رہے۔ کچھ مارے گئے۔ کچھ زخمی ہوئے۔ یہ سب ہو رہا تھا کہ ایک طرف سے گرد اڑتی دکھائی دی۔ اس گرد سے ایک عسکری جوان گھوڑے پر سوار اونچی بنا ہوا نکلا۔ اس نے بیچ میدان میں گھوڑا روکا اور منتم تہمینہ کا نعرہ مارا۔

نعرہ سن کر لشکرِ اسلام سے عاصم پکارا "انا لھذا۔ اس کے لئے میں ہوں" اور اس نے اپنے راہوار کو ایڑ لگادی۔ راہوار آگے بڑھا۔ پہلی ہی جست میں تہمینہ کے گھوڑے کے منہ پر جا پہنچا۔ تہمینہ نے عاصم کو وار نہ لینے دیا۔ بڑی صفائی سے عاصم کے گھوڑے کی گردن پر تلوار ماری۔ اگر عاصم کود کر الگ نہ جا کھڑا ہوتا تو گھوڑے کے ساتھ وہ بھی جاں بحق ہو جاتا۔ غصے میں ارادہ کیا کہ تہمینہ پر نیزے کا وار کرے۔ معاً امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ کا حکم یاد آیا کہ تہمینہ کو زندہ گرفتار کیا جائے۔ اتنی دیر میں تہمینہ گھوڑے سے کود چکی تھی اور اس نے عاصم پر تلوار کا دوسرا وار کر دیا تھا۔ عاصم کے لئے اس کے

سوا چارہ نہ تھا کہ تلوار کی زد سے ہٹے۔ وہ پینترا بدل کر پیچھے ہٹا اور وہیں سے نیزے کی ڈانڈ اس زور سے تہمینہ کی انگلیوں پر ماری کہ تلوار تہمینہ کے قبضے سے نکل کر دور جا گری۔ عاصم ہنسا۔ تہمینہ کو پسینہ آگیا۔ اس نے بڑھ کر عاصم کی دوال کمر (پرتلے کے بند) پر ہاتھ ڈال دیا اور چاہا کہ جھٹکا دے کر گرا دے کہ عاصم نے بھی اس کی دوال کمر پکڑ لی اور اب دونوں میں زور آزمائی ہونے لگی۔ چند لمحے ہی بیتے تھے کہ اچانک عاصم کا بدن ڈھیلا پڑ گیا۔ وہ زمین پر گرا۔ تہمینہ نے نہایت پھرتی سے اسے اٹھا کر اپنے گھوڑے پر لاد دیا۔ خود اچھل کر سوار ہوئی۔ گھوڑے کو ایڑ لگائی اور جدھر سے آئی تھی اُدھر گھوڑے کو سرپٹ دوڑا دیا۔

یہ سب اتنی جلد ہو گیا کہ دونوں طرف کے لشکر کچھ نہ سمجھ سکے۔ خیال یہ تھا کہ یہ دونوں کچھ دیر جم کر سپہ گری کے جوہر دکھائیں گے۔ عاصم کو دوست و دشمن اتنا بودا نہ سمجھتے تھے لیکن دیکھتے دیکھتے تہمینہ اسے گرفتار کر کے لے گئی تو سب حیران رہ گئے۔ حسن مثنیٰ اور ہاشم سراقہ اس وقت چونکے جب تہمینہ کا گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا تھا۔ پھر بھی ان دونوں نے گھوڑے بڑھا دئے۔ ان کا بڑھنا تھا کہ ان کے دستے کی فوج نے بھی گھوڑے دوڑا دئے۔ یہ دیکھ کر مردان شاہ، جو آج مقابلے پر تھا، اپنی فوج لے کر بڑھا اور اس نے آگا روک لیا۔ لڑائی شروع ہو گئی۔ حسن مثنیٰ اور ہاشم سراقہ کو تو دوسری ہی دھن تھی۔ وہ دونوں لڑتے بھڑتے ایک طرف نکل گئے۔ بے سردار فوج کو ہاشم کے ماتحت افسر عباد اور حسن مثنیٰ کے چچا عدنان شیبانی نے سنبھالا۔ شام تک سر دھڑ کی بازی لگتی رہی۔ جس کی موت تھی وہ مارا گیا۔ سورج بیٹھتے اسلامی فوج ناکام و نامراد واپس ہوئی۔

ہم بتا چکے ہیں کہ ایرانی فال پر بڑا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اس مختصر سی پہلی جھڑپ میں انھیں ایک بڑی کامیابی حاصل ہوئی تو وہ اسے نیک شگون سمجھے۔ بڑی خوشیاں منائیں۔ ادھر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور اسلامی لشکر کے دوسرے بزرگ تشویش میں بھی تھے اور حیران بھی کہ یہ کیا ہو گیا اور کیسے ہو گیا۔ انس بن ہلال اور مسلم سے کہا گیا کہ وہ اس عقدے کو حل کریں۔ ان دونوں نے ایک زبان ہو کر کہا کہ تہمینہ نے کوئی فریب کیا ہے اور عاصم کو زندہ گرفتار کر کے لے جانے میں کوئی راز ہے۔ اگر حکم ہو اور ہمیں تین دن کی مہلت دی جائے تو ہم اس کا پتہ لگا لیں گے۔ پوچھا گیا کہ تمہیں کتنے افراد کی ضرورت ہوگی؟ بولے "ہم دو ہی جائیں گے۔" ہمارا قیاس ہے کہ وہ اپنے باغ (بہارارم) میں عاصم کو لے گئی ہے۔

حضرت سعدؓ نے دونوں کو اسی وقت رخصت کیا اور موقع پر موجود حضرات کو تاکید کردی کہ انس بن ہلال اور مسلم کی روانگی کو راز میں رکھا جائے۔



حسن مثنیٰ اور ہاشم سراقہ وہ دن اور ساری رات اِدھر اُدھر سرگرداں رہے۔ راستے میں جو بستیاں ملیں اُن سے جان کر کترا گئے۔ ایک نہر پر پہنچے۔ وضو کیا۔ تہجد کی نماز پڑھ کر ذرا کی ذرا کمر لگائی پھر فجر کی نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ نماز سے فارغ ہو کر چلے تو ایک بوڑھے اور ایک جوان شخص کو ایک بستی سے نکلتے دیکھا۔ قریب آئے تو پہچانا کہ یہ انس بن ہلال اور مسلم ہیں۔ سلام کیا۔ سلام کے بعد جواب میں انس اور مسلم نے کمند پھینک کر دونوں کو گرفتار کر لیا۔ یہ بیچارے غافل تھے۔ بڑے حیران ہوئے۔ بولے "کیا تم دونوں مرتد ہو گئے؟" اس کا جواب کچھ نہ ملا۔ ایک طرف اشارہ کیا گیا اور کہا گیا کہ جان کی خیر چاہتے ہو تو خاموشی سے چلو ورنہ تم کو قتل کر کے اسی نہر میں بہا دیا جائے گا۔ حسن اور ہاشم کو اپنی زندگی میں ایسی مجبوری اور بیکسی کا کبھی سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ انس بن ہلال اور مسلم انہیں گرفتار کئے ہوئے ایک بستی میں داخل ہو گئے۔ لوگ انہیں دیکھ کر گھبرا گئے۔ پوچھنے لگے "تم کون ہو اور ان دونوں نوجوانوں کو کیوں گرفتار کیا ہے؟"

اس کے جواب میں مسلم نے بستی کا نام پوچھا۔ بتایا گیا "یہ آبادان ہے اور یہاں کا رئیس سا باط اپنوں کے لئے بڑا نرم اور غیر کے لئے بڑا سخت ہے۔ تم دونوں عراق عجم کے باشندے معلوم ہوتے ہو اور شاید یہ نوجوان مسلمان ہیں۔ تم بہت خوش ہو گے اگر سا باط سے مِل لو۔ وہ آج کل میں قادسیہ کی مہم پر جانے کی تیاری کر رہا ہے۔"

مسلم نے ایک شخص سے کہا "جا کر سا باط سے کہہ دو کہ مردان شاہ کا ابن عم ہرمز (مسلم نے اپنا ایرانی نام بتایا) آیا ہوا ہے۔" لوگوں نے بڑھ کر سا باط کو اطلاع دی تو وہ بھاگتا ہوا آیا۔ سلام کیا اور خیریت پوچھی۔ مسلم نے کہا کہ ہماری شہزادی نے برسرِ میدان ایک شہسوار کو زیر کیا۔ اسے گرفتار کر کے لے چلی تو ان دونوں نے پیچھا کیا۔ مردان شاہ نے مجھ سے کہا کہ انہیں گرفتار کر لو۔ میں نے اپنے چچا (انس کی طرف اشارہ کر کے) کی مدد سے اس نہر پر آ کر انہیں گرفتار کیا۔ کیا تم یہ بتا سکتے ہو

کہ یہاں سے "بہارارم" نزدیک ہے یا قادسیہ؟"

ساباط مسلم کی شخصیت سے آگاہ ہوا تو لگا خوشامد کرنے۔"حضرت قدم رنجہ فرمائیں۔ غریب خانہ حاضر ہے۔ کچھ خدمت کا موقع دیں۔ ذرا دیر آرام فرمائیں۔" اس کے جواب میں مسلم غرایا۔"نہیں، تم فوراً قادسیہ روانہ ہو جاؤ اور ہماری بات کا فوراً جواب دو۔" ساباط گھگھیا کر بولا "حضور! یہاں سے بہارارم نزدیک ہے۔ شاہزادی صاحبہ کل شام کے وقت یہاں سے گزری تھیں۔ میں نے انھیں روکنا چاہا تو وہ بھی نہیں رکیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ سخت مہم درپیش ہے میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ کل صبح ہی روانہ ہو جاؤں گا۔ یہ کہہ کر ایک کشتی میں اشرفیاں اور ایک خوان میں پھل اور میوے پیش کئے۔ مسلم نے اسی وقت آباد ان کی رعایا میں تقسیم کرادیں۔ کچھ خشک میوے لے لئے۔ ساباط نے فرشی سلام کیا۔ مسلم وہاں سے روانہ ہوا۔ آبادی سے دور ہوا تو قہقہہ لگایا۔ انس بن ہلال سے کہا "کہئے کیسی رہی؟" انس نے مسلم کی تدبیر کی تعریف کی اور کہا کہ اللہ رب العزت نے ہمیں ٹھیک رہنمائی فرمائی۔ انشاءاللہ اب ہم شام تک بہارارم میں ہوں گے۔

حسن مثنیٰ اور ہاشم سراقہ دونوں کو حیرت تھی ہی۔ یہ گفتگو سنی تو اور زیادہ حیران ہوئے۔ ان کی حیرانی پر بوڑھا انس مسکرادیا اور بولا "اچھا" عاصم کے عنقریب ملنے کی امید پر تم دونوں کو آزاد کیا جاتا ہے۔ لو کچھ کھاپی لو۔ کل سے بھوکے ہوگے!"

"تو کیا تم نے یہ عیاری کی!" دونوں ایک ساتھ پوچھ بیٹھے۔

"عیاری نہیں، تدبیر اور چال کہو۔ اور دیکھو! سعد نے امیرالمومنین کے حکم سے تم کو میرا ماتحت کر دیا ہے۔ اس لئے اب آگے جو کچھ ہوگا میری مرضی سے ہوگا۔ تم دونوں اپنا تہور قابو میں رکھنا۔"

حسن مثنیٰ اور ہاشم سراقہ دونوں بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے انگور کے خوشے اٹھا لئے اور ان سے لطف اٹھاتے ہوئے آگے بڑھے۔ راستہ معلوم ہو چکا تھا۔ یہ چار یار باغ ارم کی طرف روانہ ہوگئے۔ اس یقین نے ان کے پاؤں میں بجلی کی سی سرعت بھر دی کہ تہمینہ عاصم کو لے کر بہارارم ہی گئی ہے۔ وہ عصر مغرب کے درمیان باغ کے پاس پہنچ گئے۔ باغ کے چاروں طرف نہر جاری تھی۔ یہ چاروں پشت کی طرف جا کر رکے۔ وضو کیا۔ ایک

کونے کی آڑ لے کر عصر کی نماز پڑھی۔ پھر شام ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ انس بن ہلال بار بار مڑکر کبھی ایک طرف دیکھتے کبھی دوسری طرف۔ ایک بار مسلم سے کہا "کیوں! میرے خیال میں باغ میں اس درخت کی مدد سے داخل ہو سکتے ہیں؟" مسلم نے مڑکر درخت کی طرف دیکھا۔ درخت کی موٹی موٹی شاخیں چار دیواری سے باہر نکلی ہوئی تھیں۔ "بیشک، بیشک! آپ کا انتخاب نہایت عمدہ ہے۔" مسلم نے کہا، اور ساتھ ہی رائے دی کہ ہمیں اس وقت داخل ہونا چاہیے جب باغ کے اندر لوگ سو رہے ہوں۔

"لیکن مجھے تو باغ کے اندر سنّاٹا سا لگتا ہے" انس نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"اگر اجازت ہو تو میں ٹوہ لوں؟"

اور جب مسلم کو اجازت مل گئی تو وہ اٹھا۔ اس درخت کے پاس دیوار سے لگ کر کھڑا ہوا۔ پھر اُچک کر ایک شاخ پکڑی گھنیرے درخت نے اس کے چھپنے میں بڑی مدد کی۔ مسلم نے باغ کے اندر چاروں طرف دیکھا وہاں آدمی نہ آدم زاد، کوئی بھی تو نہ تھا۔ وہ منہ بسورتا ہوا آیا اور کہا کہ ہم غلط آئے۔ باغ بالکل خالی ہے۔ اگر تہمینہ یہاں آتی تو خدام اور اس کی کنیزیں وغیرہ ضرور ہوتیں۔

مسلم کے اس خیال پر انس مسکرایا "تم سب ابھی بچے ہو۔ میں نے جو کچھ سوچا ہے وہ قوی سے قوی تر ہو جا رہا ہے۔"

"وہ کیا اے ہم سب میں محترم و بزرگ؟"

"بتا دوں یا جو کچھ میرا خیال ہے آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہو؟"

"بتا دیجئے۔ ورنہ ہمارے ذہنوں میں خلفشار رہے گا۔"

"میرا خیال ہے کہ تہمینہ دربار میں ہی عاصم پر عاشق ہو چکی تھی جبکہ عاصم نے نیچے سے اس کے رومال کے دو ٹکڑے کر دئیے تھے۔ اور میرا خیال ہے کہ میدان جنگ میں عاصم ہی غالب آتا لیکن تہمینہ نے اس کو بیہوش کر دیا اور لے بھاگی۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس نے وہیں قتل کیوں نہ کر دیا۔"

انس بن ہلال بوڑھے اور جہاندیدہ بزرگ تھے۔ ان کے قیاس کی مسلمؒ نے تائید کی لیکن حسن مثنیٰؒ اور

اور میں جماعت اسلامی کی ممبر بن گئی

(ملکہ محمود)

نیچے ملکہ محمود صاحبہ کے تاثرات نقل کئے جا رہے ہیں۔ ملکہ محمود صاحبہ نے مضمون میں بار بار خانصاحب کا لفظ دہرایا ہے۔ واضح رہے یہ" محمود احمد خاں صاحب رکن جماعت اسلامی ہند حیدرآباد ہیں۔ دوسری بات اس مضمون کے سلسلے میں یہ عرض کرنی ہے کہ انگریزی تعلیم یافتہ بہنیں جب اردو لکھیں تو براہ کرم ذرا قلم سنبھال کر لکھیں۔ ملکہ محمود صاحبہ کی بہت سی تحریر محض اس لیے نکال دی گئی کہ اسے ہم پڑھ نہ سکے۔ ملکہ محمود صاحبہ نے سنہ ۵۳ء سے جماعتی لٹریچر کا مطالعہ شروع کیا اور سنہ ۵۶ء میں رکن بنیں۔ میں ملکہ محمود صاحبہ اور خانصاحب کو اسی وقت سے جانتا ہوں جب محمود احمد خاں صاحب امیر حلقہ تھے۔ میرا خیال ہے کہ ملکہ صاحبہ ہی نے خانصاحب کو جماعت اسلامی کی طرف مائل کیا۔ (م)

زندگی بڑے سکون سے گذر رہی تھی۔ روایتی مسلمانی کا طریقہ چلا آرہا تھا۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ
بانی اور اگر پیسہ ہو تو حج بھی کر دیا جائے۔ بس اس سے آگے نہ تو ہمیں کوئی بات معلوم تھی۔ نہ زندگی
ے اصل راز سے واقف کرایا گیا تھا کہ زندگی صرف عبادت کے لیے ہے اپنے معبود کو جاننے اور
طریقہ کو اپنانے کے لیے ہے جو طریقہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے پیش فرمایا۔ اسی
یتی انداز میں قرآن پڑھایا گیا۔ ختم ہوا۔ سورتیں یاد کرائی گئیں۔ نماز سکھائی گئی اور کچھ مخصوص دعائیں

بھی یاد کرا دی گئیں۔ ہم نے سمجھ لیا کہ بس اب دین کا کام مکمل ہوگیا۔ بندھے ٹکے انداز میں یہ کام کرلیا اور رہا ہی جھوٹ، چوری، غیبت جیسی برائیوں سے بھی بزرگوں نے روکا۔

مگر ساتھ ہی شادی بیاہ میں یا کسی بھی خوشی کی محفل میں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ قوالی یا گانا بجانے نہ ہوتے ہوں۔ خیر یہ تو تھی گھریلو زندگی۔ اسی کو لوگ دیندار گھرانا کہتے ہیں۔ اور ہم بھی اپنے آپ کو دیندار سمجھتے تھے۔ اور یہ بھی کہ نماز پڑھنا ایک پرانے زمانے کی چیز ہے۔ اب تو ان سب کو چھوڑ آگے بڑھنا چاہیے۔ خیر جناب اسکولی زمانہ کے تعلق سے بھی سن لیجیے۔ اسکول میں میلاد کے جلسے ہوتے تھے۔ اس میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ ڈرامے ہوتے اس میں بھی بڑھ بڑھ کر حصہ لیا جاتا۔ بہر حال اسکول کا کوئی فنکشن ایسا نہ تھا جو چھوٹ جاتا ہو۔ البتہ پڑھائی کی طرف سے لاپروائی برتی جاتی اس کی وجہ یہ تھی کہ کوئی گھر میں بیمار ہو جائے، تو مہمان بھی آجاتا تو اسکول سے چھٹی دلادی جاتی اور ساتھ ہی سواری کی اکثر شکایت کہ کس طرح جایا جائے۔ خیر صاحب زندگی کے ۱۲ سال یوں ہی بیت گئے۔

زندگی نے ایک اور کروٹ لی۔ اس سال کا ختم ہونا تھا کہ ناچیز کو نئی زندگی کے حوالہ کر دیا گیا یعنی شادی ہوگئی اور اپنے نئے گھر میں نئے ساتھی کے ساتھ زندگی شروع کی تو آہستہ آہستہ یہاں کا رنگ آنے لگا۔ یعنی صاحب بہادر (شوہر نامدار) بے حد اَلٹرا ماڈرن قسم کے تھے۔ مغربی تہذیب کے دلدادہ چنانچہ اس کے طفیل میں گھوڑا سواری، سائیکل سب ہی سیکھ لی۔ پردہ کا کوئی اہتمام نہیں۔ خاندان کے بزرگوں سے ڈر کر روایتی پردہ کرلیا۔ ورنہ کچھ نہیں۔ اس طرز زندگی پر خوب خوب ہمارے روایتی دیندار بزرگوں نے سخت سست سنائیں مگر میں نے اپنے گھر میں یہ ضرور دیکھا تھا کہ والدہ والد صاحب دین کے پابند ہر چیز جو اسلام چاہتا ہے کرتے تھے۔ عربی اسکول بھی چل رہا تھا۔ اس میں والدہ محترمہ پڑھایا کرتی تھیں۔ ہاں تو میں کہہ رہی تھی شادی کے ایک دو سال تو یوں بیت گئے اس وقت پولیس ایکشن ہوا اور شروع شروع کا زمانہ تھا اسکول کے قوانین و ضوابط بدل گئے تھے۔

اس وقت گھر میں ایک ہستی ایسی موجود تھی جو مولانا کے نام سے موسوم کی جاتی تھی۔ ان کے اپنے اجتماعات ہوتے تھے۔ محلہ کے اور خاندان کے کچھ نوجوان ان مولانا کی اس تحریک سے متاثر تھے چند لڑکیوں کا بھی اجتماع ہوتا اس میں ناچیز بھی شریک رہتی۔ مگر ان سب کا خوب مذاق بنایا جاتا اور تنگ کیا جاتا مگر وہ مولانا نہ تھکتے اپنا کام کیے جاتے۔ وہی مولانا کبھی کبھی مجھے ریاضی کے سوالات سمجھانے لگتے تھے یہ تھے میرے دیور یہ صاحب کچھ دینی کتابیں کمرہ میں رکھ جاتے مگر ہمارے صاحب بہادر کے پاس ان پرچوں اور کتابوں کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ ایک دن میں نے یوں ہی مولانا کی ٹیبل پر بیٹھے بیٹھے ایک کتاب اٹھالی۔ کتاب کا نام تھا "پاکستانی عورت دوراہے پر" میں سمجھی کوئی ناول ہوگا، لاکر پڑھنا شروع کیا۔ سمجھ میں تو آئی۔ مگر اس وقت یہ ذہن کہاں تھا۔ کہ اس کتاب کی باتیں بھی بھلا اس دنیا کی ہو سکتی ہیں ؟ اس کے بعد مجھے دوسری جو کتاب ملی انہی مولانا کے ٹیبل پہ وہ تھی "پردہ" وہ بھی میں اٹھالائی اور پڑھنا شروع کیا۔ جوں جوں میں پڑھتی گئی دل و دماغ کے دروازے کھلتے گئے زندگی کی حقیقت میرے سامنے آتی گئی اور اسی کتاب نے میری زندگی کو بدل کر رکھ دیا پھر تو اور بھی اس قسم کی کتابیں پڑھنے کا شوق ہونے لگا سمجھنے کی کوشش میں لگی رہی اس کے بعد پھر بہت [illegible] کوئی نئی کتاب نہ مل سکی اور اسی اثناء میں ایک ہستی اس گھر میں اپنے کام سے آئی جس کا [illegible] ایسی دعوت کو پیش کرنا تھا اور ان کی باتوں اور وضع قطع سے میں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی [illegible] خاص تھا نہیں۔ پھر مجھے جب معلوم ہوا کہ یہ فلاں تحریک کے ممبر ہیں اور ہمارے دیور صاحب بھی ایسی تحریک سے وابستہ ہیں پھر تو اور زیادہ اثر ہوا کہ یہ فیشن ایبل مولانا ہیں۔ اب دل میں یہ خواہش ہونے لگی کہ ہمارے صاحب بہادر بھی ایسے ہی مولانا بن جائیں ان مولانا سے جو واقعی ہمارے لیے محسن ثابت ہوئے اور آج بھی یہ محسن موجود ہیں۔ بہر حال کافی اثر ہو چکا تھا اس زمانے میں ہی اجتماع ہوا تھا۔ غالباً ۵۲ء کی بات ہے اس اجتماع میں ہم دونوں (یعنی میں اور میرے صاحب بہادر) بھی شریک ہوئے اس کا اتنا اثر ہوا کہ اس رات دل ایک

ہی خیال رہنے لگا کہ دین تو یہ ہے نہ کہ وہ جو ہمارے اپنے گھروں میں۔ اس کے بعد دوبارہ پھر اجتماع میں جانے کا موقع ملا۔ میں اپنے خاں صاحب (شوہر) سے پہلے متاثر ہوئی لیکن رکن بعد میں بنی۔ وجہ یہ تھی کہ دستور میں جو پابندیاں ہیں اس کے تصور سے ذرا گھبراہٹ ہوتی تھی کہ پابندی ہو سکے گی یا نہیں اس کی ہر بات دل کو لگتی تو تھی۔ مگر بس ایک ہی خدشہ رہتا کہ پابندی ہو سکے گی یا نہیں۔ خود کو کمزور پاتی تھی۔ مطالعہ برابر جاری رہتا۔ رسالہ دینیات بھی پڑھا اور جماعتی رسالے اور اخبار بھی زیر مطالعہ رہتے تھے اس کے بعد ایک بار پھر "پردہ" پڑھنے کی خواہش ہوئی اب تو دل مطمئن ہو گیا اب تو صاحب بہادر مولانا بن چکے تھے یعنی رکن بن گئے تھے۔ اب ان پرچوں کی اور کتابوں کی کمی نہ تھی خوب آنے لگے اور خوب مطالعہ بھی ہوتا رہا مگر جو کتاب پردہ پڑھنے سے ذہن بدل گیا تھا اُس کو جلا ملتی گئی۔ اور آخر وہ وقت بھی آ گیا کہ میں نے رکنیت کی درخواست دے دی اور ۷۰ء میں رکن بن گئی۔ اب یہ تھا کہ میں بھی دین کا کام اپنے خانصاحب کے ساتھ ساتھ کروں مگر میری مصروفیات اجازت نہیں دیتی تھیں۔ جب فرصت ملی پابندی سے کام میں لگ گئی۔ بہرحال یہ تھی مختصر روداد۔

کیسی کیسی شخصیتیں دنیا میں موجود ہیں جن کی وجہ سے ظلمت سے نور میں کیسے کیسے لوگ آ گئے اور اس تحریک کو اپنا لیا۔ اللہ نے توفیق بھی دی اور کوشش بھی بار آور ہوئی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بھی اجر سے نوازے۔ آمین۔ اللہ اس راہ میں ہمیں ثابت قدم رکھے۔ آمین۔

تین سوال

فرید احمد۔ مبارک پور، ٹانڈہ

سوال۔ صادق دوست کی نشانی کیا ہے؟
جواب۔ دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست
دوست کی پہچان یہ ہے کہ وقت پڑنے پر اپنے دوست کی مدد کرے

سوال۔ دولت والوں کے لیے کونسا عمل اچھا ہے؟
جواب۔ اپنے اللہ کو خوش کرنے کے لیے پوشیدہ طور پر غریبوں کی مدد کرنا۔

سوال۔ کاموں میں زیادہ نیک کام کام کیا ہے؟
جواب۔ اللہ کے حکموں پر اس طرح عمل کرنا جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا ہے

سوال۔ انسان کو جان سے پیارا کیا کام ہے؟
جواب۔ ایمان۔

الجھنوں میں گرفتار بیویاں

اپنے شوہر سے یہ چاہیاں

میں کچھ ایسی خواتین کو جانتا ہوں جو اپنے گھر کو بڑی اچھی طرح چلا رہی ہیں۔ ان کے گھروں میں افراد کے اندر بہت کم ٹکراؤ ہوتا ہے۔ خدانخواستہ ایسا ہوتا ہے تو یہ نیک خواتین بڑی خوبصورتی اور حکمت کے ساتھ اس ٹکراؤ کو میل ملاپ میں بدل دیتی ہیں۔

کچھ دن ہوئے میں نے ان خواتین کی خدمت میں خطوط لکھے اور پوچھا کہ آپ نے گھر کے ماحول پر کس طرح قابو پایا۔ خواتین کے جوابات آئے۔ ان جوابوں میں جو باتیں سب کے خطوط میں ملی جلی تھیں۔ وہ میں نے چن لیں اور اب انھیں ترتیب دے کر پیش کر رہا ہوں۔ ان تمام بزرگ خواتین نے لکھا ہے کہ ان کے نام نہ بتائے جائیں۔ بہنوں کو ان کے جوابات میں اپنی الجھنوں کا حل مل جائے اور وہ اپنی گھریلو زندگی سنوار لیں۔ ان کے لیے یہی کافی ہے۔ (ام)

انھوں نے لکھا:۔

(۱) بیویاں چاہے مشرقی ملکوں کی ہوں چاہے مغربی ملکوں کی، سب یہ چاہتی ہیں کہ ان کا شوہر نرم مزاج ہو۔ ملائمت کے ساتھ بات کرے۔ سخت مزاج اور چڑچڑا نہ ہو۔ گالی گلوچ سے پرہیز کرے۔ ایسا بھی دیکھا جاتا ہے کہ ایک شوہر گھر کے اندر سخت ہوتا ہے لیکن گھر کے باہر جب اپنے

توں اور ملنے والوں کے ساتھ بیٹھتا ہے تو ان سے بڑے اچھے برتاؤ کے ساتھ پیش آتا ہے۔ گھر میں ہوتا ہے تو شخص یعنی بالکل پتھر، وہی باہر خس یعنی خوشبو بکھیرتا ہے۔ گھر میں سست اور اداس اور باہر باغ و بہار۔

جواب دینے والی خواتین نے لکھا ہے کہ ایسے مردوں میں سارے جاہل ہوتے ہیں۔ میاں بیوی کے بارے میں یہ نہیں جانتے کہ اسلام نے گھر کو بہتر بنانے کے لیے کیا بتایا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضہ اپنے گھروں میں کس طرح رہتے تھے؟ اگر یہ مرد حدیث پڑھے ہوتے تو انھیں یہ ضرور معلوم ہوتا کہ

● کوئی مومن شوہر اپنی مومن بیوی سے نفرت نہ کرے۔ اگر اس (بیوی) کی ایک عادت نہیں پسند آئی تو دوسری عادتیں پسند آئیں گی۔ ان پسندیدہ عادتوں کی مدد سے ناپسند عادت کو چھڑایا جا سکتا ہے۔

● تم میں بہتر انسان وہ ہے جو اپنی بیوی کے لیے بہتر ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیوں میں سے ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ اپنی بیویوں کے ساتھ بڑی محبت اور ملائمت کے ساتھ پیش آتے تھے۔

● وہ شخص نہایت بدنصیب ہے جو اپنی گاڑھی کمائی بیوی بچے کو کھلاتا ہے اور وہی بیوی بچے اس سے نفرت کرتے ہیں۔ اگر وہ ان کے ساتھ نرمی سے پیش آئے، تو کیوں گھر والے اس سے نفرت کریں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو گناہ گار فرمایا ہے۔ (توبہ توبہ)

● جو شوہر محبت کے ساتھ نوالہ بیوی کے منہ میں دیتا ہے تو اسے صدقے کا ثواب ملتا ہے۔ (سبحان اللہ) اس طرح کی بہت سی حدیثیں ہیں۔ اگر مرد ان کے مطابق برتاؤ کریں تو عورت چاہے کیسی ہی ہو وہ آپ سے آپ بہتر سے بہتر ہونے لگتی ہے۔ عورت میں ایک فطری جذبہ ہے "انفعالی" یعنی وہ مرد سے بہت جلد متاثر ہو جاتی ہے۔ اگر اس کا شوہر اچھا آدمی ہو تو بیوی بھی اچھی ہو جاتی ہے۔ یہ جملہ تمام

خواتین نے اپنے جواب میں لکھا ہے لیکن پھر بڑے افسوس کے ساتھ لکھا ہے۔ عام طور پر مرد ایسے نہیں ہوتے۔ شوہر عورت کے ساتھ سختی کرنے کو مردانہ خوبی سمجھتا ہے۔ کسی عورت کو ایسے شوہر سے پالا پڑ جائے تو اسے چاہیے کہ ان تدبیروں سے کام لے جو اللہ اور اللہ کے رسولؐ نے بتائی ہیں۔ اس سے دو بڑے فائدے ہوں گے ایک تو یہ کہ آخر کار شوہر اس کا غلام ہو جائے گا۔ اس سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ اُسے جنت عطا فرمائے گا۔

● نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہؓ میں سے کچھ صاحبان نے پوچھا کہ بہترین بیوی میں کیا خوبی ہونی چاہیے؟ آپؐ نے فرمایا، وہ جو اپنے شوہر کو خوش کر دیا کرے جب کہ وہ اس کی طرف دیکھے۔ اس سلسلے میں جواب دینے والی خواتین نے اپنے جو تجربے بیان کئے ہیں ان میں نصیحت بھی ہے اور وہ نہایت دلچسپ بھی ہیں۔

● ایک صاحبہ نے خوب مزے لے کر لکھا کہ ایک دن میاں بھنّائے ہوئے (یعنی خفا خفا سے) گھر میں آئے۔ میں نے دل میں سوچا کہ آج "مزاج یار برہم ہے"۔ میں نے بڑھ کر کہا: "السلام علیکم ورحمۃ اللہ"۔ انھوں نے وعلیکم السلام کہا۔ میں نے کہا کہ "وبرکاتہ" "کہیے تو دس نیکیوں کا ثواب لیجیے"۔ ایک نظر مجھے دیکھا اور کہا "وبرکاتہ"۔

میں نے دیکھا کہ مزاج ہمایوں ابھی اعتدال پر نہیں آیا تو میں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "سلام کیا کرو۔ سلام کرنے سے محبت آپس میں بڑھتی ہے"۔ ٹھیک ہے نا! یہ بات؟" میں نے سلام کیا تو میرے دل میں آپ کی محبت بڑھی۔ بتائیے آپ کے دل میں؟"

اب وہ مسکرائے اور بولے: "آپ کو (ہمیشہ "تم" کہتے تھے۔ آج آپ کہا) جتنی محبت مجھ سے ہے۔ اس سے زیادہ مجھے آپ سے ہے" یہ سننا تھا کہ میں نے ایک وار اور کیا اور وہ چت ہو گئے میں نے کہا "آپ مرد ہیں آپ کو ہر بات میں عورت سے بڑھ کر ہونا ہی چاہیے"۔

اب سنئے کہ خفگی کس بات پر تھی۔ ان کے تلوں میں ایک بٹن ٹوٹ کر گر گیا تھا۔ میں نے کچھ خیال نہیں کیا۔ وہ بھی بے خیالی میں پہن کر چلے گئے پھر ایک جگہ فرش پر بیٹھے تو بے پردگی ہو گئی۔ دوستوں

نے خوب مذاق اُڑایا یہی غصہ تھا۔

اگر میں اس موقع پر اس طرح صنعت شدید کو ہموار نہ کرتی تو گھر میں وہ کچھ ہو کر رہتا جو اللہ کا شکر ہے کہ نہیں ہوا۔

● ایک اور صاحبہ نے اپنا ایک تجربہ بیان کیا کہ ایک دن صاحب کھانا کھانے بیٹھے۔ دال میں نمک کم تھا۔ خدا جانے باہر سے لڑکر آئے تھے۔ غصہ اُتارا گھر پر۔ پلیٹ اٹھا کر صحن میں پھینک دی اور مجھے بدتمیز، پھوہڑ اور نالائق کہتے ہوئے اُٹھ گئے۔ میں نے دال چکھی۔ مجھے افسوس ہوا۔ اُٹھی اور ان کے پاس گئی۔ وہ صحن میں کرسی پر بیٹھے ہوئے سگریٹ پی رہے تھے۔ میں نے کہا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس عورت سے اس کا شوہر ناراض ہوتا ہے تو اس عورت پر فرشتے لعنت کرتے ہیں۔ بے شک، آج مجھ سے ذراسی کوتاہی ہوگئی۔ لیکن میں آپ کی بیوی ہوں میرا یہ حق ہے کہ میں آپ سے کہوں کہ فرشتوں کی لعنت سے مجھے بچا لیجیے۔"

یہ بات تو میں نے اس لیے کہی تھی کہ کسی طرح گھر کی فضا خراب نہ ہو لیکن آخری جملے پر میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ان آنسوؤں کا وہ مقابلہ نہ کر سکے۔ بولے "لاحول ولا قوۃ" ذراسی بات پر اتنا شدید احساس! اگر فرشتے لعنت کریں گے تو میں ان پر مقدمہ قائم کر دوں گا۔ اور اللہ میاں سے کہوں گا کہ میں تو اپنی بیوی سے خوش ہوں۔"

"اچھا تو چلیے کھانا کھا لیجیے۔"

"جو حکم سرکار!" اور انھوں نے کھانا کھایا اور دیر تک چٹکلے اور لطیفے سنا کر ہنستے اور ہنساتے رہے۔

● ایک صاحبہ لکھتی ہیں کہ میرا شوہر شاعر ہے اور شاعر زود رنج ہوتا ہی ہے۔ میرے شاعر نامدار میں بات بات پر ناراض ہونے کی عادت تھی۔ انھوں نے کوئی شعر سنایا اور میں نے تعریف نہیں کی تو ناراض ہو گئے کہ کیسی بے ادب بیوی سے پالا پڑا ہے۔ کسی مشاعرے میں ان کو داد ملی۔ اس "داد" کا تذکرہ گھر میں کیا اور میں نے توجہ نہیں دی تو وہ ناراض۔ ایک دن میں نے چار بنائی

اور شیشے کے گلاس میں پیش کی اور عرض کی کہ دودھ حسب مرضی ڈال لیجئے۔ انھوں نے گلاس میں چائے کے رنگ کو دیکھا تو لگے جھومنے۔ سبحان اللہ کہا ارغوانی رنگ ہے۔" میں سمجھی ہی نہیں کہ یہ ارغوانی رنگ کا اشارہ کس طرف ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ میرے شوہر نامدار شراب پیتے نہیں لیکن ارغوانی رنگ کی تعریف کرتے ہیں۔ اچھا تو میں نے توجہ نہیں دی۔ تو بس تیوریاں چڑھ گئیں۔ ہٹو، دور ہو نظروں سے۔ بیٹھکر اچانک مجھے ایک شعر یاد آگیا۔ یہ شعر انھوں نے خود مجھے سنایا تھا۔ میں نے شعر پڑھا۔

ترچھی نظر سے دیکھتے ہیں، دیکھتے تو ہیں	میں اسپہ خوش ہوں، ہوں تو کسی کی نگاہ میں

شعر سننا تھا کہ ساری چوکڑی بھولے۔ اور اس کے ساتھ انھیں یہ بھی یاد نہیں رہا کہ ابھی وہ غصے میں تھے۔ لگے تعریف کرنے۔ شعر کی تعریف بھی اور میری تعریف بھی۔

● ایک صاحبہ لکھتی ہیں کہ مردوں میں بچوں کی سی عادت ہوتی ہے۔ ایک بار میرے میاں بازار سے پالک لائے اور فرمایا کہ اُرد کی دال میں پالک ڈال کر پکائی جائے۔ پھر اپنا شوق ظاہر کیا کہ دال چاول کھاؤں گا۔

اس دن مجھے اور بچوں کو اور انھیں بھی زکام تھا۔ میں نے چاول نہیں پکائے۔ روٹی دال ان کے سامنے رکھی۔ بس پھر کیا تھا۔ منھ پھول گیا۔" میں نہیں کھاؤں گا۔"

"اچھا تو چاول پکائے دیتی ہوں۔"

میں نے جھٹ چاول چڑھا دیے۔ پندرہ منٹ میں چاول پکا کر پیش کئے۔ خوش ہو گئے اگر اس وقت میں یہ بحث لے کر بیٹھتی کہ زکام میں چاول نقصان کریں گے تو پھر تو تو میں میں ہو جاتی۔

رات کو زکام بڑھا۔ ٹھیک سے سو نہ سکے۔ کھانستے رہے مگر شاباش ہے۔ خود دار شوہر صاحب کو۔ یہ نہ کہا کہ چاولوں نے نقصان کیا۔ میں نے جوشاندہ منگایا۔ دو دن سر پکڑے رہے تب جا کے افاقہ ہوا۔ تیسرے دن دماغ درست ہوا تو اقرار کیا کہ تمہارا یعنی میرا کہنا مان لیتا تو یہ تکلیف نہ ہوتی۔

یہ ہوتے ہیں شوہر صاحبان۔ ان کی انا برقرار رہے۔ انھیں چیلنج نہ کیا جائے تو ان سے غلامی کرالو سرکس کے شیر کی طرح قابو میں رہتے ہیں۔ بلکین ذرا آنکھ سے آنکھ ملا دو۔ بس پھر یہی سرکس کا شیر بے قابو ہے اور رنگ ماسٹر کو پچھاڑ کھاتا ہے۔

بہت ہی عقلمند عورت (بیوی) وہ ہے جو شوہر سے شکست کھاکر اُسے جیت لے۔ سچ کہا ہے ... نے کہ پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر

---

(۲) گھر سے باہر دلچسپی کے بارے میں سمجھدار خواتین نے جو اپنے تجربات بیان کئے ان کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمیں یہ ہرگز گوارا نہیں۔

● ہمارا شوہر گھر سے باہر دیر تک رہے ● اس کی دلچسپیاں بھی بیرون خانہ رہیں لیکن بہر حال ایسے شوہر سے سابقہ پڑا تو ہم نے اُسے گھر کا آدمی بنانے کی کوشش کی۔

● ایک خاتون نے لکھا کہ جب میری شادی ہوئی تو والدین نے نصیحت کی کہ بیٹی خدمت سے عظمت ہے اور ضرورت سے زیادہ باتیں کرنا جھگڑے کا دروازہ کھولتا ہے۔

سسرال پہنچ کر میں نے ان دونوں نصیحتوں پر عمل کیا۔ میں ہر وقت کام میں لگی رہتی۔ ان کی خدمت کرتی۔ ان کے والدین کی اور گھر میں جو بچے تھے ان کو بھی آرام پہنچانے کی کوشش کرتی۔ زبان کو ہمیشہ قابو میں رکھتی۔ میں کاموں میں لگی رہتی۔ ان کی خدمت کرتی۔ ان کے والدین کی اور گھر میں جو بچے تھے۔ ان کو بھی آرام پہنچانے کی کوشش کرتی۔ زبان کو ہمیشہ قابو میں رکھتی۔ میں کاموں میں اس درجہ لگی رہتی کہ مجھے اپنے تن بدن کا ہوش نہیں رہتا تھا۔ پہلے تو شوہر صاحب اور ان کے گھر والے بہت خوش ہوئے اکثر میری تعریفیں ہوتیں لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد میں نے محسوس کیا کہ میاں زیادہ تر وقت باہر گزارتے ہیں اور رات گئے گھر آتے ہیں۔ یہ بات مجھے سب سے زیادہ محسوس ہوئی اور میری اُداسی کا سبب بنی۔ میں غور کرنے لگی کہ مجھ میں کیا خامی ہے جس کی تلاش میاں کو باہر کی دنیا میں رہتی ہے۔

میں یہ بتادوں کہ میں رنگ روپ اور چہرے مہرے سے دلکش ہوں۔ یہ بات اکثر میں نے اپنے کنوارے پن میں سنی۔ مجھے لوگ بااخلاق بھی کہتے ہیں۔ میری آواز بھی بُری نہیں۔ میں تندرست بھی ہوں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ شوہر کی دلچسپی مجھ سے کم ہوگئی۔

میں ایک دن اس کو راز پاگئی۔ میری نند اپنی سسرال سے آئی۔ وہ زیادہ خوبصورت تو نہ تھی کپڑے بھی کچھ زیادہ قیمتی نہ تھے لیکن سج دھج ایسی کہ میں اُسے دیکھتی رہ گئی۔ میاں گھر میں آئے۔ ساجدہ کو دیکھا تو ان کی زبان سے نکلا "سبحان اللہ! لم قیمت بالا نشین"۔

میں سمجھ گئی کہ مجھ میں بہت سی خوبیوں کے باوجود کیا خامی ہے۔ اسی وقت میں نے دن بھر کے پروگراموں میں صبح اور شام کل ملاکر ایک گھنٹہ اپنے کو سنوارنے کے لیے نکالا۔ دوسرے دن صاف ستھرے (قیمتی نہیں) صاف ستھرے کپڑوں اور کنگھی چوٹی سے لیس ہوکر چار پیش کی تو میاں کی نگاہ مجھ پر جم کر رہ گئی۔ ساجدہ اور اماں موجود تھیں۔ چار پر تو کچھ نہ کہا۔ جب کام پر جانے لگے تو اشارے سے مجھے کمرے میں بلایا اور بولے "یہ طلعت نام کی حور میرے گھر میں کہاں سے اُتری"۔ اور میں باغ باغ ہوگئی۔ اس دن وہ مغرب کے بعد گھر سے باہر نہیں گئے۔ تھوڑی دیر ماں اور ساجدہ سے باتیں کرکے میرے پاس آگئے۔ ساجدہ کو وہیں بلالیا اور قہقہے لگاتے رہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر شوہر کے ذوق کی چیز گھر میں ہو تو وہ باہر اِدھر اُدھر نظریں بھٹکاتا نہیں پھرے گا۔

● ایک صاحبہ نے لکھا کہ شوہر کنوارپنے سے پکچر دیکھنے کا شوقین تھا۔ کبھی میں بھی پکچر دیکھا کرتی تھی۔ پھر میں نے اسلامیات کا مطالعہ کیا تو سینما سے نفرت ہوگئی۔ شادی کے بعد میں چاہتی تھی کہ میاں عشاء کے بعد کہیں نہ جائیں۔ میرے پاس بیٹھیں اور باتیں کریں مگر ان کا شوق۔ میں سوچا کرتی کہ کیسے ان کی سینما بینی کم ہو۔

حسنِ اتفاق سے مجھے موقع مل گیا۔ شہر میں دھوم مچی کہ حج کی ریل آئی ہوئی ہے۔ میاں نے ماں سے کہا کہ حج تو نصیب نہیں ہوگا۔ چلیے آج حج کا منظر دیکھ لیجیے۔ میری ساس نے میری طرف

دیکھا۔ میں نے انکار کردیا۔ میں نے انکار کیا تو میرے خسر بھی نہیں گئے۔ میری نندیں، دیور، ساس اور میاں دیکھنے گئے۔ پہلا شو دو بجے سے ساڑھے چار بجے تک تھا۔ سب مغرب سے پہلے دیکھ کر آگئے۔ میری ساس درود پڑھتی ہوئی گھر میں آئیں۔ مکہ مدینہ دیکھ کر آئی تھیں۔ اب کھانا کھا رہی ہیں تو درود شریف۔ پان کھا رہی ہیں تو حج کا بیان۔ بیٹھیں تو کم و بیش ۲۵ حج کی باتیں بیان کرڈالیں اور ہمارے میاں خوشی کے مارے جامے کے باہر ہوئے جا رہے تھے۔ بار بار میری طرف فاتحانہ نظروں سے دیکھتے۔ گویا نگاہوں نگاہوں میں کہہ رہے ہوں کہ تم غلطی پہ ہو۔

اب مجھے موقع مل گیا۔ میں نے کہا کہ میں فن سینما کی مخالف نہیں۔ لیکن سینما میں جو عریانیت اور بدمعاشی دکھائی جاتی ہے وہ کوئی شریف آدمی پسند نہیں کرتا۔

میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ میرے خسر میرے ہمنوا ہو گئے: "سچ کہتی ہو بیٹی! آج جو ہمارے معاشرے میں بدمعاشی آگئی ہے، یہ سب سینما ہی کی وجہ سے ہے۔"

میں ذرا خاموش ہوئی اور پھر کہنے لگی "اگر اس فن سے جغرافیہ کے اسباق پڑھائے جائیں۔ دریا پہاڑوں سے کیسے نکلتا ہے؟ میدان میں اس کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟ ڈیلٹا کیسے بنتا ہے۔ وغیرہ تو گھنٹہ بھر میں طالب علم اتنا جغرافیہ ذہن نشین کرسکتا ہے جو بے دیکھے رٹ لینے سے ممکن نہیں۔ اسی طرح حج کے مناظر، دوگانہ نماز کے مناظر۔ سائنس کے مضامین وغیرہ اس کے ذریعہ پڑھائے جائیں تو کیا کہنا لیکن یہ عریاں ناچ یہ فحش گانے یہ بدمعاشی کی پکچریں وغیرہ، میں نہیں سمجھتی کہ کوئی شریف آدمی اپنی آنکھوں سے دیکھے اور پھر بیان کرتا پھرے۔ ایسے ذہن پر "اناللہ" ہی پڑھی جاسکتی ہے۔

میں خاموش ہو گئی۔ میرے خسر نے میری تعریف کی۔ ساس نے بھی اطمینان کی سانس لی میاں نے بھی۔ پھر میں نے دیکھا کہ واقعی انھوں نے سینما بینی کم کردی۔ اور پھر بالکل دیکھنا چھوڑ دیا۔

● ایک صاحب لکھتے ہیں کہ میرے میاں تاجر ہیں۔ سرکاری قانون کے مطابق دوکان تو مغرب کے بعد بند کردیتے ہیں لیکن پڑھنے کے لیے (کھاتا وغیرہ درست کرنے کے لیے) رات کے گیارہ

بجا دیتے ہیں۔ میں نے انھیں حدیثیں سنائیں۔ تمہارے اوپر تمہارے نفس کا بھی حق ہے۔ تمہارے جسم کا بھی حق ہے۔ تمہارے گھر والوں کا بھی حق ہے وغیرہ۔ ان حدیثوں کا اثر ان پر نہیں ہوا۔ دھن کے دھنی کو دھن کے آگے اللہ اور رسولؐ کچھ نہیں سوجھتا۔ حالت یہ ہو جاتی ہے کہ صحت خراب ہو جاتی ہے دوکان میں بیٹھے بیٹھے کم و بیش سارے ہی دوکانداروں کو قبض ہو جاتا ہے۔ میں نے صحت کے اصول بیان کیے۔ صبح ٹہل لینا چاہیے۔ کھانا کھانے کے دو تین گھنٹے بعد سونا چاہیے۔ اس کا بھی اثر نہیں ہوا۔ تو ایک دن میں نے اپنے دیور سے بات کی۔ وہ مجھ سے متفق ہو گیا۔ اس نے بھائی سے کہا کہ دوکان کا کام مجھے بھی سکھا دیا کیجیے۔ یہ وار کاری ثابت ہوا۔ حمید مغرب کے بعد دوکان جانے لگا۔ پھر میں نے اسے ایک ترکیب اور بتائی۔ حمید بہت ذہین ثابت ہوا۔ اس نے بھائی سے کہا کہ دوکان بند کر کے کاغذات گھر لیتے چلیے۔ وہاں مکمل کر لیں گے۔ خواہ مخواہ منیم کو پارٹ ٹائم کے دونے پیسے دینے پڑتے ہیں تاجر صاحب کی سمجھ میں بات آگئی اور کاغذات گھر آنے لگے۔

میں نے عشاء سے پہلے سب کو کھانا کھلا دیا اور کہا کہ جا کر نماز پڑھ لیں۔ پھر کاغذات دیکھیں کھانا کھا کر فوراً دماغی کام کرنے سے معدے کو نقصان پہنچتا ہے۔ دیور میرا ہمزبان تھا۔ میاں کو نماز پڑھنی پڑی۔ نماز پڑھ کر آئے تو میں نے بھی مدد دی۔ کام گھنٹہ بھر میں ختم ہو گیا۔ اب وہ بہت خوش ہوئے۔ میرا دیور ذرا لطیفہ سنج بھی ہے۔ اکثر کہا کرتا ہے کہ بھابی! آپ کی طرح تاجروں کی بیویاں ہوں تو وہ توندیلے نہ ہوں۔ (لفظ "توندیلے" پر گھر کے لوگ خوب قہقہے لگاتے ہیں۔

• کسی ایک مخصوص خاتون نے نہیں، اس بات کی شکایت تمام خواتین نے کی ہے کہ شوہر ضرورت بھر کی رقم گھر کے خرچ کے لیے نہیں دیتا۔ مہینے بھر کے بجٹ کے مطابق رقم پیشگی مل جایا کرے تو ہم اس کے مطابق اپنی ضرورتیں پوری کر لیا کریں اور گھر کے بجٹ میں دو چار مہینے بعد ایک ٹھیراؤ اور نظم پیدا ہو جائے۔ یہ بات عام طور پر خواتین کو کھلتی ہے کہ جب شوہر سے کہو تو وہ جیب سے دس پانچ روپیہ دے دیتا ہے۔ کچھ پتہ نہیں چلتا کہ مہینے میں کتنا خرچ ہوا۔

مہینے کی آخری تاریخوں میں روتا ہے کہ بہت خرچ ہو گیا۔
ہماری رائے میں بیوی کا یہ مطالبہ شوہر کو مان لینا چاہیئے۔ شوہر اگر مہینے کے شروع میں بجٹ کے مطابق رقم گھر میں دے دے تو اس سے کئی فائدے ہو سکتے ہیں۔
۱۔ یہ کہ بیوی کی صلاحیت ابھرے گی اور اس میں احساس ذمہ داری پیدا ہو گا۔ اور وہ سوچ سمجھ کر خرچ کرے گی نیز اس کی یہ خواہش "کچھ نہ کچھ بچا لیا جائے" بھی پوری ہوگی اور اس سے شوہر کی جیب ہی کو فائدہ پہنچے گا۔
(۲) شوہر گھر کے بہت سے جھنجھٹوں اور بازار آنے جانے سے بچ جائے گا۔
(۳) عورت یکمشت غلہ، لکڑی، دالیں، تیل، شکر اس طرح کے بڑے بڑے اٹیم منگا کر احتیاط سے خرچ کرے گی۔ اس طرح کفایت شعاری آئے گی اور ہر اٹیم نظر میں رہے گا کہ کس میں کتنا خرچ ہونا چاہیئے۔
(۴) یہ عجیب و غریب بات ہوگی کہ بجٹ کی رقم پانے کے بعد بیوی گھر کے بھر مجال میں پھنسی رہے گی اور شوہر اس فکر سے بچ جائے گا لیکن اس بھر مجال کو عورت پسند کرتی ہے۔
ان بڑے بڑے فائدوں کے علاوہ اور بھی فائدے ہیں۔ جو اس پہ عمل کرنے سے سامنے آتے ہیں اور ہر قدم پر شوہر اپنے کو مطمئن پائے گا۔ اب گھر کی فکر شوہر کو کم اور بیوی کو زیادہ ہوگی
کئی خواتین نے لکھا ہے کہ شوہر اپنے دوستوں اور مہمانوں کے سامنے ہمارا مذاق اڑاتا ہے اور بچوں کے سامنے بھی ذلیل کرتا ہے۔ ہمارے خیال میں شوہر کو ایسا کبھی نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ
(۱) شوہر کی اس حرکت سے بیوی کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔ اس کے جسم کے اندر جو اصلیت ہو ہے اس کو سامنے آنے کا موقع نہیں ملتا پھر وہ خانہ داری میں ناکام سمجھی جانے لگتی ہے اس کا دل گھر کے کاموں اور شوہر کے کاموں اور شوہر کے آرام پہنچانے میں نہیں لگتا۔ یاد رکھئے جب آدمی کو چار آدمیوں کے سامنے ذلیل کر دیا جاتا ہے تو اس کی آدمیت مر جاتی ہے۔

(۲) اگر بچوں کے سامنے بیوی کو ذلیل کیا جائے گا تو بچے ماں سے ٹھیک تربیت قبول نہیں کرینگے۔
(۳) شوہر جن لوگوں کے سامنے بیوی کی شکایت کرتا ہے کہ وہ مزاج ہے یا گھنسی ہے یا اُسے کھانا پکانا نہیں آتا تو اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ صرف عورت ذلیل ہوتی ہے بلکہ خود شوہر اپنی نااہلی ثابت کرتا ہے۔ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ انھوں نے اپنی نااہل بیوی کو اس کی حوصلہ افزائی کر کے بہترین بیوی بنالیا۔
(۴) ہر شخص اپنی تعریف سن کر خوش ہوتا ہے۔ عورت میں یہ بات زیادہ ہوتی ہے۔ اگر شوہر چھوٹی چھوٹی باتوں کی تعریف کرے مثلاً وہ کہے کہ آج کا کھانا بڑا لذیذ بنا تو دیکھیے دوسرے وقت وہ اور زیادہ خیال رکھے گی۔ اگر شوہر کہدے۔ ماشاء اللہ آج کی چیزیں بڑے سلیقے سے رکھی ہیں۔ تو سمجھنا چاہیئے کہ بیوی کو سلیقے کی دھن ہوگئی۔ وغیرہ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ نے بیویوں کے عیب بیان کرنے والے شوہروں کو اچھا آدمی نہیں فرمایا۔ ایک حدیث میں ہے کہ کسی بیوی کی ایک بات اگر تم کو پسند نہیں تو جلدی مت کرو۔ اس کی دوسری خوبی تم کو پسند آئے گی۔ عورت کے منھ پر نہ مارو وہ آدمی بہت بُرا ہے۔ جو اپنی بیوی کو بُرا کہتا ہے وہ شخص بدنصیب ہے کہ جو کسی کو کھلائے اور وہی اس کے کام نہ آئے۔ یہ اشارہ اس طرف ہے کہ شوہر بیوی کو کھلاتا ہے لیکن وہ اُسے ذلیل کر کے مخالف بنالیتا ہے۔

• خواتین کے ملے جلے جوابوں میں ایک بات بہت عمدہ کہی گئی ہے۔ یہ کہ سچا شوہر ہمیں پسند ہے جو گھر میں سچ بولے۔ دکھ درد اور سکھ چین کی جو بات ہو، صاف صاف بتادے۔ کچھ چھپائے نہیں۔ اس میں روپیہ کے بارے میں بھی خواتین نے لکھا ہے کہ شوہر کی رقم بنک میں جمع رہتی ہے اور وہ گھر میں جھوٹ بولتا ہے کہ جیب خالی ہے۔

ہم بھی سچائی کی تائید میں۔ سچائی اخلاقی فضائل میں بہت ہی بڑی قدر ہے اور جھوٹ

کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جھوٹ جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔ عورت کو دکھ درد وغیرہ کی سچی بات بتادی جاتی ہے تو عورت ہمدردی کرتی ہے یہ عورت کی فطرت ہے وہ مشورے دیتی ہے۔ دکھ میں شوہر کی شریک ہو جاتی ہے۔ اس سے شوہر ہی کو سکون ملتا ہے باتیں تو کچھ اور بھی خواتین نے لکھی ہیں لیکن بنیادی طور پر ان کی یہی ملی جلی باتیں ہیں ان میں دیندار شوہر کو بڑی اولیت حاصل ہے۔ شریف اور بھلا مانس شوہر اگر دین کے تقاضوں کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے تو اللہ کی خوشنودی حاصل کرتا ہے اور محلے بستی میں اُسے سب بہت اچھا آدمی کہتے ہیں اور نمونے کے طور پر اس کو مثال میں پیش کرتے ہیں۔ گھریلو جھگڑے اور گھریلو اُلجھنیں ان کو بہت کم پیش آتی ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ رسوا نہیں ہوتے۔

یقین رکھئے!

آپ یقین رکھئے کہ آپ نے اپنے عمل سے اپنے آپ کو کھرا ثابت کر دیا تو مخالف طاقتیں چاہے جتنا ایڑی چوٹی کا زور لگا کر آپ کو کھوٹا بنانے کی کوشش کریں انشاء اللہ وہ منہ کی کھائیں گی۔ اور آپ کا کچھ بگاڑنے کی بجائے اپنا ہی سر پھوڑ لیں گی۔ آپ جھوٹ کی یورش دیکھ کر ذرا نہ گھبرائیں۔ تاریخ نے بارہا دیکھا ہے کہ وہ طوفان کی طرح اٹھتا ہے اور بلبلے کی طرح بیٹھ جاتا ہے۔ اور بیٹھ جانے کے بعد اس کے اندر چھپی ہوئی گندگیاں اس طرح منظرِ عام پر آتی ہیں کہ دنیا اُلٹی اس پر نفرین بھیجتی ہے لیکن آپ کو فکر جھوٹ کی نہیں اپنی سچائی کی کرنی چاہیے۔ آپ سچے ہوں گے تو جھوٹ سے آپ نہیں مٹیں گے۔ خدا اس سے خود نمٹ لے گا۔ (سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ)

تین بنیادیں

(۱)

اقتدار اعلیٰ :- بنیادی طور پر جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کی تھی وہ یہ تھی کہ اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ ے سوا کسی اور کا نہیں ہے۔ زمین خدا کی ہے۔ ہوا اور پانی اور روشنی اور ہر وہ چیز جس پر ہم زندگی بسر کرتے ہیں، سب کچھ دا کا ہے۔ یہ جسم جو ہمیں حاصل ہے اور اس کے اندر جو طاقتیں ہیں اور اس کے جو اعضا ہیں سب خدا کے بخشے ہوئے ہیں۔ یں یہ حق پہنچتا ہی نہیں کہ ہم خود اقتدار اعلیٰ کا دعویٰ کریں یا کسی ایسے شخص یا گروہ کا دعویٰ قبول کریں جو اقتدار اعلیٰ کا ی ہو۔ ملک بھی اللہ تعالیٰ کا ہے حکم بھی اللہ تعالیٰ کا ہے اور اس کے سوا کسی کو بھی انسانوں کے لئے قانون بنانے کا حق نہیں ہے

(۲)

قانون سازی کیسے؟ :- دوسری بات جو اسی طرح بنیادی اہمیت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سانوں کو براہ راست قانون نہیں دیتا بلکہ اپنے رسولوں کے ذریعے سے دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے تخب کئے ہوئے حکمران نہیں تھے، نہ خود بنے ہوئے حکمران تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس منصب پر مقرر فرمایا تھا کہ پ لوگوں کو تعلیم بھی دیں، ان کی تربیت بھی کریں، ان کے ذہن و فکر اور اخلاق بھی ٹھیک کریں، ان کو اللہ تعالیٰ کے احکام ی پہنچائیں۔ اور جو لوگ ان احکام کو قبول کر کے ان کے برحق ہونے پر ایمان لائے ہوں ان کے ذریعہ سے احکام الٰہی کو نذ فرمائیں۔

(۳)

آخرت کا تصور :- تیسری اہم چیز جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں بتائی اور جس پر ایمان لانے کی دعوت دی وہ آخرت کا تصور ہے۔ اگر انسان اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے ابدہ نہ سمجھے اور اس کو یہ یقین نہ ہو کہ ایک دن اسے مر کر اپنے خدا کے سامنے جانا ہے اور اپنے تمام اعمال کا جواب نا ہے تو وہ نہ اسلام کے راستے پر چل سکتا ہے نہ حقیقت میں صحیح انسان بن سکتا ہے۔ (ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

اسلامی حکومت اور اس کا کام

اسلام کے بنیادی عقاید کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پورے تیرہ سال مکہ معظمہ میں دعوت و تبلیغ کے ذریعے سے لوگوں کے سامنے پیش کیا اور جن لوگوں نے ان کو مان لیا ان کو آپؐ نے ایک جماعت، ایک امت کی شکل میں منظم کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ قیام مکہ کے آخری تین سال ایسے تھے جن میں مدینہ طیبہ کے باشندوں کی ایک چھوٹی سی جماعت ایمان لے آئی اور اس نے آپ کو دعوت دی کہ آپؐ ان کے شہر میں تمام مسلمانوں کے ساتھ تشریف لے آئیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بہت صحیح بات کہی ہے کہ "مدینے کو قرآن نے فتح کیا ہے"۔ یعنی کوئی تلوار نہیں تھی، کوئی جابرانہ طاقت نہیں تھی جس سے مدینے کے لوگ اسلام کے پیرو بنے ہوں، بلکہ قرآن مجید جب ان کو پہنچا اور مکہ معظمہ میں قرآن کی جو سورتیں نازل ہوئی تھیں وہ ان کے علم میں آئیں تو وہ نہ صرف یہ کہ سچے دل سے ایمان لے آئے بلکہ انھوں نے اپنی چھوٹی سی بستی میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی اہلِ ایمان کو تشریف لے آنے کی دعوت دے دی۔ یہ دعوت اس بات کی نہ تھی کہ آپؐ اور مکے کے مسلمان ان کے ہاں پناہ گزین ہوں بلکہ اس بات کی تھی کہ حضورؐ ان کے معلم، مربی اور فرمانروا ہوں۔ مہاجرین و انصار ایک امت مسلمہ بن جائیں اور مدینے میں وہ نظامِ زندگی قائم ہو جس پر یہ امت ایمان لائی ہے۔ اس طرح جس روز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مدینے پہنچے اسی روز اسلامی حکومت کی بنا پڑ گئی۔

اس حکومت کا اولین کام یہ تھا کہ لوگوں میں اسلام کا علم پھیلایا جائے کیوں کہ اسلام جہالت کا نام نہیں علم کا نام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں نے اپنی پوری قوت اس بات پر صرف کردی کہ لوگ دین کو سمجھیں اور سمجھ کر ایمان لائیں۔ جوں جوں یہ علم پھیلتا گیا اور لوگ اس کو جان کر مانتے گئے، اسلام کی طاقت بڑھتی چلی گئی اور اس کی بنیاد مضبوط بھی ہوتی چلی گئی۔

(ابوالاعلیٰ مودودیؒ)



اصلاحِ اخلاق اور تعمیرِ سیرت

دوسرا عظیم کام جو آپؐ نے کیا وہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے اخلاق درست کیے جائیں اور ایک ایسا اسلامی معاشرہ پیدا کیا جائے جس کی ہر چیز اخلاقِ صالح پر مبنی ہو۔ کوئی نظامِ حکومت خواہ کیسے ہی اعلیٰ مرتبے کا ہو اور اس کے قوانین خواہ کتنے ہی بہتر ہوں، اگر اس کی عمارت عمدہ اخلاق کی مضبوط بنیاد پر قائم نہ ہو، اگر اس کے چلانے والے بلند سیرت و کردار کے مالک نہ ہوں، اور اگر وہ معاشرہ جس میں اسے قائم کیا گیا ہو ایمان دار اور خدا ترس نہ ہو تو وہ کبھی کامیابی کے ساتھ نہیں چل سکتا۔ اسی لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی دعوت اور علمِ دین کی اشاعت کے بعد سب سے زیادہ زور جس چیز پر دیا وہ اخلاق کو بے داغ کرنا تھا۔ آپؐ کے قائم کئے ہوئے نظامِ حکومت کی فطرت ہی یہ تقاضا کرتی تھی کہ لوگوں کے اخلاق ٹھیک اس نظام کے مزاج کے مطابق ہوں۔ اس صورت میں احکام کو نافذ کرنے کے لئے قوت استعمال کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ جبر و قہر کے ساتھ زبردستی اطاعت کرانے اور لوگوں کو دبا کر فرمان بردار بنانے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ بس یہ کہہ دینا کافی ہوتا ہے کہ فلاں چیز کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور فلاں چیز سے منع فرمایا ہے۔ اس کے بعد لوگ خود بخود ان فرامین کی تعمیل کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حکومت میں کوئی پولیس نہیں تھی، کوئی جیل خانہ نہیں تھا، کوئی جاسوسی نظام نہیں تھا۔ اس بات کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا تھا کہ آپؐ کی زبانِ مبارک سے کوئی حکم لوگوں کو پہنچے اور وہ اس کی خلاف ورزی کریں۔

اس کے لئے امتناعِ شراب ہی کے معاملے کو بطور مثال لے لیجئے۔ جس وقت مدینے کی بستی میں یہ اعلان ہوا کہ شراب حرام کردی گئی ہے اسی وقت شراب کے مٹکے توڑ دیئے گئے اور پینے والوں میں سے جس کا ہاتھ جہاں تھا وہیں رک گیا۔ اس طرح کی پابندیِ قانون کی مثال پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ (ابوالاعلیٰ مودودیؒ)



مشورے کی اہمیّت

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ یہ تھا کہ جو حکم آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا تھا اس میں تو آپؐ لوگوں سے بے چون و چرا اطاعت کا مطالبہ کرتے تھے لیکن جس معاملے میں اوپر سے کوئی حکم آیا ہوا نہ ہوتا تھا اس میں آپؐ صحابہؓ سے خود بھی مشورہ فرماتے تھے، صحابہؓ کو بھی یہ حق دیتے تھے کہ وہ آپؐ کی رائے سے اختلاف کریں۔ اور بارہا ایسا ہوا ہے کہ آپؐ نے اپنی رائے چھوڑ کر اُن کی رائے قبول فرمائی ہے۔ مشہور واقعہ ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر آپؐ نے ابتدا میں جس جگہ پڑاؤ کیا تھا اس کے متعلق ایک صحابی نے اٹھ کر پوچھا کہ یہ جگہ آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اختیار فرمائی ہے یا یہ آپؐ کی اپنی رائے ہے؟ آپؐ نے فرمایا نہیں، میں نے خود یہ جگہ تجویز کی ہے۔ اس پر انھوں نے عرض کیا کہ اس کے بجائے فلاں مقام جنگی حیثیت سے زیادہ موزوں ہے۔ اور آپؐ نے ان کی رائے قبول فرمائی۔

جنگِ احزاب کے موقع پر جب حالات بہت نازک ہو گئے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ دشمنوں کے چند قبائل، جن کی ایک بڑی طاقت وہاں جمع تھی، ان کو مدینے کی پیداوار کا ایک حصہ پیش کر کے مخالفین کی جتھہ بندی سے انھیں الگ کر دیا جائے۔ انصار کے سرداروں نے آپؐ سے عرض کیا کہ یہ معاملہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے حکم سے طے فرما رہے ہیں یا یہ آپؐ کا اپنا خیال ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ میرا اپنا خیال ہے۔ میں تمہیں اس خطرے سے نکالنا چاہتا ہوں جس میں تم پڑ گئے ہو۔ انھوں نے کہا یا رسول اللہ! جب ہم کافر تھے اس زمانے میں بھی یہ قبائل ہم سے ایک حبہ تک نہ لے سکے تھے۔ اب تو ہم مسلمان ہیں اب یہ ہم سے کوئی چیز کیسے لے سکتے ہیں۔ چنانچہ اسی وقت ان کے کہنے کے مطابق یہ معاملہ ختم کر دیا گیا۔

ان دو مثالوں سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لوگوں کو دو طرح کی تربیت دے رہے تھے۔ ایک یہ کہ جب خدا کی طرف سے کوئی حکم آئے تو اس کی بے چون و چرا اطاعت کرو۔ دوسری تربیت اس بات کی کہ جس معاملے میں خدا کا حکم نہ ہو اس میں اہل الرائے سے مشورہ بھی کیا جائے۔ مشورے کے بعد جو بات طے ہو اس پر عمل کیا جائے۔ (ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

اسلامی قانون

جو دین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لائے تھے اس میں چونکہ بنیادی طور پر قانون اللہ تعالیٰ کا تھا اس لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیثیت قانون ساز کی نہ تھی بلکہ قانون کو نافذ کرنے والے، تشریح کرنے والے اور لوگوں کو اس کے مطابق عدل وانصاف کا نظام چلانے کی تربیت دینے والے کی تھی۔ آپ نے مسلمانوں کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ کا قانون کیا ہے۔ اور پھر اس کی تشریح فرمائی جو سنت میں پائی جاتی ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں چوری کی سزا کا حکم بڑے مختصر الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹ دو۔ اس سے زائد کوئی تفصیل قرآن میں نہیں ہے۔ یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے جس نے ہمیں بتایا کہ اس حکم پر عمل کن حالات میں ہوگا اور کن حالات میں نہ ہوگا۔ چوری کسے کہتے ہیں اور کسے نہیں کہتے۔ کس قسم کے اور کتنے مال کی چوری کے لئے یہ سزا ہے اور اس پر عمل کس طرح ہوگا۔ اگر سنت کے ذریعہ سے قرآن کے حکم کی یہ تشریح ہمیں نہ ملی ہوتی تو ہم اس حکم کی کبھی صحیح تعمیل نہ کرسکتے تھے۔ اس طرح جس چیز کو ہم اسلامی قانون کہتے ہیں وہ قرآن اور سنتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مجموعے کا نام ہے۔

جو نظام آپ نے قائم فرمایا تھا اس کے بڑے بڑے اصول یہ تھے کہ لوگوں کو جہاں تک ممکن ہو سزا سے بچاؤ۔ قاضی کا کسی قصوروار کو چھوڑ دینے میں غلطی کرنا اس سے بہتر ہے کہ وہ بے قصور کو سزا دینے میں غلطی کرے۔ آپس کے جھگڑوں کا فیصلہ لوگ خود کرلیں یا کسی کے قصور کو معاف کرنا ہے تو معاف کردیں یا کسی کے جرم وگناہ پر پردہ ڈالنا ہو تو ڈال دیں۔ لیکن جب عدالت تک معاملہ پہنچ جائے تو پھر عدالت ہی قانون کے مطابق فیصلہ کرے گی۔ عدالت کے فیصلے پر اثر انداز ہونے کی ہر کوشش کو آپ نے سختی کے ساتھ منع فرمادیا اور قاضی کو قرآن وسنت اور خود اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق بے لاگ فیصلہ دینے کے لئے آزاد قرار دیا۔ ○ (ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

بارہ نقیبوں کا تقرر

مکہ معظمہ میں جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر اہلِ مدینہ کے ایک بڑے گروہ نے بیعت کی تو آپؐ نے خود ان کی درخواست پر بارہ نقیب مقرر فرما دیئے جو اپنے اپنے قبیلوں میں زیادہ قابل، زیادہ بااثر اور زیادہ بااعتماد تھے۔ اور یہ ہر نقیب کی ذمہ داری تھی کہ اس کے قبیلے کے مختلف گھرانوں میں جو صالح اور معتبر سردار ہوں ان کی مدد سے اخلاق اور معاملات کو درست رکھیں۔ قبیلوں اور گھرانوں میں جو لوگ فطری طریقے سے سردار مانے جاتے تھے اُن ہی میں سے ایمان لانے والوں کو آپؐ نے سربراہ بنا دیا تھا۔ پھر جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم خود مدینے تشریف لے گئے تو اس نظام کو آپؐ نے برقرار رکھا۔ فرق جو کچھ ہوا وہ یہ تھا کہ شہر کے مشرک سرداروں کی جگہ ایمان لانے والوں کو سرداری کا مقام حاصل ہو گیا۔

اہل الرائے کا چناؤ

یہ تغیر ووٹوں کے ذریعے سے نہیں ہوا بلکہ یہ اسلامی نظام کا فطری تقاضا تھا کہ مشرک پیچھے ہٹتے چلے گئے اور مسلمان سردار آگے آتے گئے۔ شہر کے معاملات کو چلانے کے لئے حضورؐ مہاجرین کے اہل الرائے اور انصار کے سرداروں سے مشورہ فرماتے تھے۔ مسلمانوں میں جو لوگ بھی بااثر اور قابل تھے خواہ وہ مہاجرین میں سے ہوں یا انصار میں سے، ہر اہم موقع پر، ہر اہم معاملے میں، جب بھی ضرورت ہوتی تھی مشورے کے لئے ان کو بلایا جاتا تھا۔ وہ عوام کے منتخب کئے ہوئے نہیں تھے۔ ان کا کوئی باقاعدہ الیکشن نہیں ہوا تھا لیکن وہ ایسے بااثر، ذی علم اور سمجھدار لوگ تھے کہ اگر موجودہ زمانے کے طریقے پر الیکشن بھی ہوتے تو انہی کو منتخب کیا جاتا۔ ہر معاملے میں ان سب کا بلایا جانا ضروری نہ تھا۔ جس وقت کسی مسئلے پر مشورے کی حاجت پیش آتی اس وقت جو لوگ بھی موجود ہوتے ان سے رائے لے لی جاتی اور بڑے اہم مسائل میں بس یہ اعلان کرا دیا جاتا کہ مسجد نبوی میں لوگ حاضر ہو جائیں۔ ○ (ابوالاعلےٰ مودودیؒ)

اسلامی انقلاب اور اسلامی حکومت

اسلامی حکومت کے لئے ضروری ہے کہ ابتداء میں ایک ایسی تحریک اٹھے جس کی بنیاد میں وہ مقصدِ زندگی و کردار ہو جو اسلام کے مزاج سے مناسبت رکھتا ہے۔ اس کے لیڈر اور کارکن صرف وہی لوگ ہوں جو اس خاص طرز کی انسانیت کے سانچے میں ڈھلنے کے لئے مستعد ہوں۔ پھر وہ اپنی جد و جہد سے سوسائٹی میں اسی ذہنیت اور اسی اخلاقی رُوح کو پھیلانے کی کوشش کریں۔ پھر اسی بنیاد پر تربیت و تعلیم کا ایک نیا نظام اٹھے جو ہر شعبۂ علم و فن میں ایسے آدمی پیدا کرے جو اپنی فکر و نظر کے اعتبار سے مسلم ہوں، جن میں یہ قابلیت موجود ہو کہ افکار و نظریات کا ایک پورا نظام اور عملی زندگی کا ایک مکمل خاکہ اسلامی اصول پر مرتب کر سکیں اور جن میں اتنی طاقت ہو کہ دنیا کے ناخدا شناس لیڈروں کے مقابلے میں اپنی صلاحیتوں کا سکہ جما دیں۔ اس دماغی پس منظر کے ساتھ یہ تحریک عملاً اسی غلط نظام کے خلاف جد و جہد کرے جو گرد و پیش کی دنیا پر چھایا ہوا ہے۔ اس جد و جہد میں اس کے علمبردار مصیبتیں اٹھا کر، سختیاں جھیل کر، قربانیاں کر کے، مار کھا کر اور جانیں دے کر اپنے خلوص اور اپنے ارادے کی مضبوطی کا ثبوت دیں۔ آزمائش کی بھٹی میں تپائے جائیں اور ایسا سونا بن کر نکلیں جس کو پرکھنے والا ہر طرح جانچ کر کھرا سونا ہی پائے۔ ان کی ہر بات سے عیاں ہو کہ واقعی ایسے بے لوث، بے غرض، راست باز، پاکیزہ سیرت، ایثار پیشہ، با اصول اور خدا ترس لوگ انسانیت کی فلاح کے لئے جس اصولی حکومت کی طرف دعوت دے رہے ہیں اس میں ضرور انسانوں کے لئے عدل اور امن ہو گا۔ تو وہ لوگ جن میں کچھ بھی نیکی موجود ہے اس تحریک میں کھنچ آئیں گے۔ پست سیرت لوگوں اور ادنیٰ درجے کے طریقے پر چلنے والوں کے اثرات اس تحریک کے مقابلے میں دبتے چلے جائیں گے۔ عوام کی ذہنیت میں اس مخصوص نظامِ حکومت کی پیاس پیدا ہو جائے گی اور سوسائٹی کے اس بدلے ہوئے ماحول میں کسی دوسرے طرز کے نظامِ حکومت کا چلنا مشکل ہو جائے گا۔ پھر جوں ہی وہ نظام قائم ہو گا اس کو چلانے کے لئے ابتدائی اہل کاروں سے لے کر وزراء اور نظماء تک ہر درجے کے مناسب کل پرزے اس نظامِ تعلیم و تربیت کی بدولت موجود ہوں گے۔ (ابوالاعلیٰ مودودی)

النساء قوامات علی الرجال

خاندان میں مرد کی حیثیت قوام کی ہے یعنی وہ گھر کا حاکم ہے، معاملات کا نگران کار ہے۔ اہل و عیال کے اخلاق و معاشرت کا ذمہ دار ہے۔ اس کے اہل و عیال پر اس کی اطاعت فرض ہے (بشرطیکہ وہ حدود اللہ کے اندر رہ کر معروف کا حکم کرے)۔ اس پر خاندان کے افراد کے لئے روزی کمانے اور ضروریاتِ زندگی فراہم کرنے کی ذمہ داری ہے۔
مرد کو اللہ تعالیٰ نے ایسی فطرت اور ایسی قوت و صلاحیت عطا کی ہے کہ وہ اپنے خاندان کے حاکمِ اعلیٰ کا فرض انجام دے سکے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ۔ مرد عورتوں پر قوام ہیں۔"

عورت مرد پر قوام نہیں بلکہ مرد عورتوں پر قوام ہیں۔ یہ قانونِ فطرت ہے کہ جس کو جیسی صلاحیتیں عطا کی گئیں ویسی ہی ذمہ داریاں عائد کر دی گئیں۔ عورتوں میں وہ صلاحیتیں اور وہ قابلیتیں نہیں ہیں جو کہ ایک صاحبِ امر فرد میں ہونا ضروری ہیں۔

قانونِ الٰہی کی اسی ترتیب شدہ تنظیم میں عورت گھر کی ملکہ ہے اور وہ اپنے گھر کے دائرہ عمل میں خدا کے سامنے راعی کی حیثیت سے جوابدہ ہے۔

"المرأة راعة علی بیت زوجها وهی مسؤلة۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی حکمراں ہے اور وہ اپنی حکومت کے دائرہ عمل میں جوابدہ ہے۔"

مرد پر اپنے اہل و عیال کے لئے کسبِ معاش فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ ایک اور ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ وہ ذمہ داری اپنے بال بچوں کے اخلاق و معاملات کی نگرانی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

"یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا۔ اے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو

اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے۔"

اس آیت کریمہ میں مومن مردوں کو مخاطب کرتے ہوئے صاف صاف فرمادیا گیا ہے کہ تم اپنے اہل وعیال کو خدا کی فرمانبرداری و اطاعت کی تاکید کرو اور خدا کے عذاب و پکڑ سے بچانے کی کوشش کرو۔

خاندان کے ڈسپلن یعنی نظم و ضبط کو برقرار رکھنے کے لئے ایک فرد کو حدود اللہ کے اندر ضروری حاکمانہ اختیارات حاصل ہوں تاکہ خاندان ایک بن سری فوج بن کر نہ رہ جائے۔ ایسا فرد صرف مرد ہی ہوسکتا ہے۔ انسان ہونے کی حیثیت سے مرد اور عورت دونوں مساوی ہیں۔ دونوں نسلِ انسانی کے دو مساوی حصے ہیں۔ تمدن کی تعمیر و تشکیل میں دونوں برابر کے حصہ دار ہیں۔ اس اعتبار سے مساوات کا دعویٰ بالکل صحیح ہے۔ ہر صالح تمدن کی ذمہ داری ہے کہ مردوں کی طرح اپنی عورتوں کو بھی ان کی قوت و استعداد کے مطابق زیادہ سے زیادہ ترقی کرنے کا موقع دے۔

عورت و مرد کی جسمانی و دماغی قوت مساوی ہے تب بھی قدرت نے ان دونوں پر مساوی بار نہیں ڈالا۔ مرد پر بیرونِ خانہ کی ذمہ داریاں عائد کی گئیں۔ عورت کو اس سے آزاد رکھا گیا۔ اس کو بچوں کی پرورش کرنے والی اور گھر کی نگراں کار بنایا گیا۔ یہ فطرت کی عائد کی ہوئی ذمہ داریاں ہیں۔

اگر عورت سے ان فطری ذمہ داریوں کی بجا آوری کا مطالبہ بھی کیا جائے اور اس سے یہ بھی مطالبہ کیا جائے کہ تو کسبِ معاش میں مرد کے ساتھ مشقتیں بھی اٹھا تو یہ سراسر ظلم ہے۔ عدل کا تقاضہ تو یہ ہونا چاہئے کہ جس پر فطرت نے زیادہ بار ڈالا ہے اس کو ہلکی تمدنی ذمہ داریاں سپرد کی جائیں۔

عورت پر بیرونِ خانہ کی ذمہ داریاں ڈالنا ظلم ہے، بلکہ قانونِ الٰہی کی خلاف ورزی ہے۔ عورت ہر لحاظ سے ان مردانہ خدمات کو انجام دینے کی اہل نہیں ہے۔ ان خدمات کے لئے وہی کارکن موزوں ہوسکتے ہیں جن کی کارکردگی پائیدار ہو، جن کی فطرت ان فرائض کو بخوبی اہلیت کے ساتھ انجام دے سکے۔ عورت کو مردانہ کاموں کے لئے تیار کرنا عین اقتضائے فطرت کے خلاف ہے۔ یہ چیز نہ انسانیت کے لئے فائدہ مند ہے نہ خود عورت کے لئے مفید۔

عورت کو مرد کے ساتھ اس کی ذمہ داریوں میں شریک کرنے سے ایک فائدہ تو یہ ہوتا ہے کہ مرد پر کمائی کا

بار کسی حد تک کم ہو جاتا ہے۔ عورت کی کسبِ معاش میں شرکت کے سبب گھر میں عیش و آرام کے اسباب میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

عورت اور مرد جب دونوں کمائی کے لئے گھر سے باہر نکلتے ہیں تو گھر میں کوئی ذمہ دار شخصیت نہ ہونے کی وجہ سے بچوں کی پرورش و نگہداشت کا مسئلہ بگڑ جاتا ہے اور گھر میں ایک غیر ذمہ دارانہ فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ گھر کا سکون برباد ہو جاتا ہے۔ دولت کی تو فراوانی ہوتی ہے لیکن سکون میسر نہیں آتا۔ بچوں کی نگہداشت ٹھیک سے نہ ہونے کی وجہ سے بچوں میں آوارگی پیدا ہو جاتی ہے اور وہی بچے جو ایک ماں سے اچھی تربیت پا کر ملک کے اچھے شہری بن سکتے تھے، ملک وملت کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔ غرض ملک و قوم کے لئے جتنی ضرورت اچھے منتظمین اور اچھے شہریوں کی ہے اتنی ہی ضرورت اچھی ماؤں اور اچھی خواتین کی بھی ہے۔ اس لئے قانونِ الٰہی کے مقتضیات کو سامنے رکھ کر اس پر عمل پیرا ہوں تو بلحاظ انجام یہی بہتر ہے، خود عورت کے لئے بھی فائدہ مند ہے اور معاشرت کے لئے بھی۔

اللہ تعالیٰ نے عورت کی فطرت کے لحاظ سے اُس کو ذمہ داریاں سپرد کی ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ کوئی قوم بھی عورت کے دورِ حکمرانی میں ترقی اور عزت حاصل نہیں کر سکی۔

جہاں عورت اپنے دائرۂ کار میں رہ کر حکمرانوں کو تربیت اور ہدایات دیتی ہے وہ قابلِ عزت سمجھی جاتی ہے۔ آپ کے سامنے صحابیاتؓ کا نمونہ ہے کہ انھوں نے اپنے بچوں کی پرورش کس طرح کی۔ حضرت اسماءؓ اور حضرت صفیہؓ کی مثال آپ کے سامنے ہے کہ انھوں نے حضرت زبیرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ کی پرورش کس انداز سے کی کہ وہ بڑے ہو کر اپنے ملک وملت کے لئے کیسے عظیم نمونے بنے۔ اس لئے ایڈیٹر حجاب کا یہ عنوان ہی غلط ہے کہ "النساء قوامات علی الرجال" یعنی عورتیں قوامہ ہیں مردوں پر۔

شائستہ رفعت بنتِ غلام محی الدین صاحب
مکان ۲-۴۲-۱۲۳، محلہ ٹاٹی گوڑہ، ضلع عادل آباد۔ آندھرا پردیش

نوٹ:۔ یہ مضمون دیر میں آیا اور اصلاح و ترمیم کے بعد شائع کیا جا رہا ہے (مدیر)

(رمیسہ عزیز۔ ڈھاکہ)

عورت ---- انسانِ کاملؐ کی نظر میں

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے ہر ایک کا۔ اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے لیے باز پرس ہوگی۔ امیر اپنی امارت کا نگراں ہے۔ خاوند اپنے گھر والوں کا نگراں ہے اور بیوی اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی نگراں ہے۔ پس ہر ایک تم میں سے اپنی اپنی رعیت کا نگراں ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے متعلق جواب طلب کیا جائے گا۔"

غور فرمایئے۔ اس حدیث میں عورت کو خادمہ نہیں فرمایا ہے بلکہ نگراں یعنی گھر کی مالکہ کہا گیا ہے

آپؐ نے فرمایا: "دنیا چند روزہ سامان زندگی ہے جس میں سب سے بہتر شے صالح عورت ہے۔"

آپؐ نے فرمایا۔ "عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو، یہ تمہارے حوالے ہیں اور ان کی لغزشوں کی ٹوہ میں نہ رہا کرو۔"

آپؐ نے فرمایا: "عورت مرد کی خدمت کرتی ہے۔ مرد کو بھی عورت کی خدمت سے گریز نہ کرنا چاہیئے"

آپؐ نے فرمایا۔ مرد اگر اپنی بیوی کو پانی بھی پلاتا ہے تو اس کا اجر ملتا ہے۔"

آپؐ نے فرمایا: "شوہر کو چاہیئے کہ اپنی بیوی سے اچھا سلوک کرے اور اسی طرح بیوی پر بھی فرض ہے کہ شوہر کو ناراض نہ کرے۔"

آپؐ نے ارشاد فرمایا: "تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہو۔ اور میں تم سب سے زیادہ اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہوں۔"

آپؐ نے فرمایا: "کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہوں اور حقیقتاً اچھے اخلاق

ے وہ لوگ ہیں جن کے تعلقات بیویوں کے ساتھ اچھے ہیں۔"
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مشہور حدیث ہے جس میں آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے: "دنیا کی چیزوں
یں میرے واسطے سب سے محبوب چیز عورت اور خوشبو ہے اور نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔"
اور صرف یہ ہی ایک حدیث ہماری سرخروئی اور فخر کے لیے کافی سے زیادہ ہے کہ رسول خدا جو خود
بوب خدا ہیں اور دونوں عالم ان کے شیدائی ہیں۔ صنف نازک کو اپنے لیے محبوب شے قرار دیتے ہیں اور
مرف یہ ہی ایک حدیث عورت کی حیثیت سے ہمارے تقدس پر مہر کا درجہ رکھتی ہے۔ کاش واقعتاً ہم اپنے
پ کو ان خصوصیات کا حامل بنا سکیں جن کے باعث ہمیں یہ رتبہ عطا کیا گیا ہے۔
ایک مرتبہ ایک عورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں تمام عورتوں کی نمائندہ بن کر
حاضر ہوئی اور عرض کی:۔

"یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے مرد پر تو جہاد فرض کیا ہے۔ اگر ان کو جہاد فی سبیل اللہ میں کوئی تکلیف
پہنچے تو اجر عظیم کے مستحق ہو جاتے ہیں اور اگر قتل ہی کر دیے جائیں تو اللہ کے یہاں زندہ رہتے ہیں اور ان
کو روزانہ رزق عطا کیا جاتا ہے اور ہم عورتیں گھروں میں بیٹھی رہتی ہیں۔ ہم کو کوئی ایسا عمل بتایئے جس کا اجر و
ثواب جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہو۔"
آپؐ نے فرمایا:۔ "تمام عورتوں کو یہ پیغام پہنچا دے کہ خاوند کی فرماں برداری اور اس کا حق پہچاننا اور
ادا کرنا جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہے۔" اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ "تم میں سے بہت کم عورتیں یہ کام کر سکیں گی۔"

حضرت ام سلیمؓ کی ایک تقریر

قبیلہ کنانہ کی عورتوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: "اسلام کا آفتاب طلوع ہونے سے پہلے ہم حقیر سمجھے
ذلیل تھے۔ اسلام نے ہمیں عزت کا تاج پہنایا۔ اسلام مساوات کا علمبردار ہے۔ اس کے
دربار میں پست و بلند، شاہ و گدا امیر و غریب عورت و مرد سب مساویانہ حیثیت رکھتے
ہیں۔ اسلام سے پہلے تمام عظمتوں کے مالک صرف مرد تھے۔ ہماری مظلومیت آخری حد تک پہنچ
گئی تھی۔ ہمیں مرد کے دامن تقدس پر ایک بدنما داغ سمجھا جاتا تھا اسلام نے ہمیں عزت دی اور برابر کے
حقوق عطا کیے۔

زمانے کی گواہی

منور ما دیوان کے قلم سے

چور کو نہیں چور کی ماں کو سزا دو' یہ کہاوت آج نہیں برسوں سے سنتے آرہے ہیں۔ جو ماں اپنے بچوں کو جھوٹ، مار پیٹ، ہیرا پھیری کی تعلیم دیتی ہے اسے سخت سے سخت سزا ملنی چاہیئے۔ ایسی مجرم ہمارے سامنے ہے جو اپنے بچوں کو مجرم بناتی چلی جارہی ہے۔ بات کسی پہیلی یا افسانے کی نہیں بلکہ ایک تلخ حقیقت پر مبنی ہے۔ ہر سال اگست کے مہینے میں دہلی کالجوں میں اور یونیورسٹیوں میں مارپیٹ اور فساد ہوتے ہیں۔ چاقو چھری اور گریباں تک چاک۔ گولیاں چلتی ہیں۔ کلاسوں میں ہنگامہ ہوتا ہے دہلی کی دیواریں، بسیں، پل، بس اسٹینڈ اور دیواریں طرح طرح کے اشتہاروں اور پوسٹروں سے داغدار بنا دی جاتی ہیں۔ کیونکہ دہلی یونیورسٹی کے اسٹوڈنس کونسل کا چناؤ ہونا ہوتا ہے۔ یہ چناؤ ایک چھوٹے عام چناؤ کی طرح ہوتا ہے جہاں پیسہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے۔ اسی طرح بے دردی کے ساتھ موٹریں گھومتی ہیں۔ ووٹروں کو خریدا جاتا ہے، لالچ دیا جاتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق پچھلے سال دو کروڑ روپیہ چناؤ پر خرچ ہوا۔ اب چونکہ مہنگائی بڑھ گئی ہے چناؤ بھی زیادہ مہنگا ہوگیا ہے اس لئے اس سال کے خرچ کا اندازہ تین کروڑ روپے کا ہے۔ سوال سیدھا سا ہے کہ آخر ہمارے بچے بچیوں یعنی طالب علموں کے پاس اتنا پیسہ کہاں سے آجاتا ہے۔

جواب بھی صاف ہے کہ مختلف سیاسی پارٹیاں اس ودیارتھی پریشد کے چناؤ پر دل کھول کر پیسہ خرچ کرتی ہیں۔ کیونکہ جس پارٹی کا قبضہ دلی یونیورسٹی کی اسٹوڈنٹس کونسل پر ہوگا وہی پارٹی دہلی میونسپل کمیٹی اور میٹرو پولیٹن کونسل کے چناؤ بھی جیتے گی۔ پچھلے برسوں میں ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ اس طرح ہماری سبھی سیاسی پارٹیاں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتیں کہ بچوں کو بدعنوانیوں تشدد اور تفرقہ پسند سیاست کے سبق پڑھائیں۔ یہ سیاسی پارٹیاں' یہ مائیں اپنے بچوں کو مجرم بننے کی ٹریننگ دیتی

(باقی پرچھائیاں کے بعد صہ پر)

پرچھائیاں

ڈاکٹر تنویر۔ بلند شہر

ترقی:۔ باپ دادا کا پرانے زمانے کا مکان جو بوسیدہ ہوگیا تھا اب جدید طرز کی عمارت میں تعمیر ہوگیا ہے۔

اکیلے ایک فنِ تعمیر ہی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ گنتی کے چند روز میں دنیا سائنس اور ٹکنالوجی میں کتنی ترقی کرگئی ہے۔ سب سے زیادہ ایک اور ترقی ہوئی ہے، کہ جس تختی پر "خوش آمدید" لکھا ہوا تھا اب NO AD MISSION تحریر ہے۔

اندھیرے میں:۔ تمام شہر تاریکی میں ڈوبا ہوا ہے۔ بجلی کافی دیر سے غائب ہے میں عشاء کی نماز ادا کرنے مسجد میں حاضر ہوا تو گنتی کے چند لوگ موجود ہیں۔ روشنی کے لئے شمع جل رہی ہے۔ پنکھے نہ چلنے سے گرمی سخت ہے، پسینہ نکل رہا ہے، لوگوں کے کرتے بدن سے چپک رہے ہیں نماز کے بعد مسجد سے باہر آتا ہوں۔ اندھیرے میں ایک صاحب سے ملاقات ہوتی ہے جو اپنے خاندان کے ساتھ فلم دیکھ کر لوٹ رہے ہیں میں نے عرض کیا۔

"جناب بجلی تو بہت دیر سے غائب ہے؟"

فرمانے لگے:۔ "وہاں تو اللہ کا شکر ہے GENERATOR جنریٹر ہے، بجلی چلی بھی جائے تو کوئی فرق نہیں پڑتا"

اسلامی درسگاہ اور سنگیت ودیالیہ

شبینہ اسلامی درسگاہ پہنچا تو معلوم ہوا استاد محترم اکیلے تشریف رکھتے ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا اکثر طلباء آتے ہیں، حالانکہ ان سے کوئی فیس نہیں لی جاتی۔ واپسی پر راہ میں ایک کرم فرما سے ملاقات ہوئی۔ میں نے پوچھا "کہاں سے تشریف لا رہے ہیں؟"

" فرمانے لگے " آج کل بڑی پریشانی میں ہوں، ہمشیرہ کے ایڈمیشن کے سلسلے میں گیا تھا۔ لیکن وہاں کوئی سیٹ ہی نہیں۔ سنگیت ودھیالہ سے آرہا ہوں "

دودھ اور شراب:۔ صبح ہوئی تو دودھ والے نے گلی میں دودھ فروخت کرنے کی صدائیں لگانا شروع کیں مگر کم ہی لوگوں نے اس پر توجہ دی۔

شام ہوئی تو بازار میں لوگوں کو لمبی قطار میں کھڑے دیکھا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا یہاں تو ہر روز ایسی ہی بھیڑ لگتی ہے " شراب کا ٹھیکہ " ہے۔

(بقیہ مضمون " زمانے کی گواہی " صـــ)

ہیں۔ پھر بعد میں ہر لیڈر مگرمچھ کے آنسو بہاتا ہے کہ طالب علموں میں سرکشی کا رجحان ہے، وہ تشدد آمیز کارروائیوں میں مصروف ہیں۔ ان میں ایمانداری، بڑوں کا احترام کرنے کا جذبہ نہیں رہا۔

آخر یہ جذبہ رہے بھی کیسے ؟ جب کم عمر کے بچوں کو یہی سبق پڑھایا جائے گا کہ آپ کس طرح کے ووٹروں کو اپنی طرف ملا سکتے ہیں خود اسٹوڈنٹس کونسل کے بہت سے ممبروں نے مجھے بتایا ہے کہ کونسل کے صدر کا چناؤ کرنے والے کونسلروں کو بڑے بڑے ماڈرن اسٹار ہوٹلوں کے شاندار کمروں میں رکھا جاتا ہے اور عیش کے تمام سامان مہیا کئے جاتے ہیں۔ دہلی یونیورسٹی کے ان انتخابات میں ہمارے طلباء دل کھول کر شراب پیتے ہیں۔ انھیں سیکڑوں روپے جیب خرچ کے نام پر ملتے ہیں۔ پہاڑوں اور دیگر مقامات کی سیر کرائی جاتی ہے۔ سیاسی پارٹیوں کے لیڈر بچوں کو پیسے کی سیاست کے سبھی سبق بچوں کو یاد کرا دیتے ہیں۔ انھیں یہ بھی سکھایا جاتا ہے کہ اپنا کام نکالنے کے لئے کون کون سے ہتھکنڈے استعمال کئے جا سکتے ہیں۔

اگر ہماری سیاسی پارٹیوں نے بچوں یعنی ملک کے مستقبل کے ساتھ یہ مذاق ختم نہیں کیا تو انھیں اسی طرح بدعنوانیوں تشدد اور غنڈہ گردی کا سبق سکھاتی رہیں تو جلدی تباہی کے سیاہ اندھیرے ہمیں اپنے نرغے میں لے لیں گے۔

گناہگار کون؟

اس دن دوپہر سے ہی آسمان پر کالے بادل چھائے تھے اور پھر زوروں سے بارش شروع ہوگئی۔ بارش بڑی تیز ہو رہی تھی۔ رہ رہ کر بجلی چمکتی تھی۔ وہ اپنے گھر ایک خوف سے کانپ رہی تھی۔ اور اپنے شوہر کے لیے دعائیں مانگ رہی تھی۔ اس نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ وہ ایک کونے میں مصلیٰ بچھا کر نماز پڑھنے لگی۔ اس طوفانی بارش میں اس کا شوہر دفتر سے واپس ایک بس سے گھر آرہا تھا۔ ڈرائیور نے جھٹکے کے ساتھ بس روک دی۔ اس نے کہا کہ ضرور بس میں کوئی بڑا گناہگار شخص بیٹھا ہے اُسے اُتر جانا چاہیے ورنہ اندیشہ ہے کہ بس پر بجلی آگرے اد سب ہی ختم ہو جائیں۔ سبنے کہا کہ ایک آدمی کے بدلے ۵۰ آدمی مارے جائیں گے اسلئے باری باری ایک ایک آدمی سامنے کے پیڑ تک جائے اور واپس آجائے۔ یہ طے ہونے کے بعد ایک ایک کرکے لوگ پیڑ کے پاس جانے لگے۔ جب ۵۰ آدمی پیڑ چھو کر سلامت آگئے اور بس میں بیٹھ گئے۔ اب صرف ایک شخص تھا جو نہیں گیا تھا۔ اس نے سوچا میں ہی گناہگار ہوں۔ وہ اُٹھا اور کلمہ پڑھتا ہوا پیڑ کی طرف چلا۔ پیڑ چھونے ہی والا تھا کہ ایک بڑے زور کی آواز ہوئی اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو بس میں بڑے زور و شور سے آگ لگی ہوئی تھی۔ وہ شخص حیرت سے بس کو دیکھتا رہا۔ پھر پیدل ہی آہستہ آہستہ اپنے گھر کی طرف چل دیا۔ وہ بہت ہی بھیگ چکا تھا۔ گھر میں داخل ہوا تو کافی رات ہو چکی تھی۔ اس کی بیوی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے سارا واقعہ اپنی بیوی کو سنایا۔ اس کی بیوی نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

نجمہ بتول بی اے فائنل ● بلاری۔ مراد آباد۔ یو۔ پی

خوابِ غفلت

شبنم جعفری

پچھلے دنوں ٹرانسفر ہوکر جب ہم لوگ نئے شہر میں آئے تو پڑوس کے لوگوں نے بڑے خلوص سے ہمارا مقدم کیا۔ خود ملنے بھی آئے اور اپنے گھر آنے کی دعوت بھی دی۔ ان میں سے ایک صاحبہ کے بیحد اصرار پر ن کے گھر جانا ہوا۔ انھوں نے ہمیں بیگانوں کی طرح ڈرائنگ روم میں نہیں بٹھایا بلکہ اصرار کرکے اپنے بیڈروم ں لائیں۔ بیڈروم میں داخل ہوتے ہی مجھے چونک جانا پڑا کیونکہ ان کی مسہری سے ملحق ایک اسٹول پر ایک ہم عریاں نسوانی مجسمہ رکھا ہوا تھا۔ جس کے جسم کا اوپری حصّہ بالکل برہنہ تھا۔ میرے چہرے کے بدلتے رنگ دیکھ کر وہ صاحبہ جو میرے برقع سے بہت متاثر تھیں۔ فوراً سنبھل گئیں اور پھر مجسمہ کی شان میں یوں ا ہوئیں۔

"اصل میں ایک میلے میں یہ مجسمے بکنے آئے تھے۔ کافی تعداد میں تھے مگر بس یہ سمجھ لیجئے کہ تقریباً آدھ منٹے میں سب بک گئے۔ یہ تو ایک آرٹ ہے۔ آپ اسے آرٹسٹک نقطۂ نظر سے دیکھئے۔"

میری نظروں میں اتنی ہمت نہ تھی کہ دوبارہ اس "مجسم آرٹ" کا مشاہدہ کرتی۔ میری چھوٹی بہن نے البتہ ت کہا "بھابی! اسے مجسمہ کو گاؤن پہنا دیجئے۔"

مگر وہ صاحبہ بھلا آرٹ کی قدروں کی اتنی پامالی کیوں گوارا کرتیں کہ اس کے حسن کو لباس کا محتاج یں۔ یہ میرے لئے غور و فکر کا موقع ضرور فراہم کرگئیں۔ مسلمانوں کے اس عریاں پسند مذاق و رجحان کو یکھ کر دانتوں تلے انگلی دبا لینی پڑتی ہے۔ اف خدا! کیا یہ لوگ اس نبیؐ عربی کے کلمہ گو ہیں جس نے جاندار تصویر بنانے کو منع فرمایا ہے چہ جائیکہ ایک نیم عریاں مجسمہ کو گھر میں سجانا۔ جس نے خانۂ خدا کے ہر بت کو گراتے وقت اس آیۂ کریمہ کی تلاوت کی تھی جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ (حق آیا اور باطل مٹ گیا) اس کی امت انھیں ناحق چیزوں میں دلچسپی لے رہی ہے۔ مجسمہ سازی کے فن نے عریانیت اور فحاشی

کو جو فروغ دیا ہے اسی کے پیش نظر اسلام نے اس گھناؤنے آرٹ کو بالکل ناپسندیدہ اور ممنوع قرار
مگر افسوس صد افسوس وہ باطل جسے مٹانے کے لئے رسولؐ اکرم نے اپنی حیاتِ عزیز صرف کی بھرتے
کے ذہنوں میں سرایت کرنے لگا ہے۔ وہ اپنے گھر کو مجسموں سے سجانے سے پہلے ایکبار بھی نہیں سوچ
وہ کس غلط اندازِ زندگی کی تشہیر و تبلیغ کر رہے ہیں۔ یہ سامانِ تزئین و آرائش، یہ آلات و غناء مو
اسلام کی روح جو وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ۔ (اور لغو باتوں سے بچو) کی نصیحت کرتی ہے کے عین
یہ چیزیں انسان کے دل سے آخرت کا خیال نکال دیتی ہیں۔ ان چیزوں کے فریب میں پھنس کر
بھول جاتا ہے کہ اس کی ابتدا کیا ہے اس کی زندگی کا مقصد کیا ہے اور اسے کسی کے سامنے جواب د
ہے۔ خدا نے انسان کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے اس لئے ہر وقت یہ خیال پیش نظر رہنا
کہ زندگی کا کوئی ایک لمحہ کہیں لغویات میں ضائع نہ ہو جائے کہیں ایک پل کے لئے بھی وہ بلند مقصد
نظروں سے اوجھل نہ ہو جائے جو اگر پورا ہو جائے تو انسان کو فرشتوں سے بھی بلند مقام پر پہنچا دیتا
یہ جدید طرزِ رہائش جو مغرب کی اندھی تقلید پر مبنی ہے انسان کو خود غرض بھی بناتا ہے جھلملا
کے پیچھے بھاگتا ہوا انسان یہ نہیں سوچ پاتا کہ اس کا کوئی رشتہ دار افلاس کا شکار ہے۔ نہ اسے
کے حقوق کو پورا کرنے کی فکر ہے نہ وہ صلہ رحمی کے مفہوم سے واقف ہے۔ اعزا و اقارب
خرچ کرنا بھی اسے بڑا کھلتا ہے۔ اور ٹیپ ریکارڈ اور ریکارڈ پلیئر کے لئے وہ بڑے جتن سے
خرچ میں سے پیسے بچا بچا کر رکھتا ہے۔

مسلمانوں کے لئے یہ دور بڑی آزمائش کا دور ہے۔ کیونکہ آج کل معاشی میدان میں
بڑھ گیا ہے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ اتحاد اور عمل کا ثبوت دیکر اپنے کو بیدار قوموں کی صف میں کھڑا
دولتمند ہیں انہیں چاہیئے کہ اپنی واجب ضروریات سے بچا ہوا پیسہ تعیش اور لغویات میں نہ صرف
مسلمانوں سے ایسے ادارے قائم کریں جہاں سے ضرورتمند قرض لیکر اپنے مال کو دوسر
کے مطابق اپنے لئے ذریعۂ معاش تلاش کرے تاکہ قوم پر چھایا ہوا بیروزگاری اور افلاس کا اندھیرا دور ہو

عریانی کا مقدمہ یا مقدمہ کی عریانی؟

زمانے کی گواہی

گذشتہ دنوں کا یہ واقعہ ابھی آپ کی یادداشت میں غالباً محفوظ ہوگا کہ ملک کی سب سے بڑی عدالت سپریم کورٹ میں ایک خاتون جین کی پینٹ پہن کر آگئی تھیں تو عدالت میں ایک چھوٹا سا ہنگامہ ہی ہوگیا تھا۔ جین کی پینٹ پہن کر تشریف لانے والی خاتون سپریم کورٹ کے ایک وکیل کی سکریٹری تھیں جن کو اس حالت میں دیکھ کر چیف جسٹس آف انڈیا مسٹر وائی۔ بی چندر چوڑ نے اعتراض کیا تھا اور کہا تھا کہ آپ کوئی ڈھنگ کا لباس پہن کر تشریف لائیں۔ چیف جسٹس نے ریمارک عدالت کی حیثیت کو سامنے رکھتے ہوئے دیا تھا۔ لیکن چونکہ ہندوستان میں عورتوں کو جدید تہذیب کے قافلے میں شامل کرنے کی بڑی کوششیں ہو رہی ہیں اس لئے چیف جسٹس کے اس ریمارک کو ظاہر ہے کہ نظرانداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اخبارات میں نہ صرف یہ کہ بڑے اہتمام سے اس واقعہ کی خبر آئی بلکہ کافی کچھ تبصرے بھی ہوئے۔ بعض لوگوں نے، جن پر "ترقی پسندی" کے تپ دق کا حملہ کچھ زیادہ ہی شدید ہے، اس واقعہ کے ڈانڈے عورتوں کے حقوق سے ملا دیئے۔ یہ بھی کوئی حیرت کی بات نہ ہوتی اگر ملک کے "جمہوری تقاضوں" کو مدنظر رکھتے ہوئے اور عورت کے حقوق کے عنوان سے اس مسئلے پر کوئی مقدمہ عدالت میں دائر ہو جاتا۔

کوئی خاتون عدالت میں جین کی پینٹ زیب تن کر کے آسکتی ہیں یا نہیں، اس مسئلے پر اگرچہ عدالت میں کوئی مقدمہ پیش نہیں ہوا لیکن

ایک عدالت کو جلد ہی اس مسئلہ پر فیصلہ دینا ہے کہ کوئی عورت عدالت میں اس حالت میں پیش ہو سکتی ہے یا نہیں کہ اس کے پرکپڑے کے نام کی سرے سے کوئی چیز ہی نہ ہو۔ مشرقی تہذیب کے دلدادہ اور مشرقی عورت کی شرم و حیا کے قدرداں اس بات سخت حیرت میں مبتلا ہوں گے اور شاید یہ سمجھیں گے کہ یہ مقدمہ عریانی کو تہذیب قرار دینے والے کسی مغربی ملک میں پیش کیا گیا۔ مگر آپ کو اس ورطۂ حیرت سے نکلنا ہی پڑے گا اور یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ واقعہ مشرقی تہذیب کے گہوارے ہندوستان کا ہے اور آندھرا پردیش ہائی کورٹ میں پیش آیا ہے۔

عدالت میں مکمل عریانی کی حالت میں حاضر ہونے والی خاتون کا نام "منگما آوا" ہے جس کی عمر ۴۴ سال ہے اور کرنول کی رہنے والی ہے۔ یہ عورت قتل کے ایک مقدمہ میں ماخوذ ہے۔ اس مقدمہ میں منگما آوا کے ساتھ اس کی بہن اور اس جیٹھ بھی ماخوذ ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ منگما آوا نے بارہ سال کی عمر سے ہی لباس کو سرے سے تیاگ دیا ہے۔ یہ کرنول ضلع کے تھگا گاؤں میں پیدا ہوئی تھی۔ اس کا نام "یاشودا ما" رکھا گیا تھا۔ یہ سات سال کی عمر میں گھر سے فرار ہو گئی اور گھر سے ۴۵ کلو میٹر دور یلارتھی نامی گاؤں میں آ گئی جہاں ایک مقامی شخص پی۔ ایم۔ شاستری نے اسے پناہ دی۔ اس گاؤں میں اس نے کچھ "دیوتائی کرشمے" دکھانے شروع کئے اور جلد ہی نہ صرف یہ کہ بہت سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا بلکہ اپنے تمام کپڑوں کو پھاڑ پھینک دیا اور کپڑے کی آلائشوں سے پاک "سی رندگی" کا آغاز کیا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اس کی صورت میں منگما آوا دیگمبا یوگنی نے دوسرا ظہور کیا ہے جس کا اسی ضلع میں کئی سال پہلے انتقال ہوا تھا۔

ہندوستان میں کسی کے لئے بھی کچھ حلقہ بگوشوں اور عقیدتمندوں کا جمع کر لینا بھی ویسا ہی آسان ہے جیسے بعض بزرگ دیکھتے ہی دیکھتے "کرشموں اور کرامات" کا ظہور کرنے لگتے ہیں۔ یہاں کرشمہ سازی سب سے آسان کام بھی ہے اور کاروبار بھی۔ چنانچہ یاشودیما عرف منگما آوا نے بھی "کرشمے" دکھانے شروع کئے اور دیکھتے ہی دیکھتے عقیدتمندوں کی بھیڑ بھی جمع ہونی شروع ہو گئی۔ عقیدتمندوں نے منگما آوا کے لئے ایک آشرم بھی بنوا دیا تاکہ وہ وہاں روزانہ "درشن" دیا کرے۔ یہ کہنا ذرا مشکل ہے کہ اس درشن میں حاضری دینے والے کن کن مناظر کے درشن کیا کرتے ہوں گے۔ منگما کو پناہ دینے والے شاستری جی کا لڑکا راما کوٹی ریڈی درشن کے انتظامات کا ذمہ دار تھا۔ پولیس کا کہنا ہے کہ ریڈی اور منگما آوا اور اس کی بہن

س ساویتری اما کے درمیان روابط رفتہ رفتہ "گہرے" ہوتے گئے تھے۔ گزشتہ سال مئی میں ریڈی کی کسی جگہ شادی کی بات چلی
منگما اور اس کی بہن ساویتری نے اسے ناپسند کیا اور بات یہاں تک بڑھی کہ ایک دن منگما، اُس کی بہن اور منگما کے ایک جیٹھ نے
کر ریڈی کو قتل کرنے کا منصوبہ بنالیا۔ بتایا جاتا ہے کہ ان تینوں نے ریڈی کو ایک دن گھیر لیا اور اس کو بھیانک طریقہ سے تڑپا تڑپا کر
ک کر دیا۔ اس کے بعد قتل کا مقدمہ دائر ہوا جو ۱۸ دسمبر سے چل رہا ہے۔

عدالت میں پیش کئے جانے سے پہلے منگما آوا کو جوڈیشیل کسٹوڈی میں رکھا گیا تھا لیکن وہاں منگما کے "درشن" کے لئے
جمع ہونے والی بھیڑ نے پولیس کو پریشان کر دیا تھا۔ جمع ہونے والوں کا کہنا تھا کہ وہ منگما کے "عقیدتمند" ہیں لہذا انھیں "درشن"
کا موقع دیا جانا چاہئے لیکن انھیں پولیس محض فحش پسند قرار دے رہی تھی۔ پولیس سپرنٹنڈنٹ سورنجیت سین نے شدید غصہ کے
عالم میں ایک مرتبہ کہا کہ میں نہیں سمجھتا کہ اس لڑکی کے اندر کوئی کرشمہ جاتی صلاحیت ہے۔ اتنی سی بات ہے کہ یہ نوجوان ہے اور ننگی
ہے۔ اور یہی چیز لوگوں کے لئے وجہ کشش ہے۔

پرنسپل سیشن جج جگن ناتھ راجو کی عدالتی زندگی میں یہ پہلا اور نہایت حیرت ناک تجربہ تھا کہ اس کی عدالت میں پیش ایک مقدمہ
مجرم اس حالت میں اس کے سامنے آجائے کہ اس کے بدن پر کپڑے کا ایک دھاگہ بھی نہ ہو۔ لیکن منگما آوا نے نہ صرف جج مسٹر جگن ناتھ
راجو کو بلکہ پورے شہر کو یہ اصرار کر کے حیرت میں ڈال دیا کہ وہ عدالت میں بالکل عریاں حالت میں ہی حاضر ہوگی۔ جب مسٹر راجو نے
اس حالت پر اعتراض اور سماعت سے انکار کیا تو منگما اور اس کے ساتھی ملزموں کے وکلاء نے صفائی پیش کی کہ اس کی موکلہ ننگے پن
کو ہی اپنا اعتقاد سمجھتی ہے لیکن مسئلہ شرم و حیا اور اخلاقی تقاضوں کا ہو یا نہ ہو، عدالت کے وقار کا بہرحال لحاظ رکھا جاتا ہے۔ لہذا
جج کے اعتراض کے پیش نظر وکلاء نے یہ تجویز رکھی کہ منگما کو کپڑے پہننے پر مجبور نہ کیا جائے بلکہ کچھ لوگ اُس کے گرد چادریں تان کر کھڑے ہو جائیں
مسٹر راجو نے اس منطق کو اور منگما کے عقیدے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور نہ صرف یہ کہ اس کی ضمانت کی درخواست مسترد کر دی،
بلکہ جیل حکام کو حکم دیا کہ وہ اسے کپڑے پہنائیں۔ اس طرح اصل مقدمہ جو کہ قتل اور سازش قتل سے متعلق تھا پس پشت جا پڑا اور عدالت
اس مسئلہ میں الجھ گئی کہ ملزم عریاں حالت میں عدالت میں آسکتا ہے یا نہیں۔ مسٹر راجو نے برہمی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے ریمارک میں یہاں
تک کہا کہ منگما کی عریانی کو کھلے عام فحش طریقے پر جسم کی نمائش قرار دیا جاسکتا ہے اور اس کے تحت میں اپنے اختیارات کی رو سے اگر
چاہوں تو اسے سزا دے سکتا ہوں۔ میرے سامنے قتل کا مقدمہ زیر سماعت ہے اور میں کسی شخص کے ساتھ کوئی امتیاز نہیں برت سکتا

خواہ وہ کسی بھی حیثیت کا مالک ہو۔ اب ہائی کورٹ ہی اس معاملے میں فیصلہ کرے گا۔"

اس طرح معاملہ ہائی کورٹ تک پہنچ گیا جہاں قتل کے مقدمہ کے بجائے عریانی کا مسئلہ زیر بحث ہے۔ ہائی کورٹ اس معاملے میں کیا فیصلہ دیتا ہے، اس کا تو انتظار کرنا پڑے گا۔ کوئی بعید نہیں کہ یہاں بھی جمہوری حقوق کی آڑلی جائے لیکن ہمیں توقع ہے کہ عدالت ان مضرات کو بھی پیش نظر رکھے گی جو اس قسم کے واقعات سے عام لوگوں پر پڑتے ہیں اور پڑ سکتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ اس پر محض عدالت کے وقار کو سامنے رکھ کر نہ غور کیا جائے بلکہ بحیثیت مجموعی سماجی اور اخلاقی تقاضوں کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے۔ (ہفت روزہ دعوت ۱۷ تا ۲۳ جنوری ۱۹۸۷ء) ★

انمول نصیحتیں

ساجدہ فرزانہ

● آخرت کو دنیا کی خاطر ضائع نہ کرو۔ آخرت کی رسوائی سے دنیا کی ذلت بہتر ہے ● دانا مذہب کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ دانا وہ ہے جس کے دل میں خوف خدا ہو ● خاکساری اختیار کرو۔ خاک سے بنے ہو۔ پیٹھ کی ہڈی میں اس لئے خم ہے کہ جھک جاؤ ● کارخانۂ قدرت میں فکر کرنا بھی عبادت ہے ● موت ایک بے خبر ساتھی ہے ● معافی نہایت ہی اچھا انتقام ہے ● مصائب کا مقابلہ صبر سے اور نعمتوں کی حفاظت شکر سے کرو ● جو گذر گیا وہ خواب تھا اور جو باقی ہے وہ آرزوئیں ہیں ● جو شخص مخلوق سے عزت کا خواہاں ہوتا ہے وہ ذلیل و خوار ہوتا ہے ● سیاہ اور بھیانک راتوں کو گریہ و استغفار سے روشن کرو ● احمقوں سے تعریفی کلمے سننے کے بجائے عقلمندوں کی پھٹکار سننا کہیں اچھا ہے ● احکام خداوندی پر عمل کرنے سے حکمت کے دروازے کھل جاتے ہیں ● ایک سچے مومن کی واحد نشانی یہ ہے کہ وہ اپنے تمام کاموں کو قضائے الٰہی اور مشیت ایزدی کے سپرد کر دے اور قدم قدم پر اس سے اعانت چاہے تاکہ اس کے کام تکلیف اور پریشانی کے بغیر انجام پائیں ●

پردہ

عبدالباری

پہلے چند الفاظ کا تعارف ضروری ہے جو تفسیر، حدیث اور فقہ اسلامی کی کتابوں میں پردہ کے ضمن میں استعمال ہوتے رہتے ہیں:

عا ستر :۔ سَتْر اور سَتَر کے معنی چھپانا اور ڈھانپنا ہے۔ سَتر عربی میں ڈھال اور رکاوٹ کو بھی کہتے ہیں۔ ستر کا مطلب ہے اُن اعضائے جسم کو ڈھانپنا جن کا ننگا ہونا خلاف حیا ہے۔

عا حجاب :۔ ح۔ ج۔ ب مادّے سے ہے جس کے معنی ہیں نظر سے پوشیدہ ہونا، چھپنا، چھپانا، رکاوٹ ڈالنا اور روکنے کی غرض سے کسی ایک شے اور دوسری شے کے درمیان رکھنا۔

حجاب ہر وہ چیز ہے جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو کر روکنے کا باعث ہو۔ لغت میں حجاب ستر اور پردے کا مترادف ہے۔ (لسان العرب)

الحجاب (جمع حُجُب) بلادِ عرب میں شرعی پردے کے لئے ستر کی نسبت یہی اصطلاح (حجاب) زیادہ عام ہے۔

عا خمار :۔ اوڑھنی (جمع خُمُر)۔ وہ کپڑا جو عورت اپنا سر ڈھانپنے کے لئے استعمال کرتی ہے۔ یہ اَلْخَمر (چھپانا) سے مشتق ہے۔ (لسان العرب)

عا خِدْر :۔ (جمع خُدُور)۔ پردہ یا پردے والی وہ جگہ جو گھر کے اندر پردہ نشین عورتوں کے لئے مختص کی جاتی ہے۔ (لسان العرب)

عا نِقَاب :۔ (جمع نُقُب)۔ وہ کپڑا جس سے عورت اپنے ستر اور زیب و زینت کو چھپاتی ہے (لسان العرب)

عا قِناع :۔ (جمع اقناع) نقاب کا مترادف ہے۔ (لسان العرب)

۷۔ بُرْقُعْ :۔ بُرْقُعْ اور بُرْقُوْعْ (جمع بَرَاقِع) ۔ ایک کپڑا جسے بدوی عورتیں اپنا سر اور چہرہ چھپانے کے لئے پہنتی تھیں اس میں آنکھوں کے لئے دو سوراخ ہوتے تھے ۔ (لسان العرب ، تاج العروس)

۸۔ اَلْجِلْبَاب :۔ (جمع جَلَابِیْب) ۔ ایسا کپڑا جو خمار (اوڑھنی) سے بڑا اور رداء (چادر) سے چھوٹا ہوتا ۔ اسی سے عورت اپنے سر، سینے اور کمر کو ڈھانپتی ہے ۔ (لسان العرب)

حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک 'جلباب' کے معنی وہ بڑی چادر ہے جو اوپر سے نیچے تک (سارے جسم) ڈھانپ (کہ گھونگھٹ ہی میں سے دیکھا جا سکے) ۔ (ابن کثیر)

تاریخ حکم پردہ :۔ ذیقعدہ ۵ھ تک آیت حجاب نازل نہیں ہوئی تھی اور لوگ بدستور سابق ایک دوسرے کے گھروں میں بلا تکلف آتے جاتے تھے ۔ مدینہ طیبہ میں ابھی گھروں میں بیت الخلاء نہیں بنے تھے اور خواتین رفع حاجت لئے باہر نکلتیں تو بعض اوباش لوگ اور منافق ان کے درپے ہو جاتے تھے ۔ چنانچہ انھیں واقعات کے پس منظر میں سورہ احزاب میں حجاب کا حکم نازل ہوا ۔ اُم سلمہؓ سے مروی ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد جب کبھی انصار کی خواتین باہر نکلتیں یوں لگتا جیسے سیاہ چادروں کے باعث ان کے سروں پر کوّے بیٹھے ہیں ۔

سورہ احزاب کی یہ آیت غور کے لائق ہے " يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (اے نبی اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں سے لٹکا لیا کریں ۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے ۔ اس طرح وہ پہچانی جائیں گی تو انھیں ستایا نہیں جائے گا ۔ اور خدا بخشنے والا مہربان ہے ۔

یہاں اِدْنَاء کے معنی ہیں کھینچ کر قریب لانا ، اوپر سے لٹکانا ۔ مراد یہ ہے کہ سر سے سینے پر کھینچ کر لٹکا لیا جائے پہچانی جائیں گی سے مراد یہ ہے کہ معلوم ہو جائے گا کہ یہ شریف مستورات ہیں (یہ اس لئے فرمایا گیا کہ اوباش شریف عورتوں کو بھی لونڈیاں سمجھ کر ان سے تعرض کرتے تھے ۔ حجاب اب شرافت و حریت کا امتیاز بن گیا) ۔ اور اس نتیجہ میں عورتوں سے تعرض میں کمی واقع ہو گئی ۔

شرعی پردے کی حکمت یہ ہے کہ اسلام ایک صاف ستھرا اور پاکیزہ معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جس میں شہوات

ہمیت کی حد تک اُبھارنے کے بجائے پاکیزگیٔ ماحول اور طہارتِ نسب کو بنیادی اہمیت حاصل ہو فتنہ و فساد عوامل کو دور تر کرنے کے لئے تمام وسائل بروئے کار لائے جانے کے لئے قرآنی احکام ان کی نشاندہی کرتے ہیں اور مرت کے اُسوۂ حسنہ سے بھی روشنی و رہنمائی ملتی ہے۔ یہ لازمی احتیاطی تدابیر ہیں جن سے سارے چور دروازوں بند کرنا مقصود و مطلوب ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ آج کا معاشرہ اور ماحول اس قدر خراب ہو گیا ہے کہ پردہ ان احکام پر عملدر آمد میں تو خود ہی شدّت برتنا ضروری ہو جاتا ہے نہ کہ ان میں ڈھیل دینا۔

صوفیوں کی نظر میں حجاب :۔ وہ چیز ہے جو مقصودِ حقیقی پر پردہ ڈال دے یعنی ہر وہ چیز جس کی وجہ سے مان حقیقتِ ربّانی محسوس کرنے کے قابل نہ رہے۔ حجاب ایک پردہ ہے جو سالک اور اس کی خواہش کے مابین ل کر دیا جائے۔ یہ حجاب دل پر مادّی دنیا کی صورتوں کے نقش سے پیدا ہوتا ہے جو حق کے ظہور میں مانع ہوتی ہیں۔ مجوب' وہ شخص ہے جس کا قلب نورِ یزدانی کے لئے بند ہو چکا ہے، اس لئے کہ اس کی آگاہی پر حسّی یا ذہنی جذبات علبہ ہے۔ اطلاّج کا قول ہے کہ "تمہارا حجاب تمہاری ہوا و حرص ہے۔"

حجاب کی ضِد 'کشف' ہے۔ جب ہوَس معدوم ہو جاتی ہے تو حق کے ظہور سے تمام جھوٹی خواہشیں محو ہو جاتی ہیں۔ پردہ کھل جاتا ہے۔ اور جو شخص خدا کی تلاش میں ہے وہ اپنا مقصد پوری طرح حاصل کر لیتا ہے ▲

اقوالِ زرّیں

☆ خدا کسی کو اس کے مقدر سے کم زیادہ نہیں دیتا ☆ بخیل اور دے کر احسان جتانے والا جنت سے محروم ہے ☆ جہالت اور بے عملی بڑی برائیاں ہیں ☆ عقلمند سوچ کر بولتا ہے، بیوقوف بول کر سوچتا ہے ☆ سب سے میٹھے بول سچّی بات ہے ☆ میٹھی بولی سب سے اچھی مٹھاس ہے۔ ☆ بلند حوصلہ انسان یقیناً اپنی منزل پا لیتا ہے ☆ کپڑے چاہے پرانے ہوں لیکن نئی نئی کتابیں ضرور خریدو

نوٹ :۔ براہِ کرم صاحبِ قول کا نام ضرور لکھا کیجئے (مُدیر)

اسلامی ریاست میں عورت کے بنیادی حقوق

عدل وانصاف اور احسان

قرآن کریم اور احادیث شریف میں اس کے متعلق اس قدر ملتا ہے کہ اس پر لاکھوں صفحات لکھے جا چکے ہیں اور ہزاروں کتابیں تیار ہو چکی ہیں۔ یہ سب ایک مختصر مضمون میں گھیرنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ اس لیے میں قرآن کریم سے صرف تین آیتیں پیش کر کے کوشش کر رہا ہوں کہ جو مجھے عرض کرنا ہے انہی کے تحت سمیٹ دوں۔ ان میں سے دو آیتیں یہ ہیں۔

(۱) اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ
بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ط (مائدہ - ۴۵)

جان کے بدلے جان۔ آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور جیسی چوٹیں اور زخم ہوں انہی کے برابر بدلہ۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ
الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ٥ (النحل - ۹۰)

اللہ عدل وانصاف اور احسان وصلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی اور بے حیائی اور

ظلم وزیادتی سے روکتا ہے۔

ان دونوں آیتوں میں سورہ مائدہ ۴۵ کو اگر میں اردو میں اس طرح کہوں کہ "جیسے کا تیسا بدلہ" تو اردو جاننے والا طبقہ قرآن کے مطلب کو پالے گا۔

اس سلسلے میں چاہتا ہوں کہ کچھ دلچسپ عدالتی کارروائیاں عرض کرتا چلوں تاکہ مضمون کی خشکی میں تراوٹ آتی چلی جائے۔

وہ مشہور مقدمہ سب نے پڑھا ہوگا کہ ایک یہودی ایک حسین وجمیل مسلمان عورت پر عاشق ہوگیا لیکن اسلامی عدالت کے ڈر سے وہ ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا۔ اچانک اسے ایک موقع ہاتھ آگیا۔ ایک دن دبے لفظوں میں اس نے دل کی خباثت انڈیل دی۔ یعنی دل کا کانٹا زبان سے نکلا۔ عورت نے اس کے چاقو ماردیا جو اس کی ران میں لگا۔ یہودی نے مقدمہ دائر کردیا اور عورت کو ڈرایا کہ اگر ثبوت میں صورت حال کہہ دی تو بہت زیادہ ذلیل کروں گا۔

مقدمہ شروع ہوا تو عورت کچھ تو غیرت کی وجہ سے اور کچھ ڈر اور خوف کے مارے کچھ نہ کہہ سکی تو قاضی نے جرمانہ طے کیا۔ یہودی اس پر راضی نہ ہوا اور قرآن سورہ مائدہ والی آیت پیش کرکے برابر کے بدلے کا مطالبہ کیا۔ قاضی نے سمجھایا لیکن جب وہ نہ مانا تو کہا گیا کہ اچھا، چاقو لو اور عورت کی ران میں چاقو مارو لیکن خبردار! زخم جتنا گہرا تمہارے لگا ہے اتنا زخم لگانا کم وبیش ہونے پر دو جرم تم پر لاگو ہوں گے۔ اول یہ کہ زخم کی نابرابری کا دوسرا عورت کی ہتک آبرو کا۔ اب یہودی چکرایا اور مقدمہ کی پیروی سے باز آیا۔

● سورہ نحل کی آیت ۹ میں ایک لفظ "احسان" بھی آیا ہے۔ لیکن علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ "احسان" کا حکم اس معنے میں نہیں ہے جو عدل وانصاف کے بارے میں ہے۔ احسان تو ایک انفرادی فعل ہے اگر آدمی چاہے تو احسان کرکے اپنی نیکی میں اضافہ کرسکتا ہے۔ مثلاً قتل کا مقدمہ ہے۔ قاتل کے لئے

جان کا بدلہ جان ہے لیکن اگر مقتول کے وارث احسان کرنا چاہیں تو دیت لے کر مقدمہ اٹھالیں مقتول کے وارث پر زبردستی نہیں کی جاسکتی وہ اپنی خوشی سے دیت نہ لے اور معاف کردے۔ اس کو ایک مثال سے سمجھیے۔

شیر شاہ سوری شہنشاہ ہند کا لڑکا ایک بار ہاتھی پر سوار جا رہا تھا۔ راستے میں ایک دھوبی گھر تھا۔ دھوبی کی لڑکی نہا رہی تھی۔ دیوار نیچی تھی۔ ولی عہد کی نظر لڑکی پر پڑ گئی اس احمق نے پان کا بیڑا اس پر پھینک دیا۔ لڑکی کا باپ غیرت دار تھا۔ اس نے مقدمہ دائر کردیا تو عدالت میں شہزادے پر بھاری جرمانہ کیا گیا۔ کسی نے دھوبی کو بہکا دیا کہ راضی نہ ہونا بلکہ اسلام کے قانون کے تحت جیسے کا تیسا بدلہ لینا، دھوبی نے اپیل کردی۔ مقدمہ شیر شاہ کے دربار میں پیش ہوا۔ علماء دربار سے مشورہ کیا گیا تو نتیجہ یہ نکلا کہ اسلامی عدالت نے صحیح فیصلہ کیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ شہزادے کو کڑی سزا بڑھائی جاسکتی ہے۔

بادشاہ نے مدعی کی طرف دیکھا تو اس نے کہا کہ نہیں جیسے کا تیسا بدلہ چاہتا ہوں۔ مجبور ہو کر بادشاہ نے حکم دے دیا کہ شہزادے کی بیوی نہائے اور دھوبی کو ہاتھی پر بٹھایا جائے اور وہ پان اس پر پھینکے۔

اس فیصلے پر اندر باہر ایک کہرام مچ گیا۔ شہزادہ بھاگا ہوا دھوبی کے گھر گیا۔ قدموں پر سر رکھ دیا اور معافی کا خواستگار ہوا۔ اشرفیوں کے توڑے پیش کیے۔ دھوبی راضی نہ ہوا اور فیصلے پر عمل شروع ہو گیا۔

دھوبی ہاتھی پر بیٹھا، اس نے مہاوت کو حکم دیا کہ پہلے ہاتھی کو بازار میں لے چلے۔ ہاتھی بازار میں پہنچا تو دھوبی ہودے پر کھڑے ہو کر پکارا۔ میں نے انصاف پالیا اور لوگو! گواہ رہو کہ میں نے اور میری لڑکی نے شہزادے کو معاف کر دیا۔

یہ واقعہ بیان کرنے کا منشا، یہ ہے کہ احسان ایک انفرادی فعل ہے اور عدل و انصاف عام

قانونی مسئلہ ہے۔ اگر مقتول کے وارث نہ مانیں تو قاتل کو قتل ہی کیا جائے گا۔

نوٹ:۔ نفس مضمون سے ہٹ کر یہ بھی یاد رکھئے کہ آج بھی جب یورپ کے قانون داں اور ہندوستان کے دانشور اس مقدمے پر بحث کرتے ہیں تو سب کے سب علماء اسلام (شیرشاہ کے درباری علماء) کی تائید کرتے ہیں کہ شیرشاہ کا فیصلہ غلط تھا۔ علمائے اسلام اور یورپ اور بھارت کے دانشور دلیل یہ دیتے ہیں کہ اگر کسی نے کسی کی لڑکی کے ساتھ زنا کی تو انصاف یہ نہیں ہے کہ زنا کرنے والے کی لڑکی کے ساتھ زنا کرنے کا فیصلہ کیا جائے۔

اب ذرا قرآن کھول لیجیے۔ سورہ نساء کی آیت ۱۳۵ کا مطالعہ کر لیجیے۔ آیت لمبی ہے اس لئے متن نہیں دے رہا ہوں۔ ترجمہ یہ ہے:۔

"اے ایمان لانے والو! انصاف کے علمبردار اور اللہ کے لئے گواہ بنو چاہے تمہارے انصاف اور گواہی کی زد میں تمہارے ماں باپ اور قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ آجائیں۔ ("اِنْ یَّکُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا" سے علماء نے مراد لیا ہے (فریق معاملہ کو) آگے ترجمہ یوں ہے) فریق معاملہ چاہے مالدار ہو یا غریب، اللہ تم سے بہتر اس کی بھلائی چاہنے والا ہے کہ تم اس کا لحاظ کرو۔ پس (یعنی قطعی حکم یہ ہے کہ) اپنے نفس کی پیروی نہ کرو کہ انصاف نہ کرو اور اگر تم (نفس کی پیروی) کر بیٹھے اور انصاف کرنے سے منھ موڑا تو (جان لو) کہ تم جو کچھ کرتے ہو۔ اللہ خبیر ہے (اُسے سب پتہ ہے)

اس آیت سے جو حکم نکلتا ہے وہ ترتیب وار ملاحظہ ہو:۔

(۱) مسلمانو! تم انصاف کے علمبردار بنو۔ یعنی نہ صرف یہ کہ انصاف کرو بلکہ جہاں اُسے دبتا دیکھو تو اُسے بلند کرنے کے لیے پورا زور لگا دو۔

• ایک لڑکی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی میرے باپ نے میری مرضی کے بغیر میری شادی فلاں سے کردی۔ فرمایا "تو چاہے تو نکاح توڑ دے"۔ بولی "اب مجھے منظور ہے"۔



پوچھا گیا یہ کیا بات ہوئی؟" کہنے لگی۔ ایک شق رہ گئی تھی اس کی وضاحت ہو گئی۔

• حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے۔ انھوں نے گھاس کا ایک ڈھیر خریدا۔ پھر جب گھاس اٹھوائی تو پاس پڑی ہوئی گھاس بھی رکھ لی۔ گھاس والا جھگڑنے لگا۔ مقدمہ عدالت میں پہنچا۔ قاضی نے فیصلہ کیا کہ مزید گھاس اگر عمر کے ڈھیر کے قریب تھی تو ان کی ورنہ گھاس والے کی۔ اس فیصلے پر حضرت عمرؓ کو گھاس دینی پڑی۔

اسلام کے علمبردار بنو کا مطلب زبانی جمع خرچ نہیں بلکہ عملاً انصاف برپا کرنا ہے۔

(۲) اللہ کے لیے گواہی دو۔ اس کا مطلب ہے کہ رضائے الٰہی ہر وقت سامنے رہے۔ سچی گواہی کے بغیر انصاف ہو ہی نہیں سکتا۔

• ایک جج صاحب تھے۔ ان کی عدالت میں ایک مقدمہ پہنچا۔ سخن گسترانہ بات یہ آپڑی کہ اسلامی عدالت کے یہ جج صاحب جھگڑے سے پوری طرح واقف تھے، اب جو ان کے سامنے گواہیاں آنا شروع ہوئیں تو سب اُلٹی یعنی جھوٹی۔ جج صاحب نے مقدمہ روک دیا اور عہدے سے استعفا دے دیا اور مدعی علیہ کی طرف سے گواہ بن کر گئے اور خود پیروی کی۔ مقدمہ جیت لیا۔ پوچھا گیا آپ نے استعفا کیوں دیا۔ جواب دیا کہ سچا گواہ بننے کے لیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچی گواہی دو۔ ہو سکتا ہے کہ میں تمہاری زور بیانی سے متاثر ہو جاؤں تو تم اللہ کے لیے گواہی دو۔ (او کما قال)

(۳) تمہارے انصاف اور گواہی کی زد" کے سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات کھول کر بیان فرمائی وہ یہ ہے "سچی گواہی دو چاہے اس سے تمہارا اپنا نقصان ہو"۔ ایک جگہ مثال کے ذریعہ سمجھایا۔ "تم کسی کنوئیں میں گرتے ہوئے شخص کی ہمدردی میں کنوئیں میں نہ گرو"۔

یعنی ایک شخص مجرم قطعی ہے تم اس کی طرفداری میں جھوٹی گواہی دے کر گناہ گار نہ بنو۔

• زرہ کی چوری کا مشہور واقعہ ہے ایک مسلمان نے (جو منافق تھا) زرہ چرائی۔ پھر اسے پتہ لگا کہ بات کھلنے والی ہے۔ اس نے ایک یہودی کے یہاں رکھوا دی اور اسے گردان دیا۔ مقدمہ ہوا۔

کی عدالت میں پہنچا۔ اس مسلمان کے خاندان کے لوگ اور بڑے بڑے لوگوں نے کہا کہ مسلمان جھوٹا نہیں ہوسکتا یہ یہودی جھوٹا ہے اور مکر رہا ہے۔ قریب تھا کہ حضورؐ گواہوں سے متاثر ہو کر غلط فیصلہ فرمادیتے لیکن اللہ نے بچالیا۔ اسی وقت وحی آئی اور حضورؐ نے یہودی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔

• دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک قریشی عورت نے چوری کی۔ پکڑی گئی۔ حکم ہوا کہ ہاتھ کاٹ لیا جائے بڑے گھرانے کی عورت کے لیے یہ حکم ہوا تو کہرام مچ گیا۔ چلیں سفارشیں۔ حتیٰ کہ حضورؐ کے پیارے حضرت اسامہؓ کو سفارشی بناکر بھیجا گیا۔ ان پر بھی ڈانٹ پڑ گئی۔

یہ دونوں قصے قرآن مجید اور احادیث میں پھیلے ہوئے ہیں اور بہت مشہور ہیں۔ قرآن اٹھا کر اسی آیت کی تشریح و تفسیر کے تحت پڑھ لیجئے۔ کیسی سخت وعیدیں ملتی ہیں۔ نہ کسی بڑے کو یہ حق دیا گیا اور نہ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ عورت کا حق مارا گیا۔ بعد کے اسلامی حکمرانوں نے کس طرح اس پر عمل کیا؟ ایک دلچسپ تغافل آمیز لطیفہ نما واقعہ سنئے۔

"حضرت عمرؓ کو ایک عورت ملی۔ وہ دور سے آرہی تھی۔ اس سے حال پوچھا۔ کہنے لگی عمرؓ ہمارا امیر ہے اور ایسا غافل کہ اُسے پتہ نہیں کہ میرے اس بچے کا وظیفہ مقرر نہیں کیا اسی وقت ایک پرچے پر کچھ لکھا اور کہا کہ بیت المال جا۔ اس نے پوچھا، کیا لکھا۔ کہا کہ تجھے وظیفہ مل جائے گا س نے کہا۔ کاش! تو عمر کے بدلے ہمارا امیر ہوتا۔

• ایک نوجوان عورت حضرت عمرؓ کی خدمت میں آئی۔ عرض کیا کہ میرا شوہر دن میں روزہ دار ہے اور رات میں عبادت گزار۔ پھر وہ شرما گئی اور کچھ نہ کہہ سکی۔

حضرت عمرؓ نے اس کے شوہر کی تحسین کی۔ عورت واپس چلی گئی۔ پاس بیٹھے ہوئے ایک نوجوان فقیہہ نے عرض کیا "امیر المومنین! آپ سمجھے، اس عورت نے کیا کہا۔ اس کا شوہر اس کا خاص حق ادا نہیں کرتا۔ حضرت عمرؓ چونکے۔ وضاحت طلب کی تو فقیہہ نے کہا کہ یہ عورت جوان ہے۔ اس کا شوہر دن کو روزہ رکھتا ہے۔ رات بھر عبادت کرتا ہے۔ اس پردے میں عورت نے یہ شکایت کی ہے

کہ وہ بیوی کا ازدواجی حق ادا نہیں کرتا۔

"خوب! اچھا تو اس کے شوہر کو بلاؤ۔ شوہر آیا۔ حضرت عمرؓ نے فقیہ سے کہا کہ تم مقدمے کی نوعیت سمجھ گئے۔ تم ہی فیصلہ کرو۔ فقیہ نے فیصلہ کیا کہ شوہر تین دن عبادت کرے چوتھے دن ضرور بیوی کا حق ادا کرے۔

اس فیصلے پر عمرؓ اور زیادہ چونکے۔ وضاحت طلب کی۔ فقیہ نے بتایا کہ زیادہ سے زیادہ یہی گنجائش نکل سکتی ہے۔

پوچھا "کیسے؟" عرض کیا کہ مسلمان کو چار بیویوں کے رکھنے کی اجازت ہے۔ اس حساب سے چوتھا دن اس کے حصے میں پڑتا ہے۔ اس لیے اس کا یہ حق واجب ہوگیا۔

حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ فیصلہ تمہارے اس قیاس سے بھی بڑھ کر ہے اور اسی وقت انھیں کوفہ کا قاضی بنا کر بھیجدیا جب کہ ان کی عمر ستر ہوزکم تھی۔

(۳) دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی فیصلہ کرو۔ بات لگی لپٹی نہ کہو۔ اس کا ثبوت اوپر والا واقعہ ہے لیکن عورت کو حق ہے کہ بات اشاروں میں کہہ سکتی ہے اور قاضی کو اتنا فریس (بات پانے والا ہونا چاہئے کہ وہ بات پالے۔ ایسے واقعات عورتوں سے متعلق قاضی شریح کے یہاں بہت ملتے ہیں اور سب دلچسپ بھی ہیں اور قاضی شریح کی فراست کے گواہ۔

(۴) آخری بات یہ ہے کہ اللہ ڈھکی چھپی باتوں کا جاننے والا ہے۔ یہ قاضی اور گواہوں کے لئے وہ زبردست کوڑا ہے جس کے ڈر سے اسلامی عدالت کانپتی رہتی ہے۔

اس سلسلے میں بہت سے واقعات ہیں کئی سپہ سالاروں کے ضمن میں یہ بات آئی ہے کہ عین جنگ میں عورتیں اور بچے زد میں آکر قتل ہو گئے حضورؐ کو اطلاع ہوئی تو آپؐ بار بار فرماتے "خدایا! تیرے رسول نے یہ حکم نہیں دیا تھا۔" اسامہؓ اور خالدؓ جیسے سپہ سالاروں نے بار بار زبانِ رسالت سے یہ سنا تو رو پڑے چیخ اُٹھے "کاش اس سے پہلے ہمیں موت آجاتی۔"

خود سینے پر گولی کھالی

لیکن شریف عورت کو ڈاکوؤں سے چھڑا لیا

انسان میں جب کبھی شعورِ انسانیت جاگ اٹھتا ہے تو اس کے دل و دماغ اور جسمانی اعضاء میں ایک پوشیدہ طاقت بھی دفعتہً متحرک ہو اٹھتی ہے شاید اسی تحرک کا نام جرأت ہے، بہادری ہے نڈرتا ہے جو ہر خطرے میں اپنی طرف آن بان سے کود پڑتی ہے وہ اپنی جسمانی طاقت نہیں دیکھتی۔ مدِ مقابل کی جسامت پر نظر نہیں رکھتی، بس جذبۂ انسانیت کا تاثر اُسے ہر خوف و خطر سے آزاد کر دیتا ہے۔ ایک ایسے ہی قابلِ تعریف جذبۂ جرأت کا ثبوت آگرہ کے ایک جی دار مسلم نوجوان نے دیا ہے۔

یہ واقعہ ۱۴ ستمبر ۱۹۷۷ء کا ہے۔ متھرا ریلوے اسٹیشن کے سامنے آگرہ جانے والی ایک پرائیویٹ بس کھڑی تھی۔ بس کا کنڈکٹر چلا چلا کر آگرہ جانے والے مسافروں کو دعوتِ سفر دے رہا تھا۔ یہاں کے پرائیویٹ بسوں والے مسافروں کو ٹھونس ٹھونس کر بھر لیتے ہیں۔ شام کا اندھیرا بڑھ رہا تھا۔ تین دن کی مسلسل بارش کے بعد ہوا میں خنکی سی محسوس ہو رہی تھی۔

کنڈکٹر اور بس کے دوسرے ملازموں کے شور وغل کے باوجود مسافر معمول کے خلاف کم آ رہے تھے اتنے میں ایک تانگہ آیا۔ اس میں چھ سواریاں تھیں۔ ان میں عورتیں بھی تھیں اور دو ایک بچے بھی یہ لوگ کرناٹکی تھے۔ متھرا کی یاترا کر کے آئے تھے اور اب بذریعہ بس آگرہ پہنچنا چاہتے تھے۔ دھیرے دھیرے اور مسافر آتے گئے۔ ان مسافروں میں متھرا کے ایڈوکیٹ گوپال کرشن اور وڑہ فتح آباد گرلز کالج کی ایک ٹیچر مسز سیتا شرما بھی تھیں۔ ان کے ساتھ ان کا چھوٹا لڑکا گگن بھوشن بھی تھا۔ کرناٹکی پریوار نے جلدی جلدی



اگلی سیٹوں پر قبضہ کر لیا اور مسافر بھی جہاں جہاں انھیں سیٹ ملی بیٹھتے گئے بس کی آخری سیٹ پر مقصود بیٹھ
وہ "گرین موٹرز" کا ایک ملازم تھا۔ ماہِ رمضان کا آخری دن تھا۔ اگلے دن عید تھی۔ مقصود اپنے بال بچو
کے لئے نئے کپڑوں کا بنڈل اور مٹھائی کا ڈبہ ساتھ لے جا رہا تھا۔

ٹھسا ٹھس بھری ہوئی یہ بس متھرا سے چلی بھی تو اپنے مقررہ وقت سے پندرہ بیس منٹ بعد۔ سرش
ہی رات جیسی تاریکی ہو گئی تھی۔ بس جب دہلی آگرہ ٹرنک روڈ پر بڑھی تو ڈرائیور نے اندر کی لائٹیں آف ک
شاید وہ اس طریقے سے کفایت شعاری کرنا چاہتا تھا۔ بس کی صرف دو اگلی روشنیاں سڑک کا راس
دکھا رہی تھیں بہت سے مسافر تو فرح کے مقام پر اُتر گئے۔ اب بس میں صرف ۲۷ مسافر رہ گئے تھے
مدھم مدھم بوندا باندی ہو رہی تھی۔ بس کی کھڑکیاں بند کر لی گئیں۔ بس ایک ہموار رفتار پر جا رہی تھی اور بیشتر
مسافر اس خوشگوار فضا میں اونگھ رہے تھے۔

سامنے سے ایک غلغلہ اٹھا۔ تمام مسافر چونک اُٹھے۔ "روکو بس کو، ورنہ گولی مار دوں گا۔" اندھیر
میں کسی نے بلند آواز میں کہا۔ ڈرائیور نے بریک لگا دی۔ چرچراتے ہوئے بس رُک گئی۔ "اندر کی لائٹیں
روشن کر دو۔" اسی آواز نے دوبارہ گرج کر کہا۔ ڈرائیور بے چارے نے چپ چاپ لائٹیں آن کر دیں۔
مسافروں نے جو کچھ دیکھا وہ انھیں حواس باختہ کرنے کے لئے کافی تھا۔ بس میں دس مسلح آدمی جگہ جگہ کھڑے
دکھائی دے رہے تھے ان کے ہتھیار بس کی اندرونی چھت سے ٹکرا رہے تھے۔ چار ڈاکوؤں کے
ہاتھ میں پستول تھے دوسرے چار کے ہاتھ میں کھلے چاقو تھے انہوں نے دھوتی، پاجامے اور کرتے پہن
رکھے تھے۔ ان میں سے کسی نے نقاب نہیں اوڑھی تھی۔

ظاہر تھا اس وقت بس میں مقابلہ کرنے والا کون ہو سکتا تھا۔ ڈاکوؤں نے بڑے اطمینان سے
مسافروں کو ترتیب وار لوٹنا شروع کر دیا۔ سب سے پہلے سنیتا شرما سے پرس چھینا گیا۔ کرناٹکی عورتوں
نے اپنے آپ اپنے سارے زیورات اُتار نقدی سمیت ان کے حوالے کر دیئے۔ ایڈوکیٹ اروڑہ سے
اس کا اٹیچی کیس چھن گیا اس میں ایک ہزار نقد اور قانونی کاغذات بھی تھے مقصود جو سب سے پچھلی



سیٹ پر بیٹھا تھا۔ اس نے بھی بھیگی بلی بن کر اپنی جیب سے ۶۰/۷ روپیہ نکال کر دیئے تھے۔
یہ سب کچھ چند منٹوں میں ہو گیا۔ مسافروں نے یہی غنیمت سمجھا تھا کہ نقدی وغیرہ تو گئی مگر جان محفوظ رہی۔ ڈاکوؤں نے جب ایک ایک مسافر کو اچھی طرح لوٹ لیا تو ان پر دوبارہ طائرانہ نگاہ دوڑائی۔ وہ بس سے نیچے اُترنے ہی والے تھے کہ ان میں سے ایک ڈاکو بول اُٹھا "ٹھہرو ٹھہرو ایک رسٹ واچ باقی رہ گئی ہے"
یہ رسٹ واچ سنیتا شرما کی کلائی پر تھی۔ ایک ڈاکو نے آگے بڑھ کر واچ اُتارنا چاہی قریب جاکر اس نے واچ کی بجائے سنیتا کی کلائی پکڑ لی اور اسے گندی گالی دیتے ہوئے کہنے لگا۔ "اترو یہیں اترو"
بس کے مسافروں میں وہ سب سے زیادہ خوبصورت مہلا تھی۔ بے چاری سہم گئی۔ بس سے اُترنے کا مطلب سمجھتی تھی۔ ڈاکو اسے کلائی سے پکڑ کر سیٹ سے اُٹھا رہا تھا اور وہ ترحم بھری نگاہوں سے اِدھر اُدھر کسی امداد کی طالب تھی۔ اس کا چھوٹا بچہ چیخنے لگا۔
ڈاکو نے دوبارہ اس کا ہاتھ کھینچا۔ بس اسی وقت سیٹ پر بیٹھے مقصود کی آنکھوں میں خون اُتر آیا اس نے اپنی ساری رقم بے چون وچرا ڈاکوؤں کے حوالے کر دی تھی۔ لیکن ڈاکو اس کے جیتے جی نظروں کے سامنے ایک عورت کو اُٹھا کر لے جائیں اس کے لئے ناقابلِ برداشت تھا جھٹ سے اُچھلا اور وہاں جا پہنچا جہاں سنیتا اس ڈاکو سے ہاتھ چھڑانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی اس نے جاتے ہی ڈاکو کی کمر کو اپنی آہنی گرفت میں لے لیا۔ باقی کے تمام مسافروں پر سکتہ طاری رہا۔
ڈاکو نے اپنے آپ کو چھڑانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارے لیکن مقصود کی گرفت کا جواب نہ تھا۔ اس نے دوسرے ڈاکوؤں کو امداد کے لئے پکارا۔ ایک ڈاکو نے اندھادھند مقصود کی طرف گولی داغدی۔ یہ گولی اس کی چھاتی کے قریب لگی مقصود کی پکڑ ڈھیلی ہو گئی۔ وہ بے ہوش ہو کر بس کے فرش پر جا گرا اور وہ ڈاکو بس سے چھلانگ لگا کر نو دو گیارہ ہو گئے۔
مقصود کو آگرہ کے میڈیکل کالج ہسپتال میں داخل کرایا گیا۔ اس کی بہادری کے شہر بھر میں چرچے

پھیل گئے۔ بہت سے لوگ اس بہادر کو ہسپتال میں دیکھنے آئے۔ ہر آدمی نے اُسے محبت و احترام سے د
اس ہسپتال کے ڈاکٹر سی۔ کے گپتا نے مقصود کے لیے قیمتی دوائیاں اپنی جیب سے منگوائیں۔ سینٹر
ایگریکلچرل منسٹر بھانو پرتاپ سنگھ ہسپتال میں اُسے دیکھنے آئے۔ انھوں نے وعدہ کیا کہ وہ مقصود کے لڑکے
سرکاری ملازمت دیں گے۔ (مقصود کا لڑکا تو ابھی بہت چھوٹا ہے، خیر) مقصود کی بہادری کی خبر اخبارو
میں چھپی تو اسے ہسپتال ہی میں بے شمار تعریفی خطوط پہنچے۔ ایسے خطوط کے ساتھ دھمکی آمیز خط بھی ملے جن
کہا گیا تھا کہ وہ عدالت میں گواہی تک نہ دے۔ مقصود نے ان دھمکیوں سے پولیس کو آگاہ کر دیا۔ اُ
سیکورٹی دی گئی۔

۱۲ مئی ۱۹۷۹ء کو دہلی کی ایک تقریب میں مقصود کو اعزازی طور پر "شہید سید علی اختر میڈل دیا گ
مقصود بڑا حلیم آدمی ہے۔ اس میں کوئی شیخی نہیں۔ مافوسیوا منڈل نئی دہلی کے اہتمام میں جب اسے م
للتا بوس (نیتا جی سبھاش چندر بوس کی بھتیجی) کے ہاتھوں ایوارڈ ملا۔ تو بہت خوش تھا۔ لیکن اس خوشی
بھی اس کا انکسار ظاہر تھا۔ کہہ رہا تھا۔

"میں نے کوئی بڑا کام نہیں کیا۔ اسے ہر شخص کر سکتا تھا۔"

مقصود کی اس بہادری کا اسے نقصان بھی پہنچا ہے۔ گولی کے زخم لگنے کے بعد اس کی ملازمت
چھوٹ گئی ہے۔ کئی بڑے بڑے آدمیوں نے اسے ملازمت دلوانے کے وعدے کئے ہیں لیکن اب
تک اس بے غرض انسانیت پرست بہادر آدمی کو کوئی معقول کام نہیں مل سکا۔ اس کے باوجود اس
زبان سے کبھی تلخی یا شکوہ کا ایک لفظ تک نہیں نکلتا۔" ★★★

مصیبتوں اور دکھوں کا علاج

(ماخوذ)

ہم میں سے بے شمار لوگ جہاں آرام و مسرت کے لمحے ہنسی خوشی گزار دیتے ہیں وہاں تنگی ترشی کا مقابلہ کرنے کی ذرا بھی اہلیت نہیں رکھتے، کوئی دکھ، کوئی مصیبت سامنے نظر آئی نہیں اور وہ بدحواس ہوئے نہیں۔ انھیں کانٹے کی تکلیف بھی ہو تو فریاد بہ لب ہو جاتے ہیں۔ کبھی زمانے کی بے مہری کی شکایت اور کبھی ساتھیوں کی بے وفائی کا گلہ۔ تقدیر، شدنی۔ خدا کی مرضی، دوست احباب کی روش، ہر چیز سے انھیں عداوت کی بُو محسوس ہوتی ہے گویا ساری کائنات کو ان کے ساتھ دشمنی ہے۔

ایسے لوگوں کی زندگی میں حقیقی مصیبتیں اتنی نہیں ہوتیں جتنی بے بنیاد شکایتیں، ہر وقت رونا پیٹنا ہر وقت چہرے کو مایوس بنائے رکھنا، ہر وقت گلوں اور شکایتوں کا زہر اگلتے رہنا ان کی عادت بن جاتی ہے۔ جس دفتر میں، جس مجلس میں اس قسم کا ایک شخص بھی موجود ہو، وہاں کے در و دیوار، کمرے میں پڑی ہوئی چیزوں ر آس پاس بیٹھے ہوئے تمام لوگوں کے چہروں پر بھی اس کی مایوسی کا سایہ پڑنے لگتا ہے۔ ایک شخص کا اترا ہوا چہرہ اپنے ارد گرد کے تمام لوگوں کی زندہ دلی پر مہر لگا دیتا ہے۔ ایک درد بھری بات ساری محفل کو افسردہ کر دیتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ہم میں سے بے شمار لوگ صرف تکلیفوں اور دکھوں کی شکایت ہی کرنا جانتے ہیں اپنی مشکلات پر غور کرنے کی انھیں عادت نہیں ہوتی۔ اگر خوش قسمتی سے ان میں یہ عادت پیدا ہو جائے تو وہ یہ جان کر حیران رہ جائیں کہ جن حالات کو ہم تکلیفوں کا نام دیتے ہیں ان میں سے آدھے صرف ہمارے وہم کی پیداوار ہیں۔ ان کا کوئی وجود نہیں۔ کوئی حقیقت نہیں۔ وہ صرف اس لیے دکھ بن گئے ہیں کہ ہم نے

انھیں دکھ سمجھ لیا ہے۔ صرف دل کی تھوڑی سی تبدیلی سے ہم ان فرضی دکھوں کو حقیقی مسرتوں میں تبدیل کر
کئی معمولی مشکلات محض اس لیے ہمیں متواتر کڑھاتی اور ہماری زندگی تلخ کردیتی ہیں کہ ہم ان کے ساتھ
نہیں کرتے، حالانکہ جس طرح ہم حقیقی شخصیتوں کے ساتھ سمجھوتہ کرکے عداوت کو دوستی میں تبدیل کر
طاقت رکھتے ہیں اسی طرح اپنے روٹھے ہوئے دکھوں کو بھی منایا جاسکتا ہے جس دکھ کے ساتھ سمجھو
جائے وہ ہمارے دل میں شکایتوں کا زہر پیدا نہیں ہونے دیگا۔ بخلاف اس کے روٹھا ہوا دکھ جو
ودماغ جسم اور سیرت کا خون چوس لیتا ہے وہاں شکایتوں کے ذریعے ہماری اور ہمارے ساتھیو
خوشی کی جڑیں کاٹ دیتا ہے۔

زندگی کی اس نازک بات کو مثالوں سے سمجھئے۔ کچھ دنوں پہلے کی بات ہے۔ جس مکان میں
رہتا تھا اس کے ایک کمرے میں ایک ایسا شخص آکر رہا جو اپنی ٹانگوں کے معذور ہونے کے سبب
چل پھر نہیں سکتا تھا۔ پہلے دن شام کے وقت اس نے مجھے چارپائی باہر نکال کر بستر بچھانے کے۔
میں نے اخلاقاً اسکی ضرورت پوری کی۔ جب پانچ سات روز مجھے اسکی چارپائی اندر باہر رکھنی پڑی تو میں
ہی دل میں اس تکلیف کو محسوس کیا۔ اسکی حالت پر نظر جاتی تو انکار یا ٹال مٹول کی جرأت نہیں ہوتی تھ
تکلیف کا خیال کرتا تو یہ سلسلہ نبھتا نظر نہ آتا تھا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ میں روزانہ رات کو بستر پہ لیٹے
اپنے دل میں تنگی محسوس کرنے لگا اور یہ سوچنے لگا کہ مکان تبدیل کرلیا جائے۔ اس کش مکش میں میرے
مجھے صلاح دی کہ میں اس صورت حال کے ساتھ سمجھوتہ کرلوں۔ میں رضامند ہوگیا۔ سمجھوتہ کرنے کی
کہ میری خدمت خوش گوار ہوگئی۔ اس سے قبل میرے ساتھی صبح و شام دونوں وقت مجھے اپنے بستر کے متع
پڑتا تھا لیکن اب یہ حالت تھی کہ میں از خود خوشی خوشی یہ کام سرانجام دیتا۔ چارپائی بھی وقت پر اٹھا کر
دیتا۔ لیمپ جلا دیتا۔ پانی وغیرہ اس کے سرہانے رکھ دیتا۔ مجھے ان سارے کاموں میں لطف آنے لگا۔
لفظوں میں جو چیز ایک وبال نظر آتی تھی ایک خوبصورت خدمت محسوس ہونے لگی۔

اس سمجھوتے کی شرطیں کیا تھیں؟ کچھ بھی نہیں۔ صرف دو ایک سیدھی سادی باتیں۔ دل نے

کُڑھنا اور شکوہ کرنا چھوڑ دوں گا بشرطیکہ تم خوشی خوشی اپنے ساتھی کے چھوٹے موٹے کام کر دیا کرو۔ اس میں تمہارا بگڑتا ہی کیا ہے؟ جہاں تم صبح و شام اپنے دھندے کرتے رہتے ہو، وہاں دو چار منٹ کے لیے اپنے ساتھی کی ضرورتوں کو بھی اپنی ہی ضرورتیں سمجھ لو۔ آخر وہ تمہاری خدمت کا مستحق ہے۔ اتنی سی بات کے لیے تم کسی کی اچھی خواہشیں اپنے حق میں کر لو تو کیا بُرا ہے؟

اس معمولی سے واقعے نے میری بصیرت کے سامنے زندگی کی ایک نہایت پیچیدہ گتھی سلجھا کر رکھ دی۔ اپنی اور اپنے ماحول کی زندگی کے لیے بڑے مصائب مجھے اس سمجھوتے کی روشنی میں حل ہوتے نظر آئے مجھے یقین ہو گیا کہ اس اصول پر عمل کرنے سے ہماری وقتی اور ہنگامی تکلیفیں ہی نہیں وہ اندوہناک مصائب بھی جو عمر بھر کا ساتھ دے سکتے ہیں۔ عمر بھر کی راحتوں میں تبدیل ہو سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک اور دلچسپ مثال ملاحظہ ہو۔

ایک صاحب کو شادی کئے ہوئے کئی ماہ گذر گئے مگر انکے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔ آخر جب اولاد کی حسرت نے بہت مجبور کیا تو انھوں نے پہلی بیوی کی موجودگی میں ایک اور بیاہ کر لیا۔ دوسری بیوی کے ذریعہ انکی مراد پوری ہو گئی اور ان کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اسکا فطری نتیجہ یہ ہوا کہ انکی توجہ زیادہ تر دوسری بیوی اور بیٹے کیطرف رہنے لگی پہلی بے اولاد مگر دانش مند بیوی نے یہ معاملہ دیکھا تو فوراً اپنی تقدیر کے ساتھ سمجھوتے کے لیے تیار ہو گئی۔ اس نے اپنی سوت کو اپنے پیار، محبت، خدمت اور نیک خواہشوں کے ذریعے جیت لیا۔ اس کے بچے کو اپنا بچہ سمجھ لیا اور اس کی ہر ممکن خدمت اپنے ذمے لے لی۔ بچے کو نہلانا دھلانا۔ کھلانا پلانا، اس سے پیار کرنا اسے خوشی اور آرام پہنچانا اپنے روزمرّہ کے فرائض میں شامل کر لیا۔ یہاں تک کہ یہ لڑکا جب تک سن شعور کو نہیں پہنچا۔ اسے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس کی حقیقی ماں کون ہے؟ خاوند کی توجہ بٹتے بٹتے ایک بار پھر اس کی طرف مائل ہو گئی۔ سارے خاندان میں اس کی عزت، اعتماد اور نیک دلی کا سکہ بیٹھ گیا اور عام کہاوت اس کی ذات پر آ کر غلط ثابت ہو گئی کہ سوکنیں آپس میں محبت کے ساتھ زندگی بسر نہیں کر سکتیں۔

یوں بھی ہو سکتا تھا اور عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے خاوند کو بٹتے دیکھ کر گھر میں کھچی کھچی رہنے لگتی اپنی سوت کو اپنی بے وقعتی کا سبب سمجھ کر اس سے نفرت کا وتیرہ اختیار کرتی۔ ان میں باہم کشیدگی پیدا

ہوتی، خاوند کے ساتھ الگ بگاڑ پیدا ہوتا۔ گھر میں کھانے پینے پر، کپڑے لتے پر، لین دین پر، غرض ہر چھوٹے بڑے معاملے پر داستان کھل ہوتی۔ نفرت کی آگ ایک کنبے سے نکل کر دو خاندانوں میں پھیلتی اور عمر بھر اسے اور اس کے لواحقین کو جلاتی رہتی۔ اپنے حالات سے سمجھوتہ نہ کرنے کی صورت میں اس کی زندگی موت سے بھی بدتر ہو کر رہ جاتی، مگر آج اس کا دل مطمئن ہے، وہ بے اولاد ہوتے ہوئے بھی با اولاد ہے، اپنے خاوند اور سوت دونوں کا اعتماد اسے حاصل ہے۔ اس نے عمر بھر تک ساتھ رہنے والے دکھ کو زندگی بھر کی خوشی میں بدل لیا ہے

اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ درد و غم کی داستان لوانی سے دکھ کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے مگر یہ خیال بالکل غلط ہے۔ شکایتیں دکھوں میں کوئی کمی نہیں کر سکتیں۔ آہ و بکا سے دل کے زخموں پر مرہم نہیں لگ سکتا۔ مصیبت جب بھی ہٹے گی، عقل و تدبیر کے ساتھ کیے ہوئے سمجھوتے ہی سے ہٹے گی۔ آپ کے جسم پر کوئی زخم آ جائے، آپ ہزار فریاد کریں۔ زخم اور زخم کا درد کبھی نہیں جائیگا۔ اگر آپ دن رات اپنے زخم کو کوستے رہیں، کسی دشمن کی بے رحمی یا کسی حادثے کی بے دردی پر الزام لگاتے رہیں۔ آپ کو کبھی چین نہیں آئے گا۔ مگر اپنی مصیبت کے ساتھ سمجھوتہ کرتے ہی آپ کو اطمینان کی جھلک نظر آئے گی۔ اپنے زخم کے ساتھ دلچسپی لیجیے۔ جتنی طاقت آپ شکایتوں میں ضائع کرتے ہیں وہی طاقت اس کے علاج میں استعمال کریں۔

مصیبت کے دنوں میں جہاں تک ہو سکے اپنی طبیعت کو نرم و نازک بنائیں۔ جس قدر جھکنا ممکن ہو جھکیں۔ مصیبت اس شخص پر کبھی رحم نہیں کر سکتی جو نرمی اور تواضع کے ساتھ جھکنے کے بجائے غرور و تکبر سے تن جائے۔

جن درختوں کے جسم میں لچک ہوتی ہے جو آندھی اور طوفان کے آگے جھک کر گزر جانے کی اجازت دے دیتے ہیں، ہمیشہ سلامت رہتے ہیں۔ بخلاف اس کے جو تن آور درخت جھکنا نہیں جانتے۔ طوفان کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کر سکتے ہمیشہ گرتے ٹوٹتے رہتے ہیں۔ آپ کی انگلی کسی بھاری چیز مثلاً پتھر کے نیچے دب گئی۔ اب اگر آپ نے اُسے جھٹکے سے نکالنا چاہا تو یاد رکھیے انگلی کے چیتھڑے اڑ جائیں گے اور اگر آپ نے پتھر کو ذرا اُٹھا کر آہستہ سے انگلی نکال لی تو انگلی کو معمولی سا نقصان پہنچے گا۔

میں اس وقت نو برس کی تھی

میں اس وقت نو برس کی تھی جب میری امّی اپنے والدین سے ملنے کے لئے دیلز گئی تھی۔ میری بڑی بہنیں کالج میں تعلیم پا رہی تھیں اس لئے میں ابا کے ساتھ گھر میں تنہا رہ گئی تھی۔ ہم دونوں گھر کی دیکھ بھال کرتے اور ہمارا وقت خوب گزرتا تھا۔ میں بسکٹ تیار کرتی اور جب ہمیں گاڑی کے آنے کی آواز آتی تو میں اور ابا دونوں کھڑکی میں کھڑے ہو کر گاڑی کو دریا کے موڑ سے گزرتے دیکھتے۔

ہمارا گھر پرانے طرز کا تھا۔ ہمارے گھر کے قریب ہی وہ گرجا تھا جس میں میرے ابا پادری تھے۔ مجھے ابا نے مکمل چھٹی دے رکھی تھی۔ میں جب چاہتی سائیکل لے کر باغ کی روشوں پر دوڑتی پھرتی، جب چاہتی گرجا میں گھس جاتی اور منبر پر کھڑی ہو کر خالی نشستوں کے سامنے گلا پھاڑ پھاڑ کر گانے لگتی۔

میرے ابا بڑے ہی شریف النفس اور ملنسار آدمی تھے۔ وہ لوگوں سے محبت کرتے تھے اور لوگ ان سے محبت کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ مسکراتے رہتے تھے۔ مجھے نہیں یاد پڑتا کہ میں نے کبھی ان کو غصّے کی حالت میں دیکھا ہو۔ وہ گانا بھی بہت اچھا گاتے تھے۔ وہ اور میں دونوں مل کر پیانو پر چھوٹے چھوٹے گیت گاتے۔ مثلاً ایک گانا ہم خوب مل کر گایا کرتے اس کے بول تھے "دو کے لئے چائے"۔ اسی طرح اور ہلکی پھلکی دھنیں تھیں جو ہم اکثر گاتے تھے۔

جب میری ماں اپنے میکے ویلز گئیں تو اس کے دو یا تین روز بعد ایک دوپہر کو ابا نے مجھے نیچے سے آواز دی۔ "بیٹی میں ذرا ڈاکٹر کے ہاں جا رہا ہوں۔ تم گھر سے باہر مت نکلنا۔ میں ابھی واپس آجاؤں گا۔" میں نے کہا "بہت اچھا" میری سہیلی آئی ہوئی تھی۔ ہم دونوں کھیل میں خوب مشغول تھیں۔

ابا ایک گھنٹے کے بعد واپس آئے۔ انھوں نے مجھے نیچے سے آواز دی "بیٹی! میں آگیا ہوں۔"

ابا کی طبیعت ٹھیک نہیں معلوم ہوتی تھی۔ انھوں نے مجھ سے کہا "ڈاکٹر نے مجھے چند دن کے لئے ہسپتال

میں آرام کرنے کے لئے کہا ہے۔ اگر تم پسند کرو تو چند دن کے لئے اپنی سہیلی سیلی کے ہاں چلی جاؤ۔ تب تک میں بھی ہسپتال سے فارغ ہو کر آجاؤں گا۔"

میں ابا کی یہ بات سن کر اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ اپنی سہیلی کے ساتھ چند دن گزارنا کتنا مسرت انگیز تھا۔ سیلی بھی یہ خوش ہوئی اور ہم دونوں نے سیلی کے ہاں جانے کے لئے اپنا سامان باندھنا شروع کر دیا۔

ابا جتنے روز ہسپتال میں رہے ان کی طرف سے ہر روز میرے نام کوئی نہ کوئی دلچسپ پیغام آتا تھا۔ کبھی اس ہسپتال کے بارے میں کوئی بات ہوتی تھی اور کبھی اس کے پائیں باغ کے بارے میں۔ پھر میری امی بھی آگئیں۔ اب ابا ہسپتال میں تھے اور میں اور امی گھر میں تھیں۔ اسی اثناء میں ہماری بلی نے بچے دئے۔ اس سے ہمارے گھر کی رونق اور مصروفیت بڑھ گئی۔

میں اس وقت گھر میں اکیلی تھی جب میری امی ابا کے پاس ہسپتال گئی ہوئی تھیں۔ میں اوپر کی منزل میں سوسی (اپنی بلی) کے بچوں کے ساتھ کھیل رہی تھی جو ایک ٹوکری میں پڑے ادھر ادھر منہ مار رہے تھے۔ مجھے بلی کے بچوں کے پاس زیادہ نہیں رہنا چاہئے کیونکہ میری امی نے مجھے متنبہ کیا تھا کہ اگر میں نے سوسی کے بچوں کو زیادہ چھیڑا تو وہ مر جائیں گے لیکن میں ان کو دیکھے اور ہاتھ لگائے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ میں سوسی کے بچوں کو کل بھی دیکھ چکی تھی لیکن آج پھر دیکھے بغیر نہ رہ سکی۔ اچانک میں نے گھر کے سامنے ایک کار کے رکنے اور دروازہ بند کرنے کی آواز سنی۔ میں بھاگ کر نیچے گئی۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس وقت کیوں میرا دل دھڑ دھڑ کانپ رہا تھا۔

میری امی نے جھک کر مجھے اپنے ساتھ لگا لیا۔ پھر آہستہ سے کہا "بیٹی! میں تم کو ایک افسوس ناک خبر سنانا چاہتی ہوں۔ ابا آج دوپہر فوت ہو گئے۔"

وہ مجھے اپنے ساتھ ڈرائنگ روم میں لے آئی اور ہم دونوں صوفے پر بیٹھ گئے۔ پھر وہ مجھ سے آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگی۔ امی نے کہا "میں نے ابا کو سوسی کے بچوں کے بارے میں بتایا تھا اور یہ بھی بتایا تھا کہ تم ان سے کتنا پیار کرتی ہو تمہارے ابا بھی تمہارے بارے میں پوچھتے تھے۔ پھر تمہارے ابا نے سرہانے پر سر ڈال دیا اور اپنے سینے پر ہاتھ سے اس طرح اشارہ کیا گویا وہاں کوئی تتلی تھی جس کو اڑنے میں ابا مدد دے رہے ہوں۔ لیکن وہاں تتلی وتلی کچھ نہیں تھی۔

ہمارے ابّا جاچکے تھے۔"

میں اپنی امّی کی بات پوری طرح نہیں سمجھ سکی تھی۔ میں نے سمجھا شاید ابّا ابھی چند روز گھر نہیں آئیں گے لیکن بالآخر وہ آئیں گے ضرور۔ میرے ذہن میں بار بار سوسی کے بچّوں اور تتلی کا خیال آنے لگا۔ میں یہ بھول گئی کہ ابا کو موت اچک کر لے گئی ہے۔ میرا دل خوش تھا کہ امّی نے مجھے سوسی کے بچّوں سے زیادہ کھیلنے کی وجہ سے جھڑکا نہیں۔ امّی کو غمگین دیکھ کر میرا دل بُجھ گیا تھا۔ مجھے موت سے زیادہ امّی کے غمگین ہونے پر دکھ ہو رہا تھا۔ موت کہیں ہو گی لیکن امّی تو موجود تھی۔

اس کے چند دن بعد ہمارے گھر میں گھما گھمی کچھ زیادہ ہی ہو گئی۔ لوگ چلے آرہے تھے اور امّی کے پیغام لے کر مجھے بار بار اِدھر اُدھر آنا جانا پڑتا تھا۔ دروازے پر دستک ہوتی تب بھی مجھے دیکھنا پڑتا کہ کون ہے۔ لیکن مجھے کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ ہمارے گھر میں گہما گہمی اتنی کیوں ہو گئی ہے۔

پھر میرے ابّا کا جنازہ آگیا۔ میں نے اس سے قبل کبھی جنازہ نہیں دیکھا تھا۔ قرب وجوار کے تمام لوگ اور پادری جمع تھے۔ میں کھڑی یہ منظر دیکھ رہی تھی کہ میری امّی نے اپنی ایک سہیلی سے کہا کہ مجھے کہیں اوپر لے جا کر بہلاؤ۔ وہ مجھے اوپر لے گئی اور ہم دونوں کھڑکی کے شیشوں میں سے لوگوں سے بھری سڑک کو دیکھنے لگیں۔ سڑک پر ہر طرف کاریں ہی کاریں تھیں۔ جنازہ ایک بڑی سیاہ رنگ کی گاڑی پر پڑا تھا اور اسے گرجا گھر میں لے جایا جارہا تھا۔

جب جنازہ جاچکا تو ہمارے گھر کی گہما گہمی بھی ختم ہو گئی۔ گھر پھر خاموش اور تنہا رہ گیا۔

اس گھر کے بارے میں مجھے کچھ زیادہ یاد نہیں ہے لیکن اتنا یاد ہے کہ پھر امّی نے ایک اور مکان خرید لیا اور ہم اس میں منتقل ہو گئے۔ گرمیوں کے دن تھے۔ نئے گھر میں منتقل ہونے کے لئے ہم نے اپنا سامان باندھا اور پرانے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ امّی اور بہنیں کار میں سوار ہو گئیں لیکن میں پیدل چل دی کیونکہ نیا گھر کچھ زیادہ دور نہیں تھا۔

نہ معلوم مجھے کیا خیال آیا کہ میں اپنے پہلے گھر اور ابّا کے گرجا کے عقب میں واقع خوبصورت باغ کی طرف چل دی۔ میں باغ کی روشوں پر چل رہی تھی کہ مجھے اچانک ابا یاد آگئے۔ مجھے خیال آیا۔ فرض کیجئے ابا واپس آتے ہیں تو انھیں کیسے معلوم ہو گا کہ ہم کہاں چلے گئے ہیں۔ میں جانتی تھی کہ ابّا مر گئے ہیں لیکن پھر بھی ایک اندرونی احساس مجھ سے بار بار کہہ رہا تھا کہ ابّا ضرور واپس آئیں گے۔ شاید انھیں کوئی بھولی ہوئی چیز یاد آجائے اور وہ اسے لینے کے لئے واپس آجائیں یا سوسی کے بچّوں کو

دیکھنے کے لئے آجائیں یا شاید پیانو پر گیت گانے کو ان کا جی پھر چاہنے لگے۔ اس لئے کم از کم مجھے پلنے گھر سے فی الحال نہیں جانا چاہیے۔

میرا جی بے اختیار ابا کو دیکھنے کو چاہ رہا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں دعا کی "یا اللہ میرے ابا کو واپس بھیج دے۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ آئندہ کبھی کوئی شرارت نہیں کروں گی۔"

میں باغ میں ادھر اُدھر گھومتی اور پرانی جھاڑیوں اور کیاریوں کو دیکھتی رہی۔ گھومتے گھومتے گرجے کے ایک کونے پر پہنچ کر مجھے ایسا محسوس ہوا گویا میرے اندر کوئی سسکیاں بھر رہا تھا۔ میں دیوار کے سہارے کھڑی ہو کر بے اختیار رونے لگی۔ میں زور زور سے ہچکیاں لے رہی تھی اور میرے آنسو تھمنے میں نہیں آتے تھے۔ میں اس سے پہلے کبھی اتنا نہیں روئی تھی۔

اچانک میں نے محسوس کیا کہ ایک ہاتھ میرے شانے کو تھپک رہا ہے۔ یہ بوڑھے حِم کا ہاتھ تھا جو اتوار کو ابا کے گرجا کا گھنٹا بجایا کرتا تھا۔ اس کی آنکھیں بھی آنسوؤں سے تر تھیں۔ اس نے مجھے اپنے سینے سے لگالیا۔ اس کو بھی میرے ابا سے بڑی محبت تھی۔ وہ مجھے دیر تک اپنے گلے سے لگائے رہا۔ پھر اس نے پوچھا "تم امی کے ساتھ کیوں نہیں گئیں؟" میں نے کہا "میرا خیال ہے کہ ابا ضرور واپس آئیں گے اور ہمیں نہ پا کر وہ پریشان ہوں گے۔"

بوڑھے حِم نے کہا "لیکن تم فکر کیوں کرتی ہو۔ میرا گھر گرجا کے قریب ہے۔ اگر ابا آئے تو مجھے فوراً معلوم ہو جائے گا اور میں انھیں بتا دوں گا کہ آپ لوگ کہاں ہیں۔"

پھر اس نے رک کر کہا "لیکن ابا اب واپس نہیں آئیں گے۔"

میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "یہ ٹھیک ہے۔ لیکن اگر وہ آگئے ...."

اس کے بعد بس مجھے متعدد مرتبہ ابا کی یاد نے سخت ستایا۔ لیکن جب بھی وہ مجھے یاد آئے اس کے معاً ساتھ مجھے سوسی کے بچوں اور تتلی کا خیال آگیا۔ اس سے میری ڈھارس سی بندھ جاتی۔ میری امی کی بڑی دانشمندی تھی کہ اس نے ابا کی موت کی خبر کے ساتھ سوسی کے بچوں اور تتلی کی بات شروع کردی۔ موت کے بیان کا یہ بھی ایک طریقہ ہے، محبت بھرا اور دانشمندانہ۔ ——— (ماخوذ)

غم کرنے سے غم والو، غم کم نہیں ہو سکتے ؛ غم کھا کے ذرا دیکھو، پھر غم نہیں ہو سکتے

سیّد اظہر حسین ہاشمی

(انشائیہ)

بہروپیا کون : کوّا ... یا ... انسان؟

پرندوں میں کوّے کو جو شہرت حاصل ہے وہ کسی کو نصیب نہیں۔ کوّا چالاک ہے، چور نہیں۔ دوسروں کی چیز نظر کے سامنے اٹھا لے جاتا ہے۔ غیرت مند ہے، دھمکائیے تو اڑ جاتا ہے۔ پھر مڑ کر نہیں دیکھتا۔ کوّے اپنے اور انسان کے بچوں میں امتیاز نہیں رکھتے۔ انسان کے بچے کے ہاتھ میں کھانے کی چیز دیکھ پائیں تو لے اڑتے ہیں اور لے جا کر اپنے بچوں کو پہنچا دیتے ہیں۔ بچے بچے سب کے برابر۔ انسان کے ہوں یا کوّے کے!

کوّے شر اور کینے سے پاک ہیں۔ انسان سے خواہ کتنا ہی دکھ پہنچے حرفِ شکایت زبان پر نہیں لاتے۔ ان کا اتحاد قابلِ رشک ہے، ان کی باہمی ہمدردی بے مثل۔ کھانے کا سامان کہیں دیکھ پائیں تو آواز دے دے کر بلا لیتے ہیں۔

ایک کوّے کو ہنس بننے کا شوق پیدا ہوا۔ اس نے اپنے پر میں ہنس کے پر پیوست کر لئے اور بہت خوش ہوا۔ لو! میں ہنس بن گیا۔ خوش خوش تالاب پر گیا۔ پانی میں عکس دیکھا۔ ہو بہو ہنس نظر آیا۔ خوشی سے اچھلا کودا۔ کچھ دیر کائیں کائیں کا نغمہ الاپا۔ مزید اطمینان کے لئے چیل کے پاس گیا۔ چیل کا گھونسلا قریب تھا۔

کوّے نے چیل کو سلام کیا۔ پوچھا "خالہ امّاں! کیا کر رہی ہو؟"

"جیتے رہو" چیل نے جواب دیا "بوٹی لائی ہوں۔ بچوں کا پیٹ بھر رہی ہوں۔ بیٹے! تم نے آنا ہی چھوڑ دیا۔ پڑوسی کا بھی حق ہوتا ہے۔ کبھی کبھی آ جایا کرو۔ مجھے فرصت کہاں۔ کھانے کی جستجو میں بہت دور آسمان پر اڑتی ہوں تب غذا پاتی ہوں۔ تم خوش قسمت ہو کہ تم کو غذا گھروں ہی سے حاصل ہو جاتی ہے۔"

کوّے نے جواب دیا "واقعی پڑوسی کا حق ہوتا ہے۔ یہی سوچ کر آپ کے پاس خوشخبری سنانے آیا ہوں۔"

"کیسی خوشخبری؟" چیل نے پوچھا۔

"خالہ ماں! میں کل رات سویا۔ صبح آنکھ کھلی تو دیکھا کہ میں ہنس بن گیا۔ ہنس کے خوبصورت پر نکل آئے۔" کوّے نے چیل کو ہنس کے پر دکھائے۔ پوچھا "کیا میں آپ کو ہنس دکھائی دے رہا ہوں؟"

چیل ہنسی ضبط نہ کر سکی۔ کوّا پاگل ہے۔ ہنس کے پر لگا لینے سے ہنس نہیں بن جاتا۔ گدھا شیر کی کھال اوڑھ لے تو گدھا ہی رہتا ہے۔ "میاں کوّے! احمقوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔ تمہاری شکل کالی، پر کالے، چونچ اور پنجے کالے، جو آواز سُنے تو کانوں پر ہاتھ دھرے۔ تم کو ہنس کون کہے۔ میری نصیحت مانو۔ ہنس بنو گے تو کوّے برادری سے نکال دیں گے اور ہنس بھی منھ نہ لگائیں گے۔"

کوّا چیل کی نصیحت سننے نہیں گیا تھا ہنس بننے کی خوشخبری سننے گیا تھا چیل ہنس مان لیتی تو اس کا کیا بگڑ جاتا۔

آسمان سے بوٹی نظر آجاتی ہے۔ میں اتنا قریب، پھر بھی ہنس نظر نہ آیا۔ میرے لئے آنکھوں کی روشنی جاتی رہی۔

کوّے کو چیل کا فیصلہ پسند نہ آیا۔ اس کی عقل پر فاتحہ پڑھتا ہوا اڑ گیا۔

چیل کی بہ نسبت گدھ سمجھدار ہے، عبادت گزار ہے۔ عبادت کی مشقت سے سر کے پر گر گئے۔ چونچ اور پنجے پیلے پڑ گئے۔ ایسے خدا پرست کو ہنس مان لینے میں کوئی تامل نہ ہوگا۔ کوّا گدھ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ گدھ آنکھیں بند کئے ہوئے دھیان گیان میں بیٹھا تھا۔ آہٹ پائی تو آنکھیں کھول دیں۔ کوّے نے ادب سے سلام کیا۔ گدھ نے مڑ کر اشارے سے دعا دی۔ آنے کا سبب پوچھا۔

کوّے نے کہا "دادا جان! اللہ تعالیٰ آپ کو عمر نوح عطا فرمائے۔ میں ایک غرض لے کر حاضر ہوا ہوں۔"

گدھ منھ سے پھر بھی کچھ نہ بولا۔ اشارے ہی سے پوچھا کہو کیا کام ہے؟

کوّے نے عرض کیا "دادا جان! میں کل رات سویا۔ صبح آنکھ کھلی۔ دیکھا میں سچ مچ ہنس بن گیا۔ ہنس کے پر نکل آئے ہیں۔" اس نے گدھ کو بھی ہنس کے پر دکھائے۔ "محترم بزرگ! آپ کو میرے ہنس بننے میں کوئی شُبہ تو نہیں؟"

گدھ کے پاس فضول باتوں کے لئے وقت کہاں؟ اس کی عبادت میں خلل پڑا۔ بولا "یہ خدا کی مصلحت ہے کسی کو کوّا پیدا کیا کسی کو ہنس۔ جو جیسا ہے وہی اس کے لئے بہتر ہے۔ دوسرے کا روپ بھرنے سے اصلیت نہیں بدل جاتی۔ پیتل پر ملمع کرنے سے سونا نہیں بن جاتا۔ کون ہے جو تم کو ہنس کہے۔ میری نظر سے ہٹ جاؤ ورنہ ایسی بد دعا دوں گا کہ زندگی

اجیرن ہو جائے گی۔"

کوّا گدھ کو برا بھلا کہنے لگا۔ "گدھ عبادت تو کیا کرتا ریاکاری کرتا ہے۔ چوپایوں میں گدھا اور پرندوں میں گدھ ایک جیسے ہیں۔ دونوں عقل سے کورے۔ دونوں منحوس مانے گئے۔ کوئی جانور مرتا ہے تو گدھ نظر آتے ہیں۔ گدھ جہاں رہے وہ آباد جگہ ویران ہو جائے۔"

کوّا گدھ پر لعن طعن کر کے اڑ گیا۔ چیل اور گدھ کی بہ نسبت فاختہ بہتر ہے۔ نورانی شکل ہے، پاکیزہ طینت ہے۔ دانہ کھاتی ہے، ٹھنڈا پانی پیتی ہے۔ نہ بوٹی سونگھے نہ مردار کے پاس جائے۔ خدا کی حمد و ثنا کرتی ہے اور مگن رہتی ہے۔ ایسے پرند کا فیصلہ میرے ہی حق میں ہوگا۔

کوّا فاختہ کے پاس گیا اور سلام پیش کیا۔ فاختہ نے پوچھا "آج اِدھر کیونکر آنا ہوا؟"

کوّے نے کہا "ممانی جان! میں کل رات سویا۔ صبح آنکھ کھلی تو دیکھا ہنس کے خوبصورت پر نکل آئے ہیں۔" اس نے فاختہ کو بھی پر دکھائے۔ پوچھا "کیا میں آپ کو ہنس نظر آرہا ہوں؟"

فاختہ کوّے کی فریبی باتیں سن کر برہم ہو گئی۔ "یہ فریب کسی اور کو دینا۔ میں تمہاری باتوں میں آنے والی نہیں۔ ہنس کا روپ بھرنے سے کوّا ہنس نہیں بن جاتا۔"

کوّا بھی فاختہ کی باتیں کیوں برداشت کرے۔ وہ بھی برہم ہو گیا۔ "تم کو بھی دن لگے ہیں۔ مجھے تم ہنس مان لیتیں تو کیا نقصان تھا؟ وہ دن بھول گئیں جب خلیل خاں فاختہ اڑاتے تھے اور فاختہ کے انڈے کوّے کھاتے تھے۔"

کوّا فاختہ کو کھری کھری سنا کر اڑ گیا۔ پرندوں میں حسد بہت ہے۔ کسی کی خوبی ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ البتہ سائیں اگر سمجھدار ہے تو چمگادڑ ہے۔ یہ پرند بھی ہے اور چوپایہ بھی۔ اڑتا ہے لیکن انڈے نہیں دیتا۔ بچے دودھ سے پرورش پاتے ہیں۔ خدا پرست بھی ہے۔ دن کی گھا گھمی میں مصروفِ عبادت رہتا ہے۔ بلاشبہ اس کا فیصلہ میرے ہی حق میں ہوگا۔

کوّا چمگادڑ کے پاس گیا۔ چمگادڑ درخت پر الٹا لٹکا آسن کی مشق کر رہا تھا۔ کوّے کو دیکھا ہنس کے پر لگائے ہے۔ اس کا بے ساختہ قہقہہ چھوٹ گیا۔ "کوے میاں! ہنس کے پر لگا کر ہنس بننا چاہتے ہو۔ مجھ سے عبرت حاصل کرو۔

میرا شمار نہ چوپایوں میں ہے نہ پرندوں میں۔ دونوں کی آنکھ کا خار ہوں۔ دن بھر ڈر کے مارے منہ چھپائے رہتا ہوں رات میں پیٹ بھرنے کی خاطر نکلتا ہوں۔ تمہارا بھی میرا جیسا حشر ہوگا۔ اگر ہنس بنو گے تو زندگی ضیق میں پڑ جائیگی"

کوا چمگادڑ کو الٹی سیدھی سُنا کر درخت پر جا بیٹھا۔ کوئی ہنس ماننے پر تیار نہ تھا۔ پرندوں سے فیصلہ ممکن نہیں ب انسان ہی سے توقع ہے۔ وہ حق بات کہنے میں نڈر ہے۔ اشرف المخلوقات ہے۔ اللہ کا بندہ ہونے کا فخر بھی حاصل ہے اللہ کے بندوں کو آتی نہیں روباہی۔

غرض کوا آخری امید لے کر انسان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلام عرض کیا۔ انسان کو حیرت کہ کوّے کو میرے پاس آنے کی کیونکر ضرورت پیش آئی۔ "کوّے میاں! وہ کون سی ضرورت ہے جس کی وجہ سے تم میرے پاس آئے ہو؟"

کوّے نے عرض کیا "میں کل شب میں سویا۔ صبح بیدار ہوا تو دیکھا ہنس کے پر نکل آئے۔" انسان کو بھی اس نے ہنس کے خوشنما پر دکھائے۔ پھر پوچھا "آپ کو میرے ہنس بن جانے میں شبہ تو نہیں ہے؟"

کوّے کی باتیں سُن کر انسان چیں بہ جبیں ہوگیا۔ "کسی کا روپ بھرنے سے اصلیت نہیں بدل جاتی۔ ہنس کے پر لگا لینے سے ہنس نہیں بن گئے۔ بہروپیا بننا اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ یہ تماشے کسی اور کو دکھاؤ۔ میری نظر کے سامنے سے ہٹ جاؤ ورنہ وہ ماردوں گا کہ عمر بھر یاد رہے گی۔"

کوا انسان کے حقارت آمیز جواب سے طیش میں آگیا۔ انسان نا منصف نہ ہوتا تو جنت سے نکالا کیوں جاتا، شیطان کا بہکایا ہوا انسان دردر ٹھوکریں کیوں کھاتا؟ اس کو دوسروں کی آنکھ کا تنکا تو نظر آجاتا ہے، اپنی آنکھ کا شہتیر کیوں نظر نہیں آتا؟ انسان سے بڑھ کر بہروپیا کون ہے؟ تھیٹر اور سینما میں آکر جہانگیر اور شاہجہاں کا روپ کون بھرتا ہے؟ کس کی عورتیں شاہی لباس پہن کر ملکہ اور شہزادی بنتی ہیں؟ انسان بہروپیا بنے تو واہ واہ۔ عورتیں ملکہ بنیں تو سبحان اللہ۔ کوا ہنس بنے تو لعنت اللہ!!

کوّے نے ہنس کے پر نوچ کر پھینک دئے۔ "بہروپیا بننا انسان ہی کو مبارک!" (نیا دور)



ساس بہو کے جھگڑے

(جب میں بہو تھی تو ساس اچھی نہ ملی، اور جب میں ساس بنی تو بہو اچھی نہ ملی) (ایک روسی ضرب المثل)

خانہ داری کی پیچیدگیوں میں سب سے بڑی پیچیدگی وہ نفرت اور کدورت ہے، جو ساس بہو کے درمیان ایک مرتبہ شروع ہو جائے تو ختم ہونے کا نام نہیں لیتی۔ شادی سے پہلے خود بیٹے کو اپنے بیاہ کا نا اشتیاق نہیں ہوتا، جتنا اس کی ماں کو۔ لیکن جوں ہی یہ مرحلہ طے ہوتا ہے ماں کے سارے دلولوں پر اوس پڑ جاتی ہے۔ عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ شادی کے بعد چند ہی روز کے اندر اندر گھر والوں کی ساری مسرت مٹی میں مل جاتی ہے۔ ماں چاہتی ہے کہ بیٹا اس کا طرف دار رہے۔ بہو کی خواہش ہوتی ہے کہ خاوند اس کا مطیع ہو جائے۔ اس کشمکش میں اکثر ایسی گتھیاں پیدا ہو جاتی ہیں کہ ناخن تدبیر بھی نہیں سلجھانے سے عاجز رہ جاتا ہے۔ پچھلے چند برس کے اندر اندر میرے کئی دوستوں کی شادی ہوئی ہے۔ میں نے جس کی بھی خانگی زندگی پر نگاہ ڈالی، سب سے نمایاں جو چیز نظر آئی وہ ساس بہو کی باہمی نفرت بیزاری، نکتہ چینی اور عیب جوئی ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس سوال پر ہمیں غور کرنا چاہیئے۔

انسان کی بے شمار مصیبتوں اور ناخوشیوں کا سب سے بڑا سبب اقتدار کی ہوس ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جوں ہی کسی گھر میں دلہن داخل ہوتی ہے، ساس کو اپنے اثر و اقتدار کی فکر پڑ جاتی ہے۔ اس سے پہلے وہ خانہ داری کے تمام معاملات پر تنہا حکومت کرتی تھی۔ لیکن بہو کے آجانے کے بعد اسے یوں محسوس ہونے لگتا ہے جیسے اس کی زندگی کے دائرے میں ایک حریف، ایک مدمقابل پہنچ گیا ہو۔ وہ چاہتی ہے کہ جس طرح سالہا سال اس کا خاوند اس سے مشورے لیتا چلا آیا ہے اس کی اولاد اس کا حکم مانتی چلی آئی ہے، اسی طرح

بہو بھی اس کی تابع فرمان ہو۔ یہ جذبہ کسی حد تک غلط ہی سہی لیکن اس کے فطری ہونے میں کوئی شک نہیں۔ ا طرف بہو یہ سمجھتی ہے کہ میں اس گھر میں لونڈی بن کے نہیں آئی۔ اسے اپنی نئی شادی کا، خاوند کی محبت کا بعض حالتوں میں اپنے گھرانے کا مان ہوتا ہے جسے وہ حتی الامکان صدمہ پہنچتے نہیں دیکھ سکتی۔ جب یہ جذبے آپس میں ٹکراتے ہیں تو اس سے وہ صورت حال پیدا ہوتی ہے جسے ہم "اقتدار کی کش مکش" کا دے سکتے ہیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ گھر کے اختیارات ساس اور بہو میں تقسیم کر کے یہ مشکل حل کی جا سکتی لیکن اس طرح پیچیدگی بڑھتی ہے، گھٹتی نہیں۔ نفسیاتی طور پر اس کا صحیح حل یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک فریق ایسا رویہ اختیار کرے جس سے دوسرے فریق پر یہ ظاہر ہو کہ اسے اقتدار کی مطلقاً کوئی خوا نہیں۔ اگر ساس اس رویے کو اختیار کر سکے (اگرچہ اس سے بہت کم توقع رکھنی چاہیے) تو بہتر، ورنہ بہو کو حال میں اس پر عمل کرنا چاہیے۔ دنیا کے مزاج میں یہ حیرت انگیز جذبہ دیکھنے میں آیا ہے کہ اگر اس سے کچھ طلب کیا جائے، تو دینے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔ لیکن اگر نہ طلب کیا جائے تو وہ خود بخود دیتی ہے اگر بہو اپنے رویے وتیرے سے یہ ثابت کر دے کہ اسے اقتدار کی ہوس نہیں، وہ گھر کے معاملات پر حکومت کرنے کی خوا نہیں رکھتی، تو ساس کے دل سے خانگی اقتدار کی قیمت آپ سے آپ گر جائے گی۔ وہ محسوس کرے گی کہ چیز کو بہو اتنا معمولی خیال کرتی ہے۔ اسے میں کیوں سنبھالتی پھروں؟ نتیجہ یہ ہوگا کہ جو چیز مانگنے اور جھگڑا کر سے کبھی بہو کے حوالے نہ کرتی، اب خود ہی اس سے دست بردار ہونے کو ترجیح دے گی۔

اس ضمن میں اخلاقی اور روحانی قدروں کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ پرانی قدریں ہر زمانے میں ٹوٹتی رہی ہیں۔ لیکن انھیں بے رحمی کے ساتھ توڑنا اچھا نہیں۔ ہماری معاشرتی زندگی کے کئی رسم و صدیوں سے چلے آ رہے ہیں۔ نئی پود ان کے خلاف بغاوت کرتی ہے تو اس کی راہ میں سب سے بڑا مشکل یہی "اقتدار" کا پتھر ہوتا ہے۔ اس پتھر کو حقارت کے ساتھ ٹھکرانے کی بجائے دانش مندی کے ذریعے راہ سے ہٹانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ہر پرانی رسم کو دلیل، معقولیت، احترام اور لچک کے

ساتھ ہی زندگی کے دائرے سے باہر نکالنا مفید ثابت ہوگا۔ فوری تبدیلی پر اصرار کرنے کی غلطی کبھی نہ کرنی چاہیے۔ ذہنی اور معاشرتی صلاحیتوں کا اختلاف بھی ساس اور بہو میں کش مکش کا باعث ہو سکتا ہے۔ مثلاً بہو پڑھی لکھی ہو اور ساس ان پڑھ، تو بہو کا یہ امتیاز بھی ساس کے دل میں حسد پیدا کرے گا یا مثلاً بہو کھانے پکانے میں، گھر کی دیکھ بھال، صفائی اور سلیقہ شعاری میں ساس سے بڑھ جائے اور سسرال کے لوگ یا ہمسائے اس کی تعریف کرنے لگیں۔ یہ احساس کمتری بسا اوقات نہایت اوچھی مخالفت کا باعث ہوتا ہے۔

میں نے ایک ساس کے متعلق سنا تھا کہ وہ محض اس بات پر برافروختہ رہتی تھی کہ اس کی بہو اپنے خاوند سے اور خاوند اپنی بیوی سے "تم" کی بجائے "آپ" کہہ کر کیوں مخاطب ہوتا ہے۔ اس نکتہ چینی کی وجہ بھی بڑی آسانی سے معلوم ہو گئی۔ وہ یہ کہ ساس نے عمر بھر اپنے خاوند کو کبھی "آپ" کہہ کر مخاطب نہ کیا تھا اور نہ خاوند ہی نے اسے کبھی "آپ" کا مستحق سمجھا تھا۔ اسے یہ تکلیف تھی کہ جو عزت مجھے کبھی حاصل نہیں ہوئی میری بہو کو کیوں حاصل ہو؟

اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ خانگی حالات کا توازن قائم رکھنے میں بہو کے مقابلے میں ساس کی ذمہ داری کہیں زیادہ ہے کیونکہ وہ خود بہو کی حیثیت سے زندگی کا ایک مرحلہ طے کر چکی ہے۔ وہ اپنے تجربے کی بنا پر خوب سمجھتی ہے کہ ساس کو بہو کے کن کن احساسات کا خیال رکھنا چاہیے۔ اس کا فرض ہے کہ وہ اپنی ساس کے جس سلوک کو، جس وتیرے کو اپنے حق میں ناانصافی خیال کرتی ہے۔ اس سلوک اور وتیرے کو اپنی بہو کے ساتھ مطلق روا نہ رکھے۔ جس طنز وطعن سے خود اس کا دل مجروح ہوتا تھا، اس کا اب دوبارہ تجربہ نہ کرے۔ وہ جس قسم کی عزت آرام، خوشی اور شوق کو اپنا حق سمجھتی تھی، اسی عزت، آرام اور خوشی کا حق اپنی بہو کے حوالے کر دے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گی تو اس کی پہلی عمر تو بدمزگی میں گزر چکی، اب آخری عمر میں بھی اسے تلخی اور مایوسی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

پوری کوشش کی جائے کہ بہو کے پندار کو کبھی صدمہ نہ پہنچے۔ اس سے کوئی غلطی ہو جائے تو اس پر

[redacted]

خفا ہونے کی بجائے ہمدردانہ رویہ اختیار کیا جائے۔ بعض گھروں میں بہو کی چھوٹی سے چھوٹی غلطی پر بھی طوفان کھڑا کردیا جاتا ہے۔ کبھی سالن میں نمک کم و بیش پڑ جائے یا کوئی چیز ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر جائے یا بھول سے کوئی کام وقت پر نہ ہوسکے تو بہو بے چاری کی شامت آجاتی ہے اور اس سے زیادہ ناانصافی قیاس میں بھی نہیں آسکتی۔

اگر ساس یہ سمجھتی ہے کہ اس کی بہو میں بعض ناپسندیدہ خامیاں ہیں، وہ سگھڑ نہیں، کفایت شعار نہیں، بڑی بوڑھیوں کا مناسب احترام نہیں کرتی، خانہ داری میں پوری دلچسپی نہیں لیتی، تو اس سے یہ لازم نہیں کہ اسے ہر کس و ناکس کے سامنے شرمندہ کرنے کی کوشش کی جائے۔ بلکہ اس کی اس انداز سے تربیت کرنی چاہیے کہ وہ گھر کے دوسرے افراد کے سامنے اپنی ہتک محسوس نہ کرے۔ غلطیوں کی اصلاح کا طریقہ یہ نہیں کہ انھیں اچھالا جائے بلکہ اصلاح کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ حتی الوسع ان سے چشم پوشی کی جائے۔

یہ نکتہ چینی نہیں بلکہ ہمدردی ہے جس سے بہو کو زیادہ سے زیادہ سلیقہ مند اور کارگزار بنایا جاسکتا ہے۔ یہ غیبت اور بدگوئی نہیں بلکہ پردہ پوشی ہے جس سے اس کی خیر خواہی اور اطاعت حاصل کی جاسکتی ہے۔ یہ نفرت اور کدورت نہیں بلکہ محبت اور پیار ہے جس سے اس کی وفاداری اور خیر سگالی جیتی جاسکتی ہے۔ یہ طنز و طعن نہیں بلکہ رواداری اور تعریف ہے جس سے وہ مخلصانہ خدمت پر آمادہ ہوسکتی ہے۔

نوٹ:۔ یہ واقعہ ہے کہ حجاب میں چھپنے کے لیے جس قدر مضامین آتے ہیں ان میں نوّے فیصد ایسے ہوتے ہیں جن میں ساس بہو کے تعلقات پر بحث ہوتی ہے۔ ان بحثوں میں زیادہ تر ان کے جھگڑے ہی ہوتے ہیں افسانوں میں بھی یہی جھگڑا چلتا ہے۔ افسانوں کا پلاٹ عام طور پر اس طرح ہوتا ہے کہ بہو کو عام طور سے لونڈی سمجھا جاتا ہے۔ اُسے وہ مقام نہیں ملتا۔ جو واقعی اسے ملنا چاہیے۔ بہو، ساس، نندوں کی تنقیدوں کا نشانہ بنتی ہے۔ حجاب چاہتا ہے کہ ایسے افسانے لکھے جائیں جن میں ساس یا بہو نے اپنی حکمتوں سے پرسکون فضا پیدا کی ہو۔ پرانے ہی طرز کے جھگڑے سننے کو اب جی نہیں چاہتا۔ (م)

(تمکین آفاقی)



مائل صاحب!

اس وقت کی بات ہے جب آپ الحسنات میں تھے۔ ہماری آبائی وراثت کی تقسیم میں میرے حصے میں ایک چھوٹی سی رقم غالباً سات سو روپیہ آئی تھی۔ میری والدہ محترمہ (جو رکن جماعت ہیں) نے مجھ سے کہا کہ کریم نگر میں ایک مکان کے لائق زمین ایک ہزار روپیہ میں فروخت ہو رہی ہے۔ میں وہاں لے لوں۔ میں نے دبی زبان میں کہا۔ کہ چونکہ میں پداپلی میں سیٹل ہو چکا ہوں اس لیے کریم نگر مستقر پر (جو میرا آبائی وطن ہے) زمین میرے لیے بے فائدہ رہے گی۔ مزید برآں مجھے ایک نیا ٹائپ رائٹر خریدنے کے لیے پیسوں کی ضرورت بھی ہے اس لیے ـــــ مگر والدہ محترمہ نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ کہ ان تمام باتوں کے باوجود میری خواہش ہے کہ تم یہ زمین خرید لو۔ اور میں نے خاموشی سے وہ پیسے اور مزید تین سو روپیہ اُن کے ہاتھ پر رکھ دیے۔ اور پداپلی لوٹ آیا۔ والدہ صاحبہ نے میرے نام پر زمین خرید لی اور پھر میں اُسے بھول گیا۔ اس دوران میں کریم نگر کی زمینات کی قیمتیں اچانک بڑھنا شروع ہوئیں اور پھر بڑھتی ہی چلی گئیں۔ چنانچہ آج میری اس مختصر زمین کی قیمت بیس ہزار ہو چکی ہے۔ اور مجھے اس کا یقین کامل ہے کہ یہ انعام محض اپنی والدہ محترمہ کی اطاعت کی وجہ سے مجھے ملا ہے۔

والدہ محترمہ سے متعلق ایک اور دلچسپ واقعہ سنئے۔

یہ آج سے تقریباً ۴ سال پہلے کا واقعہ ہے۔ میں نے ابھی یہاں مکان نہیں خریدا تھا۔

[redacted]

والدہ محترمہ کریم نگر سے یہاں آئی ہوئی تھیں ۔ میری اہلیہ نے تنہائی میں والدہ محترمہ کو خوب بھڑکایا کہ : اپنی لاپرواہی کی وجہ سے مسلسل توجہ دہانی کے باوجود مکان نہیں خرید رہا ہوں جس کی وجہ سے گزشتہ چودہ سال سے ہم کرایہ ادا کرتے کرتے تنگ آچکے ہیں۔ میں کہتی ہوں وہ ہنس کر ٹال دیتے ہیں۔ آ کہئے تو شاید خرید لیں۔ آپ کی بات نہیں ٹالتے۔ والدہ صاحبہ نے مجھ سے کہا میں فوراً سمجھ گیا کہ آگ کس کی لگائی ہوئی ہے۔ غصہ تو آیا لیکن اماں کے سامنے کیا کہہ سکتا تھا۔ اہلیہ اماں کے پیچھے چھپ کر مسکرا مسکرا کر میری بے کا تماشہ دیکھ رہی تھیں۔ میں نے حسب عادت ہنس کر ٹالنے کی کوشش کی۔ مگر اماں کہاں ماننے وا تھیں۔ انھوں نے سختی سے پوچھا کہ میں اس کی وجہ بتاؤں۔ اب مجبوراً بتانا پڑا کہ میں کثیرالعیال ہو ہاتھ کھلا ہے۔ اس لیے پیسے جمع نہیں ہوتے۔ پھر کاروبار ایسا ہے کہ اسے مسلسل بڑھانا ضروری۔ ایک ایک ٹائپ رائٹر کی قیمت تین تین ہزار ہے۔ آخر میں گھر کیسے خریدوں۔ کاروبار کے پیسے گ خریدنے میں لگا دوں تو کاروبار ٹھپ ہو جائے گا۔ کاروبار میں مقابلہ رہتا ہے۔ میری بات سنکر والدہ محترمہ بھی کسی قدر فکرمند ہوگئیں۔ پھر انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ میرے پاس کتنے پیسے ہیں۔ میں بتایا کہ تین ہزار روپیہ ہیں۔ انھوں نے ہاتھ آگے بڑھایا۔ لاؤ اپنا ہاتھ مجھ سے وعدہ کرو۔ کہ ایک مہینے کے اندر تم مکان خرید لوگے۔ تین ہزار روپیہ میں مکان ؟ میں حیران رہ گیا۔

ہاں ! تم وعدہ تو کرو اللہ تعالیٰ ضرور کوئی سبیل نکال دے گا۔ اماں نے عجیب یقین کی کیفیت سے کہا اور میں نے وعدہ کر لیا۔

دوسرے دن والدہ محترمہ کریم نگر لوٹ گئیں۔ اس کے چوتھے یا پانچویں دن اتوار تھا۔ میں ناشتہ کر رہا تھا کہ اہلیہ نے کہا آبادی میں فلاں مکان فروخت ہو رہا ہے ایک نظر آپ دیکھ لیں تو بہتر رہے گا۔ میں کسی قدر جھنجھلا گیا۔ دیکھ تو لیں گے لیکن خریدیں گے کیسے ؟ کیا تین ہزار میں مکان مل جائے گا؟ مزید تین چار ہزار میں شاید یہ زیور فروخت ہو جائے۔ اس نے اپنے گلے کے زیور کی طرف اشارہ کیا اور میں نے بے بسی پر دل مسوس کر رہ گیا۔ عورتیں اپنا زیور یونہی فروخت کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتیں۔

یور میری بیوی میکے سے لائی ہے جس میں میں خود تو کوئی اضافہ نہ کر سکا۔ اب اسے بیچنے کے خیال سے
ہے شرمندگی اور ندامت سے پسینہ آگیا۔ میں نے کسی قدر سختی سے ٹوک دیا کہ زیور کو تو میں ہاتھ تک
انا پسند نہیں کرتا۔ چاہے مکان خریدیں یا نہ خریدیں۔ اہلیہ نے خاموشی اختیار کرلی۔ البتہ برتن اٹھاتے
ئے اس نے آہستہ سے یاد دلایا کہ کیا اماں سے کیا ہوا وعدہ آپ کو یاد ہے؟ میرے ذہن کو جھٹکا
لگا۔ وعدہ تو مجھے یاد تھا مگر تین ہزار میں مکان؟ تعطیل کا دن تھا اسی لیے میں اطمینان کے ساتھ
ہر آگیا۔ اور ایک رفیق کے ہاں دوکان پر بیٹھ گیا۔ البتہ ذہن مسلسل والدہ صاحبہ سے کیے ہوئے
مدے کے خیال میں اُلجھا ہوا تھا۔ مولوی صاحب میں نے سنا ہے کہ آپ مکان خریدنا چاہتے ہیں؟
ب آواز نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے نگاہیں اٹھائیں۔ سامنے ایک غریب نوجوان کھڑا تھا۔ آپ سے
ں نے کہا؟ میں حیران رہ گیا۔ کس نے بتایا تھا۔ اس نے مختصر سا جواب دیا۔ آیئے مکان دیکھ لیجیے
ہ میرے جواب کا انتظار کیے بغیر چل پڑا۔ میں کچھ دیر تک گو مگو کے عالم میں کھڑا رہا اور پھر اچانک
مجھے والدہ محترمہ کی بات یاد آگئی کہ اللہ تعالیٰ کوئی سبیل کردے گا۔ چنانچہ میں خاموشی سے اس کے ساتھ
ل پڑا۔ ایک دو احباب بھی ساتھ ہو گئے۔ راستے میں معلوم ہوا کہ مکان آسیب زدہ ہے۔ اس میں کئی
موات ہو چکی ہیں۔ اسی لیے برسوں سے خالی پڑا ہے اور نہ کوئی کرایہ دار رہتا ہے۔ نہ کوئی خریدتا ہے
ور مالک مکان بھی ذاتی مکان چھوڑ کر کرایہ کے مکان میں رہتا ہے۔ بے چارہ مقروض ہے اس
لیے مکان ہر قیمت پر فروخت کرنا چاہتا ہے۔ ہم لوگ مکان میں داخل ہوئے تو میرا دل دھک سے رہ
یا۔ پورے مکان میں قد آدم جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں اور پہلی نظر میں ہی یقین سا ہوا کہ ضرور اس میں بلیات
ہوں گی۔ میرے ساتھ کے لوگ تو اندر داخل ہونے کی ہمت نہ کر سکے البتہ میں خود اندر تک چلا گیا دیکھا
کہ کافی مضبوط مکان ہے۔ بڑی قیمتی ساگوان کی لکڑی استعمال کی گئی ہے۔ رقبہ بھی اچھا خاصا ہے
جملہ مکان ۲۸۰ گز مربع پر ہے۔ یہ سب کچھ ہے مگر مکان کی حالت سے طبیعت ہول کھا رہی تھی۔ اپنے
چھوٹے چھوٹے بچوں کا بھی خیال آنے لگا۔ مگر اندر سے کوئی آواز سی آئی "مولوی محسوس ہوا کہ

خاموشی سے مکان لے لو اور اللہ پر بھروسہ کرو۔ یہ انتظامات سب وہیں سے ہو رہے ہیں۔ میرے احباب نے کھڑے کھڑے بھاؤ تاؤ شروع کر دیا۔ مالک مکان نے دس ہزار کہا اور میرے احباب نے سوا سات ہزار پر اُسے راضی کر لیا۔ اور مجھے مشورہ دیا کہ بلا تاخیر بیعانہ دے دوں۔ مگر ظاہر ہے کہ میں مکان خریدنے کے خیال سے تو گھر سے نہ نکلا تھا۔ مالک مکان نے کہا کہ بیعانہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بات طے ہو چکی ہے اب میں سوائے مولوی صاحب کے کسی کو نہ دوں گا۔ مگر میرے دور اندیش احباب نے اسے مناسب نہ سمجھا۔ جھٹ ایک صاحب نے دو سو روپیہ نکال کر مالک مکان کے ہاتھ پر رکھ دیے کہ بیعانہ ہو گیا پھر ہم دروازے سے باہر نکلے تو ایک پڑوسن نے بڑھ کر مالک مکان کو سمجھانے کی کوشش کی کہ میں دس ہزار میں مکان خریدتی ہوں اور بیعانہ رکھو مگر اس شریف آدمی نے نگاہ اُٹھا کر بھی اس رقم کو نہ دیکھا اور صاف کہہ دیا کہ بس مکان فروخت ہو چکا۔ اب ایک لاکھ دو تو بھی منظور نہیں۔ (اُس بے چارے کا انتقال ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے۔) وہاں سے نکلے تو ایک دوست کے مکان پر بیٹھے اور احباب نے جو میرے حالات سے واقف تھے پوچھا کہ رقم کا کیا بند و بست ہے؟ میں نے بتا دیا کہ فی الوقت صرف تین ہزار موجود ہیں۔ اللہ نے چاہا تو ایک آدھ مہینے میں باقی رقم کا انتظام کر لوں گا۔ اتفاق دیکھئے کہ مالک مکان جن صاحب کا مقروض تھا وہ وہاں موجود تھے۔ انھوں نے بتایا کہ مالک مکان میری رقم قرض کی ادائیگی کے لیے ہی مکان فروخت کر رہا ہے وہ مجھے تین ہزار باقی ہے اس لحاظ سے آپ اسے جملہ سوا چار ہزار فی الفور ادا کر دیجئے اور مکان رجسٹری کر دا لیجئے۔ میرے تین ہزار (بضمن بقایا مالک مکان) اگلے مہینے ادا کر دیجئے۔ چنانچہ اسی طرح کیا گیا۔ اگلے ہفتے کچھ رقم کا بند و بست کر کے میں نے مالک مکان کی رقم ادا کی اور مکان کی رجسٹری کروائی۔ اب تین ہزار کی رقم کا مجھے اور بند و بست کرنا تھا جو اگلے مہینے ادا طلب تھی چنانچہ میں اسی ادھیڑ بُن میں لگ گیا۔ اس دوران میں مکان کی صفائی کروا کر چونا ڈلوایا اور کرنٹ لے لیا تو مکان چمکنے لگا۔ اولین فرصت میں کریم نگر سے والدہ محترمہ کو بُلوا کر سب سے پہلے انھیں ہی مکان میں داخل کروایا۔ دعا کی اس قدر جلد مقبولیت پر وہ مارے خوشی اور احسان مندی کے بارگاہ خداوندی

بں سجدہ ریز اور آبدیدہ ہوگئیں۔ مکان سے لیے اور میرے لیے خوب دعائی اور ہم اس نئے مکان میں منتقل ہوگئے مکان کے ملنے کی خوشی تو مجھے بے شک تھی مگر اگلے مہینے تین ہزار قرض کی ادائیگی کے خیال سے میں خاصا فکرمند تھا۔ والدہ نے دریافت کیا تو میں نے بتایا کہ میں کیوں پریشان ہوں۔ انھوں نے حسب سابق بھرے یقین کی کیفیت کے ساتھ اطمینان دلایا کہ اللہ نے چاہا تو سارا انتظام ہو جائے گا۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم سے وعدہ خلافی نہیں ہوگی۔ مالک کے سارے انتظامات ایسے عجیب انداز میں ہوتے ہیں کہ انسان گمان تک نہیں کرسکتا۔ چنانچہ میرے دل کو بھی حیرت انگیز انداز میں سکون سا ہوگیا اگرچہ کہ میں فکرمند ضرور تھا۔

اب اس دلچسپ اور حیرت انگیز انتظام کی تفصیل سنئے۔ میرے ایک رئیس دوست جو اتفاق سے اُن دنوں شہر سے باہر تھے۔ گھر لوٹے تو انھیں معلوم ہوا کہ میں نے کس انداز میں مکان خریدا ہے چنانچہ مجھے مبارکباد دے کر انھوں نے تفصیلات پوچھیں اور میں نے بے کم و کاست بیان کر دیں۔ انھوں نے پوچھا کہ اگلے ماہ تین ہزار بقائے کی ادائیگی سے متعلق آپ نے کیا سوچا ہے۔ میں نے بتایا کہ میں کوشش کر رہا ہوں۔ اگر کہیں سے رقم فراہم نہ ہوسکے تو خیال ہے کہ میری کریم نگر کی زمین فروخت کر کے وعدہ پورا کردوں۔ وہ مسکرا دیے۔ انھوں نے کہا کہ آپ کو نہ فکرمند ہونے کی ضرورت ہے نہ زمین فروخت کرنے کی۔ اتفاق سے آپ جن صاحب کو تین ہزار دینا ہیں وہ خود میرے تین ہزار کے مقروض ہیں۔ میں ان سے کہہ دوں گا کہ وہ آپ کے بقائے کو میرے بقائے میں محسوب کر کے حساب ختم کردیں۔ اب رہے میرے تین ہزار تو مجھے پیسوں کی نہ کوئی جلدی ہے نہ ہی ضرورت۔ لہٰذا آپ سال دو سال میں اطمینان سے ادا کردیں۔ ابھی ابھی آپ نے گھر خریدا ہے۔ نل، لائٹ فرش وغیرہ کے لیے اخراجات ہوں گے، پھر آپ کثیر العیال بھی ہیں۔ اور کشادہ دست بھی۔ ان خیالات میں آپ کا رقم پس انداز کرنا آسان نہیں ہے۔ لہٰذا اب رقم کی فکر کرنے کے بجائے گھر کی ضروریات کی فکر کیجیے۔ مولا کے اس کرم بے پایاں اور احسان عظیم اور حیرت انگیز انتظامات کو دیکھ کر میں آبدیدہ

ہو گیا۔ میرے دوست میری کیفیت کو محسوس کر کے خود بھی متاثر ہو گئے تھے۔ چنانچہ انھوں نے میرے کندھوں پر تھپکی دی اور مسکراتے ہوئے چلے گئے۔ میں نے گھر لوٹ کر والدہ محترمہ کو انتظامات خداوندی کی تفصیل سنائی تو وہ فوراً وضو کر کے سجدہ ریز ہو گئیں۔ اور پھر سر اٹھا کر کہا کہ میں نہ کہتی تھی اس کے انتظامات کس قدر انوکھے اور عجیب ہوتے ہیں۔

اور اب اس کا دلچسپ کلائمکس سنئے۔ اپنے رئیس دوست کے احسان کا بار مجھے دن رات بے چین کرتا رہا۔ چنانچہ میں نے دن رات محنت کی، آمدنی کے نئے نئے ذرائع تلاش کئے اور اچھی خاصی فراخی کے ساتھ اپنی تمام ضروریات کو پورا کرتے ہوئے ایک سال کے اندر تین ہزار روپئے پس انداز کر لئے اور پھر وہ دن آیا جب میں انتہائی خوشی اور مسرت کے ساتھ اپنے ان دوست سے خواہش کی کہ وہ ذرا ایک دو منٹ کے لیے میرے انسٹیٹوٹ تک زحمت کریں۔ چنانچہ نماز عصر کے بعد ہم دونوں انسٹیٹوٹ پہنچے اور میں نے کیش بکس سے رقم نکال کر ان کے سامنے رکھ دی۔ اور کہا کہ اس وقت میں جذبات کی رو میں بہہ کر آپ کا شکریہ تک نہ ادا کر سکا تھا۔ اب ادا کرتا ہوں اور آپ کے اس احسان کو زندگی بھر یاد رکھوں گا۔ میرے دوست مسکرائے، انھوں نے کہا کہ رقم اپنے پاس ہی محفوظ رکھئے۔ فی الحال تو مجھے ضرورت نہیں ہے۔ میں نے فوراً ہی ان کا یہ عذر سمجھ لیا اور کہا کہ جو بات آپ چاہتے ہیں وہ میرے لیے بہر حال ممکن نہیں ہے۔ اس کی دو وجوہ ہیں، ایک تو یہ کہ میں سید زادہ ہوں اور اس انداز میں کوئی رقم قبول کرنا میرا ضمیر گوارا نہیں کرتا دوسری بات یہ کہ میں جماعت اسلامی کا امیر مقامی ہوں اور آپ کارکن جماعت۔ اس کی نوعیت اپنی دینی حیثیت سے فائدہ اٹھانے جیسی ہے۔ اور اگر نہ بھی ہو تو میں ایسی کوئی مثال قائم نہیں کرنا چاہتا۔ لہٰذا اگر آپ چاہتے ہوں کہ ہمارے تعلقات کی خوشگواری برقرار رہے تو پھر براہ کرم یہ رقم واپس لے لیجیے۔ میں تو پھر اسے ہاتھ لگانے کے لیے بھی تیار نہیں ہوں۔ میرے دوست میری بات سن کر مسکرا دیے۔ اچھا تو سنئے کہ میں رقم کیوں قبول نہیں کر سکتا۔ انھوں نے بتایا، آپ کو

ہیں کہ میرا اور بھائی صاحب کا کاروبار مشترکہ ہے۔ میں نے یہ رقم آپ کو بھائی صاحب کے حکم سے ہی دی تھی۔ ہم لوگ کوئی کام بھی آپسی مشورے کے بغیر نہیں کرتے۔ آپ خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ مجھ سے زیادہ بھائی صاحب آپ سے قریب ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ انھوں نے کس ارادے سے یہ رقم آپ کو دی تھی۔ اب اگر اُن سے پوچھے بغیر ہی یہ رقم واپس لے لوں تو بلا مشورہ کام کرنے کے مترادف ہوگا اور بھائی صاحب یقیناً بُرا مانیں گے۔ آپ رقم رکھ لیجیے۔ بھائی صاحب سے حیدرآباد سے آتے ہی میں دریافت کروں گا۔ اگر وہ واپس لینے کا حکم دیں گے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ رقم لے لوں گا۔ جب تک پیسے اپنے ہی پاس محفوظ رکھیے۔ میں نے پھر بھی اصرار کیا کہ بھائی صاحب کے آنے تک امانتاً آپ خود رکھیے۔ مگر وہ اس عذر کی بنا پر تیار نہیں ہوئے کہ چونکہ بڑا کاروبار ہے۔ بے خیالی میں رقم کسی اور طرف خرچ ہوسکتی ہے۔ چنانچہ مجبوراً میں نے رقم واپس رکھ لی۔ وہ نہ رقم واپس لیتے ہیں نہ مجھے خود بھائی صاحب سے بات کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ جب بھی پوچھتا ہوں وہ کہتے ہیں کہ بات ذہن سے نکل گئی تھی۔ اب کسی بار بھائی صاحب آئیں تو ضرور پوچھ کر لے لوں گا۔ اب یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس معاملے کا انجام کیا ہونے والا ہے۔ سوا سات ہزار میں خریدا ہوا یہ مکان اب تقریباً چالیس ہزار کی مالیت کا ہے۔

اُفوہ! خط کتنا طویل ہوگیا۔ بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ میں تحدیثِ نعمت کے جذبے سے لکھتا چلا گیا۔ اور اتنا تک نہ سوچا کہ آپ کا وقت کتنا قیمتی ہے۔ معذرت چاہتا ہوں۔

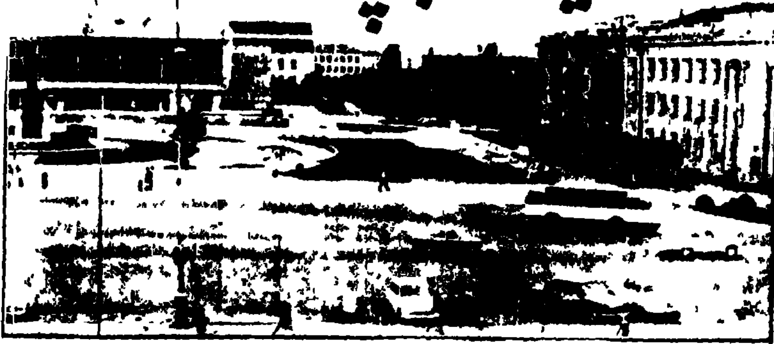
ایک بالکل تازہ غزل روانۂ خدمت ہے۔ شاید کسی لائق ہو۔ اپنے مزاج کی کیفیت سے مطلع فرمائیں۔

بڑا بوجھ ہے جو آپ اٹھا رہے ہیں۔ آپ کے لیے ایک نوجوان اسسٹنٹ بے حد ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کوئی سبیل فرمادے۔ آمین۔

میرے سارے اہلِ خاندان سلام کہتے ہیں۔ باقی حالات لائقِ صد ہزار تشکر ہیں۔

والسلام۔ نیاز کیش — تمکین آفاقی۔

روزِ قیامت آپہنچا



★ گزشتہ چار صدیوں میں تقریباً پانچ سو آتش فشاں پہاڑوں نے لاوا اُگلا ہے۔ جس سے دو لاکھ افراد جاں بحق ہوئے۔ اور زخمیوں کی تعداد تو بے شمار ہے۔ آتش فشاں کا دھماکہ قدرت کی ایسی ستم ظریفی ہے جس کے آگے انسانی تحفظ کے جملہ اقدامات ناکارہ ہو جاتے ہیں۔ جزائر شرق الہند کے "تیمبورو" آتش فشاں کے محض ایک دھماکے سے ۶۵ ہزار انسان موت کی ابدی نیند سو گئے تھے۔

آتش فشاں پہاڑوں کے پھٹنے سے قبل اکثر اوقات قدرت کا غیبی اشارہ انتباہ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے لیکن پیش آگاہی کی کنایاتی زبان کے ابہام کے باوجود اکثر اوقات حالات ایسے ہوتے ہیں کہ زندگی بچانا مشکل ہی نہیں، بلکہ ناممکن ہو جاتا ہے۔ آتش فشاں کا پھٹنا زلزلہ کی صورت میں نمایاں ہوتا ہے۔ حالانکہ زلزلہ آتش فشاں کے دھماکے کے بغیر بھی آسکتا ہے۔

آتش فشاں کے دھماکے کا سب سے پہلا مستند تذکرہ پلینی دینگر نے ۱۸۷۹ء میں صفحۂ قرطاس پر منتقل کیا۔ اس تذکرہ میں "وسو ویئس" کے پھٹنے کا بیان ہے جس نے ہرکولینیئم اور پامپی آئی، شہروں کو سترہ سو سال کی طویل مدت کے لئے اپنے دہکتے ہوئے لاوے سے ڈھانپ دیا تھا۔

آتش فشاں پہاڑوں کے پھٹنے کی تاریخ میں "ماؤنٹ پیلی" کا دھماکہ انتہائی دلچسپ لیکن بے حد دردناک منظر پیش کرتا ہے۔ ماؤنٹ پیلی جزائرِ غرب الہند میں واقع ہے۔ اس کے جوار میں ہی سینٹ پیئرے شہر آباد ہے۔ ۱۹۰۲ء میں ماؤنٹ پیلی کے قلب میں گڑگڑاہٹ سُنائی پڑی۔ لوگوں کو شبہ گذرا کہ جلد یا بدیر آتش فشاں پھٹنے والا ہے انہوں نے چھوڑنے کی تیاری شروع کر دی۔ لیکن فوراً ہی اس علاقہ کا گورنر وہاں آیا اور اس نے حکم دیا کہ جو بھی شخص سینٹ پیئرے چھوڑنے کی کوشش کرے گا اُسے گولی سے اُڑا دیا جائے گا۔ اس کے بقول ماؤنٹ پیلی کے پھٹنے کا کوئی امکان نہ تھا۔

۸ مئی ۱۹۰۲ء کا منحوس دن! ماؤنٹ پیلی کا وہ سب سے بڑا دہانہ جو سینٹ پیئرے کی جانب واقع تھا۔ خاکی اور جامنی رنگ کی آگ کی لپٹیں شہر کی جانب لپکیں اور صرف دو منٹ میں شہر کے اٹھارہ ہزار افراد جاں بحق ہو گئے۔ ماؤنٹ پیلی کا لاوا سمندر کی جانب بڑھنے لگا۔ راستہ میں آنیوالی ہر ایک شے، بلکہ خود رہگذر بھی اس بے انتہا تپش سے پگھلتی جا رہی تھی سمندر میں آگ پہنچتے ہی پانی کھول اُٹھا۔ بندرگاہ میں کھڑے ہوئے اٹھارہ جہاز آنِ واحد میں ڈوب گئے۔ کھولتے ہوئے پانی کی رو سمندر میں دوڑنے لگی۔ کچھ دیر کے بعد اس رو نے مراجعت کی، لبِ ساحل جو کچھ موجود تھا اُسے اُبلتے ہوئے پانی نے دھو ڈالا۔ لاوا لگاتار بہہ رہا تھا چند گھنٹوں کے بعد تاحدِ نظر زمین نظر نہیں آ رہی تھی ہر طرف لاوا ہی لاوا رواں تھا۔

کئی روز کی تگ و دو کے بعد امدادی دستے شہر میں داخل ہو سکے۔ انھیں یقین نہیں تھا کہ وہاں کوئی شخص زندہ بچا ہوگا۔ لیکن سینٹ پیئرے کی جیل کے قریب کسی کے کراہنے کی آواز سُنائی دی۔ رضا کار فوراً اس کی جان بچانے میں لگ گئے۔ وہ واحد شخص تھا جو تمام شہر میں زندہ بچا تھا۔ وہ جیل کا ایک قیدی تھا جسے تہہ خانے میں رکھا گیا تھا۔ لاوا تو وہاں تک پہونچ نہیں سکا البتہ اندر کی ہوا بے حد گرم ہوگئی تھی۔ اگر رضا کار چند گھنٹے تاخیر سے پہنچتے تو اس کا دم گھٹ چکا ہوتا۔

آتش فشاں کا دھماکہ کتنا قوی اور زوردار ہوتا ہے اس کا تو ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ جب ایکویڈور کا ایل سینگے آتش فشاں پھٹا تھا تو اس کی چٹانیں ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے آسمان میں آٹھ میل کی بلندی تک اُڑ گئی تھیں۔ مجموعی طور پر آتش فشاں کا ایک عام دھماکہ بھی کئی ہزار ایٹم بموں کے دھماکے کے برابر ہوتا ہے۔

امریکہ کے وسطِ غربی ساحل پر خلیجِ فانسیکا واقع ہے، اس سے ۳۵ میل کے فاصلہ پر کاسے گینا نام کا آتش فشاں پہاڑ ہے۔ ۲۰ جنوری ۱۸۳۵ء کے دن اس پہاڑ سے بے حد کثیف دھوئیں کا بادل سا اُٹھنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دھوئیں کا یہ بادل گہرے سُرخ رنگ میں بدل گیا اور ایک بسیط چھتری کی شکل میں خلیج کے شہر "لایونین" پر پھیل گیا۔ گیارہ بجے تک سورج پوری طرح سے غروب ہو چکا تھا۔ دفعتاً زمین کے نیچے گڑگڑاہٹ ہوئی اور اس کے ساتھ ہی پہلا دھماکہ ہوا۔ لوگ بھاگنے لگے مگر بھاگ کر پناہ کہاں لیتے؟ ہر طرف قدرت نے قیامت کا روپ دھار لیا تھا۔ چار گھنٹے کی مدت میں ہیبت ناک رات جیسا اندھیرا چھا گیا۔ اب آتش فشاں سے راکھ کا بادل نکلنے لگا۔ شاہراہوں، مکانوں کی چھتوں اور پیڑ، پودوں پر راکھ کی دبیز تہہ جم گئی۔ جانور اور پرندے چیخ رہے تھے۔ انسانوں کی آہ و بُکا نے ماحول کو انتہائی خوفناک بنا دیا تھا۔ پادریوں نے اعلان کر دیا کہ روزِ قیامت آپہنچا ہے، شہر کے تین سو کنواروں نے فوراً شادیاں کر ڈالیں۔

کسی بھی لمحہ کاسی گینا پھٹ سکتا تھا۔ تین دن تک نہیں پھٹا۔ تیسری رات کے پچھلے پہر میں کاسی گینا پھٹ پڑا اور لگاتار سات دن تک خوفناک گرج کے ساتھ لاوا اور آگ اُگلتا رہا۔ ارد گرد کے ڈھائی سو میل کے رقبہ میں زمین بار بار متزلزل ہوتی رہی۔ دھماکے کی آواز ۸۰۰ میل دور جمیکا کے شہر کنگسٹن تک سُنی گئی۔ وہاں کے فوجی افسروں نے سمجھا کہ جزیرہ پر کسی دشمن نے بندوقوں سے حملہ کر دیا ہے۔ فوراً ہی انھوں نے اپنے تمام جہاز سمندر میں دوڑا دیئے تاکہ دشمن

حملہ ناکام بنایا جا سکے۔

سات گھنٹے کے بعد جب کاسی گینا خاموش ہوا تو ستر سو میل کے رقبہ میں آتش فشاں کے قلب کی گرم چیزیں بکھر چکی تھیں۔ یہ دھماکہ بے حد خوفناک ضرور تھا مگر اس کے باعث جانی نقصان کچھ زیادہ نہیں ہوا۔ کیونکہ آبادی پہاڑ سے کافی دور تھی اور نشیب بھی دوسری جانب ہونے کی وجہ سے لاوا آبادی کی طرف نہیں آسکا۔ تقریباً ڈھائی مربع میل قلب زمین کی راکھ، آگ لاوا اور دیگر چیزیں کاسی گینا کے دھماکے کے باعث زمین سے باہر آگئی تھیں۔ کاسیگینا کے دہانے کی گہرائی دو ہزار فٹ ہوگئی تھی۔

لازم نہیں کہ آتش فشاں کا دھماکہ پہاڑ کے اندر ہی ہو۔ بہت ممکن ہے اس وقت آپ کے گھر کے نیچے کسی دھماکہ کی تیاریاں ہو رہی ہوں۔ ۲۰ فروری ۱۹۴۳ء کو میکسیکو کا ایک کسان خوف زدہ حالت میں اپنے گھر کی جانب بھاگتا جا رہا تھا اور چلا رہا تھا۔ میرے کھیت میں بھاپ نکلی ہے بھاپ! بچاؤ، بچاؤ۔ جب وہ ہل چلا رہا تھا تو یکایک زمین کا سینہ چیر کر بھاپ کا ایک گرم فوارہ ابل پڑا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد زمین کے اس سوراخ میں سے بھاپ کی بجائے لاوا نکلنے لگا۔ اور ایک سال کے بعد وہاں بارہ سو فٹ اونچا پہاڑ کھڑا تھا۔ آج اس پہاڑ کی بلندی نو ہزار فٹ ہے۔ دھماکے کے وقت اس آتش فشاں کا لاوا سولہ مربع میل سے بھی زیادہ رقبہ میں پھیل گیا۔ جس سے قریب کا ایک پورا گاؤں اس کی زد میں آکر دب گیا۔ یہ آتش فشاں "پیری کیوٹن" کے نام سے مشہور ہے۔

آج تک جتنے بھی دھماکے ریکارڈ کئے گئے ہیں ان میں ۲۷ اگست ۱۸۸۳ء کا "کراکاتوا" کا دھماکہ سب سے بڑا مانا جاتا ہے۔ اس دھماکے کی آواز تین ہزار میل کے فاصلے پر سنی گئی تھی۔ دھماکے نے تقریباً ۴ا مکعب میل زمین کو بیس میل کی بلندی تک ہوا میں اچھال دیا تھا۔ اس زمین کے ٹکڑے جتنے علاقہ میں گرے وہ..... ہندوستان سے بھی بڑا تھا دھماکے میں چھتیس ہزار انسانی جانیں تلف ہوئیں۔ حالانکہ آتش

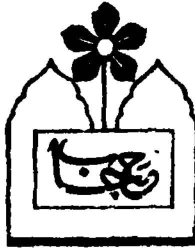
فشاں سے قریب ترین آبادی اس سے ایک سو میل دور تھی۔

سمندر میں لاوا جلنے سے جو گرم لہر اُٹھی اُس نے آٹھ ہزار میل کا فاصلہ طے کیا۔ سماترہ کے ساحل پر ایک جہاز کھڑا تھا۔ لہر نے اُسے اُچھال کر جزیرہ میں دو میل اندر پھینک دیا بعد ازاں وہ جہاز سطحِ سمندر سے تیس فٹ کی بلندی پر ایک جنگل میں پایا گیا۔

دھماکہ سے پیدا شدہ ہوا کی لہر دس دن تک زمین کا طواف کرتی رہی۔ غبار کا بادل کئی مہینوں تک ہوا میں منڈلاتا رہا۔ کئی مقامات پر چاند اور سورج، سبز خاکی اور نیلگوں رنگوں میں نظر آتے رہے۔ دھماکہ کے تین ماہ بعد بادل کا ایک ٹکڑا فرانس پر آ کر ٹھہر گیا جس سے وہاں سورج کی روشنی بیس فی صد کم ہو گئی۔

کرۂ ارض کے غبار کے سبب ہی طلوع و غروبِ آفتاب کے وقت آسمان میں رنگ پھیلتے ہیں۔ چونکہ ان دنوں تمام کرہ ہوائی میں غبار کی مقدار بڑھ گئی تھی۔ اس لئے کئی مہینوں تک طلوع و غروب خوب نکھرا ہوا منظر پیش کرتے رہے۔ اس دھماکہ کے وقت جاوا کے مغربی ساحل پر ایک شخص بھاگ رہا تھا سمندر سے جو گرم لہر اُٹھی اُس نے اُسے ایک سو فٹ اُوپر اچھال دیا۔ لہر نے اُس شخص کو ایک درخت کی چوٹی پر پہنچا دیا۔ لہر واپس لوٹ گئی اور وہ شخص عالمِ بے ہوشی میں وہیں لٹکتا رہا۔ اس ساری قیامت خیزی میں وہی ایک شخص زندہ بچا۔ اُس کے گاؤں آنجیر کی ساری آبادی ہمیشہ کے لئے موت کی آغوش میں سو چکی تھی ! ★ ★

آدھا علاج ۔ اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ ہم لوگوں کو کیسے نظر آتے ہیں اور وہ ہماری نسبت کیا رائے رکھتے ہیں تو ہم پر اپنی کوتاہیاں واضح ہو جائیں گی اور اس طرح ہم اپنے رجحانات کا جائزہ لیتے ہوئے بُری خصلتوں کو چھوڑ دیں گے۔ یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہم ان عادتوں کو نہ چھوڑ دیں جنکی وجہ سے ہماری وضع قطع خدوخال بُری صورت اختیار کر چکے ہیں۔ ماہر نفسیات کہتے ہیں کہ جب ہماری کوتاہیاں ہم پر واضح ہو جائیں یا ہمارا ذہن خامیوں سے آگاہ ہو جائے تو سمجھو کہ بیماری کا آدھا علاج ہو گیا ●●


حجاب

اِحساسِ حقیقت

(از ایل

اٹھارھویں صدی کے پہلے چار دہوں تک بیشتر یورپین ممالک میں بحری قزاقی زوروں پر تھی۔ طاقتور اور جنگجو نوجوان اپنے گروپ بنا کر ساحلِ سمندر کے قریب گھات لگائے بیٹھے رہتے اور جونہی کوئی جہاز انھیں دکھائی دیتا وہ اپنی بڑی دخانی کشتیوں میں بیٹھ کر اس پر دھاوا بول دیتے اور لوٹ مار کرکے اپنے اڈوں کو لوٹ جاتے۔ کئی ایک سمندری لٹیروں کے پاس تو لڑاکے بیڑے بھی ہوتے تھے جن پر توپیں نصب ہوتی تھیں اور وہ کسی بڑے سے بڑے جہاز سے جنگ کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ ان سمندری لٹیروں میں جارج واکر بہت مشہور تھا۔ اس نے ایک ملاح کی حیثیت سے اپنی زندگی کا آغاز کیا تھا۔ وہ بڑا بہادر اور نڈر نوجوان تھا۔ نوجوانی ہی
ڈنمارک کی شاہی بحری فوج سے بھی وا
چکا تھا اور ایک بار اس نے ترکی کے خ
ڈینش بیڑے کی کمان کی اور سرخ رو ہو
لیکن اچانک اس کے خیالات نے پلٹا کھا
نے ملازمت ترک کر دی اور اپنا ایک
جہاز "ڈیوک ولیم" بنوالیا۔ اس کے بع
چند جیالے نوجوانوں کو اپنے ساتھ ملا لیا
قزاقی کا پیشہ اختیار کر لیا۔

۱۷۲۲ء میں جارج واکر اور اس
ساتھی مالِ غنیمت لے کر لوٹ رہے تھ
میں انھوں نے ایک ایسا دل خراش وا
جس سے جارج واکر کو نہ صرف اپنے پیشے
، ہو گئی بلکہ قزاقوں کے خلاف انتقام کا

اُٹھا۔ ہوا یوں کہ ایک بار چند دیگر سمندری لٹیرے
ایک مسافر جہاز کو لوٹنے میں مصروف تھے وہ
صرف لوٹ مار ہی نہیں بلکہ معصوم بچوں اور
بے بس و لاچار عورتوں کو بھی تہہ تیغ کرتے جا
رہے تھے۔ اتفاق سے جارج واکر بھی اپنی کشتی
میں اُدھر آنکلا۔ لوٹ مار تو وہ خود بھی کیا کرتا
تھا مگر اس نے عورتوں اور معصوم بچوں پر
کبھی ہاتھ نہ اُٹھایا تھا۔ چنانچہ اس نے آگے بڑھ
کر اپنے ہم پیشہ لوگوں کو درندگی اور سفاکی سے
باز رہنے کو کہا۔ مگر درندہ صفت لٹیروں پر
ان کی نصیحت کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ وہ طیش
میں آکر جارج واکر پر پل پڑے۔ واکر چونکہ
تنہا تھا۔ اس لئے وہ مصلحتاً پیچھے ہٹ گیا۔
[illegible] سے اس نے تہیہ کر لیا کہ آئندہ
وہ صرف بحری قزاقوں کو ہی لوٹا کرے گا۔
اس کے بعد اس نے اپنے جہاز "ڈیوک
[illegible] کو سامانِ حرب سے آراستہ کیا، اور
اپنے گروہ کو منظم کر کے بحری قزاقوں کے
خلاف باقاعدہ مہم شروع کر دی۔
قزاق لُوٹے جارج واکر "قزاقوں کا قزاق"
کا نام سنتے ہی تھر تھر کانپنے لگتے تھے۔ جارج واکر
نے مقابلہ کرنے کے لئے ایک باقاعدہ فوج بھی
بنالی اور وہ ہر اس ملک کو، جسے بحری جنگ میں
جنگجو ملاحوں کی ضرورت ہوتی، فوج کرائے پر دے
دیا کرتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند سال بعد "واکر"
سے یورپ کے سارے ملک واقف ہو گئے۔
اور اس کے وجود کو ایک طاقت سمجھا جانے لگا۔
رفتہ رفتہ جارج واکر نے کافی دولت جمع
کر لی۔ ۱۷۴۲ء میں ایک دن وہ اپنی سمندری زندگی
سے اُکتا گیا اور اس نے فیصلہ کیا کہ وہ چند دن
لندن میں گزارے گا۔ چنانچہ وہ رود بار انگلستان
کی طرف روانہ ہوا۔ اب اس کا ستارہ گردش میں
تھا۔ جونہی وہ برطانیہ کے ساحل کے قریب پہنچا
سمندری طوفان نے "ڈیوک ولیم" کو بری طرح
اپنی گرفت میں لے لیا۔ جارج واکر اور اس کے
ساتھیوں نے جہاز کو طوفان سے باہر لانے کی بہت
کوشش کی، مگر بے سود، جہاز کئی جگہ سے ٹوٹ
گیا۔ چنانچہ اپنی جان بچانے کے لئے واکر اور اس
کے ساتھی چھلانگیں لگا کر ایک دوسرے جہاز
پر سوار ہو گئے۔ اور "ڈیوک ولیم" ان کی نظروں کے

بیمار پرسی

مرسلہ محمد احمد دہلی

بیمار پرسی ہمارے اخلاقی و انسانی فرائض میں شامل سمجھی جاتی ہے۔ لیکن بہت کم لوگوں کو بیمار پرسی کے صحیح آداب کا علم ہوگا۔ یہ اندازہ مبالغے میں داخل نہیں کہ ۹۵ فی صدی لوگوں کی بیمار پرسی مریضوں کے لئے تسکین و تسلی کے بجائے پریشانی و مصیبت کا باعث ثابت ہوتی ہے۔ اگر یہ لوگ مریضوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں تو یہ زیادہ اچھا ہو، بجائے اس کے کہ وہ اپنی غلط ہمدردی اور دل جوئی کے ذریعے ان کی تکلیف میں اضافہ کریں۔

ہمارے ہاں ہر وہ شخص جو کسی مریض کی بیمار پرسی کے لئے جائے، اپنا یہ فرض سمجھتا ہے کہ مریض کے علاج کے لئے کوئی نہ کوئی مشورہ بھی ضرور دے، مریض رضامند ہو یا نہ ہو، اس بات کی اسے کوئی پروا نہیں۔ وہ بہر حال اس سے بیماری کی پوری پوری کیفیت دریافت کرے گا۔ پھر اپنے یا کسی دوسرے شخص کا حوالہ دیکر اسے کسی خاص نسخے یا دوا کے استعمال کی ترغیب دلائے گا۔ بعض لوگ صرف رغبت ہی کافی نہیں سمجھتے۔ بلکہ مریض سے اصرار کرتے ہیں کہ وہ ان کے مشورے پر ضرور عمل کرے۔ اگر مریض کوئی عذر پیش کرے، تو وہ اس کے ساتھ بحث کرکے اسے قائل کرنے کی کوشش کرینگے۔ بعض لوگ مریض کو ہدایت کرتے ہیں کہ وہ فلاں طبیب یا ڈاکٹر کا علاج ترک کرکے فلاں ڈاکٹر یا طبیب سے علاج کرائے، اسے بتایا جاتا ہے کہ تم جس ڈاکٹر سے علاج کرا رہے ہو، وہ اپنے فن میں کورا ہے۔ فلاں ڈاکٹر بہت ماہر ہے۔ اس کے علاج سے فلاں فلاں شخص کو شفا حاصل ہوئی۔

ہر مریض کی بیمار پرسی کرنے والے تقریبا ایسی ہی باتیں کرتے ہیں۔ اگر مریض اپنی رائے میں خود مختار اپنے ارادے کا مضبوط ہو تو پھر کچھ نہیں بگڑتا، لیکن اگر ذرا بھی کمزور طبیعت کا مالک ہو تو بے چارہ پریشان ہو کر رہ جاتا ہے کہ کیا کرے، اور کیا نہ کرے؟ کس کی مانے اور کس کی نہ مانے؟ بیماری سے خلاصی پانے کے لئے اچھے علاج ہی کی نہیں بلکہ اچھے اعتماد کی بھی ضرورت ہے۔ مگر وہ جس ڈاکٹر سے بھی علاج کراتا ہے، اسی کے متعلق اس کا اعتماد کمزور کر دیا جاتا ہے۔ جس شخص کے مشورے پر عمل نہیں کرتا، وہی اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔ وہ دوگونہ مصیبت کے

شکنجے میں گرفتار ہو کر رہ جاتا ہے۔ بیماری اور بیمار پرسی دونوں کے پنجے میں، کئی مریض جو معمولی سی دوا دارو سے صحتیاب ہو سکتے تھے، اس دوہری مصیبت میں پھنس کر مدتوں ایڑیاں رگڑتے دیکھے گئے ہیں۔

بیمار پرسی کا اصلی مقصد تو یہ ہے کہ ہم مریض کے حقیقی خیر خواہ ثابت ہوں۔ اسے تسلی دی جائے، اسے تشویش سے بچایا جائے، اسے بیماری کے ساتھ مقابلہ کرنے کے قابل بنایا جائے، اس کی تکلیفیں دور کی جائیں۔ اگر ضرورت پڑے تو اسے اخلاقی و مالی امداد پیش کی جائے۔ یہ مقصد نہیں کہ ہم اسے ایک دوا سے برگشتہ کر کے دوسری دوا استعمال کرنے پر مجبور کریں۔ ڈاکٹروں اور حکیموں میں اس اعتماد کو توڑتے اور قائم کرتے رہیں یہ بہت نامناسب طرزِ عمل ہے۔ خاص حالات و تعلقات کے بغیر مریض کو بن مانگے مشورے دینا اس کے علاج میں ناپسندیدہ مداخلت کے مترادف ہے۔

ان لوگوں کی تعداد بھی تھوڑی نہیں، جو مریض کے پاس جا کر ایسی باتیں شروع کر دیتے ہیں جن سے یہ ظاہر ہو کہ جس مرض میں وہ مبتلا ہے وہ بہت خطرناک ہے۔ اس کی حالت تشویشناک ہے۔ فلاں فلاں شخص کو بھی یہی بیماری ہو گئی تھی۔ اتنی مدت تک بستر پر پڑا رہا سینکڑوں یا ہزاروں روپیہ علاج میں اٹھ گئے۔ فلاں بیچارہ تو بچ ہی نہ سکا۔" اس طرح کی باتیں سن سن کر مریض کا دل سہم جاتا ہے۔ بیماری کے ساتھ مقابلہ کرنے کی قوت کمزور پڑ جاتی ہے۔ اکثر حالتوں میں وہ اپنی زندگی سے مایوس ہو جاتا ہے۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ مریض کو کسی کوئی خوفناک کہانی نہ سنائی جائے، اس کی ڈھارس بندھائی جائے کہ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ ضرور صحت یاب ہو جائیگا۔ بیمار پرسی کرنے والے شخص کو اس معاملے میں یہاں تک احتیاط کرنی چاہیئے کہ اس کے چہرے اور رویے سے بھی مریض کو یہ خیال نہ گزرے کہ اس کی حالت خراب سمجھی جا رہی ہے۔ مریض کے کمرے میں بیٹھ کر چپکے چپکے باتیں کرنا بھی نامناسب ہے۔ اس سے مریض کا یہ اندازہ لگانا باعث تعجب نہ ہوگا کہ بات چیت اسی کی بیماری کے متعلق ہو رہی ہے۔ اس کے دل میں کئی طرح کے وہم جگہ بنا سکتے ہیں۔ مریض کے سامنے اس کی بیماری کے متعلق کوئی بحث چھیڑنی چاہیئے۔ ہر وقت اُمید افزا اور دل خوش کرنے والی باتیں کرنی چاہئیں۔

بعض لوگ کسی مریض کی عیادت کے لئے جائیں گے، تو بچوں کو بھی ساتھ لے جائیں گے۔ بچے کے کمز

جسم میں اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ بیماری کے جراثیم کی مدافعت کرسکے۔ وہ بہت جلدی بیماری کا اثر قبول کرا پکڑلا کھینچ چلائے، اسے ساتھ لے کر مریض کے ہاں نہیں جانا چاہئے۔ یہ احتیاط صرف بڑے بڑے امراض، سل، چیچک اور پلیگ کے ساتھ ہی مخصوص نہیں، کھانسی اور زکام کے مریضوں سے بھی بچوں کو دور رکھنا لازم بچے کے لئے کوئی بھی بیماری معمولی نہیں ہوسکتی۔

مریض کے پاس بیٹھ کر آہستہ آہستہ باتیں کی جائیں۔ زور زور سے باتیں کرنا تو ویسے ہی معیوب ہے اس سے مریض کی حالت پر خصوصیت کے ساتھ برا اثر پڑتا ہے۔ ڈاکٹروں اور سائنس دانوں کی تحقیقات سے ہو چکا ہے کہ شور وغل کے اثرات بھلے چنگے انسان کی صحت کے لئے بھی مضر ہیں۔ انہوں نے مختلف تجربے کر کے بتایا۔ کہ شور وغل سے نہ صرف کام کاج میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے، بلکہ سماعت بھی خراب ہو جاتی ہے۔ دماغ کے اند حصے میں خون زیادہ اور سختی کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے۔ ہاضمے میں فتور پڑ جاتا ہے، اور تکان بھی ہو جاتی ہے؟ مریض کے کمرے میں بہت شور رہتا ہو، اسے عام طور پر سر درد اور تکان کی شکایت رہتی ہے۔ اگر مریض کو بات چیت میں حصہ لینے کے لئے مجبور کیا جائے گا، تو اس کی طبیعت اور بھی تھکی ماندی رہے گی۔ بس بہتر یہ ہے مریض کو چپ چاپ آرام کرنے دیا جائے۔ اس کے ساتھ زیادہ باتیں کر کے اس سے غیر ضروری سوالات پوچھ کر اسے پریشان نہ کیا جائے۔

بیماری کی وجہ سے تقریباً ہر بیمار کے احساسات بہت نازک ہو جاتے ہیں۔ بیمار پرسی کرتے وقت احساس کی اس تبدیلی کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ مریض کی ذہنی اور نفسیاتی کیفیت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ یہ اند لگا لینا چاہئے کہ مریض کے پاس کتنی دیر بیٹھنا مناسب ہوگا۔ اس کی خواہش سے زیادہ وقت لینا اسے بہت ناگوار گزرے گا۔ جتنی کسی بیمار کی حالت نازک ہو اتنا ہی اس کے پاس تھوڑا بیٹھنا چاہئے۔ مریض پر اپنی ہمدردی و محبت ظاہر کرنے کے لئے ضروری نہیں کہ اس کے پاس گھنٹوں بیٹھا جائے۔ دل کی نیک خواہشیں دو ہی چار منٹ میں مریض کے حوالے کی جاسکتی ہیں۔ گفتگو بھی اتنی ہی کرنی چاہئے جتنی مریض کو گوارا ہو۔ اکثر مریض باتیں سننے کے اتنے خواہش مند نہیں ہوتے، جتنے باتیں کرنے کے۔ ایسی صورت میں صحیح بیمار پرسی کا تقاضہ یہ ہے کہ

مریض کو بولنے کا موقع دیا جائے اور خاموشی اور توجہ کے ساتھ اس کی باتیں سنی جائیں۔ اگر مریض باتیں کرنے کے بجائے باتیں سننے کا خواہش مند ہو تو اول تو آہستگی اور نرمی سے باتیں کی جائیں، جن سے اس کا دل خوش

بیمار کی سہولت کا پورا خیال رکھا جائے۔ اس کی چارپائی پر بھول کر بھی نہ بیٹھنا چاہئے۔ تیمارداروں کو ہے کہ وہ اس کی چارپائی کے قریب دو چار کرسیاں یا ایک آدھ چارپائی بچھائے رکھیں۔ ہر آتے جاتے کو مریض کے سامنے کرسی یا چارپائی پر ہی بیٹھنا چاہیے۔ مریض کے سرہانے یا پائنتی یا اس کی پشت کی جانب جہاں وہ آنے والے کے چہرے کو آسانی سے نہ دیکھ سکے، نہیں بیٹھنا چاہئے۔ اگر مریض سو یا پڑا ہو تو خواہ اس کے ساتھ کتنے ہی تعلقات اور کیسا ہی رشتہ کیوں نہ ہو اسے جگانے سے پرہیز کیا جائے۔ مریض کے کمرے میں ٹہل ٹہل کر باتیں کرنا یا کسی چیز پر مارتے رہنا یا چوروں کی طرح دبے پاؤں آنا جانا ٹھیک نہیں۔ بعض مریضوں کو ان حرکتوں سے بڑی کوفت ہوتی ہے۔

بیمار پرسی کے سلسلے میں اخلاقی ہی نہیں، طبی تقاضے بھی پورے کرنے چاہییں۔ اس سلسلے میں احتیاط کرنی چاہیئے کہ بیمار کے ساتھ مصافحہ نہ کیا جائے۔ اسے بوسہ دینے سے احتراز کیا جائے۔ اگر مریض ہسپتال میں ہے تو، ہسپتال کے منتظموں سے کوئی خاص رعایت نہ لی جائے۔ ملاقات کے لئے جو وقت مقرر ہوں، ان کی پابندی کی جائے۔ مریض کو جن چیزوں کو کھانے کی اجازت نہیں، وہ چیزیں چوری چھپے اس کے پاس نہ لے جائیں۔ بیمار پرسی سے واپس آکر کم از کم ہاتھ منہ دھو لینا بہر حال بہتر ہے۔

جانے کیسے لوگ

عطیہ پروین
رائے بریلی

آج اس کو سسرال آئے ہوئے پورے پندرہ ہو چکے تھے۔ یہ اس کا تیسرا اجالا تھا اور شادی کو با ایک مہینہ ہو گیا تھا۔ اس نے ایک لمبی جماہی لے اپنے شوہر کی طرف دیکھا۔ وہ ابھی تک بے خبر سو رہا تھا۔ اونچا، وجیہہ، گورا چٹا پرکشش مرد۔! نے فخر اور محبت کی ملی جلی نظروں سے اپنے ہر کو دیر تک دیکھا پھر کمرے پر ایک طائرانہ نظر ۔ سجا ہوا خوبصورت کمرہ لیکن فرش کچھ گندا اور ان بے ترتیب بھی پڑا تھا۔ اس کی چھوٹی نند میں کئی بار اس کا کمرہ سجاتی سنوارتی تھی لیکن وہ سو رہی تھی۔ رات گھر میں ڈنر جگائی تی رہی تھی۔ اس کے شوہر اعجاز کے چند دوست ان کی بیویاں کھانے پر مدعو تھے۔ ۱۲ بجے تک خوب ہنگامہ رہا کھانے کے بعد بھی دیر تک بیٹھک رہی تھی۔ کئی بار چائے کا دور چلا تھا۔ اس کی نند تھکی ماندی تھی۔ نند ایسی تھی پھر بھی دوڑ دوڑ کے چائے لا رہی تھی۔ امی سے پان بنوا بنوا کے لا رہی تھی۔ پانی پلا رہی تھی۔

فرش پر پان کی کارکیں پانی کے خالی گلاس اور دو تین چائے کے مگ اب بھی پڑے تھے۔ رات میں پہنا ہوا اس کا لباس بھی ایک صوفے پر پڑا تھا۔ اعجاز کی پینٹ اور بش شرٹ میز پر لٹک رہی تھیں۔ جوتے اور چپلیں ادھر ادھر بکھری تھیں۔

میکے میں اس کو بے ڈھنگا پن ذرا نہ برداشت ہوتا۔ گھر میں کوئی تقریب ہوتی یا بھیا کے دوست ادھم مچا کے واپس جاتے تو جب تک وہ ایک ایک شے سنوار نہ لیتی اپنی اپنی جگہ پر رکھ نہ لیتی۔ جھوٹے برتن دھو نہ لیتی اس کو چین نہ آتا۔ کبھی کبھی دادی بی سے چھپا کے وہ جھاڑو بھی لگا ڈالتی تاکہ صبح گھر صاف صاف دکھائی دے۔ دادی بی رات میں

جھاڑو لگانے کے سخت خلاف تھیں۔ وہ اگر سو گئی ہوتیں تو نشاط کھجور کے جھاڑو سے جھٹ پٹ کوڑا سمیٹ لیتی اور وہ نہ سوئی ہوتیں تو کسی گندے کپڑے سے کوڑا سمیٹ دیا کرتی۔ گھر کا سارا کام اسی کے دم سے ہوا کرتا۔ صفائی ستھرائی سے لے کر کھانا ناشتہ اور چائے تک اس کے ذمے تھی۔ دوسری بہنیں کام چوری کیا کرتیں۔ نشاط کو سستی اور کاہلی سے پڑے یا بیٹھے رہنا گوارا نہ تھا۔ دوپہر میں وہ کچھ دیر آرام ضرور کیا کرتی لیکن جب اور سب سویا کرتے تب ہی وہ اٹھ جاتی منہ دھو کے نماز پڑھ کے بال سنوارنے کے بعد وہ کوئی سلائی بنائی یا کڑھائی لے کر بیٹھ جایا کرتی۔ ٹھیک ۴ بجے ابا میاں ایک زوردار کھنکار کے ساتھ اٹھتے تو وہ کھٹ سے اپنا کام بند کرتی اور اٹھ جاتی۔ جب تک ابا میاں نماز پڑھتے وہ چائے اور کوئی ہلکا پھلکا ناشتہ بنا لیا کرتی پھر دادی بی اٹھتیں پھر امی اور پھر سب بھائی بہنیں چائے سے فراغت کر کے وہ کھانے کے انتظام میں لگ جاتی۔ لوگ اس کی مثالیں دیا کرتے تعریفیں کرتے نہ تھکتے۔ شاید ان تعریفوں اور تذکروں ہی نے اعجاز جیسے شخص کو اتنا متاثر کیا تھا کہ دوسرے بہت سے اچھے گھر اور بھاری جہیز کو نظر انداز کر کے اسی نے نشاط کے لیے رشتہ بھجوایا تھا۔

نہ اعجاز نے نشاط کو دیکھا تھا۔ نہ نشاط نے اعجاز کو۔ ان دونوں کے خاندان خالص مشرقی انداز کے تھے۔ شادیاں ماں باپ کی پسند سے ہوا کرتی تھیں۔ اب تک مشترکہ رہن سہن کا رواج تھا اپنی ڈفلی اپنا راگ والا معاملہ نہیں تھا۔

نشاط اپنے ہونے والے شوہر کے بارے میں کچھ سوچتی تو سخت متوحش ہو جاتی۔ جانے کیسے ہوں کس مزاج اور عادت کے ہوں کیا پسند ہو کیا ناپسند ہو

پھر بھی اس نے صبر و شکر کے ساتھ ماں باپ کی پسند پر سر جھکا دیا اور یہ اس کے صبر و ضبط اور ماں باپ کی سمجھ بوجھ کا صلہ تھا جو اس کو اعجاز جیسا شوہر ملا تھا۔

اعجاز نے بھی نشاط کو حد سے زیادہ پسند کیا۔ یہ مہینہ بھر یوں گزرا تھا جیسے ایک حسین خواب۔

ساس نند اور دیور بھی سب اس سے خوش تھے۔ سب ہی اس کے آگے پیچھے لگے رہتے۔ وہ پانی بھی نہ پینے دیتے۔ گھر کا ماحول بھی اس کے ما سے ملتا جلتا تھا۔ وہی صبح وہی شام وہی دوپہ

اس کی ساس نوکر ہوتے ہوئے بھی کھانا خود پکاتی تھیں۔ نند قدسیہ گھر کے دوسرے کام کاج میں مصروف رہتی، پڑھائی بھی کرتی رہتی وہ امسال ہائی اسکول کر رہی تھی۔ نشاط کو کبھی کبھی اس پر ترس بھی آجاتا۔ تپلی دبلی لڑکی اور کام کا اتنا بوجھ پھر پڑھائی کا بوجھ۔

مگر وہ کیا کرتی کہ ابھی تک اس کی ہمت نہ پڑتی۔ گھر کے کسی کام میں ہاتھ لگاتے۔ وہ اپنے اندر ایک جھجک اور غیریت سی محسوس کیا کرتی۔ اس کو صرف اعجاز اپنا معلوم ہوتا۔ اعجاز کے آفس چلے جانے کے بعد اس کو بے حد سونا پن محسوس ہوتا۔ گھر کے ہر فرد سے اجنبیت اور غیریت کا احساس ہوا کرتا وہ بے تابی سے اعجاز کے آنے کا راستہ دیکھا کرتی۔ منٹ منٹ گنا کرتی۔ دوپہر میں کھانے کے بعد لیٹ کر سو جاتی۔ پھر ۵ بجے سے پہلے نہا کر تی باتھ روم سے واپس آکے کنگھا کرتی ہوتی کہ اعجاز کے اسکوٹر کی آواز سنائی دیتی اور اس کا مرجھایا ہوا دل کھل اٹھتا۔ بے نام سی اداسی کا قلع قمع ہو جاتا۔ لبوں پر مسکراہٹ مچل اٹھتی وہ جلدی جلدی چوٹی گوندھتی۔ ہلکا پھلکا میک اپ کرتی۔ تب تک اعجاز امی یا قدسیہ سے یا ابا سے باتیں کرتا رہتا۔ ساتھ میں لایا ہوا سامان، سبزی، پھل، بسکٹ وغیرہ قدسیہ کے حوالے کرتا۔

کبھی کبھی نشاط کو اس کی یہ تاخیر بہ ادا ناگوار بھی گزرتی۔ وہ بڑی خود غرضی سے سوچتی۔ آخر اعجاز میرے پاس پہلے کیوں نہیں آتے ان کو میرے پاس فوراً آنا چاہیے۔ ان کی امی اور ابا ان سے فضول سی باتیں کر رہے ہیں اور قدسیہ بھی شاید انھیں میرے پاس آنے سے روکنے کے لیے ہی ان کو باتوں میں لگائے ہوئے ہے۔ اس کا موڈ غارت ہونے لگتا لیکن اعجاز کے کمرے میں قدم رکھتے ہی وہ اپنے کو سنبھال لیتی۔

" ہلو سویٹی۔ اعجاز آواز دبا کے کہتا۔ کہو میرے بعد کیسی گزری؟"

"گھڑیاں گنتے ہوئے" نشاط ہنس پڑتی۔

"میرا بھی یہی حال رہتا ہے"

نشاط مسکراتی ہوئی بڑھتی اور اس کے ہاتھ سے بیگ لے لیتی۔ پھر کوٹ اتارنے میں اس کی مدد کرتی۔

" بھابھی جان۔ چائے!" کچھ دیر بعد قدسیہ

دروازہ کھٹکھٹاتی نشاط اعجاز سے سرک کر بیٹھ جاتی
اور دھیرے سے کہتی "آجاؤ قدسی!"

ایک حسین رومان انگیز رات گزر جاتی۔

۱۰ بجے تک اس کو ہر ساعت حسین معلوم ہوتی۔ پھر اعجاز کے جاتے ہی اس پر وہی یاسیت وہی بوریت اور وہی خاموشی طاری ہو جاتی۔ امی اور قدسیہ گھر کے کاموں میں لگ جاتیں پھر قدسیہ تو اسکول چلی جاتی۔ امی اکیلی رہ جاتیں کبھی کسی کام میں دیر ہو جاتی کبھی کھانا دیر سے تیار ہوتا کبھی گھر کی صفائی جنجال بن جاتی۔ وہ سب کچھ دیکھا اور سنا کرتی دل اور ڈوبنے لگتا۔ تب بے اختیار اس کو وہ گھر یاد آنے لگتا جہاں اس نے زندگی کے ۱۲ سال گزارے تھے۔ جس گھر کا تنکا بھی اس کے بغیر نہ ہلتا تھا۔ صاف ستھرا اپنا سنورا گھر۔ ہر کام وقت پر اور اصول سے ہوتا۔ ہر چیز اپنی اپنی جگہ سلیقے سے لگی رہتی۔ نہ کوئی الجھن نہ بے لطفی، نہ بحث نہ تکرار۔

۴ بجے اس کو ابا میاں یاد آجاتے اب کون ان کو چائے دیتا ہوگا۔ ۴ بجے دادی بی یاد آتیں نماز ختم کرکے چوکی پر ہی سے وہ میٹھی آواز لگاتیں۔

"نشو میرے لال مجھے چائے دے دے!"
پھر اور سب یاد آنے لگتے۔

"آپا بی۔ آپو نے میٹھی کھجوریں بنائی ہیں"
"جیو خوش رہو نشاط۔ کیا مزے کا حلوہ کھلایا ہے۔"
"ہائے اللہ آپو تمہارے ہاتھ میں کتنا مزہ ہے۔"

اب یہ سب پیاری آوازیں کوسوں دا تھیں اس سے۔ آنسوؤں سے اس کا گلا رندھ جایا کرتا۔ ایک دوپہر ریڈیو پر ایک گیت آیا بابل کی دعائیں لیتی جا، جا تجھ کو سکھی سنسار۔

تو سنتے سنتے وہ اس بری طرح روئی تھی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔ امی کو خبر ملی وہ دوڑی آ اس کو سینے سے لگایا پانی پلایا اس کا منہ اپنے آنچ سے پونچھا۔ قدسیہ دیر تک اس سے پیار بھری کرتی رہی۔ شام کو اس نے اعجاز کو نشاط کے ر کی اطلاع دی تھی۔ اعجاز کو بڑا افسوس ہوا تھا دیر تک اس کو سمجھایا گیا تھا۔

یہ ڈھیروں پیار اور خیال پاکر بھی نشاط تک اپنی جھجک کو دور نہ کر سکی تھی۔ یہ گھر ا

تک اس کو دوسرا معلوم ہوتا۔ اعجاز کے سوا گھر کے سب لوگ غیر لگتے اور کسی کام میں حصہ لینے کو تو جی ہی نہ اٹھتا۔

اب اس وقت اس کی آنکھ صبح جلدی کھل گئی تھی۔ منہ ہاتھ دھو کے وہ بیٹھی بیٹھی ادھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ اس کو چائے کی بھی بُری طرح طلب ستا رہی تھی۔ مائکے میں تو اب تک چائے ناشتہ سب ہی تیار ہو جایا کرتا تھا۔ بور ہو کر وہ اٹھی اور دروازے کا پردہ ہٹا کے باہر جھانکا۔ گرمی کے دن تھے۔ اس کے مائکے کی طرح یہاں بھی سب لوگ آنگن میں پلنگ بچھا کے کھلی ہوا میں لیٹا کرتے تھے۔ ۴ پلنگ برابر سے بچھے تھے۔ اس کے سسر کا پلنگ خالی تھا۔ وہ یقیناً نماز میں مصروف ہوں گے (اس کے ابا میاں کی طرح) دوسرے پلنگ پر اس کا دیور بانہوں میں منہ چھپائے سو رہا تھا۔ بالکل اسی انداز میں اس کا چھوٹا بھائی خورشید سوتا تھا۔ تیسرے پلنگ پر قدسیہ پڑی کروٹیں بدل رہی تھی جو تھے پلنگ پر پاؤں نیچے لٹکائے اس کی ساس بیٹھی تھیں۔ بالکل اسی طرح سو کر اٹھنے پر اس کی امی جان بھی کچھ دیر پاؤں لٹکائے بیٹھی جماہیاں لیتی اِدھر اُدھر دیکھا کرتی تھیں۔ آنگن میں بہت کچھ سامان اِدھر اُدھر بکھرا پڑا ہوا تھا۔ رات کے جوٹھے برتن نل کے پاس ڈھیر تھے

اجب تک اس نے ہوش نہیں سنبھالا تھا اس کے مائکے میں بھی یہی سماں صبح کے وقت نظر آیا کرتا تھا۔ اسی طرح مکھیاں بھنکا کرتی تھیں بالکل اسی طرح اس کی امی جان پلنگ پر بیٹھی بیزار نظروں سے یہ سب دیکھا کرتی تھیں چند منٹ کے بعد اس کی ساس۔

"یا میرے اللہ!" کہہ کر اٹھیں اور سرہانے پڑا اوڑھنی اٹھا کر شانوں پر ڈالتے ہوئے جلدی جلدی نل کے پاس گئیں۔ دانت صاف کئے منہ دھویا اور باورچی خانے کی طرف بڑھتی ہوئی گھبرائی آواز میں بولیں۔

"قدسیہ۔ قدسیہ۔ اٹھو بیٹی آج بڑی دیر ہوگئی ہے۔ نوکرانی کمبخت ماری بھی نہیں آئی برتن بھنک رہے ہیں۔ اے قدسیہ اٹھ جا چاند تیرے ابا ابھی چائے مانگنے لگیں گے۔۔۔۔ او قدسیہ جاگ جا میری بچی۔۔۔۔"

بالکل اسی طرح اس کی امی

پکارتی تھیں۔

"امی نیند نہیں بھری!" قدسیہ منائی۔

"ٹھنڈے پانی سے منہ دھو ڈالو بی بی۔" امی کچن کے اندر سے بولیں۔ "نیند ختم ہو جائے دیکھو تو گھر کیسا پڑا ہوا ہے۔"

نشاط کے اندر ایک لہر سی اٹھی جو سارے جسم میں پھیل گئی۔ ایک امنگ سی ابھری جو سارے اجنبی احساسات پر چھا گئی۔ ایک جذبہ بیدار ہوا جس نے اس کے ان تھکے تھکے قدموں کو حرکت دیدی۔

امی جلدی جلدی انگیٹھی جلا رہی تھیں۔

وہی امی جان جیسے دبلے پتلے ہاتھ۔ ابھری ابھری نیلی رگیں۔ کمزور جسم۔ کھچڑی بال۔ گھبرایا ہوا ستا ہوا چہرہ۔ ویسی ہی پوشاک ویسے ہی انداز۔

امی جان کی طرح ان ہاتھوں کو بھی آرام کی ضرورت ہے۔ ان کو تو اس وقت نماز کی چوکی پر ہونا چاہیئے تھا۔ وہ بڑھی۔ اس کی پائل چھنکی۔ رنگین سرارہ سرسرایا۔ امی نے چونک کر دیکھا۔

"دلہن!"

"ہاں امی" اس نے بڑے پیار سے ان کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"آپ آرام سے بیٹھیئے امی۔ میں سب کروں گی۔"

"مگر تم ......" امی ہکلائیں۔ نشا ان کا بوکھلایا حیران حیران لیکن خوشیوں ک میں ڈوبتا ابھرتا چہرہ بڑا ہی جانا پہچانا لگا اپنی امی جان جیسا۔ اور یہ کچن بھی ویسا ہی جا سا لگ رہا تھا اور یہ سب وقت ... چشم زد انگیٹھی جل گئی۔ کچن صاف ہو گیا۔ پانی سن ابلنے لگا۔ پیالیاں کھنکنے لگیں۔ پراٹھے او کے خاگینے کی اشتہا انگیز مہک فضا میں چکرا

اعجاز نے آنکھ کھولی۔ کمرے میں نشاط ک کچن سے اس کی میٹھی آواز سن کر بڑے سکو مسکرایا اور کروٹ لے کر پھر سو گیا۔ کچھ دیر ا بالکل صاف تھا۔ باورچی خانہ دھلا نکھرا تھا۔ الماری پر برتن جگمگا رہے تھے۔ کھانا قریب تیار تھا بستر قاعدے سے لگے تھے۔ ہلکی آواز سے ایک نئی نئی سی زندگی کا احسا ہو رہا تھا۔

امی بہت مطمئن بہت مسرور پلنگ بیٹھیں۔ قدسیہ بلا وجہ چہک رہی تھی۔

نشاط تھکی تھکی سی لیکن بے حد خوش کمرے میں پہونچی تو اعجاز نے اس گڑیا کے دونوں ہاتھ بیحد پیار سے تھام لیے اور شرارت سے بولا۔

"ارے بھئی نشو۔ ہم بھی تو پڑے ہیں راہوں میں"

پہلی مدد

شیشے کا زخم | شیشے سے کاری زخم لگ گیا اور بہت زیادہ خون بہنے لگا۔ تو خون کو روکنے کے لیے زخمی حصّہ کو فوراً دبا کر رکھیں اور صاف رومال، کپڑا، دوپٹہ یا کوئی اور چیز زخم پر مضبوطی سے باندھ دیں۔ اس وقت کوئی چیز نہ مل سکے تو خالی ہاتھ ہی سے زخمی حصّہ کو مضبوطی سے دبا رکھیں۔ پٹی بھلے ہی خون سے تر بتر ہو جائے گی مگر اسے الگ نہ کریں۔ خون کا نکلنا بند ہو جانے پر پٹی بدل دیں۔

اگر زخم زیادہ گندہ ہے تو صاف پانی سے خوب اچھی طرح دھو ڈالیں۔ اس خون کو بالا طریقوں سے روکنے کی کوشش کریں اور بغیر وقت ضائع کیے بغیر قابل ڈاکٹر کے پاس لے جائیں۔

چھچھڑی کا | جب بدن میں چھچھڑی چپٹ کر خون چوسنے لگے تو اس کے اوپر کوئی گرم چیز نہ رکھیں۔ گرم کرنے سے چھچھڑی کے بعض حصے جسم میں رہ سکتے ہیں۔ اس کے اوپر کوئی گاڑھا گاڑھا تیل وغیرہ کا تیل اور موٹر دل کا تیل ڈال سکتے ہیں۔ اس طرح دم گھٹنے سے اس کی گرفت ڈھیلی ہو جائے گی۔ اس کے بعد چھچھڑی کو احتیاط سے بدن سے الگ کریں۔ اتنا دھیان رہے کہ اس کا کوئی حصہ نہ رہ جائے۔ پھر صاف پانی اور صاف صابن سے اس جگہ کو بار بار دھوئیں

(مرسلہ: ایم۔ اے۔ خیامی۔ گلبرگہ)

ازدواجی زندگی

ایک کامیاب ازدواجی زندگی کے بنیادی اصولوں کی تشریح کرتے ہوئے یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ انسان اپنی جوانی میں عقل سے کم کام لیتا ہے اور جذبات کی رو میں بہہ جاتا ہے۔ شادی کے ابتدائی دور میں یہ جذبات اپنے عروج پر ہوتے ہیں۔ آج بے شمار شادیوں کی ناکامی کی حقیقی وجہ صرف اتنی ہے کہ جنسی عروج ہی کو ازدواجی زندگی کا حاصل سمجھ لیا گیا ہے۔ یہ امید رکھنا کہ شادی کے ابتدائی دنوں کی سی ترغیب و کشش سدا باقی رہے۔ ایک زبردست غلطی ہے۔ جذبات کی ترنگ میں ضرور تبدیلی ہوگی اور دانش مندی کا تقاضہ ہے کہ اس تبدیلی کے ساتھ ساتھ سمجھوتہ کر لیا جائے۔

جن نوجوانوں نے اس سیدھے سادے مگر نہایت اہم نکتے کو سمجھ لیا ہوا نہیں اپنی ازدواجی کے متعلق کسی بھی پہلو سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ مایوسی صرف ان لوگوں کو ہوتی ہے جو شادی کے بعد اپنے آپ کو حالات کی تبدیلیوں کے لیے تیار نہ کر سکیں۔ اس کو ایک مثال سے سمجھئے۔ یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ ایک بچہ پیدا ہونے کے بعد عورت کی دلچسپی اپنے خاوند کی ذات سے گھٹ جاتی ہے بچے کی پیدائش سے پہلے اسے جتنی محبت اپنے خاوند کے ساتھ ہو۔ اس کا بہت سا حصہ بچے کی ذات میں منتقل ہو جاتا ہے اور بچے کی ذات ہی اس کی محبت اور فداکاری کا مرکز بن جاتی ہے۔ یہ قدرت کا ایک نہایت پاکیزہ اور بے عیب قانون ہے۔ اگر وہ ماں کے دل میں اپنی اولاد کی ایسی والہانہ الفت پیدا نہ کرتی تو ظاہر ہے کہ نسل انسانی کی تربیت اور پرورش میں بڑا خلل واقع ہوتا مگر وہ لوگ جو فطرت کے بھیدوں کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے، عورت کی اس تبدیلی پر بُری طرح جھنجھلا اٹھتے ہیں۔ وہ

رفیقۂ حیات کی وفا کو مشکوک سمجھ کر ایسا نامناسب وتیرہ اختیار کرتے ہیں جو کسی بھی خوددار طبیعت کے لیے قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

ازدواجی زندگی کو کامیاب بنانے کا ایک بڑا اصول یہ بھی ہے کہ اپنی رفیقۂ حیات پر کبھی نکتہ چینی نہ کی جائے۔ اکثر لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنی طبیعت کے خلاف ادنیٰ سے ادنیٰ بات بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ سالن میں کبھی نمک مرچ کم و بیش ہو جائے۔ گھر میں کوئی چیز بے ٹھکانے رکھی جائے۔ غلطی سے کوئی کام وقت پر سرانجام دینا یاد نہ رہے، بیوی کے منہ سے کوئی ایسا جملہ نکل جائے جو ان کی اپنی عقل کے پیمانے سے چھوٹا ہو تو وہ بے چارے اپنی ناراضی اور ناپسندیدگی کو چھپا نہیں سکتے۔ اور اکثر حالتوں میں بڑی تکلیف دہ نکتہ چینی کر کے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں۔ بعض آدمی رشتہ داروں، مہمانوں یا بچوں کی موجودگی میں اچھی خاصی توہین کر دیتے ہیں۔ اس بدسلوکی کا ردعمل کیا ہوتا ہے؟ رفیقۂ حیات کی مہر و وفا کا پھول پوری خوشبو دیے بغیر مرجھا جاتا ہے۔ آب حیات میں زہر کے قطرے مل جاتے ہیں دل کی بے تاب تمنائیں اداسی اور مایوسی کی گود میں سر رکھ کر دم توڑ دیتی ہیں۔ اور وہ روحانی تپاک جس کے دم سے زندگی، زندگی کہلانے کی مستحق ہوتی ہے۔ ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔

یہ درست ہے کہ غلطیوں اور خامیوں کی اصلاح ہونی چاہیے۔ اگر آپ کی رفیق زندگی میں واقعی کوئی ایسی عادت پائی جاتی ہو جس کا دور کرنا ضروری ہے تو یہ لازم نہیں آتا کہ آپ نکتہ چینی ہی کو وسیلے کی حیثیت سے استعمال کریں۔ کیونکہ یہ طرز عمل تعمیری نہیں، تخریبی ہے۔ عقل و فکر سے کام لے کر بہتیرے ایسے طریقے استعمال کیے جا سکتے ہیں کہ اس کی دل شکنی کے بغیر مطلب نکل آئے۔ مثال کے طور پر اگر آپ یہ محسوس کریں کہ بیوی گھر کے سامان میں ترتیب اور قرینے کا پورا خیال نہیں رکھتی۔ برتن، کتابیں یا کپڑے وغیرہ، ادھر ادھر پڑے رہتے ہیں تو اسے یہ بھی نہ جتلایا جائے کہ وہ سلیقہ مند نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ خود ہی ایک آدھ مرتبہ ان چیزوں کو ٹھکانے سے رکھ دیں۔ لیکن ایسا کرتے وقت موقع محل ضرور دیکھ لیا جائے۔ مثلاً جب بیوی دو چار دن کے لیے غیر حاضر ہو، یا بیماری کے باعث کام کرنے کے ناقابل ہو، آپ

ان موقعوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، ورنہ عام حالتوں میں شاید ہی کوئی عورت اپنے خاوند کا ایسا رویہ برداشت کرے جس سے ظاہر ہو کہ اسے سلیقہ شعاری کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ ہر خوددار عورت اسے اپنی توہین خیال کرے گی۔

یا ایک اور طریقہ ہے ـــــ فرض کیجئے، بیوی نے آپ کو جس پیالی میں چائے پلائی وہ اچھی طرح صاف نہیں۔ اب بجائے اس کے کہ آپ اسے یہ بتائیں کہ پیالی اچھی طرح نہیں دھوئی گئی، یہ بہتر ہوگا کہ کسی وقت باتوں ہی باتوں میں اسے یہ محسوس کرا دیں کہ صفائی کتنی ضروری چیز ہے۔ مثلاً آج ایک دوست کے ساتھ ان کے گھر جانے کا اتفاق ہوا، انھوں نے اندر سے شربت منگوایا۔ گلاس دیکھیے تو سخت کراہت ہوئی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا گویا کبھی مانجھے ہی نہیں گئے۔ چکناہٹ کے دھبے اور ان پر انگلیوں کے نشان ایسے بد نما معلوم ہوتے تھے کہ شربت پینے کو جی نہیں چاہتا تھا اور صرف گلاسوں ہی پر کیا منحصر، سارا مکان ان کی گھر والی کی غلاظت پسندی اور پھوہڑپن کی شہادت دیتا تھا۔ دیواروں پر پھپھوندی لگی ہوئی چھت پر جا بجا جالے، الماریاں، کرسیاں، بستر گرد و غبار میں اٹے ہوئے تھے، سارا دیوان خانہ ایسا دکھائی دیتا تھا جیسے کباڑی کی دوکان۔ اندر سے ان کا ایک بچہ نکلا، تو وہ اتنا گندہ، گویا اس کا ہاتھ منھ کبھی نہیں دھلایا گیا۔ میں تو یہ سب کچھ دیکھ کر بڑا حیران ہوا کہ آخر یہ لوگ کس قسم کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔"

صرف خاوند ہی کے لیے یہ لازم نہیں کہ وہ نکتہ چینی سے پرہیز کرے بیوی کے لیے بھی اس اصول کی پابندی برابر ضروری ہے۔ ایسی عورتوں کی کوئی کمی نہیں، جو اپنے شوہروں پر نکتہ چینی اور ان کی عیب گیری اور شکوہ شکایت کر کے اپنے ہاتھوں سے اپنی مسرتوں کی قبر کھود دیتی ہیں۔ ان کی دنیا جیل کی کوٹھری سے بھی زیادہ تنگ و تاریک ہوتی ہے وہ عورت درحقیقت عقل سلیم سے محروم ہے جو یہ سمجھے بیٹھی ہو کہ وہ اپنے خاوند کی عیب شماری کر کے اس کی زندگی میں کوئی حقیقی تبدیلی پیدا کر سکتی ہے نکتہ چینیوں کا ہمیشہ الٹا ہی اثر ہوتا ہے۔ فرانس کا بادشاہ نپولین سوم اپنی بیوی کی پیہم اور متواتر عیب چینی سے اتنا دل برداشتہ ہوا کہ اپنے شاہی محل میں اس کے لیے کوئی کشش باقی نہ رہ گئی۔ وہ پوشیدہ طور پر

کسی دوسری عورت پر فریفتہ ہوگیا. رات کے وقت چوری چھپے گھر سے باہر نکل جایا کرتا تھا لیکن امریکہ کا پریذیڈنٹ بھی ساری عمر اپنی بیوی کی بدزبانی سے نالاں رہا. وہ نہایت متحمل مزاج شخص تھا. لیکن اس کے باوجود اسے اپنی شریک زندگی سے انتہائی نفرت کے لیے مجبور ہونا پڑا اس کی بیوی سالہا سال کی نکتہ چینیوں اور شکایتوں سے پاگل ہوگئی. ٹالسٹائی عمر بھر اپنی بیوی کی لعن طعن برداشت کرتا رہا. لیکن بالآخر ۸۲ سال کی عمر میں اس کے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہوگیا. وہ بلا اطلاع گھر سے نکل کھڑا ہوا اور اسی سفر کی حالت میں نمونیے میں مبتلا ہوکر دنیا سے رخصت ہوگیا۔

پس اگر آپ کی یہ آرزو ہے کہ آپ کی ازدواجی زندگی اطمینان سے بسر ہو تو آپ رفیق حیات پر نکتہ چینی نہ کریں۔

ایک کامیاب ازدواجی زندگی کا ایک اصول یہ ہے کہ خاوند اور بیوی ایک دوسرے پر پورا پورا اعتماد کریں۔ وہ رشتہ جس میں باہمی اعتماد موجود نہیں، سوت کے کچے دھاگے سے بھی زیادہ بودا اور کمزور ہے. لیکن اعتماد کیونکر قائم ہوسکتا ہے؟ سچائی سے، ظاہر و باطن کی سچائی سے، اگر خاوند کو بیوی سے یا بیوی کو خاوند سے کوئی بھید چھپانا اور جھوٹ بولنا پڑے، ایک دوسرے کی ذات میں شک وشبہ کی گنجائش نظر آئے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انھیں ایک دوسرے کا روحانی اشتراک حاصل نہیں ایسی حالت میں زندگی بہت بے لطف ہوکر رہ جاتی ہے. بعض لوگ فطرۃً بہت شکی طبیعت کے مالک ہوتے ہیں میں ایک شخص کو جانتا ہوں، اپنی سرکاری ملازمت کے سلسلے میں باہر دورے پر جانا پڑتا. لیکن جب بھی واپس آتا اپنے گھر کی ایک ایک چیز یہاں تک کہ تمام برتن بھی گن لیتا. اس کی بیوی اکثر اس کے ساتھ جھگڑتی کہ وہ کیوں اسے چور سمجھ کر آئے دن اس کی توہین کرتا رہتا ہے۔ ان دونوں میاں بیوی کی نااتفاقی محلے بھر میں ضرب المثل ہوگئی تھی۔ انھیں گھر کا سکون حاصل نہ تھا۔ وہ باہر بھی ذلیل تھے

بعض سخت گیر خاوند اپنی بے رحم فطرت کی وحشیانہ نمائش سے عورت کو واقعی جھوٹ بولنے پر مجبور کردیتے ہیں جس طرح بچے سے کوئی غلطی ہوجائے تو وہ مارپیٹ کے ڈر سے اپنے قصور سے مکر جاتا

ے یا اپنی غلطی کو دوسرے کے سر تھوپ دیتا ہے، اسی طرح بے چاری عورتیں بھی اپنی خطاؤں پر پردہ ڈالنے کے لیے جھوٹ بولتی ہیں۔ تھوڑے ہی دن ہوئے میرے ایک دوست نے جس کی حال ہی میں شادی ہوئی ہے۔ اپنی بیوی کے متعلق مجھے بتایا کہ وہ کبھی کبھی غلط بیانی بھی کرتی ہے۔ دریافت کرنے پر اس نے دو ایک واقعات بھی بتائے۔ میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ دراصل اس کی بیوی نے جو بھی جھوٹ بولا اس خوف سے بولا کہ کہیں اسے سختی اور ناراضی سے دوچار نہ ہونا پڑے۔

آپ اپنی طبیعت کو اتنا نرم، اپنی فطرت کو اتنا حلیم بنائیں کہ آپ کی رفیق زندگی کو کسی حال میں بھی آپ کے سامنے جھوٹ نہ بولنا پڑے، لیکن میں عورتوں کو یہ مشورہ دوں گا کہ خاوند خواہ کیسی ہی طبیعت کا مالک ہو، جہاں تک بن پڑے وہ کبھی جھوٹ نہ بولیں۔ جو عورت جھوٹ بول سکتی ہے، وہ اپنے خاوند سے روٹی، کپڑا، روپیہ پیسہ سب کچھ لے سکتی ہے لیکن دلی احترام کبھی حاصل نہیں کرسکتی، اعتماد سے وہ ہمیشہ محروم رہے گی۔

اگر آپ کی یہ خواہش ہے کہ آپ کی خانگی زندگی خوشی خوشی بسر ہو تو اس کا چوتھا اصول یہ ہے کہ آپ اپنے رشتہ داروں کے تعلقات و معاملات کا پورا پورا احترام کریں۔

یہ تعلقات چھوٹی چھوٹی باتوں سے بنتے بھی ہیں اور بگڑتے بھی۔ بعض اوقات ان کے متعلق ذرا سی بے احتیاطی بھی ایسی پیچیدگیاں پیدا کر دیتی ہے کہ ان پر قابو پانا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہر اس مرد و عورت کا جسے اپنی ازدواجی زندگی میں امن و سکون کی خواہش ہو، فرض ہے کہ وہ اپنے باہمی تعلقات کے علاوہ اپنے اردگرد کے رشتوں کا بھی پورا احترام کرے۔ مثال کے طور پر عورت فطرۃً یہ گوارا نہیں کرسکتی کہ اس کے منہ پر اس کے والدین کی بُرائی کی جائے۔ میرے ایک عزیز کی بیوی خود اپنی زبان سے اپنے والدین کی شکایتیں کیا کرتی تھی، لیکن ایک دفعہ جب اس کے خاوند نے بھی اس کے والدین پر نکتہ چینی کی، تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ اسے بالکل برداشت نہ کرسکی۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

اس عورت کی بدقسمتی میں کیا شک ہو سکتا ہے جو اپنے خاوند اور سسرال کی برائی میکے میں جاکر کرتی ہو یا اپنے اور اپنے خاوند کے رشتہ داروں کی اچھائیوں، برائیوں کا مقابلہ کرنے کی عادی ہو یا ساس نندوں کے عیب خاوند کے پاس اور خاوند کی کمزوریاں ساس نندوں کے سامنے بیان کردیتی ہو۔ یہ چھوٹی چھوٹی چغلیاں اور غیبتیں عورت کے وقار ہی کے لیے نہیں بلکہ اس کی مسرتوں کے لیے بھی مہلک ہیں وہ والدین بڑے عقلمند ہیں جو سسرال کی عیب گیری کے معاملے میں اپنی شادی شدہ لڑکیوں کی قطعاً حوصلہ افزائی نہیں کرتے۔

ہر خاوند کا، ہر بیوی کا یہ فرض ہے کہ وہ ایک دوسرے کے رشتہ داروں اور عزیزوں کی پوری پوری عزت کرے۔ عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ اگر کسی گھر میں خاوند کے رشتہ دار آجائیں تو بیوی ان کی مہمان نوازی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتی، لیکن اگر بیوی کے رشتہ دار آجائیں تو خاوند ان کی خاطر تواضع میں پوری دلچسپی نہیں لیتا۔ شاید اس کی یہ وجہ ہو کہ خاوند اپنے گھر میں اپنے رشتہ داروں کا زیادہ حق سمجھتا ہے لیکن انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں کے مہمانوں سے یکساں سلوک کیا جائے۔

ازدواجی زندگی کو خوش گوار بنانے کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ میاں بیوی چادر سے باہر پاؤں نہ پھیلائیں۔ مردوں کو زمانے کے بدلتے ہوئے حالات اور ان کے تقاضے کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے اب وہ عورتیں دنیا میں باقی نہیں رہیں جو دال دلیا کھا کر موٹا جھوٹا پہن کر رضامندی اور قناعت کی زندگی بسر کرتی تھیں۔ ہر زمانے کی ایک مخصوص تہذیب ہوتی ہے۔ کل کی تہذیب کل تک جائز تھی۔ آج اسے ہمارے سامنے شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ وقت کا سیلاب جن سماجی اور معاشی قدروں کو اپنے ساتھ بہالے گیا ہے۔ انھیں کسی بھی کوشش سے واپس نہیں لایا جاسکتا۔ ہمیں نئی قدروں کے مطابق زندگی بسر کرنی ہوگی۔ آمدنی کے اچھے وسیلے تلاش کرکے زندگی کا معیار بلند کرنا ہوگا۔ کوئی عورت اس وقت تک اپنے خاوند سے مطمئن نہیں رہ سکے گی۔ جب تک کہ جدید معاشری قیمتوں کے مطابق اس کے رجحانات کو آسودہ نہ کیا جائے گا۔ یہ چیز مردوں سے محنت کا مطالبہ کرتی ہے

جذبات وخواہشات کی پاسداری کے سلسلے میں اور بھی کئی چیزیں ہیں جن کا آپ کو خیال رکھنا ہوگا۔ یہ ضروری نہیں کہ بیوی اپنے خاوند کی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کی غلام ہو کر رہ جائے۔ ہو سکتا ہے کہ جو لباس اس نے پہن رکھا ہو، خاوند کو ناپسند ہو۔ کھانے پینے کی کئی چیزیں جو اسے بہت مرغوب ہوں، ان سے نفرت ہو۔ بعض خیالات وعقاید سے جنھیں وہ اپنے ورثے اور ماحول سے اپنے ساتھ لائی ہے اختلاف ہو۔ ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس کی آزادی اور انتخاب میں کسی طرح کی مداخلت جائز نہیں یاد رکھئے یہ غلطی ازدواجی مسرتوں کے لیے سمِ قاتل کا حکم رکھتی ہے۔

رواداری ہی کافی نہیں، تعریف کو بھی اپنا شیوہ بنائیں۔ میں نے فلسفے کی ایک کتاب میں پڑھا تھا۔ انسان کو دو قسم کی بھوک لگتی ہے روٹی اور جسم کی بھوک، مگر تجربہ بتاتا ہے انسان تعریف کا بھوکا ہے۔ اگر وہ تعریف کا بھوکا نہ ہوتا تو دنیا کی تہذیب اپنے موجودہ مقام سے بہت پیچھے ہوتی۔ عورت میں یہ بھوک مرد کے مقابلے میں زیادہ پائی جاتی ہے۔ وہ اپنے چھوٹے چھوٹے کاموں کے لیے بھی تعریف چاہتی ہے۔ جب کبھی وہ عمدہ کھانا تیار کرتی ہے تو صرف کھانے اور کھلانے کے لیے نہیں۔ وہ کوئی دل پسند لباس پہنتی ہے تو صرف اپنے شوق کی خاطر نہیں بلکہ اس لیے بھی کہ اس کا شوہر اس کے تیار کیے ہوئے کھانے کی، اس کے لباس کی تعریف کرے۔ کتنے ہی شوہر اس معمولی راز سے واقف ہوں گے کہ وہ مختلف موقعوں پر اپنی شریک حیات کی تعریف کر کے گھریلو زندگی میں کتنی مسرت انگیز تبدیلی لا سکتے ہیں۔ بھولنا نہ چاہیے کہ عورت کو اپنا لباس اور اس کی تعریف بہت عزیز ہے۔ ایک امریکن مصنف لکھتا ہے "اگر کسی عورت کو راستے میں کوئی دوسری عورت آتی ہوئی ملے تو وہ یہ نہیں دیکھے گی کہ وہ عورت کون ہے بلکہ سب سے پہلے دیکھے گی کہ اس نے کس طرح کے کپڑے پہن رکھے ہیں"۔ عورت کی دوسری بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اس کا خاوند کبھی کبھی اسے اپنی پسند کا کپڑا بھی لا دیا کرے۔ اگر اس کے لباس میں، بناؤ سنگار میں کوئی دلچسپی نہ لی جائے تو وہ بڑی جلدی اس نتیجے پر پہنچتی ہے کہ خاوند کو اس کے ساتھ محبت نہیں یہ احساس اس کی صحت اس کے شوق اور اس کی

خوبصورتی پر برا اثر ڈالتا ہے۔

خاوند کا مسکراتا ہوا چہرہ، پیار بھری تعریف، وقتاً فوقتاً ایک آدھ تحفہ خواہ پھولوں کا ہار ہی کیوں نہ ہو، یہ چیزیں ہیں جن سے عورت کی روح تک متاثر ہوجاتی ہے۔ کیا آپ ان باتوں کا خیال رکھتے ہیں۔

یہ ہیں چند موٹے موٹے اصول اور زیادہ تر انہی پر کامیاب ازدواجی زندگی کی کامیابی کا انحصار ہے۔ ان کے علاوہ جتنی بھی باتیں ہیں وہ سب فروعی ہیں۔ مثلاً بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپس کے نباہ کے لیے مرد و عورت کی سماجی اور تعلیمی حالت کا یکساں ہونا ضروری ہے۔ مگر اس خیال کی صحت مشکوک ہے۔ بے شمار آدمی جن کی سماجی اور ذہنی [illegible] پر [illegible] لکھنے کی قطعاً گنجائش نہیں معمولی معمولی عورتوں کے ساتھ بہترین ازدواجی زندگی بسر کرتے [illegible] دیکھے گئے ہیں۔ اکثر لوگوں کے نزدیک اولاد کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ [illegible] کے بغیر ازدواجی زندگی کامیاب ہی نہ ہوسکے۔ بعض لوگ عمروں کے صحیح تناسب پر بہت زور دیتے [illegible] مجھے ان سے پورا اتفاق ہے لیکن عمروں کے تناسب کا سوال شا[illegible] سے پہلے ہی حل کرنا چا[illegible] بعد میں اگر یہ گتھی پڑ جائے تو اس کا سلجھنا مشکل ہے۔ عمر کا اختلاف بے شمار رنجشوں۔ نااتفاقیوں اور خانہ بربادیوں کا موجب ثابت ہوچکا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ازدواجی زندگی میں اسے داخل ہی نہ ہونے دیا جائے، لیکن اگر اس سوال سے دوچار ہوئے بغیر چارہ نہ رہے تو دل و دماغ کی تمام صلاحیتوں کے ساتھ حالات کو بہتر بنانے کی کوشش کی جائے۔ مرسلہ محمد احمد دہلی

امانت

فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ ؕ (البقرہ ۲۸۳) جس کے پاس امانت رکھی گئی ہے اس کو چاہئے (عند الطلب) ادا کر دے اور خدا سے ڈرتا رہے

امانت کو بلا اجازت مالک کے اپنے صرف میں لانا یا اس سے کسی قسم کا فائدہ حاصل کرنا منع ہے۔ہاں اگر صاحبِ مال اس کی اجازت دے دے تو ایسا کرنا جائز ہے اگر امانت ضائع ہو جائے تو صاحبِ مال کو اس کی قیمت لینا جائز نہیں۔دھوبی کو جو کپڑے دیئے جاتے ہیں ان کا بھی یہی حکم ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا ۙ (النساء ۵۸) اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو (عند الطلب) اُن کے مالکوں کو واپس کر دیا کرو۔

جس طرح اشیاء میں امانت داری کا حکم ہے۔اسی طرح اسرار اور مجلس کی باتوں میں بھی خیانت کرنا منع ہے بلا اجازت کسی کے راز کو افشا کر دینا بھی ایک قسم کی خیانت ہے۔

امانت میں خیانت کرنا منافق کی نشانی ہے۔آپؐ نے فرمایا ہے کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو خلاف کرے اور امانت میں خیانت کرے۔

(بخاری،مسلم)

ایثار

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ (الحشر۔ ۹) ایثار کرتے ہیں، اگرچہ خود تنگی میں ہوں۔

یہ آیت انصار کی تعریف میں نازل ہوئی تھی وہ لوگ باوجود فقر و فاقہ کے محتاجوں کے لئے کھانا کپڑا اور دیگر ضروریات کی چیزیں مہیا کرتے تھے اسی کو ایثار کہتے ہیں یعنی اپنی ضرورت کو روک کر دوسرے کی ضرورت کو پورا کرنا،خود تکلیف اُٹھانا، مگر محتاج کو آرام پہنچانا۔ایسے لوگ آجکل

بہت کم پائے جاتے ہیں۔ اسی آیت میں ان لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ فلاح پانے والوں میں سے ہیں۔

دنیا میں بھی ایثار والوں کو بڑی عزت و دولت نصیب ہوتی ہے اور آخرت کا تو کیا کہنا اگرچہ ابتداء میں بسا اوقات مصیبتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔

حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ مدت کے بعد بڑے شوق سے مچھلی پکوائی۔ کھانے کے لئے بیٹھے ہی تھے کہ سائل آگیا وہ سب آپ نے اسی کو دے دی اور خود کچھ نہ کھایا صحابہ میں اس قسم کی کثیر مثالیں ملتی ہیں۔

ایفائے عہد

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۔ اے ایمان والو ایفائے عہد کرو۔

(المائدہ - ۱)

ایفائے عہد ایک بہترین صفت ہے۔ اس سے لوگوں کے دلوں میں انسان کا اعتبار پیدا ہوتا ہے اور بہت سے فائدے پہنچتے ہیں۔

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۔ پورا کرو عہد (روزِ قیامت) اس کی پرسش ہوگی۔

(بنی اسرائیل - ۳۴)

امانت کے بیان میں ابھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ منافق کی پہچان یہ ہے کہ جب وہ وعدہ کرتا ہے تو اس کو پورا نہیں کرتا۔ ہم لوگ رات دن سینکڑوں وعدے خلافی کرتے ہیں اور ذرا بھی خیال نہیں کرتے بلکہ یہ تو آجکل کے مسلمانوں میں ایک معمولی سی بات ہوگئی ہے۔ درآں حالیکہ یورپ والے جن کو ہم برا کہتے رہتے ہیں اس معاملہ میں بہت سخت ہیں۔ وہ وقت کی پابندی، وعدے کی پابندی اپنے پرائیویٹ اور تجارتی معاملات میں نہایت سختی سے کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مشہور ہے کہ

آپ وعدے کی وجہ سے تین روز تک ایک ہی جگہ ایک بوڑھی عورت کے انتظار میں کھڑے رہے تھے۔

(ابوداؤد، مشکوٰۃ)

بُردباری

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ○

(آل عمران — ۱۳۴)

غصہ کو ضبط کرنے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے، خدا نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

بُردباری ایک بہترین صفت ہے عموماً غصے کی حالت میں انسان اپنا نقصان کر بیٹھتا ہے جس کا بعد میں ملال ہوتا ہے، ضبط سے اس عالم میں بھی ایسے نقصانات سے بچ جاتا ہے۔ یہ حالت دو چار منٹ رہا کرتی ہے اگر شروع ہی سے انسان ضبط سے کام لیتا ہے تو بہت فائدے میں رہتا ہے اس کے دشمن بھی کم ہوتے ہیں۔

وَإِنْ تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ○

(التغابن — ۱۴)

اگر تم معاف کر دو، درگذر کرو، اور بخش دو۔ خدا (تمھیں بخشے گا)۔ وہ غفور و رحیم ہے۔

معاف کر دینے والوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرماتا ہے۔ مخلوق کا بھی ایسے لوگوں کے ساتھ اکثر یہی برتاؤ ہوتا ہے۔ لوگ بُردبار کی ضرور رعایت کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنے کسی خادم پر غصہ نہیں فرمایا اگرچہ اس سے کیسی ہی بڑی غلطی کیوں نہ ہو گئی ہو۔ فتح کے بعد آپؐ نے اپنے دشمنوں کے ساتھ جو برتاؤ کیا وہ تاریخ میں ہمیشہ بُردباری کی ایک روشن مثال رہے گی۔

توکّل

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (التغابن ۱۳) اللہ ہی پر چاہئے بھروسہ کرنا ایمان والوں کو۔

اپنی کوشش میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرنا، کامیابی کے متعلق خدا پر بھروسہ کرنا صحیح توکّل یہ ہے۔ ترکِ اسباب کرکے یہ کہہ دینا کہ اللہ مالک ہے توکل نہیں کہلاتا۔

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے تو خدا

(الطلاق — ۳) اس کو کافی ہوتا ہے۔

ہمارے جاہل صوفیا نے اس آیت سے یہ مطلب سمجھا کہ جب اللہ کافی ہے تو پھر اسباب کی کیا ضرورت حالانکہ یہ شیطانی دھوکا ہے۔ عالمِ اسباب فضول نہیں پیدا کیا گیا۔ کیا کوئی صوفی اس طرح کا گذرا ہے جس نے اپنے ہاتھ سے لقمہ اُٹھاکر منہ میں نہ رکھا ہو۔ اس وقت وہ کیوں اپنا ہاتھ اُٹھاتا ہے، نہ معلوم کھانے کے وقت ان کا توکّل کہاں چلا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی، صحابہ تابعینؒ کی زندگی پر ایک نظر ڈالی جائے ان میں سے کسی نے نہیں کہا کہ ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جاؤ بلکہ اسباب کے حاصل کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ یہ سب حضرات اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔ تصوف اسلامی میں اپنے ہاتھ کی کمائی کھانا نہایت ضروری ہے۔ ان جاہل صوفیا کے کہنے میں نہ آنا چاہئے۔

رحم

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝ اور وہ لوگ صبر و رحم کرنے کی تاکید کرتے ہیں

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝ (البلد ۱۸-۱۷) یہ لوگ خوش قسمت ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا فَلَيْسَ مِنَّا۔ (ترمذی، مسند احمد) جو لوگ چھوٹوں پر رحم نہیں کرتے اور بزرگوں کی تعظیم نہیں کرتے وہ ہم میں سے

نہیں ہیں۔ دیکھئے یہ کیسے سخت الفاظ ہیں اس سے صبر و رحم کی اہمیت ظاہر ہے۔ آپؐ جانوروں پر بھی انتہائی رحم فرماتے تھے۔ آپؐ کی سواری کا جانور آپؐ کے ساتھ ہوتا تھا مگر اس پر بھی آپؐ پیدل ہی سفر فرماتے تھے۔ ایک عورت نے آپؐ سے بیان کیا کہ ہماری پڑوسن بہت زیادہ عبادت کرتی ہے مگر اپنے پڑوسیوں کو ایذا دیتی ہے اور اس نے اپنی بلی کو بھوکا مار دیا۔ آپؐ نے فرمایا هِيَ فِي النَّارِ (بخاری) یعنی وہ دوزخ میں جائے گی۔ ہم مسلمانوں کی بھی یہی حالت ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے۔

رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح-۲۹) وہ آپس میں رحم دل ہیں

یہ آیت صحابہ کرام کی تعریف میں نازل ہوئی تھی کہ وہ لوگ آپس میں بہت پیار و محبت سے رہتے ہیں۔ رحم کرنے والوں پر خدا بھی رحم کرتا ہے۔ اور اس کے بندے بھی۔ مشہور ہے مَنْ لَمْ يَرْحَمْ لَا يُرْحَمْ جو رحم نہیں کرتا اس پر بھی کوئی رحم نہیں کرتا۔

حُسنِ خُلق

وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ (الرعد-۲۲) دفع کرتے ہیں بھلائی سے برائی کو۔

نرم برتاؤ کرنے والے کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا کوئی کمال نہیں ایسا تو ہونا ہی چاہئے دراصل حُسنِ خلق کے یہ معنی ہیں کہ برائی کرنے والے کے ساتھ بھلائی کی جائے اور سخت گفتگو کرنے والے کے ساتھ نرمی سے بات کی جائے جیسا کہ آیت میں اس طرف اشارہ ہے۔

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ○ (حم السجدہ-۳۴)

نیکی اور بدی برابر نہیں۔ لہٰذا جواب میں وہ بات کہو جو بہتر ہو۔ تو دیکھ لے گا کہ دشمن بھی گویا دوست قرابت دار کے مانند ہو جاتا ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ حُسنِ خلق سے انتہائی دشمن بھی دوست ہو جاتا ہے مگر یہ کام بہت صبر طلب ہے

لیکن اس کا پھل نہایت شیریں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق کیا تھا یہ سوال حضرت عائشہؓ سے کیا گیا تھا آپؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق قرآن ہے۔ اخلاق کے متعلق علامہ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے۔

چستی

یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ۔ قُمْ فَاَنْذِرْ (المدثر ۲-۱) اے کپڑوں میں لپٹنے والے اٹھ اور ڈرسنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا تھا کہ اس طرح کپڑوں میں لپٹے کیا اللہ اللہ کر رہے ہو۔ اٹھو چستی و ہوشیاری سے کام لو اور لوگوں کو ڈراؤ۔ کپڑوں کو صاف کرو۔ اسلام میں پنج وقتی نمازیں سستی کو دور کرنے کے لئے رکھی گئی ہیں۔ وضو غسل وغیرہ بھی چستی پیدا کرتے ہیں خصوصاً صبح سویرے اُٹھنا تو بہت ہی فائدہ مند ہے۔ طلوعِ شمس سے پہلے اٹھنے والے ہمیشہ چست و چالاک رہتے ہیں۔ نمازِ صبح پڑھنے والے عموماً صبح نہ اُٹھنے والوں کی نسبت زیادہ ہوشیار ہوتے ہیں۔

صبح سویرے اُٹھنا، ورزش کرنا، علی الصبح غسل کرنا، زود ہضم چیزیں کھانا سستی کو دور کرتے ہیں۔ عرب لوگ اسلام سے پہلے بھی بیکاری و سستی کو ناپسند کرتے تھے۔ اس قسم کے الفاظ ان کے یہاں بطور گالی کے استعمال ہوتے تھے۔ ہجویہ قصائد میں ضرور آپ کو ایسے الفاظ ملیں گے۔

زکوٰۃ

وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْہُ عِنْدَ اللّٰہِ ۭ (البقرہ - ۱۱۰) زکوٰۃ دو اور جو کچھ تم اپنے لئے آگے بھیجو گے اس کو خدا کے یہاں پاؤ گے۔

صاحبِ نصاب پر جو چالیسواں حصہ ہر سال فرض ہوتا ہے اس کو زکوٰۃ کہتے ہیں اسلام میں غرباء کی امداد کے لئے یہ ایک خاص چیز ہے جس کا ادا کرنا نہایت سہل ہوتا ہے یہ ایک قسم کا اسلامی

نیکس ہے جو ہر صاحب دولت کو ادا کرنا ہوتا ہے۔ حُبّ مال میں بھی اس سے کمی ہوتی ہے اور سخاوت کی عادت پیدا ہوتی ہے۔ صدقات اس کے علاوہ ہیں۔

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (البقرہ-۴۳) زکوٰۃ دو۔

زکوٰۃ نہ دینے والوں کے متعلق سخت وعید ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں بعض لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو آپؓ نے ان سے جہاد فرمایا کیونکہ یہ اسلام کا ایک رُکن ہے۔ زکوٰۃ دینے سے دنیاوی مصائب بھی دور ہو جاتے ہیں اور آخرت میں تو ثواب ملتا ہی ہے جیسا کہ پہلی آیت میں مذکور ہے کہ جو کچھ خرچ کرو گے اس کے ثمرات وہاں پاؤ گے۔ نماز ایک جسمانی عبادت ہے اور زکوٰۃ مالی۔ وہ جسم کی تطہیر کرتی ہے اور یہ مال کی۔ زکوٰۃ کے لغوی معنی پاک کرنے کے ہیں۔ اسی مناسبت سے یہ نام رکھا گیا ہے۔

سچ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (التوبہ-۱۱۹) اے ایمان والو خدا سے ڈرو۔ اور سچوں کے ساتھ رہو۔

یعنی سچے بنو، سچ صرف قول ہی میں نہیں ہوتا بلکہ عمل میں بھی سچائی کا ہونا ضروری امر ہے سچائی ہمیشہ نجات اور بہتری کا سبب ہوتی ہے مگر جو لوگ جھوٹ کے عادی ہوتے ہیں ان کو اس کے خلاف نظر آتا ہے حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ مشہور ہے۔ آپ نے چوروں سے ان کے دریافت کرنے پر فرما دیا تھا کہ میری بغل میں روپیہ ہے اس کا نتیجہ کیا اچھا ہوا جھوٹوں کا مال تو ان کا جھوٹ نہ بچا سکا مگر اس بچے کی سچائی نے سب کا مال بچا دیا۔ اور ایسے بڑے گنہگاروں کو تائب کرا دیا۔

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ (الاحزاب-۲۴) تاکہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے۔

ایک زمانہ تھا کہ لوگ کہا کرتے تھے میں مسلمان ہوں یعنی سچا ہوں جھوٹ بول ہی نہیں سکتا۔ ایک زمانہ یہ ہے کہ مسلمان بے وجہ جھوٹ بولتے ہیں۔ بارہا قرآنِ کریم پڑھتے ہیں مگر پھر ایسی کھلی آیتوں سے غافل رہتے ہیں ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ بعض لوگ قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن ان کو لعنت کرتا ہے کیونکہ قرآنِ کریم میں جابجا لعنت اللہ علی الکاذبین آیا ہے۔

سخاوت

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ۔ (البقرہ ـــ ۲۵۴) اے ایمان والو خرچ کرو ہمارے دئے ہوئے میں سے۔

صدقات وخیرات کے متعلق بہت سی آیات ہیں۔ اہلِ وسعت کو چاہئے کہ روزانہ کچھ تھوڑا بہت ضرور کسی حاجت مند کو دے دیا کریں۔ بزرگوں کا یہی طریقہ رہا ہے وہ روزانہ راہِ خدا میں دیتے تھے۔

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (البقرہ ۔ ۱۹۵) خدا کی راہ میں خرچ کرو۔

اکثر دولت مند زکوٰۃ اور ضروری صدقات ہی پر اکتفا کرتے ہیں ایسا نہ چاہئے یہ بات تجزیہ سے ثابت ہے کہ دینے والوں کی تکلیف کم ہوتی ہے مال میں بھی اس سے برکت ہوتی ہے۔ اور دوست ہمدرد بھی زیادہ پیدا ہوتے ہیں اپنے اہل وعیال پر بھی کشادہ دلی سے خرچ کرنا سخاوت میں داخل ہے اور موجب ثواب ہے سب سے پہلے اپنے عزیز و اقارب کا خیال رکھنا ضروری ہے قریب والوں کے دینے میں ثواب زیادہ ہوتا ہے مگر یہ کہ کوئی دوسرا شخص ان سے زیادہ ضرورت مند ہو تو پھر اس کو دینا بہتر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کے قصے مشہور ہیں۔ چند گھنٹوں میں آپ سونے کے ڈھیر لٹا دیتے تھے۔

ڈاکٹر تنویر بلند شہری

جب بھی لے رخت سفر

ہر انسان اپنی ضرورتوں کے لیے سفر ضرور کرتا ہے۔ سفر چاہے پیدل کرے چاہے سواری پر۔ پیدل سفر کا اب رواج نہیں مگر پھر بھی ایک انسان اپنی زندگی میں صبح شام پیدل اتنا چل لیتا ہے کہ اگر وہ اپنی اوسط عمر میں بالکل سیدھا چلے تو اس دنیا کا دو بار چکر لگالے گا۔ یہ تو بغیر سفر کی بات ہے تو پھر انسان اپنی زندگی میں کتنا سفر کر لیتا ہے یہ بڑی دلچسپ بات ہے۔

سفر کبھی کبھی ہمیں جسمانی طور پر متاثر کرتے ہیں۔ بعض حضرات کو سفر کے دوران کچھ بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ سفر موٹر کا ہو یا ریل کا، ہوائی جہاز کا ہو یا پانی کے جہاز کا سبھی طرح کے سفر میں جو سفری شکایات پیدا ہوتی ہیں۔ ہم ان سب کے لیے آپ کے سفر کو پرلطف بنانے کی تدابیر بتاتے ہیں جس سے آپ کا سفر آرام سے گزرے گا۔

● **میدانی سفر:** یہ سفر ہم لوگ موٹر، ریل، یکہ، اسکوٹر وغیرہ سواریوں سے کرتے ہیں۔ بعض حضرات کو اس طرح کے سفر کرنے سے الٹی، جی متلانا، درد سر، چکر، ابکائی وغیرہ کی شکایت ہو جاتی ہے۔ ان لوگوں کو چاہیے جب بھی رخت سفر باندھیں ساتھ میں ایک خوراک ہومیوپیتھک دوا Cocculus-3 ایک بار لے لیں اس دوا کے استعمال سے جملہ پریشانیاں ختم ہو جائیں گی۔ اور یہ سفر بجائے زحمت کے خدا کی رحمت ثابت ہوگا۔

● **سمندری سفر:** میدانی سفر کے مقابلے سمندری سفر عام طور پر طویل اور مزید پریشان کن ہوتا ہے۔ یہ سفر مہینوں تک بھی ہو سکتا ہے۔ اس سفر میں کچھ حضرات کو نہ کھانا اچھا لگتا ہے نہ بھوک لگتی ہے۔ طبیعت بار بار طول رہتی ہے۔ دل و دماغ پریشان رہتا ہے اور سفر ایک مصیبت بن جاتا ہے اور اس

بیماری کو SEA SICKNESS کہتے ہیں۔ سمندری سفر سے کچھ گھنٹے قبل TABACUM 30 کی ایک خوراک لینے سے یہ بیماری نہیں ہوتی۔ اگر اس سفر میں چکر آتے ہوں تو COCCULUS.30 کی کچھ خوراکیں لینی چاہئے۔

● ہوائی سفر :۔ اس سفر میں کیونکہ ہوا میں اڑان بھری جاتی ہے تو اکثر گھبراہٹ ہوتی ہے تو اس کے لیے BELLADONNA 30 کی کچھ خوراکیں استعمال کرنی چاہئیں BORAX,30 Pr... جب نیچے کی طرف آنے سے شکایات میں اضافہ ہو تو یہ دوا دی جانی چاہیے اور ہوائی سفر سے پہلے استعمال کرائی جائے تو حفظِ ماتقدم (PREVENTION) کا طریقہ بھی اختیار ہو جائے گا کیونکہ "احتیاط علاج سے بہتر ہے"

یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

ایک نصیحت آموز واقعہ

شیخ حمید الدین اپنی حکومت کے زمانے میں دوپہر کو اپنے ایک باغ میں قیلولہ کیا کرتے تھے۔ اس باغ میں ان کا ایک محل تھا۔ اس محل کی نگرانی ایک خادمہ کے سپرد تھی۔ اس خادمہ کے ذمہ صرف یہ کام تھا کہ وہ حمید الدین کے لیے بستر تیار کرے۔ تاکہ شیخ صاحب جب بھی آئیں اس پر آرام کر سکیں۔ ایک روز خادمہ نے حسب معمول بستر تیار کیا اور اس روز نہیں معلوم کیا ہوا کہ خادمہ کو بستر بہت اچھا لگا۔ وہ اس پر بے اختیار لیٹ گئی اس نیت سے نہیں کہ سو جائے مگر آنکھ لگ گئی اور اسی وقت شیخ حمید الدین بھی آگئے۔ خادمہ کو بستر پر دیکھ کر برہم ہو گئے۔ اور حکم دیا کہ اس کو سو کوڑے لگائے جائیں۔ کوڑے لگنے لگے تو ہر ضرب پر خادمہ واویلا کرنے کے بجائے ہنسنے لگی۔ شیخ صاحب نے پوچھا تو ہنستی کیوں ہے۔ خادمہ نے کہا اس لیے کہ جب اس بستر پر ایک لمحہ سونے کی یہ سزا انسان کے پاس ہے تو بے فکری کے ساتھ سونے کی سزا اللہ کے پاس کیا ہوگی۔ شیخ صاحب نے خادمہ کی زبان سے یہ سنا تو بے اختیار رونے لگے اور کہا تو نے مجھے اپنے انجام سے آگاہ کر دیا۔ اسے معاف کر دیا اور تکلفات سے توبہ کر لی۔

یم۔ اے خیامی)

کھانوں کے وقفوں میں کھانا

کھانے میں باقاعدگی نہایت ضروری ہے۔ کھانوں کے درمیان کم از کم آٹھ گھنٹوں کا وقفہ ہونا لازمی ہے۔ کھانا کھانے کا وقت اور نظام مقرر ہونا چاہیے۔ کھانے کے اوقات میں اپنے نظام کی ضرورت کے مطابق ہی کھانا کھانا چاہیے اور دوسرے کھانے کے وقت تک پانی کے سوا کچھ نہیں لینا چاہیے۔

معدے کو دوسرے کھانے سے پہلے کھائے ہوئے کھانے کو ہضم کرنے کے لیے کافی وقت درکار ہوتا ہے، ۔ کچھ آرام کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے کھانے کے وقفوں میں کھانا درج ذیل وجو بنا پر نقصان دہ ہوتا ہے۔

۱۔ آرام کی یعنی معدہ اور ہاضمہ کے پورے نظام کو متواتر کام میں لگائے رکھا جاتا ہے اور انھیں آرام کو نہیں ملتا۔

۲۔ زیادہ کھانا:۔ وقفوں کے درمیان کھانے والے ضرورت سے زیادہ کھا لیتے ہیں جس سے بہت زیادہ اور غیر مناسب وزن کی شکایت ہو جاتی ہے۔

۳۔ ناقص قسم کے کھانے:۔ کھانوں کے وقفوں میں اکثر اتنی زیادہ چینی اور روغنیات کھالی جاتی ہیں کہ جسم ضروری نمکیات اور حیاتین سے محروم رہتا ہے۔

۴۔ اشتہا کی کمی:۔ وقفوں کے دوران غیر ضروری اشیاء کھانے سے غذائیت والے کھانوں کے

باقاعدہ کھانے کی اشتہا کم ہوجاتی ہے۔

۵۔ بے رغبتی اور سست عمل:۔ کھانوں کے وقفوں میں کھانے کو معدہ رغبت سے قبول نہیں کرتا اور اس سے پہلے کھائے ہوئے کھانے کے ہاضمہ کا عمل سست پڑ جاتا ہے۔

۶۔ تکالیف و شکایت:۔ اس طرح کی بے قاعدگی کے سبب گیس، دل کی جلن اور دھڑکن، خراب سانس، نیند میں خلل، بے چینی، تھکان اور دماغی سستی مسلط ہوجاتی ہے۔

کھانے میں باقاعدگی کا طریقہ یہ ہے کہ ناشتہ ہمیشہ اچھی طرح کیا جائے۔ جب صبح کا کھانا چھوڑ دیا جاتا ہے۔ تو دوپہر کے کھانے سے پیشتر ہی بھوک لگ جاتی ہے۔ وقت ناشتہ اور دوپہر کے بیچ مناسب اور ضروری وقفہ نہیں رہ جاتا ہے اور یہیں سے بے قاعدگی شروع ہوجاتی ہے شام کے کھانے اور بستر پر جانے کے بیچ کم سے کم تین گھنٹے کا وقفہ ہونا چاہیے۔ اس لیے شام کا کھانا جلد از جلد کھالینا بہت ضروری ہے۔

کھانوں کے وقفوں کے دوران گریز کر کے وقت مقرر پر ہی کھانا ایک صحت مند تجویز ہے دن میں پانی خوب پئیں۔ نظام ہاضمہ کی مدد کے لیے آپ کے خون کی نالی اور معدے کو پانی کی وافر مقدار نہایت ناگزیر ہے۔ اس لیے ہر کھانے کے دو دو گھنٹے بعد پانی کے ایک گلاس سے ہاضمہ کی خاطر خواہ مدد ہوجاتی ہے

کھوٹ کہاں ہے؟

مقرر نہایت فصاحت و بلاغت سے تقریر کر رہا تھا۔ تقریر میں ٹھوس دلائل تھے۔ تقریر میں بڑا جوش تھا۔ تقریر میں جذبات کو ابھارنے والے پُراثر واقعات تھے۔ تقریر میں دریا کی سی روانی تھی۔ تقریر میں وہ سب کچھ تھا جو ایک اچھی تقریر میں ہونا چاہیے۔ سننے والوں میں حضرت حسنؒ بھی تھے۔ تقریر ختم ہوئی۔ تو مقرر حضرت حسنؒ کے پاس آیا۔ داد طلب انداز میں پوچھنے لگا: حضرت تقریر کیسی تھی؟" حضرت حسنؒ نے فرمایا "تقریر اچھی تھی لیکن دل پر اثر نہیں ہوا معلوم نہیں کھوٹ میرے دل میں ہے یا تیرے

حجاب کی نظر میں

(۱) **جرأت بے مدعا**: مصنف۔ شاد وارثیؒ۔ صفحات ۱۶۰، قیمت پندرہ روپیہ

ملنے کا پتہ:۔ درگاہ شریف حضرت ابوالحسن شاہ وارثیؒ محلہ کٹرہ شہاب خاں اٹاوہ یوپی

منظہر علی شاہ شاد وارثیؒ۔ علامہ سیماب اکبرآبادی کے شاگرد ہیں۔ اس کتاب کے علاوہ ان کی غزلوں ورنظموں کی کئی کتابیں چھپ کر مقبول ہو چکی ہیں۔ اندازِ کلام پُرانا اور منجھا ہوا ہے۔ اس مجموعے میں بڑے اچھے شعار ہیں۔ جو رواں بھی ہیں۔ اور پُر اثر بھی۔ مثلاً ؎

• کیا کہیں جس نے نگاہیں پھیر لیں — دل اُسی کے واسطے بے تاب ہے
• زبانیں کاٹ لی جائینگی اب آزادیاں کیسی — قفس والو! کسی صورت اگر ذکرِ بہار آیا
• ہماری داستاں ہم سے نہ پوچھو دل لرزتا ہے — قفس میں ہم ادھر آئے اُدھر دورِ بہار آیا
• وہیں سے سرحدِ تقدیر کا آغاز ہوتا ہے — جہاں اے شاد جا کر ختم ہو جاتی ہیں تدبیریں
• میں اس پہلو سے بیٹھوں ہوش کی دُنیا بلا میں لے — تم اس انداز سے دیکھو کہ دل دیوانہ ہو جائے

س طرح کے اشعار اس مجموعے میں بہت ہیں۔ کہیں کہیں ایسے اشعار پر بھی نظر رُکی۔ مثلاً ؎

• پھرا ہے کون ان کے در سے خالی — ہمیں شاید گدائی راس آئے

س شعر میں کسی صورت سے ہمیں کے ساتھ بھی ہوتا تو مطلب واضح ہوتا۔ یعنی یوں ہوتا۔ ان کے در سے کوئی خالی ہاتھ نہیں پھرا۔ چلو ہم بھی چلیں۔ شاید ہمیں بھی کچھ مل جائے۔

• والعصر کی قسم یہ زمانہ نہیں بُرا۔ اس مصرع میں: والعصر کا واؤ قسمیہ ہے اس لیے آ گئے "قسم" کی

روری نہیں ہے۔

● مسلط دل میں لاکھوں کاوشیں ہیں۔ اس مصرع میں دل میں نہیں، دل پر مسلط ہونا چاہیے۔

● زمین سے آسماں تک بے پناہی جلوہ فرما ہے۔ "جلوہ فرما" نہیں "کارفرما" ہونا چاہیے۔

س طرح کے مشورہ طلب چند ہی اشعار ہیں۔ کہیں کہیں کاتب نے لفظ کو کچھ سے کچھ کر دیا۔ ایسی غلطیاں آئندہ اڈیشن میں خود ٹھیک کر لی جائے گی۔ (ام)

(۲) قصص الانبیاء، حصہ اول۔ مرتب۔ امۃ اللہ تسنیم۔ ناشر۔ مکتبہ اسلام۔ ۳۷ گوئن رود لکھنؤ۔ صفحات ۱۶۰ قیمت پانچ روپیہ۔

مشہور و معروف عالم دین مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی نے ایک کتاب لکھی قصص النبیین للاطفال۔ بچوں کے لیے نبیوں کے قصے۔ یہ کتاب سلیس اور شستہ عربی زبان کا شاہکار ہے۔ مولانا موصوف کی بڑی بہن محترمہ امۃ اللہ تسنیم کو ہمیشہ ایسی کتابوں کی تلاش رہی جن میں مسلمان بچوں اور بڑوں کی تربیت کے لیے بہترین مواد موجود ہو۔ اس تلاش کے نتیجے میں موصوفہ نے بہت کچھ لکھا۔ خصوصاً ریاض الصالحین کا اردو میں ترجمہ اس خوبی سے کیا کہ میری نظر سے اس سے اچھا ترجمہ نہیں گزرا۔ انہی نے "قصص النبیین للاطفال" کا ترجمہ اردو میں کیا۔ پہلا حصہ جو چار نبیوں (حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ) کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس وقت میرے سامنے ہے۔ میں یہ کتاب پڑھ رہا ہوں۔ آسان الفاظ چھوٹے فقرے، مختصر جملے اور زبان نہایت شستہ اور اسلوب بیان سبحان اللہ۔ بطور نمونہ ایک مختصر نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

"اللہ تعالیٰ نے چھ دن میں آسمان اور زمین کو قائم کیا۔ پھر آسمان کو سورج، چاند تاروں سے رونق بخشی۔ زمین میں پہاڑ قائم کیے، بڑے بڑے سمندر بنائے، تالاب اور چشمے نکالے آسمان سے پانی برسا کر مردہ زمین میں جان ڈالی۔ پھر اس میں پیڑ پتے، گل بوٹے اگائے طرح طرح کے پھل، رنگ رنگ کے پھول، مختلف قسم کی پتیاں، مختلف قسم کی خوشبو، سب کا رنگ الگ الگ، سب کی بو جدا جدا۔"

سچ کہیے یہ عبارت ترجمہ معلوم ہوتی ہے! اس میں ترجمہ پن بالکل نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محترمہ تسنیم صاحبہ کے سامنے قرآن ہے اور وہ بے تکلف اردو میں قرآن کے مفہوم کی نقل کر رہی ہیں۔ خط اور قط بچوں کے لیے بہت موزوں۔ کاغذ بہترین سفید اور ٹائٹل بھی خوبصورت۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود قیمت کم ہے۔ یہ کتاب ہر گھر میں ہونا چاہیے اور زیادہ سے زیادہ پڑھی جانی چاہیے۔ (م)

(۳) درجات الیقین :۔ اصل مصنف شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ مترجم۔ محمد فاروق خاں ایم۔ اے۔ ناشر۔ فردوس پبلی کیشنز۔ دہلی ۱۱۰۰۰۶ صفحات ۴۲ کاغذ و ٹائٹل اچھا۔ طباعت آفسٹ قیمت ۵ روپے

مولانا محمد فاروق صاحب (مترجم قرآن (ہندی میں) مشہور ہیں۔ مولانا نے علامہ ابن تیمیہؒ کا یہ چھوٹا سا رسالہ بغور پڑھا۔ پھر بڑی خوبی کے ساتھ ترجمہ فرمایا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے جیسے مولانا نے برجستہ علامہ کی فکر کو اردو میں کہنا شروع کر دیا۔ دیکھیے، ابتدا یوں ہے :۔

"شیخ الاسلام ابوالعباس امام احمد بن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ کلام اللہ میں حق الیقین عین الیقین اور علم الیقین کے جو الفاظ ملتے ہیں، ان میں سے ہر ایک کے مقام کے کیا معنی ہیں اور کونسا مقام ان میں سب سے اعلیٰ و برتر ہے۔"

اس کا جواب جو کچھ علامہؒ نے دیا، اس کا برجستہ ترجمہ مولانا محمد فاروق خاں صاحب نے کیا۔ قرآن و حدیث سے ماخوذ دلائل کے ساتھ جچی تلی بات۔ پڑھنے سے علم میں اضافہ بھی ہوتا ہے اور ایمان بڑھتا ہے (م)

(۴) رضاخانیت کا تنقیدی جائزہ :۔ از قلم۔ مولانا جمیل احمد نذیری فاضل دیوبند۔ ملنے کا پتہ :۔ مکتبہ صداقت نوادہ مبارک پور۔ اعظم گڈھ یوپی۔ صفحات ۷۶ مجلد معہ گرد پوش۔ قیمت ۹ روپے

مولانا جمیل احمد صاحب دین کے معاملے میں بہت ہی پرجوش اور ایمان کے معاملے میں بہت ہی باہوش نوجوان ہیں۔ قرآن و سنت کے قائم کیے ہوئے خطوط میں نہ کمی کو پسند کرتے ہیں اور نہ زیادتی کو۔ موصوف اس سے پہلے کئی بہترین کتابیں شائع کر چکے ہیں۔ اب انھوں نے "رضاخانیت کا تنقیدی جائزہ" کے نام سے نئی کتاب پیش کی ہے۔

" رضاخانیت " دراصل ایک مکتبہ فکر ہے۔ اس کے بانی مولانا احمد رضاخاں بریلوی ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے دیوبندی ۔ فکر پر سخت تنقیدیں کی ہیں۔ علمائے دیوبند نے ان تنقیدوں کا جواب دیا۔ دونوں طرف کے علماء میں مناظرے بھی ہوئے لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا اختلافات اور بڑھ گئے۔ رضاخانی علماء اوران کے ماننے والے عوام گالی گلوج پر اُتر آئے۔ اس گالی گلوج میں رضاخانیوں نے دیوبندیوں کو شکست دے دی۔ علمائے دیوبند " قالو! سلاما " کہہ کر آگے بڑھ گئے اور انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔

اب مولانا جمیل احمد صاحب نے نئے رُخ سے رضاخانیت کا جائزہ لیا اور دفاع کے بجائے جارحانہ پوزیشن اختیار کی۔ ایک نیا نکتہ نکال کر ثابت کیا کہ مسلک شیعیت اور رضاخانیت عقیدتاً یکساں ہیں۔ مولوی جمیل احمد صاحب نے جائزہ لینے میں بڑی محنت کی ہے۔ لیکن میرا مشورہ وہی ہے۔ جو دوسرے بزرگان دیوبند کا ہے یعنی ان کے منھ نہ لگا جائے۔ اگر آپ مثبت طور پر ایمان عوام کے دلوں میں اتار دیں تو وہ خود شرک و بدعت اور وہم ورسم پرستی سے واقف ہوجائیں گے۔ (م)

(۵) آئینہ شہباز :۔ مرتب: سید علی سید امروہوی۔ میگزین سائز۔ ٹائٹل لمنیشن کیا ہوا۔ کاغذ بہت عمدہ۔ طباعت آفسٹ۔ ضخامت ۱۴۴ صفحہ۔ قیمت درج نہیں ہے۔ ناشر: بزم ارباب سخن کراچی

چند سال پہلے آئینۂ شہباز کے نام سے ہندوستانی اڈیشن میرے پاس برائے تبصرہ آیا تھا۔ مرتب اور پریس کی غفلت کی وجہ سے ایسی کتاب تھی کہ میں نے اس پر تبصرہ نہیں کیا۔ مولانا شہباز صاحب کو خط لکھدیا تھا کہ ایک حسین وجمیل دلہن کو میلے کپڑے پہنادیے ہیں۔ لیکن اب جب ارباب سخن کراچی نے سید امروہوی کی ترتیب شدہ کتاب " آئینہ شہباز " ہی کے نام سے چھاپی اور اس کے نسخے ہندوستان بھیجے تو دیکھ کر دل خوش ہوگیا۔ بزم اربابِ سخن کے لیے دل سے دعا نکلی۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوا۔ کہ مولانا شہباز امروہوی ہندوستان ہی میں نہیں، پاکستان میں بھی بہت مقبول ہیں۔

آئینۂ شہباز (پاکستانی اڈیشن) میں بہت سے ادیبوں نے حصہ لیا۔ ان میں حضرت مولانا سید محمد عبادت صاحب کلیم مجتہد العصر اور جناب قمرالدین احمد صاحب بدایونی نے بڑی محنت اور گہرائی سے شہباز صاحب کے کلام کا جائزہ لیا۔ تمام ادیبوں کے جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا شہباز صاحب کے کلام پر سب نے تقریظ ہی لکھی۔ اس تقریظ میں کسی نے مولانا کو اکبر ثانی کہا اور کسی نے اکبر سے بڑھا۔ اگر یہی فیصلہ اکبر اور شہباز کے تقابلی مطالعہ کے ساتھ آتا تو مدلل ہوتا اور آئندہ جو نقاد یا اسکالر مولانا کے کلام پر ریسرچ کرتا تو اس کے لیے آئینۂ شہباز رہنما کتاب ہوتی۔ صرف ایک رُخ سامنے آنے سے شہباز امروہوی کا اصل مقام متعین نہ ہوسکا۔

اکبر الٰہ آبادی نے زیادہ تر مغربی تہذیب پر کاری ضرب لگائی یہی ان کا کارنامہ ہے۔ شہباز صاحب نے موجودہ معاشرے کے ہر رُخ پر تعمیری تنقید کی۔ مغربی تہذیب پر بھی چوٹیں کیں۔ سماجی تیوہاروں، رسم ورواج، توہمات، سینما، فضول خرچی، الیکشن، لیڈروں، نیتاؤں، بناؤٹی پیروں، کٹھ ملاؤں، بدمزاج حکام، شخصیات پر بھی وار کئے اور دینیات (اسلامی نظریات) کے اصل رجحانات کی طرف پبلک کے ذہن کو موڑنے کی کوشش کی۔ اس اعتبار سے انھوں نے اکبر سے زیادہ تعمیری کام انجام دیا۔

علمی اعتبار سے فلکیات، فلسفہ منطق، طبقاتی کشمکش اور عمرانیات وغیرہ کی اصطلاحات کو بڑی خوبی سے نظم میں پرو دیا۔ اس طرح خاقانی، قاآنی، سودا، ذوق جیسے متبحر شعرا کی یاد دلادی۔ اس میدان میں بھی مولانا اکبر الٰہ آبادی سے آگے ہیں۔

ذاتی طور پر اکبر الٰہ آبادی انگریز کے ملازم تھے۔ وہ صرف شعر کے دھنی تھے۔ طاغوت سے ٹکرانے کی جرات انھوں نے کبھی نہیں کی ان کا وہ قصیدہ آج بھی انگریز سرکار کی چاپلوسی کا غماز ہے جس میں ہے کہ: ؂

جمنا جی کے گھاٹ کو دیکھا، پاٹ کو دیکھا، لاٹ کو دیکھا اور پھر حضرت ڈیوکناٹ کو دیکھا"

شہباز صاحب نے دوران ملازمت میں بھی کسی کا قصیدہ نہیں لکھا بلکہ حکام پر سخت تنقید کی۔

یاد ایام کہ ہر بھٹی پہ بکتی تھی شراب
اور ہم پیتے تھے یاران بے آشام کیساتھ
اب تو یہ حال ہے شہباز کہ مدت میں کہیں
کسی دعوت ہی میں مل جاتی ہے حکام کیساتھ

کتنی زبردست چوٹ ہے۔ اس سے زیادہ دلخراش یہ کہ: ؎

گمنام ہوں یارب مجھے شہرت دیدے
حسرت ہے بڑی جس کی وہ عزت دیدے
جنت میں جو مسند نہیں کوئی نہ سہی
دوزخ ہی میں کرسئ صدارت دیدے

ایک رُخ اور دیکھئے، اکبرالہ آبادی نے رسم ورواج اور مغربی تہذیب پر بہت کچھ لکھا لیکن وہ اپنے گھر کو اس سے نہ بچا سکے۔ مولانا شہباز صاحب نے جو کہا، وہ کیا بھی اور جو کیا وہی کہا۔ مولانا لم تقولو مالا تفعلون کے مرتکب نہیں ہوئے۔ مولانا کی بیوی نہایت وفادار مشرقی خاتون ہیں۔ مولانا کے بیٹے خالص ہندوستانی مسلمان ہیں۔ اور خود مولانا اسلامی نظریات کا نمونہ۔ رہا طاغوت سے عملاً ٹکرا جانا تو میرا یقین ہے کہ اگر وہ بینائی سے معذور نہ ہو جاتے تو آج اس تحریک کے ساتھ ہوتے جو طاغوت سے ٹکراز ہے۔ اور جو کھٹکتی ہے دل شیطان میں کانٹے کی طرح۔ فرماتے ہیں کہ: ؎

کامیابی منحصر ہے عزم پہ ہر ازم کی!
ملک کی اصلاح کرسکتی نہیں صرف اصطلاح
بن نہیں سکتا کوئی نامرد، مرد تیغ زن
لاکھ اسکے تن پہ کوئی باندھ دے جنگی سلاح

میری رائے ہے کہ آئندہ مولانا کے کلام پر جو کام ہو، وہ اس نہج پر ہو کہ مولانا کے کلام کے گوشے گوشے الگ کیئے جائیں۔ ہر گوشے پر اکبرالہ آبادی سے تقابلی مطالعہ پیش کیا جائے۔ زبان وبیان پر بحث ہو۔ میں عرض کروں کہ زبان وبیان میں اکبرالہ آبادی کے مقابلے میں بڑی جرأت سے کام لینا ہوگا۔ اکبری زبان کی چاشنی نے انھیں اکبر بنایا ہے۔ بیٹا یورپ سے مغرب زدہ ہو کر آیا تو فرمایا۔

دیکھو عشرت حسین کو دیکھو!
مرد خوشحال ایسے ہوتے ہیں
داڑھی مونچھوں تلک صفایا ہے
فارغ البال ایسے ہوتے ہیں

یا یہ کہ ؎ پتلون میں وہ تن گیا یہ سائے میں پھول
پاجامہ غرض یہ ہے کہ دونوں نے اُتارا۔ وغیرہ

میرا مشورہ یہ بھی ہے کہ مولانا شہباز صاحب کے کلام پہ صرف تقریظ نہ ہو بلکہ باقاعدہ تنقید ہو۔ کلام کا حسن و قبح اور رطب و یابس دکھانے میں ارادت آڑے نہ آئے۔ اگر اچھا نقاد مل گیا تو واقعی مولانا کا صحیح مقام متعین کیا جا سکے گا۔

یہ وہی بات ہے جسے تحریک اسلامی کے مشہور رہنما مولانا مودودیؒ نے یوں فرمایا ہے۔
"کچی اور بوسیدہ دیواروں پر سونے کے پتر چڑھا دینے سے ان میں پائیداری اور مضبوطی نہیں آتی"۔

بہر حال میں خوش ہوں کہ بزم ارباب سخن کراچی نے طرح ڈال دی۔ آئندہ نقادوں کو کچھ نہ کچھ رہنمائی ہو ہی جائے گی۔ (م)

ماسک مارگ دیپ

ایڈیٹر: منظور فاخر۔ صفحات ۳۲ $\frac{۲۲ \times ۱۸}{۴}$ ناشر: روشنی پبلی شنگ ہاؤس کے بی روڈ رامپور

منظور فاخر صاحب ہندی کے بڑے اچھے لیکھک ہیں۔ چھوٹے چھوٹے اور آسان مضامین سے وہ مارگ دیپ کو بڑے اچھے طریقے سے مرتب کرتے ہیں۔ لکھنے کا انداز ایسا ہے کہ مسلم اور غیر مسلم سب ہی استفادہ کر سکتے ہیں۔ عنوانات ہی سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مارگ دیپ کس قسم کا ماہنامہ ہے۔
• اُجالا (اداریہ) • پربھو کی پکار (درس قرآن)، • انتم سندیش نے کہا (حدیث) قیامت کی جھلکیاں
• نئی روشنی کے اندھیرے • نومسلموں کی آپ بیتیاں • اور کہانیاں وغیرہ
اسی مارگ دیپ میں مولانا شمس نوید عثمانی صاحب کا ایک علمی مضمون آٹھ نو صفحات پر پھیلا ہے اسکی بھاشا مارگ دیپ سے مختلف ہے اسکا عنوان ہے "قرآن اور وید کا تُلناتمک ادھین وید سے ویدانت تک"۔ یہ مضمون اپنی حقیقی بھاشا میں تحقیقی مقالہ مارگ دیپ کے لیے بوجھل ہے اسکے لیے الگ سے رسالہ نکلنا چاہیے (م)

تبصرے پر تبصرہ

محترم ومکرم مائل صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ

تازہ حجاب کے صفحہ ۴ پر 'ایک خاص کتاب پر تبصرہ' نظر سے گذرا۔ کتاب کے اقتباسات پر غور کرنے کی بھی توفیق ہوئی اور الحمدللہ پوری کتاب پڑھنے کا بھی موقع نصیب ہوا۔

زیر نظر تبصرہ سے قبل حجاب میں آپ کے مضامین اور تحریریں دیکھ کر میں آپ کو ایک سنجیدہ صاحب علم اور قرآن وحدیث پر گہری نظر رکھنے والا متدین اور مخلص مسلمان سمجھتا تھا۔ افسوس کہ اس تبصرے کے بعد میری نظر میں آپ کے دیندار اور مخلص ہونے کے باوجود آپ کی سنجیدگی اور علمیت مشکوک ہو گئی۔ تبصرے کی مختصر عبارت اور اس میں آپ کے مضحکہ خیز جملوں کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاید اس تبصرے کے دوران تحریر آپ نے گردش ایام کو پیچھے لوٹا کر اپنے اوپر دور طفلی طاری کر لیا تھا۔ جو ابتدا سے مشورے تک آپ کے قلم پر پوری طاری رہا۔

مشورے اور دعا کے بعد آپ کے خلوص فی الدین ہی نہیں، خلوص فی الشس نویدمیں تو شک نہیں رہتا۔ ساتھ ہی آپ کی صاف گوئی اور دیانت میں بھی اس اقرار کی بناء پر کوئی شک نہیں رہا کہ اس کتاب کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کی نظر ویدا ورپران اور انجیل وتوریت پر بھی اتنی ہی گہری ہو جتنی قرآن وحدیث پر ہے مجھے یقین ہے کہ آپ نے قرآن کو سمجھ کر پڑھا ہے۔ لیکن کاش کہ آپ قرآن کو اس نقطہ نظر سے بھی پڑھتے کہ وہ موجودہ علمی اور عقلی دور میں کس طرح ایک عظیم ترین اور عقل کو درماندہ کر دینے والا معجزہ ہے اور ساتھ ہی جس طرح اہل کتاب یہود ونصاریٰ پر ان کی کتابوں کی اصل حقیقت کھول دینے کی بنا حجت تھا

سی طرح کو موجودہ دور کے تمام انسانوں خصوصاً ہندوستان کے ہندوؤں کے لیے حجت ، ہی نہیں بلکہ بہرہ حجتی حجت ہے۔ ان ہندوؤں کے لیے جو پوری دنیا میں سب سے پہلے حاملین کتاب اور سب سے پہلی قوم ہونے کے مدعی ہیں۔ جب کہ دنیا کا کوئی مذہب اور کوئی قوم اس کا دعویٰ نہیں کرتی کہ وہی سب سے پہلے ہیں۔

یہ تو عین ممکن ہی نہیں بلکہ متوقع ہے کہ تحریف کا شکار ہو کر اور مختلف تراجم سے متاثر ہو کر ان کے مطالب کچھ سے کچھ ہو گئے ہوں لیکن جس طرح زبردست تحریف کے باوجود توریت انجیل اور زبور میں "اسمہٗ احمدؐ" کی نہ صرف پیشین گوئیاں بلکہ آپ کی نشانیاں بھی اللہ نے معجزانہ طور پر تحریف کا شکار ہونے سے بچائے رکھیں کہ اسی اسمہٗ احمدؐ کے راز سے پردہ اٹھنے اور اس کی حقیقت اپنے تمام دلائل اور ثبوت کے ساتھ روشن ہونے کے بعد تمام عالم کی نجات کا فیصلہ اس طرح ہونا تھا کہ سطح زمین کے ہر ہر گھر اور ہر ہر خیمے میں کلمہ اس شان سے داخل ہوگا کہ کسی کو اس کلمہ کی پرخلوص قبولیت پر عزت ملے گی جو کسی کو منافقانہ اقرار کی بنا پر ذلت لیکن اقرار ہر فرد کو کرنا ہی پڑ جائے گا۔ اور اس طرح وہ اتمام نور ہو جائے کہ جو خود حضور کی حیات جسمانی میں زمین کے صرف ⅓ حصے پر غلبہ اسلام ہونے کی بناء پر معترضین کو نامکمل نظر آرہا ہے۔

اور کیا یہ ممکن بلکہ متوقع نہیں کہ قرآن کے "صحف اولیٰ" اور "زبر الاولین" یہی منظوم ویدیں جن صحف اولیٰ اور زبر الاولین کے بارے میں تمام آثار و اقوال خاموش ہیں اور مفسرین آج تک کسی نتیجے پر نہیں پہونچ سکے ہیں کہ ان کی اصل کیا ہے۔ اور ان سے مراد کون سے صحیفے ہیں اور ان ہی ویدوں میں ٹھیک اسی طرح اسمہٗ احمدؐ کی نشانیوں اور پیشین گوئیوں کے ساتھ کعبہ اور اس کی حقیقت کا ذکر بھی موجود ہے جس طرح محرف توریت اور زبور اور انجیل میں موجود ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ میری ناقص معلومات کی حد تک تو کعبہ کی وہی اوّل بیت 'ناف زمین اور مرکزی مسجد ہونے کی حیثیت ویدوں اور پرانوں میں اس طرح موجود ہے کہ اسے "برہم گرہ، پرتھوی کی ناگی"

اور سارے مندروں کا مندر کہا گیا ہے جس کا کھلا ہوا ثبوت پورے ہندوستان میں مندروں کا قبلہ رخ تعمیر کیا جانا ہے جس کی تحقیق ایک انگریز محقق ڈیوبائس نے اپنی کتاب میں بالتفصیل بیان کی ہے۔

یہی پیشین گوئیاں توریت وانجیل میں ثابت ہوئی ہیں۔ تو صرف ان کی اشاعت کے لیے انجیل برناباس اور اس کے اردو وغیرہ تراجم کا انتظام واہتمام نہ صرف ایک مسلم ملک اور ادارے کی طرف سے کیا جاتا ہے۔ بلکہ ہندوستانی مسلمان بھی اس میں بجا طور پر دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں۔ اگر یہی پیشین گوئیاں اور حقائق ومعارف شمس نوید عثمانی صاحب کی برسوں کی کاوشوں اور گہرے مطالعے کے نتیجے میں ثابت ہو رہے ہوں تو کیا اتنا بھی نہیں ہونا چاہیے کہ علماء اسلام اس کی تصدیق یا تکذیب ہی کرنے کے لیے صرف اس امید پر اس میں معاونت کریں کہ اگر حقیقتاً یہ تحقیق صحیح ہے تو یہ دنیا کی ایک عظیم قوم اور ملک کے لیے حجت اور ہدایت کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ صرف اس امید ہی کی خاطر جان و مال قربان کر دینا میرے نزدیک سرمایۂ آخرت اور ذریعہ نجات بن سکتا ہے۔ اور اگر کہیں واقعتاً یہ تحقیق صحیح ہے جیسا کہ ہمیں یقین ہے تو اس کی اشاعت اور اسے ہندو قوم تک پہونچانے اور اس بنیاد پر انھیں دعوت اسلام دینے کا اہتمام کیا جانا اور اس کام کو اولیت دینا میرے نزدیک وقت کا اہم ترین فریضہ ہے۔ اس موضوع پر مجھ جیسا بے بضاعت اور بے علم انشاءاللہ بہت کچھ لکھ سکتا ہے لیکن یہاں اس کا موقع نہیں ہے۔ ہاں اگر آپ نے، جیسا کہ آپ کی دیانت دارانہ صحافت اور سلجھے ہوئے غیر متعصب دینی مزاج سے امید ہے، یہ خط آنے والے حجاب میں شائع کر دیا۔ اور ناظرین کا مطالبہ ہوا تو انشاءاللہ اس سلسلے میں کچھ خدمت کرنے کی کوشش کرونگا۔ جہاں تک اس کتاب کے ناقابل فہم ہونے کا تعلق ہے تو اس میں شک نہیں کہ سمندر کو کوزے میں بند کرنے کی کوشش نے اس کتاب کو عام فہم بننے نہیں دیا۔ دوسرے یہ موضوع اتنا اجنبی اور بھولا بسرا ہے کہ بغیر مکمل تشریح وتفصیل کے صرف اشارات وکنائے اس زبردست تحقیقی مواد اور وسیع موضوع کو سمجھانے کے لیے ان ذہنوں کے لیے کافی نہیں جنھوں نے کبھی اس موضوع پر تفکر وتدبر تو کجا اس کے بارے میں یہ تک نہیں سوچا کہ ایسا ہونا بھی ممکن ہے۔ ان سطور میں غیر ارادی طور پر اگر کوئی لفظ ایسا آ گیا ہو جو آپ کی طبیعت پر گراں گزرے تو اسے عنداللہ معاف فرما دیں — والسلام۔ ابن احمد، خادم مارگ دیپ مشن

استدراک

جنوری ۸۲ء کے وسط میں ٹھیک اس وقت جب میں مولانا نورالدین صاحب پرنسپل مدرسہ عالیہ رامپور کے ساتھ عشا رکی
زکے لئے اپنے گھر سے نکل رہا تھا، مولانا شمس نوید عثمانی صاحب محمود رشید صاحب کے ساتھ دروازے پر ملے۔ ایک مضمون دیکر
مایا کہ اگر مناسب سمجھیں تو تجاب میں چھاپ دیں۔ وہ مضمون پچھلے صفحات میں تجابی بھائیوں اور بہنوں نے پڑھ لیا۔ اسے پڑھ کر چند
یں عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں: ۱۔ مارگ دیپ مشن کے کوئی کارکن ابن احمد صاحب ہیں۔ اِن کو میں نہیں جانتا۔ ان ہی ابن احمد صاحب
تبصرے پر تبصرہ لکھا ہے۔ مضمون کی تمہید میں میری علمیت کے بارے میں شک کا اظہار کیا گیا ہے۔ انھیں اور تجاب کے پڑھنے والے تمام
ائیوں بہنوں کو شک نہیں یقین کر لینا چاہئے کہ میں عالم نہیں ہوں بلکہ معمولی اردو کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ ۲۔ دوسری بات جو ابن احمد صاحب
لکھی ہے کہ شمس نوید صاحب کی کتاب پر تبصرہ کرتے وقت کچھ مضحکہ خیز جملے لکھے گئے ہیں، یہ بات کہاں تک ٹھیک ہے اس پر غور کیجئے
لف) پہلے کتاب کا نام ملاحظہ فرمائیں۔ نام ہے "معجزۂ قرآن اور پیغمبرِ قرآن وید اور پُران میں، ہندو مت اور ہندو قرآن و حدیث میں"
ں نام کے متعلق میں نے لکھا ہے "پورے ایک سطری اور سترہ لفظی مرعوب کن بھاری بھرکم اور طویل نام" سوچئے! کیا میں نے کتاب کے نام
ے بارے میں غلط کہا؟ رہی مضحکہ خیزی تو اب سنجیدگی سے عرض کرتا ہوں کہ مولانا کو کوئی مختصر نام نہ ملا۔ یہ سترہ لفظی مرعوب کن نام خود ہی
ا مذاق اڑا رہا ہے۔ (ب) قیمت کے بارے میں مولانا لکھتے ہیں "آپ کا سب کچھ ورنہ کچھ نہیں۔ لاگت جو آپ دینا چاہیں" یہ قیمت
قرر کرنے میں اگر مولانا نے مذاق نہیں کیا ہے تو اسے پھر "اللہ بھلا کرے" کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ (ج) پھر میں نے کتاب کے
پاگرافوں کی خوبیاں بیان کی ہیں کہ اس ۹۶ صفحہ کی کتاب میں دوسرا پیراگراف ۲۲ صفحہ کا، تیسرا ۳۵ صفحہ کا اور چوتھا پیراگراف ۶۹ صفحہ
۔ غور فرمائیے یہ مولانا نے خود کتاب کا مضحکہ اڑایا یا میں نے؟

اس کے بعد میں نے جو تبصرہ کیا ہے وہ موجود ہے اور مولانا کی کتاب بھی ناپید نہیں ہے۔ ہر شخص دیکھ کر خود رائے قائم کر سکتا
ہے کہ مولانا نے یہ کیسی خدمت انجام دی ہے۔ ابن آدم کا تبصرے پر تبصرہ کرنا بالکل اس کے مصداق ہے کہ پیراں نمی پرند مُرید اں
ی پرانند۔ (مائل خیرآبادی)

نوٹ:۔ تجاب علمی پرچہ نہیں ہے۔ میں نے مولانا کی کتاب پر تبصرہ مولانا کے اور مولانا کے ایک ارادتمند کے اصرار پر کیا
راہ کرم تجاب کو جواب الجواب کا اکھاڑہ نہ بنائیں۔ اس کے لئے خود مولانا کے پاس "مارگ دیپ" موجود ہے۔ (م)

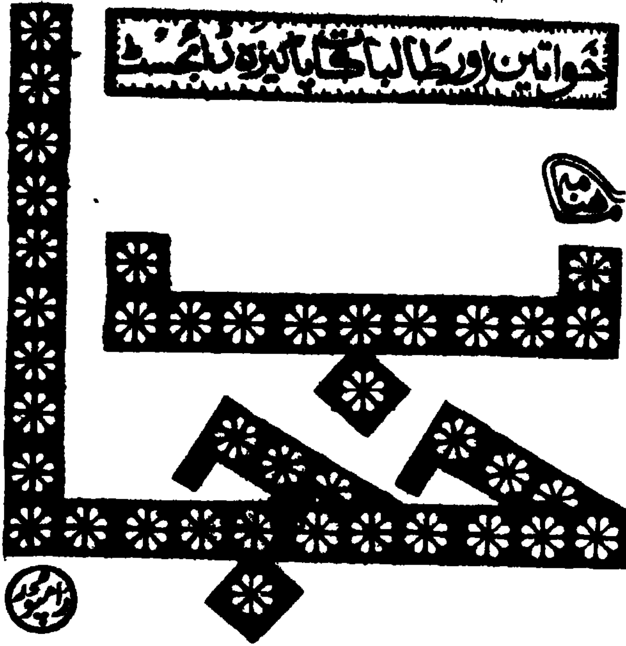
مالک ایڈیٹر پرنٹر پبلشر محمد اسحٰق مائل خیرآبادی۔ مطبوعہ جےکے آفسٹ پرنٹرز دہلی۔ مقام اشاعت ادارہ الحسنات رامپور

Regd. No. R. N. 20384/70 Regd. No. MRD 34

حجاب

رامپور





شمارہ - ۱۴۴ جلد - ۱۶ ماہ جون ۱۹۸۲ء مطابق شعبان سنہ ۱۴۰۲ھ

قیمت فی پرچہ ۳/۵۰ (تین روپیہ پچاس پیسے)، سالانہ چندہ ۴۰/- (چالیس روپیہ)
کتابوں کے لئے پوسٹیج ۵/- (پانچ روپیہ)۔ براہِ کرم وی پی سے بجز مجبوری
ہی منگائیے۔ وی پی سے منگانے پر آپ کے ۵/- روپیہ خواہ مخواہ زائد صرف ہوں گے۔

○ — اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ نے "حجاب" کیلئے جو زرِ تعاون عنایت فرمایا
تھا اس کی مدت اس پرچہ کے ساتھ ختم ہوگئی۔ تا شُدہ مکرر بعجلت ہی زرِ تعاون ارسال فرمائیں۔ "منیجر"

پروپرائٹر ایڈیٹر پرنٹر پبلشر: محمد اسحاق مائل خیرآبادی۔ مقام اشاعت بارہ دری محمود خاں ملاٹھگ
مطبوعہ بیدی آفسٹ پرنٹرس دہلی

درپردۂ حجاب

ٹرکوں کی ہڑتال کا اثر

..... مارچ ۱۹۸۲ء میں یوپی بھر میں ٹرکوں کی ہڑتال سے جہاں زندگی کے دوسرے شعبے متاثر ہوئے، "حجاب" بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکا۔ آپ نے دیکھا کہ اپریل مئی کا مشترکہ شمارہ اپریل کے پہلے ہفتہ میں پوسٹ ہو سکا جبکہ وہ چھپ کر ٹرانسپورٹ دہلی کو بروقت پہنچا دیا گیا تھا۔

..... یہی نہیں کہ ہڑتال کا اثر فوری تھا، اس کا اثر اگلے شماروں کی اشاعت پر بھی پڑا۔ چنانچہ اگلا پرچہ جولائی اور اگست کا ملا جلا شائع کیا جائے گا اور اس طرح پھر "حجاب" کو معمول پر لانے کی کوشش کی جائے گی۔ جولائی اور اگست کے ملے جلے شمارے کی قیمت ۵/- روپیہ ہوگی اور وہ انشاءاللہ جون کے آخری ہفتے میں پوسٹ کیا جائے گا۔

"منیجر"

یادِ ایام

مائل خیرآبادی

خزاں میں آہ جب ویران ہوتا ہے چمن سارا — نگاہِ اہلِ دل کرتی ہے حسرت ناک نظارا
بہارِ روح پرور کی ہوائیں جب نہیں آتیں — خیالِ باغ سے آزاد ہوتا ہے چمن آرا
شجر کی شاخ پر بیٹھا تھا سر ڈالے گریباں میں — گذشتہ صحبتوں کی یادگار اک مرغ بیچارا
نہ تھا دردآشنا اُس کا کوئی جو وجہِ تسکیں ہو — فلک کی کشمکش سے اُف بھی کرنے کا نہ تھا یارا
غریب و ناتواں کی حالتِ ناگفتہ کیا کہئے — شکستہ پر، کلیجہ شق، دل غمناک صد پارا
چمن برباد ہوتے دیکھ کر بے حد پریشاں تھا — فلک کو دیکھ کر حسرت سے یہ کہتا تھا بیچارا

بھڑک اٹھے ہیں شعلے خود بخود اب صحنِ گلشن میں
غضب کی بجلیاں پوشیدہ ہیں میرے نشیمن میں

اعلان عام

خواتین اور طالبات کا پاکیزہ ڈائجسٹ حجاب رام پور جولائی ۱۹۷۰ء میں جاری کیا گیا تھا۔ اُس وقت سے اب تک ۔۔۔ نہایت کامیابی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ الحمد للہ بہت ہی مقبول ہے۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ میں اسے مرتب تو کر لیتا ہوں لیکن اس سے متعلق دوسری ضرورتوں کے لئے دوڑ دھوپ میرے بس کی بات نہیں رہی۔ میری عمر ۷۰ سال سے زیادہ ہو گئی۔ بینائی کمزور ہو گئی۔ جسمانی کمزوری بڑھتی جا رہی ہے۔ میرے گھر کے افراد میں کوئی ایسا نہیں جو اِسے سنبھال سکے۔ لیکن میری خواہش ہے کہ حجاب میرے بعد بھی زندہ رہے۔ اس لئے اعلان کرتا ہوں کہ جو صاحب اسے سنبھال سکیں وہ مجھ سے ربط پیدا کریں۔

مائل خیرآبادی ’حجاب‘ رامپور۔ یوپی۔ ۲۴۴۹۰۱

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۴ ارشعبان ۱۴۰۲ھ

اگر ڈاک والوں کی طرف سے کوتاہی نہ ہوئی تو جون کا یہ حجاب آپ کو ٹھیک اُس دن ملے گا جب اللہ کے کچھ بندے ۱۴ ارشعبان کی رات کے لیے عبادت کرنے کی تیاری کر رہے ہوں گے۔ یہ اللہ کے نیک بندے ہوں گے۔ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو اس رات آتشبازی کی دُھن میں ہوں گے۔ یہ اچھے لوگ نہ ہوگے۔ یہ اس رات اپنے اوپر ظلم کریں گے۔ اول یہ کہ اپنی گاڑھی کمائی کا پیسہ آگ میں جھونک دیں گے۔ یہ پیسے کا ناجائز استعمال ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ فضول خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔

ان لوگوں کا دوسرا ظلم ان کے اپنے بچوں پر ہوگا۔ ہر سال اخباروں میں یہ خبریں چھپتی ہیں کہ فلاں بستی میں اتنے بچے آتشبازی میں جھلس گئے۔ اتنے جل کر مر گئے، بہت سے بچوں کی آنکھوں کو نقصان پہنچا اور بہت سے بچوں کی انگلیاں بیکار ہوگئیں۔ اس شیطانی کھیل سے بہت سے گھروں میں آگ بھی لگتی ہے وغیرہ

اللہ کے وہ بندے جو اللہ کے حکموں کو دوسروں تک پہنچاتے ہیں یعنی دعوت و تبلیغ کا کام کرتے ہیں، ان کو اس دن اپنی تبلیغی سرگرمیاں تیز سے تیز تر کر دینا چاہیے۔ گھر گھر جا کر اللہ کا حکم پہنچانا اور آتشبازی سے نفرت دلانا چاہیے۔

۱۴ شعبان کو گھر گھر حلوہ بننے کی تیاریاں بھی ہوتی ہیں۔ اس حلوے کی عجیب و غریب من گھڑت کہانی ہے۔ ہم یہ کہانی ہر سال لکھتے ہیں۔ ہمیں بار بار یاد دلانا بھی چاہیے۔ اس کہانی میں صرف اتنا تو ٹھیک ہے کہ جنگ اُحد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو دانت شہید ہو گئے تھے اس کے بعد سارا جھوٹ ہے کہ یہ خبر حضورؐ کے عاشق صادق حضرت اویس قرنی (یمنی) کو ہوئی۔ ان کو بڑا صدمہ ہو ان پر اس صدمہ کا اثر یہ ہوا کہ حضورؐ کی محبت میں انھوں نے اپنے سارے دانت توڑ ڈالے۔ حضورؐ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے اُن کے لیے حلوہ بنا کر بھیجا۔

اس جھوٹی کہانی میں کئی من گھڑت باتیں ہیں اول یہ کہ حضرت اویسؒ قرنی جیسا اول صف کا تابعی ہرگز وہ فعل نہیں کر سکتا جو نا جائز ہو۔ یاد رہے کہ جنگ اُحد کے وقت بڑے بڑے اور خود حضورؐ کے گھرانے کے لوگ موجود تھے کسی نے یہ حرکت نہیں کی۔

- یہ بھی یاد رہے کہ حضرت اویسؒ کی بڑائی کے بارے میں حضورؐ کی حدیثیں موجود ہیں۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ اگر تم اویس سے ملو تو ان سے دعا کرانا۔ سوچیے اس پائے کا بزرگ دین سے ایسا کورا ہو سکتا ہے کہ محبت میں اندھا ہو کر اپنے دانت توڑ ڈالے۔
- اس روایت کو سارے علما نے غلط بتایا ہے مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسی جھوٹی باتوں سے دور رہیں اور دوسروں کو بھی دور رکھنے کی کوشش کریں۔

---

۱۴ شعبان کی رات میں عبادت کرنے کے بارے میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ اگر اللہ توفیق دے تو اس رات میں قرآن کی تلاوت، نفل نماز کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ اپنے لیے، اپنے گھر والوں کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے دعائے خیر کرنا چاہیے۔ رزق حلال مانگنا چاہیے۔ روایات میں آتا ہے کہ اس رات اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی طرف خاص طور

پر متوجہ ہوتا ہے۔ اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیئے۔

یہ بھی یاد رہے کہ یہ سب نفل عبادت ہے۔ فرض نہیں ہے لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس رات کو بہت سے نادان مسلمان قبروں کی زیارت میں اس طرح لگ جاتے ہیں کہ فجر کی نماز قضا کر دیتے ہیں۔ فرض کو چھوڑ دینا اور نفل میں لگے رہنا بڑے گھاٹے کی بات ہے۔

غلط کار

دنیا میں ہمیشہ غلط کار لوگوں کا یہ خاصہ رہا ہے کہ غلط کاروں کے انجام کی پوری تاریخ انکے سامنے ہوتی ہے مگر وہ اس سے سبق نہیں لیتے، حتیٰ کہ اپنے پیش رو غلط کاروں کا جو انجام خود ان کے اپنے ہاتھوں سے ہو چکا ہوتا ہے اس سے بھی انھیں عبرت حاصل نہیں ہوتی، وہ سمجھتے ہیں کہ خدا کا قانونِ مکافات دوسروں ہی کے لیے تھا، اُن کے اس قانون میں ترمیم کر دی گئی ہے۔ پھر اپنی کامیابیوں کے نشے میں وہ یہ بھی فرض کر لیتے ہیں کہ دنیا میں سب احمق بستے ہیں۔ کوئی نہ تو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے، نہ اپنے کانوں سے سن سکتا ہے، . . . . اور نہ اپنے دماغ سے واقعات کو سمجھ سکتا ہے، بس جو کچھ وہ دکھائیں گے اسی کو دنیا دیکھے گی، جو کچھ وہ سنائیں گے۔ اسی کو دنیا سنے گی اور جو کچھ وہ سمجھائیں گے دنیا بزِ اخفش کی طرح اس طرح سر ہلاتی رہے گی۔ یہی برخود غلطی پہلے بھی بہت سے بزعمِ خویش عاقل اور فی الحقیقت غافل لوگوں کو لے ڈوبی تھی، اور اسی کے بُرے نتائج دیکھنے کے لیے اب بھی کچھ برخود غلط حضرات لپکے چلے جا رہے ہیں۔　(ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

یہ خامہ میرے نام آیا ہے

محترم مائل صاحب! امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

ماہ فروری ۱۹۷۶ء کا حجاب نظروں سے بے حجاب گذرا۔ اس شمارے میں آپ نے میرا خاکہ شائع فرماکر اور اپنا تعارفی و تعریفی نوٹ دے کر جس ہمت افزائی سے سرفراز فرمایا ہے، میں اس کے لیے آپ کا مشکور ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے سرفراز فرمائے۔ آمین

اس سلسلے میں ایک تجویز ذہن میں آئی ہے۔ توقع ہے کہ آپ مناسب خیال فرمائیں گے۔ اگر مکتبۂ حجاب کی طرف سے یہ خاکہ پمفلٹ کی شکل میں شائع ہوسکے تو اندازہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ ہاتھوں میں پہنچ کر استفادہ کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ آپ اس پر غور فرماکر اپنی رائے سے آگاہ فرمائیں۔ مجھے رائلٹی وغیرہ کی کوئی فکر نہیں۔ اگر زبان و بیان میں کوئی اصلاح کی ضرورت ہو تو بھی آپ تبدیلی کے مجاز ہیں۔

خاکہ کے مطالعہ کے دوران کتابت کی بہت سی غلطیاں ملی ہیں جنھیں صفحہ نمبر کے ساتھ نیچے درج کر رہا ہوں۔ براہ کرم خود بھی ایک نظر ڈال کر دیکھ لیں۔

میں آپ سے یہ خواہش بھی کروں گا کہ اگر قارئین کی طرف سے کوئی تنقیدی خطوط آجائیں۔ تو مجھے ضرور روانہ فرمایئے۔ خاص کر وہ خطوط جو تکنیک سے متعلق ہوں اور جن میں تعمیری مشورے دیے گئے ہوں۔

ایک اور خاکہ "میں نے خواب دیکھا" روانہ خدمت ہے اس خاکے میں میں نے ہندوستان میں ابھرتے ہوئے موجودہ generation gap کے خطرناک نتائج کو ابھار کر پیش کرنے کی

شش کی ہے۔ تاکہ لوگ چونک سکیں۔ اور اندازہ کرسکیں کہ حالات کا رخ کس طرف کو ہے۔ اپنی اور اپنے
قارئین کی گرانقدر رائیوں سے ضرور مستفید فرمائیے۔

اغلاط

صفحہ ۸۷ ـــ بارہویں سطر ـــ آخری لفظ "پھر" کے بعد "بھی" ہونا چاہیئے تھا۔

صفحہ ۹۰ ـــ بارہویں سطر ـــ پہلے لفظ "نام" کے بعد "پر" ہونا چاہیئے تھا۔

نیچے سے تیسری سطر ـــ "مقام پر پہونچ کر" کی بجائے "گئی" ہونا چاہیئے تھا۔

صفحہ ۹۱ ـــ نیچے سے دوسری سطر ـــ "میری طرف بڑھنے لگے" "میں لگے" کی بجائے "لگتے ہونا چاہیئے تھا۔

صفحہ ۹۲ ـــ نیچے سے نویں سطر ـــ "مجھ پر آسرا کرنے والا بھی کوئی نہیں" ـــ کے بعد ایک مرتبہ پھر "کوئی نہیں" ہونا چاہیئے تھا۔

صفحہ ۹۳ ـــ چھٹی سطر ـــ داستان سنکر بھر آگیا ـــ میں "بھرآگیا" ہونا چاہیئے تھا۔

صفحہ ۹۳ ـــ نیچے سے آٹھویں سطر ـــ "نگاہ ڈال کر اس کے جذبات کا اندازہ جنبش دی" اندازہ اور جنبش کے درمیان ایک لائین پوری کی پوری چھوٹ گئی ہے جو غالباً اس طرح تھی: لگانے کی کوشش کرتا۔ اس نے اس اندازسے اپنے سر کو"

صفحہ ۹۴ ـــ بارہویں سطر ـــ "جو کچھ ہے ممکن تھا" ـــ یہاں "ہے" کی بجائے "مجھ سے" ہونا چاہیئے تھا۔

نیچے سے چوتھی سطر ـــ "عروج اور طاقت وقعت کا" کی بجائے "عروج، طاقت اور قوت" اور ہونا چاہیئے تھا۔

صفحہ ۹۶ ـــ پانچویں سطر ـــ "دماغ" نہیں بلکہ "دفاع" ہونا چاہیئے تھا۔

گیارہویں سطر ـــ "وہ ایک ذمہ داری" نہیں "وہ ایک ذمہ داری" ہونا چاہیئے تھا۔

صفحہ ۹۸ ـــ چودھویں سطر ـــ "غلط بحث" نہیں بلکہ "خلط مبحث" ہے۔

صفحہ ۹۹ ـــ پہلی سطر ـــ "دشمن کی دسترد" نہیں بلکہ "دشمن کی دسترد" ہے۔

نویں سطر۔ "پابند کیا جائے" کے بعد پیراگراف بند ہونا چاہئے۔

پندرہویں سطر۔ "اسی" نہیں "اُس" ہے۔

صفحہ ۱۰۰۔ دوسری سطر۔ "امت بتایا" نہیں بلکہ "امت بنایا" ہے۔

نویں سطر۔ "زمین میں" کے "میں" کا لفظ چھوٹ گیا۔

تیرہویں سطر۔ "الفاظ استعمال کیا ہیں" میں "کیا" نہیں بلکہ کیے ہونا چاہئے۔

صفحہ ۱۰۱۔ آخری سطر۔ "جرم" نہیں بلکہ "جرح" ہے۔

صفحہ ۱۰۲۔ گیارہویں سطر۔ "ایک اصولی یہ ہدایت نامہ" میں "یہ" زائد آگیا ہے۔

صفحہ ۱۰۳۔ پانچویں سطر۔ "کسی تے زمین کے" کی بجائے "کسی نے نہیں کئے" ہونا چاہئے۔

صفحہ ۱۰۴۔ پہلی سطر کا پہلا لفظ "ملت" نہیں بلکہ "دولت" ہے۔

نیچے سے پانچویں سطر۔ "مداخلت" نہیں بلکہ "مدافعت" ہے۔

صفحہ ۱۰۶۔ نیچے سے پانچویں سطر۔ "اس وقت پڑنا" کے بعد "بھی" چھوٹ گیا ہے۔

صفحہ ۱۰۷۔ دوسری سطر۔ "کسی ریل ترکی کی طرف" میں ایک "کی" زائد ہے۔

صفحہ ۱۰۸۔ نیچے سے پانچویں سطر۔ "دوسرے" کی بجائے "دوہرے" ہونا چاہئے۔

صفحہ ۱۰۹۔ چودھویں سطر۔ "عدالت کا کمرہ" میں کمرہ کی بجائے "عملہ" ہونا چاہئے۔

نیچے سے چوتھی سطر۔ "جیسے وہ اپنے" کے بعد "کو" ہونا چاہئے۔

صفحہ ۱۱۰۔ نیچے سے نویں سطر۔ "اُس" اور "ہے" کے درمیان "نے" زائد ہے۔

صفحہ ۱۱۳۔ نیچے سے آٹھویں سطر۔ پہلا لفظ "کمزوروں" کی بجائے "کمزوریوں" ہونا چاہئے

نیچے سے چوتھی سطر۔ "فاصلہ" کی بجائے "قافلہ" ہونا چاہئے۔

صفحہ ۱۱۴۔ پہلی سطر۔ "اور اپنے اخلاق و کردار سے" میں "سے" زائد ہے۔

برادر کرم! اپنے ادارے کے تمام ہی رفقاء کی خدمات میں میرا سلام پہونچا دیجئے۔ خدا حافظ۔ ابوالقصہ

حجاب کی طرف سے

(۱) گذارش ہے کہ ابوالنصر عابد صاحب کا خاکہ شائع شدہ حجاب شمارہ فروری ص۸۵ تا ص۱۱۶ کل صفحات ۳۲ بے شک بڑا مفید اور تعمیری ہے دلچسپ بھی ہے۔ اگر کوئی صاحب خیر اس کی اشاعت میں رقم لگائیں تو ان شاء اللہ ثواب کا ذریعہ ہوگا۔ مصنف کو رائلٹی نہیں چاہیے۔ حجاب اس کے عوض منافع نہیں چاہتا۔ یہی نیت رقم لگانے والے کو کرنی چاہیے۔ اس خاکے کی چار ہزار اشاعت میں چار ہزار روپیہ لگے گا۔ صاحب خیر حضرات ارادہ کریں تو جلد خط لکھیں۔ کتاب لاگت ہی پر فروخت ہوگی۔ بکسیلرس کا کمیشن بڑھا کر قیمت رکھی جائے گی۔

(۲) کچھ صاحبان نے لکھا ہے شمارہ مارچ ۸۲ء میں ص۲۱ تا ص۵۲ جو مضمون سوال و جواب کی صورت میں بادشاہت، جمہوریت اور خلافت سے متعلق شائع ہوا ہے، وہ بھی زیادہ تعداد میں چھاپ کر مفت بٹوا دیا جائے تو بہت اچھا ہے۔

بے شک! بہت مفید رہے گا۔ اگر کوئی صاحب خیر اسے اپنے پیسے سے چھپوا دیں تو یہ ان کے لیے پیسے کا صحیح مصرف ہوگا اور اللہ تعالیٰ انھیں ثواب بھی عطا فرمائے گا۔ اس مضمون کو پمفلٹ کی شکل میں چھپوانے کے لیے چار ہزار نسخوں پر چار ہزار روپیہ لگے گا۔ جو صاحب خیر تیار ہوں، لکھیں۔

(۳) اکثر بہنوں نے لکھا ہے کہ جس لڑکی ابینا کا ذکر شمارہ مارچ ۸۲ء میں کیا گیا ہے کیا اس لڑکی کا کوئی خط آیا یا نہیں۔ اسکے جواب میں عرض ہے کہ میرے پاس اسکا کوئی جواب نہیں آیا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کس حال میں ہے۔

(۴) "اور میں جماعت اسلامی کا ممبر ہوگیا" یہ سلسلہ بہت پسند کیا جارہا ہے اور اب ارکان جماعت اپنے حالات لکھنے لگے ہیں۔ بہت سے مضامین شائع ہونے کے بعد ان کا انتخاب کرکے مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی کو اشاعت کے لیے دیدیا جائے گا۔ ان شاء اللہ۔

اور میں جماعت اسلامی کا رکن بن گیا

لیاقت حسین کاتب۔ بلاری (مراد آباد)

اکتوبر ۱۹۵۰ء کی بات ہے کہ میں بسلسلۂ تعلیم اپنے بڑے بھائی مرحوم صابر علیگ کے پاس کان پور مقیم تھا۔ ہائی اسکول کا طالب علم تھا۔ بھائی مرحوم ان دنوں زیر علاج حکیم عبدالوحید صاحب تکمیل الطب کالج لکھنؤ کے تھے۔ ہر ہفتہ جایا کرتے تھے۔ اس مرتبہ دوا کے ساتھ خطبات کا سیٹ بھی لائے اور کہنے لگے کہ تو نے مذہبی کتابیں بہت پڑھی ہیں، ذرا ان کو بھی بغور پڑھ لے۔ میں نے ہفتہ بھر میں پورا سیٹ پڑھ ڈالا۔ ایک دن کہنے لگے فرمائیے اب کیا خیال ہے۔ تب میں نے عرض کیا کہ اب تک جو کچھ پڑھا تھا سب بیکار ہو گیا۔ دین کیا ہے، اسلام کیا چاہتا ہے، اس کا خاکہ اب میرے دل میں سما گیا۔ برجستہ زبان پر یہ شعر آگیا:

کچھ اس ادا سے اس نے میرا مدعا پوچھا
ڈھلک پڑا میری آنکھوں سے گوہر مقصود

بھائی مرحوم ہر ہفتہ لکھنؤ جاتے اور جماعت اسلامی کا لٹریچر میرے مطالعہ کے لئے لاتے رہے۔ ادھر میں بھی کتابوں کا کیڑا۔ بہ فضل تعالیٰ مطالعہ جاری رہا۔ ذہن برابر بنتا رہا۔ مارچ ۱۹۵۱ء میں اپنے وطن بلاری واپس آگیا۔ مزید نئی کتب کا سلسلہ بند ہو گیا۔ اس پر میں کتنا پریشان اور متفکر رہا یہ روداد قابل بیان نہیں ہیں کچھ عرصہ بعد مجبوراً مکتبہ جماعت اسلامی ہند رامپور سے فہرست کتب طلب کی۔ چند دن کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ ایک صاحب سلام کرنے کے بعد بیٹھک پر تشریف لائے۔ بعد خیریت تعارف ہوا۔ پتہ چلا کہ آپ مولانا محمد شفیع صاحب مونس امیر حلقۂ رامپور ہیں۔ موصوف نے دوران گفتگو فرمایا کہ آپ نے فہرست کتب طلب فرمائی تھی، یہ حاضر ہے۔ اور کچھ لٹریچر بھی مرحمت فرمایا۔ دو دن قیام فرمایا۔ درس قرآن ہوا۔ سوال و جواب کی چند نشستیں ہوئیں۔ گھر کے بزرگوں اور دوست احباب و عزیزوں سے تعارف کرایا۔ تیسرے

دن امیر حلقہ رخصت ہو گئے۔ چلتے وقت فرمانے لگے "بھائی! اپنی اور متعلقین کی خیریت سے آگاہ فرماتے رہیں تو بہت مناسب ہوگا۔ ادھر آپ کو کوئی بات لٹریچر میں خلاف نظر آئے یا تشریح طلب ہو تو اس کا بھی ذکر خط میں ضرور کر دیا کرنا"۔ بہ فضلِ تعالیٰ خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا اور میں مونس صاحب سے ہدایات و تربیت حاصل کرتا رہا اور موصوف بھی حسب پروگرام تشریف لاتے رہے۔ میں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں اجتماع میں شریک ہونا چاہتا ہوں۔ کچھ عرصہ کے بعد قاضی ٹولہ مراد آباد بر مکان جناب الطاف حسین شاہ خاں صاحب ایک بڑا اجتماع ہوا جس میں میری اوّلین شرکت تھی۔ اجتماع کے نظم و ضبط، خلوص و محبت، سنجیدگی و وقار کو دیکھ کر دم بخود رہ گیا اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ ابھی اسلاف کے کچھ خاکے موجود ہیں۔

اجتماع سے واپسی کے بعد میں نے اپنی دعوتی سرگرمیاں تیز کر دیں۔ بستی میں اجتماعات منعقد کئے۔ حافظ شوکت حسین صاحب مرحوم امیر مقامی مراد آباد تھے۔ ان کی دعوت پر مراد آباد کے دعوتی اجتماعات میں شریک ہوتا رہا۔ ذمہ داران جماعت آتے رہے۔ حلقۂ متفقین قائم ہوا۔ نظامت میرے سپرد ہوئی۔ فارم رکنیت بھی پُر کر دیا۔ بڑی چھان بین ہوئی۔ آخر وہ وقت آ گیا کہ جب اجتماع محلہ لانڈری والان مراد آباد بر مکان جناب حافظ شوکت حسین صاحب مرحوم منعقد ہوا۔ میرا فارم رکنیت رو برو محترم امیر جماعتِ اسلامی ہند مولانا ابواللیث پیش ہوا۔ مجھ سے جملہ امور پر بات چیت ہوئی۔ آخر میں محترم امیر جماعتِ اسلامی ہند نے فرمایا کہ تحریک کے فروغ کے لئے کیا قربانی دے سکتے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ انشاءاللہ حسبِ حال آپ مجھے مستعد پائیں گے۔ ہفتہ عشرہ کے بعد مرکز سے مجھے خوشخبری موصول ہوئی کہ میں جماعتِ اسلامی ہند کا رکن قرار پا چکا ہوں۔ یہ کس سن کی بات ہے اب صحت سے یاد نہیں۔ ہاں یہ ضرور یاد ہے کہ جب کرنل ناصر ہندوستان تشریف لائے تھے اور جماعت کے ذمہ داروں کی گرفتاری عمل میں آئی تھی اور اسلامیہ انٹر کالج سہارنپور میں اجتماع ہوا تھا میں رکنِ جماعت بن چکا تھا۔ مئی ۱۹۷۵ء تک مقامی امارت میرے سپرد رہی۔ بعد ازاں بوجہ خرابی صحت مقامی امارت سے سبکدوش ہو گیا اور اب میں جماعتِ اسلامی بلاری کے حلقہ کا ایک ادنیٰ خادم اور رکن ہوں۔ میری آخری خواہش یہی ہے کہ تادمِ آخر جماعت میں رہ کر انشاءاللہ جو میرا فرضِ منصبی ہے اس کو پورا کرتا رہوں۔ آمین!

اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔



افغانی مجاہدین کے حملوں سے روسی افواج میں خوف وہراس

افغانی مجاہدین کی جانب سے جاری کردہ ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ دو سال کی جنگ میں انھوں نے کل ۱۴۷۹۹ افراد کو ہلاک کیا۔ اس میں ۴۵۹۲ روسی، ۴۵۱۸ افغانی اور ۵۶۸۹ کارمل اور روس کے سپاہی تھے۔ چونکہ جنگ اور جھڑپیں رات کے وقت ہوتی ہیں اس لئے یہ شناخت کرنا مشکل ہوتا ہے کہ ہلاک ہونے والے کون ہیں۔ مجاہدین کا کہنا ہے کہ روسیوں کو اپنی ناکامی سے بے حد مایوسی ہوگئی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ افغانستان میں ان کا مقصد ہرگز کامیاب نہیں ہوگا۔ جہاں تک فوجی ساز وسامان کا تعلق ہے مجاہدین نے ایک سال میں ۷۹ توپوں، ۳۴ ٹینکوں، ۲۳۲۸۷ رائفلوں، ۱۷۸ لاریوں، ۲۷ بکتر بند گاڑیوں، ۴۴۲ مشین گنوں پر قبضہ کیا ہے۔ ۳۹۲ ٹینک اور بکتر بند گاڑیوں، ۲۹ توپ لگے ہوئے ہیلی کاپٹروں اور ۱۲ طیاروں کو تباہ کیا۔ جملہ ۱۲۵۰ روسی سپاہیوں کو گرفتار کیا۔ مجاہدین نے کہا ہے کہ دو سال قبل ۹۰ ہزار سپاہی یہ خیال لے کر افغانستان میں داخل ہوئے تھے کہ وہ افغان عوام پر ببرک کارمل کی حکومت کو مسلط کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے اور افغانستان کو اپنی طاقت کے بل بوتے پر کمیونسٹ ملک بنادیں گے۔ مگر ۵ سے ۸ ہزار سپاہیوں کو ہلاک یا زخمی کرانے کے باوجود وہ کامیاب نہیں ہوسکے۔ افغانستان میں وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ جنگ تیز اور تباہ کن ہوتی جارہی ہے۔ افغانی فوج کی نفری کم ہوتی جارہی ہے کیونکہ بہت سے فوجی بھاگ کر مجاہدین سے مل رہے ہیں۔ لہٰذا فوج میں تازہ دم بھرتی کے لئے بھاری بھاری تنخواہوں اور عہدوں کا اعلان کیا جارہا ہے۔ مگر بڑی مشکل سے صرف آٹھ ہزار جوانوں کی بھرتی ہوسکی ہے۔ وہ بھی سب کے سب ناتجربہ کار اور جدید ہتھیاروں کے استعمال سے ناواقف۔ مجاہدین کا کہنا ہے کہ روسی اپنی ناکامیوں کا انتقام شہریوں کو ہلاک کرکے لے رہے ہیں۔ اب تک انھوں نے ایک لاکھ سے زائد شہری ہلاک

کئے ہیں۔ روسیوں کو افغانستان میں کئی قسم کے خطرات کا سامنا ہے۔ وہ افغانستان کی جنگ میں خود کو زیادہ ملوث کرنا نہیں چاہتے۔ اس کے برعکس انھیں نئی فوج کو مجبوراً لانا اور جنگ جاری رکھنا پڑ رہا ہے۔ افغانی فوج کی تعداد کو بڑھا کر وہ خود کو الگ کرنا چاہتے ہیں مگر یہ کام بھی نہیں ہو رہا ہے جس کی وجہ سے حکمراں پارٹی کمزور ہو چکی ہے۔ حکمراں پارٹی میں اختلافات بے حد شدید ہو گئے ہیں۔ ایک لیڈر دوسرے پر یہ الزام لگا رہا ہے کہ وہی روسیوں کی آمد کا ذمہ دار ہے۔ پھر روسیوں کو ایک اجنبی سرزمین میں جہاں ان کے لئے صرف نفرت اور حقارت ہی پائی جاتی ہے، بے حد خوف محسوس ہو رہا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ افغانی باشندے کسی وقت بھی پھر اُن کے خلاف بندوق اٹھا سکتے ہیں۔ یہ روس کی انتہائی بدقسمتی ہے کہ عالمی سیاست میں وہ شکست پر شکست کھا رہا ہے ——— "نشیمن" ۲۴ جنوری ۸۲ء

غزل

(قیصر اوری)

جدھر گیا بے خطر گیا ہوں — کہا یہ کس نے کہ ڈر گیا ہوں
سمٹ سمٹ کر بکھر گیا ہوں — بکھر بکھر کر سنور گیا ہوں
کبھی کبھی تو ہوا ہے یوں بھی — خود اپنے سائے سے ڈر گیا ہوں
میں سطحِ دریا پہ لوٹنے کو — حباب بن کر ابھر گیا ہوں
وفا کے کوچے میں تم سے ملنے — مثالِ گردِ سفر گیا ہوں
نظامِ نو کا چراغ لے کر — میں ظلمتوں سے گزر گیا ہوں
زمانہ سر دھن کے رہ گیا ہے — کچھ ایسی باتیں بھی کر گیا ہوں
کبھی کبھی تو تمہارے غم میں — خوشی کی حد سے گزر گیا ہوں
اب اس کا احساس تک نہیں ہے — میں جی رہا ہوں کہ مر گیا ہوں
خوشی کے آثار ہیں نمایاں — رہِ الم سے گزر گیا ہوں
میں خاکِ پائے نبی ہوں قیصر — ورائے شمس و قمر گیا ہوں

بنت سراقہ

اب تک کہانی کا خلاصہ

حضرت عمر فاروقؓ نے عراق عجم کی پیش قدمی روکنے کے لئے اسلامی فوج بھیجی۔ اس فوج کے سپہ سالار حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص تھے۔ اس فوج میں صحابہ زادوں کا افسر ہاشم سراقہ کو بنایا گیا تھا۔ اُس کے ساتھ اُس کی بہن عاصمہ، عاصم نوجوان کے نام سے شامل ہوئی تھی۔

حضرت سعدؓ نے جو وفد ایران کے بادشاہ کے پاس بھیجا اُس کے ساتھ ہاشم اور عاصم نوجوان اپنے افسر رسالہ حسن مثنیٰ کے ساتھ گئے تھے۔ دربار میں ایران کے بادشاہ کی لڑکی تہمینہ اور عاصم نوجوان کے درمیان کچھ حربی نوک جھوک ہوگئی۔ پھر جب میدان جنگ میں دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو تہمینہ نے عاصم کو مقابلے کیلئے پکارا۔ عاصم مقابلہ پر گیا لیکن تہمینہ اُسے گرفتار کرکے لے بھاگی حسن مثنیٰ اور ہاشم اُس کے پیچھے دوڑے۔

حضرت سعدؓ نے اپنے افسروں سے مشورہ کیا۔ پھر انس اور مسلم کو عاصم کی کھوج میں بھیجا۔ انس کا خیال تھا کہ تہمینہ نے عاصم کو بیہوش کرکے گرفتار کیا ہے اور وہ دربار ہی میں اُس پر عاشق ہوگئی تھی۔ مسلم نے اِس کی تائید کی لیکن حسن مثنیٰ اور . . .

(اس کے بعد اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

ہاشم کا عجیب حال ہو گیا۔ ایک گھبراہٹ اور وحشت ان کے چہروں پر چھا گئی۔ انس نے پوچھا تو دونوں ایک ساتھ بولے

"اگر آپ کا قیاس صحیح ہے تو تہمینہ نے میدان جنگ میں نہیں تو اب قتل کر دیا ہو گا۔"

"یہ کیوں؟ وہ ایسا کیوں کرنے لگی؟"

"عاشق کی نفسیات میں یہ بات پائی گئی ہے کہ جب وہ معشوق کی طرف سے مایوس ہو جاتا ہے تو کبھی کبھی ظالم بن جاتا ہے اور معشوق کو قتل کر دیتا ہے۔"

"وہ مایوس کیوں ہونے لگی؟ زیادہ سے زیادہ عاصم کے لئے انکار کی گنجائش یہ ہے کہ تہمینہ کافرہ ہے تو اس میں کیا بات ہے۔ وہ مسلمان ہو جائے گی۔"

"آپ یہ ٹھیک کہتے ہیں مگر بات دوسری ہے۔"

"وہ بات ہمیں بتائیے۔ غور کریں۔"

"وہ امیر المومنین عمر فاروقؓ کا ایک راز ہے جس کو افشا نہیں کیا جا سکتا۔"

"ہم اس کے لئے اصرار بھی نہیں کرتے۔"

"مگر ہمیں سلامتی کے لئے دعا تو ضرور کرنی چاہیے!"

"بیشک!" اور چاروں دوستوں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دئے اور رات کے مزید تاریک ہونے کا انتظار کرنے لگے۔



"او مکار حسینہ! میں نے تجھ سے کہہ دیا کہ میں تیرا نہیں ہو سکتا۔"

"لیکن اے عزیز از جان عاصم نوجوان! میں تو تجھے اپنا بنا چکی اور اپنا بنا کر رہوں گی۔"

"ناممکن۔ ایک مسلمان ایک کافرہ کے دام میں نہیں آ سکتا۔"

"میں تیری خاطر مسلمان ہو جاؤں گی۔"

"ہمارے رسولِ برحق صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کسی دنیوی لالچ میں اسلام قبول کرے وہ ہے سارے تہمینہ بدشمنِ اسلام یزدگرد کی بیٹی! تو منافق ہے اور منافق کی سزا جہنم کے سوا کچھ نہیں۔"

"اُف! تو کتنا سنگدل ہے۔ تیرا یہ بھولا بھولا چہرہ اور تیرے سینے میں دل کی جگہ پتھر۔ آہ! اے یزداں!! تیرا کیا کھیل ہے!"

"او ظالم سُن لے۔ مومن کی پہچان یہ ہے کہ وہ آپس میں بہت نرم اور کفار پر بہت گراں ہوتے ہیں۔ بڑی بڑی طاقت ہم کو ہمارے موقف سے نہیں ہٹا سکتی۔"

"لیکن تو بھی سُن لے اے ضدی لڑکے۔ میرا نام تہمینہ ہے۔ میں نے صرف تجھے حاصل کرنے کے لئے تجھ سے ہی فریب کیا ورنہ بڑے بڑے اسفندیاروں کو سرِ میدان قوت سے زیر کیا۔ میں نے دربار میں تیرے نیچے کی کاٹ دیکھی۔ تیری تیغِ ابرو نے میرے دل کو کاٹ کر رکھ دیا اور تیری نگاہوں کی بجلیوں نے میرا خرمنِ عیش جلا کر خاک کر دیا اب میں تجھے چھوڑ کر اپنے کو تباہ نہیں کر سکتی۔"

"کاش! میں آزاد ہوتا۔"

"میری جان! اے اُطہر نوجوان! تو آزاد ہے۔ لوہے کی ان زنجیروں میں بھی تو آزاد ہے۔ اچھا، کیا تجھے تلوار چاہیئے۔ تجھے میرا سر چاہیئے۔ تلوار حاضر ہے۔ سر حاضر ہے۔ لیکن وہی شرط۔ تو مجھے قبول کرلے اور اپنے نازک ہونٹوں کو میرے ہونٹوں پر رکھ کر اس کی توثیق کر دے۔"

تہمینہ نے یہ کہہ کر دیوار سے لٹکتی تلوار اتاری۔ عاصم کے برابر رکھ دی اور چاہا کہ اس کا ہاتھ چوم کر کھول دے اور پھر اس کے ہونٹوں کا بوسہ لے۔ اس ارادے کو بھانپ کر عاصم گھبرا گیا۔ اس نے یکدم ہاتھوں اور پیروں کو سمیٹا۔ زنجیر کی جھنکار سے کوٹھری گونج گئی۔ تہمینہ گھبرا کر دروازے کی طرف بھاگی۔ رات کی تاریکی میں ایک نظر باغ کی فضا پر ڈالی۔ وہاں سکوت بھی تھا اور فضا بھی ساکن تھی۔

اسے یہ اطمینان ہوگیا کہ کوئی دیکھنے والا نہیں ہے۔ لیکن وہ غریب کیا جانے کہ آٹھ آنکھیں کوٹھری کے روزن سے سب کچھ دیکھ رہی ہیں اور آٹھ ہی کان ساری گفتگو سن رہے ہیں۔ وہ دروازے کے پاس سے واپس آئی۔

س نے کہا:

"پیارے! ایک رات ہو چکی، ایک دن ہو چکا اور یہ رات بھی جانے کو ہے۔ اب مجھ سے صبر نہیں ہوتا۔ اب تک میں نے جہاں جو تمنا کی وہیں وہ پوری ہوئی۔ آہ۔ یہی ایک ارمان دل میں گھٹ کر رہ گیا۔ اب میں زندہ نہ رہ سکوں گی۔ اچھا لے، اپنے پاؤں کی زنجیریں میرے سر پر دھمک دے۔"

تہمینہ نے عاصم کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ عاصم نے پیر سمیٹے تو بولی:

"آہ! میں اس قابل بھی نہیں کہ تیرے پاپوش ہی سے پیار کر لوں!"

یہ کہہ کر اس پر بد حواسی چھا گئی۔ وہ دیوانہ وار کوٹھری میں عاصم کے گرد گھومنے لگی۔ پھر سراسیمگی کی کیفیت اس پر طاری ہو گئی۔ وہ عاصم پر جھپٹ پڑی۔ اس کے سر کو تھام کر چاہا کہ ہونٹوں پر ہونٹ رکھ دے۔ عاصم نے اپنا بچاؤ سر کے جھٹکے کے ساتھ کیا۔ اس کشمکش میں عاصم کا خود سر سے اتر گیا۔ خود الگ ہوتے ہی دو سیاہ گیسو عاصم کی پشت پر کالے ناگ کی طرح لٹک گئے۔ تہمینہ کا سارا نشہ ہرن ہو گیا۔ محبت کا نشہ اتر گیا لیکن اب اس کی جگہ رقابت کی آگ بھڑک اٹھی۔ یکدم وہ ایک خونخوار شیرنی بن گئی۔ اس نے عاصم کے پاس رکھی ہوئی تلوار میان سے نکال لی اور چیخی: "او مکّار لڑکی! تو مجھے مکار کہتی ہے جبکہ خود مجھ سے زیادہ مکار ہے۔ اور سن! اس وقت تیری مکاری سے دو جانیں تلف ہوں گی۔ اسی تلوار سے پہلے تیرا سر قلم ہو گا اور پھر یہی تلوار میرے سینے میں اتر جائے گی۔"

تہمینہ نے تلوار بلند کی اور چاہا کہ عاصم کا سر اڑا دے، معاً آواز آئی:

"خبردار!"

تہمینہ نے مڑ کر دیکھا۔ ایک بوڑھا انس بن ہلال، ایک ادھیڑ عمر کا ہرمز (مسلم) اور دو نوجوان حسن مثنیٰؓ اور ہاشم سراقہ دروازے پر کھڑے تھے۔ تہمینہ غیرت کے مارے کانپ گئی۔ تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ وہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ اس کا سارا جسم بید مجنوں کی طرح کانپ رہا تھا۔ عاصم نے اپنا چہرہ گھٹنوں میں چھپا لیا تھا اور وہ بھی پسینے پسینے ہو رہا تھا۔ ۔ ۔ یا اب ہو رہی تھی۔

انس بن ہلال آگے بڑھے۔ پاس پہنچ کر تہمینہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔ "بیٹی! لا تقنطوا من رحمۃ اللہ

نٹد کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ خدا تیرے حسن اور تیری جوانی کو قائم رکھے۔ تجھے ایک سے ایک حسین وجمیل اور جری بہادر نوجوان مل جائیں گے۔"

تہمینہ پھوٹ پڑی۔ اس نے انس بن ہلال کے بوڑھے سینے پر سر رکھ دیا۔ بلک کر بولی:

"بابا! مگر عاصم کو کہاں سے لاؤں گی۔ وہ تو کچھ سے کچھ نکلا۔ دے گیا دھوکا یہ بازیگر کھلا۔"

اتنی دیر میں ہاشم اپنی بہن عاصمہ کو آزاد کر چکا تھا۔ تہمینہ سے سب ہی متاثر تھے۔ عاصمہ کی آنکھوں کی میل بھی آنسوؤں کے پانی سے بھر کر ابل پڑی تھی۔ وہ لپک کر تہمینہ سے لپٹ گئی۔

"آہ! اے الھڑ لڑکی! تو نے مجھے برباد کر دیا۔" تہمینہ نے عاصمہ کو بھینچ لیا۔

"برباد نہیں، اپنے دل میں آباد کیا۔ آنکھیں کھولو۔ دیکھو میرے برابر کون کھڑا ہے۔"

تہمینہ کے دل کی بھڑاس نکل چکی تھی۔ اس نے اپنی بھیگی پلکیں کھولیں۔ دیکھا تو عاصمہ کے برابر ہاشم کھڑا تھا۔ رأت و بیباکی، تہوّر و بہادری اس کے بشرے سے عیاں تھی۔ وہ ہو بہو عاصمہ کا ہمشکل و ہم رنگ تھا۔ اس کی نظر ہاشم کی نظر سے ٹکرائی۔ وہ اس کی نظر کی تاب نہ لا سکی۔ عاصمہ نے چھیڑا اور شعر پڑھا:

طوفان بجلیوں کا اٹھا جلوہ گاہ سے
کس کی نگاہ لڑ گئی کس کی نگاہ سے

"ہٹو عاصمہ! بزرگوں کے سامنے ادب سے بات کرتے ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے عاصمہ کا ہاتھ پکڑا اور سامنے بارہ دری کی طرف بڑھی اور سب کو ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔ بارہ دری میں پہنچ کر اس نے ایک زنجیر کھینچی۔ مترنم گھنٹیاں بجنے لگیں۔ نہ جانے کنیزیں اور باندیاں کہاں چھپی تھیں۔ یکدم آحاضر ہوئیں۔

"صبوحی" تہمینہ کی زبان سے نکلا اور خود عاصمہ کو لے کر حمام کی طرف چل دی۔ چاروں مرد مہمانوں نے بھی غسل خانوں کا رخ کیا۔ دیکھتے دیکھتے دسترخوان پر صبح کا ناشتہ سلیقے سے لگ گیا۔ طرح طرح کے پھل، طرح طرح کے میوے، طرح طرح کے خشک و تر کھانے چن دئے گئے۔ تہمینہ نے اپنے معزز و محبوب مہمانوں کے ساتھ ناشتہ کیا۔ اس کے بعد اپنے زر و جواہرات اور سامان کی کوٹھریاں کھولیں۔ تمام کنیزوں اور باندیوں کو انعام و اکرام

سے نوازا۔ اشرفیوں سے جھولیاں بھر بھر دیں۔ زیورات دئے اور سب کو آزاد کر کے اسی وقت رخصت کر دیا۔ اسکے بعد کچھ نقامت کمتر و بقیمت بہتر جواہرات لئے۔ پھر اس حسن ملال سے بولی "ہمیں جلد سے جلد قادسیہ پہنچنا چاہیئے۔ رُہمدان کے فیل سوار آ گئے ہوں گے تو لشکر اسلام کے لئے پریشانی کا باعث بن گئے ہوں گے۔"

"مگر ہم جلد کیسے پہنچ سکتے ہیں۔ ہم نے اپنے راہوار راستے ہی میں چھوڑ دئے تھے۔" مسلم نے تہمینہ سے کہا۔

"برادرِ مکرم! اسپانِ تازی حاضر ہیں۔ آیئے میرے ساتھ۔"

تہمینہ سب کو اپنے باغ کے ایک طرف اصطبل میں لے گئی۔ اصطبل میں ایک سے ایک کلاں راس گھوڑا موجود تھا۔ ہر ایک نے اپنی اپنی پسند کا گھوڑا چنا۔ گھوڑوں پر زینیں کسی گئیں۔ پھر ضرورت کا مختصر سا سامان لیا گیا۔ اچھل اچھل کر گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ عاصمہ نے خود سر پر رکھا۔ گیسوئے دراز اس کے اندر ٹھونس لئے اور وہ پھر سے عاصم بن گئی۔ تہمینہ سے پوچھا "بہارِ ارم کا اب کیا ہوگا؟" بڑی حسرت سے جواب دیا:

"میں نے اب وادیٔ غربت میں قدم رکھا ہے۔ دور تک یادِ ارم جائے گی پہنچانے کو۔ اور عاصمہ سُنا تم نے؟ کسی شاعر نے کہا ہے کہ

جو اپنے گھر کو پھونک دے خود اپنے ہاتھ سے
وہ میرے ساتھ آئے محبت کی راہ میں



تہمینہ کے مسلمان ہونے اور عاصم کے ساتھ محبت کی خبر دونوں لشکروں میں آگ کی طرح پھیل گئی یہ بات ایران کے لئے بڑی ذلت کی تھی۔ فرخ زاد کے سینے پر سانپ لوٹ گیا اور اس کے دل میں رقابت کی آگ بھڑک اٹھی۔

تہمینہ کا مسلمانوں سے مل جانا ایرانیوں کے لئے ایک حادثہ تھا۔ اس حادثے کے بعد ایک دن پھر جب ایک بار ایک جنگ شروع ہوئی تو فرخ زاد فوج سے نکل کر میدان میں آیا۔ اس نے عاصم کو مقابلے کے

لئے للکارا۔ حسن مثنیٰؓ پکارا " لینا! قاسم کا قاتل بچ کر نہ جائے "۔ تہمینہ آگے بڑھنے کو تھی لیکن عاصم نے روک دیا اور اس نے اپنا گھوڑا بڑھا دیا۔ سامنا ہوا تو دونوں میں تلوار چلنے لگی۔ فرخ زاد دُہری زرہ پہنے ہوئے تھا۔ عاصم کی تلوار بار اچٹ جاتی تھی۔ اس نے جھنجھلا کر تلوار پھینک دی۔ برچھی لی اور اس زور سے فرخ زاد کی ناف پر ماری کہ پار ہو گئی۔ فرخزاد کے گرتے ہی دونوں طرف سے فوجیں آگے بڑھیں۔ شام تک لڑائی ہوتی رہی۔ ایران کی طرف سے ہرمزان کمان کر رہا تھا اور مسلمانوں کی طرف سے بوڑھا انس بن ہلال۔ انس نے کم سے کم قوت لگائی اور اس کے مقابلے میں ایرانیوں نے اپنا زیادہ نقصان کیا۔ ان کے کئی بڑے افسر اس دن بھی مارے گئے۔ شام تک یہ جھڑپ ہوتی رہی اور اس دن بھی دونوں طرف کی فوجیں کسی نتیجے کے بغیر اپنی اپنی جگہ واپس آگئیں۔ حسن مثنیٰؓ خوش تھا۔ اس کی دلی مراد پوری ہوئی۔ اس نے ہاشم اور عاصم دونوں کو مبارکباد دی۔ پھر عاصم کی طرف دیکھ کر مزاحاً کہا " فرخ زاد جیسے جوانمرد کو اس بہادری سے مارا اور ایک عورت (تہمینہ) کے سامنے ڈھیر ہو گئے! " عاصم نے جواب دیا " مرد کہیں عورتوں سے جنگ کرتے ہیں! اور اگر مجبوری جنگ کرنی ہی پڑتی ہے تو وہ ہار کر بازی جیت لیتے ہیں "۔

حسن مثنیٰؓ اور ہاشم سراقہ دونوں نے عاصم کے ان فصیح و بلیغ فقروں کی داد دی۔

رستم اب تک لڑائی کو ٹال رہا تھا۔ اس نے تجرباتی جھڑپوں میں سمجھ لیا تھا کہ مسلمان کم تعداد سہی لیکن انھیں آسانی سے ہرایا نہیں جا سکتا۔ دراصل وہ ہمدان کے فیل سوار دستے کا انتظار کر رہا تھا۔ ایک دن اسے خبر ملی کہ خسرو ہمدانی بڑے لاؤ لشکر اور فیل سوار دستے کے ساتھ آگیا۔ وہ صرف ایک منزل پر ہے اور آج کی رات آجائے گا۔ رستم ثانی نے مردان شاہ، ہرمز، مہران، مہرویہ وغیرہ بڑے بڑے افسروں کو استقبال کے لئے بھیجا۔ پھر جب وہ آیا تو رات بھر ایرانی لشکر میں نوبت بجتی رہی، رقص و سرود ہوتا رہا، شرابیں پی جاتی رہیں۔

سعدؓ کے جاسوسوں نے یہ خبر سنائی تو بولے " اللہ اکبر، ہمارا خدا ہمارے ساتھ ہے۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ کم تعداد والوں نے زیادہ تعداد والوں کو شکست دی ہے۔ ہمیں اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہئے "۔ اس کے بعد تہجد کی نماز پڑھی اور پیچھے مڑ کر بیٹھ گئے۔ تجربہ کار اصحاب رسول اور کچھ دوسرے بزرگوں کو صلاح و مشورے کے لئے روک لیا، غلام شہیہ کو بھیج کر انس بن ہلال، مسلم، حسن مثنیٰؓ، ہاشم سراقہ اور عاصم سراقہ کو بھی بلا لیا۔ یہ سب آگئے تو حضرت سعدؓ نے نازک حال

بیان کی، یہ کہ کل کالے ہاتھیوں کو دیکھ کر ہمارے گھوڑے بدکیں گے، انھوں نے کب سے کو کبھی متحرک پہاڑ دیکھے ہوں گے۔ ہمارے گھوڑے بدکیں گے تو ہماری صفوں میں انتشار پیدا ہوگا۔ یہ انتشار ہمارے فرار کا سبب بنے گا اور میدانِ جہاد سے فرار سے متعلق وہ حدیث آپ کو معلوم ہے جو آپ نے رسولِ خداؐ سے سُنی ہے کہ پھر ہمارے سارے نیک کام اکارت ہو جائیں گے اور ہمارا ٹھکانہ جہنّم ہوگا۔

تمام صحابہؓ سوچ میں پڑ گئے۔ مسلم نے کہا "کیا حرج ہے، اس مشورے میں تہمینہ کو شامل کر لیا جائے۔" اس مشورے کی تائید انس اور حسن نے کی لیکن حضرت سعدؓ نے رد کر دیا تو انس اور مسلم نے یک زبان ہو کر کہا کہ پھر بہت بڑی قربانی دینی پڑے گی۔ تمام صحابہؓ بولے "ہم جان و مال کی قربانی دینے سے نہیں گھبرائیں گے۔ ہم کو معلوم ہونا چاہئے کہ ایران کی سرزمین پر اللہ کا کلمہ کیسے بلند ہو؟"

"تو پھر میری گزارش ہے کہ جب میں آپ کے ہراول دستے کا پیشرو ہوں تو صرف مجھے جنگ کرنے کی اجازت دیجائے انشاءاللہ کل نمونے کی لڑائی ہوگی۔ آپ اپنے بھائی یعنی میرے افسرِ اعلیٰ ہاشم بن عتبہؓ سے کہہ دیں کہ وہ کل بھی کم سے کم قوت استعمال کریں۔ پھر جو کچھ ہو، اس سے آپ نصیحت حاصل کریں اور آئندہ کے لئے نقشۂ کار تجویز فرمائیں۔"

یہ بات منظور کر لی گئی۔ دوسرے دن چاشت کے بعد ہی سعدؓ نے کربندی کا حکم دیا۔ ہاشم بن عتبہ نے ہراول دستہ اس طرح ترتیب دیا کہ سب سے آگے انس بن ہلال کے پیدل جانبازوں کا دستہ تھا۔ اس میں سات سو وہ نوجوان تھے جو ہاشم سراقہ کی زیرِ تربیت تھے اور تین ہزار وہ عجمی جوان تھے جو انس بن ہلال کے ساتھ مسلمان ہوئے تھے اور آٹھ ہزار شیبانی جانباز تھے جن کا افسر حسن مثنّیٰ تھا۔

اس پیدل سپاہ کے پیچھے دس ہزار تیراندازوں کا لشکر تھا۔ اس کی کمان خود ہاشم بن عتبہ نے اپنے ہاتھ میں لی تھی۔ انھیں حکم دے دیا گیا تھا کہ جیسے ہی سپہ سالار حضرت سعدؓ تین نعرے ماریں اور پیدل سپاہ آگے بڑھے، تم فیلبانوں پر تیروں کی بارش شروع کر دو اور انھیں ہاتھیوں سے گرا دو۔

انس اور مسلم نے اپنے جانبازوں سے کہہ دیا کہ جو فیلبان ہاتھی سے گرے، بڑھ کر اس ہاتھی کا ہودا گرا دینا اور فیل سواروں کو قتل کر دینا۔

رستم اس دن بڑے تزک و احتشام کے ساتھ تیار ہو کر بڑھا۔ اس نے اپنا درفش کاویانی جو ہمیشہ سے فتحمندی کا نشان مانا جاتا رہا تھا خسرو ہمدانی کے سر پر لہرایا۔ خسرو ہمدانی اپنے پیل سپید پر سب سے آگے بڑھ کر کھڑا ہوا۔ اس کے پیچھے تین سو فیل سوار تھے۔ ان کے پیچھے دس ہزار تیر انداز اور پھر شہسواروں کے دستے۔ ان دستوں کا افسر مردان شاہ تھا۔ دائیں بائیں ہرمزاد اور مہر دیہ فوجوں کے پرے جمائے کھڑے تھے۔

رستم ثانی نے طبل جنگ بجانے کا حکم دیا۔ اُدھر طبل جنگ پر چوب پڑی اِدھر حضرت سعدؓ نے تین بار اللہ اکبر کا نعرہ مارا۔ اللہ اکبر کا نعرہ سنتے ہی تیر اندازوں نے تیروں کی بارش شروع کر دی۔ تیروں کے سائے میں انس نے پیدل فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا اور خود نیزہ تھام کر سامنے والے ایک ہاتھی پر حملہ آور ہوا۔ نیزہ پھینک کر مارا۔ نیزہ ہاتھی کے مستک میں گھس گیا۔ ہاتھی چنگھاڑا، آگے بڑھا اور چاہا کہ سونڈ سے انس کو پکڑ لے کہ انس کی تلوار پڑی۔ سونڈ کٹ کر دور جا گری فیلبان نے پھر بھی ہاتھی کو روکا اور اشارہ کیا تو ہاتھی نے بڑھ کر انس کو گرا دیا اور سینے پر لات رکھ کر انس کو پیس دیا۔ مسلم پکارا "اللہ کے سپاہیو! ہمارا بوڑھا افسر اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ وہ اللہ کے یہاں رزق کا مستحق ہو گیا! آگے بڑھو اور اسی طرح ہاتھیوں کی سونڈیں اڑا دو۔"

پیدل جانباز شوقِ شہادت میں آگے بڑھے۔ بڑھ بڑھ کر قربانی پیش کرنے لگے۔ خوب جم کر لڑے مگر ہاتھیوں کے غول کے غول حملہ کرتے تو کائی کی طرح آپ سے آپ چھٹ جاتے۔ ہاتھیوں کا ایک فیلبان تیر کھا کر گرتا تو دوسرا سوار ہاتھی کی گردن پر آ بیٹھتا۔ ہمدانی فیل سوار قربانی پیش کرنے میں عربوں سے کم نہ تھے۔

انس کے بعد مسلم ایک ہاتھی پر جھپٹا۔ وہ بھی ہاتھی کی سونڈ اڑا دینے میں کامیاب ہوا لیکن جب ہاتھی نے اسے بھی گرا دیا تو پکارا "خدا کی قسم! میں بھی انس کی طرح کامیاب ہو گیا۔" پھر مسلم کی آواز نہیں ابھری لیکن اس آواز نے پیدل جانبازوں میں شہادت کی مزید روح بھر دی۔ اب حسن مثنیؓ آگے بڑھا تو اس کے چچا عدنان شیبانی نے اس سے کہا "بھتیجے! تو ہی تو قبیلۂ شیبان کی نشانی ہے۔ مجھے جانے دے۔" اور اتنا اصرار کیا کہ چچا کے آگے بھتیجے کی ایک نہ چلی۔ عدنان نے بڑھ کر انس کی لاش کے برابر مسلم کی لاش لٹا دی اور پکارے "مجاہدو! مسلمان اس طرح جان دیتے ہیں۔ اب میں پیل سپید پر حملہ کرتا ہوں۔" وہ پیل سپید کی طرف بڑھے تو اچانک دشمن کے میسرہ (بائیں افواج) نے بڑھ کر انھیں روکا اور اب ان میں جنگ مغلوبہ

شروع ہوگئی۔ فیل سواروں کو موقع ملا تو انھوں نے میدان جنگ میں ہاتھی دوڑادئے۔ اس دن اس قدر گرد اڑی کہ فوجیں اس میں چھپ گئیں۔ شام ہوئی تو پھر دونوں طرف کے لشکر جدا ہوئے۔ اندازہ لگایا گیا معلوم ہوا۔ آج مجاہدین کی بڑی تعداد نے شہادت کا درجہ حاصل کیا اور بے شمار سپاہی زخمی ہوئے۔ آدھی رات کو جب یہ زخمی سپاہی دار الصحت والشفاء پہنچائے گئے تو وہاں حضرت سعدؓ کی بیوی حضرت سلمیٰ موجود تھیں۔ انھوں نے اپنے شوہر کی ہجو میں شعر کہے :

"بنو شیبان، اولادِ صحابہ اور عجمی نوجوانوں کے گلوں نے عجم کی تلواروں کو چوما

یہاں تک کہ وہ دنیا سے سرخرو گئے

وہ یقیناً اللہ کے یہاں سے رزق پا رہے ہوں گے

پھر جب بچے کھچے غازی

جن میں سیکڑوں زخمی ہیں

واپس ہوئے.........تو

ان کی سیکڑوں عورتیں بیوہ ہو چکی تھیں

لیکن ہائے۔ سعد کی ایک بیوی بھی بیوہ نہیں ہوئی

واحسرتا! آج مثنیٰؓ شیبانی نہ تھا۔"

دار الصحت والشفاء میں زخمی پہنچ چکے تھے۔ حضرت سعدؓ ان کے معائنے کو تشریف لے گئے۔ وہاں ہر شخص کی زبان پر سلمیٰ کے اشعار تھے۔ حضرت سعدؓ کو غصہ آگیا۔ جھنجھلا کر سلمیٰ کے گھونسا مارا اور بولے "مثنیٰؓ شیبانی ہوتا تو کیا کر لیتا؟"

سلمیٰ نے اب پھر طنز کیا "ماشا اللہ یہ بزدلی مگر خدا کا شکر ہے کہ غیرت باقی ہے۔" یہ طنز اس بنا پر تھا کہ حضرت سعدؓ نے اس لڑائی میں حصہ نہیں لیا تھا۔ ہاشم بن عتبہ کے ہراول دستے کا بہتر دستہ ہی لڑتا رہا تھا۔

آگے بڑھے تو دیکھا کہ تہمینہ ایک زخمی کے ٹانکے لگا رہی تھی اور اس کی زبان پر یہ شعر تھے :

"امیر المومنین عمر بن خطاب نے سچ کہا

ابی وقاص کا بیٹا بہادر ہے لیکن تدبیر جنگ ندارد

دہ رازِ شطرنج نداند

وہ شاہ کو پیچھے ہٹاتا ہے اور پیادہ راپیش دارد

سعد نہیں جانتا کہ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے

افسوس صد افسوس !

سعد نے لوہے کو حکم دیا کہ

موم ہو جا۔ لوہا موم ہو گیا

پھر حکم دیا۔ گرم ہو کر نرم ہو اور زخموں سے چپک جا!

لوہے نے تعمیلِ حکم کی

سچ کہا امیر المومنین نے

سعد تدبیرِ جنگ ندارد۔"

تہمینہ اس غم میں تھی کہ حضرت سعد نے اسے میدانِ جنگ میں جانے سے روک دیا تھا اور دار الصحت والشفا میں تیمارداروں کی مدد کے لئے بھیج دیا تھا۔ تہمینہ نے بڑے انہماک سے ایک غازی کے زخم پر پھاہا لگایا اور اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اسے حضرت سعدؓ کے تشریف لانے کا علم اس وقت ہوا جب اس نے سنا کہ "اللہ تعالیٰ ہر شخص سے اُس کی اس صلاحیت کا حساب لے گا جو اس نے بطور امانت اسے دی۔"

تہمینہ چونک کر دیکھنے لگی۔ عرض کیا "یا امیر! یہ آپ میرے لئے فرما رہے ہیں؟" جواب ملا کہ تو نے جو شعر کہے ہیں، ان کے پس منظر میں کیا تو خود ہے؟"

تہمینہ نے اقرار کیا کہ یا امیر المومنین! آپ نے سچ کہا۔

حضرت سعد ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشآء کہہ کر واپس ہوئے۔ تہمینہ نے جلدی جلدی اپنے زخمیوں کی دیکھ ریکھ کا کام ختم کیا۔ پھر اُم حکیم انچارج دار الصحت والشفا سے فجر کی نماز کا بہانہ کر کے سیدھی عاصم کے خیمے میں گئی۔ وہ بے خبر پڑا سو رہا تھا۔ اس کے سر کا خود الگ رکھا تھا۔ کالے کالے دو گیسو کالے ناگوں کی طرح اُس کے

گلے میں لپٹے ہوئے تھے۔ تہمینہ دیر تک حسن حسین دیکھتی رہی۔ پھر "ادنہ" کہہ کے ایک جھٹکے کے ساتھ آگے بڑھی۔ جا کر عاصمہ کے ماتھے پر ہاتھ رکھا اور دھیرے سے کہا "الصّلوٰۃ خیر من النوم"۔ عاصمہ ہڑبڑا کر اٹھی اور غیر شعوری طور پر اس کا ہاتھ تلوار کی طرف بڑھ گیا۔ پھر دُزدیدہ نظروں سے دیکھا تو مسکرائی۔ تہمینہ نے کہا "ظالم تو نے یہ شعر سُنا کہ نہیں:

کیا دزدیدہ نگاہوں سے اشارہ کس نے
ملک الموت کے ماتھے گئی، مارا کس نے"

پھر کہا کہ نماز پڑھ لے۔ کچھ مشورہ کرنا ہے۔

تہمینہ نے عاصمہ کے خیمے ہی میں نماز پڑھی پھر کہا ذرا آدمی بن جا۔ اے توبہ! آدمی نہیں مرد بن جا۔ ہاشم اور حسن کو یہیں بلالا۔ عاصمہ نے خود سر پر رکھا۔ بال اس کے اندر ٹھونسے۔ خود کا تسمہ کسا۔ خیمے سے نکلی۔ ہاشم اور حسن کو لے کر آگئی۔ سلام علیک کے بعد تہمینہ سے خیریت پوچھی گئی تو اس نے وہ گفتگو دہرادی جو سعد سے دار الصحت میں ہوئی تھی اور پوچھنے لگی "کیا سعد نے درپردہ مجھے حرب و ضرب کی اجازت دے دی ہے؟" سب نے ان جملوں پر غور کیا۔ پھر کہ معنی یہی نکلتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تہمینہ نے کہا "اچھا۔ آپ صاحبان جائیں۔ مجھے تخلیے میں عاصم سے کچھ مشورہ کرنا ہے۔ حسن اور ہاشم اٹھ چلے گئے تو تہمینہ نے عاصم سے پوچھا:

"وہ کون شخص ہے جسے سعد نے اپنے خیمے میں قید کر رکھا ہے؟"

"وہ ایک عرب سردار ابو محجن نامدار تنہا ایک لشکرِ جرار ہے۔"

"ایسے بہادر کو ایسی حالت میں قید کر دیا جبکہ کل کی لڑائی میں اس کی ضرورت تھی۔"

"تم اسے کیا جانو تہمینہ!"

"کل جب ہاتھی مسلمانوں کو پامال کر رہے تھے تو مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ ہاتھی میرے سینے پر پاؤں رکھ رہے ہیں بہت ہی بے چین تھی۔ اسی حالت میں سلمٰی کے پاس چلی گئی۔ وہاں دیکھا تو وہ شخص زنجیروں میں جکڑا پڑا ہے اور سلمٰی سے خوشامد کر رہا ہے کہ خدا کے واسطے مجھے تھوڑی دیر کے لئے رہا کر دو۔ زندہ رہا تو خود آکر بیڑیاں پہن لوں گا لیکن

نے انکار کردیا۔"

"انھیں انکار ہی کرنا چاہئے۔ امیرالافواج کے حکم کو کون چیلنج کرسکتا ہے۔"

"اُف! بے چارہ اداس اداس سر جھکا کر اپنی جگہ پڑا رہا۔ بڑے پردرد لہجے میں آتشیں شعر پڑھ پڑھ کر اپنے آپ کو جلاتا رہا۔ وہ کہہ رہا تھا:

'میرے لئے اس سے بڑھ کر کیا غم ہوگا کہ

سوار نیزہ بازیاں کر رہے ہیں اور میں

ہاں، وہ میں، جس کا دوست نیزہ ہے

ایسا دوست جو دغا نہیں کرتا

آہ وہی میں!

زنجیروں میں بندھا پڑا ہوں

جب کھڑا ہوتا ہوں تو زنجیریں اٹھنے نہیں دیتیں

اور دروازے اس طرح بند کر دئے جاتے ہیں

کہ پکارنے والا

پکارتے پکارتے تھک جاتا ہے'۔

ان اشعار کا اثر سلمیٰ پر ہوا مگر وہ مجبور تھیں۔ اشعار سن کر میرا کلیجہ بھی کٹ گیا۔ میں نے کہا: چچا! شراب چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟"

"یا بنتی! خدا کی قسم میں سعد کے ڈر سے ہرگز شراب نہ چھوڑوں گا اور جب چھوڑوں گا، خدا کے ڈر سے چھوڑوں گا۔"

یہ سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ پھر میں وہاں نہ ٹھہر سکی۔ میری بھی حالت غیر ہو رہی تھی۔

"اے ظالم عاصم! ایک بار تو نے مجھے تڑپایا اور اب سعد بار بار مجھے تڑپا رہے ہیں۔"

"اچھا مجھے ایک بوسہ دے اور اسی قیمت میں مشورہ لے!"

تہمینہ نے اپنے پھولے پھولے گال عاصم کے لبوں کی طرف بڑھا دئے۔ عاصم نے گالوں پر ہونٹ جما دئے

اور پھر عاصم تہمینہ کے کان میں کچھ کہہ رہا تھا۔ تہمینہ عاصم کا مشورہ پاکر خوش ہو گئی اور اس نے بھی عاصم کا منہ چوم لیا۔



کئی دن تک لڑائی بند رہی۔ رستم نے پھر نامہ و پیام کا سلسلہ جاری کیا۔ سعدؓ کو خط لکھا کہ آپ نے اپنی بربادی اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔ یہ دراصل آپ کو دکھانے کے لئے ایک تمہیدی جنگ تھی۔ آپ ایک عقلمند آدمی ہیں۔ نصیحت حاصل کریں۔ میں اب بھی آپ کو بہت کچھ دے کر واپس کر سکتا ہوں اور یزدگرد کو بھی سمجھا لوں گا۔ آپ کیوں نہیں سمجھتے کہ صلح بہر حال جنگ سے بہتر ہے۔

حضرت سعدؓ نے جواب دیا کہ بیشک صلح جنگ سے بہتر ہے لیکن فتنے کو دبانا اس سے بھی بہتر ہے۔ تمہارے یہاں سب سے بڑا فتنہ یہ ہے کہ تم نے یزدگرد اپنے جیسے انسان کو خدا بنا لیا ہے اور اس کے حکم کو اس طرح مانتے ہو جیسے خدا کا حکم مانا جاتا ہے۔ تم سب شرک میں مبتلا ہو اور شرک ظلمِ عظیم ہے۔ جب تک تم اس سے توبہ نہ کرو گے ہم تمہاری جان نہ چھوڑیں گے۔

اس خط و کتابت کے بعد بھی جنگ شروع نہ ہوئی لیکن پھر آپ سے آپ چھڑ گئی۔ ہوا یہ کہ ایک دن دوپہر کے وقت پچھم سے غبار اٹھا۔ سب اس کی طرف دیکھنے لگے۔ اس غبار سے ایک شکست خوردہ فوج سر پر پیر رکھے بھاگی چلی آ رہی تھی۔ یہ شکست خوردہ فوج ایرانی فوج کی طرف بھاگی۔ ایرانیوں نے پہچانا کہ راس العجم کا شہزادہ شہر یار بن مہرز ہے لیکن پیچھے سے جو لشکر پیچھا کئے چلا آ رہا تھا اس کا افسر شہر یار کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اس نے بڑھ کر نیزہ مارا۔ شہر یار نٹ کی طرح اس کے نیزے سے جھول گیا۔

شہر یار کو قتل کرنے والے بہادر نے بیچ میدان میں آ کر گھوڑا روکا۔ ایرانیوں کی طرف رُخ کیا اور پکارا "تم میں ہے کوئی بہادر جو میرا مقابلہ کرے۔ میں ہوں خادم خدّام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قعقاع حجازی، دن کا غازی، رات کا نمازی، حملہ کروں تو تنِ تنہا دشمن کا قلبِ لشکر توڑ کر نکل جاؤں اور پھر واپس آؤں تو سینے کے سوا میری پیٹھ پر کوئی زخم نہ ہو"

حضرت سعد اور سردارانِ لشکرِ اسلام قعقاع کا نعرہ سُن کر سمجھ گئے کہ شام کی طرف سے امدادی فوجیں آ گئیں اور یہ قعقاع ہراول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ قعقاع کا نعرہ سُن کر بہمن مقابلے کو نکلا۔ بہمن کو دیکھ کر حسن مثنیؓ نے بڑھ کر کہا

"عم محترم! انا لھذا۔ یہ میرے لئے ہے یہی میرے باپ کا قاتل ہے۔" قعقاعؓ نے پکار کر جواب دیا "بھتیجے! صبر کرو۔ ابھی اس کا سر لے کر آتا ہوں" اور یہ کہہ کر راہوار پر جھکے۔ اسے مہمیز کیا۔ راہوار چمکا۔ عقاب کی طرح اڑا اور بہمن کو پھلانگ کر دوسری طرف جا رکا۔ پھر اسی طرح واپس پلٹا تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ بہمن کا دھڑ زمین پر تھا اور سر قعقاعؓ کے ہاتھ میں۔ قعقاعؓ نے سر حسن کی طرف پھینکا اور پھر ایرانیوں سے مبارز طلب کیا۔ ایرانی اس عجیب و غریب انداز حرب و ضرب کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ اتنے میں شام کی امدادی فوج گھوڑے اڑاتی آگئی۔ اس کے سپہ سالار حضرت ہشامؓ تھے۔ انھوں نے پکار کر قعقاعؓ کو پاس بلا لیا اور لشکر سعدؓ کی طرف دیکھ کر کہا:

"مسلمانو! تمہارے بھائیوں نے شام فتح کر لیا اور اب ایران تمہارے ہاتھوں فتح ہوگا۔ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فارس کی فتح کا تم سے وعدہ کیا ہے۔ وہ پورا ہو کر رہے گا۔ انا اللہ لا یخلف المیعاد۔"

حضرت سعدؓ ٹھیک سے ہشام کی ماتحت فوج کو ترتیب نہ دے سکے تھے کہ رستم ثانی نے طبل جنگ بجوا دیا اور ڈنکے کی چوٹ کے ساتھ ہی ایرانی فوج نے حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے دیکھا کہ آج ہاتھیوں کی مستک پر لوہے کے توے منڈھے اور سونڈوں پر باریک فولاد کے تار چڑھے ہیں۔ ہاتھیوں کی آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں۔ آج خسرو ہمدانی نے ہاتھیوں کی حفاظت کا پورا بندوبست کر لیا تھا۔ دائیں بائیں جرار فوج لگا لی تھی اور پیچھے دور مار ناوک اندازوں کے پہرے تھے۔

رستم نے خسرو کو حملے کا حکم دیا اور دائیں بائیں کی فوج کو ہاتھیوں کے برابر بڑھنے کا موقع دیا۔ آج حضرت سعدؓ نے بھی فیصلہ کن جنگ کا ارادہ کر لیا تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار لشکر کے بیچ کھڑے تھے۔ دستور کے مطابق انھوں نے تین نعرے مارے۔ انکا نعرہ سن کر ہشامؓ قعقاعؓ کو لے کر ایرانی بائیں فوج پر حملہ آور ہوئے اور ان کی مدد کو نعمان بن مقرن، مغیرہ بن شعبہ اور حضرت بلی جیسے تجربہ کار صحابہؓ آگے بڑھے۔ دوسری طرف حضرت سعدؓ نے طلیحہ اسدی کو حکم دیا کہ وہ ایران کی دائیں فوج کو دابیں۔ حضرت طلیحہ نے عاصم بن عمر، عمر معدی کرب اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو لے کر ایرانیوں کے میمنہ (دائیں لشکر) پر حملہ کر دیا۔

کناروں (کارنر) سے فوجیں حملہ آور ہوئیں تو ہاشم بن عتبہؓ کو حکم دیا کہ وہ براہ راست پیل سپید کی طرف بڑھیں۔ "آج خود پیل سپید پر حملہ کروں گا۔" ہاشم بن عتبہؓ نے کہا "یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ہم امیرالمومنین کو کیا جواب دیں گے؟"

حکمت و تدبر کی باتیں دونوں طرف لشکروں میں ہو رہی تھیں۔ ابھی دونوں لشکر فاصلے پر تھے اور تیروں کا تبادلہ ہو رہا

رہا تھا کہ تین نقابدار نیزہ تانے طرار گھوڑوں پر سوار داہنے کارزیر نمودار ہوئے۔ ان میں سے ایک ادھیڑ اور دو نوجوان لگ رہے تھے۔ انھوں نے داہنے سے بائیں ایک چکر لگایا۔ نیزے کے ہاتھ دکھاتے ہوئے بیچ میدان میں کھڑے ہوئے۔ ادھیڑ عمر کے نقابدار نے لشکرِ اسلام کی طرف رُخ کیا۔ پکارا "مسلمانو! آج میں اپنے کو قربان کر رہا ہوں۔ امیر المومنین مجھے معاف فرمائیں۔ میں اس ہیل دماں پر جس طرح وار کروں اسی طرح تم ہاتھیوں پر ٹوٹ پڑنا۔"

یہ کہہ کر وہ نقاب پوش آگے بڑھا۔ جھکا۔ نشانہ لیا۔ پھر اپنا نیزہ پھینکا تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ اس کے نیزے کا پیکان حسرو ہمدانی کے گلے کے پار ہوگیا اور دو برچھیاں ہیل سپید کی آنکھوں میں پیوست تھیں۔ یہ برچھیاں نوجوان نقابداروں نے ماری تھیں۔ ہاتھی اندھا ہو کر چنگھاڑا۔ اسی حالت میں سونڈ بڑے نقابدار پر ماری۔ نقابدار نے سونڈ پر تلوار ماری تو ہاتھی کی سونڈ جھول گئی۔ "نامردوں نے فولاد کا تار چڑھایا ہے" اس کی زبان سے نکلا۔ اتنی دیر میں اس کے دونوں نوجوان نقابداروں نے ہودا گرادیا اور فیل سواروں کو تہ تیغ کر دیا۔ اور پھر گھوڑوں کو ایڑ لگائی تو بائیں طرف اس طرح اڑ گئے گویا وہ عقاب ہوں۔

زخمی ہیل سپید مڑ کر پیچھے بھاگا۔ اب بہادروں کے حوصلے بڑھے۔ انھوں نے بھی بہت سے ہاتھیوں کو اسی طرح زخمی کر کے بھگا دیا۔ طلحہ ایران کے میمنہ پر بڑھ بڑھ کر حملہ کر رہے تھے۔ اپنے مجاہدوں کو بار بار للکارتے تھے۔ مجاہدین نے کہا کہ یہ سب دوہری زرہیں پہنے ہیں۔ تلوار اچٹ جاتی ہے۔ ہم کیا کریں۔ طلحہ نے چاہا کہ خود حملہ کریں کہ پھر وہی تینوں نقابدار نمودار ہوئے۔ انھوں نے برچھے ان ایرانیوں کی ناف پر مارے۔ برچھے پیٹ سے پار ہو گئے۔ اب طلحہ کے دستے نے اسی طرح وار کرنے شروع کئے۔ ایرانی میمنہ (داہنا کارزار) جم کر لڑا لیکن پورے کا پورا برباد ہوگیا۔

حضرت سعدؓ لڑائی کا رنگ دیکھ رہے تھے۔ موقع موقع سے ڈھنگ بدلتے جاتے۔ کبھی کسی رسالے کو کسی طرف حملہ کرنے کا حکم دیتے۔ کبھی کسی کو کسی کی مدد کے لئے بھیجتے۔ انھوں نے تینوں نقابداروں کو بھی دیکھا۔ حیران تھے کہ یہ کون ہیں اور روپوش ہو کر کیوں لڑ رہے ہیں۔ اپنے افسروں پر نگاہ ڈالی۔ تمام افسر موجود تھے۔ ماتحت افسروں میں بھی سب جم کر لڑ رہے تھے۔ ایک بار حسن مثنیٰؓ ایک ایرانی کو گرفتار کر کے لئے جا رہا تھا تو اسے پاس بلایا۔ پوچھا "عاصم کہاں ہے؟" جواب ملا کہ لڑ رہا ہے۔

حضرت سعدؓ دل ہی دل میں کہہ رہے تھے کہ اس بڑے نقابدار کے حملے کا انداز بالکل ابو محجن کا سا ہے مگر وہ تو بیڑے

خیمے میں قید ہے سلمیٰ اس کی نگران ہے۔ پھر کچھ سوچ کر مسکرائے اور دل میں کہا" اوہ! یہ دونوں نقابدار! میں پا گیا۔ خدا کی قسم تم میں سے ایک تہمینہ ہے اور دوسری عاصمہ ہے۔ مگر عاصمہ تجھے اس شکل میں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ تجھے تو سب عاصم سمجھ رہے ہیں۔ اوہ، میں سمجھا۔ تم دونوں کی ملی بھگت ہے۔"

رستم بھی بڑی بہادری سے لڑ رہا تھا۔ اس کا میمنہ اور فیل سواروں کا دستہ برباد ہو چکا تھا پھر بھی بیکراں فوج ساتھ تھی۔ یزدگرد کو پل پل کی خبر مل رہی تھی اور وہ دم بہ دم کمک پہنچا رہا تھا۔ وہ دن اور ساری رات لڑائی جاری رہی۔ دوسرا دن ہوا۔ پھر بھی میدان کارزار گرم تھا۔ ہر طرف لاشوں پہ لاشیں پڑی تھیں۔ بے سوار گھوڑے ادھر اُدھر بھاگے بھاگے پھر رہے تھے۔ چاروں طرف نعروں کا شور اور حملوں کا زور تھا۔ فتح کا رُخ کسی طرف نہ تھا۔ اگر طلحہ نے ایرانی میمنہ تباہ کر دیا تھا تو ایرانیوں نے ہاشم بن عتبہ کے کئی ہزار مجاہدوں کو مار گرایا تھا۔ دونوں طرف کے بہادر سردھڑ کی بازی اب بھی لگائے ہوئے تھے۔ تھک کر چور ہو چکے تھے۔ نیند کے مارے آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ لیکن تلوار کے ہاتھ چل رہے تھے۔

دوسرے دن سوا نیزہ آفتاب بلند ہوا تھا کہ تینوں نقابدار پھر نمودار ہوئے۔ ان میں بجلی کی قوت بھری تھی اور اسی کی طرح سرعت و تیزی بھی۔ آج وہ تینوں رستم کی طرف بڑھے۔ عرب سرداروں نے دیکھا تو مجاہدوں کو للکارا۔ سَابِقُوا اِلیٰ مَغْفِرَةٍ۔ خبردار! یہ نقابدار خدا کی راہ میں تم سے آگے نہ بڑھنے پائیں۔ اپنے سرداروں کا یہ نعرہ سُنا تو ایسا معلوم ہوا کہ شیر سوتے سے جاگ گئے۔ افواجِ اسلام میں نیا جوش امڈ آیا۔ رستم تخت پر بیٹھا فوجیں لڑوا رہا تھا۔ وہ تخت سے کودا اور گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے سرداروں کے ساتھ جرأت و بہادری کے جوہر دکھانے لگا۔ اس کی جرأت کو دیکھ کر ایرانیوں میں پھر جان پیدا ہو گئی۔ وہ سب پھر ایک دیوار بن کر کھڑے ہو گئے۔ سات ہزار بہادروں نے وزنی زنجیریں پیروں میں ڈال لیں کہ مرتے مر جائیں گے لیکن میدان نہ چھوڑیں گے۔ اور واقعی وہ خوب جم کر لڑے۔ وہ سب کے سب وہیں کھیت ہو گئے لیکن انھوں نے بھی بہت سے مجاہدوں کو کاٹ کر ڈال دیا۔

حضرت سعدؓ کی ساری توجہ رستم کی طرف تھی۔ ان کا بارہ ہزار کا دستہ ابھی محفوظ اور تازہ دم کھڑا تھا۔ انھوں نے ہاشم بن عتبہ اور حسن مثنیٰؓ کو اشارہ کیا۔ وہ سپہ سالار کا عندیہ سمجھ گئے۔ حضرت سعدؓ بارہ ہزار منتخب فوج لے کر رستم پر ٹوٹ پڑے۔ اس دستے میں عظیم صحابہ اور تجربہ کار افسر تھے۔ رستم نے بڑھ کر اس حملے کو بھی روکا

مائل خیرآبادی

وحدتِ ادیان

وحدتِ ادیان کا مطلب ہے کہ سارے دھرموں اور دینوں میں وحدت ہے، دنیا میں جتنے دھرم اور مذہب پائے جاتے ہیں سب میں یکسانیت ہے، سب ایک ہی طرح کے ہیں۔ اور ٹاپ کا مطلب یہ کہ دنیا کے تمام مذاہب سچے ہیں۔

"دنیا کے تمام مذاہب سچے ہیں"، یہ بات کہاں تک ٹھیک ہے؟ اِسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

سب سے پہلے اللہ کے بارے میں دیکھئے، دنیا کے مذاہب کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ایک مذہب کہتا ہے کہ اللہ ایک ہے۔ اُس جیسا کوئی نہیں۔ وہ کسی کا محتاج نہیں۔ نہ وہ کسی کا بیٹا ہے نہ باپ اور نہ اس کی بیوی ہے۔ وہی اللہ خالق (پیدا کرنے والا) ہے۔ وہی رازق (روزی دینے والا) ہے وہی مالک (یعنی سب کچھ اسی کی ملکیت ہے)۔ وہی حاکم ہے (یعنے آسمانوں اور زمین میں اسی کا حکم چلتا ہے)۔ اللہ کے سوا کوئی اور خدا ہے ہی نہیں۔

ایک اور مذہب کہتا ہے کہ اللہ تو ایک ہی ہے لیکن اس کا ایک بیٹا ہے، اس بیٹے کی ایک ماں ہے۔ اِس طرح اللہ کے ساتھ ان دونوں کو بھی خدائی میں شریک کر لینا چاہیے یعنی خدا تین ہیں۔

ایک اور مذہب ہے۔ اُس کا کہنا ہے کہ خدائے خدائیگان (سب خداؤں سے بڑا خدا) تو ایک ہی ہے لیکن دو خدا اور ہیں۔ ایک اہرمن (برائیوں کا خدا) اور دوسرا یزداں (نیکیوں کا خدا)۔ خدائی اُنہی دو خداؤں کے بس میں ہے۔ یہ دونوں خدا (اہرمن اور یزداں) آپس میں لڑتے رہتے ہیں۔ جب اہرمن کی جیت ہوتی ہے تو برائیاں خوب پھیلتی ہیں اور جب یزداں جیت جاتا ہے تو نیکیاں پھیلتی ہیں۔

ایک اور مذہب کہتا ہے کہ اللہ کے علاوہ خدا تو ہزاروں اور لاکھوں ہیں۔ ان میں مذکر بھی ہیں، اور مونث بھی ہیں۔ کچھ دیوتا ہیں، کچھ دیویاں ہیں۔ یہ سورج کا دیوتا۔ یہ چاند کا دیوتا۔ یہ بادلوں کا دیوتا۔ یہ دولت کی دیوی۔ یہ

بارش کا دیوتا۔ یہ مہاکالی دیوی۔ یہ حسن کی دیوی۔ یہ ناگ دیو۔ یہ گدھ دیو وغیرہ۔

ایک اور مذہب ہے جو بڑی دلچسپ بات کہتا ہے۔۔۔ یہ کہ خدا انسانوں اور جانوروں کے روپ میں زمین پر آتا ہے۔ اسے اوتار کہتے ہیں۔ جیسے رام چندر جی اور کرشن جی اوتار تھے یعنی ایشور نے ان کے روپ میں جنم لیا تھا۔ اس عقیدے کے لوگ کہتے ہیں کہ ایک بار خدا شیر کے روپ میں اترا تھا اور اس نے اپنے محبوب بندے کی مدد کی تھی۔

بس زیادہ کون بیان کرے۔ اب سوچئے کہ خدا ایک ہے یہ بھی ٹھیک، خدا دو ہیں یہ بھی ٹھیک، خدا ہزاروں ہیں یہ بھی ٹھیک۔ خدا بیٹی بیٹوں والا بھی ٹھیک، خدا بیوی بیٹی والا نہیں ہے یہ بھی ٹھیک۔ خدا کا اوتار ہوتا ہے یہ عقیدہ بھی ٹھیک اور یہ عقیدہ بھی ٹھیک کہ خدا کا کوئی اوتار نہیں۔ بھائی! یہ سب اُلٹی پلٹی باتیں ساری ٹھیک کیسے ہو سکتی ہیں۔ ان میں سے ایک بات ہی ٹھیک ہو سکتی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ کاغذ سفید ہے اور دوسرا کہے کہ نہیں یہ کالا ہے تو دونوں میں سے ایک ہی بات ٹھیک ہو سکتی ہے۔ دونوں باتیں کہ یہ کاغذ کالا بھی ہے اور سفید بھی کیسے ٹھیک ہو سکتی ہیں؟

اسی طرح اللہ کے بارے میں بھی ایک ہی بات ٹھیک ہو سکتی ہے یعنی یا تو وہ ایک ہے یا ایک سے زیادہ اور یا تو خدا نہ کسی کا باپ ہے نہ بیٹا یا یہ کہ خدا بیٹی بیٹوں والا ہے۔ اب یہ فیصلہ آپ خود کر لیجئے کہ خدا کے بارے میں کون سا عقیدہ آپ کے دل کو لگتا ہے۔

خدا کے بارے میں عقیدے کے علاوہ ایک اور عقیدے کو لیجئے۔ ایک مذہب کہتا ہے کہ انسان ایک بار پیدا ہوتا ہے۔ مرنے کے بعد اُس کی روح اللہ کے فرشتوں کی نگرانی میں رہتی ہے۔ جب قیامت برپا ہوگی تو اللہ ان روحوں کو جسم دے گا اور اُن سے اُن کی دُنیوی زندگی کے کرموں کا حساب لے گا اور پھر یا تو جنّت میں جگہ دے گا یا دوزخ میں۔

دوسرا دھرم کہتا ہے کہ انسان بار بار پیدا ہوتا ہے اور ہر بار وہ کسی دوسرے جسم (یونی) میں جنم لیتا ہے۔ اچھے کرم کرتا ہے تو اچھا جسم پاتا ہے ورنہ کیڑوں مکوڑوں یا گھاس ترکاری یا کسی اور یونی میں جاتا ہے۔

یہ دونوں ایک دوسری کی اُلٹی باتیں یکساں کیسے ہو سکتی ہیں۔ یہ بات کوئی سمجھدار آدمی ماننے کو تیار نہیں ہو سکتا۔ ان دونوں باتوں میں سے ایک ہی بات کو ٹھیک کہے گا، چاہے وہ اسے ٹھیک مانے کہ انسان ایک بار پیدا ہوتا ہے اور مرنے کے بعد قیامت میں اپنے کرموں کا پھل بھوگے گا یا بار بار مر کر اور زندہ ہو کر اپنے کرموں کا بھگتان کرتا ہے۔

ایک تیسرا عقیدہ بھی سمجھ لیجئے۔ ایک مذہب کہتا ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں کو سیدھا راستہ دکھانے کے لئے ہر قوم میں نبی بھیجے یعنی انسانوں ہی میں سے ایک انسان کو چن لیا۔ اس کے پاس اپنا فرشتہ بھیجا۔ یہ فرشتہ اُس کے چنے ہوئے انسان کو اللہ کا پیام پہنچاتا رہا اور اُس نے اللہ کے دوسرے بندوں کو اللہ کا پیغام پہنچایا اور اس پیغام کے مطابق زندگی بسر کرکے دکھادی اور بتادیا کہ اس طرح زندگی بسر کروگے تو اللہ تم سے خوش ہوگا اور تم کو جنت دے گا، ورنہ جہنم۔

نبی کے بارے میں ایک اور مذہب اس طرح کی تعلیم دیتا ہے کہ اللہ کے ایک نبی نے اپنے کو سولی پر چڑھا کر کفارہ ادا کر دیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب تم صرف اس نبی پر ایمان لے آؤ۔ بس یہی کافی ہے۔ تم جنت میں جاؤ گے، تم چاہے اچھے کام کرو یا بُرے۔ تمہارے گناہوں کو نبی نے اپنی جان دے کر بخشوا دیا۔

ایک تیسرا مذہب کہتا ہے کہ فلاں نبی کو مان لو۔ پھر چاہے تم جیسے اچھے یا برے ہو وہ نبی تم کو بخشوالے گا اور اگر بالفرض تمہارے گناہ اتنے زیادہ ہوئے کہ دوزخ کی سزا دی بھی گئی تو بس ایامِ معدودات۔ چند دنوں ہی جہنم میں رہوگے۔ اس کے بعد یقینی جنت میں جگہ پاؤ گے۔

ایک دھرم اس طرح کہتا ہے کہ ایک لاکھ چوراسی ہزار یونی میں روح کرموں کا پھل بھوگ کر پاک ہو جاتی ہے اور پھر وہ بیکنٹھ میں داخل ہو جاتی ہے۔

اب آپ بتائیے جنت اور دوزخ پانے کے بارے میں ایک ہی عقیدہ ٹھیک ہو سکتا ہے نہ کہ سارے ہی عقیدے جو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

میں نے تین عقیدوں پر سوچنے کے لئے آپ سے کہا:۔

(۱) خدا کے بارے میں کہ وہ ایک ہے یا ایک سے زیادہ۔

(۲) نبی اور اس کی تعلیم کے بارے میں۔

(۳) آخرت کے بارے میں۔

ان تینوں عقیدوں کے بارے میں ہر دھرم اپنی الاپ رہا ہے۔ ہر ایک دھرم کی راگنی ایک دوسرے سے الگ ہے۔

اس لئے یہ سارے دھرم اور مذہب یکساں نہیں ہوسکتے ہیں اور نہ ان میں یکسانیت ہے۔ جو شخص کہتا ہے کہ سارے دھرم سچے ہیں اور سب میں یکسانیت ہے وہ یا تو اوّل نمبر کا ناسمجھ ہے یا نہایت چالاک جو کسی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت اسطرح کہہ رہا ہے

وحدتِ اَدیان کا پروپیگنڈا :۔ وحدتِ ادیان کا پروپیگنڈا کرنے والے ناسمجھ لوگ نہیں ہیں بلکہ وہ چالاک لوگوں کا ایک گروہ ہے اور وہ اسلام کے خلاف ایک چال چل رہا ہے۔ اس کی یہ چال اسلام کے مقابلے میں اس کے دھرم کی ہار ہے۔ اس ہار کے پیچھے ایک کہانی ہے۔ وہ کہانی اس طرح ہے:

دنیا کی مشرک قوموں، جنھوں نے ایک خدا کے بدلے بہت سے خدا بنا لئے تھے، اسلام نے اُن کے شرک پر ایسی کڑی تنقید کی کہ کوئی گوشہ باقی نہ چھوڑا اور توحید کے بارے میں ایسا صاف اور نکھرا ہوا عقیدہ پیش کیا کہ سارے دھرم اپنا منھ چھپانے لگے۔ بہت سے دھرم تو ختم ہوگئے۔ کچھ جو باقی ہیں اُن کے ماننے والے بھی شرک سے اتنا متنفر ہیں کہ وہ اس کو ایک گالی سمجھتے ہیں۔ لیکن بڑے افسوس کی بات یہ ہے کہ شرک کی کسی نہ کسی گندگی میں اب بھی لت پت ہیں۔ مثلاً عقیدۂ تثلیث (عیسائیوں کا عقیدہ) کہ خدا تین ہیں اور یہ کہ حضرت عیسیٰ ابن اللہ ہیں۔ اسی طرح یہودی جو خدائے واحد ہی کے ماننے والے ہیں وہ بھی حضرت عُزیرؑ کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔

اسلام ہندوستان میں آیا اور یہاں لوگوں نے عقیدۂ توحید اور شرک کے بارے میں تفصیل سے سُنا تو انھیں اپنا عقیدہ بہت ہی ہلکا نظر آیا۔ یہاں کا ہر پڑھا لکھا آدمی ہندو مت کے ہزاروں خداؤں کے عقیدے سے بیزار ہوگیا۔ یہ دیکھ کر کچھ وِدوانوں نے خود اپنے ہندو دھرم پر تنقید کی اور کہا کہ آج کا ہندو دھرم (سناتن دھرم) ویدکی تعلیم سے مختلف ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک نیا گروہ پیدا کیا جو آریہ سماج کے نام سے مشہور ہوگیا۔ آریہ سماج نے اپنا عقیدۂ توحید پیش کیا لیکن وہ اُتنا نکھرا اور صاف نہیں ہے جیسا اسلام نے پیش کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آریہ سماج کو وہ فروغ حاصل نہ ہوسکا جو اسلام کو حاصل ہے۔

یہ حربہ ناکام ہونے پر وحدتِ ادیان کا نعرہ بلند ہوا۔ کہا یہ گیا کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہمارا ہی مذہب سچا ہے وہ تنگ نظر، فرقہ پرست اور غیر روادار لوگ ہیں... یعنی مسلمان... جو اِنَّ الدِّینَ عِندَ اللّٰہِ الاِسلام کے ماننے والے ہیں رواداری یہ ہے کہ سارے مذہبوں کو برابر کا درجہ دیا جائے۔

خوب ہے یہ رواداری جس میں جھوٹ اور سچ سب برابر، اندھیرا اُجالا سب برابر، اچھا بُرا سب برابر۔ کوئی نادان ہی ہوگا جو اس رواداری کو رواداری ہی کہے گا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ چالاک لوگوں نے وحدتِ ادیان سے متعلق بہت سا لٹریچر تیار کر رکھا ہے اور وہ بہت ہی سستا بیچا جاتا ہے۔ بابا ونوبا بھاوے نے کچھ دنوں پہلے ایک ایسی ہی کوشش کی۔ روح القرآن چھاپا۔ اس میں انھوں نے معروفات اور منکر والی آیتیں اور اخلاقی آیتیں لیں عقیدوں والی آیتیں اُڑا دیں۔ اخلاقیات کی موٹی موٹی باتیں پیش کر کے فرمایا کہ یہی تو سارے دھرموں میں ہیں۔ آؤ اِن بنیادوں پر ایک ہو جائیں مسلمان عالموں نے روح القرآن پر تنقید کر کے بتایا کہ ونوبا بھاوے جی نے چالاکی سے کام لیا۔ اسلام کی اصل تعلیم اس کے عقیدے ہیں۔ ان عقیدوں سے متعلق یہ اور یہ آیتیں ہیں۔ اخلاقی قدریں ان ہی عقیدوں کی پیداوار ہیں۔ اور اخلاقی قدروں میں بنیادی وہ نہیں جو ونوبا بھاوے کہتے ہیں بلکہ بنیادی خدا کا خوف، آخرت کی بازپرس اور رب کی رضا ہے۔ رہیں معروف و منکر تو یہ معروف اسی لئے ہیں کہ ان کو سب ہی ویسا سمجھتے ہیں جیسی وہ ہیں۔ انسان بالغ ہوتے ہوتے معروف و منکر آپ سے آپ سمجھ جاتا ہے۔ اس میں دھرم کی خصوصیت نہیں۔ ناستک اور دہریے بھی ان کے قائل ہوتے ہیں۔

خدا کا شکر ہے کہ وحدت ادیان کے فتنے کو بھی اسلام کے اصل اصولوں سے زبردست شکست اٹھانی پڑی۔ لیکن اس کی آواز ہے کہ اُٹھتی جا رہی ہے۔ دنیا میں جہاں جہاں سیکولر حکومتیں ہیں وہ اس کی تلقین کرتی ہیں کہ وحدتِ ادیان کا پروپیگنڈہ ہو۔ خدا جانے اس پردہ زنگاری میں کیا ہے۔ ہمارے خیال میں لہو الحدیث کے سوا اس پردے کے پیچھے کچھ نہیں۔ کچھ دنوں یہ ٹائیں ٹائیں ہوتی رہے گی، اس کے بعد فش۔ اور پھر کوئی اور حربہ سوچا اور استعمال کیا جائے گا۔ ❁



آئیے! ہم آپ اس عالمگیر نظریہ پر متفق ہو جائیں کہ:

- ہم سب کا اِلٰہ ایک ہے اور وہ اللہ ہے۔
- ہم سب ایک آدم کی اولاد ہیں اور آپس میں بھائی بھائی ہیں۔
- اِن اکرمکم عند اللہ اتقکم۔ تم میں سب سے زیادہ بزرگ و برتر وہ ہے، جو تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے

(جلیس سہسوانی)

اورنگ زیب کی نورِ نظر



کتابی چہرہ، دل کش صورت، موزوں قامت حسین خد و خال، مسکراتی آنکھیں، ارغوانی رخسار رخساروں پر دو سیاہ تِل، جو خوب صورتی میں مزید اضافہ کرتے تھے۔ نام زیب النسا، بیگم بنت اورنگزیب تخلص مخفی۔

یہ نیک سیرت، خوش اخلاق اور بلند کردار خاتون ماہ شوال ۱۰۴۸ھ میں دل رس بانو، دختر شاہ نواز خاں کے بطن سے پیدا ہوئی۔ دودھ پلانے کی خدمت میا بائی کے سپرد کی گئی۔ اس کے ساتھ کئی سلیقہ شعار دوشیزائیں بھی خادماؤں کی حیثیت سے مقرر کی گئیں۔

میاں بائی نہایت سلیقہ شعار و خوش گفتار ہونے کے ساتھ صوم و صلوٰۃ کی پابند اور درود و وظائف کی دلدادہ تھی۔ جب وہ تلاوت قرآن مجید کرتی تو زیب النساء کو اپنے پاس بٹھا لیتی۔ زیب النساء بہت ہی ذوق و شوق سے اس کی تلاوت سنتی۔ ا تلاوت کے سحر نے اس پر ایسا اثر کیا کہ اُسے چھ عمر میں ہی قرآن پاک پڑھنے کا شوق ہوگیا۔ او اس نے چھ سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کرلیا۔ اس حیرت انگیز کارنامے میں زیب النساء ذہانت اور معلّمہ حافظ مریم زیب النساء کی کاوش اور لگن دونوں ہی کو دخل تھا۔ اس روز اورنگ زیب کی مسرت کی انتہا نہ تھی۔ اس نے اس مسر سے سرشار ہوکر ساری افواج اور غربا کو پُرتکلف کھانا کھلایا اور انھیں بیش بہا انعامات سے نوا تیس ہزار اشرفیاں حافظ مریم کو نذرانے کے طور شاہی خزانہ سے عطا فرمائیں۔

اب زیب النساء کی ذہانت نے اورنگ زیب کو اس کے لیے مزید معلّم رکھنے پر مجبور کردیا۔ اکیس سال کی عمر میں اُس نے فارسی و عربی کتب کے علا

حدیث، ہیئت اور دوسرے کئی علوم میں کمال حاصل کرلیا تھا۔ ہیئت کی طرف اس کا رجحان طبع نسبتاً زیادہ تھا۔ اسی لیے وہ مباحثے کے اوقات میں اجرام فلکی کی ماہیئت و تشریح پر مدلل بحث کرکے ہم جلیس عورتوں کو خاموش اور اپنی معلماؤں کو متحیر کردیا کرتی تھی۔ اس کی تعلیم و تربیت میں علمائے ایران کا نمایاں حصّہ تھا۔ اس کے اساتذہ میں ملا اشرف شاعر بھی تھے۔ شہزادی کو خود بھی شاعری سے فطرتاً گہرا شغف اور دلچسپی تھی۔ اس لیے عربی ادب کی تکمیل کے بعد اس کا ذہن عربی شاعری کی طرف مائل ہوگیا۔ اس نے پہلی نظم عربی میں حمد کہی تھی جب اس نے یہ نظم کہی تھی تو اتفاق سے اس وقت دہلی میں مدینہ منورہ کا ایک عربی ادیب موجود تھا۔ وہ نظم اُس ادیب کو دکھائی گئی۔ اس نے کہا: بلاشبہ یہ نظم لاجواب ہے۔ لیکن اس کا تخلیق کار ہندی نژاد ہے۔ اس لیے محاورات اور نشستِ الفاظ میں کہیں کہیں لغزش ہوگئی۔ پھر بھی یہ نظم اپنے تخلیق کار کی علمی و ادبی ذہانت کا ثبوت ہے۔ اس ادیب کی رائے حوصلہ افزا تھی۔ پھر بھی زیب النساء نے یہ احساس کرکے کامیابی اپنی ہی زبان میں ہے۔ عربی شاعری کو خیرباد کہہ دیا اور اپنی ساری شاعرانہ صلاحیتیں مادری زبان فارسی پر مرکوز کردیں۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوئی۔ لیکن اُس کی شاعری کو پھلنے پھولنے کا زیادہ موقع نہ ملا۔ کیوں کہ اورنگ زیب کو شاعری سے رغبت نہ تھی نہ وہ شعر کہنا پسند کرتا تھا۔ نہ اشعار سنتا۔ اس لیے اس کے دربار میں کوئی بھی شاعر نہ تھا اور اگر کوئی پہلا شاعر دربار سے وابستہ تھا بھی تو وہ کس مپرسی سے گھبرا کر روپوش ہوگیا جو باقی رہ گئے۔ مصلحتاً خاموش رہے۔ اسی لیے زیب النساء بھی اپنے باپ کے خوف سے دل میں شاعری کے جذبات دبائے خاموش رہی۔ ویسے وہ تیرہ چودہ سال کی عمر میں ہی شعر کہنے لگی تھی۔ جو بھی زبان پر آتا وہ اپنی بیاض میں لکھ لیتی تاکہ اورنگ زیب کی نظر نہ پڑ جائے۔

ایک دن ملا اشرف نے اس کی بیاض دیکھ کر "سبحان اللہ" کی صدائیں بلند کیں اور اس کے شعروں پر نظرِ ثانی شروع کردی۔ اس حوصلہ افزائی نے زیب النساء کے دل پر گہرا اثر کیا اور وہ اپنا کلام برائے اصلاح ملا اشرف کو دکھانے لگی۔ اب اس کی شاعری کے خزاں رسیدہ گلشن میں بہار آگئی جو شاعر خاموش

تھے۔ وہ آرزو کرنے لگے کہ کسی طرح ان کے کلام کی رسائی شہزادی زیب النساء تک ہو جائے اور انھیں شرفِ قبولیت کا درجہ حاصل ہو جائے۔ شعراء کو کوئی درخواست بھی کرنا ہوتی تو وہ نظم ہی میں پیش کرتے ملا اشرف کو بھی وطن کی یاد نے ستایا تو یہ اشعار لکھ کر شہزادی کی خدمت میں پیش کر دیے۔

یک بار از وطن نتواں برگرفت دل
در غربتم اگرچہ فزوں است اعتبار
پیش تو قرب و بُعد تغافل نمی کُند
گو خدمتِ حضور نہ باشد مرا شعار
نسبت چو باطنی است چہ دہلی چہ اصفہان
دل پیش تست من چہ بکابل چہ قندہار

اس طرح نعمت علی خاں عالیؔ، جو عہد زیب النساء میں ایک بلند مرتبہ شاعر تھا۔ ایک رباعی لکھ کر شہزادی زیب النساء کی خدمت میں پیش کر کے اپنی مفلسی دور کرنے میں کامیاب ہوا۔ خواصوں نے شاعروں سے اشعار لکھوا کر اپنے قصور معاف کرائے زیب النساء کے دل میں شاعروں کی نہ سہی، شاعری کی عظمت کا جذبہ ضرور پنہاں تھا۔ اسی لیے وہ بڑے بڑے قصور محض قصائد لکھنے پر معاف کر دیا

کرتی تھی۔ اگرچہ اورنگ زیب نے محل میں آزادی کو داخل نہ ہونے دیا تھا کسی کو عام کتابیں پڑھنے کی اجازت نہ تھی لیکن زیب النساء کو مطالعہ کی اجازت تھی۔ اسی اجازت کی آڑ میں وہ دیوانِ حافظ بھی دیکھ لیتی تھی۔ اور کبھی کبھی علمی مباحثے میں اورنگ زیب سے گفتگو کرتی تو وہ اس کے عالمانہ جوابات سن کر ششدر رہ جاتا۔ اس کی عقل مندی کی ہی وجہ سے اورنگ زیب اسے بہت زیادہ مانتا تھا۔ اس نے اپنی علمی قابلیت سے کام لے کر شیعہ سنی کے اختلافات کو ختم کر دیا تھا۔ حالانکہ وہ سنی تھی اور اورنگ زیب بھی سنی تھا لیکن اورنگ زیب کا منجھلا لڑکا محمد معظم شیعہ تھا۔

پھر ایک دور وہ آیا جب زیب النساء جیسی ذی فہم اور دانش مند شخصیت کو بھی سیاست کے فریب نے جکڑ لیا اور وہ قلعہ سلیم گڈھ میں (لال قلعہ کی پشت پر) قید کر دی گئی۔ ۱۰۹۱ھ میں راجپوتوں سے مغلوں کی لڑائی ہوئی تو اورنگ زیب نے شہزادہ اکبر کو ان کی پیش قدمی روکنے کے لیے بھیجا۔ شہزادہ راجپوتوں کی باتوں میں آ کر ان سے مل گیا اور باپ سے منحرف ہو گیا۔ اور اتنا منحرف ہوا کہ لشکرِ شاہی کے مقابلہ پر

گیا۔ اس عالم سرکشی پر اورنگ زیب کو طیش آنا یقینی تھا۔ باپ بیٹے کے اس نفاق کے باوجود زیب النسار اور اکبر کی خط و کتابت جاری رہی۔ حالانکہ خط و کتابت بھائی بہن کی محبت تک ہی محدود تھی لیکن شہزادے کو محض اس جرم کے ارتکاب پر ایک سال تک قید کے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے بعد شہزادی زیب النسار کو اس کی ایک عزیزہ کی موت کی تعزیت کے لیے محل میں لایا گیا۔ اور پھر شہزادے کی شادی تک وہ وہیں رہی۔ اس وقت اس نے یہ شعر کہے تھے۔

دردا کہ زقید ستم آزاد نہ گشتم
یک لحظہ زغم ہائے جہاں شاد نہ گشتم
گرچہ پا زنجیر مخفی زد تہہ دیوار غم
شکر اللہ کز جفائے ہم گناں آسودہ ام
دل من اسیر مخفی بہ بلائے ہجر تا کے
کہ بجز ہوائے وصلت گناہ دگر ندارم
مخفی امید رہائی تا بروز حشر نیست
خاک غربت ہر کہ را در عہد دامن گیر شد
تا مرا زنجیر در پائے دل دیوانہ شد
دوست شد دشمن مرا ہر آشنا بیگانہ شد

زیب النسار انتہائی ذہین لکھ اور مخلص تھی بلکہ اس کی پیشانی پر شکن نہیں ڈال سکتا تھا۔ دہلی کے ایک مشاعرہ کے مصرع طرح پر اس نے یوں مصرع لگایا:

مصرع طرح:

دُر ابلق کسے کم دیدہ موجود

مصرع ثانی:

مگر اشک بتاں سرمہ آلود

ایک دن صبح کے وقت زیب النسار محو سیر چمن تھی اور موسم بہار سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چہل قدمی کر رہی ہوئی جب چشمے کے کنارے پہنچی تو دلکش منظر کی کیفیت نے اُسے بے خود کر دیا۔ اور اس کی زبان سے یہ شعر نکل گیا۔

چہار چیز غم دل برد کدام چہار
شراب و سبزہ و آب رواں و روئے نگار

اچانک اورنگ زیب بھی اُدھر آ گیا۔ پوچھا بیٹی کیا شعر پڑھ رہی ہو؟"

عرض کیا "قبلہ و کعبہ" یہ پڑھ رہی تھی۔

چہار چیز غم دل برد کدام چہار
نماز و روزہ و تسبیح و توبہ استغفار

یہ سنکر اورنگ زیب بہت مسرور و شاداں ہوا۔

زیب النسار سادگی پسند تھی۔ سفید، سادہ

لباس اور سادہ زندگی اُسے بہت عزیز تھی۔ اسے تصنیف وتالیف کا بھی بہت شوق تھا۔ اس نے بڑے بڑے علماء وفضلاء کو جمع کر کے "تصنیف وتالیف" کا ادارہ قائم کیا تھا۔ اُسی زمانہ میں "تفسیر کبیر" کا فارسی ترجمہ ہوا۔ زیب النساء نے بھی "زیب المنشات" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی۔ اُسی زمانہ میں ایک کتب خانہ بھی قائم کیا گیا تھا۔ جس میں گراں قدر کتابوں کا ذخیرہ ہوتا تھا۔ شہزادی زیب النساء کی تصنیفات میں دیوان مخفی بھی ہے

شہزادی کی ذہانت، بلاغت اور فصاحت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ وہ جو کچھ اپنی زبان سے ادا کرتی تھی سوچ سمجھ کر ادا کرتی تھی۔ اسی لیے اس کا کلام ندرت ولطافت سے لبریز ہوتا تھا۔ اس کے فن میں ندرت اور شوخی ولطافت اس لیے اور بھی تھی کہ وہ عورت تھی جو بھی اس کا کلام دیکھتا متحیر رہ جاتا۔ کبھی کبھی وہ اپنے کلام پر خود بھی حیران ونازاں ہو جاتی جیسا کہ اس مصرع سے عیاں ہے۔

سکہ بر نقدِ سخن رائج ایماں زدہ ام

مخفی کے دیوان کے بہت سے نسخے طبع ہو چکے ہیں۔ مخفی کے ان اشعار سے اس کے کلام کی ندرت ولطافت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

خیال چشم جادو کردم امشب
گلِ مقصود را بو کردم امشب

نہ بزم بلبلاں از شاخ تا صبح
بباغ یا ہو یا ہو کردم امشب

چوں وعدۂ دیدار تو افتاد بہ محشر
کادم ہمہ افتاد بفردائے قیامت

ہر روز قیامت گذرد بر دل مخفی
تا چند تواں وعدہ بفردائے قیامت

۱۱۱۳ھ میں جب اورنگ زیب فتوحاتِ دکن میں مصروف تھا۔ شہزادی زیب النساء شدید بخار میں مبتلا ہو گئی۔ اس کا دل دنیا کی سرد مہریوں اور حوادث کی تلخیوں سے گھبرا گیا تھا۔ اس لیے وہ بخار پیغامِ اجل بن گیا۔ آخر زیب النساء نے پینسٹھ سال کی عمر میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

زیب النساء مخفی نے اپنے کلام کے سوا کوئی یادگار نہ چھوڑی۔ اورنگ زیب کو جب اُس کے انتقال کی خبر ملی تو بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔

(بشکریہ۔ بانو۔ دہلی)

براہ کرم خط وکتابت کرتے وقت نمبر ایجنسی یا نمبر خریداری ضرور لکھئے۔ (منیجر)

خواتین کا علم سے لگاؤ

رئیسہ [illegible]

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علم و فن میں عورتیں بھی مردوں کے ساتھ ساتھ کام کرتی رہی ہیں۔

امام شافعیؒ (سنہ ۲۰۴ھ۔ سنہ ۸۲۰ء) نے ایک خاتون حضرت نفیسہ سے بھی سندِ حدیث حاصل کی تھی۔ حافظ ابنِ عساکرؒ نے تاریخِ دمشق میں اُن اسّی۸۰ خواتین کا ذکر کیا ہے جن سے انھوں نے علمِ حدیث حاصل کیا۔ تصوف کے امام شیخ محی الدین ابنِ عربی نے علمِ حدیث حضرت شہدہ نام کی ایک خاتون سے حاصل کیا تھا۔ امام ابنِ تیمیہؒ کے اساتذہ میں ایک عورت زینب بھی شامل ہے۔

اسی طرح خواتین علمِ طب بھی جانتی تھیں۔ مشہور طبیب ابوالقاسم زہراوی اُندلسی کی بہن اور بھانجی دونوں علمِ طب کی فاضلہ تھیں اور علاج میں مہارت رکھتی تھیں

اشاعتِ تعلیم میں بھی عورتوں کا بڑا حصہ ہے۔ غازی صلاح الدین ایوبی (سنہ ۵۸۹ھ۔ سنہ ۱۱۹۳ء) کی بہن زمرد اور بھتیجی عذرا دمشق میں علیحدہ علیحدہ مدرسے قائم کئے ہوئے تھیں۔ یہ شرف بھی ایک خاتون کو حاصل ہے کہ دنیا کی قدیم ترین یونیورسٹی ایک خاتون نے قائم کی تھی۔ یہ جامعہ قرویین (۲۴۵ھ۔ ۸۵۹ء) ہے جو مراقش کے شہر فاس میں اب بھی قائم ہے۔ اس جامعہ کی عمارت ایک دولت مند تاجر محمد الفہری کی لڑکی فاطمہ نے خالص حلال مال یعنی اپنے ترکۂ پدری سے تعمیر کرائی تھی۔ یہ جب تک تعمیر ہوتی رہی وہ عورت تقرب الٰہی کے لئے مسلسل روزے رکھتی رہی۔ اسلامی ہندوستان کی تیسری حکمراں سلطان رضیہ بیگم (سنہ ۶۳۷ھ سنہ ۱۲۴۰ء) تھی۔ اُس نے دہلی میں دو مدرسے "معزیہ" اور "ناصریہ" جاری کئے تھے۔

سلطان محمد شاہ تغلق (سنہ ۷۲۵ - ۷۵۲ھ سنہ ۱۳۲۵-۱۳۵۱ء) کے زمانے

میں دہلی میں ایک ہزار مدرسے موجود تھے۔ ان میں خواتین کے مدرسے بھی شامل تھے۔

جنوبی ہند میں سفر کے دوران مراکش کا سیاح ابن بطوطہ (سنہ ۷۲۵ تا ۷۵۲ھ ۱۳۲۵-۱۳۵۱ء) نے لڑکیوں کے تین مدرسوں کا ذکر کیا ہے۔

مالوہ کے حکمراں سلطان غیاث الدین خلجی (سنہ ۸۷۳ تا ۹۰۲ھ) کے محل میں دس ہزار کنیزیں تھیں۔ بقول فرشتہ ان میں سے ہزاروں حافظاتِ قرآن، قاریاتِ قرآن، عالماتِ دین اور معلمات تھیں۔

مشہور صاحبِ طرز ادیب مولانا محمد حسین آزاد (سنہ ۱۳۸۲ھ) کی لڑکی فاضلہ اور ادیبہ تھی۔ آزاد لکھتے ہیں کہ میری کوئی کتاب ایسی نہیں جس پر نظرِ ثانی میری لڑکی نے نہ کی ہو۔

کلکتہ کی ایک قابل خاتون صولت النساء بیگم نے مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی کی خدمت میں تیس ہزار روپیوں کی خطیر رقم پیش کی جس سے انھوں نے حرم شریف میں مدرسہ صولتیہ قائم کیا (سنہ ۱۲۹۱ھ ۱۸۷۴ء) جو الحمد للہ آج تک قائم ہے۔

لیکن خواتین کی تعلیم کے سلسلہ میں آج کے مسلمان کا نقطۂ نظر کیا ہے، اسے دیکھ کر افسوس ہوتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے صحیح کہا ہے:

کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت
وہ کہنہ دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیرو

آپ دیکھ رہے ہیں!!

محکمہ ڈاک کے متعلق میری یہ رائے ہمیشہ سے ہے کہ اگر اس کے کارکنوں میں غیر ذمہ داری آگئی تو ہمارے ملک کا ہر شعبہ متاثر ہوگا۔ یہ عجیب بات ہے کہ کچھ دنوں سے ڈاک کے ڈاکوؤں کی مہربانیاں "حجاب" پر مسلسل ہو رہی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ حجاب کے بنڈلوں میں دوسری چیزیں رکھ کر مکتوب الیہ تک پہنچائی جاتی ہیں۔ انفرادی خریداروں کے پرچے غائب ہو جاتے ہیں۔ محکمۂ ڈاک کے ذمہ داروں کو لکھا جاتا ہے تو وہ پرواہ نہیں کرتے۔ ہمیں بہرحال اپنی آواز بلند کرنا ہی ہے اسلئے جس قدر ہو سکے گا کام کریں گے وما توفیقی الا باللہ

برطانیہ میں اسلام کی تبلیغ

میرا اپنا خیال ہے کہ لوگ دو محرکات کی بنا پر اسلام قبول کرتے ہیں یا تو انھیں اچھے مسلمانوں کی صحبت میں رہنے کا موقع ملتا ہے اور وہ ان سے متاثر ہوتے ہیں یا پھر انھیں اچھی کتابوں کے مطالعہ کا موقع ملتا ہے اس کے علاوہ کچھ اور اسباب بھی ہیں جو لوگوں کو قبولِ اسلام کی طرف مائل کرتے ہیں۔ مثلاً کچھ لڑکیاں مسلمان مردوں سے شادی کرنے کے لئے اسلام قبول کرلیتی ہیں یا کچھ غیر مسلمان مرد بھی مسلم لڑکیوں سے شادی کرنے کے لئے دائرۂ اسلام میں داخل ہوجاتے ہیں۔ لیکن ان لوگوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے گذشتہ ۵ برسوں کے دوران مرکز میں ۸۰ افراد نے اسلام قبول کیا۔ ان میں ازدواجی تقاضوں کے سبب دائرۂ اسلام میں داخل ہونے والوں کی تعداد صرف ۱۵، ۲۰ ہی رہی ہے۔ باقی دوسرے لوگوں کو اسلام کی کشش ہی اس کی آغوش تک کھینچ کرلائی تھی۔ ان میں نوجوان بھی تھے اور وہ لوگ بھی جو عمر کی چالیس منزلیں طے کرچکے تھے۔ ظاہر ہے یہ پختہ عمر کے لوگ کافی غور و خوض اور شرحِ صدر کے ساتھ ہی اس طرف آئے ہوں گے۔ اس عمر میں کوئی وقتی جذبہ اتنی بڑی تبدیلی کا محرک نہیں بن سکتا۔ وہ لوگ جنھیں مسلمانوں کے ساتھ یا مسلم ملکوں میں رہنے کا اتفاق ہوا ہے اور جنھوں نے اسلام کو اس کے ماننے والوں کی عملی زندگی میں جاری و ساری دیکھا ہے وہ اس عقیدہ کو حقیقی وجوہات کی بنا پر ہی اختیار کرتے ہیں۔ ایسے افراد آگے چل کر انتہائی راسخ العقیدہ اور نیک ثابت ہوتے ہیں اور اسلام کے حقیقی مفہوم کو سمجھتے اور اس پر عمل کی مخلصانہ کوشش کرتے ہیں۔

اسلامی ثقافتی مرکز میں اسلام قبول کرنے کے لئے آنے والوں کی اکثریت برطانوی شہریوں پر ہی مشتمل ہے۔ لیکن ان میں ہالینڈ، مغربی جرمنی اور یوروپ کے دیگر ملکوں کے کچھ افراد بھی شامل رہے ہیں۔ ایک بار مرکز میں ایک روسی مہاجر خاتون بھی اپنے شوہر کے ساتھ آئی تھیں۔ انھوں نے ہم سے کچھ کتابیں طلب کیں۔

یہ دونوں مسلمان تھے اور صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ میں نے جب انھیں زکوٰۃ کے بارے میں بتایا تو انھوں نے بتایا کہ وہ پابندی کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں لیکن چونکہ ۲½ فی صد کی شرح ان کے نزدیک بہت ہی کم ہے۔ اس لئے وہ کچھ زیادہ ہی اس مد میں نکالتے ہیں۔ ان دونوں نے میرے ساتھ نماز بھی ادا کی۔

ایک مرتبہ ہمارا ساتھ ۹ لڑکیوں اور لڑکوں پر مشتمل ایک گروپ سے پڑا۔ یہ سب کے سب آرٹسٹ تھے انھوں نے اسلام اور اس کے احکامات کے بارے میں کچھ جاننا چاہا۔ میرے اس استفسار پر کہ کیا وہ مجھ سے اپنے مسلمان ہونے کا سرٹیفکٹ چاہتے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ کیا مسلمان ہونے کے لئے کسی سرٹیفکٹ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

انھوں نے واقعی کوئی سرٹیفکٹ نہیں لیا۔ یہ بات ان کے خلوص کو ظاہر کرتی ہے۔

میرے اپنے تجربات اور مشاہدات کے مطابق حلقہ بگوش اسلام ہونے والوں کی اکثریت نہ صرف یہ کہ اعلیٰ تعلیم کے زیور سے آراستہ رہی ہے بلکہ ان میں سے ہر ایک نے تبدیلی مذہب کے فیصلہ سے قبل مختلف ادیان کا اچھی طرح مطالعہ بھی کیا تھا۔ اسلام اور دوسرے مذاہب کے تقابلی مطالعہ کے بعد ہی ان کا ذہن وضمیر اسلام کے بارے میں مطمئن ہوا اور انھوں نے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا۔ ایسا انھوں نے کسی وقتی جذبہ کے تحت ہرگز نہیں کیا اور غالباً یہی وجہ ہے کہ ان کی تعداد بہت ہی تھوڑی ہے کیونکہ ایسے لوگ بہت ہی کم ملتے ہیں جو اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی ہوں اور مذہبیات کے مطالعہ سے دلچسپی بھی رکھتے ہوں۔ گذشتہ رمضان سے قبل ایک نوجوان جو لندن یونیورسٹی کے گریجویٹ تھے مرکز تشریف لائے۔ انھوں نے بتایا کہ تین سال تک انھوں نے کیتھولک مذہب اور اسلام کا تقابلی مطالعہ کیا ہے۔ اپنے اس مطالعہ کے نتیجے میں وہ اسلام کی حقانیت کے قائل ہو چکے ہیں اور دائرہ اسلام میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔ وہ رمضان سے قبل ہی اپنے اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنانا چاہتے تھے۔ تاکہ شروع سے ہی روزہ رکھ سکیں۔ انھوں نے واقعی ایسا ہی کیا۔ میں نے انھیں آگاہ کیا کہ انھیں اپنے اسلام کی عملی قیمت بھی ادا کرنی پڑے گی۔ یعنی انھیں زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی۔ اور دن میں پانچ وقت

پابندی کے ساتھ نماز پڑھنی پڑے گی۔ رمضان میں روزے رکھنے ہوں گے۔ ہوسکتا ہے کہ ابتداء میں یہ سب کچھ کافی گراں گذرے۔ انھوں نے میری یہ باتیں سن کر بڑے سکون سے جواب دیا" میں نے ان کے بارے میں پڑھا ہے اور مجھے یہ معلوم ہے کہ میرے اوپر یہ ساری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ میں نے کافی غور و خوض کے بعد ہی اسلام قبول کیا ہے"۔

ان نئے مسلمانوں کے تعلق سے خود ان کی سوسائٹی کا طرز عمل کیا ہوتا ہے اس کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں معلوم لیکن ان کے بارے میں اکثر اس طرح کی باتیں کہی جاتی ہیں۔ کہ یہ پاگل ہو گئے ہیں یا ان کا ذہنی توازن ٹھیک نہیں رہا۔

ایک مرتبہ اسی طرح کے ایک نوجوان کو اس کے والد نے گھر سے نکال دینے کی دھمکی دی۔ وہ میرے پاس آیا اور پوچھنے لگا کہ" مجھے کیا کرنا چاہئے"۔ میں نے جواب دیا" اسلامی احکام کے مطابق تمہیں اپنے والد کا احترام کرنا چاہئے چاہے وہ تمہیں بیٹ ہی کیوں نہ دیں" چنانچہ وہ اپنے والد کے پاس گیا اور انھیں بتایا کہ اسلام اسے ان کا احترام کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ نیز یہ کہ یہ ان کا حق ہے۔ اگر تلخ کلامی پر اتر آیا۔ اُن کی اہانت کا مرتکب ہوا تو اس کا مطلب یہی سمجھا جائے گا کہ بیٹے نے اپنے مذہب کی خلاف ورزی کی ہے اس کے باوجود وہ مطمئن نہیں ہوئے اور کہنے لگے۔

"کیا تم دیوانے ہو گئے ہو۔ تم نے اسلام کیوں کر قبول کیا۔ تمام مسلمان ممالک غریب ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی طاقتور نہیں کہا جاسکتا وہ آزاد بھی نہیں ہیں مسلمان فی الحقیقت بہت ہی خراب لوگ ہیں"

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام کے بارے میں لوگ کس طرح اندازہ لگاتے ہیں وہ مسلمانوں اور مسلم معاشرہ کی مدد سے اسلام کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ قرآن اور احادیث سے نہیں۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ قبولِ اسلام کے بعد لوگوں کو اپنے معاشرہ سے دوبارہ مانوس ہونے کے لئے گوناگوں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً مذکورہ نوجوان کے خاندان میں بدستور لحم خنزیر کھایا جاتا رہا حالانکہ وہ لڑکا ایمان لانے سے قبل بھی اسے کھانا ناپسند کرتا تھا۔ اس کے خاندان نے اس سلسلے میں اسے

کوئی تعاون نہیں دیا۔ بعدازاں اس نے حج کا پروگرام بنایا چنانچہ اس نے اپنے والدین کو بتایا کہ وہ جرمنی جارہا ہے۔
ایک دوسرا مسئلہ شادی کا ہے۔ نومسلموں کو یا تو ایسی لڑکی کی تلاش ہوتی ہے جو مسلمان ہو۔ کچھ لڑکیاں اسلام قبول کرلیتی ہیں لیکن ایسی لڑکیوں کی اکثریت اسلام کی اہمیت کو سمجھنے سے اپنے آپ کو معذور پاتی ہے ان پر رمضان کے روزے بھی گراں گذرتے ہیں۔ اس قبیل کی لڑکیاں لباس کے معاملہ میں بھی شرم وحیا سے عاری ہوتی ہیں۔ وہ نہ سور کے گوشت اور شراب سے گریز کرتی ہیں اور نہ نامحرم مردوں کے ساتھ شامل رقص ہونے سے، وجہ بالکل سیدھی سی ہے انھوں نے اسلام نہیں بلکہ مسلمان شوہر قبول کیا ہوتا ہے چنانچہ وہ دوبارہ دوسروں میں گھل مل جانا پسند کرتی ہیں۔ فطری بات ہے کہ اس قسم کے تعلقات خوشگوار نہیں رہ سکتے چنانچہ وہ جلد ہی ختم ہوجاتے ہیں۔

غزل

محبت کی قدریں بڑھاتا رہا میں ‌ ‌ دکھا دل مگر مسکراتا رہا میں
نشیمن پہ بجلی مسلسل گرا کی ‌ ‌ نشیمن مسلسل بناتا رہا میں
کیا کچھ نہیں اور سوچا بہت کچھ ‌ ‌ ہوا میں عمارت بناتا رہا میں
یہی ایک کارنمایاں ہے میرا ‌ ‌ سند کچھ نہ کرنے کی پاتا رہا میں
بلا کی کشش بتکدے میں ہے مائل!
نہ جی چاہنے پہ بھی جاتا رہا میں

(مائل خیرآبادی)

(ضمیر جعفری)

سابق منسٹر

(۱)

ی نہ دفتر فائل نہ افسر
ہ ر نہ وردٹر جھنڈا نہ موٹر
اس نہ میلا ریلی نہ ریلا
گل نہ جنگل چیلی نہ چیلا
اتری جو پالش دھیلے کا دھیلا
لڑی سے رڈی موٹر سے ٹھیلا
سنگی نہ ساتھی بالکل اکیلا
چند لاکھ برسے جی لاکھ ترسے
نکلے نہ گھر سے پبلک کے ڈر سے
کالر نہ جھالر ڈالی نہ ڈالر
یادوں کا البم خوابوں کا محشر

گذری کے اندر
سابق منسٹر
اللہ اکبر
اللہ اکبر
اللہ اکبر اللہ اکبر

(۲)

کیف بہاراں سیل نگاراں
انبوہ یاراں آغوش کاراں
وہ کج کلاہی وہ عرش جاہی
آگے کلکٹر پیچھے سپاہی
وہ بے نیازی وہ کم نگاہی
رخ پر سفیدی دل میں سیاہی
پھرتے ہیں پیدل ظل الٰہی
ہر شے مسافر ہر چیز راہی
کیا جانب گلس کیا مرغ و ماہی
اک تازیانہ ٹوٹا فسانہ
جام مغانہ خواب شبانہ

گذری کے اندر
سابق منسٹر
اللہ اکبر
اللہ اکبر
اللہ اکبر اللہ اکبر

(۳)

دست گریباں پانی سے پانی
نعرہ سے نعرہ گالی سے گالی
پیچھے سے چمچہ تھالی سے تھالی
پتے سے پتہ ڈالی سے ڈالی
گوری سے گوری کالی سے کالی!
جھومر سے جھومر بالی سے بالی
مصروف خدمت سرکار عالی
کرتے گھر میں بیٹھے جگالی
بدھو کے بدھو خالی کے خالی
بچوں کے ابا بھابی کا دیور
بیوی کا شوہر امی کا چندر

گذری کے اندر
سابق منسٹر
اللہ اکبر
اللہ اکبر
اللہ اکبر اللہ اکبر

(عنایت اللہ)

جن کے لہو سے چراغ جلے

وہ عورتیں خوبصورت تھیں۔ جوان بھی تھیں تعداد میں کے لگ بھگ تھیں۔ وہ دو دو چار چار کی ٹولیوں میں بہلیوں اور بگھیوں میں دلی کی ایک سڑک پر جا رہی تھیں۔ ان کے لباس بھڑکیلے اور قیمتی اور اُن کی ہنسی اور ناز و انداز میں اشتعال اور دعوت گناہ تھی۔ انھوں نے بال اس طرح بنا رکھے تھے۔ جو شریف عورتوں کا انداز نہیں تھا۔ لوگ انھیں دیکھنے کے رک گئے تھے اور یہ عورتیں ان کا مذاق اڑاتیں اور بے ہودہ اشارے کرتی جاتی تھیں۔ وہ اپنے پیچھے لوگوں کی للچائی ہوئی نظریں اور عطر کی ایسی بھینی بھینی خوشبو چھوڑتی جا رہی تھیں کہ لوگوں کے اندر نیکی اور بدی کا تصادم شروع ہو گیا تھا۔

اسی راستے پر شاہ عبدالعزیز کا مدرسہ تھا جس کے دروازے پر ایک آدمی کھڑا تھا۔ وہ اُن تمام لوگوں سے جو اس راہ سے گذرتی ہوئی حسین اور جوان عورتوں کو دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے تھے۔ مختلف لگتا تھا۔ لباس سے تو وہ معمولی آدمی لگتا تھا لیکن اس کی سیاہ داڑھی اور چہرے پر نور کا یہ تو تھا اس کی آنکھوں میں جو چمک تھی وہ شباب کی آئینہ دار تھی۔ لیکن اس میں ایک تاثر اور بھی تھا جو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے سراپا میں تقدس تھا۔

"یہ عورتیں کون ہیں؟" اس نے کسی سے پوچھا۔

"دلی کی طوائفیں ہیں" اُسے جواب ملا۔ "کنول بائی کے ہاں کوئی تقریب ہے۔ وہاں جا رہی ہیں"

"اور مجھے یقین ہے کہ یہ سب مسلمان ہیں"

اور یہ ان عورتوں کی اولاد ہیں جو مغل بادشاہوں کے حرموں کی زینت اور رونق تھیں۔ ان مسلمان بادشاہوں

زادوں نے ان عورتوں کی ماؤں، نانیوں اور دادیوں
کو اس راستے پر ڈالا تھا جس پر ان کی اولاد چلی جا رہی
ہے۔"

"یہ سب کسبیاں ہیں مولوی صاحب!" اسے
کہا گیا۔ "اس راستے سے آپ انھیں نہیں ہٹا سکتے۔"

"اگر ہم مسلمان ہیں تو یہ کسبیاں ہماری بہنیں
ہیں" مولوی نے کہا۔ "کیا روزِ محشر خداوند تعالیٰ
ہم سے پوچھیں گے نہیں کہ بدکار اور زانی عورتیں
تمہارے سامنے سے گذرتی تھیں تو تم نے اس علم
کی روشنی انھیں کیوں نہیں دکھائی۔ جو ہم نے تمہیں
عطا کی تھی؟ کیا خدا اور رسولؐ نے ہم پر فرض عاید
نہیں کیا کہ جہاں بدی ہو رہی ہو وہاں نیکی کی روشنی
پہنچاؤ؟ ہو سکتا ہے بدی کا ارتکاب کرنے والے
جانتے ہی نہ ہوں کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں یہ گناہ ہے
...... میں ان طوائفوں کے ہاں جاؤں گا۔ ان
کی تقریب میں شامل ہو کر انھیں اللہ اور رسولؐ کا
حکم سناؤں گا۔"

"آپ بدنام اور رسوا ہو جائیں گے۔" اسے
خبردار کیا گیا۔ "جن کا آبائی پیشہ عصمت فروشی
ہے۔ وہ آپ کا مذاق اڑائیں گے۔ تقریب میں
آپ کسبیوں کی ہنسی مذاق کا نشانہ بنیں گے۔ باہر
آپ پر لوگوں کی انگلیاں اٹھیں گی کہ باہر وعظ کرتا
ہے اور اندر خانے رنڈی بازی کا عادی ہے۔"

"مجھے جواب خدا کے حضور دینا ہے۔ جو
دلوں کا حال جانتا ہے۔" اس نے کہا۔ "لوگوں
کا کیا ہے جو تماش بین ہیں جانتے کچھ بھی نہیں۔"



رات کا وقت تھا۔ کنول بائی کی حویلی میں
وہ رونق تھی۔ جیسے آسمان سے پریاں اتر آئی
ہوں۔ چراغوں اور فانوسوں کی دلفریب روشنی
میں طوائفوں کا حسن طلسماتی ہو گیا تھا۔ ساز و
آواز کا جادو الگ تھا۔ وہ مل کے گا رہی تھیں
اندر ایک بھی مرد نہ تھا۔

دروازے پر دستک ہوئی اور صدا آئی۔

— "اللہ والیو!... او اللہ والیو!"

ایک منچلی طوائف چمکتی بل کھاتی، تیز تیز
قدم اٹھاتی دروازے پر گئی۔ دہلیز پہ ایک درویش
کھڑا تھا۔ درویشوں والی رنگا رنگ پیوند لگی
گدڑی میں ملبوس تھا۔ داڑھی پر راکھ ملی ہوئی
تھی۔ سر پر موٹے کپڑے کی میلی کچیلی ٹوپی تھی اور

وہ پاؤں سے ننگا تھا۔
"سنا ہے بائی کے ہاں کوئی محفل ہے۔" درویش نے کہا۔" اندر سے گانے بجانے کی آواز آئی تو قدم رُک گئے۔ دل نے کہا، جا تو بھی انھیں گانا سنا.... کنول بائی کی اجازت ہو تو بول سناتا ہوں۔"
منچلی نوجوان طوائف دوڑی اندر گئی۔ ہنس ہنس کے دوہری ہوئی جا رہی تھی۔
"اری چُپ کرو۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔" گاتی تو ہم ہراتے ہیں۔ آؤ تمہیں ایک تماشہ دکھاؤں۔ ایک فقیر آیا ہے۔ کہتا ہے گانا سناؤں گا۔ اُسے اندر لاتی ہوں۔ ذرا تفریح رہیگی۔"
کنول بائی پرانی طوائف تھی۔ جوان تھی تو دلی کے نواب اور شہزادے اس کی دہلیز پہ بیٹھے رہتے تھے۔ جوانی ڈھل گئی تو گاہکوں نے منھ پھیر لیے۔ لیکن طوائفیں اور ناچنے گانے والیاں اُسے اپنی اُستاد اور مُرشد مانتی تھیں۔ وہ اچھی محفلوں میں جاتی اور اچھے لوگوں سے اس کی راہ و رسم تھی۔ اچھے بُرے کو پہچانتی تھی۔ فقیر کا سُنکر مسند پر ہو بیٹھی اور فقیر اندر آ گیا۔
"سننے نہیں کچھ سنانے آیا ہوں۔" فقیر نے کہا
کنول بائی کا چہرہ بتا رہا تھا کہ ابھی قہقہے پھوٹ پڑیں گے۔ مگر فقیر کی زبان سے چند الفاظ نکلے تو کنول کے چہرے کا تاثر بدل گیا۔ وہ تو قہقہہ لگانے کو تیار تھی۔ مگر مسکراہٹ بھی غائب ہو گئی وہ آہستہ آہستہ اٹھی۔ اس کی آنکھوں میں حیرت کا تاثر تھا۔ درویش فقیر کے چہرے پر نظریں گاڑے ہوئے وہ اس کی طرف ہولے ہولے بڑھتی گئی۔ تمام طوائفیں جو "ہنس ہنس" کی آوازوں میں ہنس رہی تھیں، اپنی اُستاد بائی کے بدلے ہوئے تاثر کو دیکھ کر خاموش ہو گئیں۔ پھر ان کے حسین چہروں پر سنجیدگی طاری ہو گئی۔
"آپ؟" — کنول بائی کے ہونٹوں سے سرگوشی پھیل گئی۔" مولوی اسمٰعیلؒ؟... اللہ کی رحمت ہو آپ پر... غریب خانے پر کیوں کر زحمت فرمائی۔ حکم بھیجتے بندی حاضر ہو جاتی۔"
وہ تھے مولانا محمد اسمٰعیل شہید رحمتہ اللہ علیہ جن کی آواز کا جادو کسی کے کوٹھے سے لیکر کعبہ تک پہنچا تھا۔ وہ شاہ ولی اللہ کے پوتے تھے
"دو بول سنانے آیا ہوں" — اسمٰعیل شہید نے کہا اور گدڑی کے اندر سے قرآن نکالا۔

کنول بائی مولانا کی شہرت سے واقف تھی۔ ان کے وعظ کے چرچے بھی سنے تھے۔ اس نے طوائفوں کو الگ بیٹھ جانے کو کہا۔ مولانا اسمٰعیل شہید نے جب قرآن پڑھنا شروع کیا تو ان کی آواز نے سحرطاری کر دیا۔ یہ آواز حلق سے نہیں سینے سے اٹھ رہی تھی۔ اور یہ وجد آفریں آواز تھی۔ وہ کسبیاں جو فقیر کا تماشہ دیکھنے کو تیار بیٹھی تھیں۔ اپنے آپ کا تماشہ بنا بیٹھیں۔ ان کی تو جیسے سانسیں رک گئی تھیں۔

"اور میں اس کا ترجمہ سناتا ہوں کہ تم جان سکو کہ میں نے کیا پڑھا ہے"۔ مولانا نے کہا اور جو آیات انھوں نے پڑھی تھیں ان کا ترجمہ سنا دیا۔

"تم جس راہ پہ چلی جا رہی ہو اس پہ تم خود نہیں آئیں، تمہیں لایا گیا ہے"۔ مولانا اسمٰعیل شہید نے کہا۔ "لیکن تم ہر لحاظ سے بالغ ہو اس لیے گناہ کی ذمہ داری تم پہ عائد ہوتی ہے۔ میں تمہیں تمہارے انجام سے آگاہ کرنے آیا ہوں حسن و جوانی چند دنوں کی مہمان ہیں۔ مال و دولت جو آج تمہارے قدموں میں ڈھیر ہوا جا رہا ہے اس وقت پانی کے بلبلوں کی طرح غائب ہو جائے گا جب تمہارے چہروں کی رونق اور جسموں کی کشش بجھ کے رہ جائے گی۔ آج تمہاری محبت کا دم بھرنے والے کل تم سے نفرت کریں گے تمہاری ہڈیوں میں پانی پڑ جائے گا اور تمہارے آج کے قہقہے ایسا نوحہ بن جائیں گے کہ سوائے آنسوؤں کے تمہارے پاس کچھ نہیں رہ جائے گا"

اپنے انجام سے تو وہ خود بھی باخبر ہوں گی انھوں نے اپنے سامنے طوائفوں کو بوڑھی ہوتے دیکھا ہوگا لیکن مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے انداز اور لب و لہجہ میں ایسا تاثر تھا جو ان کسبیوں کی روحوں میں اترتا جا رہا تھا۔ سوانح حیات "حیات طیبہ" مولوی محمد علی رامپوری کی زبانی تحریر ہے کہ بعض طوائفوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"یہ تو دنیا کی بات ہے"۔ مولانا اسمٰعیل شہید کہہ رہے تھے۔ "روز قیامت تم فرداً فرداً خدا کے حضور پیش کی جاؤ گی تو تم میں سے ہر ایک کے ساتھ ہزاروں زانی اور بدکار ہوں گے جن کے گناہوں کا باعث اور وسیلہ تم بنی تھیں۔ تمہارے ہی حسن کی نمائش دیکھ کر اور تمہارے ہی ناز و انداز

اور دعوت دینے والے اشاروں سے وہ بدکاری کے جال میں آئے تھے۔ ان سب کے گناہوں کے بوجھ تمہیں اٹھانے پڑیں گے۔ میں الفاظ میں اس سزا کا نقشہ پیش نہیں کر سکتا جو تمہیں ملے گی۔"

"اتنا نہ ڈراکہ ہم خوف سے فوراً جان دے دیں اور اس بھیانک سزا کو قبل از وقت جا پہنچیں، اے درویش عالی مقام!" ایک بڑی ہی خوبصورت اور جوان طوائف نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "کوئی راستہ نجات کا ہمیں دکھا۔ قرآن بے شک ہماری کتاب ہے۔ ہم مسلمان ہیں لیکن قرآن کا سبق ہمیں دیا کس نے تھا۔ ہمیں سبق یہ دیا گیا تھا کہ دولتمند آسامی کو کس طرح اپنی زلف کا اسیر کر کے اس کا گھر اُجاڑنا ہے۔"

"اور اگر ہم تائب ہو بھی جائیں تو کریں گی کیا؟" ایک اور طوائف نے پوچھا۔

"تم اپنی قدر و قیمت سے واقف نہیں ہو" اسمٰعیل شہید نے کہا۔" ان انسانوں کے گناہوں کی سزا جنھوں نے تمہیں اس راستے پر ڈالا تھا، صرف تمہیں نہیں، ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو مل رہی ہے۔ اُن بادشاہوں نے تمہاری ماؤں اور نانیوں کو اپنے حرموں میں اپنی عیش و عشرت کے لیے رکھا تھا۔ شراب اور عورت کے نشے میں وہ بدمست رہے اور دشمن اُن کی بادشاہی کی جڑوں میں اُترتا چلا گیا۔ پھر یہ وقت آیا ہے کہ پنجاب پر سکھوں کا قبضہ ہے جن کے ہاتھوں نہ مسلمانوں کی جان محفوظ ہے نہ آبرو نہ مال۔ ہندوؤں نے انگریزوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کی زندگی جہنم بنا رکھی ہے۔ اور انگریز اس زمین پر قابض ہوتا چلا جا رہا ہے۔ جو مسلمانوں کی تھی۔ جو اسلامی سلطنت تھی۔ اور تم اپنے جسم بیچنے پر مجبور ہو۔"

"ہم کیا کر سکتی ہیں"۔ کنول بائی نے کہا۔" ہم خدا کی دھتکاری ہوئی مخلوق ہیں۔"

"خدا اپنے کسی بندے کو نہیں دھتکارتا خواہ وہ کانوں تک گناہوں میں ڈوبا ہوا ہو" اسمٰعیل شہید نے کہا۔" خدا استغفار اور بخشش کے دروازے ہر وقت کھلے رکھتا ہے۔ تم گناہوں کا کفارہ ادا کر سکتی ہو۔ میں تم سب کے نکاحوں کا بندوبست کروں گا۔ تم وہ بیٹے پیدا کرو گی جو مسلم ہند کو انگریزوں، ہندوؤں اور سکھوں

کے ناپاک عزائم سے پاک کریں گے اور دلی پر پھر اسلام کا جھنڈا لہرائیں گے۔"

"کیا تمہارا جی نہیں چاہتا کہ تمہیں کسی کا سچا پیار ملے اور تمہاری روح کسی ایک مرد سے پیار کرے؟ کیا تمہارے دلوں میں کبھی یہ خواہش نہیں تڑپی کہ تم ایک بچے کو جنم دو۔ جو تمہاری چھاتیوں سے دودھ پئے اور تم بڑے فخر سے اپنا بچہ سب کو دکھاتی پھرو؟ کیا تم نے کبھی شہید کی ماں کے چہرے کا نور دیکھا ہے؟ وہ نور خدا کا ہے۔ تم سب شہیدوں کی مائیں بنو گی اور خدا تمہیں بڑھاپے میں بھی جوان رکھے گا اور اگلے جہان میں تمہیں وہ صلہ ملے گا جس کا تصور اس دنیا کا کوئی انسان نہیں کرسکتا۔"

کیا جادو تھا ان الفاظ میں اور کیا سحر تھا مولانا اسمٰعیل شہید کے انداز میں کہ ہر طوائف کی آنکھوں میں ندامت اور استغفار کے آنسو بہتے جیسے پتھروں سے پانی پھوٹ پڑا ہو۔ چند دنوں میں تمام طوائفوں کے نکاح پڑھا دیے گئے۔ اور وہ گھروں میں آباد ہوگئیں۔ (ماخوذ۔ از حیات طیبہ)

توجہ فرمائیں

ہر ماہ کچھ انفرادی خریداری کے پرچے ڈاک میں گم ہوجاتے ہیں۔ نہ پہنچنے کی اطلاع پانے پر ہم فوراً دوبارہ بھیج دیتے ہیں لیکن خط نہیں لکھتے۔ ہاں جب وہ شمارہ ختم ہوجاتا ہے تو خط کے خریدار سے معذرت کر دیتے ہیں۔

براہ کرم

ہر ماہ "حجاب" دس تاریخ تک نہ پہنچے تو فوراً شکایتی خط لکھئے تاکہ ہم دوبارہ بھیجدیں۔ تاخیر سے خط آنے پر محرومی ہی ہوگی۔ مینجر "حجاب" رامپور۔ ۲۴۴۹۰۱

خط وکتابت کرتے وقت اپنا نمبر خریداری یا ایجنسی نمبر ضرور لکھئے اور جواب طلب امور کے لیے پوسٹ کارڈ یا لفافہ یا ٹکٹ بھیجیے۔ (مینجر)

الحاج عبدالکریم جرمانوس

کا قبول اسلام

الحاج عبدالکریم جرمانوس معروف و مشہور محقق ہیں انھوں نے بڑی چھان بین کے بعد دین اسلام قبول کیا۔ ان کا اصلی نام جیولا جرمانوس تھا۔ انھوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد نام بدل دیا ان کو عربی زبان اور ادبیات پر پورا عبور حاصل تھا۔ ادیب اور تنقید نگار ان کو عربی زبان کے جدید ادب پر اظہار رائے کے لیے بلایا کرتے تھے۔ انھوں نے ترکی زبان و ادبیات میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

ڈاکٹر جرمانوس مدتوں کلکتہ، بمبئی، قاہرہ، اسکندریہ، دمشق اور بغداد کی یونیورسٹیوں میں استاد رہے۔ انھوں نے اپنی مشہور تصنیف میں حج کے واقعات کا ذکر کیا ہے۔ اس کتاب کا جرمنی اور اطالوی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

جرمانوس مغربی قانون سازی کے فلسفے کا اسلامی فلسفے سے مقابلہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مغربی فلسفے میں محض سیاسی امور کا خیال رکھا گیا ہے لیکن اسلامی قوانین کا اصلی سرچشمہ احکامِ الٰہی ہے۔ جرمانوس احکام الٰہی کے نافذ کرنے کی زبردست تائید کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ مسلمان قاضی جرائم کی جو منصفانہ سزا معین کرتا ہے اس کے باعث کوئی دوسرا مجرم اس جرم کے تکرار کرنے کی ہمت نہیں کرتا۔

حاجی عبدالکریم جرماس نے اپنے اسلام لانے کی داستان کو اس طرح بیان کیا ہے۔

میں تمام یورپی ممالک کا سفر کر چکا ہوں۔ میں نے قسطنطنیہ کی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی ہے میں ایشیائے صغیر اور شام کے آثار قدیمہ کی سیر کر چکا ہوں۔ اور میں نے عربی، ترکی اور فارسی زبانیں سیکھی ہیں۔ پھر میں بوداپسٹ کی یونیورسٹی میں اسلامی امور کا پروفیسر مقرر ہوا۔ میں نے مختلف کتابوں کا مطالعہ کر کے راہ معرفت تلاش کی اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ انسان پاکیزہ زندگی کے وسیلہ سے ہی بہشت ابدی حاصل کر سکتا ہے۔ حالانکہ میں نے اس سلسلہ میں بہت سی کتابیں جمع کر لی تھیں لیکن مجھ میں ایک قسم کی روحانی تشنگی کا احساس باقی رہا۔

ایک رات میں نے حضرت رسول اکرمؐ کو خواب میں دیکھا۔ آپؐ کا چہرہ پُرنور تھا اور وہ اپنے ریش مبارک پر مہندی لگائے ہوئے تھے۔ آپؐ کے جسم مبارک پر سادہ لباس تھا اور جسم سے عطر کی خوشبو آ رہی تھی۔ حضرت رسول اکرمؐ نے میری طرف دیکھ کر شفقت آمیز لہجہ میں مجھ سے خطاب فرماتے ہوئے کہا: "تو کیوں پریشان ہے؟ راہ راست تیرے سامنے ہموار زمین کی مانند موجود ہے تو ثابت قدمی اور پختہ ایمان کے ساتھ اس زمین پر قدم رکھ۔" میں نے اس حیرتناک خواب کے دوران عربی میں عرض کیا: "اے رسول اللہ! یہ کام آپ کے لیے تو آسان ہے کیونکہ آپ خدا کی ہدایات پر عمل کر کے اپنے دشمنوں پر غالب آ گئے ہیں لیکن میرے سامنے جو راستہ ہے وہ بہت مشکل ہے اور میں نہیں جانتا کہ یہ اطمینان مجھ کو کب نصیب ہو گا؟"

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فصیح عربی میں فرمایا:

"اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۙ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۙ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۙ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا"

(ترجمہ: کیا ہم نے زمین کے گہوارے کو انسانوں کی آسائش کے لیے نہیں بنایا اور پہاڑوں کو اس پر عمود نہیں بنایا اور تمہیں مرد و زن سے پیدا نہیں کیا اور نیند کو تمہارے آرام کی خاطر نہیں بنایا؟)

آپ کا ہر لفظ میرے سینے میں اُترتا جارہا تھا اور پھر مجھے ایسا لگا جیسے میرے سینے کی ہڈیاں چور چور ہوتی جارہی ہیں۔ آنکھ کھلی تو میرا سارا جسم پسینہ میں شرابور تھا اور میری رگوں میں خون جم رہا تھا۔ ہر طرف مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی اور مجھ پر وحشت طاری تھی۔

عظیم واقعہ

اگلے جمعہ کو دہلی کی جامع مسجد میں ایک عظیم واقعہ پیش آیا۔ میں مسجد کے منبر کے پاس جاکر بیٹھ گیا اور مسجد کی دیوار اور ستونوں پر کی ہوئی نقاشی کو دیکھنے لگا۔ میری نگاہ محراب میں لٹکے ہوئے شہد کی مکھیوں پر جا پڑی۔ میں نے دیکھا کہ شہد کی مکھیاں بڑے اطمینان کے ساتھ آجارہی ہیں۔ اسی وقت ایک دم موذن کی آواز نے جو مسجد کے میناروں سے آرہی تھی۔ میری توجہ اپنی طرف مبذول کرلی۔ تقریباً چار ہزار نمازی عبادت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور قبلہ کی طرف منہ کرکے اپنی صفوں کو درست کرنے لگے تاکہ خشوع اور خضوع کے ساتھ اپنے پروردگار کے دربار میں مناجات کے لیے تیار ہو جائیں۔ میں بھی خدا کے انہی بندوں میں سے تھا۔ خطبہ نماز کے بعد عبدالحق نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے منبر کی طرف لے گیا۔ مجھے اس بات کا خیال تھا کہ کہیں اس کثیر جمعیت میں میرا پاؤں کسی کے پاؤں کو نہ کچل دے۔ میں نے منبر کے سامنے کھڑے ہو کر نمازیوں پر ایک نگاہ ڈالی۔ مجھے اس بات کا احساس ہوا کہ اب وہ وقت آگیا ہے۔ جب مجھے اپنا تاریخی بیان دے دینا چاہیے میرے سامنے سفید پگڑیوں والے سر ایسے نظر آرہے تھے جیسے کسی باغ میں سفید پھول کھلے ہوں وہ سب آنکھیں پھاڑ کر میری طرف دیکھ رہے تھے۔ اپنے چاروں طرف سفید داڑھی والے عالی مقام علماء دیکھ کر میں نے اپنے دل میں اطمینان اور اعتماد کا احساس پایا اور بغیر کسی خوف و اضطراب کے منبر کی ساتویں سیڑھی تک چڑھ گیا۔ وہاں پہنچ کر میں نے ایک مرتبہ پھر مسلمانوں کے اجتماع پر نظر ڈالی، مجھ کو ایسا لگا کہ یہ اجتماع ایک لہریں مارتے ہوئے بیکراں سمندر کی مانند ہے۔ ناگہاں مسجد کے چاروں طرف

سے لوگوں میں ایک حرکت پیدا ہوئی اور میں نے سنا کہ لوگ ماشا، اللہ ماشاء اللہ کی آواز لگا رہے ہیں اور ان کی آنکھوں سے شفقت ٹپک رہی ہے۔ میں نے اپنی تقریر عربی میں اس طرح شروع کی:

"عزیز دوستو! میں دور دراز ملک سے یہاں آیا ہوں تاکہ میں علمی بحث و مطالعہ کے ذریعہ اپنے ملک میں جس مقصد کو حاصل نہ کر سکا۔ اسے یہاں پا سکوں۔ میں اللہ کا شکر گزار ہوں کہ مجھے اس ملک میں اسلامی علوم حاصل کر کے اپنی سیاسی روح کو سیراب کرنے کا موقع ملا اس کے بعد میں نے تاریخ اسلام کی طرف اشارہ کیا اور ان معجزات کا ذکر کیا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمدؐ کے وسیلے سے دکھائے۔ میں نے موجودہ زمانے کے مسلمانوں کی کمزوریوں کا بھی ذکر کیا اور ان کمزوریوں کو دور کرنے کا طریقہ بھی پیش کیا۔ میں نے کہا کہ بعض مسلمانوں کا خیال ہے کہ ہر بات خدا کی مرضی سے ہی انجام پاتی ہے لیکن ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ"

میں نے قرآن کی اس آیت کو اپنی تقریر کی بنیاد بنایا اور بڑی فصاحت کے ساتھ پیش کیا۔ پھر مسلمانوں کو اس بات پر مدعو کیا کہ وہ اپنی سماجی کمزوریوں کو دور کر دیں۔ یہ تقریر کر کے میں بیٹھ گیا اور سوچ بچار میں ڈوب گیا۔ ایک دم مسلمانوں کے "اللہ اکبر" کے نعرہ نے مجھے چونکا دیا۔ لوگ اپنے جوش و خروش کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ اور میں سب لوگوں کو کھڑے ہو کر سلام کر رہا تھا۔ میں اپنے دوست کے ساتھ مسجد سے باہر جانے لگا۔ اس وقت لوگ مجھ سے آگے بڑھ بڑھ کر گلے ملنے لگے۔ اور التماس و دعا کرنے لگے۔ اس وقت میں نے بارگاہ الٰہی میں یہ دعا کی کہ کہیں یہ سادہ لوگ لوگ مجھ سے شفاعت کی توقع نہ رکھتے ہوں۔ کیوں کہ میں خود خدا کی مخلوق میں سے ایک حقیر ذرہ کی حیثیت

رکھتا ہوں۔ یا میری مثال اس گمراہ کی ہے جو دوسری ضعیف اور ناتواں مخلوقات کی طرح نورِ حقیقی کی تلاش میں سرگرداں ہوں۔ لوگوں کا یہ اعتقاد اور جوش دیکھ کر مجھے یہ خوف ہونے لگا کہ کہیں میری تقریر سے وہ گمراہ نہ ہوجائیں۔ اور مجھ کو غلط نہ سمجھنے لگیں۔ مجھے اس وقت یہ احساس ہوا کہ حاکموں اور حکمرانوں پہ ذمہ داری کا بوجھ کس قدر بھاری ہوتا ہے۔ عوام ان پہ پورا بھروسہ رکھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ان ساری ذمہ داریوں کو نبھاسکیں گے حالانکہ ان کو انجام دینا کسی معجزے سے کم نہیں۔ بہر حال میں ان خیالات کے ساتھ لوگوں کے سلام کا جواب دیتا ہوا مسجد سے باہر آیا اور تانگے میں سوار ہوکر اپنی رہائش گاہ پہنچا۔

اس کے بعد لوگ گروہ در گروہ اور جوق در جوق میرے پاس آتے، مجھے مبارکباد دیتے اور اپنی محبت اور شفقت کا اظہار کرتے جس کو میں تمام عمر نہیں بھول سکتا۔

۱۷ نومبر ۱۹۷۹ء کا دن جہاں اسلام اور عربوں کے لیے ایک دل خراش حادثے کا دن ہے۔ جب ہنگری کے اس مستشرق نے اس دنیا سے رحلت کی۔ الحاج عبدالکریم جرمانوس کو اس کی وصیت کے مطابق اسلامی رسوم کے ساتھ اس کے ملک کے دارالحکومت بوداپسٹ میں دفن کیا گیا۔ حاجی جرمانوس نے ۹۵ سال کی عمر میں بوداپسٹ میں اسی مہینے میں وفات پائی جس مہینے میں وہ پیدا ہوا تھا۔

اللہ کی رحمت کے حقدار

مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت نازل ہوکر رہے گی۔ یقیناً اللہ سب پر غالب اور حکیم و دانا ہے۔ ان مومن مردوں اور عورتوں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ انھیں ایسے باغ دے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان سدا بہار باغوں میں ان کے لیے پاکیزہ قیام گاہیں ہوں گی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ کی خوشنودی انھیں حاصل ہوگی۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

اخلاقِ اسلام

شبنم جعفری

اسلام سلامتی کا دین ہے۔ فرد کی بھی سلامتی اور معاشرہ کی بھی۔ کمزوروں اور مفلسوں کی بھی، امیروں اور مالداروں کی بھی۔ مالدار کی عافیت زکوٰۃ نکالنے اور اُسے مفلس تک پہونچانے میں ہے اور مفلس کی عافیت صبر و شکر میں ہے۔ سلامتی کے اس دین نے انسانوں کے اخلاق سنوارنے کی کوئی کوشش بچا نہیں رکھی ہے۔

قرآنِ کریم میں جہاں جہاں ایمان کا ذکر آیا وہیں عملِ صالح کا بھی ذکر آیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں باہم لازم و ملزوم ہیں۔ ارشادِ ربّ العزت ہے "اللہ نے مومنوں سے ان کے نفس کو خرید لیا۔" اس سودے میں جنت نفس کی قیمت قرار پائی جس کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا۔ ہاں سچے رسولؐ سے اس کی بشارت ضرور سُنی ہے۔ اب یہ ایمان کی آزمائش ہے کہ غیب پر کتنا یقین ہے اور خدا کا کتنا ڈر ہے۔ ایمان وہ بنیاد ہے جس پر عملِ صالح کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ ایمان جتنا کمزور ہوگا عمل میں اُتنی ہی خامی ہوگی۔ اور عملِ صالح کے بغیر ایمان بے معنی اور بیکار محض ہے کیوں کہ:

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی

قرآن پاک میں تہذیب و اخلاق کی جزئیات کا مختصر مگر جامع ذکر ملتا ہے۔ عفو و درگزر، توکل اور حیا، عجز و انکسار، رحم دلی، پابندیٔ معاہدہ، حق گوئی، مظلوم کی اعانت، خودداری اور سلام کی ہدایت سے لے کر ظلم، ریا، تمسخر اور فحش گوئی کی ممانعت تک علمِ اخلاق کے ہر اُس اصول کی تصریح موجود ہے جو اچھے معاشرہ کی تشکیل میں معاون ثابت ہو سکتا ہے۔

قرآن پاک میں محبت، اخوت اور دوستی کی عام تعلیم ملتی ہے۔ یہاں تک کہ امن پسند اور صلح جو کفار سے دوستی کرنا بھی منع نہیں ہے۔ سورۂ الممتحنہ کی آٹھویں اور نویں آیتوں کا ترجمہ ہے:

"جو لوگ تم سے تمہارے دین کے بارے میں نہیں لڑے بھڑے اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا

اُن لوگوں کے ساتھ احسان کرنے اور اُن کے ساتھ انصاف سے پیش آنے سے خدا تمہیں منع نہیں کرتا بے شک خدا انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ خدا تو بس ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنھوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا۔ جو لوگ ایسوں سے دوستی کریں وہ ظالم ہیں۔"

صرف یہی نہیں کہ دوستی کی ہدایت کی گئی ہو، بد خلقی کی مذمت بھی کھلے الفاظ میں کی گئی ہے۔ کفار کے معبودوں کو بُرا بھلا کہنے سے اس لئے روک دیا گیا ہے کہ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ پلٹ کر خدا کو برا کہیں گے۔ انھیں ضد اور کد پیدا ہوگی۔ پیغامِ حق کو سمجھنے اور سیکھنے کے لئے جس ٹھنڈے دل اور فہم و فراست کی ضرورت ہوتی ہے وہ ان کے دل سے محو ہو جائے گی۔

غصّہ ایسی کیفیت کا نام ہے جس میں انسان کی عقل ماری جاتی ہے۔ وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے۔ اسلام نے اس عادت کو بہت برا کہا ہے۔ خداوند عالم کی مہربانیاں غصّہ پینے والوں کے ساتھ ہوتی ہیں۔ بہادری صرف یہ نہیں کہ انسان میدانِ جنگ میں شجاعت کے جوہر دکھائے، غصّہ پینے والا سب سے بہادر ہے۔

حضرت علی علیہ السّلام نے ایک لڑائی میں ایک دشمنِ اسلام کو مغلوب کر لیا۔ اس کے سینے پر سوار ہو کر آپ اس کا سر اپنی تلوار سے جدا کرنا ہی چاہتے تھے کہ اُس نے آپ پر تھوک دیا۔ آپ فوراً اس کے سینہ سے اُتر آئے۔ کسی نے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا "میں اس کو محض خوشنودیٔ خدا کے لئے قتل کرنا چاہتا تھا لیکن اب اگر اس کو قتل کرتا تو میرا نفس (غصّہ) شامل ہو جاتا اور یہ عمل خالص نہ رہتا۔"

دوستی کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے نبی اکرمؐ کا یہ ارشادِ گرامی کافی ہے کہ "خدا جب کسی کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اُسے ایک نیک دوست عطا کرتا ہے۔" حضرت علیؑ کا ارشاد ہے "بہت سے تمہارے ایسے بھائی ہیں جن کو تمہاری ماں نے پیدا نہیں کیا ہے۔" یعنی اخوت صرف ایک ماں باپ کے بچوں میں ہی نہیں ہوتی بلکہ ایمان اور تقویٰ دو انسانوں میں ایسی بھائی چارگی قائم کر دیتا ہے جیسے کہ وہ سگے بھائی ہوں۔

مدینہ کے باشندوں (انصار) کا اپنے مہاجر بھائیوں کے ساتھ حسنِ سلوک ایما اخوت کی بہترین مثال ہے

سلام سے محبت بڑھتی ہے اور آپسی میل ملاپ بڑھانے کی مسلمانوں کو سختی سے تاکید کی گئی ہے۔ آجکل بہت سے لوگ سلام کرنے کو معیوب اور خلافِ فیشن سمجھتے ہیں اور آداب، تسلیم یا گڈ مارننگ جیسے الفاظ کہنا پسند کرتے ہیں۔ مگر قرآنِ کریم میں "سلام" کا لفظ آیا ہے اور رسولِ اکرمؐ ہمیشہ "السلام علیکم" ہی کہا کرتے تھے۔ اس لئے بحیثیت ایک مسلمان کے جب ہم اپنے رسولؐ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں تو آپؐ کے الفاظ ہی دہرانے چاہئیں جس سے پیرویٔ سنّت کا ثواب بھی حاصل ہو۔

چونکہ گھر معاشرے کی سب سے چھوٹی اکائی ہے اور سب سے پہلی بھی، اس لئے اخوت کا درس پڑوس سے دیا گیا اور پڑوس کی اتنی اہمیت بیان کی گئی۔ چونکہ ہر آدمی کسی نہ کسی کا پڑوسی ہوا کرتا ہے اس لئے پڑوسی سے ہمدردی کا مطلب ہوا ہر انسان کی ہر انسان سے محبت، جو مہذب اور صالح معاشرہ کی اساسِ اوّلیں ہے۔ پڑوسی کے حقوق کو آنحضرتؐ نے اتنی اہمیت دی کہ بعض صحابہ کو یہ شبہ ہوا کہ شاید اب پڑوسی میراث (ترکہ) میں بھی حقدار ہو جائیں گے۔ یہاں تک ارشاد ہے کہ جس شخص کا پڑوسی اس سے ناراض ہے اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ بنی نوعِ انسان کو اخوت محبت اور حُسنِ سلوک کا درس دینے اور اتحاد کی ہدایت کرنے کے لئے شاید اس سے بہتر کوئی اور پیام نہیں دیا گیا ہوگا۔

مسلمان کی نیکی کا دائرہ اتنا وسیع قرار پایا گیا کہ اپنے بھائی کے ساتھ ہنس کر بات کرنا، انھیں نیک کام کی ہدایت کرنا، اندھے بھائی کی مدد کرنا، راستہ سے پتھر اور رکاوٹیں ہٹانا اور پیاسے کو پانی دینا بھی نیکی میں شامل کیا گیا۔

اپنے اعزّا کے ساتھ نیک سلوک کرنا صلۂ رحم ہے۔ صلۂ رحم کی اسلام میں بہت اہمیت ہے۔

جنابِ رسولِ خداؐ فرماتے ہیں "کیا میں تم کو بہترین اہلِ دین و دنیا کی خبر دوں۔ جو شخص اپنے دشمن کو معاف کرے، اس کے ساتھ نیکی کرے اور جس نے اسے محروم کیا اس کے ساتھ بھلائی کرے۔"

آپؐ نے فرمایا "صلۂ رحم چیز کو جلد کھینچ لیتا ہے۔"

رسولِ عربیؐ کا ارشاد ہے "جو شخص اپنے اعزّا کی طرف مالی یا کسی طرح کی مدد کے لئے قدم اُٹھاتا ہے تو پروردگارِ عالم اُسے سو شہیدوں کا اجر عنایت کرتا ہے اور ہر ہر قدم پر چالیس ہزار حسنات لکھے جاتے ہیں اور چالیس ہزار سیئات اس کے محو کر دئے جاتے ہیں۔" آنحضرتؐ نے فرمایا "اگر یہودی بھی تمہارے پاس آجائے تو

اس سے اخلاق برتو۔" "یقیناً مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔" "حسنِ خلق گناہوں کو پگھلا دیتا ہے۔"

لوگوں نے آنحضرتؐ سے پوچھا "کون سی چیز جنت میں لیجانے والی ہے؟" آپؐ نے فرمایا "خدا سے ڈرنا اور حسنِ خلق سے پیش آنا۔"

صاحبِ خلق عظیم کے حسنِ خلق کی فضیلت میں بے شمار اقوال حدیثوں میں درج ہیں۔ یہاں کچھ کو نقل کیا گیا۔

بیشک مسلمانوں کو سب سے اچھے ہادیؐ، سب سے بہتر نبیؐ ملے مگر سوال اُن کی تعلیمات پر عمل کرنے کا ہے۔ ان سے فیض حاصل کرنے کا ہے۔ اس ضمن میں اپنے آس پاس نظر ڈالتے ہیں تو اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا ہے۔ بد خلقی اور سوئے عمل ایک طوقِ لعنت کی طرح ہمارے گلوں میں پڑا ہوا ہے۔ ہم اسے اپنے گلے سے نکال نہیں پاتے کیونکہ یہی زمانے کی روش ہے۔ دوسروں کا مذاق اُڑانا، بُرا نام رکھنا، خود غرضی اور قطع رحم نئے زمانے کے نئے اصول ہیں اور جنہیں زمانہ ساز ہونا تھا وہ زمانے کے غلام بن کر رہ گئے ہیں۔ زبان سے کسی کو برا کہنا اور کسی کو جسمانی تکلیف دینا دونوں باتیں اسلام کے نزدیک نہایت مکروہ اور ناپسندیدہ ہیں۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مومن کو اذیت پہنچائے پھر ساری دنیا کا خیر کر ڈالے تو کل بیکار ہوگا اور ظلم اور زیادتی کرنے والے خدا کے مقرب نہیں ہو سکتے۔

غزل

تمکین آفاقی۔ پڈاپلی

ذوقِ سلیم اور سنورتا چلا گیا
رنگ رخِ حیات نکھرتا چلا گیا

دیکھا جب اپنے آپ کو شرمندگی ہوئی
شرمندگی کے مارے بکھرتا چلا گیا

آئے اسی کے ہاتھ گہر ہائے بے بہا
جو بحرِ آرزو میں اُترتا چلا گیا

تردید بھی نہ کر سکا میں اس کے سامنے
اِلزام بے محابا وہ دھرتا چلا گیا

جن مرحلوں کے خوف سے لرزاں رہی خرد
اُن مرحلوں سے عشق گزرتا چلا گیا

مدت کے بعد اُن کو جو دیکھا تو ذہن میں
تمکینؔ کوئی نقش اُبھرتا چلا گیا

(تمکین آفاقی۔ پڈاپلی)

بہروپئے

—.—.—.—.—.—

برخوردار جو کچھ ہم نے کھایا پیا ہے اگر اس کا عشرِ عشیر بھی تمہیں نصیب ہو جائے تو پہلوان ہو جاؤ پہلوان" چاچا رحمن خاں مونچھوں پہ تاؤ دیتے ہوئے مسکرائے اور مقصود نے بُرا سا منھ بنا کر یوں بے چارگی سے میری طرف دیکھا جیسے کہہ رہا ہو یار اس جھکی بوڑھے سے میری جان چھڑاؤ۔

چاچا رحمن خاں سابق فوجی تھے۔ اُن کے بیان کے مطابق دوسری جنگ عظیم میں انھوں نے دادِ شجاعت دی تھی۔ گٹھا ہوا مضبوط بدن، چوڑے شانے کُھلتا ہوا سانولا رنگ، لمبا قد، عمر تقریباً ۶۵ سال، کلین شیو، چوڑا دہانا اور ہمیشہ ہنستی مسکراتی ہوئی بڑی بڑی آنکھیں۔ چاچا روائتی پٹھانوں کی طرح نہایت صاف دل اور مخلص آدمی تھے۔ مزاج میں بچوں جیسی سادگی تھی۔ وسیع مطالعہ اور گہری نگاہ رکھتے تھے۔ چاچا شہر بھر کی جانی بوجھی اور ہر دلعزیز شخصیت تھے۔ کبھی اُن کی زبان سے میں نے شکایتِ زمانہ نہیں سنی۔ مہنگائی بڑھتی ہے۔ بڑھے، حالات دگرگوں ہو رہے ہیں ہوا کریں۔ چاچا ہمیشہ خوش و خرم رہتے، ایسا محسوس ہوتا کہ فکر و پریشانی انھیں ہے ہی نہیں۔ فوج سے وظیفہ ملتا تھا۔ جو ظاہر ہے کہ ناکافی تھا۔ چنانچہ چاچا نے اینٹوں کا بھٹہ لگا لیا تھا اور بظاہر مزے میں زندگی گزار رہے تھے دلچسپ بات یہ تھی کہ شہر بھر میں کوئی بوڑھا چاچا کا دوست نہیں تھا۔ چاچا کے سارے دوست نوجوان تھے۔ بڑے بوڑھوں کی مجلس میں چاچا مودب اور خاموش بیٹھے رہتے۔ جب کہ نوجوانوں کی محفل میں چاچا جانِ محفل ہوتے۔ دراصل چاچا کے مزاج کی ترنگ بالکل نوجوانوں جیسی تھی وہ یاروں کے یار تھے نوجوانوں میں یوں گھل مل جاتے جیسے وہ بھی نوجوان ہی ہوں۔ اب ظاہر ہے کہ سینگ کٹا کر بچھڑوں میں ملنے کا ایک لازمی نتیجہ تو یہ نکلا ہی کہ ہم لوگوں نے بھی چاچا کو نہ تو بڑا بوڑھا سمجھا اور نہ بوڑھوں کی طرح ان کا

حترام ہی کیا۔ چاچا اپنے عہد شباب کا تذکرہ بہت مزلے لے کر کرتے۔ اپنے زمانے کی ارزانی کا تذکرہ انھیں آج بھی
خوش کر دیتا۔ ایک روپیہ کے ۱۵ سیر چاول، ۱۲ آنے میں ڈیڑھ سیر اصلی گھی، ۴ آنے میں مرغی، ڈھائی روپئے میں
بلاؤ، کپڑا صرف ۴ آنے گز، دودھ دہی کی فراوانی، غرض یہ کہ ہر چیز اتنی سستی کہ گویا مفت تقسیم ہو رہی ہے۔
وجوانوں کے منھ میں پانی بھر آتا، اور وہ ٹھنڈی آہیں بھر کر سوچنے لگتے کہ کاش ہم بھی اسی عہد میں پیدا ہوئے ہوتے۔

چاچا نے اپنی فوجی زندگی سے ریٹائرڈ ہو کر شادی کی تھی، چاچا کا خیال تھا کہ فوج میں رہ کر شادی
کرنا مفت میں جی کا جنجال لگا لینا تھا، چنانچہ زندگی کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ جب چاچا نے ایک مطلقہ
خاتون سے شادی کی تھی۔ فوج سے لوٹ کر شادی پر وہ رضامند نہیں تھے۔ لیکن کچھ تو رشتہ داروں کے
دباؤ کی وجہ سے اور کچھ اپنی زندگی کی ویرانی کی وجہ سے آخر میں وہ راضی ہو گئے تھے۔ یہ چاچا کی خوش نصیبی
تھی کہ چاچی نہایت دیندار اور سلیقہ مند خاتون تھیں۔ انھوں نے چاچا کی ویران زندگی میں خوشیوں اور
مسرتوں کی چاندنی بکھیر دی تھی۔ چاچا کی ۵ اولادیں تھیں جن میں سے ۳ لڑکے اور ۲ لڑکیاں تھیں لڑکیاں
بڑی تھیں۔ بڑی لڑکی کی عمر ۱۶، ۱۷ سال تھی۔ اور چاچا اس کی شادی کی فکر میں تھے۔ اپنی بچی زہرہ کے
لیے مناسب رشتے کی تلاش ہی وہ واحد موضوع تھا جس پر چاچا بڑی سنجیدگی سے گفتگو کرتے تھے میں
نے زہرہ کو دیکھا تھا۔ وہ بچپن ہی سے ہمارے یہاں آتی جاتی رہی تھی۔ بڑی خوبصورت اور سلیقہ مند
لڑکی تھی۔ وہ چاچا کی خوش مزاجی اور چاچی کی دینداری و حسن اخلاق کا حسین امتزاج تھی۔ فطری طور
پہ چاچا اپنے تمام ہی بچوں میں زہرہ پہ ہی زیادہ جان چھڑکتے تھے۔ اور یہ بات بھی بالکل فطری تھی کہ
اپنی اس نہایت ہی پیاری بیٹی کے لیے شایان شان رشتہ ڈھونڈھ رہے تھے۔

لڑکے کے انتخاب کے مسئلہ پر بھی چاچا نے اپنی انفرادیت کو برقرار رکھا تھا۔ زہرہ کے لیے
جب پہلا رشتہ آیا تو چاچا نہایت خوش ہوئے۔ میرے پاس کہلوا بھجوایا کہ اس بات چیت کے موقع پر
میں بھی موجود رہوں۔ چاچا سے نہایت درجہ قربت کی وجہ سے ہم سب زہرہ کو اپنی بیٹی کی طرح چاہتے
تھے۔ چنانچہ میں فوراً چل پڑا۔ وہاں پہنچ کر دیکھا تو حیرت سی ہوئی کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ لڑکا اکیلا ہی بیٹھا

ہوا تھا۔ کوئی رشتہ دار اور والدین موجود نہیں تھے۔ میں نے اشارے سے چاچا کو باہر بلاکر دریافت کیا کہ کیا معاملہ ہے؟ تو چاچا نے ہنستے ہوئے بتایا کہ انھوں نے خود یہ شرط لگائی تھی کہ لڑکا تنہا آئے گا۔ پہلے وہ لڑکے سے بات کریں گے۔ اس کے بعد ہی بات آگے بڑھے گی۔ چاچا کی اس عجیب شرط پر میں کسی قدر جھلایا تھا کہ یہ کیا انداز ہے اور جواب میں چاچا نے کہا تھا کہ برخوردار دیکھتے رہو، میری شرط کی مصلحت خود تمہاری سمجھ میں آجائے گی۔ اور میں خاموش ہو گیا تھا۔

کچھ رسمی سی گفتگو کے بعد اصل انٹرویو شروع ہوا۔ جو کچھ یوں تھا۔

چاچا: ۔ برخوردار یہ تو بتاؤ کہ تمہاری مصروفیت کیا ہے؟

لڑکا: ۔ (ماحول کے تناؤ کی وجہ سے کسی قدر گھبراتا ہوا) جی میں سول کورٹ میں کلرک ہوں۔

چاچا: ۔ لاحول ولا قوۃ۔ سول کورٹ بھی کوئی ملازمت کرنے کی جگہ ہے۔ حرام رزق کے سوا وہاں کیا ملتا ہوگا تمہیں۔ خیر خیر۔

لڑکا (کسی قدر ناراضگی سے) جی ۔!

چاچا: ۔ دیکھو برخوردار، برا نہ ماننا۔ میں فوجی آدمی ہوں اور پھر پٹھان۔ یعنی کریلا وہ بھی نیم چڑھا۔ اس لیے ہیر پھیر مجھے نہیں آتے (مسکراتے ہوئے) اب لگے ہاتھوں صاف صاف یہ بھی بتادو کہ جہیز میں کیا لوگے؟

لڑکا: (تھوڑا سا نرم پڑتے ہوئے کسی قدر شرما کر) جی! اس سلسلے میں آپ براہ راست والد صاحب سے گفتگو کرلیں تو مناسب رہے گا۔

چاچا: والد صاحب سے گفتگو کرلوں (ایک فلک شگاف قہقہہ) ارے برخوردار شادی تو تم کرنا چاہتے ہو۔ تمہارے والد صاحب تو نہیں؟

لڑکا (پھر کسی قدر ناراضگی مگر جرأت کے ساتھ) جناب ہمارے معاشرے کے کچھ اخلاقی آداب بھی تو ہیں والدین کی موجودگی میں کوئی بات کیسے کہہ سکتا ہوں؟

چاچا۔"سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔ جی خوش کر دیا۔ برخوردار تم نے۔ اللہ مزید نیک توفیق عطا فرمائے۔ واقعی اس پہلو کی طرف میرا ذہن نہیں گیا تھا۔ مگر برخوردار۔ ایک بات اب بھی میری سمجھ میں نہیں آئی۔ ہمارے معاشرے کے اخلاقی آداب میں یہ جہیز اور لین دین کا مطالبہ کب سے شامل ہو گیا؟ اگر کہتے ہو کہ یہ شامل تو نہیں تھا مگر اب شامل ہو کر ایک دستور سا بن گیا ہے تو پھر بھی یہ الجھن باقی رہتی ہے کہ آدمی کو ہاتھ پھیلانا ہی ہے تو جرأت کے ساتھ پھیلانا چاہئے۔ یہ تو کھلا ہوا نفاق ہے کہ شادی تم کروگے اور جہیز تمھارے والد طلب کریں گے۔ اس طریقے سے غالباً تم یہ تاثر دینا چاہتے ہو کہ جہیز وغیرہ سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ تو گویا تمہارے بوڑھے والدین کی حرص ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برخلاف ہے۔ زیادہ مدت نہ گزرے گی کہ تم والدین کو انگوٹھا دکھا کر جہیز پہ خود قبضہ کرلوگے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔"

لڑکا (نمایاں ناراضگی کے ساتھ) اچھا اب مجھے اجازت دیجیے۔

چاچا۔"اب ایسی ناراضگی بھی کیا ہے۔ آئے ہو تو کم از کم چار وغیرہ پی کر تو جاؤ۔"

لڑکا۔ (مزید ناراض ہوتے ہوئے) جی نہیں۔ شکریہ السلام علیکم۔

چاچا (پوری فراخدلی کے ساتھ مسکراتے ہوئے) وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! برخوردار جیتے رہو!

اس انٹرویو کے بعد میں نے چاچا کو خوب ڈانٹ پلائی تھی کہ آپ کا یہ مضحکہ خیز انٹرویو خواہ مخواہ اچھے خاصے آدمی کو طیش دلانے والا ہے۔ آج کل اچھے اور کھاتے کماتے لڑکے ملتے کہاں ہیں۔ اگر واقعی بچی کی شادی کرنا ہے تو پھر آئندہ اس قسم کے انٹرویو سے توبہ کیجئے۔ مجھے تو لڑکا معقول لگا تھا۔ برسر روزگار بھی ہے اور طبعاً بھی شریف طبیعت اور شائستہ محسوس ہوا تھا۔ آپ نے خواہ مخواہ اسے ناراض کر دیا۔ میں جب تک اپنی کوفت کا اظہار کرتا رہا۔ چاچا خاموشی سے مسکراتے رہے۔ میرے آخری جملے پہ انھوں نے حسب عادت ایک زور دار قہقہہ لگایا اور دیر تک ہنستے رہے۔ میں جھنجھلا سا گیا۔ کیوں؟ آخر اس میں ہنسنے کی کونسی بات ہے۔ میں نے کسی قدر خفگی سے پوچھا۔

سنو برخوردار۔ چاچا یکبارگی سنجیدہ ہو گئے، تم ابھی بچے ہو۔ تم سمجھتے ہو کہ میں نے عمر ساری یوں ہی

ہنسے ہنساتے گزاردی ہے۔ حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میرے ہنستے رہنے کی وجہ یہ ہے کہ میں نے میدان جنگ میں جو کچھ دیکھا ہے اس کے بعد ہی مجھے زندگی کی صحیح قدر وقیمت کا احساس ہوا ہے اور پھر میں نے فیصلہ کرلیا کہ اپنے حصے کی خوشیاں سمیٹنے میں میں کسی بخل سے کام نہ لوں گا۔ اب جہاں تک اس انٹرویو کا تعلق ہے تو عزیزم مجھے تو بس مزہ دے گئی چھوکرے کی بوکھلاہٹ۔ چاچا نے پھر ایک قہقہہ لگایا۔ تم نے دیکھا نہیں کہ سچی باتوں کے کڑوے گھونٹ اس چھوکرے کے حلق سے کتنی مشکل سے اتر رہے تھے۔ تم کو یہ لڑکا شریف طبیعت اور شائستہ محسوس ہوا۔ تعجب ہے۔ حالانکہ میرا خیال تھا کہ میرے تمام احباب میں تمہاری نگاہ زیادہ گہری ہے۔ مگر تم بھی چھوکرے ہی نکلے۔ میرا تجربہ کہتا ہے کہ یہ لڑکا نہایت مکار ہے۔ اپنی دکھاوے کی شرافت سے یہ ہمیں یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ لین دین اور جہیز کے سلسلے میں اصل لالچ اُسے نہیں بلکہ اس کے والد محترم کو ہے یعنی اپنے باپ کے کندھے پر بندوق رکھ کر چلانا چاہتا ہے۔ نامرد کہیں کا۔ چاچا نے اپنے سینے میں پکتا ہوا لاوا گویا اگل دیا۔

"اچھا خیر ٹھیک ہے۔ ممکن ہے آپ کا خیال ہی درست ہو۔ میں نے کسی قدر نرم پڑتے ہوئے کہا مگر یہ بات تو اب طے ہے کہ آپ آئندہ اس قسم کے انٹرویو نہیں لیں گے اگر بات پھیل گئی تو زہرہ کے لیے رشتہ آنا مشکل ہوجائیگا۔"

اچھا مانا اچھا، چلو مانے لیتے ہیں تمہارا حکم، تم بھی کیا یاد کرو گے، چاچا پھر مذاق کے موڈ میں آرہے تھے۔

اور میں یہ بھی چاہتا ہوں، میں نے اُن کے لہجے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا، کہ آئندہ آپ لڑکے کے بجائے لڑکے کے ذمہ داروں سے بات چیت کریں گے۔ اور اپنے اسی مخصوص قلندرانہ مزاج کا مظاہرہ بھی نہیں کریں گے۔

اچھا مانا اچھا، چلو یہ بھی کئے لیتے ہیں تمہاری خاطر۔ حالانکہ خلاف مزاج کام کرنا میرے لیے بہت مشکل ہے اور تم ہو کہ مجھے منافق بنائے بغیر چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ چاچا نے بُرا سا منھ بناتے ہوئے کہا، اور میں مسکراتے ہوئے لوٹ آیا۔

اس واقعہ کے ایک ہفتہ بعد ہی چا چا نے مجھے اطلاع کروائی کہ زہرہ کے لیے پڑوسی شہر سے ایک رشتہ آیا ہے۔ لڑکے کے والد اور رشتہ دار آئے ہیں۔ بات چیت میں میری موجودگی ضروری ہے۔ چنانچہ میں فوراً چلا گیا۔ کہ چا چا پھر کہیں اپنے مخصوص انداز کا انٹرویو شروع کر دیں۔ غالباً میرا ہی انتظار ہو رہا تھا جاتے ہی میرا اور مہمانوں کا تعارف ہوا اور ایک آدھ منٹ کی رسمی گفتگو کے بعد اصل گفتگو شروع ہو گئی لڑکے کے والد چہرے مہرے سے خاصے دین دار آدمی محسوس ہو رہے تھے۔ گفتگو کی معقولیت بھی متاثر کن تھی میں نے دل ہی دل میں دعا کی کہ خدا کرے کہ یہ رشتہ ہو جائے۔ گفتگو کا آغاز یوں ہوا۔

چا چا "ہاں تو بھائی صاحب آپ نے بتایا نہیں کہ صاحبزادے کی مصروفیت کیا ہے۔؟"

لڑکے کے والد (نہایت انکساری کے ساتھ) جی غلام زادہ پی ڈبلیو ڈی میں سپر وائزر ہے۔

چا چا (کن انکھیوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے) ماشاء اللہ۔ ماشاء اللہ۔ ناگوار خاطر نہ ہو تو صاحبزادے کے اخلاق اور صحت جسمانی پر بھی زحمت کلام فرمائیں۔ چا چا نے نستعلیق گفتگو شروع کر دی اور میرے کان کھڑے ہو گئے۔ یہ خطرے کی گھنٹی تھی۔ چا چا اپنی مخصوص منہ پھٹ لائن پر آرہے تھے۔ میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا، یہ اشارہ چا چا خلاف توقع فوراً سمجھ گئے اور یکبارگی پھر ڈگر بدل کر گفتگو کرنے لگے۔

لڑکے کے والد کسی قدر بے تکلفی سے "بھائی صاحب! اخلاق کا اندازہ تو آپ مجھے دیکھ کر بھی کر سکتے ہیں۔ البتہ جہاں تک صحت کا تعلق ہے تو پہلوان تو نہیں ہے مگر اچھا خاصا ہٹا کٹا نوجوان ہے۔"

چا چا "خوب۔ خوب! بڑی پُر لطف گفتگو فرماتے ہیں آپ!"

لڑکے کے والد "(شاعرانہ انداز میں جھک کر سلام کرتے ہوئے) عنایت، نوازش، مہربانی۔"

چا چا "بھائی صاحب! اب لگے ہاتھوں یہ بھی بتا دیجیے کہ لین دین اور جہیز وغیرہ کیا ہوگا۔؟"

لڑکے کے والد "ارے صاحب آپ نے بھی کیا تذکرہ چھیڑ ڈالا (چہرے پر نمایاں رنج کے آثار پیدا کر کے) دل خون ہوا جاتا ہے صاحب جب یہ سوچتا ہوں کہ سینکڑوں لڑکیاں محض اسی لعنت کی وجہ سے گھر بیٹھی ہوئی ہیں۔ میں تو صاحب ان فضول رسم و رواج سے سخت متنفر ہوں۔ ہماری ملت کو اندر سے کھوکھلا

کردیا ہے ان رسم ورواج نے۔ مگر بھائی صاحب آپ تو جانتے ہیں کہ آج کل کے چھوکرے کب ہماری بات کو کوئی اہمیت دیتے ہیں۔ ہمارا یہ ماتم تو نقار خانے میں طوطی کی صدا ہے، چنانچہ ــ!

چاچا (ہمت افزائی کے انداز میں) ہاں ہاں فرمائیے فرمائیے۔ آپ جھجک کیوں رہے ہیں۔ اب ایسی بھی کیا غربت ہے۔

لڑکے کے والد (چہرے پر مصنوعی ناگواری پیدا کرتے ہوئے) کیا عرض کروں بھائی صاحب ویسے تو لڑکا کافی نیک اور سمجھدار ہے مگر ماحول ــ!

چاچا (بڑی سنجیدگی سے سر ہلاتے ہوئے) اس میں کیا شک ہے۔ آدمی ماحول کا رنگ بہرحال قبول کرتا ہی ہے۔

لڑکے کے والد میرے سخت سست کہنے کے باوجود اس نامعقول نے کچھ چھوٹی موٹی فرمائش کر ہی ڈالی ہیں۔ اب بھائی صاحب آپ تو جانتے ہی ہیں کہ بچہ پر جوان ہونے کے بعد کچھ زیادہ سختی کی بھی نہیں جاسکتی۔

چاچا (لقمہ دیتے ہوئے) خصوصاً کماؤ پوت بچہ پر!

لڑکے کے والد (خوش ہوتے ہوئے) جی ہاں میں بھی وہی عرض کر رہا تھا۔ چنانچہ جہیز وغیرہ کے جھنجھٹ کو تو وہ خود بھی پسند نہیں کرتا۔ البتہ اس کا خیال ہے کہ اس جھنجھٹ کے بجائے اگر صرف پچاس ہزار نقد اُسے مل جائیں تو پھر اُسے اس بات سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ کہ دوسری اور کچھ چیزیں آپ دیتے ہیں یا نہیں۔

چاچا (سبحان اللہ) کافی دور اندیش محسوس ہوتے ہیں صاحبزادے۔"

لڑکے کے والد جی ہاں (میں نے تو پہلے ہی عرض کیا تھا کہ وہ اچھا خاصا سمجھدار ہے۔ ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ایک چھوٹی سی فرمائش اس کی اور بھی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ اسکوٹر ــ!

چاچا (ہنستے ہوئے) ہاں بھئی آج کل اسکوٹر کے بغیر کام چلتا بھی تو نہیں ہے۔

لڑکے کے والد (کچھ زیادہ ہی خوش ہوتے ہوئے) جی ہاں! جی ہاں! اب رہیں چھوٹی موٹی چیزیں تو
پ خود ہی جانتے ہیں کہ آج کل شادیوں میں اسٹیل کے فرنیچر الماری اور برتن وغیرہ کا تو عام رواج ہے ہی
مسنے کے زیورات سے متعلق تو کچھ کہنا ہی فضول ہے۔ زمانے کے رواج کے مطابق پندرہ بیس تولے کے
یورات تو آپ نے بنوا ہی لیے ہوں گے۔ اور کوئی فرمائش تو نہیں ہے۔اس کی" البتہ میں ۔۔۔!

چاچا: اچھا آپ کی بھی کوئی فرمائش ہے ؟ فرماد یجئے۔

لڑکے کے والد ۔ فرمائش تو خیر میں کیا کروں گا البتہ میری خواہش ہے کہ عقد کے کھانے میں ذرا خصوصی
ہتمام ملحوظ رہے۔ تو مناسب ہے۔ لڑکا چونکہ آفیسر ہے اس کی شادی میں سب عہدہ دار ہی آئیں گے۔
مولی حیثیت کے لوگوں کو تو لڑکا خود ہی منہ نہیں لگاتا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم حیثیوں میں سبکی ہو جائے لڑکے
۔ آپ تو خود بھی جانتے ہیں کہ اب یہ بریانی اور پلاؤ کی مغلئی ڈشیں پرانی ہو گئی ہیں۔اب تو چکن، روسٹ
لن وغیرہ کا زمانہ ہے جو جدید فیشن کے مطابق کھڑے ہو کر کھائے جاتے ہیں۔ بس دو چار میٹھے اور کچھ لوازمات
ں تو کام چل جائے گا۔ آپ کو زیادہ زحمت دینا بھی مناسب نہیں سمجھتا۔

چاچا (مسکراتے ہوئے) کیا عرض کروں کہ کس قدر مسرت ہو رہی ہے آپ سے مل کر۔ اگلی شرافت اور
ذت کے یہ نمونے تو اب انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔ اب انھیں ڈھونڈو چراغ رخ زیبا لے کر۔

لڑکے کے والد (شاعرانہ انداز میں کورنش بجالاتے ہوئے) ہی ہی ہی! میں کس قابل ہوں، بندہ
زی ہے حضور کی۔ عنایت نوازش مہربانی۔

چاچا۔ بس اب ایک مسئلہ وضاحت طلب رہ گیا ہے۔ مہر! مہر کیا باندھیں گے آپ ؟

لڑکے کے والد۔ (نہایت چکنی چپڑی مسکراہٹ ہونٹوں پر پیدا کر کے) ارے صاحب آپ نے تو ڈرا
دیا تھا۔ مجھے۔ کہ نہ جانے یہ کون سا مسئلہ درپیش ہو گیا۔ بھائی صاحب! آخر ہم دین دار مسلمانوں کو
سلسلے میں اس قدر پریشان ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے ؟ ہمارے لیے کیا ہمارے آقا کلی والے کا
رہ کافی نہیں ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ۔ جو ہمارے مولا کا مہر وہی ہمارا۔ بھر دنیا

او دکھانے کی خاطر مہر زیادہ مقرر کرکے اگر یہ نیت کر لی جائے کہ دینا تو ہے نہیں تو پھر نکاح ہی حرام ہو جائیگا مہر کے زیادہ باندھنے میں آخر کون سی شان بڑھ جائے گی آخر کملی والے کی سادگی کو کب اختیار کریں گے ہم؟ ہمارے خاندان کا رواج بس پانچ سو ہے۔ لیکن اگر اس سلسلے میں آپ کو کوئی تردد ہے تو چلئے ایک ہزار کر لیتے ہیں۔

چاچا۔ (نہایت درجہ مسرور ہوتے ہوئے) شکریہ شکریہ۔ مجھے آپ کے حسنِ اخلاق سے اسی کی توقع تھی۔ افوہ کس قدر مسرت ہوئی ہے آپ سے ملاقات کر کے۔ اور پھر آپ کا فہم دین؟ سبحان اللہ۔ اس سے متعلق کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔

لڑکے کے والد۔ عنایت نوازش مہربانی، تو پھر مجھے اب اجازت ہے۔

چاچا (کھڑے ہوتے ہوئے) ضرور ضرور حالانکہ آپ کو چھوڑنے کے لیے دل نہیں چاہتا۔

لڑکے کے والد۔ تو پھر کب تک آپ ـــ!

چاچا (سنجیدگی سے) بس ایک آدھ دن میں ہی ہم آپ کو مطلع کیے دیتے ہیں۔ بس ذرا سا آپس میں مشورہ کیے لیتے ہیں۔

لڑکے کے والد۔ ہاں ہاں صاحب۔ یہ چیز تو بے حد ضروری ہے۔ آخر لڑکی کا معاملہ ہے کوئی کھیل تھوڑا ہی ہے۔ تو اب ہم چلتے ہیں۔ خدا حافظ، السلام علیکم۔

چاچا (نہایت قرأت کے ساتھ) وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

مہمانوں کے جانے کے بعد چاچا نے میری طرف دیکھا۔ میں سر جھکائے ہوئے خاموش بیٹھا تھا۔ انھوں نے مجھے متفکر دیکھا تو حسب عادت ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ برخوردار فکر مند ہو اپنی بہن کے لیے؟ ابھی چھو کرنے ہو چھو کرے۔ فکر مت کرو۔ وہ کارساز حقیقی ضرور کوئی بہتری پیدا کر دے گا۔ اچھا چلو اب ذرا باہر چلتے ہیں کیا رونی صورت بنائے بیٹھے ہو۔ زہرہ کا باپ میں ہوں کہ تم؟ مگر یار یہ انٹرویو تو خوب رہا ان مولنا نے لقد کان لکم کی جو تفسیر کی ہے اس کو اگر علامہ ابن کثیرؒ سن لیتے تو ان مولنا کی شاگردی

اختیار کر لیتے۔ اب تم ہی بتاؤ پیارے۔ میں ان گندم نما جو فروشوں کی قلعی کھولتا ہوں تو آخر کیا بُرا کرتا ہوں بہ سخرے کہیں کے۔ کیسا کیسا بہروپ بھر کر آجاتے ہیں!

ایک مہینہ بعد چاچا نے پھر ایک بار مجھے اطلاع کروائی کہ پھر ایک "انٹرویو" ہے۔ میں فوراً آجاؤں۔ میں نے طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے ٹالنا چاہا مگر چاچا کہاں ماننے والے تھے۔ انھوں نے دوبارہ کہلوا بھیجا کہ ضرور آجاؤں۔ چاہے طبیعت خراب ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ خواہی نخواہی جانا پڑا۔

چاچا کے دروازے پر ایک بڑی سی امپالہ کار کھڑی دیکھ کر میں ٹھٹھک سا گیا۔ یہ کار افتخار احمد وکیل کی تھی۔ مجھے اس کی شناخت میں کوئی شبہ نہ تھا اس لیے کہ وکیل صاحب ہمارے ہی محلے کے آدمی تھے اور فوجداری مقدمات کے بڑے مشہور وکیل تھے۔ مشہور تھا کہ اگر کوئی شخص دن دھاڑے عینی شاہدین کی موجودگی میں بھی کسی کو قتل کر دیتا اور افتخار احمد وکیل سے رجوع کر لیتا تو وہ اُسے اتنی صفائی سے سزا سے بچا لیتے تھے۔ اور ملزم کی صفائی میں ایسی شاندار بحث کرتے اور ایسے نظائر پیش کرتے تھے کہ جج اور دیگر وکلا ہی نہیں خود ملزم تک یہ یقین کرنے پر مجبور ہو جاتا کہ واقعی وہ بے گناہ ہے۔ میں بیٹھک کے قریب پہنچا تو چاچا کا چھت شگاف قہقہہ سنائی دیا اور اس کے ساتھ ہی وکیل افتخار احمد کا قہقہہ بلند ہوا۔ میں اُن کی آواز صاف پہچان گیا۔ اب مجھے کوئی شک نہیں تھا کہ وہ وکیل صاحب ہی تھے۔ میں کمرے میں داخل ہوا تو دونوں نے مسکراتے ہوئے میرا استقبال کیا۔

آؤ آؤ اختر میاں! وکیل صاحب نے بڑی شفقت سے مجھے قریب بلا کر اپنے پہلو کی کرسی پر بٹھا لیا۔

آپ یہاں کیسے تشریف لے آئے وکیل صاحب، میں نے کسی قدر حیرانی سے پوچھا، کیا ہمارے چاچا نے کسی کو قتل کر دیا ہے؟ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ یہ سابق فوجی اور ایک پٹھان ہونے کے باوجود ایک مچھر تک کو قتل نہیں کر سکتے۔ دونوں نے قہقہہ لگایا۔ بھئی بات یہ ہے اختر میاں کہ آپ کے چاچا نے کسی کو قتل تو نہیں کیا ہے مگر میں ان کے حسن اخلاق کا گھائل ہو گیا ہوں، وکیل صاحب نے مسکراتے ہوئے بتایا، اسی لیے میں نے انھیں اپنا سمدھی بنا لیا ہے۔ ان کی لڑکی میرا لڑکا یعنی مبشر میاں کے لیے، میں نے

خوشی سے اُچھلتے ہوئے پوچھا۔

ہاں مبشر کے لیے ہی میں نے خاں صاحب سے زہرہ بیٹی کو مانگ لیا ہے، تمہاری کیا رائے ہے، انھوں نے پوچھا۔

یہ تو چاند سورج کی جوڑی ہے وکیل صاحب، میں نے مسکراتے ہوئے کہا، اس میں پوچھنا ہی کیا ہے اور میں زہرہ کی خوش قسمتی پر رشک کرنے لگا۔ زہرہ بے شک حسن صورت اور حسن سیرت میں بے مثال بچی تھی۔ مگر مبشر جیسا پیارا لڑکا زہرہ کا شوہر ہوگا یہ میرے خواب وخیال میں بھی نہ آسکتا تھا۔ اس کی کچھ وجوہات بھی تھیں۔ سب سے پہلا مسئلہ تو دونوں خاندانوں کی حیثیت کا تھا۔ چاچا اوسط درجے کی معاشی حیثیت رکھتے تھے۔ جب کہ وکیل صاحب اور ان کا خاندان سماجی اور علمی حیثیت میں نہایت ممتاز تھا۔ وکیل صاحب کے دونوں بڑے لڑکے بالترتیب ڈاکٹر اور انجینیر تھے۔ تیسرا لڑکا مُبشّر جس کے لیے زہرہ کا رشتہ طے ہوا تھا۔ ایم۔ اے تھا اور شہر کے نہایت ہونہار لکچررس میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ وکیل صاحب اُسے اپنی لائن پر لے جانا چاہتے تھے۔ مگر اپنے رجحان طبع کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس نے تدریس کے پیشے کو ترجیح دی تھی اور شہر ہی کے آرٹس کالج میں لکچرر ہوگیا تھا۔ ان دنوں وہ پی ایچ ڈی کی تیاری کر رہا تھا۔ صورت شکل کے اعتبار سے بھی نہایت وجیہہ شخصیت کا مالک تھا اور اخلاق وکردار کے اعتبار سے بھی شہر بھر کے نوجوانوں میں اس کا جواب ملنا مشکل تھا۔ مجھے رہ رہ کر جس بات پر تعجب ہو رہا تھا وہ یہ تھی کہ وکیل صاحب کے نہایت درجہ اعلیٰ مغربی ماحول کا پروردہ مبشّر زہرہ جیسی مشرقی مزاج طبعیت کی لڑکی سے رشتے پر کیسے آمادہ ہوگیا جب کہ وکیل صاحب محتاط اندازے کے مطابق بھی تیس چالیس لاکھ کے آدمی تھے۔ مگر یہ رشتہ ہوا کب۔ میری حیرانی برقرار تھی۔

ابھی ابھی تمہارے آنے سے پہلے۔ چاچا نے حسب معمول اطمینان سے جواب دیا۔

وکیل صاحب، صاحبزادے کے رجحان کو بھی دیکھ لیا ہے۔ میں نے ایسی خلش مٹانے کی غرض سے پوچھ ہی لیا۔ میری ہچکچاہٹ پر وکیل صاحب ہنس پڑے۔ بھئی صحیح بات تو یہ ہے اختر میاں

وکیل صاحب یکایک سنجیدہ ہو گئے۔ دراصل مبشر کے رجحان طبع نے ہی مجھے خاں صاحب کا دروازہ کھٹکھٹانے پر مجبور کر دیا تھا۔ تم چونکہ کوئی غیر نہیں ہو اس لیے اصل بات تمہیں بتا ہی دیتا ہوں۔ تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ میں نے اپنے دونوں لڑکوں اختر اور منظر کی شادیاں کس پیمانے پر کی ہیں۔ فطری طور پر اپنے خاندانی معیار کو ملحوظ رکھتے ہوئے میں نے لاکھوں میں کھیلنے والی بہوؤں کا انتخاب کیا۔ اعلیٰ گھرانوں کی ناز پروردہ لڑکیاں ظاہر ہے کہ اپنے ساتھ لاکھوں کا جہیز اور سامان بھی لائیں۔ لیکن عزیزم مجھے اعتراف ہے کہ لاکھوں کے اس ساز و سامان اور جہیز کے عوض میں نے اپنے گھرانے کا چین و سکون بیچ دیا۔ تم تو جانتے ہی ہو کہ اپنی اعلیٰ تعلیم کے باوجود میں خالص مشرقی ماحول کا پروردہ ہوں اور ایسی فضا میں مجھے سکون ملتا ہے۔ مگر میری بہوئیں جب سے آئی ہیں میرے گھر کا سکون و اطمینان غارت ہو گیا ہے۔ اس میں ان بے چاری بچیوں کا بھی درحقیقت کوئی قصور نہیں ہے۔ فطری طور پر جس طرح میں اپنے مشرقی ماحول کا شیدا ہوں وہ بھی اپنے معاشرے کی مغربی قدروں کی عاشق ہیں اور اپنے موجودہ ماحول کو بھی اپنے مزاج کے مطابق درست کر کے جدید سے جدید تر بنانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ وہ کلب اور بال روم کی سیر کرتی ہیں تو یہ ان کا اور ان کے شوہر کی غیرت و حمیت کا معاملہ ہے۔ میں اس میں دخل دینا پسند نہیں کرتا، لیکن کلب اور بال روم جیسا ماحول وہ میرے اپنے گھر میں پیدا کرنا چاہیں تو اس کے لیے میں ہرگز تیار نہیں ہو سکتا۔ شاید تعجب ہو کہ میں اپنی سعی بلیغ کے باوجود ان بچیوں کے ذہن سے یہ احساس کبھی نہ نکال سکا کہ وہ بڑے باپوں کی بیٹیاں ہیں اور لاکھوں کا جہیز وہ لائی ہیں۔ بھئی ان کا جہیز انھیں مبارک میں کیا کنگال ہوں کہ ان کے جہیز سے میرے منہ میں پانی بھر آئے۔ بھئی اُن کا جہیز جو چیز میں چاہتا تھا وہ صرف یہ تھی کہ بڑے گھرانوں کی بیٹیاں ہونے کے باوجود اور لاکھوں کا جہیز اپنے ساتھ لانے کے باوجود وہ ہمارے ماحول کی مشرقی قدروں کا مذاق نہ اڑائیں اور اپنے خاندانوں کی دولت و حشمت کا تذکرہ کر کے میری جان نہ جلائیں۔ مگر مجھے اعتراف ہے کہ اتنا بڑا وکیل ہونے کے باوجود میں اپنے گھر کا یہ مقدمہ ہار گیا۔ گھر کی فضا کے تناؤ اور بہوؤں خوں خاں سے میرا دم گھٹتا ہے۔ مبشر کو تو تم جانتے ہی ہو۔ اپنے بڑے بھائیوں

کے مقابلے میں وہ نسبتاً زیادہ ہی حساس اور سلیم الطبع ہے۔ گھر کی اس فضا کو دیکھتے ہی اس کے کان کھڑے ہو گئے پچھلے دنوں جب اسکے لیے رشتوں کی تلاش شروع ہوئی تو پورے ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس نے صاف صاف مجھے نوٹس دیدی کہ گھر کا یہ دم گھونٹ دینے والا ماحول خود اسکے لیے بھی ناقابل برداشت ہے۔ اس نے صاف صاف کہدیا کہ وہ کسی دولت مند اور مغربی ماحول سے متاثر گھرانے میں رشتہ نہیں کرے گا۔ اُسے مشرقی ماحول کی پروردہ دینی رجحان کی لڑکی چاہیئے۔ چنانچہ میں نے اسے ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہی سمجھا کہ خود بچے کی طرف سے ہی یہ مطالبہ ہو رہا ہے۔ چنانچہ تلاش شروع ہوئی تو پورے ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس لیے صاف صاف میں نے مبشر کی رضامندی حاصل کرنے کے بعد ہی یہاں قدم رکھا ہے۔ الحمد للہ کہ خان صاحب سے گفتگو کر کے جی خوش ہو گیا۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ برسوں سے ایک ہی محلے میں رہنے کے باوجود آج تک خان صاحب سے کبھی تفصیلی گفتگو کا موقع نہ مل سکا۔ خان صاحب کی صاف گوئی اور کھرے مزاج نے دل موہ لیا۔ اگلے پیر کو عقد مقرر ہو رہا ہے انشاءاللہ۔ دعوت نامہ تو خیر تمہیں مل ہی جائیگا۔ مگر میری شخصی دعوت کو ہی کافی سمجھنا۔ اچھا اب میں چلتا ہوں۔ کورٹ کا وقت بالکل قریب آ لگا ہے۔ خانصاحب اجازت دیجیئے اور وکیل صاحب نے کھڑے ہو کر ہم دونوں سے ہاتھ ملایا اور عجلت سے باہر کی طرف لپکے۔

چاچا! لین دین کیا طے ہوا ہے۔ میں نے وکیل صاحب کے جاتے ہی بے چینی سے پوچھا۔

چاچا حسب معمول مسکرائے، برخوردار لین، تو لڑکا ہے اور دین لڑکی۔ اور کیا طے ہونا باقی تھا پھر وہ کسی قدر سنجیدہ ہو گئے۔ میں نے وکیل صاحب سے حسب معمول انٹرویو لینے کی کوشش کی تھی۔ چاچا نے کسی بات کو یاد کر کے زوردار قہقہہ لگایا۔ مگر یار ماننا پڑتا ہے کہ ان وکیلوں سے جیتنا بہت مشکل ہے۔ میرے استفسار پر وکیل صاحب نے ایک ہی جملے میں ساری بحث ختم کر دی اور حسب معمول صاف طور پر اپنا مقدمہ جیت گئے۔ انھوں نے کہا تھا کہ خان صاحب! کسی مسلمان بچی کے لیے اس کے دین و اخلاق سے بہتر نہ کوئی زیور ہے نہ جہیز۔ چنانچہ یہ جہیز میں دینے کے لیے تیار ہو گیا۔ چاچا کی آواز اچانک بھرا گئی اور آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی تیر گئی۔ میں زندگی میں پہلی بار چاچا کی پلکیں دیکھ رہا تھا ••

(ساجدہ فرزانہ)

روشن ستارہ

رات گہری ہو چکی تھی۔ ہر طرف گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ سرخس کا مشہور ڈاکو فضیل ایک درّے میں گھات لگائے بیٹھا تھا۔ دور سے کوئی قافلہ آتا ہوا پہاڑ کے دامن میں رک گیا۔ کوئی کہہ رہا تھا۔ "ہمیں یہیں پڑاؤ ڈال لینا چاہیے۔" دوسری آواز آئی۔ "مگر یہاں تو فضیل رہتا ہے وہ گھات ہی میں بیٹھا ہوا ہوگا۔ دیکھتے ہی ہم پر ٹوٹ پڑے گا۔"

اس گفتگو نے فضیل کے دل و دماغ کو جھنجھوڑ ڈالا۔ وہ سوچنے لگا، خلق خدا میرے ہاتھوں سے اتنی خوفزدہ ہے۔ اور اس کے دل و دماغ پر ایک بوجھ سا چھا گیا۔ وہ اسی بوجھ کو لیے کمین گاہ سے نکلا اور ایک طرف کو چل دیا۔ اسے ایک حسین باندی سے عشق ہو گیا تھا۔ لوٹ مار، قتل و غارت گری سے فراغت ملتی تو وہ رات کی تاریکیوں میں چوری چھپے اس سے جا کر ملتا، اب وہ اسی سے ملنے جا رہا تھا۔

ہر طرف سناٹا تھا۔ لوگ میٹھی نیند کے مزے لے رہے تھے۔ فضیل باندی کے گھر پہنچا۔ وہ دیوار پھاند کر اندر جانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اچانک ایک آواز نے اُسے چونکا دیا۔ رات کی خاموشی میں کوئی شخص بڑے سوز و گداز سے قرآن کریم کی تلاوت کر رہا تھا۔ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ۔ ترجمہ :۔ کیا اہل ایمان کے لیے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے ڈر جائیں!"

ایک عجیب گھڑی تھی۔ ایک تو رات کا سماں، اللہ تعالیٰ کا دل نشیں کلام۔ پھر خود آیت ہی بڑی اثرانگیز تھی۔ اس پر قاری کی سوز دل و جگر سے مملو آواز۔ غفلت و سرمستی کے پردے چیرتی ہوئی دل کی گہرائیوں میں اُتر گئی۔ ایمان کی دبی ہوئی چنگاریاں بھڑک اٹھیں، دل سے ایک ملامت بھری ہوک اٹھی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے۔ اور زبان بے اختیار پکار اٹھی۔ "کیوں نہیں؟ میرے پاک پروردگار وقت آ گیا ہے۔" پھر وہ رو رو کر اللہ کو پکارنے لگے۔ "اے میرے آقا! میرے مالک! میں

ناہوں کی زندگی سے توبہ کرتا ہوں، تیرے دامن میں پناہ لیتا ہوں اور اپنی زندگی کو تیرے گھر کی خدمت کے لیے وقف کرتا ہوں یہ

اب فضیل وہ فضیل نہیں رہے تھے۔ ان کی زندگی بدل چکی تھی ۔ وہ بیت اللہ کے پاس جا بسے ب غفلت کیشی اور لذت پرستی کے بجائے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کا خوف ان کے دل میں گھر کر چکا تھا۔ اب ان کی راتیں عبادت گذاری اور دن حصول علم میں گذرتے تھے۔ انھوں نے وقت کے بڑے بڑے ائمہ، فقہا اور محدثین سے علم دین حاصل کیا اور امت کے اکابر علمار عبادت گذاروں اور صوفیا میں شمار ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں ہوں ان بزرگ ہستیوں پر۔ جن کی زندگی ہمارے لیے بہترین مشعل راہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نیک توفیق عطا فرمائے اور ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت و فرماں برداری کی طرف موڑ دے۔ آمین یارب العلمین !!

ایجنٹ صاحبان

اس بات کا امکان ہے کہ آئندہ شمارہ جولائی اور اگست کا مشترک شمارہ ہو۔ اگر ایسا ہوا تو اسکی قیمت 5/- ہوگی۔ ایجنٹ صاحبان نوٹ فرمالیں۔

—— انفرادی خریدار ——

یہ تجربہ ہوا ہے کہ جب کبھی مشترک شمارہ (یعنی دو ماہ کا ایک ساتھ) شائع ہوا تو انفرادی خریدار ان میں سے بعض صاحبان نے دوسرے ماہ کا شمارہ طلب کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اعلانات توجہ سے نہیں پڑھے جاتے۔ براہ کرم بے توجہی میں اپنے ڈاک خرچ کا نقصان نہ کیجیے۔ (مینجر)

(ماجدہ فرزانہ اونوڑ)

نماز ــــ احادیث کی روشنی میں

• پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ پانچ نمازیں ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض کیا ہے تو جس نے اچھی طرح پر وضو کیا اور ان نمازوں کے مقررہ وقتوں پر انھیں ادا کیا اور رکوع وسجود ٹھیک سے ادا کیا اور اس کا دل اللہ تعالیٰ کے حضور جھکا رہا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت اپنے ذمہ لے لی اور جس نے ایسا نہیں کیا تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ نہیں ہے اگر چاہے گا تو اس کو بخش دے گا اور چاہے گا تو اس کو عذاب دے گا۔" (ابوداؤد ــ عبادۃ بن صامت)

• سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ــ "ہمارے اور کافروں کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز ہے۔ پس جس نے نماز چھوڑی اس نے کفر کیا۔" (احمد ــ بریدہؓ)

• رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ــ "جو شخص اپنی نمازوں کی ٹھیک طور پر دیکھ بھال کرےگا تو وہ اس کے لیے قیامت کے دن روشنی اور دلیل بنیں گی۔ اور باعث نجات ہوں گی اور جو اپنی نمازوں کی دیکھ بھال نہیں کرے گا تو ایسی نماز اس کے لیے نہ تو روشنی بنے گی اور نہ دلیل بنے گی اور نہ نجات کا ذریعہ ثابت ہو گی۔" (احمد ــ عبداللہ بن عمرؓ)

• نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ــ "جس مسلمان کی زندگی میں نماز کا وقت آگیا اور پھر اس نے وضو کیا اور رکوع وسجود اچھی طرح انجام دیے تو یہ نماز اس کے لیے گذشتہ گناہوں کا کفارہ ہوگی جب تک کہ بڑے گناہ نہ کیے جائیں اور یہ کفارہ ہمیشہ ہوتا رہے گا۔" (مسلم ــ عثمانؓ)

ایک دلکش کہانی جو نئے اور پرانے سماج کے بنتے بگڑتے نقوش سے جنم لیتی ہے۔

(قاضی محی الدین)

دھوپ چھاؤں

وہ بھی ایک زمانہ تھا جب گاؤں کے مدرسے میں اسرائیل چودھری اور فخرالدین بھوئیاں ایک ساتھ قاعدہ بغدادی پڑھا کرتے تھے اور دونوں میں اس قدر بے تکلفی تھی کہ تالاب میں غسل کرتے وقت ایک دوسرے کو کیچڑ میں لت پت کر دیا کرتے تھے۔ مگر آج فخرالدین بھوئیاں حافظ فخرالدین اور اسرائیل چودھری، چودھری صاحب کہلاتے تھے۔

حافظ فخرالدین گاؤں کی مسجد کے پیش امام تھے۔ متشرع اور انتہائی امن پسند ہونے کی وجہ سے انھیں رشک کی حد تک ہر دلعزیزی حاصل تھی۔ ان کا کردار ایک بڑے درخت کے سائے کی طرح گاؤں پر چھایا ہوا تھا۔

اس کے برعکس چودھری صاحب کے چہرے پر داڑھی نہ کردار و گفتار میں کوئی خوبی۔ دین سے تو بہت ہی دور ہو چکے تھے۔ بہت اہتمام سے انگریزی لباس پہنتے اور فرنگیوں کی نقل کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ مثلاً کھڑے کھڑے پیشاب کر لینا ان کے لیے کوئی عیب ہی نہ تھا۔

یہ دونوں خاندان پشت ہا پشت سے نبی نگر میں ایک ہی جگہ آباد تھے۔ اب تک ان میں کوئی رشتے داری تو نہ ہو سکی تھی لیکن آپس کا میل جول اپنی جگہ مسلّم تھا۔

چودھری صاحب کے والد وافر جائیداد کے مالک ہونے کے باعث خاصے خوشحال تھے۔ انکے خاندان کے لوگ تعلیم یافتہ اور روشن خیال مانے جاتے تھے۔ چنانچہ ڈھاکہ یا دوسری جگہوں سے

اینگلو انڈین قسم کے مہمانوں کی آمد و رفت رہا کرتی تھی۔
ایک دن اسی قسم کی گہما گہمی میں کسی نے اسرافیل کو مدرسے سے پڑھ کر واپس آتے ہوئے دیکھ لیا۔ ننگے پاؤں، پاجامہ کرتہ، دو پلی ٹوپی اور بغل میں قاعدہ بغدادی۔ اس کی اس ہیئت کذائی پر اسٹوڈنٹ مہمانوں نے فلک شگاف قہقہہ بلند کیا۔ اس کے بعد اسرافیل کے مستقبل کے بارے میں باتیں ہونے لگیں اور یہ طے پایا کہ اسے گاؤں سے شہر منتقل کر دیا جائے۔ اور کانونٹ کی تعلیم اور بورڈنگ کی رہائش سے اس کی نئی تعلیمی زندگی کا آغاز ہوا۔

فخر الدین کا خاندانی پس منظر گہرا اسلامی تو نہیں تھا۔ البتہ دین کی نمایاں جھلکیاں ضرور موجود تھیں۔ وہ انگریزی کی معمولی شد بد حاصل کرنے کے ساتھ حافظ قرآن ہوئے اور عمر کے ساتھ بتدریج اُن کی عزت بھی بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ امام مسجد مقرر کر دیے گئے۔

ان کی ایک لڑکی تھی عائشہ۔ اسے دیکھ کر یہ گمان نہیں گزرتا تھا کہ وہ ایک امام مسجد کی بیٹی ہے۔ وہ جہاں حسن سیرت اور ذہانت میں یکتا تھی، وہاں نسوانی حیا کا پاکیزہ نمونہ سمجھی جاتی اور اپنی انہی صفات کے باعث گاؤں میں ایک مثالی کردار بن گئی تھی۔

•

امام صاحب آج ظہر کی نماز پڑھا کر گھر آئے تو شدید طور پر مغموم دکھائی دے رہے تھے۔ عائشہ نے باپ کا پژمردہ چہرہ دیکھا تو جیسے بلبلا اٹھی۔ پنکھا لیے لپکتی ہوئی قریب چلی گئی اور مضطرب ہو کر بولی: "بابا! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

امام صاحب نے زبردستی مسکرا کر بیٹی کو دل رکھنا چاہا "بیٹی! کوئی بات تو نہیں؟"

عائشہ نے سلیقے سے پنکھا جھلتے ہوئے کہا "لیکن بابا! آپ کا چہرہ بتا رہا ہے کہ بہت پریشان ہیں۔"

امام صاحب جیسے اپنی بیٹی کے سامنے چور بن گئے۔ اپنی اندرونی کیفیت چھپانے کے لیے جلدی سے باورچی خانے کی طرف بڑھ گئے تاکہ کھانے کی مصروفیت کے بہانے بیٹی کے سوال و جواب سے بچ سکیں۔ مگر وہ تو عائشہ تھی کی بدولی سے لقمہ اٹھاتے دیکھ کر سب سمجھ گئی۔

اس کی شادی کے سلسلے میں آج ایک جگہ سے ہاں یا نہ ہونے والی تھی۔ اس نے خیال کیا باپ کے چہرے کی یہ اُداسی اسی سلسلے میں ہے۔ وہ پیڑھی پر بیٹھ کر پنکھا جھلنے لگی۔ خود اس کے جذبات بھی بے قابو ہوئے جا رہے تھے۔ وہ تیزی سے سوچ رہی تھی۔ کاش! میں اپنے بابا کا لڑکا ہوتی۔ اور میرا نام بجائے عائشہ کے محمد علی یا کچھ اور ہوتا۔

امام صاحب بظاہر کھانے میں مصروف تھے مگر وہ اپنی سوچ میں گُم تھے۔ وہ محسوس کر رہے تھے کہ چودھری بھوت بن کر اُن پر مسلط ہو گیا ہے اور اس سے چھٹکارا پانے کی کوئی صورت نہیں۔

چودھری اپنی طالب علمی کے زمانے میں اور اس کے بعد جب بھی گاؤں آتے ان کا دل دُکھاتے۔ کبھی باتوں سے کبھی حرکتوں سے اور کبھی امیرانہ ٹھاٹ سے۔

امام صاحب کے ساتھ چودھری کی اس بلا وجہ چپقلش سے گاؤں والے بھی اچھی طرح واقف تھے مگر اس سلسلے میں زبان کھولنے کی ہمت نہ کر سکتے تھے۔ کیونکہ اب چودھری کا دبدبہ پورے گاؤں پر بیٹھا ہوا تھا۔ ان کے خاندان کے کچھ لوگ عرب، امریکہ اور انگلینڈ تک پہنچ گئے تھے ہر طرف سے دولت کی ریل پیل تھی۔ ملکی سیاست میں بھی ان لوگوں کا کچھ نہ کچھ عمل دخل تھا۔ خاص کر سرکار کی جانب سے دیہات کے زرعی منصوبوں میں چودھری صاحب پیش پیش تھے۔

مصلحتاً خاموش رہنے کی بات الگ ورنہ بستی کے باشندوں۔ کے دلوں میں چودھری کے خلاف نفرت تھی۔ وہ جیسے جیسے امام صاحب کو ستاتے امام صاحب کا مرتبہ اور بلند ہو جاتا، چودھری کی گفتگو سے کھلی بے دینی ظاہر ہوتی تھی۔ وہ کہتے "ابے مولبی! لوگوں کو افیون پلانے کا دھندا چھوڑ اور محنت مشقت سے کمانے کی عادت ڈال۔"

ایک دن انھوں نے بھرے بازار میں امام صاحب کو ٹوک دیا

"ابے او فخری کے بچے! اذان بھونکنے کا بھونپو موڑ کر دوسری طرف کر دے، صبح میری بھی نیند خراب ہوتی ہے۔ اور بچوں کی پڑھائی کا حرج ہوتا ہے۔"

یہ سُنکر امام صاحب کو یقین ہو گیا کہ مولی

موٹی اور غیر مانوس کتابیں پڑھ کر چودھری ملعون ہوگیا ہے۔

ان باتوں سے قطع نظر چودھری صاحب نے امام صاحب کی اَنا پر براہِ راست بھی حملہ کیا تھا اور امام صاحب کو اس بات کا بڑا صدمہ تھا۔ اگر وہ فطری طور پر امن پسند نہ ہوتے تو نہ جانے اب تک کیا کچھ کر گزرتے۔

بیٹی کے سوال جواب سے بچنے کے لیے وہ اس وقت دسترخوان پر آ بیٹھے تھے۔ ان کے ذہن میں آج سے چار سال قبل کا واقعہ تیزی سے گردش کر رہا تھا۔ عائشہ کی بات ایک جگہ پکی ہوچکی تھی اور جمعے کے دن لڑکے والے انگوٹھی پہنانے آرہے تھے۔ لیکن اس دوران میں پتہ نہیں کیسے اُن لوگوں میں سے چند چودھری کے ہتھے چڑھ گئے اور انھوں نے ایسی پٹی پڑھائی کہ وہ لوگ انگوٹھی پہنائے بغیر ہی واپس چلے گئے اور اس واقعے کے ایک ماہ بعد ہی لوگ چودھری صاحب کی چھوٹی لڑکی کے لیے برات لے کر آگئے۔ چودھری صاحب کا یہ چھوٹا داماد سونالی بنیک کی ایک شاخ میں منیجر تھا۔

"چودھری صاحب کی لڑکی ایلورا" تھی تو خوبصورت مگر بے سلیقہ اور باپ کی طرح دولت پر مغرور بھی۔ اس کی شادی جس قدر دھوم دھام سے ہوئی ٹھیک ایک سال بعد اس سے بھی زیادہ شان و شوکت کے ساتھ وہ شوہر کو چھوڑ کر اپنے باپ کے گھر واپس آگئی۔ غیرت مند آدمی کے لیے یہ واقعہ وجہِ اضطراب ہوتا، لیکن چودھری صاحب نے اپنی لڑکی کے اس عمل کو یہ کہہ کر سراہا "ایلورا ایک روشن خیال لڑکی ہے وہ اپنے برائٹ فیوچر کا سیلیکشن کرنا خوب جانتی ہے۔"

اور پھر ایلورا اس شیرنی کی مانند زندگی گزارنے لگی جس کے منھ کو ایک بار انسان کا خون لگ چکا ہو۔

گزشتہ چار برسوں میں عائشہ کے لیے بہت سارے پیغامات آئے۔ ان میں امام صاحب نے ایک رشتہ کا انتخاب کیا تھا جس کا تمام تر گفتگو کے مراحل طے ہوجانے کے بعد آج ہی حتمی فیصلہ ہونا تھا۔ اس کی خبر عائشہ کو بھی تھی۔ مگر اس نے اپنے بابا کے چہرے پر اپنی قسمت کی تحریر پڑھ لی تھی اور اس کے بابا اپنے ذہن سے اُلجھ اُلجھ کر

چودھری صاحب کے بارے میں مسلسل سوچے جا رہے تھے۔

وہ سوچ رہے تھے چودھری مدرسے سے بچھڑنے کے بعد آخر ایسا بدل کیوں گیا؟ اب تو ماشاء اللہ وہ بڑی بڑی ڈگریوں کا مالک ہے۔ علم کے سلسلے میں تو مشہور ہے کہ روشنی ہے۔ علم حاصل کر کے کند ذہن انسان بھی روشن خیال ہو جاتا ہے چودھری نے تو کافی تعلیم حاصل کی ہے۔ اس کی الماریوں میں اتنی ساری کتابیں بھری پڑی ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ معمولی آدمیوں جیسا با اخلاق بھی نہیں۔

پھر امام صاحب نے ایک نئے زاویے سے سوچنا شروع کیا۔ چودھری صاحب کے مقابلے میں انھوں نے اپنے آپ کا بھرپور جائزہ لیا۔ انھیں خیال آیا غالباً مجھ سے کوئی ایسی چوک ہو گئی ہے جس کے ردِ عمل میں چودھری نے اپنے اندر انتقام کا شعلہ بھڑکا رکھا ہے۔ اور اسی غور و فکر کی کیفیت میں انھیں ایک واقعہ یاد آ گیا۔

چودھری نے بی اے کی تعلیم مکمل کی تو اس خوشی میں اُن کے باپ نے اپنے گھر میں ایک تقریب منعقد کی، لیکن ٹھیک اسی دن گاؤں کی مسجد کے احاطے میں امام صاحب کے حافظِ قرآن ہو جانے پر ان کی دستار بندی کا جشن بھی منایا جا رہا تھا اور اس گاؤں میں دستار بندی کی یہ پہلی تقریب تھی۔

امام صاحب کی آنکھوں میں وہ منظر گھوم گیا جب وہ ڈائس پر بیٹھے تھے اور لوگ بہت محبت سے انھیں تحفے دے رہے تھے۔ تقریباً ہر آدمی کے ہاتھوں میں پھولوں کا گجرا یا نوٹوں کا ہار تھا۔ یہ بات ان کے علم میں تھی کہ بڑے چودھری صاحب کے یہاں بھی آج اسرافیل کی کامیابی پر دن کو کھانے اور رات کو گانے بجانے کا پروگرام ہے۔ اس تقریب میں وہ خود مدعو نہیں تھے۔ لیکن جشنِ دستار بندی کا دعوت نامہ مدرسہ کمیٹی کی جانب سے چودھری صاحب کے نام جاری کیا گیا تھا۔

چالیس برس پہلے کا واقعہ یاد آیا تو خیال کیا شاید چودھری صاحب نے اس بات کو اپنی ہتک سمجھا ہو گا کہ جس دن وہ اپنے بیٹے کی کامیابی کا جشن منا رہے تھے اسی دن دستار بندی کی تقریب منعقد کی گئی۔ مگر انھوں نے یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دی کہ اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں تھا۔ دستار بندی

تقریب تو بستی کے لوگوں نے منعقد کی تھی۔

پڑوس کے گاؤں والے عبدالحمید خاں کا پیغام آیا تھا، آج اس کے بارے میں اُن کے دمی نہ صرف انکار کر گئے تھے بلکہ براہ راست عائشہ کے کردار پر بھی حملہ کیا تھا۔ اپنی عادت کے مطابق امام صاحب نے اس وار کو بھی صبر کی ڈھال پر روکا تھا لیکن وار ایسا کاری تھا کہ ان کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ دل کے زخم چہرے پر نمایاں ہو گئے تھے وہ بہت ہی غمزدہ نظر آرہے تھے اور عائشہ ان سے کچھ زیادہ ہی دکھی تھی۔

چودھری صاحب کی ضرورت سے زیادہ روشن خیالی اور بے جا لاڈ پیار نے ان کی بیٹی ایلورا کو غلط راستے پر ڈال دیا تھا۔ وہ مہینے میں پندرہ دن ڈھاکے میں رہتی۔ اور شہر کی آزادانہ زندگی میں خوب گلچھرے اڑاتی — ماں کی نظر میں بیٹی کے یہ لچھن خراب تھے۔ باپ بیٹی کی طرف سے اتنا ہی خوش تھا چودھری صاحب نے اسے کلب جانے کی کھلی اجازت دے رکھی تھی۔ اور اسے اس بات کی پوری آزادی تھی کہ باہر گھومے پھرے یا گھر میں رہے چودھری صاحب اپنی بیٹی کو ایسی آزادی کی زندگی گزارتے ہوئے دیکھ کر فخر محسوس کرتے تھے۔ ان کی آنکھ تو اس خواب مدہوشی سے اس دن کھلی جب یہ بات پھیلی کہ وہ کسی کے ناجائز بچے کی ماں بننے والی ہے۔

چودھری صاحب نے شہر کی رہائش کو خیرباد کہہ کر گاؤں میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اور اپنے ساتھ ایلورا کو بھی لے آئے۔ اب وہ بھی ہر وقت بجھی بجھی سی رہتی تھی۔ لگتا تھا احساس گناہ نے اسے نڈھال کر دیا ہے۔ چودھری صاحب کی بیگم کا حال ان دونوں سے خراب تھا۔ ماں ہونے کے ناطے ہر وقت اس فکر میں گھلتی رہتی تھی کہ بدنامی کا یہ داغ بالآخر نمایاں ہوگا اور ہم منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے۔

ایک دن وہ چودھری صاحب سے کہنے لگی: "میں نے ہمیشہ آپ سے کہا کہ لڑکی کو بے لگام نہ چھوڑیں۔ مگر آپ نے اپنے علم کے زعم میں میری باتوں کو جہالت پر محمول کیا۔ آپ مرد ہیں، باہر آپ کا دبدبہ پھیلا ہوا ہے۔ مگر گھر گھر میں عورتوں کا ناپھوسی کا علم تو آپ کو نہیں کلموہی بیٹی کے کرتوتوں سے میرے کانوں میں جو زہر ٹپک

رہا ہے اسے برداشت کرنا میرے بس سے باہر ہے کسی دن کچھ کھا کر سو رہوں گی۔ آج نہیں تو کل جب آپ اپنی لاڈلی بیٹی کو گلے کا ڈھول بنا کر سارے گاؤں میں پھریں گے تو میں اس منظر کی تاب نہ لاسکوں گی۔“ اتنا کہہ کر بیگم خاموش ہوگئیں۔ ان کا گلا رندھ گیا اور آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔

چودھری صاحب اپنی بیگم کی باتیں خاموشی سے سنتے رہے۔ یوں گم سم وہ بیٹھے تھے جیسے سوچنے سمجھنے کی ساری قوتیں مفلوج ہوگئی ہوں۔

☆

امام صاحب کھانا کھاتے ہوئے سوچ رہے تھے۔ چودھری سے مل کر بات کریں گے کہ آخر وہ کس گناہ کی سزا دے رہے ہیں۔ اتنے میں عائشہ کی ماں ہانپتی ہوئی گھر میں داخل ہوئی اور چیخ کر بولی۔ ”چودھری صاحب کے گھر میں آگ لگ گئی ہے اور آپ یہاں بے فکر بیٹھے ہیں۔“

یہ بات سن کر امام صاحب فوراً باہر آگئے۔ چودھری صاحب کے مکان کے آنگن سے واقعی آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے۔

یہ دیکھ کر امام صاحب فیصلہ نہیں کر پائے تھے کہ انھیں کیا کرنا چاہیے۔ اتنی دیر میں چودھری صاحب کے تین کارندے دندناتے ہوئے ان کے پاس پہنچ گئے اور ان میں سے ایک گرج کر بولا۔ ”مولبی! ہمارے ساتھ چل۔ چودھری صاحب نے تجھے بلایا ہے۔“ یہ سنا تو امام صاحب کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ انھیں شک ہوا کہ یہ خدا ناشناس آدمی آگ کا الزام میرے سر دھرنا چاہتا ہے۔ وہ کچھ دیر سوچتے رہے۔ پھر فیصلہ کن لہجے میں بولے۔ ”نہیں، میں نہیں جاؤنگا۔“

یہ جواب سنکر چودھری کے تینوں ملازم آگ بگولا ہوگئے۔ انھوں نے دھمکی دی۔ ”اگر اپنی خوشی سے نہ جاؤ گے تو ہم اٹھا کر لے جائیں گے۔“ اور پھر ان ظالموں نے یہی کیا۔ نہ امام صاحب کچھ کر سکے نہ اُن کے گھر والے۔ کمزوری اپنی بے بسی پر آنسو بہاتی رہ گئی۔

چودھری صاحب لنگی اور بنیان پہنے دونوں ہاتھ پیچھے باندھ کر آنگن میں ٹہل رہے تھے۔ اُن کا آنگن اس قدر وسیع تھا کہ بچے باقاعدہ گول پوسٹ بنا کر فٹ بال کھیلا کرتے تھے۔ آنگن کے درمیان بہت بڑے دائرے میں آگ کے

کی سمجھ میں نہ آ رہی تھی کہ آخر ماجرا کیا ہے۔

کافی دیر کے بعد چودھری نے امام صاحب کو اپنے جسم سے تھوڑا سا الگ کیا اور پھر گلوگیر آواز میں کہنا شروع کیا۔ "فخرو میرا دوست! فخرو میرا بھائی، دیکھ فخرو! آج میں نے وہ دنیا ہی گرا دی جس نے تیرے اور میرے درمیان ایک زہریلی نفرت اور دشمنی کی خلیج پیدا کر رکھی تھی۔ دیکھ فخرو! غور سے دیکھ آگ کے الاؤ میں میں نے مادیت کی ان تمام فتنہ پروریوں کو جلا کر راکھ کر دیا ہے جن کے جادو نے مجھے تجھ سے دور کر دیا تھا۔ میں نے اپنی تمام الماریوں کو ان کے ناپاک وجود سے پاک کر دیا ہے۔ اب ان میں وہی کتابیں آئیں گی جو تو نے اور عائشہ نے پڑھی ہیں — فخرو! میرے دوست میرے بھائی، مجھ سے وعدہ کر! اب تو ہی مجھے نئے سرے سے قاعدہ بغدادی پڑھایا کرے گا، بول، پڑھائے گا نا.... اَلف دو زبر آن، بے دو زبر بَن۔"

اس کے بعد انھوں نے بنیان کے اندر سے وہ کاغذات نکال کر کھولے اور رندھے ہوئے پر قابو پا کر ایک ایک ورق الٹتے ہوئے دوبارہ کہنا شروع کیا۔ "فخرو، میرے بھائی! میں صرف تیرا ہی مجرم نہیں ہوں، دراصل بیٹی عائشہ کا بھی مجرم ہوں۔ میں نے اس معصوم اور پاک دامن کے راستے میں کانٹے ہی کانٹے بکھیر دیے تھے۔ میں اپنے ضمیر کی ملامت سے اندر ہی اندر گھل رہا ہوں میں نے اپنے اس گناہ کی تلافی یوں کی ہے کہ عائشہ کے نام اپنی ایک بڑی جائیداد منتقل کر دی ہے یہ اسی جائیداد کے کاغذات ہیں۔ اپنی بیٹی عائشہ کی شادی اب میں خود کراؤں گا۔ فخرو! میرے دوست، میرے بھائی، خدا سے میرے گناہوں کی معافی کے لیے دعا کرے گا نا!؟"

آگ کے شعلے بدستور بلند تھے۔ جلے ہوئے اوراق کی راکھ کے ریزے کافی تعداد میں فضا میں بلند ہو کر یوں منتشر ہو رہے تھے جیسے چودھری صاحب کا ذہن ان کتابوں کے علم سے آج ہی خالی ہو جائے گا۔ وہ بڑی توجہ سے ان اڑتے ہوئے ریزوں کو دیکھ رہے تھے۔

انھوں نے دوبارہ بڑی گرم جوشی سے امام صاحب کو اپنے سینے سے لپٹا لیا اور اپنے ساتھ انھیں قدم سے قدم ملا کر چلاتے ہوئے

شعلے اٹھ رہے تھے۔ جیسے جیسے اس آگ کی خبر پھیل رہی تھی، قرب و جوار کے لوگ بھاگتے ہوئے چلے آرہے تھے لیکن یہاں کا ماحول دیکھ کر انھیں تعجب ہو رہا تھا۔ چودھری اپنے ان ملازموں کی کاہلی پر گرج رہے تھے جو ایک تواتر کے ساتھ اُن کی لائبریری سے موٹی موٹی کتابیں لا لاکر آگ کے شعلوں میں پھینکنے میں مصروف تھے۔

اسی عالم میں امام صاحب کو ان کے سامنے لاکر کھڑا کر دیا گیا۔ امام صاحب اندرونی طور پر خوف زدہ تھے یا نہیں، لیکن اُن کے چہرے سے جلال ظاہر ہو رہا تھا۔ چودھری اُن کی نگاہوں میں ایک وحشی کے سوا کچھ نہ تھا۔ تینوں کارندے اُن کا محاصرہ کرکے قریب ہی کھڑے رہے۔

چودھری نے ایک اچٹتی سی نگاہ اپنے کنبے کے افراد پر ڈالی۔ کافی دیر تک اپنی بیٹی ایلورائی جانب دیکھا۔ اس کی شکل و شباہت اب وہ نہیں رہی تھی جو پہلے تھی۔ رنگ مدھم جسم لاغر اور پیٹ ناگوار حد تک اُبھرا ہوا تھا۔ وہ اپنے باپ سے آنکھیں ملانے کی ہمت نہ کرسکی اور پاؤں کے انگوٹھے سے متواتر مٹی کریدنے میں مصروف رہی۔

چودھری امام صاحب کی طرف اچانک پلٹے اور تقریباً دوڑ کر ان کے بالکل قریب چلے گئے۔ انھوں نے پہلے اپنی خالی خالی آنکھوں سے امام صاحب کے داڑھی والے چہرے کو غور سے دیکھا پھر رقت آمیز آواز میں چیخ پڑے۔ "فخرو فخرو میرا بھائی۔ میرا دوست۔ آہ فخرو!"

دوسرے ہی لمحے انھوں نے امام صاحب کو اپنے فربہ جسم کے ساتھ چمٹا لیا اور بلک بلک کر رونے لگے۔

امام صاحب کے گھر والے وہاں پہنچے، تو یہ انوکھا منظر دیکھ کر گلاب کے پودوں کی طرح جامد ہو گئے۔ چودھری صاحب انتہائی عقیدت کے ساتھ امام صاحب کی داڑھی کو بوسے دے رہے تھے۔ ان کا چہرہ بار بار چوم رہے تھے۔ ان کی پیشانی کو اپنی پیشانی سے یوں رگڑ رہے تھے جیسے امام صاحب کی پیشانی کا در کھلے تو وہاں سے تھوڑی سی ایمان کی روشنی کی بھیک مانگ لیں۔ وہ امام صاحب کی پیٹھ سہلاتے رہے تھے۔ ان کی ہر ادا سے مجنونانہ انداز مترشح تھا یہ بات اب تک کسی

وہاں پہنچ کر رُک گئے جہاں ان کے کنبے کے ساتھ ایلورا کھڑی تھی۔

قبل اس کے کہ چودھری صاحب کچھ کہنے کے لیے زبان کھولتے۔ ایلورا والہانہ انداز میں امام صاحب کے قدموں پر گر کر زار و قطار رونے لگی "کاکا! مجھے روشنی چاہیے۔ مجھے اسلامی آدرش چاہیے۔"

امام صاحب کو بے ساختہ بچپنے کے وہ دن یاد آ گئے جب وہ اور اسرافیل ایک ساتھ مدرسے میں جھوم جھوم کر الف دو زبر آن، بے دو زبر بن پڑھا کرتے تھے۔ وہ جھک کر دہ بیٹھ گئے اور ایلورا کی پیشانی پر بوسہ دے کر کہا "بیٹی! اعترافِ گناہ بخشش کے دروازے کھول دیتا ہے۔ اللہ نے توبہ قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے بیٹی!"

اسی عالم میں انھوں نے عائشہ کی آواز سنی ایسی آواز جسے جبرئیل امین کے پروں ہی سے تشبیہہ دی جا سکتی ہے۔ جس میں خوف، محبت سوز، دہشت، اندیشہ اور یقین سب ہی کچھ شامل تھا۔

سب کا رُخ امام صاحب کے گھر کی طرف ہو گیا۔ تمام لوگ اپنی اپنی جگہ خاموش کھڑے ہو گئے۔ چودھری صاحب کو یوں لگا اُن کے آنگن کی طرف عائشہ کی آواز نہیں آ رہی — بلکہ ایک غیر مرئی روشنی کا سیلاب آ رہا ہے۔ اُن کا چہرہ اندرونی جذبات سے دمک اٹھا۔

ناریل اور سپاری کے قطار در قطار پیڑوں سے بچتی بچاتی سراپا نور بن کر عائشہ روتی ہوئی آ رہی تھی۔ اس کی ساڑھی کا پلو کسی مجاہدہ کے پرچم کی طرح دور تک پھیلا ہوا تھا۔ اُسے دیکھ کر سبھوں کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے۔

امام صاحب دونوں ہاتھ پھیلا کر کھڑے تھے۔ اُن کا چہرہ آسمان کی جانب تھا۔ اُن کی بند آنکھوں سے محبت کا رس قطرہ قطرہ بہہ رہا تھا۔ عائشہ پدما کی لہروں کی طرح اپنے باپ سے لپٹ کر مطمئن ہو گئی تھی ●●

مولانا سیّد ابو الاعلےٰ مودودیؒ

شیرِ خدا اور رستمِ دستانم



زندگی کے آخری ایام میں جب کہ ان کی آنکھ میں موتیا اُترنا شروع ہو گیا تھا حضرت علامہ اقبالؒ نے لکھنے پڑھنے کا شغل عملی طور پر ترک کر دیا تھا اگرچہ انھیں افریقہ، ایشیا اور یورپ کے مختلف ممالک سے بے شمار اخبارات اور رسائل باقاعدہ موصول ہوتے تھے لیکن وہ کبھی کبھار ان میں سے بعض کے چیدہ چیدہ پیرے سننے پر ہی اکتفا کیا کرتے تھے البتہ روزانہ خبروں کے لئے روزنامہ "احسان" پر انحصار تھا۔ جو کہ اس دور میں آل انڈیا مسلم لیگ کا ترجمان سمجھا جاتا تھا لیکن ایک رسالہ جسے وہ بالالتزام پڑھوا کر سنا کرتے تھے وہ (حیدر آباد دکن) سے شائع ہونے والا ماہنامہ "ترجمان القرآن" تھا۔ یہ رسالہ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ کی ادارت میں شائع ہوتا تھا۔

یہ وہ دور تھا جب کہ گورنمنٹ انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت برصغیر میں صوبائی خود مختاری کا آغاز ہو چکا تھا۔ مسلم لیگ اور کانگریس میں "سرد جنگ" برپا تھی۔ برصغیر میں جمعیۃ العلماء دیوبند کی مذہبی قیادت بہ حیثیت مجموعی مسلم لیگ کے مقابلے پر کانگریس کی ہم نوا تھی۔ "ترجمان القرآن" نے مذہبی اور دینی امور کے علاوہ برصغیر کی سیاست پر بھی بھرپور تبصرہ کیا تھا۔ مولانا ابو الاعلیٰ مودودیؒ ان نیشنلسٹ مسلمانوں خصوصاً علمائے کرام کا جو ہندوستانی حکومت کے علمبردار تھے اپنے پُرزور قلم اور بے پناہ منطق سے آئے دن محاسبہ کرنے کے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ حضرت علامہ اقبالؒ "ترجمان القرآن" سے

ان کا عمل اور کردار ان کے بلند پایہ افکار کا دل آویز عکس تھا



ایسے مضامین کو بطورِ خاص پڑھا کر سنا کرتے تھے جو اسلام اور وطنیت کے موضوع پر مولانا اپنا زورِ قلم دکھایا کرتے تھے ایک موقع پر جب وہ "ترجمان القرآن" کے کالموں سے مولانا کی تعبیرات سننے کے بعد حقے کی طرف متوجہ ہوئے تو انھوں نے بے ساختہ فرمایا:

"مولانا مودودی ان نیشنلسٹ علمائے کرام کے زہر کا حقیقی تریاق ہیں"

جب سید نذیر نیازی لاہور سے غیر حاضر ہوئے تو علامہ اقبالؒ کی خط و کتابت کی سعادت مجھے نصیب ہوئی تھی چنانچہ ایک دن انھوں نے مجھ سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے نام ایک خط مرقوم کروایا جس کا مفہوم یہ تھا کہ برصغیر کی سیاسیات کے روز افزوں تغیر پذیرعمل کے پیشِ نظر اب وقت آگیا ہے کہ مولانا حیدرآباد (دکن) کو خیرباد کہہ کر پنجاب کو اپنی علمی اور دینی سرگرمیوں کی آماجگاہ بنانے پر غور فرمادیں۔ مولانا نے حضرت علامہ اقبالؒ کے اس خط کا جواب دیا۔ وہ تو میری نظر سے نہیں گزرا۔ لیکن چند ہفتے توقف فرمانے کے بعد حضرت علامہ نے مولانا کو ایک اور خط رقم فرمایا جس میں انھوں نے اپنے ایک دوست (چودھری نیاز علی مرحوم) کی اس پیشکش کا ذکر فرمایا جس کے مطابق وہ پٹھان کوٹ کے قرب وجوار میں اپنی اراضی کا ایک وسیع "قطعہ" دارالسلام کے قیام کے لئے وقف کرنے کے لئے آمادہ تھے۔ حضرت علامہ نے مولانا کو تاکیداً لکھا کہ وہ جس اسلامی مملکت کے خواب دیکھ رہے ہیں اس کی تخم کاری اور آبیاری کے لئے پنجاب اور شمال مغربی ہندوستان کی سرزمین بے حد موزوں ہے۔ حضرت علامہ اقبالؒ نے مولانا کو یقین دلایا کہ اگر وہ دکن سے ہجرت اختیار کرکے پنجاب میں سکونت اختیار فرمائیں تو وہ ان کی دامے درمے قدمے سخنے ہر طرح سے مدد کرنے کے لئے تیار ہوں گے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے مجھ سے ایک موقع پر اپنے اچھرہ کے مکان میں ایک گفتگو کے دوران بتایا کہ انھوں نے حضرت علامہ اقبالؒ کی ان پیہم اپیلوں کے جواب میں دکن سے رختِ سفر باندھ کر پنجاب کا رخ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ لیکن ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اس اثناء میں حضرت علامہ اقبالؒ کا وصال ہو گیا۔ بایں ہمہ حضرت مولانا نے بے سروسامانی کی حالت میں دارالسلام (پٹھانکوٹ) میں ڈیرے ڈال دئیے۔ اور اپنے مشن کا پوری تندہی سے آغاز فرمایا۔ وہ ننھا سا پودا جو حیدرآباد دکن

کی زمین سے اکھاڑ کر پنجاب کے دور افتادہ مقام پر دوبارہ بویا گیا تھا۔ وہ آج ایک سرسبز و شاداب پھل اور پھول دار تناور درخت کی شکل اختیار کر چکا ہے جس کی جڑیں پاتال میں اور شاخیں آسمان تک پھیلتی نظر آ رہی ہیں۔

قیامِ پاکستان کے بعد مولانا پٹھانکوٹ کو جو . . . . بھارت کی اقلیم کا حصہ قرار دیا گیا، خیرباد کہہ کر لاہور تشریف لائے اور اچھرہ میں ایک کرایہ کے مکان میں قیام اختیار فرمایا۔ میں نے ایک دفعہ مولانا سے لطیفے کے طور پر کہا، مولانا میں آپ کی ولایت کا اس لئے قائل ہوں کہ آپ نے کسی متروکہ جائیداد پر تصرف حاصل کرنے کی بجائے ایک مسلمان کا کرایہ دار بننا منظور کیا۔ وگرنہ عین ممکن تھا کہ آپ کی عمر کا ایک بڑا حصہ الاٹمنٹ، ڈی الاٹمنٹ اور ری الاٹمنٹ کے چکروں کی نذر ہو جاتا۔ مولانا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ میں نے دہلی میں چھوڑے ہوئے اپنے مکان کا چالیس ہزار روپے کا کلیم دیا تھا جو منظور تو ہو گیا لیکن میں نے اس کے عوض کسی قسم کی متروکہ جائیداد حاصل کرنے کی کوشش نہ کی۔

مولانا حقیقی معنوں میں ایک سیر چشم انسان تھے۔ ایک عرصہ تک ان کی کتابوں کی رائلٹی جماعت کے لئے وقف رہی۔ انھوں نے جماعت سے عملی طور پر کبھی ایک پھوٹی کوڑی وصول نہ کی۔ جو کچھ کمایا وہ جماعت کی نذر کرتے رہے ایک موقع پر مجھے مولانا نے فرمایا کہ اب میں نے ان بعض تصانیف کی آمدنی اپنے اور اپنے خاندان کے افراد کے لئے مخصوص کی ہے یہ اس لئے کہ پہلے حساب کتاب کے مطابق گھر کے اخراجات پورے نہیں ہوتے تھے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ ایک اعلیٰ پایہ کے مصنف ہونے کے علاوہ ایک نہایت اعلیٰ پایہ کے انسان تھے۔ ان کی بے شمار پریس کانفرنسوں میں ان سے ملاقاتوں کے علاوہ میں نے ان سے ان کے دولت کدے پر ان گنت مرتبہ ملاقات کی۔ وہ ایک بے حد مصروف انسان تھے۔ ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد وہ اپنے کمرے میں ایک کرسی پر آ بیٹھے تھے اور پھر عینک لگا کر یا تو پڑھنے میں مصروف ہو جاتے تھے یا قلم لے کر لکھنے لگتے تھے۔ ان کی یہ روٹین اس وقت ٹوٹتی تھی جب کہ اپنی پان خوری کی ضرورت کا احساس ہوتا تھا لیکن اس مصروفیت کے باوجود ان سے جو بھی ملنے گیا۔ اس نے مولانا کے دروازے کو کھلا پایا۔ مولانا صبر و سکون سے ہر قسم کے لوگوں سے ملتے تھے ●



HYDROPHOBIA

ہائیڈروفوبیا

(ڈاکٹر تنویر بلند شہری)

آج تک جتنی بیماریاں معلوم ہو چکی ہیں۔ ان میں بیماری ہائیڈروفوبیا سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ جس کے ظاہر ہونے پر موت یقینی ہوتی ہے اور آج تک اس کا کوئی معقول علاج نہیں معلوم ہو سکا۔

پاگل بلی، لومڑی، گھوڑے، بیل اور بالخصوص پاگل کتے کے کاٹنے سے انسان کو جو بیماری ہوتی اسی کا نام ہائیڈروفوبیا ہے۔ پاگل جانور کے کاٹنے پر اس کا زہر انسان کے جسم میں داخل ہو جاتا ہے یہ ایک وائرس NEUROTPROPIC کے ذریعہ پھیلتی ہے۔

یہ بیماری کاٹنے سے تین ہفتہ سے لے کر تین سال تک کی مدت میں کسی بھی وقت شروع ہو سکتی ہے۔ مرض کی ابتدا زخم کی نوعیت اور وائرس کی کیفیت پر منحصر ہوتی ہے۔

مریض ابتدا میں سر میں درد محسوس کرتا ہے بھوک کم ہو جاتی ہے۔ مریض اداس رہنے لگتا ہے۔ کچھ کام کرنے کو دل نہیں چاہتا ہے سستی اور تھکان رہنے لگتی ہے۔ زخم کے قریب کھجلی جلد سرخی ہونے لگتی ہے۔ مریض بے قرار رہنے لگتا ہے۔ بدمزاج ہو جاتا ہے۔ اس حالت کی مدت تین یوم سے سات یوم تک ہے۔ یہ مرض کی ابتدائی کیفیت (FIRST STAGE) کہلاتی

مریض کی تشویشناک حالت اس وقت ہونے لگتی ہے جب اس کے گلے میں اینٹھن، کھچ اور درد ہونے لگتا ہے۔ ایسی حالت میں مریض حلق سے کوئی بھی چیز نگل نہیں پاتا پھر اسے ایک خاص طرح کے دورے بار بار پڑنے لگتے ہیں۔ اس سے مریض کی حالت بہت غیر موہ ہے۔ یہ مرض کی دوسری کیفیت ہے ....

جیسے ہی مریض چمک دار چیز جیسے آئینہ پانی، دھوپ، دیکھتا ہے۔ ڈر جاتا ہے اور دورہ پڑ جاتا ہے اسی کیفیت کو دیکھ کر اس کا نام ہائیڈرو فوبیا رکھا گیا ہے۔ یونانی زبان میں Hydro کے معنی پانی اور Phobia کے معنی ڈر جانے کے ہیں۔ یعنی وہ بیماری جس میں مریض پانی دیکھنے سے ڈر جاتا ہو۔

یہ دورے بہت تکلیف دہ ہوتے ہیں۔ حلق اور گلے کے عضلات (Muscles) کے حرکت کرنے سے ایک خاص قسم کی آواز پیدا ہونے لگتی ہے جو بالکل کتے کے بھونکنے کے مشابہ ہوتی ہے۔ منہ میں بار بار جھاگ آتے رہتے ہیں دورے کے وقت مریض بالکل پاگل ہو جاتا ہے اگر اس کا بس چلے تو وہ تیماردار کو زخمی کر دے، جانوروں کی طرح کاٹنے کو دوڑتا ہے۔ ایسی حالت میں بخار 99.5 F سے 102.5 F تک ہو سکتا ہے۔

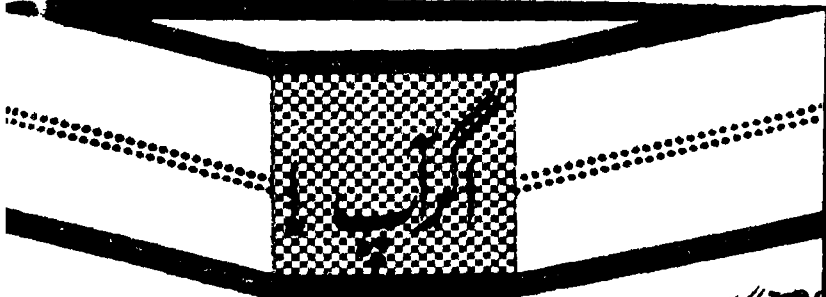
اس کے بعد مریض ایک دم ناتواں اور زرد نظر آنے لگتا ہے۔ تمام جسم پر ٹھنڈا پسینہ آنے لگتا ہے کبھی کبھی تو مریض اتنا لاغر ہو جاتا ہے کہ اپنے مقام سے حرکت بھی نہیں کر سکتا۔ یہ حالت دو تین یوم رہتی ہے۔

تیسری کیفیت فالج (Paralysis) کی ہوتی ہے اس حالت میں دورہ کی تعداد مختصر ہو جاتی ہے۔ ناتوانی میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ دل کی دھڑکن بہت ہلکی ہو جاتی ہے۔ دورہ کے وقفہ میں کمی واقع ہونے کے ساتھ ساتھ وہ پہلی سی شدت بھی نہیں رہتی۔ پھر مریض آہستہ آہستہ بے ہوشی کی حالت میں چلا جاتا ہے اور جب تک موت واقع نہ ہو جائے مریض آخری سانس تک اسی دردناک حالت میں رہتا ہے۔

تبدیلی پریس

ہم جس پریس میں "حجاب" چھپواتے تھے اسکی غیر ذمہ دارانہ حرکتوں سے پریشان ہو کر پریس تبدیل کر دیا گیا ہے۔ پریس کی تبدیلی کا ڈکلریشن داخل کر دیا گیا ہے۔ امید ہے کہ اس پر سلد عمل درآمد شروع ہوگا کسی شمارے کی اشاعت پر اس کی تاخیر کا اثر نہ پڑے گا (مینجر حجاب)

Monthly HIJAB Rampur
Regd No R N 20384/70 Regd. No. MRD 34



اگر آپ حجاب کا ایک سال کا چندہ عنایت فرمائیں تو ــ ــ ــ ــ

ــ ــ ہم آپ کو مندرجہ ذیل کتابوں میں سے آپ کی پسند کی پندرہ روپیہ کی کتابیں بطور تحفہ پیش کریں گے۔

اگر آپ حجاب کا چار سال کا چندہ عنایت فرمائیں تو ــ ــ ــ ــ

ــ ــ ہم آپ کو پانچ سال کے لئے حجاب کا خریدار بنا لیں گے اور مندرجہ ذیل کتابوں میں سے آپ کی پسند کی پندرہ روپیہ کی کتابیں بطور تحفہ پیش کریں گے۔

اگر آپ حجاب کے تین خریداروں کا چندہ مرحمت فرمائیں تو ــ ــ ــ ــ

ــ ــ ہم آپ کو بھی مندرجہ ذیل کتابوں میں سے آپ کی پسند کی پندرہ روپیہ کی کتابیں بطور تحفہ پیش کریں گے

تحفے کی کتابیں یہ ہیں ❁ اسلامی نظام میں عورت کا مقام اردو ۵/۰ ہندی ۹/۰ انگریزی ۷/۰
❁ قرآن میں عورت کی حیثیت ۵/۰ ❁ خاتون جنت ۳/۰ ❁ نماز کیسے پڑھیں (ہندی) ۲/۵۰
❁ شہزادہ توحید ۱/۵۰ ❁ قتل شہزادہ ۳/۵۰ ❁ مرد ناداں ۳/۰ ❁ آج کے کوکس ایک روپیہ
❁ تفہیم القرآن جلد ششم سورہ حدید تا طلاق ۵/۰ ❁ تربیت نمبر ۱۰/۰

نوٹ: حجاب کا سالانہ چندہ ۳۰ روپیہ اور تحفے کی کتابوں کے لئے پوسٹیج ۳ روپیہ کل ۳۳ روپیہ ارسال فرما کر ممنون فرمائیں۔ وی پی سے منگانے میں وی پی میں آپ کو ۵ روپیہ خواہ مخواہ زائد دینا ہوں گے۔





خواتین اور طالبات کا پاکیزہ ڈائجسٹ



قیمت عام شمارہ 3/50، اس شمارے کی قیمت 5/-، سالانہ چندہ 40/-

سالانہ خریداروں کو جو کتابیں بطور تحفہ دی جاتی ہیں اُن کے لئے پوسٹیج 5/-

نوٹ:۔ براہ کرم وی پی سے ہرگز نہ منگائیں۔ وی پی میں آپ کے 5/- زائد جائیں گے۔

اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ ساتھ آپکے زرتعاون کی مدت ختم ہوجانے کی علامت ہے۔ آئندہ کیلیے زرتعاون ارسال فرمائیں

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر و پروپرائٹر محمد اسحاق نائل خیرآبادی، مطبوعہ ایم آر پریس دہلی، مقام اشاعت محلہ بارہ دری محمود خاں رام پور، یوپی

دریچۂ حجاب



افسانے اور کہانیاں

اعلان عام

خواتین اور طالبات کا پاکیزہ ڈائجسٹ حجاب رام پور جولائی ۱۹۷۰ء میں جاری کیا گیا تھا۔ اُس وقت سے اب تک۔۔۔ نہایت کامیابی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ الحمدللہ بہت ہی مقبول ہے۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ میں اسے مرتب تو کر لیتا ہوں لیکن اس سے متعلق دوسری ضرورتوں کے لئے دوڑ دھوپ میرے بس کی بات نہیں رہی۔ میری عمر ۷۰ سال سے زیادہ ہو گئی۔ بینائی کمزور ہو گئی۔ جسمانی کمزوری بڑھتی جا رہی ہے۔ میرے گھر کے افراد میں کوئی ایسا نہیں جو اِسے سنبھال سکے۔ لیکن میری خواہش ہے کہ حجاب میرے بعد بھی زندہ رہے۔ اس لئے اعلان کرتا ہوں کہ جو صاحب اسے سنبھال سکیں وہ مجھ سے ربط پیدا کریں۔

مائل خیرآبادی۔ "حجاب" رامپور۔ یوپی۔ ۲۴۴۹۰۱

بگاڑ کی اِبتدا اور انتہا

• ایک صحیح حدیث میں صادق القول رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمہاری حالت اس وقت کتنی بری ہوگی جب تمہاری عورتیں سرکش اور نوجوان پاپی بن جائیں گے اور تم جہاد چھوڑ دوگے"۔ صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! کیا ایسا ہو جائیگا؟ فرمایا ہاں، اور اُس کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اِس سے بھی بڑھ کر ہوگا۔ تمہاری حالت اس وقت اِس سے بھی زیادہ بری ہوگی جب تم امر بالمعروف و نہی عن المنکر چھوڑ دوگے۔ عرض کیا یا رسول اللہؐ کیا یہ بھی ممکن ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں اُس ہستی کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے صرف یہی نہیں، اس سے بھی زیادہ سخت حالات ہونگے۔ اس وقت تم کتنی بری حالت میں ہوگے جب نیکی کو برائی اور برائی کو نیکی سمجھنے لگو گے۔ صحابہؓ نے پھر کہا، یا رسول اللہؐ، کیا یہ بھی ہو سکتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے معاملہ اس سے بھی زیادہ مشکل ہوگا۔ اس وقت کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جب تم برائی کا حکم دوگے اور نیکی سے روکو گے۔ صحابہؓ کہنے لگے یا رسول اللہؐ کیا صورت حال ایسی نازک بھی ہوگی۔ آپؐ نے فرمایا ہاں اس کی قسم جو میری جان کا مالک ہے، بات اس سے بھی آگے بڑھے گی۔ اللہ عز و جل فرماتا ہے کہ مجھے اپنی قسم میں انھیں ایسی آزمائش میں ڈالوں گا کہ بڑے بڑے دانشور بغلیں جھانکتے رہ جائیں گے۔

گویا فساد کی ابتداء عورت کے بگاڑ سے ہوگی۔ پھر نوجوان اس کے پیچھے چلے گا۔ اس طرح اپنے فرائض لوگوں کو بھول جائیں گے۔ امر اور نہی کے سلسلہ میں لوگ خاموشی اختیار کرلیں گے بلکہ برائی کو نیکی اور نیکی کو برائی قرار دے کر برائی کا حکم دیں گے اور نیکی سے روکیں گے۔ اور پھر اللہ غضبناک ہوکر ایسی مصیبت نازل کرے گا کہ اس کا حل کسی کو نہ سوجھ سکے گا۔

(یوسف العصر)

اس شمارے میں

حجاب کا یہ شمارہ جولائی اور اگست (دو مہینوں) کا ہے۔ اس میں ایک ایک صفحہ کے بہت سے اقتباسات آپ کی نظر سے گذریں گے۔ دراصل یہ صفحات ایک نہایت مفید اور اہم کتاب کے چنے ہوئے حصے ہیں۔ وہ کتاب ہے مولانا مودودیؒ کی مشہور و معروف تصنیف "خطبات"۔ اِن اقتباسات کی ترتیب اور ترکیب میں یہ فکر شامل ہے کہ جو بہنیں اور بھائی خطبات کے کُل حصے پڑھ چکے ہوں، جب اس خلاصے کے ایک ایک صفحہ کے یہ اقتباسات پڑھیں گے یا سُنیں گے تو پورے مضمون کا مفہوم اُن کی سمجھ میں آجائے گا۔ یہ بات ہمارے عمل میں آچکی ہے اور بہت مفید ثابت ہوئی ہے۔

اِس شمارے میں ہم مکمل خطبات کا خلاصہ تو شائع نہ کرسکے، صرف ایمان، اسلام اور صوم و صلوٰۃ تک کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں۔ اُمید ہے کہ حلقۂ حجاب اس سے استفادہ کرے گا۔ خاص کر رمضان کے مبارک مہینے میں کسی نماز کے بعد دُو تینؒ منٹ بیٹھ کر ایک ایک یا دو دو صفحہ پڑھ اور سُن لیا جائے۔

اس خلاصے کے سلسلے میں محترم افضل حسین صاحب ایم۔ اے۔ قیم جماعت اسلامی ہند کا مشورہ بھی شامل ہے۔ موصوف نے اس کی تائید کرتے ہوئے کچھ دوسری کتابوں کی طرف بھی نشاندہی فرمائی ہے۔ انشاء اللہ یہ کوشش جاری رہے گی۔

پچھلے دو تین شماروں میں آپ نے اِس طرح کے کچھ نمونے ملاحظہ فرمائے ہیں۔ انشاء اللہ آئندہ بھی یہ نمونے حلقۂ حجاب کے مطالعہ کے لئے پیش کئے جاتے رہیں گے۔

آپ بھی خلاصۂ خطبات کے بارے میں اپنے مشوروں سے سرفراز فرمائیے۔

بنتِ سُراقہ

اب تک کہانی کا خلاصہ

حضرت عمر فاروقؓ نے عراق عجم کی پیش قدمی روکنے کے لئے اسلامی فوج بھیجی۔ اس فوج کے سپہ سالار حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص تھے۔ اس فوج میں صحابہ زادوں کا افسر ہاشم سُراقہ کو بنایا گیا تھا۔ اُس کے ساتھ اُس کی بہن عاصمہ، عاصم نوجوان کے نام سے شامل ہوئی تھی۔

حضرت سعدؓ نے جو وفد ایران کے بادشاہ کے پاس بھیجا اُس کے ساتھ ہاشم اور عاصم نوجوان اپنے افسر رسالہ حسن مثنیٰ کے ساتھ گئے تھے۔ دربار میں ایران کے بادشاہ کی لڑکی تہمینہ اور عاصم نوجوان کے درمیان کچھ حربی نوک جھوک ہوگئی۔ پھر جب میدان جنگ میں دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو تہمینہ نے عاصم کو مقابلے کیلئے پکارا۔ عاصم مقابلہ پر گیا لیکن تہمینہ اُسے گرفتار کرکے لے بھاگی حسن مثنیٰؓ اور ہاشم اُس کے پیچھے دوڑے۔ حضرت سعدؓ نے انس، مسلم، حسن مثنیٰؓ اور ہاشم کو عاصم کے چھڑانے کے لئے بھیجا۔ تہمینہ عاصم کو لے کر اپنے باغِ ارم میں گئی تھی۔ وہاں وہ مسلمان ہوگئی۔ پھر جب وہ سب کو لیکر واپس ہوئے اور جیسے ہی یہ خبر لشکرِ ایران میں ہوئی تو سپہ سالار رستم نے طبل جنگ بجوادیا۔ رستم بڑی بہادری سے اپنی فوج کو لڑا رہا تھا۔ آج اُس کا سب سے زیادہ دباؤ حضرت سعدؓ پر تھا جو لشکرِ اسلام کے سپہ سالار تھے۔ (اس کے بعد اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)۔

اس جگہ وہ گھمسان کا رن پڑا کہ ابھی تک ایسی جنگ نہیں ہوئی تھی۔ اچانک ایک طرف سے تیر چلا۔ تیر رستم کی آنکھ میں لگا۔ سعدؓ نے مڑ کر دیکھا۔ تینوں نقاب دار ایک جگہ کھڑے تیر برسا رہے تھے۔ ادھیڑ عمر کا نقاب دار اور دوسرا جوان تیسرے کمسن نقاب دار کو شاباشی دے رہے تھے۔

سعدؓ نے ہاشم سراقہ کو حکم دیا کہ اس کمسن نوجوان کو پکڑ کر لائے۔ وہ اس طرف چلا۔ آگے بڑھ کر دیکھا تو رستم گھوڑے پر سوار ایک طرف بھاگا جا رہا تھا۔ اس نے اس کا تعاقب کیا۔ راستے میں نہر پڑی۔ رستم نہر میں کود پڑا کہ تیر کر نکل جائے۔ اس کے ساتھ ہاشم سراقہ بھی کودا۔ اس کی ٹانگیں پکڑیں اور باہر کھینچ لیا۔ پھر تلوار سے کام تمام کر کے سر کاٹا۔ سر لے کر واپس آ رہا تھا کہ کمسن نقاب دار لڑتا بھڑتا اس طرف آ گیا۔ ہاشم نے جھپٹ کر اسے گرفتار کر لیا۔ نقاب دار پکارا "انت اخی! انا عاصمہؓ" ہاشم ہنسا اور بولا "مجھے سعد نے حکم دیا ہے کہ اس کمسن نقاب دار کو پکڑ لا۔ میں تجھے گھسیٹتا لے چلوں گا۔" اور واقعی وہ گھسیٹتا لے چلا۔ اتنے میں دوسرا جوان نقاب دار پیچھے سے آیا۔ اس نے جھپٹ کر اپنے ساتھی کو چھڑایا اور اپنے گھوڑے پر بٹھایہ جا وہ جا نظر سے غائب ہو گیا۔ ہاشم دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔ حضرت سعدؓ کی خدمت میں گیا، سارا حال کہا اور رستم کا سر پیش کیا۔

حضرت سعدؓ نے رستم کا سر نیزے پر اٹھوایا اور اعلان کرا دیا کہ وہ مارا گیا۔ اب جو ہتھیار ڈال دے گا اسے اماں ہے۔ اس اعلان کو سن کر اور رستم کا سر دیکھ کر ایرانیوں کے دل کے دل بیکسٹ گئے۔ دیکھتے دیکھتے میدان صاف ہو گیا۔ ایرانیوں کے کشتوں کے پشتے لگے ہوئے تھے۔ حضرت سعدؓ نے اپنے شہیدوں کو اٹھوایا۔ شمار کیا گیا تو شہیدوں کی تعداد چھ ہزار تھی۔

حضرت سعدؓ نے فرصت پا کر صحابہؓ کے مجمع میں عاصم کو طلب کیا۔ عاصم ڈرا۔ دل میں کہا "بار الہٰا! عزت تیرے ہاتھ ہے۔" حسن مثنیٰؓ اور ہاشم سراقہ سے اپنی تشویش ظاہر کی تو دونوں نے کانوں پر ہاتھ رکھے "ہم کیا جانیں کیا ہم سے مشورہ کر کے یہ اقدام کیا تھا؟"

عاصم گھبرایا ہوا مجرم بنا سعدؓ کے سامنے پہنچا۔ سلام کیا اور سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ سعدؓ نے اس سے کہا: "میں جانتا ہوں کہ تم جانتے ہو۔ وہ تین نقاب دار کون تھے؟"

"جی ہاں، میں جانتا ہوں۔ لیکن صرف بڑے نقابدار کا نام بتا سکتا ہوں۔ وہ ابو محجن تھے جو دن میں نقاب پوش بن کر لڑنے آتے اور رات میں جا کر زنجیریں پہن لیتے تھے۔" پھر اس نے وہ ساری روداد سُنائی جو تہمینہ نے اس سے کہی۔

"رہے دو نقابدار، تو اے ہمارے محترم امیر! وہ ایک راز ہے اور راز کو چھپانے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔"

"اچھا جاؤ۔ میں سمجھ گیا وہ کون تھے۔"

عاصم چلا گیا تو ابو محجن کو طلب کیا گیا۔ حضرت سعدؓ نے خود بڑھ کر ابو محجن کو آزاد کیا اور فرمایا کہ مسلمانوں پر جو شخص اس طرح نثار ہو میں اسے سزا نہیں دے سکتا۔ ابو محجن! جاؤ، تم آزاد ہو۔

ابو محجن اُٹھے۔ سعد سے گلے ملے اور کہا "میں نے عہد کر لیا تھا کہ سعد کے ڈر سے شراب نہیں چھوڑوں گا۔ اب مجھے سعد کا ڈر نہیں، صرف اللہ کا ڈر ہے تو میں شراب سے توبہ کرتا ہوں۔ بخدا میں آج سے شراب کو منہ نہ لگاؤں گا۔"

سعدؓ نے امیر المومنین کے نام فتحیابی کا خط لکھا۔ مدینے روانہ کیا۔ حضرت عمر کا یہ حال کہ وہ روزانہ مدینے سے قادسیہ کی راہ پر دور تک نکل جاتے تھے۔ ایک دن وہ جا رہے تھے کہ ایک ناقہ سوار آتا دکھائی دیا۔ بڑھ کر اسے سلام کیا اور کہا "واللہ! تو قادسیہ سے آیا ہے اور سعد نے تجھے بھیجا ہے۔"

شتر سوار نے کہا "ہاں! تو نے ٹھیک سمجھا۔ تجھے اپنی فراست پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔"

"تو وہاں کا حال بتا۔ اللہ تجھ کو اپنے فضل سے نوازے۔"

"اے شخص! تو اس قدر بے چین کیوں ہے۔ سُن! اللہ کے فضل سے مسلمانوں نے قادسیہ کی لڑائی جیت لی۔"

حضرت عمر فاروقؓ نے اس کی اونٹنی کی نکیل تھام لی۔ اس سے قادسیہ کی جنگ کا حال پوچھنے لگے۔ وہ بتا تھا۔ شتر سوار مدینے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ جو شخص سامنے آتا ہے وہ اس شخص کو امیر المومنین کہہ کر سلام کرتا ہے۔ شتر سوار گھبرا گیا۔ اس نے کہا کہ آپ نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا۔ فاروق اعظم نے اسے تسلی دیکر کہا اسی طرح حال بتائے۔ مسجد نبوی پہنچ کر فتح کا اعلان کرا دیا۔ لوگ مبارک باد دینے آئے تو امیر المومنین نے ایک زبردست تقریر کی جس میں اللہ کا شکر ادا کرنے اور صبر کرنے کی تلقین تھی۔ اور آخر میں کہا کہ جب تک تم شکر اور صبر سے کام لیتے رہو گے کامیاب رہو گے۔ اس کے بعد سیدھے جشم بن سراقہ کے گھر گئے۔ ان کو مژدۂ فتح سنایا۔ امیر المومنین نے بتایا کہ ہا

اور عاصم دونوں خوب جم کر لڑے۔ سعدؓ نے ان کی بڑی تعریف لکھی ہے۔ ابن سراقہؓ کچھ نہ بولے۔ زیرلب کچھ دعا پڑھتے رہے جسے عمر بن خطابؓ نہ سن سکے۔



مدائن قادسیہ سے دور ہی کتنا تھا۔ یزدگرد کو پل پل کی خبر پہنچ رہی تھی۔ شکست کا حال سن کر وہ بہت دل شکستہ ہوا۔ اس نے ساری طاقت جنگ قادسیہ میں جھونک دی تھی۔ اب اس میں ہمت نہ تھی کہ سعد کو روک سکتا۔ یزدگرد نے سب سے پہلے بیگمات اور شاہی خاندان کو ایک محفوظ جگہ "حلوان" روانہ کردیا۔ پھر خود شہر چھوڑ کر نکل گیا۔ سعدؓ قادسیہ سے چلے تو سیدھے مدائن میں داخل ہوگئے۔ مدائن میں ہر طرف سناٹا تھا۔ نہایت عبرت ہوئی آیت تلك الایام نداولها بین الناس زبان پر جاری ہوگئی۔ وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدك الخیر پڑھتے ہوئے ایوان شاہی کی طرف بڑھے۔ وہ دن جمعہ کا تھا۔ ایوان کسریٰ میں تخت شاہی کے بجائے منبر نصب ہوا۔ حضرت سعدؓ نے وہیں جمعہ کی نماز پڑھائی، خطبہ دیا۔ شہریوں کے امن کا اعلان کیا۔ پھر حکم دیا کہ شاہی خزانہ اور ایرانی نوادرات اکٹھا کئے جائیں۔ خزانے میں ایرانی شہنشاہیت کی ابتدا سے اب تک کی ہزاروں یادگاریں اور بیش بہا چیزیں تھیں۔ سندھ کے راجہ داہر، روم کے قیصر کی زرہیں، رستم و اسفندیار کے گرز، سیاوش اور بہرام کی تلواریں، کسریٰ، کیقباد اور ہرمز کے خنجر، نوشیرواں کا تخت زرنگار، مرصع تاج، سونے کا ایک گھوڑا جس کے سینے پر یاقوت اور زمرد جڑے ہوئے تھے اور پیشانی پر لعل بدخشاں چمک رہا تھا، چاندی کی ایک اونٹنی تھی جس پر سونے کی جھول تھی اور مہار میں موتی اور الماس پروئے تھے، ناقہ سوار سر سے پاؤں تک جواہرات سے مزین تھا۔ سب سے عجیب و غریب ایک فرش تھا۔ اس کا نام بہار تھا۔ اس پر بیٹھ کر ایرانی بادشاہ نوروز کے تہوار میں شراب پیتے تھے۔ فرش بہاریں کے بیچ میں سبزے کا چمن تھا۔ چاروں طرف روشیں تھیں۔ ان میں ہر قسم کے درخت، درختوں میں شگوفے، پھول، پھل تھے اور یہ سب زر و جواہر کا تھا یعنی سونے کی زمین، زمرد کا سبزہ، پکھراج کی روشیں، سونے چاندی کے درخت، جواہرات کے خوشے اور پھل، حریر کے پتے۔

یہ اور اس طرح کا بہت سا سامان، اشرفیوں سے بھرے تالاب مسلمان سپاہیوں نے اکٹھا کیا لیکن اللہ کے

یہ سپاہی ایسے دیانت دار تھے کہ جس نے جو چیز پائی اپنے افسر کے پاس لاکر جمع کر دی۔ حیرت انگیز دیانت یہ دیکھی گئی کہ ایک سپاہی نے ایک جگہ شطرنج کی بساط اور گوٹیں پائیں۔ بساط کے خانے نقرئی اور طلائی تھے اور گوٹیں یعنی شاہ، وزیر، شتر، فیل، پیادہ وغیرہ طرح طرح کے نایاب اور قیمتی پتھروں کے تھے۔ یہ چیز آسانی سے چھپائی جا سکتی تھی۔ یہ شئے نایاب جس سپاہی کے ہاتھ لگی اس نے اسے کپڑے میں لپیٹا اور رات کی تاریکی میں مال غنیمت کے اندر جا پھینکا اور تاریخ آج تک اس کے نام سے ناواقف ہے۔ یہ نام و نمود سے بچنے کا عظیم نمونہ تھا۔ اس مال غنیمت کا پانچواں حصہ معہ نوادرات حسن مثنیٰؓ، ہاشم سراقہ اور عاصم سراقہ کی نگرانی میں مدینے روانہ کر دیا گیا۔ تہمینہ بھی ان کے ساتھ تھی۔ قافلے میں دو سو ہاشم کے نوجوان تھے اور کچھ صحابہؓ۔ حضرت حارث بن حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ مشہور صحابی اس قافلے اور سامان کے امین بنائے گئے۔ سامان اونٹوں پر لادا گیا۔ پھر جب مدینے پہنچا اور مسجد نبوی میں ڈھیر کیا گیا تو حضرت عمر فاروقؓ نے اعلان کرا دیا کہ لوگ آکر ایرانیوں کے جاہ و جلال اور تلک الایام نداولھا بین الناس کی تصویر دیکھیں۔

جب لوگ آئے تو حضرت عمر فاروقؓ کو روتے پایا۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے عرض کیا "امیرالمومنین! آج خوشی کا دن ہے۔ آپ رو رہے ہیں؟" فرمایا "میں اس پر رو رہا ہوں کہ آج کے بعد تم میں دولت کی حرص پیدا ہو جائے گی اور تم حسد میں مبتلا ہو جاؤ گے"۔ اس کے بعد حکم دیا کہ حضرت ابن سراقہ اور اُن کی لڑکی عاصمہ اور ہاشم سراقہ کو عزت کے ساتھ لایا جائے۔ حسن مثنیٰ کو بھی بلایا۔ تہمینہ کو اپنے گھر بھجوا دیا۔ سراقہ اور آلِ سراقہ آئے تو امیرالمومنین نے عاصمہ سے کہا۔

"عاصم کہاں ہے؟"

عاصمہ نے سر نیچا کر کے عرض کیا کہ اللہ عالم الغیب و ستّار ہے۔ وہ پردہ پوش ہے اور پردہ پوشی کو پسند فرماتا ہے۔

امیرالمومنین اس کے جواب سے بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد عاصمہ کو بھی اپنے گھر بھیج دیا اور کہلا بھیجا کہ ان دونوں (تہمینہ اور عاصمہ) کو دلہن بنایا جائے۔ امیرالمومنین نے حسن مثنیٰؓ کا نکاح عاصمہ کے ساتھ اور ہاشم سراقہ کا تہمینہ کے ساتھ کر دیا۔ تہمینہ اور عاصمہ سے کہلا بھیجا کہ وہ آکر مال غنیمت میں سے جو چاہیں لے سکتی ہیں۔ دونوں نے کہلا بھیجا کہ ہمیں معلوم ہے، مال غنیمت میں عورتوں کا حصہ نہیں ہوتا اور ہم اس پر راضی ہیں۔

اب امیر المومنین نے حکم دیا کہ ابن سراقہ کو کسریٰ کا لباس پہنایا جائے۔ ان کے ہاتھوں میں کنگن پہنائے جائیں اور نوشیرواں کا تاج سر پر رکھا جائے اور گھوڑے پر بٹھا کر جلوس نکالا جائے۔ چنانچہ یہ بھی ہوا۔ جن لوگوں کو شک تھا انھوں نے توبہ کی اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پوری ہوتے آنکھوں سے دیکھ کر اپنے ایمان کو تازہ کیا۔ قرب وجوار کے بہت سے یہودی اور عیسائی اس منظر کو دیکھنے آئے۔ انھوں نے سراقہ کو اس سج دھج کے ساتھ دیکھا تو بے ساختہ بول اٹھے "ابن سراقہ! وہ بھی خوب ہی دن ہوگا جب تمہارے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن ہوں گے اور سر پر نوشیرواں کا تاج۔ ہم نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی ایسی زندہ پیشین گوئی نہیں دیکھی۔"

یہودیوں اور عیسائیوں میں سے سیکڑوں مسلمان ہوگئے۔ سدا رہے نام اللہ کا۔ ❁

وسیمہ تنویر۔ بلند شہر

دولت کیسے خرچ کریں؟

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے وقت دنیا میں سرمایہ دار اور غریب کے د
زبردست کشمکش تھی۔ ایک طبقہ دادِ عیش دے رہا تھا۔ ایک طبقہ دانے دانے کو محتاج تھا۔ رسول پاک
صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ظلم کو ختم کرنے کے لیے معاشی ناانصافی اور اقتصادی بحران کا اسلامی حل
کیا اور قیامت تک کے لیے انسانیت کو معاشی انصاف اور برابری کے متوازن قانون سے روشن
کرادیا۔ آپ نے ناقابل برداشت اونچ نیچ کو ختم کیا۔ سرمایہ دار کو حکم دیا کہ ہر سال اپنے سرمایہ کا چال
حصہ اور کاشت کا دسواں حصہ غریبوں پر تقسیم کرے۔ اور اگر کوئی غریب نہ ملے تو بیت المال میں
کے پاس جمع کرے۔ وراثت کی تقسیم کا قانون بھی سرمایہ کو پھیلانے اور تقسیم کرنے کے لیے بنایا
دولت چند ہاتھوں میں جمع نہ رہے۔ سرمایہ دار کے دولت صرف کرنے پر بھی چند پابندیاں لگادیں۔ شراب
ناچ رنگ کی محفلوں میں شریک ہونے، سونے چاندی کا استعمال مردوں کو ریشمی کپڑا پہننے اور اس قسم کی
کو قانوناً ممنوع قرار دے دیا تاکہ دولت ان راستوں سے برباد نہ ہو۔ جوئے اور قمار کے راستے سے
دولت بہت تباہ ہوتی ہے۔ آپ نے جوئے کی تمام قسموں کو ممنوع فرمایا۔ نشہ ہر قسم کا حرام کیا۔
جائز طریقے پر کھانے پینے اور پہننے میں بھی اعتدال کو ملحوظ رکھنے کا حکم دیا۔ فضول خرچی سے
غریب کی غربت اور ضرورت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے لیے سرمایہ دار سود کھایا کرتا تھا۔ آپ نے
دیا کہ غریب کو قرض دو تو اس پر احسان رکھ کر مت دو، نہ اس کی بے کسی سے فائدہ اٹھاؤ۔ بلکہ
کی مدد کرنے کی نیت سے اس کی ضرورت کو پورا کرو۔ سود کو حرام قرار دیا۔ اس توازن کے ساتھ

نے سرمایہ داروں کے نقصانات کا سدِ باب کیا اور دنیا نے دیکھا کہ چند روز کے اندر ہی اندر سرمایہ دار اور غریب کی جنگ ختم ہو چکی تھی۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے محنت کی فضیلت قائم کر کے مزدور کی حوصلہ افزائی کرنے میں بھی بڑے تدبر سے کام لیا۔ دنیا جب سرمایہ کے مقابلہ میں محنت کی بے قدری کرتی ہے تو دنیا کا معاشی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ قانون قدرت یہ ہے کہ سرمایہ کی بھی قدر کی جائے اور محنت کو بھی عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے سرمایہ اور محنت دونوں چیزیں مساوی طور پر نظام معیشت کی مددگار ہیں۔ اسی طرح معیشت میں توازن قائم ہو گا۔ مزدور سرمایہ دار کا غلام نہیں ہے بلکہ اپنی محنت سے سرمایہ کو کار آمد بنانے والی طاقت ہے۔ اس طاقت کی حفاظت کرنا سرمایہ دار اور کارخانہ دار کا فرض ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار اپنے ایک ساتھی سے ہاتھ ملایا جن کا نام سعدؓ تھا۔ ہاتھ ملا کر آپ نے دیکھا کہ اُن کے ہاتھوں میں گٹے پڑے ہوئے ہیں۔ پوچھا سعدؓ کہاں تھے؟ یہ گٹے کیوں پڑے ہیں؟ بولے حضور اکرمؐ کام میں مصروف تھا۔

حضور اکرمؐ نے ہاتھوں کو چوم لیا اور فرمایا۔ خدا تعالیٰ ان ہاتھوں کو پسند فرماتا ہے جو اپنا فرض محنت سے ادا کرتے ہیں۔ اور روزی کماتے ہیں۔

عوام سے غربت و افلاس دور کرنے کے لیے حضور اکرمؐ نے اخلاقی نصیحت اور خوف آخرت کے محرکات سے کام لینے کے ساتھ ساتھ قانون کی سختیوں سے بھی کام لیا اور جو احکام نافذ کیے۔ ان میں کسی قسم کی رعایت روا نہیں رکھی۔ اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ چند سال کے اندر جب اسلام کے تیسرے خلیفہ حضرت عثمان رضہ کا دور آیا تو مدینہ دارالسلطنت میں کوئی زکوٰۃ لینے والا نہ تھا۔ سب زکوٰۃ دینے والے تھے۔

خط و کتابت کرتے وقت نمبر ایجنسی یا نمبر خریداری لکھنا نہ بھولیے گا۔ (مینجر)

اسلام میں حسنِ اخلاق کی اہمیت

اچھے اخلاق و اوصاف کی تعلیم بھی اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے اور لوگوں کی اخلاقی اور روحانی اصلاح و درستی اُن خاص مقاصد میں سے ہے جن کو پورا کرنے کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "میں اللہ کی طرف سے اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ عمدہ اخلاق کی تعلیم دوں اور انھیں مرتبہ کمال تک پہنچاؤں" (مشکوٰۃ) یعنی آپ اپنی نبوت کا مقصد یہ بتاتے ہیں کہ لوگوں کے اخلاق اور معاملات کو درست کر کے اُن کے بُرے اخلاق کی جگہ اُن میں بہتر اخلاق پیدا کریں۔

اسلام میں اچھے اور بلند اخلاق کی بڑی اہمیت ہے۔ رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "عمل کی ترازو میں سب سے زیادہ وزنی چیز انسان کے اخلاق ہوں گے۔" اور فرمایا "تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جن کے اخلاق بہت اچھے ہیں۔" اور آپ نے فرمایا وہ شخص جنت میں ہرگز داخل نہ ہوگا جس کی بداخلاقی کی وجہ سے اس کا پڑوسی عاجز ہو۔"

ایک اور واقعہ سُنئے۔ ایک مرتبہ ایک صحابیؓ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: "یا رسول اللہ! فلاں عورت بہت زیادہ عبادت گذار ہے۔ فرائض کے علاوہ تمام نفلی نمازیں اور نفلی روزے ادا کرتی ہے، ہر سال حج ادا کرتی ہے، زکوٰۃ ادا کرتی ہے، خیرات دیتی رہتی ہے مگر زبان دراز اور سخت گفتار ہے۔ محلے والے اور تمام لوگ اُس سے پناہ مانگتے ہیں۔" آپ نے فرمایا "وہ دوزخ میں جانے والی ہے۔" صحابیؓ نے پھر عرض کیا "یا رسول اللہ! فلاں عورت نفلی عبادت ادا نہیں کرتی صرف فرض عبادت ادا کرتی ہے مگر اسی شیریں زبان اور خوش اخلاق ہے کہ لوگ اُس کی طرف جھکے پڑتے ہیں۔" آپ نے فرمایا: "وہ جنت میں جائے گی۔"

جس طرح پیارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اچھے اخلاق کی یہ فضیلتیں بتائی ہیں اسی طرح بُرے اخلاق کی نحوست سے بھی آپ نے ہم کو خبردار کیا ہے۔ حضور سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بُرے اخلاق والا آدمی جنت میں نہ جائے گا" اور ایک روایت میں ہے کہ پیارے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کوئی گناہ اللہ کے نزدیک بُرے اخلاق سے بدتر نہیں۔"

ساجدہ فرزانہ

ع۔ باسط
اورنگ آباد دکن

ایسا کیوں؟

۱۔ زہر کھا لینے سے انسان کی موت کیوں واقع ہو جاتی ہے؟

زہر انسان کے خون میں موجود ہو تو گلوبین کے ساتھ مل جاتا ہے چنانچہ خون آکسیجن کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک نہیں پہنچا پاتا ہے۔ لہٰذا زہر کھانے والے انسان کی دم گھٹنے کے باعث موت واقع ہو جاتی ہے۔

۲۔ کلف لگانے سے کپڑے میں سختی کیوں آجاتی ہے؟

کلف کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ بخارات بن کر نہیں اڑتا۔ اس کے بڑے ذرات جو کہ کپڑے پر رہ جاتے ہیں وہ ایک دوسرے سے مل کر کپڑے پر ایک سخت پرت بنا دیتے ہیں جس کی وجہ سے کپڑے میں سختی آجاتی ہے

۳۔ آگ کا رنگ تبدیل کیوں ہوتا رہتا ہے؟

آگ کے رنگ میں تبدیلی کی وجہ کچھ تو ہوا کی فراہمی میں فرق ہے اور کچھ کوئلے سے مختلف قسم کی گیسوں کا اخراج۔ مختلف عناصر اور گیسوں کا رنگ جلنے کے وقت مختلف ہوتا ہے۔

۴۔ تصاویر میں چند شکلیں ہمیشہ دیکھنے والے کو گھورتی ہوئی سی کیوں محسوس ہوتی ہیں؟

اگر تصویر والی شخصیت آرٹسٹ یا کیمرے کی جانب متوجہ ہو تو اس صورت میں ہم جس زاویے سے بھی اس تصویر کو دیکھیں گے وہ ہمیں گھورتی ہوئی سی محسوس ہوگی۔ اگر وہ شخصیت کیمرے کی جانب متوجہ نہیں ہوگی تو ہمیں مذکورہ بالا احساس نہیں ہوگا۔

۵۔ ہر ریلوے پلیٹ فارم کے آخری حصے میں ڈھلان کیوں ہوتی ہے؟

ریلوے پلیٹ فارم کے آخری حصے میں ڈھلان اس وجہ سے بنائی جاتی ہے تاکہ تاریکی میں ریلوے عملے کے ارکان اور مسافروں کو پلیٹ فارم سے نیچے گرنے سے بچایا جا سکے۔ اس طریقے سے حادثات نہیں ہوتے

م۔ع۔ باسط
اورنگ آباد دکن

قناعت

● حضرت مولانا قاسم نانوتوی دارالعلوم دیوبند کے بانیوں میں سے تھے۔ انتہائی متقی و پرہیزگار تھے۔ دارالعلوم کی خدمت گذار تھے۔ مگر صلے میں ایک پیسہ نہ لیتے تھے۔ ایک پریس (مطبع) میں ملازم تھے۔ نو روپے ماہوار تنخواہ پاتے تھے۔ یہی تنخواہ ان کی گذر اوقات کا ذریعہ تھی۔
غرض یہ کہ مولانا نانوتوی کی علمی لیاقت اور شرعی زندگی کا دور دور تک شہرہ تھا بیگم بھوپال نے حضرت نانوتوی کو ایک ذاتی خط لکھا تھا، جس کے ذریعے ان سے درخواست کی کہ وہ شاہی اتالیق کی حیثیت سے بھوپال تشریف لے آئیں۔ تین سو روپے ماہوار وظیفہ سرکار بھوپال سے عطا ہوگا۔ حضرت نانوتوی نے جواب میں لکھا کہ:۔

"میں ایک پریس میں ملازم ہوں، نو روپے تنخواہ ملتی ہے۔ مہینے میں دو روپے کا اناج میرے کنبے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ ڈیڑھ روپیہ مکان کا کرایہ ہے۔ کپڑے لتے اور گرہستی کی دوسری ضروریات پر بھی تین ساڑھے تین روپے سے زیادہ خرچ نہیں ہوتا۔ غرض یہ کہ ہر مہینے دو ڈھائی روپے بچ جاتے ہیں۔ تین تین سو روپے ماہوار لیکر کیا کروں گا؟"

یہ لکھ کر مولانا نے بھوپال جانے اور شاہی اتالیق بننے سے معذرت چاہ لی۔

(ماخوذ ہفت روزہ "قومی آواز" بمبئی)
(مورخہ ۱۳ دسمبر ۱۹۸۱ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہ رمضان المبارک کے روزے

اداریہ

رمضان کا مہینہ اسلامی مہینوں میں سب مہینوں سے زیادہ بڑائی والا مہینہ مانا جاتا ہے۔ ہے بھی، کیونکہ اس مہینے کی بڑائی کے بارے میں اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے:

عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ اٰخِرِ یَوْمٍ مِّنْ شَعْبَانَ، فَقَالَ یَا اَیُّھَا النَّاسُ قَدْ اَظَلَّکُمْ شَھْرٌ عَظِیْمٌ شَھْرٌ مُّبَارَکٌ فِیْہِ لَیْلَۃٌ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ، جَعَلَ اللّٰہُ صِیَامَہٗ فَرِیْضَۃً وَّ قِیَامَ لَیْلِہٖ تَطَوُّعًا، مَنْ تَقَرَّبَ فِیْہِ بِخَصْلَۃٍ مِّنَ الْخَیْرِ کَانَ کَمَنْ اَدّٰی فَرِیْضَۃً فِیْمَا سِوَاہُ، وَمَنْ اَدّٰی فَرِیْضَۃً فِیْہِ کَانَ کَمَنْ اَدّٰی سَبْعِیْنَ فَرِیْضَۃً فِیْمَا سِوَاہُ، وَھُوَ شَھْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُہُ الْجَنَّۃُ وَشَھْرُ الْمُوَاسَاۃِ۔ (مشکوٰۃ)

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطاب فرمایا۔ آپؐ نے فرمایا، اے لوگو! ایک بہت ہی بڑائی والا، ایک بہت ہی برکت والا مہینہ آگیا۔ وہ مہینہ ایسا ہے جس کی ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے [illegible]

نے اِس ماہ کے روزے فرض فرما دیئے ہیں اور اس مہینے کی راتوں میں تراویح پڑھنا نفل کر دیا ہے۔ جو شخص اس مہینے میں کوئی ایک نیک کام اپنے دل کی خوشی سے بطورِ خود کرے تو وہ کام ایسا ہوگا جیسے رمضان کے علاوہ کسی اور مہینے میں فرض ادا کیا ہو اور جو اس مہینے میں ایک فرض ادا کرے گا وہ فرض ایسا ہوگا جیسے رمضان کے علاوہ کسی اور مہینے میں ستر فرض ادا کئے ہوں اور یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے اور یہ مہینہ سوسائٹی کے غریبوں اور حاجت مندوں کے ساتھ ہمدردی کا مہینہ ہے۔

اس حدیث میں رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے چار باتیں فرمائیں۔ پہلی بات وہی جو ہم نے اوپر لکھی ہے کہ رمضان کا مہینہ سارے مہینوں سے بڑائی والا ہے۔ دوسری بات یہ کہ یہ مہینہ بڑائی والا کیوں ہے۔ تیسری بات اس مہینے کی برکتوں کے بارے میں ہے اور چوتھی بات یہ ہے کہ مومن کو اس مہینے میں کیا کرنا چاہیئے۔

حضور نے اس مہینے کی بڑائی کی وجہ بتاتے ہوئے رمضان المبارک کی ایک رات کی طرف اشارہ فرمایا یعنی لیلۃ القدر وہ قدر و منزلت والی رات جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے پہل قرآن نازل ہوا۔ قرآن اللہ کے بندوں کو اللہ کا سچا بندہ بنانے والی کتاب ہے۔ قرآن ایسی کتاب ہے جو اللہ کے بندوں کو اللہ کی مرضی بتاتی ہے۔ قرآن مجید بتاتا ہے کہ کس بات سے اور کس کام کے کرنے سے اللہ خوش ہوتا ہے اور کس بات اور کس کام سے ناخوش ہوتا ہے، اللہ کس بندے کو جنت میں جگہ دے گا اور کسے جہنم میں ڈالے گا۔ قرآن مجید اللہ کے بندوں کو بھلائی برائی کا فرق بتانے والا اور اعلیٰ درجے کا انسان بنانے والا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جس رات میں پہلے پہل ایسا قرآن نازل ہوا وہ رات بڑائی والی ہونی ہی چاہیئے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس رات کا درجہ بیان فرماتے ہوئے اس کی برکتیں بتائیں یہ کہ یہ ایسی رات ہے جس میں عبادت کرنا دوسرے ہزار مہینوں میں عبادت

[illegible]

کرنے کے ثواب سے بھی بڑھ کر ہے۔ آپؐ نے رمضان کے مہینے کی برکتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس مہینے میں ایک فرض ادا کرنے کا ثواب ستر فرض ادا کرنے کے برابر ہے۔ ایک نیکی (نفل) کا ثواب فرض کے ثواب کے برابر فرمایا۔

اس کے بعد حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ رمضان المبارک کا تربیتی پروگرام دیا۔ یہ کہ جب تم کو اللہ تعالیٰ نے ایسا بابرکت مہینہ عطا فرمایا ہے تو اللہ کا شکر زیادہ سے زیادہ کرو۔ عبادت بھی خوب کرو اور اللہ کے بندوں کا بھی حق ادا کرو۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر اس مہینے کے روزے فرض فرما دیئے ہیں۔ قرآن میں یہ الفاظ ہیں:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (البقرۃ : ۱۸۳)

اے ایمان لانے والو! تم پر روزے فرض کر دیئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے (انبیاءؑ کے ماننے والے) لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم سچ مچ متقی بن جاؤ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے روزے رکھنے کا مقصد یہ بتایا کہ تاکہ تم میں سچے تقویٰ کی خوبیاں پیدا ہوں۔ تمہارے اندر یہ بات پیدا ہو جائے کہ تم اپنے اصلی محسن اور خالق اور مالک اللہ کی ناراضی کے خوف سے بُرے کام کرنے سے بچو۔ آگے چل کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نزولِ قرآن کا شکریہ ادا کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس پورے ماہ میں روزے رکھو۔ ملاحظہ ہو قرآن:

شهر رمضان الذى انزل فيه القرآن هدى للناس وبينت من الهدى والفرقان فمن شهد منكم الشهر فليصمه البقرة

رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لئے سراسر ہدایت ہے اور اس میں ایسی تعلیمات ہیں جو سیدھی راہ دکھانے والی اور حق و ناحق کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔ اسلئے (اس احسان کا تقاضہ یہ ہے کہ) اب جو اس مہینے کو پائے اسے چاہئے کہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں قرآن مجید کی آیتیں ملاحظہ فرمالیں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ صبر کا مہینہ ہے۔ صبر کا مطلب یہ ہے کہ روزوں کے ذریعہ مومن خدا کی راہ میں اپنے ایمان پر جما اور قائم رہتا ہے۔ وہ اپنے نفس اور اپنی خواہشوں پر قابو پانے کی تربیت پاتا ہے۔ مومن ایک مقررہ وقت سے لے کر دوسرے مقررہ وقت (مغرب) تک اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کچھ جائز باتوں کو بھی چھوڑ دیتا ہے۔ وہ دن بھر نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے اور نہ اُن باتوں کے پاس جاتا ہے جو روزہ نہ رکھتے وقت اُس کے لئے جائز ہیں۔ اِس سے مومن کے اندر اللہ کی اطاعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور بھوک پیاس اور خواہشات پر قابو پانے کی تربیت ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس طرح صبر کیا جائے تو یقیناً جنت ملے گی۔

صبر کی تلقین کے بعد حضور نے فرمایا کہ یہ ہمدردی اور مواسات کا مہینہ ہے۔ مواسات کا مطلب یہ ہے کہ سوسائٹی کے جو غریب اور مسکین لوگ ہیں یا حاجتمند ہیں اُن کے ساتھ زبان سے بھی ہمدردی کی جائے اور مال سے بھی۔

اب پوری بات یوں بنی کہ رمضان شریف کے مہینے کی برکتوں سے فائدہ اُٹھانا چاہتے ہو تو اُن برکتوں کے شکرانے میں روزے رکھ کر اللہ کا شکر ادا کرو اور اللہ کے بندوں کے ساتھ بھی ہمدردی برتو۔

روزے کی اہمیت

روزے کا ایک بڑی چیز ہونا

روزے کا ایک بڑی بات اور بڑی ضرورت کی چیز ہونا اسی بات سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے دوسرے انبیاءؑ کے ماننے والوں پر بھی اِسے فرض قرار دیا تھا۔ تمام انبیاءؑ اور اُن کے ماننے والے روزہ رکھتے تھے۔ چنانچہ آج ہم تمام قوموں کے یہاں دیکھتے ہیں کہ وہ کسی نہ کسی شکل میں روزہ رکھتی ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اپنے نبیوں کی تعلیمات بھلا کر ان قوموں نے روزے رکھنے کے طریقوں میں بگاڑ پیدا کر لیا لیکن روزہ رکھنے پر اُن کا ایمان ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے پاس تو الہامی کتاب ہے

جیسی بھی ہے، ہے۔ وہ اپنے نبیوں کے نام نہیں بھولے جب کہ اُن کی تعلیم کا ایک بڑا حصّہ بھول گئے۔ ہمارے ملک میں برادرانِ وطن بھی اپنی کچھ کتابوں کو الہامی کہتے ہیں لیکن افسوس کہ وہ نبیوں کے نام نہیں بتا سکتے۔

ظاہر ہے کہ جب اپنے نبیوں کے نام نہیں جانتے تو اُن کی پوری تعلیم اصل شکل میں کیسے ہوگی لیکن کسی نہ کسی طرح کچھ باتیں چلی آرہی ہیں اور ان میں اُنھوں نے اپنی مرضی کو بھی شامل کرلیا ہے، بالکل اُسی طرح جسطرح ترکِ دُنیا کے تحت عیسائیوں نے رہبانیت کو اختیار کرلیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے ملک میں ایک ٹانگ کا روزہ (کچھ دنوں تک ایک ٹانگ پر کھڑے رہنا)، چُپ کا روزہ (یعنی طے شدہ عرصے تک زبان سے نہ بولنا)، اِندریوں کا روزہ (یعنی ایک خاص مدت تک اپنی بیویوں کے پاس بھی نہ جانا)، اس کے علاوہ صِرف اناج کا روزہ، دن کے کسی خاص حصّے کا روزہ، دن رات کئی کئی دنوں تک مسلسل روزہ رکھنا، ایسا روزہ رکھنا جس میں صِرف پانی یا دودھ پی لیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

میرا مطلب یہ ہے کہ روزے کی اہمیت حضرت آدمؑ کے وقت سے چلی آرہی ہے۔ اگر مسلمان دوسری قوموں کے روزوں پر اُنگلی اٹھائیں تو اٹھا سکتے ہیں کہ ان قوموں کے روزے سچے اور صحیح روزے نہیں ہیں لیکن اُن کی طرف اُنگلی اُٹھاتے وقت اپنے گریبان میں بھی جھانک کر دیکھ لیں کہ وہ خود بھی سچا اور صحیح روزہ رکھتے ہیں یا نہیں؟

سچا روزہ

سچے روزے کی پہچان کے لئے ہمارے پاس نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث موجود ہے۔ بخاری شریف میں ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِہٖ فَلَیْسَ لِلّٰہِ حَاجَۃٌ فِیْ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَہٗ وَشَرَابَہٗ۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے (روزہ رکھتے ہوئے) جھوٹ بات کہنا

اور اس پر عمل کرنا چھوڑا تو اللہ کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ وہ بھوکا اور پیاسا رہا۔
اِس کا مطلب یہی تو ہوا کہ جو شخص روزہ رکھ کر برائیاں بھی کرتا رہا اُس کا روزہ نہیں ہوا۔ خواہ مخواہ بھوکا پیاسا رہا۔ ایک حدیث اور ملاحظہ فرمائیے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَمْ مِنْ صَائِمٍ لَیْسَ لَہٗ مِنْ صِیَامِہٖ اِلَّا الظَّمَاءُ وَکَمْ مِنْ قَائِمٍ لَیْسَ لَہٗ مِنْ قِیَامِہٖ اِلَّا السَّھَرُ۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کتنے ہی (بدقسمت) روزہ دار ہیں جن کو اپنے روزے سے سوائے بھوک پیاس کے کچھ نہیں حاصل ہوتا اور (کتنے ہی روزہ کی رات میں) تراویح پڑھنے والے ہیں جن کو اپنی تراویح سے جاگنے کے سوا اور کچھ نہیں ہاتھ آتا۔
یہ حدیث بھی سچے روزے کی پہچان بتاتی ہے۔ جو اس طرح روزہ رکھے اُسی کا روزہ سچا روزہ ہے۔

روزے میں غلو

غلو کا مطلب ہے حد سے آگے بڑھ کر کام کر بیٹھنا جو نہ اللہ کو پسند ہو نہ انسان کی اپنی ذات کے لئے مفید۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلو سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ اِس سلسلے میں آپ کی حدیثیں ذرا طویل ہیں اس لئے ہم صرف ترجمہ لکھ رہے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا:

○ نبی کریم صلی اللہ علیہ نے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے کہا "کیا یہ بات جو مجھے بتائی گئی ہے صحیح ہے کہ تم پابندی سے دن میں روزہ رکھتے ہو اور رات بھر نفل نماز پڑھتے ہو۔" انھوں نے کہا "ہاں حضورؐ! یہ بات صحیح ہے۔" آپؐ نے فرمایا "تم ایسا نہ کیا کرو۔ کبھی روزہ رکھو اور کبھی کھایا پیا کرو۔ اسی طرح سوؤ بھی اور تہجد بھی پڑھو۔ کیونکہ تمہارے جسم کا تم پر حق ہے۔ تمہاری آنکھ کا تم پر حق ہے، تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے اور تمہارے ملاقاتیوں اور مہمانوں کا تم پر حق ہے

اور تم ہر مہینے میں تین دن روزے رکھو۔ اتنا تمہارے لئے بہت ہے۔

حضرت عبداللہ بن العاصؓ بڑے عظیم صحابی ہوئے ہیں۔ بڑھاپے میں آنکھوں کی بینائی جاتی رہی تھی اور صحت خراب ہو گئی تھی۔ بڑھاپے میں فرمایا کرتے تھے کہ ہائے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورے پر عمل نہیں کیا ؎

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

اسی طرح کا ایک اور واقعہ سنئے:

○ حضرت ابو جحیفہؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (مدینہ آنے کے بعد) ابو الدرداءؓ اور سلمان فارسیؓ (یہ دونوں عظیم صحابی تھے) کو آپس میں بھائی بنا دیا تھا تو (ایک دن کی بات ہے) سلمان فارسیؓ اپنے بھائی ابو الدرداء کے گھر گئے تو اُمّ الدرداءؓ (اُن کی بیوی) کو (کسی بناؤ سنگھار کے بغیر) معمولی لباس میں دیکھا تو سلمانؓ نے پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے (کیوں بیوہ عورتوں کی سی حالت بنا رکھی ہے) تو انہوں نے کہا کہ تمہارے بھائی ابو الدرداء کو دنیا سے کوئی مطلب ہی نہیں رہا (پھر میں سنگھار کس کے لئے کروں؟) اس کے بعد ابو الدرداء آئے اور مہمان بھائی کے لئے کھانا تیار کرایا اور کہا کہ تم کھاؤ۔ میں تو روزے سے ہوں۔ سلمانؓ نے کہا کہ جب تک تم نہ کھاؤ گے میں نہیں کھا سکتا۔ تو انہوں نے روزہ توڑا (بھائی کے ساتھ) کھانا کھایا۔ پھر جب رات آئی تو نفل نمازوں کے ارادے سے اُٹھے۔ سلمانؓ نے کہا کہ سوؤ تو وہ (گھر میں) جا کر سوئے۔ پھر نفل نماز کے لئے اُٹھے تو سلمانؓ نے کہا کہ جا کر سوؤ۔ پھر رات کے آخری حصے میں سلمانؓ نے آواز دی "اُٹھو" چنانچہ دونوں نے ایک ساتھ تہجد کی نماز پڑھی۔ پھر سلمانؓ نے اُن سے کہا "دیکھو، تم پر تمہارے رب کا حق ہے، تمہارے نفس کا حق ہے، تمہاری بیوی کا حق ہے۔ تو سب کا حق ادا کرو۔ پھر حضورؐ کے پاس آئے اور سارا قصہ بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا سلمانؓ نے حق بات کہی۔

ایک حدیث اور سن لیجئے۔ ترجمہ پیش کر رہا ہوں:

○ حضرت مجیبہؓ نے (جو قبیلہ باہلہ کی ایک خاتون تھیں) اپنے باپ یا چچا کے بارے میں بتایا کہ وہ

حضورؐ کی خدمت میں گئے۔ پھر واپس گھر آئے۔ ایک سال کے بعد پھر حضورؐ کے پاس گئے۔ اس وقت اُن کی حالت بالکل بدلی ہوئی تھی۔ اُنھوں نے کہا اے اللہ کے رسولؐ، آپؐ نے مجھے نہیں پہچانا۔ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ تم اپنا تعارف کراؤ۔ کون ہو؟ اُنہوں نے کہا، حضورؐ، میں قبیلہ باہلہ کا آدمی ہوں۔ پچھلے سال حاضر ہوا تھا۔ آپؐ نے پوچھا تمہارا یہ کیا حال ہوا، پچھلے سال جب تم آئے تو بہت خوبصورت تھے۔ انہوں نے بتایا کہ جب سے آپؐ کے پاس سے گیا ہوں تب سے اب تک مسلسل روزے رکھ رہا ہوں۔ صرف رات میں کھانا کھاتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا تم نے اپنے کو عذاب میں ڈالا ہے (یعنی مسلسل روزے رکھ کر جسم کو گھلا ڈالا)۔ پھر آپؐ نے ان کو ہدایت کی کہ رمضان کے روزوں کے سوا ہر مہینے ایک روزہ رکھ لیا کرو۔ اُنھوں نے کہا حضورؐ! اِس پر اضافہ فرمائیں۔ میرے اندر طاقت ہے۔ اِس پر آپؐ نے کہا اچھا ہر مہینے میں دو روزے رکھ لیا کرو۔ اُنھوں نے کہا کچھ اور اضافہ کیجئے۔ آپؐ نے کہا اچھا ہر مہینے میں تین دن۔ اُنھوں نے کہا کچھ اور بڑھا دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا اچھا ہر سال محترم مہینوں میں روزہ رکھو اور چھوڑ دو۔ ایسا ہی ہر سال کرو۔ یہ کہہ کر آپؐ نے اپنی تین اُنگلیوں کو ملایا پھر چھوڑ دیا۔

روزے کا ثواب

قَالَ حُذَیْفَةُ اَنَا سَمِعْتُهٗ یَقُوْلُ فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِیْ اَهْلِهٖ وَمَالِهٖ وَجَارِهٖ یُكَفِّرُهَا الصَّلٰوةُ وَالصِّیَامُ وَالصَّدَقَةُ

حضرت حذیفہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سُنا کہ آدمی جو کچھ اپنے گھر والوں اور مال اور پڑوسی کے سلسلے میں غلطی کرتا ہے، نماز، روزہ، اور صدقہ ان غلطیوں کا کفارہ بنتے ہیں۔ (بخاری۔ باب الصوم)

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ

قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ

جس شخص نے ایمانی کیفیت کے ساتھ اور اجر آخرت کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے تو اللہ اُس کے گناہوں کو معاف کر دے گا جو پہلے ہو چکے ہیں۔ جس نے رمضان کی راتوں میں ایمانی کیفیت اور اجر آخرت کی نیت کے ساتھ نماز (تراویح) پڑھی تو جو گناہ وہ پہلے کر چکا ہے اللہ تعالیٰ وہ گناہ معاف کر دے گا۔ (بخاری)

اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ وَّاِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ اَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ فَاِنْ سَابَّهٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهٗ فَلْيَقُلْ اِنِّيْ امْرُؤٌ صَائِمٌ

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ ڈھال ہے اور جب تم میں سے کسی کے روزے کا دن ہو تو اپنی زبان سے فحش بات نہ نکالے اور نہ شور و ہنگامہ کرے اور اگر کوئی اُس سے گالی گلوچ کرے یا لڑائی کرنے پر آمادہ ہو تو اُس روزہ دار کو سوچنا اور یاد کرنا چاہئے کہ میں تو روزہ دار ہوں، بھلا میں کس طرح گالی دے سکتا اور لڑ سکتا ہوں۔ (بخاری، مسلم)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلصِّيَامُ وَالْقُرْاٰنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ، يَقُوْلُ الصِّيَامُ اَىْ رَبِّ اِنِّيْ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِيْ فِيْهِ، وَيَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِيْ فِيْهِ فَيُشَفَّعَانِ۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ اور قرآن دونوں مومن کیلئے سفارش کرینگے۔ روزہ کہیگا اے میرے رب میں نے اِس شخص کو دن میں کھانے اور دوسری لذتوں سے روکا تو یہ رُکا رہا، تو اے میرے رب اس شخص کے بارے میں میری سفارش قبول کر اور قرآن کہے گا کہ میں نے رات میں سونے سے روکا (اپنی میٹھی نیند چھوڑ کر رات میں قرآن پڑھتا رہا)۔ تو اے خدا اس شخص کے بارے میں میری سفارش قبول کر۔ تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کی سفارش کو قبول فرمائے گا۔ (عبداللہ بن عمرو)۔

حضورؐ نے فرمایا

رویت ہلال کی تحقیق اور شاہد کی شہادت

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ تھی کہ جب تک رویت ہلال کا ثبوت نہ ہو جائے یا کوئی عینی گواہ نہ ملجائے آپ روزے شروع نہ کرتے جیسا کہ آپؐ نے ابن عمرؓ کی شہادت قبول کر کے روزہ رکھا۔ (زاد المعاد)

اور آپؐ بادل کے دن کا روزہ نہ رکھتے تھے نہ آپؐ نے اس کا حکم دیا بلکہ فرمایا کہ جب بادل ہو تو شعبان کے تیس دن پورے کئے جائیں۔ (زاد المعاد)

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ چاند دیکھ کر روزے رکھو اور چاند دیکھ کر روزے چھوڑ دو اور اگر (۲۹ تاریخ کو) چاند دکھائی نہ دے تو شعبان کی تیس کی گنتی پوری کرو (بخاری و مسلم۔ معارف الحدیث)

سحری

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ سحری میں برکت ہے، اسے ہرگز نہ چھوڑو۔ اگر کچھ نہیں تو اس وقت پانی کا ایک گھونٹ ہی پی لیا جائے کیونکہ سحری میں کھانے پینے والوں پر اللہ تعالیٰ رحمت فرماتا ہے اور فرشتے ان کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں۔ (مسند احمد، معارف الحدیث)

افطار

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے بندوں میں مجھے وہ بندہ زیادہ محبوب ہے جو روزے کے افطار میں جلدی کرے (یعنی غروب آفتاب کے بعد بالکل دیر نہ کرے)۔ (معارف الحدیث، جامع ترمذی)

حضرت سلمان بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں کسی کا روزہ ہو تو کھجور سے روزہ افطار کرے اور اگر کھجور نہ ملے تو پھر پانی ہی سے افطار کرے اس لئے کہ پانی کو اللہ تعالیٰ

حجاب

نے ظہور بتایا ہے۔ (مسند احمد، ابی داؤد، جامع ترمذی، ابن ماجہ، معارف الحدیث)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز سے پہلے چند تر کھجوروں سے روزہ افطار فرماتے تھے اور اگر تر کھجوریں بروقت موجود نہ ہوتی تھیں تو چند گھونٹ پانی پی لیا کرتے تھے

(جامع ترمذی، معارف الحدیث)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب افطار فرماتے تھے تو کہتے تھے ذھب الظماء وابتلت العروق وثبت الاجر انشاء اللہ (سنن ابی داؤد، معارف الحدیث)

معاذ بن زہیرہ تابعی سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہونچی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب روزہ افطار فرماتے تھے تو کہتے تھے اللھم لک صمت وعلیٰ رزقک افطرت

(سنن ابی داؤد، معارف الحدیث)

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ روزہ دار کی ایک بھی دعا افطار کے وقت مسترد نہیں ہوتی۔ (ابن ماجہ، معارف الحدیث)

تراویح

اکثر علماء اس بات پر متفق ہیں کہ تراویح کے مسنون ہونے پر اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے ائمہ اربعہ میں یعنے امام اعظم ابو حنیفہؒ، اور امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ ان سب حضرات کی کتابوں میں اِس بات کی تصریح ہے کہ تراویح کی بیس رکعت سنت موکدہ ہیں۔

قرآن مجید کا سننا

رمضان شریف میں قرآن مجید کا ایک مرتبہ ترتیب وار تراویح میں پڑھنا سنت موکدہ ہے۔ اگر کسی عذر سے اِس کا اندیشہ ہو کہ مقتدی تحمل نہ کرسکیں گے تو پھر الم تر کیف سے اخیر تک دس سورتیں پڑھ دی جائیں۔ ہر رکعت میں ایک سورت ہو۔ پھر دس رکعت پوری ہونے پر ان ہی سورتوں کو دوبارہ پڑھ دے یا اور جو سورتیں چاہے پڑھے۔ (بہشتی گوہر)

روزے کا ٹوٹنا اور نہ ٹوٹنا

س۱ اگر بھولے سے ایک شخص کھا پی لے یا بھولے سے کوئی اور ایسی بات کر بیٹھے جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے تو روزہ نہیں ٹوٹتا

خبردار

ایک روزہ دار اگر بھولے سے کچھ کھا پی رہا ہے تو دیکھنے والے پر واجب ہے کہ اُسے یاد دلا دے۔ لیکن اگر وہ روزہ دار کمزور اور نحیف ہے تو یاد نہ دلائے، کھانے دے۔

س۲ سُرمہ اور تیل لگانے سے، خوشبو سونگھنے سے، تھوک نگلنے سے، حلق کے اندر مکھی یا دھواں داخل ہو جانے سے، سُرمے کا رنگ چاہے رینٹھ میں ہو تب بھی روزہ نہیں ٹوٹتا نہ مکروہ ہوتا ہے۔

س۳ اگر جان بوجھ کر دھواں سونگھے، لوبان یا اسی طرح کی دھونی سُلگائے اور اس دھواں سونگھے، حقہ پی لے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ عطر گلاب، کیوڑہ وغیرہ جن میں دھواں نہیں ہوتا اُن کو سونگھنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا

س۴ دانتوں میں گوشت کا ریشہ یا چھالی کا دانہ اٹکا رہ گیا۔ اُس کو خلال سے نکالا لیکن وہ منھ کے اندر رہا اور روزہ دار نے نگل لیا تو اگر وہ چنے کے برابر ہے تو روزہ ٹوٹ گیا اور اگر چنے سے کم ہے تو روزہ نہیں ٹوٹا۔ اگر منھ کے باہر نکال کر پھر نگل لیا تو چاہے چنے سے کم ہو روزہ ٹوٹ گیا۔

س۵ ناپاکی میں روزہ ہو تو جاتا ہے لیکن روزہ دار ناپاکی کا گناہگار ہوگا۔

س۶ کسی روزے دار نے رات کے وقت پان منھ میں رکھا اور سو گیا۔ اس طرح صبح ہو گئی اور پان منھ میں موجود رہا تو روزہ نہیں ہوا۔ قضا کرے۔ کفارہ کرے۔

س۷ کلی کرتے وقت روزہ دار کے حلق میں پانی چلا گیا اور روزہ یاد تھا تو روزہ ٹوٹ گیا۔ قضا رکھنا ہوگا کفارہ واجب نہیں ہوا۔

س۸ آپ ہی آپ قے ہو گئی۔ قے چاہے تھوڑی ہو یا زیادہ روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن اگر قصد کر کے قے کی اور

نے منہ بھر کر ہو گئی تو روزہ ٹوٹ گیا اور اگر تھوڑی ہوئی تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔

۹ تھوڑی سی قے آئی، پھر آپ ہی آپ حلق میں لوٹ گئی تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ ہاں اگر جان کر نگل لی تو روزہ ٹوٹ گیا۔

۱۰ ایسی چیز جو کھائی نہیں جاتی جیسے کنکری یا لوہے کا ٹکڑا یا کوئلہ یا منجن اور ریت اس کو کوئی بطور دوا کے کھاتا ہے، اس کو روزہ دار نے کھا لیا تو روزہ ٹوٹ گیا۔ کفارہ نہیں ہے۔ لیکن اگر کھائی جانے والی یا پی جانے والی یا دوا کے طور پر استعمال کی جانے والی چیز کھا پی لی تو روزہ جاتا رہا۔ قضا اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔

۱۱ یاد رکھئے کفارہ رمضان کا روزہ توڑنے پر ہے، نفل روزے پر نہیں۔ اور قضا روزہ توڑنے پر بھی کفارہ نہیں ہے۔

۱۲ نسوار سڑکنے اور کانوں میں تیل ڈالنے اور جلاب میں عمل لینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے لیکن اس پر صرف قضا واجب ہوئی کفارہ نہیں۔

نفل روزے

۱ چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا اور کفارے کے روزے تو فرض ہیں ہی لیکن اگر کوئی روزے کی نذر مانے اور نذر پوری ہو جائے تو نذر ماننے والے پر روزے فرض ہو جائیں گے۔ اگر نذر کے روزے نہیں رکھے گا تو گنہگار ہوگا۔

۲ نفل روزہ نیت کر لینے سے واجب ہو جاتا ہے۔ اگر توڑ دیا یا کسی وجہ سے نفل روزہ ٹوٹ گیا تو اس کی قضا واجب ہو گئی۔ اس کا کفارہ نہیں۔

نوٹ (۱): قضا اور کفارے کے روزے میں صبح صادق سے پہلے نیت کرنا ضروری ہے۔ اگر دن نکل آیا اور قضا روزے کی نیت کی تو ادا نہ ہوگا بلکہ نفل روزہ ہوگا۔ قضا کا روزہ پھر سے رکھے۔

نوٹ (۲): رمضان کے مہینے میں ایک شخص روزہ رکھ کر بیہوش ہو گیا اور ایک دن سے زیادہ

بیہوش رہا تو پہلے دن کا روزہ ہوگیا۔ اس دن کے روزے کی قضا واجب نہیں۔ ہاں اگر اس دن کسی نے اس کے منہ میں دوا ڈالی اور دوا حلق سے اتر گئی تو روزہ ٹوٹ گیا۔ اب قضا واجب ہوگئی۔ اس کے بعد جتنے دن بیہوشی رہی اتنے دن کی قضا واجب ہے۔ یاد رکھے بے ہوش ہو جانے والا شخص عاقل ہی مانا جائے گا یعنے فرض روزے معاف نہیں ہوں گے۔

نوٹ (۳) :۔ کسی شخص نے کسی دن کوئی تاریخ مقرر کر کے نذر کے روزے کی نیت کی تو اس دن تاریخ کو چاہے صبح صادق سے پہلے نیت کر لی یا دوپہر سے پہلے پہلے تو نذر کا روزہ ہو جائیگا لیکن اگر دن اور تاریخ کا تعین نہیں کیا بلکہ یوں نذر مانی کہ اگر نذر پوری ہو گئی تو ایک یا دو یا اتنے روزے رکھوں گا تو ایسے روزے کی نیت صبح صادق سے پہلے ہونا چاہئے ورنہ دن نکل آنے کے بعد نیت کی تو نفل روزہ ہوگا۔ نذر کا یہ روزہ پھر رکھنا ہوگا۔

روزہ میں نیت کی ضرورت

روزہ میں نیت شرط ہے (نیت کے معنی دل کے ارادہ کے ہیں) اگر روزے کا ارادہ نہیں کیا اور تمام دن کچھ کھایا پیا نہیں تو روزہ ادا نہیں ہوگا۔

رمضان کے روزے کی نیت آدھے دن پہلے تک کر سکتا ہے لیکن شرط یہ ہے صبح صادق کے ہونے کے بعد کچھ کھایا پیا نہ ہو اور کوئی ایسا کام نہ کیا ہو جو روزہ کو توڑنے والا ہو۔ آدھے دن کے بعد اگر نیت کرے گا تو معتبر نہ ہوگی۔ زبان سے نیت کرنی فرض نہیں لیکن بہتر اور مستحب یہ ہے کہ سحری کھانا کھا کر اس طرح نیت کر لیا کرے۔

نیت : " بِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ "

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نیت کے بعد کھانا پینا جائز نہیں یہ خیال بالکل غلط ہے بلکہ صبح صادق ہونے سے پہلے تک کھانا پینا وغیرہ بلاشبہ درست ہے نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

روزہ نہ رکھنے کی اجازت

اگر مرض کی وجہ سے روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو تو رمضان میں روزے نہ رکھے تندرست ہو جائے پر قضا کرے، اگر روزہ رکھنے کی وجہ سے مرض کے زیادہ ہو جانے کا خوف ہے تب بھی روزہ چھوڑ دینا جائز ہے، پھر قضا رکھے حاملہ کو اگر بچے یا اپنی جان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو روزہ چھوڑ دینا اور پھر قضا کر لینا جائز ہے، اپنے یا غیر کے بچے کو دودھ پلاتی ہو اور روزہ رکھنے کی وجہ سے عذر ہو تو قضا کر لینا جائز ہے (۷۷ ¼ کلومیٹر) کا سفر یا اس سے زیادہ سفر شرعی کہلاتا ہے یعنی ایسے سفر میں مسافر کو اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے واپس آنے کے بعد قضا کرے۔ اگر کوئی مسافر دوپہر سے پہلے اپنے وطن پہونچ گیا اور اب تک کچھ کھایا پیا نہیں تو اس پر واجب ہے کہ روزہ پورا کرے۔ کیونکہ اب سفر کا عذر باقی نہیں رہا۔ اگر کوئی شخص کسی تیز سواری یا ریل میں تین گھنٹے میں ۷۷ ¼ کلومیٹر پہونچ جائے گا تو اس کے لئے بھی سفر رخصت یعنی نماز کا قصر اور افطار کی اجازت حاصل ہو جائے گی، بہت بوڑھا جس کو روزہ میں نہایت شدید تکلیف ہوتی ہے روزہ نہ رکھے اور ہر روزہ کے بدلے پونے دو سیر بوزن انگریزی یا ایک کلو ۶۳۳ گرام گندم ایک مسکین کو دے لیکن اگر کبھی طاقت آجائے تو قضا ضروری ہوگی۔ عورت کو اپنے نسوانی عذر یعنی حیض کے ایام میں روزہ رکھنا جائز نہیں۔ اسی طرح پیدائش کے بعد جتنے روز نفاس کا خون آئے جب خون بند ہو جائے تو روزہ رکھنا چاہئے۔ اور رمضان شریف کے ان دنوں کے روزوں کی قضا ضروری ہے۔ جن دنوں یہ عذر رہا ہے جن لوگوں کو روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے ان کو بلا تکلف سب کے سامنے کھانا پینا نہ چاہئے بلکہ تعظیم رمضان المبارک لازم ہے۔

روزہ توڑنا اور اس کی قضا :

فرض روزے کو بلا کسی شدید تکلیف اور قوی عذر کے توڑنا جائز نہیں۔ کوئی شخص سخت بیمار ہو گیا اگر روزہ نہ توڑے تو جان کا اندیشہ ہے یا بیماری بڑھ جانے کا ڈر ہے یا ایسی شدید پیاس لگی کہ مر جائے تو روزہ توڑ ڈالنا جائز بلکہ واجب ہے۔

صدقۃ الفطر:

صدقۃ الفطر اس شخص پر واجب ہے جس کے پاس ضروریات خانہ کے علاوہ ساڑھے باون تولہ (تقریباً ۶۱۲ گرام) چاندی یا اسی قدر وزن کے چاندی کے روپے ہوں یا زیور، مال و جائداد یا تجارت کا مال ہو یا ساڑھے سات تولہ (تقریباً ۸۷½ گرام) سونا یا اسی قدر وزن کی اشرفیاں یا زیور ہوں یہ ضروری نہیں کہ اس پر سال بھی گزر گیا ہو اگر کسی کے پاس بہت مال ہے لیکن قرض اس قدر ہے کہ اگر ادا کیا جائے تو ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا اسباب باقی نہیں رہتا تو اس پر صدقۂ فطر واجب نہیں۔ جس شخص کے پاس مذکورہ بالا مال یا اس سے زیادہ ہو۔ وہ اپنی طرف سے صدقۃ الفطر ادا کرے اور اپنے بال بچوں کی طرف سے بھی۔

زکوٰۃ:

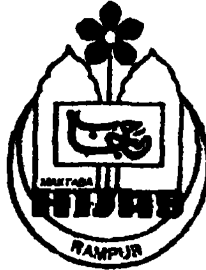
مال کی جس مقدار پر صدقۃ الفطر واجب ہوتا ہے اسی مقدار پر زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔ زکوٰۃ کا نصاب یہ ہے کہ مال کی مقدار کا چالیسواں حصہ (۲½ فی صدی) ادا کیا جائے مگر اس پر سال گزر جانا ضروری ہے۔ سال ختم ہونے سے پہلے زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی۔ رمضان المبارک میں زکوٰۃ ادا کرنے میں زیادہ فضیلت ہے۔ طالبانِ علم دین زکوٰۃ کے بہترین مصرف ہیں ان میں دوہرا ثواب ہے۔ فرض کی ادائیگی کا اور اشاعتِ علمِ دین کا۔

خلاصۂ خطبات

(مودودیؒ)

تلخیص و ترتیب

(مائل خیرآبادی)



بارِ اوّل ـــــــ جولائی ۸۲ء

تعداد ـــــــ دو ہزار

مطبوعہ

قیمت ـــــــ ڈیڑھ روپیہ

مکتبہ حجاب رام پور۔ یوپی ۲۴۴۹۰۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سچا اور پکا مسلمان بنانے والی کتاب "خطبات" مولانا مودودیؒ کی وہ مقبولِ عام کتاب ہے جو گھر گھر پڑھی اور سنی جاتی ہے۔ میں نے بارہا اس کتاب کے خطبے مسجدوں میں پڑھ کر سنائے۔ سننے والوں پر ان خطبوں کا یہ اثر ہوا کہ انھوں نے بہت سی بدعات سے توبہ کرلی اور ایمان و اسلام کی حقیقت سمجھ کر سچے اور پکے مسلمان بن گئے۔

کئی بار سنانے کے بعد میں نے جگہ جگہ سے اقتباسات سنانا شروع کردیئے۔ یہ اقتباسات بہت مفید ثابت ہوئے۔ ان سے چند منٹوں میں پورے مضمون کی یاددہانی ہوگئی۔

یہ اقتباسات زیادہ تر ایک ایک صفحہ کے ہیں جو دراصل خطبات کی تلخیص ہیں پھر میں نے ان کے عنوان تجویز کرکے خواتین اور طالبات کے پاکیزہ ڈائجسٹ "حجاب" میں ایک ایک دو دو شائع کرنا شروع کردیئے۔ حجاب پڑھنے والوں نے بھی بہت پسند کیا۔ ساتھ ہی یہ تقاضا ہونے لگا کہ ان اقتباسات کا ایک چھوٹا سا مجموعہ کتابی شکل میں چھاپ لیا جائے۔

اس غرض کے لئے میں نے ان اقتباسات کو دوبارہ پڑھا۔ جو عنوان کمزور محسوس ہوئے ان کو بدل دیا۔ پھر بھی اقتباسات بہت دنوں تک میرے مطالعہ میں رہے۔ بار بار پڑھا۔ ہر بار یہی بات دل میں آئی کہ عام لوگوں کو اس مجموعے کی واقعی ضرورت ہے۔ مطالعہ کرنے والوں کو تھوڑے وقت میں بہت کچھ مل جائے گا۔

یہ مجموعہ چھاپ دیا گیا۔ اس کا نام "خلاصۂ خطبات" ہی موزوں معلوم ہوا۔ اب یہ خلاصہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ اپنے مشوروں سے ضرور نوازیں، تاکہ آئندہ اڈیشن شائع کرتے وقت آپ کے مشوروں کو مدِّ نظر رکھا جائے۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

مائل خیرآبادی

فہرستِ عنوانات

مسلمان

آپ مسلمان کا جو لفظ بولتے ہیں' اس کا مطلب کیا ہے؟ کیا انسان ماں کے پیٹ سے اسلام ساتھ لاتا ہے؟ کیا ایک شخص صرف اس بنا پر مسلمان ہوتا ہے کہ وہ مسلمان کا بیٹا اور مسلمان کا پوتا ہے؟ کیا مسلمان بھی اسی طرح مسلمان پیدا ہوتا ہے جس طرح ایک برہمن کا بچہ برہمن پیدا ہوتا ہے' ایک راجپوت کا بیٹا راجپوت اور ایک شودر کا لڑکا شودر؟ کیا مسلمان کسی نسل یا ذات برادری کا نام ہے کہ جس طرح ایک انگریز' انگریزی قوم میں پیدا ہونے کی وجہ سے انگریز ہوتا ہے اور ایک جاٹ' جاٹ قوم میں پیدا ہونے کی وجہ سے جاٹ ہوتا ہے' اسی طرح ایک مسلمان محض اس لئے مسلمان ہو کہ وہ مسلمان نامی قوم میں پیدا ہوا ہے؟ یہ سوالات ہیں جو میں آپ سے پوچھتا ہوں۔ ان کا آپ کیا جواب دیں گے؟ آپ یہی کہیں گے نا کہ نہیں صاحب! مسلمان اس کو نہیں کہتے ہیں' مسلمان نسل کی وجہ سے مسلمان نہیں ہوتا بلکہ اسلام لانے سے مسلمان بنتا ہے اور اگر وہ اسلام چھوڑ دے تو مسلمان نہیں رہتا۔ ایک شخص خواہ برہمن ہو یا راجپوت' انگریز ہو یا جاٹ' پنجابی ہو یا حبشی' جب اس نے اسلام قبول کیا تو مسلمانوں میں شامل ہو جائے گا اور ایک دوسرا شخص جو مسلمان کے گھر پیدا ہوا ہے اگر وہ اسلام کی پیروی چھوڑ دے تو وہ مسلمانوں کی جماعت سے خارج ہو جائے گا' چاہے وہ سید کا بیٹا ہو یا پٹھان کا۔

کیوں حضرات! آپ میرے سوال کا یہی جواب دیں گے نا! اچھا تو اب خود آپ ہی کے جواب سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ خدا کی یہ سب سے بڑی نعمت ہے جو آپ کو حاصل ہے یہ کوئی نسلی چیز نہیں ہے کہ ماں باپ سے وراثت میں خود بخود آپ کو حاصل ہو جائے اور خود بخود تمام عمر آپ کے ساتھ لگی رہے' خواہ آپ اس کی پروا کریں یا نہ کریں' بلکہ یہ ایسی نعمت ہے کہ اس کے حاصل کرنے کے لئے خود آپ کی کوشش شرط ہے۔

جاننا چاہیئے

جو شخص یہ جانتا ہی نہ ہو کہ اسلام اور کفر میں اور توحید اور شرک میں کیا فرق ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اندھیرے میں ایک پگڈنڈی پر چل رہا ہو، ہو سکتا ہے کہ سیدھی لکیر پر چلتے چلتے خود بخود اس کے قدم کسی دوسرے راستے کی طرف مڑ جائیں اور اس کو یہ خبر بھی نہ ہو کہ میں سیدھی راہ سے ہٹ گیا ہوں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ راستے میں کوئی دجال کھڑا ہوا مل جائے اور اس سے کہے کہ ارے میاں تم اندھیرے میں راستہ بھول گئے آؤ میں تمہیں منزل تک پہنچا دوں۔ بیچارہ اندھیرے کا مسافر چونکہ خود اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا کہ سیدھا راستہ کون سا ہے، اس لئے نادانی کے ساتھ اپنا ہاتھ اس دجال کے ہاتھ میں دے دے گا اور وہ اس کو بھٹکا کر کہیں سے کہیں لے جائے گا۔ یہ خطرات اس کو اسی لئے تو درپیش آتے ہیں کہ اس کے پاس خود کوئی روشنی نہیں ہے اور وہ خود راستے کے نشانات کو نہیں دیکھ سکتا۔ اگر اس کے پاس روشنی ہو تو ظاہر ہے کہ وہ نہ راستہ بھولے گا اور نہ کوئی دوسرا اس کو بھٹکا سکے گا۔ بس اسی پر قیاس کر لیجئے کہ مسلمان کے لئے سب سے بڑا خطرہ اگر کوئی ہے تو یہی کہ وہ خود اسلام کی تعلیم نہیں جانتا، وہ نہیں جانتا کہ قرآن کیا سکھاتا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہدایت دے گئے ہیں۔ اس جہالت کی وجہ سے وہ خود بھی بھٹک سکتا ہے اور دوسرے دجال بھی اسے بھٹکا سکتے ہیں۔ لیکن اس کے پاس اگر علم کی روشنی ہو تو وہ زندگی کے ہر قدم پر اسلام کے سیدھے راستے کو دیکھ سکے گا، ہر قدم پر کفر اور شرک اور گمراہی اور فسق و فجور کے جو ٹیڑھے راستے بیچ میں آئیں گے ان کو پہچان کر ان سے بچ سکے گا اور جو کوئی راستے میں اس کو بہکانے والا ملے تو اس کی دو چار باتیں ہی سن کر وہ خود سمجھ جائے گا کہ یہ بہکانے والا آدمی ہے اس کی پیروی نہ کرنی چاہیئے۔

مسلم اور کافر کا اصلی فرق

اسلام کے معنیٰ خدا کی فرمانبرداری کے ہیں اور کفر کے معنیٰ خدا کی نافرمانی کے۔ مسلمان اور کافر دونوں انسان ہیں، دونوں خدا کے بندے ہیں۔ مگر ایک انسان اس لئے افضل ہو جاتا ہے کہ یہ اپنے مالک کو پہچانتا ہے، اس کے حکم کی اطاعت کرتا ہے اور اس کی نافرمانی کے انجام سے ڈرتا ہے اور دوسرا انسان اس لئے اونچے درجہ سے گر جاتا ہے کہ وہ اپنے مالک کو نہیں پہچانتا اور اس کی فرماں برداری نہیں کرتا۔ اسی وجہ سے مسلمان سے خدا خوش ہوتا ہے اور کافر سے ناراض۔ مسلمان کو جنت دینے کا وعدہ کرتا ہے اور کافر کو کہتا ہے کہ دوزخ میں ڈالونگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کو کافر سے جدا کرنے والی صرف دو چیزیں ہیں۔ ایک علم دوسرے عمل۔ یعنی پہلے تو اسے یہ جاننا چاہیئے کہ اس کا مالک کون ہے، اس کے احکام کیا ہیں، اس کی مرضی پر چلنے کا طریقہ کیا ہے، کن کاموں سے وہ خوش ہوتا ہے اور کن کاموں سے ناراض ہوتا ہے۔ پھر جب یہ باتیں معلوم ہو جائیں تو دوسری بات یہ ہے کہ مالک اپنے آپ کو مالک کا غلام بنا دے، جو مالک کی مرضی ہو اس پر چلے اور جو اپنی مرضی ہو اس کو چھوڑ دے۔ اگر اس کا دل ایک کام کو چاہے اور مالک کا حکم اس کے خلاف ہو تو اپنے دل کی بات نہ ملنے اور مالک کی بات مان لے اگر ایک کام اس کو اچھا معلوم ہوتا ہے اور مالک کہے کہ وہ برا ہے تو اسے برا ہی سمجھے اور اگر دوسرا کام اسے برا معلوم ہوتا ہے مگر مالک کہے کہ وہ اچھا ہے تو اسے اچھا ہی سمجھے۔ اگر ایک کام میں اسے نقصان نظر آتا ہو اور مالک کا حکم ہو کہ کیا جائے تو چاہے اس میں جان و مال کا کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو، وہ اس کو ضرور کر کے ہی چھوڑے۔ اگر دوسرے کام میں اسے فائدہ نظر آتا ہو اور مالک کا حکم ہو کہ اس کو نہ کیا جائے، تو خواہ پھر دنیا بھر کی دولت ہی اس کام میں کیوں نہ ملتی ہو وہ اس کام کو ہرگز نہ کرے۔

قرآن سے غافل مسلمان

دنیا میں اس وقت مسلمان ہی وہ خوش قسمت لوگ ہیں جن کے پاس اللہ کا کلام ٹھیک ٹھیک ان ہی الفاظ میں موجود ہے جن الفاظ میں وہ اللہ کے رسول برحق پر اترا تھا۔ اور دنیا میں اس وقت مسلمان ہی وہ بدقسمت لوگ ہیں جو اپنے پاس اللہ کا کلام رکھتے ہیں اور پھر بھی اس کی برکتوں سے محروم ہیں۔ قرآن ان کے پاس اس لئے بھیجا گیا تھا کہ اس کو پڑھیں سمجھیں اور اس کے مطابق عمل کریں، اور اس کو لے کر خدا کی زمین پر اس خدا کی حکومت قائم کر دیں۔ وہ ان کو عزت اور طاقت بخشنے آیا تھا، وہ انھیں زمین پر خدا کا اصلی خلیفہ بنانے آیا تھا اور تاریخ گواہ ہے کہ انھوں نے جب اس کی ہدایت کے مطابق عمل کیا تو اس نے ان کو دنیا کا امام اور پیشوا بنا کر بھی دکھا دیا۔ مگر اب ان کے یہاں اس کا مصرف سوائے اس کے کچھ نہیں رہا کہ گھر میں اس کو رکھ کر جن بھوت بھگائیں اور اس کی آیتوں کو لکھ کر گلے میں باندھیں اور گھول گھول کر پئیں اور محض ثواب کے لئے بے سمجھے بوجھے پڑھ لیا کریں۔ اب یہ اس سے اپنی زندگی کے معاملات میں ہدایت نہیں مانگتے، یہ اس سے نہیں پوچھتے کہ ہمارے عقائد کیا ہونے چاہئیں؟ ہمارے اعمال کیا ہونے چاہئیں؟ ہمارے اخلاق کیسے ہونے چاہئیں؟ اب یہ مادہ پرستوں اور ملحدوں سے، کافروں اور مشرکوں سے، گمراہ اور خود غرض لوگوں سے اور خود اپنے نفس کے شیطان سے ان باتوں کو پوچھتے ہیں اور ان ہی کے کہے پر چلتے ہیں۔ اس لئے خدا کو چھوڑ کر دوسروں کے حکم پر چلنے کا جو انجام ہونا چاہیئے، وہی ان کا ہوا اور اسی کو یہ آج ہندوستان میں، چین میں اور جاوا میں، فلسطین اور شام میں، الجزائر اور مراکش میں، ہر جگہ بری طرح بھگت رہے ہیں۔

ا

اسلام اور مسلمان

اسلام کے معنی ہیں خدا کی اطاعت اور فرمانبرداری کے۔ اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دینا "اسلام" ہے جو شخص اپنے سارے معاملات کو خدا کے حوالے کر دے وہ مسلمان ہے۔ اور جو اپنے معاملات کو اپنے ہاتھ میں رکھے یا خدا کے سوا کسی اور کے سپرد کر دے وہ مسلمان نہیں ہے۔ خدا کے حوالے یا خدا کے سپرد کرنے کا یہ مطلب ہے کہ خدا نے اپنی کتاب اور اپنے رسولؐ کے ذریعے سے جو ہدایت بھیجی ہے اس کو قبول کیا جائے۔ قرآن و سنت رسول کی پیروی کی جائے جو شخص اپنی عقل اور دنیا کے دستور، اور خدا کے سوا ہر ایک کی بات کو پیچھے رکھتا ہے اور ہر معاملے میں خدا کی کتاب اور اس کے رسولؐ سے پوچھتا ہے کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے اور کیا نہ کرنا چاہیئے، اس کے خلاف ہر چیز کو رد کر دیتا ہے وہ اور صرف وہی مسلمان ہے۔ اس لئے کہ اس نے اپنے آپ کو بالکل خدا کے سپرد کر دیا ہے۔ اور اپنے آپ کو خدا کے سپرد کرنا ہی "مسلمان" ہونا ہے۔ اس کے برخلاف جو شخص اپنے دل کا کہنا کرتا ہے، یا باپ دادا سے جو کچھ ہوتا چلا آیا ہے اس کی پیروی کرتا ہے، یا دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے مطابق چلتا ہے اور اپنے معاملات میں قرآن اور سنت سے یہ دریافت کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتا کہ اسے کیا کرنا چاہیئے، یا اگر اسے معلوم ہو جائے کہ قرآن و سنت کی ہدایت یہ ہے اور پھر وہ اس کے جواب میں کہتا ہے کہ میری عقل اسے قبول نہیں کرتی اس لئے میں اس بات کو نہیں مانتا یا باپ دادا سے تو اس کے خلاف عمل ہو رہا ہے لہٰذا میں اس کی پیروی نہیں کروں گا۔ یا دنیا کا طریقہ اس کے خلاف ہے لہٰذا میں اسی پر چلوں گا۔ تو ایسا شخص ہرگز مسلمان نہیں ہے۔ وہ جھوٹ کہتا ہے، اگر اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

اس کلمے کے معنی یہ ہیں کہ: اللہ کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے۔ کلمہ میں الٰہ کا جو لفظ آیا ہے اس کے معنی "خدا" کے ہیں۔ خدا اس کو کہتے ہیں جو مالک ہو، حاکم ہو، خالق ہو، پالنے اور پوسنے والا ہو، دعاؤں کا سننے اور قبول کرنے والا ہو اور اس کا مستحق ہو کہ اس کی عبادت کی جائے۔ اب جو تم نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا تو اس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ اول تو تم نے یہ اقرار کیا کہ یہ دنیا نہ تو بے خدا کے بنی ہے اور نہ ایسا ہی ہے کہ اس کے بہت سے خدا ہیں۔ بلکہ دراصل اس کا خدا ہے اور وہ خدا ایک ہی ہے اور اس ایک ذات کے سوا خدائی کسی کی نہیں ہے۔ دوسری بات جس کا تم نے کلمہ پڑھتے ہی اقرار کیا وہ یہ ہے کہ وہی ایک خدا تمہارا اور سارے جہان کا مالک ہے۔ تم اور تمہاری ہر چیز اور دنیا کی ہر شے اس کی ہے۔ خالق وہ ہے، رازق وہ ہے، موت اور زندگی اس سے ہے۔ اور مصیبت و راحت بھی اسی کی طرف سے ہے جو کچھ کسی کو ملتا ہے اس کا دینے والا بھی حقیقت میں وہی ہے، ڈرنا چاہیئے تو اس سے۔ مانگنا چاہیئے تو اس سے سر جھکانا چاہیئے تو اسی رب العالمین کے سامنے، عبادت اور بندگی کی جائے تو اس کی، اس کے سوا ہم کسی کے بندے اور غلام نہیں۔ اور اس کے سوا کوئی ہمارا آقا اور حاکم نہیں۔ ہمارا اصلی فرض یہ ہے کہ اسی کا حکم مانیں اور اسی کے قانون کی پیروی کریں۔

یہ عہد و پیمان ہے جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھتے ہی تم اپنے خدا سے کرتے ہو اور ساری دنیا کو گواہ بنا کر کرتے ہو۔ اس کی خلاف ورزی کرو گے تو تمہاری زبان، تمہارے ہاتھ پاؤں تمہارا رونگٹا رونگٹا، اور زمین و آسمان کا ایک ایک ذرہ جس کے سامنے تم نے جھوٹا اقرار کیا تمہارے خلاف خدا کی عدالت میں گواہی دیگا اور تم ایسی بے بسی کے عالم میں وہاں کھڑے ہو گے کہ ایک بھی گواہ کو صفائی پیش کرنے کے لئے نہیں ملے گا۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہنے کے بعد تم مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ کہتے ہو۔ اس کے معنٰی یہ ہیں کہ تم نے یہ تسلیم کر لیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ پیغمبر ہیں جن کے ذریعہ سے خدا نے اپنا مکمل قانون تمہارے پاس بھیجا ہے۔ خدا کو اپنا آقا اور شہنشاہ مان لینے کے بعد ہی معلوم ہونا ضروری تھا کہ اس شہنشاہ کے احکام کیا ہیں، ہم کون سے کام کریں، جن سے وہ خوش ہوتا ہے اور کون سے کام نہ کریں جن سے وہ ناراض ہوتا ہے۔ کس قانون پر چلنے سے وہ ہم کو بخشے گا اور اس کی خلاف ورزی کرنے پر وہ ہم کو سزا دے گا۔ یہ سب باتیں بتانے کے لئے خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ذریعہ بنایا، آپؐ کے ذریعہ سے اپنی کتاب ہمارے پاس بھیجی، اور آپؐ نے خدا کے حکم کے مطابق زندگی بسر کر کے ہم کو بتایا کہ مسلمان کو اس طرح زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ پس جب تم نے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ کہا تو گویا اقرار کر لیا کہ جو قانون اور جو طریقہ حضورؐ نے بتایا ہے تم اسی کی پیروی کرو گے اور جو قانون اس کے خلاف ہے اس پر لعنت بھیجو گے۔ یہ اقرار کرنے کے بعد اگر تم نے حضورؐ کے لائے ہوئے قانون کو چھوڑ دیا اور دنیا کے قانون کو مانتے رہے، تو تم سے بڑھ کر جھوٹا اور بے ایمان کوئی نہ ہوگا کیونکہ تم یہی اقرار کر کے تو مسلمان ہوئے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا قانون حق ہے اور تم اسی کی پیروی کرو گے۔ تم نے اپنا اقرار توڑ دیا تو اس سے بڑھ کر دنیا میں کون سی بے ایمانی ہو سکتی ہے اگر تم لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ کے معنٰی جانتے ہو اور جان بوجھ کر اس کا اقرار کرتے ہو تو تم کو ہر حال میں خدا کے حکم کی پیروی کرنی چاہیئے اور اگر نہیں تو تم اپنے خدا کو، ساری دنیا کو، تمام مسلمانوں کو اور اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہو۔

کلمۂ طیبہ کی برکت

کلمۂ طیبہ ایک سچی بات ہے۔ دنیا میں اس سے زیادہ سچی بات کوئی ہو نہیں سکتی سارے جہان کا خدا ایک اللہ ہے۔ اس پر زمین و آسمان کی ہر چیز گواہی دے رہی ہے۔ یہ انسان یہ جانور، یہ درخت، یہ پتھر، یہ ریت کے ذرے، یہ بہتی ہوئی نہر، یہ چمکتا ہوا سورج، یہ ساری چیزیں جو چاروں طرف پھیلی ہوئی ہیں، ان میں سے کون سی چیز ہے جس کو اللہ کے سوا کسی اور نے پیدا کیا ہے، جو اللہ کے سوا کسی اور کی مہربانی سے زندہ و قائم رہ سکے، جس کو اللہ کے سوا اور کوئی فنا کر سکتا ہو؟ پس جب یہ سارا جہان اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے اور اللہ ہی کی عنایت سے قائم ہے اور اللہ ہی اس کا حاکم اور مالک ہے تو جس وقت تم کہو گے کہ "اس جہان میں ایک اللہ کے سوا اور کسی کی خدائی نہیں ہے تو زمین و آسمان کی ایک ایک چیز پکار اٹھے گی کہ تو نے بالکل سچی بات کہی، ہم سب گواہ ہیں۔ جب تم اس کے فرمان کی پیروی کرو گے تو زمین و آسمان کی ہر چیز تمہارا ساتھ دے گی کیونکہ یہ سب بھی تو اسی خدا کے فرمانبردار ہیں۔ جب تم اس عظیم الشان طاقت پر بھروسہ کرو گے جو زمین و آسمان کے سارے خزانوں کی مالک ہے۔ غرض جب اس حقیقت پر تم نظر رکھو گے تو تم کو معلوم ہوگا کہ کلمۂ طیبہ پر ایمان لا کر جو انسان اپنی زندگی کو اس کے مطابق بنائے گا تو زمین و آسمان کی ساری طاقتیں اس کا ساتھ دیں گی۔ دنیا سے لے کر آخرت تک وہ پھلتا پھولتا ہی چلا جائے گا۔ اور کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی ناکامی و نامرادی اس کے پاس نہ آئے گی۔ یہی چیز اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ یہ کلمہ ایسا درخت ہے جس کی جڑیں زمین میں جمی ہوئی ہیں اور شاخیں آسمان پر پھیلی ہوئی ہیں اور ہر وقت یہ خدا کے حکم سے پھل لاتا رہتا ہے۔ اَلَمْ تَرَ کَیْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا کَلِمَةً طَیِّبَةً کَشَجَرَةٍ طَیِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ ۔

تین بُت

۱۔ من مانی کرنا

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (القصص)

یعنی اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا جس نے خدا کی ہدایت کے بجائے اپنے نفس کی خواہش کی پیروی کی۔ ایسے ظالم لوگوں کو خدا ہدایت نہیں دیتا۔

نفس کی خواہش کی پیروی کرنے کا مطلب ہے من مانی کرنا۔ جو شخص اپنے من کا بندہ بن گیا وہ خدا کا بندہ بن ہی نہیں سکتا۔ وہ تو ہر وقت یہ دیکھے گا کہ مجھے روپیہ کس کام میں ملتا ہے، میری عزت اور شہرت کس کام میں ہوتی ہے، مزہ کس کام میں آتا ہے، مجھے آرام کس کام میں ملتا ہے۔ بس یہ چیزیں جس کام میں ہوں گی اسی کو وہ اپنائے گا چاہے خدا اس سے منع کرے اور یہ چیزیں جس کام میں نہ ہوں اس کو وہ ہرگز نہ کرے گا چاہے خدا اس کا حکم دے تو ایسے شخص کا خدا اللہ تبارک وتعالیٰ نہ ہوا، اس کا اپنا نفس ہی اس کا خدا ہو گیا۔ قرآن نے کیسی سچی بات کہی ہے۔

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۝ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ (الفرقان)

اے نبی تم نے اس شخص کے حال پر غور بھی کیا جس نے اپنے نفس کی خواہش کو اپنا خدا بنا لیا ہے؟ کیا تم ایسے شخص کی نگرانی کر سکتے ہو، کیا تم سمجھتے ہو کہ ان میں سے بہت سے لوگ سنتے اور سمجھتے ہیں؟ ہرگز نہیں، یہ تو جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔

نفس کے بندے کا جانوروں سے بدتر ہونا ایسی بات ہے کہ جس میں کوئی شک نہیں۔ کوئی جانور آپ کو ایسا نہ ملے گا جو خدا کی مقرر کی ہوئی حد سے آگے بڑھتا ہو۔ ہر جانور وہی چیز کھاتا ہے جو خدا نے اس کے لئے مقرر کی ہے، اسی قدر کھاتا ہے جس قدر اس کے لئے مقرر

کی ہے اور جتنے کام جس جانور کے لئے مقرر ہیں بس اتنے ہی کرتا ہے۔ مگر یہ انسان ایسا جانور ہے کہ جب یہ اپنی خواہش کا بندہ بنتا ہے تو وہ حرکتیں کر گزرتا ہے جن سے شیطان بھی پناہ مانگے۔

(۲) مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا

باپ دادا سے جو رسم و رواج، جو عقیدے اور خیالات چلے آ رہے ہوں، آدمی ان کا غلام بن جائے اور خدا کے حکم سے بڑھ کر ان کو سمجھے اور اگر ان کے خلاف خدا کا حکم اس کے سامنے پیش کیا جائے تو کہے کہ میں تو وہی کروں گا جو میرے باپ دادا کرتے تھے اور جو میرے گھرانے کا رواج ہے۔ سوچئے ایسا شخص خدا کا بندہ کب ہوا۔ اس کے خدا تو اس کے باپ دادا اور اس کے گھرانے کے لوگ ہیں۔ تو پھر اس کو یہ جھوٹا دعویٰ کرنے کا کیا حق ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ قرآنِ کریم میں جگہ جگہ اس پر پھٹکار موجود ہے، ایک جگہ یوں ہے:۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوهُمْ إِلٰى عَذَابِ السَّعِيرِ ۝ وَمَنْ يُسْلِمْ وَجْهَهُ إِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى وَإِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ۝ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهُ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا (لقمان۔۳)

جب ان سے کہا گیا کہ اس حکم کی پیروی کرو جو خدا نے بھیجا ہے تو انھوں نے کہا کہ "نہیں ہم تو اس بات کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے"۔ کیا وہ اپنے آبا ہی کی پیروی کریں گے چاہے شیطان ان کو عذابِ جہنم ہی کی طرف کیوں نہ بلاتا رہا ہو؟ جو کوئی اپنے آپ کو بالکل خدا کے سپرد کر دے اور نیکو کار ہو اس نے تو مضبوط رسی تھام لی اور آخر کار تمام معاملات خدا کے ہاتھ میں ہیں، اور جس نے اس سے انکار کیا تو اے نبی تم کو اس کے انکار سے رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ سب ہماری طرف واپس آنے والے ہیں، پھر

ہم انھیں ان کے اعمال کا نتیجہ دکھادیں گے۔

④ بڑے لوگ انسان جب خدا کے حکم کو چھوڑ کر دوسرے لوگوں کے حکم ماننے لگتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ فلاں شخص بڑا آدمی ہے تو اس کی بات پکی ہوگی یا فلاں شخص کے ہاتھ میں میری روٹی ہے اس لئے اس کی بات ماننی چاہیئے، یا فلاں شخص بڑا صاحبِ اقتدار ہے، اس لئے اس کی فرماں برداری کرنی چاہیئے، یا فلاں صاحب مجھے اپنی بددعا سے تباہ کردیں گے یا اپنے ساتھ جنت میں لے جائیں گے، اس لئے جو وہ کہیں، وہی صحیح ہے، یا فلاں قوم بڑی ترقی کر رہی ہے اس کے طریقے اختیار کرنے چاہئیں تو ایسا شخص گمراہ ہوجاتا ہے:

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الانعام۔۴)

اگر تو نے ان بہت سے لوگوں کی اطاعت کی جو زمین میں رہتے ہیں تو وہ تجھ کو خدا کے راستے سے بھٹکا دیں گے

یعنی آدمی سیدھے راستے پر اس وقت ہوسکتا ہے جب اس کا ایک خدا ہو سینکڑوں، ہزاروں خدا جس نے بنا لئے ہوں اور جو کبھی اس خدا کے کہنے پر اور کبھی اس خدا کے کہنے پر چلتا ہو وہ راستہ کہاں پا سکتا ہے۔

یہ تین بڑے بت ہیں جو خدائی کے دعویدار بنے ہوئے ہیں۔ جو شخص مسلمان بننا چاہتا ہو اس کو سب سے پہلے ان تینوں بتوں کو توڑنا چاہیئے، پھر وہ حقیقت میں مسلمان ہوجائے گا۔ ورنہ جس نے یہ تینوں بت اپنے دل میں بٹھا رکھے ہوں اس کا بندۂ خدا ہونا مشکل ہے۔ وہ دن میں پچاس وقت کی نمازیں پڑھ کر اور دکھاوے کے روزے رکھ کر اور مسلمانوں کی سی شکل بنا کر انسانوں کو تو دھوکہ دے سکتا ہے، خود اپنے نفس کو بھی دھوکہ دے سکتا ہے کہ میں پکا مسلمان ہوں، مگر خدا کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔

شرم شرم

آپ میں راجپوت ہیں، مغل ہیں، جاٹ ہیں، افغان ہیں اور بہت سی قومیں ہیں۔ اسلام نے ان سب قوموں کو ایک قوم ایک دوسرے کا بھائی، ایک پختہ دیوار بننے کے لئے کہا تھا جس کی اینٹ سے اینٹ جڑی ہوئی ہو۔ مگر آپ بھی وہی پرانے جاہلی خیالات لئے بیٹھے ہیں، جس طرح یہاں کے غیر مسلموں میں الگ الگ گوتریں ہیں اسی طرح آپ لوگوں میں بھی اب تک قبیلے الگ الگ ہیں، آپس میں مسلمانوں کی طرح شادی نہیں۔ ایک دوسرے سے برادری اور بھائی چارہ نہیں۔ زبان سے آپ ایک دوسرے کو مسلمان بھائی کہتے ہیں مگر حقیقت میں آپ کے درمیان وہی سب امتیازات ہیں جو اسلام سے پہلے تھے۔ ان امتیازات نے آپ کو ایک مضبوط دیوار نہیں بننے دیا۔ آپ کی ایک ایک اینٹ الگ ہے۔ آپ نہ مل کر اٹھ سکتے ہیں اور نہ مل کر کسی مصیبت کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اگر اسلام کی تعلیمات کے مطابق آپ سے کہا جائے کہ توڑ دو ان امتیازات کو اور آپس میں ایک ہو جاؤ تو آپ کیا کہیں گے؟ بس وہی ایک بات، یعنی ہمارے باپ دادا سے جو رواج چلے آرہے ہیں ان کو ہم نہیں توڑ سکتے۔ اس کا جواب خدا کی طرف سے کیا ملتا ہے، بس یہی کہ تم نہ توڑو ان رواجوں کو، نہ چھوڑو جاہلانہ رسموں کی تقلید کو ہم بھی تم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔ اور تمہاری کثرتِ تعداد کے باوجود تم کو ذلیل و خوار کر کے دکھائیں گے۔

اللہ نے آپ کو حکم دیا تھا کہ تمہاری وراثت میں لڑکے اور لڑکیاں سب شریک ہیں۔ آپ اس کا کیا جواب دیتے ہیں؟ یہ کہ ہمارے باپ دادا کے قانون میں لڑکے اور لڑکیاں شریک نہیں ہیں اور یہ کہ ہم خدا کے قانون کی بجائے باپ دادا کا قانون مانتے ہیں۔ خدارا مجھے بتائیے کہ کیا اسلام اسی کا نام ہے؟

مومن اور منافق؟

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ وَاللّٰہُ یَہْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○ وَیَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالرَّسُوْلِ ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْہُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ وَمَآ اُولٰٓئِکَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ ○ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَہُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْہُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ وَاِنْ یَّکُنْ لَّہُمُ الْحَقُّ یَاْتُوْٓا اِلَیْہِ مُذْعِنِیْنَ ○ اَفِیْ قُلُوْبِہِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ یَخَافُوْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ وَرَسُوْلُہٗ بَلْ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ اِنَّمَا کَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَہُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَخْشَ اللّٰہَ وَیَتَّقْہِ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○ (النور ۶ع)

ہم نے کھول کر حق اور باطل کا فرق بتانے والی آیتیں اتار دی ہیں اللہ جس کو چاہتا ہے ان آیتوں کے ذریعہ سے سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت قبول کی۔ پھر اس کے بعد ان میں سے بعض اطاعت سے منہ موڑ جاتے ہیں، ایسے لوگ ایماندار نہیں ہیں۔ اور ان کو جب اللہ اور رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ ان کے معاملات میں قانونِ خداوندی کے مطابق فیصلہ کیا جائے تو ان میں سے کچھ لوگ منہ موڑ جاتے ہیں، البتہ جب ان کے مطلب کی بات ہو تو اسے مان لیتے ہیں۔ کیا ان لوگوں کے دل میں بیماری ہے؟ یا کیا یہ شک میں پڑے ہوئے ہیں؟ یا ان کو یہ ڈر ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان کی حق تلفی کرے گا؟ بہرحال وجہ کچھ بھی ہو یہ لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں

حقیقت میں جو ایمان دار ہیں ان کا طریقہ تو یہ ہے کہ جب انھیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے تاکہ قانونِ خداوندی کے مطابق ان کے معاملات کا فیصلہ کیا جائے تو وہ کہیں ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، بس وہی کامیاب ہوگا۔"

ایمان کی شان

(۱) عرب میں شراب خوری کا کتنا زور تھا۔ عورت اور مرد اور جوان اور بوڑھے سب شراب کے متوالے تھے۔ وہ اس کی تعریفوں کے گیت گاتے تھے اور اس پر جان دیتے تھے۔ یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ شراب کی لت لگ جانے کے بعد اس کا چھوٹنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ آدمی جان دینا قبول کر لیتا ہے مگر شراب چھوڑنا قبول نہیں کر سکتا۔ اگر شرابی کو شراب نہ ملے تو اس کی کیفیت بیمار سے بھی بدتر ہو جاتی ہے، لیکن آپ نے سنا ہے کہ قرآن شریف میں جب حرمت کا حکم آیا تو وہی عرب جو شراب پر جان دیتے تھے اس حکم کو سنتے ہی انہوں نے اپنے ہاتھ سے شراب کے مٹکے توڑ ڈالے۔ مدینے کی گلیوں میں شراب اس طرح بہہ رہی تھی جیسے بارش کا پانی بہتا ہے۔ ایک مجلس میں کچھ لوگ بیٹھے شراب پی رہے تھے۔ جس وقت انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی کی آواز سنی کہ شراب حرام کر دی گئی تو جس شخص کا ہاتھ جہاں تھا وہیں کا وہیں رہ گیا، جس کے منہ سے پیالا لگا ہوا تھا اس نے فوراً اس کو ہٹا لیا، اور پھر ایک قطرہ حلق میں نہ جانے دیا ـــــ یہ ہے ایمان کی شان، اس کو کہتے ہیں خدا اور رسول کی اطاعت۔

(۲) اسلام میں زنا کی کتنی سخت سزا رکھی گئی ہے، ننگی پیٹھ پر سو کوڑے۔ اور اگر شادی شدہ آدمی ہو تو اس کے لئے سنگساری کی سزا ہے۔ یعنی اس کو پتھروں سے اتنا مارنا کہ وہ مر جائے۔ ایسی سخت سزا کا نام ہی سن کر آدمی کانپ اٹھتا ہے۔ مگر آپ نے یہ بھی سنا کہ جن کے دل میں ایمان تھا ان کی کیا کیفیت تھی؟ ایک شخص سے زنا کا فعل سرزد ہو گیا کوئی گواہ نہ تھا، کوئی عدالت تک پکڑ لے جانے والا نہ تھا، کوئی پولیس کو اطلاع دینے والا نہ تھا، صرف دل میں ایمان تھا جس نے اس شخص سے کہا کہ جب تو نے خدا کے قانون کے خلاف اپنے نفس کی خواہش پوری

ہے تو اب جو سزا خدا نے اس کے لئے مقرر کی ہے اس کے بھگتنے کے لئے تیار ہو جا۔ چنانچہ وہ شخص خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور عرض کیا یا رسول اللہ میں نے زنا کیا ہے، مجھے سزا دیجئے۔ آپ منہ پھیر لیتے ہیں، تو پھر دوسری طرف آکر یہی کہتا ہے آپ پھر منہ پھیر لیتے ہیں تو وہ پھر سامنے آکر سزا کی درخواست کرتا ہے کہ جو گناہ میں نے کیا ہے اس کی سزا مجھے دی جائے ــــــ یہ ہے ایمان۔ جس کے دل میں ایمان موجود ہے اس کے لئے ننگی پیٹھ پر سو کوڑے کھانا بلکہ سنگسار تک کر دیا جانا آسان ہے مگر نافرمان بن کر خدا کے سامنے حاضر ہونا مشکل۔

(۳) انسان کے لئے دنیا میں اپنے رشتے داروں سے بڑھ کر کوئی عزیز نہیں ہوتا خصوصاً باپ بھائی بیٹے تو اتنے پیارے ہوتے ہیں کہ ان پر سے سب کچھ قربان کر دینا آدمی گوارا کر لیتا ہے۔ مگر آپ ذرا بدرؔ اور احدؔ کی لڑائیوں پر غور کیجئے کہ ان میں کون کس کے خلاف لڑنے گیا تھا؟ باپ مسلمانوں کی فوج میں ہے تو بیٹا کافروں کی فوج میں، یا بیٹا اس طرف ہے تو باپ اس طرف، ایک بھائی ادھر ہے تو دوسرا بھائی ادھر۔ قریب سے قریب رشتہ دار ایک دوسرے کے مقابلے میں آئے ہیں اور اس طرح لڑے ہیں کہ گویا یہ ایک دوسرے کو پہچانتے ہی نہیں اور یہ جوش ان میں کچھ روپے پیسے یا زمین کے لئے نہیں بھڑکا تھا، نہ کوئی ذاتی عداوت تھی بلکہ صرف اس وجہ سے وہ اپنے خون اور اپنے گوشت پوست کے خلاف لڑ گئے کہ وہ خدا اور رسولؐ پر باپ اور بیٹے اور بھائی اور سارے خاندان کو قربان کر دینے کی طاقت رکھتے تھے۔

(۴) عرب میں جتنے پرانے رسم و رواج تھے، اسلام نے قریب قریب ان سب ہی کو توڑ ڈالا تھا۔ سب سے بڑی چیز تو بُت پرستی تھی جس کا رواج سینکڑوں برس سے چلا آرہا تھا۔ اسلام نے کہا کہ ان بتوں کو چھوڑ دو۔ شراب، زنا، جوا، چوری اور راہزنی عرب میں عام

طور پر رائج تھی، اسلام نے کہاکہ ان سب کو ترک کرو۔ عورتیں عرب میں کھلی پھرتی تھیں۔ اسلام نے حکم دیا کہ پردہ کرو، عورتوں کو وراثت میں کوئی حصہ نہ دیا جاتا تھا، اسلام نے کہاکہ ان کا بھی وراثت میں حصہ ہے۔ متبنّٰی کو وہی حیثیت دی جاتی تھی جو صلبی اولاد کی ہوتی ہے، اسلام نے کہاکہ وہ صلبی اولاد کی طرح نہیں ہے بلکہ متبنّٰی اگر اپنی بیوی کو چھوڑ دے تو اس سے نکاح کیا جاسکتا ہے۔ غرض کون سی پرانی رسم ایسی تھی جس کو توڑنے کا حکم اسلام نے نہ دیا ہو مگر آپ کو معلوم ہے کہ جو لوگ خدا اور رسول پر ایمان لائے تھے ان کا کیا طرزِ عمل تھا؟ صدیوں سے جن بتوں کو وہ اور ان کے باپ دادا سجدہ کرتے اور نذریں چڑھایا کرتے تھے، ان کو ان ایمان والوں نے اپنے ہاتھ سے توڑا۔ سیکڑوں برس سے جو خاندانی رسمیں چلی آتی تھیں، ان سب کو انھوں نے مٹا کر رکھ دیا۔ جن چیزوں کو وہ مقدس سمجھتے تھے، خدا کا حکم پاکر ان ہی کو پاؤں تلے روند ڈالا۔ جن چیزوں کو وہ مکروہ سمجھتے تھے، خدا کا حکم آتے ہی ان کو جائز سمجھنے لگے۔ جو چیزیں صدیوں سے پاک سمجھی جاتی تھیں وہ ایک دم ناپاک ہوگئیں۔ کفر کے جن طریقوں میں لذت پائی فائدے کے سامان تھے، خدا کا حکم پاتے ہی ان کو چھوڑ دیا گیا اور اسلام کے جن احکام کی پابندی انسان پر شاق گزرتی ہے ان سب کو خوشی خوشی قبول کر لیا گیا۔ اس کا نام ہے ایمان اور اس کو کہتے ہیں اسلام۔ اگر عرب کے لوگ اس وقت کہتے کہ فلاں بات ہم اس لئے نہیں مانتے کہ ہمارا اس میں نقصان ہے اور فلاں بات ہم اس لئے نہیں چھوڑتے کہ اس میں ہمارا فائدہ ہے اور فلاں کام تو ہم ضرور کریں گے کیونکہ باپ دادا سے یہی ہوتا چلا آیا ہے، اور فلاں باتیں رومیوں کی ہمیں پسند ہیں اور فلاں ایرانیوں کی ہم کو مرغوب ہیں۔ غرض اگر عرب کے لوگ اسی طرح اسلام کی ایک ایک بات کو رد کر دیتے تو آپ سمجھ سکتے ہیں آج دنیا میں کوئی مسلمان نہ ہوتا۔

خدا کی اطاعت کیوں؟

ایک شخص پوچھ سکتا ہے کہ کیا خدا ہماری اطاعت کا بھوکا ہے' وہ ہم سے اس طرح اپنی اور اپنے رسولؐ کی اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے؟ کیا خدا بھی دنیا کے حاکموں کی طرح اپنی حکومت چلانے کی ہوس رکھتا ہے؟ دنیا کے حاکم کہتے ہیں کہ ہماری اطاعت کرو۔ اسی طرح خدا بھی کہتا ہے کہ میری اطاعت کرو؟

نہیں' یہ بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان سے جو مطالبہ کرتا ہے وہ انسان ہی کی فلاح و بہتری کے لئے کرتا ہے۔ وہ دنیا کے حاکموں کی طرح نہیں ہے۔ دنیا کے حاکم اپنے فائدے کے لئے لوگوں کو اپنی مرضی کا غلام بنانا چاہتے ہیں' مگر اللہ تمام فائدوں سے بے نیاز ہے۔ اس کو آپ سے ٹیکس لینے کی حاجت نہیں ہے۔ اسے کوٹھیاں بنانے' موٹریں خریدنے اور آپ کی کمائی سے اپنے عیش کے سامان جمع کرنے کی حاجت نہیں۔ وہ پاک ہے' کسی کا محتاج نہیں دنیا میں سب کچھ اسی کا ہے اور سارے خزانوں کا وہی مالک ہے وہ آپ سے صرف اس لئے مطالبہ کرتا ہے کہ اسے آپ ہی کی بھلائی منظور ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ جس مخلوق کو اس نے اشرف المخلوقات بنایا ہے وہ شیطان کی غلام بن کر رہے' یا اپنے نفس کی غلام ہو۔ یا کسی انسان کی غلام ہو' یا ذلیل ہستیوں کے سامنے سر جھکائے۔ وہ نہیں چاہتا کہ جس مخلوق کو اس نے زمین پر اپنی خلافت دی ہے وہ جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکتی پھرے اور جانوروں کی طرح اپنی خواہشات کی پیروی کرکے اسفل السافلین میں جا گرے۔ اس لئے وہ فرماتا ہے کہ تم ہماری اطاعت کرو۔ ہم نے اپنے رسولؐ کے ذریعہ جو روشنی بھیجی ہے اس کو لے کر چلو۔ پھر تم کو سیدھا راستہ مل جائے گا اور تم اس راستے پر چل کر دنیا میں بھی عزت اور آخرت میں بھی عزت حاصل کرسکو گے۔

دین کا مطلب

دین کے کئی معنی ہیں۔ ایک معنی عزت، حکومت، سلطنت، بادشاہت اور فرمانروائی کے ہیں۔ دوسرے معنی اس کے بالکل برعکس ہیں، یعنی زیردستی، اطاعت، غلامی، تابعداری اور بندگی۔ تیسرے معنی حساب کرنے اور فیصلہ کرنے اور اعمال کی جزا و سزا کے ہیں۔
قرآن شریف میں لفظ دین انہی تین معنوں میں آیا ہے۔ فرمایا: إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ط یعنی خدا کے نزدیک دین بس وہی ہے جس میں انسان صرف اللہ کو عزت والا مانے اور اس کے سوا کسی کے آگے اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے، صرف اللہ کو اپنا آقا اور مالک اور سلطان سمجھے۔ اور اس کے سوا کسی کا غلام، فرمانبردار اور تابعدار بن کر نہ رہے۔ صرف اللہ کو حساب کرنے اور جزا و سزا دینے والا سمجھے اور اس کے سوا کسی کے حساب سے نہ ڈرے، کسی کی جزا کا لالچ نہ کرے اور کسی کی سزا کا خوف نہ کرے۔ اسی دین کا نام "اسلام" ہے۔ اگر اس کو چھوڑ کر آدمی نے کسی اور کو اصلی عزت والا، اصلی حاکم، اصلی بادشاہ اور مالک، اصلی جزا و سزا دینے والا سمجھا اور اس کے سامنے ذلت سے سر جھکایا، اس کی بندگی اور غلامی کی، اس کا حکم مانا اور اس کی جزا و لالچ کا خوف کھایا تو یہ جھوٹا دین ہوگا۔ اللہ ایسے دین کو ہرگز قبول نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہ حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔ خدا کے سوا دوسری ہستی اس تمام کائنات میں اصلی عزت والی نہیں ہے، نہ کسی اور کی سلطنت اور بادشاہی ہے، نہ اور کی غلامی اور بندگی کے لئے انسان پیدا کیا گیا ہے۔ نہ اس مالکِ حقیقی کے سوا کوئی اور جزا و سزا دینے والا ہے۔ یہی بات دوسری آیتوں میں اس طرح بیان فرمائی گئی ہے۔
وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ جو شخص خدا کی سلطانی اور بادشاہی کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا مالک اور حاکم مانے گا، اس کے دین کو خدا ہرگز قبول کرنے والا نہیں ہے۔

رسولؐ کی اطاعت

خدا کا حکم انسانوں کو اس کی کتاب اور اس کے رسول کے ذریعہ ہی سے پہنچتا ہے۔ اس لئے رسول کو خدا کا رسول اور کتاب کو خدا کی کتاب ماننا اور اس کی اطاعت کرنا بھی دین ہی میں داخل ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

یعنی اے بنی آدم، جب میرے رسول تمہارے پاس میرے احکام لے کر آئیں تو جو شخص تم میں سے میرے احکام کو مان کر پرہیزگاری اختیار کرے گا اور ان کے مطابق اپنا عمل درست کرے گا اس کے لئے ڈر اور رنج کی کوئی بات نہیں ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ براہ راست ہر انسان کے پاس اپنے احکام نہیں بھیجتا بلکہ اپنے رسولوں کے واسطے سے بھیجتا ہے۔ اس لئے جو شخص اللہ کو حاکم مانتا ہے، وہ اس کی فرماں برداری صرف اسی طرح کر سکتا ہے کہ اس کے رسول کی فرماں برداری کرے اور رسول کے ذریعہ سے جو احکام آئیں، ان کی اطاعت کرے۔ اسی کا نام دین ہے۔

جب تم نے خدا کو حاکم مان لیا اور اس کی بندگی قبول کر لی اور یہ تسلیم کر لیا کہ رسول اسی کی طرف سے حاکمِ مجاز ہے اور کتاب اسی کی طرف سے ہے، تو تم دین میں داخل ہو گئے۔ اس کے بعد تم کو خدا کی بندگی کرنی ہے اور اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا ہے۔ یہ طریقہ اور راستہ بھی خدا اپنے رسول ہی کے ذریعہ ہم تک پہنچاتا ہے۔ وہی یہ سکھاتا ہے کہ اپنے مالک کی عبادت اس طرح کرو، طہارت اور پاکیزگی کا یہ طریقہ ہے۔ نیکی اور تقویٰ کا یہ راستہ ہے۔ حقوق اس طرح ادا کرنے چاہئیں، معاملات یوں انجام دینے چاہئیں اور زندگی اسطرح بسر کرنی چاہئے

انسان کیوں پیدا کیا گیا؟

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک میں یوں بیان فرمایا ہے کہ: ۰ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ ۔ یعنی میں نے جن اور انسان کو اس غرض کے سوا اور کسی غرض کے لئے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔" اس آیت سے معلوم ہوا کہ آپ کی پیدائش اور آپ کی زندگی کا مقصد اللہ کی عبادت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اب آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ عبادت کا مطلب جاننا آپ کے لئے کس قدر ضروری ہے۔ اگر آپ اس کے صحیح معنیٰ نہیں جانتے تو اس مقصد ہی کو پورا نہیں کرسکیں گے جس کے لئے آپ کو پیدا کیا گیا ہے، اور جو چیز اپنے مقصد کو پورا نہ کرتی وہ ناکام ہوتی ہے۔ ڈاکٹر اگر مریض کو اچھا نہ کرسکے تو کہتے ہیں کہ وہ علاج ناکام ہوا۔ کسان اگر فصل نہ پیدا کرسکے تو کہتے ہیں وہ زراعت میں ناکام ہوا اسی طرح اگر آپ اپنی زندگی کے اصل مقصد یعنی "عبادت کو پورا نہیں کرسکے تو کہنا چاہیئے کہ آپ کی ساری زندگی ہی ناکامیاب ہوگئی۔ اس لئے آپ عبادت کا مطلب ضرور سمجھ لیں کیونکہ اسی پر آپ کی زندگی کے کامیاب یا ناکامیاب ہونے کا انحصار ہے۔

اس عبادت کے معنی ہیں بندگی اور غلامی۔ جو شخص کسی کا بندہ ہو، اگر وہ اس کی خدمت میں بندہ بن کر رہے اور اس کے ساتھ اس طرح پیش آئے جس طرح آقا کے ساتھ پیش آنا چاہیئے تو یہ بندگی اور عبادت ہے۔ اس کے برعکس جو شخص کسی کا بندہ ہو اور آقا سے تنخواہ پوری پوری وصول کرتا ہو، مگر آقا کے حضور میں بندوں کا سا کام نہ کرے تو اسے نافرمانی اور سرکشی کہا جاتا ہے، بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں اسے نمک حرامی کہتے ہیں۔

واعلموا ان اللہ مع المتقین ۰ (البقرہ ۱۹۴) خدا پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

بندے کا کام

بندے کا پہلا کام یہ ہے کہ آقا ہی کو اپنا آقا سمجھے اور یہ خیال کرے کہ جو میرا مالک ہے جو مجھے رزق دیتا ہے، جو میری حفاظت اور نگرانی کرتا ہے، اسی کی وفاداری مجھ پر فرض ہے، اس کے سوا اور کوئی اس کا مستحق نہیں کہ میں اس کی وفاداری کروں۔

بندے کا دوسرا کام یہ ہے کہ ہر وقت آقا کی اطاعت کرے، اس کے حکم کو بجالائے، کبھی اس کی خدمت سے منہ نہ موڑے اور آقا کی مرضی کے خلاف نہ خود اپنے دل سے کوئی بات کرے نہ کسی دوسرے شخص کی بات مانے۔ غلام ہر وقت ہر حال میں غلام ہے۔ اسے یہ کہنے کا حق ہی نہیں کہ آقا کی فلاں بات مانوں گا اور فلاں بات نہیں مانوں گا۔ یا اتنی دیر کے لئے میں آقا کا غلام ہوں اور باقی وقت میں اس کی غلامی سے آزاد ہوں۔

بندے کا تیسرا کام یہ ہے کہ آقا کا ادب اور اس کی تعظیم کرے، جو طریقہ ادب اور تعظیم کرنے کا آقا نے مقرر کیا ہو اس کی پیروی کرے، جو وقت سلامی کے لئے حاضر ہونے کا آقا نے مقرر کیا ہو اس وقت ضرور حاضر ہو اور اس بات کا ثبوت دے کہ میں اس کی وفاداری میں ثابت قدم ہوں۔

بس یہی تین چیزیں ہیں جن سے مل کر عبادت بنتی ہے۔ ایک آقا کی وفاداری، دوسرے آقا کی اطاعت، اور تیسرے اس کا ادب اور اس کی تعظیم۔ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا کہ: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ، تو اس کا مطلب دراصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن اور انس کو اسلئے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف اللہ کے وفادار ہوں، اس کے خلاف اور کسی کے وفادار نہ ہوں، صرف اللہ کے احکام کی اطاعت کریں اور اس کے خلاف اور کسی کا حکم نہ مانیں۔

تین لطیفے

(۱) آپ اس نوکر کے متعلق کیا کہیں گے جو آقا کی مقرر کی ہوئی ڈیوٹی پر جانے کی بجائے ہر وقت بس اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا رہے اور لاکھوں مرتبہ اس کا نام جپتا چلا جائے؟ آقا اس سے کہتا ہے کہ جا کر فلاں فلاں کام کر کے حق ادا کر، مگر یہ جاتا نہیں وہیں کھڑے کھڑے آقا کو جھک جھک کر دس سلام کرتا ہے اور پھر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ آقا اسے حکم دیتا ہے کہ جا فلاں فلاں خرابیوں کو مٹا دے، مگر یہ ایک انچ وہاں سے نہیں ہٹتا اور سجدے پر سجدے کئے جاتا ہے۔ آقا حکم دیتا ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹ دے۔ یہ حکم سن کر بس وہیں کھڑے کھڑے خوش الحانی سے "چور کا ہاتھ کاٹ دے" "چور کا ہاتھ کاٹ دے" کی بیسیوں تسبیح پڑھتا رہتا ہے، مگر ایک دفعہ بھی اس نظامِ حکومت کے قیام کی کوشش نہیں کرتا جس میں چور کا ہاتھ کاٹا جا سکے۔ کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ شخص حقیقت میں اپنے آقا کی بندگی کر رہا ہے؟ اگر آپ کا کوئی ملازم یہ رویہ اختیار کرے تو میں جانتا ہوں کہ آپ اسے کیا کہیں گے۔ مگر حیرت ہے آپ پر کہ خدا کا جو نوکر ایسا ہوتا ہے آپ اسے بڑا عبادت گزار کہتے ہیں۔ یہ ظالم صبح سے شام تک خدا جانے کتنی مرتبہ قرآن شریف میں خدا کے احکام پڑھتا ہے، مگر ان احکام کو بجا لانے کے لئے اپنی جگہ سے جنبش نہیں کرتا، بلکہ نفل پر نفل پڑھے جاتا ہے۔ ہزار دانہ تسبیح پر خدا کا نام جپتا ہے اور خوش الحانی کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرتا رہتا ہے۔ آپ اس کی یہ حرکتیں دیکھتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیسا عابد و زاہد بندہ ہے! یہ غلط فہمی صرف اس وجہ سے ہے کہ آپ عبادت کا صحیح مطلب نہیں سمجھتے۔

(۲) ایک اور نوکر ہے جو رات دن ڈیوٹی تو غیروں کی انجام دیتا ہے، احکام غیروں کے سنتا اور مانتا ہے، قانون پر غیروں کے عمل کرتا ہے، اپنے اصلی آقا کے فرمان کی ہر وقت خلاف ورزی

کیا کرتا ہے کہ سلامی کے وقت آقا کے سامنے حاضر ہو جاتا ہے اور زبان سے آقا ہی کا نام جپتا رہتا ہے۔ اگر آپ میں سے کسی کا نوکر یہ طریقہ اختیار کرے تو آپ کیا کریں گے؟ کیا آپ اس کی سلامی کو اس کے منہ پر نہ مار دیں گے؟ جب وہ زبان سے آپ کو آقا اور مالک کہے گا تو کیا آپ فوراً یہ جواب نہ دیں گے کہ تو پرلے درجہ کا جھوٹا ہے بے ایمان ہے، تنخواہ مجھ سے لیتا ہے اور نوکری دوسروں کی کرتا ہے، زبان سے مجھے آقا کہتا ہے، اور حقیقت میں میرے سوا ہر ایک کی خدمت کرتا رہتا ہے؟ یہ تو ایک معمولی عقل کی بات ہے جسے آپ میں سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ مگر کیسی حیرت کی بات ہے کہ جو لوگ رات دن خدا کا قانون توڑتے ہیں، کفار و مشرکین کے احکام پر عمل کرتے ہیں اور اپنی زندگی کے معاملات میں خدا کے احکام کی کوئی پروا نہیں کرتے۔ ان کی نماز اور روزے اور تسبیح اور تلاوت قرآن اور حج و زکوٰۃ کو آپ خدا کی عبادت سمجھتے ہیں۔ یہ غلط فہمی بھی اسی وجہ سے ہے کہ آپ عبادت کے اصل مقصد سے ناواقف ہیں۔

(۳) ایک اور نوکر کی مثال لیجئے۔ آقا نے اپنے نوکروں کے لئے جو وردی مقرر کی ہے، یہ ٹھیک ناپ تول کے ساتھ اس وردی کو پہنتا ہے، بڑے ادب اور تعظیم کے ساتھ خدا کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے، ہر حکم کو سن کر اس طرح جھک کر "بسروچشم" کہتا ہے گویا اس سے بڑھ کر اطاعت گذار خادم کوئی نہیں، سلامی کے وقت سب سے آگے جا کر کھڑا ہوتا ہے اور آقا کا نام جپنے میں تمام نوکروں سے بازی لے جاتا ہے مگر دوسری طرف یہی شخص آقا اور دشمنوں اور باغیوں کی خدمت بجالاتا ہے، آقا کے خلاف ان کی سازشوں میں حصہ لیتا ہے، اور آقا کے نام کو دنیا سے مٹانے میں جو کوشش بھی کرتے ہیں اس میں یہ کمبخت ان کا نام دیتے ہیں۔ رات کے اندھیرے میں تو آقا کے گھر میں نقب لگاتا ہے اور صبح بڑے وفادار ملازموں کی طرح ہاتھ باندھ کر آقا کی خدمت میں حاضر ہو جاتا ہے۔ ایسے نوکر کے متعلق آپ کیا کہیں گے؟ یہی نا کہ وہ منافق ہے، نمک حرام ہے، باغی ہے۔ مگر خدا کے جو نوکر ایسے ہیں، ان کو آپ کیا کہا کرتے ہیں؟ کسی کو پیر صاحب

اور کسی کو حضرت مولانا اور کسی کو دین دار، متقی اور عبادت گذار۔ یہ صرف اس لئے کہ آپ ان کے منہ پر پورے ناپ کی داڑھیاں دیکھ کر، ان کے ٹخنوں سے دو دو انچ اوپر پاجامے دیکھ کر، ان کی پیشانیوں پر نماز کے گٹے دیکھ کر اور ان کی لمبی لمبی نمازیں اور موٹی موٹی تسبیحیں دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ بڑے دین دار اور عبادت گذار ہیں۔

آپ سمجھتے ہیں ہاتھ باندھ کر قبلہ رو کھڑے ہونا، گھٹنوں پر ہاتھ رکھکر جھکنا، زمین پر ہاتھ رکھ کر سجدہ کرنا اور چند مقرر الفاظ زبان سے ادا کرنا، بس یہی چند افعال اور حرکات بجائے خود عبادت ہیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ رمضان کی پہلی تاریخ سے شوال کا چاند نکلنے تک روزانہ صبح سے شام تک بھوکے پیاسے رہنے کا نام عبادت ہے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ قرآن کے چند رکوع زبان سے پڑھ دینے کا نام عبادت ہے، آپ سمجھتے ہیں مکہ معظمہ جاکر کعبہ کے گرد طواف کرنے کا نام عبادت ہے۔ غرض آپ نے چند افعال کی ظاہری شکلوں کا نام عبادت رکھ چھوڑا ہے، اور جب کوئی شخص ان شکلوں کے ساتھ ان افعال کو ادا کر دیتا ہے تو آپ خیال کرتے ہیں کہ اس نے خدا کی عبادت کر دی اور وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ؕ کا مقصد پورا ہوگیا۔ اب وہ اپنی زندگی میں آزاد ہے کہ جو چاہے کرے۔

لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے جس عبادت کے لئے آپ کو پیدا کیا ہے اور جس کا آپ کو حکم دیا ہے، وہ کچھ اور ہی چیز ہے۔ وہ عبادت یہ ہے کہ آپ اپنی زندگی میں، ہر وقت، ہر حال میں خدا کے قانون کی اطاعت کریں اور ہر اس قانون کی پابندی سے آزاد ہو جائیں جو قانون الٰہی کے خلاف ہو۔ آپ کی ہر جنبش اس حد کے اندر ہو، جو خدا نے آپ کے لئے مقرر کی ہے۔ آپ کا ہر فعل اس طریقے کے مطابق ہو جو خدا نے آپ کو بتایا ہے۔ اس طرز پر جو زندگی آپ بسر کریں گے وہ پوری کی پوری عبادت ہوگی۔ ایسی زندگی میں آپ کا سونا بھی عبادت ہے اور جاگنا بھی، کھانا بھی عبادت ہے اور پینا بھی اور چلنا پھرنا بھی عبادت ہے

نماز

سب سے پہلے تو اس بات کی ضرورت ہے کہ آپ کو بار بار یہ یاد دلایا جاتا رہے کہ آپ خدا کے بندے ہیں اور اسی کی بندگی آپ کو ہر وقت اور ہر کام میں کرنی ہے۔ یہ یاد دلانے کی ضرورت اس لئے ہے کہ ایک شیطان آدمی کے نفس میں بیٹھا ہوا ہے جو ہر وقت کہتا رہتا ہے کہ تو میرا بندہ ہے، اور لاکھوں کروڑوں شیطان دنیا میں ہر وقت پھیلے ہوئے ہیں اور ان میں سے ہر ایک یہی کہہ رہا ہے کہ تو میرا بندہ ہے ان شیطانوں کا طلسم اس وقت تک نہیں ٹوٹ سکتا جب تک انسان کو دن میں کئی کئی بار یہ یاد نہ دلایا جائے کہ تو کسی کا بندہ نہیں، صرف خدا کا بندہ ہے۔ یہی کام نماز کرتی ہے۔ صبح اٹھتے ہی سب سے پہلے وہ آپ کو یہی بات یاد دلاتی ہے۔ پھر جب آپ دن کو اپنے کام کاج میں مشغول ہوتے ہیں، اس وقت پھر تین مرتبہ اسی یاد کو تازہ کرتی ہے، اور جب آپ رات کو سونے کے لئے جاتے ہیں تو آخری بار پھر اسی کا اعادہ کرتی ہے۔

پھر چونکہ آپ کو اسی زندگی میں، ہر ہر قدم پر خدا کے احکام بجا لانے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ آپ میں اپنا فرض پہچاننے کی صفت پیدا ہو اور اس کے ساتھ آپ کو اپنا فرض مستعدی سے انجام دینے کی عادت بھی ہو۔ جو شخص یہ جانتا ہی نہ ہو کہ فرض کے معنی کیا ہیں تو وہ کبھی احکام کی اطاعت کر ہی نہیں سکتا۔ اور جو شخص فرض کے معنی تو جانتا ہو مگر اس کی تربیت اتنی خراب ہو کہ فرض کو فرض جاننے کے باوجود وہ اسے ادا کرنے کی پروا نہ کرے، اس سے کبھی یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں جو اسے ہزاروں احکام دیئے جاتے ہیں، ان کو مستعدی کے ساتھ انجام دے گا۔

ایک مثال

جن لوگوں کو فوج یا پولس میں ملازمت کرنے کا اتفاق ہوا ہے وہ جانتے ہیں کہ ان دونوں ملازمتوں میں ڈیوٹی کو سمجھنے اور اسے ادا کرنے میں مشق کس طرح کرائی جاتی ہے۔ رات دن میں کئی کئی بار بگل بجایا جاتا ہے۔ سپاہیوں کو ایک جگہ حاضر ہونے کا حکم دیا جاتا ہے اور ان سے قواعد کرائی جاتی ہے۔ یہ سب اس لئے ہے کہ ان کو حکم بجالانے کی عادت ہو اور ان میں سے جو لوگ ایسے سست اور نالائق ہوں کہ بگل کی آواز سن کر بھی گھر بیٹھے رہیں یا قواعد میں حکم کے مطابق حرکت نہ کریں انھیں پہلے ہی ناکارہ سمجھ کر ملازمت سے الگ کر دیا جائے۔ بس اسی طرح نماز بھی دن میں پانچ وقت بگل بجاتی ہے تاکہ اللہ کے سپاہی اس کو سن کر ہر طرف سے دوڑتے چلے آئیں اور ثابت کریں کہ وہ اللہ کے احکام کو ماننے کے لئے مستعد ہیں۔ جو مسلمان اس بگل کو سن کر بھی بیٹھا رہتا ہے اور اپنی جگہ سے نہیں ہلتا، وہ دراصل یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ یا تو فرض کو پہچانتا ہی نہیں، یا اگر پہچانتا ہے تو اتنا نالائق اور ناکارہ ہے کہ خدا کی فوج میں رہنے کے قابل نہیں۔

اسی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ اذان کی آواز سن کر اپنے گھروں سے نہیں نکلتے، میرا جی چاہتا ہے کہ جا کر ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔ اور یہی وجہ ہے کہ حدیث میں نماز پڑھنے کو کفر اور اسلام کے درمیان وجہ تمیز قرار دیا گیا ہے۔ عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ میں کوئی ایسا شخص مسلمان ہی نہیں سمجھا جاتا تھا جو نماز کے لئے جماعت میں حاضر نہ ہوتا ہو حتیٰ کہ منافقین بھی جنھیں اس امر کی ضرورت ہوتی تھی کہ انھیں مسلمان سمجھا جائے اس امر پر مجبور ہوتے تھے کہ نماز باجماعت میں شریک ہوں۔

نماز کی برکت

(۱) اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ۔ یعنی "نماز وہ چیز ہے کہ جو انسان کو بدی اور بے حیائی سے روکتی ہے"۔ اس کی وجہ غور کرکے آپ خود سمجھ سکتے ہیں۔ مثلاً آپ نماز کے لئے پاک ہو کر اور وضو کرکے آتے ہیں۔ اگر آپ ناپاک ہوں اور بغیر غسل کئے ہی آجائیں یا آپ کے کپڑے ناپاک ہوں اور انہی کو پہنے ہوئے آجائیں، یا آپ کا وضو نہ ہو اور آپ کہہ دیں کہ میں وضو کرکے آیا ہوں، تو دنیا میں کون آپ کو پکڑ سکتا ہے؟ لیکن آپ ایسا نہیں کرتے، کیوں؟ اسلئے کہ آپ کو یقین ہے کہ خدا سے یہ گناہ نہیں چھپ سکتا۔ اسی طرح نماز میں جو چیزیں آہستہ پڑھی جاتی ہیں اگر ان کو آپ نہ پڑھیں تو کسی کو بھی خبر نہ ہو، مگر آپ ایسا نہیں کرتے، یہ کس لئے۔؟ اسی لئے کہ آپ کو یقین ہے کہ خدا سب کچھ دیکھ اور سن رہا ہے۔ اسی طرح آپ جنگل میں بھی نماز پڑھتے ہیں۔ اپنے گھر میں جب تنہا ہوتے ہیں اس وقت بھی نماز پڑھتے ہیں حالانکہ کوئی بھی آپ کو دیکھنے والا نہیں ہوتا اور کسی کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ نے نماز پڑھی ہے یا نہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ آپ چھپ کر بھی خدا کی خلاف ورزی کرنے سے ڈرتے ہیں اور آپ کو یقین ہے کہ خدا سے کسی جرم کو چھپانا ممکن نہیں۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ نماز کس طرح خدا کا خوف

۶۹ اور اس کے حاضر و ناظر و علیم و خبیر ہونے کا یقین آدمی کے دل میں بٹھاتی اور تازہ کرتی رہتی ہے۔
رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں آپ خدا کی عبادت اور بندگی کیسے کرسکتے ہیں جب تک کہ یہ خوف اور یہ یقین آپ کے دل میں تازہ نہ ہوتا رہے۔ آپ کا دل اگر اس چیز سے خالی ہو تو کیونکر ممکن ہے کہ رات دن جو ہزاروں معاملات آپ کو دنیا میں پیش آتے ہیں، ان میں آپ خدا سے ڈر کر نیکی پر قائم رہیں گے اور بدی سے بچیں گے۔

(۲) جو چیز عبادت الٰہی کے لئے نہایت ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ آپ خدا کے قانون سے واقف ہوں۔ اس لئے اگر آپ کو قانون کا علم ہی نہ ہو تو آپ اس کی پابندی کیسے کرسکتے ہیں؟ یہ کام بھی نماز ہی انجام دیتی ہے۔ نماز میں قرآن جو پڑھا جاتا ہے، یہ اسی لئے ہے کہ روزانہ آپ خدا کے احکام فرمان اور اس کے قانون سے واقف ہوتے رہیں۔ جمعہ کا خطبہ بھی اسی لئے ہے کہ آپ کو اسلام کی تعلیمات سے واقفیت ہو۔ نماز باجماعت اور جمعہ سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ عالم اور عامی بار بار ایک جگہ جمع ہوتے رہیں اور لوگوں کو ہمیشہ خدا کے احکام سے واقف ہونے کا موقعہ ملتا رہے۔
اب یہ آپ کی بدقسمتی ہے کہ آپ نماز میں جو کچھ پڑھتے ہیں اس سے واقف ہونے کی کوشش نہیں کرتے۔ آپ کو جمعہ کے خطبے بھی ایسے سنائے جاتے ہیں جن سے آپ کو اسلام کا کوئی علم حاصل نہیں ہوتا، اور نماز کی جماعتوں میں آکر نہ آپ کے عالم اپنے جاہل بھائیوں کو کچھ سکھاتے ہیں۔ اور نہ جاہل اپنے عالم بھائیوں سے کچھ پوچھتے ہیں۔ نماز تو آپ کو ان سب فائدوں کا موقع دیتی ہے۔ آپ خود فائدہ نہ اٹھائیں تو نماز کا کیا قصور؟

(۳) تیسری چیز یہ ہے کہ ہر مسلمان زندگی کے اس ہنگامے میں اکیلا نہ ہو، بلکہ سب مسلمان مل کر ایک مضبوط جماعت بنیں اور خدا کی عبادت یعنی اس کے احکام کی پابندی کرنے میں اور اس کے قانون پر عمل کرنے اور اس کے قانون کو دنیا میں جاری کرنے کے لئے ایک دوسرے کی مدد کریں۔

نماز کا حاصل

آپ جانتے ہیں کہ اس زندگی میں ایک طرف مسلمان یعنی خدا کے فرمانبردار بندے ہیں اور دوسری طرف کفار یعنی خدا کے باغی بندے، رات دن بغاوت اور فرمانبرداری کے درمیان کشمکش برپا ہے، باغی خدا کے قانون کو توڑتے ہیں اور اس کے خلاف دنیا میں شیطانی قوانین کو نافذ کرتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں اگر ایک ایک مسلمان تنہا ہو تو کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ضرورت اس کی ہے کہ خدا کے فرماں بردار بندے مل کر اجتماعی طاقت سے بغاوت کا مقابلہ کریں اور خدا کے قانون کو جاری کریں۔ یہ اجتماعی طاقت پیدا کرنے والی چیز، تمام چیزوں سے بڑھ کر نماز ہے۔ پانچ وقت کی جماعت پھر جمعہ کا بڑا اجتماع، پھر عیدین کے اجتماع، یہ سب مل کر مسلمانوں کو ایک مضبوط دیوار کی طرح بنا دیتے ہیں۔ اور ان میں وہ یک جہتی اور عملی تحاد پیدا کرتے ہیں جو روزمرہ کی عملی زندگی میں مسلمانوں کو ایک دوسرے کا مددگار بنانے کے لئے ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے یہی چاہتا ہے اور اس میں اس کی رضا ہے اور اس کا بدلہ آخرت میں جنت الفردوس ہے۔

"روزہ"

دوسری عبادت جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر فرض کی ہے وہ "روزہ" ہے۔ روزہ سے مراد یہ ہے کہ صبح سے شام تک آدمی کھانے پینے اور مباشرت سے پرہیز کرے۔ نماز کی طرح یہ عبادت بھی ابتدا سے تمام پیغمبروں کی شریعت میں فرض رہی ہے پچھلی جتنی امتیں گذری ہیں سب اسی طرح روزے رکھتی تھیں۔ جس طرح اُمتِ محمدیہ رکھتی ہے البتہ روزے کے احکام، اور روزوں کی تعداد اور روزے رکھنے کے زمانے میں شریعتوں کے درمیان فرق رہا ہے۔ آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر مذاہب میں روزہ کسی نہ کسی شکل میں ضرور موجود ہے۔ اگرچہ لوگوں نے اپنی طرف سے بہت سی باتیں ملاکر اس کی شکل بگاڑ دی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ۔ یعنی "اے مسلمانو! تمہارے اوپر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے کی اُمتوں پر فرض کیا گیا تھا" اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جتنی شریعتیں آئی ہیں وہ کبھی روزے کی عبادت سے خالی نہیں رہی ہیں۔

غور کیجئے کہ آخر روزے میں کیا بات ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو ہر زمانہ میں فرض کیا

روزے کا راز

روزہ ایسی عبادت ہے جس کا حال خدا اور بندے کے سوا کسی دوسرے پر نہیں کھل سکتا ایک شخص سب کے سامنے سحری کھاتا ہے اور افطار کے وقت تک ظاہر میں کچھ نہ کھائے پیئے، مگر چھپ کر پانی پی جائے یا کچھ چوری چھپے کھالے تو خدا کے سوا کسی کو بھی اس کی خبر نہیں ہو سکتی۔ ساری دنیا یہی سمجھتی رہے گی کہ وہ روزے سے ہے اور وہ حقیقت میں روزے سے نہ ہوگا۔

جو شخص حقیقت میں روزہ رکھتا ہے اور اس میں چوری چھپے بھی کچھ نہیں کھاتا پیتا۔ سخت گرمی کی حالت میں بھی جب کہ پیاس سے حلق چٹخا جاتا ہو پانی کا ایک قطرہ حلق سے نہیں اتارتا، سخت بھوک کی حالت میں بھی جب کہ آنکھوں میں دم آرہا ہو کوئی چیز کھانے کا ارادہ تک نہیں کرتا، اسے اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے کا کتنا ایمان ہے۔ کس قدر زبردست یقین کے ساتھ وہ جانتا ہے کہ اس کی حرکت چاہے ساری دنیا سے چھپ جائے مگر اللہ سے نہیں چھپ سکتی۔ کیسا خوف خدا اس کے دل میں ہے کہ بڑی سے بڑی تکلیف اٹھاتا ہے مگر صرف اللہ کے خوف کی وجہ سے کوئی ایسا کام نہیں کرتا جو اس کے روزے کو توڑنے والا ہو۔ کس قدر مضبوط اعتقاد ہے، اس کو آخرت کی جزا و سزا پر کہ مہینہ بھر میں وہ کم از کم تین سو ساٹھ گھنٹے روزے رکھتا ہے۔ اور اس دوران میں کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی اس کے دل میں آخرت کے متعلق کوئی شک کا شائبہ تک نہیں آتا۔ اگر اسے اس بات میں ذرا سا بھی شک ہوتا کہ آخرت ہوگی یا نہ ہوگی اور اس میں عذاب و ثواب ہوگا یا نہ ہوگا تو وہ کبھی اپنا روزہ پورا نہیں کر سکتا تھا۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۔ تاکہ تم پرہیزگار بنو ۔

اللہ تعالیٰ ہر سال، کامل ایک مہینہ تک مسلمانوں کے ایمان کو مسلسل آزمائش میں ڈالتا ہے اور اس آزمائش میں آدمی جتنا جتنا پورا اترتا ہے اتنا ہی اس کا ایمان مضبوط ہوتا جاتا ہے۔ یہ گویا آزمائش کی آزمائش ہے اور ٹریننگ کی ٹریننگ۔ آپ جب کسی شخص کے پاس امانت رکھواتے ہیں تو گویا اس کی ایمانداری کی آزمائش کرتے ہیں۔ اگر وہ اس آزمائش میں پورا اترے اور امانت میں خیانت نہ کرے تو اس کے اندر امانتوں کا بوجھ سنبھالنے کی اور زیادہ طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ زیادہ امین بنتا چلا جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی مسلسل ایک مہینہ تک روزانہ بارہ بارہ چودہ چودہ گھنٹوں تک آپ کے ایمان کو کڑی آزمائش میں ڈالتا ہے اور جب اس آزمائش میں آپ پورے اترتے ہیں تو آپ کے اندر اس بات کی مزید قابلیت پیدا ہونے لگتی ہے کہ اللہ سے ڈر کر دوسرے گناہوں سے بھی توبہ کرنے لگتے ہیں۔ اللہ کو عالم الغیب جان کر چوری چھپے بھی اس کے قانون کو توڑنے سے بچیں۔ اور ہر موقع پر قیامت کا وہ دن آپ کو یاد آجایا کرے جب سب کچھ کھل جائے گا اور بغیر کسی رو رعایت کے بھلائی کا بھلا اور برائی کا بدلہ برا ملے گا۔ یہی مطلب ہے اس آیت کا کہ:

۔ یَاۤ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۔ (بقرہ۔۲۳)

اے اہلِ ایمان! تمہارے اوپر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے۔ شاید کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

روزہ
انسان کی تربیت کا بہترین ذریعہ

روزہ مسلمان سے ایک لمبی مدت تک شریعت کے احکام کی لگاتار اطاعت کراتا ہے۔ صبح سحری کے لئے اٹھو، ٹھیک فلاں وقت پر کھانا پینا سب بند کر دو۔ دن بھر فلاں فلاں کام کر سکتے ہو اور فلاں فلاں کام نہیں کر سکتے۔ شام کو ٹھیک فلاں وقت پر افطار کر لو پھر کھانا کھا کر آرام کر لو۔ پھر تراویح کے لئے دوڑو۔ اس طرح ہر سال کامل مہینہ بھر صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک مسلمان کو مسلسل فوجی سپاہیوں کی طرح پورے قاعدے اور ضابطے میں باندھ کر رکھا جاتا ہے، اور پھر گیارہ مہینے کے لئے اسے چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ جو تربیت اس ایک مہینہ میں اس نے حاصل کی ہے اس کے اثرات ظاہر ہوں اور جو کمی پائی جائے وہ پھر دوسرے سال کی ٹریننگ میں پوری کی جائے۔

اس قسم کی تربیت کے لئے ایک ایک شخص کو لے کر الگ الگ تیار کرنا کسی طرح موزوں نہیں ہوتا۔ فوج میں بھی آپ دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کو الگ الگ قواعد نہیں کرائی جاتی بلکہ پوری فوج کی فوج ایک ساتھ قواعد کرتی ہے۔ سب کو ایک وقت پر ایک بگل کی آواز پر اٹھنا اور بگل کی آواز پر کام کرنا ہوتا ہے تاکہ ان میں جماعت بن کر کام کرنے کی متفقہ طور پر عادت ہو، اور اس کے ساتھ ہی وہ سب ایک دوسرے کی تربیت میں مددگار بھی ہوں یعنی ایک شخص کی تربیت میں جو کچھ نقص رہ جائے اس کی کمی کو دوسرا اور دوسرے کی کمی کو تیسرا پورا کرے۔ اسی طرح اسلام میں بھی رمضان کا مہینہ روزے کی عبادت کے لئے مخصوص کیا گیا اور تمام مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ ایک وقت میں سب کے سب مل کر روزہ رکھیں۔ اس حکم نے انفرادی عبادت کو اجتماعی عبادت بنا دیا۔ جس طرح

ایک کے عدد کو لاکھ سے ضرب دو تو لاکھ کا زبردست عدد بن جاتا ہے۔ اسی طرح ایک شخص کے روزہ رکھنے سے جو اخلاقی اور روحانی فائدے ہو سکتے ہیں، لاکھوں کروڑوں آدمیوں کے مل کر روزہ رکھنے سے وہ لاکھوں کروڑوں گنے زیادہ بڑھ جاتے ہیں۔ رمضان کا مہینہ پوری فضا کو نیکی اور پرہیزگاری کی روح سے بھر دیتا ہے۔ پوری قوم میں گویا تقویٰ کی کھیتی سرسبز ہو جاتی ہے۔ ہر شخص نہ صرف خود گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے بلکہ اس میں اگر کوئی کمزوری ہوتی ہے تو اس کے دوسرے بہت سے بھائی جو اسی کی طرح روزہ دار ہیں اس کے پشت پناہ بن جاتے ہیں۔ ہر شخص کو روزہ رکھ کر گناہ کرتے ہوئے شرم آتی ہے اور ہر ایک کے دل میں خود بخود یہ خواہش ابھرتی ہے کہ کچھ بھلائی کے کام کرے، کسی غریب کو کھانا کھلائے، کسی ننگے کو کپڑا پہنائے، کسی مصیبت زدہ کی مدد کرے، کسی جگہ اگر کوئی نیک کام ہو رہا ہو تو اس میں حصہ لے۔ اور اگر کہیں علانیہ بدی ہو رہی ہو تو اسے روکے۔ نیکی اور تقوے کا عام ماحول پیدا ہو جاتا ہے اور بھلائیوں کے پھولنے پھلنے کا موسم آجاتا ہے جس طرح آپ دیکھتے ہیں کہ ہر غلہ اپنا موسم آنے پر خوب پھلتا پھولتا ہے اور ہر طرف کھیتوں پر چھایا ہوا نظر آتا ہے۔

رمضان چونکہ خیر و صلاح کے پھلنے اور پھولنے کا موسم ہے اور اس موسم میں ایک شخص نہیں بلکہ لاکھوں کروڑوں مسلمان مل کر اس نیکی کے باغ کو پانی دیتے ہیں اس لئے یہ بے حد و حساب بڑھ سکتا ہے۔ جتنی زیادہ نیک نیتی کے ساتھ اس مہینہ میں عمل کرو گے جس قدر زیادہ برکتوں سے خود فائدہ اٹھاؤ گے اور اپنے دوسرے بھائیوں کو فائدہ پہنچاؤ گے اور پھر جس قدر زیادہ اس مہینے کے اثرات بعد کے باقی گیارہ مہینوں میں باقی رکھو گے اتنا ہی یہ پھولے پھلے گا اور اس کے پھلنے پھولنے کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ تم خود اس کو اپنے عمل سے محدود کر لو تو یہ تمہارا اپنا قصور ہے۔

احمق آدمی

آپ اس شخص کو احمق قرار دیں گے جو روٹی کھانے کے بعد فوراً ہی حلق میں انگلی ڈال کر قے کردے، اور پھر شکایت کرتا ہو کہ روٹی کھانے کے جو فائدے بیان کئے جاتے ہیں وہ مجھے حاصل ہی نہیں ہوتے، بلکہ میں تو الٹا روز بروز دبلا ہی ہوتا جا رہا ہوں اور مر جانے کی نوبت آگئی ہے۔ یہ احمق اپنی اس کمزوری کا الزام روٹی اور کھانے پر رکھتا ہے۔ حالانکہ حماقت اس کی اپنی ہے۔ اس نے اپنی نادانی سے یہ سمجھ لیا کہ کھانے کے فعل میں یہ جو چند ظاہری باتیں ہیں انہی کو ادا کر لینے سے بس زندگی کی طاقت حاصل ہو جاتی ہے، اس لئے اس نے سوچا کہ اب روٹی کا بوجھ معدے میں کیوں رکھو؟ کیوں نہ اسے نکال پھینکا جائے تاکہ پیٹ ہلکا ہو جائے۔ کھانے کے کام کی ظاہری صورت تو میں ادا ہی کر چکا ہوں۔ یہ احمقانہ خیال جو اس نے قائم کیا اور پھر اس کی پیروی کی تو اس کی سزا بھی تو آخر اسی کو بھگتنا چاہیئے۔ اس کو جاننا چاہیئے تھا کہ جب تک روٹی پیٹ میں جا کر ہضم نہ ہو اور خون بن کر سارے جسم میں پھیل نہ جائے، اس وقت تک زندگی کی طاقت حاصل نہیں ہو سکتی۔ کھانے کے ظاہری ارکان بھی اگرچہ ضروری ہیں، کیونکہ ان کے بغیر روٹی معدے تک نہیں پہنچ سکتی، مگر محض ان ظاہری ارکان کے ادا کرنے سے کام نہیں چل سکتا۔ ان ارکان میں کوئی جادو بھرا ہوا نہیں ہے کہ انہیں ادا کرنے سے بس طلسماتی طریقے پر آدمی کی رگوں میں خون دوڑنے لگتا ہو۔ خون پیدا کرنے کے لئے تو اللہ نے جو قانون بنایا ہے اسی کے مطابق وہ پیدا ہوگا، اس کو توڑو گے تو اپنے آپ کو خود ہلاک کرو گے۔

یہ ماجرا کیا ہے؟

یہ کیا ماجرا ہے کہ رمضان بھر میں تقریباً تین سو ساٹھ گھنٹے خدا کی عبادت کرنے کے بعد جب آپ فارغ ہوتے ہیں تو اس پوری عبادت کے تمام اثرات شوال کی پہلی ہی تاریخ کو کافور ہو جاتے ہیں؟ غیر مسلم اپنے تہواروں میں جو کچھ کرتے ہیں وہی سب آپ عید کے زمانہ میں کرتے ہیں حد یہ ہے کہ شہروں میں تو عید کے دن بدکاری اور شراب نوشی اور قمار بازی تک ہوتی ہے اور بعض ظالم تو میں نے ایسے دیکھے ہیں جو رمضان کے زمانے میں دن کو روزہ رکھتے ہیں اور رات کو شراب پیتے اور زنا کرتے ہیں۔ عام مسلمان خدا کے فضل سے اتنے بگڑے ہوئے تو نہیں ہیں، مگر رمضان ختم ہونے کے بعد آپ میں سے کتنے ایسے ہیں جن کے اندر عید کے دوسرے دن بھی تقویٰ اور پرہیزگاری کا کوئی اثر باقی رہتا ہو؟ خدا کے قوانین کی خلاف ورزی میں کون سی کسر اٹھا رکھی جاتی ہے؟ اس احمق کی طرح قے کر کے روزے کو اپنے اندر سے نکال پھینک دیا جاتا ہے، بلکہ آپ میں سے بعض لوگ تو روزہ کھولنے کے بعد ہی دن بھر کی پرہیزگاری کو اگل دیتے ہیں۔ پھر آپ ہی بتایئے کہ رمضان اور اس کے روزے کوئی طلسم تو ہیں نہیں کہ بس ان کی ظاہری شکل پوری کر دینے سے آپ کو وہ طاقت حاصل ہو جائے جو حقیقت میں روزے سے حاصل ہونی چاہیئے جس طرح روٹی سے جسمانی طاقت اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ معدے میں جا کر ہضم نہ ہو، اور خون بن کر جسم کی رگ رگ میں نہ پہنچ جائے اسی طرح روزے سے بھی روحانی طاقت اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ آدمی روزے کے مقصد کو پوری طرح نہیں سمجھے اور اپنے دماغ کے اندر اس کو اترنے اور خیال، نیت، ارادہ اور عمل پر چھا جانے کا موقع نہ دے۔

۳۶

اصل مقصد پر توجہ

یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روزہ کا حکم دینے کے بعد فرمایا۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ہ یعنی کہ تم پر روزہ فرض کیا جاتا ہے شاید کہ تم متقی اور پرہیز گار بن جاؤ گے۔ اس لئے کہ روزے کا یہ نتیجہ تو آدمی کی سمجھ بوجھ اور اس کے ارادے پر موقوف ہے۔ جو اس کے مقصد کو سمجھے گا اور اس کے ذریعہ سے اصل مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا وہ تھوڑا بہت متقی بن جائیگا مگر جو مقصد ہی کو نہ سمجھے گا اور اسے حاصل کرنے کی کوشش ہی نہ کرے گا اسے فائدہ حاصل ہونے کی کوئی امید نہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف طریقوں سے روزے کے اصل مقصد کی طرف توجہ دلائی ہے اور یہ سمجھایا ہے کہ مقصد سے غافل ہو کر بھوکا پیاسا رہنا کچھ مفید نہیں۔ چنانچہ فرمایا۔

مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ

جب کسی نے جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا ہی نہ چھوڑا تو اس کا کھانا اور پانی چھڑا دینے کی اللہ کی کوئی حاجت نہیں۔

دوسری حدیث میں ہے کہ سرکار نے فرمایا۔

كَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ صِيَامِهٖ اِلَّا الظَّمَاُ وَكَمْ مِنْ قَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ قِيَامِهٖ اِلَّا السَّهَرُ

بہت سے روزے دار ایسے ہیں کہ روزے سے بھوک پیاس کے سوا ان کے پلے کچھ نہیں پڑتا۔

اور بہت سے راتوں کے کھڑے ہونے والے ایسے ہیں کہ اس قیام سے رت جگے کے سوا ان کے پلے کچھ نہیں پڑتا۔

روزے کے اصل مقصد کی طرف سرکارؐ اس طرح توجہ دلاتے ہیں کہ:۔

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔

یعنی جس نے روزہ رکھا ایمان واحتساب کے ساتھ اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے۔

ایمان کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے متعلق مسلمان کا جو عقیدہ ہونا چاہیئے وہ عقیدہ ذہن میں پوری طرح تازہ رہے۔ اور احتساب کا مطلب یہ ہے کہ آدمی ہر وقت اپنے خیالات اور اعمال پر نظر رکھے کہ وہ کہیں اللہ کی رضا کے خلاف تو نہیں چل رہا ہے۔ ان دونوں چیزوں کے ساتھ جو شخص رمضان کے پورے روزے رکھ لے گا وہ اپنے پچھلے گناہ بخشوا لے جائے گا۔ اس لئے کہ اگر وہ کبھی سرکش و نافرمان بندہ تھا تو اب اس نے اپنے مالک کی طرف پوری طرح رجوع کر لیا اور اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ (گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ تھا)

دوسری حدیث میں آیا ہے:۔

اَلصِّیَامُ جُنَّةٌ وَاِذَا کَانَ یَوْمُ صَوْمِ اَحَدِکُمْ فَلَا یَرْفُثْ وَلَا یَصْخَبْ فَاِنْ سَابَّهٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهٗ فَلْیَقُلْ اِنِّیْ اِمْرَءٌ صَائِمٌ۔

روزے ڈھال کی طرح ہیں جیسا کہ ڈھال دشمن کے وار سے بچنے کے لئے ہے اسی طرح روزہ بھی شیطان کے وار سے بچنے کے لئے ہے) لہٰذا جب کوئی شخص روزے سے ہو تو اسے چاہیئے کہ اس ڈھال کو استعمال کرے اور) دنگے فساد سے پرہیز کرے۔ اگر کوئی شخص اس کو گالی دے یا اس سے لڑے تو اس سے کہہ دینا چاہیئے کہ بھائی میں روزہ سے ہوں میں تمہارے اس مشغلہ میں حصہ نہ لوں گا۔

زکوٰۃ

زکوٰۃ کے معنی ہیں پاکی اور صفائی کے۔ اپنے مال میں سے ایک حصّہ حاجتمندوں اور مسکینوں کے لئے نکالنے کو زکوٰۃ اس لئے کہا گیا کہ اس طرح وہ مال اور اس مال کے ساتھ خود آدمی کا نفس بھی پاک ہو جاتا ہے۔ جو شخص خدا کی بخشی ہوئی دولت میں سے خدا کے بندوں کا حق نہیں نکالتا اس کا مال ناپاک ہے۔ کیونکہ اس کے نفس میں احسان فراموشی بھری ہوئی ہے۔ اس کا دل اتنا تنگ ہے، اتنا خود غرض ہے، اتنا زر پرست ہے کہ جس خدا نے اس کو اس کی حقیقی ضروریات سے زیادہ دولت دے کر اس پر احسان کیا۔ اس کے احسان کا حق ادا کرتے ہوئے بھی اس کا دل دکھتا ہے۔ ایسے شخص سے کیا امید کی جا سکتی ہے کہ وہ کوئی نیکی بھی دنیا میں خدا کے واسطے کر سکے گا، کوئی قربانی بھی محض اپنے دین کی خاطر برداشت کرے گا۔ لہٰذا ایسے شخص کا دل بھی ناپاک اور اس کا وہ مال بھی ناپاک جسے وہ اس طرح جمع کرے۔

اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کا فرض عائد کرکے ہر شخص کو امتحان میں ڈالا ہے جو شخص بخوشی اپنی ضرورت سے زیادہ مال میں سے خدا کا حق نکالتا ہے اور اس کے بندوں کی مدد کرتا ہے وہی اللہ کے کام کا آدمی ہے اور وہی اس لائق ہے کہ ایمانداروں کی جماعت میں اس کا شمار کیا جائے اور جس کا دل اتنا تنگ ہے کہ وہ اتنی ذرا سی قربانی بھی خداوندِ عالم کے لئے برداشت نہیں کر سکتا وہ اللہ کے کسی کام کا نہیں۔ وہ ہرگز اس لائق نہیں کہ اہلِ ایمان کی جماعت میں داخل کیا جائے وہ تو ایک سڑا ہوا عضو ہے جسے جسم سے الگ ہی کر دینا بہتر ہے، ورنہ سارے جسم کو سڑا دے گا۔

زکوٰۃ ٹیکس نہیں ہے

زکوٰۃ جو آپ کے دین کا رکن ہے۔ اس کو دنیا کے حکومتوں کے ٹیکسوں کی طرح محض ایک ٹیکس نہ سمجھئے۔ بلکہ دراصل یہ اسلام کی روح اور اس کی جان ہے۔ یہ حقیقت میں ایمان کا امتحان ہے۔ جس طرح درجہ بدرجہ امتحانات دے کر آدمی ترقی کرتا ہے، یہاں تک کہ آخری امتحان دے کر گریجویٹ بنتا ہے اسی طرح خدا کے ہاں بھی کئی امتحان ہیں، جن سے آدمی کو گذرنا پڑتا ہے، اور جب وہ چوتھا امتحان، یعنی مال کی قربانی کا امتحان کامیابی کے ساتھ دے دیتا ہے۔ تب وہ پورا مسلمان بنتا ہے۔ اگرچہ یہ آخری امتحان نہیں ہے، اس کے بعد سب سے زیادہ سخت امتحان جان کی قربانی کا آتا ہے۔ لیکن اسلام کے دائرے میں یا بالفاظ دیگر اللہ کی پارٹی میں آنے کے لئے داخلہ کے جو امتحانات مقرر کئے گئے ہیں ان میں سے یہ آخری امتحان ہے۔ آجکل بعض لوگ کہتے ہیں کہ خرچ کرنے اور روپیہ بہانے کے وعظ تو مسلمانوں کو بہت سنائے جا چکے اب اس غربت و افلاس کی حالت میں تو ان کو کمانے اور جمع کرنے کے وعظ سنانے چاہئیں۔ مگر انھیں معلوم نہیں کہ یہ چیز جس پر وہ ناک بھوں چڑھاتے ہیں، دراصل یہی اسلام کی روح ہے اور مسلمانوں کو جس چیز نے پستی و ذلت کے گڑھے میں گرایا ہے وہ دراصل اسی روح کی کمی ہے۔ مسلمان اس لئے نہیں گرے کہ اس روح نے ان کو گرا دیا بلکہ اس لئے گرے ہیں کہ یہ روح ان سے نکل گئی ہے۔

زکوٰۃ کا نصاب

زکوٰۃ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تین جگہ الگ الگ احکام بیان فرمائے ہیں۔

(۱) سورۂ بقرہ میں فرمایا۔

وَاَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ۔ (رکوع ۲۰)

جو پاک مال تم نے کمائے ہیں اور جو پیداوار ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہے اس میں سے راہِ خدا میں خرچ کرو۔

(۲) سورۂ انعام میں فرمایا کہ ہم نے تمہارے لئے زمین سے باغ اگائے ہیں اور کھیتیاں پیدا کی ہیں۔ لہٰذا:۔

کُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ (رکوع ۱۷)

اس کی پیداوار جب نکلے تو اس میں سے کھاؤ اور فصل کٹنے کے دن اللہ کا حق نکال دو۔

یہ دونوں آیتیں زمین کی پیداوار کے متعلق ہیں، اور فقہائے حنفیہ فرماتے ہیں کہ خودرو پیداوار، مثلاً لکڑی، گھاس اور بانس کے سوا باقی جتنی چیزیں غلّہ، ترکاری اور پھلوں کی قسم سے نکلیں ان سب میں سے اللہ کا حق نکالنا چاہیئے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جو پیداوار آسمانی بارش سے ہو اس میں سے اللہ کا حق دسواں حصہ ہے، اور جو پیداوار انسان کی اپنی کوشش سے یعنی آب پاشی سے ہو اس میں سے اللہ کا حق بیسواں حصہ ہے اور حصہ پیداوار کٹنے کے ساتھ ہی واجب ہوتا ہے

چاندی سونے پر زکوٰۃ

چاندی کا نصاب دوسو درہم یعنی ۵۲ ½ تولے کے قریب ہے۔ سونے کا نصاب ، ۷ ½ تولہ' بکریوں کا نصاب ۴۰ بکریاں. گائے کا نصاب ۳۰ گائیں یعنی جس شخص کے پاس اتنا مال موجود ہو اور اس پر ایک سال گذر گیا ہو تو اس میں سے چالیسواں حصہ نکالنا واجب ہے چاندی اور سونے کے متعلق حنفیہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں الگ الگ بقدرِ نصاب نہ ہوں لیکن دونوں مل کر کسی ایک نصاب کی حد تک ان کی قیمت پہنچ جائے تو ان میں سے بھی زکوٰۃ نکالنی واجب ہے ۔سونا اور چاندی اگر زیور کی صورت میں ہوں تو حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے نزدیک ان کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے' اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے یہی قول لیا ہے ۔

حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو عورتوں کے ہاتھ میں سونے کے کنگن دیکھے اور پوچھا کہ کیا تم زکوٰۃ نکالتی ہو ؟ ایک نے عرض کیا کہ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کیا تو اسے پسند کرے گی کہ قیامت کے روز اس کے بدلے آگ کے کنگن تجھے پہنائے جائیں ؟

اسی طرح حضرت اُمِ سلمہؓ سے مروی ہے کہ میرے پاس سونے کی پازیب تھی. میں نے حضورؐ سے پوچھا کہ کیا یہ کنز ہے ؟"

آپ نے فرمایا کہ اگر اس میں سونے کی مقدار زکوٰۃ تک پہنچتی ہے اور اس میں سے زکوٰۃ نکال دی گئی ہے تو یہ کنز نہیں ہے ۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ سونا چاندی اگر زیور کی شکل میں ہوں تب بھی اسی طرح زکوٰۃ فرض ہے جس طرح نقد کی صورت میں ہونے پر ہے ۔ البتہ جواہر اور نگینوں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

زکوٰۃ کے حقدار

(۱) فقراء۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس کچھ نہ کچھ مال تو ہے مگر ان کی ضرورت کے لئے کافی نہ ہو تنگ دستی میں گذر بسر کرتے ہوں اور کسی سے مانگتے نہ ہوں۔

(۲) مساکین۔ یہ بہت ہی تنگ دست لوگ ہیں جن کے پاس اپنے تن کی ضروریات پوری کرنے کے لئے بھی کچھ نہ ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے لوگوں کو بھی مساکین میں شمار فرماتے ہیں جو کمانے کی طاقت رکھتے ہوں مگر انھیں روزگار نہ ملتا ہو۔

(۳) عاملین علیہا۔ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جنھیں اسلامی حکومت زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مقرر کرے۔ ان کو زکوٰۃ کی مد سے تنخواہ دی جائے گی۔

(۴) مؤلفۃ القلوب۔ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو اسلام کی حمایت کے لئے، یا اسلام کی مخالفت سے روکنے کے لئے روپیہ دینے کی ضرورت پیش آئے۔ نیز ان میں وہ نومسلم بھی داخل ہیں جنھیں مطمئن کرنے کی ضرورت ہو اگر کوئی شخص اپنی کافر قوم کو چھوڑ کر مسلمانوں میں آملنے کی وجہ سے بے روزگار یا تباہ حال ہو گیا ہو تب تو اس کی مدد کرنا مسلمانوں پر ویسے ہی فرض ہے لیکن اگر وہ مالدار ہو تب بھی اُسے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے اس کا دل اسلام

پر جم جائے۔

(۵) فی الرقاب۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ جو شخص غلامی کے بند سے چھوٹنا چاہتا ہو اس کو زکوٰۃ دی جائے تاکہ وہ اپنے مالک کو روپیہ دے کر اپنی گردن غلامی سے چھڑالے۔ آج کل کے زمانے میں غلامی کا رواج نہیں ہے۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ جو لوگ جرمانہ ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے قید بھگت رہے ہوں ان کو زکوٰۃ دے کر رہائی حاصل کرنے میں مدد دی جا سکتی ہے، یہ بھی فی الرقاب کی تعریف میں آجاتا ہے۔

(۶) الغارمین۔ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو قرضدار ہوں۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ آدمی کے پاس ہزار روپئے ہوں اور وہ سو روپے کا قرضدار ہو تو بھی اس کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے، بلکہ یہ مطلب ہے کہ جس پر اتنا قرض ہو کہ اسے ادا کرنے کے بعد اس کے پاس مقدارِ نصاب سے کم مال بچتا ہو اسے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

(۷) فی سبیل اللہ۔ یہ عام لفظ ہے جو تمام نیک کاموں پر استعمال ہوتا ہے، لیکن خاص طور پر اس سے مراد دینِ حق کا جھنڈا بلند کرنے کی جدوجہد میں مدد دینا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ زکوٰۃ لینا کسی مالدار آدمی کے لئے جائز نہیں۔ لیکن اگر مال دار آدمی جہاد کے لئے مدد کا حاجت مند ہے تو اسے زکوٰۃ دینی چاہیئے۔ اس لئے کہ ایک شخص اپنی جگہ مالدار ہے لیکن جہاد کے لئے جو غیر معمولی مصارف ہوتے ہیں، ان کو وہ محض اپنے مال سے کس طرح پورا کر سکتا ہے۔ اس کام میں زکوٰۃ سے اس کی مدد کرنی چاہیئے۔

(۸) ابن السبیل یعنی مسافر۔ اگرچہ مسافر کے پاس اس کے وطن میں کتنا ہی مال ہو لیکن حالتِ مسافرت میں اگر وہ محتاج ہو تو اسے زکوٰۃ دینی چاہیئے۔

●

مقدس مہمان

(سید غازی محی الدین معظم۔ رائچوری)

ماہ رمضان کے آخری ہفتہ میں لوگ ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے۔

ارے بھائی۔ آگے آیا۔ اجی خالہ وہاں (دن) کتنی جلدی جلدی گذرتیں مالوم۔ (معلوم) نہیں ہوتا۔ دیکھو جی دیکھتے دیکھتے ایک سال گذر گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رمضان کے مہینہ کل پرسوں ہی گیا۔ آج ۲۵ رشعبان ہے ہاں ہاں بولے تک رمضان شریف۔ آتیں۔ ہم سب کو رمضان شریف کے لیے تیاری کرنا ہے۔ ہر طرف یہی ذکر ہے ہر خاص و عام بچے۔ بوڑھے سب کی زبان پر ہے۔

اتفاق کی بات میں ۲۹ رشعبان کو ریلوے پلیٹ فارم پر تھا۔ ریلوے پلیٹ فارم پر لوگوں کا ہجوم تھا۔ کچھ لوگ کہیں جانے کے لیے اور کچھ اپنے عزیزوں اور ساتھیوں کو لینے کے لیے جمع ہو گئے تھے۔ ٹرین وقت مقررہ سے ڈیڑھ گھنٹہ لیٹ تھی۔ جس کی وجہ سے گاڑی قریب ۷ بجے تک آنے کا اندازہ تھا۔ سورج غروب ہو رہا تھا اور شام کے ساتھ ساتھ آسمان پر سیاہی پھیل رہی تھی۔ ۲۹ رتاریخ ہونے کی وجہ سے لوگوں میں چاند نظر آنے کی بے چینی محسوس ہو رہی تھی۔ پلیٹ فارم پر کھڑے لوگوں میں سے بعض کی نظریں مغرب کی طرف چاند کو تلاش کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ اور بعض کی نظریں ریلوے سگنل پر۔ اس طرح کوئی چاند کے لیے بے چین تھا تو کوئی ٹرین کے لیے۔

باوجود مطلع صاف ہونے کے چاند نظر نہ آیا۔ لوگ مایوس ہو گئے۔ گاڑی کو تو آنا تھا آگئی۔ جانے والے گاڑی میں بیٹھ کر اپنی اپنی منزل کی طرف چل دیے۔ ٹرین دھیرے دھیرے پلیٹ فارم سے کھسکتی گئی۔ اور دور

غائب ہوگئی۔ صرف دھوئیں کی ایک لائن فضاء میں بکھیرتی چلی گئی۔

میں بھی پلیٹ فارم سے باہر آگیا۔ لوگ سواریوں میں بیٹھنے لگے۔ دور ایک رکشہ والا کھڑا تھا۔ صورت شکل سے بہت ہی شریف معلوم ہو رہا تھا۔ اس کے چہرے سے بے چینی ظاہر ہو رہی تھی۔ میں نے اس کے قریب جاکر پوچھا کیوں بھائی کیا کرایہ لوگے۔ تو وہ ایک دم چونک گیا۔ وجہ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس کو ایک خاص سواری کا انتظار تھا۔ مگر نہ آنے سے مایوس ہوگیا۔ میں نے تعجب سے پوچھا۔ کیوں بھائی تمہارے کوئی عزیز یا رشتہ دار آنے والے تھے۔ تو اس نے جواب میں سر کو جنبش دی۔ جس کا مطلب ہاں میرا "مقدس مہمان" رمضان شریف آنے والے تھے۔ آج ۲۹ر شعبان ہے نا۔ میں نے کہا ہاں آج ۲۹ر ہی تو ہے۔ مگر آج چاند نظر نہ آیا۔ آپ کے مہمان کل بہرصورت ضرور آئیں گے۔ رکشہ والا بہت خوش ہوا۔ میں رکشہ میں سوار ہوگیا۔ رکشہ دھیرے دھیرے آبادی کی طرف چل دیا۔

دوسرے دن یعنی ۳۰ر شعبان کو پھر اسٹیشن گیا۔ اتفاق ہی سمجھو کہ ٹرین اس دن بھی تقریباً پونے دو گھنٹے لیٹ تھی۔ پلیٹ فارم پر لوگوں کا وہی حال تھا۔ گاڑی لیٹ ہونے سے مجمع بڑھتا ہی گیا۔ گاڑی تاخیر سے آئی۔ لوگ اپنی اپنی منزل کی طرف چل دیے۔ میں بھی پلیٹ فارم سے باہر نکلا۔ لوگ جلدی جلدی سواریوں میں بیٹھ کر اپنے اپنے گھروں کی طرف چلنے لگے۔ وہی رکشہ والا کل جہاں ٹھیرا تھا اسی جگہ کھڑا بہت خوش نظر آرہا تھا۔ میں نے قریب جاکر پوچھا کیوں بھائی آج تو خوش ہونا۔ جواب میں رکشہ والے نے کہا۔ آج میں بے حد خوش ہوں۔ بیان نہیں کرسکتا۔ کیوں کہ میرا مقدس مہمان "ماہ روزہ" کے پہنچ گئے ہیں۔ جن کا مجھے انتظار تھا۔ وہ آبادی کی طرف چل دیا۔ میں بھی اس کے ساتھ ساتھ چل دیا اور دل ہی دل میں سوچتا رہا۔ ایک غریب محنت کش رکشہ والا جو دن بھر دو وقت کی روٹی کے لیے کتنی محنت کرتا ہے۔ آج اپنے مہمان کو لے کر جارہا ہے۔ اور میزبانی کا شرف حاصل کرکے کتنا خوش اور مسرور نظر آرہا ہے۔ واہ رے اللہ کی شان۔ اسی خیال میں گم میں اپنے گھر پہنچا۔ گھر کے صحن میں بچوں کی دھوم تھی۔ چاند دیکھ لیا گیا۔ چاند دیکھ گیا۔ جیسے ہی دروازہ کھول کر داخل ہوا۔ بچے لپک کر کہنے لگے بابا چاند نظر آیا۔ کل سے روزے شروع ہوں گے۔ واقعی مجھے بھی بے حد خوشی ہوئی۔ سب کو مبارکباد دی۔ دور

بجا اور لوگوں کو اطلاع دی گئی کہ چاند نظر آیا۔ آج سے نماز تراویح کا اہتمام ہوگا۔ اور کل سے روزے
رمضان شریف جیسے ہی آبادی میں داخل ہو گئے۔ تمام محلوں۔ گلیوں اور مکانات۔ بازار کا جائزہ لیا
تھیں رات کے درمیانی حصے سے ہر گھر پہ جاکر لوگوں کو خوابِ غفلت سے جگا کر اپنے روزے کو رکھنے
لیے تیار تھا۔ رات کا سناٹا ہر طرف خاموشی ہی خاموشی۔

روزہ آہستہ آہستہ ایک بڑے مکان کی طرف بڑھنے لگا۔ مکان کے کمپونڈ سے ایک کتے کے بھونکنے
آواز آئی۔ روزہ اور قریب گیا۔ صدر دروازہ پہ دستک دی۔ دستک کی آواز کے ساتھ برآمدے کی لائٹ روشن
اور ساتھ ہی دروازہ کھلا۔ اور ایک نوجوان عجیب ہی لباس میں نمودار ہوا۔ شاید وہ سلیپنگ سوٹ پہن رہا ہوگا
نے چڑ کر کہا۔

ہو از اِٹ۔ ہو۔ آر۔ یو۔ واٹ ڈو یو وانٹ؟

WHO IS IT, WHO ARE YOU, WHAT DO YOU WANT?

روزہ۔ ارے بھائی تم بگڑتے کیوں ہو۔ اور تم کیا بول رہے ہو تمہاری زبان میں نہیں سمجھا؟

روزہ۔ ہم مانگنے والا نہیں۔ ہم تو دینے والا ہے۔ اٹھو سحری کھالو۔ روزہ رکھ لو۔

نوجوان روزہ جانتا ہی نہ تھا۔ اس نے کہا۔ واٹ روزہ۔ واٹ سحری۔ آئی ڈونٹ نو گیٹ آؤٹ ڈونٹ
از۔ روزہ نے دل ہی دل میں اللہ سے کہا۔ اے اللہ تو بڑا کریم ہے۔ تو کرم فرما۔ اس کو سیدھے راستے
اور کہنے لگا۔ بابا تمہارا قصور نہیں ہے۔ یہ قصور تمہارے ماں باپ کا ہے۔ اچھا اب جاؤ آرام سے سو جاؤ۔
دل میں روزہ سوچنے لگا۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ معمولی رکشہ والے نے باوجود فاقہ کشی کے اپنے پاس
شریف کو مہمان رکھا اور مجھے بھی عزیز رکھا اور یہ دولت اور اعلیٰ انگریزی تعلیم کے نشہ میں سب کچھ کھو دیا۔
روزہ نے وہاں سے نکل کر دوسرے گھر پہ دستک دی۔ دستک کے ساتھ ہی اندر سے آواز آئی۔ کون ہے؟
جواب میں روزہ ہوں۔ سحر کے لیے اٹھانے آیا ہوں۔ اندر سے ایک ساتھ کئی آوازیں خوش آمدید۔ خوش
آئیے آئیے آپ کا ہی انتظار تھا۔ روزہ گھر میں داخل ہوا۔ لوگ سحر کے انتظام میں مصروف تھے۔

اس طرح روزہ ہر گھر پر دستک دیتا۔ لوگوں کو سحر کھانے کے لیے کہتا۔ آخر کار فجر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ روزہ کے صدر دروازہ پر منتظر رہا۔ تاکہ روزہ داروں کا استقبال کرے۔ فجر کی اذان کے ساتھ ہی گھروں سے بچے بوڑھے جوان خوشی خوشی مسجدوں کو چل دیے۔ روزہ نے آگے بڑھ کر سب کا گرمجوشی کے ساتھ استقبال کیا۔ دریافت کیا روزہ سے ہو۔ سبھی نے خوشی کے ساتھ الحمدللہ کہا۔ وہ بہت ہی خوش ہوا۔

صبح کے اول وقت سے ہی روزہ پورے گاؤں کا جائزہ لینے کے لیے نکل پڑا۔ پہلے آفس گیا۔ اس کے بازار جس وقت وہ آفس میں داخل ہوا تو سامنے ایک اہلکار ٹیبل پر کام کرتا ہوا نظر آیا۔ وہ مسلمان تھا۔ مگر اس کا اگالدان بنا ہوا تھا۔ اور ہاتھ میں سگریٹ جل رہا تھا۔ روزہ اس کے قریب گیا اور بعد سلام کے قریب کی کرسی بیٹھ گیا۔ پھر اپنا تعارف کرایا۔

روزہ۔ اہلکار سے مخاطب ہو کر پوچھا کیوں بھائی تمہیں رمضان شریف کا احترام کرنا لازمی نہیں ہے پر روزہ فرض نہیں ؟ اہلکار کیا بکواس ہے۔ تم کون ہو۔ مجھے پابندی لگانے والے۔ یہ آفس ہے۔ مسجد نہیں کس کو رکھنا ہے۔ فاقہ کس کو کرنا ہے۔ جس کو کھانے کو نہ ہو روزہ رکھتا ہے۔ میرے پاس تو بہت ہے۔ جاؤ اور اور سے کہو۔ مجھے فاقہ کرنا نہیں ہے۔ اور جو فاقہ کرتے ہیں ان سے کہو۔

آفس کے بعد بازار کی طرف نکل گیا۔ بازار میں پہنچا ہی تھا کہ سامنے سے ایک نوجوان آتا نظر آیا۔ اس کے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مسلمان ہے۔ مگر افسوس وہ بھی رمضان شریف کا احترام بھول کر ریلوے کی طرح دھواں چھوڑتے ہوئے اور شان کے ساتھ جگالی کرتا ہوا بغیر کسی ڈر خوف کے بازار سے گذر رہا تھا۔ روزہ شخص کے سامنے اڑ گیا۔ یوں تو تم دیکھنے میں مسلمان ضرور ہو۔ مگر افسوس ہے تمہارے مسلمان ہونے پر۔ نوجوان چڑ سے میرا باپ مسلمان۔ میرا دادا مسلمان اور میں خاندانی مسلمان ہوں۔ روزہ۔ ارے بابا میں تو تمہارے با جاننا چاہتا تھا۔ تمہارے باپ دادا کے بارے میں جان کر کیا کروں گا۔ تمہارا محاسبہ کرنے آیا ہوں۔ نوجو کیا تم پر روزہ فرض نہیں ہے ؟ کیا تم بیمار ہو ؟ یا مسافر ہو ؟ یا کوئی شرعی عذر۔ میں بھی تو جانوں کیا شریعت کا احترام لازم نہیں ہے ؟ تم ایک تو روزہ سے نہیں۔ دوسرے سر بازار ریلوے انجن کی طرح د

جانوروں کی طرح جگالی کرتے جارہے ہو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں۔ ایسا کرنے سے رمضان شریف کی بے ادبی ہوتی ہے۔ اور روزہ دار کو تکلیف۔

نوجوان ہٹو یہ نصیحت کسی اور کو کرو۔ شرع ورع میں جانتا نہیں۔ دونوں میں تکرار ہو رہی تھی۔ راستے سے اہلِ ہنود کا گذر ہوا۔ شاید وہ مسلم ماحول اور شریف لوگوں میں رہا ہوگا۔ راہ چلتے چلتے وہ شخص رک گیا۔ اور نوجوان سے مخاطب ہو کر کہا۔ دیکھو جی ان کی باتیں درست ہیں اور یہ جو بھی کہہ رہے ہیں بہت ہی اچھی اور مناسب ہیں۔ تمہیں تو خوشی کے ساتھ ان کی باتوں پر عمل کرنا چاہیئے۔ بجائے اس کے تم ان پر بگڑ رہے ہو۔ اور رمضان شریف کا احترام بھی نہیں کرتے ہو۔ میں نے تو اپنے باپ دادا سے یہ کہتے سنا ہے کہ وہ لوگ بھی رمضان شریف کا بہت احترام کرتے تھے اور ہم کو اس ماہ کے احترام کی تاکید فرماتے۔ کہ رمضان شریف میں چائے خانوں میں نہ جانا۔ پان نہ کھانا۔ سگریٹ نوشی نہ کرنا۔ ایسا کرنے سے مسلمانوں کو تکلیف ہوگی۔ کیونکہ رمضان شریف مسلمانوں کا مبارک و برکت والا مہینہ ہے۔ جس کا ادب سب پر لازم ہے اور ہم کو نہایت ہی سختی کے ساتھ پابند کیا گیا ہے کہ بالخصوص اس ماہ میں ان تمام باتوں سے پرہیز کریں۔ بازار میں کھلے عام سگریٹ وغیرہ نہ پئیں اور رمضان شریف کا ادب واحترام کریں اور ہم تو اپنے بزرگوں کی باتوں پر پابند ہیں اور پابند رہیں گے۔ مگر افسوس کہ تم یہ سب جانتے ہوئے بھی رمضان اور روزوں کا احترام نہیں کرتے۔ تمہیں تو شرم آنی چاہیئے، بجائے ندامت اور افسوس کے اُلٹا اُن سے اُلجھ رہے ہو۔ اتنی باتیں سننے کے بعد بھی اُس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس نے سگریٹ کا کش لے کر سینہ تان کر اپنا راستہ لیا۔

اس طرح روزہ کو لوگ ملتے رہے جن میں روزہ دار بھی تھے اور بے روزہ بھی جو روزہ دار ہوتے اُن سے مل کر خوشی سے دعا نکلتی اور جو بے روزہ ہوتے بہت ہی افسوس بھی ہوتا۔

اس طرح صبح سے شام ہوگئی۔ اور روزہ افطار کرنے کا وقت قریب آگیا۔ روزہ مسجد کے دروازے پر کھڑا ہوگیا۔ روزہ دار مسجد میں جمع ہونے لگے اور افطار کے بعد مغرب کی نماز سے فراغت کے بعد اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

اس طرح رمضان شریف کی آمد کے ساتھ مسجدیں آباد ہوگئیں۔ مسجدوں میں صلوٰۃ وتسبیح، تلاوت قرآن کا

سلسلہ شروع ہوگیا۔ دن گذرتے گئے۔ روزے گھٹتے گئے اور پانچ وقت اللہ اکبر، اللہ اکبر کی دل نشین آواز مسجد کے سے گونجتی رہی۔ اور روزہ دار اذان کی صدا کے ساتھ سب کچھ چھوڑ کر مسجد میں اللہ کے حضور پہنچ جاتے۔ کیا منظر ہوتا۔ آنکھوں کو ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے۔

اس طرح ۲۶ دن گذر گئے۔ ستائیسواں دن بڑی فضیلت والا بڑی رحمت والا۔ و برکت والا جس پر رات ایسی فضیلت والی پوشیدہ ہے جو روزہ داروں کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقرر کردی ہے۔ جس کو شب قدر کہتے اس کی قدر۔ قدر کرنے والا ہی جانتا ہے اور اس کی قدر صرف روزہ دار کو ہی معلوم ہے۔ اور اس رات کی عبادتیں ستر ہزار راتوں سے افضل ہیں۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ جنھیں یہ فضیلت والی رات نصیب ہوتی ہے اور روزہ دار پوری رات اس کی تلاش میں جاگ کر عبادت میں گذارتے ہیں۔ اور یہ راتیں رمضان شریف کی آخری اور جدا کی راتیں ہیں۔ اس کو جاننے والے رو رو کر الوداع کہتے ہیں۔

اس طرح رمضان شریف ہمارے درمیان مع روزہ کے تیس دن گذرنے کے بعد ہم سب سے رخصت ہوگا۔ جب ہمارا عزیز ترین مہمان ہم سے رخصت ہو رہا ہے تو اندازہ لگائیے روزہ دار کو کتنی تکلیف ہوگی۔ دکھ جس کی بدولت ہم سب کو دنیا کی ساری نعمتیں۔ برکتیں نصیب ہوئی تھیں۔ ہم نے بڑھ کر تعظیم اور اشکبار آنکھ کے ساتھ الوداع کہا۔ پھر پوچھا۔ آپ میزبانی کا موقع کب دیں گے۔ مہمان میزبانوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ سال تمہاری زندگی باقی رہی تو پھر اس کا موقع دوں گا۔ جانے سے پہلے مہمان نے کہا کہ میں تو آج جا رہا ہوں۔ کل مہینہ بھر کی محنت کے عوض اللہ تعالیٰ نے تمہیں عید یعنی خوشی کا دن عطا کیا ہے۔ عید کے دن خوشی اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں اور دوستوں سے ملو مگر عید کے دوسرے دن میرے بھائی شوال المبارک کا استقبال ضرور کرنا ہے۔ پورے ایک سال کے روزوں کا ثواب ملے گا۔

اچھا اب رخصت چاہتا ہوں۔ خدا حافظ۔ پھر وہی سواری تیار کھڑی تھی۔ رکشہ والا بضد تھا کہ اتنی جلد رخصت نہ ہوں۔ مگر رمضان شریف چلو بھائی اب ہمیں چلنا ہے۔ میری وجہ سے تمہیں بہت ہی تکلیف ہوئی زحمت اٹھانی پڑی۔ میری خاطر تواضع میں تمہیں بار اٹھانا پڑا۔ رکشہ والا آپ ایسی باتیں مت کہئے۔ آپ

رحمت نہیں۔ آپ توسراپا رحمت تھے۔ آپ کے آنے سے دنیا کی ساری برکتیں اور خوشیاں میرے گھر میں آگئی تھیں اور ہم سب کو نصیب ہوئی تھیں۔ اب آپ جا رہے ہیں۔ جس کا بے حد رنج و ملال ہو رہا ہے۔ رکشہ والا اشکبار آنکھوں کے ساتھ کہہ رہا تھا کہ آپ کے قدم مبارک سے میرے گھر میں برکت تھی۔ رونق تھی۔ اب نہ معلوم یہ سعادت آئندہ سال نصیب بھی ہوگی یا نہیں۔

رمضان شریف انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ سال پھر تمہارے ہی مہمان ہوں گے۔ خدا حافظ۔ گاڑی چل دی رکشہ والا رنجیدہ خاطر ہو کر دھیرے دھیرے آبادی کی طرف لوٹ رہا تھا۔ راستہ بھر خاموشی۔ سناٹا ہی سناٹا۔ اب پہلے جیسی چہل پہل نہ تھی۔ مسجدیں جو کل تک نمازیوں اور روزہ داروں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھیں اور لوگ تلاوت کلام پاک میں معروف تھے۔ آج ان ہی مسجدوں میں خاموشی تھی اور خالی خالی نظر آرہی ہیں۔ اب کسی کو نہ سائرن کا انتظار ہے۔ اور نہ ہی موذن کی اذان کا روزہ افطار کرنے اور سحر کھانے کے لیے اور نہ ہی لوگ سحر کو جگانے آتے ہیں۔ ہر طرف خاموشی کا راج ہے۔ اور یہ طویل خاموشی آئندہ سال تک رہے گی۔

اردو ٹیچروں کا ترجمان ماہنامہ آموزگار کا اجراء

تعلیمی حلقوں میں یہ خبر نہایت مسرت کے ساتھ سنی جائے گی کہ ہندوستان کی اردو میڈیم پرائمری، سیکنڈری اور ہائر سیکنڈری اسکولوں کے اساتذہ کے ترجمان کی حیثیت سے ایک تعلیمی رسالہ ماہنامہ آموزگار کا اجراء عمل میں آیا ہے۔ پہلا شمارہ ماہ فروری میں منظر عام پر آچکا ہے۔ یہ رسالہ نہ صرف اساتذہ کے لیے بلکہ اردو تعلیم اور اس کے مسائل سے دلچسپی رکھنے والے تمام سرپرستوں کے لیے بھی نہایت مفید ہے۔

اس رسالہ کے خریدار بننے کے لیے سالانہ چندہ ۱۲ روپے مندرجہ ذیل پتے پر روانہ کیجئے۔

اکسیر رحمانی ۔ ایڈیٹر ماہنامہ آموزگار، کاشانۂ سہیل ۴۷ بھوانی پیٹھ جلگاؤں ۴۲۵۰۰۱ (مہاراشٹر)

سرٹیفکیٹ

(ایم۔ صلاح الدین۔ ایم۔ اے)

"ارے آپ اطمینان سے بیٹھے کتاب پڑھ رہے ہیں؟" میرے مطالعہ کے کمرے میں بیگم دفعتاً داخل ہوتی ہوئی بولیں۔ "کچھ خبر بھی ہے آپ کو؟ کل پرسوں سے رمضان شریف شروع ہونے والا ہے۔"

"بہت بہت شکریہ آنجناب کا۔ اب کسی ڈاکٹر، حکیم یا وید سے اپنا نبض وغیرہ دکھا کر آج ہی باضابطہ اپنی علالت سرٹیفکیٹ لے لوں گا... کچھ زائد ہی فیس دینی ہوگی آخر جھوٹی سرٹیفکیٹ جو حاصل کرنی ہے۔"

"علالت کی سرٹیفکیٹ اور وہ بھی جھوٹی آخر کیوں؟" بیگم نے حیرت سے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہ لوں تو پھر کیا کروں؟ آخر رمضان کے روزوں سے جان کیسے چھوٹے گی آپ ہی بتائیے۔" میں نے تشویش کا غازہ اپنے چہرے پر ملتے ہوئے کہا۔

"روزوں سے جان کیسے چھوٹے گی؟ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ روزے نہیں رکھنے کا ارادہ ہے کیا؟"

"اور آپ کیا سمجھ رہی ہیں؟۔ روزے رکھنے کی غرض سے میں کسی معالج سے جھوٹی سرٹیفکیٹ لینی چاہتا ہوں؟ خواہ مخواہ ڈبل فیس پر روپے صرف کرنا چاہتا ہوں؟ واللہ آپ جیسی سادہ لوح خاتون دنیا میں اور کوئی نہ ہوگی۔"

"لاحول ولا قوۃ! مگر سوال ہے آپ روزے کیوں نہ رکھیں گے؟ کیا آپ بیمار ہیں؟ کیا آپ سفر میں ہیں؟ کیا آپ اس قدر ناتواں ہیں کہ ادھر روزہ رکھا ادھر روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی؟" جل کر بیگم نے پوچھا۔

"بھئی یہ سب باتیں کسے معلوم نہیں؟ اصل بات یہ ہے کہ ہمت نہیں پڑتی۔" میں نے جھینپتے

"ہمت نہیں پڑتی؟ کیا شیر سے مقابلہ کرنا ہے؟ کیا پہاڑ کی چوٹی سے نیچے چھلانگ لگانی ہے؟ کیا اژدھے کے غار میں داخل ہونا ہے؟ کیا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنا ہے؟ جب ننھے منے پھول سے بچے روزہ سے رہ سکتے ہیں تو پھر آپ کیوں نہیں رکھ سکتے؟ آپ مسلمان ہیں یا نہیں؟ آپ کو خدا اور آخرت پر ایمان ہے یا نہیں؟" ایک ہی سانس میں بہت سارے سوالات کر گئیں بیگم۔

"بھئی وہ تو آپ بجا فرماتی ہیں کہ میں مسلمان بھی ہوں اور خدا اور آخرت پر ایمان بھی ہے لیکن دن بھر روزہ سے رہنا اور وہ بھی روز دو روز نہیں۔ ہفتہ دو ہفتے نہیں پورے ماہ بھر کے روزے میری تو صرف تصور ہی سے روح فنا ہوئی جا رہی ہے۔"

"آپ کو تصور اور تخیل میں الجھنے کی ضرورت نہیں صرف روزہ رکھنا ہے۔ مالک کا حکم ہے کھانا پانی چھوڑ دو۔ چھوڑ دیا۔"

"بھئی وہ تو صحیح ہے مگر دن بھر آنتوں میں چوہوں کا ریس ہوتا رہتا ہے اور پیاس سے تو حلق میں پپڑیاں جم جاتی ہیں بالخصوص ان گرمیوں کے دنوں میں تو برا حال ہو جاتا ہے۔"

"آپ آفس میں کام کرتے ہیں۔" تحکمانہ انداز سے بیگم نے سوال کیا۔

"کرتا ہوں۔" سہم کر جواب دیا میں نے۔

"اچھا تو اگر آپ کو حکم دیا جائے کہ صبح سے شام تک کام ہی میں لگے رہنا ہے۔ کھانا پینا کچھ نہیں ہے تو پھر آپ کیا کریں گے؟" بیگم نے سوال کیا۔

"ایسا حکم آفس میں دیا ہی نہیں جاتا۔"

"اگر دیا جائے تو آپ تعمیل کریں گے یا نہیں؟"

کچھ دیر سوچ کر مری ہوئی آواز میں بولا۔

"وہ تو کروں گا ہی۔ نوکری کا سوال ہے آج کل نوکری ملتی کہاں ہے؟"

"ذرا غور کیجئے عارضی زندگی کے متعلق آپ اتنا پریشان ہو جائیں گے لیکن دائمی زندگی کے متعلق آپ کو کچھ بھی فکر نہیں۔ صرف اس لیے کہ اللہ تعالیٰ روزہ نہ رکھنے کی صورت میں کوڑا برسانے کے لئے سامنے کھڑا نہیں ہے۔" اور پھر یہی بات نہیں کہ سزا صرف قیامت ہی میں ملے گی۔ آپ نے کتنے مسلمانوں کو دیکھا ہوگا جو صرف ماہ بھر روزہ نہیں رکھتے ہیں لیکن اللہ انہیں کچھ ایسے مرض میں مبتلا کر دیتا ہے کہ زندگی بھر وہ تقریباً روزہ ہی کی حالت میں گزارتے ہیں۔

بات بالکل صحیح تھی۔ میرے متعارفین میں کتنے ایسے تھے جو ایک عرصہ سے مرغن اور لذیذ غذاؤں سے محروم تھے۔ صرف روکھی پھیکی سادہ سی غذا نوش کرنے پر مجبور تھے لیکن اس کا اقرار کرکے میں بیگم کو شہ دینا مناسب نہ سمجھتا تھا۔ مجھے خاموش اور گم سم دیکھ کر بیگم نے سلسلۂ وعظ و پند جاری رکھا

"روزہ روحانی اور جسمانی طہارت کا دوسرا نام ہے۔"

"غزالہ جی آپ کی یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ اس سے جسمانی تطہیر عمل میں آتی ہے۔ معدہ جو سال بھر نان اسٹاپ فنکشن کرتا رہتا ہے اگر اس کا یہ عمل کم از کم ایک ماہ سلو ڈاؤن کر دیا جائے تو پورے جسمانی نظام کے لیے بے حد سود مند ہے مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ محض کھانا پانی ترک کر دینے سے روحانی تطہیر کیونکر عمل میں آ سکتی ہے؟"

"روزہ دن میں صرف کھانا پانی چھوڑ دینے ہی کا نام نہیں ہے۔ روزہ اپنے اخلاق و کردار کے سنوارنے کا بھی دوسرا نام ہے۔ جھوٹ، غیبت اور دیگر مذموم عادتیں بھی ترک کر دینی لازم ہیں ورنہ صحیح معنوں میں روزہ نہ ہوگا۔"

"یہ سب کچھ صرف ہم مردوں ہی کو منع ہیں یا آپ خواتین کو بھی؟" میں نے ان کی دکھتی رگ پکڑا

"اسلامی احکام کے معاملے میں مرد اور عورت کی تخصیص نہیں۔ سبھوں کو ممانعت ہے۔"

"تو پھر آپ حضرات میرا مطلب ہے آپ عورتیں کیوں غیبت، چغلی، بہتان تراشی، عیب جوئی، لعنت و ملامت وغیرہ میں مبتلا رہتی ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ لوگوں کو اس معاملے میں چھوٹ ہے؟"

"بالکل چھوٹ نہیں۔" قدرے جوش و خروش سے بیگم نے جواب دیا۔

"کسی کو چھوٹ نہیں خواہ مرد ہو یا عورت۔ بوڑھا ہو یا جوان۔ غریب ہو یا امیر" کچھ توقف کے بعد مسکرا کر "اور آپ جو دن بھر کالے انجن کی طرح سگریٹ کا دھواں چھوڑتے رہتے ہیں وہ روزہ میں ممنوع ہے۔ سمجھے؟"

"خوب سمجھ گیا لیکن آپ جو ایک بکری کی طرح دن بھر پان کی جگالی فرماتی رہتی ہیں وہ منع ہے یا نہیں؟"

"وہ بھی منع ہے۔ نہ صرف پان سگریٹ

بلکہ حقہ، تمباکو، بیڑی، نسوار سبھی منشیات ممنوع ہیں۔ ممنوع تو ممنوع اگر انھیں بالقصد استعمال کیا جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔"

"بالقصد کیا جائے گا جب نا۔ سہواً یعنی بے خیالی میں یہ باتیں ہو جائیں تو روزہ نہیں ٹوٹے گا بی ملانی یا ویسی صورت میں بھی ٹوٹ جائے گا؟"

"ٹوٹے گا تو نہیں مگر روزہ مکروہ ضرور ہو جائے گا" بیگم نے جواب دیا۔ پھر مسکرا کر طنزاً کہا: "دیکھ رہے ہیں نا آپ اپنی ناقص تعلیم کا اثر۔ ایم اے پاس کر کے آپ نے کیا حاصل کیا جبکہ آپ کو دین و فقہ کی معمولی معمولی باتوں تک کا پتہ نہیں۔ یہ تمام باتیں بحیثیت قوام ہونے کے آپ کو مجھے تعلیم کرنی چاہیے تھیں مگر خیر قربان ہو جاؤں میں اپنے والدین کی دینی بصیرت پر کہ انھوں نے پہلے ہم بھائی بہنوں کی اسلامیت پختہ کی پھر ..."

کر میں تڑپ کر بولا۔ "پھر کیا؟ بس ذرا اسلامی معلومات ہی فراہم کر دی نا اپنی کسی لڑکی کو ایم اے تک پڑھایا تو نہیں — اور پھر آپ نے جو باتیں بتائی ہیں وہ آپ کیا سمجھتی ہیں کہ مجھے پتہ نہیں۔ میں تو صرف آپ کی معلو[illegible]

بن کر پوچھ رہا تھا۔"

"اچھا! یہ بات ہے تو پھر بتائیے رمضا[ن] کے دنوں میں اور کون کون سی باتیں ممنوع ہیں ابھی آپ کی معلومات کا پول کھل جاتا ہے۔"

غزالہ نے جو بات میری دینی ناواقفیت کے سلسلے میں کہی تھی وہ بالکل حق تھی مگر اس ا[مر] کا اقرار کر کے اپنے تمام انگریزی تعلیم یافتہ بھا[ئیوں] کا مذاق اُڑوانا مجھے منظور نہ تھا۔ چنانچہ فی الحا[ل] ٹال دینے کی نیت سے کہا: "بھئی ابھی مجھے فرصت نہ[یں] ہے۔ ابھی میری تمام تر توجہ اس کتاب کو ختم کرنے پر ہے۔ اگر زحمت نہ ہو تو کل کسی وقت میرے پا[س] تشریف لائیے گا۔"

بس کیا تھا بیگم نے زوروں میں قہقہہ لگا[یا] کہا: "فرصت نہیں ہے۔ یہ نہ کہیے آپ کو کچھ معلو[م] ہی نہیں ہے۔ اچھا تو جان لیجیے آپ بھی کیا کہیے گا کسی دینیات [illegible] پالا پڑا تھا۔ [illegible]

[illegible]

[illegible] مبارک

رفتار سے بیگم کہتی چلی گئیں یوں معلوم ہوتا تھا گویا ازبر کر لیا ہے۔ دفعتاً میں نے بریک لگایا۔
"سنئے سنئے ٹھہریے۔ معرکہ کی بات تو یہی ہے۔ آپ عورتیں کھانا پکانے کا مزہ چکھنے کے بہانے دن بھر ان چیزوں کا ذائقہ لے سکتی ہیں۔"
"اس کی تو پھر بھی مجھے اجازت ہے کیونکہ ایسی عورتیں جنکے شوہر صاحب بدمزاج واقع ہوئے ہوں جیسے کہ آپ ہیں... ایں ایں آپ کو بُرا لگا۔ اچھا آپ بڑے خوش مزاج ہیں اب تو آپ خوش ہو گئے مگر جنکے شوہر صاحب بدمزاج واقع ہوئے ہوں اُن عورتوں کو کھانا پکاتے وقت ان کا مزہ چکھ لینے کی رخصت ہے۔"
"مگر میں تو بالکل خوش مزاج واقع ہوا ہوں جس کا آپ نے خود بھی اعتراف کیا ہے اس لیے یہ رخصت آپ کے لیے نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ اپنے طور پر مجھے بدمزاج فرض کر لیں اور دن بھر کھانوں کا ذائقہ چکھتی رہیں۔ اگر آپ ایسا کریں گی تو یاد رکھئے میں پوری کالونی میں ڈھنڈورا پیٹ دوں گا۔ ہاں (کچھ رک کر) مگر... مگر جوش میں یکایک بجھ سا گیا۔
"مگر، مگر کیا؟" ان کا جذبۂ تجسس بیدار ہو گیا۔
"مگر... مگر یہ کہ بھئی آپ عورتوں کے ہاتھ میں مطبخ ہے۔ اگر چوری چھپے کچھ کھالیں تو کون پکڑ سکتا ہے آپ کو۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ ضرور آپ لوگ نظر بچا کر کھالیا کرتی ہوں گی ورنہ ایسا ممکن ہی نہیں کہ ہم مرد تو رمضان میں نڈھال ہو جائیں اور آپ عورتوں کا ہلیہ اور سدھر جائے۔
خوب زوروں میں ہنس کر بولیں: "تو آپ ایسی کھوٹی قسمت لے کر کیوں آئے۔ آپ بھی عورت پیدا ہوتے مرد کیوں پیدا ہوئے۔ پھر خوب چھپ چھپ کر کھایا کرتے اور بظاہر روزہ دار بنے رہتے۔ (دفعتاً سنجیدہ بن کر) سنئے مسٹر شکی میری ایک بات کا جواب دیجئے۔"
"کہئے... جو کچھ بھی اپنی صفائی میں کہنا ہو کہئے مگر آپ کا سب عذر عذر لنگ ہی ہوگا۔"
"ہم کوئی بھی عبادت خواہ نماز ہو۔ زکوٰۃ ہو۔ حج ہو یا روزہ ہو کس لئے کرتے ہیں؟"
"یہ کیا جہل سوال لے بیٹھیں آپ؟ یہ تو ایک بچہ بھی جانتا اور سمجھتا ہے کہ ساری عبادتیں صرف خدائے تعالیٰ کے لیے ہی ہیں۔"

"اور بچہ کے ساتھ بچہ کے باپ کو یہ معلوم ہے یا نہیں کہ اللہ ان ساری باتوں سے واقف ہے جو ایک بندہ رات کی تاریکی میں یا بالکل تنہائی میں انجام دیتا ہے۔ ایسی صورت میں کیا کوئی روزہ دار ایسا کر سکتا ہے کہ بظاہر روزہ دار بنا رہے مگر در پردہ ہر چیز کھا پی لیتا ہو۔ اسی لیے دیگر تمام عبادتوں میں تو ریاکاری کی گنجائش ہے۔ مگر روزوں کے معاملہ میں ممکن نہیں۔ جس قدر خدا کے حاضر و ناظر سمیع و بصیر ہونے کا یقین روزہ میں ہو سکتا ہے کسی اور عبادت میں ممکن نہیں۔ آیا خیال شریف میں یا کچھ اور وضاحت کروں؟"

بیگم کی دلیل کی تردید ناممکن تھی اس لیے میں نے خیریت اسی میں دیکھی کہ کچھ اور بات چھیڑ دوں۔

"اچھا بیگم یہ تو بتایئے رمضان میں حق المحنت کی اجازت ہے یا نہیں؟"

"حق المحنت؟ یہ کیا ہوتا ہے؟" بڑی معصومیت سے بیگم نے دریافت کیا۔

"یہ وہی چیز ہے جس سے کسی ویرانے میں بہار آتی ہے، کسی گھر میں نکھار آتا ہے اور... اور کسی بیوی کے دل میں اپنے شوہر کے لیے پیار آتا ہے..... اسے دست غیب بھی کہتے ہیں۔"

"آپ کا مطلب کہیں رشوت سے تو نہیں؟" بیگم نے سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"بس بس بیگم اسے رشوت جیسا ناپاک نام دے کر بدنام نہ کیجیے۔ یہ بڑی مشکل کشا شے ہے۔ سمجھیے یہ الہ دین کا چراغ ہے۔ سمجھیے علی بابا کا کھل جا سم سم ہے۔ سمجھیے حاتم طائی کی ریچھ بی بی کا مہرہ ہے سمجھیے کسی جادوگر کی چھڑی ہے... "میں روانی میں بہتا چلا گیا۔ بیزار ہو کر بیگم بولیں: "رشوت ہو یا سود۔ شراب ہو یا چوری، ہر حرام کمائی حرام ہے رمضان میں۔"

"صرف رمضان ہی میں نا؟" میں نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ چیک کر بیگم بولیں: "صرف رمضان ہی میں کیوں؟ رمضان میں تو خاص طور پر پرہیز کرنا ہے۔ صرف حرام کمائی ہی نہیں بلکہ ہر گناہ کی بات سے پرہیز کرنا ہے۔ کیونکہ رمضان طہارت نفس کا ایک تربیتی کورس ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف ماہ رمضان تک ہی اس پر عمل رہے اور سال کے بقیہ مہینوں میں بالکل چھوٹ ہے۔ اس مبارک

یہ تربیتی کورس اس لئے کرایا جاتا ہے تاکہ اس کا اثر سال بھر قائم رہے۔" مجھ پر آج تک رمضان کا یہ اہم ترین پہلو۔ واضح نہیں ہوا تھا۔ میں اسے محض ایک خواہ مخواہ کو بھوک پیاس سہنے کا مہینہ تصور تھا۔

دفعتاً مجھ پر سنجیدگی طاری ہوگئی اور بے اختیار بول پڑا "بیگم یہ روزہ ایسی اہم اور مفید شے ہے اسے سال بھر رکھوں گا۔"

ہنس کر بیگم بولیں "سال بھر نہیں جناب۔ صرف ماہ بھر کیونکہ یہی اللہ کا حکم ہے اور ہمارے پیارے سنت ہے۔ یوں نفل روزے آپ چاہیں تو جب چاہیں رکھ سکتے ہیں۔ مگر فرض روزے صرف یہی ان کے ہیں۔ جسے بغیر عذر شرعی ترک کرنا گناہ ہے۔ اور اللہ کے غضب کو دعوت ملتا ہے۔"

"سمجھ گیا بیگم سمجھ گیا۔ اب آپ ایک مہربانی اور کریں۔"

"وہ کیا ہے؟"

"مجھے الماری میں سے دعاؤں کی ایک کتاب لا دیں۔ رمضان کے سلسلے کی کچھ ضروری دعائیں یاد چاہتا ہوں۔" میں نے اپنے ہاتھ کی کتاب کو کنارے رکھتے ہوئے بیگم سے کہا۔

اور میں تحریک اسلامی کا حامی ہو گیا

(انظر الحسن۔ تالکنڈا۔ یرکنڈا دھنباد)

تقریبًا بارہ سال پہلے کی بات ہے۔ میں سکنڈ ایر کا طالب علم تھا۔ ان دنوں میں ترقی پسندی اور روشن خیالی، کے نشے میں سرشار ایک جدید خیال کا نوجوان تھا۔ جس کی زندگی کا کوئی واضح مقصد در نصب العین نہ تھا۔ وہ تو بچپن کی کام چلاؤ مذہبی تعلیم کا اثر تھا۔ جس نے الحاد و دہریت سے بچائے رکھا اور شمع ایمان کو بجھنے نہ دیا۔

انھیں دنوں ایک بار ایسا بیمار پڑا کہ موت قریب دکھائی دینے لگی اور میرا ذہن فکر دنیا سے فکر آخرت کی طرف مڑ گیا۔ اپنی بے عملی اور غفلت کی زندگی پر سخت پشیمانی ہوئی اور میں نے خدا سے دعا کی کہ اگر صحت یاب ہوگیا تو آئندہ زندگی اطاعت و فرماں برداری میں گزاروں گا۔ چنانچہ اللہ نے صحت عطا کی اور میری زندگی میں ایک انقلاب آگیا۔ نماز کی پابندی سے فلم بینی کی عادت جاتی رہی۔ فیشن پرستی کی جگہ خدا پرستی نے لے لی۔ اور "ترقی پسندی" پر اسلام پسندی،، غالب آگئی۔

میرے اندر اس نمایاں تبدیلی کو دیکھ کر تبلیغی جماعت کے متوسلین نے مجھے اپنے پروگراموں میں شرکت کی دعوت دی۔ ان کی سادگی اور دل سوزی نے مجھے متاثر کیا اور میں جماعت کے مقرر کردہ دستور العمل کے مطابق روزانہ کی اجتماعی تعلیم (تبلیغی نصاب کی خواندگی) ہفتے کے دو گشت اور ماہانہ اجتماعات کے علاوہ تبلیغی دوروں میں شامل ہونے لگا۔ بلا شبہ اس جماعت کی بعض خوبیوں نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ مثلاً دین کی تڑپ، ایمان و یقین کے لیے محنت، امیر کی اطاعت، نماز باجماعت کا اہتمام، روزمرہ کے کاموں اور سفر وغیرہ میں اسلامی آداب کا لحاظ وغیرہ۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس جماعت نے میرے

اندر داعیانہ اسپرٹ پیدا کردی اور ہر ملنے جلنے والے کو ایمان ویقین کی دعوت دینا اور نماز کی تلقین کرنا میرا روز مرہ کا معمول بن گیا لیکن جماعت والوں کی بعض باتیں نہ سمجھ سکا۔ مثلاً۔

۱۔ یہ جماعت کشتیِ نوح ہے۔ اس پر سوار ہونے والے ہی فلاح پائیں گے اور الگ رہنے والے بروز حشر پچھتائیں گے۔

۲۔ گشت والا عمل انبیاء کرام کی سنت ہے اور انبیاء علیہم السلام کا طریقہ تبلیغ بالکل یہی تھا۔

۳۔ ابھی غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینے کا وقت نہیں آیا ہے اور فلاں بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک بے نمازی مسلمان کو جائے نماز پر کھڑا کر دینا دس غیر مسلموں کو مشرف بہ اسلام کرنے سے بہتر ہے وغیرہ۔

میں سوچتا کہ دوسری جماعتوں میں بھی دین دار افراد اور علماء وصلحاء کی ایک قابل لحاظ تعداد موجود ہے جو اپنے طور پر دعوتِ حق کا فریضہ ادا کرنے میں مصروف ہے۔ کیا ایسے لوگ بھی آخرت میں محض اس وجہ سے اجر سے محروم رہیں گے یا بہت تھوڑا اجر پائیں گے کہ ان کے اعمال ناموں میں گشت اور چلہ کشی کا اندراج نہ ہوگا؟ میں نے انبیاء کرام کی زندگیوں کا جو تھوڑا بہت مطالعہ کیا تھا، اس کی بنا پر یہ بات بھی میری سمجھ میں نہیں آئی کہ انبیاء علیہم السلام بھی اسی طرح گشت اور چلہ کشی کے ذریعہ ہی تبلیغ وتزکیہ کا کام کرتے ہوں گے۔ کالج میں میرے ۹۵ فی صد ساتھی غیر مسلم تھے۔ میرے دل میں سوال پیدا ہوتا کہ کیا ان بندگان خدا تک حق کی روشنی پہنچانے کی ذمہ داری مجھ پر عاید نہیں کی گئی ہے اور اس سلسلے میں حشر کے روز خدا کی طرف سے کوئی باز پرس نہ ہوگی اور صرف اپنے پانچ فی صد مسلمان ساتھیوں کو محض نمازی بنا دینے سے ہی فریضۂ تبلیغ کا حق ادا ہو جائے گا؟ جب میں اپنی ان الجھنوں کے سلسلے میں جماعت کے پرانے لوگوں سے رجوع کرتا تو وہ فرماتے کہ "یہاں یہ سب شیطانی وسوسے ہیں بس ان چھ باتوں" پر عمل کیے جاؤ۔ جب تک تین چلے نہیں کرو گے بات سمجھ میں نہیں آئے گی اور آپ جیسے پڑھے لکھے لوگوں کے لیے تو سات چلے درکار ہیں"۔ میں سوچتا کہ اگر صرف "چھ باتوں" کو سمجھنے کے لیے سات چلے ضروری ہیں تو پھر پورے اسلام کو سمجھنے کے لیے یقیناً عمر نوح چاہیے۔

مطالعہ میرا محبوب مشغلہ تھا۔ جاہلیت کے زمانے میں ادبی کتب و رسائل کے علاوہ ناول اور فلمی جرائد بڑے شوق سے پڑھا کرتا تھا۔ جب طبیعت مذہب کی طرف مائل ہوئی تو ناول اور فلمی رسالوں کی بجائے دینی کتابوں کا مطالعہ کرنے لگا۔ میرا شوق مطالعہ رفقائے تبلیغ سے پوشیدہ نہ رہا۔ چنانچہ ایک تبلیغی سفر کے دوران ایک بزرگ نے جو صوفی صاحب کے نام سے مشہور ہیں۔ مجھ سے اور چند دوسرے طلبہ سے فرمایا: "آپ لوگ دینی کتابوں کا مطالعہ ضرور کریں۔ لیکن جماعت اسلامی کے لٹریچر سے قطعی پرہیز کریں۔ حضرت مولانا یوسف علیہ الرحمہ سختی سے منع فرماتے تھے۔" انکی بات کا ہم پر الٹا ہی اثر پڑا۔ فطری طور پر ہمارے دلوں میں جماعت اسلامی کے متعلق تجسس اور اس کے لٹریچر کے مطالعہ کا اشتیاق پیدا ہوگیا۔

اس واقعے کے چند روز بعد کی بات ہے۔ میں ایک خالی گھنٹی میں کالج کے کینٹین میں بیٹھا اپنے ایک غیر مسلم کلاس فیلو سے مذہب کے موضوع پر گفتگو کر رہا تھا کہ اتنے میں ایک اجنبی نوجوان وارد ہوا اور سامنے کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ نوجوان کے چہرے پر خوبصورت داڑھی اس کی اسلام پسندی کا ثبوت پیش کر رہی تھی۔ وہ ہماری گفتگو نہایت توجہ سے سننے لگا۔ اور پھر ہم سے اجازت لے کر خود بھی شریک گفتگو ہوگیا۔ اجنبی نے اپنے مدلل سائنٹفک اور حکیمانہ طرز بیان سے میرے غیر مسلم دوست کو لاجواب کر دیا۔ گفتگو کے اختتام پر جب ہم لوگ باہر نکلے تو اجنبی نے مجھے الگ بلا کر پوچھا: "آپ کا تعلق کسی جماعت سے تو نہیں ہے؟" میرا جواب تھا "الحمدللہ میں تبلیغی جماعت سے تعلق رکھتا ہوں۔" "آپ کو جماعت اسلامی سے کوئی چڑ تو نہیں ہے؟" اجنبی نے مجھے بغور دیکھتے ہوئے دریافت کیا: "ایک مسلمان کے لیے کسی اسلامی جماعت سے چڑ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" میں نے جواب دیا: "تو پھر میری ناقص رائے میں اگر آپ جماعت اسلامی کے لٹریچر کا مطالعہ کریں تو بہتر طور پر تبلیغ کا فریضہ انجام دے سکیں گے۔" اجنبی نے مشورہ دیا۔ "اندھا کیا چاہتا ہے" دو آنکھیں۔ میں نے آمادگی ظاہر کی۔ اجنبی اپنے چھوٹے بھائی کا داخلہ کرانے آیا تھا۔ دوسرے ہی دن اجنبی کے چھوٹے بھائی نے مجھے "اسلام اور جاہلیت" نامی کتابچہ لا کر دیا۔ پڑھنا شروع کیا تو کوثر و تسنیم میں دھلی ہوئی فصیح و بلیغ زبان، سائنٹفک

طرز استدلال اور دل نشین انداز بیان سے ایسا متاثر ہوا کہ ایک ہی نشست میں ختم کر ڈالا۔ پھر یکے بعد دیگرے مولانا مودودیؒ کی بہت ساری کتابوں کا مطالعہ کر ڈالا۔ جن میں تفہیم القرآن، تفہیمات، تنقیحات رسائل ومسائل، پردہ، سود، حقوق الزوجین، مسلمان اور موجودہ سیاسی کش مکش، مسئلہ قومیت، خلافت وملوکیت، رسالہ دینیات، خطبات، اسلام کا نظام حیات اور شہادت حق وغیرہ کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ مولانا کی ولولہ انگیز اور بصیرت افروز تحریروں سے میرے ذہن کی ساری گرہیں کھلتی چلی گئیں اور جماعت اسلامی کی دعوت میرے دل میں اترتی ہوئی قلب وروح کو تسخیر کرتی چلی گئی۔ میرا مطالعہ جتنا گہرا ہوتا گیا مجھ پر یہ بات واضح ہوتی گئی کہ مولانا مودودیؒ کا تصور دین قرآن وسنت سے ہی ماخوذ ہے اور کتاب وسنت کی مکمل پیروی ہی جماعت کی دعوت کا خلاصہ ہے۔ جو لوگ مولانا پر اعتراضات کرتے ہیں ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو براہ راست مطالعہ کئے بغیر محض سنی سنائی باتوں پر رائے قائم کر لیتے ہیں یا پھر گروہی عصبیت کے شکار ہوتے ہیں۔

لٹریچر کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ میں جماعت کے اجتماعات میں شرکت کرنے لگا جس سے جماعت کے طریق کار کو نزدیک سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا۔ جماعت کے افراد بحیثیت مجموعی علم وعمل، زہد وتقویٰ، صداقت ودیانت، حسن اخلاق، وسیع النظری، فراست مومنانہ اور حق گوئی وبے باکی جیسی اعلیٰ صفات سے متصف ہوتے ہیں۔ متوسلین جماعت میں سے جن حضرات سے مجھے ملاقات یا خط وکتابت کا موقع ملا اور جنھوں نے مجھے متاثر کیا ان میں محترم افضل حسین صاحب، قیم جماعت۔ جناب مطیع الرحمٰن صاحب اختر، منیجر مرکزی مکتبہ اسلامی جناب مولانا ارتضا الدین صاحب، مولانا سراج الحق صاحب بہاری، جناب امین احسن رضوی صاحب مدیر ریڈینس، سید شمیم احمد صاحب ناظم شمالی چھوٹا ناگپور کمشنری، جناب صغیر احمد صاحب، ناظم مدرسۃ البنات ہزاری باغ، ڈاکٹر احمد سجاد صاحب رانچی۔ جناب احمد علی اختر صاحب پٹنہ اور ہمارے بزرگ ہمسایہ محترم منظور احسن صاحب جامعی ہیں ●●

ایک کُتّے سے مُلاقات

ایک کتے کی کہانی، جسے پڑھنے کے بعد ہر ذی شعور شخص یہی خواہش کرے گا کہ کاش وہ انسان نہ ہوتا
بلکہ کُتّا ہوتا

اُردو ادب سے کاٹتا ہوا انتخاب

میں ابھی ابھی ایک کتے سے ملاقات کر کے آرہا ہوں۔ کُتا کیا تھا گنوں کی پوٹ تھی۔

یہاں دہلی میں ایک سکول ہے جہاں جانوروں اور پرندوں کو انسانوں کی طرح تعلیم دی جاتی ہے یہ کتا بھی اسی سکول کا اسٹوڈنٹ تھا کتے کے ماسٹر جی نے مجھے بتایا کہ منوہر (یہ اس کتے کا نام ہے) اپنی کلاس کا مانیٹر ہے سارے اسٹوڈنٹ (کتے پلے) اس کا حکم مانتے ہیں۔ ہر کلاس میں ڈسپلن قائم رکھتے ہیں۔

"اچھا منوہر! اب یہ بتاؤ کہ تمہاری صحیح صحیح عمر کیا ہے؟"

کتا فوراً ایک کرایک ہندسہ اُٹھا لایا جو "چار" تھا۔ مجھے شرارت سوجھی اور میں نے کتے سے کہا۔

مسٹر منوہر! فرض کرو کہ تم ایک لوکل بس میں بیٹھے ہو اور تم چاہتے ہو کہ بغیر ٹکٹ کے ہی سفر کرو۔ تم بتاؤ اس وقت تم بس کنڈیکٹر کو اپنی کیا عمر بتاؤ گے؟"

کتا حیرت اور نفرت سے میری طرف دیکھنے لگا اور پھر چند سیکنڈ کے بعد وہی "چار" کا ہندسہ اُٹھا کر میرے پاس لے آیا۔

میں نے کہا۔ "منوہر! تم بے وقوف ہو۔ تم نئے پیسے کا ٹکٹ بچا سکتے تھے مگر احمقانہ سچائی کی وجہ سے گھاٹے میں رہے۔ میں حیران ہوں کہ تم اس دنیا میں کیسے گزارہ کر سکو گے؟"

ماسٹر جی ہنس پڑے اور بولے:

"مسٹر صاحب! ہمارے سکول میں اس قسم کی تعلیم نہیں دی جاتی۔"

تو پھر اسے کسی گورنمنٹ سکول میں داخل کرا دیجئے وہاں کم از کم جھوٹ بولنا تو سیکھ جائے گا۔"

میرے قریب ہی ایک اُستانی جی بیٹھی تھیں جو نہایت نالائق ہونے کے باوجود ایک لیڈر کی سفارش پر سکول میں ہیڈ مسٹرس لگ گئی تھیں۔ بات سُن کر انھوں نے ناک بھوں چڑھائی اور میری طرف پیٹھ کر کے بیٹھ گئیں۔ !

"ہمارے سکول میں بھی جانور کام کرتے ہیں۔"

ماسٹر جی نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"فرض کیجئے آپ ہمارے سکول کے پرنسپل صاحب سے ملنے کے لئے آئے ہیں تو مین گیٹ پر ایک سفید رنگ کا کتا چپڑاسی کی شکل میں سٹول پر بیٹھا نظر آئے گا وہ اگلے دونوں پنجوں پر کھڑے ہو کر آپ کو سلام کرے گا خود سٹول سے اُتر جائے گا تاکہ آپ اس سٹول پر بیٹھ سکیں۔

اور وہ آپ کے سامنے ایک چھوٹی سی تختی پیش کرے گا جس پر لکھا ہوگا آپ کیا چاہتے ہیں تو آپ یوں کیجئے کہ میز پر بکھری ہوئی سب تختیوں میں سے وہ تختی اُٹھا لیجئے جس پر لکھا ہو پرنسپل صاحب سے ملنا ہے۔ یہ تختی چپڑاسی کے سامنے کر دیجئے کتا فوراً اس تختی کو منہ میں دبا کر اندر چلا جائے گا۔

میں نے ماسٹر جی کو ٹوکا اور کہا۔

"ماسٹر جی! ایک تختی اور بھی لکھوا کر وہاں رکھ دیجئے۔ جس پر لکھا ہو۔ "ایک روپیہ نکالو جب پرنسپل صاحب سے ملا دوں گا۔ ورنہ واپس چلے جاؤ۔ پرنسپل صاحب بے حد مصروف ہیں۔ مل نہیں سکتے۔"!"

ماسٹر جی نہایت متانت سے بولے۔" ہمارے چپڑاسی کو اس کی ضرورت نہیں پڑتی کیونکہ ہم اسے کھانے پینے کو پوری خوراک دیتے ہیں اس لئے یہ پرابلم انسانوں کے ہیں۔ کتوں کے نہیں!"

اب کتا حساب کا سوال نکال رہا تھا ماسٹر جی نے سلیٹ پر ہندسوں کی چار قطاریں لکھ دیں اور سلیٹ کتے کے سامنے رکھ دی کتا کم بخت اتنا ذہین تھا کہ پہلے منہ کچھ بڑبڑاتا پہلی قطار کے ہندسے جوڑتا اور پھر ہندسہ بنا دی ہندسہ جا کر میز سے لے آتا اور قطار کے نیچے رکھ دیتا۔ پھر دوسری قطار جوڑتا اور یوں اس نے سارا سوال بالکل صحیح نکال لیا

میں نے پوچھا" ماسٹر جی! کبھی کبھی اس کا سوال غلط بھی ہو جاتا ہوگا تو پھر کیا اپنے آگے بیٹھے ہوئے ساتھی سٹوڈنٹ کی سلیٹ پر سے

ل مارلیتا ہے"۔ ماسٹر جی ہنس دیئے اور بولے :-

کتوں میں ایسی گندی عادت نہیں ہوتی"

میں نے کہا :- "تو ماسٹر جی! اسے کسی فرم میں منیم رکھوا دیجئے۔ بڑے کام آئے گا۔ بالکل صحیح جمع تفریق کرے گا۔ انکم ٹیکس ے مالک کو بچانے کے لئے گڑبڑ بھی نہیں کرے گا غبن کرنے کے لئے غلط سلط جوڑ نہیں کرے گا۔ اور فرم کا حساب بالکل صحیح ار ہے گا"

ماسٹر جی بولے۔ "اگر کوئی فرم چاہے تو میں منوہر کی خدمات پیش کرنے کو تیار ہوں"

میری پچھلی سیٹ پر ایک بہت بڑے سیٹھ بیٹھے تھے جو کتے کے بڑے پرستار ہو رہے تھے میں انہیں سے کہا۔ "تسلیم پ اسے اپنی فرم میں رکھ لیجئے!"

سیٹھ جی نے منہ بنایا اور بولے :

"اوں ہوں! ہمارے ہاں ڈبل انٹری چلتی ہے اس لئے یہ اس جاہل کتے کا کام نہیں۔ ہمارے ہاں تو اتنا علی اور ایکسپرٹ نیم ہے جس نے بڑے بڑے انکم ٹیکس افسروں کو چکر میں ڈال دیا ہے۔ یہ کتا تو ہماری فرم کو چوپٹ کر کے رکھ دے گا"

یہ کہہ کر سیٹھ جی نے پیارے کتے کو اپنی طرف بلایا اور جب وہ کتے کو شاباشی دینے کے لئے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگے کتا اتنے زور سے بھونکنے لگا کہ سارا ہال کانپ اٹھا"

۔۔ فکر تونسوی (ماخوذ)

جدید عورت کے مسائل

خود سر شوہر — کثرتِ اولاد

زبیدہ باجی
(دہلی)

اس زمانہ کے صرف لڑکے ہی نہیں بلکہ لڑکیاں بھی شادی سے گھبرانے لگی ہیں وہ چاہتی ہیں کہ شادی کے بغیر آزادی کی زندگی گذاریں۔ چنانچہ ایک لڑکی جس کی عنقریب شادی ہونے والی ہے، نہیں چاہتی کہ اس کی شادی کی جائے۔ اگرچہ حالات وواقعات نے اُسے والدین کے سامنے گھروں میں گردن جھکانے پر مجبور کردیا مگر یہ شادی کے تصور سے اب کس قدر پریشان ہے اس کا اندازہ اس لڑکی کے خط کی مندرجہ ذیل عبارت سے بخوبی ہو سکتا ہے۔

وہ لکھتی ہے!

★ "میں نے اعلیٰ تعلیم محض اس غرض سے حاصل کی تھی کہ میں اپنے پیروں پر کھڑی ہوسکوں اور کسی مرد کی دستِ نگر نہ رہوں۔ میں نے بعض شادی شدہ عورتوں کی جو قابلِ رحم حالت دیکھی ہے" اس کے پیشِ نظر میں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ شادی کبھی نہ کروں گی۔

لیکن حالات وواقعات نے مجھے والدین اور خاندان والوں کے سامنے گردن جھکانے پر مجبور کردیا۔

شادی سے یہ لڑکی کیوں گھبراتی ہے اس کی وجہ بھی سُن لیجئے یہ اپنے خط میں لکھتی ہے۔

مجھے مردوں کی خودسری سخت ناپسند ہے۔ میں نے عموماً یہ دیکھا ہے کہ مرد اپنی بیویوں کو اپنا مطیع اور فرماں بردار بنا کر رکھنا چاہتے ہیں۔ چونکہ میں فطرتاً آزادی پسند ہوں اس قسم کی ذہنی غلطی میرے لئے ناقابل برداشت ہے میں ڈر رہی ہوں کہ ایک خود پسند مرد کے ساتھ میرا کس طرح نباہ ہو سکے گا۔

اور دوسری بات جو مجھے پریشان کرتی ہے، وہ اولاد کی پیدائش ہے۔ میری نظر میں ۲۰، ۲۵، ۳۰ برس کی ایسی بہت سی لڑکیاں ہیں جو تین تین اور چار چار بچوں کی مائیں بن گئی ہیں اور ان کی زندگی کو اولاد کی زیادتی نے مصیبت بنا دیا ہے۔ میں اپنی زندگی کو اس طرح برباد نہیں کرنا چاہتی۔

آپ بہت بڑی تجربہ کار ہیں۔ میری ان دونوں اُلجھنوں کو دور کرنے کی کوئی تدبیر بتائیے۔ میں بیحد فکرمند ہوں کہ آخر میرا انجام کیا ہوگا۔

٭ اس لڑکی کے خط کی عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ یہ سب سے زیادہ دو باتوں سے گھبراتی ہے ایک تو مردوں کی خودسری اور حکمرانی سے اور دوسرے کثرت اولاد سے۔ لیکن میں سمجھتی ہوں کہ یہ کوئی ایسی اُلجھن نہیں ہے جسے سلجھایا نہ جا سکے۔

میں اس بات کو تسلیم کرتی ہوں کہ اکثر مردوں میں فطری طور پر حکمرانی اور خودسری کا جذبہ ہوتا ہے اور اس جذبے کی بنیاد پر اکثر عورتوں کو بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن میرا مشاہدہ یہ بھی ہے کہ ہوش مند اور عقل مند بیویوں نے بڑے سے بڑے خودسر مردوں کو سیدھا کر دیا ہے اور انھیں اس طرح قابو میں لے لیا ہے کہ ان کی ساری خودسری ختم ہو کر رہ گئی ہے۔ بڑے سے بڑے خودسر مرد کو زیر کرنے کا آزمودہ نسخہ ہے کہ ایسے مردوں کی بیویاں پہلے اچھی طرح سے اپنے شوہروں کی فطرت اور مزاج کا مطالعہ کریں اور اس کے بعد یہ اصول بنالیں کہ وہ ان کی کسی بات کی مخالفت نہیں کریں گی۔ ان کے ساتھ تصادم اور لڑائی جھگڑے کا کبھی موقع بھی نہیں آنے دیں گی۔ اور اگر وہ تیزمزاجی سے کام لیں تو اس کا جواب تیزی سے نہیں دیا جائے گا بلکہ بڑی نرمی کے ساتھ معاملے کے جملہ پہلو سمجھا دئیے جائیں گے۔

میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ اگر عورت ایسے مواقع پر ذرا بھی تحمل اور بردباشت سے کام لے تو معاملات کبھی بھی نہیں بگڑتے اور مردوں کو حکمرانی کے اظہار کا موقع ہی نہیں ملتا۔

خلوص محبت ایثار اور حکومت مردوں کو زیر کرنے کا ایسا بے خطا عمل ہے جو ہمیشہ ہی تیر بہدف ثابت ہوا ہے اور اس عمل کو کام میں لانے والی عورتوں نے اپنے شوہروں کو اپنا دیوانہ بنا لیا ہے۔ یاد رکھو انہی

عورتوں پر مرد زیادہ حکومت جتاتے ہیں جو بات بات پر مردوں سے اُلجھتی رہتی ہیں لیکن جو عورتیں اُلجھنے کے بجائے تحمل سے کام لیتی ہیں ان کے شوہر بھی کبھی اپنی بڑائی اور برتری کا اظہار نہیں کرتے بلکہ وہ اکثر اوقات بیوی کی سخت بات بھی برداشت کر لیتے ہیں ان چند تجربے کی باتوں کے اظہار کے بعد میں اس لڑکی سے کہتی ہوں کہ بیٹی تم تو پڑھی لکھی اور تعلیم یافتہ ہو تم نے شاید کالج میں نفسیات کی تعلیم بھی حاصل کی ہوگی ایسی حالت میں نہیں ذرا گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

اب رہا اولاد کی پیدائش کا معاملہ تو بیٹی دنیا میں عورت آئی ہی اس لئے ہے کہ وہ نئی نسلوں کو جنم دے۔ یاد رکھو عورت کی زندگی کا منشا روہ ہرگز نہیں ہے کہ جو یورپ کی عورتوں نے سمجھ رکھا ہے یعنی اولاد کی فکر سے آزاد ہو کر عیش پرستی کی زندگی گذارنا۔ یہ درست ہے کہ اولاد کے بغیر ابتدائی زندگی تو کسی قدر بے فکری سے گذر جاتی ہے لیکن جب جوانی ڈھل جاتی ہے تو پھر بے اولاد عورت کا نہ کوئی غم گسار ہوتا ہے اور نہ مددگار۔ یہ اولاد ہی ہے جو بڑھاپے میں ایک عورت کے لئے مسرت اور اطمینان کا سب سے بڑا ذریعہ ثابت ہوتی ہے اور اگر اولاد لائق ہو تو پھر بڑھاپے کی زندگی جنت بن جاتی ہے اور میں نہیں چاہتی کہ عورتیں اندھا دھند اولاد پیدا کریں اور اب تو ایسے ذرائع بھی پیدا ہو گئے جن سے کثرتِ اولاد سے بچایا جا سکتا ہے اگر واقعی کوئی ایسی وجہ حائل ہو کہ اضطراری حالت سامنے آجائے تو کثرتِ اولاد کے روکنے کی اجازت ہے۔ لیکن اولاد سے گھبرانا بڑی غلطی ہے۔ وہ عورت ہی کیا جس کے اولاد نہ ہو۔ ٭

کہو تو کہہ دوں



میرے بڑے بھائی صاحب نے جن کی شادی کو تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا مجھے حکم دیا کہ تم جا کر بھابی کو لے آؤ میرا دل تو نہ چاہا لیکن بقول شخصے سگ باش برادر خورد مباش بہت اچھا کہہ کر راضی ہو گیا۔ بھائی جان کی سسرال ایک موضع میں تھی بھابھ شادی کے بعد پہلی مرتبہ اپنے میکے گئی تھیں۔ کچھ تو میں شرمیلا کچھ انجان لوگوں میں جانا بہرحال پروگرام مرتب ہو گیا اور ان لوگو اپنی آمد کی اطلاع دے دی۔ سامان درست کیا اور روانہ ہو گیا چھ گھنٹے کے بعد وہ اسٹیشن آیا جہاں مجھے اترنا تھا ا کچی سڑک اور ڈھائی تین میل گاؤں۔ جو صاحب مجھے لینے کے واسطے آئے تھے ان سے میں واقف نہ تھا مجھے سوٹ بوٹ میں وہ سمجھ گئے اور جھٹ وار بیل تانگے میں جو آرام دہ تھا لیکر روانہ ہوئے۔ بیل اچھے تھے شام سے کچھ پہلے میں گاؤں پہنچ گیا۔

پرانی وضع کا مکان تھا یعنی دالان در دالان لیکن زمانے کے ساتھ ساتھ وہ بھی ترقی کر رہا تھا اور کچھ کمروں کا بھی ا ہو گیا تھا۔ شاندار ڈیوڑھی سے اندر جانے کے بعد ایک طرف غسل خانہ اور اس سے ملا ہوا پاخانہ اور دوسری طرف باورچی اور ملازموں کے واسطے کوٹھریاں تھیں۔ صحن ضرورت سے زیادہ کشادہ، یہ تو سب کچھ تھا لیکن گھر مستورات سے بھرا ہوا تھا کیونکہ ہی روز بھابی جان جانے والی تھیں اور وہ ان کو رخصت کرنے کے لئے آئی تھیں یہ وہ زمانہ تھا جب کہ پردے کا زور تھا او کا کپڑا دیکھنا بھی حرام تھا بھلا ایسے گھر میں مجھ غیر شخص کا گزر کہاں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک گوشے کے کمرے میں میرے قیام کا انتظام کر میرے کمرے سے متصل ایک دوسرا کمرہ تھا جس میں ایک ڈاکٹر صاحب کا مطلب تھا اور تو سب قسم کا آرام تھا لیکن پاخانہ صحن اور وہ بھی زنانے مکان میں تمام ضرورت کے وقت پردہ کرا کر صحن طے کر کے پاخانے میں جانا کچھ عجیب سا معلوم ہوتا تھا۔

میں چونکہ بھائی جان کا نمائندہ تھا اس لئے میری خاطر مدارات ضرورت سے زیادہ ہوئی کہ ہم لوگوں میں عام طور پر کھا تکلفات ہی کو مہمان داری کا جزو اعظم سمجھتے ہیں اس لئے شب کے کھانے پر بہت [illegible] رشتہ [illegible] سب ہی کھانے بہت [illegible]

ں کے صرف گوشت کی چیزوں میں ترکاری بڑا گوشت، شامی کباب، سیخ کے کباب بھنی ہوئی کلیجی، تلی ہوئی بٹیر وغیرہ تھیں۔
درمرچیں دل کھول کر ڈالی تھیں۔ یہی حالت کھی کی تھی۔ غرض کہ کھانا بافراط اور لذیذ تھا۔ سفر میں اکثر میری بھوک
اتی ہے میں نے بھی جی بھر کر کھایا۔ چونکہ کوئی ہم مذاق شخص نہ تھا اس لئے دو ایک سگریٹ پیئے اور پلنگ پر لیٹ گیا
یا دیر میں بھابی جان کمرے میں تشریف لائیں۔ ہاتھ میں دودھ کا پیالہ جس پر بالائی کی موٹی تہہ جمی ہوئی تھی مجھ سے
محبت کہا کہ "بھیا شہری دودھ میں تو آدھوں آدھ پانی ہوتا ہے یہ دودھ پیو اس میں بادام اور پستے بھی پیس کر ڈالے
یں نے کہا کہ آپ نے بڑا تکلف کر ڈالا۔ کھانا ہی ضرورت سے زیادہ کھالیا ہے اب گنجائش کہاں۔ لیکن وہ نہ مانیں
ت اور اصرار سے فرمایا کہ "زیادہ نہیں تو دو چار گھونٹ ہی پی لو میرا دل خوش ہو جائے گا۔ گاؤں میں تمہاری کیا خاطر
میں مجبور ہو گیا۔ دودھ کچھ ایسا مزے دار معلوم ہوا کہ آدھا پیالہ پی گیا۔

یں پھر پلنگ پر لیٹ گیا اور کچھ دیر کروٹیں لینے کے بعد آنکھ لگ گئی ایک دو بجے رات کا وقت تھا کہ گھبرا کر آنکھ کھلی
میرا پیٹ پھول کر فٹ بال ہو رہا تھا اور درد اس غضب کا کہ جان پر بنی ہوئی تھی۔ کھٹی ڈکار اور خدا معلوم کیا کیا تھا۔ میں
نی کی وجہ سے کبھی لیٹ جاتا کبھی کھڑا ہو جاتا کبھی پیٹ کو دباتا اور سہلاتا لیکن درد کم نہ ہوتا اگر بھابی جان کو آواز دے کر
لیائے مرا تو گھر میں قیامت برپا ہو جانے کا ڈر، پاخانہ جانے کی ضرورت لیکن دالان اور صحن میں جو جانے کا راستہ تھا مستورات
ے ہی پلنگ تھے اگر بھابی جان سے کہتا ہوں کہ پاخانہ جانے کے لئے لائن کلیر کرائے تو وہ ایک ایک کو جاکر جگائیں تب کہیں پردہ
ر تو گھر محلے والوں کو خبر ہو جاتی کہ دو بجے رات کو دیور صاحب پاخانہ تشریف لے جارہے ہیں سب چھیڑیں گی کہ کس مسخرے کو بلالیا ہے
ی کھانا نصیب نہ ہوا تھا۔ انا پ شناپ کھا گیا کوئی کہے گی کہ بہن کھیا ہنیں حلق تک ٹھونسا ہے جو آدھی رات کو سونے والوں کو جگا
غرض کہ عجیب مخمصے میں جان تھی دل چاہتا تھا کہ شرم کی وجہ سے خود کشی کر لوں۔

مجھے اس مکان کا جغرافیہ بھی معلوم نہ تھا ورنہ باہر جاکر ہی ہلکا ہو جاتا بہرحال ڈرتے ڈرتے چوروں کی طرح پشت کا دروازہ کھولا کہ
نہ ہو۔ دواؤں کی بدبو سے دماغ پراگندہ ہو گیا سمجھ گیا کہ یہ ڈاکٹر صاحب کا مطب ہے لالٹین ذرا تیز کی الماری کھول کر دواؤں کا جائزہ
نٹ کی تلاش تھی وہ نہ ملا۔ دوسری الماری میں قفل لگا ہوا ہے تکلیف کا یہ عالم تھا کہ جان نکلی جاتی تھی ریاحوں سے پیٹ پھٹا جاتا
ھا کھڑا ہونا دشوار تھا گھبراہٹ میں یہی طے کیا کہ جو کام پاخانے میں ہونا چاہیئے تھا وہ اب اسی کمرے میں ہو گا۔ مناسب مقام

تلاش کیا تو دیکھا کہ دو بڑے بڑے ڈرم ویسلین کے رکھے ہوئے ہیں ایک بند ہے دوسرا کھلا ہوا اس کے آدھے حصے میں ویسلین اور آدھا خالی ہے اب ضبط کی تاب نہ تھی اسی کو غنیمت سمجھ کر اس کو کموڈ بنا کر بیٹھ گیا اور اس کی کمی کو پورا کر دیا النٹ اور کاٹن ہی تھی اس کو توڑ توڑ کر ضرورت رفع کی اور ڈاکٹر صاحب کی ردی کی ٹوکری میں ڈالتا گیا یہ کام صبح تک کئی مرتبہ کرنا پڑا اس کے مطب کا دروازہ احتیاط سے بند کیا اور سو گیا۔

صبح سویرے بھابی جان کی آواز پر آنکھ کھلی تو دیکھا کہ میز پر چائے خشک میوہ اور طرح طرح کی نعمتیں موجود ہیں انھ کہا کہ "بھیا کیا سوتے ہی رہو گے نیند پوری نہیں ہوئی دیکھو دن چڑھ گیا ہے چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے میں نے کہا "چائے ٹ نہیں میں ٹھنڈا ہو رہا ہوں جلدی پردہ کرائیے میں ضرورت سے فارغ ہونا چاہتا ہوں۔

وہ اندر جا کر بیبیوں سے پردے کے واسطے کہہ رہی تھیں اور میں سیدھا تیر کی طرح پاخانے کی طرف چلا جا رہا تھ کہ بھابی کہہ رہی تھیں کہ ذرا تو ٹھہرو لیکن یہاں ٹھہرو میں خرابی کا اندیشہ تھا شور مچا اور بیبیاں جوتیاں چھوڑ چھوڑ کر دالان کی طر بھاگیں۔ کوئی کہتی جاتی تھی کہ توبہ توبہ کیا یہی شہری تہذیب ہے کیا یہی شرافت ہے انگریزی پڑھ کر تو آپے سے باہر ہو گئے میں نے ایک نہ سنی اور منزل مقصود پر پہنچ کر ہی دم لیا وہ تو غنیمت تھا کہ کوئی اور بیگم اس میں نہ تھیں ورنہ پاخانے کے دروازے پر سب کچھ ہو جاتا میں فارغ تو فوراً ہی ہو گیا لیکن شرم کی وجہ سے باہر نکلنے کو دل نہ چاہتا تھا یہ بھی اندیشہ تھا کہ دیکھئے ڈاکٹر صاحب کیا فساد برپا کرتے ہیں۔ بہت دیر تک اسی سوچ وبچار میں بیٹھا رہا آخر وہاں سے نکلا اور کمرے میں جا کر یہ طے کیا کہ بھابی کو واز دار تھوڑی دیر میں بھابی نے آ کر مجھ سے پوچھا کہ "کیا بدہضمی کی شکایت ہے" میں نے کہا کہ "کچھ نہیں بہت کچھ ہے"۔

بھابی نے ڈاکٹر صاحب کے کمرے کے کواڑ کھولے تو دیکھا کہ "ڈاکٹر صاحب ملازم سے کمرے کا سامان باہر نکلوا رہے ہیں اور نا رومال رکھ کر کہتے جاتے ہیں کہ چوہا مر کر سڑ گیا ہے اُدھ کمپاؤنڈر نے چلا کر کہا کہ ڈاکٹر صاحب ویسلین سڑ گئی ہے اور خمیر اُٹھ رہا ہے" ڈاکٹر ڈ رہے ہیں کہ "بے وقوف کیا بکتا ہے کہیں ویسلین بھی سڑا کرتی ہے"۔ ادھر میں شرم سے پسینہ پسینہ ہو رہا تھا بھابی جان بڑی معا اور زود رس ہیں۔ سمجھ گئیں ایک خوراک دوا لے کر مسکراتی ہوئی آئیں دوا پلائی اور کہنے لگیں کہ "کہیں آپ کی تو یہ حرکت نہیں ہے "ہاں" کہہ کر شرم سے سرنگوں ہو گیا اور ہاتھ جوڑ کر کہا "بھابی خدا کے واسطے اس کا ذکر کسی سے مت کیجئے گا"۔

اس واقعہ کو پندرہ سال گزر چکے ہیں لیکن بھائی صاحب کے سامنے جب چھیڑنے کو دل چاہتا ہے تو فرمایا کرتی ہیں "کہہ دوں"۔ —— (خان بہادر نقی محمد خاں — عمر رفتہ)

زمانے کی گواہی

(۱)

جنتا پارٹی کے دورِ اقتدار میں مسز گاندھی کے لئے بڑی حد تک قوت کا سرچشمہ اور اُمید کی واحد کرن تو اُن کے اپنے بیٹے سنجے گاندھی تھے۔ اقتدار سے محرومی کے دنوں میں سنجے گاندھی نے جس سوجھ بوجھ اور تنظیمی صلاحیت ہمت و جرأت کا مظاہرہ کیا اُس سے مسز گاندھی اور اُن کے ساتھیوں کے ٹوٹتے ہوئے حوصلوں کو نہ صرف بحال کرنے میں مدد ملی بلکہ ایک قومی متبادل کے روپ میں کانگریس کا وجود بھی کسی نہ کسی شکل میں برقرار رہا۔ اِن دنوں سنجے گاندھی اگر سیاسی محاذ پر سرگرم تھے تو اُن کی اہلیہ مسز مینکا گاندھی نے صحافتی محاذ پر مورچہ سنبھال رکھا تھا۔ اُن کا ماہنامہ رسالہ ”سوریہ انڈیا“ غالباً وہ واحد اخبار یا رسالہ تھا جو پوری قوت اور بے باکی کے ساتھ مسز گاندھی کے دفاع اور اُن کے مخالفین پر بڑھ چڑھ کر حملہ کرنے کا فریضہ ادا کرتا رہا۔ یہ رسالہ ہر اعتبار سے نہرو خاندان کا ترجمان اور صحافتی محاذ پر اس گھرانے کی سپر بن گیا تھا اور اس کا کریڈٹ بہر صورت مسز مینکا گاندھی ہی کو جاتا ہے۔

مسز گاندھی کے دوبارہ برسرِ اقتدار آنے کے بعد فطری طور پر سنجے گاندھی اُن کے بعد ملک کی دوسری سب سے طاقتور اور عملاً با اختیار شخصیت کے روپ میں اُبھرے۔ سیاسی اور غیر سیاسی دونوں ہی حلقوں میں انھیں مستقبل کے وزیرِ اعظم کے روپ میں دیکھا جانے لگا تھا۔ اُن کے دائرۂ اثر اور اُن کی طاقت و قوت میں غیر معمولی اضافہ کے ساتھ ساتھ اُن کی اہلیہ مسز مینکا گاندھی کے اثر و نفوذ میں اضافہ ایک قدرتی بات تھی، اپنے شوہر کے ساتھ ساتھ وہ خود بھی ایک ایسا سیاسی محور بنتی جا رہی تھیں جس سے بہت سے لوگوں نے بہت سی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں لیکن سنجے گاندھی کی اچانک موت کے بعد پوری بساط اُلٹ گئی۔ مسز مینکا گاندھی اور

اُن کے حامیوں کی توقع کے بالکل برعکس نہ صرف یہ کہ انھیں کوئی سیاسی رول نہیں دیا گیا بلکہ بالواسطہ طور پر اُن پر یہ بات بھی واضح کر دی گئی کہ آئندہ اُنھیں ایک "گھریلو بیوی یا بہو" کے رول پر ہی اکتفا کرنا پڑے گا۔ آنجہانی سنجے گاندھی نے جو جگہ خالی کی تھی اُسے پُر کرنے کے لئے جب مسٹر راجیو گاندھی میدان میں آ گئے تو مسز مینکا گاندھی اور اُن کے حامیوں کی رہی سہی اُمیدیں بھی خاک میں مل گئیں۔



اشرفیوں اور جواہرات کا ڈھیر دیکھ کر شکاری کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ کوئی اور ہوتا تو شاید اتنا بڑا خزانہ دیکھ کر دم توڑ دیتا لیکن یہ شکاری بہت بڑی سلطنت کا مالک اور اپنے دور کا مشہور حکمراں تھا۔ اِس حکمراں کی خاص بات یہ تھی کہ وہ اپنی رعایا پر حکومت کرنے میں بھی بے نظیر تھا اور اپنے نفس پر حکومت کرنے میں بھی بے مثال تھا۔ اُس نے بادشاہت کی تو اس ٹھاٹ سے کہ دنیا عش عش کر اُٹھی اور تخت و تاج کو ٹھکرا کر اللہ والا بن گیا تو ایسا کہ بڑے بڑے اللہ والے اُسے احترام کی نظر سے دیکھنے لگے۔ یہ بادشاہ ذی جاہ اپنے دور حکمرانی میں ایک دن شکار پر نکلا۔ شکار پر تو شکاری اہتمام سے نکلتا ہے، بادشاہوں کے شکار کا اہتمام تو ایسا ہوتا ہے کہ جنگل میں منگل کا سماں بندھ جاتا ہے۔ چنانچہ دنیا بھر کے انتظامات کے بعد جب بادشاہ شکار پر نکلا تو نہ جانے کتنے ساتھیوں، کتنے درباریوں اور جاں نثاروں کے ہوتے ہوئے بھی وہ راستہ بھٹک گیا۔ اور بھٹکا تو ایسا کہ سب سے بچھڑ گیا اور لق و دق میدانوں میں اکیلا رہ گیا۔ جانے کتنی دور نکل جانے پر اُسے قلعہ نظر آیا۔ قلعہ دیکھ کر ڈھارس بندھی کہ یہاں سے اپنی شکار گاہ کا راستہ بھی مل جائے گا اور شاید اعزاز و اکرام بھی ملے گا۔ قلعے کے پاس پہنچا تو بادشاہ کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہاں تو اُلّو بولتا تھا۔ آدم نہ آدم زاد، جانے کب سے یہ قلعہ ویران پڑا تھا۔ بادشاہ نے سوچا کہ اگر اندر کوئی نہ ہوگا تو کیا فرق پڑے گا، یہاں باہر بھی کوئی نہیں ہے، ذرا یہ بھی تو دیکھا جائے کہ یہ قلعہ ہے کیسا اور کیوں ویران پڑا ہے۔

اندر جا کر بادشاہ نے خوب گھوم پھر کر قلعہ دیکھا۔ چپہ چپہ دیکھ کر وہ تھک گیا تو ایک جگہ سستانے بیٹھا۔

اں پڑے پڑے اُس کی نظر ایک طرف اُٹھی تو جم کر رہ گئی۔ مثل مشہور ہے "قدر جوہر شاہ داند یا بداند جوہری" کہ یرے کی پرکھ بادشاہ کو آتی ہے یا جوہری کو۔ بادشاہ نے دیکھا کہ ایک قیمتی ہیرا زمین پر پڑا جگمگ جگمگ کر رہا ہے۔ گے بڑھ کر اُس نے ہیرا اُٹھایا تو دیکھا کہ پاس مٹی کا ایک بڑا ڈھیر ہے جس میں سے اشرفیاں جھانک رہی ہیں۔ ذرا و اپنی تلوار سے بادشاہ نے اِس ڈھیر کو کھودا تو دیکھا کہ اشرفیاں اور جواہرات ہی جواہرات پڑے ہیں۔ جانے کِس کا زانہ تھا، مگر تھا بہت بڑا خزانہ۔ بادشاہ تو بادشاہ ہی ہوتا ہے، اُسے فوراً فکر ہوئی کہ اس خزانے کو منتقل کرنا چاہیئے۔ اب وہ سب کچھ بھول کر اسی بارے میں سوچتا سوچتا قلعے سے باہر نِکلا۔ تھوڑی دور پر اُسے ایک آدمی نظر آیا۔ اُس نے جلدی جلدی قدم بڑھا کر اُس شخص کو جالیا۔ باتوں باتوں میں تفصیل پوچھی تو معلوم ہوا کہ لکڑہارا ہے اور بڑی عسرت سے دن کاٹ رہا ہے۔ بادشاہ سلامت نے سوچا کہ خزانے میں سے کچھ حصہ اس غریب کو بھی مِلنا چاہیئے۔ یہی بیچارہ خزانہ اُٹھا کر میرے ساتھ لے چلے گا۔ دل میں یہ طے کر کے اعلیٰ حضرت نے اُس غریب لکڑہارے سے فرمایا "میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں ایک خزانے کا پتہ بتاتا ہوں۔ اس میں سے کچھ حصّہ تم بھی اپنے ساتھ لے جانا اور باقی زندگی آرام سے گذارنا۔"

لکڑہارے نے کہا "شاہا! آپ کِس خزانے کی بات کرتے ہیں؟ یہ قلعے والا خزانہ تو روز دیکھتا ہوں۔ آج سے نہیں، اپنے بچپن سے۔" بادشاہ کو بڑا اچنبھا ہوا کہ لکڑہارا بچپن سے اسے دیکھ رہا ہے لیکن ابھی تک اس میں سے کچھ لے نہیں گیا۔ اُس نے پوچھا "کیا تمہیں دولت نہیں چاہیئے؟" جواب مِلا "میری دولت تو میرے دونوں ہاتھوں میں چھپی ہوئی ہے۔ جو رزق میں اپنی محنت اور دیانت سے کماتا ہوں وہی میرا خزانہ ہے۔ یہ اتنی بڑی دولت ہے کہ اس کے بعد مجھے کسی اور خزانے کی ضرورت نہیں۔" بادشاہ نے یہ سُن کر شرم سے گردن جُھکالی۔ منھ سے کچھ نہ بولا دل میں سوچا "بادشاہ تو یہ ہے۔ میں تو حرص کا بندہ ہوں۔ حرص ہمیشہ آدمی کو حرام کی طرف لے جاتی ہے۔ جس کی زبان حرام پر کھلی اُس کا ہاتھ ظلم پر بھی اُٹھتا ہے۔" یہ سوچنے والے تھے حضرت ابراہیم ادہم۔ چند دن گذرے تو انھوں نے تخت و تاج کو لات ماردی اور عام آدمی کی طرح رہنے اور عبادت کرنے لگے۔ پھر اس درجہ عبادت گذار بن گئے کہ اُن کی شہرت تاریخ کے صفحات تک پہنچ گئی۔

یروشلم کی بیٹی

(رحمٰن مذنب)

مگر جب داخل ہوتے ہی وہ بے طرح قالین پر گری. تلوار ہاتھ سے چھوٹ کر کچھ دور جا پڑی. وہ تو خود بھی صیقل کی ہوئی تھی. چہرہ گلاب تھا آنکھوں سے وحشت ٹپک رہی تھی. سینے میں نہار ہی تھی

وہ لڑکی جو بے باکی اور بے خوفی کا پیکر بن گئی تھی. یروشلم میں شرم و حیا کی پتلی مانی جاتی تھی خوبصورتی میں کم لڑکیاں اس کے پائے کی تھیں. ہنستی تو ستارے جگمگاتے، چپ ہوتی تو اجالے سرنگوں ہوتے.

وقت نے تیور بدلے تو اس نے تلوار ہاتھ میں لے لی اور بجلی کی طرح تڑپ تڑپ کر یروشلم کے دشمنوں پر حملے کرنے لگی.

محلے میں اس کا مکان دوسرے مکانوں سے ہٹ کر تھا گرد و پیش کے متصلہ مکان یروشلم کی لڑائی میں ویران ہوگئے تھے اور وہ کھنڈروں کے درمیان اپنے عالیشان مکان میں رہتی تھی.

یروشلم اور اس کی عظیم صلیب حاصل کرنے کے لیے پورا یورپ بے تاب تھا. اسی بے تابی کا نتیجہ تھا کہ یورپ کی جیلیں اور ان کی کال کوٹھریاں کھول دی گئی تھیں. پوپ کے حکم سے قتل و غارت اور زنا کے مجرموں کو صلیب کے مقدس نگہبان قرار دیا گیا. جنت کے سرٹیفکیٹ عطا کئے گئے. کھیتوں کے مزدوروں گھریلوں ملازموں غیر تربیت یافتہ لوگوں. شریفوں، بدمعاشوں سبھی کو اکٹھا کیا گیا اور ان کا رخ مسلمانوں کی طرف پھیر دیا گیا پوپ اور پادریوں نے اسلام، اہل اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جی بھر کے زہر اگلا. وہ جس نے تمام پیغمبروں خصوصیت سے اسرائیلی پیغمبروں. یعقوبؑ (اسرائیل) سے عیسیٰ تک ہر ایک کو بنی اسرائیل

ی خرافات اور آسمانی صحیفوں کو ان کی تحریفات سے بچانے کے لیے جان کا خطرہ مول لیا۔ حبشہ کے حکمران نجاشی کو جس کا ادب کرنا پڑا اور ماننا پڑا کہ سورۂ مریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے حضرت عیسیٰؑ اس سے ذرّہ بھر کم ہیں نہ تنکا بھر زیادہ۔ اور وہ جس نے عیسیٰؑ کو صلیب پر کھنچوانے والوں کے ناپاک وجود سے سرزمین عرب کو پاک کیا بنی اسرائیل اپنے ناپاک ارادوں کے باعث یروشلم میں ذلیل و خوار ہوئے اور اب نصرانیوں نے اس کے اور اس کی ملت کے خلاف طوفان کھڑا کیا اور بنی اسرائیل کی ذلت و خواری سے کوئی سبق نہ سیکھا۔

یروشلم اسے جان سے زیادہ پیارا تھا۔ وہ خون آلود تلوار کو دیر تک دیکھتی رہی۔ چاہتی تھی کہ اسے صاف کرے تاکہ اس کی آبرو ایک بار پھر نکھر آئے۔

مردانہ لباس میں تابین پر بے طور پڑی تھی۔ اس لباس میں اس کا حسن اور وقار برقرار رہا۔ پچھلے کئی روز سے نئی صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔ دشمن کی بچی کھچی ٹولیاں جان بچا کر نکلیں اور غیر معروف راستوں سے چھپ چھپ کر جافہ کا رخ کرتیں۔ کبھی کبھی کوئی شکستہ ٹولی اس نشیبی راستے پر چلی آتی جو سائرہ بنت ارزاق کے پچھواڑے میں تھا۔ اور اس کے گھر کی چھت سے دکھائی دیتا۔ وہ چھت پر چڑھ جاتی اور جونہی دور سے کسی ٹولی کو آتے دیکھتی، ننگی تلوار لے کر باہر نکل جاتی اور گھات لگا کر ٹیلے پر جا بیٹھتی۔ ٹولی زد پر آتی تو وہ بجلی کی طرح اس پر ٹوٹ پڑتی۔ ڈرا سہما ہوا دشمن اس اچانک حملے سے بوکھلا جاتا۔ اسے یوں لگتا جیسے حملہ آور ایک نہیں کئی ہیں۔ اور پھر یورپ کے جیالوں نے بچشم خود دیکھا تھا کہ ایک مجاہد ان دس کے لیے کافی تھا۔

آج نماز فجر کے بعد جب وہ چھت پر گئی تو اسے دشمن کی ٹولی نظر آئی۔ وہ جھٹ گھات لگا کر بیٹھ گئی۔ جونہی دشمن قریب آیا اس نے پتھر لڑھکایا۔ دو تین تو اسی میں دب گئے۔ پھر یا اللہ کا نعرہ لگا کر شیرنی کا حملہ آور ہوئی تو دشمن سنبھل نہ سکا۔ اس نے پانچ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ دو بھاگ گئے اس نے تعاقب کیا لیکن سہمے نہ چڑھے مجاہدوں نے ایسی دھاک بٹھائی تھی کہ صلیبی بانکے ان کی شکل دیکھتے ہی اوسان خطا کر بیٹھتے۔

اس کی ماں جو ایک نامور مجاہد کی بیوہ تھی خود بھی مہم جوئی میں بیٹی کا ساتھ دیتی۔ لیکن کبھی کبھی بیٹی

تاکہ بغیر ہی اپنے محاذ پر پہنچ جاتی اور مردانہ وار تلوار کا جوہر دکھاتی۔

سائرہ اور اس کی ماں عائشہ نے ارزق شہید سے تیغ زنی سیکھی تھی۔

سائرہ بے دم پڑی تھی۔ اس کی ماں دودھ میں شہد ملا کر لائی اور بولی "بیٹی جان ہوا اتنا ہی کام ٹھیک ہے"

سائرہ کچھ نہ بولی۔ آنکھیں بند کئے پڑی رہی۔ ماں نے قاشو کے سے اسے دودھ دیا۔

"ایسی بھی کیا ہے زاری؟ مجھے ساتھ لے لیا کرو ہمت ٹوٹنے سے پہلے لوٹ آیا کر۔

وہ اب بھی کچھ نہ بولی۔ تھکن کے مارے اس کا بدن ٹوٹ رہا تھا۔ ماں نے اس کے سر سے آہنی خود ہٹایا اور اسے دبانے سہلانے لگی۔ اس نے سائرہ کی لانبی لانبی بلوری انگلیوں اور چاندنی کلائی کو اپنے ہاتھ میں لے لیں چوما اور کہا: "اللہ تجھے سلامت رکھے۔"

اب وہ بولی: "یروشلم کو بھی۔"

اس نے آنکھیں کھولیں۔ سامنے خون میں لت پت ننگی تلوار رکھی تھی۔

"نہ جانے یہ کس کس کا لہو ہو؟" اس نے کہا۔

"کس کس کا کیا مطلب؟ صلیبیوں کا ہے۔" ماں نے جواب دیا۔

"صلیبیوں کا تو ہے لیکن پوپ صاحب نے چوروں، لٹیروں، بدکاروں، قاتلوں سبھی کو مجاہدوں کے مقابلے پر بھیج دیا ہے۔"

پوپ صاحب کے پاس ان کے سوا اور ہے بھی کیا؟"

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور تلوار صاف کرنے لگی۔ عجیب سا لگ رہا تھا۔ ایسی نرم و نازک، حسین و جمیل لڑکی جو ابھی عورت نہیں بنی تھی۔ تلوار سے اس قدر مانوس تھی۔ دراصل وہ دور ہی ایسا تھا۔ یروشلم کی لڑکیاں تلوار سے بے تکلف ہو رہی تھیں۔ گھر گھر فوجی تربیت گاہ کھلی ہوئی تھی۔

وہ ماں سے باتیں بھی کرتی جاتی اور تلوار بھی صاف کرتی جاتی۔ اس کی انگلیاں کٹ ہی جاتیں۔ زخم آ گیا اس کی چیخ نکل گئی۔ سائرہ نے اسی آن زخمی انگلی ہاتھ سے دبالی۔ ماں نے جھٹ سے ریشم کا ٹکڑا جلایا اور

ں کی راکھ سے زخم بند کیا۔ اوپر سے پٹی باندھ دی۔
"اتنی بے تابی ٹھیک نہیں۔"
"ماں! بے تابی نہ ہو تو میں تلوار کا حق ادا نہ کرسکوں۔"
"اس میں تو میں بھی تیرے ساتھ ہوں۔ لیکن کب تک تلوار کا حق ادا کرتی رہے گی؟"
"جب تک یروشلم میں دشمن کا ایک سپاہی بھی موجود ہے۔"
"تو نہیں جانتی، تو میری اکلوتی بیٹی ہے، میرا آخری سہارا ہے۔"
"پہلا اور آخری سہارا صرف خدا ہے ماں! جب دشمن نظر آتا ہے تو میرے اندر شہید باپ کی چیخ تڑپتی ہے۔ میں بے چین ہو جاتی ہوں۔"
"میں تو خود بے کل ہو جاتی ہوں لیکن بیٹی اپنے پیارے شوہر کو کھو کر میں بہت مفلس ہو چکی ہوں ماما ہاری تیرے ساتھ چلی جاتی ہوں لیکن اب میرے پاس لٹانے کو کچھ نہیں رہا۔
"ماں! سب دولت، سب اثاثہ، سب کچھ اسی کا ہے جس نے دیا ہے۔"
"کچھ بھی ہو، میں تجھے گنوا نہیں سکتی۔"
"ماں! میرے ساتھ مت جایا کرو! تم تو مصلے پر بیٹھ جایا کرو۔ اللہ سے میری کامیابی کی دعا مانگا کرو۔"
"میں تو ہر دم تیرے ہی لیے دعا مانگتی ہوں۔"
"پھر یقین رکھو! دشمن میرا بال بیکا نہیں کرسکتا۔"
"میری تو ایک ہی التجا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھ پر میری سکت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالے۔"
"اللہ کسی پر اس کی سکت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا ماں۔"
سائرہ نے زخمی ہاتھ سے تلوار صاف کی اور نیام میں رکھ کر دیوار پر لٹکا دی۔ دیوار پر بھی چند بے نظیر تلواریں تھیں۔ خنجر سجائے تھے۔ زرہ بکتر اور خود تھے۔
وہ قالین پر لیٹ گئی اور بولی: بابا کے پاس وقت شہادت یہی تلوار تھی۔ انھوں نے دشمن کی صفیں

چیر کر رکھ دیں۔ پھر ایک جگہ گر گئے۔ دشمن ان پر پل پڑے اور انھیں مردہ سمجھ کر بھاگ گئے۔ بابا بڑے حوصلے والے تھے کسی نہ کسی طرح گھوڑے پر سوار ہو کر گھر آ گئے۔ انھوں نے تلوار ہاتھ سے نہ چھوڑی۔"

"بس بس سائرہ! خونیں داستان اب نہ دہراؤ۔"

"ماں! بابا کی تلوار ہر وقت مجھے للکارتی رہتی ہے۔"

"اب تم آرام کرو۔"

اس نے لیٹے لیٹے انگڑائی لی اور آنکھیں بند کر لیں۔ سکون محسوس ہوا۔ نیند کی میٹھی میٹھی لہریں رگ و پے میں سرایت کرنے لگیں۔

اسے گہری نیند آ گئی۔ اسے پُرسکون دیکھ کر خیال آتا کہ وہ مذہبی رہنما، فوجی سالار اور فرمانروا جو یورپ کے گوشے گوشے سے طاقت کا سمندر اٹھا لائے اور چٹانوں کے ارادوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہوئے اب تاب نہ رکھتے تھے کہ دختر یروشلم سائرہ کی نیند میں خلل ڈال سکتے۔ یروشلم محفوظ تھا۔ مجاہدوں کے دوش بدوش تلوار کا حق ادا کرنے والی لڑکیاں اس کی حفاظت پر مامور تھیں اور پروردگار عالم نے ان کی حفاظت پر فرشتے مامور کر دیے۔ اسی لیے تو وہ کھنڈر میں نڈر رہتی تھی۔

ارزق کی شہادت کے بعد بوڑھی زکیہ آئی اور بولی: "ارزق کی شہادت کے بعد تمہارا گھر اب ستون کے بغیر رہ گیا ہے۔ دیکھو! تمہارے آس پاس کے مکان کھنڈر ہو گئے ہیں۔ تم ماں بیٹی یہاں الگ تھلگ ہو کر رہتی ہو۔ بالکل اکیلی ہو۔"

"نہیں خالہ! ہم اکیلے نہیں۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

"وہ تو سب کے ساتھ ہے لیکن تم خطروں میں گھر گئی ہو۔ دشمن تمہارے گھر کی تاک میں ہے۔"

"نہیں خالہ! دشمن ہماری تاک میں نہیں ہم دشمن کی تاک میں ہیں۔"

"تم رہو دشمن کی تاک میں لیکن یہ گھر چھوڑ دو۔ یہ گھر غیر محفوظ ہے۔"

"خالہ! محفوظ کیا اور غیر محفوظ کیا؟"

"تدبیر انسان کا حق ہے لڑکی! یہ مکان غیر محفوظ ہے۔ میرے مکان میں چل کر رہو۔"
"نہیں خالہ نہیں۔ مجھے اس مکان میں اپنے باپ کی صورت نظر آتی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے وہ یہاں موجود ہوں۔ چل پھر رہے ہوں۔ میرے دل میں جذبات کے بگولے اٹھتے رہتے ہیں۔ میرے باپ کے سانسوں کی حرارت مجھے توانا رکھتی ہے۔ میں اسے چھوڑ کر ٹھنڈی ہو جاؤں گی۔"

بوڑھی زکیہ چلی گئی اور پھر اس نے کبھی مکان کی تبدیلی کے بارے میں سائرہ کو کچھ نہ کہا۔

سائرہ اپنی جواں ہمت ماں کے ساتھ اسی اکیلے مکان میں رہنے لگی۔ وہ یہیں رہ کر تلوار کی قیمت چکا سکتی تھی۔ جو اسے ورثے میں ملی تھی۔ اور جس پر کلمہ کندہ تھا۔

وہ مجاہدوں کے خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کے دادا نے جام شہادت نوش کیا تو اپنے بیٹے کو یہ کہہ کر تلوار دی کہ اس کا حق ادا کرے اور اسے دشمن کی گردن پر چلائے۔ پھر جب سائرہ کے باپ نے جام شہادت نوش کیا تو اس نے تلوار کا حق ادا کرنے کو نہ کہا۔ بیٹی کو کیا کہتا۔ بس اتنا ہی کہا: "میرے باپ کی یہ نشانی سنبھال کے رکھنا بیٹی! شاید ہمارے خاندان میں کوئی نسل آئے جو اس کا حق ادا کرے۔" لیکن سائرہ نے کسی کا انتظار نہ کیا۔ اور خود ہی تلوار کا حق ادا کرنے کی ذمہ داری قبول کی۔

اس کے دل میں کتنی ہی خواہشیں تھیں۔ وہ خواہشیں آپس میں ٹکرا گئی تھیں۔ نوجوان صادق ہی تو اس کی آرزوؤں کا محور تھا۔ وہ دونوں ٹوٹ کر ایک دوسرے کو پیار کرتے۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے حاصل زندگی تھے لیکن صلیبی جنگوں نے دنیا بھر کی تمنائیں غارت کر دیں۔ محبت کے شیرازے بکھیر دیے اور زندگی میں دراڑیں ڈال دیں۔ زندگی اور ایمان کی سلامتی نے سب کچھ بھلا دیا۔

یہ درست ہے کہ یورپ سے اٹھنے والی اول آندھی کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ مجاہدوں نے صلیبی طاقتوں کو کمزور کر دیا تھا۔ پھر بھی شورشیں اٹھتی رہتیں اور تلواریں جھنکارتی رہتیں۔

سائرہ جو کامیاب مہم کے بعد سو گئی تھی۔ بڑی دیر سے اٹھی۔ ظہر اور عصر کی نمازیں اس نے یک وقت پڑھیں۔ ظہر قضا اور عصر کی نماز ٹھیک وقت پڑھی۔ مغرب کی نماز سے قبل پھاٹک پر دستک ہوئی۔ اس

نے خنجر ہاتھ میں لیا اور پھاٹک پر گئی زنجیر اتارے بغیر بولی: "کون ؟"

"آہستہ بولو سائرہ ۔۔۔!"

سائرہ نے آواز پہچان لی۔ کیسے نہ پہچانتی ؟ اس سے تو اس کے دل پر میٹھی میٹھی سی ضرب لگی تھی۔ اس نے پھاٹک کھولا۔ نوجوان سامنے کھڑا تھا۔ دیکھتے ہی اس کی چیخ نکل گئی۔ نوجوان کے شانے پر پٹی بندھی تھی اور اس کے کپڑے خون میں رنگے ہوئے تھے۔ سائرہ نے دامن پکڑ کر اسے اندر کر لیا اور فوراً بند کر لیا۔ مضطرب ہو کر اس نے پوچھا: "کوئی پیچھے لگا ہے ؟"

"کیسے لگ سکتا ہے میرے پیچھے ؟ میری تلوار کا وار کبھی خطا نہیں گیا۔"

"پھر یہ خون آلود کپڑے کیوں ؟"

"یہ کوئی نئی بات تو نہیں۔ تمہاری طرح میں بھی دشمن کی تلاش میں رہتا ہوں۔"

"بیٹھو! تمہارے کپڑے دھو دوں۔"

"اتنی فرصت کہاں ؟"

"جانے کب فرصت ہوگی تمہیں اور مجھے۔ کب وہ گھڑیاں آئیں گی جب ہم پھر سے زندگی کو سہانے نکھارنے کی باتیں کرنے لگیں گے۔ پھر آرزوؤں کی چھاؤں تلے بیٹھیں گے اور ایک ہو جائیں گے۔"

"سائرہ! میں تمہیں بتانے آیا ہوں۔ ایک نہایت قیمتی شے یہاں آ رہی ہے۔"

"نہایت قیمتی شے ؟ کیا ہے قیمت اس کی ؟"

"یروشلم ۔"

"یروشلم ؟" تو وہ آتش فشاں پہاڑ کی طرح پھٹ پڑی اور چلا کر بولی: "دنیا میں کون ہے جو شہیدوں کے لہو کی ایک بوند کی قیمت ادا کر سکے ؟ یروشلم انمول ہے۔ اللہ کے بندوں نے اپنا لہو اسے دیا۔ میرے من نے ہواؤں میں اڑتی ہوئی خبر نہیں سنائی ہے تم بولو نہیں، عیسائی کبھی یروشلم کا رخ نہیں کریں گے۔"

"ابھی میں خیریت سے ہوں، یروشلم سے دور رہیں۔"

"یروشلم کا غم نہ کھاؤ! وہ چیز تو تمہارے پاس آ رہی ہے اسے سنبھال کر رکھنا۔"
"کیا یہ بھی ہماری محبت کے راستے کی کوئی منزل ہے؟"
"ہماری محبت سے اسے کوئی نسبت نہیں لیکن کسی اور کی محبت کا راز ضرور ہے یہ۔"
"کس کی محبت کا؟"
"یہ بھید ابھی نہیں کھلا۔"
"تم کچھ چھپا رہے ہو۔"
"نہیں، تم سے کچھ چھپانا کفر ہے سائرہ!"
"یہ کام جو تمہاری معرفت مجھے سونپا جا رہا ہے۔ تمہارے علم سے کیسے باہر ہو سکتا ہے؟"
"رموز مملکت کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں جن کا احترام سب کو کرنا پڑتا ہے۔"
"یہ کس کا حکم ہے؟"
"میں وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن غالباً ملک العادل یا ملک الناصر کی جانب سے مجھ تک پہنچایا گیا ہے۔"
"ہوں۔"
"میں جا رہا ہوں۔ ابھی مجھے بہتیرے انتظامات کرنے ہیں۔"
وہ رخصت ہوا۔ جاتے جاتے اس نے کلائی دکھائی اور انگلی سے اشارہ کر کے چلا گیا۔
سائرہ کو اس دراز قامت وجیہہ و شکیل اور مضبوط بدن والے صادق بن حکیم سے محبت تھی لیکن اس کی عادت سے بیزار تھی کبھی کبھی تو دل چیر کر سامنے رکھ دیتا اور کبھی کبھی پہیلی بن جاتا اور افشائے راز نہ کرتا۔ بہرحال وہ مجبور تھی۔ محبت کے باعث اس کی غلطیوں سے سمجھوتہ کر لیتی اور رموز مملکت جاننے میں حد سے زیادہ تجسس نہ کرتی۔
عشاء کی نماز کے بعد وہ حسب معمول تکیے تلے خنجر رکھ کر لیٹ گئی۔ آنگن میں بندھا ہوا گھوڑا گاہے

لگتا ہے ہنہناتا اور اس کی سوچ کے تار توڑ دیتا۔ یہ عربی النسل گھوڑا اسے جان سے زیادہ عزیز تھا۔ اس کی جلد ریشم کی مانند چمکدار تھی۔ ایال لانبے لانبے تھے۔ بڑی بڑی صاف بلوریں آنکھیں تھیں، پوپا بلبل بے داغ تھا۔ دوڑنے میں آندھیوں کو پیچھے چھوڑ جاتا۔ یہ اس کے باپ کا جاں نثار گھوڑا تھا۔ حجاب اس کی سواری کا کام دیتا تھا۔ والد کی شہادت کے بعد اس نے صادق بن حکیم کی مدد سے گھوڑ سواری، نیزہ بازی، تیغ زنی اور تیر اندازی کی تعلیم مکمل کی۔ اس تعلیم و تربیت نے اس کی ذات کی تکمیل کی۔ پھر جب محبت کا جذبہ ابھرا تو زندگی بامقصد ہو گئی۔

آدھی رات کو دروازے پر دستک ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز بھی آئی۔ اس نے نیزہ سنبھالا اور چھت پر چڑھ گئی۔ دیوار سے لگ کر کھڑی ہوئی۔ نیچے دیکھا۔ پھر بولی "کون؟"

"صادق بن حکیم نے نہیں بتایا؟" گھوڑ سوار عورت بولی۔

"کوئی نشانی؟"

گھوڑ سوار عورت نے کلائی بڑھائی اور کہا "یہ رہی نشانی!"

اس کی کلائی پر طلائی کنگن اور انگلی پر انگوٹھی چمک رہی تھی۔

"ٹھہرو!" کہہ کر وہ نیچے آئی۔ اس نے پھاٹک کھولا۔ دو گھوڑ سوار عورتیں جو اسلامی لباس پہنے تھیں۔ حویلی میں داخل ہوئیں روغن زیتون میں تلی ہوئی جو کی روٹیاں اور کھجوریں گھر میں موجود تھیں۔ بکری کا دودھ لیا گیا۔ انہی سے ان کی تواضع کی اور تخت پوش پر گدا بچھا دیا۔

دونوں عورتیں لمبے سفر سے آئی تھیں اور تھک کر چور ہو رہی تھیں۔ لیٹتے ہی گھوڑے بیچ کر سو گئیں۔ اس کی بھی آنکھ لگ گئی۔ البتہ اس کی ماں کی آنکھ کبھی لگتی کبھی کھلتی۔ گاہے گاہے کھانس لیتی تاکہ بیداری کا ثبوت رہے اور کوئی شریر ادھر آئے تو آواز سن کر پلٹ جائے۔

دونوں عورتیں دن چڑھے جاگیں۔ ناشتے سے فارغ ہوئیں تو سائرہ نے انہیں اچھی طرح دیکھا۔ دونوں حسین تھیں۔ وہ فیصلہ نہ کر سکی کہ ان میں حسین تر کون ہے اور پھر وہ خود کس سے کمتر تھی۔ اس کی شکل

کے سامنے گہنایا ہوا داغدار چاند نہ بچتا تھا۔ چہرہ نور سے دھلا ہوا تھا۔ اس میں شفق گھلی تھی۔ معصومیت کے ساتھ ساتھ بڑا جلال ٹپکتا تھا اس سے۔ نور بھری آنکھوں سے جادو تیرتا تھا۔ پھر جب یہ معصوم دختر یہ دشلم دشمن پر حملہ آور ہوتی تو شیرنی کی طرح تند خو ہو جاتی۔ بدن میں بجلیاں کوندنے لگتیں۔ اس کے انگ انگ میں نامعلوم بے اندازہ طاقت آجاتی۔ دراز قد بھرپور بدن، مردانہ لباس، ہاتھ میں چمکتی ہوئی تلوار، دشمن کی ٹولی میں دہشت پھیل جاتی۔ گردنیں اپنے آپ اکڑتی جاتی جاتیں۔

وہ صادق بن حکیم کے دل کا گداز، جواں سال مجاہد کی نظروں کی بے تابی اور اس کی تمناؤں کا مرکز تو تھی لیکن وہ خود اپنے لیے سراپا اضطراب تھی۔ کبھی سکون نہ پانے والی تڑپ تھی۔ یہ تڑپ ہر لحظہ دل میں رہتی اور اسے شہید باپ کی تلوار کا حق ادا کرنے پر اکساتی۔

مہمان عورتیں چپ تھیں۔ انھیں قدرت نے حسن فراواں دیا تھا۔ بدن پر ایسی شادابی تھی جیسے ابھی ابھی ابھی چشمۂ حسن و شباب سے نکل کر آئی ہوں جیسے قبرص کے سندری جادوگر نے حسن کی دیوی افرودایتی کے بعد انھیں جنم دیا تھا۔ بدن کے خطوط اور زاویے سحر زدہ کیے دیتے تھے اور جب یہ خطوط اور زاویے حرکت میں آتے تو نئی خوبصورتیاں جنم لیتیں۔

سائرہ نے دونوں کی طرف دیکھ کر کہا: "تم میں سے کون یروشلم کی قیمت ہے؟"

"یروشلم کی قیمت؟ ہم میں سے کوئی نہیں۔"

"کیا صادق بن حکیم نے استعارے میں تمہاری قیمت لگائی تھی، یروشلم؟"

"ہمیں شاعری نہیں آتی۔"

"مجھے تو تم امرا القیس کے قصیدے کا ٹکڑا لگتی ہو۔"

"ہمیں کچھ خبر نہیں۔"

"پھر کیا خبر ہے تمہیں؟"

"یہ کہ ہم یروشلم کی آبرو ہیں، آرزو ہیں۔"

"یہ آبرو، یہ آرزو کس کس کی امانت ہیں؟"

یہ سنتے ہی ایک خاتون کی آنکھوں میں آنسو آگئے، جو دوسری سے عمر میں کچھ زیادہ تھی۔ وہ بولی "ہماری سیجیں اُجڑ گئی ہیں۔ ہمارے ستارے ماند پڑ گئے ہیں۔ دل امیدوں سے خالی ہیں۔ آنکھوں کے سامنے لاکھوں نشانوں کے کھنڈر پڑے ہیں۔ گھر لُٹ گئے۔ بستیاں اُجڑ گئیں۔ جن ایوانوں میں بجلی راتیں خوشبوئیں بساتی تھیں وہ سنسان پڑے ہیں۔ سائرہ! تمہیں معلوم نہیں کہ ناتواں اور معصوم انسان کیسی کیسی قیامتوں میں سے گزرے ہیں۔ جو دنیا ہم پر مہربان تھی وہ نامہربان ہوگئی ہے سائرہ!"

"میرا نام تمہیں کس نے بتایا؟"

"جس نے ہمیں تمہارے پاس امانت رکھا"

"تم میں سے صقلیہ کی ملکہ جونا کون ہے؟"

"اب ہم میں سے کوئی ملکہ نہیں"

سائرہ نے ایک عورت کی انگلیوں میں بڑے بڑے ہیرے اور زمرد والی سونے کی انگوٹھیاں اور اپنی سہیلی سے زیادہ افسردہ پاکر جان لیا کہ یہی شیر دل رچرڈ کی بیوہ بہن ہے۔ وہی بولی: "میرے دل پہ جو گزری ہے وہ دشمن پر بھی نہ گزرے۔ میرا بھائی ملک رک (شاہ رچرڈ) ٹوٹ پھوٹ چکا ہے۔ اس کی مرادیں بکھر گئی ہیں زندگی نے اسے اتنا دیا نہیں جتنا لیا ہے"

"یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ کیسے ہوا؟ کبھی ٹھنڈے دل سے سنو۔ اندازہ نہ لگاؤ کہ روئے زمین پر مسلمانوں کی سب سے بڑی سلطنت ہے وہ جہاں کہیں حاکم ہیں وہاں کے لوگ انہیں سایۂ رحمت سمجھتے ہیں۔ وہ خود کو دنیا کی سب سے بڑی سلطنت کا معزز و محترم فرد سمجھتے ہیں۔ انصاف، رحم دلی، فیاضی اور خوشحالی ان کے حصے میں آئی ہے۔ حملہ کرنے سے پہلے کیوں نہ سوچا کہ مسلمان ناقابلِ تسخیر ہیں"

اس کا جواب میرے پاس نہیں، پاپائے اعظم کے پاس ہے جنہوں نے لوگوں کو جنت کی سندیں دیں اور یروشلم پر قبضہ کرنے کے لیے اکسایا۔ سائرہ! میرے پیارے بھائی کو بھی نے بہکایا۔ آج میرا بھائی دنیا میں سب

سے زیادہ دکھی ہے۔ میرا بھائی اپنی آرزوؤں کے ملبے میں دب گیا۔

"اس ملبے میں ان بے گناہ نہتے مسلمانوں، ان کے بچوں، نوجوانوں اور عورتوں کا خون گندھا ہے جو مغرب کے جیالے صلیبی لشکر نے بے دریغ بہایا۔"

"اس کا گناہ میرے سر نہیں، پاپائے اعظم اور اس کے حواریوں کے سر ہے۔ خدا میرے بھائی کو سلامت رکھے جسے شکستوں نے ادھ موا کر دیا ہے۔"

دل شکستہ ملکہ جونا میں حوصلہ نہ تھا کہ ان شکستوں کا ذکر کرتی۔ ذکر سائرہ نے کیا۔

"یہ جنگ حوصلوں اور جذبۂ ایمانی کی آزمائش کی جنگ تھی۔ پچھلی بار جب یورپ کا عظیم لشکر سینوں پر صلیبیں سجائے جافہ میں اترا تو یروشلم کی شاہراہ عین سامنے تھی۔ لیکن موسم نے بپھر کر اس پر حملہ کر دیا۔ سردی اور بارش سے اس کی جذبے کی حرارت ٹھنڈی پڑ گئی۔ ملکہ جونا! جذبہ موسم کے تابع تو نہیں ہوتا۔ کون باور کریگا کہ جب یروشلم بارہ میل دور رہ گیا تو صلیبی جیالوں کے حوصلے ٹوٹ گئے۔"

"وہ کیا کرتے سائرہ؟ ان کے خیمے ہوا سے اڑ گئے۔"

"خیموں کے ساتھ ان کے حواس بھی اڑ گئے۔"

"تمہیں کیا خبر سائرہ قدرت نے ان سے کیا سلوک کیا۔ سائبان نہ رہے تو ان کے گھوڑے مر گئے۔ آدمیوں اور حیوانوں کی خوراک دلدل میں مل گئی۔ لوگوں کے لیے اپنے آپ کو سنبھالنا ممکن نہ رہا۔"

"جنگ میں سب کچھ ہوتا ہے ملکہ جونا! جنگ آخر جنگ ہوتی ہے۔ بچوں کا کھیل نہیں ہوتی۔"

"صلیبی ہمت کر کے آگے بڑھنے کے لیے تیار بھی ہوئے لیکن ان کے پاؤں ڈگمگا گئے۔"

"نہیں، ان کے ارادے ڈگمگا گئے۔"

"کچھ بھی کہو۔ مجلی ہوکر رہی صلیبی لشکر شاہراہ یروشلم سے الٹے پاؤں پلٹ آیا۔ ارضِ مقدس پر حملہ کرنے کا سب کو غم ہے۔ سب کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ دلوں میں کرب تھا۔ ادھر نالائق فرانسیسیوں نے میرے شیر دل بھائی کی کمان پر عدم اعتماد کا اظہار کیا۔ (باقی آئندہ)

مولانا مودودی کا امتیازی وصف

(محمد فاروق خاں)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کو اللہ نے مختلف صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ وہ ایک جدا شخصیت کے مالک تھے۔ انگریزی کا ایک مقولہ ہے کہ آدمی یا تو ایسا کام کر جائے کہ لکھا جائے یا پھر وہ ایسا لکھ جائے کہ پڑھا جائے۔ مولانا نے بیک وقت دونوں ہی کام بڑی خوبی سے انجام دیئے۔ انھوں نے عملاً ایسی ہمہ گیر اسلامی تحریک چلائی جس کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں میں فکری و ذہنی انقلاب آئے اور ان کی زندگیاں خالص اسلام کے سانچے میں ڈھل جائیں اور دوسری طرف زمین میں خدا کی حاکمیت کو تسلیم کیا جائے۔ غیر اللہ کے بجائے زمین میں خدا کا قانون جاری و نافذ ہو۔ پھر اس کے ساتھ مولانا نے ایک ایسا صالح اسلامی لٹریچر تیار کیا جس میں عصر حاضر کی ضروریات اور تقاضوں کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔

غرض یہ کہ مولانا کی شخصیت ان دونوں ہی حیثیتوں سے ممتاز اور نمایاں ہے لیکن ہم یہاں ایک اور اہم بات کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں جس کی طرف بالعموم لوگوں کی نگاہ نہیں جاتی۔ اسے سمجھنے کے لئے تھوڑی سی تفصیل درکار ہے۔

دین کو اخذ کرنے کے دو طریقے ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اسے اپنے گرد و پیش کے ماحول اور اشخاص سے حاصل کیا جائے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ دین کو سمجھنے کے لئے اس کے اصل ماخذ یعنی کتاب و سنت کی طرف رجوع کیا جائے۔ عام طور سے لوگوں کو دین پہلے ہی طریقے سے حاصل ہوتا ہے۔ وہ دین کو اپنے ماحول اور ان شخصیتوں سے حاصل کرتے ہیں جو انھیں نمایاں نظر آتی ہیں اور جنھیں لوگ عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ دین اخذ کرنے کا یہ طریقہ خواہ کتنا ہی آسان ہو لیکن یہ خرابیوں سے پاک ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ ہر دور اور ہر ایک ماحول میں اصلاح نظر

کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ ہی پر رہے۔ شخصیتوں سے استفادہ غلط نہیں ہے لیکن یہ استفادہ صرف استفادے ہی کی حد تک ہو۔ شخصیتیں اگر فہمِ دین کی راہ میں حائل اور مانع ثابت ہونے لگیں تو پھر یہ استفادہ شخصیت پرستی اور ذہنی غلامی میں منتقل ہو جاتا ہے جو آدمی کی قوتِ فکر اور اجتہادی صلاحیتوں کو بالکل ماؤف کر کے رکھ دیتا ہے آدمی کے اندر کوئی زندہ شعور و احساس باقی نہیں رہتا۔ پھر تو آدمی کے اندر یہ قابلیت اور صلاحیت باقی نہیں رہتی کہ وہ کھرے اور کھوٹے یا حسن و قبح میں تمیز کر سکے۔ وہ حق اسے کہے گا جس کو اس کے اپنے بزرگ حق کہتے ہوں، خواہ وہ حق ہو یا نہ ہو۔ وہ غلط اس کو غلط قرار دینے لگے گا جس کو وہ لوگ غلط قرار دیتے ہیں جنہیں وہ اپنا مقتدا سمجھتا ہے، خواہ وہ بات صحیح اور عین حق ہی کیوں نہ ہو اور اس کے مقتدا سے اس سلسلے میں غلطی ہی کیوں نہ ہو رہی ہو۔ جب شخصیتیں وہ مقام حاصل کر لیتی ہیں جو فی الواقع ان کا مقام نہیں ہوتا اور آدمی ان ہی کو حرفِ آخر سمجھنے لگتا ہے تو کتاب و سنت کا وجود بے معنی ہو جاتا ہے خواہ آدمی زبانی طور پر کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ کا کتنا ہی احترام کر رہا ہو اور قال اللہ و قال الرسولؐ ہر وقت اس کی زبان پر ہو۔

اسلامی افکار و نظریات پر جب زمانے کے گرد و غبار کی تہیں جم جاتی ہیں اور اشخاص کے اپنے ظروف و احوال کے زیرِ اثر صداقت اپنے اصل مزاج سے مختلف ہو جاتی ہے تو پھر آفتابِ حق اپنی اصل شکل میں دکھائی نہیں دیتا۔ انسان خواہ کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو خطاؤں اور غلطیوں سے مبرا نہیں ہوتا۔ انسان اپنے اندر مختلف قسم کی کمزوریاں رکھتا ہے۔ یہ کمزوریاں خَلقی بھی ہو سکتی ہیں۔ اور خُلقی بھی۔ انسان میں فکر و تدبر اور گہری نظر کی کمی بھی بہت کچھ دخیل ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ کتاب و سنت سے کسی وقت بھی صرفِ نظر نہ کیا جائے اور ہر حال میں ہدایت کا اصل سرچشمہ اشخاص کو نہیں کتاب و سنت کو سمجھا جائے اور ہر دور میں اسی سرچشمے سے فیضیاب ہونے کی سعی کی جائے۔ شخصیات کتاب و سنت کا بدل (ALTERNATIVE) کبھی نہیں ہو سکتیں۔ کسی بھی معاملے میں کتاب و سنت کی تائید و تصدیق ـــــ (SENCTION) حاصل کرنا ہر صاحبِ فکر و نظر کے لئے لازم ہے۔ شخصیات کی فرمانبرداری نہیں بلکہ دین کی پاکیزگی اس کی متقاضی ہے۔ دین ہماری شخصیتوں سے کہیں زیادہ محترم اور عظیم ہے اس بات کو ہمیں کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے۔

لیکن یہ بنیادی حقیقت بار بار فراموش ہو جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دین کے ساتھ کچھ ایسی چیزیں بھی جڑ جاتی ہیں جن کا اصل دین سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ بلکہ بسا اوقات یہ چیزیں دین کے اصل مزاج کے بالکل مخالف ہوتی ہیں۔ اور یہی دین میں سب سے بڑھ کر اہمیت حاصل کر لیتی ہیں۔ پھر نہ دین کا اصل اور صحیح مزاج باقی رہتا ہے اور نہ اس کی اصل اسپرٹ اور روح برقرار رہتی ہے۔ پھر یہ صورت حال ہمارے سامنے آجاتی ہے کہ آدمی کی فکر وہ نہیں ہوتی جو دین اسے عطا کرنا چاہتا ہے اور آدمی کی سعی و جہد کا رخ وہ نہیں ہوتا جو دین اس کے لئے متعین کرتا ہے۔ آدمی کی سرگرمیاں اس راہ میں صرف نہیں ہوتیں جس راہ میں ان کو صرف ہونا چاہئے تھا۔

اس سب کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دین میں کوئی تازگی اور دلکشی باقی نہیں رہتی۔ وہ باسی ہو جاتا ہے اور اس پر فرسودگی چھا جاتی ہے۔ اس میں وہ گرمی اور قوت باقی نہیں رہتی جو کبھی اس میں پائی جاتی تھی۔ جہاں کبھی چنگاریاں رہی ہوں گی وہاں راکھ کے ایک ڈھیر کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ دین جب اس حالت زار کو پہنچ جائے تو لازم بات ہے کہ حاملین دین میں آپ کوئی حوصلہ، اعلیٰ ظرفی اور بلند نگاہی نہیں پا سکتے۔ پھر تو وہ ایسی حرکات و افعال کے مرتکب نظر آتے ہیں جن کی توقع بے دین لوگوں سے بھی نہیں کی جا سکتی۔ پھر قوم کی حالت اس بھٹکے ہوئے قافلے کی ہوتی ہے جسے نہ اپنی منزل کا پتہ ہو اور نہ اپنے راستے کی کوئی خبر ہو۔

لیکن اُمت مسلمہ کو برپا کرنے کے بعد خدا اس سے بے تعلق نہیں ہو گیا ہے اس لئے جب دین کے رخ پر گرد و غبار کی تہیں جم جاتی ہیں اور دین خود اپنے پیروؤں کے دیار میں بھی اجنبی ہو کر رہ جاتا ہے تو خدا اپنے دین کی تجدید کے اسباب فراہم کرتا ہے۔ کچھ ایسے صاحب فکر و نظر اُٹھتے ہیں جو دین کے رُخ سے گرد و غبار صاف کرتے ہیں تاکہ وہ اپنی اصل شکل و صورت میں پہچانا جا سکے۔ اس سلسلے میں انھیں لوگوں کی کسی ملامت کی پروا نہیں ہوتی اور نہ وہ کسی تکلیف و مصیبت کو خاطر میں لاتے ہیں۔ حق کا نشہ ہی ایسا ہوتا ہے جو چڑھنے کے بعد اُترتا نہیں۔ یہ نشہ ہوش کا ہوتا ہے ایسے صاحب نظر اشخاص کے ذریعہ سے صدیوں کی بے ہوشی ختم ہوتی ہے اور سوئے ہوئے لوگ جاگ جاتے ہیں ان کی کوشش ہوتی ہے کہ لوگ اصل دین کو پا سکیں اور اس کے مطابق از سر نو سفر کا آغاز صحیح رُخ پر کریں۔ وہ لوگوں کے سامنے افراد قوم

انفرادی و اجتماعی زندگی کا صحیح تعمیری نقشہ پیش کرتے اور ان کی سعی و جہد کا صحیح رُخ اور مقصد متعین کرتے ہیں۔

سید مودودیؒ کی زندگی اور ان کے کارناموں پر سرسری نگاہ ڈالنے سے بھی جو خاص بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ دورِ فتن میں خدا نے انھیں اس بات کی توفیق دی کہ انھوں نے دین کو سمجھنے کے لئے اس کے اپنے اصل سرچشمے یعنی کتاب و سنت کی طرف رجوع کیا اور اس راہ میں انھوں نے کسی چیز کو بھی حائل ہونے نہیں دیا۔ انھوں نے اپنے کو ہر قسم کی گروہ بندی، فرقہ پسندی اور تنگ نظری سے دور رکھ کر تحقیق کا حق ادا کیا۔ اور جو راہِ حق انھیں دکھائی دی اس پر باعزم و حوصلہ چل پڑے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی زندگی میں جو انقلاب رونما ہوا وہ صرف ان کی اپنی ذات تک محدود نہ رہ سکا بلکہ پورے عالمِ اسلام پر اس کے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ چونکہ سید مودودیؒ نے دینِ حق کو اخذ کرنے کے لئے اس کے اصل سرچشمے کی طرف رجوع کیا اور وہ کسی دوسری چیز پر قانع ہو کر نہیں رہے اس لئے وہ جس دین سے آشنا ہوئے اس کے اندر تازگی بھی تھی، اور انقلابی قوت بھی۔ وہ اس بات کو پا گئے کہ دنیا میں کسی مومن کے لئے اصل مابہ الامتیاز چیز کیا ہے۔ اور وہ راہ کونسی ہے جس پر چل کر اہلِ ایمان پستی اور نکبت سے نجات پا سکتے ہیں اور ہلاکت کی طرف تیزی سے بڑھتی ہوئی دنیا کو ہلاکت سے بچا کر رہنمائی کا صحیح حق ادا کر سکتے ہیں۔

مولانا مودودیؒ نے خود فرمایا ہے کہ انھوں نے دین کو اشخاص کے بجائے اس کے اصل سرچشمے سے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ دین کتاب اللہ اور رسول اللہؐ کی زندگی میں نہایت فطری، متوازن، مبنی بر عدل، انصاف اور کامل نظامِ زندگی کی شکل میں دکھائی دیتا ہے اور ہم سے اپنی اقامت کا ایسا تقاضا کرتا ہے جیسے اپنی بے بصیرتی اور بے حسی کا ثبوت دینا ہے۔

سید مودودیؒ کی زندگی کا رخ موڑنے میں جس واقعہ کو سب سے زیادہ دخل ہے وہ ۱۹۲۶ء کے آخر میں پیش آیا۔ ۱۹۲۶ء کے آخر میں شدھی تحریک کے بانی شردھانند سوامی کا قتل ہوا۔ اس سے جاہل اور کم نظر لوگوں کو اسلام اور اسلامی جہاد کو موردِ الزام ٹھہرانے کا موقع مل گیا اور کہا جانے لگا کہ اسلام کی تعلیم خونریزی کی ہے۔ گاندھی جی نے بھی اس سے متاثر ہو کر اس خیال کا اظہار کیا کہ اسلام ایسے ماحول میں پیدا ہوا جس کی فیصلہ کن طاقت پہلے بھی تلوار تھی۔ اور

آج بھی تلوار ہے۔ ان الزام تراشیوں سے تنگ آکر مولانا محمد علی ؒ نے جامع مسجد دہلی میں ایک تقریر کی اور کہا کہ کاش کوئی بندہ ان الزامات کے جواب میں اسلام کا صحیح نقطۂ نظر پیش کرتا۔ تقریر سننے والوں میں سید مودودیؒ بھی تھے۔ جب وہ تقریر سن کر اُٹھے تو یہ سوچتے ہوئے اُٹھے کہ "کیوں نہ میں ہی اللہ کا نام لے کر ایسی کوشش کروں" اسی طرح انھوں نے اخبار نویسی کی مصروفیت کے باوجود چھ مہینے سے بھی کم مدت میں "الجہاد فی الاسلام" جیسی محققانہ کتاب مرتب کر دی۔ اس وقت ان کی عمر چوبیس۲۴ برس کی تھی۔

اس کتاب کے بارے میں مولانا مودودیؒ نے خود فرمایا ہے کہ "اس کتاب نے اس سے زیادہ فائدہ خود مجھے پہنچایا ہے۔ میں نے جب اس کتاب کے لکھنے کا ارادہ کیا تھا، تو میرے اندر دینی حمیت سے زیادہ قومی حمیت کا جذبہ کام آرہا تھا لیکن تالیف و تحقیق کے دوران میں جب مجھے ترتیب کے ساتھ اسلام کے اساسی نظریات اور اس کے تفصیلی امکانات کا غور سے مطالعہ کرنے کا موقعہ ملا تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مجھ میں نہ صرف نظام شریعت کا فہم اور اس کی حقانیت کا غیر متزلزل یقین اُبھر آیا بلکہ اس نظام کے احیاء کا ولولہ بھی مجھ میں پیدا ہو گیا اور اس کے لئے کام کرنے کا طریقہ بھی میری سمجھ میں آگیا۔ اس کے بعد میں نے اخبار نویسی کے مروج اور پامال راستے کو خیرباد کہنے کی ٹھان لی۔ الجمعیۃ سے علیحدگی اختیار کرلی اور یہ طے کیا کہ صحافت کی دنیا میں اگر آئندہ قدم رکھوں گا تو صرف اس شرط پر کہ اسے دین حق کی خدمت کا ایک ذریعہ بنائوں۔ اس کے بعد مزید پانچ سال تک پھر صرف مطالعہ، لکھنے پڑھنے اور اپنی علمی استعداد بڑھانے کا کام کرتا رہا،

آخر کار ۱۹۳۳ء میں مولانا مودودی نے "ترجمان القرآن" کے ذریعہ سے اس دعوت کو پیش کرنے کا آغاز کر دیا جس دعوت کو لے کر انبیاء علیہم السلام دنیا میں مبعوث ہوئے تھے اور جسے دنیا کے سامنے سب سے آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا تھا۔

مولانا مودودیؒ اتنا عظیم کام لے کر کبھی نہیں اُٹھ سکتے تھے۔ اگر وہ اسلام کو براہ راست اس کے اصل ماخذ کے ذریعہ سے سمجھنے کی کوشش نہ کرتے۔ اگر وہ عام مسلمانوں اور ان کے رہنمائوں کو دیکھ کر ان ہی کی پیروی کرنے میں لگ جاتے تو کبھی علم و تحقیق کا وہ کام بھی انجام نہیں پا سکتا تھا جو ان کے ذریعے سے انجام پا سکا ہے۔"

اسلامی شعور بیدار کرنے والی کتابیں

(تصانیف مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی)

خطبات اول ۰۰/۲ خطبات دوم ۲/-
خطبات سوم ۲/۲۵ چہارم ۲/- پنجم ۱/۲۵
دینِ حق ۰/۶۰ نشانِ راہ ۱/۲۵
علمی تحقیقات ۰/۹۰
انسان کے بنیادی حقوق ۰/۷۵
شب برات ۰/۲۵
سانحہ مسجد اقصیٰ ۰/۵۰
مقدمہ تفہیم القرآن ۱/۵۰
قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں ۳/۵۰
مسئلہ جبر و قدر ۳/۲۵
شہادتِ امام حسینؓ ۰/۶۰
خلافت و ملوکیت ۰۰/-
میلاد النبیؐ ۱/۲۵
زندگی بعد موت ۰/۶۰
سرورِ عالم ۰/۵۰ قربانی ۰/۵۰
سرورِ عالم کا اصلی کارنامہ ۰/۶۰

عید قرآن ۰/۵۰ مسئلہ قومیت ۵/۵۰
معراج کی رات ۰/۵۰
معراج کا پیغام ۰/۶۰
معراج کا سفرنامہ ۰/۳۵
سفرنامہ ارض القرآن ۷/۰۰
عید الفطر کس کے لیے ۰/۹۰
مرتد کی سزا اسلامی قانون میں ۲/۰۰
مسئلہ ملکیت زمین ۲/۰۰
سود ۱۲/۰۰ دعوت اسلامی ۲/۵۰
قرآن کی معاشی تعلیمات ۱/۰۰
سرمایہ داری اشتراکیت اور اسلام ۰/۵۰
خطبہ تقسیم اسناد ۰/۵۰
لباس کا مسئلہ ۰/۵۰
روزہ اور ضبط نفس ۰/۳۵
دعوت اسلامی میں خواتین کا حصہ ۱/۰۰
مسلم خواتین سے اسلام کے مطالبات ۰/۷۵

پردہ (مجلد) ۱۲/۵۰
ردِ فتنۂ مودودیت ۴/-
خاتونِ جنت ۳/-
قرآن میں عورت کی حیثیت ۵/-
اسلامی نظام میں عورت کا مقام ۵/-
اسلامی سماج میں عورت کا استحصال ۳/-
STATUS OF WOMAN IN ISLAMIC SOCIETY 6/-
تفہیم القرآن جلد پنجم نصف (سورۂ حدید تا طلاق) ۵/-
تفہیم القرآن جلد چہارم نصف (سورۂ لقمان تا صٰفّٰت) ۵
نماز کیسے پڑھیں؟ (ہندی) ۲/۵۰
حجاب، تربیت نمبر ۱/۲ اوہام شکن ۸/-
نقلی شہزادہ ۲/۵۰
شہزادہ توحید ۱/۵۰

مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی۔

(طلعت وحیہ)

اگر تم ساتھ دو

چند ماہ بھرے پرے سسرال میں گزارنے کے بعد اسے نادر کے ساتھ دوسرے شہر جانا پڑا۔ جہاں انھیں سروس ملی ہوئی تھی۔ اکیلے رہنے میں یہ پہلا تجربہ تھا لیکن وہ سوچ کر مطمئن ہوئی کہ اس طرح نادر کو صحیح راہ پر لانے اور مکمل ذہنی تربیت میں زیادہ آسانی ہوگی۔ کچھ دن وہاں گھر کی سٹنگ میں لگے۔ نادر کو یہاں بھی اس نے اپنے حسن نفاست اور خوش ذوقی سے مغلوب کرلیا۔ لیکن کھلتے جاڑوں کی ایک روشن صبح آخر کار ان کے درمیان اختلافات کا آغاز ہو ہی گیا۔ گھر کا بجٹ بناتے وقت کچھ پیسے محض کتابوں کی خرید پر صرف کرنے کی مد کے لئے مخصوص کئے گئے تھے۔ اس دن آفس سے چھٹی تھی۔ ناشتے کے بعد نادر بولے کہ چلو آج کچھ کتابیں خرید لائیں۔ نجمہ خوش ہو کر جلدی جلدی باورچی خانے کا کام نمٹانے چلی گئی اور اس دوران سوچتی رہی کہ سب سے پہلے کونسی کتابیں خریدی جائیں۔ کتابوں کی اس کے ذہن میں ایک طویل فہرست تھی مگر یہ سب رفتہ رفتہ ہی خریدی جاسکتی تھیں۔ اب سوال صرف یہ تھا کہ کونسی مقدم ہوں اور کونسی مؤخر کی جائیں۔ کچھ دن پہلے بجٹ بناتے وقت نادر نے کتابوں کی مد رکھنے کی خواہش ظاہر کی تو نجمہ خوشی کے مارے پھولی نہ سمائی۔ ایک خوبصورت سی لائبریری کا تصور جو کنوارپنے کے اس متوسط گھرانے میں پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا تھا، اس کے یوں پورا ہونے کی خوشی بس کوئی اس کے دل ہی سے پوچھتا۔ انہی سوچوں میں گم جب وہ جلدی جلدی کام ختم کر کے آئی تو نادر نے ایک پرچہ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"لو یہ میں نے اپنی پسند کچھ کتابوں کے نام لکھے ہیں۔ میرا خیال ہے اس دفعہ یہی کتابیں

آ سکتی ہیں؟"

نجمہ نے پرچہ ہاتھ میں لیا اور کتابوں کے نام پڑھ کر اس کے ارمانوں پر اوس سی پڑ گئی۔ کچھ دیر تو اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے اور کیا کرے۔ پھر دوسرے ہی لمحہ اس نے سوچا کہ مجھے ہر معاملے میں اختلاف کے ہر مرحلے پر نرمی سے کام لے کر جذبات کو قابو میں رکھنا چاہیے۔ یہ تو ایک بہت اہم مسئلہ ہے۔ کتابوں کا انتخاب انسان کی شخصیت کی عکاسی کرتا ہے۔ اگر ذوقِ مطالعہ بدل جائے تو سمجھو پورا انسان بدل رہا ہے۔ جتنی دیر نجمہ بظاہر کتابوں کے ناموں پر نظریں جمائے رہی اور ذہن بڑی تیزی سے اس نازک موضوع پر سوچتا رہا، اتنی دیر نادر بغور اس کی طرف دیکھتے رہے۔ لیکن نجمہ کے چہرے کا یہ اُتار چڑھاؤ ان کی فہم سے بالاتر تھا

"کیوں بھئی کہاں کھو گئیں؟"

"کچھ نہیں ــ اچھا میری ایک بات مانیں گے؟" اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"ہوں کہو"

"اس دفعہ آپ کی پسند کی کتابیں خرید لی جائیں اور اگلی دفعہ میری پسند کی" کچھ جھجکتے ہوئے اس نے بمشکل کہا۔

"چلو ٹھیک ہے۔ اس میں کیا قباحت، نہ میری پسند بہت بُری ہے اور نہ یقیناً تمہاری ایسی گھٹیا ہوگی"

نادر بیچارے کو کیا خبر کہ نجمہ اس وقت کن سوچوں میں غلطاں تھی۔

کتابیں آگئیں۔ نجمہ نے ان کتابوں کو بڑے غور سے اور دلچسپی سے پڑھا۔ ایک تو اس لیے کہ ان سے نادر کی سوچوں اور ذہن کو سمجھنے میں مدد ملی، دوسرے یہ کہ نادر کی خریدی ہوئی کتابوں میں دلچسپی لینے سے نادر کو ایک شعوری خوشی ہو سکتی تھی اور بالواسطہ اس سے تھوڑی بہت اس بات کی امید ہو سکتی تھی کہ پھر نادر نجمہ کے انتخاب کو بھی پڑھے گا نجمہ نے اندازہ لگایا۔ نادر ایک اعلیٰ ادبی ذوق رکھتا ہے۔ اب اگلی دفعہ خریدی جانے والی کتابوں کے انتخاب میں اسے اپنی پسند سے زیادہ اس بات کا خیال رکھنا پڑا کہ نادر کے لیے کونسی کتب زیادہ پُر اثر ثابت ہو سکتی ہیں۔

اس دن رات کو سونے سے پہلے جب کچھ پڑھنے

کے لئے نادر نے بک شیلف پر نظر ڈالی تو وہاں کچھ نئی کتابیں نظر آئیں۔ وہ مطالعہ کا شوقین تھا اور سچی بات یہ ہے کہ سنجیدہ مطالعے کا شوق انسان کو کبھی نہ کبھی ایسے موڑ پر لا ہی کھڑا کرتا ہے جب اسے سیدھی اور سچی راہ کا شعور اچانک حاصل ہوجاتا ہے۔ نئی کتاب کے تجسس میں اس نے دو ایک کتابوں کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور ایک کتاب اٹھائی۔ کتاب بہت پتلی تھی اور کہانی دلچسپ، جلد ہی اس نے ختم کر لی ـــ "جنتِ حوا" پڑھ کر اس نے زندگی میں پہلی دفعہ سوچا کہ ادب برائے ادب اور ادب برائے زندگی کا حقیقی مفہوم کیا ہے اور اس پر ادب برائے مقصدِ زندگی کا انکشاف تو بالکل ایک نئی مگر قابلِ غور چیز تھی دوسرے دن دوسری کتاب دیکھی۔ وہ پچھلی کتاب سے تو بالکل ہی مختلف تھی مگر اسے پتہ چلا کہ دراصل مقصدی ادب ہوتا کیا چیز ہے اس کا انداز تحریر پرکشش اور الفاظ پر اثر تھے۔ بات کسی کے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوگی جبھی تو دل پر اثر کر بیٹھی، جس کے نتیجے میں نادر صاحب نجو کی لائی ہوئی کتابیں بھی جھٹ پٹ پڑھ بیٹھے اور نجو بیگم کی پہلی محنت ٹھکانے لگی۔

اس دن کے بعد سے ان دونوں کی اس موضوع پر کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ مگر نادر اس معاہدے کی رو سے نجمہ کو کسی مخلوط پار کلب یا پکچر کی دعوت دینا چھوڑ دیا تھا۔ مخ تقریبات میں وہ خود شرکت کرتا اور نجمہ کی طر سے کوئی معذرت کر دیتا۔ پہلی بار جب وہ تنہا دعوت میں پہنچا تو اس نے محسوس کیا کہ اس کو نج نہ ہونے پر اپنے دوست کی بہت زیادہ بے اور اس کی کمی کا اظہار بڑا عجیب بلکہ ناگوار لگا

اس دوران نجو کی کتابیں سبھی کچھ اثر کھتیں۔ لہذا جب کئی پارٹیز میں دوستوا وہی انداز نظر آیا تو اسے نجمہ کے موجود نہ پر ایک ایسا اطمینان محسوس ہوا کہ جس کا خود کوئی نام نہ دے سکا۔

پردے کی اہمیت اتنی نازک سی ہے کہ اگر انسان خصوصاً شوہر، باپ، بھا گہری نظر سے سوچیں تو ان کی عقل میں آ ـــ اور جب ریاض کی بیٹی کی سالگرہ پر شا ریاض کے بالکل قریب کھڑا تھا کہ مسز

پنی ساڑھی کا دامن سنبھالتی ہوئی برہنہ بازوؤں کے ساتھ اس سے ٹکرانے ہی کو تھیں تو نادر نے ایک لمحہ کو ان کی جگہ نجمہ کا تصور کیا اور اُسے جھرجھری سی آگئی۔ یہ نجمہ کی خوش قسمتی تھی کہ نادر ایک حساس انسان تھا۔ ورنہ اکثر لوگ ایسے شرمناک مناظر دیکھ کر بھی اپنی عزت پر کوئی حرف آنا محسوس نہیں کرتے۔ نادر پردے کی اہمیت کے احساس کے ان مراحل سے گزر ہی رہے تھے۔ نجمہ نے محسوس کیا کہ اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی نادر نے خود بھی مخلوط محفلوں میں جانا کم کر دیا ہے۔ لہٰذا نجمہ نے سوچ بچار کرکے "پردہ" کتاب خریدی اور خاموشی سے بک شیلف میں رکھ دی۔ نجمہ سکون کے ساتھ لاتعلق بنی نادر کے ردعمل کا جائزہ لیتی تھی۔ نجمہ کی آنکھوں میں شکرگزاری کے آنسو آگئے، جب نادر نے "پردہ" جیسی علمی اور دقیق کتاب بڑے غور سے پڑھی۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ اس میں سے کچھ پوائنٹس نوٹ بھی کرتا جاتا تھا۔

پھر نادر ایک دن شام کو جلدی جلدی تیار ہونے لگا۔ نجمہ نے پوچھا: "کہاں جانے کا ارادہ ہے؟"

"تم سے تو چلنے کو نہیں کہہ رہا ہوں مگر آج بڑے دن بعد مابدولت پکچر دیکھنے جا رہے ہیں۔" نجمہ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور چپ ہوگئی۔

رات کو جب نادر پکچر دیکھ کر آیا تو کچھ چپ چپ سا تھا۔

"کیوں آپ خاموش کیوں ہیں؟"

"نجمہ! مجھے بہت شرمندگی ہو رہی ہے کہ میں چلا تو گیا لیکن اس پورے عرصے میں سوچتا رہا کہ تم گھر میں اکیلی ہوگی۔ بھئی یہ اکیلی تفریح ہمیں پسند نہیں۔"

"اچھا مجھے ایک بات بتائیے کہ ہمارا معاہدہ کیا ہوا تھا؟"

"کیا ہوا تھا؟— یہی کہ یہ عرصہ تم اپنی پسند کے مطابق گزار دوگی۔"

"بس؟ صرف میں اور آپ نہیں؟"

"ہوں— تھا تو یہی اور ویسے بھی اکیلے کہیں آنا جانا مجھے اچھا بھی تو نہیں لگتا۔ اب آپ ایک بات بتائیں کہ آخر گھر میں بیٹھے بیٹھے انسان کیا مکھیاں مارتا ہے۔ کچھ تفریحی مشاغل بھی تو ہونے چاہئیں زندگی میں!"

"ہاں ہونے تو چاہئیں!" نجمہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

"مگر میرا خیال ہے کہ تفریحی مشاغل بھی کم از کم ایسے تو ہوں کہ اس سے کچھ تو فائدہ بھی پہنچے۔"

"ارے نجمہ بیگم کبھی تو ہلکی پھلکی باتیں کیا کرو۔"

وہ نجمہ کی باتیں سننے کے موڈ میں نہ تھا۔۔۔ اس دن رات کافی دیر تک نجمہ اپنی سوچوں میں غلطاں رہی کہ اس وقت کچھ ایسے لوگ ہوتے جن سے مل کر نادر خالی وقت دلچسپی سے گزار سکتا۔۔ اس اجنبی شہر میں نجمہ کسی سے بھی واقف نہ تھی اور اور اللہ میاں نے بھی نجمہ کا سا تھ دینے کا ارادہ کرلیا تھا (اللہ میاں ہر اس شخص کا ساتھ دیتے جو سچائی کی طرف قدم اٹھاتا ہے) ایک دن ایسی ہی ایک ساعت جب نادر کو کوئی مشغلہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا تو نجمہ کے بھائی اچانک ہی آن پہنچے۔

نجمہ کی زندگی کی ساری سچائی ساری روشنی بھائی جان کی مرہونِ منت تھی۔ اس موقع پر ان کی آمد نادر کی تربیت کے سلسلے میں ایک سنگ میل ثابت ہوئی۔ نجمہ کی خوشی قابلِ دید تھی۔ نجمہ اور فرخ میں زیادہ فرق نہ تھا۔ بچپن ساتھ لڑتے بھڑتے گزارا، اس لیے محبت بھی زیادہ تھی۔ بڑے ہو کر فکری ہم آہنگی کی بدولت نجمہ کے د میں فرخ کی محبت کچھ غیر معمولی ہی بڑھ گئی تھی۔

فرخ نادر کا ہم عمر بھی تھا۔ دونوں کی ہی گاڑھی چھننے لگی۔۔ دوسرے ہی دن نجمہ تفصیل سے اپنی اس کوشش کا ذکر کیا۔۔ فر بہت خوش تھا۔ امی کے بہت اصرار پر وہ کی سادہ سی شادی پر راضی تو ہوگیا تھا۔ مگر مطمئن نہ تھا۔ مگر جلد ہی اسے اندازہ ہوا کہ اُن لوگوں میں سے ہے جو فطرتاً نیک ہوتے مگر تربیت کا فقدان انھیں سیدھی راہ پر آ میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔

نادر ویسے تو مشرقی اقدار کو بُرا نہیں سم تھا مگر مذہبی آدمی کا تصور اس کے ذہن ! وہی بے حد خشک اور غیر دلچسپ تھا۔ فر کے نجمہ کے نام خطوں سے اس نے فرخ متعلق ایسی ہی رائے قائم کی تھی۔۔ مگر اسے ہوئی کہ وہ اس کے تصور سے قطعی مختلف ۔۔ بڑی دلچسپ باتیں کرتا۔ نادر سے کہدیا باتونی اور ہنس مکھ۔۔ فرخ کا کردار نا۸شو

کے سارے پٹ وا کر گیا۔ اس نے دیکھا صبح ہی کا صبح فرخ نماز کے بعد باہر چہل قدمی کیا کرتا۔ نجمہ اور فرخ مل کر مختلف کتابوں پر طویل علمی بحثیں خوشگوار ماحول میں کرتے۔ اس دوران ان کی نوک جھونک بھی چلتی رہتی۔ کچھ دن وہ ان کی گفتگو صرف سننے پر اکتفا کرتا رہا۔ مگر بات جب ادب کی طرف گھومتی تو وہ بھی بحث میں حصہ لینے لگتا۔ اب ان کی اکثر شامیں ایسی ہی بحثوں اور تبصروں میں گزرنے لگیں۔

جمعہ کی نماز تو وہ پڑھ لیا کرتا تھا۔ مگر فرخ کے ساتھ اس کی اکثر مغرب اور عشاء کی نمازیں بھی ادا ہو جاتیں۔ لطف کی بات یہ کہ فرخ نے کبھی اس کے نماز نہ پڑھنے پر نہیں ٹوکا۔ نجمہ نے کئی بار صرف اتنا کہا تھا کہ اسے نماز پڑھنے والے مرد بڑے عمدہ لگتے ہیں۔

ایک دن فرخ نے پوچھا "نجمہ تمہیں آئے ہوئے یہاں اتنے دن ہو گئے، تم نے اب تک کسی سے دوستی نہیں کی؟ ۔۔۔ اور نادر آپ نے؟"

"ہاں، آس پاس دوستی تو کرنی چاہئے۔"

"کیوں نہ ہم اپنے پڑوسیوں کو ایک چھوٹی سی دعوت دے دیں چائے کی۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔"

دوسرے دن ہی آس پاس کے کچھ لوگوں کو بلایا گیا۔ مرد اور عورتوں کی الگ الگ محفل جمی نجمہ کی محنتیں رنگ لا رہی تھیں۔

ڈیڑھ ماہ رہ کر فرخ لوگ واپس چل دیئے مگر اپنی شخصیت کا بڑا خوبصورت سا اثر نادر پر ڈال گئے۔ علمی و ادبی گفتگو کی وہ جو بنا ڈال گئے تھے وہ اب بھی جاری تھی۔ شام کو اکثر کوئی پڑوسی آ جاتا یا نادر خود کسی کے گھر کچھ دیر جا بیٹھتے۔

"میں نے تمہارے بارے میں جو کچھ سنا تھا اس سے بڑھ کر پایا۔ کل بازار گیا۔ سوچا تمہارے لئے کوئی تحفہ خرید دوں ۔۔۔ اس سے بڑھ کر کوئی اور تحفہ پسند نہ کر سکا اگر قبول افتد۔"

اس مختصر سی تحریر کے ساتھ نادر کو کتابوں کا ایک پیکٹ موصول ہو ۔۔۔ اس قسم کی کتابوں کا عادی تو نجمہ نے اُسے بنا ہی دیا تھا۔ مگر یہ کتابیں تو اس کی دنیا کو زیر و زبر کر گئیں۔

نجو کی لائی ہوئی کتابیں پڑھنے سے پہلے اس نے کبھی ۔۔۔ مذہب کے بارے میں کچھ پڑھنے

یا سوچنے کی ضرورت محسوس نہ کی تھی۔ مگر نجو نے اسے خود بخود کچھ سوچنے پر مجبور کیا اور فرخ کا یہ تحفہ اس سوچ کی راہ کو بالکل واضح کر گیا۔ چند ہفتوں میں کتابیں ختم ہوئیں۔ اس حالت میں اسمارٹ اور دلکش انداز میں باتیں کرنے والے نادر صاحب کی دل کی دنیا تہہ و بالا ہو چکی تھی۔ اس دن انھیں احساس ہوا کہ نجو کی سب سے اچھی خوبی کا تو انھیں اب پتہ لگا ہے۔

ہمیشہ کی طرح نادر نے خود ہی بات شروع کی۔

"ہاں تو نجو بیگم وہ مدت ختم ہو گئی یا ابھی باقی ہے" وہ عجیب انداز میں زیر لب مسکرا رہے تھے۔

"عرصہ تو بہت کم ہوا ہے مگر مدت واقعی ختم ہو چکی ہے۔"

"بس تو اب آج سے آپ میری بات مانیں گی۔"

"دیکھئے معاہدے پر ایک بار پھر غور کر لیجئے آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ معاہدہ یہ تھا کہ کچھ عرصے آپ میرے پسندیدہ طریقے پر چل کر دیکھئے، پھر ہم فیصلہ کریں گے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔"

نجمہ بیگم تم ہو بڑی عقلمند۔ اچھا یہ بتاؤ اگر تم اپنی پسند کی زندگی گذارتیں اور میں اپنی پسندیدہ مصروفیات میں مشغول رہتا تو اس میں تمہارا کیا نقصان تھا؟

اسلامی طرز زندگی ایسی چیز ہے ہی نہیں کہ اس کا صحیح فہم حاصل ہونے کے بعد انسان یہ نہ چاہے کہ جو سچا شعور اسے حاصل ہوا ہے، وہی کم از کم اس کے پسندیدہ اور متعلق افراد کا بھی ہو۔

لفظ پسندیدہ اس نے جان بوجھ کر ادا کیا تھا۔ نادر پر اس کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔

"مگر تم نے واقعی رسک خطرناک لیا تھا!"

سنئے! ایک دفعہ میں نے کہا تھا کہ کوئی اور ہوتا تو اپنے آپ کو خوش قسمت ترین انسان سمجھتا اور آپ۔ اب کوئی اور نہیں بلکہ.....

اس کے الفاظ کا زیر و بم اور جھکی ہوئی نگاہیں اس کے جذبات کی آئینہ دار تھیں۔

فیصلہ

نجمہ برکاتی

میں نے دل میں پختہ فیصلہ کر لیا ہے۔ اور اب میں ایسا محسوس کر رہا ہوں کہ جیسے میری طبیعت کو کو کچھ سکون مل گیا ہو، کچھ دیر پہلے جو دل، دماغ میں ہیجان برپا تھا اور ایک قیامت کی اتھل پتھل مچی ہوئی تھی وہ جوالا مکھی کی طرح شانت ہو گئی ہے۔ جی ہاں! اب میں گہری اور پرسکون نیند سو سکتا ہوں، اس وقت رات کے دو بجے ہوں گے۔ سارا عالم خواب ہے لیکن میں جاگ رہا ہوں۔ انسان بےچین و مضطرب ہوتا ہے تو نیند اس سے روٹھ جاتی ہے۔ اچھا ہوا کہ میں ایک نتیجہ پر پہنچ گیا۔ مجھے معلوم ہے کہ کل صبح جب میں اپنے فیصلہ کا اظہار کروں گا تو سارے گھر میں مسرت کی ایک لہر دوڑ جائے گی، اماں فوراً دو رکعت نماز شکرانہ ادا کریں گی، طلعت باجی فوراً مٹھائی منگا کر تقسیم کریں گی اور آناً فاناً یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل جائے گی، کہ ڈاکٹر طاہر حسین . . . .

لیکن آئیے پہلے میں آپ کو اپنے بارے میں بتا دوں، اور ان حالات پر بھی روشنی ڈال دوں جو میرے فیصلہ کی نوعیت کا بخوبی اندازہ کرا سکیں، آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ میں طاہر حسین ہوں ابھی دو سال پہلے انگلینڈ سے ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کر کے لوٹا ہوں، اگرچہ میں پرائیوٹ پریکٹس کرتا ہوں، لیکن شہر کے سربرآوردہ ڈاکٹروں میں میرا شمار ہوتا ہے۔ کچھ خدا کا کرم و احسان ہے کہ ہر دلعزیزی اور مقبولیت نے میرے قدم چوم لئے ہیں، اور چاروں طرف میرے کلینک کی دھوم ہے۔ مریض جوق در جوق آتے ہیں اور مجھ سے مطمئن ہو کر جاتے ہیں۔ میرا قاعدہ ہے کہ شام کے وقت میں پانچ بجے کلینک پہنچتا ہوں اور رات کو نو بجے کرسی سے اٹھتا ہوں۔

آج سے دو مہینے پہلے کی بات ہے، ہاں مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ وہ سنیچر کی رات تھی، دسمبر کی سرد اور برف میں ڈوبی ہوئی رات نو بجے جیسے ہی میں گھر جانے کے لئے کھڑا ہوا میری نظر ٹیبل پر گئی، وہاں ایک ڈائری رکھی ہوئی تھی، شاید کوئی مریض اسے بھول گیا تھا، میں نے اس وقت اسے کوئی اہمیت نہ دی اور یہ

سوچ کر کہ اکثر ایسا ہو جاتا ہے، لوگ اپنی چیزیں مختلف جگہ پر بے خیالی میں بھول جاتے ہیں، اور یاد آنے پر لے جاتے ہیں، اس کو وہیں چھوڑ کر روانہ ہو گیا، مگر میری کہانی کا آغاز اسی ڈائری سے ہوتا ہے، دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ میرے احساسات کی دنیا میں انقلاب لانے کی محرک یہی ڈائری تھی، تو کوئی بیجا بات نہ ہوگی۔ ہاں! تو میں آپ لوگوں کو بتا رہا تھا کہ ڈائری میں نے اس وجہ سے وہیں چھوڑ دی تھی کہ جو مسافر بھول گیا ہے وہ یاد آنے پر واپس آکر لے جائے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ علاج معالجے کے سلسلے میں وہ دوسرے بھی آئے لیکن تین دن تک وہ بدستور ٹیبل پر رکھی رہی، اور کوئی اس کی تلاش و جستجو میں نہیں آیا تو میرا تجسس جاگ اٹھا۔ میں نے ڈائری اٹھائی اس کو کھول کر دیکھا، وہ ایک عام ڈائری تھی، جیسے کہ پڑھے لکھے لوگ رکھتے ہیں۔ پہلے ہی صفحہ پر صاحبِ ڈائری کا پورا نام اور پتہ درج تھا، جگہ جگہ حساب کتاب اور ضروری یادداشتیں لکھی ہوئی تھیں۔ جو میرے لئے غیر ضروری تھیں۔ ڈائری کے اوراق کے بیچ میں کچھ اخبار کے تراشے بھی تھے۔ اشتیاق ہوا کہ سرسری نظر ان پر ڈالوں اور کچھ ہی سیکنڈ میں، میں نے وہ تمام اخباری کٹنگز پڑھ ڈالیں، بڑی حیرت ہوئی کیونکہ وہ سبھی سچی خبروں کے تراشے تھے، لیکن موضوع اور مضمون سب کا ایک جیسا کچھ سرخیاں اس طرح تھیں، جن سے آپ کو بھی اندازہ ہو سکتا ہے۔

"مناسب جہیز نہ لانے کے سبب ساس نے بہو کو زندہ جلا دیا۔"

"جہیز کی لعنت کی ایک اور شکار لڑکی نے خودکشی کر لی۔"

"جہیز کے معاملے نے طول پکڑا ــــــ بارات واپس۔"

میں نے سبھی اخباری تراشے اسی طرح ڈائری میں رکھ دیئے تھے۔ جس ڈھنگ سے وہ سلسلہ رکھے تھے اور پھر گہرے خیالوں میں کھو گیا، آخر ان اخباروں کی کٹنگز کو اتنے اہتمام سے رکھنے کی ضرورت تھی! یہ سوالیہ نشان میرے ذہن میں گھوم رہا تھا، اب مجھ کو اس شخص سے ملنا بہت ضروری ہو گیا تھا۔ چوتھے روز میں ڈیوٹی ٹائم پر اس کے اسکول پہنچ گیا۔ وہ تھوڑی دور پر واقع ایک سیکنڈری میں مدرس تھا، اسٹاف روم میں وہ بڑی گرمجوشی سے ملا اور اس نے میرا پُرتپاک خیر مقدم کیا، میں

اس شخص کو غور سے دیکھا، وہ ۲۷ - ۲۸ سالہ ایک صحت مند اور خوبصورت نوجوان تھا، چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ زمانے کے سرد وگرم تھپیڑوں نے اسے جھلسا کر رکھ دیا ہے۔ تاہم اس کے ہونٹوں پر تھرکتی ہوئی مستقل مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ وہ بڑے عزم وارادے کا آدمی ہے۔ آنکھوں میں بے پناہ ذہانت تھی مگر ان میں بھی ایک سیمابی کیفیت تھی جیسے کہ اضطراب اور بے چینی ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہو، میں نے جب ڈائری نکال کر اسے پیش کی تو وہ حیرت واستعجاب میں ڈوب گیا اور پھر تشکر آمیز لہجہ میں بولا۔

"معاف کیجئے ڈاکٹر صاحب!! واقعی میں اس ڈائری کی وجہ سے کافی پریشان رہا، لیکن اس کا مطلق دھیان نہ آیا کہ میں اسے آپ کے مطب میں چھوڑ آیا ہوں، آپ نے خاکسار کے لئے جو زحمت فرمائی، اس کے لئے میں تہ دل سے آپ کا مشکور ہوں۔"

"اس میں شکریہ کی کوئی بات نہیں، یہ تو میرا اخلاقی فرض تھا ـــــ میں نے سوچا کہ ممکن ہے آپ ڈائری کی وجہ سے پریشانی میں ہوں۔"

اسٹاف روم میں ایک دو اساتذہ اور بھی بیٹھے ہوئے تھے، میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ ان کی موجودگی میں اخباری تراشوں کے بارے میں دریافت کروں اور یہ اس کا محل بھی نہ تھا۔ چائے وغیرہ سے جب ہم فارغ ہوئے تو میں اٹھ کر کھڑا ہوا اور اس سے بولا۔

"اچھا تو جمال صاحب! ملتے رہیئے اب تو ہم شناسا ہو گئے ہیں۔" میں نے دانستہ طور پر یہ جملہ کہا تھا کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ اس سے دوبارہ ملاقات کا امکان ختم ہو جائے، اس نے ایک بار پھر میرا شکریہ ادا کیا اور اسکول کے صدر دروازے تک مجھے چھوڑنے آیا۔

دو چار ملاقاتوں میں ہم کافی قریب آگئے تھے، میں نے اندازہ لگایا کہ وہ ایک مستقل مزاج اور باحوصلہ شخص ہے، اس کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا وہ جیسے حالات اور زمانے کی رفتار سے مطمئن نہ ہو، اکثر دوران گفتگو بڑے طنزیہ انداز میں وہ معاشرے اور رسم ورواج پر نشتر زنی کرجاتا تھا، آخر ایک دن، میں اپنے دل کی خلش کو نہ روک سکا، ہم ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے کہا

"جمال صاحب۔ اگر برا نہ مانیں تو ایک بات دریافت کروں۔"؟

"آپ بھی کمال کرتے ہیں، ایک کیا دس باتیں دریافت کیجئے۔" وہ بے تکلفی سے بولا۔

"دریافت تو مجھے پہلی ملاقات ہی میں کرنا چاہیئے تھا مگر سوچتا رہا کہ کہیں آپ کوئی غلط تاثر نہ لیں" میں نے پھر کہا۔

"اب پہیلیاں نہ بجھوایئے اور سوال کیجئے جو چاہے، خاکسار حاضر ہے۔" اس کے چہرے پر بدستور بشاشت کھیل رہی تھی۔

"بہت معمولی سوال ہے مسٹر جمال! میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آپ نے اپنی ڈائری میں وہ اخباری تراشے کیوں اتنی حفاظت سے جمع کر رکھے تھے۔؟"

"اوہ۔" یہ سن کر وہ چونک سا پڑا، اس کی آنکھیں بجھ سی گئیں اور چہرے پر اداسی کے آثار نمودار ہو گئے مگر ایک لمحہ بعد ہی وہ زہرخند کے ساتھ بولا۔

"ڈاکٹر صاحب! وہ تراشے نہیں، ہمارے نام نہاد سماج کا بدنما آئینہ ہیں۔ وہ تراشے نہیں بلکہ ہماری تہذیب کی ننگی تصویریں ہیں۔ ہمارے معاشرے کے ماتھے کا کلنک ہیں اور ہماری کھوکھلی اقدار کا کھلا ثبوت ہیں۔"

وہ تھوڑی دیر رُکا، مجھے ایسا معلوم ہوا کہ وہ اندرونی کرب میں مبتلا ہو، اس نے ایک ہی سانس میں چائے کا کپ خالی کر دیا اور خالی خالی نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا

"ڈاکٹر صاحب آپ نے میرے زخم پھر تازہ کر دیئے ہیں ــــ آپ جانتے ہیں اور نہ بھی جانتے ہوں تو کیا فرق پڑتا ہے۔ مجھے سماج کی موجودہ رسوم سے سخت نفرت ہے۔ ہمارا معاشرتی ڈھانچہ اس قدر گھناؤنا اور ظالم ہے کہ ہر ذی ہوش انسان اس پر لعنت بھیج سکتا ہے۔ جہاں اس امیر، غریب کے درمیان، امارت اور دولت کی سدِ سکندری ہو، جہاں لڑکیاں جہیز کے نام پر سرِبازار نیلام ہوتی ہوں اور جہاں شادی بیاہ کے نام سودے بازی کی جاتی ہو، دولت کمائی جاتی ہو،

بھلا اس سماج میں مجھ جیسا حساس انسان باعزت زندگی کیسے بسر کر سکتا ہے۔ یہ تراشے اس بات کے گواہ ہیں کہ سینکڑوں لوگوں کی بہنیں، بیٹیاں، جہیز کی بلی دیوی پر قربان ہو جاتی ہیں..... شاید ــ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ میں جذباتی ہو رہا ہوں۔ مگر ڈاکٹر صاحب جب انسان کے دل پر چوٹ پہنچتی ہے تو اس کے سینے میں لاوا کھول اٹھتا ہے اور اس کے جذبات میں ایک طوفان مچل اٹھتا ہے۔ آپ سننا چاہتے ہیں تو سنیے!! ان ہی اخباری تراشوں میں ایک تراشا ایسا بھی ہے جو میری معصوم بہن کی خودکشی کا افسانہ دہرا دیتا ہے۔ سسرال والوں نے جہیز کی کمی کو لے کر اسے اس قدر طعنے دیئے کہ وہ مجبور ہو کر اپنی جان پر کھیل گئی۔ آہ میری پیاری فرشتہ صفت بہن! آج بھی جب اس کو یاد کرتا ہوں تو کلیجہ منہ کو آتا ہے ــ مجھے ایسا لگتا ہے کہ دولت اور جہیز کے بھوکے گدھ اس کی لاش کو آج بھی نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں... میری بہن کی خودکشی کے صدمے نے میرے والد کو نڈھال کر دیا اور وہ بھی کچھ دن بعد اسی غم میں چل بسے۔ میں اسی لئے یہ تراشے رکھتا ہوں کہ اپنے معاشرتی نظام پر بظاہر ہنس سکوں اور تنہائیوں میں رو سکوں... آپ جیسا ڈاکٹر بھی میرے غم کا مداوا نہیں کر سکتا۔"

وہ چپ ہو گیا تھا اور میری آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے سے صاف طور پر عیاں تھا کہ وہ قلبی اور ذہنی اذیت سے دوچار ہے میرے پاس کچھ کہنے کے لئے الفاظ نہیں تھے۔ اسکی داستان مختصر تھی، مگر زندگی کی تلخیوں کا سارا زہر اس میں گھلا ہوا تھا۔ اس دن وہ مجھے ایک دوسرا شخص معلوم ہو رہا تھا۔ یہ وہ ہنس مکھ اور زندہ دل شخص نہیں تھا جو مجھے اسکول کے اسٹاف روم میں ملا تھا بلکہ شیکسپیئر کے کسی ایک المیہ ڈرامے کا کوئی مثالی ہیرو دکھائی دے رہا تھا۔ میرے دل و دماغ پر بھی غم کی کالی کالی گھٹا چھا گئی تھی۔

تیس روز کے بعد آج ہم پھر اسی ریسٹورنٹ میں ملے تھے۔ اس کی باتوں سے مجھے ایسا لگتا تھا کہ جیسے پھر کسی وجہ سے اس کا زخم تازہ ہو گیا ہے ــ رسمی گفتگو کے بعد میں نے اس سے پوچھا تھا۔

"کہو بھئی گھر پر تو سب خیریت ہے؟" وہ چونک گیا تھا پھر اجنبی لہجہ میں بولا تھا۔

" ہاں! میرے گھر پر سب خیریت ہے ...... امی جان بھی اچھی ہیں، بہن مسرت بھی اچھی ہے اور میں بھی ـــ مگر ڈاکٹر صاحب! آپ کو میرے گھر سے کیوں دلچسپی ہو گئی؟"

"تم تو ناراض ہو رہے ہو! تم نے آج پھر اداسی اوڑھ رکھی ہے۔ اس لئے برسبیل تذکرہ پوچھ بیٹھا تھا" میں نے بہ مشکل کہا۔

"اداسی اوڑھ رکھی ہے؟ ہاہاہا... اس نے ایک زہریلا قہقہہ لگایا

"ڈاکٹر صاحب بڑا شاعرانہ جملہ ہے۔ میں نے اداسی اوڑھ نہیں رکھی ہے، بلکہ اداسیاں بانٹنے کا کام تو سماج کرتا ہے.... چلو کیا یاد کرو گے۔ آج کی اداسی کا سبب بھی بتائے دیتا ہوں۔"

ڈاکٹر صاحب! میرے پڑوس میں آج ایک شادی ہے سیٹھ کریم بخش کے گھر۔ اس کی لڑکی سانولے رنگ کی پستہ قد اور میٹرک فیل ہے۔ مگر چونکہ لکھ پتی گھرانہ ہے۔ اچھے جہیز کی امید میں ایک پروفیسر صاحب بڑی دھوم دھام سے گھوڑے پر چڑھ کر آئیں گے۔ اور دلہن کے ساتھ بہت کچھ لے جائیں گے ـــ اور تصویر کا دوسرا رُخ دیکھئے! ابھی آپ نے میرے گھر کی بابت دریافت کیا تھا... اس میں مسرت بھی رہتی ہے... میری دوسری بہن... چندے آفتاب، چندے ماہتاب، ایم اے پاس کر چکی ہے۔ اور اب عمر کی پچیسویں منزل میں ہے۔ مگر بھاری بھرکم جہیز نہ ہونے کی وجہ سے ہر بار اسے ٹھکرا دیا گیا ہے۔ سوچ رہا ہوں کہ اس موقع پر اس کے کیا تاثرات ہوں گے۔ میں اس لئے اداس ہوں کہ آج اس کا دل اپنی قسمت پر آٹھ آٹھ آنسو روئے گا۔ میرے گھر کے برابر شہنائی گونجے گی، شادیانے بجیں گے لیکن وہ اپنی بدنصیبی پر نوحہ خوانی کرے گی۔ مسرت، بے چاری مسرت، جس کے لئے شاید مسرتیں خواب و خیال ہو کر رہ گئی ہیں ... دیکھئے ڈاکٹر صاحب!! آپ کی چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ چھوڑیئے ان باتوں کو ـــ" کچھ دیر بعد میں بوجھل قدموں سے گھر لوٹ رہا تھا۔ میرے خیالات کی دنیا میں طوفان مچا ہوا تھا۔

اماں نے ڈیڑھ سال سے شادی کی رٹ لگا رکھی ہے۔ وہ میرے چہرے پر پھولوں کا سہرا اور گھر میں چاند سی دلہن دیکھنا چاہتی ہیں۔ مگر میرے پیہم انکار نے ان کے اصرار کے حوصلے پست کر دیئے ہیں۔

میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ کل صبح میں اپنی شادی کے لئے رضامندی ظاہر کر دوں گا۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ سنکر سارے گھر میں مسرت کی ایک لہر دوڑ جائے گی۔ اماں دو رکعت نمازِ شکرانہ ادا کریں گی۔ طلعت باجی فوراً مٹھائی منگا کر تقسیم کریں گی۔ اور آناً فاناً محلے بھر میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل جائے گی کہ ڈاکٹر طاہر حسین صاحب شادی کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔ مگر میں اماں سے صاف صاف کہہ دوں گا کہ اگر وہ مسرت کے ساتھ شادیانے بجانا چاہتی ہیں تو انھیں جیتی جاگتی مسرت کو گھر میں لانا ہوگا۔ اور یہ بھی کہہ دوں گا کہ شادی بڑے سیدھے سادے ڈھنگ سے ہوگی۔ جہیز کے سلسلے میں کوئی بات چیت نہ کی جائے گی اور سبھی معاملات میں اسلامی شعار کو مدِنظر رکھا جائے گا۔

ہاں! میرا خیال ہے کہ ذہنی سکون حاصل کرنے کے لئے اس سے بہتر میرے پاس کوئی حل نہیں تھا، اب میں آسانی سے سو سکتا ہوں۔



دنیا میں ہمیشہ غلط کار لوگوں کا یہ خاصہ رہا ہے کہ غلط کاروں کے انجام کی پوری تاریخ ان کے سامنے ہوتی ہے مگر وہ اس سے سبق نہیں لیتے، حتیٰ کہ اپنے پیشرو غلط کاروں کا جو انجام خود ان کے اپنے ہاتھوں سے ہو چکا ہوتا ہے اس سے بھی انھیں عبرت حاصل نہیں ہوتی، وہ سمجھتے ہیں کہ خدا کا قانونِ مکافات دوسروں کے لئے ہی تھا، ان کے لئے اس قانون میں ترمیم کر دی گئی ہے۔ پھر اپنی کامیابی کے نشے میں وہ یہ بھی فرض کر لیتے ہیں کہ دنیا میں سب احمق بستے ہیں کوئی نہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے، نہ اپنے کانوں سے سن سکتا ہے اور نہ اپنے دماغ سے واقعات کو سمجھ سکتا ہے، بس وہ جو کچھ دکھائیں گے اسی کو دنیا دیکھے گی جو کچھ وہ سنائیں گے اسی کو دنیا سنے گی اور جو کچھ وہ سمجھائیں گے دنیا بزاخفش کی طرح اس پر سر ہلاتی رہے گی۔ یہی بر خود غلطی پہلے بھی بہت سے بزعمِ خویش عاقل اور فی الحقیقت غافل لوگوں کو لے ڈوبی ہے اور اسی کے بُرے نتائج دیکھنے کے لئے اب بھی کچھ بر خود غلط حضرات لپکے چلے جا رہے ہیں ——— سید مودودیؒ

رحمتوں کا نزول ہوتا ہے



رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس شخص نے ایمان اور اعمال کے احتساب کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے اُس کے وہ سب گناہ معاف کر دیئے جائیں گے جو اس سے پہلے اُس سے سرزد ہو چکے ہوں گے جس شخص نے رمضان میں قیام کیا (یعنے راتوں کو عبادت کی) اور لیلۃ القدر میں قیام کیا ایمان اور احتساب کے ساتھ، اُس کے تمام پچھلے قصور معاف کر دیئے جائیں گے۔" (بخاری و مسلم)



رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو روزہ دار کو افطار کرائے اُس کو روزہ دار کے برابر اَجر ملے گا اور روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔" (ترمذی شریف)



رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آدمی کا ہر عمل خدا کے ہاں کچھ نہ کچھ بڑھتا ہے۔ ایک نیکی دس گنی سے سات سو گنی تک پھلتی پھولتی ہے مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزہ مستثنیٰ ہے، وہ میری مرضی پر ہے۔ جتنا زیادہ چاہوں اس کا بدلہ دوں۔" (بخاری و مسلم)



روزہ جوارح ظاہری اور قوائے باطنی کی حفاظت میں بڑی تاثیر رکھتا ہے۔ فاسد مادّوں کے جمع ہو جانے سے انسان میں جو خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں اُن سے وہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔ جو چیزیں

مانع صحت ہیں اُن کو خارج کر دیتا ہے اور اعضاء و جوارح میں جو خرابیاں ہوا و ہوس کے نتیجے میں ظاہر ہوتی رہتی ہیں وہ اس سے دفع ہوتی ہیں۔ وہ صحت کے لئے مفید اور تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے میں بہت معاون ہے۔ اسی لئے ارشادِ خداوندی ہے: یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ ... لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ (ابن قیمؒ)



روزے کا مقصد یہ ہے کہ آدمی اخلاقِ عالیہ میں سے ایک خلق کا پرتو اپنے اندر پیدا کرے جس کو صمدیت کہتے ہیں۔ وہ امکانی حد تک فرشتوں کی تقلید کرتے ہوئے خواہشات سے دست کش ہو جائے اس لئے کہ فرشتے بھی خواہشات سے پاک ہیں اور انسان کا مرتبہ بھی بہائم سے بلند ہے نیز خواہشات کے مقابلے کے لئے اُس کو عقل و تمیز کی روشنی عطا کی گئی ہے۔ البتہ وہ فرشتوں سے اس لحاظ سے کم تر ہے کہ خواہشات اُس پر اکثر غلبہ پا لیتی ہیں اور اس کو اُن سے آزاد ہونے کے لئے سخت مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ جب وہ اپنی خواہشات کی رَو میں بہنے لگتا ہے تو اسفل السافلین تک جا پہنچتا ہے اور جانوروں کے ریوڑ سے جا ملتا ہے اور جب اپنی خواہشات پر غالب آتا ہے تو اعلیٰ علیین اور فرشتوں کے آفاق تک پہونچ جاتا ہے۔ (احیاء العلوم۔ امام غزالی)



اس مہینے (رمضان) کو قرآن مجید کے ساتھ خصوصی مناسبت ہے اور اسی مناسبت کی وجہ سے قرآن مجید اسی مہینے میں نازل کیا گیا ہے۔ یہ مہینہ ہر قسم کی خیر و برکت کا جامع ہے۔ آدمی سال بھر میں مجموعی طور پر جتنی برکتیں حاصل کرتا ہے وہ اِس مہینے کی برکتوں کے سامنے ایسی ہیں جیسے سمندر کے مقابلے میں ایک قطرہ۔ اس مہینے میں جمعیت باطنی کا حصول پورے سال جمعیت باطنی کے لئے کافی ہوتا ہے اور اس میں انتشار اور پریشان خاطری تمام دنوں بلکہ پورے سال کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ قابل مبارکباد ہیں وہ لوگ جن سے یہ مہینہ راضی ہو کر گیا۔ (مجدد الف ثانیؒ)

بُری عادتیں

اِسراف

وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ○ (الانعام ــ ۱۴۲) بیجا خرچ مت کرو، خدا مُسرفین کو پسند نہیں کرتا۔

فضول خرچ کرنا، ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا، بے موقع صرف کرنا اسراف کہلاتا ہے۔

اس عادتِ بد سے دنیا میں اپنے اور اپنے متعلقین کو نقصان پہنچتا ہے۔

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ○ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ○ (بنی اسرائیل ۲۶۔۲۷) بے جا صرف مت کر۔ بے فائدہ مال کو اُڑا دینے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا ناشکرا ہے۔

مسرفین کو شیطان کا بھائی بتایا گیا ہے اس سے زیادہ بُرائی اور کیا ہو سکتی ہے۔ اسی رکوع میں آگے فرماتا ہے "ہاتھ کو بالکل کشادہ مت کرو کہیں پھر خالی ہاتھ بیٹھ کر پچھتانا نہ پڑے"

فضول خرچ کے دل میں شیطان وسوسہ ڈالا کرتا ہے کہ یہاں خرچ کرنا چاہئے وہاں ضرور روپیہ لگانا چاہئے۔ ایسے لوگوں کو چاہئے کہ خیالات کو دور کرکے اچھی طرح سوچ سمجھ کر ضرورت سے کم خرچ کیا کریں۔ چند دنوں اس کی احتیاط کرنے سے عادت چھوٹ سکتی ہے۔

اِفتراء

اِنَّمَا يَفْتَرِى الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ○ (النحل ۱۰۵) اِفترا وہ لوگ کرتے ہیں جو خدا کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے یہ لوگ جھوٹے ہیں۔

کسی پر جھوٹی تہمت لگا دینا، اَن ہونی بات بنانا افترا کہلاتا ہے۔ آیت سے ظاہر ہے کہ افترا اور عدم ایمان کو ایک درجہ دیا گیا ہے اس سے افترا کی شناخت ظاہر ہے۔

وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ۝ (طٰہٰ ـ ۶۱)
محروم ہو گیا جس نے جھوٹ باندھا۔

حقیقتاً افترا پرداز بہت سی خوبیوں اور اعتماد سے محروم ہو جاتا ہے یہ ہو سکتا ہے کہ لوگ اس کو چند دنوں تک سچا سمجھیں مگر حق چھپا نہیں کرتا کبھی ظاہر ہوتا ہی ہے پھر اگر سچ بھی بولتا ہے تو لوگوں کو یقین نہیں آتا۔

یہ عادت کی کمزوری سے ہوا کرتی ہے بچوں میں یہ عادت زیادہ ہوتی ہے اور ڈر کی وجہ سے اپنی خطا کو دوسرے کے سر منڈھ دیا کرتے ہیں۔ افترا پرداز کو سوچنا چاہئے کہ اگر کوئی شخص مجھ پر تہمت لگاتا ہے تو مجھے کس قدر برا معلوم ہوتا ہے اسی طرح میرے بھائی کو جس پر میں افترا کر رہا ہوں کیوں نہ میرے اس قول سے ایذا پہنچے گی۔

انتقام

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (الشوریٰ ۴۰)

برائی کا بدلہ ہے اس جیسی برائی۔ مگر جو معاف کرے اور درستی کرے تو اس کا اجر اللہ پر ہے وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

بعض طبیعتیں انتقام پسند ہوتی ہیں اگرچہ ظلم کا بدلہ لینا جائز ہے مگر از روئے اخلاق معاف کر دینا بہتر ہے۔

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (البقرہ ۱۹۴)

جو کوئی تم پر زیادتی کرے تم اس پر اسی کے موافق زیادتی کرو خدا سے ڈرو اور یہ بات یاد رکھو کہ خدا پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

خدا پرہیز گاروں کے ساتھ ہے۔ وہ پرہیز گار کون لوگ ہیں؟ وہ لوگ جو بدلہ نہیں لیتے اور معاف کر دیتے ہیں۔ بدلہ لینا کم ظرفی کی دلیل ہے۔ بڑے ظرف والے ہمیشہ معاف کیا کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور تمام بزرگانِ دین نے ہمیشہ اپنے دشمنوں کو معاف کیا حتیٰ کہ ان کے دشمن شرمسار ہوئے اور انھوں نے توبہ کی۔ دراصل بدلہ نہ لینا ہی سب سے بڑا انتقام ہے۔ دشمن آخرکار اس قدر پشیمان ہوتا ہے کہ کسی انتہائی انتقام سے ایسا نادم نہ ہو سکتا۔

بُخل

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ھُوَ خَیْرًا لَّھُمْ بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ (آل عمران۔ ۱۸۰)

نہ خیال کریں وہ لوگ جو اللہ کے دیئے میں بُخل کرتے ہیں کہ یہ ان کے لئے بہتر ہے بلکہ وہ اُن کے حق میں بُرا ہے۔ قیامت کے دن ان کے گلوں میں طوق ڈالا جائے گا۔

جس طرح اسراف ایک بُری عادت ہے اسی طرح بخل بھی بُرا ہے ان دونوں کے درمیان درجہ اقتصاد ہے وہ محمود ہے جیسا کہ آیت میں اس طرف اشارہ آیا ہے "ہاتھ کو بالکل کشادہ مت کرو اور نہ تنگدستی سے کام لے"۔ بخل کی مذمت آیت ذیل سے اور زیادہ واضح جاتی ہے۔

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ (التوبہ۔ ۳۴)

جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو راہِ خدا میں صرف نہیں کرتے ان کو خبر سنا دے تکلیف دہ عذاب کی۔

بعض لوگوں کا بُخل اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ ان کو دوسرے کے خرچ کو دیکھ کر تکلیف ہوتی ہے اس کو عربی میں "شح" کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پناہ مانگی ہے یہ انتہائی مذموم عادت ہے۔

مذمتِ بخل میں کثیر احادیث آپؐ سے مروی ہیں جن لوگوں میں یہ عادت ہوتی ہے ان کو چاہئے کہ ناپائیداری دنیا پر نظر رکھیں اور ضرورت سے زیادہ خرچ کریں تا اقتصاد کے عادی ہوجائیں۔

بَدعہدی

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○
(البقرہ ــــ ۱۰۰)

جب کبھی عہد کرتے ہیں وہ تو ایک فریق ان میں سے توڑ دیتا ہے اس کو۔ ان میں اکثر بے ایمان ہیں۔

یہ آیت کفار کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ بدعہدی کو عدم ایمان کی نشانی بتایا ہے۔
یہ عادت جن لوگوں میں ہوتی ہے ان کو چاہئے کہ حتی الامکان معاہدوں سے بچیں اگر کبھی عہد کریں تو نہایت سوچ سمجھ کر کسی سے وعدہ باندھیں پہلے خوب اچھی طرح غور کرلیں کہ ہم اس کو پورا کرسکتے ہیں یا نہیں پھر اپنی ہمت سے کم پر قول دیں۔ نقض عہد کرتے ہوئے یہ خیال رکھیں کہ اگر ہمارے ساتھ کوئی ایسا سلوک کرتا تو ہمیں کس قدر برا معلوم ہوتا یہ بات ہمیشہ خیال میں رکھیں کہ فطرت بدلا لیتی ہے اگر ہم ایسا جرم کریں گے تو دوسرے بھی کسی وقت ہمارے ساتھ ضرور ایسا ہی کریں گے۔

بدگمانی

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ؗ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ
(الحجرات ــــ ۱۲)

اے ایمان والو بچو بہت تہمتیں کرنے سے۔ بیشک بعض بدگمانیاں گناہ ہوتی ہیں۔

یعنی کسی کے ساتھ بدگمانی نہ کرو بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ یہ بدگمانی بالکل بے اصل ہوتی ہے

سُنی سُنائی بات پر کسی شخص کے متعلق خیال آرائی کرنا مناسب نہیں، ایسے خیالات اُٹھنے پر دل کو اس طرف سے پھیر دینا چاہئے اور یہ خیال جانا چاہئے کہ میرا گمان غلط ہے وہ ایسا نہیں ہے یہ میری بد دلی ہے ایسے خیالات میرے دل میں آتے ہیں چونکہ میں خود بُرا ہوں اس لئے میرے خیالات بھی بُرے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے اپنے بھائیوں کے متعلق اچھا خیال قائم کرو۔

انسان کو چاہئے کہ خود بھی ایسے مواقع سے اپنا دامن بچائے جس سے دوسروں کو اس پر بدگمانی کا موقع ہاتھ آئے۔ آپ نے فرمایا ہے اِیَّاکُمْ وَمَوَاضِعَ التُّهَمِ (ترمذی) (یعنی اپنے آپ کو بدگمانی کے مواقع سے بچاؤ) آپ کے حالاتِ زندگی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ صحابہ رضؓ آپ پر پورا اعتماد کرتے تھے۔ ایسے حالات سے بچتے تھے۔

بُرائی کا اِفشاء

لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ (النساء-۱۴۸)

بُری بات کے افشا کو خدا پسند نہیں کرتا۔ مگر یہ کہ کوئی شخص مظلوم ہو۔

کسی کے گناہ یا غیبت کو لوگوں میں بیان کرنا ایک قسم کا گناہ ہے ایسا کرنے سے دوسروں کو گناہ پر جرأت ہوتی ہے اور وہ شخص بے حیا ہو جاتا ہے پھر کھلے بندوں گناہ کرنے لگتا ہے ہاں اگر کوئی مظلوم ہو تو وہ حاکم کے سامنے بیان کر سکتا ہے جو لوگ دوسروں کی پگڑیاں اُچھالتے ہیں ان کی عزت ضرور خاک میں ملائی جاتی ہے۔ کم از کم اس خیال سے اپنی زبان کو بند کر لینا چاہئے۔ حدیث نبوی ہے "جو شخص اپنے بھائی کے عیب کو چھپاتا ہے خدا اس کے عیب کو چھپائے گا"۔ (ترمذی)

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعض لوگ کسی گناہ کے عادی ہوتے ہیں مگر وہ اس کو مخلوق سے چھپاتے ہیں ایسے لوگوں کے عیب پر اگر اطلاع ہو جائے تو ان سے چشم پوشی کرنی لازمی ہے اور

لازمی ہے اور سمجھانے کے لئے بطور تعریض نصیحت کر دینی چاہیئے اس طور پر کہ اس کو اس آگاہی کا شبہ تک بھی نہ ہو۔

بے حیائی

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ج (الانعام ـــ ۱۵۲) چھپی اور کھلی بے حیائیوں کے پاس مت جاؤ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "حیا نصف ایمان ہے"۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے "اَلْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهُ" (بخاری، مسلم) حیا سراسر بھلائی ہے۔

وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (النحل ـــ ۹۰) خدا منع کرتا ہے بے حیائی اور بے ہودہ گوئی سے۔

عمدہ کاموں، علمی باتوں میں حیا کرنا مذموم ہے۔ عام طور سے اس کا لحاظ کم کیا جاتا ہے۔ بسا اوقات بے نمازی نماز کا ارادہ کرتا ہے مگر پھر یہ خیال اس کو روک دیتا ہے کہ لوگ کہیں گے دیکھو آج فلاں صاحب نماز پڑھنے آرہے ہیں۔ اس بیہودہ شرم کی وجہ سے وہ بھلائی سے محروم ہوجاتا ہے افسوس ہے گناہ کرنے والے تو جرأت سے کام لیتے ہیں اور نیک کام کرنے والے اچھائی کرتے شرماتے ہیں ایسے لوگوں کو چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ مجمع میں علی الاعلان عمل کریں چند دنوں میں یہ عادت زائل ہوجائے گی۔

جاسوس

وَلَا تَجَسَّسُوْا (الحجرات ۱۲) کسی کا بھید بھاؤ مت لگاؤ۔

دوسروں کے راز کا تجسس کرنا، گھر کی باتیں چھپ کر سننا، خواہ مخواہ کسی شخص کے

حالات و عیوب کے پیچھے پڑنا یہ سب باتیں ممنوع ہیں ایسی حرکتوں سے دشمنی اور کینہ بڑھتا ہے۔
عورتوں میں یہ مرض عام طور پر پایا جاتا ہے۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ○ (بنی اسرائیل ــــ ۳۶)

نہ پیچھے پڑ جس بات کی تجھ کو خبر نہیں، بیشک کان آنکھ، دل ان سب کی بابت پرسش ہوگی۔

تجسس کے لئے دل میں خیالات کا جمع کرنا، کان لگا کر سننا اور آنکھوں سے دیکھنا۔
ان سب کے متعلق روز قیامت میں سوال کیا جائے گا کہ تم نے کیوں کسی کے راز کے لئے آنکھیں اٹھائی تھیں۔ وغیرہ۔

تہذیب جدید میں بھی کسی شخص سے اس کی آمدنی کے متعلق دریافت کرنا معیوب ہے۔
ہاں جائز امداد کے لئے یا کسی کو مصیبت و تکلیف سے بچانے کے لئے بقدر ضرورت دریافت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

جُوا

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ○ (البقرہ-۲۱۹)

تجھ سے (اے محمدؐ) شراب اور جوئے کے متعلق دریافت کرتے ہیں کہدے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے ان کے اندر کچھ فائدے بھی ہیں مگر ان کے فائدے سے نقصان بڑھا ہوا ہے۔

جُوا اور شراب اگرچہ وہ وقتی کچھ فائدے پہنچاتے ہیں مگر نقصانات دونوں کے بہت زیادہ ہیں ان سے اخلاق فاسد ہوتے ہیں خود غرضی پیدا ہوتی ہے جھگڑے فساد برپا ہوتے ہیں بے کاری کی عادت پڑتی ہے اس لئے یہ دونوں چیزیں شریعت اسلامی میں قطعاً حرام ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ

(المائدہ۔۹۰ — ۹۱)

اے ایمان والو، شراب، جُوا، بُت، پانسے، سب شیطان کے گندے کام ہیں ان سے بچو تاکہ نجات پاؤ۔ شیطان چاہتا ہے کہ شراب اور جُوا کے ذریعہ تم میں دشمنی اور کینہ پھیلائے۔

اب یورپ کے عقلا بھی شراب کی مذمت کرنے لگے ہیں جوئے کو بھی وہاں کے اچھے آدمی پسند نہیں کرتے۔ بعض روشن خیال حضرات کہا کرتے تھے کہ اسلام نے شراب یسی چیز کو کیوں حرام کر دیا جس کو یورپ والے پسند کرتے ہیں مگر آج وہ خاموش ہیں۔

جھوٹ

وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۝ (الحج۔۳۰)

بچو جھوٹ بولنے سے۔

جھوٹ بولنا، جھوٹی گواہی دینا، جھوٹ کی تائید کرنا، جھوٹ پر کسی کو آمادہ کرنا یہ سب ممنوع ہے ـــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس ایک شخص آیا، اس نے کہا مجھ میں چار بُری عادتیں ہیں۔ آپ کے فرمانے سے ان عادتوں میں سے ایک کو چھوڑ سکتا ہوں۔ چوری کرنا، شراب پینا، زنا کرنا، جھوٹ بولنا۔ ان میں سے فرمائیے کس عادت کو چھوڑ دوں۔ آپ نے فرمایا جھوٹ بولنا چھوڑ دے۔

اس روایت سے جھوٹ کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ۝ (المومن ـــ ۲۸)

خدا حد سے گذرنے والے جھوٹ بولنے والے کو ہدایت نہیں دیتا۔

کس قدر سخت پیرایہ میں جھوٹ کی مذمت فرمائی ہے
اسی کے مشابہ آیت سورۃ الزمر میں بھی ہے ۔

عموماً زیادہ قسمیں کھانے والے، زیادہ گفتگو کرنے والے جھوٹے ہوتے ہیں ان دونوں عادتوں سے بچنا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جھوٹ بولنا منافقت کی دلیل ہے ۔ (بخاری و مسلم)

چغلی

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ○ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ ○ (القلم ۱۰-۱۱)

تو کہا مت مان کسی قسمیں کھانے والے لوفر، طعنے دینے والے چغلی کھانے والے کا۔

ایک کی بات دوسرے سے لگا دینا چغلی کہلاتا ہے۔ بچوں کو یہ عادت بہت ہوتی ہے ماں باپ کو چاہئے کہ جب وہ کسی کی چغلی کریں تو ان کی بات نہ سنیں۔ عورتوں میں بھی چغلی کا بہت رواج ہوتا ہے اس سے فتنہ و فساد پیدا ہوتے ہیں ایسے شخص کا ہرگز اعتبار نہ کرنا چاہئے جیسا کہ آیت میں ارشاد ہے "چغلخور کا اعتبار نہ کر" یہ بات بھی خیال میں رکھنی چاہئے کہ جو شخص دوسروں کی باتیں تم سے آکر لگاتا ہے وہ خواہ تمہارا کیسا ہی دوست ہے مگر تمہاری باتیں بھی ضرور دوسروں سے لگاتا ہے یا اگر ذرا بھی تم سے اَن بَن ہو گئی تو ضرور وہ تمہاری چغلیاں لوگوں سے کرے گا چغلخور کی حوصلہ افزائی ہرگز نہ کرنا چاہئے اس سے پہلے ہی کہہ دینا چاہئے کہ ہم تمہاری بات سننا نہیں چاہتے، اس کے علاوہ کوئی اور اچھی باتیں کرو یا یہ کہہ دیا جائے کہ جب وہ شخص آئے گا تو اس کے سامنے بیان کرنا۔

چوری

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا

چور اور چرانے والی دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو

جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ (المائدہ — ۳۸) یہ سزا ہے ان کے کیے کی اور تنبیہ ہے اللہ کی طرف سے۔

سزا کی سختی جرم کی سختی پر دلالت کرتی ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ قانون بہت سخت ہے مگر اس جرم کا قلع قمع اسی جیسے قانون سے ہو سکتا ہے ورنہ آج کل آپ دیکھتے ہیں باوجود انتہائی انتظام کے بھی آئے دن چوریاں ہوتی رہتی ہیں۔ مجرم پیشہ قید خانہ کی زندگی سے گھبراتے نہیں۔ بے دھڑک چوریاں کرتے رہتے ہیں، بعض لوگ چھوٹی چھوٹی چیزوں کو بغیر مالک کی اجازت کے اٹھا لیتے ہیں یا ان کو اپنے تصرف میں لے آتے ہیں یہ بھی حرام ہے جس طرح مال کی چوری منع ہے۔ غیر مادی چیزوں کی چوری بھی ممنوع ہے۔

بے تکلف دوستوں میں کھانے پینے کی چیز بغیر اجازت کے لے سکتے ہیں۔ بشرطیکہ یقین ہو کہ وہ شخص اس بات کو سن کر خوش ہوگا کہ ہم نے اس کی چیز کھالی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایسے واقعات پیش آئے ہیں

حُبِّ مال

وَتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا (الفجر — ۲۰) تم مال سے بہت محبت کرتے ہو۔

آیت میں حبِ مال کا ذکر بطور مذمت کے کیا گیا ہے۔ اس دورِ جدید میں جہاں کہیں نیا تمدن پہنچ گیا ہے۔ لوگوں میں حبِ مال بہت ہی بڑھ گئی ہے۔ جھوٹ، غدر، دھوکا بازی، چوری، فریب یہ سب حبِ مال کی وجہ سے فی زمانہ بہت زیادہ پھیل گئے ہیں۔

وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝ (العٰدیٰت ۸) انسان مال سے بہت ہی محبت کرتا ہے۔

اسی طرح بہت مال کے جمع کرنے سے بھی منع کیا گیا۔ ملاحظہ ہو۔ سورۂ الہمزہ پارہ ۳۰۔

بعض لوگ حبِ مال کی وجہ سے انسانوں پر ظلم کرنے سے نہیں بچتے نہ حلال و حرام کا امتیاز

کرتے ہیں۔ اپنی بیماری وغیرہ میں بھی کم خرچ کرتے ہیں ایسے لوگوں کو چاہئے کہ موت کو کثرت یاد کریں۔ اور مال کو کارساز نہ سمجھیں۔ خدائے تعالیٰ پر نظر رکھیں۔ روزانہ کچھ خیرات کرتے رہا کریں اس علاج سے اُمید ہے کہ چند دنوں میں اس مرض میں کمی ہو جائے گی۔

حرص

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (التکاثر ۱-۲)

تمہیں غافل کر دیا بہتات کی حرص نے یہاں تک کہ تم قبر میں داخل ہو گئے۔

اچھی چیز کی حرص اچھی ہوتی ہے، جیسے علم کی حرص اور بُری شئے کی حرص بُری ہوتی ہے اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ تم مال وغیرہ کی حرص میں نیک عمل سے غافل رہتے ہو حتی کہ قبروں میں جا کر سو جاتے ہو۔ آخرت کے لئے کچھ نہیں کرتے جہاں ہمیشہ رہنا ہے۔ اس دنیا کی تگ و دو میں رات دن لگے رہتے ہو

حرص ہمیشہ انسان کو پریشان اور خالی ہاتھ رکھتی ہے۔ وہ تھوڑے پر قناعت نہیں کرتا نہ اس کو حاصل کرتا ہے زیادہ کی فکر میں اس کو بھی چھوڑ دیتا ہے۔ نتیجہ محرومی ہوتا ہے تھوڑے پر قناعت کرنے والے بے فکر اور راحت و آرام سے رہتے ہیں محرومی سے ان کو شاذ و نادر ہی دوچار ہونا پڑتا ہے

حسد

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (النساء ۵۴)

کیا اللہ کے دئے پر لوگوں سے حسد کرتے ہیں۔

کسی کی نعمت و راحت کو دیکھ کر جلنا اور یہ تمنا کرنا کہ یہ نعمت اس سے زائل ہو جائے حسد کہلاتا ہے۔ یہ عادت انتہائی کمینہ پن پر دلالت کرتی ہے۔ حاسد کو کبھی اس عادت سے نا فائدہ نہیں پہنچتا

وہ ہمیشہ آپ ہی آپ جلتا رہتا ہے۔

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ٥ (الفلق ۵) میں پناہ مانگتا ہوں حاسد کے شر سے۔

قدرت نے حاسد کے لئے اسی دنیا میں سزا مقرر کردی ہے۔ وہ جب کبھی اپنے محسود کو خوش دیکھتا ہے جل بھن جاتا ہے اس کو بڑی سخت تکلیف رہتی ہے اس کا علاج یہ ہے کہ جب کبھی دل میں ایسا خیال آئے فوراً نفس کے خلاف اس شخص سے اظہار خوشنودی کرے لوگوں میں اس کی تعریف کرے، دل کو سمجھائے، افسوس! کہ علماء میں حسد کا مادہ بہت زیادہ ہوتا ہے اسی لئے ان میں پارٹی بندیاں رہتی ہیں مگر سچے علماء اس سے بری ہیں۔

خود ستائی

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ٥ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ٥ (النساء ۴۹ ـــ ۵۰)

کیا تم نے ان کو نہیں دیکھا جو اپنے آپ کو پاکیزہ کہتے ہیں۔ بلکہ اللہ جس کو چاہے پاکیزہ بناتا ہے اور اُن پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا۔ دیکھو اللہ پر کیسا جھوٹ باندھتے ہیں اور اس کو یہی صریح گناہ کافی ہے۔

اپنے منہ سے اپنی تعریف کرنا بے ہنر ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ ذکی الطبع کم ظرف چھوٹے خاندان کے لوگوں میں یہ عادت زیادہ ہوتی ہے۔ دوسروں سے اپنی تعریف کی خواہش کرنا بھی عیب ہے بے کیے پر تعریف کی خواہش کرنا زیادہ سخت عیب ہے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ج

جو لوگ اللہ کے دیئے پر اتراتے ہیں اور نہ کیے پر تعریف چاہتے ہیں وہ عذاب سے نہیں بچیں گے۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (آل عمران ـــ ۱۸۸) ان کے واسطے سخت مار ہے ۔

آپ اپنی تعریف کرنے والا لوگوں کی نظر سے گر جاتا ہے وہ جس مقصد سے ایسا کرتا ہے ہمیشہ اس کے برعکس اثر ہوتا ہے ۔

خیانت

وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (الانفال ـــ ۲۷) امانت میں خیانت نہ کرو جان بوجھ کر ۔

امانت کا بیان پہلے ہی گزر چکا ہے خیانت اس کی ضد ہے یعنی کسی کی سونپی ہوئی چیز کو واپس نہ کرنا یا اس میں سے بلا اجازت کچھ خرچ کر لینا یا اچھی چیز کی بجائے بری دے دینا خیانت کہلاتا ہے ۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ۝ (الانفال ۵۸) خدا خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ۝ (الحج ـــ ۳۸) خدا کسی خیانت کرنے والے ناشکرے کو پسند نہیں کرتا ۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے "خیانت کرنا منافق کی پہچان ہے"

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۝ (النساء ۱۰۷) خدا خیانت کرنے والے گناہگار کو پسند نہیں کرتا ۔

خیانت کرنے والے کی نیکیاں صاحبِ امانت کے حق میں لکھ دی جاتی ہیں ۔

رشوت ستانی

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ جو لوگ چھپاتے ہیں اللہ کی کتاب سے اس ک

مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا لا اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (البقرہ-۱۷۴)

نازل کی ہوئی باتوں کو اور لیتے ہیں اس پر تھوڑا مول وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں اللہ ان سے قیامت میں بات بھی نہ کرے گا نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

اس آیت سے رشوت کی برائی نکلتی ہے۔ اپنے فرائض کو چھوڑ کر عدل وانصاف کے خلاف کرنا اور بے وجہ کسی کو دبا کر روپیہ وصول کرنا کسی کی حق تلفی کر کے دوسرے کو خوش کرنا اور اس سے روپیہ لینا رشوت کہلاتا ہے یہ قطعًا حرام ہے۔ آجکل سرکاری دفاتر میں ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک سب اس میں مبتلا ہیں۔ رات دن یہ لوگ اس کے خلاف کرتے رہتے ہیں لوگوں سے زبردستی روپیہ وصول کرتے ہیں ورنہ ان کا کام جو ان کے فرائض میں سے ہوتا ہے انجام نہیں دیتے یا اس کو بگاڑ دیتے ہیں ایسے لوگ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں یہ کمائی ہمیشہ حرام راہ نکل جاتی ہے۔ چوری، مقدمہ بازی یا بیماری میں ان لوگوں کا روپیہ خرچ ہو جاتا ہے۔ مگر لوگ غور نہیں کرتے حبِ مال نے ان کو اندھا بنا دیا ہے۔ احادیث اس بارے میں کثیر وارد ہوئی ہیں۔

رِیا

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ (النساء-۳۸)

جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال لوگوں کے دکھانے کو اور اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان نہیں لاتے۔

لوگوں کے دکھانے کے لئے کوئی کام کرنا ریا کہلاتا ہے آیت میں ریا اور عدمِ ایمان کو ایک درجہ دیا گیا ہے جس سے اس کی برائی واضح ہے اس جیسی آیات کی بنا پر صوفیا نے اس کو شرکِ اصغر کہا ہے اخلاص اس کا مقابل ہے اچھی عادتوں کے بیان میں اخلاص کے متعلق لکھا جا چکا ہے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم — تم ان لوگوں جیسے مت بنو جو اپنے گھروں سے
بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ (الانفال — ۴۷) — اکڑتے ہوئے اور لوگوں کے دکھانے کے لئے نکلے ہیں۔

سورۂ ماعون پارہ تیسواں میں بھی ریا کی مذمت آئی ہے۔ ریا سے اُخروی ثواب فوت ہو جاتا ہے۔ اپنی نیکیوں کو لوگوں کی نظروں سے چھپا کر کرنے سے کچھ دنوں میں یہ عادت چھوٹ جاتی ہے اس کے بعد علی الاعلان عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

زنا

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً — زنا کے قریب بھی مت جاؤ یہ بڑی بے حیائی
وَسَاءَ سَبِيلًا ۝ (بنی اسرائیل — ۳۲) — اور بُرا راستہ ہے۔

اسلام میں زنا کی جو سزا تجویز کی گئی ہے اس سے اس گناہ کی شناعت ظاہر ہے اس سے روحانی و جسمانی مفاسد بہت پیدا ہوتے ہیں۔ تمام عقلاء نے اس امر کو تسلیم کیا ہے۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ (المؤمنون — ۵) — جو لوگ اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرتے ہیں۔

اس سے پیشتر کی آیت میں ہے کہ ایسے لوگ فلاح پانے والوں میں سے ہیں۔

وَلَا يَزْنُونَ (الفرقان — ۶۸) — اور وہ زنا نہیں کرتے۔

اس آیت میں زنا نہ کرنے والوں کی تعریف کی گئی ہے حدیث میں آیا ہے کہ زانی جب یہ فعل کرتا ہے تو ایمان اس کے دل سے نکل جاتا ہے (ابوداؤد، ترمذی) بازاری ناول دیکھنے، سنیما دیکھنے بدمعاشوں کی صحبت میں رہنے اور زیادہ طاقتور دوائیں کھانے سے اس قسم کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ ان چیزوں سے حتی الامکان بچنا چاہئے۔

onthly "HIJAB" Rampur (U.P.)
gd No R.N. 20394/70 Regd No. MRC
y August 72

آج کل

[illegible]

رامپور

حجاب



کا پاکیزہ

ستمبر ۱۹۸۲ء شمارہ ۱۲۷ مطابق ذیقعدہ سنہ ۱۴۰۲ھ

جلد

قیمت فی پرچہ تین روپیہ پچاس پیسے

سالانہ زرِ تعاون چالیس روپیہ

سالانہ خریداروں کو جو کتابیں بطورِ تحفہ دی جاتی ہیں اُن کے لئے پوسٹیج پانچ روپیہ

براہِ کرم وی. پی سے بمجبوری ہی منگائیے. اس میں آپ کے دو روپے خوہ مخواہ زائد صرف ہونگے

ایڈیٹر، پرنٹر و پبلشر محمد اسحاق ... مقام اشاعت ... محمود خاں رامپور مطبوعہ ایم آر پریس دہلی

در پردۂ حجاب

…ات

مقالات ومضامین

ایک دعویٰ

یورپ نے غفلت کے اس قدیم پردے کو اپنی علمی تحقیقات سے چاک کر دیا جس نے اس وقت تک عورتوں کی اصل حالت کو پوشیدہ رکھا تھا، علم تشریح الابدان، سائیکالوجی اور تجارت کے تجربات سے ثابت کر دیا کہ مردوں اور عورتوں میں کسی قسم کا جسمانی یا دماغی فرق نہیں ہے اور جو کام ... علمی یا عملی ... مرد کر سکتا ہے، ایک عورت بھی اسی طرح کر سکتی ہے ——

مائل خیرآبادی نے مندرجہ بالا دعویٰ کی تردید ایک فطری اور سائنٹفک جائزے کے ساتھ کی، ثبوت میں مغرب ہی کے دانشوروں، ادیبوں، پروفیسروں اور سائنسدانوں کے اقوال و تجربات پیش کئے، اس کے بعد اسلامی نظریات و قوانین پیش کر کے ثابت کیا کہ عورت کیلئے اسلامی اصول ہی ہر حیثیت سے مفید اور کارآمد ہیں۔ مائل خیرآبادی نے یہ بات کھول کر بتائی کہ یورپ کے مردوں نے کن اسباب کی وجہ سے عورت کو گھر سے نکالا، اس کے بعد کس طرح اپنی ہوس کا نشانہ بنایا اور اب آزادی کا نعرہ لگا کر کس طرح اُسے بیوقوف بنا رہا ہے اور اُس کی عزت و آبرو سے کھیل رہا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

اُلجھنوں کے گرفتار نمبر

اُلجھنیں طرح طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک شخص اِس اُلجھن میں پھنسا ہوتا ہے کہ دنیا میں یہ جو بہت سے مذہب پائے جاتے ہیں ان میں کون سا مذہب سچا ہے؟ ایک شخص اِس خبط میں مبتلا ہوتا ہے کہ دنیا میں جھگڑے مذہب کی وجہ سے ہوتے ہیں اس لئے مذہب ہی کو ختم کر دینا چاہئے۔ یا پھر ایسا ہو کہ ہر مذہب کی اچھی باتیں لے لی جائیں اور اُن کو اکٹھا کر کے ایک کتاب بنالی جائے اور پروپیگنڈہ کیا جائے کہ دیکھو سارے مذہب ایک ہی بات کہتے ہیں۔ سب مذہب سچے ہیں۔

بہت سے لوگ رسم و رواج کی اُلجھنوں میں پریشان رہتے ہیں اور اپنی گاڑھی کمائی کا پیسہ برباد کرتے رہتے ہیں۔ اور بہت سے وہ لوگ بھی ہیں جو شک و شبہ اور وہموں کے جال میں پھنسے ہوتے ہیں یا چالاک قسم کے لوگ اُنھیں پھنسا دیتے ہیں۔ اسکے بعد تعویذ گنڈوں کا کاروبار کر کے وہم میں پڑے ہوئے ناسمجھوں کو خوب لوٹتے ہیں۔ اور بہت سے لوگ دُھن کی دُھن میں پاگل بنے رہتے ہیں۔

گھر گھر معاشرتی (رہنے بسنے اور گذر اوقات کرنے)، معاشی (کمانے کھانے)، تعلیمی اور صحت و تندرستی کے بارے میں اُلجھنیں ہوتی ہیں۔ مردوں کو عورتوں سے، عورتوں کو مردوں سے اور عورت و مرد دونوں کو اَولاد کی طرف سے اُلجھن رہتی ہے۔

اِس طرح کی اَن گنت اُلجھنیں ہیں۔ اگر ان سب کو بیان کیا جائے تو کسی کے پاس نہ اُن کو بیان کرنے کے لئے وقت ہے اور نہ کسی کو سُننے کی فرصت۔ اس لئے ہم اُلجھنوں کے گرفتار نمبر میں صِرف چار قسم کی اُلجھنوں کا ذکر کریں گے۔ ایک تو وہ اُلجھن جو اسلام کے متعلق شک و شبہ کی صورت میں ہے۔ دوسری گھریلو اُلجھنیں۔ تیسری ادبی اُلجھن۔ ادبی اُلجھن کے بارے میں ہم بنیادی بات پیش کریں گے کیونکہ

ہم سمجھتے ہیں کہ ادبی طبقہ بہت ذہین ہوتا ہے، وہ اشاروں اشاروں میں بہت کچھ سمجھ جاتا ہے۔ آخر میں جماعتِ اسلامی کے بارے کچھ اپنے اور دوسروں کے تجربے پیش کریں گے۔



ان چار قسم کی الجھنوں کا پورا تعارف اس شمارے (ستمبر) میں ہم نہیں بیان کر سکیں گے۔ ہاں اگلے شمارے (اکتوبر) میں مضمون وار تفصیل سے بتائیں گے۔ آج کے شمارے میں صرف مضامین کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں:

الجھنوں کے گرفتا نمبر کی ایک جھلک

- اہلِ مکہ کی الجھن: حضور نبی کریمؐ کے اعلان نبوت پر۔
- فرشتوں کی الجھن: انسان کے خلیفہ بنائے جانے پر۔
- ابلیس کی الجھن: آدم کو سجدہ کرنے کے بارے میں۔
- حضرت آدم کی الجھن: اللہ سے معافی کیسے مانگیں
- خلافت کا بوجھ: روزِ ازل میں اللہ کے سامنے ساری کائنات کی الجھن اور حضرتِ انسان کا جوش اور اقدام۔
- دنیا کے دانشوروں کی الجھن: یہ کائنات کیا ہے، کیوں ہے اور اس کے پیچھے کون سی طاقت ہے؟
- مکمل رہنمائی: دانشوروں کو قرآن سے استفادے کا مشورہ
- انبیاء کے بارے میں: یہ الجھن کہ کیا بشر بھی نبی ہو سکتا ہے
- اقرار نامہ: وہی "قالو بلیٰ" روزِ الست والا۔
- تلاشِ حق: کچھ نوجوانوں کی تلاش کہ آج حق پر کون ہے۔
- آر۔ ایس۔ ایس کے ایک ورکر کی الجھن
- شادی غمی کی الجھنیں
- حضرت یوسفؑ کا حال: اس کے ضمن میں اُن کے بھائیوں کی الجھن۔ پھر اہلِ مصر کی الجھن، مصر کی عورتوں کی الجھن وغیرہ
- ہم پردہ کریں یا نہ کریں: کریں تو کالج میں نکو بنیں اور نہ کریں تو گھر والے ناراض۔
- مسلم پرسنل لاء
- رسول خدا کا عظیم احسان
- ایمان افروز واقعہ یا نادانی؟
- کافر جہنمی کیوں؟
- نذر و نیاز
- خواہ مخواہ کا اندیشہ
- بھوت، چڑیل اور جن
- نام کا اثر
- روح کیا ہے؟
- آخرت یا آواگمن

* تصویر کا مسئلہ
* انبیاؑ معصوم
* معمہ، گانا، رقص وسرود
* اسلام میں جوگی پن نہیں
* نبی اور اوتار میں فرق
* ادب
* تحریکی ادب
* اسلامی تحریکی ادب
* ڈاکٹر احمد سجاد صاحب کا استدراک
* چھوٹے بڑے بہت سے افسانے اور کہانیاں
* اور میں جماعت کا ممبر ہوگیا: اس عنوان سے متعدد نئے مضمون اور آپ بیتیاں
* تحریکِ اسلامی کے بارے میں مدیر حجاب سے کئے گئے سوالات کے جوابات
* آج کا حاتم: ایک بہترین بھولا بھالا کردار
* نذیرن بوا: ہر بات میں کہتی تھیں کہ پیارے رسولؐ نے یوں فرمایا ہے اس لئے یہ بات صحیح ہے۔ یہی بات ایک تعلیم یافتہ لیڈی کے لئے الجھن بن گئی۔

کئی سال سے ہم جب سالنامہ شائع کرتے ہیں تو اسے کئی ابواب میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ ہماری یہ جدت حلقہ حجاب نے بہت پسند کی۔ انشاء اللہ الجھنوں کے گرفتار نمبر کو ہم ان چار ابواب میں تقسیم کریں گے: ۱ ایمانیات وعبادات ۲ معاشرتی الجھنیں ۳ شعروادب اور اسلامی تحریک ۴ جماعت اسلامی اور تحریک اسلامی۔

ہم آپ سے دعا کی درخواست کرتے ہیں کہ ہم اپنے بھائیوں اور بہنوں کی الجھنوں کا حل پیش کر سکیں۔ السعی منا والاتمام من اللہ۔ کوشش اور محنت جو مجھ سے ہو سکے گی کروں گا۔ اس کوشش میں کامیاب کرنا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

الجھنوں کے گرفتار نمبر کی قیمت دس روپیہ ہوگی۔ ضخامت کا فیصلہ ابھی نہیں کیا گیا ہے۔ اندازہ یہ ہے کہ الجھنوں کے گرفتار کی ضخامت کم وبیش تین سو صفحات ہوگی۔ اس ضخامت کے لائق ہی مضامین دیئے جا سکیں گے۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرمی محترمی چچا میاں!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'۔

فروری کا تازہ شمارہ پڑھا۔ مزہ آگیا۔ "انسانیت تاریخ کی عدالت میں" بہت شاندار مضمون ہے۔ 'تربیت نمبر' کے رے میں اپنی ناقص رائے کیا پیش کروں۔ جس روز پڑھنے کے لیے نکالا اُس ہی روز یہاں اجتماع تھا۔ میرے ہی کمرے میں تماع ہوتا ہے۔ سب سے پہلے امیر مقامی آئے اور پڑھنے لگے۔ درسِ قرآن کے بعد تربیت نمبر ہی میں سے مضمون انتخاب کر کے ھا گیا۔ اجتماع کے بعد کئی حضرات نے خواہش ظاہر کی کہ پہلے ہم پڑھنا چاہتے ہیں اور امیر مقامی رحمت الٰہی صاحب لے گئے۔

اُن کے بعد ریلوے ٹی۔ٹی۔ای ابراہیم صاحب نے پڑھا۔ بعد میں میرا نمبر آیا۔ مجھے بہت ہی پسند آیا۔ "دل میں سوراخ"، "انگریز کا نوکر" اور خاص طور سے آپ کی روداد۔ کئی بار آپ کو مرکز میں دیکھا۔ معلوم تو نہیں ہوتا کہ آپ کی عمر شریف اتنی ہو سکتی ہے اللہ تعالیٰ مزید برکت دے اور نگاہِ بصیرت اور نگاہِ کرم سے نوازے۔

ایک واقعہ لکھ کر بھیجتا ہوں۔ اُمید ہے تصحیح فرمائیں گے۔

آپ شاید جانتے ہی ہیں میں لکڑی سے متعلق فرنیچر وغیرہ کا کام کرتا ہوں۔ ہمارے قصبہ میں سائیں کی ایک دوکان ہے۔ ایک سال پہلے تک میں دوکان ہی پر کام کرتا تھا۔ زیادہ تر دروازے کھڑکیاں ہی بنانا پسند کرتا تھا اور اس کوشش میں رہتا تھا کہ بڑی سے بڑی بلڈنگ کا کام ملے اور کام طے کر کے اپنی دوکان ہی پر بناتا تھا۔ اُس وقت زیادہ خوشی ہوتی تھی جب باہر گاؤں کا کام ملتا تھا اور دروازے کھڑکیاں فٹ کرنے کے لئے مجھے ۱۵ - ۲۰ دن اور بعض دفعہ مہینہ بھر تک صبح شام آنا جانا پڑتا تھا۔ میرے پاس کام سیکھنے والے کچھ لڑکے ہوتے تھے اور ایک یا دو کاریگر حسبِ ضرورت رکھ لیتا تھا اور اپنی سائیکل اُنھیں میں سے کسی ایک کو دیدیتا اور کہتا کہ آپ لوگ چلیں میں پیدل آرہا ہوں۔ وہ سب ہی جانتے تھے کہ میں پیدل ہی آتا جاتا ہوں۔ اور پیدل چلتے ہوئے کتاب ہاتھ میں لے کر سنسان راستے پر پڑھتا ہوا نکل جاتا۔ اس طرح میرا الگ سے خوب مطالعہ ہو جاتا۔ اِسی طرح ایک روز میں "سیّارہ ڈائجسٹ" کا سیّد مودودی نمبر پڑھتا ہوا چلا جا رہا تھا جو میں نے خاص طور سے اپنے ایک دوست سے پاکستان سے منگوایا تھا۔ ایک میل چلنے کے بعد کچی سڑک سے ایک اور کچی سڑک کٹتی تھی جو کھیتوں کے درمیان سے گذر کر گاؤں میں جاتی تھی۔ عین موڑ پر سڑک کے نیچے ایک بڑا سا پائپ پڑا ہوا تھا جس میں سے گذر کر پانی کھیتوں میں جاتا تھا۔ جیسے ہی میں موڑ کے نزدیک پہنچا اچانک میرے پیروں میں ایک موٹا سا زبردست سانپ جس کی موٹائی غالباً ۲½ انچ رہی ہوگی اور لمبائی ۶ فٹ، آگیا۔ جیسے ہی میں اچھل کر ایک طرف ہوا تو پیروں کے درمیان ایک اور اسی جیسا اور پاؤں نیچے ٹکتے ہی پنجوں سے پھر اچھلا تو ایک اور اسی جیسا۔ بدن سنّ ہو کے رہ گیا۔ یا اللہ بچا۔ کود کر ایک طرف ہوا تو دیکھا تینوں مرے ہوئے تھے۔ لیکن مرے ہوؤں کو دیکھ کر بھی خوف محسوس ہوتا تھا۔ میں ایک طرف کھڑا ہو گیا اور اللہ کا شکر ادا کرتا رہا اور سوچتا رہا کہ مجھے اس طرح کتاب پڑھنی چاہئیے یا نہیں لیکن کوئی فیصلہ نہ کر سکا اور پھر کتاب پڑھتا ہوا گاؤں کی طرف چل دیا۔ گھنے پیڑوں کے آس پاس کچے مکان نظر آرہے تھے معصوم لوگوں کے مکان۔ یہ ہریجنوں کی چھوٹی سی بستی تھی جنھیں ہندوستانی سماج

الگ تھلگ رہ کر ہی شاید فخر محسوس کرتا ہے۔ کتاب کوٹ کی جیب میں رکھی اور چلتا رہا۔ مکانوں کے سامنے سڑک پر چھوٹے چھوٹے معصوم بچے پھٹی ہوئی میلی قمیضیں پہنے، سردی میں تھرتھراتی کھلی ٹانگیں، مستقبل سے بے خبر گنے چوستے ہوئے گویا کھیل رہے تھے اور اپنی زبان میں کچھ باتیں کر رہے تھے۔ وہ مجھے روز ہی خوف اور حیرت بھری نظروں سے دیکھتے تھے اور میں حسبِ عادت مسکراتا ہوا اُن کے درمیان سے گذر جاتا۔ گاؤں کی سب سے اونچی بلڈنگ کے بڑے پھاٹک سے اندر داخل ہوا۔ کھلے اور فراخ آنگن میں دھوپ میں چارپائیاں ڈالے چودھری لوگ حقہ پی رہے تھے۔ اُن کی گفتگو کا موضوع کئی دن سے یہی ہوتا تھا کہ دنیا کو تباہی اور بربادی سے مذہب ہی کے ذریعہ سے بچایا جاسکتا ہے لیکن آج خلافِ معمول بجائے کام میں لگے ہونے کے میرے ساتھی بھی وہیں کھڑے تھے اور اُن سانپوں ہی کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ میں نے السلام علیکم کہا۔ وہ لوگ میری طرف متوجہ ہوئے چودھری لوگوں کو آداب عرض کر کے میں بھی چارپائی پر بیٹھ گیا۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا وہ خود ہی بتانے لگے کہ آج ایک ہریجن نوجوان نے لاٹھی سے تین سانپوں کو مارا اور اپنی بہادری کی داد لینے کے لئے دو دو فٹ کے فاصلہ سے سڑک پر آڑے آڑے پھیلا دیا۔ میں نے بھی اس نوجوان کو دل ہی دل میں داد دی اور اپنے ساتھیوں کو لیکر آری بسولہ سنبھالا اور کام پر لگ گیا۔

عبدالقیوم

Manzoor Ahsan

TALDANGA
DIST DHANBAD (INDIA)

مائل بھائی! السلام علیکم۔

امید ہے کہ آپ بعافیت ہونگے۔ فروری ۸۲ء کا حجاب ملا۔ صفحہ ۸ پر "محکمۂ ڈاک کے لئے قابلِ توجہ" نظر سے گذرا۔ آپ لکھیں کہ ہم لکھیں یا میر لکھیں، اِن بے ضمیروں پر کوئی اثر نہ ہوگا۔ یہ اپنی موت آپ مرنے والے لوگ ہیں شکایتوں، مشوروں اور نصیحتوں کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا ہے۔

"مجھے جماعتِ اسلامی سے کس طرح لگاؤ ہوا" کا عنوان کھولنے پر ہماری طرف سے مبارکباد قبول فرمائیں۔ آپ کی اس تجویز سے ہم سو فیصد اتفاق رکھتے ہیں۔ آپ کا یہ ستر ا بہتر ا بھائی بھی اپنی سرگزشت لکھ بھیجے گا۔ انشاء اللہ۔ تاکہ سند رہے "مقصدِ اعلیٰ" میں آپ کے تنکے اوٹ پہاڑ پر آپ کا قلم چوم لینے کو جی چاہا، چونکہ دسترس سے باہر تھا اس لئے سرنامے پر آپ کا نام ہی چوم لیا۔ اپنے رب سے آپ کی مغفرت کی اور اپنے لئے آخرت میں آپ کی رفاقت کی دعا کی۔ غفور الرحیم یہ دونوں باتیں ضرور قبول کریگا۔ ہم اور آپ دونوں ہی ۷۲ سال کے ہیں۔ حیدرآباد میں ملاقات نہ ہوسکی۔ اِس دنیا میں ملنے کی اُمید کم ہی نظر آتی ہے۔ آخرت میں انشاء اللہ ملنے ہی کی نہیں رفاقت کی بھی توقع رکھتا ہوں۔ آپ بھی دعا فرمائیں۔

محترم! السلام علیکم!

نمبر خریداری ۲۱۰۶ پر ماہنامہ حجاب موصول ہوا۔ پہلی فرصت ہی میں اول تا آخر خود پڑھ ڈالا۔ صفحہ ۸۵ پر "انسانیت۔۔ تاریخ کی عدالت میں" بے حد پسند آیا۔ عجیب اور اچھوتا انداز اختیار کیا ہے۔ مضمون طویل ضرور ہو گیا ہے لیکن پورا مقدمہ فیصل ہونے تک اتنے صفحات ہی ضروری تھے۔ اور یہ بھی آپ کی پرکھ، پسند اور تجربہ ہے کہ آپ نے پہلی ہی بار اس کو شائع بھی فرما دیا۔ اس طرح قاری کو پوری بات سمجھنے کے لئے آئندہ ماہ کی قسط کا انتظار نہیں کرنا پڑا جس کے لئے آپ یقیناً شکریہ کے مستحق ہیں۔ محترم ابوالفرعابر صاحب کے پورے پتہ سے مطلع فرمائیے تاکہ ان کو بھی ان کی اس تخلیق اور کاوش پر مبارکباد دوں اور مزید رابطہ قائم کر سکوں۔ انشاء اللہ وہ مستقبل قریب میں ہی ایک عمدہ صاحب قلم ثابت ہوں گے اور عوام کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہونچے گا ان کی اس نوعیت کی اختراعات سے۔ صفحہ ۲۰ پر آپ کا شعر بھی پسند آیا۔

رسالے کی طباعت اگرچہ بہت بہتر ہے پھر بھی کئی جگہ صحت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ مثلاً:۔

صفحہ ۴۰ سطر ۷ کالم ۱ پر 'کا' کے بجائے 'کے' ہونا چاہیے۔

" ۶۷ " ۴ " ۲ 'میں' زائد چھپ گیا۔

" ۸۵ " ۷ " 'بہرہم' کے بجائے 'بہرحال' ہونا چاہیے۔

" ۸۷ " ۲ " 'کبھی کی' 'میں' کی' زائد چھپ گیا۔

" ۱۱۲ " ۹ " 'سایہ سے تک' کے بجائے 'سایہ تک سے' ہونا چاہیے۔

" ۱۱۴ " ۶ " 'اپنی' چھپنے سے رہ گیا۔

پھر بھی یہ کمی نہ ہونے کے برابر ہے۔ صفحہ ۲ پر "مچھلی پکڑنے کا دانہ" والا بدنظمی کا نمونہ بھی قابل گرفت ہے، اچھا کیا جو آپ نے M.G کو شکایت لکھدی۔ صفحہ ۱۲ پر مشورے سے میں اتفاق کرتا ہوں۔ کاش اس تجویز پر غور فرما کر بروئے کار لائیں۔ حجاب جنوری میں خادم کا قطعہ شائع کر دینے پر بیحد مشکور ہوں۔ فقط والسلام۔ ضیاء الاسلام۔ یو۔پی



زندگی سنور سکتی ہے .... اگر

پڑھیں .... انتخاب کے ساتھ
بولیں .... اختصار کے ساتھ
غور کریں .... گہرائی کے ساتھ
مقابلہ کریں .... جرأت کے ساتھ
خدمت کریں .... لگن کے ساتھ
عبادت کریں .... محبت کے ساتھ
بحث کریں .... دلیل کے ساتھ
بات سنیں .... توجہ کے ساتھ
زندگی بسر کریں .... اعتدال کے ساتھ



تحفہ منجانب .... خاکسار رئیس صدیقی

ایمان کی آزمائش

اسلام کے ابتدائی دور کی بات ہے۔ مکہ معظمہ میں جو شخص بھی اسلام قبول کرتا اس پر آفتوں اور مصیبتوں کا ایک طوفان ٹوٹ پڑتا۔ کوئی غلام یا غریب ہوتا تو اُس کو بری طرح مارا پیٹا جاتا تھا۔ کوئی دوکاندار یا کاریگر ہوتا تو اُس کی روزی کے دروازے بند کر دیئے جاتے۔ یہاں تک کہ وہ بھوکوں مرنے لگتا۔ کوئی اُونچے خاندان کا ہوتا تو اُس کے اپنے خاندان والے اس بری طرح تنگ کرتے کہ اُس کی زندگی اجیرن کر دیتے۔

اِن حالات نے ایک سخت خوف اور دہشت کا ماحول پیدا کر دیا تھا اور اس کا اثر یہ تھا کہ بہت سے لوگ اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کے قائل ہو جاتے تھے لیکن اس کے باوجود ایمان لانے کا اقرار کر کے اہلِ ایمان کی جماعت میں شامل ہونے سے ڈرتے تھے۔ اور جو لوگ ایمان لے آئے تھے اُن میں سے بھی کچھ لوگوں میں انسانی فطرت کے اعتبار سے کبھی کبھی بے چینی اور پریشانی کی کیفیت پیدا ہونے لگتی تھی اور یہ سوال اُبھر کر زبانوں تک آ جاتا تھا کہ اب نجانے کب اللہ کی مدد آئے گی۔ جن سخت حالات سے ان اہلِ ایمان کو گذرنا پڑا ہے وہ اپنے ایمان اور اسلام کے اعتبار سے ہم جیسے آج کل کے مسلمانوں سے کہیں زیادہ اُونچا مقام رکھتے تھے۔ بلکہ سچ پوچھا جائے تو آج کل جو ہمارا حال ہے اُس کے اعتبار سے تو اللہ کے ان محبوب بندوں کے مقابلے میں اپنے کو مسلمان کہنا ہی مشکل ہے لیکن اِس کے باوجود ان سخت حالات میں ان مسلمانوں سے جو کچھ کہا گیا وہ یقیناً ہمارے لئے بڑا ہی قابلِ غور ہے۔ قرآنِ پاک کی سورۂ عنکبوت اسی زمانہ میں نازل ہوئی۔ یہ وہ دَور تھا جب انتہائی سخت حالات کی وجہ سے آنحضرتؐ نے کچھ مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دیدی تھی۔ اسی زمانے میں فرمایا تھا۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ o وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ o کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان لوگوں کو آزمایا نہ جائے گا؟ حالانکہ ہم ان سے پہلے لوگوں کی آزمائش کر چکے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ اللہ کو تو ضرور یہ دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون؟

Status Of Woman In Islam

پر

ریڈینس ویکلی دہلی کے فاضل ایڈیٹر کا بے لاگ تبصرہ

مُشکل ہی سے کوئی ایسا دن گذرتا ہوگا جب کہ مسلمان عورت کی حالت پر نام نہاد ٹسوے بہانیوالوں اور اپنے آپ کو عورت کا نجات دہندہ اور ہمدرد کہنے والوں کے قلم سے کوئی نہ کوئی تحریر قومی یا بین الاقوامی پریس کی زینت نہ بنتی ہو۔ یہ پروپیگنڈہ کہ اسلام نہ تو عورت کو اُس کا شایانِ شان مقام عطا کرتا ہے اور نہ ہی اُس کے ساتھ انصاف روا رکھتا ہے، مغرب کا پھیلایا ہوا ہے۔ یہ الزامات تھوپنے کے ساتھ علمائے مغرب نے ایسی کتب بھی تصنیف کی ہیں جن میں جسمانی حیثیت سے مرد اور عورت کو یکساں قرار دیا گیا ہے۔

اِس وجہ سے ہمیشہ سے اِس بات کی سخت ضرورت محسوس کی جاتی رہی ہے کہ ایسی کتب تصنیف کی جائیں جن میں اسلامی معاشرے میں عورت کے صحیح مقام کی وضاحت کی گئی ہو۔ ماضی قریب میں اِس عنوان پر تنقیدی اور تفصیلی پیرایہ میں کچھ کام ہوا ہے۔ اِس میں محمد اسحاق صاحب کی کتاب "اسلامی نظام میں عورت کا مقام" کو ایک اہم مقام حاصل ہے موصوف خواتین کے مشہور اسلامی ڈائجسٹ ماہنامہ "حجاب" کے ایڈیٹر ہیں اور مائل خیرآبادی کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ یہ مصنف کی اُردو کتاب کا ترجمہ ہے اور بلاشبہ ایک شاندار کارنامہ ہے۔ یہ کتاب سب سے پہلے ۱۹۶۲ء میں منظرِ عام پر آئی۔

یہ کتاب اٹھارہ ابواب پر مشتمل ہے اور ہر عنوان اپنے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے۔ پہلے باب میں مصنف نے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام نے عورت کی جو حیثیت متعین کی ہے وہ نہ تو غیر سائنٹیفک ہے اور نہ غیر عقلی، اور یہ بھی کہ عورت اور مرد اپنی مختلف حیثیت کے اعتبار سے مساوی نہیں ہیں۔ دوسرے اور تیسرے باب میں مصنف نے اسلامی نقطۂ نظر سے مرد کی قوامیت اور فوقیت کا تفصیل سے جائزہ لیا ہے۔ اِس امر پر بھی

روشنی ڈالی ہے کہ مغربی ممالک میں عورت کی نام نہاد آزادی کی تحریک کا کس طرح آغاز ہوا اور مشرق میں اُسے کیونکر مقبولیت حاصل ہوئی۔ عورت کے حدود کار کا بھی اس میں تذکرہ کیا گیا ہے۔

ایک معلومات افزا باب علمائے یوروپ کی آراء پر مشتمل ہے مصنف نے قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنے دلائل پیش کرنے اور مختلف اعداد و شمار پیش کرنے سے پہلے خود مغربی مفکرین کی آراء اور بیانات کا ذکر کیا ہے اور یہ انداز صحیح معنوں میں مغرب کی اندھی تقلید کرنے والوں کو زیادہ قابل قبول ہوگا یہ بات بھی نہایت شاندار ہے۔

اس کتاب کے دو ابواب میں خواتین کے فوجی ملازمت کرنے کے بارے میں تذکرہ ہے۔ اس مقام پر مصنف نے مشہور و معروف فوجی جنرلوں کی آراء پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ کتنا گمراہ کن نظریہ ہے کہ عورت اور مرد ہر اعتبار سے برابر ہیں اور عورتیں بھی اُن عہدوں پر کام کر سکتی ہیں جن پر کام کرنے کی صلاحیت صرف مردوں میں ہے۔

آزاد ہندوستان کے پہلے کمانڈر ان چیف نے ۱۹۵۰ء میں امرتسر میں خواتین کے ایک اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:

"دیویو! تم گھر کے کام کاج سنبھالو۔ فوج کے کاموں میں تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے پاس اس کے لئے مردوں کی کمی نہیں ہے۔"

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ۵ ر جنوری ۱۹۵۰ء کو مسلح فوج سے متعلق ایک ہنگامی قانون نافذ کیا گیا جس کے ذریعہ فوج میں عورتوں کی ملازمت پر پابندی عائد کر دی گئی۔

عورت اور مرد کو یکساں مقام پر رکھنے کے بھیانک انجام کا قدرے تفصیل سے تذکرہ کرتے ہوئے مصنف نے سہل لیکن واضح طور پر ان حقوق و فرائض کا ذکر بھی کیا ہے جو اسلام نے عورت کو عطا کئے ہیں۔

اس کتاب کا آخری باب "مسلم خواتین کے شاندار کارنامے" کے عنوان سے ہے جو غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ اسلامی حدود میں رہتے ہوئے کس طرح مسلم خواتین نے عظیم الشان کارنامے انجام دیئے۔ یہ کتاب پڑھ کر قاری اس حقیقت سے پوری طرح مطمئن ہو جاتا ہے کہ عورت اپنے فرائض منصبی انجام دیتے ہوئے بھی شاندار اور قابل فخر مقام حاصل کر سکتی ہے۔

مغرب جو عورت کی آزادی اور برابری کا دعویدار تھا، اب اِس حقیقت سے آشنا ہوتا جا رہا ہے کہ اس آزادی کے نعرے نے خود [illegible] معاشرے کی صحت کو کتنا بڑا نقصان پہونچایا ہے لیکن بدقسمتی ہے ہم اہلِ مشرق کی جن کی آنکھیں مغربی افکار سے چوندھیا گئی ہیں، مغرب کے خطرناک تجربات خود اہلِ مغرب کے غلط افکار کا ثمرہ ہیں، لیکن ہم آنکھ بند کر کے [illegible] اپنا رہے ہیں۔

زیرِ تبصرہ کتاب [illegible] ایک شاہراہ کی طرف اشارہ کرتی ہے، اور یہی اس کی خوبی اور افادیت ہے۔ جہاں تک کتاب [illegible] اردو ترجمہ کا تعلق ہے، مترجم نے اپنی بہترین کوشش سے اس کا حق ادا کر دیا ہے۔ ترجمہ رواں اور بامحاورہ ہے [illegible] عام قاری کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ ترجمہ ہے بلکہ کتاب منفرد تصنیف معلوم ہوتی ہے۔ مترجم نے ایک مشکل [illegible] کو سب آسان کر دیا ہے۔ گیٹ اپ اور طباعت پرکشش ہے لیکن پروف ریڈنگ کی غلطیاں [illegible] کھٹکتی ہیں [illegible] امید ہے آئندہ ایڈیشن ان غلطیوں سے پاک ہوگا۔ (ریڈینس - ۶ جون ۱۹۸۲ء)

مطبوعات مکتبہ حجاب

اسلامی نظام میں عورت کا مقام	اردو	۵ روپیہ
اسلامی سماج میں عورت کا استحصال	ہندی	۶ روپیہ
[illegible]	انگریزی	۷ روپیہ
قرآن [illegible]	اردو	۵ روپیہ
خاتون [illegible]	〃	۳ روپیہ
نقلی شہزادہ	〃	۲.۵۰ روپیہ
شہزادہ [illegible]	〃	۱.۵۰ روپیہ
خلاصۂ خطبات	اردو	۲ روپیہ
آج کے کوہکن	〃	۱.۵۰ روپیہ
نماز کیسے پڑھیں؟	ہندی	۲.۵۰ 〃

تفہیم القرآن الحدید تا الطلاق
قیمت ۵ روپیہ
بھی ہمارے پاس دستیاب ہے

ایران کا [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

آج کا حاتم

میں اس کا اصلی نام نہیں جانتا۔ شاید کوئی نہیں جانتا۔ سب اُسے "آج کا حاتم" ہی کہتے ہیں۔ وہ آج کا حاتم کیسے مشہور ہوا؟ اس کا جواب مجھے اس کے بچپن سے ملا۔ جب وہ اسکول میں پڑھتا تھا۔ اس سلسلے میں دو واقعے بیان کئے جاتے ہیں۔ اول یہ کہ:

ایک دن کلاس ٹیچر نے طلباء سے سوال کیا "تم بڑے ہو کر کیا بننا چاہتے ہو؟" اس کے جواب میں لڑکوں نے اپنے دل کی بات بتائی۔ کسی نے کہا کہ میں ڈاکٹر بنوں گا۔ کسی نے بتایا کہ وہ انجینئر بنے گا کسی نے جواب دیا کہ تاجر بنوں گا اور کسی نے لیڈر بننے کی بات کہی لیکن ایک بچے نے جواب دیا کہ

"میں حاتم بنوں گا"

اس سے پوچھا گیا کہ حاتم کا نام تم نے کس سے سُنا۔ اس نے بتایا کہ ایک کتاب میں حاتم کا قصہ پڑھا تھا۔ حاتم کی نیکیوں کا قصہ پڑھ کر دل میں کہا کہ اگر اللہ نے چاہا تو میں بھی حاتم کی طرح اللہ کے بندوں کی خدمت کروں گا۔

کلاس ٹیچر نے تمام بچوں کو الگ الگ مشورے دیے۔ اس بچے سے کہا کہ اگر تم حاتم بننا چاہتے ہو تو ابھی سے لوگوں کی بے لوث خدمت کرنے لگو۔ بچے نے "بے لوث" کے معنی پوچھے۔ کلاس ٹیچر نے بتایا کہ جس کی خدمت کرو، اس سے بدلہ نہ چاہو۔ یہ بھی نہ چاہو کہ لوگ تمہاری تعریف کریں۔ اور دیکھو

جو تمہارے ساتھ بُرائی کرے اس کے ساتھ بھی تم نیکی کرو۔ جو تم سے کٹے تم اس سے جُڑو۔ اور دیکھو پیارے بچے! تم یہ سب اس لیے کرو کہ تمہارا اللہ تم سے خوش ہو جائے۔ تم اللہ سے یہی دُعا کرنا شروع کر دو۔ کہ اے اللہ! مجھے آج کا حاتم بنا دے۔ اور دیکھو۔ نیکی کر کے چھُپانا کسی سے نہ کہنا کہ میں نے یہ کیا اور وہ کیا۔ یعنی نیکی کر اور دریا میں ڈال والی مثل یاد رکھنا۔

کلاس کی بات آئی گئی ہو گئی۔ دوسرے دن معمول کے مطابق گھنٹے وار مضامین پڑھائے جانے لگے۔ بچے اُس دن کی بات بھول گئے لیکن پھر ایک واقعہ ایسا ہوا کہ یہی بچہ سچ مچ "آج کا حاتم" کہا جانے لگا۔ قصہ یوں ہے اور یہ قصہ اس کے گھر سے مشہور ہوا۔

مہینے کی پندرہ تاریخ کو جب وہ اسکول سے باہر آیا تو سیدھا ماں کے پاس گیا اور کہا "امی! مجھے بہت بھوک لگی ہے۔ کھانا دیجیے"۔ ماں نے اس سے کہا "بیٹے! کھانا تو میں نے تمہارے ساتھ کر دیا تھا۔ تم نے انٹرول میں کھایا نہیں؟

"نہیں امی جان! میں نے نہیں کھایا؟" بیٹے نے جواب دیا۔

"کیا آج کام زیادہ تھا؟ موقع نہ ملا۔ دیکھوں تمہارا ناشتہ دان!"

ماں نے ناشتہ دان دیکھا۔ اس میں کھانا نہیں تھا۔ ماں نے بیٹے کی طرف دیکھا۔

"اس میں کھانا نہیں ہے۔ کیا کسی لڑکے نے چھین لیا تھا؟"

"نہیں امی! کسی نے چھینا نہیں۔ ہمارے اسکول کے بچے بہت اچھے ہیں"۔

"تو پھر کھانا کیا ہوا؟ فرشتے کھا گئے؟ کھانا سڑ گیا تھا؟ تم نے پھینک دیا؟ آج تم کو فیس بھی دی گئی تھی۔ کچھ پیسے اور دیے گئے تھے۔ پھر تم بھوکے کیوں ہو؟"

ماں نے کئی سوال ایک ساتھ کیے تو بچہ بوکھلا گیا۔ اس نے کہا "امی جان! مجھے پہلے کھانا دیجیے پھر میں بتاؤں گا۔

"کھانا اب پکاؤں گی تب ہو گا؟ اچھا میں آٹا گوندتی ہوں۔ تم بتاؤ کیا ہوا؟"

"امی جان ہوا یہ کہ امی جان! یہ ہوا۔ امی جان؛ آج پندرہ تاریخ ہے نا!"

"اچھا، ہاں، آج پندرہ تاریخ ہے۔ آج لڑکوں کی فیس جمع ہو رہی تھی!"

"جی ہاں، امی جان! آپ تو جانتی ہیں۔ امی جان! آپ آٹا نکالئے میں نل سے پانی لے آؤں"

"میں آٹا بھی نکال لاؤں گی اور پانی بھی لے لوں گی۔ تو بتا بھوکا کیوں رہا؟"

"امی جان! آپ کہتی تھیں۔ دیاسلائی نہیں ہے۔ پیسے لائیے۔ میں دوکان سے لے آؤں"

"دیاسلائی ہے تو یہ بتا کہ کھانا کیا ہوا؟"

"امی جان! وہ تو میں بتاؤں گا۔ ابا جان آتے ہوں گے۔ امی جان! ابا جان تو روز میرے لئے بازار سے کوئی نہ کوئی چیز لاتے ہیں نا!"

"ہاں، وہ تو لاتے ہیں لیکن تو یہ بتا کہ کھانا کیا ہوا؟ تو آج ضرور کسی سے لڑا ہے"

"امی جان! آپ نے بتایا ہے کہ لڑنا اور گالی بکنا بُری بات ہے۔ ہے نا امی! تو پھر میں کیوں لڑوں کسی سے امی جان وہ بات! بتاؤں وہ بات؟"

"وہ کیا بات؟ تو آئیں بائیں شائیں کیوں بکتا ہے۔ اصل بات نہیں بتاتا"

"امی! آئیں بائیں شائیں نہیں۔ آپ نے بتایا تھا: جھوٹ بولنے والے سے اللہ میاں ناراض ہوجاتے ہیں!

"اُف فوہ! بات میں بات نکال رہا ہے۔ بتاتا کیوں نہیں؟"

ماں آٹا نکالنے جارہی تھی۔ اس نے تسلہ رکھدیا اور بچے کی طرف بڑھی۔ بچہ سہم کر پیچھے ہٹا۔ وہ سمجھا کہ آج امی ضرور پیٹیں گی۔ وہ روہانسا ہوگیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ "امی مجھے بھوک لگی ہے؟" وہ چیخ پڑا۔

اسی وقت باہری دروازے کے کواڑ کی کنڈی بجی۔ ساتھ ہی آواز آئی: "منے میاں!"

"ابا" بچہ ٹھمک کر دروازے کی طرف بھاگا۔ اور اس کی امی نے بڑھ کر انگیٹھی سنبھال لی۔ پھر جب منے میاں باپ کے ساتھ کیلا کھاتے ہوئے اندر آئے تو سلام کے جواب میں بیوی نے میاں سے کہا

کہ آج اس نے کھانا ضائع کر دیا اور پیسے بھی کہیں کھو دیے اور بھوکا گھر آیا ہے۔ میں پوچھتی ہوں تو بتاتا نہیں۔ آئیں بائیں شائیں بکتا ہے"۔ منّے کے ابا جان صحن میں پڑی ہوئی چھوٹی سی چارپائی پر بیٹھ گئے، اور بیٹے سے پوچھنے لگے۔

"ہاں بیٹے! تم تو بہت اچھے بچے ہو نا! بتاؤ آج بھوکے کیوں رہے؟"

"ابا جان! اب میں بھوکا نہیں ہوں۔ دیکھئے دو کیلے کھائے پیٹ بھر گیا"

ماں مسکرائی۔ بولی: "یہ کائیاں، اسی طرح دیر سے کترا رہا ہے۔ اصل بات نہیں بتاتا۔ اس سے پوچھیے، اس نے کھانا کیا کیا؟ پیسے کہاں کھوئے۔ شاید آج اس نے فیس بھی نہیں دی۔ مجھے کچھ ایسا لگتا ہے کہ یہ کسی سے لڑا ہے۔"

باپ نے بچے کے گال تھپتھپائے۔ پیار کیا اور پوچھا۔

"بیٹے! آج تم اسکول میں بھوکے رہے؟"

"ابا جان!"

"آج تم نے فیس دی کہ نہیں؟"

"ابا جان!....."

"اچھا اچھا! نہ بتاؤ۔ کوئی بات ہوگی"۔ باپ نے کچھ سمجھ کر ٹال دیا۔ اتنی دیر میں بیوی چائے لے آئی، تینوں نے مل کر چائے پی۔ میاں نے بیوی سے کہا "کل میں اسکول جاکر دیکھوں گا کہ بات کیا ہے؟"

دوسرے دن باپ بیٹے اسکول گئے، بچہ کلاس میں چلا گیا اور باپ ہیڈ ماسٹر صاحب کے پاس۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے دیکھتے ہی کہا "عاصم صاحب! آپ کے بیٹے کی فیس کل جمع نہیں ہوئی ہے!"

باپ نے گیارہ روپیہ پچپن پیسے میز پر رکھ دیے اور کہا کہ بچہ کل بارہ روپیہ لے کر اسکول آیا

تھا۔ اس نے انٹرول میں کھانا بھی نہیں کھایا اور اس کے ناشتہ دان میں بھی کھانا نہیں تھا!

ہیڈ ماسٹر صاحب عاصم صاحب کو لیے ہوئے بچے کے کلاس میں گئے۔ کلاس ٹیچر سے پوچھا کلاس ٹیچر نے ایک لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔ "رمیش! بتاؤ کل کیا ہوا تھا؟"

بارہ برس کا رمیش اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا۔ اس نے بتایا کہ وہ فیس نہیں لایا تھا اور بھوکا بھی تھا۔ وہ رو رہا تھا اور اسے نام کٹ جانے کا ڈر تھا تو منے میاں نے اپنی فیس اُسے دیدی اور کھانا بھی کھلا دیا تھا۔ اور وہ خود بھوکے گھر گئے۔

یہ سُنکر ہیڈ ماسٹر صاحب نے منے میاں کو گلے لگایا اور وہیں کلاس کے سامنے کہا۔ "عاصم صاحب! آپ کا بیٹا حاتم نکلا۔ آج ایسے لوگ کہاں۔ یہ تو آج کا حاتم ہے۔

عاصم صاحب گھر لوٹے۔ بیوی سے سارا حال کہا اور کہا کہ آج صدقہ کرو۔ تمہارا بیٹا بڑا ہو کر حاتم بنے گا ان شاء اللہ۔ بس اسی دن سے وہ "آج کا حاتم" مشہور ہو گیا۔ بچے سے پوچھا گیا کہ تم نے ماں کو بتایا کیوں نہیں؟ تو بچے نے جواب دیا کہ ماسٹر صاحب نے نیکی کر کے چھپانے کو کہا تھا۔ کہا تھا کہ نیکی کر اور دریا میں ڈال۔

ماں نے بڑھ کر بیٹے کو گلے سے لگا لیا اور اسی وقت صدقے کا کھانا محلے کے ایک غریب کو بھجوا دیا۔ میاں نے بیوی کو بتایا کہ ہمارے بیٹے نے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر عمل کیا ہے کہ "داہنے ہاتھ سے دو اور بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو۔"

(۲)

آج کا حاتم بڑھتا رہا۔ وہ گھر سے ہر روز جو دس پیسے پاتا تھا اس کی کوئی چیز لیتا تو اپنے کسی نہ کسی دوست کو بھی کھلاتا۔ اس نے ایک کام اور کیا۔ جو بچے کمزور تھے۔ ان کو تعلیمی سہارا دیتا۔ کبھی سوال سمجھا دیتا۔ کبھی اور کوئی جواب حل کرا دیتا۔ اس طرح علم کی وہ مثل اس پر صادق آئی کہ علم بانٹنے سے بڑھتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ جونیر ہائی اسکول میں اوّل نمبر پاس ہوا اور شہر کے مشہور امانت انٹر

کالج میں اس کا داخلہ بغیر مقابلے کے ہوگیا۔ امانت انٹر کالج میں اس وقت مسٹر جگناتھ پرنسپل تھے۔ ان کا بیٹا وشوناتھ نہایت ذہین اور محنتی تھا۔ گھر پر پرنسپل صاحب ہوم ورک میں اس کی مدد کرتے تھے اس لیے کلاس بھر میں وہ نمایاں تھا۔ وشوناتھ کی ٹکر کا اگر کوئی لڑکا تھا تو وہ تھا "آج کا حاتم" پھر جب سالانہ امتحان (فرسٹ ایر) میں آج کے حاتم نے پہلی پوزیشن حاصل کرلی اور وشوناتھ کی پوزیشن دوم رہی تو اس کو آج کے حاتم سے حسد پیدا ہوگیا۔ یہ بات آج کا حاتم نہ جان سکا۔ وہ وشوناتھ کی بہت قدر کرتا تھا۔ اور اسے شکایت کا کوئی موقع نہیں دیتا تھا لیکن جیسے جیسے آج کا حاتم اس سے مل جُل کر پیش آتا۔ وہ اس سے دور ہوتا جارہا تھا۔

ہر طرح کوشش کرکے وشوناتھ کو یہ یقین ہوگیا کہ وہ آج کے حاتم کے مقابلے میں کسی طرح بھی پوزیشن نہ لاسکے گا۔ اس کے دل میں حسد کی آگ اور بھی بھڑکی۔ اس نے ایک خطرناک منصوبہ بنایا کہ کسی طرح آج کے حاتم کو سکنڈ ایر کے امتحان ہی میں شامل نہ ہونے دے۔ اس نے اس سے میل بڑھانا شروع کردیا۔ آج کا حاتم اس کی محبت کا بھوکا تھا ہی۔ وہ بھی کھلے دل سے اس سے محبت کرنے لگا۔ پھر جب امتحان کے دن قریب آئے تو دونوں نے طے کیا کہ سال بھر کے تمام نوٹس مل جُل کر دُہرائے جائیں۔ اس کے لیے دریا کے کنارے ایک گوشہ چُنا گیا۔ دونوں اسی گوشے میں بیٹھ کر تیاری کرنے لگے۔ تیاری کی آخری تاریخ تک لیے بڑی لگن کی تھی۔ وہ رات گئے تک کسی سبق پر بحث کرتے رہے۔ پھر جب اُٹھے اور آج کے حاتم نے کھڑے ہوکر انگڑائی لی تو وشوناتھ نے اُسے دھکا دے کر دریا میں ڈھکیل دیا۔ اور گھر بھاگ آیا۔

دوسرے دن امتحان تھا۔ وشوناتھ بڑے اطمینان کے ساتھ امتحان کے پرچے حل کرنے گیا لیکن وہ بڑے باپ کا بیٹا تھا۔ دل میں چور تھا۔ وہ پرچے کے سوالات کے جوابات حل کررہا تھا اور اس کی آتما بار بار اُسے لعنتی قرار دے رہی تھی۔ جب وہ پرچہ حل کرکے گھر کو چلا تو راستے میں خبر سُنی کہ آج کا حاتم اسپتال میں ہے۔ وہ چلتے چلتے رُک گیا اور تھوڑی دیر کسی سوچ میں کھڑا

رہا۔" وہ کیسے بچ گیا؟" آگے بڑھا تو اس نے سنا کہ آج کا حاتم دریا میں بہتا جا رہا تھا۔ رات کے گشتی سپاہیوں نے اُسے ندی سے نکالا اور داخل اسپتال کردیا۔

اب وشوناتھ بہت پریشان ہوا۔ پول کھلنے کے ڈر سے وہ گھر بھی نہ گیا۔ وہ اس سوچ اور فکر میں تھا کہ معلوم کرے۔ آج کے حاتم نے کیا رپورٹ دی ہے۔ وہ سیدھا اپنے ایک ساتھی جلال کے پاس گیا۔ جلال سے معلوم ہوا کہ آج کا حاتم پل سے پھسل گیا اور دریا میں جا رہا۔ یہی اس کا بیان ہے۔ اب وشوناتھ کو اطمینان ہوا لیکن اب یہ اطمینان اُسے اور زیادہ پریشان کیے دے رہا تھا۔ حسد میں اس نے ایک خوفناک قدم اٹھا تو دیا تھا مگر آتما کی پھٹکار اس پر پڑ رہی تھی۔ وہ اسی پھٹکار میں امتحان دیتا رہا۔ آج کا حاتم کئی پرچوں میں غیر حاضر رہ کر امتحان دینے جانے لگا۔ وہ وشوناتھ کے قریب ہونے کی اب بھی کوشش کرتا رہا۔ لیکن وشوناتھ کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ اس سے آنکھ ملائے امتحان کے دن ختم ہو گئے۔ امتحان کے بعد وشوناتھ اپنے ننہال چلا گیا۔ آج کا حاتم چاہتا تھا کہ وشوناتھ سے کہہ دے کہ جو کچھ ہوا، وہ اللہ کی مشیت سے ہوا۔ اس واقعہ کو زیادہ محسوس کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ وشوناتھ کے گھر گیا۔ پرنسپل جگناتھ جی اور انکی پتنی نے اُسے گھر کے اندر بلا لیا۔ چاچی اس سے بڑے پیار سے پیش آئیں۔ اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔ چاچی ہی سے معلوم ہوا کہ وشوناتھ ننہال گیا ہے اور نہ جانے کیا بات ہے کہ وہ کھویا کھویا سا رہتا ہے؟" چاچی نے اُسے بتایا کہ اب وہ رزلٹ آؤٹ ہونے کے بعد فنکشن کے دن آئے گا۔

خدا خدا کر کے انتظار کے یہ دن کٹے۔ رزلٹ لسٹ میں آج کے حاتم کا نام نہ تھا۔ وہ فیل تھا۔ اس کے فیل ہونے پر کسی کو تعجب بھی نہیں ہوا۔ سب جانتے تھے کہ وہ کئی پرچوں میں غیر حاضر رہا تھا وشوناتھ فرسٹ ڈویژن پاس ہوا اور فرسٹ پوزیشن لایا۔ اس پر بھی کسی کو تعجب نہیں ہوا۔ سب جانتے تھے کہ اس کا حریف اس کے مقابلے میں آیا ہی نہیں۔

وشوناتھ فنکشن کے ایک ہفتہ پہلے گھر آیا لیکن اس حالت میں کہ وہ بخار میں مبتلا تھا۔ آج کا حاتم

اس سے ملنے گیا تو وشوناتھ نے ملنے سے انکار کر دیا۔ آج کا حاتم کچھ پھل اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ وہ اس نے چاچی کو دیدیے اور مبارکباد کا کارڈ دے کر چلا آیا۔ چاچی حیران تھیں کہ وشوناتھ اپنے دوست سے کیوں نہیں ملا؟

اسکول میں جلسے کی تیاری بڑی دھوم دھام سے ہو رہی تھی۔ جلسہ اتوار کے دن تھا۔ شہر کے بڑے آدمی اور سبھی حکام بلائے گئے تھے اور قریب قریب سب ہی آئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں وشوناتھ کے لیے تحفوں کے پیکٹ تھے۔ صدر جلسہ سید صادق حسین صاحب ایم۔ ایل۔ اے تھے۔ انہی کے ہاتھوں انعام پانے والے لڑکوں کو انعام تقسیم کیا گیا۔ وشوناتھ کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ جلسے میں آنا نہیں چاہتا تھا لیکن بہت کہنے سننے کے بعد آیا۔ وہ بہت اُداس تھا۔ جس وقت وہ آیا سیٹیں بھر چکی تھیں۔ اس نے آخری سیٹ پر آج کے حاتم کو بیٹھے دیکھا۔ وشوناتھ نے اس کی طرف سے نظر ہٹا لی۔ اسے اس جگہ بلا لیا گیا جہاں انعام پانے والے لڑکے بیٹھے تھے۔ اس کے چہرے سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ دیر تک روتا رہا ہے۔

پہلے انعام کے لیے اس کا نام پکارا گیا۔ پرنسپل صاحب اس کی شیلڈ اور دیگر انعام صدر صاحب کی طرف بڑھا رہے تھے لیکن وشوناتھ اپنی جگہ سے نہ اٹھا۔ اس کا نام پھر پکارا گیا۔ اس کے دوستوں نے اُسے اُٹھایا۔ وہ مرے مرے پیروں، اُداس اُداس اُٹھا۔ صدر صاحب کے پاس گیا۔ جس وقت اس نے انعام لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ شیلڈ اس سے نہ سنبھلی۔ زمین پر گر گئی۔ لوگوں نے دیکھا کہ اس نے ایک لفافہ صادق حسین صاحب کو دیا اور واپس آ کر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ آزردہ دل آزردہ کند انجمنے۔ جلسے میں اُداسی پھیل گئی۔ صدر صاحب نے چند منٹ کے لیے کارروائی روک دی۔ لفافے سے خط نکال کر پڑھنے لگے۔ خط پڑھ کر لمبی سانس لی۔ لفافہ جیب میں رکھ لیا۔ دیگر انعام تقسیم کیے پھر سارے پروگرام کے تمام آئٹم منسوخ کر کے خود تقریر کرنے کھڑے ہو گئے۔ سامعین سمجھ گئے کہ آج کوئی عجوبہ سامنے آنے والا ہے۔

صادق حسین صاحب نے مجمع کو مخاطب کرکے تقریر شروع کردی۔ انھوں نے لفافہ جیب سے نکال لیا۔ سامعین میں سے پرنسپل صاحب کو خاص طور پر مخاطب کیا اور کسی تمہید کے بغیر فرمایا۔ "بڑے باپ کا بیٹا بھی بڑا ہی ہوتا ہے"۔ پھر انھوں نے لفافہ بلند کرتے ہوئے فرمایا۔ یہ وشوناتھ کا خط ہے۔ اس میں جو کچھ لکھا ہے اس کا نفس مطلب میں بتانا چاہتا ہوں لیکن اس سے پہلے وشوناتھ سے کہتا ہوں کہ وہ میرے پاس آکر کھڑا ہو جائے۔

وشوناتھ اٹھا۔ وہ صدر صاحب کے پاس سر جھکا کر جا کھڑا ہوا۔ صدر صاحب نے بتایا کہ عظیم باپ کے اس عظیم بیٹے نے اس خط میں لکھا ہے کہ وہ آج کے حاتم کی تعلیمی استعداد سے ہمیشہ مرعوب رہا اور پہلی پوزیشن حاصل کرنے کے لیے اس نے امتحان کے دنوں میں اپنے حریف کو دریا میں ڈھکیل دیا تھا تاکہ وہ امتحان میں شریک نہ ہو سکے۔

اس کے بعد صدر صاحب نے فرمایا کہ میں اس شخص کو عظیم آدمی سمجھتا ہوں۔ جو اپنی غلطی تسلیم کرلے۔ دراصل تعلیم کا منشا امتحان پاس کرلینا نہیں ہے بلکہ ایسا انسان بننا ہے جیسا وشوناتھ ہے۔ میں پرنسپل صاحب کو مبارکباد دیتا ہوں کہ ان کے گھر ایسا چراغ ہے جو آگے چل کر روشنی پھیلائے گا۔

صادق حسین صاحب اپنی تقریر میں کہہ رہے تھے کہ:۔

"اور وشوناتھ سے عظیم وہ لڑکا ہے، جو اس امتحان میں فیل ہو چکا ہے اور پیچھے بیٹھا ہے۔ آپ صاحبان اُسے آج کے حاتم کے نام سے جانتے ہیں۔ وہ واقعی آج کا حاتم ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ جناب عاصم حسین صاحب کو غریب آدمی سمجھ کر اس جلسے میں نہیں بلایا گیا۔ میں یہیں سے عاصم صاحب کو یہ مبارکباد دینے جاؤں گا کہ آپ کے بیٹے نے ایک دوسرے طالب علم کے لیے بڑی قربانی پیش کی۔ اس نے دریا میں گرنے کے حادثہ کو راز میں رکھا اور وشوناتھ کا نام تک نہیں لیا۔

تقریر ختم کرکے انھوں نے آج کے حاتم کو پاس بلایا تو وشوناتھ اس سے لپٹ کر خوب رویا۔ صدر صاحب

اُٹھ کھڑے ہوئے۔ پرنسپل صاحب سٹی مجسٹریٹ اور کچھ حکام ساتھ چلے۔ عاصم صاحب کے پاس پرنسپل صاحب نے آدمی دوڑا دیا۔ وہ استقبال کو آئے۔ سب کو گھر لے گئے۔ فرش پر سب کو بٹھایا اور اپنی قسمت پر فخر کرتے ہوئے یہ شعر پڑھا۔

وہ آئیں گھر پہ ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

عاصم صاحب نے غریبا مئوسب کی خاطر کی۔ پھر جب صادق صاحب اُٹھے تو انھوں نے کہا کہ آج سے "آج کا حاتم" میرا بیٹا ہے۔ آج سے میں اس کا کفیل ہوں۔ یہ کہہ کر وہ اپنے گھر چلے گئے۔ شام کو عاصم صاحب کے گھر تحفوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے اور دروازے پر "آج کا حاتم" "زندہ باد" کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ وشوناتھ، پرنسپل صاحب اور ان کی پتنی آج عاصم صاحب کے گھر مہمان تھے۔ "آج کا حاتم" وشوناتھ سے کہہ رہا تھا: ؎

اے ذوقؔ کسی ہمدم دیرینہ کا ملنا
بہتر ہے ملاقاتِ مسیحا و خضر سے!

(۳)

شہر میں ہر طرف یہی بات چیت ہو رہی تھی کہ اللہ کی مصلحت کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ کون جانتا تھا کہ آج کے حاتم نے وشوناتھ کے لیے جو قربانی دی اور پھر وشوناتھ نے اس کے ساتھ جو کچھ کیا۔ اس کا بدلہ اس دنیا میں یہ ملے گا کہ سید صادق حسین جیسا رئیس شہر کسی درخواست کے بغیر آپ سے آپ آج کے حاتم، کا کفیل بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے دوسرا بدلہ یہ دیا کہ سارا شہر آج کے حاتم کا گرویدہ ہو گیا۔ وشوناتھ، اس کے پتا پرنسپل صاحب اور پرنسپل صاحب کی پتنی یعنی آج کے حاتم کی چاچی نے ایک کمرہ خاص اس کے لیے کر دیا تھا۔ جس میں وہ وشوناتھ کے ساتھ اسٹڈی کیا کرتا۔ پرنسپل صاحب نے

ل میں طے کر لیا تھا کہ وہ تعلیم کے سلسلے میں ہر اتوار کو ایک گھنٹہ ضرور دیں گے اور اس سال آج کے حاتم کو صوبے میں ٹاپ کرنا ہے۔

باپ عاصم صاحب کی دعا، سید صادق حسین رئیس کی سرپرستی پرنسپل صاحب کی رہنمائی اور آج کے حاتم کی محنت کا پھل سامنے آیا۔ سچ مچ اس نے ٹاپ کیا۔ وہ سارے صوبے میں اول نمبر پر آیا۔ یہ دیکھ کر سید صاحب نے اُسے علی گڑھ یونیورسٹی میں داخلہ دلا دیا۔ وہاں اُسے تین وظیفے ملے۔ تین ہزار سالانہ کا وظیفہ یونیورسٹی کی طرف سے مقرر ہوا۔ چھ سو روپیہ سالانہ کا وظیفہ لیاقت انٹر کالج نے مقرر کیا۔ اور ریاست کے شعبہ ترقی تعلیم نے دو ہزار چار سو روپیہ سالانہ کا اعزازی وظیفہ منظور کیا۔

یہ چھ ہزار کی یافت ہوئی تو عاصم حسین صاحب نے دبے لفظوں میں سید صادق حسین صاحب سے عرض کیا کہ یہ اللہ کا فضل ہوا، اب کسی اور امداد کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سُن کر صادق حسین صاحب نے عاصم صاحب کو ڈانٹ دیا۔ ہرگز نہیں، میں اپنا ہاتھ آج کے حاتم کی سرپرستی سے نہیں روکوں گا۔ میں کہہ چکا ہوں کہ آج کا حاتم میرا بیٹا ہے۔ یہ جو وظیفے اُسے ملے ہیں اس کو چاہیئے کہ بنک میں جمع کرتا رہے۔ کون جانے کل صادق حسین زندہ رہے گا یا نہیں؟

اس کے جواب میں عاصم صاحب کچھ کہنا چاہتے تھے "لیکن خدا تو" انکی زبان سے پورا جملہ ادا بھی نہ ہو سکا کہ ڈاکیہ آگیا۔ عاصم صاحب خاموش ہو گئے۔ سید صاحب ڈاک لے کر دیکھنے لگے۔ ڈاک دیکھتے دیکھتے ایک لفافے پر نظر پڑی۔ جھٹ اسے اٹھا لیا۔ کھولا۔ پڑھا۔ پھر عاصم صاحب کی طرف بڑھا دیا۔ یہ دیکھئے "آج کا حاتم کیا لکھتا ہے؟"

عاصم صاحب خط پڑھنے لگے۔ القاب و آداب کے بعد مضمون یہ تھا کہ یہاں آسٹریلیا کی ایک کرسچین لڑکی ایرنا زیر تعلیم ہے۔ وہ نہایت ذہین اور محنتی ہے۔ اس کے والد کا انتقال آسٹریلیا میں ہو گیا تو بے چاری کے لیے رقم آنا بند ہو گئی۔ وہ تعلیم چھوڑ کر گھر جانے والی تھی لیکن

میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ تعلیم پوری کرلے۔ میں جو وظیفہ ہر ماہ پاؤں گا وہ تم کو دیدونگا۔
میں آپ سے اور ابا جان سے توقع رکھتا ہوں کہ گو میں نے آپ دونوں کے مشورے کے بغیر یہ اقدام کیا ہے۔ پھر بھی آپ دونوں بزرگ خوش ہوں گے اور مجھے دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔ میں یہ بھی امید کرتا ہوں کہ آپ میرے اس خط کے مضمون کو عام نہیں کریں گے میں نے ایرنا سے بھی کہہ دیا ہے کہ وہ بھی کسی سے نہ کہے۔
" الحمد للہ " دونوں بزرگوں کی زبان سے نکلا۔ سید صاحب نے جواب با صواب لکھا ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ یونیورسٹی کے حالات لکھتا رہے۔ آج کا حاتم ہر ماہ خط بھیجتا۔ اس کے خط میں یہ بات خاص طور پر ہوتی کہ یونیورسٹی اخلاقی حیثیت سے پستی کی طرف جا رہی ہے۔ یہاں تین قسم کے ذہن پائے جاتے ہیں۔ ایک ذہن کمیونسٹوں کا ہے جو کسی اخلاقی قدر کا قائل نہیں ہے اور وہی چھایا ہوا ہے۔ اس کا طریق کار توڑ پھوڑ اور بگاڑ ہے اور پالیسی یہ ہے کہ مزدوروں کو مالداروں سے ٹکرا کر اپنا سیاسی اقتدار حاصل کرلے۔ اس کے مقابلے میں اسلامی ذہن کے کچھ طلبا اور دو ایک لیکچرر ہیں۔ یہ تعداد میں بھی تھوڑے ہیں۔ ان کی پشت پناہی کرنے والی ملک میں کوئی جماعت بھی نہیں ہے۔ ان کے پاس اپنا کچھ اسلامی لٹریچر ہے۔ چاہتے ہیں کہ کسی طرح یہ لٹریچر عام ہو جائے یہ پرامن لوگ ہیں۔ اصول پسند ہیں۔ بھولے بھالے اور سیدھے سادھے ہیں۔ کمیونسٹوں کے مقابلے میں یہ اسلامی ذہن کی برکتوں کا ذکر کرتے ہیں اور خلافت راشدہ کو بطور نمونہ پیش کرتے ہیں یونیورسٹی میں یہ رجعت پرست اور گدھے کہے جاتے ہیں۔
ایک تیسرا گروہ ہے۔ یہ ہر حالت میں سرکاری پالیسی کا ہمنوا ہے۔ یونیورسٹی کے اکثر ذمہ دار صاحبان سرکار کی چشم و ابرو کے اشاروں پر عمل کرتے ہیں۔ ان کی پالیسی عجیب ہے۔ اسلام پسندوں کے مقابلے میں یہ صاحبان کمیونسٹوں سے ساز باز رکھتے ہیں لیکن کمیونسٹوں اور سرکار کی ٹکر ہوتی ہے تو گورنمنٹ کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ والسلام۔ آپ کا " آج کا حاتم "

عاصم صاحب نے خط پڑھ کر سید صاحب کو دے دیا۔ سید صاحب نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں، اسے لکھ دوں کہ وہ وہاں تعلیم حاصل کرنے گیا ہے۔ اُسے اس کے علاوہ کسی اور شئے سے دلچسپی نہ ہونا چاہیئے۔ ٹھیک ہے نا عاصم صاحب! عاصم صاحب نے رائے دی کہ اُسے لکھا جائے، وہ اسلامی ذہن رکھنے والے گروہ سے تعاون کرے۔ اگر وہاں اسلامی ذہن کے طلبا نہ پیدا ہوئے تو اسکے مسلم یونیورسٹی ہونے کے معنی کیا اور اگر کمیونسٹ آگئے تو ہمیں کیا پڑی ہے کہ ہم اپنے بچوں کو وہاں بھیں، یا اور بہت سے کالج اور یونیورسٹیاں ہیں۔ ملک خدا تنگ نیست۔

سید صاحب نے ایک لمبی سانس بھری۔ بڑھا کر رہوں ۔ ۔ ۔ ۔ "کہی۔ پھر خط لکھا اور اس میں اپنی رائے بھی لکھدی اور عاصم صاحب کی بھی۔ لفافہ بند کیا اور پوسٹ کر دیا۔

دوسرے سال آج کے حاتم نے پھر ایک اخلاقی کارنامہ انجام دیا۔ ایرنا کے لیے بالکل اسی طرح کی قربانی پیش کی جیسی اس نے وشونا تھ کے لیے کی تھی۔ ہاں دونوں کہانیوں میں قدرے فرق محسوس کیا جا سکتا ہے۔

ایرنا کی کہانی یوں ہے کہ اُسے ایک سکھ لڑکے سے محبت ہوگئی۔ لڑکا رئیس گھرانے کا تھا۔ لڑکا بھی ایرنا کی طرف مائل ہوگیا۔ لیکن اس کی شرط یہ تھی کہ وہ یونیورسٹی میں ٹاپ کرے تو شادی ہو سکتی ہے۔ ایرنا نے دل میں سوچ لیا تھا کہ وہ جان توڑ کوشش کرے گی۔ اور اس سے شادی کر کے رہے گی۔ اور اس کے لیے اپنا مذہب بھی تبدیل کر کے سکھ دھرم قبول کرے گی۔ لیکن امتحان سے دو ماہ قبل اس کو اندیشہ پیدا ہوگیا کہ آج کا حاتم اس کا راستہ روک رہا ہے۔

آج کا حاتم ایرنا کا محسن تھا۔ وہ اسے پانچسو روپیہ ماہانہ وظیفے کی رقم دے دیتا تھا۔ ایرنا اتنی پست ذہن کی بھی نہ تھی کہ اس کے دل میں حریف کے بارے میں حسد پیدا ہوتا۔ وہ آسٹرین ہوتے ہو۔ ۔ ۔ تلاتی قدروں کو پسند کرتی تھی۔ آج کا حاتم اس کے پسندیدہ لوگوں میں پسند یدہ نہ تھا۔ ۔ اس نے نہایت ہی سادہ لیکن حسین طریقہ اختیار کیا۔ امتحان کے

پندرہ دن باقی تھے کہ ایک دن وہ اس سے تنہائی میں ملی۔ اس نے لجاجت کے ساتھ اپنی محبت کی کہانی سنائی۔ اس کے بعد سکھ نوجوان کی شرط بھی بتادی۔ پھر یہ اندیشہ بھی صاف صاف بیان کردیا کہ میں آپ کے مقابلے میں نمبر نہ لاسکوں گی۔ آپ حاتم ہیں۔ میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ آپ اس سال امتحان نہ دیں تو مجھے توقع ہے کہ ٹاپ کرلوں گی۔ آپ اگلے سال ٹاپ کرلیجیے۔

آج کا حاتم ایرنا کی کہانی سنتا رہا۔ پھر اُسے ڈھارس بندھائی۔ اس کے بعد کہنے لگا مجھے جو کچھ تعلیم حاصل کرنا تھی وہ کتابی تعلیم تو حاصل کرچکا۔ مجھے سرٹیفکٹ کی چنداں ضرورت بھی نہیں ہے۔ اب میں مزید اپنے خاص مطالعہ سے تعلیم حاصل کرلوں گا۔ آپ نے مجھے دیر میں بتایا۔ اگر آپ پہلے سے بتادیتیں تو میں آپ کے لیے فارغ ہوجاتا۔ میرا وقت بچتا۔ اسے میں اپنے ذاتی مطالعہ میں لگاتا۔ خیر۔ ہر بات کے لیے وقت مقرر ہے۔ آپ اطمینان رکھیں۔ میں امتحان نہیں دونگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مراد پوری کرے۔

یہ کہہ کر آج کا حاتم اٹھا۔ اس نے اپنی میز پر سے ایک کاپی اٹھائی۔ دراصل یہ اس کے نوٹس تھے۔ جو اس نے امتحان کی کامیابی کے لیے تیار کیے تھے۔ اس نے یہ نوٹس ایرنا کو دے دیے۔ ایرنا یہ ایثار دیکھ کر آنکھوں میں عقیدت کے آنسو بھر لائی۔ اس نے چاہا کہ آج کے حاتم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چوم لے لیکن آج کے حاتم نے اس کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیا۔

ایرنا سلام کرکے چلی گئی۔ دوسرے دن ایرنا نے آج کے حاتم کو یونیورسٹی میں دیکھا ضرور۔ دوسرے لوگوں نے بھی دیکھا۔ لیکن اب اس کا زیادہ وقت یونیورسٹی کی لائبریری میں گزرتا تھا۔ پہلے تو کسی نے محسوس نہیں کیا۔ پھر ساتھیوں نے پوچھا کہ امتحان کے دن باقی ہیں۔ اور تم لائبریری کے کیڑے بنے جارہے ہو جب کہ یہ وہ دن ہیں جب امتحان

میں پاس ہونے کی دھن میں طلبہ و طالبات سب بھوک پیاس بھی بھول جاتے ہیں۔
آج کا حاتم جواب دیتا۔ میں امتحان کی تیاری سے غافل نہیں ہوں بلکہ میں اس سے بھی بڑے امتحان کی تیاری کر رہا ہوں ؛؛
یہ اس کا وہ جواب تھا جو آدھا چوتھائی کسی کی سمجھ میں آتا اور کسی کی سمجھ میں بالکل نہ آتا۔
یونیورسٹی میں ایرنا اور سکھ نوجوان کی محبت کے چرچے تھے۔ لوگوں کو سکھ نوجوان کی شرط کا بھی علم تھا۔ سب کی زبان پر یہ جملہ تھا " بھئی، دیکھیے، محبت کا انجام کیا ہو۔ آج کا حاتم ایرنا کی راہ میں پہاڑ کی طرح کھڑا ہے اس سے ٹکر لینا ایرنا کے بس کی بات نہیں۔
لوگ یہ بھی محسوس کرتے کہ ایرنا بہت مطمئن اور خوش ہے۔ ایرنا نے سکھ نوجوان کو یقین دلا دیا تھا کہ ضرور ٹاپ کرے گی۔ سکھ نوجوان نے آج کے حاتم کا اندیشہ ظاہر کیا تو ایرنا نے کہہ دیا کہ مجھے اس سے اندیشہ نہیں۔
سکھ نوجوان ایرنا کے حوصلے پر دنگ تھا۔ اس کے دل میں ایرنا کی اولوالعزمی نے جگہ پیدا کی اور راس ناتے اس کے دل میں ایرنا کی محبت بڑھنے لگی۔
ادھر آج کا حاتم اپنی سوچ اور فکر کی مناسبت سے اسلام پسند طلبہ کی تنظیم سے وابستہ ہوگیا۔ ان کے اجتماعات میں باقاعدگی سے جانے لگا۔ پھر جب امتحان کے دو دن باقی تھے وہ اس تنظیم کے مرکز کی طرف روانہ ہوگیا۔ ایرنا کو معلوم ہوا تو اس نے سکھ نوجوان سے کہا کہ دیکھا! میں نہ کہتی تھی کہ :

جو کام کیا اس نے وہ رستم سے نہ ہوگا

(باقی آئندہ)

وجدان

مائل خیرآبادی

وجدان کے معنی ہیں 'پالینا'، کسی چیز کا سامنے ہونا (یعنی وجود)۔ لیکن 'پالینا' سے وجدان کا پورا مطلب سامنے نہیں آیا۔ اصل معنی ہیں 'یقین کے ساتھ پالینا، اس طرح پالینا گویا چیز کا پورا پورا علم ہوگیا'۔ پالینے یعنی وجدان میں اعلیٰ درجہ کی سوجھ بوجھ اور دل کی روشنی کا حصہ بھی شامل ہوتا ہے جو اس پائی ہوئی چیز پر اتنا یقین دلا دیتی ہے کہ وہی انسان کا عقیدہ بن جاتا ہے۔

انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے ساری قوتوں سے بہترین، لطیف اور اعلیٰ درجہ کی جو قوت رکھی ہے وہ وجدان ہے۔ جہاں انسان کی عقل تھک جاتی ہے، جہاں آدمی کی نظر نہیں پہونچ سکتی، وہاں وجدان ہی انسان کو سنبھالتا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ خدا تک وجدان ہی انسان کو پہونچاتا ہے۔ اسلام کی دولت بھی وجدان کی بدولت حاصل ہوتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے عقل اور وجدان کا فرق اپنے شعر میں بڑی خوبی سے بتایا ہے۔ فرمایا ؎

بے دھڑک کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل تھی محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

اس شعر میں عشق یعنی وجدان ہی کے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کو وجدان کا اعلیٰ درجہ کا مرتبہ حاصل تھا۔ وہ اس کے سہارے آگ میں کود پڑے۔ عقل سے سوچتے تو بہت سے اندیشے سامنے آتے (ورنہ جانے کام کرنے کا وقت آتا یا نہ آتا۔ ایک جگہ علامہ صاحب نے کھل کر فرمایا ؎ عقل عیار ہے سو بھیس بنالیتی ہے۔

ہم نیچے کچھ واقعات درج کرتے ہیں۔ ان سے وجدان اچھی طرح سمجھ میں آجائے گا۔ واقعات سے پہلے یہ عرض کردیں کہ جو لوگ عقل سے خدا کو پہچاننا چاہتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ اکبر الہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے ؎

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے پر سرا ملتا نہیں

مطلب یہ کہ اللہ وجدان کی بدولت ملتا ہے اور یہ وجدان کسی خاص بات سے متاثر ہوکر ابھرتا ہے۔ اب

ملاحظہ ہوں مثالیں اور واقعات :

۱

اُردو کے بہت بڑے ادیب اور علم کے دریا اور تاریخ اسلام کے بہترین نقاد حضرت مولانا شبلیؒ کے آباد اجداد یعنے پُرکھے راوُت قوم کے تھے (راوُت قوم راجپوتوں کی ایک شاخ ہے) ۔ اکبر الہ آبادی نے علامہ شبلی کے علمی و ادبی کارناموں پر اُن کے راوُت ہونے کی طرف بڑی خوبی سے اشارہ کیا ہے :

" بھائی شبلی ہیں تیز رَوتارا " ۔ (رَوتار یعنی راوت)

راوُت خاندان کی دو شاخیں دو بھائیوں سے چلیں ۔ یہ دونوں مسلمان ہو گئے ۔ اعظم گڑھ کے اِردگرد یہ مسلمان باعزت ہیں اور ان میں اچھے اچھے علماء ہیں ۔ ایک بھائی کے مسلمان ہونے کا قصہ یوں ہے :

ان کی ایک بیٹی تھی ۔ نہایت حسین وجمیل اور خوبصورت جسم کی اور بہت ہی شرمیلی ۔ اس لڑکی کا عین جوانی میں انتقال ہو گیا ۔ اُسے ریشمی کفن دے کر جب آگ دی گئی تو کپڑا لمحہ بھر میں جل گیا اور لڑکی کا خوبصورت جسم ننگا نظر آنے لگا ۔ باپ یہ دیکھ کر بہت ہی شرمندہ ہو رہا تھا ۔ اُس نے اپنی نظریں پھیر لیں ۔

ایک دن یہی باپ (ٹھاکر صاحب) بازار میں تھے ۔ بازار میں ایک مسلمان عورت کا جنازہ جا رہا تھا ۔ وہ ساتھ ہو لئے اس عورت کی لاش کو دفناتے وقت ٹھاکر صاحب کا وجدان اچانک چونکا ۔ وہ قبرستان سے سیدھے مسجد پہونچے اور مسلمان ہو گئے ۔ مسلمان کرتے وقت پوچھا جاتا ہے کہ آپ کسی لالچ یا دباؤ میں تو مسلمان نہیں ہو رہے ہیں ۔ ٹھاکر صاحب سے بھی پوچھا گیا تو اُنھوں نے اپنی لڑکی اور اُس مسلمان خاتون کی لاش کے مرگھٹ اور قبرستان کا قصہ سُنایا اور بتایا کہ :

" اسلام نے عورت کی حیا اور اُس کی عزت کا ایسا اچھا انتظام کیا ہے کہ ہر شریف آدمی کو اُس کا اثر لینا پڑے گا ۔ "

یہ ٹھاکر صاحب کا وجدان تھا جس نے اُن کو اسلام کی راہ پر ڈالا ۔ اِسکے بعد اُنھوں نے خود کو اور اپنی اولاد کو اسلامی تعلیم سے سنوارا ۔

۲

راوُت قوم کی دوسری شاخ کے پرکھا یعنی دوسرے ٹھاکر صاحب کا وجدان ایک چیلنج پر جاگا ۔ مختصر سا واقعہ ہے ۔ ٹھاکر صاحب (دوسرے بھائی) کو شکار کا شوق تھا ۔ ایک دن وہ شکاری لباس سے کسے کسائے آئے ۔ بے انتہا بھوکے پیاسے تھے ۔ اِسی

طرح جوتے پہنے ہوئے رسوئی (باورچی خانے) میں چلے گئے۔ بہو کھانا پکار ہی تھی۔ اُس نے دیکھا کہ خسر نے رسوئی ناپاک کر دی۔ اُس نے غصّے سے نہیں، ادب کے ساتھ کہا "پتا! کیا آپ تو رک (ترک یعنی مسلمان) ہو گئے؟" یہ بات ٹھاکر صاحب کے دل کو لگ گئی۔ جواب دیا: "ہاں، ترک ہو گیا ہوں۔" اس کے بعد ٹھاکر صاحب واقعی مسلمان ہو گئے۔

اِن دو واقعات کے علاوہ اور بہت سے واقعات کتابوں میں ملتے ہیں۔ سب میں وجدان ہی وجدان نظر آتا ہے۔ چند واقعات ملاحظہ ہوں:

۳

علامہ اقبالؒ لکھتے ہیں کہ اُن کا ایک انگریز دوست "پلاؤ" کھا کر مسلمان ہو گیا۔ اُس سے پوچھا کہ پلاؤ میں اسلام کہاں تھا تو اُس نے جواب دیا "جو قوم کھانے میں ایسی نفیس ہو یقیناً اُس کا دین بھی نفیس ہو گا۔"

دیکھا آپ نے! کہاں پلاؤ اور کہاں اسلام؟ لیکن وجدان اِن چاولوں کے کھانے سے جاگا۔

۴

بہت ہی اثر والا واقعہ ہے۔ ایک انگریز لڑکی مسلمان ہوئی تو اُس سے وجہ پوچھی گئی۔ اُس نے بتایا:

میرے ہوٹل میں ایک ملازم مسلمان تھا۔ وہ بوڑھا تھا۔ اُس کا جوان بیٹا، بہو اور ایک پوتا تھا۔ جوان بیٹے کا انتقال ہو گیا۔ اُس نے تین دن کی چھٹی لی۔ چلا گیا۔ پھر آیا تو میں نے تعزیت کی۔ اُس نے آسمان کی طرف اُنگلی اُٹھائی اور کہا "اُس کی مرضی، اُسکی مرضی پر راضی ہوں۔" یہ کہہ کر بوڑھا مسلمان کام کرنے لگا۔ میں نے سوچا کہ جوان بہو اور پوتا اُس کے سہارے کو ہے اِس لئے اُسے اطمینان ہے۔ تھوڑے دنوں کے بعد بہو کا انتقال ہوا۔ بوڑھے نے تین دن کی چھٹی لی۔ پھر آیا اور میرے تعزیت کرنے پر وہی کہا: "میں راضی برضا ہوں۔ مرضیٔ مولا از ہمہ اولیٰ۔" میں سوچنے لگی کہ پوتا سہارے کو ہے۔ اس کے سہارے دو بڑے دُکھ بوڑھا جھیل گیا۔ پھر ایسا ہوا کہ وہ پوتا بھی مر گیا۔ بوڑھے نے تین دن کی چھٹی لی۔ پھر واپس آیا تو وہی بات کہی "میں اللہ کی مرضی پر راضی ہوں۔" اب تو مجھے سوچنا پڑا۔ میں نے اُس سے ایک سوال کیا "تم نے ہر بار تین دن کی چھٹی کیوں لی؟" اُس نے بتایا کہ اسلام میں تین دن تک سوگ منانے کی اجازت ہے۔ اس لئے میں نے تین دن کی ہی چھٹی لی۔"

یہ سننا تھا کہ اُس انگریز لڑکی پر وجدانی کیفیت طاری ہو گئی۔ وہ اس بوڑھے کے ساتھ مسجد گئی اور مسلمان ہو گئی۔ اس سے وجہ پوچھی گئی تو اس نے بتایا کہ جو مذہب صبر و رضا کی اتنی اچھی تعلیم دیتا ہے وہ یقیناً اچھا مذہب ہے۔

۵۔ انگریزی عہد حکومت میں ایک انگریز ہندوستان آیا۔ کسی اسٹیشن پر مسلمانوں کو باجماعت نماز پڑھتے دیکھ کر مسلمان ہوگیا۔ اس نے بتایا کہ اسلام ڈسپلن سکھاتا ہے۔ ۶۔ میناکشی پورم کے ہریجن صرف اسلامی مساوات کی وجہ سے مسلمان ہوگئے اور اسلامی تعلیم سیکھ رہے ہیں اور اب انھیں کوئی دھونس اور دھن اسلام سے منحرف نہ کرسکا۔ ۷۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی لوگ وجدان کی بدولت ہی مسلمان ہوتے تھے۔ مشہور واقعہ ہے کہ یہودی عالم حضرت عبداللہ بن سلام نے حضورؐ کو دیکھا اور پکار اٹھے کہ یہ چہرہ جھوٹے کا نہیں ہوسکتا اور مسلمان ہوگئے۔ ۸۔ ایک بدّو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپؐ نے اُسے مال دیا۔ وہ حضورؐ کی فیاضی دیکھ کر مسلمان ہوگیا۔ واپس ہوکر گھر گیا تو سب سے کہتا تھا کہ حضرت محمدؐ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ وہ خوب دیتے ہیں ۹۔ حضورؐ کی دائی حضرت حلیمہ سعدیہؓ حضور سے ملنے گئیں۔ آپؐ کو دیکھا تو بولیں "میرا بیٹا بہت دُبلا ہوگیا ہے۔" یہ بات انھوں نے محبت میں کہی تھی۔ حضورؐ نے جواب دیا "اماں جان! اللہ نے میرے کندھوں پر بڑا بوجھ ڈالا ہے۔" حلیمہ دائیؓ نے پوچھا "میرے بیٹے! کیا تو واقعی اللہ کا رسول ہے؟" آپؐ نے جواب دیا "ہاں!" اور حلیمہ دائیؓ مسلمان ہوگئیں۔ یعنی اُن کا وجدان حضورؐ کے "ہاں" کہنے پر جاگا۔ ۱۰۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے ننگی تلوار لے کر چلے تھے۔ راستے میں بہن فاطمہ سے ٹکرا گئے اور وہ پہاڑ جو کسی سے نہ ہٹایا جاسکتا تھا ایک کمزور بہن نے چور چور کردیا۔ اُن کا یہ جملہ کام کرگیا "عمر! اب چاہے تم ہمیں مار ہی ڈالو، اسلام ہمارے دل سے نہیں نکل سکتا۔" اِس جملے پر حضرت عمرؓ کا وجدان جاگا تھا۔

اِس طرح کے سیکڑوں واقعات ہیں۔ سب میں وجدان کی قوت کام کرتی نظر آتی ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ابوجہل، جناب ابوطالب اور دوسرے سردارانِ قریش اور بہت سے علمائے یہود حضورؐ کو اس طرح پہچان گئے تھے جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچان لیتے تھے، لیکن وہ مسلمان نہیں ہوئے۔ کیوں؟ وجہ یہی تھی کہ اُن کی وجدانی قوت سوتی رہی۔ وجدانی کیفیت کے لئے یہی ہمارا یقین ہے کہ ذَالِكَ فَضلُ اللهِ يُوتِيهِ مَن يَشَاءُ۔ یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے دیتا ہے، اور جب چاہتا ہے دیتا ہے۔ جو لوگ دعوت و تبلیغ کا کام کرتے ہیں انھیں کام کرتے رہنا چاہیئے۔ کون جانے کب کس کا وجدان جاگ جائے۔



ہوش سنبھالنے کے بعد....

(شبنم جعفری)

س : کیا آپ کو فلمیں دیکھنے کا شوق بچپن سے تھا؟

الف : میں نے جب ہوش سنبھالا تو یہ پایا کہ گھر میں فلم دیکھنے کی عام اجازت نہیں ہے اور اسے معیوب سمجھا جاتا ہے مگر میرے بھائی کبھی کبھی چوری چھپے فلمیں دیکھ آیا کرتے تھے۔ ہمارے قصبہ ٹانڈہ میں دو ہی پکچر ہال تھے اور جب بھی کوئی نئی پکچر آتی بھائی امی سے پیسہ مانگ کر فلم دیکھ لیتے اور اس کی کہانی مجھے سناتے میرے دل میں بھی فلم دیکھنے کی خواہش جاگتی رہی۔ مگر میں ٹھہری لڑکی ذات۔ اسکول کے سوا گھر سے کہیں جاتی ہی نہ تھی۔ جب کچھ شعور جاگا تو اسکول میں بھی سب لڑکیوں کو فلم کی باتیں کرتے ہوئے سنا۔ کلاس کی لڑکیوں میں میں اکیلی ہی تھی جس نے کبھی کوئی پکچر نہ دیکھی تھی۔ چونکہ مجھے مطالعہ کا بہت شوق تھا اس لیے میں اس محرومی کی تلافی کے لیے فلمی رسالہ پڑھنے لگی۔ میری یادداشت اتنی اچھی تھی کہ فلم دیکھنے والی لڑکیاں ہیرو کا نام بھول جاتی تھیں اور میں یاد رکھتی تھی جب کوئی پوچھتا بتا دیتی تھی۔

س : آپ نے پہلی فلم کب دیکھی؟

الف : پہلی فلم میں نے ۱۹۷۶ء میں تقریباً اٹھارہ سال کی عمر میں لکھنؤ میں دیکھی تھی۔ اس کے بعد سے چار سال تک میں نے بہت سی فلمیں دیکھیں تقریباً بیس یا پچیس۔ لیکن اتنی بات ایمانداری سے بتا رہی ہوں کہ ہر دفعہ فلم دیکھ کر تھوڑی سی خوشی ہوتی تھی اور بہت زیادہ افسوس۔ ایک احساس جرم ضمیر کو ستاتا رہتا تھا۔

س : آپ کے خیال میں فلم دیکھنا کیسا ہے؟

الف : محترمہ! اگرچہ آپ یہ کہیں کہ نوسو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی۔ لیکن میں اتنا کہنا چاہوں گی کہ اب میرے نزدیک فلم بینی اتنی ہی بری ہے جتنی کہ وہ چیز جس کا نام لینا عام طور پر مسلمان گوارا نہیں کرتے کیونکہ اسے بھی خدا نے منع کیا ہے۔ اور لہو و لعب کو بھی۔ بس اگر خدا کے کلام کو ماننا ہے تو پوری طور پر۔ یہ نہیں کہ نماز تو پڑھتے ہیں مگر پردہ نہیں کیا جاتا۔ روزہ رکھتے ہیں مگر زکوٰۃ نہیں نکالی جاتی۔ اور اگر فلم بینی کو برا سمجھتے ہوئے بھی اسی کے مرتکب ہوتے رہے تو یہ اور بھی برا ہے۔ خدا کو واحد مانتے ہیں پھر غیر خدا کا ڈر کیوں۔ زمانہ کے ساتھ چلنے کی ہوس کیسی ہمارے سامنے رسولؐ برحق کا نمونہ ہے۔ جس کی ذات اقدس میں قول و عمل کی سچائیاں یکجا ہوگئی تھیں۔ خدا کا شکر ہے کہ جب مجھے اچھی طرح سمجھ آئی تو میں نے قطعی طور پر فلم بینی چھوڑ دی۔

س : ۔ آپ کے خیالات میں یہ انقلاب کیسے آیا؟

الف : ۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہمیشہ سے مجھے فلم دیکھنے کے بعد یہ خلش ستاتی تھی کہ میں نے گناہ کیا مگر مجھ میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ میں فلم دیکھنے سے انکار کر دوں۔ لیکن الہ آباد کے قیام کے دوران ایک لڑکی پکچر ہال میں فلم دیکھتے وقت انتقال کر گئی جب میں نے یہ خبر سنی تو سوچا کہ ہر فلم دیکھنے والے کا یہ حشر ہو سکتا ہے۔ اور اگر فلم دیکھتے وقت مری روح قبض ہو جائے تو پتہ نہیں مرنے کے بعد کیسے عذاب میں مبتلا ہوں۔

تبھی سے میں نے یہ تہیہ کر لیا کہ فلم کبھی نہ دیکھوں گی۔

س : ۔ فلم میں آپ کے نزدیک کیا کیا برائیاں ہیں؟

الف : ۔ اس سوال کا جواب اگر تفصیل سے دوں تو آپ سنتے سنتے تھک جائیں گی۔ مختصراً بتاتی ہوں۔

۱۔ فلم دیکھنے والے خواب کی دنیا میں رہنے کے عادی ہو جاتے ہیں کیوں کہ فلمیں فراریت سکھاتی ہیں۔ ان میں ایک تخیلی دنیا تخلیق کی جاتی ہے۔ جو ہماری آپ کی دنیا سے بالکل

مختلف ہوتی ہے۔

۲۔ فلموں میں گلیمر یعنی چمک دمک بہت ہوتا ہے۔ گلیمر میں کشش ہوتی ہے۔ ہر چیز بڑی خوبصورت بڑی پیاری لگتی ہے۔ گلیمر پیدا کرنے کے لیے کروڑوں روپے کے سیٹ بنائے جاتے ہیں۔ اور پھر فلم کی ایک جھوٹی کہانی کو فلمانے کے بعد توڑ دیے جاتے ہیں۔ ایک فلم کار نے ایک غریب آدمی کا غصہ امیروں کے خلاف دکھانے کے لیے ایک بیش قیمت کار اس غریب آدمی کے ہاتھوں تھوڑی سی تڑوا دی۔ اس غصہ کے بُرے اثرات سے قطع نظر یہ بربادی بذات خود نامناسب ہے۔ یہ سرمایہ تعمیر پر ہی کیوں نہ خرچ کیا جائے۔ اس موقع پر ایک لطیفہ یاد آتا ہے۔

آرٹ کے ایک شیدائی نے بیس ہزار روپے میں مصوری کا ایک شاہکار فن پارہ خریدا اور پھر اسے دکھانے کے لیے اپنے استاد کے پاس گئے۔ تصویر میں خوبصورت گلاب کے پھولوں کی عکاسی تھی۔ مرشد نے تصویر دیکھ کر کہا: "اگر یہ بیس ہزار روپے تم غریب بچوں کی خوراک پر خرچ کر دیتے تو ان کے گالوں پر جو گلاب کھلتے۔ وہ ان مصنوعی گلابوں سے زیادہ فرحت بخش ہوتے۔

۴۔ پچھلے دنوں لکھنؤ ریڈیو نے فلم کے اثرات پر ایک مجلس مذاکرہ منعقد کی تھی۔ جس میں تمام مقررین نے اس بات پر اتفاق کیا تھا کہ فلم میں بُرائیاں ہی بُرائیاں ہیں اچھائی اگر ہے بھی تو آٹے میں نمک کے برابر۔ اور اچھائی کا اثر کوئی نہیں لیتا۔ بُرائیوں کی طرف سب کھنچ جاتے ہیں۔ مقررین نے یہ بھی کہا کہ فلموں نے ہمارے معاشرہ کو مصنوعی بنا دیا ہے۔ ہمارے اٹھنے بیٹھنے۔ رہنے سہنے کے انداز سے لیکر لباس اور زبان میں پہلے جو بے ساختگی، سادگی اور لطافت تھی۔ فلموں کے رواج نے اسے بناوٹ کی زندگی اور آرائشگی میں بدل دیا ہے۔ فلم کی چمک دمک سے بھری نمائشی زندگی کو حاصل کرنے کے لیے عام آدمی پسے جاتے ہیں۔

۵۔ مجرموں کو بہت مظلوم اور معصوم ثابت کیا جاتا ہے۔ زیادہ تر فلموں میں یہ کہانی ہوتی

ہے کہ ایک انسان کسی ظالم کے ہاتھوں کا ستایا ہوا ہے۔ اور بدلہ کی آگ میں جل رہا ہے اور سماج سے بغاوت پر آمادہ ہے۔ ظالم کو تلاش کرنے کے لیے مظلوم شخص خود بھی مجرم بن جاتا ہے اور ہر بدنام اڈہ پر جاتا ہے تاکہ اس کا پتہ لگا سکے۔ اس کے امیروں کی جیب کاٹ کر غریبوں کی مدد کرنے پر فلم بین خوب تالیاں بجاتے ہیں۔ جیسے کہ یہ کوئی بہت ہی مستحسن فعل ہو۔ مجرم کا کردار کچھ اس طرح ڈھالا جاتا ہے کہ لوگوں کو اس سے ہمدردی ہو جائے۔ ظلم کا بدلہ لینے کے لیے کیا انسان کا سماج دشمن بنا ضروری ہے۔ کیا قانون مظلوموں کی مدد کے لیے ناکافی ہے۔ اس کا جواب شاید ان فلمسازوں کے پاس اثبات میں ہے۔

۲۔ یوپی میں کئی ڈاکوؤں نے گرفتاری کے بعد اپنے بیان میں یہ بتایا کہ انھیں فلموں سے تحریک ملی۔ ایک ڈاکو تو ڈاکہ ڈالتے وقت فلم کے ڈائلاگ بھی بول رہا تھا۔ جرائم پیشہ لوگ فلمیں بنتی ہیں مگر کوئی فلمیں دیکھ کر سبق نہیں حاصل کرتا اور جرائم کی رفتار زیادہ ہی ہو رہی ہے کم نہیں۔ کئی چوروں نے یہ بیان دیا کہ چوری کی تکنیک انھوں نے فلم دیکھ کر سیکھی۔

اور پھر اس بات سے تو آپ انکار نہیں کر سکتیں کہ اسلام نے تفریح کی وہ ساری اقسام جن سے کچھ تعمیر نہ ہوا ور جو انسان کو کاہل اور عیش پسند بنا تی ہوں جیسے جوا، کبوتر بازی شطرنج، چوسر، بے ہودہ شعرگوئی، مصوری (جاندار کی) وغیرہ وغیرہ ممنوع کر دی ہیں۔ فلم بینی بھی انھیں میں شامل ہے۔ خدا کا کوئی کام بے مقصد نہیں اور وہ نہیں چاہتا کہ اس کے بندے بے مقصد کاموں میں مصروف ہوں۔

اقوالِ زریں — مرسلہ۔ ایم اے خیامی

- تیری غفلت کی علامت اہل غفلت کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا۔
- دنیا ان لوگوں کو انعام میں ملے گی جو مستعد محنتی اور سرگرم ہیں۔
- اگر تم اپنے کلام میں مقبول عام ہو سکتے ہو تو تمہارے لیے کاروبار میں کامیاب ہونا مشکل ہے
- اگر پہاڑ کو سرکانا ہو تو پہلے ذروں کو سرکاؤ۔

• د شمس الرحمٰن ۔ بانڈی پورہ کشمیر

میں جماعت اسلامی کا حامی کیسے بنا؟

۱۹۶۰ء کی بات ہے۔ کہ میں ہائر سیکنڈری اسکول میں پڑھتا تھا۔ ایک دن اسکول میں سنا کہ کوئی صاحب کلوسہ کے مقام پر شام کو وعظ فرمائیں گے۔ راقم کو بچپن سے ہی ایسی باتیں سننے کا شوق تھا۔ کیونکہ ہمارے گاؤں میں ایک مولوی صاحب پیش امام تھے جن کی وجہ سے دین کی باتوں سے دلچسپی پیدا ہو چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان مولوی صاحب کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ بہرحال راقم چھٹی کے بعد گھر آگیا۔ اور شام کو کلوسہ روانہ ہوا وہاں صاحب موصوف نے نماز مغرب کے بعد خطاب شروع کیا۔ میں ان صاحب کو نہیں جانتا تھا۔ اور نہ ان کو جنھوں نے اس تقریب کا اہتمام کیا تھا۔ اور نہ یہ جانتا تھا۔ بہرحال ان صاحب کا وعظ سنکر بہت ہی متاثر ہوا۔ اگرچہ اس وقت اس خطاب کی ایک بات بھی یاد نہیں ہے تاہم یہ اچھی طرح یاد ہے کہ متاثر ہوا تھا۔ آج جب میں اس بات پر غور کرتا ہوں تو غالب گمان یہ ہوتا ہے کہ یہ صاحب محترم قاری سیف الدین صاحب تھے۔ اس وقت ان کی داڑھی بالکل کالی تھی اور آج بالکل سفید۔ یہاں اس وقت نہ اس جماعت کا نام سنا تھا اور نہ صاحب تقریر کا اور اس جماعت کا جس جماعت سے ان کا تعلق تھا۔ نماز عشاء ادا کرنے کے بعد گھر لوٹا۔ چونکہ راقم اپنے گاؤں سے اکیلا آگیا تھا۔ اس لیے واپسی پر راستے میں ڈرتا تھا۔ لیکن نماز عشاء کے بعد گھر لوٹا۔ ایک درزی مل گیا تھا۔ جسے بانڈی پورہ جانا تھا۔ معلوم نہیں کہ یہ درزی اس اجتماع میں تھا۔ یا کہیں اور سے آرہا تھا بہرحال

نصف راستہ درزی کے ساتھ آیا اور نصف اپنے گاؤں تک اکیلا آگیا۔

یہ بات یہیں رُک گئی۔ اس کے بعد یہی جماعت کے زعماء باندی پورہ کی جامع مسجد میں کبھی کبھی جمعہ کے اجتماعات سے خطاب کرتے تھے۔ ان لوگوں کے خطاب اور دوسرے لوگوں کے خطاب میں نمایاں فرق ہوتا تھا۔ ان کے خطاب سے متاثر تو ضرور ہوتے تھے۔ لیکن بات یہیں تک محدود رہتی تھی۔ جماعت کے زعماء اسلام کو ایک مکمل نظام حیات کی صورت میں پیش کرتے تھے۔ جب کہ باقی لوگ جزئیات پر زور دیتے تھے۔

پانچ چھ سال کے بعد راقم نے ہائر سکنڈری پاس کرکے ڈگری کالج سوپور میں داخلہ لیا۔ سوپور ڈگری کالج میں جماعت سے متاثر دو نوجوانوں سے تعارف ہوا۔ ان میں ایک غ ع جوگی اور دوسرے حسام الدین ہیں۔ میرے ایک ہم جماعتی اور قریبی دوست محترم بٹ صاحب حسام الدین کے گاؤں میں ہی ایک رشتہ دار کے ہاں رہتے تھے۔ اس لیے حسام الدین صاحب کے ساتھ زیادہ ہی تعلقات تھے جس کی وجہ سے مجھے بھی حسام صاحب کے ساتھ تعارف ہوچکا تھا حسام صاحب ہم سے شاید دو جماعتیں آگے تھے گرمیوں کی چھٹیاں ہوگئیں تو اس وقت حسام صاحب نے میرے ساتھی بٹ صاحب کو خطبات حصہ اول دے دیا اور کہا کہ چھٹیوں میں گھر میں اس کو پڑھنا۔ چھٹی ہونے کے دن جب میں اپنے ساتھی بٹ صاحب کے ساتھ بس میں سوپور سے باندی پورہ جارہا تھا تو ان کے ہاتھ میں خطبات دیکھ لیا۔ مجھے معلوم تھا کہ میرے ساتھی اپنے کورس سے باہر کتابیں پڑھنے سے زیادہ دلچسپی نہیں رکھتے تھے جبکہ مجھے کورس سے باہر کتابیں پڑھنے سے زیادہ دلچسپی تھی اس لیے میں نے اپنے ساتھی کے ہاتھ سے خطبات لے لیا اور کہا کہ میں اس کو پڑھوں گا۔ انھوں نے خوشی سے دے دی اور کہا کہ یہ حسام صاحب نے مجھے پڑھنے کے لیے دے دی تھی اب آپ پڑھ لیجیے۔ گھر پہونچتے ہی میں نے خطبات پڑھنا شروع کیا۔ مجھے یہ چھوٹی سی کتاب اتنی پسند آگئی کہ کاغذ قلم اٹھا کر ساری کتاب کو اپنی نوٹ بک میں لکھ دیا۔ بعد میں میرے ساتھی نے

نے یہ کتاب مانگی اور نہ ہی میں دینا چاہتا تھا۔ یہی کتاب کچھ سال بعد میں نے کئی نوجوانوں کو پڑھائی لیکن آخر میں ایک نوجوان نے اس کو ہڑپ کرلیا۔

اتفاق کی بات ہے کہ ایک ہی سال کے بعد یعنی ۱۹۶۶ء میں اسی کلوسہ کے مقام پر جماعت اسلامی بانڈی پورہ کا ایک اجتماع تھا اور اجتماع کی کاروائی بانڈی پورہ چوک میں خطاب عام سے شروع ہوئی۔ مجھے یہ معلوم بھی نہ تھا کہ اس جگہ کوئی اجتماع ہو رہا تھا لیکن اچانک شام کے وقت بانڈی چوک میں ایک صاحب کو خطاب کرتے ہوئے دیکھا۔ چونکہ میں بھی وہیں سیر رہا تھا اس لیے میں بھی سننے بیٹھا۔ جب میں اپنی یادداشت پر زور دیتا ہوں تو خطاب کرنے والے صاحب آج کے قیم جماعت محترم سلیمان صاحب تھے جو ان دنوں شاید امیر ضلع بارہ مولا تھے۔ شاید امیر جماعت بھی اس اجتماع میں موجود تھے خطاب عام کے بعد یہ سب لوگ کلوسہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ان لوگوں میں میرے ہائر سیکنڈری کے کچھ ساتھی بھی تھے جو اب مدرس بن گئے تھے اور اپنے ہیڈ ماسٹر گل محمد صاحب (سری نگر) کی وجہ سے اجتماع میں آگئے تھے۔ گل محمد صاحب ہائی اسکول آدہ گام کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ میں بھی ان کے ساتھیوں کے ہمراہ کلوسہ روانہ ہوا۔ راستے میں گل محمد صاحب سے تعارف ہوا اور جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ کالج میں پڑھنے والا ایک نوجوان یہاں آگیا تو وہ خوش ہوگئے۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ جماعت میں کون سی کتاب پڑھی ہے۔ میں نے کتابوں کے نام بتائے لیکن انھوں نے مجھے مشورہ دیا کہ خطبات اور دوسری چھوٹی چھوٹی کتابیں پڑھیں۔

اجتماع گاہ میں پہونچکر انھوں نے اپنی کاروائی شروع کی۔ راقم یونہی دیکھتا رہا۔ جب رات کی کاروائی اختتام پذیر ہوئی تو راقم واپس گھر آگیا اور صبح سویرے درس قرآن سننے کے لیے کلوسہ روانہ ہوگیا اور اجتماع کی کاروائی کے اختتام تک وہاں رہا۔ اس کے بعد کسی بھی رفیق جماعت نے نہ ہمارے ساتھ رابطہ قائم رکھا اور نہ ہم نے ہی۔

۱۹۶۸ء میں سوپور میں اسلامک اسٹڈی

سرکل کا تعارف ہوا اور ان کی لائبریری سے کچھ کتابیں پڑھیں اور اجتماعات میں شرکت کرتے رہے۔ پروفیسر صابر صاحب جو انگریزی کلچر کالج میں کام کر رہے تھے۔ ! نے اس بارے میں کافی کوشش کی۔ اسی سال جماعت اسلامی ضلع بارہ مولہ کا سالانہ اجتماع سوپور میں منعقد ہوا۔ چونکہ راقم سوپور میں ہی تھا اس لیے اجتماع کی ہر ایک شق میں شمولیت کی۔ جس کے گہرے نقوش ثبت ہو گئے۔ میرے بہت سے ساتھی ان اجتماعات میں آتے تھے لیکن آخر میں اکیلا ہی منسلک ہو گیا ۱۹۶۹ء میں سوپور میں اسلامک اسٹڈی سرکل کا ایک اجتماع منعقد ہوا۔ جس میں راقم بھی اپنے دوست جناب عبدالرشید ڈار صاحب اسلام آباد کے ہمراہ چلا گیا۔ وہاں آنجہانی محاذ رائے شماری" کے صوفی محمد اکبر اور عبدالاحد وکیل بھی مدعو کیے گئے تھے جنھوں نے اسلامی چال ڈھال اختیار کرنے پر سخت زور دیا کہ وہ اسلامی چال ڈھال اختیار کریں جس کے بارے میں جناب یوسف العمر صاحب نے ان کے ابھارے گئے لفظوں کے جواب دیدیے۔ بہرحال یہ اجتماع اسلامیہ اسکول کے ہال میں ہو رہا تھا۔ اس کے بعد ہم رات کو ٹھہرنے کے لیے سرکل کے دفتر پر چلے گئے۔ یہاں جہاں تک مجھے یاد ہے کہ رعنا جوگل اور گل وحید صاحب سندوارہ بھی تھے۔ زعمائے سرکل آپس میں باتیں کر رہے تھے اور راقم سن رہا تھا۔ یوسف العمر صاحب نے فرمایا کہ وہ جماعت کے اجتماع میں بھی نہیں جاتے ہیں کیونکہ لوگ کہیں گے کہ جماعت کے ہی دم چھلے ہیں۔

یوسف العمر صاحب کی یہ بات مجھے بہت کھٹکی اگرچہ مجھے جماعت کے ساتھ اس وقت کوئی بھی قرابت نہ تھی۔ میں نے سوچا کہ آخر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کام کرتے ہیں تو پھر لوگوں کی باتوں سے کیونکر ڈرتے ہیں۔ یہ بات مجھے جماعت کے قریب لے گئی۔ (یہ بات راقم نے اس وقت سنی تھی۔ اور آج سپرد قلم کی جارہی ہے اور تب سے اب تک میرے سینے میں تھی اور کسی سے بھی نہیں بتائی ہے)، اس کے بعد سرکل کے چند ایک اجتماعات میں اگرچہ

شرکت کی لیکن بحیثیت ایک جماعت اسلامی کے فرد کے۔

۱۹۷۰ء میں جب پاکستان میں عام انتخابات ہوئے تو مرحوم عامر عثمانی صاحبؒ نے تجلی کا ایک خاص شمارہ اس سلسلے میں نکالا جس میں مولانا مرحوم مودودی صاحبؒ کے انتخابی جلسوں سے خطابات اور جماعت کا منشور وغیرہ درج تھا۔ اس کو پڑھکر جماعت سے زیادہ ہی ہمدردی ہوگئی اور پھر میں نے مطالعہ شروع کیا۔ جماعت کے لٹریچر سے پہلے جماعت سے باہر کے لوگوں کا لٹریچر پڑھا۔ سید اسمٰعیل شہیدؒ۔ رشید احمد گنگوہیؒ۔ مولانا الیاس صاحبؒ۔ علی میاں صاحب۔ منظور نعمانی صاحب۔ وحیدالدین خاں صاحب۔ زکریا صاحب۔ حقانی صاحبؒ وغیرہ اور آخر میں مولانا مودودیؒ کا۔ جماعت کے خلاف لکھا گیا لٹریچر میں زیادہ دلچسپی سے پڑھتا بھی تھا اور آج بھی پڑھتا ہوں۔ لیکن کسی کی بات نے مجھے اتنا متاثر نہیں کیا۔ جتنا مولانا مودودیؒ کی بات نے۔

جماعت اسلامی کا قریب قریب ۷۵٪ لٹریچر پڑھکر ۱۹۷۲ء میں پوری طرح اس کے ساتھ منسلک ہوگیا۔

۔۔۔۔۔۔: بنیادی لٹریچر :۔۔۔۔۔۔

۱۔ رسالہ دینیات ۲۔ خطبات ۳۔ سلامتی کا راستہ ۴۔ بناؤ بگاڑ ۵۔ شہادت حق۔ ۶۔ اسلام اور جاہلیت ۷۔ فریضۂ اقامت دین۔ روداد جماعت اسلامی ہند ۸۔ اہم ہدایتیں ۹۔ دستور

اور

اسکے ساتھ ہلکا پھلکا لٹریچر بھی ضرور پڑھیں۔ ۱۔ قرآن میں عورت کی حیثیت ۲۔ اسلامی نظام میں عورت کا مقام۔ اردو۔ ۳۔ اسلامی سماج میں عورت کا استھان ۴۔ STAS OF WOMAN IN ۵ ISLAMIC SOCIETY تفہیم القرآن جلد پنجم نصف سورہ حدید تا طلاق ۶۔ تفہیم القرآن سورۂ لقمان تا صٰفٰت ۷۔ مرد ناداں ۸۔ خاتون جنت ۹۔ شہزادہ توحید ۱۔ نقلی شہزادہ ۱۱۔ آج کے کوکن

اور میں جماعت اسلامی کا حامی ہو گیا

(ایم ۔اے جیلانی۔ رنجنی ضلع جالنہ (مہاراشٹر)

تحریک اسلامی کی عمر جس وقت ۸ سال کی تھی اس وقت راقم کی عمر ۱۷ سال کی تھی۔ نظام اسٹیٹ انڈین یونین میں ضم ہوچکا تھا۔ کچھ مسلمان پاکستان منتقل ہو چکے تھے۔ اس زمانے میں ہمارے یہاں پرائمری اسکول میں محمد عثمان صاحب قریشی ٹیچر جالنہ سے تبادلہ ہوکر رنجنی تشریف لائے۔ میری پہلی ملاقات موصوف سے جامع مسجد رنجنی میں ہوئی۔ انھوں نے اذان اور جماعت کے متعلق پوچھا تو میں نے شکایتاً جواب دیا کہ اس کے لیے ہمارے یہاں کوئی پابندی اوقات نہیں جب کوئی آ جاتا ہے تو اذاں ہوجاتی ہے اور پھر انتظار کے بعد جماعت ہوجاتی ہے موصوف فرمانے لگے۔ یہ بات تو ٹھیک نہیں آپ سب کو مل کر اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ نماز اور اذان وقت پر ہو۔ چند دنوں کے بعد واقعی مولانا نے اس کا نظم بحال کر دیا۔ اس کے بعد انھوں نے تعلیم بالغان کا سلسلہ شروع کیا جس میں عربی زبان سکھائی جانے لگی۔ اس کلاس میں نوجوان لڑکوں کے علاوہ ادھیڑ عمر کے لوگوں نے بھی حصہ لیا۔ ہم نوجوانوں کا تو یہ حال ہوا کہ [illegible] ابتدائی درس کے جملے استعمال کر کے بات چیت کرتے بڑا مزہ آتا۔ چند ہی دنوں میں اچھا خاصا حلقہ مولانا کے گرد جمع ہوگیا۔ چند دنوں کے بعد مولوی صاحب نے خطبات پڑھنے [illegible] جن کا غیر معمولی اثر ہم سب نے قبول کیا اسی دوران سید حامد حسین صاحب [illegible] حلقہ [illegible] کے امیر تھے۔ رنجنی تشریف لائے۔ آپ نے جمعہ کا خطبہ دیا

اس میں سورۂ عصر کا ترجمہ اور تفسیر بیان فرمائی۔ میرے لیے اور میرے ساتھیوں کے لیے اس خطبہ نے غیر معمولی اثر دکھایا ہمارے عربی کلاس میں ایک پڑھے لکھے بزرگ بھی تھے۔ (وہ اب پاکستان میں رہتے ہیں) انھوں نے مقامی فنڈ سے ۱۳ روپیہ کی کتابیں منگوائیں اور ہم سب کو مطالعہ کا موقع مل گیا۔ ہمارے محسن محمد عثمان صاحب قریشی جن کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی علم اور اخلاص سنجیدگی اور عمل سے نوازا ہے میرے گاؤں میں تقریباً ڈیڑھ سال رہے۔ ان کا تبادلہ ہمارے گاؤں سے صرف اس لیے ہوا کہ وہ جماعت اسلامی کے سرگرم ورکر ہیں۔ مولانا موصوف نے رنجی سے رخصت کے موقع پر خطبہ جمعہ کے بعد درد بھرے انداز میں یہ ذمہ داری ہم لوگوں کے سپرد فرمائی کہ اسلام کی دعوت سے لوگوں کو واقف کرائیں۔ آپ نے کام کے طریقے بتائے اور نصیحت فرمائی کہ یہ کام جاری رہے ان کے جانے کے بعد ہم چند نوجوانوں نے کام کا آغاز کر دیا۔ شرک بدعت غلط رسومات کے خلاف آواز اٹھائی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مخالفت بڑھ گئی۔ ہر طرف سے ہم کو پریشان کیا جانے لگا۔ لیکن بفضل تعالیٰ ہم مستقل مزاجی سے کام کرنے کی کوشش کرتے رہے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ محرم جیسی خطرناک بدعت کم ہوتے ہوتے برائے نام رہ گئی ہے اور اس کے بارے میں بھی عام مسلمانوں کے بڑے طبقہ کا خیال بدل گیا ہے۔

بہرحال ہماری ہر بات پر نظر رکھی جانے لگی بحث ومباحثہ شروع ہو گئے اس مخالفت نے ہم میں سے بہت سوں کو مطالعہ پر مجبور کر دیا۔ ہمارے یہاں جو مخالفت تھی وہ فاتحہ چہلم دہم نیاز نذر جیسے مسائل تھے۔ یہاں پر دوسری کسی مذہبی یا سیاسی جماعت نہیں تھی۔

مولوی عثمان صاحب قریشی کے یہاں سے جانے کے بعد ہماری ان کی خط وکتابت ہوتی رہی اور کبھی ہم ان سے وہاں جا کر بھی ملتے رہے۔ اس کے بعد جماعت کا ایک اجتماع حیدرآباد میں لکڑکوٹ میں سنہ ۵۱ء کو ہوا۔ اس میں راقم نے شرکت کی۔ اس کے بعد چھوٹے بڑے کئی اجتماع میں شرکت کا موقع ملا۔ اس کے علاوہ زندگی اخبار، دعوت، مشیر کراچی، فاران، چراغ راہ وغیرہ

کا مطالعہ بھی کرتا رہا، اور لٹریچر کا ایک بڑا حصّہ مطالعہ سے گذر گیا۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے جالنہ کے ایک رکن جماعت محمدؐ حیات خاں صاحب کو مدرسہ اسلامیہ رنجنی میں معلمی کے فرائض انجام دینے کے لیے بھیج دیا اُن کے چھ سال کی خدمت کے دوران ایک وقت ایسا آہی گیا کہ ۵۹ء میں رکنیت کا فارم پُر کر کے بھیج دیا۔ دو تین ماہ میں امیر حلقہ اورنگ آباد محمود احمد خاں صاحب سے معلوم ہوا کہ میری درخواست منظور ہوگئی۔ اس بات پر میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے مجھے ایسے قافلے میں شریک فرمایا جو قرآن وسنت کے بنائے ہوئے راستے پر گامزن ہے اور بفضل تعالیٰ اس چھوٹے سے گاؤں میں میرے علاوہ چار رفیق ہیں اور بڑی تعداد متفقین کی ہے۔ والسلام — اطہر جیلانی

حجاب: یہ سادہ سا مضمون کتنا اچھا اور پُر اثر ہے یہ ایک کم پڑھے لکھے رکن جماعت اسلامی نے لکھا ہے۔ مجھے ایسی ہی سادہ زبان اور سچے واقعات چاہیے۔ آپ بھی کوشش کیجیے۔ (مائل)

انصاف

(ساجدہ فرزانہ)

دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں بنو مخزوم کی ایک معزز خاتون جس کا نام فاطمہ تھا چوری کے جرم میں پکڑی ہوئی آئی۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس خاتون کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ کیونکہ اسلام میں چوری کی یہی سزا ہے۔ اس حکم کو سنکر قریش کے لوگ بے چین و بے قرار ہوگئے کیونکہ فاطمہ کا تعلق قریش کے ایک معزز گھرانے سے تھا۔ لوگوں نے مشورہ دیا کہ حضورؐ سے سفارش کیجائے چنانچہ اسامہ ابن زیدؓ کو بھیجا گیا حضورؐ ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ حضورؐ نے ان سے فرمایا: تم سے پہلی قومیں اسی لیے تباہ ہوئیں کہ ان کے قانون بڑے لوگوں پر نافذ نہیں ہوتے تھے پھر آپؐ نے بلند آواز میں فرمایا: اس ذات کی قسم جسکے قبضہ میں میری جان ہے۔ (تم بنی مخزوم کی فاطمہ کی سفارش کرتے ہو) اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔ آخر مجرمہ کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

(صلاح الدین)   (قسط دوم)

یروشلم کی بیٹی

(سلسلے کے لیے حجاب کا پچھلا شمارہ دیکھیے)

سائرہ کی ماں جو کھانا تیار کرنے میں لگی تھی، فارغ ہو کر آئی اور بولی: "اب کچھ صلح، صفائی، پیار محبت کی باتیں بھی کرو! جو جنگ میں ہوا اب اس کی یاد تازہ مت کرو۔"

سائرہ بولی، "امی! یوں ملکہ عالیہ کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔"

"کیا بوجھ ہلکا ہوگا؟ زخم اور تازہ ہوں گے۔ غم اور بڑھے گا۔" ماں نے کہا۔

ملکہ بولی: "بزرگ خاتون! دکھ بہت بڑھ گیا ہے۔ عادت پختہ ہو گئی ہے۔ غم کی باتوں کے سوا کوئی دوسری بات رہی ہی نہیں۔"

دن گذرتے گئے۔ مہمان عورتیں یروشلم کی پناہ گاہ سے محفوظ ہو گئیں۔ ان کے کوائف معلوم ہو گئے ایک عورت صقلیہ کی ملکہ، شیر دل رچرڈ کی بیوہ بہن جونا تھی۔ دوسری اس کی خواص لے تیار تھی۔

ایک رات موسم بگڑ گیا۔ تیز ہوا چلی اور مینہ کے چھینٹے بھی پڑے۔ لے تیار غائب ہو گئی۔ صبح بھید کھلا تو سائرہ سخت پریشان ہوئی۔ اس نے مہمانوں کی دلجوئی میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ اس کا حسن سلوک قابل قدر تھا۔ اسی اثنا میں صادق بن حکیم بھی آ گیا۔ اس نے خواتین کو غمزدہ دیکھا اور لے تیار کو وہاں نہ پایا تو پوچھا "دوسری مہمان خاتون کہاں ہے؟"

سائرہ نے جواب نہ دیا اور سر جھکا لیا۔ صادق بن حکیم نے قدرے تلخ لہجے میں پوچھا: "کیا میرے سوال کا کوئی جواب نہیں؟"

"وہ بھاگ گئی ہے۔" سائرہ نے افسردگی کے عالم میں کہا۔

"کہاں ؟"

"معلوم نہیں"

"گویا تم نے اپنا فرض ادا نہیں کیا۔ میں اپنے آقا ملک العادل سے کیا کہوں گا جنھیں ان کے برادرِ بزرگ ملک النّاصر غازی صلاح الدین نے بڑے بڑے کام سونپ رکھے ہیں۔ وہ خطرناک عورت ہمارے منصوبے کو خاک میں ملانے گئی ہے۔ یروشلم کی تقدیر کے نئے خط کھینچے جا رہے ہیں۔ اس کا ایسے وقت میں جانا درست نہ تھا۔ میں ملک العادل سے کیا کہوں ؟ کیا یہ کہوں کہ وہ عورت مرگئی اور ہم نے اس کی لاش یروشلم کے کسی نامعلوم گوشے میں گاڑ دی یا یہ کہوں زورآور دشمن اسے ہم سے چھین کر لے گئے۔ سائرہ! تم نہیں جانتیں کہ کل کیا ہونے والا ہے"

ہر طرف گمبھیر خاموشی پھیل گئی۔ سب چپ ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد صادق بن حکیم نے مہرِ سکوت توڑی اور کہا سائرہ! مجھے ڈر ہے وہ عورت ماری نہ جائے۔ میں نے خفیہ طور پر کچھ محافظ متعین کئے تھے۔ یہاں آنے سے پہلے مجھے لے تیمار کے فرار کی خبر مل گئی۔ میرے آدمی اس کے پیچھے گئے ہیں"

اس خبر سے سائرہ کی جان میں جان آئی۔

"صلیبی لشکر حافہ میں پڑا گل سڑ رہا ہے۔ چند کوس کا فاصلہ ہے لیکن زندگی اور موت کی کش مکش نے اس ذرا سے فاصلے کو ستاروں کی دوری سے ملا دیا ہے۔ ہمارے جاسوسوں نے بتایا ہے کہ لوگ اپنی قسمتوں کو رو رہے ہیں۔ اپنے خوابوں کو چکنا چور دیکھ کر وہ تڑپ رہے ہیں۔ ملکۂ عالیہ! بڑی منحوس خبر سنی ہے میں نے"

میرے پیارے بھائی پر تو کوئی نئی آفت نہیں ٹوٹی ؟"

"پہلی آفتیں ہی کیا کم ہیں جو کوئی اور آفت ٹوٹے ؟ آپ کا عالی قدر بھائی ملک رک (رچرڈ) بیمار ہے سب لوگ بیمار ہیں۔ غازی صلاح الدین نے سب کے علاج کے لیے طبیب بھیج دیے ہیں لیکن لشکر کا بُرا حال ہے لوگ مکھیوں مچھروں کی طرح مر رہے ہیں۔ کھانے پینے کو ان کے پاس کچھ نہیں۔ گھوڑے کاٹے جا رہے ہیں لیکن بیماری نے بڑا زور باندھا ہے۔ لوگ بے بسی کے عالم میں موت کا انتظار کر رہے ہیں"

"تو کیا سب مر جائیں گے؟" ملکہ جونا نے پوچھا۔

"قضائے الٰہی سے کون بچ سکتا ہے؟ یروشلم کی سرحدوں پر ملک الناصر نے ایک شفا خانہ کھول دیا ہے جہاں شاہ و گدا علاج کروا سکتے ہیں۔ خیموں کے اس شفا خانے میں بڑے سے بڑا صلیبی سردار اور عام آدمی بلا تکلف آسکتا ہے۔ ملک الناصر چھوٹے بڑے کے درمیان فرق نہیں رکھتے۔"

ملکہ صقلیہ خاموش رہی۔ صادق بن حکیم نے کہا ملک الناصر اور ان کی کم تعداد فوج کے لیے یہ قہر پانچ سال تھے۔ انھوں نے یورپ کی بے پناہ فوجی طاقت کا مقابلہ کیا۔ ملک الناصر نے پانچ سال میں صلیبیوں سے ان کی ساری جرأت، ساری حرارت اور ساری توانائی چھین لی ہے اب وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ صرف مر سکتے ہیں۔"

ملکہ جونا کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس نے چیخ کر کہا۔ "مجھے یہ باتیں مت سناؤ میں نے لڑائی نہیں چھیڑی، میں نے لڑائی نہیں کی میں صرف جلتی آگ کو بجھانے آئی ہوں۔"

صادق بن حکیم نے معذرت طلب کی۔ وہ جان گیا کہ جونا تو پھر عورت تھی۔ بڑے سے بڑا صلیبی ہیرو بھی اپنی شکست کی داستان سنتا تو دھاڑیں مار مار کر رونے لگتا۔ دیر تک خاموشی رہی لیکن ملکہ جونا کے اندر طوفان برپا تھا۔ وہ سخت بے قرار تھی۔ اس نے صادق بن حکیم کو ملتجیانہ نظروں سے دیکھا اور کہا "مجھے ایکبار اپنی بھاوج ملکہ برن گاریہ سے ملوا دو۔"

"اس بے وقوف، باؤلی عورت سے جس نے اپنے حسن اور جسم کی بے باکی سے سلطان غازی صلاح الدینؒ کو پچھاڑنا چاہا۔ جسے خبر نہ تھی کہ سلطان کیسے پاکباز، باحیا، نیک دل اور شریف النفس ہیں۔ سلطان غازی نے کبھی کسی عورت کو میلی نظر سے نہیں دیکھا، کسی عورت کو لمس کا شرف نہیں بخشا۔ جس نے کبھی کسی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ جس نے کاندھوں پر پتھر لادے اور مجاہدوں کے ساتھ مل کر یروشلم کی دیوار چنی۔ تاریخ نے اس پائے کے حکمراں کم پیدا کیے ہیں۔ وہ بادشاہ ہے لیکن اس کے پاس مال و دولت نہیں۔ ملکہ برن گاریہ نے ایسے لاثانی انسان کو قتل کرنا چاہا۔"

"مجھے اس بے وقوف، باؤلی عورت سے ملنا ہے۔"

" اس کی اجازت دینا میرے اختیار میں نہیں۔"

" ملک العادل سے میرا سلام کہو اور اجازت لو۔"

" ملکہ عالیہ! آپ کی خواہش ملک العادل سیف ابوبکر کے منصوبے کے خلاف ہے۔"

صادق بن حکیم کو لیت و لعل کرتے دیکھا تو ملکہ جونا نے سائرہ کی طرف ملتجیانہ نظروں سے دیکھا جو بڑے انہماک سے ان کی گفتگو سن رہی تھی اور جس کی آنکھیں صادق کے چہرے پر لگی تھیں۔ ملکہ نے درخواست کی کہ سنگدل صادق کو ملک العادل کے پاس بھیجیے۔

سائرہ نے اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملاتے دیکھے تو اس کا دل پگھل گیا۔ اس نے صادق بن حکیم کی طرف دیکھا اور کہا۔" یہ جس کی امانت ہے اس کے پاس اس کی درخواست پہنچانا تمہارا فرض ہے۔"

صادق بن حکیم سر ہلا کر وہاں سے چلا گیا۔

انتظار کی گھڑیاں کس قدر زحمت طلب اور اضطراب انگیز ہوتی ہیں۔ اس کا صحیح اندازہ ملکہ جونا ہی کو تھا۔ خدا خدا کر کے انتظار کی گھڑیاں تمام ہوئیں۔ اور صادق بن حکیم نے آکر کہا:" ملک العادل نے التجا قبول کر لی ہے"۔ اور پھر سائرہ سے مخاطب ہو کر کہا:" تمہیں ساتھ جانا ہوگا۔ مردوں کا محافظ دستہ الگ ہوگا۔"

مژدہ سنتے ہی جانے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ عشار کی نماز کے بعد قافلہ روانہ ہوا۔ چاندنی اور ہوا کے ٹھنڈے جھونکوں نے خیر مقدم کیا۔

ایک شخص رہبر کے طور پر قافلے کے آگے آگے چلتا جا رہا تھا وہ ملکہ برن گاریہ کی نقل و حرکت کی خبر رکھنے والی جماعت کا مرکزی سربراہ تھا۔ اس کے پاس صبح و شام کی خبر آتی۔ وہی جانتا تھا کہ ملکہ اب کہاں ہے۔ اسی نے اپنے گھوڑ سوار مخبر کو بھگایا اور کہلا بھیجا کہ فلاں مقام پر پڑاؤ ڈالیں اور انتظار کریں۔

ترتیب یہ تھی۔ محافظوں کی آدھی جماعت آگے تھی، آدھی پیچھے تھی۔ درمیان میں صادق بن حکیم تھا۔ اس کے ساتھ ایک گھوڑے پر سائرہ اور ملکہ صقلیہ جونا سوار تھیں۔

کوس بھر جماعت اطمینان سے چلتی رہی۔ اس کے بعد سائرہ بے قرار ہوئی کیونکہ وہ گھڑ سواری کی ماہر تھی

راسے آہستہ روی سے سخت اُلجھن ہوتی ہے۔ اس نے ملکہ سے کہا "میری کمر مضبوطی سے پکڑو بلکہ مجھ سے چمٹ جاؤ بِلن حرکت نہ کرنا ورنہ توازن بگڑ جائے گا اور ہم دونوں بُری طرح گریں گے۔

"کیوں کیا ارادے ہیں؟" ملکہ نے پوچھا۔

"ابھی دیکھ لو گی"

ملکہ نے حسب الہدایت سائرہ کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ سائرہ نے آہستہ آہستہ گھوڑا بڑھایا اور جب جماعت نے بھی گھوڑوں کو ایڑھ لگائی، سب یوں دوڑنے لگے جیسے دشمن پر حملہ کرنے چلے ہوں۔

نازک مزاج، نازک بدن ملکہ، سائرہ سے چمٹ گئی۔ اس نے توازن برقرار رکھنے کی پوری سعی کی لیکن یہ خاصا مشکل کام تھا۔ زندگی کا نیا تجربہ تھا کہ اسے آندھی پر سوار ہونا پڑا۔ وہ گھوڑ سواری کرتی اور گھوڑا دوڑا لیتی لیکن اس تیز رفتاری سے نہیں۔ وہ ڈر نے لگی۔ سائرہ نے خطرہ محسوس کرکے گھوڑے کی باگیں کھینچیں تو رُکنا چاہا۔ گھوڑا بہت گرم تھا۔ ایک دم باگیں کھینچیں تو اسے سخت غصّہ آگیا۔ الف ہوگیا جس سے ملکہ بُری طرح گری اور اسے سخت چوٹیں آئیں۔ گھوڑے کے سُم بھی اسے لگے۔ بے ہوش ہوگئی۔ سائرہ نے گھوڑے سے اتر کر اسے سنبھالا اور نرم جگہ پر لٹا دیا۔ باقی جماعت بھی آگئی۔ صادق بن حکیم کو طیش تو آیا لیکن سائرہ سے کیا کہتا۔ وہ اس کی جان جاں تھی۔ لیکن اس نے بے موقع جوش کا اظہار کیا تھا۔

طبیب حاذق نے فوراً آکر خبر لی۔ دوا پلائی جس سے ملکہ صقلیہ ہوش میں آگئی۔ مرہم پٹی کی۔

صادق بن حکیم نے سائرہ سے کہا "جوش کا زمانہ گذر گیا۔ اب ہوش کا زمانہ ہے بنت ازدق"

"مجھے کیا خبر تھی کہ ملکہ صقلیہ گھوڑ سواری کا زیادہ تجربہ نہیں رکھتیں"

ملکہ نے کرب کی حالت میں کہا "اگر مجھے اتنی گھوڑ سواری آتی تو آپ لوگوں کو پرپوئرمو میں نہ رہنے دیتی!"

"علیہ حضرت!" صادق بن حکیم نے کہا "ہم اچھے سپاہی ہی نہیں، اچھے انسان بھی ہیں۔ ہم تلوار اور اخلاق دونوں کی مدد سے علاقے فتح کرتے اور قبضے میں رکھتے ہیں۔ لوگ تلوار کے خلاف بغاوت کرتے اور تلوار اٹھاتے ہیں۔ انسان دوستی کے خلاف تلوار نہیں اٹھاتے"

ملکہ نے نرم لہجہ کی یہ گفتگو بہ اشتیاق سنی اور صادق بن حکیم کو پیار بھری نظروں سے دیکھا۔

صادق بن حکیم کے حکم سے لوگ تلاش کرکے کنوئیں کا پانی اور پیڑوں کے تازہ پھل لائے۔

ملکہ چلنے پھرنے کے لائق ہوگئی۔ سائرہ اسے سہارا دے کر دو وقت ٹہلانے لے جاتی۔

ایک دن وہ اکیلی ہی ٹہلنے چلی گئی۔ زیتون سے لدی پھندی اونچی نیچی پہاڑیوں میں جاکر گم ہوگئی۔ ایک کنج میں سے بانسری کی آواز آئی۔ آگے گئی تو صادق بن حکیم نغمہ سرا تھا۔ وہ پاس جاکر بیٹھ گئی۔ مسکرانے لگی۔ بولی "بڑے عجیب لوگ ہیں۔ کبھی تلوار چلاتے ہو، کبھی بانسری بجاتے ہو۔"

"ہم سپاہی بھی ہیں۔ آدمی بھی ہیں۔ زندگی صرف میدان جنگ ہی نہیں، اس میں محفلیں بھی جمتی ہیں، مجلسیں بھی لگتی ہیں۔ ہمیں فوجوں سے بھی پالا پڑتا ہے۔ عام لوگوں سے بھی۔"

"مجھے تم جیسے لوگ اچھے لگتے ہیں جو بہادر ہوں، جری ہوں اور مہذب بھی۔ میں جب صقلیہ جاؤں گی تو تمہیں ضرور ساتھ لے جاؤں گی۔"

"ملازم بنا کر؟"

"مصاحب بنا کر! سرتاج بنا کر۔ میں اپنی شب و روز کی محفلیں تم سے سجاؤں گی۔"

وہ مسکرایا۔ ملکۂ صقلیہ جو اپنی جوانی پر نازاں تھی اور اپنے حسن کو بطور حربہ استعمال کرنا جانتی تھی۔ اس پر بھرپور نظروں کی بوچھاڑ کرتے ہوئے بولی: "زندگی اس آواز کو ترس گئی ہے جو رگ رگ میں ہلچل مچادے، پیار کی لہریں دوڑادے۔"

"ملکہ عالیہ! بدن کی آواز جھوٹی ہوتی ہے۔ فریب دیتی ہے روح کی تڑپ سچی ہوتی ہے۔ روح کے بغیر بدن کھوکھلا ہوتا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے تم روح اور بدن کے رشتے کو سمجھتے ہو۔ تم میرے بن جاؤ میں تمہیں صقلیہ دیدوں گی۔"

"میں پاگل ہو جاؤں گا ملکہ! صقلیہ پاکر میرا دماغ خراب ہو جائے گا۔ میں بادشاہ نہیں، معمولی آدمی ہوں۔ میرا حدود اربعہ مختصر سا ہے۔ اسی میں رہ سکتا ہوں۔ سکھ کا سانس لے سکتا ہوں۔ صقلیہ کی سلطنت پاکر مجھ سے

نبھالا جائے گا۔"

"میں تمہیں سنبھالوں گی۔"

"اس تلوار کا وار کون روکے گا جو میری گردن اڑانے کے لیے بے نیام ہوگی؟"

ملکہ سوچ میں پڑ گئی۔ یوں لگتا تھا جیسے پیڑوں کی چھاؤں، ٹھنڈی ہوا کی موجوں اور تنہائی نے اسے بہکا دیا۔ اس کے جذبات میں ہلچل مچی اور وہ اس تلوار کو بھول گئی جس نے ہزاروں صلیبیوں کو موت کے گھاٹ مارا اور زخمی کیا۔

ملکہ صقلیہ بھی اس تلوار کے وار سے خوفزدہ تھی۔ مسکرائی اور اٹھ کر خیمہ گاہ کو چل دی جہاں سب لوگ چلنے کی تیاری کر رہے تھے۔

سائرہ نے ملکۂ صقلیہ کو خشمگیں نگاہوں سے دیکھا تو بولی، شک اور وہم دونوں خطرناک بیماریاں یں جو اپنے آپ پیدا ہو جاتی ہیں۔

"سایہ دیکھ کر سایہ دار کا خیال آتا ہے۔"

"بہر حال میں نے سایہ تلے سانس ضرور لیا ہے لیکن میں نے اسے اپنے اندر جانے نہیں دیا۔ میں ایک بیوہ عورت ہوں۔ ذرا سی حرارت سے موم کی طرح پگھل جاتی ہوں لیکن تمہاری امانت میں خیانت نہیں کی میں نے۔"

"ایسی سوچ بھی پاس نہ پھٹکنے دینا۔ میں تلوار چلاتے چلاتے بے باک ہو گئی ہوں۔"

"چھوڑو جھوٹی باتیں۔"

ملکہ نے سائرہ کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور اس کے سہارے چلنے گئی۔

صادق بن حکیم آگیا اور جماعت سوئے منزل روانہ ہوئی۔ گھوڑوں کی ٹاپیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ ان میں پیڑوں کے پتوں کی کھڑکھڑاہٹیں بھی تھیں۔ راستے میں کہیں کہیں صلیبیوں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ یوں تو جنگی سرگرمیاں ختم ہو چکی تھیں پھر بھی تخریب پسند دشمنوں کی چھاپہ مار ٹولیاں چلتی پھرتی رہتیں اور چھاپہ مار

امن پسند شہریوں کو لوٹتے رہتے تھے۔

ایک جگہ کچھ شہریوں اور صلیبیوں کی لاشیں پڑی تھیں انھیں دیکھ کر ملکۂ صقلیہ نے کہا "یہ سب کچھ میرے بھائی شاہ رچرڈ کی مرضی اور منظوری کے بغیر ہو رہا ہے۔ شاہ جنگ سے تنگ آچکا اور امن پسند ہو چکا ہے۔ یہ صلیبی ٹولیاں پاپائے اعظم کے حکم سے یروشلم میں فتنہ وفساد برپا کر رہی ہیں۔"

ہم سب جانتے ہیں پاپائے اعظم اور پادریوں کا کوئی قصور نہیں۔ جو لوگ شکست کھا کر گھر جاتے ہیں وہ پاپا اور پادریوں کو جھوٹی باتیں سناتے ہیں۔"

"میں بتائے دیتی ہوں کہ اس وقت دنیا کی سب سے مہذب، بہادر اور بڑی طاقت مسلمانوں کے سوا کوئی نہیں۔ مسلمان ہی افریقہ، ایشیا اور یورپ میں وحشیوں کی ماری قوموں کو اندھیرے سے نکال رہے ہیں۔ اسلام کی روشنی دکھا رہے ہیں۔ اور انھیں تہذیب سکھا رہے ہیں۔ پاپائے اعظم اور ان کے حواری انھیں وحشی اور درندہ مشہور کر رہے ہیں۔"

"یہ ان کی غلطی ہے۔"

"وہ یہ غلطی خوب سوچ سمجھ کر کر رہے ہیں۔ صلیبی لشکر نے پانچ سال تک جس وحشت اور درندگی کا ناٹک کھیلا، انسان دوستی کے ہر جذبے کی توہین کی۔ جس بستی پر اسلام کا نشان دکھائی دیا اسے روند ڈالا۔ اپنی اس وحشت اور درندگی پر پردہ ڈالنے کے لیے وہ مسلمانوں کو بدنام کر رہے ہیں۔"

"بہر حال اب اس نفرت کا قلع قمع کرنا ہوگا۔"

"یہی بہتر ہوگا۔ صلیبیوں کو چاہیے کہ اب دنیا کو کھنڈروں سے سجانے کا خیال چھوڑ دیں۔"

ملکہ صقلیہ جونا نے کچھ نہ کہا۔

گھوڑوں کی ٹاپیں پتھریلے راستے پر صاف سنائی دے رہی تھیں۔ ان میں ساز اور مغنیہ کی وہ آواز شامل ہو گئی۔ جو کچھ دور سے سنائی دے رہی تھی۔ مغنیہ کی آواز پہاڑی ندی کے پانی کی مانند صاف شفاف ہو گئی اور گیت کا خوبصورت مکھڑا صاف نظر آنے لگا۔ یہ آواز بعض کے لیے جانی پہچانی تھی۔ یہ قبرصی شہزادی

کی آواز تھی جو پہاڑیوں کے نشیب و فراز کا کھردرا پن دور کر رہی اور انھیں حسن دے رہی تھی۔ نغمے کی سحر کار موجوں میں سے گذرتے گذرتے ملکہ جونا نے ناخوشگوار لہجے میں کہا، دنیا پر عذاب ٹوٹا ہے اور یہ عورت عشرت کے لمحات کے پیچھے بھاگ رہی ہے۔ . . . . اسے فرض ہی نہیں کہ ماؤں کے لال کیسی کیسی ہولناک مصیبتوں میں اسیر ہیں۔"

"ملکہ صقلیہ! تمہارے ذی وقار بھائی ملک رک (رچرڈ شیر دل) کی ذی شان بیوی!" ملکہ نے حقارت آمیز لہجے میں کہا۔ "یہ عورت اپنے شوہر کی تباہی سے خوش رہتی ہے۔"

یہ ملکہ کے دل کی آواز تھی۔ وہ اپنی بھاوج کے خیال سے اندر ہی اندر کھولتی رہتی اور جب اس کا تذکرہ کرتی تو اندر کی تپش شعلہ وار باہر آتی۔

جماعت پگڈنڈی پگڈنڈی پہاڑیوں کی چھوٹی سی وادی میں پہنچی جہاں ہموار پھولدار زمین کے ایک طرف بہت بڑا شامیانہ کھڑا تھا۔ باہر حبشی غلام ننگی تلواریں لیے کھڑے تھے۔ ساز اور آواز کا جادو یہیں اُبل رہا تھا۔ صادق بن حکیم کو دیکھ کر ان تھوں نے سلام کیا۔

ملکہ جونا اور سارہ شامیانے کے اندر گئیں جس پر زربفت کا پردہ پڑا تھا۔ ریشم کا چمکیلا کامدار شامیانہ دمشق کے کارخانہ میں تیار ہوا تھا۔ چونکہ اس زمانے میں اسلامی دنیا کے صنعتی مرکز ہی غیر مسلم دنیا کو مصنوعات فراہم کرتے تھے۔

ملکہ گاریہ— شاہ رچرڈ شیر دل کی شریک حیات جونا کام ہو کے ملک الناصر غازی صلاح الدین ایوبی کے حکم سے عکرہ واپس جا رہی تھی۔ اس وقت مہکتی ہوئی سیج پر نیم دراز تھی اور پورا شامیانہ عزہ کی سرزمین کے لوبان کے خوشبودار دھوئیں سے لبریز تھا۔ اسی میں شراب کی بو بھی بسی ہوئی تھی۔ ساز بند ہو گئے۔ قرصی شہزادی کے سوا تمام عورتیں شامیانے میں سے نکل کر اپنے خیموں میں چلی گئیں۔

ملکہ جونا کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ ملکہ گاریہ ٹس سے مس نہ ہوئی نیم دراز ہی رہی۔

"تم سمجھتی ہو الگ تھلگ دنیا بسا کر تم خوش ہو۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔" ملکہ جونا نے کہا۔

" تم جس دنیا کا نام لیتی ہو یہ نئی ہیں۔ اس دن سے ہے جس دن سے میں انگلستان کی ملکہ بنی۔"

" جانتی ہو؟ انگلستان پر کیا بیتی؟"

" یہ تم جانو! میں صرف یہ جانتی ہوں کہ مجھ پر کیا بیتی۔ میں قبرص سے آئی۔ عکرہ میں بیاہ ہوا اور پھر ٹوٹی ہوئی تلواروں کی زخمی جھنکاروں میں آوارہ ہوئی۔ میری سیج تمہارے بھائی کے لیے ترستی ترستی سونی ہو گئی۔"

" یہ سفید جھوٹ ہے۔ ایک دنیا جانتی ہے کہ تمہاری سیج کبھی سونی نہیں رہی۔"

" دنیا کیا جانتی ہے اور کیا نہیں جانتی اس کا حساب تم رکھو میں صرف تمہارے بھائی کا حساب رکھتی ہوں جو ابھی تک صفر ہے۔"

" تم نے شاہی آداب کا بھی پاس نہیں کیا۔"

" تم ملکہ ہو۔"

" اور ایک بھوکی عورت بھی۔ بھوک میں سب کچھ جائز ہے۔ ملکہ ایک خوبصورت نام ہے اور کچھ نہیں۔"

" تم نے اس خوبصورت نام کو گہن لگا دیا۔"

" کیا یہ ہی کہنے آئی ہو یہاں؟"

" ہاں، جب انگلستان جاؤ گی تو تمہاری داستانیں تمہارے ساتھ جائیں گی۔ رچرڈ کی داستان شکست بھی ساتھ جائیں گی۔ میری داستان شکست کی ان داستانوں کا حصہ بنیں گی نکر کرو۔ تم نہ جاؤ گی ورنہ تمہاری داستانیں بھی وہاں جاتیں۔"

" میری کوئی داستانیں نہیں۔"

" تم مسلمانوں کے درمیان یروشلم کی تتلی بنی گھومتی ہو۔ یہ کوئی داستان نہیں۔"

" یہ تمہاری سوچ ہے۔ میں ایک منصوبے کے تحت، اپنے پیارے بھائی کی شکست کی ندامت دور کرنے کے لیے کر رہی ہوں اس کے کہنے پر چل رہی ہوں۔ یہ جذبہ ایثار کی بات ہے۔ میں اب بھی شرافت اور عزت کی زندگی بسر کر رہی ہوں۔"

"تم میں شرافت اور عزت نام کی کوئی شے نہیں۔"

"زبان بند کرو! تم اپنی حماقت سے صلیبیوں کی تباہی کا بہانہ بن رہی ہو۔ مجھے ڈر ہے کہ پاپائے اعظم جو حالات سے بے خبر، سینکڑوں میل دور بیٹھے نیا لشکر تیار کر رہے ہیں وہ اپنے لیے تباہی کا نیا گڑھا کھودیں گے اس بار گڑھے میں تم بھی کرو گی۔"

ملکہ گاریہ بجلی کے کوندے کی طرح لپکی اور ملکہ صقلیہ سے چمٹ گئی۔ اس نے خنجر نکال لیا لیکن سائرہ نے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ کر پوری قوت سے دبا کر جھٹکا، خنجر نیچے جا پڑا۔ سائرہ نے نند اور بھاوج کو الگ الگ کیا اور ملکہ گاریہ کو مخاطب کر کے کہا: "جس طرح تم ملک العادل سیف الدین ابوبکر کی حفاظت میں ہو، اس طرح ملکہ صقلیہ بھی انہی کی حفاظت میں ہیں۔"

"یہ احمق عورت ہے۔ اسے خنجر استعمال کرنے کا سلیقہ نہیں آتا۔ پہلے اس نے ملک الناصر پر خنجر اٹھایا تھا اور اب مجھ پر اٹھالیا ہے۔ اسے خبر نہیں کہ خنجر سے معاملات طے کرنے کا وقت گزر چکا ہے۔"

"اب تمہارے ذریعے معاملات طے ہوں گے۔"

"ہاں، اب میں معاملات طے کر کے دکھاؤں گی۔"

"سُن لیا۔ تم اب جا سکتی ہو۔"

"میں یہاں رہنے نہیں آئی۔ یہ کہنے آئی ہوں، تمہاری بدنامی میرے بھائی کی بدنامی ہے۔ میرے بھائی کی بدنامی انگلستان کی بدنامی ہے۔ جنگ کی ناکامی ہی کیا کم ہے کہ اب تم بھی اسے بدنام کرو۔ مہربانی کر کے اپنا چلن ٹھیک کرو۔"

"تم ایک بیہودہ عورت ہو۔ میں بیاہتا عورت ہوں۔ تمہاری زندگی بے مقصد ہے اور جو کچھ تم نے سوچا ہے، جو کچھ تم کرنے والی ہو وہ بے مقصد ہے۔"

"تم اپنی زندگی بے مقصد بنا چکی ہو۔ یہ میرا وقت جب آئے گا تب کہنا۔"

"خیر، تم اب جاؤ! میں آرام کروں گی۔"

"تمہیں اس آرام کی بھاری قیمت ادا کرنا ہوگی۔"

"جو لوگ تمہاری قیمت دیں گے وہی میری قیمت بھی دے دیں گے۔"

"میں نہیں چاہتی کہ میرے ہاتھوں میری بھاوج کی جان خطرے میں پڑے۔"

"میرا خیال چھوڑو! میں ملکہ جا رہی ہوں۔ اپنی خیر مناؤ۔ مسلمانوں نے تمہارا گھیراؤ کر رکھا ہے۔"

"تم اطمینان سے جاؤ۔"

بس اب جاؤ! دردِ سر نہ بنو!"

"جا رہی ہوں گاریہ! کبھی تنہائی میں سوچنا کہ تم کیا کر رہی ہو؟"

"سوچ لیا ہے۔"

مکالماتی جنگ غیر مفید ثابت ہوئی کیونکہ ملکہ گاریہ نے اپنی نند کی باتوں کو پرِ کاہ کے برابر بھی وقعت نہ دی۔ شراب کا جام پی کر دراز ہوگئی۔ اس نے قبرصی شہزادی کو موسیقی کی برخاست شدہ محفل دوبارہ جمانے کو کہا۔

ملکہ جونا جس نے شراب اور خنزیر کا گوشت ترک کر دیا تھا۔ فوراً باہر نکل آئی۔ اس نے تو عربی بھی سیکھ لی تھی۔ اور اسلامی معاشرے کے آداب سے پوری پوری آگاہی حاصل کرلی تھی۔ وہ خود کو اسلامی معاشرے میں جذب کرنے کی تیاری میں لگی تھی ـــ وہ زندگی کے نئے سفر کے لیے پوری طرح آمادہ تھی۔

شامیانے میں سے قبرصی شہزادی کی آواز بلند ہوئی۔ اور ساز و سامان کی آواز کے ساتھ نکھر گئی۔ ملکہ جونا اور سائرہ محافظوں کی جماعت کے ساتھ پہاڑیوں کے پیچ و خم سے نکل کر شاہراہ پر آگئیں۔

اقوالِ زرّیں

- جو شخص اپنا راستہ پوشیدہ رکھتا ہے وہ گویا اپنی سلامتی اپنے قبضہ میں رکھتا ہے (حضرت عمرؓ)
- احمق کا دل منہ میں اور عقلمند کی زبان دل میں ہوتی ہے ۔ (حضرت علیؓ)
- اپنے کو سب سے بہتر سمجھنا جہالت ہے۔ ہر شخص کو اپنے سے بہتر سمجھنا چاہئے۔ (غزالیؒ)
- علم وہی ہے جو خدا کا خوف پیدا کرے۔ اپنی برائیوں سے واقف کرے عبادت کا شوق پیدا کرے (غزالیؒ)

مرسلہ۔ فیصل الامین)

بیسویں سالگرہ

(خورشید انور آمبور)

(۱)

رات کے نو بجے کلیم اور واحد ایک ہوٹل میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ کمرے میں سوائے ان کے اور کوئی نہ تھا۔

"مجھے افسوس ہے" واحد نے سگار سلگاتے ہوئے کہا "میں ان شرائط میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کر سکتا۔ پچیس ہزار کی رقم معمولی رقم نہیں ہے۔"

تھوڑی دیر کے لیے کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ آخر کار کلیم نے خاموشی توڑتے ہوئے کہا۔!

آپ خیال فرمائیں کہ والدین کو اپنی اولاد سے کتنی محبت ہوتی ہے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اپنے پیارے لڑکے کو جب اس کی عمر بیس سال ہو جائے تو آپ کے سپرد کر دوں اور صرف میں نہیں بلکہ کامل پانچ سال تک اس سے کوئی تعلق نہ رکھوں نہ وہ مجھے ملے اور نہ میں اُسے .....

"دیکھئے دیر ہو رہی ہے۔" واحد نے کہا۔ "آپ جلد فیصلہ کر کے جواب دیجئے۔ "ہاں یا نا" ورنہ میں جاتا ہوں کیوں کہ مجھے اتنی رات تک جاگنے کی عادت نہیں ہے۔"

کلیم غریب آدمی تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح روپیہ مل جائے تو اپنے کاروبار کو بڑے پیمانے پر کرے۔ موجودہ حالت میں اس کو اتنی آمدنی نہیں تھی جس سے گھر کے پانچ آدمیوں کا گزارہ ہو سکے۔ اس خیال سے اس نے اپنے دوست واحد سے کچھ روپیہ قرض مانگا تھا۔

وہ روپیہ دینے کے لیے تیار تھا۔ مگر شرائط منظور کرنے کے لیے کلیم تیار نہ تھا۔ کلیم عجیب تذبذب میں تھا۔ اچانک اسے خیال آیا کہ نہ معلوم اتنے عرصہ میں واقعات کیا صورت اختیار کرلیں۔ اس لیے روپیہ چھوڑنا نامناسب ہے۔ اس نے سر ہلا کر کہا: مجھے منظور ہے لاؤ دستخط کردوں۔"

واحد کے چہرے پر خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس نے فوراً اپنی جیب سے ایک کاغذ نکالا اور کلیم کے سامنے رکھ دیا۔ جس پر بغیر دیکھے دستخط کردیے۔ واحد نے عہد نامہ جیب میں رکھ لیا اور ایک چیک اپنے دوست کے حوالے کرکے ہوٹل سے باہر چلا گیا۔

واحد کے باہر چلے جانے کے بعد کلیم اپنے خیالات میں گم ہوگیا۔ وہ کبھی چیک پر لکھے ہوئے پچیس ہزار کے ہندسے کو دیکھتا اور کبھی اپنے چار سال کے لڑکے کا خیال کرتا۔ جو اس عہد نامہ کی رُو سے سولہ سال کے بعد پانچ برس کے لیے جُدا ہوجائے گا۔

(۲)

کافی رات گذر چکی تھی۔ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ سڑک پر کوئی شخص نظر نہ آتا تھا۔ پہریدار سپاہی بھی اس وقت اپنے فرائض کو بھلا کر کہیں جا چھپے تھے۔ کلیم لمبے لمبے قدم مارتا ہوا اپنے گھر پہونچا۔ اس کی بیوی نے دیر میں آنے کا سبب دریافت کیا۔ کلیم نے بہانہ بنا کر ٹال دیا وہ نہیں چاہتا تھا کہ اپنی بیوی کو اصلی حالت سے مطلع کرے۔

تمام رات کروٹیں بدلتے گذر گئی۔ نیند نہ آنی تھی نہ آئی۔ آئندہ زندگی کے متعلق مختلف قسم کے خیالات اس کے دل میں پیدا ہورہے تھے۔ وہ اس وقت سے اپنے آپ کو ایک کامیاب سوداگر خیال کرنے لگا تھا لیکن جب عہد نامہ کا خیال آیا تو یکلخت اس کے چہرے کی سرخی زردی میں تبدیل ہوجاتی۔

دوسرے دن بنک سے روپیہ ملا چند روز کے غور و خوض کے بعد اس نے کپڑے کی تجارت مناسب سمجھی اور ایک موقع کی جگہ تلاش کرکے اپنا کاروبار شروع کردیا۔ اس کو حیرت انگیز نفع ہورہا تھا۔ اور چند ہی سال میں اس کا سرمایہ دوگنا ہوگیا۔ کیونکہ وہ نہایت

جفاکش اور کفایت شعاری سے کام کرتا تھا۔

دن ہفتے میں مہینے اور سال میں گذرتے گئے یہاں تک کہ معاہدے کو سولہ سال ہو گئے اس وقت اس کی کل ملکیت ایک لاکھ سے زیادہ کی تھی وہ پچیس ہزار کی رقم چار مرتبہ ادا کر سکتا تھا اس نے اس عرصے میں واحد کو بہت تلاش کیا۔ مگر ناکام رہا۔ اس کا کہیں پتہ نہ ملا۔ وہ چاہتا تھا، کسی نہ کسی طرح اس معاہدے کو توڑ دیا جائے وہ واحد کو پچیس ہزار روپے کی بجائے پچاس ہزار روپے دینے کے لیے تیار تھا لیکن اس کو اپنے نوجوان خوبصورت لڑکے کی جدائی کسی طرح گوارا نہ تھی۔

۲۷ اپریل کو شام کا وقت تھا اور دوسرے روز صبح کو وسیم کی بیسویں سالگرہ ہونے والی تھی۔ کلیم کے گھر میں ہر شخص خوش وخرم نظر آرہا تھا مگر وہ خود کسی طرح مغموم تھا۔ اسے یقین تھا کہ کل صبح واحد ضرور آئے گا اور وسیم کو لے جانے کے لیے کہے گا۔ دو ایک مرتبہ اس کی بیوی نے دریافت بھی کیا کہ اس قدر پریشان کیوں ہے مگر اس نے ہر بار کوئی نہ کوئی بہانہ بنا دیا کبھی کہہ دیا کہ میرے سر میں درد ہے اور کبھی تھکن ظاہر کی۔

اس دن اُسے ایک تار ملا۔ کلیم نے کپکپاتے ہوئے ہاتھوں سے لفافہ کھولا۔ وہ واحد کے پاس سے آیا تھا۔

میں آج رات تقریباً ساڑھے گیارہ بجے اسٹیشن پر پہونچوں گا۔ آپ کے مکان پر قیام کرنے کا ارادہ ہے۔ امید ہے کہ آپ سے ضرور ملاقات ہو گئی۔ (آپ کا پیارا دوست واحد")

(۳)

"واحد بھائی! کیسی طبیعت ہے۔ بڑے سوچ میں معلوم ہو رہے ہو؟" کہو گھر میں خیریت ہے؟ بال بچے کس طرح ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ ایک عرصہ تک ملاقات تو ایک طرف خط وکتابت بھی نہ ہو سکی؟

واحد کا انداز گفتگو بڑا پیارا لگا۔ کلیم نے اپنے روزگار کا حال بتایا اور بیٹے کے بارے میں بتایا کہ وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر چکا ہے اور اب میں اُسے اپنے کاروبار میں لگا دُں گا۔ اس لیے آپ سے درخواست ہے کہ آپ پچیس ہزار کے بدلے پچاس ہزار لے لیں،

اور معاہدہ پھاڑ دیں تو میں آپ کا ممنون ہوں گا۔

یہ سن کر واحد نے کہا۔" بھائی! میں آپ کے پچاس ہزار کے بدلے اس سے زیادہ دے سکتا ہوں لیکن معاہدہ ختم نہ ہوگا۔ اس کی وجہ بھی سنئے جس وقت میں نے یہ معاہدہ کیا تھا۔ اس وقت میری لڑکی کی عمر تین برس کی تھی۔ اس وقت وہ سترہ برس کی ہے۔ دراصل میں نے اسی کے لیے یہ سودا آپ سے کیا تھا۔ آج میں آپ سے یہ گزارش کرنے آیا ہوں کہ اس بچی کو اپنی بیٹی بنا لیں۔ میری یہی ایک بیٹی ہے اور میرے پاس اللہ کا دیا بہت کچھ ہے

واحد یہ سن کر کلیم کی تکنیک پہ دنگ رہ گیا۔ اس نے واحد کو گلے سے لگا لیا۔ اور نکاح کی تاریخ اسی وقت طے کر دی۔

حدیثِ رسولؐ "مصیبت نازل ہوگی"

- جب سرکاری مال ذاتی ملکیت بنا لیا جائے۔ تب مصیبت نازل ہوگی۔
- امانت کو مال غنیمت سمجھا جائے۔ تب مصیبت نازل ہوگی۔
- زکوٰۃ جرمانہ محسوس ہو۔ تب مصیبت نازل ہوگی۔
- شوہر بیوی کا مطیع اور ماں کا نافرمان بن جائے تب مصیبت نازل ہوگی۔
- آدمی دوستوں سے بھلائی کرے اور ماں باپ پر ظلم ڈھائے تب مصیبت نازل ہوگی۔
- مساجد میں شور مچائے۔ تب مصیبت نازل ہوگی۔
- قوم کا رذیل ترین آدمی اس کا لیڈر رہو۔ تب مصیبت نازل ہوگی۔
- آدمی کی عزت اس کی برائی کے ڈر سے ہونے لگے۔ تب مصیبت نازل ہوگی۔
- نشہ آور چیزیں کھلم کھلا استعمال کی جائیں۔ تب مصیبت نازل ہوگی۔
- مرد ریشم پہنیں۔ تب مصیبت نازل ہوگی۔ (مرسلہ: زاہد علی خاں ٹیلر میٹھا کنواں رامپور)

سائل کو جھڑکنا

اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ (الضحیٰ-۱۰)　　مانگنے والے کو مت جھڑک۔

اگر فقیر کو کچھ نہ دیا جائے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں مگر اس کو جھڑکنا مذاق اڑانا، عار دلانا یہ سب باتیں ممنوع ہیں۔ نہ صرف فقیر کو بلکہ بیجا طور پر ہر کسی کو جھڑکنا ناجائز ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص تندرست گداگری کا پیشہ کرتا ہے تو اس کو سمجھانے میں کچھ حرج نہیں۔ آج کل عام طور سے لوگوں نے گداگری کو ایک فن بنالیا ہے ایسے لوگوں کو ہرگز کچھ نہ دینا چاہئیے۔ اسلام گداگری نہیں سکھلاتا۔ مسجد کے اندر یا مسجد کے دروازوں پر سوال کرنے والوں کو دینا مکروہ ہے۔ قرآنِ کریم پڑھ کر مانگنے والے کے متعلق بھی یہی حکم ہے۔

سائل کو جھڑکنے سے نعمت کے سلب ہو جانے کا خطرہ ہے خدا سے پناہ مانگنی چاہئیے کہ اس نے ہمیں سائل نہ بنایا۔ بہت ممکن ہے سائل کو جھڑکنے سے کسی وقت ایسا ہی منظر سامنے آجائے اور پھر پچھتانا پڑے۔

سرگوشی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المجادلہ-۹)　　اے ایمان والو جب سرگوشی کیا کرو تو گناہ اور ظلم کے لئے مت کیا کرو۔

آیت سے ظاہر ہے کہ سرگوشی کرنا ممنوع نہیں۔ ہاں گناہ و ظلم کی بابت سرگوشی کرنا، کسی کی برائی کے بارے میں سرگوشی کرنا حرام ہے۔ غرض اچھی باتوں کے لئے ایسا کرنا کچھ برا نہیں لیکن مجلس میں اگر صرف تین ہی شخص ہوں تو ان میں سے دو آدمیوں کو علیحدہ جاکر گفتگو کرنا خواہ وہ اچھی بات ہی کیوں نہ ہو ممنوع ہے اس سے تیسرے آدمی کی دل آزاری ہوتی ہے اور آدابِ مجلس کے بھی خلاف ہے

اگر محفل میں مجمع کثیر ہو تو چند آدمیوں کا علیحدہ جا کر گفتگو کرنا جائز ہے حتی الامکان اس سے پرہیز کرنا ہے ممکن ہے کسی شخص کو یہ خیال گذرے کہ دیکھو انھوں نے مجھے اس قابل نہ سمجھا یا کہیں اس کو شبہ ہو کہ یہ لوگ میرے بارے میں تو کچھ نہیں کہہ رہے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تین لوگوں میں سے دو علیحدہ جا کر سرگوشی نہ کریں مبادا اس سے تیسرے شخص کو اپنے متعلق شبہ ہو۔ البتہ اگر تین سے زائد ہوں تو مضائقہ نہیں ۔

شراب نوشی

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ إِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَآ أَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ط (البقرہ ــ ۲۱۹)	تجھ سے شراب اور جوئے کی بابت دریافت کرتے ہیں تو کہہ دے ان میں کچھ فائدے ہیں مگر ان کے نقصانات فائدے سے بڑھے ہوئے ہیں

بعض لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے متعلق دریافت کیا تھا ان کے جواب میں یہ آیت حرمت شراب کے لئے نازل کی گئی تھی۔ شراب نوشی تمام بداخلاقیوں کی جڑ ہے اسی لئے اس کو اُم الخبائث کہتے ہیں۔ بعض مذاہب نے اگرچہ اس کو جائز رکھا ہے مگر انھوں نے بھی اس کی بہت بُرائی کی ہے۔

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ إِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ أَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ	اے ایمان والو شراب جوا بُت اور پانسے شیطان کے گندے کام ہیں ان سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ ۔ شیطان تمہارے درمیان شراب اور جوئے کے ذریعہ دشمنی اور بُغض پھیلانا چاہتا ہے ۔

وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ (المائدہ ۹۰۔۹۱) ـــــ شراب سے قوتِ غصہ بہت بڑھ جاتی ہے اور عقل تو اس سے زائل ہی ہو جاتی ہے اس لئے ایسے لوگ ہمیشہ آپس میں جھگڑے فساد برپا کرتے رہتے ہیں ۔

نفاق

هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ (آلِ عمران - ۱۶۷)

وہ لوگ اس دن کفر سے زیادہ قریب ہیں بہ نسبت ایمان کے۔ کہتے ہیں اپنے منہ سے جو نہیں ہے اُن کے دلوں میں۔

ظاہر و باطن، زبان و دل کے مطابق نہ ہونے کو نفاق کہتے ہیں۔ یہ عادت بُزدلوں میں زیادہ ہوتی ہے۔ نفاق کو کفر کے قریب فرمایا ہے اسی سے اس کی مذمت ظاہر ہوتی ہے۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ (النساء - ۱۳۸)

منافقین کو خوشخبری سنا دے کہ ان کے لئے تکلیف دِہ عذاب ہے

اس رکوع میں آگے یہ آیت ہے اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ۙ یعنی اللہ تعالے منافقین و کافرین کو جہنم میں ایک جگہ رکھے گا۔ یہ آیات اگرچہ خاص قسم کے نفاق کے بارے میں ہیں مگر پھر بھی ان سے نفاق کی بُرائی مترشح ہوتی ہے۔

نفس پرستی

فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ (النساء - ۱۳۵)

خواہشات کا اتباع نہ کرو انصاف کرنے میں۔

اتباعِ خواہشات یا نفس پرستی انسان کو ہمیشہ مصیبتوں اور گناہوں میں مبتلا کرتی ہے، اور ہر وقت انسان کو پریشان رکھتی ہے۔ ایک خواہش پوری ہو جاتی ہے تو پھر دوسری کا تقاضا شروع ہو جاتا ہے۔ پھر تیسری، چوتھی، پانچویں غرض یہ سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ نہ کبھی سیری ہوتی ہے اس سے معلوم ہوا نفس پرستی موجب اطمینان و سکون نہیں بلکہ نفس کشی سبب مسرت و

سکون ہے جو لوگ اس میدان میں قدم رکھ چکے ہیں وہ جانتے ہیں کہ حقیقی مسرت اتباعِ نفس کے ساتھ کبھی جمع نہیں ہو سکتی۔

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ (الروم — ۲۹) بلکہ ظالم اپنی خواہشات کا اتباع کرتے ہیں جانے بوجھے۔

نفس پرست خواہشات کے بس میں ہوتا ہے اس کو برا بھلا کچھ محسوس نہیں ہوتا جی اس کو جیسا حکم کرتا ہے اس کے موافق ناچتا ہے۔ تصوف کی کتابوں میں اس مرض کے دفع کرنے کی مفصل ترکیبیں لکھی ہیں۔

ہنسی اڑانا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ (الحجرات — ۱۱) اے ایمان والو کوئی کسی کا مذاق نہ اڑا۔ شاید وہ ان مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہوں۔ اور نہ کوئی عورت کسی کا مذاق بنائے شاید وہ ان سے بہتر ہوں۔

ہنسی اڑانا بیہودہ، لوفر اور بیکاروں کا کام ہے عورتوں میں یہ عادت زیادہ ہوتی ہے اس لئے آیت میں خصوصیت سے عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ (البقرہ — ۶۷) وہ بولے کیا تو ہم سے ہنسی کرتا ہے موسیٰ نے کہا پناہ بخدا کہ میں جاہلوں سے ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذبح بقرہ کے متعلق ان کی قوم نے کہا کہ آپ ہمارے ساتھ مذاق تو نہیں فرما رہے۔ آپ نے فرمایا۔ مذاق اڑانا تو جاہلوں کا پیشہ ہے حقیقت یہی ہے کہ جہلا ہر وقت ہنسی مذاق میں رہتے ہیں۔ مذاق اڑانا علماء کی شان نہیں البتہ ظرافت جائز ہے بشرطیکہ دائرہ تہذیب میں ہو

(مرسلہ۔ وسیمہ تنویر)

آخرت

توحید، رسالت اور قرآن کو کلام الہٰی ماننے ساتھ دعوت اسلامی کا چوتھا نکتہ یہ ہے ب آخرت پر ایمان لائیں۔ یہ ایک محض سا نکتہ نہیں ہے۔ بلکہ اس میں بہت سی حقیقتیں شامل ہیں جنھیں تسلیم کرنے کا ہی نام ایمان بالآخرۃ ہے۔

اول یہ کہ دنیا میں انسان غیر ذمہ دار بنا کر ں چھوڑ دیا گیا ہے کہ یہاں جو کچھ بھی وہ چاہے ارہے۔ کوئی اس سے باز پرس کرنے والا نہ ہو ، یہ دنیا دار الامتحان ہے جس میں انسان مائش کے لیے بھیجا گیا ہے۔ اور جو کچھ ی وہ یہاں کرتا ہے اس کی جواب دہی اُسے لّٰہ تعالیٰ کے سامنے کرنی ہوگی۔

دوم یہ کہ اس جواب دہی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک خاص وقت مقررہ کر رکھا ہے۔ نوع انسانی کو دنیا میں کام کرنے کی جتنی مہلت دینے کا فیصلہ اللہ فرما چکا ہے اس کے ختم ہونے پر قیامت برپا ہوگی جس میں یہ سارا نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے گا اس کے بعد ایک دوسرا نظام عالم قائم کیا جائے گا۔ اور ابتدائے آفرینش سے قیامت تک جتنے لوگ گزر چکے ہیں وہ سب بیک وقت زندہ کر کے از سر نو اس عالم میں اٹھائے جائیں گے۔ یہ دوسری زندگی دنیا کی موجودہ زندگی کی طرح عارضی نہیں بلکہ ابدی ہوگی موت اس میں کبھی نہیں آئے گی۔

سوم یہ کہ اس وقت تمام اگلے پچھلے انسانوں کو جمع کر کے اللہ تعالیٰ کی عدالت

میں پیش کیا جائے گا۔ اور وہاں ہر شخص کو اپنی انفرادی حیثیت میں ان اعمال کی جواب دہی کرنی ہوگی۔ جو اس نے خود اپنی ذمہ داری پر دنیا میں کیے ہیں۔

چہارم یہ کہ دنیا میں انسان جو کچھ بھی کر رہا ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ اس کو براہ راست جانتا ہے مگر عمل کی تمام شرائط پوری کرنے کے لیے وہ اس کا مکمل اور بالکل صحیح نامۂ اعمال تیار کرا رہا ہے۔ بے شمار شہادتیں اس کے ایک ایک قول وفعل کے لیے فراہم کر رہا ہے۔ خواہ وہ اس نے اعلانیہ کیا ہو یا چھپ کر۔ بلکہ جس نیت اور ارادے سے اس نے کوئی بات کی یا کی ہے اور جو جو خیالات اس نے اپنے دل میں رکھے ہیں۔ ان سب کا ثبوت بھی وہ محفوظ کرتا جا رہا ہے۔ پھر اس بات کے گواہ بھی اس نے تیار کر رکھے ہیں کہ انسان کو حق اور باطل کا فرق سمجھانے اور غلط راستوں کے درمیان سیدھا راستہ بتانے کے لیے اس کی طرف سے پورا انتظام کر دیا گیا تھا۔ یہ سب شہادتیں اللہ کی عدالت میں اس شان سے پیش ہوں گی کہ انسان ان کا انکار نہ کر سکے گا۔

پنجم یہ کہ اللہ کی عدالت میں کوئی رشوت بے جا سفارش اور خلاف حق وکالت نہ چل سکے گی۔ کسی کا بوجھ کسی دوسرے پر ڈالا جائے گا۔ اور نہ ہی کوئی عزیز سے عزیز اور قریب سے قریب شخص اپنے عزیز و قریب کا بوجھ اپنے اوپر لے گا۔ جن واقعی یا خیالی ہستیوں کو آدمی اپنا دلی و ناصر سمجھتا ہے وہ اس کے کسی کام نہ آئیں گی۔ انسان وہاں تن تنہا بالکل بے یار و مددگار کھڑا ہوا اپنے کارنامۂ حیات کا حساب آپ دے رہا ہوگا۔ اور فیصلہ بالکل اللہ کے اختیار میں ہوگا۔

ششم یہ کہ فیصلے کا مدار کلیۃً اس بات پر ہوگا کہ انسان نے دنیا میں انبیاء کے بتائے ہوئے حق کو مان کر اس کے مطابق اللہ کی ٹھیک بندگی کی یا نہیں اور آخرت میں اپنی جواب دہی کے احساس کو ملحوظ رکھتے ہوئے زندگی بسر کی یا اسے بھول کر سب کچھ دنیا ہی کے لیے کرتا رہا۔ پہلی صورت میں اس کے لیے جنت ہے اور دوسری صورت میں جہنم۔

(ایم صلاح الدین)

بیگم کی کفایت شعاریاں

ادھر چند دنوں سے میں مارک کر رہا تھا کہ آہستہ آہستہ اشیائے خوردنی میں کمی واقع ہوتی جارہی تھی۔ پہلے تو چاول کی مقدار کم از کم ہوتی گئیں شروع شروع تو میں یہی سمجھتا رہا کہ شاید ایسا سہواً عمل میں آرہا ہے لیکن جب اس عمل میں مستقل مزاجی کی کیفیت پیدا ہوئی تو میرے کان کھڑے ہوئے۔ مجھ جیسے کند ذہن شخص کو بھی یہ سمجھتے دیر نہ لگی کہ اس عمل کا صدور سہواً نہیں عمداً ہو رہا ہے پہلے تو ارادہ کیا کہ انکی توجہ اس امر پر مبذول کراؤں پھر یہ سوچ کر کہ عین ممکن ہے وہ میرے جسم میں شوگر فیکٹری کے قیام کے اندیشہ سے مجھے چاول کم سے کم دیتی جارہی ہیں۔ چنانچہ خاموش رہا۔

اس کے بعد نمبر سرسوں کے تیل کا آیا۔ اب سبزی لے کر سالن تک میں تیل برائے نام رہ گیا۔ پکوڑے۔ پاپڑ۔ پوٹیٹو چپس وغیرہ تلنا تو بالکل موقوف ہوگیا۔ ذہن میں فطری طور پر سوال اُبھرا: بیگم نے چاول کی مقدار کم کی سو گر فیکٹری کے عالم وجود میں آنے کے خدشہ سے۔ مگر سرسوں کے تیل کا استعمال کم سے کم ہوتے ہوئے ختم ہونے کا کیا سبب ہوسکتا ہے؟ پھر ذہن نے ہی یہ توجیہہ کی کہ سرسوں کے تیل میں آمیزش بڑے زور و شور سے ہوتی ہے۔ اور آمیزش شدہ تیل کا استعمال طرح طرح کے امراض کو جنم دیتا ہے۔ بالفرض اگر سرسوں کے تیل میں آمیزش نہ بھی ہو تو بھی اس کا کثرت استعمال جگر کو خراب کر دیتا ہے اور اگر جگر خراب ہو تو پھر یرقان جہاں سے پھر قبرستان۔ چنانچہ اگر بیگم نے اس

کا استعمال تو تقریباً موقوف کر دیا ہے۔ تو انھیں ایسا کرنا ہی چاہیے۔ کوئی بھی خاتون عالم شباب ہی میں بیوگی کی سفید چادر اوڑھنا پسند نہیں کرے گی صحابہ کرامؓ کا دور ہوتا تو اغلباً انھیں اس امر کا کچھ زیادہ غم نہ ہوتا۔ کیونکہ اُس زمانے میں کثرت ازواج معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے انھیں بیوہ ہونے کی صورت میں کوئی نہ کوئی بر مل ہی جاتا مگر اس موجودہ دور میں جبکہ دوشیزاؤں کو جلد شوہر نہیں ملتے ایک بیوہ خاتون کو کہاں سے مل سکتا ہے؟ چنانچہ انھیں میری صحت اور اس سے بھی زیادہ میری حیات کا فکر ہونا نہ صرف ایک فطری بات تھی بلکہ دور اندیشی کا بھی عین تقاضہ تھا۔ شکر کا جب نمبر آیا تو جناب اس سلسلے میں میں نے توجیہہ کی بھی ضرورت نہ سمجھی۔ شکر نہ صرف یہ کہ رفتہ رفتہ ہمارے گھر میں معدوم ہوگئی بلکہ اس کی جگہ پر گڑ کا استعمال ہونے لگا ہے۔ میرے لیے تو شکر کوئی خاص مصرف کی چیز نہ تھی۔ کیونکہ نہ میں چائے پیتا ہوں، اور نہ کوئی کولڈ ڈرنک ہی کا شوق ہے۔ اور پھر شکر میں سوائے کاربن کے کچھ ہوتا ہی نہیں گڑ میں غذائیت ہے (NUTRITION)۔ تو اس سلسلے میں دل ہی دل میں بیگم کو داد دی۔ کہ چینی جیسی بے کار شے کے بدلے انھوں نے گڑ جیسی مفید شے کا استعمال شروع کر دیا اور اس ضمن میں بجا تکلف کو راہ نہ دی۔ مگر جب مچھلی، گوشت اور انڈوں کا نمبر آیا تو میں چکرایا۔ بھئی ان چیزوں کا استعمال تو عین مقتضائے ایمان ہے۔! یعنی اگر ایمان ہے تو ان چیزوں کا استعمال بہت ضروری ہے۔ ان اغذیہ کے استعمال کے بغیر ایمان اور اسلام کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ جب بیگم کی اس دست درازی یا یوں کہیے دست کوتاہی نے میرے ایمان اور اسلام کو خطرے میں ڈال دیا تو نہ صرف یہ کہ میری توجیہات کا سلسلہ موقوف ہوا۔ بلکہ میرے صبر و تحمل کا پیمانہ لبریز ہوگیا اس کالونی میں جس میں اُن دنوں ہم لوگوں کا قیام تھا۔ غیر مسلموں کی کثرت تھی۔ اور چونکہ میری بیگم ضرورت سے زیادہ سوشل واقع ہوئی تھیں اس لیے اُن کا زیادہ تر وقت اُن کے ہی ساتھ گذرتا تھا۔ چنانچہ شک ہی صرف نہیں یقین اور وہ بھی یقین کامل ہوگیا کہ ضرور ان کا دھرم بھرشٹ ہوگیا ہے مگر معاملہ صرف اُن ہی کی

ذات تک محدود رہتا تو بھی یہ سوچ کر صبر کر لیتا کہ یہ اُن کا ذاتی معاملہ ہے۔ حالانکہ ازروئے قرآنی فرمان "قُوا انفسکم واهلیکم نارا" یہ میری ذمہ داری بھی کہ انھیں اُن کی غلط روی سے باز رکھوں مگر مجھے قبل از وقت گنجا ہونا منظور نہیں تھا۔ اس لیے میں نے ان کے ذاتی معاملہ میں دخل دینے کی جسارت نہیں کی۔ مگر میں انھیں اس بات کی بھی اجازت کیونکر دے سکتا تھا کہ وہ اپنا دھرم بھرشٹ کرنے کے ساتھ میرا بھی دھرم بھرشٹ کریں۔ یہ مجھے قطعی منظور نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے ایک دن جبکہ اُن کا موڈ آف نہ تھا آخر ہمت کرکے اُن سے پوچھ ہی لیا۔

"بیگم جب آپ نے چاول پر، پھر سرسوں کا تیل پر اور بعدہٗ شکر پر کرفیو نافذ کی تو بات میری سمجھ میں آگئی کہ.. " کہ ایک دم بیگم چونک کر گویا ہوئیں "ہاں ہاں میں بھی تو جانوں آخر کیا سمجھ میں آگئی۔ آپ تو؟؟

یہی کہ آپ سوگر فیکٹری کے قیام کے خلاف ہیں اور....

"سوگر فیکٹری کا قیام؟" "آخر کہاں اور کیوں؟" قدرے دلچسپی لیتی ہوئی بولیں۔

"اجی واللہ آپ بھی کمال بھولے پن اور معصومیت کا مظاہرہ فرما رہی ہیں۔ کیا آپ نہیں جانتیں کہ چاول کے استعمال سے شکر کی شکایت لاحق ہو جاتی ہے۔"

"اوہ تو یہ بات ہے" قدرے اطمینان کا سانس لیتی ہوئی بیگم بولیں"

"میں تو سمجھی آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں کفایت کرکے پیسے اپنے میکہ . ."

"لاحول ولا قوۃ بیگم میں تو اس کے برعکس یہ سمجھتا ہوں کہ آپ یہاں سے میکہ بھرنے کی بجائے میکہ سے یہاں لاکر بھرتی ہیں . ."

وفورِ مسرت سے بالکل بے خود ہو کر گویا ہوئیں "ایسا؟ آپ کتنے اچھے ہیں؟ (کچھ توقف کے بعد) آخر آپ ایسا کس بنیاد پر سوچتے اور سمجھتے ہیں؟ اپنے میکہ کی مزید تعریف سننے کی غرض سے بولیں

"بالکل آسان۔ آپ کے قول و بیان کی بنیاد پر"

"صرف میرے قول و بیان کی بنیاد پر؟" قدرے بجھ کر بیگم بولیں "کبھی آپ نے اس ضمن میں کچھ دیکھا دکھایا نہیں؟"

"دیکھا اور بار بار دیکھا۔"

"کیا؟" انتہائی اشتیاق سے سوالی ہوئیں۔"

"یہی کہ آپ اپنے میکہ کو بھرا کرتی ہیں"

"آپ کہنے میں غلطی کر رہے ہیں۔" دراصل ﭖ کے کہنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ میرے میکہ والے ں گھر کو بھر رہے ہیں۔

"یہ گھر آپ کے میکے والوں کو بھر رہا ہے۔"

بس پھر کیا تھا۔ ایک دم سے رخ بدل کر یں۔" تو سن لیجے مسٹر یان جی۔ میں سوگرنیکرڈی ے ڈر سے یہ کفایت نہیں کر رہی ہوں۔ میں تو من ہوش رُبا گرانی کے سبب ایسا کر رہی ہوں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ابھی اور کٹوتیاں ، میں کرنے جا رہی ہوں۔"

انھوں نے گویا مجھے وارننگ دیتے ئے کہا۔

"اور کٹوتیاں آپ فرمائیں گی؟" میں نے نپ کر ان سے پوچھا۔

"بالکل کرونگی اور ڈنکے کی چوٹ کرونگی، تو للہ ایک کٹوتی آپ اور کریں۔" میں نے فا آمیز نگاہوں سے انھیں دیکھتے ہوئے کہا۔

بہت خوش ہو کر بولیں۔" ضرور کروں گی ایک کٹوتی اور آپ کی طرف سے بھی۔"

"مگر معلوم تو ہو وہ کون سی کٹوتی ہے جس کے لیے آپ خود رضا کارانہ طور پر پیش کر رہے ہیں۔ کیا آپ کے سگریٹ یا آپ کے مفت خوروں (بیگم کا اشارہ میرے احباب کی طرف تھا) پر خرچ کی جانے والی رقم میں کٹوتی؟"

"جی نہیں میرے مفت خوروں کے سلسلے میں خرچ پر کٹوتی نہیں بلکہ آپ کے مفت خوروں کے سلسلے میں خرچ پر کٹوتی۔"

"میرے مفت خوروں کے سلسلے میں خرچ پر کٹوتی؟" سمجھنے کی بات کوشش کرتی وہ گویا اپنے آپ سے مخاطب ہوتی ہوئی بولیں۔" کون ہیں وہ؟"

جواب میں انھوں نے مجھے لاکھ روکنا چاہا مگر میں بھلا کیا رُکنے والا تھا۔ بہادر روسیوں کی طرح افغان مجاہدین سے ہٹ کر راہ فرار اختیار کر کے ہی دم لیا۔

براہ کرم خط وکتابت کرتے وقت اپنا نمبر خریداری [illegible]

ماں کی واپسی

(اس افسانے پر صاحب مضمون نے اپنا نام نہیں لکھا ہے۔ براہ کرم اپنے نام و پتہ سے مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ کسی اشاعت میں اعلان کر دیا جائے۔ (مدیر)

ہماری بس دور دراز وادیوں سے گزرتی ہوئی اپنی منزل مقصود کی طرف تیزی سے گامزن تھی۔ سفر طویل ہو تو یوں بھی دل چاہتا ہے کہ سفر میں اچھے ساتھیوں کا ساتھ رہے تاکہ کسی طرح کی بدمزگی پیدا نہ ہونے پائے آج کل لوگ گھر پر احباب کے ساتھ "آداب سفر" کو ہی الوداع کہہ آتے ہیں۔ ہماری بس کے مسافر غیر معیاری نہ تھے۔ کل ملا کر کارواں کے ساتھیوں کی تعداد بتیس پینتیس سے زائد نہ تھی۔ اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ سردی بلا کی تھی ٹھنڈ کا یہ عالم تھا کہ اگر ذرا شیشہ کھڑکی کا کھل گیا تو معلوم ہوتا تھا جیسے جسم میں تیر پیوست ہو

اس وقت تقریباً رات کا ایک بجا زیادہ تر مسافر سو چکے تھے۔ مجھے نیند لگ رہی تھی۔ میری منزل مقصود قریب ہی تھی ا لیے میں بار بار جاگنے کی کوشش کرتا۔ اس ہماری بس ایسے راستے پر دوڑی چلی جا تھی۔ جہاں قریب میں کوئی آبادی نہیں یہ علاقہ گھنے جنگلات سے ہو کر گزرتا ہے پتہ نہیں میری آنکھ کب لگ گئی اس وقت ہڑبڑا کر اٹھا جب کسی نے گرج آواز میں چیخ کر کہا خبردار! کوئی شخص اپ جگہ سے ہلے نہیں، میں ایک دم سے گھبرا میں نے اپنی جگہ اپنے حواس پر قابو پانے

شش کی دیکھتا کیا ہوں کہ ایک لمبا تڑنگا شخص ڈرائیور کی پشت پر بندوق کی نال ٹکائے ڈرائیور سے کہہ رہا تھا "اگر تم نے ذرا بھی ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی تو دوسرے سیکنڈ میں موت کے منھ میں ہوگے۔" دو آدمی گاڑی کے بالکل آخری حصہ میں نال تانے کھڑے تھے اور تین چار آدمیوں نے ہر ایک مسافر کی تلاشی لینا شروع کردی۔ کسی کی ہمت تھی جو چراُف بھی کردے۔ ہر شخص کو جیسے سکتہ ہوگیا تھا لوگ جان کے خوف سے جو کچھ بھی پاس تھا۔ پیش کررہے تھے جس کے پاس گھڑی ہوتی گھڑی اتار لی جاتی جب تلاش میں میرا نمبر آیا تو حالت یہ تھی کہ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ میرے پاس تقریباً چالیس روپیہ تھے۔ ذرا نکال لیے اُن لوگوں نے میرے بیگ کی بھی تلاشی لی مگر اس میں سوائے چند اسلامی رسائل کے اور کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ خدا کا شکر کہ وہ میرے پاس سے گزر گئے میری جان میں جان آئی۔ آہستہ آہستہ تمام مسافروں کی تلاشی مکمل ہوگئی۔

ایک صاحب لوٹی ہوئی رقم کو ایسے گننے لگے جیسے سلامی کے بعد نوشاہ میاں گھڑی انگوٹھی اور نقدی سنبھالتے ہیں اگلے پچھلے ڈاکو ابھی تک اسی حالت میں کھڑے تھے اور بیک وقت سب پر نگاہ رکھے تھے۔ رقم گننے کے بعد ڈاکو کو کچھ تشویش سی ہوئی اور اس نے کئی بار رقم کو سنبھالا۔ آخر میں بس میں عجیب وغریب اور حیرت انگیز اعلان ہوا "جس جس حاضر کی جو جو رقم ہو ہم سے ایک ایک مسافر آکر واپس لے جائے۔"

سب مسافر حیرت اور حسرت کے جذبات سے ڈاکوؤں کی طرف دیکھنے لگے۔ حقیقت تو ہے کہ ڈاکوؤں کے کئی بار اعلان کرنے کے بعد بھی کسی کی یہ ہمت نہ ہوئی کہ اپنی رقم واپس لینے کے لیے اٹھے۔ ہر ایک کو یہی خدشہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ڈاکو مذاق کررہے ہوں اور مال کے چکر میں کہیں جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑے۔ آخر میں دو ڈاکو اٹھے اور انھوں نے واقعی لوٹی ہوئی رقم لوگوں کو واپس کرنا شروع کردی۔

میں ابھی تک سہما ہوا تھا کہ اللہ یہ کیا ماجرا ہے۔ میں نے سوچا ہو سکتا ہے ہمارے ساتھ کوئی شیخ عبدالقادر جیلانی صاحب سفر کر رہے ہوں۔ اور جب ان سے مال کا مطالبہ کیا گیا ہو تو انھوں نے اپنے کوٹ یا شیروانی کا استر پھاڑ کر نوٹوں کی گڈی ڈاکوؤں کے حوالے کر دی ہو اور کہہ دیا ہو کہ میری والدہ محترمہ نے چلتے وقت تاکید کی تھی کہ بیٹا جھوٹ مت بولنا، اور اس طرح ڈاکوؤں کے دل میں خدا کا خوف پیدا ہو گیا ہو اور انھوں نے لوٹ مار سے توبہ کر لی ہو۔ اسی لیے لوٹی ہوئی رقم واپس ہو رہی ہو؟ میں نے سوچا شاید میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ مگر مجھے جلد ہی خواب سے بیداری نصیب ہوئی۔ جب ڈاکو میرے قریب آ گئے اور انھوں نے میری رقم مجھے واپس کر دی۔ مگر میں اپنی رقم کے مقابل اس راز کو پانے کے لیے زیادہ متمنی تھا کہ آخر یہ ہو کیا رہا ہے؟

میں نے جرأت کر کے آخر پوچھ ہی لیا بھائی "صاحب جی اگر آپ برا نہ مانیں تو میں ایک بات پوچھوں" انھوں نے کہا "پوچھو" میں نے کہا آپ نے کیوں ہماری رقم لی تھی اور اب کیوں واپس کر رہے ہیں دونوں ڈاکو کچھ مسکرائے اور ایک نے جواب دیا، کوئی بھی جب کام کرتا ہے فائدے نفع کے لیے کرتا ہے نقصان کے لیے نہیں اب گاڑی تو ہم لوٹ ہی چکے ہیں اس کی خبر اخبار والوں کو بھی ہو جائے گی اور پولیس والوں کو بھی۔" اب ہم نے لوٹے تو ہیں صرف دو ہزار روپیہ اور ہر گاڑی کے لوٹنے پر تین ہزار روپیہ ہمیں مقامی پولیس کو دینے پڑتے ہیں۔ اس لیے ہم آج کے سودے میں ایک ہزار کا نقصان نہیں اٹھانا چاہتے۔"

حجاب:۔ یہ دیکھیے یہ کتنا سادہ سا واقعہ ہے جسے عجیب و غریب کلائمکس کے ساتھ ترتیب دیا گیا ہے۔ اختتام بڑا حسین اور چونکا دینے والا ہے۔ آپ بھی اسی طرح لکھیں۔ (مائل)

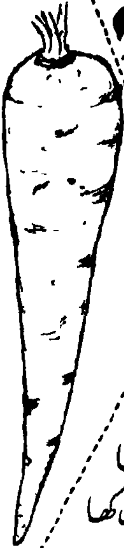
- - - - - - - -

• تربیت نمبر/15 • اوہام شکن نمبر/8

مینجر حجاب رامپور۔ یوپی)



مشورے

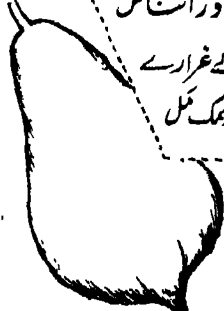


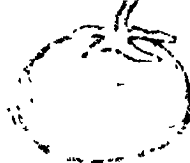
حضرت اسد ملتانی

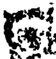
جہاں تک کام چلتا ہو غذا سے — وہاں تک چاہئے بچنا دوا سے
اگر تجھ کو لگے جاڑے میں سردی، — تو استعمال کر انڈے کی زردی
جو ہو محسوس معدے میں گرانی — تو پی لے سونف یا ادرک کا پانی
اگر خوں کم بنے، بلغم زیادہ — تو کھا گاجر، چنے، شلغم زیادہ
جگر کے بل پہ ہے انسان جیتا — اگر ضعفِ جگر ہے کھا پپیتا
جگر میں ہو اگر گرمی دہی کھا — اگر آنتوں میں خشکی ہو تو گھی کھا
تھکن سے ہوں اگر عضلات ڈھیلے — تو فوراً دودھ گرما گرم پی لے
جو طاقت میں کمی ہوتی ہو محسوس — تو مصری کی ڈلی ملتان کی چوس
زیادہ گر دماغی ہے تیرا کام — تو کھا لے شہد کے ہمراہ بادام
اگر ہو قلب کو گرمی کا احساس — مربہ آملہ کھا اور انناس
جو دکھتا ہو گلا نزلے کے مارے — تو کر نمکین پانی کے غرارے
[illegible] میں — تو انگلی سے مسوڑھوں پر نمک مل



[illegible] میں چاہیے تو فاقہ
[illegible] وقت کا کر لے فاقہ







یم اے خیامی)

کھانوں کے وقفوں میں کھانا

کھانے میں باقاعدگی نہایت ضروری ہے. کھانوں کے درمیان کم از کم آٹھ گھنٹوں کا وقفہ ہونا لازمی ہے کھانا کھانے کا وقت مقرر ہونا چاہیے۔ اور دوسرے کھانے کے وقت تک پانی کے سوا کچھ نہیں لینا چاہیے معدے کو دوسرے کھانے سے پہلے کھائے ہوئے کھانے کو ہضم کرنے کے لیے کافی وقت درکار ہوتا ہے۔ اور اسے کچھ آرام کی بھی ضرورت ہوتی ہے اس لیے کھانے کے وقفوں میں کھانا درج ذیل وجوہات کی بنا پر نقصان دہ ہوتا ہے۔

۱۔ آرام کی کمی :۔ یعنی معدہ اور ہاضمہ کے پورے نظام کو متواتر کام میں لگائے رکھا جاتا ہے۔ اور انھیں آرام کا موقع نہیں ملتا۔

۲۔ زیادہ کھانا :۔ وقفوں کے درمیان کھانے والے ضرورت سے زیادہ کھاتے ہیں جس سے بہت زیادہ اور غیر مناسب وزن کی شکایت ہو جاتی ہے۔

۳۔ ناقص قسم کے کھانے :۔ کھانوں کے وقفوں میں اکثر اتنی زیادہ چینی اور روغنیات کھالی جاتی ہیں کہ جسم ضروری نمکیات اور حیاتین سے محروم رہتا ہے۔

۴۔ بھوک کی کمی :۔ وقفوں کے دوران غیر ضروری اشیاء کھانے سے غذائیت والے کھانوں کے باقاعدہ کھانے کی اشتہا کم ہو جاتی ہے۔

۵۔ معدہ کی قبولیت :۔ کھانوں کے وقفوں میں کھانے کو معدہ رغبت سے قبول نہیں کرتا اور اس سے پہلے کھائے ہوئے کھانے کے ہاضمہ کا عمل سست پڑ جاتا ہے۔

۶۔ تکالیف و شکایت :۔ اس طرح کی بے قاعدگی کے سبب گیس، دل کی جلن، درد، دھڑکن خراب سانس، نیند میں خلل، بے چینی، تکان اور دماغی سستی مسلط ہو جاتی ہے۔

صحت اور تندرستی کے دو بڑے راز

① آرام اور سکون

یہ بیماری اور تندرستی ہر دو کے لئے بڑے ہی سستے علاج اور محافظ ہیں۔ بیماری کی حالت میں دن کا آرام اور راتوں کی پرسکون نیند قوتِ مدافعت اور مقابلہ میں اضافہ کا باعث بنتی ہے۔ تندرستی کی حالت میں بھی یہ بڑی خوبی اور خصوصیت کے اہم رول ادا کرتے ہیں۔ آرام و سکون زندگی کی جدوجہد میں جسم و دماغ کی کمی انرجی کو پورا کرتے ہیں۔ آدمی کو آرام و سکون حاصل ہے تبھی وہ خوش رہ سکتا ہے، مسکرا سکتا ہے اور ہنس سکتا ہے۔ یہ خوشی اور مسکراہٹ نہ صرف تندرستی بلکہ طویل العمری کی بھی ضامن ہیں۔ مشہور مقولہ ہے "آدھا پیٹ کھانا کھاؤ، پونا پیٹ پانی پیو اور پیٹ بھر ہنسو... اگر صحت اور درازیٔ عمر کے خواہاں ہو"۔

② دھوپ۔ خدا کی نعمتوں میں سے ایک

دھوپ نہ صرف پھوڑے اور پھنسیوں کو دور کرنے کی احسن خدمت انجام دیتی ہے بلکہ حیاتین ڈی مہیا کر کے تندرست و توانا ہونے میں مدد بھی دیتی ہے۔ سیاست داں برنارڈ باروک جو ریاست کے صدر کارکنان کا مشیر بھی تھا حکمت و سیاست کا مشورہ دھوپ میں ہی بیٹھ کر دیا کرتا تھا۔ اُسے تندرستی اور زندگی کے لئے گراں قیمت دوائیں اور طاقتیں حاصل ہو سکتی تھیں مگر اُس نے دھوپ کو ہمیشہ ترجیح دی کیونکہ اس کی قدر و قیمت اور افادیت کو وہ سمجھ چکا تھا۔ جس پُرلطف اور صحت مند زندگی کا مزہ اِس امیر سیاست داں نے اُٹھایا وہ لطف ہر خاص و عام حاصل کر سکتا ہے... چند منٹ دھوپ میں بیٹھ کر جو ذہنی اور بدنی تکان حیرت انگیز طور پر دور کرنے میں کسی دوا سے کم خاصیت نہیں رکھتی بلکہ یہ علاج و محافظ مفت بھی ہے۔

(مرسلہ: ایم۔ اے۔ خیامی۔ کھریا۔ وارانسی)



ری تاریخ کے حادثے

(محترمہ وحیدہ نسیم)

★ میں نے جب بھی اسکولوں اور کالجوں
یوں کو تعلیمی اداروں کے اندر عامیانہ
ر میں فلمی دھنوں پر رقص کرتے دیکھتی
، تو مجھے اپنے اسکول کا ایک واقعہ بے اختیار
نا ہے بات اُن دنوں کی ہے جب امتیاز علی
ہ کا ڈرامہ "انارکلی" نیا نیا شائع ہوا تھا اور
س کا ایک منظر پیش کرنے والے تھے۔
ی اُستانیوں نے ہم ہی میں سے شہزادہ
م اور انارکلی کے لئے دو لڑکیاں چنیں۔ بات
ے آتی تھی کہ انارکلی کو رقص کے انداز میں
رے ہونا تھا۔ ناچ تھا نہ گھنگرو، سازنہ آواز
لمر بالکل سادہ سا، لیکن اسکول کی انسپکٹرس کو
وم ہوا، تو وہ عین ریہرسل کے دن پہنچ گئیں۔

ہم سے تو خیر کچھ نہ کہا۔ ہماری ہیڈ مسٹرس سے بہت ہی بردباری اور شائستگی سے بولیں: "آپ نے جب بچوں کو پڑھانے کا ذمہ لیا ہے تو ان کی نفسیات سے بھی واقف رہئے۔ لڑکیوں کی یہ عمر بڑی جذباتی اور نازک ہوتی ہے۔ آپ ڈراموں میں جو مکالمے ان سے کہلواتی ہیں یا اسٹیج پر ان کو جس روپ میں پیش کرتی ہیں، یہ غیر شعوری طور پر اپنے آپ کو اُسی کردار میں ڈھالتی رہتی ہیں۔ انھیں کیفیات و احساسات کو اپنے اوپر طاری کرتی ہیں اور بعض مرتبہ معمولی معمولی ڈراموں میں کیا ہوا چھوٹا سا کردار ان کی زندگی میں کوئی اہم موڑ بن جاتا ہے"۔ اس کے بعد انارکلی کا ڈراپ سین ہو گیا بات بہت پُرانی ہے۔ لیکن ان کا آخری جملہ آج تک

یاد ہے: "آخر آپ لڑکیوں کو درسگاہوں کے مقدس ماحول سے اُٹھا کر کہاں بٹھانا چاہتی ہیں؟" میں نے یہ جملہ بہت دہرایا۔ لیکن نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے؟ آئے دن وہی محفلیں، وہی "پاپ" ہوئے ہے، اور اب تو سرکاری کالجوں تک میں یہ "وبا" پھیل چکی ہے۔" اساتذہ خود گھنگرو فراہم کرتے ہیں۔ والدین بخوشی ان کو لڑکیوں کے پیروں میں باندھتے ہیں اور انتظامیہ کے افراد مہمان خصوصی کے روپ میں یہ تماشا دیکھتے ہیں۔ یہی نہیں، بلکہ ان پر انعامات تقسیم ہوتے ہیں۔ اخباروں میں درسگاہوں کے نام کے ساتھ یہ "حیاسوز" تصویریں شائع ہوتی ہیں اب نہ تو کالجوں کا فنڈ جمع کرنے کی ضرورت ہے اور نہ عمارت کے لئے روپیہ درکار ہے مگر "ورائٹی شو" اپنی جگہ جاری ہے۔ بقول رحمان کیانی ؎

سڑکوں پہ ناچتی ہیں کنیزیں بتول کی
اور تالیاں بجاتی ہے اُمت رسول کی

انھیں محفلوں کی وجہ سے ہماری درسگاہیں علم و حکمت کے مخزن کے بجائے جنت نگاہ اور فردوس گوش بنتی رہیں اور کسی نے اس کے عواقب پر غور نہ کیا۔ ہمارے سفینۂ اخلاق میں پانی آہستہ آہستہ بھرتا رہا۔ کسی نے پروا نہ کی اور جب کشتی ڈگمگا کر ڈوبنے کے قریب پہنچی، تو ہم ایک دوسرے کو مدد کے لئے پکارنے لگے۔ ہماری قوم کی عادت یہی ہے کہ جب پانی سر سے اونچا ہوتا ہے تب بیدار ہوتی ہے۔ کاش! انتظامیہ ان رقص و سرود کے پروگراموں کا پہلے ہی سدباب کردیتی تو آج درسگاہوں کا یہ حال نہ ہوتا۔

ستم بالائے ستم یہ کہ ۲۵ برس گزر گئے لیکن ہم کوئی ایسا نصاب تعلیم مرتب نہ کرسکے جو نوجوانوں کی صحیح رہنمائی کرتا اور آئندہ نسلوں کے لئے لائحۂ عمل سامنے آتا۔ دراصل آزادی کے دو ایک برس بعد ہی ہم کو یہ فیصلہ کرلینا چاہئے تھا کہ اپنے بچوں کو کس سلیقے میں ڈھالنا ہے؟ نئی نسل میں جذبۂ حب الوطنی کس طرح پیدا کریں؟ ہمارے نظریات کے استحکام اور تحفظ کے لئے کس قسم کا ادب اور کتابیں درکار ہیں؟ ہم میں سے ہر شخص یہی کہتا رہا کہ غیر منقسم ہندوستان کا نظام تعلیم فرسودہ اور غلامانہ تھا۔ مگر آج تو نظام اپنے ہاتھ میں ہے۔ کچھ کر کے دکھا دُ تو بات بنے ●

نیک بخت اور ڈارلنگ

جب بیویاں نیک بخت سے ڈارلنگ بن جائیں تو بیٹیاں سویٹ ہوکر گھومتی، سمارٹ بن کر ناچتی اور فاسٹ ہوکر اڑتی ہیں

اس ایک لفظ کی جادوگریوں کا تذکرہ

جادونگار افسانہ نگاروں کے دور دورہ میں اردو پڑھنے والے کہیں یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ شہزادہ جواں بخت کی اولاد میں کسی بلند بخت کے چھوٹے بھائی کا نام نیک بخت ہے، واقعہ یہ ہے کہ زمانۂ حال کی صنف نازک کی اماں، نانی، پرنانی کا یہ ایک گھریلو لقب تھا۔

شوہر کو جب رفیق زندگی سے مجبوراً کوئی بات کرنی ہوتی تھی تو اس کی توجہ کو اپنی طرف منعطف کرنے والے معمولی جملے مثلاً "سنو تو دیکھو تو، ہم کیا کہہ رہے ہیں" "تمہاری رام کہانی ختم بھی ہوگی یا یہ خبر نہ یونہی چلے گا" کہہ کر پکارا کرتے تھے یہ تمام وضاحت اس لئے ضروری ہے کہ آج کل لوگ تقریباً بھولے بیٹھے ہیں کہ شرفا کی مائیں، نانیاں، دادیاں بیاہی ہوئی پھوپھیاں اور اپنے گھر میں آباد خالائیں سب نیک بخت ہوتی تھیں، اور خصوصیت یہ تھی کہ صرف شوہر اپنی بیوی کو نیک بخت کہہ سکتا تھا غیر کی کیا مجال کہ کسی کی بیوی کو نیک بخت کہہ ڈالے۔ شوہر کے سوا باقی سب کے لئے گویا اس لفظ کا استعمال تقریباً حرام تھا بہت ہوتا تو دوست دوست آپس میں یہ فقرہ استعمال کر لیتے تھے "تمہاری نیک بخت کی ہماری نیک بخت سے چل گئی" یہ بتلا دینا غالباً غیر ضروری ہے کہ جس بیوی کا شوہر نہ ہو یا ہو کر چل دیا ہو وہ "نیک بختی" سے گویا مبرا تھی۔

بزرگوں کی نیکیوں کا اور اپنی کوتاہیوں کا جس قدر ذکر کیا جائے کم ہے۔ زندگی، عقل، مذہب، شرافت اس لئے عطا ہوئے ہیں کہ موجودہ نسل اسلاف کی خوبیاں یاد کر کے اپنے ناخلف ہونے پر زور دے اور بار بار یہ ثابت کرے کہ بزرگ سب کے سب باون گز کے تھے اور ہم سب بالشتیے ہیں۔ یہاں تک کہ سب سے پہلے بادشاہ اور شہزادے بھی سب انصاف پسند تھے۔

سخاوت کے پتلے تھے۔ عالم بھی بڑے تھے اور بہادروں کا تو کیا کہنا کہ تنہا قلعے ڈھاتے تھے۔ لاکھوں کو محصور کر لیتے تھے اور فتح حاصل کر کے غنیم کے ساتھ اس لطف سے پیش آتے تھے کہ وہ ساری عمر کے لئے بے دام کا غلام بن جاتا۔ یہ بالکل غلط ہے کہ کھوپڑیوں کے مینار بنائے جاتے تھے۔

اپنی چار دیواری کے اندر کی زندگی میں بھی بزرگوں کی شان نرالی تھی۔ شوہر اگر کبھی کبھار زنانخانے میں آرام فرمانے کی عشرت گوارا فرماتے تو نیک بخت وہی ذکر چھیڑتی جو شوہر کے باپ اور دادا اپنے اپنے وقت پر انہی حالات میں سُن چکے تھے مثلاً یہ کہ "آپ تو کبھی سنتے نہیں اللہ رکھے میری چھمو اب گیارہویں سال میں ہے کب تک گھر میں بٹھائے رکھو گے میں تو کل ہی بُوا نفیس خانم کا منہ میٹھا کراتی ہوں دو سال سے بے چاری مرادیں مان رہی ہے کہ چھمو کو دلہن بنا کر اپنا گھر آباد کریں اور لڑکا بھی بُرا نہیں سولہویں میں ہے ایک دو سال منگنی رہے پھر بیاہ ہو جائے۔ جہیز تو تقریباً تیار ہے۔ بس آپ زیور بننے کا حکم دے دیں۔ کچھ برتن درکار ہیں۔ یہ فرض اپنے سر سے اُتاریں۔"

بزرگوں کی باتیں دہرانے میں جو لطف ہے اس سے آج کل کے جدت بھی انکاری نہیں۔ مثلاً نیک بخت کا یہ لکچر پی کر شوہر صاحب کبھی یہ نہ پوچھتے کہ لڑکا کیا کرتا ہے۔ بہت فرماتے تو یہ کہ نیک بخت ہم تو بڈی کو دیکھتے ہیں۔" نیک بخت یہ سُن کر فوراً سمجھ جاتی کہ نفیس خانم کے سوال سے انکار نہیں۔ یہ اتنا سا جملہ دو سال کی خوشیوں کا پیش خیمہ بن جاتا۔ تہواروں پر جوڑے آتے شب براءت پر آتش بازی آتی۔ مٹھائیوں کا، پھلوں کا، اس گھر سے اس گھر ایک تانتا بندھ جاتا۔ "اللہ رکھے" اللہ رکھے، ماشاء اللہ نظر نہ لگے" یہ استعمال کرتے کرتے باچھیں پھٹتیں۔ کیا برکت تھی اس زمانے میں۔ لڑکا چاہے بعد میں نالائق ثابت ہو مگر مردوں کی بات مردوں کی بات ہے چھمو ضرور نفیس خانم کے ہاں دلہن بن کر جاتی۔ ثابت ہو گیا نا کہ ہم ناخلف ہیں مگر..... مگر..... مگر.....

ایک بات اکثر مصلحان قوم بھول جاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ آخر ہماری نسل منقطع نہیں ہو رہی اور ہم بھی ہونے والے ناخلفوں کے لائق اسلاف ہیں وہ ہمیں کیسے یاد کریں گے۔ لگے ہاتھوں اس کی بھی ایک جھلک دیکھ لیں سنیئے۔ ہمارے پوتوں کے پڑپوتے کیا فرماتے ہیں۔

بیسویں صدی کے آغاز میں بزرگانِ قوم نے جس ہمت سے کام لیا وہ تاریخ میں ایک بے مثال یادگار ہے۔ بزرگوں کے ایثار کا کیا کہنا اور آج کل کوئی کر کے دکھائے تب جانیں۔ نام تو اب ٹھیک یاد نہیں مگر سب سے پہلے شمالی ہند میں کسی بزرگ نے

اپنی گھر والی کو بجائے نیک بخت کے ڈارلنگ کہنا شروع کیا۔ اس لفظ سے وہ سوشل انقلاب ہوا کہ دنیا دنگ رہ گئی کم فہم نقاد جب اول اوّل بیوی کے لیے اس لفظ کا چرچا ہوا تو کانوں پر ہاتھ دھرتے تھے کہ "بیوی" اور "ڈارلنگ" ہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ ــــــ مگر بڑوں کی باتیں بڑی ہوتی ہیں۔ اپنی بات کو ایسا نبھایا کہ نیک بخت تو اور کسی کی نیک بخت بنتی نہ تھی ڈارلنگ سب کی ڈارلنگ ہو گئی۔ ماں کو ڈارلنگ بننے دیر نہ ہوئی تھی کہ بیٹی "سویٹ" ہو کر گھومی "سمارٹ" بن کر ناچی اور "فاسٹ" ہو کر اڑی۔ اللہ۔ اللہ! کیا جادو اس ایک لفظ میں بزرگوں نے بھر دیا تھا۔ ●● ماخوذ

آلو۔ ایک اچھی غذا ــــ ایم اے خیامی۔ بنارس۔

آلو کم قیمت، لذیذ اور متوازن و مقوی غذا ہے۔ یہ غریبوں کا کھاجا عام طور پر مانا گیا ہے اسے ابال کر، بھون کر، لکیلیے یا مختلف سبزیوں کے ساتھ پکا کر نیز مختلف طریقوں سے استعمال کیا جاتا ہے اور ہر طرح مفید ہے۔

آلو کے اندر دس فیصد حیاتین "سی" چھ فیصد نکوٹانک ایسڈ، پانچ فیصد تھایامین کلورائیڈ تین فیصد فولاد تین فیصد موزوں توانائی اور دو فیصد لحمی غذا پائی جاتی ہے۔ دودھ کی طرح یہ بھی جسم کی مکمل ساخت و بناوٹ کے لیے ضروری عنصر مہیا کرتا ہے۔

یو۔ ایس۔ ڈی اے کی تحقیق کے مطابق قدرتی یا مصنوعی روشنی کی وجہ سے آلو سبز رنگ کے ہو جاتے ہیں۔ روشنی کبھی تو گودے کو بھی متاثر کر جاتی ہے ان کے سبز حصے میں ان کا لوئیڈ سولامن پیدا ہو جاتا ہے اور بدذائقہ ہونے کے ساتھ ساتھ بعض لوگوں کو زہر کی مانند بھی متاثر کرتا ہے۔ اس لیے سبز رنگ یا سبزی مائل آلو ہرگز استعمال نہ کریں۔ اسکے علاوہ جن کی کونپلیں پھوٹ نکلی ہوں یا ان پر جھریاں آگئی ہوں خریدنے سے احتراز کریں ــــ یاد رکھیے۔ درمیانی سائز کے ابلے ہوئے یا بھنے ہوئے آلوؤں سے تقریباً ایک سو حرارے حاصل ہوتے ہیں۔ دیگر اور طریقوں کی بہ نسبت انھیں اچھی طرح دھو کر چھلکوں سمیت اور تھوڑے پانی میں ابالنے سے زیادہ سے زیادہ غذائیت حاصل کر سکتے ہیں●

رحمت ہے کہ زحمت

انسانی زندگی میں جب بھی کوئی مشکل یا مصیبت آپڑتی ہے۔ انسان بلبلانا شروع کر دیتا ہے اسے اپنی بدقسمتی اور اللہ تعالیٰ کا قہر سمجھنے لگتا ہے۔ ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ یہ مصیبت اس کی زندگی کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیگی ــ

لیکن آدمی نہیں جانتا کہ بعض مصیبتیں اس کے لئے عین رحمت بن کر آتی ہیں۔ ہنگامی طور پر جسے بہت بڑی زحمت سمجھا جاتا ہے کچھ دیر بعد وہی زحمت انسان کے لئے رحمت کا درجہ اختیار کر لیتی ہے اور شکوہ گزار انسان اس رحمت کو دیکھ خود اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ انسان کی محدود عقل اپنے اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت سے بالکل بے خبر ہے۔

اس سلسلے میں ایک واقعہ اپنی زندگی کا پیش کرتا ہوں۔

۱۹۴۷ء میں میرے بہت سے رشتہ دار پاکستان چلے گئے تو میں شاہجہاں پور کے نزدیک ایک گاؤں میں رہتا تھا۔ وہ وقت بڑا مایوس کُن تھا۔ رشتہ داروں کا چلا جانا میرے لئے سوہانِ روح ہو گیا۔ آخر سنہ ۵۰ء میں اپنی بیوی اور دو چھوٹے چھوٹے بچوں سمیت دہلی چلا آیا۔ دہلی میں میرے ایک قریبی رشتہ دار کوچہ رحمان میں رہتے تھے ان کے پاس ہی ایک چھوٹا سا مکان تھا جو انھوں نے مجھے ۲۵/- روپیہ مہینہ کرایے پر لے دیا۔ ایک کمرہ، کچن۔ چھوٹا سا آنگن میرے کنبے کے لئے بہت تھا۔ اُردو بازار میں کچھ کام مل گیا، تو میں نے اپنے چھوٹے بھائی کو بھی اپنے پاس دہلی بلالیا۔ وہ بھی کام پر لگ گیا۔ ہم دونوں بھائی اپنے اخراجات اور کرایہ مکان کے لئے کما لیتے تھے۔ بلکہ تھوڑا بہت بچا بھی لیتے تھے۔ سال بھر اطمینان سے گزرا کہ ایک دن مالک مکان صبح صبح ہمارے گھر آیا آواز دے کر مجھے گلی میں بلا لیا۔ کہنے لگا۔ بھئی ہمیں اب اس مکان کی ضرورت ہے۔

اسے زیادہ سے زیادہ ایک ماہ میں خالی کر دیں۔ ہم انھیں ہر ماہ باقاعدگی سے کرایہ دیتے چلے آرہے تھے کبھی کوئی شکایت پیدا ہونے نہیں دی تھی میں جانتا تھا کہ صاحب مکان کو ایسی کوئی ضرورت بھی نہیں۔ محلے میں اس کے کئی مکانات ہیں میں نے ان سے عاجزانہ درخواست کی کہ اگر کچھ کرایے کے اضافہ کا خیال ہے تو ہم حاضر ہیں اس وقت مکان خالی کرنا ہمارے لئے بڑی مصیبت ہوگی۔ لیکن وہ اپنی بات پر ڈٹے رہے کہنے لگے ــــ صاحبزادے! یہ مکان تمہیں پندرہ دن کے اندر اندر خالی کرنا ہوگا ورنہ اسے زبردستی خالی کرالیا جائے گا ان زمانے میں اسی طرح کی دھینگا مشتی چلتی تھی۔

ہمارے لئے صاحب مکان کی یہ دھمکی سخت پریشانی کا باعث تھی۔ بڑی مشکل سے ہمیں روزگار ملا تھا۔ روزگار ملا تو رہنے کی جگہ چھن رہی تھی۔ بعد میں ہمیں یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ہمارے وہ رشتہ دار جو ہمیں اس مکان میں لائے تھے۔ وہ مالک مکان سے کہہ کر ہمارے مکان کو خالی کرا رہے تھے۔ ہم دونوں بھائیوں کو کچھ کماتا دیکھ کر اسے کچھ حسد سا پیدا ہوگیا تھا۔ ایک روز اس نے ہم سے ایک سو روپیہ قرض مانگا تھا ہم نہیں دے سکے اس پر بھی وہ ہم سے ناراض تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیں پندرہ دن کے اندر اندر مکان خالی کرنے کی دھمکی مل گئی۔ میں دن رات اس پریشانی میں تھا کہ اب کیا بنے گا۔

ایک دن شام کو اپنے کام سے فارغ ہوکر میں اردو بازار سے گھر لوٹ رہا تھا۔ رستے میں مجھے گاؤں کا ایک اور آدمی مل گیا۔ محبت سے ایک دوسرے کے گلے ملے۔ مجھے پتہ تھا کہ وہ بھی گاؤں سے دہلی چلا آیا ہے لیکن کہاں رہتا ہے اتنا معلوم نہ تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ اپنے کنبے سمیت جمنا پار کرتنا نگر میں رہتا ہے میں نے اپنی کیفیت بیان کی تو کہنے لگا۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں آپ ہمارے پاس آجائیں۔ ہمارے احاطے میں تین چار کمرے خالی ہیں۔ وہاں آجاؤ۔ میں نے اگلے دن وہاں جاکر دیکھا کسی سرمایہ دار نے بہت سی زمین احاطہ کر رکھی تھی وہ اس میں بڑی بلڈنگ بنوانا چاہتا ہوگا۔ اس وقت اس میں کچے پکے چھ کمرے تھے۔ دو میں میرے گاؤں کا وہ آدمی۔ ایک میں ایک مزدور اور دوسرے دو تین کمرے خالی تھے۔ اُجاڑ سی جگہ تھی لیکن اتنے آدمیوں کی موجودگی میں وہ جگہ محفوظ نظر آئی تو ہم اس میں منتقل ہوگئے۔ لیکن مکان تبدیل کرتے ہوئے ہمیں احساس ہوا کہ یہ مکان کی

تبدیلی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا عذاب نازل ہوا ہے میں بے حد دل شکستہ تھا اسی پریشانی میں ہم چھ مہینے تک اسی کمرے میں رہے۔

ایک شام ہم دونوں بھائی کام سے لوٹے تو بیوی نے بتایا کہ آج دن کے وقت تین چار سرکاری آدمی آئے تھے وہ مجھ سے پوچھتے تھے کہ تم کب سے یہاں رہ رہے ہو؟ وہ آپ کے نام کاغذات میں پُر کرکے لے گئے۔ کل صبح وہ پھر آئیں گے۔ حیرت ہوئی کہ اب کیا تازہ عذاب نازل ہونے والا ہے۔ صبح محکمہ بسائو کے دو کلرک آئے انھوں نے کہا یہ زمین سرکاری ہے آپ چھ مہینے سے یہاں رہ رہے ہیں ۲۴/ روپے کرایہ جمع کرادو۔ تو ہم یہ دونوں کمرے جو ۱۰ × ۱۵ کے ہیں آپ کو الاٹ کرادیں گے۔ ان دنوں گورنمنٹ اُجاڑ جگہوں کو آباد کرنا چاہتی تھی میں نے ہر طرح اطمینان کرکے محکمہ کے دفتر میں جاکر ۲۴/ روپے جمع کرادیئے اور رسید حاصل کرلی۔ ہمیں تشفی ہوگئی کہ اب اس جگہ سے ہمیں کوئی نکالے گا نہیں۔ قصہ مختصر کہ یہ ساری احاطہ شدہ زمین جو ۳۵۰ مربع گز تھی۔ ہم تین گھروں کو الاٹ ہوگئی۔ ہم نے بعد میں قسطوں میں قیمت ادا کردی۔ آج اُسی زمین پر ہم تین بھائیوں کے خدا کے فضل سے پکے مکان ہیں اور ہم صاحبِ مکان کہلاتے ہیں۔ کئی بار سوچتا ہوں کہ اگر کوچہ رحمان والا مکان ہم لوگ خالی نہ کرتے تو آج تک کرایہ دار رہتے اور مالک مکان کی دھونس سہتے رہتے۔ آج سے تیس سال پہلے کی زحمت آج ہمارے لئے رحمت بن گئی اللہ تعالیٰ کی درگاہ سے کبھی نااُمید نہیں ہونا چاہئے۔ انسان کو کچھ علم نہیں کہ اس کی کون سی مصیبت اس کی مسرت کا باعث ہوگی۔ اس بات کو صرف اللہ جانتا ہے۔

(ماخوذ از تیج)

سُقراط نے کہا

- ہُنر تمام خزانوں سے بڑا خزانہ ہے۔
- اس مالدار کی نجات نہیں جو حریص ہے۔
- تمام دشمنوں سے بڑا دشمن تیری بُری عادت ہے۔

مرسلہ
ایم۔اے خیامی۔ کھمریا
وارانسی۔ یو۔ پی۔

مرسلہ: محمد سلیم صدیقی



سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے ۔ بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مبالغہ نہ ہوگا اگر میں یہ کہوں کہ حضور اکرمؐ اور خلافت راشدہ کے ادوار کے بعد بیسویں صدی میں یہ وہ یکہ و تنہا شخصیت پیدا ہوئی جس نے پچھلے ادوار کی یاد تازہ کر دی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اس دنیا میں اور عالم دین ہوئے ہی نہیں۔ نہیں ایسا نہیں !! اور نہ میں خدانخواستہ دوسروں کی نفی کرتا ہوں بلکہ جب میں بحیثیت مجموعی اور اسلام کے پورے مزاج پر غور کرتا ہوں۔ تو یہ برملا کہنے پر مجبور ہوتا ہوں کہ ایسی شخصیت پیدا نہیں ہوئی۔!!

اسلام کی خاطر اس قدر خلوص و لگن، محبت اور کامل سپردگی، فطرت اسلام کی پاسداری کا خیال عشق الٰہی و رسولؐ کا عجیب و غریب ڈھنگ اور اعلاء کلمۃ الحق کی خاطر جان و دھڑ کی بازی لگانے کا عدیم المثال کارنامہ۔۔!! یقیناً اس دورِ سعید کی صف میں جا کھڑا کرتا ہے۔!!

مولنا مودودی! آخری دم تک جادۂ اسلامی پر رواں دواں نظر آتے ہیں۔ بغض و عناد کی تیز و تند آندھیاں چلتی ہیں۔ طاغوتی قوتیں آڑے آتی ہیں۔ باطل اپنی گھناؤنی شکل میں مزاحم ہوتا ہے مگر! پیکر استقلال و ہمت مجاہد اسلام یوں آگے بڑھتا ہے جیسے کہہ رہا ہو۔

اد سر بنجر جنگل جھاڑی ۔ اونچا نیچا کھائی کھاڑی
دے گی مجھ کو راہ پہاڑی ۔ کھینچے جا تو اپنی گاڑی
اے میرے جانباز کھلاڑی

سعودی شاہ — !! شاہ خالد — !! مولٰنا کے انعام قبول کرنے پر بڑے احترام سے فرماتے ہیں کہ مولٰنا نے انعام قبول کر کے اس ایوارڈ کی عزت افزائی کی ہے اور میرے حوصلہ کو بلند کیا ہے !!

یہ سب بتلانے کا مقصد جہاں مولانا مودودیؒ کی شخصیت سے روشناس کرانا ہے وہیں یہ بھی مقصد ہے کہ آپ اس بیسویں صدی کے عظیم انسان سے مل لیں، اس کے کردار اور عمل کو پرکھ لیں اور یہ اندازہ کر لیں کہ اس نے اسی دور نامسعود میں انھیں ناہموار راستوں پر چل کر پرچم اسلام کو بلند کرنے کا کام انجام دیا ہے اور یہی کام آج ہمیں بھی انجام دینا ہے۔

بانیٔ جماعت اسلامی کو یاد رکھنے کا اور انھیں خراج عقیدت پیش کرنے کا سب سے بہترین طریقہ آج یہ ہے کہ ہم ان کے مشن کو اسی نہج پر اور اسی عزم و حوصلہ کے ساتھ آگے بڑھاتے رہیں اور تمام باطل قوتوں کا مقابلہ اسی پامردی سے کریں جس کی تعلیم مولٰنا ہمیں دے کر گئے ہیں۔

آخر میں میں انھیں خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔ ان کی مغفرت کی دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آخرت میں انھیں اجر جزیل عطا فرمائے۔

دلّی میں شادی کی رسمیں

مقبول دہلوی

شادی کی رسمیں زندگی کی رسموں سے الگ نہیں کی جاسکتیں۔ کسی ملک یا علاقے کی تہذیب، تاریخ معاشرت اور مجلسی آداب کا اندازہ وہاں رائج شدہ شادی کی رسموں سے ہی کیا جاتا ہے۔ یوں تو رسموں اور زندگی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ لیکن شادی کی کتنی ہی رسمیں جو مختلف علاقوں میں ابھی نصف صدی پہلے تک رائج تھیں۔ بتدریج ختم ہورہی ہیں اور جو رسوم باقی ہیں ان میں بھی اب پہلا سا جوش و خروش نہیں رہا۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ آج کا زمانہ سائنسی اور ترقی یافتہ زمانہ کہلاتا ہے۔ لوگوں نے زندگی کے ہر شعبے میں بے مثال اور نمایاں ترقی کی ہے اور چونکہ پرانی رسمیں پرانے خیالات کو ظاہر کرتی ہیں۔ اس لئے آج کے ماڈرن اور ترقی یافتہ انسان نے اپنی ان قدیم رسومات کو بھی کسی حد تک خیرباد کہہ دیا ہے۔ لیکن ایسے لوگ ابھی آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ اکثریت اب بھی ایسے لوگوں کی ہے۔ جو پرانی رسوم خاص طور پر بیاہ شادی کی رسموں پر بڑی سختی سے عمل کرتے ہیں۔

برصغیر ہندو پاک کے تمام علاقوں میں شادی بیاہ کی رسوم میں بڑی مماثلت پائی جاتی ہے اور ایک برصغیر پر ہی کیا جہاں جہاں بھی آریائی تہذیب پہنچی ہے اس نے وہاں کی تہذیب پر گہرا اثر چھوڑا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایشیائی علاقوں میں جہاں آریہ فاتح ہوکر گئے وہاں کی رسوم میں کئی رسمیں مشترک ہیں۔ تاہم ایسی بہت سی رسمیں ہیں جو خاص علاقوں کے لئے مخصوص ہیں۔ اور یہی رسمیں دلّی اور دلّی والوں کی تہذیب سے ممیز کرتی ہیں۔

دلّی میں شادی بیاہ کا پہلا مرحلہ بات ٹھہر لینا منگنی و نسبت، ہوتا ہے۔ ادھر لڑکی ریانی ہوئی اور ادھر ماں باپ کو اس کی شادی کی لاحق فکر ہوئی۔ خاندان دوست

محلے والے۔ کسی کا لڑکا ایسا نہیں ہوتا جسے اس نظر سے نہیں دیکھا جاتا کہ یہ داماد بننے کے لائق ہے یا نہیں۔ اور جب کوئی لڑکا نظر میں جچ جائے تو پھر اس لڑکے کے والدین کو بالواسطہ یا بلا واسطہ اشاروں کنایوں میں سمجھایا جاتا ہے کہ تمہارے لڑکے کے لئے فلاں صاحب کی لڑکی اچھی رہے گی اور اس کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ لڑکے والوں کو یہ شبہ بھی نہ ہو جائے کہ یہ سب باتیں لڑکی والوں کی مرضی سے ہو رہی ہیں اگر لڑکے والوں نے اس تجویز سے اتفاق کیا۔ تو ایک روز لڑکے کی ماں اور بہنیں کسی نہ کسی طرح لڑکی والوں کے گھر جا کر لڑکی کو دیکھ آتی ہیں۔ اگر لڑکی پسند آ جائے تو پھر [illegible] لڑکی والوں کے خاندان کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ اگر خاندان ان کے معیار پر پورا اترتا ہے تو کسی مشترک بزرگ کی معرفت رقعہ بھیجا [illegible] یہ رقعہ [illegible] رنگ کا [illegible] ہوتی ہے اور [illegible] کے ہاں [illegible] ہوتا ہے۔ سب [illegible] پہلے [illegible] ہوتی ہے۔ جو

کئی مجلسوں میں ختم ہوتی ہے۔ اس میں جہیز، چڑھاوے، مہر وغیرہ تمام مسائل زیر بحث آتے ہیں اور طے کئے جاتے ہیں ظاہر ہے۔ کہ طرفین کی خواتین اپنے مردوں کے مشورے ہی سے یہ تمام باتیں طے کرتی ہیں۔ پھر بھی ایک خاص مقررہ دن دونوں طرف کے مرد جن میں بزرگوں کو اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ مل کر بیٹھتے ہیں۔ لڑکے والے اپنے ساتھ مٹھائی اور فروٹ لاتے ہیں اور لڑکی کے لئے انگوٹھی۔ یہ مٹھائی اور پھل اتنے ہوتے ہیں کہ پورے کنبے میں بٹ سکیں۔ اسی مٹھائی اور پھلوں کی تقسیم سے خاندان والوں کو پتہ چلتا ہے کہ فلاں لڑکی فلاں لڑکے سے منسوب ہو گئی ہے۔ لڑکے والوں کے جانے کے بعد اسی روز یا اس سے اگلے روز لڑکی والوں کے بزرگ اور خواتین لڑکے والوں کے ہاں مٹھائی اور انگوٹھی لے کر جاتے ہیں۔ یہ مٹھائی بھی کافی مقدار میں ہوتی ہے اور خاندان والوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ اس طرح بات ٹھہر جاتی ہے۔ اسے منگنی ہونا یا نسبت قرار ہونا بھی کہتے ہیں۔

بات ٹھہرنے یعنی نسبت قرار پانے اور شادی ہونے کے درمیان ہر عید، بقرعید اور شب برات پر دونوں خاندانوں کے درمیان "تہواری" یعنی تحائف کا تبادلہ ہوتا ہے۔ پہلے لڑکے والے لڑکی کے لئے مٹھائی،

چوڑیاں وغیرہ اور بعض خاندان جوڑا بھی بھیجتے ہیں۔ جواب میں لڑکی والے بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ اس عرصہ میں دونوں گھرانوں میں آہستہ آہستہ شادی کی تیاری بھی ہوتی رہتی ہے۔

نکاح سے ایک روز پہلے دولہا کے گھر میں بڑا ہنگامہ ہوتا ہے۔ پہلے دولہا کو مایوں بٹھایا جاتا ہے۔ مگر لڑکے کو مایوں بٹھانے کی رسم اب محض نام کی رہ گئی ہے۔ مگر کچھ عرصے پہلے اس پر بڑی سختی سے عمل ہوتا تھا۔ ساچق جانے سے پہلے دولہا کو سفید کپڑے پہنا کر ایک چوکی پر بٹھا دیا جاتا ہے۔ اس کے ہاتھ پر پان اور پنڈیاں (میوے اور سوجی کے بنے ہوئے لڈو) رکھی جاتی ہیں اور پھر سارے خاندان کی عورتیں اپنی مرضی کے مطابق "مایوں بٹھائی" نقدی کی شکل میں دولہا کے ہاتھ پر رکھتی ہیں دولہا کو تھوڑی سی پینڈی کھلائی جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ کسی عورت کی شکل دیکھنے کا مجاز نہیں ہوتا۔ اپنے کمرے میں جو عام طور پر مردانے میں ہوتا ہے، قیام کرتا ہے۔ ادھر زنان خانے میں ساچق لیکر جانے کی تیاری ہوتی ہے۔ ساچق دراصل دلہن کے سہاگ رات کے جوڑے اور سامان آرائش و زیبائش، دلہن والوں کے ہاں لے جانے کا نام ہے۔ ساچق میں چڑھاوے کے تمام سامان کے علاوہ دلہن کا بیش قیمت جوڑا، چٹلا، کمربند، جرابیں، رومال بنیان اور جوتی، غرضیکہ پہننے کی ہر چیز لال ہوتی ہے۔ یہ جوڑا اپنو تھی کے جوڑے کی طرح بہت بھاری ہوتا ہے۔ اس پر سنہرے اور روپہلے گوٹے کناری کا کام ہوتا ہے اور پھر یہ جوڑا اور زیور ایک دستر خوان میں سجایا جاتا ہے۔ اس کے اوپر کھیلیں اور بتاشے ڈالے جاتے ہیں۔ یہ جوڑا بعض دفعہ تو اتنا بھاری ہوتا ہے کہ دلہن اسے پہن کر کھڑی نہیں ہو سکتی۔

مشارق الانوار

زیر نظر کتاب مشارق الانوار فن حدیث اور علم حدیث کے بارے میں ہے علامہ رضی صغانی صاحب نے بڑی تحقیق سے یہ کتاب تالیف کی ہے اور مولوی خرم علی بلہوری صاحب نے اس کتاب کا ترجمہ عام فہم اردو زبان میں کر کے عوام کیلئے عام کر دیا۔ یہ کتاب مشارق الانوار گویا ایک گلدستہ ہے جسکی تحریر تو ایک رنگ ہو لیکن خوشبو ہر قسم کی۔ یہ کتاب اہل اسلام کے واسطے عجب تحفہ ہے سفید کاغذ آفسٹ کی چھپائی، سنہرا خوبصورت ٹائیٹل کور۔ قیمت/12 سائز ۲۳×۳۶/۱۶ (مکتبہ سبیل الرشاد عقب جامعہ اسلامیہ

(ماسٹر عبدالشکور صدا۔ اناؤ)

در پردہ چلاتے ہیں وہی ظلم کے خنجر
مظلوم کے بن کر جو طرفدار چلے ہیں
ٹکرائے گی کیا ہم سے لوٹائے گردش دوراں
ٹھکرا کے تجھے راہ میں سو بار چلے ہیں
مشکل ہے صدا کس کو کہیں کون ہے اپنا
بن کر تو سبھی مونس و غمخوار چلے ہیں

(ضیاء الاسلام بن پوری)

قعر ذلت میں پھنسا، ڈرنے لگا ہر اک سے
بندہ وہ جس نے کہ اللہ کا ڈر چھوڑ دیا
جس کو سینچا تھا بزرگوں نے لہو سے اپنے
ہم نے اس نخل کو بے برگ و ثمر چھوڑ دیا
قابل گریہ ہے یہ بے عملی بھی اپنی
شب کو جو عزم کیا وقت سحر چھوڑ دیا

غزلیں

(تمکین آفاقی۔ بدایونی)

مزاج جہاں پر گراں بار ہیں، ہم
کہ ظلمت میں سیلاب انوار ہیں ہم
ہمیں دیکھ کر تجھ کو دیکھے گی دنیا
تری کم نگاہی کا شہکار ہیں ہم
نہ ہو عشق منزل تو رک جاؤ یارو
کہ اس سست گامی سے بیزار ہیں ہم
بہت مختصر سی ہے روداد اپنی
مسیحا ہو تم اور بیمار ہیں ہم
ہے تقدیر و تدبیر کی بحث اتنی
نہ مجبور ہیں ہم نہ مختار ہیں ہم
بھنور میں ہے یارو وطن کا سفینہ
اٹھو اس سفینے کی پتوار ہیں ہم
بہت منفرد ذوق مستی ہے اپنا
نہ بادہ نہ ساقی، پہ سرشار ہیں ہم
ہے جرم اپنا تمکین معلوم و مشہور!
کہ خوابیدہ دنیا میں بیدار ہیں ہم

مسلم خواتین سے خطاب

احسن مستقیمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم۔

محترم خواتین!

اللہ کا لاکھ شکر و

احسان ہے کہ اس نے ہمیں اور آپ سب کو ایک اچھی سی شکل و صورت اور بہترین ناک و نقشے کے ساتھ پیدا فرمایا۔ یہ سراسر اس کا فضل و کرم ہے ورنہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ کتنے بچے ایسے جنم لیتے ہیں جو اپنے اعضاء و جوارح کے اعتبار سے ناقص ہوتے ہیں۔ بہت سے لوگ ہمارے سماج میں پائے جاتے ہیں جو بینائی سے محروم ہیں۔ کتنے معذور ہیں جو سڑکوں اور راستوں پر گھسٹتے ہوئے نظر آتے ہیں، کتنے لنگڑے ہیں، لولے ہیں، بہرے ہیں اور پاگل ہیں جن پر ہماری نگاہیں پڑتی ہیں۔ اس طرح کے لوگ مردوں میں بھی ہوتے ہیں اور عورتوں میں بھی۔

ذرا غور تو کیجئے

ذرا غور تو کیجئے کہ ہمارے اور آپ کے جسم اور تمام اعضاء و جوارح، آنکھیں، کان، ناک، منھ، ہاتھ، پاؤں، سوچنے، سمجھنے، دیکھنے، سننے اور بات کرنے کی طاقت و صلاحیت یہ سب چیزیں جو درست حالت میں ہمیں ملی ہیں کیا یہ سب ہماری اپنی پیدا کردہ ہیں؟ اگر نہیں تو پھر آپ ہی فرمائیں کہ یہ سب کس کی کاریگری ہے؟ آخر وہ کون ہے جو بچہ کے اِس دنیا میں جنم لینے سے قبل ہی ماں کی چھاتیوں میں دودھ کی دو نہریں جاری کر دیتا ہے؟ کون ہے جو والدین کے دلوں میں بچے کی محبت کوٹ کوٹ کر بھر دیتا ہے؟ مجھے یقین ہے کہ آپ ان سب سوالوں

کے جواب میں فرمائیں گی کہ وہ اللہ اور صرف اللہ ہے۔ وہی اللہ جس نے ہمارے لئے زمین کا فرش بچھایا جس نے نیلگوں آسمان بنائے۔ جو روزانہ سورج چمکاتا ہے۔ جس کے ستارے اور چاند ہماری راتوں کو روشن رکھتے ہیں۔ جس کے حکم سے ہوا چلتی ہے۔ جس کا پیدا کیا ہوا پانی ہم سب استعمال کرتے ہیں۔ ہم اور آپ جو کچھ کھاتے پیتے ہیں ہمارے معدوں کے اندر انھیں وہی تحلیل کرتا ہے۔ اسی کے حکم سے جسم میں خون بنتا اور پورے بدن میں سپلائی ہوتا ہے۔ طاقت اور توانائی اسی کی بخشی ہوئی ہے۔ آپ خود اپنی بناوٹ پر نظر ڈالیں یا اپنے سے باہر نظر دوڑائیں، جو کچھ آپ کو نظر آئے وہ بھی اور جو نظر نہیں آئے گا وہ بھی، پوری کی پوری کائنات اور اُس کی ایک ایک چیز اللہ رب العالمین ہی کی بنائی ہوئی ہے اور اسی کے اشاروں پر کام کر رہی ہے۔ اگر آپ غور کریں تو آپ کو محسوس ہوگا کہ ہر شخص کا وجود خدا کی بے شمار نعمتوں کا خزانہ ہے اور انسان ہر لحہ خدا کی انگنت نعمتوں سے فائدہ اُٹھا رہا ہے۔ پھر کیا یہ بات عقل میں آنے والی نہیں ہے کہ ہمیں اس کا احسان مند اور شکر گذار بننا چاہیئے۔ آپ کا نوکر اگر کھائے پیئے اور رہے سہے تو آپ کے یہاں مگر آپ کو نظر انداز کر کے وہ کام انجام دے دوسروں کا تو آپ ایسے نوکر کو نمک حرام اور احسان فراموش قرار دیں گی۔ پھر کیا خیال ہے آپ کا کہ یہی روش اگر ایک انسان خدا کے ساتھ اختیار کرے تو کیا وہ خدا کا نمک حرام اور احسان فراموش نہ کہلائے گا؟ دنیا میں کوئی ایک ملک بھی ایسا نہیں ہے جس کا کوئی باشندہ اپنے وطن اور اپنی حکومت کے ساتھ غداری کا رویہ اختیار کرے اور وہ اپنے اس خوفناک جرم کے ارتکاب میں کڑی سزا سے بچ جائے۔ لیکن کیا خیال ہے آپ کا کہ اگر کوئی انسان سارے انسانوں کے پالنہار رب النّاس، سارے انسانوں کے حقیقی بادشاہ ملک النّاس، اور سارے انسانوں کے حقیقی معبود الٰہ النّاس اور سارے جہان کے پروردگار رب العٰلمین اور سارے حکمرانوں کے اصل حاکم احکم الحاکمین کے ساتھ اسی طرح کی روش اختیار کرے تو کیا عقل یہی کہتی ہے کہ اس کی بخشش ہو جانی چاہیئے؟ اسے اس کی اس غداری، احسان فراموشی، نمک حرامی اور بغاوت کی کڑی سزا نہیں ملنی چاہیئے؟ خدا کی دی ہوئی عقل سے آپ کام لیں گی تو آپ کا جواب یہی ہوگا کہ ضرور ایسا ہونا چاہیئے۔ خدا کی آواز قرآن حکیم کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے۔ ہمارا اور آپ سب کا اس پر ایمان ہے۔ اِس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اے لوگو! اپنے اس رب کی بندگی اختیار کرو جو تمہارا اور تم سے پہلے جو لوگ ہو گذرے ہیں اُن سب کا پیدا کرنے والا ہے۔ اسی کے حکموں پر چل کر اسی کی عبادت کرتے ہوئے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ تم اس دنیا کی غلط بینی اور غلط کاری سے اور آخرت میں خدا کے عذاب سے بچ سکتے ہو۔ وہی خدا

تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کا فرش بچھایا۔ آسمان کی چھت بنائی۔ اُوپر سے پانی برسایا اور اُس کے ذریعہ سے ہر طرح کی پیداوار نکال کر تمہارے لئے رزق بہم پہنچایا۔ پس جب تم یہ سب کچھ جانتے اور سمجھتے ہو تو دوسروں کو اللہ کا مدمقابل نہ ٹھہراؤ"۔ ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اللہ کے ساتھ نافرمانی اور ناشکری کا رویہ کیسے اختیار کرتے ہو حالانکہ تم بے جان تھے، اُس نے تمہیں ماں کے پیٹ میں زندگی عطا فرمائی۔ پھر ایک وقت آئے گا جب وہ تمہاری روح کو قبض کرے گا، اور پھر تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندگی عطا کرے گا اور پھر تمہیں پلٹ کر اسی کے پاس جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے اندر یہ بات دوٹوک انداز میں واضح فرما دی ہے کہ ہر ایک انسان کو خدا کے حضور حاضر کیا جائے گا۔ وہاں اُس سے اُس کی اِس چندروزہ زندگی کے بارے میں پوچھا جائے گا جو اُسے اِس دنیا کے اندر ملی ہوگی۔ جیسا کچھ جس نے اِس دنیا کی زندگی میں کیا ہوگا ویسا ہی اُس کو وہاں بدلہ دیا جائیگا۔

غوروفکر کیوں ضروری ہے؟

اب میں چاہتا ہوں کہ ذرا آپ اپنی اِس چندروزہ زندگی پر غور فرمالیں۔ میں غوروفکر کی دعوت آپ کو صرف اس لئے دیتا ہوں کہ جس نے بھی اِس دنیا میں ایک بار سانس لے لیا اُس کی موت نہایت تیزی سے اُس کا پیچھا کررہی ہے۔ وہ لمحہ بلمحہ، دن بدن، ماہ بماہ، سال بسال اپنی موت سے قریب تر ہوتا جارہا ہے۔ جس بچے کی عمر ایک سال ہوتی ہے وہ گویا اپنی موت تک کے فاصلے میں ایک سال کا فاصلہ طے کرلیتا ہے۔ اسی طرح جس انسان کی جس وقت جو عمر ہوگی اُس کے معنی یہ ہونگے کہ اُس نے اپنی موت تک کے فاصلے میں اتنی مدت کا فاصلہ طے کرلیا ہے۔ کسی انسان کو یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ آئندہ کتنے لمحے، کتنے گھنٹے یا کتنے دن اور سال مزید زندہ رہے گا۔ بہرحال موت ہر ایک کی گھات میں لگی ہوئی ہے۔ اِس زندگی پر غوروفکر اِسی لئے ضروری ہے۔ آخرت میں خدا کی خوشنودی اور اُس کے غضب کا، وہاں کی کامیابی اور ناکامی کا سارا دارومدار ہماری اور آپ کی اسی چندروزہ زندگی پر ہے۔

یہاں آپ کی اپنی چیز کیا ہے؟

محترم خواتین! مجھے ذرا سوچ کر بتائیں کہ یہاں کیا چیز آپ کی اپنی ہے۔ کیا آپ کا یہ جسم، اس کے اعضاء و جوارح، صلاحیتیں اور قوتیں، اچھی سی شکل اور عمدہ صحت، کیا ان میں کوئی چیز بھی آپ کی اپنی ہے؟ آپ کے جسم و جان پر کیا واقعی آپ کو کچھ اختیار حاصل ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو کوئی بیمار اور معذور نہ ہوتا۔ کوئی کسی حادثے سے دوچار نہ ہوتا۔ موت کو کوئی

اپنے قریب نہ آنے دیتا۔ پھر کیا یہ بچے آپ کی ملکیت ہیں؟ یہ مکانات جن میں آپ رہتی بستی ہیں اور وہ سب چیزیں جنھیں آپ اپنی کہتی ہیں کیا واقعی وہ آپ کی ہیں جس وقت موت کا فرشتہ کسی کو لینے کے لئے آجاتا ہے تو کیا اُس کے ماں باپ، بھائی بہن، شوہر بیوی، دوست آشنا، دولت، حکومت ... دنیا کی کوئی بھی طاقت اُسے موت کی گرفت سے بچا سکتی ہے؟ روح کے پرواز کر جانے کے بعد لوگ یہی فیصلہ کرتے ہیں اور درست فیصلہ کرتے ہیں کہ اب اس جسم کو اُس مکان سے نکال کر جسے وہ اپنا مکان کہتا تھا۔ بچوں سے چھڑا کر، بیوی، شوہر، باپ، ماں، بھائی، بہن سب سے جدا کرکے، آبادی سے باہر منوں مٹی کے نیچے دبا دیا جائے۔ اُس کی گھڑی، اُس کا قلم، اُس کے زیورات اور اُس کی ایک ایک شئے اُتروالی جاتی ہے اور بظاہر اُسے خالی ہاتھ رخصت کر دیا جاتا ہے۔

دنیا کی زندگی ... ایک متاعِ فریب

محترم خواتین! دنیا کی زندگی کیا ہے، خود اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت فرما دی ہے:-

اعلموا انما الحیوٰۃ الدنیا لعب ولھو وزینۃ وتفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال والاولاد۔

خوب جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک دل لگی ہے اور ظاہری ٹیپ ٹاپ، اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتانا اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے۔

دنیا کی اس چند روزہ زندگی کو انسان کس طرح گذار دیتا ہے، آپ اپنی نگاہوں کے سامنے دیکھ سکتی ہیں۔ انسان عام طور پر اپنی زندگی کے لمحات بس ایک موہوم اور عارضی عیش و عشرت کے حصول میں گنوا دیتا ہے۔ اسے ذرا سی دولت، اقتدار اور جوانی ملی کہ بس اکڑفوں دکھانا شروع کر دیتا ہے۔ اُس کے چوبیس گھنٹے اسی دھن میں گذرتے ہیں کہ وہ کسی طرح ان سب چیزوں میں دوسروں سے آگے نکل جائے۔ روپیہ پیدا کرنے کی مشین یا اس کا ایک پرزہ بن کر اسی جنون میں زندگی کا ایک ایک لمحہ اس دنیا کو حاصل کرنے میں گنوا دیتا ہے جو کسی وقت بھی منٹوں اور سکنڈوں میں اُسے زیر زمین کر سکتی ہے۔ جسمانی نظام کے کسی ایک پرزے کی خرابی کسی وقت بھی اُس کی ساری اکڑفوں کو خاک میں لاکر رکھ دیتی ہے۔ کیا کسی دولت مند اور سرمایہ دار کو آپ نے کبھی دیکھا یا سُنا کہ اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت

وہ ایک پائی بھی اپنے ساتھ لے گیا ہو؟

مارا اصل مستقبل آخرت ہے

عام طور پر یہ دلیل دی جاتی ہے کہ صاحب! بال بچوں کی پرورش اور اُن کے مستقبل کو روشن بنانے کی ذمہ داری بھی تو ہم پر ہے۔ ل دینے والے اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہوتے ہیں کہ اسلام نے بال بچوں کی پرورش اور دیکھ ریکھ کی ذمہ داری انسان پر الی ہے۔ مگر چند اہم حقیقتیں ہیں جنہیں عام طور سے لوگ نظر انداز کر دیتے ہیں۔ سب سے پہلی اور اہم بات یہ ہے کہ ہر شخص کا اصل مستقبل مرت ہے نہ کہ یہ چند روزہ زندگی۔ انسان اِس روئے زمین پر ایک مسافر کی طرح ہے۔ اُس کا اصل وطن باوا آدم کا وطن جنت فردوس ہے۔ اگر یہ مسافر دورانِ سفر صراطِ مستقیم پر گامزن رہا، یکسوئی کے ساتھ اپنی منزلِ مقصود کی جانب رواں دواں رہا، پنے منصب کا شعور و احساس رکھتے ہوئے اپنے فرائضِ منصبی کو انجام دیتا رہا تو توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اِس چند روزہ زندگی یں بھی حقیقی عزت و اطمینان سے ہمکنار ہوگا اور موت کے بعد ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی میں بھی خدا کی رضا اور خوشنودی اُسے حاصل ہو سکے گی۔ دوسری اہم حقیقت یہ ہے کہ جس طرح والدین کا خالق و رازق اللہ رب العالمین ہے ٹھیک اسی طرح اولاد کا بھی اصل خالق و مالک اور رازق اللہ ہی ہے۔ یہ بچے بطور امانت ہماری تحویل میں ہیں۔ ہمارے بچے یقیناً اس بات کے مستحق ہیں، اور ہم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم اُن کے کھانے پینے، رہنے کا فکر اور بندوبست کریں۔ مگر ساتھ ہی ساتھ ہماری اولاد اس بات کی بھی مستحق ہے اور ہم پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم انھیں خدا پرست بنانے کا فکر اور سعی و جہد کریں۔ اُن کے اصل مستقبل آخرت کو سنوارنے کی تڑپ ہمارے اندر ہو۔ اُن کا اخلاق و کردار، اُن کا اندازِ فکر اور مطمحِ نظر خدا شناس اور تابع امرِ رب ہو۔ خدا کی نافرمانیوں سے، لادینی افکار و خیالات سے، آخرت فراموش ماحول اور سوسائٹی سے اور حرام کمائی سے بنے ہوئے لقموں سے اُنھیں ٹھیک اُسی طرح بچانے کی ضرورت ہے جس طرح ماں اپنے پھول جیسے بچے کو دہکتی ہوئی آگ کے الاؤ میں گرنے سے بچاتی ہے۔ اگر کوئی شخص ذریعہ معاش کے حصول میں اِن باتوں کا خیال نہیں رکھتا تو جان لینا چاہئے کہ آج وہ اپنے جن بچوں کے موہوم مستقبل کو سنوارنے کے لئے اپنی عاقبت کو برباد کر ڈالنے پر تُلا ہوا ہے کل یہی بچے اپنے ان ظالم والدین پر خدا کی عدالت میں استغاثہ دائر کریں گے اور وہاں کوئی کسی کو بچانے والا نہ ہوگا۔

تم دنیا میں ایک مسافر راہ گیر کی طرح ہو

اللہ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

کُن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل

تم دنیا میں ایک مسافر اور راہ گیر کے مانند ہو "

مسافر اپنا پیٹ اور جسم ساتھ لے کر سفر کرتا ہے۔ اس لئے اُسے سفر کے دوران زندگی کی بنیادی ضروریات کا خیال رکھنا اور اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ اُس کا دورانِ سفر نہایت دلکش مناظر سے، سر بفلک عمارتوں سے، بڑے بڑے کارخانوں سے او بڑی بڑی جائدادوں سے گذر ہوتا ہے۔ وہ ان پر ایک نگاہ ڈالتا ہے اور گذر جاتا ہے۔ وہ انھیں اپنی منزلِ مقصود تصور نہیں کر اُس کے دل میں یہ اُمنگ پیدا نہیں ہوتی کہ وہ بس یہیں اُتر کر ان سب چیزوں پر قبضہ جمالے۔ اُسے تو دھن سوار ہوتی ہے اُس مقصد کی جس کے لئے وہ سفر کر رہا ہوتا ہے۔ اُسے تو اپنی منزلِ مقصود پر پہونچ کر دم لینا ہوتا ہے۔ خدا پرست انسان اس مسا کے مانند ہوتا ہے۔ وہ بھی اس دنیا میں رہتا بستا ہے۔ وہ بھی زندگی کی بنیادی ضروریات کی فراہمی کے لئے فکر مند ہوتا ہے اس کے مقابلے میں ایک دوسرا انسان ہے جو دنیا کی اسی چند روزہ زندگی کو سب کچھ تصور کرتا ہے۔ یہیں کی آرائش اور زیبائش میں، یہیں کے کھیل کود اور ٹیپ ٹاپ میں اور مال و دولت اور اولاد و اقتدار کے حصول میں ایک دوسرے سے سبقت لیجا کی سعی و جہد میں اپنے جسم کا ایک ایک قطرہ خون اور پسینہ نچوڑ دیتا ہے۔ اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس کی نذر کر دیتا ہے۔ اُسے کبھی خیال تک نہیں ہوتا کہ موت اُس سے کتنی قریب ہے، موت کے بعد اُس کا کیا حشر ہونا ہے۔ خدا اور رسولؐ کا حکم کیا ہے، خدا کن باتوں اور کاموں سے خوش ہوتا ہے اور کن سے ناراض ہوتا ہے اور خدا کی ناراضگی کا المناک انجام کیا ہوتا ہے۔ اُس کے اندر اِس بات کی طلب پیدا نہیں ہوتی کہ وہ اپنی زندگی کو خدا پرستانہ زندگی بنانے کے لئے خدا کی کتاب اور اُس کے رسولؐ کی سنّتِ مبارکہ سے واقفیت حاصل کرکے خدا کے دین کو سمجھے، خدا کے دیئے ہوئے رزق کے حصول میں وہ طریقے اختیار نہ کرے جو ناجائز اور حرام ہیں، اور اپنی حلال کمائی میں سے خدا کا حق ادا کرے۔ اِن سب باتوں کی طرف اُس کا ذہن راغب نہیں ہوتا اِسی چیز کا نام دنیا پرستی ہے جس کا خدا اور اُس کے دین سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ ایسی ہی زندگی کو قرآنِ حکیم میں دھوکے کی ٹٹی قرار دیا گیا ہے :

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ

دنیا کی زندگی ایک دھوکے کی ٹٹی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

آخرت پر دنیا کو ترجیح دینے کا انجام

اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت و فرمانبرداری اور اقامتِ دین کی راہ میں سر دھڑ کی بازی لگا دینے کی سعی و جہد کے مقابلے میں اگر ماں باپ، بھائی بہن اور اولاد وغیرہ کی محبت غالب آجاتی ہے تو اسے بھی دنیا پرستی کی ایک علامت قرار دیا گیا ہے جس کے بھیانک انجام سے متنبہ کیا گیا ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اِقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ع (التوبہ ۲۴)

(اے نبیؐ) کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز و اقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں تم کو اللہ اور اُس کے رسولؐ اور اُس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کرتا۔

بہتر ٹھکانا صرف خدا کے پاس ہے

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ ... تا ... وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ (آلِ عمران: ۱۴)

لوگوں کے لئے مرغوباتِ نفس ... عورتیں، اولاد، سونے اور چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے، مویشی، اور زرعی زمینیں ... بڑی خوش آئند بنا دی گئی ہیں۔ مگر یہ سب دنیا کی چند روزہ زندگی کے سامان ہیں حقیقت میں جو بہتر ٹھکانا ہے وہ تو اللہ کے پاس ہے۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

المالُ والبنون زینۃُ الحیوٰۃ الدنیا والبٰقیٰت الصالحات خیرٌ عند ربک ثواباً وخیرٌ املا

یہ مال اور یہ اولاد محض دنیوی زندگی کی ایک ہنگامی آرائش ہے۔ اصل میں تو باقی رہنے والی نیکیاں ہی تیرے رب کے نزدیک نتیجے کے اعتبار سے بہتر ہیں اور ان ہی سے اچھی امیدیں وابستہ کی جا سکتی ہیں۔

(باقی آئندہ)

عکس خط خریدار نمبر ۲۱۷۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آدم باندی پورہ کشمیر — ۹ رجب ۱۴۰۲ھ [illegible] مئی ۱۹۸۲ء

محترم مینیجر صاحب ماہنامہ حجاب رامپور یوپی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ اس سے پہلے ایک خط لکھا تھا نہیں معلوم ہے کہ آپ کو مل گیا یا نہیں۔ اس خط میں اپریل ۱۹۸۲ء کا شمارہ نہ ملنے کا ذکر تھا۔ بہرحال چند دن پہلے حجاب کے ریپر سلپ کے اندر ایک رسالہ جو مدراس سے شائع ہوتا ہے اور ملیالم یا تلگو زبان میں ہے۔ عجیب تماشہ ہے کہ پرانے حجاب کی جگہ اور کا مال بدل کر رکھ دیا گیا تھا معلوم نہیں کہ یہ کارنامے ڈاک والے کیسے انجام دیتے ہیں۔ اس سے پہلے بھی ایسا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] بہرحال آپ سے گزارش ہے کہ مہربانی کر کے حجاب کا اپریل ۱۹۸۲ء کا شمارہ [illegible] [illegible] فرمائیں۔ [illegible] [illegible]

شاباش !

ڈاک کے ڈاکوؤ !

تم حجاب پر بہت مہربان ہو !

باندی پورہ کشمیر کے ایس ایم سردار صاحب کا ایک خط چھاپا جا رہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ حجاب کا پتہ لکھے ہوئے ریپر کے اندر ملیالم یا تلگو زبان کا مال بدل کر رکھ دیا گیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ معلوم نہیں یہ کارنامے ڈاک والے کس طرح انجام دیتے ہیں۔

اس سے پہلے بھی ایسا ہو چکا ہے۔

انٹرویو
احمد جمال پاشا

مسٹر گوموٹوموسے انٹرویو

ایک صحافی کی کہانی جس نے ایک انٹرویو لیا تھا

انٹرویو کے فن پر ایک لاجواب ہدایت نامہ

اُردو ادب سے ایک تیکھا انتخاب

موسم مہنگائی اور معشوق سے بھی زیادہ ہمیں بڑے آدمیوں کی فکر رہتی ہے۔ اخبار نویس جو ٹھہرے بڑا آدمی اس کو کہتے ہیں جو گھیراؤ کے باوجود اخباری نمائندہ کے قابو میں نہ آسکے۔ دن رات لاسہ لگانے کے باوجود صاف نکل جائے اور بالکل ہاتھ نہ آئے۔

انٹرویو کے چکر میں ہمیں نیند کیوں رات بھر نہیں آتی۔ اس کا اندازہ آپ اس واقعہ سے لگا سکتے ہیں کہ ایک دفعہ ہمیں کہیں سے بو لگ گئی کہ ایک عدد بڑا آدمی صحرائے عظیم میں پارس پتھر دریافت کرنے کے بعد ٹیپی لینڈ جا رہا ہے۔ اس کا اسپیشل بوئنگ جیٹ تین بجے رات کو ہوائی اڈہ پر پانچ منٹ کے لئے رُکے گا اور مسٹر گوموٹومو اس میں سے ایک منٹ کے لئے برآمد ہوں گے تاکہ شہران کو دیکھ سکے۔

اب ہمارے لئے ضروری ہو گیا کہ اپنا کھانا پینا اور سونا حرام کر کے ہوائی اڈہ پر ڈٹ جائیں۔ چائے، کافی اور گپ کے سہارے جوں توں وقت کاٹنے کے بعد خدا خدا کر کے رات کے تین بجے تو معلوم ہوا کہ موسم کی خرابی کے باعث مسٹر گوموٹومو کا جہاز دو گھنٹہ لیٹ ہے یعنی ٹھیک پانچ بجے صبح پہنچے گا چلئے صاحب رات تو گئی۔ اب ڈر کے مارے منہ پر چھینٹے دیئے جا رہے ہیں کہ اونگھ گئے تو بڑا آدمی صاف نکل جائے گا۔ اگر ہمارے اخبار میں ان کا باتصویر بیان نہ شائع ہوا تو غضب ہی تو ہو جائے گا۔

پانچ بجے صبح جب مسٹر گوموٹومو کا بوئنگ ہوائی اڈہ پر ایک جھٹکے کے ساتھ رکا تو اس میں سے موصوف اس لئے برآمد نہ ہو سکے کہ وہ بے خبر سو رہے تھے۔ بوئنگ چھوٹنے میں جب چند سیکنڈ رہ گئے تو ہمارے چھکے چھوٹ گئے۔ ایک ہائی لینڈ جو اپنے جہاز کے انتظار میں وقت گزاری کے طور پر بوئنگ کے قریب کھڑا تھا اس کی ہم نے ایک عدد تصویر اتار لی اور اطمینان سے گھر آکر سو گئے۔

دوسرے دن ہم نے مسٹر گوموٹومو کی نام نہاد تصویر اور خصوصی انٹرویو اپنے اخبار میں اشاعت کے لئے دے دیا۔ اخبار میں

مسٹر گوموٹوموکی تصویر بڑی آب و تاب سے شائع ہوئی۔ جسے دیکھ کر دوسرے دن تمام اخباروں والے سر پکڑ کر رہ گئے۔ اسی کے ساتھ وہ خصوصی انٹرویو بھی تھا جس میں مسٹر گوموٹوموں نے ہمیں بتایا تھا کہ ان کی حیرت انگیز دریافت پارس پتھر ان کے دائیں ہاتھ کی تیسری انگلی کی انگوٹھی میں جگمگا رہا تھا۔ انھوں نے ہمارے نمائندہ خصوصی کے سوالات کے جواب میں بتایا کہ میں صحرائے اعظم کا ٹھیکہ حاصل کرنے کے لئے جا رہا ہوں مجھے پوری اُمید ہے کہ ریگستان کے شمال مشرقی منطقہ کا مجھے ٹھیکہ مل جائے گا اور میں اس تپتے ہوئے صحرا کے چمکتے ہوئے ریگ زار کو پارس پتھر کی مدد سے دنیا کی عظیم ترین سونے کی کان میں تبدیل کر دوں گا۔

جب موصوف نے پارس پتھر کا کمال دکھانے کے لئے ہمارے نامہ نگار خصوصی کی چاندی کی انگوٹھی سے اپنی انگشتری مس کی تو وہ کندن کی طرح دمکنے لگی اور نامہ نگار دنگ رہ گیا۔

جب ہمارے نامہ نگار نے مسٹر گوموٹوموسے ہاتھ ملانا چاہا تو انھوں نے دائیں کے بجائے بائیں ہاتھ سے مصافحہ کرنا پسند کیا اور بتایا کہ "دائیں ہاتھ سے شیک ہینڈ میں خطرہ ہے کہ اگر کہیں پارس پتھر غلطی سے بھی آپ کے جسم سے پچ ہو گیا تو آپ یک لخت سونے کے ہو جائیں گے اور مجبوراً مجھے آپ کو اٹھا کر اپنے جہاز کے اس گوشے میں ڈالنا پڑے گا جہاں ان تمام اشیاء کا انبار ہے جو پارس پتھر چھو جانے کے نتیجے میں سونے کی ہو چکی ہیں۔

ہمارے نامہ نگار نے جب مسٹر گوموٹوموسے پوچھا کہ ٹیپسی لینڈ سے یہاں تک آپ نے کیا کھایا پیا ہے تو انھوں نے افسردگی کے ساتھ جواب دیا کہ جو کھانا ان کے ساتھ تھا وہ انھوں نے کھانے کے بجائے سونا بنا دیا اور افسوس اس بات کا ہے کہ سونا کھایا نہیں جا سکتا۔ سونے سے بھوکا مارا جا سکتا ہے مگر پیٹ نہیں بھرا جا سکتا۔ یہ سونے کی سب سے بڑی خامی ہے لیکن وہ برابر تجربہ کر رہے ہیں کہ سونے کو کھانے کے لائق بنایا جا سکے۔

نامہ نگار خصوصی نے بڑے تعجب سے پوچھا کہ آپ سونے سے دنیا خرید سکتے ہیں۔ زمانے بھر کی نعمتوں کے انبار لگا سکتے ہیں مگر نہ اُسے انگور کی طرح چکھ سکتے ہیں اور نہ عطر کی طرح لگا سکتے ہیں؟

مسٹر گوموٹوموں نے کفِ افسوس ملتے ہوئے کہا۔ میں دنیا بھر کا کھانا سونے سے خرید کر پوری دنیا کو بھوکا مار سکتا ہوں۔ سونے کا اسٹاک کر کے دنیا بھر کے بینکوں کا دیوالیہ نکال سکتا ہوں۔ دنیا بھر کے سونے کو بازار میں لا کر سونے کی

سر بازاری سے پوری انسانیت کو کتے کی موت مار سکتا ہوں۔ مگر افسوس نہ میں اسے پھول کی طرح سونگھ کر مسرور ہو سکتا ہوں، نہ اسے عطر کی طرح چھڑک کر اپنا دماغ تر و تازہ کر سکتا ہوں۔ نہ پڈنگ کی طرح کھا، یا سوپ کی طرح پی کر لذتِ کام و دہن حاصل کر سکتا ہوں۔

ہمارے نمائندہ خصوصی نے تعجب سے پوچھا۔ "پھر آپ اتنے بہت سے سونے کا کیا کریں گے؟ ہم لوگ تو سونے کا ذاتی استعمال اس لئے پسند نہیں کرتے کہ اسے بچا کر قومی دولت میں اضافہ کرتے ہیں اور سونے کو اس لئے سنبھال کر رکھتے ہیں کہ اس سے ملکی خوشحالی بڑھے گی غیر ملکی زرمبادلہ حاصل ہو سکے گا۔"

مسٹر گوموٹوموں نے اسمگلروں والی مخصوص پُراسرار مسکراہٹ برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ "میں کیا کروں گا؟ میں اس کے ذریعے دنیا پر بادشاہت کروں گا۔ میں ایک ورلڈ گورنمنٹ ایک عالمی حکومت قائم کروں گا۔ میں اس کے ذریعے حکومتیں قائم کرا سکتا ہوں۔ حکومتوں کے تختے اُلٹ سکتا ہوں۔ قیمتوں کو آسمان پر لے جا سکتا ہوں اور پاتال میں پھینک سکتا ہوں۔ دوزخ اور جنت قائم کر سکتا ہوں۔ نسلِ انسانی کے ارتقاء کا سُراغ لگا سکتا ہوں۔"

ہمارے نمائندے نے تعجب سے پوچھا۔ "نسلِ انسانی کے ارتقاء کا آپ کیسے سُراغ لگا سکتے ہیں۔ میرا مطلب ہے اس کا سراغ تو لگ چکا ہے؟"

انھوں نے سختی کے ساتھ ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔ "نہیں نہیں! میں اس سے مطمئن نہیں ہوں۔ میں خلاء میں ایک تحقیقی ادارہ قائم کروں گا۔ جہاں خلائی سائنسداں یہ ثابت کریں گے کہ انسان بندر نہیں گرگٹ کی اولاد ہے۔"

"ہیں! کیا کہا! گرگٹ کی اولاد ہے؟ یعنی انسان گرگٹ کی اولاد ہے؟"

"جی ہاں گرگٹ کی اولاد ہے۔ دیکھئے نا۔ اگر انسان واقعی بندر کی اولاد ہوتا تو پھر وہ گرگٹ کی طرح دم بدم رنگ کیسے بدل سکتا تھا۔ گھڑی میں کچھ، گھنٹے میں کچھ، منہ پہ کچھ، دماغ میں کچھ، ظاہر کچھ اور باطن کچھ۔"

ہمارے نمائندے نے پوچھا۔ "آدمی کو گرگٹ کی اولاد ثابت کرنے سے آپ کو کیا فائدہ ہوگا؟"

فائدہ، فائدہ؟ بالکل صاف ہے؟ ظاہر ہے کہ انسان کو اپنے جدِ امجد کا پتہ چل جائے گا۔ اور وہ اپنے مورثِ اعلیٰ کے نقشِ قدم پر چلنے میں شرمائے گا نہیں۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ انسان کے قول و فعل میں بظاہر جو تضاد ہے وہ ختم ہو جائیگا

اسے اپنے وجود کو برقرار رکھنے کا ایک اخلاقی اور ایک اخلاقی بنیاد مل جائے گی۔

مسٹر گوموٹومو نے یہ بھی انکشاف کیا کہ ایک نجومی نے ان کو بتلایا ہے کہ وہ مریں گے نہیں بلکہ آخر میں خود بھی سونا ہو جائیں گے۔

مسٹر گوموٹومو نے الوداعی سلام کے لئے جب ہوا میں ہاتھ لہرایا تو ہمارے نمائندہ خصوصی نے حیرت سے دیکھا کہ فضا میں اچانک سنہری لکیریں اُبھرنے اور ڈوبنے لگیں کیونکہ ہاتھ لہرانے سے پارس پتھر فضا میں ہوائی لہروں سے ٹکرا کر طلائی ارتعاش پیدا کر رہا تھا۔

ہمارا انٹرویو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ اس کا ہمارے اخبار کی اشاعت پر خوشگوار اثر پڑا اور ہمارے ساتھی اخباری نمائندوں کے سینے پر سانپ لوٹ گیا مگر مسٹر گوموٹومو سے تردید یا تصدیق ان کے بس میں نہ تھی۔

خیر بس میں تو میں بھی نہیں ہوں۔ میری تو اب بھی رات کی نیند حرام ہے۔ ابھی ابھی مجھے ایک اور وی۔ آئی۔ پی کا اصلی انٹرویو لینے ریلوے اسٹیشن جانا ہے اس لئے گاڑی اسٹارٹ کرنے سے پہلے چپکے سے اپنے پیشے کا گُر بھی بتاتا چلوں تاکہ بہتوں کا بھلا ہو کہیں کہیں گیا دیا نہیں تھا میں نے یہ انٹرویو صبح ناشتے کے بعد اپنے ڈرائنگ روم میں لکھا تھا ایک گول گپے قسم کے آدمی کی تصویر ایک بہت پرانے رسالے سے کاٹ لی تھی تصویر کے انتخاب میں "گوموٹومو" کے نام نے میری بڑی مدد کی۔ ●●

کیا آپ کو معلوم ہے؟

۱۔ صبح ناشتے پر حسب خواہش مکمل خوراک جسم و دماغ کو ازسرنو چاق و چوبند اور مستعد بنا دیتی ہے

۲۔ دن میں جس انسان کا معدہ جب بالکل بھر جاتا ہے تو اس کی قوت فکر مضمحل ہو جاتی ہے اس کی سوجھ بوجھ ختم ہو جاتی ہے۔

۳۔ بیکاری تمام شر و فساد کی ماں ہے، جبکہ حرکت و عمل میں برکت و کامیابی ہے۔

۴۔ رات میں آدھا پیٹ کھانے والے برے اور ڈراؤنے خواب نیز بدہضمی سے نہ صرف محفوظ رہتے ہیں بلکہ اچھی بھرپور اور تسکین بخش نیند حاصل کرتے ہیں۔

(مرسلہ:۔ احقر ایم اے خیامی۔ کھمریا۔ وارانسی۔)

مذہب



خون اور مردار کیوں حرام ہے؟

خون جب تک کسی زندہ جسم کی رگوں میں ہو سیال رہتا ہے اور گردش کرتا ہے مگر جب رگ سے باہر نکلے تو چند لمحوں کے اندر جم جاتا ہے۔ جم جانے سے خون کی کیمیاوی ہیئت بھی تبدیل ہو جاتی ہے امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ایک روایت سے بیان کیا ہے کہ "خون جو بہتا ہو حرام ہے"۔

جانوروں کے جسم میں خون جگر اور تلی میں بھی پایا جاتا ہے اس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علیحدہ صراحت فرمائی۔ ارشاد ہوا کہ تمہارے لیے دو خون حلال ہیں اور وہ ہیں جگر اور تلی۔

یہ بات طے شدہ ہے کہ انسان کا معدہ خون ہضم نہیں کر سکتا اور قرآن مجید نے اس باعث اس کو حرام قرار دیا ہے تو ہر وہ حالت جس میں خون پایا جاتا ہو حرام ہوگی۔ آیۂ حرمت میں جو چیزیں حرام کی گئی ہیں ان میں سے اکثر اسی باعث حرام ہیں۔ مردار حرام ہے اس لیے کہ جانور جب مرا تو اس کا خون اس کے جسم کے اندر موجود رہتا ہے اور جو زندگی کی حالت میں گردش کرنے والا تھا۔ اب رگوں کے اندر جم جاتا ہے اس لیے کسی بھی مردار کے گوشت میں خون کا عنصر شامل ہوگا اور وہ بعض اور وجوہات کے ساتھ ساتھ خون کی موجودگی کے باعث حرام ہو جائیگا

آرسینیا اور ٹیفوئیڈ [illegible] کی بہت سی قسموں نے [illegible] کے لئے ملازم رکھا ہے۔

جانوروں کو کھانے کے لیے ذبح کیا جاتا ہے، مارا جاتا ہے اور اس کے علاوہ کئی اور طریقے آج کل مروّج ہیں، پرندوں کو

کھولتے پانی میں ڈال کر ختم کرتے ہیں۔ جبکہ بڑے جانوروں کو سر میں چوٹ لگا کر بے ہوش کرتے ہیں یا دماغ میں بجلی کا کرنٹ لگا کر ہلاک کیا جاتا ہے۔ قبائلی تہذیب میں اور اب جدید مشینوں میں جانوروں کا جھٹکا کیا جاتا ہے۔ جدید ذبح میں ٹوکے کی طرح ایک وزنی چھرا بلندی سے جانور کی گردن پر گرتا ہے اور اسے ہلاک کر دیتا ہے۔ جو انقلاب فرانس کی "گلوٹین" کا نمونہ ہے۔ یہ بھی جھٹکے کی ایک صورت ہے

جانور کو کھولتے پانی میں ڈال کر ہلاک کیا جائے یا بجلی کے جھٹکے سے ماریں یا تیز دھار آلہ سے اس کا جھٹکا کریں ہر صورت میں اس کا خون جسم میں باقی رہ جاتا ہے

خون کے بارے میں یہ بات بیان کی جا چکی ہے۔ کہ اگر وہ جسم کے اندر باقی رہ جائے تو گوشت کو ناقابل استعمال بنا دیتا ہے۔ ظاہری طور پر جھٹکے میں جب جانور کی گردن کٹ کر سے کافی مقدار میں خون بہہ جاتا ہے اور اس طرح جسم کا کافی خون باہر نکل جاتا ہے۔ یہ بات ظاہری طور پر درست ہے لیکن حقیقت سے دور ہے۔ تحقیقی طور پر جانور کے دماغ کا کچھ حصہ کھوپڑی سے نکل کر ریڑھ کی ہڈی میں حرام مغز کی صورت میں داخل ہوتا ہے۔ حرام مغز کو چھوٹا دماغ بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ چھوٹے موٹے کام از خود سر انجام دے سکتا ہے۔ مثلاً کسی کو اندھیرے میں کوئی چیز مس کرے تو وہ ردعمل کے طور پر از خود پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

امام بخاری رح نے ذبیحہ کی یہ تعریف فرمائی ہے کہ ابن جریج کی تشریح کے مطابق جانور کی رگیں اس حد تک کاٹ دی جائیں جہاں سفید دھاگے سے ہوتے ہیں۔ مگر ہڈی ہرگز نہ کاٹی جائے۔

عطا ابن ابی رباح نے تشریح کی ہے

> "جب تم کسی جانور کو ذبح کرنے لگو تو چھری کو اچھی طرح تیز کر لیا کرو اور اپنے ذبیحہ کو آرام دو۔"

ٹ کر چھوڑ دے۔
ابن جریج کہتے ہیں کہ سفید دھاگے والی رگ تک کاٹ کر ہاتھ روک لے ورنہ اس طرح
مری ہڈی تک چلی جائے گی جب کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضہ نے ہڈی تک جانے سے
منع فرمایا ہے۔

ابن ماجہ نے حضرت شداد بن اوس رضہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
"جب تم کسی جانور کو ذبح کرو تو چھری کو اچھی طرح تیز کر لیا کرو اور اپنے ذبیحہ کو آرام دو"
آرام سے مراد یہ ہے کہ گردن تیز چھری سے کاٹ کر جان کنی کو آسان کر دیا جائے۔ بلکہ
جانور کے آرام کو یہاں تک مدنظر رکھا گیا ہے کہ ابن ماجہ نے ہی جانوروں کی نفسیات کو
حضرت بن عبداللہ بن عمر رضہ کی اس روایت میں بیان کیا:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا چھری کو خوب تیز کرنے کا اور چھریوں کو جانوروں
سے چھپانے کا اور فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی ذبح کرے تو جلد ذبح کر ڈالے۔ آپؐ نے
ادھورے طور پہ ذبح کرنے سے بھی منع فرمایا ہے اور اس کو شیطانی عمل قرار دیا ہے کیونکہ
اس صورت میں جانوروں کی روح تکلیف سے نکلتی ہے۔

یہ درسی کتابیں ہم سے طلب فرمائیں

ہماری کتاب قاعدہ نستعلیق ۱/۲۵	عام معلومات اول ۱/۵۰	بچوں کی کتاب اول ۰/۷۵
منی کتاب عکسی رنگین ۱/-	عام معلومات دوم ۲/۵۰	معلوماتی کہانیاں ۰/۵۰
ہماری کتاب قاعدہ نسخ عکسی ۱/۲۵	عام معلومات سوم ۴/-	موٹر ۰/۵۰ ریل ۰/۵۰
منی کہانیاں ۱/-	عام معلومات چہارم ۲/۵۰	آر بی اے (رنگین ہندی قاعدہ) ۱/-
ہماری کتاب اول عکسی ۱/۵۰	عام معلومات پنجم ۲/۵۰	ہماری پوتھی پرائمر ۱/۵۰
〃 〃 دوم 〃 ۲/۵۰	ہماری دنیا اول ۱/۵۰ دوم ۲/- سوم ۲/۷۵	ہماری پوتھی پہلا بھاگ ۱/۵۰
〃 〃 سوم 〃 ۳/-	پیاری نظمیں اول ۰/۶۰ دوم ۰/۶۰	ہماری پوتھی دوسرا بھاگ ۲/۵۰
〃 〃 چہارم 〃 ۳/-	ہمارے نغمے اول ۰/۷۵ دوم ۰/۷۵	ہماری پوتھی تیسرا بھاگ ۲/۵۰
〃 〃 پنجم 〃 ۴/-	آئینۂ تاریخ اول ۳/- دوم ۴/-	سچا دین اول ہندی ۱/۵۰
〃 〃 ششم 〃 ۵/-	پیارے رسولؐ عکسی ۰/۷۵	〃 دوم 〃 ۱/۵۰
آسان کہانیاں ۱/-	ہادیٔ اعظم اول ۱/۵۰ دوم ۲/-	ذہنی تربیت ۲/-
اخلاقی کہانیاں اول ۱/- دوم ۱/- سوم ۱/- چہارم ۱/-	جدید ریاضی اول ۲/- دوم ۲/-	ماڈل پرائمر (زیر طبع)
موتیوں کا ہار اول ۱/- دوم ۱/- سوم ۱/- چہارم ۱/۲۵	آسان ریاضی سوم جدید ۳/-	اے بی سی (رنگین انگریزی قاعدہ) ۱/-
سچا دین اول ۲/۲۵ دوم ۲/۵۰ سوم ۲/- چہارم ۲/-	آسان ریاضی چہارم جدید ۴/-	انشاء اور معلومات اول ۲/- دوم ۲/۵۰ سوم ۲/۵۰
تعمیری ادب نثر ۵/-	آسان ریاضی پنجم جدید ۳/۵۰	منہاج العربیہ اول ۱/۵۰ دوم ۲/-
تعمیری ادب نظم ۵/-	بچوں کی کتاب قاعدہ ۰/۷۵	ترقی چارٹ ۰/۴۰

مرکزی مکتبہ اسلامی۔ چتلی قبر، دہلی ۶

[illegible] پبلشر محمد اسحٰق۔ مطبوعہ [illegible] دہلی۔ مقام اشاعت محلہ بارہ دری محمود خاں رامپور

Monthly HIJAB Rampur

Regd No. R N 20384/70 Regd. No. MRD 34

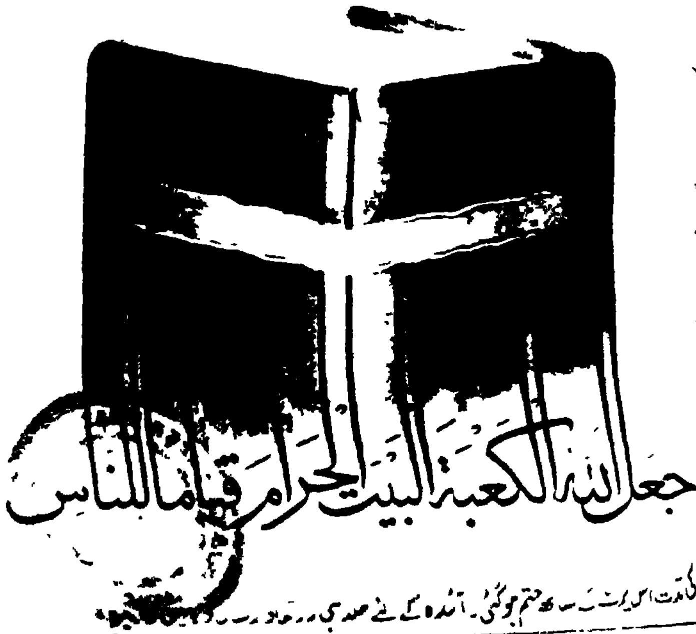


لله الكعبة البيت الحرام قياما للناس

حجاب رامپور

اکتوبر ۱۹۸۲ء مطابق ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ

شمارہ نمبر ۱۲۸، جلد نمبر ۱۲، قیمت فی شمارہ ۳/۵۰، سالانہ ۴۰/



ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد اسحٰق




درپردۂ حجاب

تعارف وتبصرہ

افسانے اور کہانیاں

ایمانیات

شخصیات

نظمیں اور غزلیں

صحت و تندرستی

مُتفرقات

اگلا پرچہ اُلجھنوں کے گرفتار نمبر ہوگا۔ اس کی قیمت دس روپیہ ہوگی ۔۔۔۔ مُنیجر

ٹھیک ٹھیک طریقہ

اللہ تعالیٰ جو ہمارا مالک، مولا، حاکم اور آقا ہے اور وہی اِس سارے جہان کا بھی جسے اسی نے پیدا کیا۔ اسی اللہ نے انسان کو پیدا کیا۔ اُسے ہر شے کا علم دیا اور سوچنے سمجھنے کی قوتیں بھی دیں۔ اچھا کیا ہے اور برا کیا ہے یہ بات اُس کی فطرت میں رکھ دی یعنی انسان بھلائی بُرائی میں فرق کر سکتا ہے۔ اسی انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنا نائب (خلیفہ) بنا کر زمین پر بھیجا۔

خلیفہ بناتے وقت اُسے صاف صاف بتا دیا کہ دیکھ اور سُن لے۔ تیرا اور سارے جہاں کا مالک اور معبود، حاکم اور آقا میں ہی ہوں۔ تو میرا ہی بندہ بن کر رہے گا۔ میرے حکموں کے مقابلے میں کسی کا حکم نہ مانے گا۔ اے انسان! دنیا میں تجھے چند روز امتحان کے طور پر بھیجا جا رہا ہے۔ اس کے بعد تجھے میرے پاس ہی واپس آنا ہے۔ اُس وقت میں جانچوں گا کہ تونے اس امتحان میں کتنے نمبر حاصل کئے، تو پاس ہوا یا فیل۔ اگر تو پاس ہوگیا تو پھر تیرے لئے جنت ہے، وہ جگہ جہاں آرام ہی اور عیش ہی عیش ہے۔ اگر تو فیل ہوگیا تو تیرے لئے جہنم ہے، وہ جگہ جہاں دُکھ ہی دکھ اور الجھنیں ہی الجھنیں ہیں۔ دنیا کی زندگی میں تیرا یہی عقیدہ رہنا چاہئے۔ یہی تیرے لئے ٹھیک ٹھیک طریقہ ہے۔

قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ انسان نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی روشنی میں زمین پر قدم رکھا۔ حضرت آدمؑ نے اپنی اولاد کو یہی تعلیم دی اور اسی کے مطابق زندگی بسر کرنا سکھائی اور اپنی اولاد سے وعدہ لیا کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کو نہ مالک مانو گے اور نہ حاکم جانو گے۔ اولادِ آدم نے وعدہ کیا اور حضرت آدمؑ نے جو عقیدہ اور زندگی بسر کرنے کا جو طریقہ دیا اُسے اپنایا اور اُس پہ چلنے کی کوشش کی۔

الجھنوں کے گرفتار نمبر کی

ایک جھلک

الجھنوں کے گرفتار نمبر کے کچھ مضامین کا تعارف ستمبر کے حجاب میں کرا دیا گیا تھا۔ ان کو دہرانا مناسب نہ معلوم ہوا۔ ہم ان مضامین کے عنوانوں کا نام لکھ کر دوسرے مضامین کی ایک جھلک دکھانا چاہتے ہیں :۔

اہلِ مکہ کی الجھن	فرشتوں کی الجھن	ابلیس کی الجھن
حضرت آدمؑ کی الجھن	خلافت کا بوجھ	دنیا کے دانشوروں کی الجھن
انبیاء کے بارے میں کفار کی الجھن	اقرار نامہ	آر۔ ایس۔ ایس۔ کے [illegible] کی [illegible]
	شادی غمی کی الجھنیں	
حضرت یوسفؑ	ہم پردہ کریں یا نہ کریں	[illegible]
کافر جہنمی کیوں	خواہ مخواہ کی اذیت	بھوت، چڑیل [illegible]
نام کا اثر	روح	آخرت یا [illegible]
نغمہ، گانا، رقص و سرود	اسلام میں جوگی پن نہیں	[illegible]

یہ تھے وہ مضامین جن کا تعارف ہم ستمبر کے پرچے میں کر چکے۔ ان اور [illegible] مضامین کے [illegible]

کہ اِن میں کیا ہے :

مکمل رہنمائی : اس مضمون میں یہ الجھن دور کی گئی ہے کہ اللہ کا ہر نبی مکمل رہنما رہا ہے پھر آج نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی ہی کیوں اختیار کی جائے۔ سمجھایا گیا ہے کہ حضورؐ کے علاوہ کسی نبی کا پورے کا پورا اُسوہ ہمارے سامنے نہیں ہے۔ اس لئے ہمارا عقیدہ تو یہی ہونا چاہئے کہ تمام نبی مکمل رہنما تھے لیکن آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی رہنمائی میں زندگی کے ہر شعبے کو سنوارا جا سکتا ہے۔

مسلم پرسنل لاء : مسلم پرسنل لاء ہمارے ملک میں ایسا الجھا ہوا مسئلہ ہے کہ جس سے نہ حکومت کو چین مِلتا ہے نہ یہاں کی اکثریت کو۔ آئے دن اِس کے بارے میں چھیڑ چھاڑ ہوتی ہی رہتی ہے۔ الجھنوں کے گرفتار نمبر میں مسلم پرسنل لاء کی تاریخ بیان کرنے کے بعد بتایا گیا ہے کہ اَب مسلم پرسنل لاء جتنا بھی ہے وہی مسلمانوں کے لئے رہنے دیا جائے اور یکساں سِول کوڈ ان پر نافذ نہ کیا جائے۔

زمانے کی گواہی : اس کے تحت کئی واقعے لکھے گئے ہیں۔ ایک واقعہ ترکی کا ہے۔ وہاں کے ایک گرلس کالج کی طالبات نے مولانا مودودیؒ کا رسالہ دینیات پڑھ کر طے کیا کہ ہم سر کو ڈھانکا کریں گی جبکہ کالج میں اس کی ممانعت ہے۔ طالبات نے اپنی اس حرکت سے سارے کالج کو ہلا کر رکھ دیا لیکن لڑکیوں نے اپنا مطالبہ منظور کرا ہی لیا۔ اسی طرح کے کچھ واقعات طلبہ وطالبات کی ملی جلی تعلیم کے ہیں۔ کچھ لڑکیوں کو یہ الجھن ہے کہ پردہ کرتی ہیں تو کالج میں نکو بنائی جاتی ہیں اور اگر پردہ نہیں کرتی ہیں تو گھر والے ڈانٹتے ہیں تو بیچاری کیا کریں اور کیا نہ کریں۔

تلاشِ حق : کچھ طالب علم تلاشِ حق میں نِکلے۔ اُنھوں نے تین جماعتوں کا جائزہ لیا۔ آخر میں وہ تحریکِ اسلامی میں شامل ہوگئے۔ اُنھوں نے ہر جماعت میں کیا دیکھا یہ اُلجھنوں کے گرفتار نمبر میں پڑھئے۔

یہ نامے مرے نام آتے ہیں : آکولہ کی ایک بہت اچھی حجابی بچی ہے 'بانو'۔ وہ میرے ایک مضمون 'ایرنا' کو پڑھ کر اس الجھن میں مبتلا ہوگئی کہ ایرنا جب اہلِ کتاب میں سے ہے تو اُسے کافر کیوں کہا گیا۔ اس کا تفصیلی حل پیش کیا گیا ہے۔ اہلِ کتاب کا کفر قرآن سے ثابت کیا گیا ہے۔ یہ بتایا گیا ہے کہ کفر کسے کہتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک مضمون 'مطالعۂ قرآن' کے عنوان سے بھی الجھنوں کے گرفتار نمبر میں آرہا ہے۔

ایک الجھن: ایک الجھن کے عنوان سے مضمون میں کائنات پر ایک نظر ڈالی گئی ہے۔ کائنات کو دیکھ کر کون کس الجھن میں مبتلا ہوا اور پھر اُس کا کیا حل تلاش کیا، اِس تلاش میں کون کامیاب رہا اور کون ناکام۔ مضمون ذہن وعقل کو اپیل کرنے والا اور دانشور طبقے کے پڑھنے کے لائق ہے۔

الجھنوں کے گرفتار: یہ ایک مضمون ہے۔ اس میں کئی واقعات سموئے گئے ہیں۔ ایک واقعہ تو وہ ہے جب حضرت موسےٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ گائے ذبح کرو لیکن بنی اسرائیل کے دل میں گائے کی عظمت بیٹھی تھی اس لئے وہ الجھن میں پڑ گئے۔ بالآخر انہوں نے گائے ذبح کی۔

اسی مضمون میں اُم المومنین حضرت صفیہؓ کے والد اور چچا کی الجھن کا تذکرہ ہے، یہ دونوں صاحبان حضورؐ کے بارے میں یقین کر چکے تھے کہ آپؐ نبی ہیں لیکن ضد یہ تھی کہ آپؐ پر ایمان نہ لائیں گے، ابوجہل کی طرح مخالفت ہی کریں گے۔

اسی سلسلۂ مضامین میں ہے کہ خدا گناہگاروں کو خوب نوازتا ہے۔ یہ مولانا حقانی کے وعظ سے لیا گیا ہے۔ مولانا حقانی نے بڑے اطمینان بخش طریقے سے اس الجھن کو دور کیا ہے۔ طرزِ استدلال اِتنا آسان ہے کہ آپ حیران رہ جائینگے

مسئلۂ تصویر: جانداروں کی تصویر کے متعلق احادیث میں پوری طرح تردید آئی ہے اور گنجائش بھی دی گئی ہے لیکن لوگ ہیں کہ احادیث سے زیادہ گنجائشیں چاہتے ہیں۔

اس سلسلے میں بڑا لطیفہ رہا۔ حجاب میں ایک مضمون "تصویر سے بت پرستی تک" چھپا۔ اِن ہی دِنوں حجاب کے ایک معاصر نے جو اَپنے ہی حلقے سے شائع ہوتا ہے جاندار تصویر کے لئے جواز پیش کر دیا۔ پھر اس پر ہفت روزہ دعوت نے، جس کے کرتا دھرتا جماعتِ اسلامی ہند کے حضرات ہیں، تصویریں چھاپ کر گویا مہر لگا دی کہ جاندار کی تصویریں چھاپنا جائز ہے۔ اب مدیرِ حجاب کے پاس خطوط اور الجھنوں کی بھرمار ہوگئی۔ بہرحال حجاب نے اپنا فیصلہ پوری دلیل کے ساتھ شائع کر دیا اور وہ اِس پر اب تک قائم ہے۔ لیکن اُسے خود یہ الجھن ہے کہ ہفت روزہ دعوت کے جماعتِ اسلامی کے کارکنوں کو جانداروں کی تصویروں پر کیوں اصرار ہے۔ اور مزید الجھن یہ کہ جماعتِ اسلامی کے ذمہ داران خصوصًا امیر جماعت اور قیم جماعت وغیرہ اسے کیوں برداشت کئے ہوئے ہیں۔ یہ ایک الجھن ہے جسے حل ہونا چاہیئے۔ ایک ہی حلقے کے مختلف اداروں کی یہ دورخی پالیسی آزمائش ہے۔

● شوہر کیسے بیویاں کیسی؟ : تجاب کی طرف سے دانشور خواتین سے دریافت کیا گیا کہ آپ مردوں میں کیا خوبیاں دیکھنا پسند کرتی ہیں۔ اس کا جواب عورتوں نے الگ الگ دیا ہے۔ اس میں ایک پُر لطف جواب سب میں مشترک ہے، وہ یہ کہ :-

"وہ (یعنی مرد) اپنی بات منوانے والا اور کبھی نہ دبنے والا ہو۔"

اِس میں لطف کی بات یہ ہے کہ یہ جملہ قرآن کے اصطلاحی لفظ قوّام سے کتنا قریب ہے۔ اِس کو کہتے ہیں کہ جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے۔

● تیجا، دسواں، چالیسواں : اس مضمون میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ رسمیں مسلمانوں میں کس طرح آئیں اور اِن کی تاریخی کہانی کیا ہے۔ اچھا مضمون ہے۔

● آر۔ ایس۔ ایس۔ کے ایک ممبر کی الجھن : بڑا معلوماتی مضمون ہے۔ کتابت کے لئے دیدیا گیا ہے لیکن ادارہ تجاب کے کارکن ابھی یہ فیصلہ نہیں کر سکے ہیں کہ اسے الجھنوں کے گرفتار نمبر میں دیا جائے یا نہ دیا جائے۔ یہ مضمون مدیر تجاب نے لکھا ہے۔ بہر حال دیکھئے کیا ہوتا ہے!

● کیا جماعتِ اسلامی میں کوئی صاحبِ دل ہے؟ : یہ دریاباد کے ایک صاحب کا سوال اس طنطنے کے ساتھ ہے کہ اگر کوئی ہے تو اس کی نشاندہی کی جائے۔ غور فرمائیے کتنا نازک سوال ہے۔ گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل۔ مدیر تجاب کی طرف سے جواب دیا گیا ہے کہ جماعتِ اسلامی میں کوئی صاحبِ دل نہیں ہے جس کی نظر کیمیا اثر سے لمحہ بھر میں لوگوں کی کایا پلٹ جائے۔ یہ کرامت اُن ہی بزرگوں کو مبارک ہو جن کے نام دریابادی صاحب نے اپنے سوال میں لکھے ہیں۔ مدیر تجاب نے اِن بزرگوں کی صاحبدلی کی کچھ کرامتوں کو بیان بھی کیا ہے۔ معلوم نہیں جماعتِ اسلامی کے اکابرین مدیر تجاب کی اس گستاخی کو معاف کریں گے یا نہیں؟

● جماعتِ اسلامی کی فرقہ پرستی کا ثبوت : یہ ایک بے مثل کتابچہ ہے جو مدیر تجاب کے پاس تبصرے کے لئے آیا تھا۔ مدیر تجاب نے تبصرہ کرنے کے بجائے من و عن شائع کرنا مناسب سمجھا۔ چنانچہ الجھنوں کے گرفتار نمبر میں آ رہا ہے۔ واضح رہے کہ دراصل یہ ڈاکٹر ضیاء الہدیٰ صاحب امیر حلقہ بہار کا مکتوب ہے جو وزیر اعلیٰ بہار کے نام

ہے۔ اس میں ڈاکٹر صاحب نے حکومت کے ذمہ داروں کی اس الجھن کو دور کرنے کی کوشش کی ہے جو ذمہ داروں کے ذہنوں سے نہیں نکلتی۔ مضمون کی افادیت کے پیش نظر دوبارہ الجھنوں کے گرفتار نمبر میں آرہا ہے۔

ہندوستان میں تحریک اسلامی کی کامیابی کے امکانات: عجیب بات ہے، جو لوگ تحریک اسلامی کا لٹریچر پڑھ چکے ہیں انھیں یہ الجھن ہے۔ حجاب اس کا کافی وشافی جواب الجھنوں کے گرفتار نمبر میں دے رہا ہے۔ یہ مضمون حجاب میں کبھی چھپ چکا ہے لیکن حلقۂ حجاب کے بعض دوستوں کے کہنے پر حجاب کے الجھنوں کے گرفتار نمبر میں پھر شائع کیا جارہا ہے۔

نئے نئے میاں بیوی: نئے نئے میاں بیوی کو ایک الجھن شادی کے پہلے سال کے آخر تک یہ آتی ہے کہ وہ ایک دوسرے سے تنگ ہو جاتے ہیں۔ ایسے نوجوان جوڑوں کو مدیر حجاب کی طرف سے کچھ مشورے دئے گئے ہیں۔

شادی کیسے ہونی چاہئے؟: ایک سوال ہے۔ حجاب کی طرف سے جواب ہے کہ جیسے اسلام نے بتایا ہے۔ اور پھر موجودہ ان تمام الجھنوں کا جواب جو شادیوں میں اٹھتی ہیں۔

ہمارا شوہر: اس مضمون کے متعلق یہی کہا جاسکتا ہے کہ مضمون نگار خاتون ایس بیگم اعجازی نے کاغذ پہ رکھ دیا ہے کلیجہ نکال کے۔

معاشرے کا مطالعہ: غیروں کی طرف سے مسلم معاشرے خصوصاً پردے پر کس کس طرح سے اعتراض کرکے معصوم مسلم طالبات کو پریشان کیا جاتا ہے۔ عبدالرشید جمشید پوری نے یہ واقعات لکھ کر بھیجے۔ پھر ان واقعات پر مدیر حجاب کا تبصرہ۔ دیکھنے اور پڑھنے کے لائق ہے۔

سوکن کے ساتھ: مریم جمیلہ صاحبہ لاہور سے سوال کیا گیا کہ آپ نے ایسے شخص سے کیوں شادی کی جو ایک عدد بیوی اور چار پانچ بچے رکھتا ہے۔ اس کے جواب میں مریم جمیلہ صاحبہ نے جو کہا وہ پڑھنے کے لائق ہے۔ الجھنوں کے گرفتار نمبر میں آرہا ہے۔

آئیڈیل شوہر: ایک اسلامی کالج کی ایک دیندار طالبہ کی یہ الجھن کہ والدین اس کی شادی ایک ایسے شخص سے کر رہے ہیں جو ہے تو تعلیم یافتہ اور اچھی خوبیوں والا لیکن تارک نماز ہے اور اس کے ذرائع آمدنی حلال نہیں ہیں۔ اس

طالبہ نے مدیرِ حجاب کو تقریباً الیہ خط لکھا۔ اس کا جواب الجھنوں کے گرفتار نمبر میں ملاحظہ فرمائیں۔

بیوی کو بیوی بنانا : یہ مضمون بھی چھ سات برس ہوئے کہ حجاب میں چھپ چکا تھا۔ ایک خاتون کا تقاضا ہے کہ اس پر نظرِ ثانی کرکے پھر چھاپا جائے۔ چنانچہ الجھنوں کے گرفتار نمبر میں پھر آرہا ہے۔ قصہ یہ ہے کہ ایک شوہر صاحب اپنی بیوی سے نالاں ہو کر دوسری ایسی عورت سے شادی کرنا چاہتے ہیں جو انھیں سکون دے سکے۔ مدیرِ حجاب نے اُن سے سوال کیا کہ ایسی اطمینان بخش عورت کہیں کوئی ہے جو آپ کے مطالبے کی ضامن ہو۔ اِس کے بعد اُنھیں بتایا ہے کہ آپ اپنی اِسی بیوی کو اس اور اس طرح بیوی بنائیے، سکون ملے گا۔

پردے کی نزاکت : یعنی گھر کے اندر اپنے قریبی نامحرموں سے کس طرح پردہ کریں۔ ایک اچھا مضمون ہے اور عمل کے لائق ہے۔

رسولِ خدا کا عظیم احسان : ایک غیر مسلم کا اعتراض کہ محمد جی مہاراج مسلمانوں کے محسن ہوں تو ہوں ہم غیر مسلموں کے محسن کس طرح ہو سکتے ہیں۔ خواہ مخواہ اُنھیں رحمۃ للعالمین کہا جاتا ہے۔ اس کا جواب مدیرِ حجاب کے قلم سے۔ درود و سلام کی وضاحت میں۔

نذر : شیخ احمد گجراتی کے ارشاد پر نذر اور نذر کے طریقہ کی صحیح صورت بیان کی گئی ہے۔

عصمتِ انبیاء : ایک غیر مسلم گربخش سنگھ نے حضورؐ کی تین چار بھول چوک پر انگلی رکھی ہے۔ اُن کو بتایا گیا ہے کہ یہ بھول چوک کس نوعیت کی ہیں اور ان سے نبیؐ کی عصمت پر حرف نہیں آتا۔

ایک مسلمان اور چار بیویاں : ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ مضمون مختلف رسالوں نے حجاب سے نقل کیا اور یہی مضمون کتابی مجموعے میں آگیا پھر بھی حلقہ حجاب کے بھائیوں اور بہنوں کی خواہش ہے کہ الجھنوں کے گرفتار نمبر میں پھر آئے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ الجھنوں کے گرفتار نمبر میں یہ ضرور آئے گا۔ ہم دیکھیں گے کہ اِس کا متبادل کوئی دوسرا مضمون آرہا ہے یا نہیں۔ اِس کے بعد ہی اُسے دوبارہ چھاپا جائے گا۔

افسانے، کہانیاں، آپ بیتیاں اور واقعات :

منذیرن بوا : اِس کہانی میں ایک دلچسپ ریسرچ یہ کی گئی ہے کہ لفظ "بیوہ" آگے چل کر "بوا" ہوگیا۔

اس کے بعد نذیرن بوا کی کہانی ہے۔ اِس کہانی میں نذیرن بوا کا یہ کردار اُجاگر کیا گیا ہے کہ وہ ہربات کی دلیل میں کہا کرتی تھیں کہ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس لئے میں ایسا کرتی ہوں۔ نذیرن بوا کی اس بات پر پہلے تو ایک تعلیم یافتہ مغرب زدہ مسلم خاتون نے بُرا مانا پھر خود نذیرن بوا کی معتقد ہو گئیں۔ کیسے؟ یہی تو اِس کہانی کی جان ہے جسے پڑھنے ہی سے جانا جاسکتا ہے

● آج کا حاتم (تیسری قسط): شرپسند لوگوں کی یہ اُلجھن کہ یہ چین گروہ کے گروہ کیوں مسلمان ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ پھر اُن کی ایک خطرناک سازش۔ یہ خطرناک سازش خیرپسند غیرمسلموں کی مدد سے کسطرح ناکام ہو گئی؟ بہت ہی دلچسپ قسط ہے۔

● یروشلم کی پُتلی (آخری قسط): شاہ رچرڈ شیردل کی اُلجھن کہ صلاح الدین ایوبی کے اس احسان کا بدلہ کیسے چکائے جو اُس نے حکیم بن کر شاہ کا علاج کیا۔ اِس اُلجھن کو ملکہ صقلیہ نے نہایت خوبصورتی سے حل کیا۔ بہت ہی دلکش قسط ہے۔

● مار پیچھے پُکار: ایک عورت کے نوجوان بیٹے کی شادی غریبی کی وجہ سے نہیں ہو رہی تھی پھر اُس عورت نے عجیب وغریب فریب کیا۔ بیٹے کو باہر کہیں بھیج دیا اور مشہور کر دیا کہ وہ تو کویت گیا ہے اور وہاں ہزاروں روپے کما رہا ہے بس پھر کیا تھا! یہ اُلجھنوں کے گرفتار نمبر میں پڑھیے اور ہنسیے... یا رویئے۔

● ... اور مَیں جماعتِ اسلامی سے وابستہ ہو گیا: پروفیسر غلام اعظم صاحب، مولانا عبدالسمیع ندوی خطیب کچی مسجد ہاسن، محمد احمد صاحب کاتب شاگرد منشی وجاہت علی نفیس رقم۔

یہ سب صاحبان پہلے مختلف مکاتبِ فکر سے متاثر تھے۔ پھر جب اُنھوں نے جماعتِ اسلامی کا لٹریچر پڑھا تو اس سے وابستہ ہو گئے۔ کس طرح؟ یہ الگ الگ تجربات ہیں جو عبرتناک اور نصیحت آموز بھی ہیں اور دلچسپ اور غور طلب بھی۔

● تحریکی ادب: اِس عنوان کے تحت ڈاکٹر احمد سجاد صاحب کا استدراک ہے جس کا تعارف ہم حجاب کے ستمبر کے پرچے میں کرا چکے ہیں۔ یہ ڈاکٹر صاحب کے تین چار خطوط ہیں۔ ان میں تحریکی ادب اور اسلامی ادب کی پوری نمائندگی ہو رہی ہے

ان کے علاوہ اور بہت سے چھوٹے چھوٹے مضامین ہیں جن کے ذریعہ بھائیوں اور بہنوں کی بہت سی اُلجھنوں کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اُلجھنوں کے گرفتار نمبر کی ضخامت ۲۵۶ صفحے ہو گی اور قیمت دس روپیہ۔ یہ ضخیم نمبر سالانہ خریداروں کو اُن کے چندے ہی میں دیا جائے گا۔ نوٹ۔ یہ ضخیم نمبر سادہ ڈاک سے نہیں بھیجا جائے گا۔ رجسٹری میں اس سے زیادہ پیسے خرچ ہونگے اسلئے تمام سالانہ خریداروں کو دو روپیہ کی وی پی سے بھیجا جائیگا۔ سالانہ خریدار رجسٹری کے لئے رقم نہ بھیجیں۔

اُلجھاوے

• امریکہ نے طبس پر فوجی حملے کا خرچہ اُنیس کروڑ تیس لاکھ ڈالر کا اعلان کیا ہے۔

• جرمنی کے اخبار روزنامہ "زودیچہ" زایتونگ نے لکھا ہے کہ ایران کے انقلاب نے نہ صرف اسلامی ممالک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے بلکہ یورپ کی حدود سے بھی آگے گزر گیا ہے۔

• عراق نے ایران کے خلاف جنگ میں مصری کرایہ دار لڑاکوں کا اعتراف کیا ہے۔

• بیگن نے اسلامی انقلاب کے پھیلاؤ کا مقابلہ کرنے کے لیے اسرائیل اور امریکہ کی امداد میں توسیع کا اعتراف کیا۔

• اسرائیل کے وزیر خارجہ نے علاقہ میں اسلام کی اُٹھان کو سب سے زیادہ خطرناک دھمکی قرار دیا ہے۔

• افغانستان میں عوام کی حکومت قائم ہونے تک ایران نے اسلامی محافظ فوجوں کے تعین کا مطالبہ کیا ہے۔

• الجزائر کے وزیر تعلیم اور مذہبی امور نے کہا ہے کہ امام خمینی نے اسلامی اور غیر اسلامی قوموں کی نظروں میں اسلام کا وقار بحال کیا ہے۔ وہ سچ مچ ایک قوم کی رہنمائی کرنے کے مستحق ہیں۔

• مصر کے فوجیوں نے شہر الصعید کے امام مسجد اور مسلمانوں کے ایک گروہ کو نماز کی حالت میں شہید کر دیا۔

• مصر کی اسلامی تحریک کے دو رہنما قید کی سختیوں میں شہید ہو گئے۔

• سوڈان میں گرفتار شدہ مسلمانوں کی تعداد ۱۵ ہزار سے زیادہ ہو چکی ہے۔

• امریکہ کی چھاتہ بردار فوج ہراول دستہ کے طور پر مصر میں اُتر گئی ہے۔

اسلامی شعور بیدار کرنے والی کتابیں

• مولانا صدر الدین اصلاحی

نکاح کے اسلامی قوانین ۳/۰۰
اسلام ایک نظر میں ۵/۵۰
اساس دین کی تعمیر ۱۲/۰۰
دین کا قرآنی تصور ۸/۰۰
اسلام اور اجتماعیت ۵/۰۰
حقیقت نفاق ۴/۲۵
اعتدال کی راہ ۲/۵۰
اسلامی نظام معیشت ۰/۷۵
تحریک اسلامی ہند ۴/۵۰
فریضۂ اقامت دین ۸/۰۰
قرآن مجید کا تعارف ۳/۰۰
دین کا مطالعہ ۰/۷۵
راہ حق کے مہلک خطرے ۱/۲۵
مسلم پرسنل لا دینی و ملی نقطۂ نگاہ سے ۴/
یکساں سول کوڈ اور مسلمان ۰/۵۰

• ماہر القادری

در یتیم ۹/۵۰
کاروان حجاز ۶/۶۵

• مولانا امین احسن اصلاحی

حقیقتِ توحید ۳/۰۰
حقیقتِ شرک ۴/۵۰
حقیقت تقویٰ ۱/۵۰
دعوتِ دین ۵/۰۰

• مولانا سید جلال الدین انصر عمری

اسلام کی دعوت ۸/۰۰
معروف و منکر ۶/۵۰
عورت اسلامی معاشرہ میں ۱۳/
عورت اور اسلام ۳/۵۰
خدا اور رسول کا تصور اسلامی تعلیمات میں ۵/۰۰
انسان اور اسکے مسائل ۳/۵۰
بچے اور اسلام ۰/۵۰
دولت میں خدا کا حق ۰/۷۰
اسلام اور وحدت بنی آدم ۰/۷۵

• وحید الدین خاں

اسلام ایک عظیم جدوجہد ۱/۶۰
انسان اپنے آپ کو پہچان ۰/۵۰
اسلام کا تعارف ۱/۰۰
حقیقت کی تلاش ۱/۰۰
مارکسزم تاریخ جس کو رد کرچکی ہے ۲/
منزل کی طرف ۱/۰۰
ہندوستان آزادی کے بعد ۰/۲۵
مومن کی تصویر ۲/۲۵
سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ ۲/۵۰

• ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی

شرکت و مضاربت کے شرعی اصول ۲/۴۰
غیر سودی بنک کاری ۱۰/۰۰
اسلامی نشاۃ ثانیہ کی راہ ۶/۰۰
اسلام میں عدل اجتماعی (ترجمہ) زیر طبع
اسلام کا نظریۂ ملکیت ج ۲ قیمت جلد ۳/۵۰

• سید علی

اسلامی انقلاب مخالف قوتیں اور مسلمان ۲/۰۰

مرکزی مکتبہ اسلامی۔ دہلی

صدائے خون

ترتیب و پیشکش : [illegible] حسین زاہد۔ آفس سیکرٹری، ماہنامہ

• میرے مہربان ماں باپ آپ پر میرا سلام ہو۔ آپ دونوں نے اپنی قیمتی اور پیاری زندگی کے کئی سال میرے پالنے پوسنے اور تعلیم و تربیت کرنے میں صرف کئے اور اگرچہ میں آپ کی ان زحمتوں کا کوئی صلہ نہیں دے سکتا لیکن خدائے تعالیٰ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ دونوں کو اجرِ عظیم عطا فرمائے اور آپ دونوں سے میری یہ درخواست ہے کہ اگر میں شہید ہو جاؤں تو کالے کپڑے نہ پہنیں اور مجھ پر ماتم نہ کریں۔ کیونکہ میں نے یہ راہ خود اختیار کی تھی اور اسی راہ پر چل پڑا ہوں اور

آخرکار اپنی دیرینہ آرزو جو یہی شہادت ا پا رہا ہوں اور اب میں اپنے محبوب حضر باری تعالیٰ کے بالکل قریب ہوں۔ میں آ سب پیارے ماں باپ بہن بھائی اور د سے امید کرتا ہوں کہ آپ سب مجھ پر را اور خوش رہے ہوں گے۔

جیساکہ اس سال میں ماہ رمضان الم میں تھا۔ روزے نہ رکھ سکا۔ آپ والدین یا پیارے بھائی جان سے درخواست کر ہوں کہ میرے قضا روزے رکھیں۔ گذشتہ بھی میرے دو روزے قضا ہو گئے تھے ا

طرح کل ۳۲ روزے بنتے ہیں۔ اور ایک دوست کے پاس میری کچھ رقم ہے اُسے لے لیں اور حضرت نائب الامام خمینی مدظلہ العالی کے اکاؤنٹ نمبر ۱۰۰ میں جمع کرادیں۔ متاثرین جنگ کی مدد کے لیے دے دیں۔

اگر میرا جنازہ آپ تک پہنچ جائے تو مجھے قم کے قبرستانِ شہداء میں دفن کریں۔

"اے خدا میرا دل چاہتا ہے کہ تو مجھے سینکڑوں بار زندہ فرما کہ ہر بار میں تیری راہ میں اپنی جان قربان کروں۔"

والسلام۔ خدا حافظ۔ مہدی

عجیب الخلقت بچے کی پیدائش

عقل انسانی کیا فیصلہ کرتی ہے؟

اصفہان کے ایک ہسپتال کے زنانہ وارڈ میں ایک عجیب الخلقت جڑواں بچہ کی پیدائش ہوئی جو اصفہان کے عیسیٰ بن مریم ہسپتال میں چل بسا۔ اس بچہ کی پیدائش دنیائے طب میں بے مثال ہے۔

اس مولود کے دو سر، چار ہاتھ، دو سینے، ایک پیٹ اور دو پاؤں ہیں۔ اس کے ایک سر والا حصہ پیدائش کے وقت دم گھٹ کر مر گیا۔ اور دوسرے سر والے حصے کو ماہر ڈاکٹروں کی نگرانی میں مخصوص مشین میں رکھا گیا۔ ڈاکٹروں کی سرتوڑ کوشش کے باوجود یہ آدھا حصہ بھی دا گھنٹے کے بعد مردہ ہو گیا۔ یہ نومولود بغیر کسی آپریشن کے قدرتی طور پر متولد ہوا تھا۔ یہ سینے کی حد تک دو بچے اور سینے سے نیچے کی طرف ایک بچہ کی شکل میں لڑکی تھی ہسپتال کے انچارج کے کہنے کے مطابق آج تک عجیب الخلقت پیدا ہونے والے بچوں میں اس جڑواں کی پیدائش علم و طب میں عجیب ترین اور بے مثال ترین کرشمہ قدرت تھی۔

عیسیٰ بن مریم ہسپتال کے انچارج ڈاکٹر تاجی نے اس جڑواں بچے کے والدین کے بارے میں کہا کہ مرنے کی خبر سنتے ہی وہ لاش لینے ہسپتال آ پہنچے

وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ مزید طبی تحقیقات اور مطالعہ کے لیے نومولود کا جسم ہسپتال میں رہنے دیا جائے۔ تحقیق اور مطالعہ کی تکمیل کے بعد یہ جسم ان کو واپس کر دیا جائے گا۔ ہسپتال کے انچارج نے بتایا کہ یہ نومولود اس گھرانہ کی پانچویں اولاد تھی۔ اس سے پہلے چار اولادیں کاملاً بہ صحت و سلامت ہیں۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ دونوں میاں بیوی ابھی تیس سال سے زیادہ نہیں ہیں۔

آج کے حاتم

قسط ۲

اب تک کی کہانی کا خلاصہ

مشال خیر آبادی

ماسٹر نے بچوں سے پوچھا "تم پڑھ لکھ کر کیا کروگے؟" بچوں نے الگ الگ جواب دیئے۔ ایک لڑکے نے کہا کہ میں حاتم ہوں گا ماسٹر نے اُسے نصیحت کی "دیکھو بیٹے اوروں کے ساتھ بھلائی کرنا لیکن اس طرح سے کہ داہنے ہاتھ سے دو اور بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو نیکی کر اور دریا میں ڈال والی بات یعنی نیکی کر کے بھول جانا۔ ڈینگ نہ مارنا۔ ہر نیک کام اللہ کو خوش کرنے کے لئے کرنا چاہیے اپنا نقصان ہو"

وہ لڑکا بڑھتا رہا۔ وہ اپنے ساتھیوں کی مدد کرتا رہا۔ ایک بار اُس نے ایک غریب ساتھی کی فیس اپنے پاس سے دے دی۔ پھر ایک کام اُس نے ایسا انوکھا نرالا کیا کہ وہ حاتم ہی مشہور ہوگیا۔

کہانی خوب ہے کہ پرنسپل کا لڑکا وشوناتھ پہلی پوزیشن لینا چاہتا تھا لیکن حاتم پڑھنے میں اُس سے تیز تھا۔ وشوناتھ کو کھٹکا تھا کہ حاتم آگے بڑھنے نہ دے گا۔ اُس نے امتحان سے ایک دن پہلے اُسے دھوکا دے کر ندی میں دھکیل دیا۔ لیکن حاتم بچ گیا۔ دو تین دن اسپتال میں رہ کر ٹھیک بھی ہوگیا۔ لیکن اِس حادثے کی وجہ سے پورا امتحان نہ دے سکا۔ فیل ہوگیا۔ وشوناتھ نے اول نمبر اور اوّل پوزیشن حاصل کرلی۔ پھر جب انعامی جلسہ ہوا تو وشوناتھ کی انسانیت اچانک جاگی۔ اُس نے انعام لینے سے انکار کردیا سیّد صادق حسین صاحب صدرِ جلسہ سے سارا کچا چٹھا بتا دیا۔ سید صاحب نے وشوناتھ کی بہت تعریف کی پھر حاتم کو سراہا اور اُسے اپنا بیٹا بنالیا۔ اپنے خرچ سے علیگڈھ یونیورسٹی میں پڑھنے بھیجدیا۔ وہاں ایک لڑکی ایرنا اُس کی کلاس فیلو تھی۔ ایرنا اور ایک سکھ نوجوان میں محبت تھی سکھ نوجوان نے اُس سے کہا تھا کہ اگر وہ ٹاپ کرلے تو میں شادی کرسکتا ہوں ورنہ نہیں۔ یہاں بھی حاتم ایرنا کے آگے پہاڑ بنا کھڑا تھا۔ ایرنا اُسے سمجھ چکی تھی۔ ایک دن وہ اُس کے پاس گئی۔ اپنی محبت کا قصہ سنایا اور منگیتر کی شرط رکھی تو حاتم نے اُسے اطمینان دلایا کہ اللہ نے چاہا تو وہ ضرور ٹاپ کریگی۔ وعدہ کیا کہ میں امتحان ہی نہ دونگا جو نوٹس بنا رکھے تھے وہ بھی اُسے دیدیئے۔ ایرنا مطمئن ہوگئی۔ اس کے بعد آج کا حاتم یونیورسٹی کے اسلام پسند گروپ سے میل جول بڑھانے لگا اور اسی گروپ کے مشورے سے اسلامی طلباء کے مرکز کا پتہ لیکر رفیق پور چلا گیا اور اسکی اطلاع اپنے باپ اور سرپرست سید صادق حسین صاحب کو دیدی۔ اِسکے بعد اَب آگے پڑھئے کہ حاتم کہاں گیا، کیسے گیا اور اُس نے کیا کیا۔۔۔۔؟

اور ٹرین چلتی رہی

ندی کے پُل پر ٹرین ایک جھٹکے کے ساتھ رُک گئی۔ مسافروں کے چہروں پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ "ڈاکہ" . . . کسی نے کھینچ لی . . . ہے بھگوان! . . . اللہ خیر! . . . ملی جُلی آوازیں گونجیں۔ لیکن پھر چیکنگ کی آواز سُن کر سب کو اطمینان ہو گیا سپاہی ٹکٹ چیک کر رہے تھے۔ مسافروں نے اپنا اپنا ٹکٹ نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ کنارے سیٹ پر ایک بوڑھا ی ایک نوجوان لڑکی کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اُس نے ٹکٹ نکالنے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا تو ہاتھ آر پار نکل گیا۔ بڈھے کی ح نکل گئی . . . ہائے رام . . .! جیب کترے نے رقم کے ساتھ ٹکٹ بھی نکال لیا تھا۔ ٹکٹ چیک کرنے والے سپاہی ں آ چکے تھے۔ اُنھوں نے ٹکٹ مانگا تو بے چارہ "بابو جی!" کہہ کر رہ گیا۔ سپاہیوں نے اُسے اور نوجوان لڑکی کو ی سے اُتار لیا۔ چیکنگ مجسٹریٹ کے پاس لے گئے۔ نوجوان لڑکی پیچھے پیچھے ساتھ تھی۔ اُسے کچھ اور ہی کھٹکا تھا۔ وہ بہت پریشان اور بے چین تھی۔ چیکنگ مجسٹریٹ نے دو سو روپیہ جرمانہ کیا۔ بڈھا گڑگڑایا . . . "مائی باپ . . .! چیکنگ مجسٹریٹ حا" نہیں ہو" . . .! بڈھا سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور لڑکی اس سے چمٹ کر رونے لگی۔ سپاہیوں نے بڈھے کے ہتھکڑی ال دی۔ پھر لڑکی کی طرف بڑھے۔ وہ ڈر کر پیچھے ہٹی . . . "ہائے بابا!" . . .

"ٹھہریئے" اچانک ایک طرف سے آواز آئی۔ ایک نوجوان دوڑتا ہوا آیا۔ اُس نے تین سَو روپیہ چیکنگ مجسٹریٹ کے ہاتھ میں تھما دیئے۔ بڈھا آزاد ہو گیا۔ چیکنگ مجسٹریٹ نے پوچھا:

"آپ کون ہیں؟"

"آدمی۔"

"آدمی تو ہم بھی ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ آپ کا اِس بڈھے سے کیا سمبندھ ہے؟"

"یہ بڈھا میرا باپ اور یہ لڑکی میری بہن ہے۔"

چیکنگ مجسٹریٹ نے غور سے نوجوان کو دیکھا۔ پھر انگریزی میں بولا:

"آپ تو شاید مسلمان ہیں؟"

"یس۔ الحمدللہ، میں مسلمان ہوں۔" انگریزی ہی میں جواب ملا۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"جہاں کا میں نے ٹکٹ لیا ہے۔"

"آپ نے کہاں کا ٹکٹ لیا ہے؟"

"جہاں میں جا رہا ہوں"

"دیکھوں آپ کا ٹکٹ!"۔۔۔ اس نوجوان نے ٹکٹ دکھایا۔ چیکنگ مجسٹریٹ نے ٹکٹ دیکھا۔ "اچھا آپ یہ ہیں" کہہ کر ٹکٹ واپس کر دیا۔ ٹرین سیٹی دے رہی تھی۔ نوجوان بڈھے اور لڑکی کو لے کر ڈبے کی طرف بڑھا۔ "جہ چیکنگ مجسٹریٹ ابھی غصے میں تھا۔ اس نے اپنے ہونٹ چبائے۔ ایک طرف سے جواب ملا" ۔۔۔ اور چڑ ہمارا سو بھی اڑا لے گیا" چیکنگ مجسٹریٹ دانت پیس کر رہ گیا۔ کچھ نوجوان اسے چونچ دکھا رہے تھے۔

نوجوان نے بڈھے اور لڑکی کو ڈبے میں بٹھایا۔ بوڑھا اسے آشیرواد دے رہا تھا" بیٹا! تو دیوتاؤں کی میں رہے۔ بھگوان تجھے بھاگوان کرے۔ آج تو نے جیسے میری مریادا رکھی ایشور سدا تیری مریادا رکھے۔ نوجوان لڑکی نظروں سے اس نوجوان بھائی کو دیکھے جا رہی تھی۔ وہ دل ہی دل میں کچھ کہہ رہی تھی۔

مسافر جان گئے تھے کہ بڈھا کیسے بچا۔ ان میں سے کوئی اس نوجوان کو دیوتا کہہ رہا تھا اور کوئی حاتم۔

ٹرین اپنی پوری رفتار سے چلتی رہی۔

اور حاتم ہنس پڑا

تین چار اسٹیشنوں کے بعد ڈبے میں ٹکٹ چیکر آیا۔ اس کے ساتھ ایک نوجوان تھا جس کا ہاتھ وہ مضـ پکڑے ہوئے تھا۔ ڈبے میں آکر اس نے ایک نظر مسافروں پر ڈالی۔ حاتم نے ٹکٹ نکالنے کیلئے جیب میں ہاتھ ہنس پڑا۔ اس کی جیب صاف تھی۔ نہ ٹکٹ اور نہ رقم۔ ٹکٹ چیکر بڑا کھرانٹ تھا۔ اس کی نظر حاتم پر بھی پڑ گیا کہ جسے تلاش کرنے آیا ہے وہ علیگڑھ یونیورسٹی کا طالب علم ہی ہے۔ اس نے کہا" جناب یہ ہے آپ کا ٹکٹ

ٹکٹ حاتم کو دے دیا۔

اب اُس نے اس نوجوان سے کہا: "آپ تو فرماتے تھے کہ آپ یونیورسٹی میں پڑھتے ہیں۔ لیکن میں نے بال دھوپ میں سفید نہیں کئے ہیں۔ دیکھا آپ نے! میں نے علیگ کو پہچان لیا۔ اب چلئے آپ کو دوسرے ڈبے کی ہوا کھلاؤں"۔

جیب کترے کا برا حال تھا۔ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ ہر شخص اُسے ملامت کرنے لگا۔ اگلے اسٹیشن پر ٹکٹ چیکر نے اُسے اُتار لیا۔ حاتم سے کہا "ذرا آپ بھی کشٹ کریں" "بہت اچھا" کہہ کر حاتم بھی اُتر پڑا۔ اچانک اُس نے سنا "بابا! نوجوان بھیّا بھی یہیں اُترا۔ وہ ہے۔ اُسے گھر لے چلئے"۔

"ہٹ ری پگلی۔ وہ ہمارے گھر کیوں جانے لگا۔ ہم تو چمار ہیں"۔

لڑکی کو بھی اپنی حقیقت یاد آگئی۔ وہ چپ ہو گئی۔ اُس نے بابا کا ہاتھ پکڑ لیا اور اُس طرف لے چلی جدھر ٹکٹ چیکر جیب کترے کو لئے جا رہا تھا۔ حاتم اُس سے انگریزی میں کچھ کہہ رہا تھا لیکن ٹکٹ چیکر 'نو نو' کی رٹ لگائے تھا۔ خدا جانے وہ جیب کترے سے اتنا کیوں بگڑ بیٹھا تھا۔ اُس کا کام تو دس بیس روپیہ میں بن سکتا تھا۔ وہ سیدھا گیٹ بابو کے پاس پہونچا۔ جیب کترے کو اُس کے حوالے کیا اور ٹرین پر چلا گیا۔

یہاں بابو نے پولیس کو بلا لیا تھا لیکن حاتم نے کہا کہ میں اِس پر مقدمہ چلانا نہیں چاہتا بابو اَب کیا کر سکتا تھا۔ اُس نے پینالٹی اور علیگڈھ سے ٹکٹ کی رقم ملا کر پینتالیس[۴۵] روپیے طلب کئے۔ جیب کترے نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ سَو روپیہ کا نوٹ اور کچھ چھوٹے نوٹ نکال کر حاتم کو دیئے اور کہا "آپ اپنی رقم لیجئے اور میں چلا جیل۔ زندہ رہا تو آپ سے کہیں نہ کہیں ضرور ملوں گا۔

"کہیں نہ کہیں کیوں میرے بھائی۔ آج ہی" یہ کہہ کر حاتم نے پینتالیس[۴۵] روپیے بابو کو دیئے۔ رسید لی، اور چاہا کہ بس کی طرف بڑھے۔ اچانک آواز آئی:

"بھیّا! میرے گھر چلئے" حاتم نے مڑ کر دیکھا بابا ڈانٹ رہا تھا۔

"پگلی! پاگل ہوئی ہے۔ اپنی حقیقت دیکھ"

"کیا بات ہے بابا؟" حاتم پوچھنے لگا۔

"بھیا بیٹے! ہم لوگ چمار ہیں۔ جی تو میرا بھی چاہتا ہے کہ تم کو گھر لے چلوں۔ تمہارے چرن دھو کر پیوں پر جات پات کا بھید بھاؤ ہے۔ ہمت نہیں پڑتی۔"

"بابا! میں ضرور آپ کے ساتھ آپ کے گھر چلوں گا۔"

"بھیا! میں چمار ہوں۔"

"بابا! مجھے اور آپ کو اور سب کو اللہ نے پیدا کیا ہے۔"

"ہاں بیٹا! جانتا ہوں مگر میں تو اچھوت ہوں۔"

"میں یہ چھوت اچھوت نہیں جانتا۔"

"تو کیا تم چھوت چھات نہیں مانتے؟"

"بابا! مسلمان چھوت چھات نہیں مانتے۔ ہم سب ایک ہی باپ اور ایک ہی ماں سے پیدا ہیں۔ ہم سب بھائی بھائی ہیں۔"

"حاتم بھیا!" لڑکی پکار اٹھی اور وہ اُس کے قریب آگئی۔

"میرا بھیا حاتم!"

"ہاں کملی! میں تیرا بھائی ہوں۔"

"تو چل رہے ہیں نا! میرے گھر؟"

"ہاں چلوں گا۔"

"میں اپنے بھیا کو دودھ بھات کھلاؤں گی۔"

"میں بڑے شوق سے کھاؤں گا۔ اچھا لے! یہ میری ٹیچی لے لے۔ اور یہ ہیں پیسے۔ میں اپنے پاس رکھوں گا تو جیب کترے لے اڑیں گے۔" کملی ہنسنے لگی۔ نوٹ اُس نے انگیا میں رکھ لئے۔ ٹیچی اٹھائی۔ اب حاتم اُس نوجوان کی طرف مڑا۔ نام پوچھا۔ اُس نے اپنا نام "مُبارک حسین" بتایا۔

"خوب! تم بھی مسلمان ہو۔" اور حاتم ہنس پڑا۔ کملی سُن رہی تھی۔ بول پڑی:

"بھیا! یہ مسلمان کیسا ہے؟"

مُبارک رو پڑا۔ اُس نے بڑی لجاجت کے ساتھ کہا:

"ہاں میری بہن! میں چند منٹ پہلے چور تھا۔ گرہ کٹ۔ لیکن اب تیرے بھیا جیسا مسلمان بننے کی کوشش کرونگا کیا مجھے بھی اپنے بھیا کے ساتھ لے چلوگی!" لہجہ کچھ ایسا درد بھرا تھا کہ کملی اپنے بھیا کو دیکھنے لگی۔ حاتم بولا:

"چلئے، ایک سے دو بھلے۔"

اور یہ چار آدمیوں کا قافلہ "چمرودھا" کی طرف پیدل جا رہا تھا جس میں دو مسلمان نوجوان تھے، ایک بوڑھا ماما اور ایک جوان لڑکی کملی۔ کملی بہت خوش تھی۔ وہ سب سے آگے آگے چل رہی تھی اور گا رہی تھی ؎

"نبیا کی چھیاں میں گیہوں سکھاؤں ری سکھی! آج بیرن آئے ری" (آج میں نیم کی چھاؤں میں گیہوں سکھاؤنگی۔ اے سکھی آج میرا بھائی آیا ہے)۔

چمرودھا گاؤں سامنے تھا۔ چمرودھا کے کھیتوں کے پاس پہونچے تو کھیت میں کام کرنے والے کھرپا لئے لئے کھڑے ہو گئے۔ ننگ دھڑنگ لنگوٹی باندھے۔ وہ سب حیران حیران دو برابر کے نوجوانوں کو دیکھ رہے تھے۔ نگاہوں نگاہوں میں پوچھ رہے تھے:

"یہ کون؟"

جو ملتا کملی کسی کے پوچھے بغیر بتاتی جا رہی تھی۔ یہ دونوں میرے بھائی ہیں۔ راستے میں جنگیا اُس کی سہیلی ملی۔ وہ سر پر کھانا اور ہاتھ میں لوٹیا لئے ہوئے کھیت پر باپ کے پاس جا رہی تھی۔ کملی نے اُسے روکا اور بڑے ٹھسے سے کہا:

"اری جنگیا! یہ دیکھ میرے دو بھیا! تیرے بھیّوں سے اچھے۔" جنگیا نے ایک نظر دونوں کو دیکھا۔ اُس نے منھ بنایا۔ انگوٹھا دکھاتی اور یہ کہتی چلی گئی: "یہ منھ اور مسور کی دال!"

اور آگے بڑھی تو کھیت پر سے ہل چھوڑ کر ایک پندرہ، سولہ برس کا لڑکا دوڑتا ہوا آیا۔ "دیدی۔ دیدی" کہہ کر کملی سے لپٹ گیا اور خوشی کے مارے رونے لگا۔

"ہٹ رے بری! مورکھ۔ نہ دعا نہ سلام۔ لے تیرے دو بھائی اور لائی ہوں۔ سلام کر۔ روتا ہے نگوڑے!!"

"سلام صاحب!" اور ہری ماتھے پر اپنے ہاتھوں کی چھتری بنا کر دونوں کو دیکھنے لگا۔ حاتم آگے بڑھا۔ جا کر ہری کا

ہاتھ پکڑ لے کہ وہ پیچھے ہٹا:

"نہ نہ بابو! مجھے نہ چھونا۔ مجھے اچھے کپڑوں والے نہیں چھوتے۔" حاتم اور آگے بڑھا اور اُس نے ہری کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"میں تجھے بھی اچھے کپڑے پہناؤں گا۔"

"مجھے! اسیھا چٹ (صاف چٹے) کپڑے!"

"ہاں! اب تم جلدی گھر جاؤ۔ جلدی سے نہالو جاکر۔"

ہری بھاگا بھاگا جمر ددھا پہونچا۔ اُس نے ایک شور مچا دیا۔ "اد کلّو کا کا اور منگرے چاچا! میرے گھر دیوتا آ رہے ہیں۔"

بابا کا قافلہ گاؤں میں داخل ہوا۔ اُس وقت تک بچّے، بوڑھے، لڑکیاں، عورتیں سب کے سب بابا کے دروازے پر آ گئے تھے۔ وہ سب ہری سے پوچھ رہے تھے "یہ کون ہیں رے؟"

"دیوتا ہیں۔ دیکھتے نہیں! کیسے اچھے لگ رہے ہیں۔"

کملی بڑے غرور کے ساتھ آگے آگے چل رہی تھی۔ "یہ میرے بھیّا ہیں۔ یہ مسلمان ہیں۔ ہاں مسلمان۔ آج میں اِن کو دودھ بھات کھلاؤں گی۔" وہ یہ کہہ رہی تھی کہ تین چار لڑکیاں ڈھولک بجاتی ہوئی آئیں۔ وہ گا رہی تھیں:

آج میرے آنگنا　　آئے دو بیرنا
دونوں ہیں دیرنا　　کاہے کی پیرنا
اُٹھو میرے بھاگنا　　جلدی سے جاگنا
پہنوں گی کانگنا　　آئے دو بیرنا
دونوں ہیں دیرنا　　کاہے کی پیرنا

(آج میرے گھر کے آنگن میں میرے بھائی آئے ہیں۔ وہ بڑے بہادر ہیں۔ اب ہم کو کوئی پٹرت نہ کر سکے گا۔ ہماری قسمت کا کیا کہنا۔ اے تقدیر جلدی جاگ جا۔ اب میں کنگن پہنوں گی۔ آج میرے بھائی آئے ہیں۔ وہ بڑے بہادر ہیں۔ دیکھوں تو اب کنگن پہنے دیکھ کر مجھے کون ستائے گا)

کملی گھر جا چکی تھی۔ اُس نے گھڑوں لاٹ کا شربت بنا ڈالا۔ ہری بھاگ کر آ چکا تھا۔ حاتم نے اُسے پاجامہ کرتا پہنایا تو اُس کا

...کھر آیا۔ وہ کپڑے دیکھ کر بات بے بات ہنس رہا تھا۔ بابا بڑے ٹھاٹ سے لوگوں کے بیچ بیٹھے حقہ گڑگڑا رہے تھے اور سفر کا ...ال بتا رہے تھے۔ سب لوگ بڑے حیران حیران سُن رہے تھے۔ اُن کی زبان سے بار بار یہ جملہ نکل جاتا تھا کہ آج بھی ایسے منش ہیں۔ ...ھی نے دل کھول کر شربت سے گاؤں والوں کی تواضع کی۔ چھوٹے بچے بار بار چلم بھر کر بوڑھوں کو تھما رہے تھے۔ رات کو تو سب ...رہ گئے جب اُنہوں نے مٹی کی رکابی میں دونوں کو بابا کے ساتھ دودھ بھات کھاتے دیکھا۔ گاؤں کے مکھیا بھی آگئے تھے ...ر کی بیٹی، ور بترّی گوری، یہ سب بھی دیکھ رہے تھے۔ اچانک الہڑ گوری کو جانے کیا سوجھی، اُس نے جا کر دونوں کو چھو لیا ...ور جھٹ پیچھے ہٹ گئی۔ دونوں نے دیکھا، مسکرا دیئے۔ دونوں مسکرائے تو گوری کا ڈر کم ہوا۔ اب وہ پھر بڑھی اور وہ گلاس ...ھوں جو حاتم ساتھ لایا تھا۔ حاتم سمجھا کہ وہ پانی پئے گی۔ اُس نے گلاس میں پانی دیا۔ وہ دیدے مٹکا کر پی گئی۔ ابھی وہ اپنی ...ں کے پاس واپس بھی نہیں آئی تھی کہ جے کار کا شور اُٹھا:

مسلمان دیوتاؤں کی.................جے ہو...

......اور حاتم ہنس پڑا۔

...نیا بک فطہر .... اور اپنی گندگی دھو ڈالو

رات کو نہ حاتم کو ٹھیک سے نیند آئی اور نہ مبارک کو۔ زمین پر لیٹنے کی عادت نہیں تھی۔ جمر ودھا میں اُنھیں زمین پر ...لٹایا تھا۔ آس پاس گندا تھا۔ مدبو آرہی تھی۔ ناک پر اُنگلی رکھے رکھے اور کروٹیں بدلتے رات کٹی۔ دونوں صبح سویرے سو کر اُٹھے۔ لوٹا حاتم کے پاس تھا۔ پہلے حاتم نے وضو کیا پھر مبارک نے۔ اِس کے بعد نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر حاتم نے مبارک سے کچھ کہا۔ پھر ہری سے کھرپا اور جھاڑو مانگا۔

"بھیّا! کیا کرو گے کھرپا اور جھاڑو ...؟" بابا نے پوچھا۔ حاتم نے بتایا کہ آس پاس بڑا گندہ ہے۔ گھاس اور کوڑا کرکٹ صاف کروں گا۔ کملی سُن رہی تھی۔ بابا سے پہلے بول اُٹھی:

"بھیّا! کیا تم کوڑا کرکٹ اُٹھاؤ گے؟"

"کیوں، کیا حرج ہے؟ اپنا کام کرنے میں شرم کا ہے کی؟"

"یہ تمہاری بہن کملی کس دن کے لیے ہے؟"

اور یہ کہہ کر اُس نے ہری کو آواز دی۔ پہلے اُس نے جھاڑو سے کوڑا کرکٹ اکٹھا کیا۔ حاتم اور مبارک کو لاکھ روکا گیا۔ بابا نے بھی روکا مگر وہ بھی جُٹ گئے۔ پہلے کوڑا کرکٹ بھر بھر کر دور ایک گڈھے میں ڈالا گیا۔ اس کے بعد کملی اور ہری نے جھونپڑے کے آس پاس کی گھاس چھیلی۔ اتنی دیر میں حاتم اور مبارک نے جھونپڑے کے اندر سے سارے کپڑے اور بچھونے لاکر دھوپ میں ڈال دیئے۔ وہ برتن بھی نکال رہے تھے کہ کملی ہری کو لے کر آ گئی۔ وہ سمجھ گئی کہ اُس کے دونوں بھیّا کیا چاہتے ہیں۔ اُس نے ہری کو اشارہ کیا۔ برتن باہر نکال کر جھونپڑے کے اندر بھی صفائی کر دی۔ اِس کے بعد کملی نے پنڈول سے پوت بھی ڈالا۔ بابا دوارے پیڑ کی جڑ پر بیٹھے گڑگڑی پیتے اور مسکراتے رہے۔ گاؤں کے لوگ آتے، یہ سب دیکھتے اور بابا سے کچھ باتیں کرکے چلے جاتے۔

صفائی کرنے میں دو گھنٹے لگ گئے۔ دودھ دوہ کر بھینس کو جھونپڑے کے پیچھے باندھ دیا گیا تھا۔ حاتم مبارک اور ہری کو لے کر نہر پر نہانے چلا گیا۔ یہاں کملی ہاتھ منھ دھو کر دال بھات پکانے لگی۔ حاتم اور مبارک نہا دھو کر آئے تو اُنھوں نے اپنے کپڑوں کو بھی دھو ڈالا تھا۔ بھیگے کپڑے جھونپڑے پر سوکھنے کے لیے ڈال دیئے۔ پھر دال بھات کھایا۔ اِس کے بعد جھونپڑے کے اندر لیپی پوتی زمین پر ٹاٹ بچھا کر سو گئے۔ وہ گہری نیند سوئے۔ سو کر اُٹھے۔ ظہر کی نماز پڑھ کر بابا کے پاس بیٹھے ہی تھے کہ کملی نے آکر کہا:

"آج ہم سب مکھیا کے یہاں کھانا کھائیں گے۔ میں نے کہہ دیا ہے کہ ہمارا بھیّا صفائی کو پسند کرتا ہے۔"

کملی نے یہ بھی بتایا کہ مکھیا بھیّا سے کچھ باتیں کریں گے۔ جنے وہ کیا باتیں کریں گے۔ میں نے گوری سے پوچھا۔ اُسے بتایا تو کچھ نہیں اُلٹا مجھ سے پوچھنے لگی:

"کیا بھیّا کے دھرم میں منش منش کے بیچ چھوت چھات اور اونچ نیچ نہیں؟"

حاتم سمجھ گیا کہ آج مکھیا سے کیا بات کرنی ہوگی۔ وہ دل ہی دل میں تیاری کرنے لگا۔ بابا سے پوچھا کہ مکھیا کچھ پڑھے لکھے بھی ہیں تو اُنھوں نے بتایا:

"تھوڑی سی ہندی پڑھ لیتے ہیں۔"

ایک اچھوت ایم۔ ایل سائے۔

حاتم بابا سے باتیں کر رہا تھا کہ سامنے ایک شخص کھدر کا پاجامہ کرتا اور جواہر کٹ صدری پہنے آتا دکھائی دیا۔ اُسکے سر پر گاندھی ٹوپی تھی اور وہ چپل پہنے ہوئے تھا۔ اُس کے ساتھ ایک لڑکی اور پیچھے پیچھے دو آدمی اور تھے۔ 'چودھری' بابا کی زبان سے نکلا اور وہ چودھری کے سواگت کو لپکے۔ بابا نے جے ہند کہہ کر سلام کیا۔ چودھری نے بھی جے ہند کہا۔ کملی جھونپڑے میں تھی۔ ہری نے اُسے خبر کی۔ وہ جھونپڑے سے نکلی۔ آنے والوں کی طرف دیکھا۔ پھر دوڑی۔ چودھری کو پرنام کرکے نوجوان لڑکی کا ہاتھ پکڑا اور بڑی بے تکلفی سے کھینچتی ہوئی لے چلی۔ وہ اُس سے کہہ رہی تھی:

"آشی! میرے دو بھیا دیکھے گی! بڑے اچھے ہیں۔"

وہ لڑکی بھی ہنستی ہوئی کملی کے جھونپڑے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ سچ مچ دو نوجوان لڑکے جھونپڑے کے پاس کھڑے اسی طرف دیکھ رہے تھے۔ اُنھیں دیکھ کر اُس نے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔ پھر ہنستی ہوئی جھونپڑے میں گھس گئی۔

حاتم اور مبارک دونوں اُس کے الھڑپنے پر مسکرا دیے۔ چودھری پاس آگئے تھے۔ دونوں اُنھیں آداب بجا لائے۔ بابا نے چودھری اور اُن کے ساتھیوں کو جھونپڑے کے آگے آنگن میں نیم کے نیچے چٹائی پر بٹھایا۔ ہری گڑگڑی صاف کرنے لگا۔ کملی راب نکالنے لگی۔ آشی شربت بنانے میں اُس کی مدد کرنے لگی۔ وہ چھوٹی بالٹی دھونے لگی۔ وہ بار بار حاتم اور مبارک کو دیکھے جا رہی تھی

"یہی ہیں وہ لڑکے؟" چودھری نے بابا سے پوچھا۔

"ہاں چودھری جی۔ یہ اب یہیں رہیں گے۔ بڑے اچھے ہیں دونوں۔ اِن کو صفائی بہت پسند ہے۔ یہ سب آس پاس انھوں نے ہی صاف کرکے چندن بنا دیا۔ آج یہ مکھیا کے یہاں بھوجن کریں گے اور۔ ۔ ۔"

بابا کچھ اور کہتے کہ چودھری ہنسنے لگے۔ بولے:

"بابا! میں سمجھ گیا۔ تم آج بہت خوش ہو۔ میں نے ایک بات پوچھی تھی۔ تم کہانی سنانے لگے۔ خوشی میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ یہ بتاؤ ان میں حاتم کون ہے؟" پھر خود ہی کہنے لگے "شاید یہ نوجوان ہے۔"

"جی ہاں! میں ہی حاتم ہوں۔ معلوم نہیں کیسے آپ نے پہچان لیا۔ اور یہ میرا بھائی مبارک ہے۔ میں آپ سے مل کر بہت خوش ہوا۔ خوشی والی بات کے بارے میں ایک بات عرض کروں اگر آپ اجازت دیں۔۔۔؟"

"بابا! تمہارا بیٹا بڑا پیارا نوجوان ہے۔ ہاں بیٹے! کہو۔ میں تمہاری باتیں ہی سننے آیا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ جو مجھے الجھن ہے آج وہ دور ہو جائے۔"

"چودھری صاحب! قرآن مجید۔ جی ہاں۔ جی ہاں۔ ہم مسلمانوں کے پاس جو قرآن مجید ہے۔ اسے ہم اللہ کی کتاب کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب سارے انسانوں کے لئے اپنے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی تھی۔"

"شاباش بیٹے! بڑی اچھی طرح اپنی بات بتا رہے ہو۔ بہت سمجھدار ہو۔ ہاں، وہ خوشی والی بات کیا ہے؟"

"جی ہاں۔ میں وہی عرض کر رہا ہوں۔ قرآن میں ایک واقعہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے باتیں کرنے کا موقع ملا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا: موسیٰ! تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ موسیٰ کو اللہ سے مل کر کیسی خوشی ہوئی ہوگی، آپ اندازہ کریں۔ انھوں نے جواب دیا: اے اللہ! یہ میری لاٹھی ہے۔ چودھری صاحب جواب تو پورا ہو گیا لیکن ہمارے بابا کی طرح حضرت موسیٰؑ بولتے چلے گئے: اس سے میں اپنی بھیڑوں کے لئے پتے جھاڑ لیتا ہوں۔۔۔ اس کی ٹیک لگا کر سو لیتا ہوں۔۔۔ درندہ جانوروں کو بھگاتا ہوں۔۔۔ اس لاٹھی سے دیکھتا ہوں کہ کہاں کتنا پانی ہے۔"

چودھری صاحب ہنسنے لگے۔ بابا سے بولے:

"تم بہت بھاگوان ہو۔ بڑا اچھا بیٹا ملا ہے۔" پھر حاتم سے پوچھا:

"میرا خیال ہے کہ تم قرآن کی باتیں جانتے ہو؟"

"کچھ کچھ، بنیادی باتیں۔"

"میں وہی جاننا چاہتا ہوں۔"

اس کے جواب میں حاتم کچھ کہنا چاہتا تھا۔ اتنے میں سامنے سے مکھیا آتے ہوئے دکھائی دئے۔ ادھر ادھر سے کچھ دوسرے لوگ بھی آنے لگے۔ پرنام اور جے ہند کے بعد وہ بھی آکر بیٹھ گئے۔ بابا نے بری کو اشارہ کیا۔ اس نے دو تین ٹاٹ اور لا کر بچھا دیئے۔

حاتم چودھری صاحب کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔ باتیں تو ہونے لگی تھیں لیکن اُن کا تعارف نہیں کرایا گیا تھا
وہ سوچ رہا تھا کہ کس سے پوچھوں اور کیسے پوچھوں۔ پھر اُس نے کہا:
"بالکل اُسی طرح جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سارے جگت کے سب سے بڑے سے ملے تو خوشی میں بہت کچھ
کہہ گئے اسی طرح بابا بھی آپ کے ایک سوال پر بھاشن سا دینے لگے۔ اللہ نے آپ کو بھی بڑا آدمی بنایا ہے۔"
"بیٹا حاتم! بھگوان سے یہی تو شکایت ہے۔ اُس نے ہم کو اچھوت، نیچ، کمینہ، ناپاک اور ذلیل بنایا۔ انسانوں
پر ہماری پرچھائیں پڑ جائے تو وہ ناپاک ہو جائیں۔ دھرم کی کوئی بات ہمارے کانوں میں پڑ جائے تو اونچی ذات والوں
کو ادھیکار ہے کہ ہمارے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈال دیں۔ ایشور نے ہمیں عزت والا بنایا ہی نہیں۔ اونچی ذات کے
لوگ ہماری عزت و آبرو دے لیں، ہم سے بیگار کرائیں، ہم مجبور ہیں۔ چھوت چھات مٹانے کا قانون بنا تو ایک ہریجن نے برہما پور
کے کنویں سے پانی نکال کر پی لیا تو بیٹا! تم ان سب سے پوچھو! اُس بے چارے کو وہیں ڈھیر کر دیا گیا۔ پھر ہم پر لاٹھیاں برسیں۔
ہمارے گھروں میں گھس کر عورتوں کو بے عزت کیا گیا۔۔۔"
"چودھری صاحب! بس کیجئے۔ بس کیجئے" حاتم بیچ میں بول اُٹھا "بس کیجئے چودھری صاحب۔ میں نے
اخباروں میں یہ سب پڑھا تھا۔ تو کیا یہ واقعہ اسی چمر ودھا کا ہے۔ وہ تو شاید کوئی دوسرا گاؤں ہے۔"
"ہاں۔ یہاں سے گیارہ کلومیٹر کشن پورم ہے۔ میں وہیں رہتا ہوں۔ کشن پورم کے پورب شہر کو جو سڑک جاتی ہے
اُس کے کنارے برہما پور ہے۔ برہما پور کے برہمنوں نے ہمارے ساتھ یہ سلوک کیا اور پولیس نے اُن کا ساتھ دیا۔"
مکھیا یہ باتیں سُن رہے تھے۔ اُنھوں نے کہا:
"ہمارے یہاں چل کر پدھارئیے۔ میں بھی یہی باتیں کرنے والا تھا۔ اچھا ہوا آپ آ گئے۔ اُن سے پوچھنا ہے کہ انکے
قرآن میں کوئی منش اچھوت ہوتا ہے یا نہیں؟"
مکھیا کے یہ کہتے ہی سب اُٹھ کھڑے ہوئے۔ چودھری نے آشی کو پکارا۔ آشی آئی۔ سب کے ساتھ ہولی۔ حاتم
کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی کتاب تھی۔ آشی نے کملی سے کہا "چھولوں؟ برا تو نہ مانیں گے۔" کملی نے اشارہ کیا۔ آشی چپکے چپکے
گئی۔ کتاب کھینچ لی۔ حاتم نے مڑ کر دیکھا۔ آشی اور کملی دونوں ہنسنے لگیں۔ آشی نے کتاب دے دی۔ اُسے تو یہ دیکھنا

تھا کہ چھونے سے پٹائی تو نہ ہوگی ۔

اسلامی مساوات

مکھیا کا گھر کچا بنا ہوا تھا ۔ گھر کے آگے چبوترہ تھا ، چبوترے پر دو کھٹیاں پڑی تھیں ۔ اُن پر دری بچھی تھی ۔ باقی چبوترے پر ٹاٹ بچھے تھے ۔ کچھ لوگ ٹاٹ پر بیٹھے تھے ۔ وہ کھڑے ہو گئے ۔ چودھری صاحب نے انھیں جے ہند کہا ۔ اِس کے بعد ایک کھٹیا پر بیٹھ گئے ۔ حاتم مبارک کے ساتھ ٹاٹ پر بیٹھ گیا تو چودھری صاحب نے کہا :

"بیٹا حاتم ! ادھر آؤ ۔ کھٹیا تو ہے ۔ اِس پر بیٹھو ۔"

"معاف کیجئے گا چودھری صاحب ! آپ خود نیچ اونچ برت رہے ہیں ۔ آخر یہ بھی تو آپ کے بھائی بند ہیں جو ٹاٹ پر بیٹھے ہیں ۔ پھر آپ کو برہمنوں سے کیوں شکایت ہے ؟"

چودھری صاحب کو بجلی کا شاک سا لگا ۔ وہ اُٹھ کھڑے ہوئے ۔ کھٹیاں ہٹوا دیں اور ٹاٹ پر بیٹھ گئے ۔ دیر تک سب چپ رہے ۔ وہ خدا جانے دل میں کیا کیا سوچ رہے تھے ۔ عصر کا وقت ہو چکا تھا ۔ حاتم اور مبارک ایک طرف کونے میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے ۔ حاتم امام بنا اور مبارک مقتدی ۔ حاتم نماز پڑھ کر آیا تو کہنے لگا :

"دیکھئے ، یہ ہم نے اپنے اللہ کی عبادت کی ۔ میں نے نماز پڑھائی ۔ اگر میں بلند جگہ پر کھڑا ہوتا تو یہ غلط ہوتا ۔"

"ہاں بیٹا ! میں نے دِلّی کی مسجد میں دیکھا ۔ وہاں سارے مسلمان برابر کھڑے ہوتے ہیں ۔ بس امام صاحب ذرا آگے کھڑے ہوتے ہیں ۔"

مکھیا کا گھر دوار اندر باہر سے مردوں ، عورتوں ، بچوں اور لڑکیوں سے بھرا ہوا تھا ۔ لوگ ابھی آ رہے تھے ۔ حاتم کی طرف اِشارہ کر کے کہتے "وہ ہیں کِلّی کے دونوں مسلمان بھیّا ۔" تھوڑی ہی دیر میں کملی دو گلاسوں میں دودھ لائی ۔ حاتم کی طرف بڑھایا ۔ حاتم نے کہا :

"اری کملی ! گھر سے شربت پی کر چلا ہوں ۔ پیٹ میں جگہ کہاں ہے ۔"

"بھیّا ! پینا پڑے گا ۔ آشی نے بنایا ہے ۔ نہ پیو گے تو اُس کا دل دُکھے گا ۔"

حاتم مجبور ہوگیا۔ اُس نے گلاس لے لیا۔ دوسرا گلاس مبارک نے لیا۔ مبارک نے کہا "کلی! یہ دودھ لائی ہے یا ساری کی ساری بالائی بھرلائی!" کلی نے مٹک کر جواب دیا "اور کیا اپنے بھیّوں کو پتلا دودھ پلاتی!" کلی کے یہ کہنے پر سارے ہی لوگ ہنس پڑے۔ بابا بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔ بولے "بڑی شریر ہے کلی"۔ حاتم اور مبارک نے دودھ پی لیا۔ اصل میں کلی یہ دکھانا چاہتی تھی کہ میرے دونوں مسلمان بھائی ذرا بھی چھوت چھات نہیں مانتے۔ جسے دیکھنا ہو دیکھ لے۔

"اچھا ہاں، حاتم بھیا!" چودھری حاتم کی طرف مڑے اور پوچھا "پہلے یہی بات بتاؤ کہ قرآن منش منش میں بھید بھاؤ کے بارے میں کیا کہتا ہے؟"

"سنیئے! قرآن کہتا ہے: اِنَّ اَکرَمَکُم عِندَ اللّٰہِ اَتقٰکُم۔ اللہ کے نزدیک تم میں اکرم یعنی ٹرین والا، بزرگ، مہان اور شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے۔ اور سنیئے! قرآن کہتا ہے کہ اے لوگو! تم سب ایک باپ آدم اور ایک ماں حوا سے پیدا کئے گئے ہو۔ انسان انسان ہونے کے ناتے تم سب برابر ہو"۔

حاتم یہ کہہ کر چپ ہوگیا۔ جو لوگ بیٹھے تھے وہ بھی چپ تھے۔ سب چودھری صاحب کی طرف دیکھ رہے تھے اور چودھری صاحب کا یہ حال کہ وہ ماتھے پر ہاتھ رکھے کچھ سوچ رہے تھے۔ حاتم کی نظریں بھی چودھری صاحب پر جمی ہوئی تھیں۔ اس نے مبارک کے کان میں کچھ کہا۔ مبارک نے جواب دیا "ضرور کہئے۔ یہی موقع ہے۔" مبارک نے دھیرے سے کہا تھا پھر بھی کئی آدمی چونکے۔ مکھیا نے کہا "بیٹا حاتم! جھجکو نہیں۔ بے دھڑک جو کہنا چاہتے ہو کہو۔ آج ہم سب ایک بڑا فیصلہ کرکے اٹھیں گے۔" "اچھا سنیئے! اسلام کہتا ہے کہ ہر انسان کا تھوک اور اُس کا جوٹھا پاک ہے بشرطیکہ اُس کے منہ سے شراب کی بو نہ آرہی ہو۔۔۔"

"بھیا! بھیا!" یکدم کلی اور آشی آگئیں۔ آشی نے کہا "ماں کہہ رہی ہیں کہ ہم نے شراب پھنکوادی ہے۔" "بھاگ نکلی تم میں آکر تائیں تائیں کرنے لگی" مکھیا نے ڈانٹا۔ دونوں لڑکیاں پھر گھر میں چلی گئیں۔ عورتوں کے کان بھی اسی طرف تھے۔

"اور اگر کسی انسان کے منہ میں زخم ہو یا کسی کو دق ہو یا کوئی کوڑھی ہو؟" چودھری صاحب نے پوچھا۔

"چودھری صاحب! اس کا جواب وہی ہے جو انسان کی فطرت چاہتی ہے"۔

"سمجھ گیا میں۔ حاتم بیٹا! تم بہت سمجھدار ہو۔ میں نے بہت چاہا کہ قرآن کہیں مل جائے مگر وہ اردو اور عربی میں تھا

اور میں ہندی جانتا ہوں۔ میں قرآن سے اسلام کی بنیادی باتیں جاننا چاہتا تھا۔ کیا تم بتاؤ گے؟"

"کیوں نہیں۔ سنئے!"

اور سب مسلمان ہو گئے

"میں ایک ترتیب سے اسلام کی بنیادی باتیں بتاؤں گا۔ سنئے! قرآن کہتا ہے کہ یہ سنسار اور جو کچھ سنسار میں ہے، چاہے وہ دکھائی دیتا ہو یا نہ دکھائی دے، سب اللہ نے پیدا کیا ہے۔ آپ اس اللہ کو چاہے ایشور کہیں یا کوئی اور اچھا نام دیں"

"یہ تو ہم بھی مانتے ہیں" کئی آدمیوں نے کہا۔

"ہاں تو یہ بات ہر ایک آدمی سمجھ سکتا ہے کہ جو کوئی جو چیز بناتا ہے وہی اس کا مالک ہوتا ہے۔ یہ گھر مکھیا نے بنایا ہے۔ مکھیا اس گھر کے مالک ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ اللہ نے سب کچھ بنایا ہے اس لئے وہی سب کا مالک ہے۔ اسی مالک نے ہم انسانوں کو بھی بنایا ہے تو ہمارا بھی مالک وہی اللہ ہے [" واہ! بڑے سیدھے طریقے سے بتا رہے ہو بھیا"] اچھا آگے سنئے۔ جب اللہ ہی ہمارا مالک ہے تو ہم اس کے داس اور بندے ہوئے ["ٹھیک۔ بالکل ٹھیک ۔ ۔ ۔"] ہم کو چاہئے کہ ہم اس کے کہے پر چلیں۔ اس مالک نے جو کچھ کرنے کا حکم دیا ہے وہ کریں اور جس بات سے روکا ہے اسے نہ کریں۔ ہم ہر حالت میں اس مالک کو راضی کریں ["ٹھیک کہتے ہو بھیا۔ بھلے مانس آدمی کو یہی چاہئے"] چودھری صاحب! یہ اسلام کی سب سے بڑی اور بنیادی بات ہے۔ ہر مسلمان کی سب سے بڑی چاہ یہی ہے کہ وہ کوشش کرے کہ اپنے مولا کو خوش کرلے۔ بس۔ اس کے سوا کسی اور کی خوشی، چاہے وہ کوئی بڑے سے بڑا دیوتا ہو یا فرشتہ، ولی ہو یا سادھو، پوپ ہو یا بادشاہ، کوئی بھی بڑے سے بڑا ہو، اللہ کی خوشی کے آگے کسی کی خوشی کی پرواہ نہ کرے ۔ ۔ ۔"

"دھنیہ ہو، دھنیہ ہو۔ ہم کو ایسا ہی کرنا چاہئے۔"

"۔ ۔ ۔ ایک بات اور سنئے! قرآن نے دوسری بنیادی بات یہ بتائی کہ اے لوگو! تم سب ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہو اس لئے آپس میں بھائی بھائی ہو۔ تم میں انسان ہونے کے ناتے نہ کوئی چھوٹا ہے نہ بڑا، اچھوت ہے نہ اچھوت، شریف ہے نہ رذیل۔ ہاں وہی بات، جو اللہ سے سب سے زیادہ ڈرے وہ سب سے بڑھ کر ہے اور جو اللہ سے ناتہ توڑے وہ سب سے برا ہے"

"واہ بھیا! واہ! کیا بات بتائی! جے ہو تمھاری۔"

"... بھائیو! یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں۔ یہ قرآن کی باتیں ہیں۔ میں مسلمان ہوں۔ قرآن میں جو کچھ پڑھتا ہوں وہی کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ آپ لوگ منش منش میں منش ہونے کے ناتے بھید بھاؤ کرتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ غلط ہے۔ بھید بھاؤ صرف اسمیں ہے کہ کون بھلا مانس اور اللہ کو ماننے والا ہے اور کون برا اور اللہ کی آگیا کا پالن نہ کرنے والا۔"

"اک بات سمجھنے سے رہ گئی ہے"، چودھری صاحب بولے "یہ کہ ہم کو بھگوان کی آگیائیں معلوم بھی تو ہونی چاہئیں۔ حاتم بیٹا! تم ہم کو یہ بھی تو بتاؤ، وہ ہم کہاں سے جانیں؟"

"مسلمانوں کے پاس قرآن مجید ہے۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے یعنی ہم یہ مانتے ہیں کہ قرآن مجید اللہ کی ہدایتوں، اللہ کے حکموں اور اُس کی آگیاؤں کی کتاب ہے۔ یہ قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ اسی قرآن کی کچھ باتیں آپ نے سُنیں کیسی لگتی ہیں باتیں قرآن کی مثلاً..." بیچ میں چودھری صاحب بولے "بیٹا! یہ جو نام تم نے لیا ہے محمد جی مہاراج کا تو کیا وہ پڑھے لکھے تھے؟ ہم نے سُنا ہے کہ وہ اَن پڑھ تھے۔"

"جی ہاں"، حاتم کہنے لگا "محمد صلی اللہ علیہ وسلم اَن پڑھ تھے۔"

"اَن پڑھ!"، مکھیا اور دوسرے لوگوں نے دانتوں تلے اُنگلی دبالی "اَن پڑھ اور یہ گیاں کی باتیں۔ تو پھر یوں کہو بھیا کہ محمد جی مہاراج کی زبان سے ایشور بول رہا تھا۔ ہے نا!"

"بے شک!"

"تو پھر کلّو کاکا، منگرے چاچا، بھائی مکھیا! آپ سب کیا کہتے ہیں؟ میں جو کچھ کروں، وہ تم کرو گے؟"

"ہم سب میں آپ سب سے زیادہ سمجھدار ہیں۔"

"تو بھیا حاتم! تم مجھے مسلمان بنالو۔ مسلماں کس طرح بنتے ہیں؟"

"چودھری صاحب! آپ تو مسلمان بن گئے۔ میں جب قرآن کی باتیں بتا رہا تھا آپ لوگ مانتے جا رہے تھے۔ آپ نے اللہ کو ایسا اِلٰہ مان لیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا نبی مان لیا۔ آپ مسلماں ہو گئے۔"

"حاتم بھیا! ہم سب نے بھی یہی مان لیا ہے۔ کیا ہم بھی مسلماں ہو گئے؟"

"ہاں۔ آپ سب مسلمان ہو گئے۔ اللہ آپ کا ساتھ دے۔"

"اچھا بیٹا حاتم! میں نے سُنا ہے کہ اسلام کا کوئی خاص بول ہے ۔ ۔ ۔ الا اللہ کی طرح کچھ پڑھتے ہیں۔ وہ بول پڑھا دو۔"

"پڑھیئے" حاتم ایک ایک لفظ کہنے لگا "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ مطلب سنئے! اللہ کے سوا کوئی پوجنے نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم کو اللہ کی مرضی معلوم ہوئی ہے۔" چودھری نے مکھیا نے، بابا نے، کلّو کاکا نے اور جو لوگ وہاں اکٹھا تھے اور جتنی عورتیں مکھیا کے گھر میں تھیں، سب نے کلمہ طیبہ پڑھا۔ اس کے ساتھ ہی مکھیا کے گھر میں ڈھولک بجی اور لڑکیاں گانے لگیں:

آج مورے آنگنا آئے دو بیرنا

دونوں ہیں دِ پرَنا کاہے کی پیرنا

(آج ہمارے یہاں دو بھائی آئے ہیں۔ دونوں بڑے بہادر ہیں۔ اب ہم بیڑت اور رنج نہیں۔)

مکھیا نے گانا بند کرا دیا اور کہا "ٹھہرو۔ ابھی ایک کام باقی ہے۔ حاتم بھیا! ہم مسلمان ہو گئے۔ اب کیا کریں؟"

"مکھیا چاچا! مسلمان ہونے کے بعد سب سے پہلا کام جو کرنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ آپ سب لوگ نہا دھو کر پاک کپڑے پہنیں اور نماز پڑھیں، سامنے نہر ہے ہی۔ نماز میں آدھا گھنٹہ ہے۔"

"اور بھیا ہم ۔ ۔ ۔" عورتوں کے درمیان سے اَشی اور کملی نے ایک ساتھ کہا۔

"تم سب بھی!"

حاتم کے یہ کہتے ہی تیوہار جیسی دھوم مچ گئی۔

"جلدی کرو ۔ ۔ ۔ جلدی کرو ۔ ۔ ۔ حاتم بھیا نے کہا ہے کہ سورج بیٹھتے ہی نماز پڑھیں گے ۔ ۔ ۔"

"کیسے پڑھیں گے ۔ ۔ ۔؟ کیا پڑھیں گے ۔ ۔ ۔؟"

لوگ اپنے کپڑے پاک کر رہے تھے اور یہی سوچتے جا رہے تھے ۔ ۔ ۔ (باقی اُلجھنوں کے گرفتار میں پڑھیے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرآن کا مطالعہ

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۟ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪
وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا
فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ
بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ
بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (البقرہ ۔ ۲۱۳)

پہلے پہل سب لوگ ایک ہی طریقے پر تھے (پھر یہ بات نہ رہی۔ دین کے بارے میں اُن کے طریقوں میں بگاڑ آگیا) ب اللہ نے نبی بھیجے (جنت کی) بشارت دینے والے اور (جہنم سے) ڈرانے والے، اور اُن کے ساتھ سچی کتاب (کتابِ برحق) اُتاری تاکہ (سچی کتاب) لوگوں کے درمیان (دھرم کے نام پر) جو الگ الگ طریقے ہو گئے تھے اُس کا فیصلہ کر دے (کہ کیا ٹھیک ہے اور کیا غلط ہے)۔ یہ الگ الگ طریقے ان لوگوں نے بنائے جو (دین کے بارے س) سچی بات جانتے تھے۔ اُنھوں نے کھلی نشانیاں (ہدایتیں) پالینے کے بعد اس لئے حق (سچا دین) چھوڑ کر الگ الگ طریقے نکالے کیونکہ وہ آپس میں زیادتی کرنا چاہتے تھے۔ تو جو لوگ اللہ کے نبیوں پر ایمان لے آئے اللہ نے اپنے حکم سے اُن کو وہ سچا طریقہ دکھا دیا جس میں لوگ الگ الگ باتیں مانتے تھے۔ اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔

اُمّت واحدہ یعنے اُمّت مسلمہ

اس آیت میں سب سے پہلے یہ بتایا گیا ہے کہ پہلے پہل سارے لوگ اُمّتِ واحدہ تھے۔ ایک ہی اُمت تھے۔ ایک امت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اُن کا عقیدہ ایک ہی تھا۔ وہ سب ایک خدا کے ماننے والے تھے اور اللہ کے سب سے پہلے نبی حضرت آدم ؑ نے اللہ کے حکم سے اللہ کی عبادت کا جو طریقہ بتایا تھا اُسی طریقے سے عبادت کرتے تھے۔ وہ اللہ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک نہیں مانتے تھے یعنی وہ اللہ ہی کو اپنا مالک، مولا اور حاکم و آقا سمجھتے تھے۔ بیٹی بیٹا دینے والا اور مصیبت سے چھٹکارا دینے والا اور مرادوں کو پوری کرنے والا اسی کو مانتے تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ اُن میں سے کچھ کسی اور کو، چاہے وہ کوئی بڑا بزرگ ہی کیوں نہ ہو، مراد پوری کرنے والا یا بیٹی بیٹا دینے والا مانتے ہوں۔

یہی لوگ اُمّتِ واحدہ تھے۔ انہی کو اُمّتِ مسلمہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ بہت دنوں تک ان کا یہی طریقہ رہا پھر جیسے جیسے دن گزرتے گئے وہ اصل تعلیم سے دور ہوتے گئے۔ اُن کے طریقے بگڑنے لگے۔ شیطان نے اُن کو بہکا دیا۔ وہ خدا کی ذات اور صفات میں دوسروں کو شریک سمجھنے لگے۔ ولیوں اور بزرگوں کو اتنا بڑا مرتبہ دے دیا کہ اُن سے مرادیں مانگنے لگے۔ اولاد مانگنے لگے۔ یہاں تک کہ اُن کے بت بنا کر پوجنے لگے۔ اللہ نے جو کچھ پیدا کیا ہے اُس میں سے بڑی بڑی چیزوں کو خدا بنا ڈالا اور اُن کو پوجنے لگے۔ کسی نے سورج کو دیوتا مان لیا اور کسی نے چاند کو وغیرہ۔ سب کے الگ الگ طریقے ہو گئے اور وہ اسی کو حق سمجھنے لگے اور جو اُن کے طریقے پر نہیں ہوتا اُس کو بھٹکا ہوا جاننے لگے۔

دنیا میں جب جب ایسا ہوا تب اللہ نے اپنے نبیوں کو بھیجا اور اُن کو کتاب بھی دی۔ اِن نبیوں نے اللہ کی کتاب پڑھ پڑھ کر بتایا کہ ٹھیک طریقہ یہ ہے اور غلط یہ۔ کھرا کھوٹا سب الگ کر کے دکھا دیا اور بتایا کہ جو ہمارے بتائے ہوئے ٹھیک طریقے پر چلے گا اللہ اُسے جنت دے گا اور جو اس طریقے پر نہیں چلے گا وہ دوزخ میں جائے گا۔

یہ بتانے کے بعد قرآن ایک چونکا دینے والی بات کہتا ہے۔ اور دیکھئے کہ وہ کتنی سچی بات ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اُمّتِ واحدہ میں غلط طریقے اُس وقت کے عالموں نے نکالے اور اس لئے یہ طریقے نکالے کہ آپس میں زیادتی کریں۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ جس عالِم کے ماننے والے زیادہ ہوں گے اسی کو زیادہ نذرانے ملیں گے۔ اِس سچی بات کو ہم آپ آج اُمّت مسلمہ کے اندر کے عالموں کو دیکھ کر سمجھ سکتے ہیں۔ آجکل بھی علمائے سو رات دن نئے نئے طریقے نکالا کرتے ہیں۔

دین میں طرح طرح کی بدعات پھوٹتے رہتے ہیں۔ یہ ابھی علمائے سو کے اختلاف کا نتیجہ ہے کہ ہم مسلمانوں میں شرک گھسا ہوا دیکھ رہے ہیں۔ کوئی مسلمان کسی بزرگ کو حاجت روا سمجھتا ہے کوئی کسی کو۔ کوئی کسی بزرگ کو عالم الغیب سمجھتا ہے کوئی کسی کو۔ آج کے مسلمانوں میں رسم و رواج اور وہمی باتیں پھیلانے والے بھی بڑے علماء ہیں جو سچے دین اسلام کو اچھی طرح جانتے ہیں لیکن اپنے حلوے مانڈے کے لئے اختلاف ڈالتے رہتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں اور عام مسلمانوں کو لڑاتے رہتے ہیں۔ ایک دوسرے کو کافر تک کہنے سے نہیں ڈرتے۔ بڑے علماء ہی کے اختلاف کی وجہ سے دوسرے دین بھی پیدا ہو گئے۔

قرآن پھر کہتا ہے کہ:

اللہ کے نبیوں نے جو دین دنیا میں پھیلایا، اور انبیاء علیہم السلام کا جو طریقہ رہا ہے، اس کے مطابق جو شخص اپنا عقیدہ اور طریقہ بنائے گا، اللہ اسی کو سچا راستہ دکھا دے گا یعنی وہی سچے اسلام پر ہوگا اور وہی اختلاف سے بچ جائے گا، اور وہ اپنا کھویا ہوا راستہ یعنی اسلام کو پائے گا۔

یہ آیت ان لوگوں کے اس طریقے کی بھی تردید کرتی ہے جو کہتے ہیں کہ سارے ہی دھرم سچے ہیں۔ غور کیجئے۔ اسلام اللہ ہی کو اللہ ماننے کے لئے کہتا ہے۔ دوسرے دھرموں میں ایک سے زیادہ اللہ مانے جاتے ہیں۔ اسلام انسان کے مرنے کے بعد ایک بار زندہ ہونے اور آخرت میں حساب دینے کا عقیدہ دیتا ہے۔ دوسرا دھرم کہتا ہے کہ انسان اپنے کرموں کے انوسار (مطابق) بار بار دوسری یونی میں پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح کے بہت سے اختلاف اسلام اور غیر اسلام میں ہیں یہ سب سچے کیسے ہو سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک ہی عقیدہ اور ایک ہی طریقہ سچا ہو سکتا ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ سچا دین اور سچا طریقہ وہ ہے جو اللہ کے نبی لائے۔ اس کے ماننے والے امتِ واحدہ امتِ مسلمہ کہلائے۔ ان سے کٹ کر جو جتنا دور ہوا وہ اتنا ہی اسلام سے دور ہوا۔

فخر

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ۝ (النساء — ۳۶)
خدا پسند نہیں کرتا اترانے والے فخر کرنے والے کو۔

مال و دولت، علم، حسب و نسب ان سب پر فخر کرنا بُرا ہے اترا کر چلنا بھی منع ہے چنانچہ فرماتا ہے۔

لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل ۳۷)
زمین پر اکڑ کر مت چل تو زمین کو پھاڑ نہیں سکتا۔ اور نہ پہاڑوں کے برابر لانبا ہو سکتا ہے۔

بطور تحدیث نعمت اور شکر خداوندی، ذکر نعمت جائز ہے مگر فخریہ انداز نہ ہونا چاہئے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّیُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ج وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ (آل عمران ۱۸۸)
جو لوگ اللہ کے دیئے پر اتراتے ہیں اور نہ کیے پر تعریف چاہتے ہیں وہ عذاب سے نہیں بچیں گے۔ ان کے لئے سخت مار ہے۔

کبھی دنیا میں بھی فخر کرنے کی وجہ سے نعمتیں سلب ہو جاتی ہیں۔

قتل

وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِیْهَا وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِیْمًا ۝ (النساء — ۹۳)
جو کوئی کسی ایماندار کو قصداً قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے ہمیشہ کے لئے اور اللہ کا اس پر غضب ہوا، اللہ نے اس پر لعنت کی اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کیا۔

قتلِ عمد، مذہب و قانون میں بُرا ہے یہ آیت قتلِ مؤمن کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ ذیل میں ایک دوسری آیت درج کی جاتی ہے۔

مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا (المائدہ — ۳۲)

جس نے قتل کیا کسی کو بغیر جان کے عوض کے یا فساد کے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا۔

مطلب یہ ہے کہ قاتل کو قصاص کے لئے قتل کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ اسی طرح بغاوت و فساد پھیلانے والے یا ڈاکہ زنی کرنے والے کا قتل بھی جائز ہے مگر بالکل بے خطا انسان کو قتل کر دینا تمام لوگوں کے قتل کر دینے کے برابر ہے۔

قطع رحمی

وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ (البقرہ — ۲۷)

اور قطع کرتے ہیں جس کے ملانے کا اللہ نے حکم دیا۔

عزیزوں سے بدسلوکی کرنا، ان سے تعلقات منقطع کرنا، اپنی مصیبتوں کو خود دعوت دینا ہے عزیز و اقارب خواہ کیسے ہی بُرے کیوں نہ ہوں مگر ان سے ضرور تعلقات رکھنے چاہئیں نہ معلوم انسان پر کیا وقت آ جائے، نیز فطرت بدلہ لیتی ہے ممکن ہے لوگ بھی ایسے شخص کی اولاد سے ایسا ہی سلوک کریں اور پھر اس کے بچے پریشان ہوں۔

بعض لوگوں میں یہ عادت ہے کہ جہاں ذرا وہ بڑے بنے۔ صاحبِ دولت و ثروت ہوئے۔ اور عزیزوں سے تعلقات منقطع کرنا شروع کر دیئے۔ ایسے لوگ عموماً تکلیف اُٹھاتے ہیں کبھی بڑے لوگوں کا کام چھوٹوں سے بھی پڑ سکتا ہے بلکہ آئے دن چھوٹوں سے معمولی معمولی کام نکلتے ہی رہتے ہیں۔ احادیث میں بھی قطع رحم کی ممانعت آئی ہے۔

فاطمۃ الکبریٰ

بیسویں صدی عیسوی کی ایک باکمال خوشنویس خاتون

(علاؤالدین خالد)

فاطمۃ الکبریٰ درحقیقت برعظیم کی وہ پہلی خاتون تھیں جنھوں نے بطور فن خوشنویسی میں کمال حاصل کیا۔ آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ علی گڑھ ۱۹۰۷ء سورت ۱۹۱۸ء انجمن حمایت الاسلام لاہور ۱۹۲۸ء اور دیگر مقتدر اسلامی اداروں نے متعدد موقعوں پر نقرئی، طلائی، تمغوں، نقد انعامات و اسناد سے اعتراف خدمت کیا۔ ۱۹۲۷ء میں جب میر عثمان علی خاں نظام دکن، نظام سلیب کے افتتاح کے لیے نئی دلی جا رہے تھے۔ تو راستہ میں جھانسی ریلوے اسٹیشن پر ٹرین رکوا کر شرف باریابی بخشا۔ محترمہ نے سونے کے پانی سے اپنے لکھے ہوئے قطعات اور پنجسورہ شریف پیش کیا۔ تاحیات، گراں قدر ماہانہ وظیفہ مقرر فرمایا۔ اس طرح بیگم سلطان جہاں والی بھوپال سے جب مرحومہ کی ملاقات ہوئی تو انھوں نے ازراہ قدردانی اپنی قیمتی جڑاؤ پہنچیاں ان کے ہاتھ میں پہنا دیں۔ ساتھ ہی وظیفہ بھی جاری کیا۔ علاوہ ازیں دوسرے والیان ریاست ..... نے بھی خسروانہ ہمت افزائی کی۔ شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی منشی ذکاء اللہ اور ڈپٹی نذیر احمد ان کے بڑے قدردانوں میں سے تھے۔

عجب اتفاق ہے کہ "فاطمہ" نام کی مختلف ملکوں میں خواتین گذری ہیں جنھوں نے فن خوشنویسی کو اپنایا اور اس میں مہارت حاصل کی لیکن ان سب میں فاطمۃ الکبریٰ بنت منشی محمد الدین ممتاز ہیں کہ مکمل قرآن پاک کی کتابت و اشاعت کی سعادت صرف ان کے حصہ میں آئی ہے۔ ان کے انتقال کے بعد بھی وہ اس سعادت میں منفرد ہیں۔ دور حاضر میں کئی خواتین نے پاکستان میں اس فن کو بطور پیشہ اپنایا ہے ان میں انوری بیگم کوئی پچیس سال سے مسلسل میں کتابت کر رہی ہیں لیکن فاطمۃ الکبریٰ نے بیسویں صدی کے آغاز میں خراج تحسین حاصل کیا تھا۔ وہ دور مولوی محمد قاسم لدھیانوی اور منشی ممتاز علی دہلوی جیسے باکمالوں کا تھا

خط نسخ کا فاطمۃ الکبریٰ کے نسوانی قلم کی لیک نے ایک خاص حسن دیا تھا۔

مولوی فتح محمد جالندھری کے ترجمہ والی حمائل شریف "فتح الحمید" ان ہی کے زورِ قلم کا نتیجہ تھی۔ مولوی عبدالحفیظ صاحب نے دہلی سے جو حمائل شریف ۱۹۱۴ء میں شائع کی تھی وہ بھی موصوفہ ہی کی کتابت کردہ تھی۔ حمائل شریف نہ صرف یہ کہ خود لکھی بلکہ خود ہی شائع کی تھی اس طرح وہ پہلی خاتون "ناشر قرآن" بھی تھیں۔ مذکورہ حمائل شریف کے آخر میں فاطمۃ الکبریٰ تحریر کرتی ہیں کہ "میں اپنے آپ کو بہت خوش نصیب سمجھتی ہوں کہ خدا نے اپنے کلام کی طباعت کے سلسلے میں مجھ سے خدمت لی۔ قرآن کریم کی اشاعت کی صرف ایک غرض ہوا کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمان امر و نواہی سے واقف ہو جائیں اور اپنی زندگیوں کو خدائی تعلیم کے مطابق ڈھال لیں"۔

اس حمائل کو فنی خوبیوں کی وجہ سے جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے اسے اپنی مطبوعات میں شامل کر لیا تھا۔ مشہور آرٹسٹ نور احمد صاحب دہلوی نے مرحومہ کے تحریر کردہ آیات کریمہ اور قطعات لاہور کے حافظ قمر الدین کے علاوہ بمبئی سے بھی پھولوں سے مزین کر کے شائع کرائے تھے۔

موصوفہ کی تمنا تھی کہ جلی حروف میں معریٰ کلام پاک اس طرح لکھیں کہ وہ روایتی اسلوب نگارش کا حامل ہوتے ہوئے بھی قاری کے پڑھنے میں آسانی کا موجب بھی ہو اور اعراب ہر حرف پر الگ الگ لگائے جائیں۔ تاکہ صحیح آواز بآسانی نکل سکے۔ انھوں نے بڑی تقطیع پر قرآن کریم کی مکمل کتابت کی۔ اس کے علاوہ الگ الگ آٹھ پارے جلی قلم میں لکھے۔ یہ اُن کی زندگی کا آخری قلمی کارنامہ تھا جو ۱۹۴۷ء میں اس وقت پایۂ تکمیل کو پہنچا جب دہلی میں انسانیت سوز حادثات نے مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ دلی کے اُجڑنے کے ساتھ محترمہ بھی اپنے چھوٹے بھائی مشہور زمانہ استاد محمد یوسف دہلوی کے ساتھ پاکستان ہجرت کر کے کراچی چلی گئیں •

(شبنم جعفری)

جنت کی تلاش

بچوں کے لیے ماں باپ نعمت ہیں۔ خصوصاً ماں سے تو بچہ بہت مانوس ہوتا ہے کیونکہ ماں بچہ کی پرورش میں زیادہ مشقت اٹھاتی ہے اور اپنا زیادہ تر وقت بچہ کو دے دیتی ہے باپ تو کمانے کے بعد تھوڑی دیر سیر و تفریح میں گذار سکتا ہے مگر ماں کو گھر کے کاموں سے جب بھی فرصت ملتی ہے تو وہ بچے کے کاموں میں لگ جاتی ہے بلکہ اسے گھر کے دوسرے کاموں میں لگ جاتی وقت نکالنا ہی مشکل ہو جاتا ہے۔ ماں اور بچہ کی روحانی اپنائیت کا ایک ثبوت مجھے ملا۔ جب ایک رات ہم سب بہن بھائی رات کے کھانے کے بعد حسب معمول طرح طرح کی بحثوں میں لگے ہوئے تھے۔ اس محفل میں ہماری بھابھی ہمیشہ اپنی چھوٹی بچی تابش کو سلا کر آیا کرتی تھیں۔ اُس دن تابش کو سلا کر وہ ہمارے پاس آکر بیٹھیں۔ بہت دلچسپ بحث چھڑی ہوئی تھی۔ بظاہر بھابی پوری طرح بحث میں لگی ہوئی تھیں۔ مگر پانچ دس منٹ بعد وہ اچانک کہنے لگیں کہ تابش جاگ گئی ہے۔ مجھے اس کی آواز سنائی دی ہے۔ ہم سب نے کان لگایا مگر کسی کو کوئی آہٹ نہیں ملی۔ ہم نے انھیں روکا کہ آپ کا وہم ہے وہ تو گہری نیند سو رہی ہے۔ مگر وہ اٹھ کر چلدیں اور پھر تھوڑی دیر بعد آکر بتایا کہ واقعی وہ جاگ گئی تھی اور بھوک کی وجہ سے دھیرے دھیرے سسک رہی تھی۔ بچہ کی ہلکی سی تکلیف سنکر دوڑ پڑنے والے ان قدموں کی ہی یہ منزلت ہے

ران کے نیچے جنت تلاش کی جا سکتی ہے۔ بے پایاں لطف اور احسان کا دنیا میں اگر کوئی نمونہ ہے تو بلا شک وشبہ وہ والدین کی محبت اور شفقت ہے۔ محبت کا دوسرا نام ایثار ہے۔ اور والدین کی محبت پوری طرح ایثار ہی ایثار ہے۔ ایسی بے لوث اور بے پناہ محبت دنیا میں کہیں نہیں مل سکتی۔

کچھ ناواقف حضرات یہ سوال کرتے ہیں کہ والدین کے لیے بچہ کی پیدائش اور پرورش باعث مسرت ہے اور وہ خوشی خوشی سب فرائض برداشت کرتے ہیں۔ تو پھر جب بچوں کی پرورش میں انھیں سکون ملتا ہے تو بچوں پر احسان کیسا؟ وہ تو بچوں کی خوشی میں خوش ہو لیے۔ اب انھیں بچوں کی طرف سے عزت اور تحفظ ملنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ حماقت کی ہی کیوں گئی۔ اور اگر کی گئی تو پھر اس کا بدلہ بچوں سے کیوں چاہا جاتا ہے۔

یہ اعتراض کرنے والے لوگ فطرت کے اٹل اصولوں سے انکار کرتے ہیں۔ خدا نے ماں باپ کو بچہ سے محبت کرنے کے لیے مجبور کیا ہے۔ نسل انسانی کی بقا کے لیے یہ ضروری تھا ورنہ کوئی ماں بچہ کا تحفظ نہ کرتی یہ محبت اسے بچہ کے لیے ہر طرح کی مصیبتیں جھیلنے پر آمادہ کرتی ہے تو اب اگر خالق کائنات اس جبر کے بدلہ میں بچہ کو بھی والدین کے احترام کے لیے مجبور کرتا تو یہ سراسر ناانصافی ہوتی۔

غور کیجیے ایک طرف ماں کا دل ہے کہ اگر بچہ کو چھینک بھی آجائے تو بے قرار ہو جاتا ہے۔ "ہائے کہیں میرے لال کو کچھ ہو نہ جائے۔" اسی کے جواب میں بچوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ دیکھو اپنے ماں باپ کو اُف تک نہ کہنا۔ اور اسی لیے ان کی نافرمانی کو گناہ کبیرہ قرار دیا قرار دیا گیا۔



اگر آپ غور کریں تو محسوس ہوگا کہ ان کی حفاظت اور مناسب دیکھ بھال کے لیے قدرتی انتظامات دوسرے اعضاء کی بہ نسبت خصوصی طور پر کئے گئے ہیں۔ دیکھیے آنکھوں کو چہرے میں موزوں جگہ کے علاوہ انتہائی موزوں جگہ ملی ہے۔ آنکھ کے ڈھیلے EYEBALLS کھوپڑی میں ایسے گھروں (SOCKETS) میں ہیں جن کی ہڈیاں خاصی چوٹ اور دباؤ سہہ لیتی ہیں۔ اوپر والی (ابرو والی) اور باہر والی ہڈی کافی مضبوط اور سخت ہڈیوں میں سے ہیں۔ اندرونی جانب چوٹوں کو سہنے

اور روکنے کے لئے ناک کی جڑ کی ہڈیاں ہیں۔ ایسی ہی نیچے والی ہڈی بھی خاصی ڈھال کا کام دیتی ہے۔ اس طرح جب سامنے چہرے پر چوٹ لگے تو آنکھیں اپنے نسبتاً محفوظ والے گھر میں ہونے کی وجہ سے اکثر چوٹ کے شدید اثرات سے بچ جاتی ہیں آنکھ کے ان گھروں، خولوں یا (SOCKETS) کے اردگرد ہڈیوں میں ایسی خالی جگہیں Aik (SINUSES) ہیں جو تھرماس کی طرح ایک دم گرمی یا سردی کے اثرات کو آنکھ کے ڈھیلوں اور ان کے نازک اندرونی نظ

ں پہنچنے نہیں دیتیں۔

آنکھوں کے اوپر کی بھوؤں کا اہم کام ھے اور سر سے آتے ہوئے پسینے وغیرہ کو نکھوں تک پہنچنے سے روک لینا ہے بلکہ اگر ت زیادہ تیز روشنی ہو تو یہ بھویں اتنی ڑھ جاتی ہیں کہ آنکھوں تک مضر حد تک وشنی نہیں پہنچتی۔ ان کا کام غبار، چھوٹی وٹی بیرونی اشیاء تنکے، پتنگے وغیرہ کو آنکھ ے باہر ہی روک لینا ہے۔ اور کبھی تو پلکیں نکھوں کے پپوٹے اور ابرو سب مل کر آنکھ بیرونی اشیاء اور اثرات سے بچاتے ہیں ی طرح جلدی جلدی آنکھیں جھپکنا شرمانے گھبرانے کی علامت بھی یا دیر سے جھپکنے سے نکھیں پھٹی رہ جانا) گہری سوچ، ڈر یا افسوس اظہار ہوتا ہے لیکن جھپکنے کا اصل مقصد کھ کے سامنے کے حصے کو صاف وشفاف ور تر رکھنا ہوتا ہے۔

صفائی:۔ صفائی نصف ایمان اور مذہب جزو ہے۔ صفائی سے بہت سے امراض یب بھی نہیں پھٹک پاتے۔ آنکھوں کو دھونا، پانی کے چھینٹے مارنا۔ وضو کرنا۔ غسل کرنا، غرض سبھی آنکھوں کو اس طرح صاف وشفاف اور تر و تازہ رکھتے ہیں۔ جیسے آپ اپنے برتن یا کپڑے کو دن میں آٹھ دس بار دھو دھا کر رکھیں تو اس کی پاکیزگی اور چمک دمک کا کون مقابلہ کرے۔

گندے ہاتھوں سے آنکھوں کو ملنا، گندے یا کسی اور کے استعمال شدہ کپڑے تولئے یا رومال سے منہ خصوصاً آنکھیں صاف کرنا یا روتے ہوئے گندے دامن، آستین یا رومال سے آنکھیں پونچھنا یا ناک صاف کرنا گویا خود اپنی آنکھوں میں دھول اور بیماری جھونکنا ہے۔ چہرے یا آنکھوں کو گندے گدلے یا کسی اور کے استعمال شدہ پانی سے دھونا بھی گویا اپنی آنکھوں سے دشمنی مول لینا ہے۔

آنکھوں کی جراثیمی بیماریاں پھیلانے میں مکھیاں بہت بڑا کردار ادا کرتی ہیں۔ اسی طرح تنگ و تاریک مکانوں، کمروں، حجروں میں بہت سے لوگوں کا اکٹھا رہنا۔ دھواں، دھول

گرد و غبار۔ یہ سب چیزیں آنکھوں کی بیماریاں پھیلانے میں بہت موثر اور حصہ لیتی ہیں۔ اور ان سے آنکھوں کی صحت کی ضمانت ہے۔ اس کے علاوہ میرے مشاہدے میں ہمارے ملک میں خاص طور پر گکرے پھیلانے میں سرمہ بہت ہی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ سُرمہ بذاتِ خود بُری چیز نہیں بلکہ آنکھوں کے لئے مفید ہے۔ لیکن ایک ہی سلائی سے گھر بھر کے افراد (بعض اوقات مہمان اور اڑوس پڑوس والے شوقین لوگ بھی) کا سرمہ لگانا اور پھر تھوک لگا کر استعمال کرنا انتہائی خطرناک ہے۔ جراثیم کو ایک آنکھ سے دوسری تک پہنچانے کا اس سے بہتر اور موثر ذریعہ اور کونسا ہو سکتا ہے۔

آنکھوں کے لیے مضر:۔ آنکھیں جتنی کارآمد اہم قیمتی اور زندگی کی بھرپور علامت میں اتنی ہی نازک بھی ہیں سخت دھوپ، بہت زیادہ گرمی یا شدید سرد ہوا یا تیز روشنی (چکاچوند قسم کی) ان کے لیے مضر ہے۔ اور ان سے بچنا ضروری ہے (کم از کم ہلکی رنگین عینک تو ضرور استعمال کریں) سورج کی طرف یا برف سے منعکس ہوتی ہوئی سورج کی روشنی کو دیکھنا نقصان دہ ہے ویلڈنگ کرنے والے شعلہ چمکتی بجلی اور سورج گرہن کو ننگی آنکھوں سے دیکھنا آنکھوں کی بصارت ختم کر سکتا ہے۔ زیادہ تمباکو نوشی بھی بصارت کے لیے نقصان دہ ہے۔

آنکھوں سے دیکھنا:۔ آنکھوں کا کام دیکھنا ضرور ہے اور اگر سلیقے اور طریقے سے کام نہ لیا جائے تو آنکھوں پر اچھا نہیں پڑتا اور ردِ عمل کے طور پر وہ احتجاج کرتی ہیں پڑھا کرتے وقت مناسب فاصلہ ضروری ہے اگر فاصلہ زیادہ ہو تو بھی آنکھوں پر بوجھ پڑتا ہے اور اگر بہت کم ہو تو بھی ٹھیک نہیں ہوتا۔ مناسب فاصلہ نو انچ سے تیرہ انچ تک ہونا چاہیئے۔ غلط زاویے سے کتاب اخبار وغیرہ کا مطالعہ کرنا مثلاً دائیں بائیں فاصلے سے بھی غلطی ہے۔ لیٹ کر پڑھنا بھی تو اچھا ہے۔ اور اگر بالکل سپاٹ رکھنے کی بجائے ذرا اوپر سے تھوڑی اٹھی ہوئی (جیسے ڈیسک کی سطح ڈھلوان ہوتی ہے) تو بہتر رہتا ہے۔ بہت کم روشنی یا بہت تیز روشنی

یں کام کرنا بھی مضر بصر ہے بلکہ چمکدار آرٹ پیپر قسم کے) کاغذ والی کتاب کے ورق سے تیز روشنی منعکس ہو کر بھی آنکھوں پر برا اثر ڈال سکتی ہے۔ ایسی صورت میں بہتر یہی ہوتا ہے کہ کتاب کو اس طرح رکھا جائے کہ صفحے کی چمک آنکھ پر نہ پڑے پڑھائی والی جگہ پر تیز روشنی اور باقی سارا کمرہ اندھیرا ہو تو بھی ٹھیک نہیں ہوتا۔ بالکل تاریک کمرے میں ٹیلیویژن دیکھنا بھی آنکھوں پر کچھ زیادہ ہی وزن ڈال دیتا ہے کیونکہ ایسے حالات میں پتلی کو جلدی جلدی زیادہ حد تک حرکت کرنی پڑتی ہے سب سے اچھا یہ ہوتا ہے کہ کام کرنے والی منور جگہ کے ارد گرد بھی متوسط قسم کی روشنی ہو۔ آنکھوں پر البتہ بلا واسطہ سیدھی روشنی نہ پڑے تو اچھا رہتا ہے۔ لگاتار نزدیک کا کام کرنے کی نسبت یہ بہتر ہوتا ہے کہ ایک آدھ گھنٹے کے بعد دو چار منٹ ادھر ادھر بھی نظر دوڑا لی جائے۔

بڑی عمر ہونے پر :۔ کوئی چالیس بیالیس برس کی عمر کے بعد آنکھوں کا سال چھ مہینے میں ایک دفعہ معائنہ کرواتے رہنا عقلمندی کی بات ہے کیونکہ نظر کم کرنے والی اکثر اہم اور سست رو بیماریاں مثلاً کالا یا نیلا موتیا سفید موتیا، پتلی کی پرانی یا ہلکی سوزش، خون کے دباؤ اور ذیابیطس (کی بیماریوں کا آنکھ پر اثر) قسم کی تکالیف عموماً اسی عمر میں شروع ہوتی ہیں اور اگر ان کا وقت پر پتہ چل جائے تو بعد میں بہت سی تکالیف اور پیچیدگیوں سے بچا جا سکتا ہے۔ مناسب اور بر وقت روک تھام ممکن ہوتی ہے۔ کئی دفعہ دیکھا ہے کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے ذہین لوگ بے خبری میں رہ کر اس نوبت میں ڈاکٹر تک پہنچتے ہیں۔ جب ان کی کوئی قابل ذکر مدد کی جانی مشکل ہوتی ہے اگر نظر میں یا عینک کے نمبر میں جلدی جلدی کمی بیشی ہونے لگے تو آنکھوں کے ڈاکٹر کو مل لینا آپ کے لیے آئندہ کی کسی خطرناک پیچیدگیوں سے بچت کا وسیلہ بن سکتا ہے۔ اسی طرح بعض دوسری بیماریوں، مثلاً یک چشمی، بصر اور بھینگا پن کا اگر اوائل عمری میں ہی علاج نہ کروا لیا جائے تو بہت علاج نہیں ہو سکتا بعض دفعہ معقول اور تعلیم یافتہ لوگوں

کے لیے آنکھ کے متعلق انھیں پہلی دفعہ اس وقت انکشاف ہوتا ہے جب وہ کسی میڈیکل بورڈ یا طبی معائنے کی غرض سے ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں کہ ان کی آنکھ تقریباً بے کار ہے اور کہ وہ بس ایک ہی آنکھ سے کام لیتے رہے ہیں۔

خبردار۔ انسان جب سے وجود میں آیا ہے اس نے درد کا احساس سیکھا ہے۔ شاید اسی دن سے مختلف قسم کے علاج بھی وجود میں آگئے ہیں۔ خاص طور سے وہ نیم حکیمانہ علاج جو فائدے کے بجائے الٹا نقصان پہنچاتے ہیں۔ مثلاً آئی ہوئی آنکھوں میں سونٹھ کا استعمال (قرینہ کے زخم پیدا کرنے کا بہترین طریقہ) گوہانجی کا علاج کسی متبرک یا اپنے ہی تھوک سے کرنا (آپ اپنے تھوک کو ایک صاف پلیٹ میں تھوک کر واپس اپنے منھ میں نہیں لیں گے۔ لیکن آنکھ میں ڈلوانا برداشت کرلیں گے تاکہ خوب جراثیم آنکھ میں پہنچ جائیں، زبان کی نوک سے آنکھ میں پڑی ہوئی کوئی چیز نکلوانا۔ فٹ پاتھ پر تقریر کرنے والے ہر فن مولا سُرمہ بیچنے والے سے آنکھ میں 'صفائی' کے لیے مفت سلائی ڈلوانا (جو نہ جانے کس کس کی آنکھ کے جراثیم لیے پھرتی ہے)۔ "گکروں" کے لیے کاسٹک ٹچ کروانا۔ پھر ناکنپٹیوں میں درد یا کالے موتیے کے لیے جونکیں لگوانا یا پچھ لگوانا اور ان پر راکھ یا گائے کا گوبر لگانا۔ آنکھ میں کوئی تکلیف ہو تو جس کسی رشتہ دار یا ہمسایہ کی دوائی جو پچھلے سال بچ گئی تھی، استعمال کرلینا۔ (کئی مریض تو غلط دوا سے نظر سے ہاتھ دھونے پڑ جاتے ہیں۔

آنکھیں قدرت کا ایک انتہائی خوبصورت لطیف اور قیمتی انعام ہیں۔ ان سے پورا پورا کام لیجیے اور ان کی پوری پوری حفاظت کیجیے۔ دیکھیے آپ کی آنکھوں کی فریاد آپ کے کانوں تک پہنچا دی گئی ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ ان کی دادرسی کہاں تک کرتے ہیں۔ مرسلہ نسارت اسمٰی حیدرآباد

اگلا حجاب

الجھنوں کے گرفتار نمبر ہوگا۔ قیمت ۔/10

عیدالاضحیٰ!

دُنیا میں اور بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کا فائدہ اور نقصان ایک ملک، ایک قوم، ایک سماج کو ہوتا ہے اور اس سے ملک کے سارے ہی لوگ متاثر ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر فصل اچھی ہوتی ہے تو پورا ملک اس سے فائدہ اُٹھاتا ہے اور خوش ہوتا ہے۔ فصل خراب ہوتی ہے تو کسان ہی نہیں غیر کسان بھی افسوس کرتا ہے کیونکہ غلّے کی ارزانی اور گرانی تو پورے ملک کا مسئلہ ہے نہ کہ کسی ایک شخص کا۔ یہی وجہ ہے کہ میدانی علاقوں کے لوگ اناج کاٹنے کے دنوں میں مِل جل کر خوشی مناتے ہیں جس دن مل جل کر یہ خوشی مناتے ہیں یہی ان کے تیوہار کا دن ہوتا ہے۔ ہمارے ملک کے بعض تیوہار اسی بنیاد پر منائے جاتے ہیں

ایک مثال دوسرے ملک کی ملاحظہ ہو۔ جاڑے کے موسم میں وہاں کی زمین یخ بستہ ہو جاتی ہے یعنی وہاں برف جم جاتی ہے۔ جاڑے کا زور ٹوٹنے پر جب سورج کی گرم کرنیں برف پگھلا دیتی ہیں تو وہاں کے لوگ دیکھتے ہیں کہ اس برف کے نیچے طرح طرح کے پھولوں اور پھلوں کے پودے انھیں مستی اور سرور کا پیغام دے رہے ہیں۔ ایران میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں کی زمین کے نیچے ایسے بیج بھر دیئے ہیں جو برف کے نیچے دبے دبے نشو و نما پاتے رہتے ہیں اور جب برف پگھل کر بہہ جاتی ہے تو سارا ملک گل و گلزار نظر آتا ہے۔ اِس گل و گلزار سے سارا ملک خوشی مناتا ہے۔ جس دن اُن کے یہاں سورج کی پہلی گرم کرن پڑتی ہے وہ دن اُن کی اجتماعی خوشی کا دن ہوتا ہے۔ اِس دن کا انھوں نے "نوروز" رکھا ہے۔ نوروز اُن کے تیوہار کا دن ہے۔ دنیا کے ٹھنڈے ملکوں میں تیوہار کی نوعیت اسی نوروز سے ملتی جلتی ہے۔

اُوپر کی دو مثالوں سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ اجتماعی خوشی سے تیوہار کی بنیاد کس طرح پڑتی ہے۔ اسی طرح دوسرے تیوہار ہیں مضمون طویل نہ ہو جائے اِس ڈر سے اب ہم دوسرے تیوہاروں پر تبصرہ سرسری کریں گے۔

بعض تیوہار ملک اور قوم کے کسی ہیرو کی یاد میں منائے جاتے ہیں۔ اس کی بہترین مثال رکچھند

کا ایک کارنامہ ہے ۔ کہتے ہیں کہ جب رام چندر جی اپنی بیوی سیتا جی کے ساتھ چودہ برس کا بن باس گزار رہے تھے تو وہ ندیاں جل پار کر کے دکن کے جنگلوں میں بھی پہنچے ۔ لنکا کا راجہ راون سیتا جی کو اُٹھا لے گیا ۔ رام چندر جی نے راون سے جنگ کی ۔ راون کو مارا ۔ سیتا جی کو واپس لائے ۔ دسہرے کا تیوہار اسی یادگار میں منایا جاتا ہے ۔

اسی طرح جنم اشٹمی کا تیوہار منایا جاتا ہے ۔ یہ تیوہار شری کرشن جی کی یاد میں اُن کے جنم دن کے طور پر منایا جاتا ہے شری کرشن جی کورو پانڈو کی جنگ کے ہیرو ہیں ۔ اُن کا ایک کارنامہ اور ہے ۔ اُنھوں نے بھارت کے مشہور ظالم کنس کو مار کر رعایا کو اُس سے نجات دلائی ۔ اُن کی نصیحتوں کی ایک کتاب گیتا ہے جو الہامی کتاب کہی جاتی ہے ۔

اِس طرح کے تیوہاروں میں جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ خوشیاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت ہوئی ہیں وہ اپنے عقیدوں کے مطابق خدا کا شکر ادا کرتے ہیں ۔ اس دن اچھے کپڑے پہننا ، اچھا کھانا کھانا ، مختلف طرح کے ذوق کی تکمیل کرنا سارے ہی تیوہاروں کا مشترک ذوق ہے ۔

اِسلامی تیوہار سال میں صرف دو ہیں ۔ ایک عیدالفطر ، دوسرا عیدالضحیٰ ۔ یہ کسی آزادی ، کسی فتحیابی ، کسی فصل کے حاصل کرنے یا کسی دنیاوی کامیابی پر نہیں منائے جاتے ۔ اِن کی بنیاد دوسری ہے ۔

مسلمان عیدالفطر کا تیوہار ماہ رمضان کے بعد یکم شوال کو مناتے ہیں ۔ رمضان میں پروردگارِ عالم نے اپنے بندوں کو اپنی وہ اعلیٰ ترین نعمت عطا فرمائی جس کا نام قرآن مجید ہے ۔ قرآن مجید حق و باطل کے فرق کو بتاتا ہے ۔ انسان کو انسان بننے کے اصول دیتا ہے ۔ وہ اصول جن کو پا کر انسان اپنے رب کو خوش کر سکتا ہے ، جنت جیسی نعمت پا سکتا ہے ۔ بتائیے اس سے زیادہ انسان کو اور کیا چاہیئے ۔ اس نعمت کے پانے کی خوشی میں اللہ کا بندہ اپنے نفس کو اللہ کی طرف رجوع کرنے کے لئے روزے رکھتا ہے اور جب اِس تربیت اور ٹریننگ سے نکلتا ہے تو سمجھتا ہے کہ یہ ٹریننگ اور تربیت بھی اللہ ہی کی توفیق سے حاصل کی تو رمضان کا مہینہ ختم ہوتے ہی اپنے محسن کے آگے ماتھا رکھ دیتا ہے اور اُس کا شکر ادا کرتا ہے ۔ یہ ہے اسلامی تیوہار کی بنیاد

عیدالضحیٰ کے معنی قربانی کی عید کے ہیں ۔ اللہ کو خوش کرنے کے لئے ہر اُس چیز کی قربانی پیش کرنا جو خدا کی محبت میں رکاوٹ بنے ۔ 'حق' سامنے آنے کے بعد اُسے قبول کر لینا ، حق کو حق کہنے اور اُس پر عمل کرنے کے لئے اگر ہمارا نفس راستہ روکے تو اُسے ٹھوکر مار دینا ، اپنی خواہشات کو دبا دینا ، اپنے من کو مارنا ۔ یہ بہت بڑی قربانی ہے ۔

غلط عقیدے، باپ دادا کے زمانے کی بُری رسمیں، ذات برادری کے تعلقات، دھن، دولت، وطن، بیوی اور بیٹے کی محبت، یہ سب حق کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ اِن سب کو ٹھوکر مار دینا آسان کام نہیں ہے۔

اِن ساری قربانیوں کی مثال اگر کوئی پورے طور پر کسی شخصیت میں دیکھنا چاہے تو وہ اللہ کے نبیوں میں دیکھے خصوصیت سے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے حالات میں ہمیں اِس طرح کی ساری قربانیوں کی پوری تصویر ملتی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جس دن "حق" واضح ہوا آپؑ نے بڑھ کر اُسے قبول کرلیا۔ صرف قبول ہی نہیں کرلیا باپ، ما، بھائی، بیوی، برادری، بستی، راجہ، پرجا... سب کو اس کی تلقین بھی کرنے لگے۔ باپ نے ناراض ہوکر گھر سے نکال دیا۔ برادری نے اپنے سماج سے خارج کردیا۔ آپؑ کی ہنسی اُڑائی گئی۔ طرح طرح سے ستایا گیا حتیٰ کہ قوم نے آگ میں ٹھونک دیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے یہ سب گوارا کیا لیکن جو حق سامنے آچکا تھا اُس سے منھ نہ موڑا۔ اِس کے بعد مادر بھومی کی قربانی کا نمبر آیا۔ آنحضرتؑ کو یہ قربانی بھی دینا پڑی۔ آپؑ نے وطن سے ہجرت کی۔ ایک بیوی اور بھتیجے کے ساتھ (جو آپؑ پر ایمان لاچکے تھے) نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھانی جوانی سے بڑھاپے کی منزل میں قدم رکھا۔ اولاد کی تمنا پیدا ہوئی۔ اللہ سے دعا کی کہ پروردگار! میرے بعد اس مشن کو چلانے کے لئے جانشین عطا فرما۔ دعا قبول ہوئی۔ اللہ نے ایک بیوی اور عطا فرمائی۔ دوسری بیوی سے حضرت اسمٰعیلؑ جیسا فرزند ارجمند عطا کیا۔ آپؑ نے بیٹے کی تربیت شروع کی۔ بیٹا ہونہار تھا۔ باپ کی آنکھ کا تارا بن گیا۔

اچانک ایک کٹھن قربانی پیش کرنی پڑی۔ حکم ہوا کہ اپنی سب سے زیادہ محبوب شے کی قربانی کرو۔ آنحضرتؑ نے غور کیا تو سب سے پیاری شے وہی اکلوتا بیٹا اسمٰعیلؑ دکھائی دیا۔ اس کی قربانی دینے کے لئے تیار ہوگئے۔ قریب تھا کہ اپنے ہاتھ سے بیٹے کو قربان کردیں کہ اوپر سے کامیابی کا سرٹیفکیٹ آگیا۔ ابراہیمؑ! تم پاس ہوگئے۔ بیٹے کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔ لو! اس کے بدلے یہ مینڈھا ذبح کرو۔

آج ہم عیدالاضحیٰ کے دنوں میں اس بدلے کے مینڈھے کی قسم کے چند جانوروں کی قربانی کرکے سنّتِ ابراہیمیؑ تو ادا کرتے ہیں لیکن ہم نے دل سے ان تمام قربانیوں کو بھلادیا ہے جو اس عظیم المرتبت رسول نے پیش کی تھیں جس کی سنّت کے طور پر ہم یہ تیوہار مناتے ہیں۔ اللہ تو یہ فرماتا ہے کہ اُسے گوشت اور خون نہیں پہنچتا ہے بلکہ وہ تقویٰ جس کا تعلق تمہارے

دل سے ہے جو اس قربانی کی روح ہے۔ جس شخص نے حج بھی کر لیا، کعبے کی زیارت بھی کر لی، سارے مناسکِ حج ادا کئے، عرفات گیا، منیٰ گیا، رمی جمرات بھی کی، طواف کعبہ کیا، حجر اسود کو بوسہ بھی دیا۔ اسکے بعد واپس آیا لیکن اُس کے اندر وہ جذبۂ ابراہیمی نہ اُبھرا تو وہ اپنی جگہ خوش ہولے کہ حاجی ہو گیا لیکن اُسے یاد رکھنا چاہئے کہ اُسے حج مبرور حاصل نہیں ہوا یعنی وہ حج جو اللہ کو پسند ہے۔

اللہ جس حج کو پسند کرتا ہے وہ وہی ہے جو حاجی مکے سے واپس آکر عمر بھر نبھائے۔ وہ اللہ کی مرضی پر چلنے کے لئے بیقرار رہے چاہے اُس کے گھر والے اُس کے دشمن ہو جائیں، چاہے صاحبانِ اقتدار اُس کا جینا دُوبھر کر دیں، چاہے بستی والے اُسے شہر بدر کر دیں۔ وہ اللہ کے حکم پر عمل کرتا رہے اور دُنیا کے سارے طاغوتوں کا انکار کرتا رہے۔ دنیا کے سارے بناوٹی خداؤں سے لڑ کر جب وہ نکلتا ہے تو اللہ اُسے مسلم کے لقب سے پکارتا ہے جس طرح حضرت ابراہیمؑ کو مسلم کہہ کر پکارا۔ اللہ تعالیٰ یہی توفیق ہم کو بھی دے۔

بقر عید کے دن

نماز دوگانہ واجب

ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو دو رکعت نماز دوگانہ شکر کے طور پر پڑھنا ہر عاقل اور بالغ مرد مسلمان پر واجب ہے لیکن اُن لوگوں پر واجب نہیں جو مسافر ہیں اور اُن پر بھی واجب نہیں جو اتنے بوڑھے اور ایسے بیمار ہیں کہ عیدگاہ یا اُس مسجد تک نہیں جا سکتے جہاں دوگانہ کی نماز ہوتی ہے۔ یہ نماز بستی سے باہر پچھم کی طرف کسی کھُلی جگہ میں پڑھنا سنت ہے۔ عذر شرعی ہو تو بستی کی مسجد میں بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اندھے اور غلام، عورت اور نابالغ پر بھی واجب نہیں۔ دوگانہ کی نماز جماعت سے پڑھنا واجب ہے۔ اگر یہ قضا ہو جائے تو پھر اس کی قضا نہیں ہوتی۔ بقر عید کی نماز اگر ۱۰ تاریخ کو کسی وجہ سے نہ پڑھی جا سکے تو بارہویں تاریخ تک پڑھ سکتے ہیں۔ دوپہر سے پہلے پہلے ہی اِس کا وقت ہے۔

عیدگاہ جانے کی تیاری

بقرعید کے دن شرع کے مطابق اپنی حیثیت کے موافق اپنی آرائش کرنا چاہیئے نہانا مِسواک کرنا، اچھے سے اچھے کپڑے (جو گھر میں ہوں) پہننا، خوشبو لگانا اور جلد سے جلد عیدگاہ جانے کی تیاری کرنا چاہیئے بقرعید کے دن نمازِ دوگانہ سے پہلے کچھ نہ کھایا جائے تو بہت اچھا ہے۔

تیاری کے سلسلے میں جو باتیں بتائی گئی ہیں واجب نہیں ہیں۔ سُنّت ہیں۔ جہاں تک ہو سکے سُنّت پر عمل کریں۔

عیدگاہ جانا

عیدگاہ کے راستے میں بقرعید کے دن بلند آواز سے (چیخ کر نہیں) یہ تکبیر پڑھتے رہنا چاہیئے:۔

اَللّٰہُ اَکْبَر۔ اَللّٰہُ اَکْبَر۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ وَاللّٰہُ اَکْبَر۔ اَللّٰہُ اَکْبَر۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْد

(اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اور اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اور تمام تعریف اور شکر اللہ ہی کے لئے ہے)

عیدگاہ پہنچ کر

عیدگاہ پہنچ کر جہاں جگہ ملے خاموش بیٹھنا چاہیئے۔ اگلی صفوں میں بیٹھنا اور نماز پڑھنا افضل ہے لیکن لوگوں کو پھلانگ کر آگے جانا ٹھیک نہیں۔ کچھ لوگ دوگانہ کی نماز سے پہلے نفل نماز یا فجر کی قضا پڑھتے ہیں۔ ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ دوگانہ کی نماز سے پہلے نفل یا قضا کوئی نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے۔

عام نمازوں اور نمازِ دوگانہ میں فرق

دوگانہ اور دوسری نمازوں کے پڑھنے میں یہ فرق ہے کہ دوگانہ کی نماز میں حنفی فقہ کی رو سے مزید چھ تکبیریں اور دوسرے اماموں کی فقہ میں مزید گیارہ تکبیریں پکاری جاتی ہیں۔ اور دوگانہ کی نماز کے بعد خطبہ دیا جاتا ہے۔ اِس خطبہ میں امام بیچ بیچ میں تکبیریں پڑھتا جاتا ہے۔ اوّل خطبے میں نو بار اور دوسرے خطبے میں سات بار۔ دوگانہ کی نماز کے لئے اذان اور اقامت نہیں کہی جاتی۔

خطبے کے دوران بات کرنا یا کوئی نماز پڑھنا حرام ہے۔

قربانی بقرعید کے دنوں میں قربانی کرنا ہر اُس شخص پر واجب ہے جس کے پاس بقرعید کے دنوں (دس گیارہ بارہ تاریخوں میں) اتنا مال ہو جائے جس پر زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔ واجب کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایسا شخص قربانی نہ کرے گا تو بہت بڑا گناہگار ہوگا۔ مسافر اور بچوں پر قربانی واجب نہیں (چاہے وہ کتنے ہی مالدار ہوں)۔

قربانی کا ثواب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قربانی کے دنوں میں کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو قربانی سے زیادہ پسند نہیں۔ اِن دنوں میں یہ نیک کام ساری نیکیوں سے بڑھ کر ہے۔ قربانی کرتے وقت یعنی جانور کو ذبح کرتے وقت اِس کے خون کا جو قطرہ زمین پر گرتا ہے تو زمین تک پہنچنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ اُسے قبول فرما لیتا ہے۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قربانی کے جانور کے بدن پر جتنے بال ہوتے ہیں ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔

قربانی کے دن اور وقت قربانی کے دن ذی الحجہ کی دس، گیارہ اور بارہ تاریخیں ہیں۔ دسویں تاریخ کو قربانی کرنا افضل ہے۔ قربانی نماز کے بعد کرنا چاہئے۔ نماز سے پہلے اُنہی لوگوں کے لئے اجازت ہے جو دیہات میں رہتے ہیں اور شہر کی عیدگاہ میں نماز پڑھنے آتے ہیں۔ شہر اور قصبہ کے رہنے والے پہلے نہیں کر سکتے۔ قربانی بارہویں تاریخ تک سورج ڈوبنے سے پہلے ہی ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد قربانی کے دن ختم ہو جاتے ہیں۔ ان دنوں میں دن ہو یا رات، قربانی کر سکتے ہیں۔ لیکن اندھیرے میں قربانی نہ کرنا چاہئے۔ یہ دیکھنا ضروری ہے کہ قربانی ٹھیک سے ہوئی یا نہیں اور وہ رگیں کٹ گئیں یا نہیں جن کا کٹنا ضروری ہے۔

قربانی اپنے ہاتھ سے کرنے کا بڑا ثواب ہے۔ اگر کوئی اپنے ہاتھ سے نہیں کر سکتا تو کسی دوسرے سے ذبح کراتے وقت دیکھتا رہے۔ اگر ذبح کرنے کی جگہ پردے کا انتظام نہ ہو تو عورت وہاں کھڑی نہ ہو۔ ہٹ جائے۔ کچھ حرج نہ ہوگا۔

قربانی کی نیت اور طریقہ قربانی کی نیت کر کے جانور کو قبلہ رُخ لٹا دینا چاہئے۔ پھر یہ دعا پڑھنا چاہیے :-

اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ o اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ، اَللّٰھُمَّ لَکَ مِنْکَ ،بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔

مت کرنے میں اتنا کافی ہے کہ دل میں ارادہ کرلے ۔ دعا یاد نہ ہو تو صرف بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَر کہے۔ بسم اللہ اللہ اکبر کہہ ذبح کرد ... ے۔ ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھی جائے :

... ھُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّیْ کَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ خَلِیْلِکَ اِبْرَاھِیْمَ وَحَبِیْبِکَ مُحَمَّدٍ ... ھِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ۔

قربانی کا جانور بکری، بکرا، بھیڑ، دنبہ، گائے، بھینس، بھینسا، اونٹ، اونٹنی۔ بس ان جانوروں کی قربانی جائز ہے۔ اس کے علاوہ اور کسی جانور کی قربانی درست نہیں۔ اگر بکری، بکرا، بھیڑ، دنبہ کرنا ہو تو ایک شخص ان میں سے ایک جانور کرے۔ گائے، بیل، بھینس، بھینسے میں سات حصے دار بھی ہو سکتے ہیں لیکن اس شرکت میں یہ ضروری ہے کہ ساتوں حصے برابر ہوں اور سب کی نیت قربانی کی ہو یا کسی حصے دار کی نیت عقیقے کی۔ اگر کسی شریک کا حصہ کم ہوگا تو سارے شریکوں کی قربانی ٹھیک نہیں ہوگی۔

اگر بڑا جانور ایک ہے اور قربانی میں شریک ہونے والے کم ہیں تو بھی حصے سات ہی لگیں گے۔ کوئی شریک کئی کئی حصے لے لے۔ سات آدمیوں سے زیادہ شریک ہوں گے تو کسی کی قربانی قبول نہ ہوگی۔

کلّہ اور پائے تقسیم کرنے میں سات حصے کرنے میں زحمت ہوتی ہے تو اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ آپس میں سمجھوتہ کرلیا جائے۔ کچھ لوگ ان میں سے کلّہ یا پائے لے لیں اور اس کے بدلے دوسرے کو گوشت دے دیں۔ کھال کے لئے زیادہ اچھا یہ ہے

کہ کسی مستحق کو دیدی جائے یا ذبح کرکے قیمت دیدی جائے۔ یہ کھال یا اُس کی قیمت حقدار غریب کو دینا چاہیئے۔ حقدار وہ غریب جو زکوٰۃ لینے کا حقدار ہو۔ کھال کی قیمت کسی مسجد کی مرمت یا کسی نیک کام میں لگانا ٹھیک نہیں ہے۔ یہ ہر حال میں خریدار کو ہی ملنا چاہیے

نوٹ:۔ اگر قربانی کرنے والا شخص کھال اپنے کام میں لائے جیسے مشک یا ڈول یا جانماز بنانا چاہے تو ہو سکتا جائز ہوگا۔

✤ گوشت، چربی، چھیچھڑے، ہڈی قصائی کو مزدوری میں نہ دے اور نہ صدقہ دے بلکہ مزدوری الگ سے دینا چاہیئے۔ اگر کا جانور رسّی اور جھول سمیت خریدا ہے تو یہ بھی خیرات کردے۔

✤ بکرا، بکری، بھیڑ، دُنبہ سال بھر کا ہونا چاہیئے تب ہی اُس کی قربانی ہوسکتی ہے۔ یا پھر یہ اتنے تگڑے ہوں کہ سال بھر کے معلوم ہوتے ہوں۔ گائے، بیل، بھینس، بھینسے دو برس کے ہونے چاہئیں اور اُونٹ، اونٹنی کی عمر پانچ سال کی ہو۔

✤ ناقص جانور کی قربانی جائز نہیں۔ ناقص کا مطلب یہ ہے کہ اُس میں کوئی عیب ہو جیسے اندھا ہو، کانا ہو۔ اُس کی ایک آنکھ کی تہائی یا اُس سے زیادہ روشنی جاتی رہی ہو، یا دُم اور ایک کان تہائی یا تہائی سے زیادہ کٹا ہوا ہو۔ یا جانور ایسا لنگڑا تین پاؤں سے چلتا ہو۔ چوتھا پیر بیکار ہو۔ اگر چلتے وقت چوتھا پیر ٹیک سکتا ہو تو ایسا لنگڑا جانور ٹھیک مانا جائے گا۔ ایسا مریل جا جو ہڈیوں اور کھال کا ڈھانچہ ہو قربانی کے لئے جائز نہیں۔

✤ جس جانور کی قربانی جائز ہے اُس کے سینگ تھے لیکن جڑ سے اُکھڑ گئے تو یہ جانور بھی ناقص ہوگیا۔ اِس کی قربانی نہیں ہوسکتی۔ سینگ ٹوٹ جانے سے جانور ناقص نہیں مانا جائے گا۔ یا جانور کی پیدائش ہی سے سینگ نہیں ہیں تو بھی ناقص نہ ہوگا اس کی قربانی ہوسکتی ہے۔

قربانی کا گوشت

قربانی کا گوشت ہر مسلمان کھا سکتا ہے۔ قربانی کرنے والے کو چاہیئے کہ خود کھائے، اپنے رشتہ داروں دوستوں اور محلّے والوں کو بھی دے۔ غریبوں کو بھی بانٹے۔ غریبوں کو قربانی کے گوشت کا کم سے کم ⅓ حصّہ (تہائی) دینا چاہیئے مگر اگر تہائی سے کم غریبوں کو پہنچے گا تو بھی گناہگار نہ ہوگا۔ ویسے غریب ⅓ کے حقدار ہیں۔ قربانی کا گوشت مالدار غیر مسلم کو بھی دیا جاسکتا ہے اور غریب غیر مسلم کو بھی۔ **نوٹ** ✤ جس نے قربانی کرنے کی منت مانی پھر وہ کام پورا ہوگیا جس کے واسطے

منت مانی تھی تو اب قربانی کرنا واجب ہے۔ ایسا شخص چاہے مالدار ہو چاہے نہ ہو۔ منت کی قربانی کا سارا گوشت حقدار لوگوں میں تقسیم کر دے۔ نہ خود کھائے نہ کسی امیر آدمی کو دے۔ اگر خود کھا لیا یا کچھ کسی مالدار کو دے دیا تو اتنا ہی گوشت پھر خیرات کرنا پڑیگا۔

+ اسی طرح کوئی مرنے والا وصیت کر گیا ہو کہ میرے ترکے میں سے میری طرف سے قربانی کر دی جائے اور اُس کی وصیت پر اُس کے چھوڑے ہوئے مال سے قربانی کی گئی تو اس قربانی کا سارا گوشت خیرات کرنا ہوگا۔ اِس گوشت کے مستحق بھی غریب لوگ ہیں۔

حج

حج کا فرض ہونا

حج کے معنی ہیں زیارت کرنا۔ درشن کرنا۔ اسلامی شریعت میں حج اُن عبادتوں کے مجموعے کا نام ہے جو مکہ معظمہ، منیٰ اور عرفات میں ذی الحجہ کی ۹۔ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲ تاریخوں میں اللہ کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سکھائے ہوئے طریقے پر ادا کی جاتی ہیں۔ یہ حج ہر اُس عاقل و بالغ مسلمان پر زندگی میں ایک بار فرض ہے جس کے پاس ضرورت سے زیادہ اتنی رقم ہو کہ وہ مکہ معظمہ تک جانے اور واپس آنے کے خرچ کے لئے کافی ہو۔

ضرورت کا مطلب یہ ہے کہ جتنے دن حج میں لگیں اُتنے دنوں کے لئے گھر پر کھانے پینے وغیرہ کا سامان موجود ہو تاکہ بال بچے اپنی ضرورتیں پوری کر سکیں اور قرض ہو تو وہ بھی ادا ہو جائے۔

حج کا ثواب

قرآن اور حدیث میں حج کا بہت زیادہ ثواب بتایا گیا ہے۔ حضرت عمرو ابن العاص جب مسلمان ہونے کے لئے حضور کے پاس گئے تو آپ نے اُن سے جو فرمایا اُس میں ایک بات یہ بھی ہے کہ حج کرنے سے پچھلے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو حج گناہوں اور خرابیوں سے پاک ہو (یعنے حج مبرور) اُس کا بدلہ جنّت ہی ہے۔ ایک اور حدیث میں حج کے ساتھ عمرہ کا بھی بہی ثواب بتایا گیا ہے۔ حج کے دنوں کے علاوہ احرام باندھ کر جو زیارت کعبہ کی جاتی ہے

اُسے عمرہ کہتے ہیں۔ فرمایا: حج اور عمرہ دونوں ملکے دونوں گناہوں کو اس طرح دور کرتے ہیں جیسے بھٹی لوہے کے میل کو دور کر دیتی ہے۔

نوٹ:۔ عمر میں ایک بار حج فرض ہے۔ اگر ایک کے بعد اور بھی حج کئے جائیں تو وہ نفل ہونگے۔ ان کا بھی بڑا ثواب ہے۔

- بالغ ہونے سے پہلے حج فرض نہیں۔ اگر کسی لڑکے یا لڑکی نے بالغ ہونے سے پہلے حج کیا تو بالغ ہو کر فرض حج ادا کرے۔
- اندھے شخص پر حج فرض نہیں ہے چاہے وہ کتنا ہی مالدار ہو۔
- عورت مالدار ہے لیکن اگر اُس کے ساتھ محرم نہیں ہے تو اُسے حج کیلئے نہ جانا چاہئے محرم کے بغیر جائیگی تو حج قبول نہ ہوگا۔
- محرم اگر بے دین ہے اور اُس کے چال چلن پر اطمینان نہیں ہے تو اُس کے ساتھ بھی حج نہ کرے۔
- قابلِ اطمینان محرم ملنے پر اُسے ساتھ لے جائے تو اُس کا خرچ عورت پر واجب ہے۔
- اگر ساری عمر عورت کو محرم نہ مل سکے تو بھی حج کو اکیلی نہ جائے۔ وصیت کر جائے کہ اُس کے لئے حج بدل کرا دیا جائے۔ حج بدل یہ ہے کہ اُس کے مال سے اُس کے ورثاء کسی شخص کو حج کرنے بھیجدیں۔ اگر عورت کے چھوڑے ہوئے مال کے حصے میں خرچ پورا نہ ہوتا ہو تو پھر اُس کی وصیت پر عمل نہ کرنے سے ورثاء پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ورثاء باقی رقم اپنے پاس سے پوری کر دیں نابالغ وارث کے حصے میں سے رقم نہیں لی جا سکتی۔
- کسی شخص پر حج فرض ہو گیا لیکن وہ شخص (مرد یا عورت) اندھا ہو گیا اُس کو بھی چاہئے کہ حج بدل کے لئے کسی کو بھیجدے۔
- اگر کوئی عورت عدت کے دن گزار رہی ہے اور اُس پر حج فرض ہے تو وہ عدت گزار کر حج کو جائے۔

حج نہ کرنے پر:۔ کسی پر حج فرض ہے اور وہ نہ کرے تو اُس کے لئے بڑا عذاب ہے۔ ایک حدیث میں تو ایسے شخص کے لئے بڑی سخت بات آئی ہے۔ فرمایا کہ جس شخص کے پاس کھانے پینے اور سواری کا اتنا سامان ہے جس سے وہ بیت اللہ شریف تک جا سکے اور پھر وہ حج نہ کرے تو وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے، اللہ کو اس کی کچھ پروا نہیں۔ ایک اور حدیث میں فرمایا کہ حج کو چھوڑ دینا اسلام کا طریقہ نہیں۔

حج کی ضروری باتیں:۔ ہمارے ملک سے عام طور پر لوگ بحری یا ہوائی جہاز سے حج کرنے جاتے ہیں بحری جہاز

ے جانے والوں کے راستے میں ایک پہاڑ پڑتا ہے۔ اس کا نام یلم لم ہے جو یمن میں ہے اور مکہ معظمہ سے دکھن کی طرف ہے۔ جب اِس
س سے جہاز گزرتا ہے تو اعلان ہو جاتا ہے کہ حاجی احرام باندھ لیں۔ اِس اعلان کے ہوتے ہی احرام باندھ لینا چاہیئے۔ احرام
مردوں کے لئے بغیر سلی ہوئی دو چادریں ہیں۔ ایک کا تہمد باندھ لیں اور دوسری اس طرح اوڑھ لیں کہ داہنا کندھا کھلا رہے
و بایاں کندھا ند۔ طریقہ یہ ہے کہ ایک دامن بائیں کندھے پر ڈال کر پیچھے سے داہنی بغل میں کرتے ہوئے دوسرا دامن پھر بائیں کندھے
پر ڈال لیں۔ سر بالکل کھلا رہے۔ اب اسی حالت میں ساری عبادتیں ہوں گی۔ اگر حج کے دنوں میں زیادہ عرصہ ہو تو صرف عمرہ کریں۔ مکہ
پہنچ کر زیارت کی شرطیں ادا کر کے احرام کھول دیں اور حج کے دنوں میں پھر باندھیں۔ عورتوں کا احرام یہ نہیں ہے۔ وہ اپنے کپڑے پہنے
رہیں۔ وہ سر پر صرف ایک رومال باندھ لیں اور چہرہ کھول دیں احرام کی حالت میں یہ دعا بار بار پڑھیں۔ مرد بلند آواز سے پڑھیں،
عورتیں کم آواز سے:

لبيك اللّٰهم لبيك لا شريك لك لبيك إن الحمد والنّعمة لك والملك
لا شريك لك (میں حاضر ہوں۔ اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی ساجھی نہیں۔ میں حاضر ہوں۔ تعریف تیرے
لئے ہے، نعمتیں تو نے ہی دی ہیں۔ بادشاہی تیری ہی ہے۔ تیرا کوئی ساجھی نہیں)

اس طرح کہنے کو تلبیہ کہتے ہیں۔

جدہ کے ساحل پر اُتریں تو یہاں اپنا معلّم چن لیں۔ جدہ سے مکہ معظمہ جا کر کعبے کا طواف کریں۔ طواف میں سات چکّر لگاتے ہیں۔ حجرِ اسود والے کونے سے طواف شروع کریں۔ جو دعا یاد ہو پڑھتے جائیں۔ ویسے معلّم کا آدمی خود طواف کرا دے گا اور سب بتا دے گا۔ طواف کے بعد صفا مروہ کے درمیان سات بار دوڑیے۔ اِس کا طریقہ بھی معلّم کا آدمی بتا دیگا۔ اس کو 'سعی' کہتے ہیں۔ سعی کے بعد سر منڈائیں اور احرام کھول دیں۔ کپڑے پہن لیں۔ عورتیں اپنی چوٹی کے انگل دو انگل بال کاٹ دیں۔ سر سے رومال کھول دیں اور چہرہ ڈھانپ لیں۔ مکہ معظمہ میں معلّم اپنے اپنے حاجیوں کے ٹھہرنے اور حج کرانے کا انتظام کرتے ہیں۔

مکہ معظمہ میں جہاں تک ہو سکے کعبے کا طواف زیادہ سے زیادہ کریں۔ طواف کے بعد مقامِ ابراہیمؑ پر دو رکعت نماز بھی پڑھا کریں۔ پاس ہی زمزم کا کنواں ہے۔ اس کا پانی بھی خوب پئیں۔

مکہ پہنچنے پر اگر حج کے دن شروع ہونے میں دو ایک دن باقی ہوں تو چاہیں تو ایک دو دن کے لئے احرام کھول دیں اور

چاہیں تو یلملم ہی سے حج کی نیت کرلیں اور مکہ پہنچ کر احرام باندھے رہیں اور حج کرلیں۔

نوٹ:۔ چونکہ حاجی مدینہ منورہ جانے کے لئے بے چین رہتے ہیں اس لئے حج سے زیادہ دنوں پہلے مکہ پہنچنا ہو تو پھر یلملم پر احرام نہ باندھیں۔ جدّے سے مدینے چلے جائیں اور جب مدینے سے مکہ میں داخل ہونے کی نیت کر تو وہیں سے احرام باندھ کر چلیں۔

حج کے دن

۸ ذی الحجہ کو سورج نکلنے کے بعد مکہ معظمہ سے حج کے لئے چل دیتے ہیں۔ چلنے سے پہلے اپنے معلّم سے ہدایات ضرور لیں۔ سواری پر جانا ہو تو اُس سے کہہ دیں کیونکہ وہ اپنے حاجیوں کو سہولت پہنچانے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ مکہ معظ سے چل کر منیٰ میں اپنے معلّم کے کیمپ میں ٹھہریں۔ رات وہیں بسر کریں۔ دوسرے دن ۹ ذی الحجہ کو سورج نکلنے کے بعد عرفات روا ہو جائیں۔ حج کے لئے عرفات میں ٹھہرنا فرض ہے چاہے کچھ ہی دیر ٹھہریں۔ یہاں دل لگا کر نماز پڑھتے رہیں۔ قرآن پڑھتے رہ یادِ خدا کرتے رہیں۔ ظہر ابھی نہ پڑھیں۔ عصر کا وقت آتے ہی ظہر اور عصر کی فرض نماز پڑھیں۔ مغرب کے وقت عرفا سے منیٰ کو واپس ہوں۔ مغرب کی نماز یہاں نہ پڑھیں۔

عرفات اور منیٰ کے درمیان ایک مقام مزدلفہ پڑتا ہے۔ رات کو مزدلفہ آکر ٹھہریں۔ مغرب اور عشا کی فرض نماز یہیں ایک ساتھ پڑھیں۔ دونوں نمازوں کے درمیان سنت و نفل نہ پڑھیں۔ صبح فجر کی نماز کے بعد منیٰ کو چل دیں۔ وہاں سے منیٰ سامنے ہی تھوڑی دور پر نظر آتا ہے۔ بیچ میں محسر کی وادی ہے۔ اس وادی میں ابرہہ کے لشکر پر ابابیلوں کا عذاب نازل ہوا تھا جس کا تذکرہ سورہ فیل میں ہے۔ اس وادی سے جلد گزر جائیں۔ یہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اگر مزدلفہ سے پیدل چلیں تو آرام سے آدھ گھنٹے میں منیٰ میں پہنچ جائیں گے۔ منیٰ پہنچ کر سب سے پہلے آخری جمرہ کی رمی کو کنکر مارنے جائیں۔ سات کنکری ایک ایک کر کے ماریں۔ جمرہ کے سامنے کھڑے ہو کر داہنے ہاتھ کے انگوٹھے اور کلمہ کی انگ سے کنکری پکڑیں اور بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ماریں۔ کنکری مار کر لبیک کہنا بند کر دیں۔ اب قربانی کریں۔ قربانی کے لئے جگہ خاص ہے وہاں جائیں اور جو جانور پسند کریں خرید لیں اور قربانی کریں۔ اس سے فارغ ہو کر سر منڈائیں۔ عورتیں اپنی چوٹی کے انگل دو انگل بال کاٹ دیں۔ نہانے کی سہولت ہو تو نہالیں اور احرام اتار دیں۔ کپڑے پہن لیں۔ عورتیں سر سے رومال کھول لیں اور چہرہ چھپا لیں

زیادہ اچھا یہ ہے کہ اسی دن مکہ معظمہ جا کر کعبے کا طواف کر لیں اور اسی دن واپس آ جائیں۔ دوسرے روز یعنی ۱۱ ذی الحجہ کو ظہر کی نماز کے بعد رمی جمرات کے لئے جائیں۔ چنے کے برابر ۲۱ کنکریاں ساتھ لیں۔

جمرہ ۱ کے پاس پہنچیں تو ایک ایک کر کے سات کنکریاں اُس کے ماریں۔ خیال رکھیں کہ کنکریاں اُسے لگ جائیں۔ اس کے بعد پھر آگے بڑھیں۔ جمرات ۲ کو بھی سات کنکریاں ماریں۔ پھر آگے بڑھیں۔ جمرات ۳ کے پاس پہنچیں۔ اُسے بھی سات کنکریاں ایک ایک کر کے ہی ماریں۔ اِسی کو رمی جمرات کہتے ہیں۔ رمی جمرات کے وقت دل میں یہ خیال جمائیں کہ ہم شیطان کو مار رہے ہیں۔ رمی جمرات کا اصل مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ کے سامنے شیطان سے نفرت کرتے ہیں اور یہ وعدہ کرتے ہیں کہ زندگی بھر شیطان سے دور رہیں گے اور اللہ ہی کے حکموں پر چلنے کی کوشش کریں گے۔

اسی طرح رمی جمرات ۱۱ ذی الحجہ کو بھی ہوگی اور ۱۲ ذی الحجہ کو بھی۔ ان تین دنوں (۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ) میں کسی دن مکہ پہنچکر طوافِ کعبہ ضرور کر لینا چاہئے۔ زیادہ اچھا یہ ہے کہ پہلے ہی دن فراغت حاصل کر لیں۔ اس طواف سے حج مکمل ہو گیا۔ تین دن منیٰ میں ٹھہر کر مکہ معظمہ واپس آئیں۔ اب جتنے دن مکہ معظمہ میں ٹھہریں خوب طواف کریں۔ عبادتیں کریں۔ اللہ توفیق دے تو کچھ عمرے بھی کر لیں۔

مدینے کی حاضری

مدینہ منورہ میں جانا حج میں شامل نہیں ہے لیکن وہ کون ایسا مسلمان ہے جو مکہ معظمہ تک جائے اور پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر نہ جائے۔ پھر پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مکہ تک آئے اور مدینہ نہ آئے اُس نے مجھ پر ظلم کیا۔ اب بتائیے اتنا بڑا سفر کر کے جائیں اور مدینہ میں حاضری نہ دیں۔ یہ تو بڑی بدنصیبی ہے۔ مدینہ جانے کا انتظام بھی معلم کرتا ہے۔ اب مدینہ جانا بہت آسان ہو گیا ہے۔ چند گھنٹوں میں بس یا ٹیکسی سے پہونچ جاتے ہیں۔ یہاں دس دن ٹھہرنے کی اجازت ملتی ہے۔ ۵۵ وقت کی نمازیں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ یہاں مسجدِ نبوی میں زیادہ سے زیادہ وقت گزارئیے۔ مسجد کے اندر ہی ایک حجرہ ہے۔ اس میں حضورؐ کی قبر شریف ہے۔ اسی حجرے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی بھی قبریں ہیں۔ یہی حجرہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کا گھر تھا۔ پیارے رسولؐ نے اسی حجرے میں وفات فرمائی تھی۔ پیارے رسولؐ کے شیدائیوں کو چاہئے کہ اس کے سامنے کھڑے

ہو کر حضورؐ پر درود و سلام بھیجیں۔

مدینے کی کھجوریں بہت مشہور ہیں۔ اللہ توفیق دے اور پاس پیسہ ہو تو یار دوستوں اور رشتہ داروں کو تحفہ دینے کے لئے کھجوریں خرید لیجئے۔ پیارے رسولؐ کے گھر کا یہ بڑا عمدہ تحفہ ہے۔ دس دن کے بعد مکہ واپس آئیے۔ پھر جب جہاز روانہ ہو آخری طواف کر کے روانہ ہو جائیے۔ دعا کیجئے کہ اللہ پھر یہ دن نصیب کرے۔ آمین۔

خطبۂ حجۃ الوداع

نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے آخری حج کا خطبۂ مبارک

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہونے کے تیرہویں سال ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے آئے تھے۔ اس کے بعد دس برس ہو گئے آپؐ نے کوئی حج ادا نہیں فرمایا۔ ۱۰ھ میں آپؐ نے حج کا ارادہ فرمایا۔ مسلمانوں کو یہ خبر ہوئی تو حضورؐ کے ساتھ حج کرنے کے شوق میں چاروں طرف سے حج کو چلے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ لگ بھگ ایک لاکھ مسلمان عرفات کے میدان میں جمع ہو گئے۔ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا جامع خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اسلام کی بنیادی باتوں کے ساتھ تمام اسلامی باتیں سمیٹ کر سمو دیں۔ یہی خطبہ حضورؐ کے آخری حج کا خطبہ ہے۔ اس خطبہ میں آپؐ نے یہ پیشین گوئی بھی فرمائی کہ یہ آپؐ کا آخری حج ہے۔ یہ پیشین گوئی حرف بحرف ٹھیک ثابت ہوئی۔ حج کے بعد آپؐ کا انتقال ہو گیا۔ اسی لئے یہ خطبہ حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔ یہ خطبہ آپؐ نے اپنی سواری کی اونٹنی "قصواء" پر سوار ہو کر فرمایا تاکہ سارا مجمع آپؐ کو دیکھتا رہے۔ آپؐ نے اللہ کی تعریف کے بعد فرمایا:-

○ اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ نہیں وہ ایک ہے۔ کوئی اس کا ساجھی نہیں اس نے اپنا وعدہ پورا فرما دیا۔ اس نے اپنے بندے (یعنی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی اور اس ایک (اللہ) نے سارے (باطل) گروہوں کو شکست دی۔

○ لوگو! میری بات سنو۔ میں نہیں سمجھتا کہ اب پھر ہم تم اس طرح ایک جگہ اکٹھا ہو سکیں گے۔

ی وہ بیتیں گوئی ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا)

○ لوگو! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اے انسانو! اللہ نے تم سب کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تم کو گروہوں اور قبیلوں میں (اس لئے) بانٹ دیا کہ تم الگ الگ پہچانے جا سکو۔ تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ شریف اور بزرگ وہی ہے جو اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والا ہے۔ تو پھر تقویٰ کے ساتھ نہ کسی عرب کو کسی عجمی پر برائی حاصل ہے۔ نہ کسی عجمی کو کسی عرب پر۔ نہ کالا گورے سے افضل ہے نہ گورا کالے سے۔"

تمام لوگ آدم سے پیدا کئے گئے ہیں اور آدم مٹی سے۔ خبردار! اب برتری کے سارے دعوے، خون اور مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے روندے جا چکے۔ صرف کعبہ کی تولیت (متولی ہونا) اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمات ویسی کی ویسی رہیں گی جس حال میں ہیں۔ قریش کے لوگو! کہیں ایسا نہ ہو کہ خدا کے سامنے تم اس طرح آؤ کہ تمہاری گردنوں پر تو دنیا کا بوجھ لدا ہو اور دوسرے لوگ آخرت کا سامان لے کر پہنچیں۔ اور اگر ایسا ہوا تو میں خدا کے سامنے تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔ قریش کے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہاری جاہلیت کا غرور اور باپ دادا کے کارناموں پر تمہارا فخر کرنا ختم کر دیا۔ لوگو! تمہارے خون، تمھارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لئے حرام کر دی گئیں۔ تمہارے لئے ان چیزوں کی حرمت ایسی ہی ضروری ہے جیسی تمہارے اس دن (حج کے دن) کی حرمت ہے، جیسی تمہارے اس مہینے (ذی الحجہ) کی حرمت ہے، اور جیسی تمہارے اس شہر (مکہ) کی حرمت ہے۔ تم سب اللہ کے حضور جاؤ گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھ گچھ کرے گا

○ خبردار! میرے بعد گمراہی کی طرف نہ پلٹ جانا۔ ایک دوسرے کی گردن نہ مارنے لگنا۔ اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ اس بات کا ذمہ دار ہے کہ امانت رکھوانے والے کو امانت پہنچا دے۔

○ لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اپنے غلاموں کا خیال رکھو۔ اپنے غلاموں کا خیال رکھو۔ اپنے غلاموں کا خیال رکھو۔ انھیں وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو۔ ویسا ہی پہناؤ جیسا تم

خود پہنتے ہو۔

- جاہلیت کی ساری باتیں میں نے اپنے پاؤں سے روند ڈالیں۔ جاہلیت کے سارے بدلے ختم کر دئے۔ پہلا بدلہ جو میں ختم کرتا ہوں میرے اپنے خاندان کا ہے۔ ربیعہ بن الحارث کے دودھ پیتے بچے کا خون جس کو بنی ہذیل نے مار ڈالا تھا اب میں معاف کرتا ہوں۔ جاہلیت کے زمانے کے سود کی اب کوئی حیثیت نہیں۔ پہلا سود جسے میں چھوڑتا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب کے خاندان کا سود ہے۔ یہ اب ختم ہو گیا۔
- لوگو! اللہ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا۔ اب کوئی کسی وارث کے لئے وصیت نہ کرے۔
- بچہ اُسی کا کہلایا جائیگا جسکے بستر پر وہ پیدا ہوا ہو جس پر حرام کاری ثابت ہو اُس کی سزا پتھر ہے اور حساب کتاب اللہ کریگا
- جو کوئی اپنا نسب بدلے گا یا غلام اپنے آقا کے مقابلے میں کسی اور کو آقا ظاہر کرے گا اُس پر خدا کی لعنت۔
- قرض ادا کرنا ضروری ہے۔ مانگی ہوئی چیز واپس کرنا بھی ضروری ہے۔ تحفے کا بدلہ دیا جانا چاہیئے اور جو کسی کا ضامن بنے وہ تاوان ادا کرے۔
- کسی کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے کچھ لے سوائے اس کے جس پر اُس کا بھائی راضی ہو اور خوشی خوشی دے۔ لہٰذا اپنے آپ پر ظلم نہ کرو۔
- عورت کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر کا مال اس کی اجازت کے بغیر کسی کو دے۔
- لوگو! تم پر تمہاری عورتوں کے کچھ حقوق ہیں اور اُن پر تمہارے کچھ حق ہیں۔ عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ اپنے پاس کسی ایسے شخص کو نہ بلائیں جسے تم پسند نہیں کرتے۔ اور وہ کوئی خیانت نہ کریں۔ کھلی بے حیائی کا کوئی کام نہ کریں۔ پھر اگر ایسا کریں تو اللہ نے تم کو اجازت دی کہ چھوڑ دو تنہائی میں۔ اور یہ کہ اس طرح پٹائی کرو کہ اُن کے بدن پر نشان نہ پڑنے پائیں۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو انھیں اچھی طرح کھلاؤ پلاؤ۔
- عورتوں سے اچھا سلوک کرو کیونکہ وہ تمہاری نگرانی میں ہیں اور وہ خود اپنے لئے کچھ نہیں کر سکتیں۔ لہٰذا اُنکے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو کیونکہ تم نے اللہ کے نام پر ہی اُن کو پایا ہے اور اللہ ہی کے فرمانوں کی بدولت وہ تمہارے لئے حلال ہوئیں۔

○ میں تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم اس پر قائم رہے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ وہ ہے اللہ کی کتاب (قرآن پاک)۔ خبردار! تم دین میں اپنی طرف سے کچھ بڑھانا نہیں کیونکہ تم سے پہلے کے لوگ دین میں غلو (مزید باتیں اپنی طرف سے بڑھانے) کے باعث ہی تباہ کر دئے گئے۔

○ اب شیطان بالکل ناامید ہو گیا کہ اس شہر میں اس کی بندگی کی جائے۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ اپنے کاموں میں سے جن کاموں کو تم معمولی سمجھتے ہو ان میں اُس سے سمجھوتہ کرلو۔ اسلئے تم دین کے بارے میں اس سے بچو۔

○ دیکھو! اپنے رب کی بندگی کرو۔ اپنی پانچوں وقت کی نماز ادا کرو۔ ایک مہینے (رمضان) کے روزے رکھو۔

○ اپنے اپنے مالوں کی زکوٰۃ خوشی خوشی دو اور اپنے اللہ کے گھر کا حج کرو اور اپنے اہلِ امر کی اطاعت کرو (انشاءاللہ) اپنے رب کی جنت میں داخلہ پاؤ گے۔

○ خبردار! اب ہر مجرم خود ہی اپنے جرم کا ذمہ دار ہے۔ اب کوئی بیٹا باپ کے بدلے میں اور کوئی باپ بیٹے کے بدلے میں نہیں پکڑا جائے گا۔

○ سنو! جو لوگ اس وقت یہاں موجود ہیں وہ اُن لوگوں کو یہ ساری باتیں بتا دیں جو اس وقت یہاں موجود نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ بتانے والے سے سُننے والوں میں کوئی زیادہ سمجھنے اور یاد رکھنے والا ہو۔

○ اور تم سے میرے بارے میں اللہ تعالیٰ پوچھے گا تو تم میرے بارے میں اُسے کیا جواب دو گے؟

لوگوں نے جواب دیا:

"ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے امانت کا حق ادا فرما دیا۔ آپ نے رسالت کا حق ادا فرما دیا۔ اور آپ نے ہماری خیرخواہی فرمائی۔"

یہ سُن کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی کلمے کی انگلی آسمان کی طرف اُٹھائی اور لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین بار فرمایا:

● اے اللہ! گواہ رہنا ● اے اللہ! گواہ رہنا ● اے اللہ! گواہ رہنا

نوٹ: حضورؐ کے اسی خطبے کے یہ جستہ جستہ جملے ہیں۔ ان کو سننے والوں نے یاد رکھا اور دوسروں سے

بیان کیا۔ انھیں یہاں ایک جگہ ترتیب دے دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اس خطبے کا مفہوم ہمارے دلوں میں بٹھا دے اور عمل کی توفیق ادا فرمائے (ادارہ)۔

تیوہاروں میں خواتین کی مصروفیت

تیوہاروں کے دنوں میں ہر گھر والی اگر اپنی ذمہ داری محسوس نہیں کرتی اور سمجھداری سے کام نہیں لیتی تو تیوہار کی خوشی غم و غصہ میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ گھر کے چھوٹے بڑے خوش ہونے کے بجائے ماں باپ سے گلے شکوے کرنے لگتے ہیں۔ روتے پیٹتے ہیں اور تیوہاروں میں خوشی کے ساتھ حصہ نہیں لیتے۔

مرد کا کام یہ ہے کہ وہ گھر کی ضرورتوں اور اپنی آمدنی کو سامنے رکھ کر گھر والی کو خرچ دیدیتا ہے۔ تیوہار آنے پر کوشش کرتا ہے کہ کچھ اور دیدے۔ اس کے بعد عورت کی سوجھ بوجھ پر ہے کہ گھر کی روز کی معمولی ضرورتوں اور تیوہار آنے پر غیر معمولی ضرورتوں سے کس طرح نمٹتی ہے۔

تیوہار کے موقع پر ہر شخص خواہ وہ چھوٹی عمر کا ہو یا جوان اور بوڑھا، چاہتا ہے کہ اچھے کپڑے پہنے، اچھا کھانا کھائے، اچھا پہن کر خوشی منائے۔ اس اچھا پہننے اور کھانے کی دھن میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ قرض لینا پڑتا ہے۔ قرض نہیں ملتا تو گھر کے ہر شخص کو اپنے ارمان کچلنے پڑتے ہیں۔ ارمانوں کے کچلنے پر غصہ گھر کے ذمہ داروں پر اُتارا جاتا ہے۔ اولاد ماں کو پریشان کرتی ہے۔ باپ تو یہ کہہ کر اپنے کو بری کر لیتا ہے کہ بچّو! جو کچھ میری ہڈیوں سے ہو سکا تمہارے لئے کر دیا۔ اب کہاں سے لاؤں۔

پھر یہ کہ وہ کمائی کرنے کے لئے دن بھر گھر سے باہر رہتا ہے۔ گھر کے بچّوں کا واسطہ گھر والی ہی سے پڑتا ہے۔ وہ اسی کے سر ہو جاتے ہیں۔ اس طرح ساری کی ساری ذمہ داری گھر والی پر ہی آجاتی ہے۔ گھر والی سلیقہ مند اور سمجھدار ہوتی ہے تو وہ آنے والے تیوہار پر پہلے سے نظر رکھتی ہے۔ شوہر کی آمدنی کے مطابق بجٹ بناتی ہے اور اس پر سختی سے عمل کرتی ہے۔ بجٹ کے مطابق خرچ کرنے میں گھر والیاں عجیب و غریب طریقوں سے کام لیتی ہیں۔ میری ایک رشتہ دار خاتون کو اللہ تعالیٰ نے ایسی

سوجھ بوجھ دی ہے کہ وہ گھر کے پرانے کپڑوں کو کاٹ چھانٹ کر اور پھر اُنھیں رنگ کر اس طرح کام میں لاتی ہیں کہ اگر اسی قدر کپڑے بنانے پر نئے سرے سے پیسہ خرچ کیا جائے تو اُس گھر کے لئے مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔

تیوہار کے موقع پر گھر کے ہر فرد کے لئے کپڑوں کا بنانا، تیوہار کے موقع پر مہمانوں کا آنا، تیوہار کے موقع پر خود دوسری جگہوں پر جانا، گھر کے بچوں، گھر کے پرجا اور رشتہ داروں کو تحفے اور عیدی کے طور پر پیسے دینا، کھانے پکانے پر صرف کرنا وغیرہ سب گھر والی کے ذمہ ہوتا ہے۔ سمجھدار عورت اس ہنگامی موقع کے لئے پہلے سے تیاری کرتی ہے۔ اس ہنگامی خرچ کو پورا کرنے کے لئے وہ اپنے مرد کی کمائی میں مددگار بنتی ہے۔ سلائی کڑھائی وغیرہ کر کے کچھ کما لیتی ہیں۔ تیوہاروں کے دن کے لئے پہلے سے کبھی کسی بچے کے لئے، کبھی کسی بڑے کے لئے اور کبھی شوہر کے لئے دو دو چار چار میٹر کپڑا لے کر رکھ لیتی ہیں۔ اسی طرح تیوہار کے دن کھانوں کا انتظام بھی وہ پہلے ہی سے کر رکھتی ہے۔ چپکے چپکے جوڑ جوڑ کر رکھتی جاتی ہے۔ تیوہار سے کچھ دن پہلے مشین لے کر بیٹھتی ہے۔ گھر والوں کے کپڑے کاٹتی اور سیتی ہے۔

اس دوران میں سمجھدار گھر والی چھوٹے بڑے تمام بچوں کو یہ تلقین کرتی رہتی ہے کہ اللہ جو کچھ دے، صبر و شکر کے ساتھ اُسے قبول کرنا چاہئے۔ میں نے اپنی اُن رشتہ دار خاتون کو جن کا ذکر اُوپر کیا، عید کے موقع پر بچوں کو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے حالات سُناتے ہوئے پایا۔ وہ زبانی بھی بزرگوں کے قصے سُنایا کرتی ہیں اور بڑے بچے یا بڑی بچّی سے کہتی ہیں کہ کتاب سے پڑھ کر سُنائے۔ چونکہ ماں کی محنت اور دلسوزی بچوں کے سامنے ہوتی ہے اِس لئے میں نے جتنا مطمئن اس گھر کو پایا، تیوہار کے موقع پر امیر سے امیر گھرانے کو نہیں پایا۔

یہ انتظامی باتیں جو اُوپر عرض کی گئیں عام گھر والیوں کے بارے میں ہیں۔ دیندار گھر والیاں اِن انتظاموں سے بڑھ کر کچھ اور کرتی ہیں۔ دیندار خواتین تیوہاروں کے مقصد سے واقف ہوتی ہیں۔ اُنھیں معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص پر خدا اور رسولؐ کی طرف سے یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ تیوہار کے موقع پر اپنے ہی تن کی طرف نہ دیکھے، پاس پڑوس اور محلّے کے غریبوں، بیواؤں اور یتیموں کا بھی خیال رکھے۔ چنانچہ دیندار گھر والیاں کوشش کرتی ہیں کہ جو کپڑا اُنھوں نے اپنے بال بچوں کیلئے اکٹھا کر رکھا ہے اُس میں سے اِس طرح جوڑے بنائے جائیں کہ محلّے کے کسی یتیم کا تن بھی ڈھک جائے۔

ایسی دیندار گھر والیاں محلّے میں اس طرح نمایاں ہوتی ہیں جیسے گلاب کی ٹہنی میں کِھلا ہوا پھول نمایاں ہوتا ہے۔ ایسی

دیندار گھروالیاں جس طرح اپنے بچوں کی ماں ہیں اُسی طرح محلّے کے ہر یتیم بچّے کی بھی۔ میں نے دیکھا ہے کہ جس بچے کا کوئی نہیں ہوتا ہے اُس کی کفالت یہ دیندار خواتین کرتی ہیں۔ وہ غریب جو سلائی پر کپڑے نہیں سِلا سکتے، اُن کے کپڑے سینے کے لئے درزی کی دوکان کے بدلے اِن دیندار گھروالیوں کے پاس جاتے ہیں اور اللہ کی یہ بندیاں راتوں کو جاگ جاگ کر اِن غریبوں کو اللہ کی رضا کا ذریعہ بناتی ہیں۔

تیوہاروں کے موقع پر دراصل دیندار گھروالیوں کا کردار ہی ایک سچے مسلمان کا کردار ہوتا ہے ورنہ جو شخص عام دنوں کی طرح تیوہار کے دن بھی اپنے ہی تن کا خیال رکھتا ہے اُسے سوچنا چاہئے کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے اُس کی ذمہ داری کیا ہے۔ اس موقع پر یہ حکایت ذہن میں ضرور رہنا چاہئے:۔

❁ ایک بار ایک ہی جگہ دو صوفی اپنے اپنے مریدوں کے ساتھ جمع ہو گئے۔ آپس میں باتیں ہونے لگیں تو بات قناعت تک جا پہنچی۔ ایک صوفی نے دوسرے صوفی سے پوچھا: "آپ نے اپنے مُریدوں کو قناعت کا کیا مطلب بتایا ہے؟" اُس نے جواب دیا: "میں نے بتایا ہے کہ اگر اللہ دے تو کھاؤ اور اُس کا شکر ادا کرو اور نہ دے تو صبر کرو۔" یہ سُن کر پہلے صوفی صاحب نے کہا: "ہمارے یہاں تو کتّوں کا بھی یہی طریقہ ہے۔ وہ پاتے ہیں تو کھاتے ہیں نہیں پاتے تو صبر کرتے ہیں۔" پوچھا گیا کہ آپ نے قناعت کا کیا مطلب اپنے مُریدوں کو بتایا ہے۔ فرمایا کہ اللہ دے تو خود بھی کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ اور اگر نہ دے تو بھی اُس کا شکر ادا کرو اور اُس سے صبر کی توفیق طلب کرو۔ دوسرے صوفی نے تسلیم کیا کہ قناعت کا یہی مطلب ہے ❁

قابلِ مبارک باد ہیں وہ گھروالیاں جو اپنی خوشی میں دوسروں کو بھی شریک کرتی ہیں۔ اُن پر اللہ کی رحمت ہو۔

میں جماعتِ اسلامی سے کیسے متاثر ہوا؟

جناب صدرِ مذاکرہ، محترم بزرگو، دوستو، میری ماؤں اور بہنو!

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم۔ آج کے مذاکرے کا عنوان ہے "میں جماعتِ اسلامی سے کیسے متاثر ہوا؟"

۱۹۴۶ء کی بات ہے کہ میں جماعت دہم کا طالبِ علم تھا۔ اُس زمانے میں دینیات ایک لازمی مضمون کی حیثیت سے مدارس میں پڑھائی جاتی تھی۔ اتفاق کی بات ہے کہ اُس وقت جو دینیات داخلِ نصاب تھی وہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کی مرتب کی ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مولانا کو غریقِ رحمت کرے اور اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آپ کی تحریر میں وہ جادو بیانی تھی کہ میں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اُس وقت تک میں مولانا کے نام سے بھی واقف نہ تھا اور یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ موصوف جماعتِ اسلامی کے بانی مبانی ہیں۔ توحید و رسالت، شریعت و تصوف اور صحابہ کرام رضو اور بزرگانِ دین کے حالاتِ زندگی کو اس انداز سے پیش فرمایا ہے کہ اس کے پڑھنے سے اسلامی تصورِ حیات نمایاں اور اُجاگر ہوتا ہے۔ موجودہ گمراہی کے دور میں آپ کا مرتبہ لٹریچر سارے عالم میں اسلام کا صحیح تعارف کرانے میں جو رول ادا کر رہا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ آپ کا یہی وہ اندازِ بیان اور طریقۂ تفہیم ہے جو موجودہ دور کے نوجوانوں کو جو مغربی تعلیم اور مغربی تہذیب و تمدن کے دلدادہ ہیں، اپیل کرنے اور مرکزِ توجہ بننے میں ممد و معاون بنتا جا رہا ہے۔ حال ہی میں ریاض میں جو ادبی نمائش منعقد ہوئی تھی اُس میں تقریباً تین کروڑ ریال کی مالیت کی کتابیں فروخت ہوئی ہیں جن میں سے اکثر کتابوں کے مصنف مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ہی ہیں۔ جماعتِ اسلامی جو نظریۂ حیات متعین کرتی ہے وہ عین اسلامی نظریۂ حیات ہے۔ لہٰذا یوں سمجھئے کہ میں ۱۹۴۶ء سے ہی اس جماعت سے متاثر ہوا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میں ایک تعلیم یافتہ گھرانے میں پیدا ہوا ہوں۔ میرے والد محترم بھی ایک مدرس رہ چکے ہیں۔

اس کے باوجود چونکہ اسلام کا صحیح تصور ہمارے ذہنوں میں نہ تھا اس لئے اسلامی عبادات نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ شرک و بدعت اور نذر و نیاز جیسے خرافات سے میرا خاندان پاک نہ تھا۔ میرے وطن میں آبائی عاشورہ خانہ تھا جس میں ماہ محرم میں عَلَم ایستادہ کئے جاتے تھے۔ سواریاں اٹھتی تھیں۔ میلہ لگتا تھا۔ ڈھول بجتے تھے کھیل و تماشہ ہوتا تھا جس میں مَیں اور پورا خاندان ایک عبادت سمجھ کر شریک ہوتے۔ آج مسلمانوں میں سے چند لوگ مولانا مودودی کو گالیاں دیتے ہیں۔ بے دین کہتے ہیں۔ فرقہ مودودی کے نام سے لعن وطعن کرتے ہیں۔ آپ کی لکھی ہوئی ایک کتاب "رسالہ دینیات" کا ہی کرشمہ دیکھئے کہ میرے عقاید و افکار میں تبدیلی آنی شروع ہو گئی۔ ایک روز میں نے اپنے والد بزرگوار سے صاف صاف کہہ دیا کہ یہ تمام شرک و بدعت کے خرافات جو ہمارے گھر میں چل رہے ہیں خدا اور رسولؐ کے احکام کے بالکل خلاف ہیں۔ یوں وقت اور پیسے کی بربادی تو ہو ہی رہی ہے، اگر ان کو یوں ہی جاری رہنے دیا جائے تو عاقبت کی خیر منانی ہوگی اور آخرت میں ایک بہت بڑے عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اِس پر میرے والد بزرگوار نے فرمایا کہ بیٹا! کب میں اِن کو جائز سمجھتا ہوں۔ اگر ہم عَلَم نہ بٹھائیں گے اور سواریاں نکالنا بند کر دیں گے تو لوگ کیا کہیں گے یہ تو ہمارے دادا، پردادا، بلکہ ایک زمانے سے ہوتا ہوا آیا ہے۔ میرے اِس اعتراض کو والد صاحب نے حق بجانب سمجھا اور اُن کے خیالات و افکار میں ایک حد تک تبدیلی آگئی تھی مگر وہ باپ دادا کے رسم و رواج کو یک لخت چھوڑنا بھی نہیں چاہتے تھے۔

۱۹۴۸ء میں پولیس ایکشن کے دوران میرا خاندان آبائی وطن وامرگدہ تعلقہ کوڑنگل (آندھرا پردیش) کو ترک کر کے گرمٹکال تعلقہ یادگیر میں سکونت پذیر ہوا۔ گرمٹکال میں مولوی عبدالقادر صاحب فاضل جو جامعہ نظامیہ حیدرآباد کے فارغ التحصیل ہیں اور جو میرے ایک ہم وطن ہونے کے علاوہ جماعتِ اسلامی کے کاز سے متاثر بھی تھے، ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ موصوف سے مجھے جماعت کا لٹریچر ملتا رہا۔ گرمٹکال میں ہفتہ واری اجتماعات ہوتے تھے۔ مولوی عبدالقادر صاحب فاضل درس دیتے تھے۔ نارائن پیٹھ، ضلع محبوب نگر میں بھی تربیتی اجتماعات منعقد ہوتے تھے جن میں مجھے شریک ہونے اور مولانا عبدالرزاق صاحب لطیفی مرحوم سابق امیر جماعت حلقہ آندھرا پردیش کو بھی سننے کا موقع ملا۔ اس طرح جماعت سے میری وابستگی بڑھتی ہی گئی۔

گرمٹکال تعلقہ یادگیر میں جوں ہی میں اور میرے ساتھیوں نے شرک و بدعت، نذر و نیاز جیسی خرافات کو گھر سے نکال کر پھینک دیا اور اسلام کے صحیح نظریات کو اپنایا، شیطان تلملا اُٹھا۔ جب برائیاں مٹنے لگتی ہیں اور لوگ اسلام سے قریب آنے لگتے ہیں تو اس کو شیطان ٹھنڈے پیٹ برداشت نہیں کرتا۔ مخالفتیں شروع ہوگئیں۔ آپ خیال کرتے ہونگے کہ مخالفت کرنے والے غیر مسلم ہوں گے۔ نہیں بھائی وہ سب مسلمان تھے ... ایسے مسلمان جو اپنے آپ کو عاشقانِ رسولؐ کہتے ہیں۔ ہم اپنے بچوں کی دینی تعلیم کے لئے ایک خانگی مدرسہ چلا رہے تھے۔ اس کو زبردستی بند کروایا گیا۔ درسِ قرآن کے دوران شور و غل مچایا جاتا۔ ان عاشقانِ رسولؐ کو قرآن پاک کی حرمت و عظمت کا بھی خیال نہ رہا۔ جس وقت درسِ قرآن ہو رہا تھا غلاظت پھینکی گئی۔ انھوں نے دیکھا کہ ہمارا حلقۂ احباب بڑھتا ہی جا رہا ہے تو مجھے اور میرے ساتھیوں کو گھروں سے نکال دیا۔ محلّے اور گاؤں سے بائیکاٹ کیا گیا۔ ایک رشتہ دار دوسرے رشتہ دار سے کٹ گیا۔ بھائی بھائی سے الگ ہوگیا۔ بہن بھائی سے اور بھائی بہن سے جدا ہوگیا اور ان کو ایک دوسرے کے شادی و غم تک میں شریک ہونے سے محروم کر دیا گیا۔ عاشقانِ رسول کی ان حرکات سے ایک سنجیدہ مسلمان، بلکہ ایک غیر مسلم بھی واقف ہو جائے تو شرمندہ ہوئے بغیر نہ رہ سکے گا۔ میں دعوٰی کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس کے باوجود جس نصب العین کو ہم نے اپنے لئے منتخب کیا ہے اور جو عین اسلامی مزاج کے مطابق ہے، اس سے ہمیں ایک انچ بھی پیچھے نہ ہٹا سکے اور اب بھی وہاں اقامتِ دین کی جدوجہد جاری و ساری ہے۔

چونکہ یہ مذاکرہ زیادہ طویل ہوتا جا رہا ہے لہٰذا اس دعا پر ختم کئے دیتا ہوں کہ اے باری تعالیٰ! جس نصب العین کو میں اور میرے ساتھیوں نے اپنایا ہے جو اقامت دین ہی ہے اُس پر ہمیں تاحیات قائم و دائم رکھ اور خاتمہ بالخیر کر۔ آمین والغرود عونا عن الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علٰی رسولہ الکریم۔

احقر

محمد الطاف رسول، فزیکل ایجوکیشن ٹیچر،
گورنمنٹ جونیر کالج،
گرمٹکال۔ تعلقہ یادگیر۔ آندھرا پردیش۔

دوزخ کی بیٹی

(قسط دوم)

بڑھیا جو ایک چھوٹے قد کے یادرفتار گھوڑے پر سوار تھی۔ نہایت مضبوط جسم رکھتی تھی۔ درحقیقت وہ بڑی منجھی ہوئی گھوڑ سوار تھی۔ لڑائی کے فن سے پوری طرح واقف تھی۔ جاسوسی کے شعبے سے تعلق رکھتی تھی۔ اسے ملکہ گاریہ، اس کی عشرت پسندانہ زندگی، محلاتی سازشوں ملکہ صقلیہ جونا، لے تیار اور دیگر خواتین کے حالات سے اچھی طرح آگاہی تھی۔ ہر طرف سے مرکز میں جو معلومات جمع ہوتیں ان سے سب کو مطلع کیا جاتا۔

قسمت شناس نادرہ بڑھاپے میں جوانوں کو مات کرتی۔ جس لاٹھی کے سہارے چلتی وہ لوہے کی تھی۔ اور ایک سرا نیزے کی طرح نوکیلا اور زہریلا تھا۔ کپڑوں میں ہر وقت خنجر بھی رکھتی۔

اس کی باتیں سنکر لے تیمار نے گھوڑے کی باگ کھینچی۔ رفتار ہلکی ہوئی۔ بوڑھی نادرہ اس سے جا ملی بولی "تو جانتی ہے تیری زندگی کیسے خطرے میں ہے؟ کیا یہ ٹھیک نہیں کہ جب تو صقلیہ میں تھی تو تو نے شاہی مادر چی سے مل کر ملکہ جونا کو زہر دینے کی کوشش کی تھی اور جب راز فاش ہوا اور ملکہ تجھے خنجر بھونکنے لگی تو تو اس کے پاؤں پڑگئی اور تو نے اس کی جوتیوں میں سر رکھ دیا۔ گڑگڑا کر معافی مانگی تیرے عاشق نے سفارش کی اور تجھے بچالیا"

"تم یہ سب کچھ کیسے جانتی ہو؟" لے تیار نے حیران ہو کر پوچھا۔

"مجھے قدرت نے غیب کا علم دیا ہے لڑکی! تو قسمت کے خوفناک جال میں پھنسی ہے"

لے تیمار ڈر گئی۔ وہ واقعی قسمت کے خوفناک جال میں پھنسی تھی لیکن یہ جال کسی نے نہیں خود اس نے بنا تھا اور اب وہ اس کے تانوں بانوں میں اس بری طرح پھنس گئی تھی کہ نکلنے کی راہ نہ سوجھتی تھی قسمت نے جیسے اس کے لیے راستے متعین کر دیے تھے اور شاہ ایڈی پس کی طرح وہ لاکھ جتن کرتی لیکن یہ راستے

ں کے قدموں سے چمٹے ہوئے تھے۔

وہ جانتی تھی کہ ملکہ صقلیہ اس کی دشمن ہے اور آخر ایک دن دونوں میں آخری فیصلہ ہو کر رہے گا۔ دو تلواریں میان ایک۔ گزارہ کیسے ہوتا؟"

ملکہ نے بے تیمار کو بے بس کرنے کی غرض سے اس کے یار کو صقلیہ میں ہی رہنے دیا اور اسے بے تیمار سے ملنے نہ دیا۔

یوں دونوں میں شدید دشمنی تھی اور اب وہ ملکہ کا منصوبہ کھنڈر کرنے کے لیے انتہائی خطرناک اقدام کرنے پر تُلی تھی۔ وہ عکرہ میں آئی تاکہ ملکہ گاریہ سے رابطہ قائم کرے جو شیر دل رچرڈ اور ملکہ جونا کے ہر دشمن کا خیر مقدم کرتی تھی۔ ملکہ گاریہ کو جب رچرڈ اور جونا کے مشترکہ منصوبے کا علم ہوا تو وہ سخت فکرمند ہوئی کیونکہ اس منصوبے سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ وہ ہر شخص کے ساتھ تھی جو اس منصوبے کو ناکام بنانے کے لیے کچھ کرنا چاہتے۔

بے تیمار نے بوڑھی قسمت شناس کو اپنے خطرناک منصوبے کے بارے میں کچھ نہ بتایا تاہم اس نے اگلوا ہی لیا کہ وہ ملکہ گاریہ کے پاس عکرہ جا رہی ہے۔

اس نے بہت کوشش کی کہ بڑھیا سے پیچھا چھڑائے لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ وہ پیرِ تسمہ پا بن کر اس سے چمٹی ہی رہی اس کا مغز کھاتی رہی۔ ساتھ ساتھ چلتی رہی۔ باقی ٹولی نے راستہ بدل لیا۔ وہ ادھر ادھر راستہ کاٹ کاٹ کر چلتی اور پیچھا کرتی رہی کیونکہ یروشلم کی جنگ کے بعد جو بڑا واقعہ ہونے والا تھا۔ بے تیمار اس میں اہم کردار ادا کرنا چاہتی تھی۔

منزل پر پہنچنے سے پہلے موسم کے تیور بگڑے تو بے تیمار اور بڑھیا ایک سرائے میں ٹھہر گئیں تھکن کی وجہ سے دونوں کو نیند آ گئی۔ آدھی رات کو جب بے تیمار کی آنکھ کھلی تو بڑھیا خراٹے لے رہی تھی بے تیمار چپکے سے اٹھی اور اس نے گھوڑا کھولا اور سوار ہو کر رفوچکر ہو گئی۔ بڑھیا جاگ رہی تھی اس کے خراٹے جعلی تھے وہ پھاٹک تک آئی اور اس نے بے تیمار کو گھوڑا دوڑاتے دیکھا جب تک اس کے گھوڑے کی ٹاپیں سنائی دیتی رہیں وہ پھاٹک پر کھڑی رہی اور پھر لوٹ کر آئی تو

برابر والی کوٹھی میں گئی. جہاں چراغ جل رہا تھا اور جاسوسوں کی ٹولی چھپکے سے آگئی تھی. اس نے ٹولی کے سربراہ رحیم بن توفیق کو جگایا اور بتایا کہ لے تیار بھاگ گئی ہے. اس نے لے تیار ملک رک (شاہ رچرڈ) اور ملکہ صقلیہ کے منصوبے کو خاک میں ملانے کے لیے کسی نہایت ہی خطرناک جوابی منصوبے پر عمل کر رہی ہے.

سب لوگ روانہ ہوئے. لے تیار کے متوازی انھوں نے بھی منصوبہ تیار کر رکھا ہے.

لے تیار عکرہ پہنچ گئی. اس نے ملکہ گاریہ کے ایوان میں ڈیرے جمائے. وہ ملکہ ہی سے ملنے آئی تھی لیکن اسے خبر نہ تھی کہ ملکہ اپنے حساب سے بہر تفریح اور عیش و عشرت کے محلات میں سے کدھر عکرہ لوٹے گی. اس نے ملک العادل صلاح الدین کو خنجر مارنے کی احمقانہ کوشش کی تھی. اور بری طرح ناکام رہی تھی. اور اب فوراً عکرہ لوٹ آنے کی بجائے وہ ملک العادل کے محافظوں کی نگرانی میں ادھر گھومتی پھرتی تھی. اسلامی علاقوں میں اسے کسی قسم کا خطرہ نہ تھا اور اسی لیے وہ جدھر چاہتی منہ اٹھا کر چل دیتی. محل کی گھٹن اور یکسانیت کا یہی علاج تھا. محل کی چاردیواری سے نکل کر وہ فطرت کی آزاد فضاؤں میں کھل کر سانس لینے اور کھل کھیلنے لگی. ہر دم جشن موسیقی برپا رہتا. محفل شراب جمتی اور جذبات کی آگ بجھانے کا اہتمام ہوتا. یہ خوش فکر عورت ہر وقت ابلیس کو ہم رکاب رکھتی اور اسے حسن و شباب کے جال میں شکار پھانستی رہتی.

لے تیار عکرہ کے شاہی ایوان کو خالی دیکھ کر گھبرائی. یہاں وہ قریب قریب اجنبی تھی. کیونکہ ملکہ گاریہ اور ملکہ صقلیہ جونا میں چنداں رابطہ نہ تھا. یہاں صرف شیری بون نامی ایک کنیز تھی جو لے تیار کو جانتی تھی. اس نے اسے ایوان میں ٹھہرایا. شیری بون ہی ایوان کی دیکھ بھال پر مامور تھی اور یورپ کے شاہی خاندان کے تین بڑوں شاہ رچرڈ، ملکہ گاریہ، ملکہ صقلیہ کے باہمی تعلقات اور تنازعات سے آگاہ تھی. محلاتی سازشوں میں جب غلام گردشیں ملوث ہوتیں. تو وہ بھی حصہ لیتی. وہ بھی لے تیار کی طرح ملکہ گاریہ کے اقتدار اور ملکہ صقلیہ کے زوال کی آرزومند تھی. جب اسے معلوم ہوا کہ لے تیار اس سلسلے میں یہ پروگرام تیار کیا اور اس پر عمل درآمد کرنے نکلی ہے تو وہ بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئی

یہ سی کہ ملکہ گاریہ کی آمد کا انتظار کیا جائے لیکن لے تیار کا اضطراب اسے انتظار کی مہلت نہ دے رہا تھا۔ وہ ملکہ گاریہ سے بھی پہلے اپنے عاشق سے جدا کرنے والی سے انتقام لینا چاہتی تھی اس نے شیری بون کو تیار کروایا۔ اور دونوں عورتیں بھیس بدل کر سر شام عکرہ سے باہر نکلیں اور ویرانے کو ہولیں۔ کچھ دور گئیں تو انھوں شبہ ہوا کہ کوئی ان کا تعاقب کر رہا ہے۔ انھوں نے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور ہوا ہوگئیں۔

چاندنی کھلی ہوئی تھی اور راستے سنسان پڑے تھے اندھا دھند گھوڑے دوڑائے تو شیری بون کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ بری طرح گری اس کی چیخ نکلی۔ لے تیار نے گھوڑا روکا اور شیری بون کے پاس آئی شیری بون کو خاصی چوٹ آئی تھی لیکن زیر عمل مسئلہ یہ تھا کہ دونوں سے کہیں زیادہ اہم تھا لے تیار نے اسے اٹھایا سنبھالا، پھر دلاسا دے کر گھوڑے پر بٹھایا اور دونوں چل پڑیں

انھوں نے ہمت کر کے چند کوس کا فاصلہ طے کیا اور کچھ دیر بعد کوہستانی پگڈنڈی پر ہولیں۔ وہ ایک گڑھی میں داخل ہوئیں۔ یہاں رات بھر رہیں اگلا دن بھی انھوں نے یہیں گزارا جس طرح عکرہ سے سر شام نکلی تھی۔ اسی طرح گڑھی سے سر شام نکلیں تب آدمی ان کے ساتھ آئے اور عکرہ سے کچھ دور انھیں چھوڑ کر چلے گئے۔

شیری بون کو سخت چوٹ آئی تھی۔ گڑھی میں جا کر اسے خیال آرام آیا تھا۔ لیکن وہ تیز رفتار سے گھوڑا دوڑا سکتی تھی۔

بوڑھی نادرہ گھوڑا دوڑاتی آئی اور اس نے دونوں کو جا لیا لے تیار تو بچ نکلی لیکن شیری بون کو بوڑھی نادرہ نے دھکا دے کر گرا لیا اور پھر باقی جماعت بھی آگئی۔ وہ شیری بون کو اپنے ہمراہ لے گئی۔

عکرہ سے تین میل دور مجاہدین کا ڈیرہ تھا شیری بون کو وہاں لے گئے اور بڑھیا نے اسے خیمے میں ٹھہرایا اس سے حسن سلوک کیا شاہی طبیب نے اس کی چوٹوں کا علاج کیا بڑی محبت اور نرمی کا سلوک کیا بڑھیا نے شاہی محل اور اس کے مکینوں کا جیٹھا کھول کر رکھ دیا ایک ایک جو سازشیں ہوتی تھیں ان کی ایک ایک تفصیل بتائی اور کہا مجھے سب کچھ معلوم ہے میں قسمت سے اس کمین محل میں حرم والی بھی

مجھ سے تم لوگوں کی کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی۔"
شیری بون باتیں سنتی رہی اور حیرت سے بڑھیا کا منہ تکتی رہی۔
"مجھے معلوم ہے کہ تم گڑھی میں کیا لینے گئی تھیں۔ وہاں کون لوگ رہتے ہیں۔ کیا کرتے ہیں؟"
"میں ایک کنیز ہوں جو شطرنج کے مہروں کی طرح دوسروں کے اشاروں پر چال چلتی ہے۔"
عورت نے شیخ الجبل کے آدمیوں سے کیا کہا؟"
شیری بون چپ ہوگئی۔ بوڑھی نادرہ نے مسکرا کر کہا: "تم صحیح جواب دے کر ہمارا وقت بچا سکتی ہو اور اپنی جان محفوظ کر سکتی ہو۔ ورنہ ہم حقیقت معلوم کر ہی لیں گے۔ تم عمدہ کارگذاری اور تعاون کا موقع گنوا کر کیا پاؤگی؟"
تھوڑے وقفے کے بعد بڑھیا نے پھر کہا: "کچھ نہ پاؤگی۔ سب کچھ گنواؤگی۔"
جاسوسی ٹولی کا سرغنہ رحیم بن توفیق اندر داخل ہوا اور زمین میں ننگا خنجر گاڑ کر بیٹھ گیا۔ وہ خیمے سے کان لگا کر بوڑھی نادرہ اور شیری بون کی باتیں سن رہا تھا۔ جب مداخلت ضروری سمجھی تو اندر آگیا اور بولا: "ہمیں معلوم ہے کہ گڑھی میں کیا ہوتا ہے۔ لوگ وہاں کیا لینے جاتے ہیں۔ یہ گڑھی صلیبیوں کی سرپرستی سے قائم ہوئی تھی اور اہلِ صلیب ہمارے قتل و غارت کے منصوبے بنانے وہاں جاتے ہیں۔ ہوشمندی کی خیریت اسی میں ہے کہ ہمیں بتادو۔ تمہاری سہیلی کس کے قتل کی التجا لے کر گئی تھی؟"
رفیق بن توفیق بات کر کے چلا گیا۔ اسے یہی کہنا تھا وہ بڑھیا کو بات کا سرا تھما گیا۔
"رحیم بالکل ٹھیک کہتا ہے۔ تمہارے اندرونی حالات بھی آخر ہمیں معلوم ہو ہی گئے ہیں تم میں سے کوئی ہماری گرفت سے باہر نہیں۔ ہم لوگ غیب داں ہیں۔"
شیری بون بالکل بے بس ہوگئی۔ مجاہدوں کی زبردست قوت عمل اور بے پناہ معلومات نے اسے مسخر کر لیا۔ اسے محسوس ہوگیا کہ دشمن کی جاسوسی کا جال صلیبی علاقوں میں اندر تک پھیلا تھا اور وہ ایک ایک حرکت سے باخبر تھے پوپ اور اس کے حواریوں کی قریوں اور چھوٹی چھوٹی بستیوں میں جا

عوام کو بھڑکانے کی باتیں ایک ایک کر کے قیدیوں کو معلوم ہو جاتیں اور پھر وہ ان معلومات کو حربہ بنا کر استعمال کرتے اور ان کی مدد سے مزید معلومات اگلوا لیتے۔

شیری بون کو رازاً اگلنا ہی پڑا۔ بولی۔ ملک العادل اور ملکہ جونا کو مروانے کی تدبیریں ہو رہی ہیں۔"

"شیخ الجبل کے آدمیوں نے کیا جواب دیا؟"

"انھوں نے کہا، وہ بے بس ہیں۔ الموت سے فرمان جاری نہ ہو تو کچھ نہیں کر سکتے۔"

"اب تمہاری سہیلی کیا کرے گی؟"

"میں تمہاری طرح غیب داں نہیں اماں! لے تیمار ہی جانتی ہے کہ اب اسے کیا کرنا ہے۔"

انھوں نے لے تیمار کی سہیلی شیری بون کو زنجیریں پہنائیں اور کہا کہ وہ عکرہ کے شاہی محل جا کر رہے۔ اسے ضروری ہدایات دیں۔

رات کے آخری پہر اسے گھوڑے پر بٹھایا اور عکرہ کے دروازے پر پہنچا دیا گیا۔ صبح دروازہ کھلا تو وہ شہر میں داخل ہوئی اور شاہی محل میں پہنچی۔ لے تیمار نے اسے زنجیروں میں جکڑے دیکھا تو لپک کر لیا۔ وہ چیخ چیخ کر رونے لگی۔ اس کے بدن پر زخم تھے۔ کچھ نئے کچھ پرانے۔

اس نے بتایا کہ دشمنوں نے اسے ادھ موا کر کے ایک خیمے میں ڈال دیا اور زنجیریں پہنا دیں۔ وہ چاہتے تھے کہ میں یہیں پڑی پڑی گل سڑ جاؤں۔ بس غیب سے مدد ملی۔ مجھ میں ہمت پیدا ہوئی اور میں کسی کسی طرح جان بچا کر آ گئی۔

لے تیمار نے فوراً لوہار کو بلوایا۔ اس نے زنجیریں کاٹیں اور چپکے سے کہا: رحیم بن توفیق کے آدمی مجھ ہی سے یہ زنجیریں لے گئے تھے۔ یہ زنجیریں درجن مرتبہ پہنائی اور کٹوائی جا چکی ہیں۔ اب دوبارہ اپنی خوبصورت و نازک کلائیوں کو ان سے محفوظ رکھنا۔"

شیری بون نے اسے حیران ہو کر دیکھا۔ اتنا تو وہ جانتی تھی کہ عکرہ میں مسلمان آزادی سے رہتے تھے اور صلیبی حکومت کی مجال نہ تھی کہ ان کا بال بیکا کرتی۔ لیکن یہ اندازہ نہ تھا کہ ہلالی جاسوسوں کا

جال اتنا وسیع ہے۔ لوہار اس کی حیرانی کو سمجھ گیا اور بولا: "اگر تم نے عہد پورا کیا تو یہی لوہے کی زنجیریں سونے کی زنجیروں میں بدل جائیں گی۔ سنہری مستقبل تمہاری راہ دیکھ رہا ہے۔"

لوہار اپنا کام ختم کر کے چلا گیا۔ اس کے بعد عکرہ کے سب لوگ بڑے طبیب کو بلوایا گیا۔ لے تیارے کہا۔ میں چاہتی ہوں کہ میری سہیلی جلد از جلد تندرست ہو جائے۔"

"معزز خاتون! آپ کی خواہش پوری کی جائے گی۔"

شیری بون کی حالت بہت خراب تھی اور وہ چیختی چلاتی اور کراہتی رہتی۔ طبیب نے دواؤں کا تھیلا کھولا۔ اس میں کھانے اور لگانے کی دوائیں تھیں۔ آلات جراحی تھے۔ شیری بون اور طبیب نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ دونوں نے نظروں سے نظریں بھی ملائیں۔ شیری بون پوری طرح سمجھ گئی کہ اس کا گھیرا ڈال دیا گیا ہے اور وہ اس میں سے نکل نہیں سکتی۔ وہ یہ بھی دیکھ رہی تھی کہ دنیا بھر کی دولت، سلطنت، تہذیب و تمدن کا سرمایہ علم و ہنر کی روشنی اور ہر قسم کی طاقت مسلمانوں ہی کے پاس ہے۔ ان کے مقابل مغرب ایک غلیظ، جاہل، مفلس اور پسماندہ ملک ہے۔ مسلمانوں سے کوئی مقابلہ ہی نہیں کر سکتا اس لیے مسلمانوں کا ساتھ دینے ہی میں خیریت اور امن و سلامتی ہے۔

حکیم صاحب مرہم پٹی کرنے لگے تو انھوں نے چپکے سے شیری بون کو ایک خالی بڑا یا تھیلا جو اس نے فوراً چھپا لی اور اس طرح اس نے بھی حکیم صاحب کو ایک بڑا یا تھیلا جو انھوں نے سنبھال لی اور چلے گئے

شیری بون جلد ہی تندرست ہو گئی۔ دراصل اس کے بعض زخم اصلی تھے بعض نقلی تھے اور اس کا چلانا کراہنا تو سراسر نقلی تھا۔

تین دن کے بعد عکرہ کے شاہی محل سے لے تیار اپنی راز دار ہمکار سہیلی شیری بون اور ربع برابر ٹولی کو لے کر نکلی اور کسی نامعلوم منزل کی طرف چل دی۔ اس مرتبہ وہ پہلے سے زیادہ خطرناک منصوبے کو عمل میں لا رہی تھی۔ اسے اپنے حسن و جمال پر غرور تھا۔ سب نے مسلمانوں کا لباس زیب تن کیا تھا۔ تاجروں کے بھیس میں تھے۔ لے تیار اور شیری بون نے بڑی نفاست سے پگڑی باندھ رکھی تھی۔ کشیدے کا جبہ

ھی دونوں نے پہن رکھا تھا۔ ان کا رخ الموت کی جانب تھا جہاں شیخ الجبل اپنے فیصلوں سے بڑے بڑے آدمیوں کی موت کے فیصلے صادر کرتا تھا۔ مسافت طویل تھی اس لیے ہر قسم کے انتظامات کر لیے گئے تھے ماکولات اور مشروبات وافر مقدار میں موجود تھے۔

یہ ٹولی ابھی راستے ہی میں تھی کہ دو گھڑ سوار تیزی سے آئے اور سے تیمار کے پاس آ کر رک گئے انھوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔

" کہاں کے ارادے ہیں خانم ؟ "

" میں ملکہ صقلیہ اور ملک العادل کے قتل کے احکام جاری کرنے والے تمہارے شیخ کے پاس جا رہی ہوں "

" ناممکن کو ممکن کر دا سکتی ہو ؟ "

" ہاں میں نے سنا ہے۔ الموت میں حسین عورتوں کی قدر کی جاتی ہے "

" کی جاتی ہے لیکن ایسی قدر بھی نہیں۔ تمہارا وہاں جانا بے کار ہے "

" کیوں ؟ "

" ہم نے تمہاری خواہش ان تک پہنچا دی ہے "

" پھر کیا جواب ملا ؟ "

" شیخ الجبل نے فرمایا ہے کہ خانم سے کہہ دو۔ اگر وہ واقعی حسن بے مثال رکھتی ہے تو الموت کی فردوس کی حور بن جائے دنیا بھر کی نعمتیں اور ہر قسم کی آزادی، عزت و عشرت، طرب کی ارزانی ہو گی۔ رہی فیصلوں کی بات تو وہ عورتوں کی خواہشوں اور مشوروں سے نہیں کئے جاتے "

" کیا یہ آخری جواب ہے ؟ "

" ہاں، آخری جواب ہے "

" کیا میں اس فیصلے کو بدل نہیں سکتی ؟ "

" ابھی تک ایسی کوئی طاقت معرض وجود میں نہیں آئی جو شیخ الجبل کے فیصلوں کو بدل سکے وہ

خود بھی اپنے فیصلے نہیں بدلتے۔"

"کیا یہ آسمانی فیصلے ہوتے ہیں؟"

"یہ اٹل فیصلے ہوتے ہیں۔"

"میں ایک دفعہ شیخ الجبل سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"اگر فردوس کی حور بننے کے خیال سے ملنا چاہو تو دروازے کھلے ہیں اور اگر ملکہ صقلیہ اور ملک العادل کے قتل کے بارے میں بات چیت کرنا مقصود ہو تو اجازت نہیں ملے گی۔ باہر ہی سے لوٹا دی جاؤ گی۔"

باتیں ہو رہی تھیں کہ دور سے گرد اڑتی دکھائی دی۔ سب لوگ گرد میں لپٹے ہوئے گھوڑ سواروں کی آمد کا کیا مقصد سوچنے لگے یہ لوگ چوکنے ہو گئے۔ گھوڑ سواروں نے پاس آتے ہی نیزوں اور تلواروں سے حملہ کیا لے تیار کی ٹولی جو تاجروں کے بھیس میں تھی۔ گھوڑ سواروں کو دھوکہ نہ دے سکی۔ پہلے تو سمجھے کہ یہ رہزن ہیں لیکن جب انھیں ماہرانہ انداز میں نیزے اور تلواروں سے حملہ کرتے دیکھا تو جان گئے کہ یہ منجھے ہوئے سپاہی ہیں جو عام لباس پہنے ہوئے تھے۔ حملہ اس قدر اچانک اور شدید تھا کہ لے تیار کے محافظ تلواریں بے نیام کرنے سے پہلے زخمی ہوئے اور پھر موت کے گھاٹ اترنے لگے جو زخمی ہو کر نیچے گرے ان کے گھوڑے بدحواس ہو کر ہنہنانے اور چیخنے لگے انھوں نے تتر بتر ہوتے ہوئے اپنے ہی سواروں کو روند ڈالا

. . . . لے تیار نے بھی بھاگنے کی سعی کی لیکن شیری بون نے بڑی چیداری دکھائی۔ اس نے ایک زخمی کی پسلی میں سے نیزہ نکالا اور اس کا پیچھا کیا کوس بھر تک تعاقب جاری رہا۔ شیری بون نے اسے جا لیا۔ لے تیار گھوڑے سے گر گئی اور سخت زخمی ہوئی شیری بون نے اس کی چھاتی پر نیزے کی نوک رکھی اور کہا، شاید تمہیں خبر نہیں لے تیار! مجھے شیر دل رچرڈ نے تمہاری جاسوسی پر مامور کیا ہے۔"

"تم نے غداری کی؟"

"غداری تم نے کی میں بوشاہ کی وفادار ہوں۔"

(باقی آئندہ)

آپ نے کام ایسے کر لیا

(ایم صلاح الدین)

عید الاضحیٰ کی نماز ادا کر کے آنے کے بعد جو میں کھانے کے لیے سیویاں طلب کرتا ہوں تو بیگم نے ایک دم سے تیوری چڑھا کر کہا "سیویاں ؟ کیا آپ خواب دیکھ رہے ہیں۔ یہ بقر عید ہے نہ کہ عید الفطر۔ اس میں تو آپ کو اس وقت تک کھانا منع ہے جب تک کہ آپ کی طرف سے قربانی کا یہ بکرا اللہ کی راہ میں قربان نہ ہوجائے۔"

چونک کر میں نے پوچھا "کیا مطلب ؟ کیا آج میں کچھ کھاؤں گا نہیں ؟"

چمکار کر بڑے پیار سے ہوم منسٹر نے کہا "وہ تو آپ کھائیں گے اور ڈنکے کی چوٹ کھائیں گے لیکن اسی بکرے کے گوشت سے شروع کریں گے۔ سمجھئے آج آپ کا روزہ ہے۔ اس وقت جب تک بوچڑ آ کر اسے قربان نہیں کرتا اور آپ پھر اسی کے گوشت سے اپنا روزہ افطار کریں گے۔"

"کچا گوشت سے ؟ بغیر پکائے ہوئے ؟" میں نے گھبرا کر پوچھا۔

"اگر شوق ہے تو کچا گوشت ہی نوش کر لیجئے گا میں کب منع کرتی ہوں۔ آخر پرانے زمانے میں انسان کچا گوشت ہی تو استعمال کرتا تھا۔" میں پرانے زمانے کا انسان نہیں ہوں۔ میں نئے زمانے کا انسان ہوں۔"

"واقعی ؟ مجھے یقین نہیں آتا۔" بیگم نے مجھے عجیب نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا مجھے سرٹیفکیٹ پیش کرنا ہوگا اپنے نئے زمانے کا انسان ہونے کا ؟"

"کیا پتہ ؟ خیر زیادہ منھ مت بسوریے۔ میں سرٹیفکیٹ پیش کیے بغیر ہی آپ کو کچا نہیں پکا گوشت کھلاؤں گی مگر ابھی نہیں۔ ۔ ابھی تو ویسے بھی نہیں کیونکہ ابھی تو تحفہ کا گوشت بھی کہیں سے نہیں آیا ہے۔"

"سمجھ گیا جناب خوب سمجھ گیا۔ لیکن یہ آپ کا بوجڑ
کب آئے گا؟ کب ذبح کرے گا اسے اور کب میں اپنے
پیٹ کی آگ سرد کروں گا؟"

چونک کر بیگم نے پوچھا "کیا کہا پیٹ کی آگ
کیا آپ کے پیٹ میں آگ جل رہی ہے اور اس وقت
سے آپ نے مجھے کہا نہیں... ذرا اک ذرا دم لیجئے
میں ایک گلاس ٹھنڈا پانی لاتی ہوں۔"

"مگر خدا کے واسطے اتنا ٹھنڈا پانی نہ لایئے گا جو پیٹ
کی آگ کے ساتھ ساتھ خود مجھے ٹھنڈا کر دے.. ہمیشہ
کے لیے" اور قبل اس کے کہ ان کے غصہ کا پارہ اپ
ہوتا ہے میں نے جھٹ کہا "اور ہاں ذرا مجھے یہ تو بتایا
جائے جب مجھ سے آج روزہ رکھوانا تھا تو آپ نے
مجھے سحری کھانے کے لیے جگایا کیوں نہیں؟"

"اس روزہ میں سحری نہیں کھائی جاتی.. میرے
اللہ آپ کتنے ناصبرے واقع ہوئے ہیں۔ حضورؐ کے
دور میں صحابہ کرامؓ اور خود حضورؐ کے گھر میں مہینوں
آگ نہیں جلتی تھی۔ اور آپ ہیں کہ ...."

"اُن لوگوں کی بات دوسری تھی وہ لوگ اللہ
والے تھے اور پھر اُن کو آگ جلانے کی ضرورت بھی کیا
تھی۔ من وسلویٰ کی بارش ہوتی تھی۔"

"سبحان اللہ آپ کو کیا خوب اسلامی معلومات
ہیں۔ من وسلویٰ موسیٰؑ پر اترا کرتا تھا نہ کہ رسول اللہ
پر۔" بیگم نے کہا۔

"وہ بات ایک ہی ہے خواہ موسیٰ ہوں یا رسول
اکرمؐ۔"

"کاش آج بھی کوئی نبی پیدا ہوتا اور اس کے
معجزہ سے۔"

"منہ دھو رکھئے اب کوئی نبی پیدا ہونے والا
نہیں۔ رسول اکرمؐ نبی آخر زماں تھے جن پر دین مکمل
ہو گیا جس کی شروعات آدمؑ سے ہوئی تھی اس
پائے تکمیل کو پہونچی۔ سنا نہیں یہ آیت آپ نے اکملت
لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی۔ خیر لوجی
آنا ہی ہوگا آپ نے دعا تو یاد کر ہی لی ہوگی اور
چھری تیز کرلی ہے نا جانور ذبح آپ ہی کو کرنا ہے"

"دعا بھی مجھے یاد کرنی ہوگی.. جانور بھی مجھے
ذبح کرنا ہوگا اور آپ کا کیا کام ہوگا۔ یہ بھی تو بتا دیجئے"
میں نے چڑ کر بیگم سے پوچھا: "میرا کام یہ ہوگا قربانی
کے گوشت کو تین حصوں میں تقسیم کرنا۔ پہلا ایک
حصہ مسکینوں اور محتاجوں میں ایک حصہ دوست
اور رشتہ داروں میں

میں نے گھبرا کر قطع کلام کیا "م۔۔م۔۔۔ میں۔۔میرا
حصہ میرا مطلب مطلب ہے ہم لوگوں کا حصہ۔۔۔ غائب؟
تو کیا یہ قربانی ہم صرف دوسروں ہی میں گوشت تقسیم
کرنے کے لیے کریں گے؟"

میری بے صبری پر ہنس کر بیگم بولیں "یا اللہ آپ
بھی کتنے بے صبرے واقع ہوئے ہیں۔۔۔ جناب والا
اطمینان رکھیے ہم لوگوں کا بھی ایک حصہ ہوگا اس پورے
بکرے کا تیسرا حصہ۔۔۔"

"پورے بکرے کا تیسرا حصہ؟ کیا سینگ اور چمڑے
کے بھی تین حصے کیے جائیں گے؟"

"لاحول ولا۔۔۔ بھئی سینگ اور چمڑے کے تین
حصے کیوں؟ کیا آپ سینگ اور چمڑا بھی نوش فرمائیں
گے؟"

"آپ تو کچھ اس طرح بتا ہی رہی ہیں کہ میں نے
اگر ایسا سمجھا تو کیا غلط کیا؟"

"اجی نہیں جناب لال بجھکڑ سینگیں تو زمین
میں دفن ہو جائیں گی اور چمڑا یتیم خانے کے حوالے کر دیا
جائے گا۔ چلیے اب دیر نہ کیجیے چھری چیک کر لیجیے اور
کہیں ایسا نہ ہو کہ عین وقت پر آپ دعا یاد کرنے بیٹھیں"

"نظر ثانی؟۔۔۔ کیسی نظر ثانی؟ یہاں سرے
سے دعا ہی یاد نہیں"

"ایں؟ غضب ہو گیا۔ کیا میری آمد سے قبل آپ
نے کبھی انجام نہیں دی؟"

"کیونکہ انعام دینا۔ صاحب نصاب ہی نہیں تھا
اُن دنوں میں صرف صاحب کتاب تھا یعنی کہ محض
ایک طالب علم" میں نے شرما کر صفائی پیش کی۔

"اچھا اچھا اب تو آپ صاحب نصاب ہیں چلیے
صاحب نصاب ایک اچھے طالب علم کی طرح جھٹ
پٹ دعا یاد کر لیجیے ورنہ میں سمجھوں گی بائیں ہاتھ کے
کمال سے اپنے تمام امتحانات آپ نے پاس کیے ہیں"

"سیتا جی کی طرح میری اگنی پریکشا نہ لیجیے تم
نے تو اس امتحان کو پاس کر لیا تھا میں شاید پاس نہیں
کر سکوں گا۔ پھر آپ ہی غور فرمائیے میری اچھی بیگم صاحبہ
میں کوئی کمپیوٹر مشین تو ہوں نہیں ادھر سوال ڈالا
ادھر حل برآمد۔ ادھر دعا پر نگاہ ڈالی، دھڑا دھڑ۔۔۔
ایک گھنٹے تو مجھے صرف اس کا صحیح تلفظ ہی ادا
کرنے میں لگے گا"

"استغفر اللہ آپ نے کیسے ایم اے پاس کیا ہے
جب ایک چھوٹی سی دعا یاد نہیں کر سکتے ہیں آپ
کی طرح ایم اے پاس ہوتی تو ایک منٹ میں دس

دعائیں یاد کر لیتی۔۔۔ خیر اب زیادہ باتیں بنانے کے لیے
منہ پھاڑنے کی ضرورت نہیں۔ یہ رہی کتاب جو میرے
ابا جان نے جہیز میں دیگر اسلامی کتابوں کے ساتھ مجھے
دی تھی اوروں کی طرح صرف دنیاوی ساز و سامان ہی
نہیں دیتے تھے۔۔۔ ہاں تو اس دعا کو جلد سے جلد یاد
کر لیجیے۔۔۔ چلیے اب میرا منہ مت تاکیے میں کوئی اجنبی
خاتون نہیں ہوں جو آپ یوں گھور گھور کر دیکھ رہے ہیں۔"

"آپ کی اطلاع کے لیے ضروری ہے کہ میں کسی
غیر محرم خاتون کو گھور گھور کر نہیں دیکھتا یہ شرعاً ممنوع
ہے آپ کی طرح نہیں کہ پھیری والے، سبزی والے،
دودھ والے۔۔۔"

"دیکھیے خدا سے ڈریے کیا میں انھیں گھور
گھور کر دیکھتی ہوں۔ میں صرف سودا لیتی ہوں اور وہ
بھی میں نہ کروں تو آپ یہ چیزیں خود خرید فرمائیں۔
۔۔۔ خیر اس مبارک دن میں جھگڑا کرنے کی ضرورت
نہیں اور دعا یاد کر لیجیے جب تک میں چھری چیک
کرتی ہوں۔"

یہ کہہ کر انھوں نے میرے ہاتھ میں زبردستی
کتاب تھما دی اور خود باورچی خانے سے چھری لانے
چلی گئیں۔

اب جو میں دعا پر نگاہ ڈالتا ہوں تو ہوش اڑ
گئے۔ مکمل چار سطور پر مشتمل دعا تھی جسے یاد کرنا تو درکنار
تلفظ کرنا بھی مشکل ہو گیا۔ زندگی میں پہلی بار اس دعا
سے سابقہ پڑا تھا۔ بہرحال کسی عنوان ایک آدھ بار
غلط یا صحیح دہرایا ہی تھا کہ رمضان علی بوچڑ نے
آواز دی۔۔ "صاحب ہیں۔"

مجھ پر اتنی گھبراہٹ طاری ہوئی جتنی عہد طالب
علمی کے کسی امتحان کے موقع پر طاری نہ ہوئی تھی۔
ادھر کچن سے بیگم نے کہا: "وہ لیجیے رمضان میاں
بھی آ گئے۔۔۔ پتہ نہیں آپ نے دعا بھی یاد کی یا نہیں
آپ سے تو اچھی میں ہوں جو ہر طرح اور ہر موقع کی
دعا مجھے یاد ہے اور کیوں نہ ہو ہمارے ابا جان ہم
لوگوں کی دنیا سنوارنے سے زیادہ ہم لوگوں کا دین سنوارنے
کا فکر کرتے تھے آپ لوگوں کے خاندان کی طرح نہیں
کہ بچہ کلمہ پڑھتے پیدا ہونے کے بجائے سی اے ٹی
کیٹ (cat) آر اے ٹی ریٹ (Rat) پڑھتا پیدا
ہوتا ہے۔"

"ادہو تو گویا آپ پیدا ہوتے ہی کلمہ پڑھنے
لگی تھیں گویا آپ پیدائشی مسلمان ہیں۔۔۔۔۔۔
کیوں؟ اب تو آپ کی تشفی ہو گئی؟ اچھا پیدائشی

مومنہ صاحبہ کیوں نہ ذبح ہوتے وقت آپ ہی دعا پڑھ دیں۔"

"یہ دعا میرے پڑھنے کی چند نہیں ہے کیونکہ قربانی مجھے نہیں، آپ کو کرنی ہے۔" انھوں نے ٹکا سا جواب دیا۔

"کیا حرج ہے میرے بجائے آپ ہی میری طرف سے قربانی بھی کر دیں۔ اور دعا۔۔۔ (کرمضان نے پھر آواز دی) آیا بھئی آیا۔"

پھر وہی ہوا جو پہلے سے معلوم تھا یعنی کتاب سامنے رکھ کر دعا مجھے پڑھنی پڑی اور قربانی کے لئے ذبح کرنا جو چاہا ہے تو چھری بجائے بکرے کے نرخرہ پر چلنے کے میری انگلی پر چل گئی۔ بوچڑ نے جو نظارہ دیکھا تو جھٹ چھری پکڑ بکرے کے گلے پر یہ کہتے چلادی "جب آپ دعا بھی ٹھیک سے نہیں پڑھ سکتے تو ایم اے کیسے کرلیا۔ بیگم سچ ہی کہتی ہیں۔"

میں نے عرض کیا "دعا عربی میں ہے اور میں نے انگریزی میں ایم اے کیا ہے۔"

رمضان علی نے خونریز چھری بکرے کے بدن سے صاف کرتے ہوئے کہا۔ "حیرت ہے کہ عربی پڑھے بغیر آپ نے ایم۔ اے کیسے پاس کرلیا۔"

"بس پاس کرلیا۔" اور یہ کہہ کر بیگم کی طرف دیکھا وہ مجھے ہی دیکھ رہی تھیں۔

مسلم خواتین سے خطاب (دوسری قسط)

بہ: احسن رضی مستقیمی ببولی

زندگی بعد موت کا تصور

(گذشتہ سے پیوستہ)

محترم خواتین! یہ ہے دنیا کی چند روزہ زندگی کی کیفیت جو ہمیں اور آپ سب کو ملی ہوئی ہے۔ اب ذرا دیر کے لئے موت کے بعد والی زندگی پر غور فرمائیں۔ اس حقیقت سے تو آپ سب اچھی طرح واقف ہیں کہ ہر ایک مرد اور ہر ایک عورت کو خدا کی عدالت میں اس چند روزہ زندگی کی جوابدہی کے لئے کھڑے ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے ہاتھوں میں نامۂ اعمال دے دیگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

ولقد خلقنا الانسان ونعلم ما توسوس به نفسه ونحن اقرب اليه من حبل الوريد

اذ يتلقى المتلقيان عن اليمين وعن الشمال قعيد ٥ ما يلفظ من قول الا لديه

رقيب عتيد ٥ (ق)

ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں ابھرنے والے وسوسوں تک کو ہم جانتے ہیں۔ ہم اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔ دو کاتب اس کے دائیں اور بائیں بیٹھے اس کی ہر چیز ثبت کر رہے ہیں۔ کوئی لفظ اس کی زبان سے نہیں نکلتا جسے محفوظ کر لینے کے لئے ایک حاضر باش نگراں موجود نہ ہو

ان آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہر مرد اور ہر عورت کے ساتھ خدا کے دو فرشتے مامور ہیں جو اس کی ایک ایک حرکت کو، اس کی زبان سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ کو نوٹ کر رہے ہیں۔ موت کے بعد جب دوبارہ اسے اٹھایا جائے گا تو اس وقت خدا کی عدالت میں ہر ایک کو اس کا نامۂ اعمال دے دیا جائے گا۔ نامۂ اعمال پا کر انسان کہے گا:

ما لهذا الكتاب لا يغادر صغيرة ولا كبيرة الا احصاها۔

یہ کیسی کتاب ہے کہ چھوٹی بڑی کوئی بات ایسی نہیں ہے جو اس میں درج ہونے سے رہ گئی ہو۔

جس شخص کا نامۂ اعمال پیٹھ کے پیچھے اُس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ خدا کی نگاہ میں مجرم ہوگا۔ "واما من
ـتابہٗ وراء ظھرہٖ ٥ فسوف یدعوا ثبورا ٥ ویصلٰی سعیرا ٥ انہٗ کان فی اھلہٖ مسرورًا ٥
ہٗ ظن ان لن یحور ٥ بلٰی ان ربہٗ کان بہٖ بصیرًا: اور وہ شخص جس کا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ پیچھے دیا جائیگا
ـوت کو پکارے گا۔ اور بھڑکتی ہوئی آگ میں جا پڑے گا۔ وہ (چند روزہ زندگی کے اندر) اپنے گھر والوں میں مگن تھا۔ اُس نے سمجھا
ـ اُسے کبھی پلٹنا نہیں ہے۔ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ) پلٹنا کیسے نہ تھا۔ اُس کا رب اُس کے کرتوت دیکھ رہا تھا"۔ ایک اور مقام
ـہ تعالیٰ نے فرمایا" واما من اوتی کتابہٗ بشمالہٖ، فیقول یا لیتنی لم اوت کتابیہ: اور
ـ کا نامۂ اعمال اُس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا کاش میرا نامۂ اعمال پیچھے نہ دیا گیا ہوتا، ولم ادر ما حسابیہ:
ـیں نہ جانتا کہ میرا حساب کتاب کیا ہے، یا لیتھا کانت القاضیۃ: کاش میری وہی موت جو دنیا میں آئی تھی فیصلہ کن
ـ(بعد میں کوئی مسئلہ پیدا نہ ہوتا)، ما اغنیٰ عنی مالیہ: میں نے دنیا کی چند روزہ زندگی میں جو کچھ کمایا تھا آج میرا مال
ـے کچھ بھی کام نہ آیا، ھلک عنی سلطانیہ: میرا سارا اقتدار جو دنیا میں مجھے حاصل تھا ختم ہو کر رہ گیا، خذوہ
ـغلوہ ثم الجحیم صلوہ: حکم ہوگا پکڑو اِسے اور اِس کی گردن میں طوق ڈال دو۔ پھر اسے جہنم میں جھونک دو، ثم فی
ـلسلۃٍ ذرعھا سبعون ذراعًا فاسلکوہ: پھر اسے ستر ہاتھ لمبی زنجیر میں جکڑ دو، انہٗ کان لا یومن
ـاللہ العظیم، ولا یحض علٰی طعام المسکین۔ فلیس لہ الیوم ھٰھنا حمیم ٥ ولا طعام
ـ(من غسلین ٥ لا یاکلہٗ الا الخاطئون (الحاقہ): یہ شخص نہ اللہ بزرگ و برتر پر ایمان لاتا تھا اور نہ مسکین
ـو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔ لہٰذا آج یہاں اس کا کوئی دوست اور غمخوار نہیں ہے اور نہ زخموں کے دھوون کے سوا کوئی
ـھانا اس کے لئے ہے۔ یہ ایسا کھانا ہے جسے خطا کاروں کے سوا کوئی نہیں کھاتا"۔ سورہ المعارج میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
"لا یسئل حمیم حمیما ٥ یبصرونھم: وہاں کوئی جگری دوست اپنے دوست کو نہ پوچھے گا۔ حالانکہ وہ
ـیک دوسرے کو دکھائے جائیں گے۔ یود المجرم لو یفتدی من عذاب یومئذٍ ببنیہ ٥ وصاحبتہٖ
واخیہ ٥ وفصیلتہ التی تؤویہ ٥ ومن فی الارض جمیعًا ثم ینجیہ: مجرم چاہے گا کہ اس دن
کے عذاب سے بچنے کے لئے اپنی اولاد کو، اپنی بیوی کو، اپنے بھائی کو، اپنے قریب ترین خاندان کو جو اُسے پناہ دینے والا تھا

اور روئے زمین کے سب لوگوں کو فدیہ میں دیدے اور یہ تدبیر اُسے (خدا کے عذاب سے) نجات دلا دے۔ کلا انھا لظی نزاعۃ للشوی تدعوا من ادبر وتولی وجمع فاوعی "فرمایا جائے گا کہ ہرگز نہیں (وہاں کوئی تدبیر کام نہ دے گی)۔ وہ تو بھڑکتی ہوئی آگ کی لپٹ ہوگی جو گوشت پوست کو چاٹ جائے گی۔ پکار پکار کر اپنی طرف بلائے گی ہر اُس شخص کو جس نے حق سے منہ موڑا اور پیٹھ پھیری اور مال جمع کیا اور اُسے سینت سینت کر رکھا۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یوم یفر المرء من اخیہ وامہ وابیہ وصاحبتہ وبنیہ لکل امرئ منھم یومئذ شان یغنیہ: اس روز آدمی اپنے بھائی، اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا۔ ان میں ہر شخص پر اُس دن ایسا وقت آپڑیگا کہ اُسے اپنے سوا کسی کا ہوش نہ ہوگا۔

ابھی توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا ہے

محترم خواتین! میں نے یہ جو چند آیتیں آپ کے سامنے پڑھیں اور اُن کا ترجمہ کیا، اگر آپ نے غور سے سُنا ہوگا تو آپ کو محسوس ہوا ہوگا کہ آخرت کی ناکامی کس قدر خوفناک ہوتی ہے۔ اس خوفناک ناکامی سے بچنے کے لئے دنیا کی اِس چند روزہ زندگی میں جدوجہد کی جاسکتی ہے۔ ہمارا اور آپ کا اِس وقت زندہ رہنا اِس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابھی ہم پر توبہ کا دروازہ بند نہیں کیا ہے۔ ابھی ہمیں اِس بات کا موقع ملا ہوا ہے کہ ہم سب اپنی زندگیوں کا جائزہ لیں، اور انھیں خدا کی مرضی کے مطابق بنانے کی بھرپور کوشش کریں کیونکہ ابھی ہمیں عمل کرنے کی مہلت مل رہی ہے اپنی غلطیوں اور گناہوں کی معافی اور خدا کی توفیق طلب کرنے کا موقع ابھی ہاتھ سے گیا نہیں ہے۔

پرواز ہے دونوں کی اِسی ایک فضا میں

اِن باتوں سے آپ نے یہ بھی اندازہ لگایا ہوگا کہ مال و دولت اور اولاد انسان کے لئے بہت بڑی اور سخت آزمائش ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے "انما اموالکم واولادکم فتنۃ۔ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے لئے آزمائش ہیں۔" اِس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پھر آدمی اپنے اور اپنے بال بچوں کے لئے کوئی جدوجہد نہ کرے یا اولاد کی خواہش نہ کرے نہیں۔ میں اپنی تقریر کے آغاز میں بتا چکا ہوں کہ اسلام نے رزقِ حلال کے لئے جدوجہد کرنا ضروری قرار دیا ہے۔ جائز طریقوں سے بال بچوں کی پرورش کے لئے دوڑ دھوپ لازم ہے۔ دولت کے فتنہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ

ایک انسان اپنے مقصد و نصب العین سے جہاں ذرا غافل ہوا وہیں دولت اور اُس کا حصول شعوری یا غیر شعوری طور پر اُس کی زندگی کا مقصد اور محرک قرار پا جاتا ہے۔ اللہ کی بندگی اور اطاعت، آخرت کی فلاح اور خدا کی رضا کا حصول پس پشت پڑ جاتا ہے۔ اولاد اور دولت دونوں خدا کی امانت ہیں۔ دونوں کے کچھ حقوق اور تقاضے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے متعین کر دیئے ہیں۔ ان کی ادائیگی لازم ہے۔ انسان کے لئے زندگی کی کچھ بنیادی ضروریات ہوتی ہیں جن کی تکمیل کے لئے اُسے جد و جہد کرنی ہوتی ہے۔ مگر بڑا فرق ہے اس میں کہ ایک شخص کھانے پینے، رہنے سہنے اور عیش و عشرت کے لئے زندہ رہنا چاہتا ہو اور اسی دنیا کی زندگی کو سب کچھ تصور کرتا ہو اور دوسرا شخص اِس دارِ فانی کو ایک امتحان گاہ اور دارالعمل تصور کرتا ہو اور خدا پرستانہ زندگی بسر کرنا چاہتا ہو تا کہ آخرت میں اُسے کامیابی اور خدا کی خوشنودی حاصل ہو سکے۔ یہ شخص بھی پیٹ رکھتا ہے۔ اسے بھی اپنے اور اپنی اولاد کے لئے کھانے پینے، رہنے سہنے کا بندوبست کرنا پڑتا ہے مگر دونوں کے اندازِ فکر اور طرزِ عمل میں زبردست فرق ہوتا ہے، اور دونوں کا انجام بھی جدا جدا ہوگا۔ ایک دنیا پرست ہے، آخرت میں اُس کے بچنے کی کوئی اُمید نہیں مگر دوسرا خدا پرست ہے، اُسے اِس دنیا میں بھی حقیقی عزت اور خدا کی تائید و نصرت حاصل ہوگی اور آخرت میں بھی کامیابی اُس کے قدم چومے گی۔

علامہ اقبال نے اس فرق کو کتنے اچھے انداز میں صرف ایک شعر کے اندر پیش فرما دیا ہے ؎

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اَور ہے شاہیں کا جہاں اَور

کرنے کا کام

محترم خواتین! اگر آپ نے میری اب تک کی باتوں کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے تو آپ کے ذہن میں یہ سوال اُٹھ رہا ہوگا کہ اب آپ کو کرنا کیا چاہئیے۔ آپ اِس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ ہیں کہ خدا کی عدالت میں کسی عورت کی طرف سے جوابدہی اُس کا شوہر، باپ، بیٹا، کوئی پیر، کوئی مولینا اور مفتی یا کوئی اور نہیں کرے گا۔ ہر مرد کی طرح ہر عورت خدا کے حضور کھڑی کی جائے گی اور اُسے خدا کے سامنے اپنی زندگی کی جوابدہی کرنی ہوگی۔ اِس لئے پہلی بات یہ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اپنی زندگی کو خدا پرستانہ زندگی خود آپ بنائیں گی جب وہ بن سکے گی اور اِس ضمن میں جو تدابیر آپ اختیار کریں گی وہ موثر ہو سکتی ہیں۔ اور اگر آپ خود نہ چاہیں تو دنیا کی کوئی طاقت آپ کی زندگی میں کوئی خوشگوار تبدیلی پیدا نہیں کر سکتی۔ خدا کی توفیق و تائید کے بغیر کسی کامیابی کا تصوّ

نہیں کیا جا سکتا اگر خدا کی تائید و توفیق اسی کو حاصل ہو سکتی ہے جس میں اس کی طلب، تڑپ اور جستجو ہو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بڑی تفصیل اور وضاحت سے بتایا ہے کہ اے مسلمانو! مال اور اولاد کی کثرت اور بڑھوتری کی دھن میں ایک دوسرے پر سبقت کرنے کے بجائے دوڑو اور ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرو اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین جیسی ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ "اطیعوا اللہ والرسول لعلکم ترحمون: اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔ سارعوا الیٰ مغفرۃ من ربکم وجنۃ عرضہا السمٰوٰت والارض اعدت للمتقین: دوڑ کر چلو اس راستے پر جو تمہارے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جاتا ہے جس کی وسعت زمین اور آسمانوں جیسی ہے اور وہ خدا ترس لوگوں کے لئے مہیا کی گئی ہے۔" یہاں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری اور خدا ترسی کا حکم دیا گیا ہے مگر ہمارے آج کے بگڑے ہوئے سماج میں وہ انسان سب سے زیادہ متقی اور اللہ والا کہا جاتا ہے جو دنیا کے معاملات و مسائل سے الگ ہو کر کسی مسجد یا خانقاہ میں اللہ اللہ کرتا رہے، خوب نمازیں پڑھے، نوافل کا خوب اہتمام کرے۔ نہ اسے بیوی بچوں کی فکر ہو اور نہ اعزہ و اقربا کا خیال مگر یاد رکھئے خدا کے دین اسلام میں ایسا شخص خدا پرست نہیں بلکہ بدترین نفس پرست ہے۔ تقویٰ، خدا ترسی اور اطاعت و فرمانبرداری کا مفہوم کیا ہے اس کی ایک جھلک یہاں پیش کی گئی ہے جہاں سے میں نے یہ آیت پڑھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ خدا ترس لوگ وہ ہیں جو ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، اپنی اور اپنے بال بچوں کی پرورش و پرداخت کے لئے جائز راستوں سے اپنا رزق حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جو کچھ انھیں حاصل ہوتا ہے اس میں سے وہ خدا کا حق نکالتے ہیں" الذین ینفقون فی السراء والضراء: جو ہر حال میں اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں خواہ وہ خوش حال ہوں یا بدحال........ والکاظمین الغیظ: جو غصے کو پی جاتے ہیں۔ والعافین عن الناس: اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔ واللہ یحب المحسنین: ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں۔ والذین اذا فعلوا فاحشۃ، ظلموا انفسھم ذکروا اللہ فاستغفر الذنوبھم ومن یغفر الذنوب الا اللہ: یہ ایسے نیک لوگ ہیں جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی کوئی فحش کام ان سے سرزد ہو جاتا ہے تو یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو معاً اللہ انھیں یاد آ جاتا ہے اور اس سے وہ اپنے قصوروں کی معافی چاہتے ہیں۔

کے محبوب بندے

آپ غور فرمائیں گی تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو کسی حجرے یا گوشۂ تنہائی میں نہیں بلکہ زندگی کے میدان معاملات و مسائل کے اندر دیکھنا چاہتا ہے۔ خدا کی رضا اور جنت الفردوس تک جو راہ جاتی ہے وہ پہاڑوں، بیابانوں، ـوں اور حجروں سے ہوکر اور معاملاتِ زندگی سے بچ بچا کر نہیں جاتی۔ وہ تو زندگی کے ہنگاموں اور معاملات و مسائل کے بیچ سے ہوکر گذرتی ہے۔ خدا ترس انسان وہ نہیں ہے جو ایسی جگہ رہے جہاں گناہوں اور غلطیوں کا سرے سے گذر ہی نہ ہو جہاں دین سے کوئی سابقہ ہی پیش نہ آئے، جہاں نفس پر چوٹ پڑنے کا کوئی اندیشہ ہی نہ ہو۔۔ نہیں۔۔۔ بلکہ خدا پرست اور متقی انسان ہے جو انسانی سماج کے اندر رہے، اپنے بال بچوں اور اعزہ و اقارب اور اپنے پڑوسیوں کے حقوق کو پہچانے اور ادا کرے، قِ حلال کے لئے معاشی میدان میں دوڑ دھوپ کرے، الحاد و دہریت اور شرک و کفر، باطل افکار و تصورات اور لادینی طریقوں کے خلاف برسرپیکار ہو، خدا کے دین کو قائم، غالب اور جاری کرنے کی سعی و جہد کرے، بندگان خدا کو اس کے نام سے روشناس کرائے۔ اِس طرح میدانِ عمل کے اندر سرگرم رول ادا کرنے میں اُس سے گناہ بھی سرزد ہو سکتے ہیں، غلطیاں بھی کر سکتا ہے، اُس سے بھول چوک بھی ہو سکتی ہے، مگر جب بھی اُسے اِس کا احساس و شعور ہوگا وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرے گا۔ اپنے گناہوں اور قصوروں کی معافی چاہے گا۔ ومن یغفر الذنوب الا اللہ: وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جو بندوں کے گناہ کو معاف کر سکتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں کی یہ پہچان بتائی ہے کہ ولم یصروا علیٰ ما فعلوا وھم یعلمون: وہ کبھی جان بوجھ کر اپنے کئے پر اصرار نہیں کرتے۔

اولئك جزاؤهم مغفرةٌ من ربهم وجنتٌ تجری من تحتها الانهار خالدین فیها ونعم اجر العٰملین: ایسے لوگوں کی جزا اُن کے رب کے پاس یہ ہے کہ وہ اُن کو معاف کر دیگا اور ایسے باغوں میں انھیں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیسا اچھا بدلہ ہے نیک اعمال کرنے والوں کا۔

مضبوط فیصلہ اور پختہ عزم

محترم خواتین! اب میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ کو اختصار کے ساتھ یہ بتاؤں کہ اگر آپ واقعی اِس دنیا کی چند روزہ

زندگی کو پرمسرت اور پاکیزہ زندگی بنانا چاہتی ہیں اور آخرت میں خدا کی خوشنودی اور جنت الفردوس حاصل کرنا چاہتی ہیں اور آپ نہیں چاہتیں کہ آخرت میں ناکامی اور رسوائی اُٹھانی پڑے تو آپ کو سب سے پہلے پختہ ارادہ کر لینا چاہئے اور اس پر مضبوطی کے ساتھ جم جانا چاہئے کہ آپ ہر حال میں خدا اور اُس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کریں گی۔ کوئی ایسا رویہ اختیار نہیں کریں گی جو خدا کو ناراض کر دینے والا ہو، کوئی لفظ ایسا زبان سے نہ نکالیں گی جو خدا کو ناپسند ہو۔ اور اگر کبھی اس طرح کی غلطی بھول چوک ہو جائے تو اُس کا احساس ہوتے ہی آپ اللہ رب العلمین سے عفو و درگذر کی خواستگار ہوں گی، توبہ و استغفار کریں گی، ضد اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر کھلے دل سے اس کا اعتراف کریں گی۔

دین کی صحیح معلومات

اس فیصلے اور پختہ عزم کے ساتھ دوسری اہم بات یہ ہے کہ آپ کو دینِ اسلام کی صحیح اور مستند معلومات ہونی چاہئے، خدا کن باتوں اور کاموں کو پسند کرتا ہے اور انھیں کرنے کا حکم دیتا ہے، کن باتوں اور کاموں کو ناپسند کرتا ہے اور اُن سے بچنے کی تاکید کرتا ہے۔ اللہ کے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی اور آپؐ کے عظیم الشان کارنامے کیا ہیں۔ آپؐ نے دین کا کیا تصور پیش فرمایا۔ آپ نے دین کی تبلیغ، دین کی اقامت اور اشاعت کے لئے کیا طریقے اختیار فرما[ئے]، آپؐ نے اپنے محبوب ساتھیوں، جن میں مرد بھی ہیں اور خواتین بھی، کے ساتھ کیا اور کس طرح سلوک کیا۔ اُن کی کیسے تربیت فر[مائی]، آپؐ نے زندگی کے تمام شعبوں میں بندگانِ خدا کی کیا اور کس طرح رہنمائی فرمائی۔ اُمہات المومنینؓ کون ہیں۔ اُن کی پاکیزہ زندگ[ی] کیسی تھیں۔ جو خواتین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اُن کے اندر کیا تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ صحابۂ کرامؓ اور صحابیاتؓ کے اُسوے کیوں رہتی دنیا تک کے مردوں اور عورتوں کے لئے مشعلِ راہ قرار پائے۔ یہ غیر رسولوں کا وہ اولیں گروہ جس نے براہِ راست رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض حاصل کیا ہے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے براہِ راست ا[س] گروہ کی تربیت فرمائی ہے۔ اس گروہ نے اللہ کے رسولؐ کا تن من دھن سے ساتھ دیا اور دینِ اسلام کے قیام اور غلبہ و[...] میں بھرپور تعاون کیا۔ آپؐ کے اِس دارِ فانی سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی اِس گروہ نے روئے زمین کے ایک وسیع و[...] حصّے پر اللہ کے دین کو غالب و نافذ کیا اور اسے پوری آن بان کے ساتھ چلا کر دکھایا کہ آئندہ بھی خدا اور رسول پر ایمان اور ایمان رکھنے والے اِس دین کی اقامت و اشاعت کو، اِس کے تحفظ و استحکام کو اپنا فریضۂ منصبی تصور کریں اور اسے

ہ عمل ہوں ۔ اِس گروہ میں جہاں مردوں نے عظیم الشان کارنامے انجام دیئے وہیں خواتین نے بھی بے مثل خدمات انجام دیں ۔
صالح ترین گروہ کا اسوہ جب آپ پڑھیں گی یا سُنیں گی تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا شرف سب سے
، ایک خاتون ہی کو حاصل ہوا جو آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا تھیں ۔ آپ رحمۃ اللعلمین صلی اللہ علیہ
کے سکونِ قلب کا بہت اہم اور موثر ذریعہ تھیں ۔ پیارے رسولؐ پر جب پہلی بار وحی نازل ہوئی اور آپؐ واپس گھر تشریف لائے تو
بہت زیادہ گھبرائے ہوئے تھے ۔ آپؐ پر خوف طاری تھا ۔ یہی وہ مبارک خاتون ۔ ۔ آپ کی رفیقۂ حیات ۔ ۔ تھیں جنھوں نے
ور کو یہ کہہ کر تسلی دی کہ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں خدیجہ کی جان ہے آپ اِس اُمت کے نبی ہوں گے ۔ آپ تو سچ بولتے
، صلہ رحمی کرتے ہیں ، امانتیں ادا کرتے ہیں ، مجبوروں اور بیکسوں کو سہارا دیتے ہیں ، حق کے کاموں میں مدد کرتے ہیں ، مہمانوا
۔ بھلا اللہ آپ کو کیونکر ضائع ہونے دے گا ۔ شریک حیات کی اِن باتوں سے آپ کی ڈھارس بندھی اور آپ پوری طرح مطمئن
ئے ۔ حضرت یاسرؓ ، ان کی بیوی سمیہؓ ، اُن کے صاحبزادے حضرت عمارؓ ۔ ۔ یہ میاں ، بیوی اور بیٹے انتہائی غریب تھے حضورؐ
بان لا چکے تھے ۔ ظالم دشمن انھیں طرح طرح سے ستاتے تھے ۔ کبھی تپتی دھوپ اور ریت میں سُلاتے ، کبھی آگ
جلاتے ، کبھی پانی میں غوطے دیتے ۔ حضرت یاسرؓ نے اس طرح تڑپ تڑپ کر اپنی جان جان آفریں کے حوالے کر دی حضرت سمیہؓ
و جہل نے شہید کر دیا ۔ حضرت سمیہؓ وہ پہلی خاتون ہیں جنھوں نے اسلام قبول کرنے کے "جرم" میں جامِ شہادت نوش فرمایا
یخِ اسلام میں بے شمار پاکباز خواتین ملیں گی جنھوں نے دینِ اسلام کے لئے عظیم الشان کارنامے انجام دیئے ۔

با معلومات کا اہم ذریعہ

دینِ اسلام کے سلسلے میں صحیح اور مستند معلومات حاصل کرنے کا سب سے اہم ذریعہ اللہ کی کتاب قرآن حکیم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ ہے ۔ آپ میں سے جو خواتین پڑھنا جانتی ہیں وہ اپنی زبان میں قرآن و سنت اور دینی لٹریچر کا مطالعہ کریں ۔ خدا کے فضل و کرم سے قرآن ، احادیث اور صحابہ کرام و بزرگانِ دین کے اسوے اور کارنامے آپ کی اپنی زبانوں میں اردو ، ہندی ، انگریزی اور دوسری متعدد علاقائی زبانوں میں آ چکے ہیں ۔ قرآن حکیم کو سمجھنے کیلئے جہاں اور بہت سے بزرگوں نے دیگر زبانوں میں ترجمہ و تفاسیر کی عظیم خدمات انجام دی ہیں وہیں تفہیم القرآن کے نام سے مولانا مودودیؒ نے جو تفسیر پیش فرمائی ہے وہ نہایت مستند ، عام فہم اور سلیس ہے ۔ اس کا اندازِ بیان حد درجہ دلنشین ہے ۔ مستند تفاسیر ، مجموعہ احادیث ، سیر اور لٹریچر کے مطالعہ سے آپ دینِ اسلام کو اچھی طرح سمجھ سکتی ہیں ، اپنے فرائض کو جان سکتی ہیں ۔

(باقی)

اس لئے میں انھیں اس دور کا مجدّد ہی کہوں گا

روایت :۔ راجہ غضنفر علی

۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۲ء تک میں اسلامیہ کالج ریلوے روڈ میں زیر تعلیم رہا۔ اسی زمانے کی بات ہے جب مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی ہر اتوار کو حبیبیہ ہال میں اسلامیات کا لیکچر دینے کے لئے پٹھانکوٹ سے تشریف لاتے کالج میں ہفتہ وار تعطیل جمعہ کو ہوتی لیکن اتوار کا دن، سپورٹس اور دوسری سوشل تقریبات کے لئے مخصوص تھا۔ جن میں مولانا کا لیکچر بھی شامل ہو گیا۔ اس لیکچر میں سارا کالج شریک ہوتا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مولانا کے سرخ و سپید چہرے پر ڈاڑھی کے بال ابھی سیاہ تھے۔ سر پہ سیاہ ٹوپی، ڈارک براؤن اچکن، چوڑی دار سفید پائجامہ، نیلگوں شیشوں والی عینک مولانا کی جوانی کے ایام تھے۔ لیکن کسی بھی موقع پر ہم نے ان کی طبیعت میں کرختگی یا جذباتیت نہیں دیکھی۔ بات کرنے کا انداز بڑا شائستہ ہوتا اور جو بات وہ کرتے، مدلّل ہوتی۔

حاضرین کاغذ پنسل ساتھ لاتے۔ کیونکہ لیکچر کے اختتام پر چٹوں کے ذریعے مولانا سے سوالات پوچھے جاتے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب لڑکے خاکسار تحریک سے خاصے متاثر تھے۔ میں خود بھی سب سے پہلے تک خاکسار تحریک کا مداح ہی نہیں اپنی بساط کے مطابق ورکر بھی تھا۔ جب حاضرین مولانا سے خاکسار تحریک کے متعلق سوالات پوچھتے اور مولانا اس تحریک اور تحریک کے قائد کے متعلق جواب دیتے تو چونکہ وہ جواب میرے نظریات سے لگاؤ نہیں کھاتے تھے اس لئے میں مولانا سے متاثر نہ ہو سکا اور نہ ہی میں نے مولانا کا لٹریچر پڑھنے کی ضرورت محسوس کی۔ اس وقت تو علامہ مشرقی کی کتابوں اور خاکسار تحریک کے ترجمان الاصلاح کا زور تھا۔ وہی ہمارے ذہنوں پر چھایا ہوا تھا۔

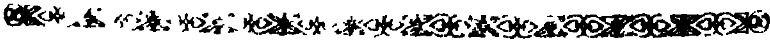
۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو جب آل انڈیا مسلم لیگ کا لاہور سیشن ہوا تو میں حضرت قائدِ اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت سے بہت متاثر ہوا۔ قائدِ اعظم کے کردار کی بلندی، سیرت کی پختگی، قول کی سچائی اور فعل کا خلوص مجھے گرویدہ کرتا چلا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میرا خاکساری ذہن مکمل طور پر مسلم لیگی ہو گیا۔

میرا تیسرا دور ترقی پسند ادب سے متعلق ہے۔ میرا اس طرف جھکاؤ ہوا تو ساتھ ہی میں نے مارکس، لینن اور اسٹالن کو پڑھ ڈالا۔ ان لوگوں سے میں متاثر ہوا۔ اس کے باوجود کہ میں ایک مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتا تھا لیکن سوسائٹی اور ماحول مجھے کمیونزم کی طرف لے جا چکا تھا۔ گھر پر والد مرحوم میاں رمضان علی صاحب سے بحث رہتی یں اس انتہا تک چلا گیا کہ والد سے خدا کے وجود پر بحث کرتا، خدا تعالیٰ مجھے معاف کرے، وہ دور جاہلیت تھا۔ نیز والد صاحب نے میرے ذہنی رویّے کے باعث مجھ سے بول چال بند کر دی۔

ابھی پاکستان قائم نہیں ہوا تھا۔ ایک روز والد مرحوم نے مجھے مولانا مودودی کی انگریزی تصنیف — TOWARDS UNDERSTANDING ISLAM دی۔ میں نے اس کتاب کو پڑھا، اور کئی بار پڑھا۔ اس نے مجھے اتنا متاثر کیا کہ ذہن پر چھائی ہوئی گمراہیوں کی ساری آلودگی صاف ہو گئی۔ اس میں مولانا کے طریقِ استدلال کو بڑا دخل حاصل تھا۔ اب میں نے مولانا کی دوسری تصانیف کا مطالعہ بھی شروع کر دیا۔

پاکستان بننے کے بعد، مولانا اپنی اچھرہ کی رہائش گاہ کے سبزہ زار میں روزانہ عصر سے مغرب تک نشست کرتے تو میں بھی وہاں جا بیٹھتا۔ اس وقت اتنا ہجوم بھی نہیں ہوتا تھا۔ میں مولانا سے بڑے تیکھے اور غیر مناسب قسم کے سوالات بھی پوچھ ڈالتا۔ مولانا کبھی برافروختہ نہیں ہوئے، ہر سوال کا جواب دیتے وقت متانت، تحمل اور خندہ پیشانی کی خوبیاں اپنائے رکھتے، غصے کے آثار تک چہرے پہ نہ آتے تھے۔ میں ان سے وہ سوال بھی پوچھتا جو طلوعِ اسلام پڑھکر میرے ذہن میں اُبھرتے، لیکن دلیل کی تیز دھار سے وہ ہر غلط سوال کا قلع قمع کر ڈالتے، مولانا کا یہ انداز بہت اثر انگیز تھا۔

اس لئے میں اُنھیں اِس دَور کا مجدّد ہی کہوں گا۔



کردار کی پاداش

(نادرہ خاتون)

ہمارے ہاں اس کی عزت تھی۔ بچہ بچہ اسے جانو بوا کہتا تھا۔ میں اس سے بہت پیار اور محبت کرتی۔ میرے شوہر کہتے تھے یہ دکھی ہے اور آگے پیچھے بھی کوئی نہیں۔ اسے کوئی ایسی تکلیف کوئی ایسا رنج نہ پہنچے کہ یہ پھر گھر سے بے گھر ہو جائے۔ میری نندوں کا سلوک اس کے ساتھ بڑی بہنوں کا سا تھا۔ عمر میں بڑی ہونے کی وجہ سے وہ اس کا احترام بھی کرتی تھیں۔ غرضیکہ اس کی حیثیت ہمارے گھر میں ایک فرد کی سی تھی۔ اسے کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے کی ہر طرح کی آزادی تھی اور اس نے بھی ایک ہی مہینے میں گھر کو اس طرح سنبھالا تھا کہ ہم سب ایک طرح سے اس کے ممنون تھے۔

مہینہ ختم ہوا۔ پہلی تاریخ آئی۔ تو میں نے سو روپے اس کے ہاتھ پر رکھے۔ جانو روپے دیکھ کر پریشان ہو گئی۔

"بی بی جی اتنے سارے روپے۔ میں ان کا کیا کروں گی؟"

میں نے کہا ——

"یہ روپے تمہارے ہیں۔ یہ تمہاری محنت کا صلہ نہیں ہیں۔ تم جتنا کام کرتی ہو اس کے مقابلے میں یہ کچھ بھی نہیں۔ لیکن ہم تو [illegible] لوگ ہیں۔ محدود آمدنی ہے اس وقت [illegible] سے زیادہ نہیں دے سکتے۔ تمہارے صاحب کی تنخواہ بڑھے گی تو تمہاری بھی تنخواہ بڑھا دی جائے گی۔"

جانو کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"بی بی جی! یہاں تو میں کوئی کام ہی نہیں کرتی۔ اس سے زیادہ کام تو مجھے رحمو اور اس کے گھر والوں کے لیے کرنا پڑتا تھا لیکن اس نے تو بارہ سالوں میں کبھی ایک روپیہ بھی میرے ہاتھ پر نہ رکھا۔"

میں نے کہا۔

"وہ اور بات تھی، بہرحال یہ روپے تم رکھو، یہ روپے تمہارے ہیں۔"

جانو نے پوچھا۔

"مگر میں ان روپیوں کا کیا کروں گی، کیا خریدوں گی؟"

میں نے کہا "خرچ کرنا۔"

اس نے پوچھا: "کہاں خرچ کروں گی۔ خریدوں گی؟"

میں نے مشورہ دیا۔

"کپڑے خرید لینا۔"

جانو نے کہا: "مگر آپ نے تو اتنے کپڑے دیے ہیں کہ دو سال تک کے لیے کافی ہوں گے۔"

میں زچ ہوگئی۔ میں نے کہا: "اچھا کبھی کچھ اور خرید لینا۔"

جانو نے پوچھا "مثلاً اور کیا خریدوں؟"

مجھے جھنجھلاہٹ ہونے لگی۔ بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔

میں نے کہا "تم سرخی پوڈر خرید لینا۔ عطر لے لینا۔"

جانو نے سوالیہ نشان بن کر پوچھا "کس کے لیے؟"

اور اس سوال پر میں نے حیران ہو کر جانو کی شکل دیکھی۔ اس جاہل عورت نے اس ایک جملے میں عورت کے پورے جذبات اور احساسات بیان کر دیے تھے۔

پھر بھی مجھے غصہ آ گیا۔ دراصل میرے پاس اس کی باتوں کا جواب نہ تھا۔ مگر ایسی ملازمہ کہاں ملتی ہے۔ میں نے جی کڑا کر کے کہا

"اچھا جانو تم ان روپیوں کو جمع کرنا۔"

جانو نے حیرانی سے پوچھا۔

"جمع کرنا کس کے لیے؟"

میں نے کہا

"بڑھاپے کے لیے

وہ اور بھی حیران ہو گئی۔

"تو کیا آپ بڑھاپے میں مجھے نکال دیں گی؟"

میں شرمندہ سی ہو گئی۔

"نہیں جانو ہرگز نہیں!"

جانو نے کہا۔

"تو پھر اگر ساری عمر مجھے یہاں ہی رہنا ہے تو روپے جمع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور جمع کرتی بھی۔ ہوں تو کس کے لیے میرے تو کوئی آگے نہ پیچھے۔ اور پھر ساری عمر بڑھاپے تک یہیں رہنا ہے تو پیسوں کی کیا ضرورت ہے"

اور اس نے سو روپے کا نوٹ میرے ہاتھ میں تھما دیا اور برتن دھونے باورچی خانے میں چلی گئی۔

O

رات کو میں نے اپنے شوہر سے مشورہ کیا۔ ان کے پاس بھی جانو کی باتوں کا کوئی جواب نہ تھا۔ تاہم انھوں نے مشورہ دیا کہ بینک میں اس کا اکاؤنٹ کھول دیا جائے اور ہر ماہ اس کی تنخواہ اس میں جمع کروا دی جائے۔

مجھے مشورہ پسند آیا اور جانو کے نہ نہ کرتے ہوئے بینک فارم پر اس کے دستخط کرا کے اس کا اکاؤنٹ کھول دیا گیا۔ کچھ سالوں کے بعد اس کی تنخواہ سو کے بجائے ڈیڑھ سو اور پھر دو سو ہو گئی۔ کچھ بینک اکاؤنٹ میں بینک کی طرف سے منافع کی رقم جمع ہوتی گئی۔ اور اس طرح بیس سالوں میں اس کے اکاؤنٹ میں لگ بھگ اسی ہزار کی رقم موجود تھی بینک سے ہر سال حساب کی سلپ آتی تھی جو میں جانو کے حوالے کر دیتی۔

جانو کو یہ سب کچھ بے حد ناگوار تھا اس نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ مجھے اس روپے میں سے ایک پیسہ نہیں چاہیے

اس طرح جانو کو ہمارے ہاں رہتے ہوئے بیس سال ہو گئے۔ تمام گھر، زیور، روپیہ پیسہ، الماری، سیف کی تمام چابیاں جانو کے پاس رہتی تھیں

ایک شام میں باہر سے آئی۔ جانو کمرے کی صفائی کر رہی تھی اس کی پشت میری طرف تھی۔ میں یونہی دروازے کے پاس کھڑی

جانو صفائی کر رہی تھی۔ ایک ایک چیز کو نہایت سلیقے کے ساتھ صاف کر رہی تھی جھاڑ رہی تھی اور میں دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھی کہ اتنی محنت، اتنی محبت اور اتنے خلوص کے ساتھ شاید اس گھر کو میں بھی صاف نہ رکھ سکوں۔

جانو نے زمین پر سے ایک کاغذ کا ٹکڑا اٹھایا۔ اسے کھولا۔ وہ کاغذ کا ٹکڑا نہیں تھا۔

پانچ روپے کا نوٹ تھا۔

میرے سرہانے رکھے ہوئے نوٹوں میں سے گر گیا ہوگا۔ مجھے یقین تھا کہ جانو اسے میرے سرہانے تکیے کے نیچے رکھ دیگی۔

مگر وہ غور سے دیکھتی رہی۔ دیکھتی رہی۔

اور پھر اس نے وہ نوٹ جلدی سے نیفے میں اُڑس لیا اور صفائی میں مصروف ہوگئی۔

میں اُلٹے پاؤں لوٹ کر صحن میں آگئی۔

میں نے دل ہی دل میں کہا

"ہت تیری جانو کی۔ تیری کہانی کیا ہوسکتی ہے۔"

پھر میں نے خود کو سمجھایا۔

جانو ایک چھوٹے طبقے کی عورت ہے آخر اس کی فطرت رنگ لا کر رہی۔

قصور میرا ہی ہے۔ میرا ہی انتخاب غلط تھا کسی چھوٹی عورت کی کہانی کیا ہوسکتی ہے چھوٹی عورت تو چھوٹی ہی رہتی ہے کہانیاں تو بڑی عورتوں کی ہوتی ہیں۔

بڑی عورتوں کے کردار میں کوئی جھول نہیں ہوتی۔ کوئی جھول نہیں ہوتا۔ مجھے اپنی کہانی کے کردار کے لیے کسی بڑی عورت کا انتخاب کرنا چاہیے تھا۔

لہٰذا میں نے انتخاب کر لیا۔

(ناہید نازلی)

موج سراب

بھیا کو نوکری کیا ملی کہ اماں ہر وقت اُٹھتے بیٹھتے بھیا سے چاند سی دلہن کی فرمائش کرنے لگیں۔ تب میرے تصورات میں صنوبر کا مسکراتا ہوا چہرہ گھوم جاتا۔

مجھے بھی اس دن کا شدت سے انتظار تھا جب صنوبر میرے عاطف بھیا کی دلہن بن کر اس گھر کو رونق بخشے گی ....

صنوبر میرے تایا ابا کی سب سے بڑی لڑکی تھی۔ میٹرک کرنے کے بعد تایا ابا نے اس کی پڑھائی ختم کرادی تھی۔ اس ترقی یافتہ دور میں بھی وہ لڑکوں کی زیادہ پڑھائی کے خلاف تھے صنوبر میں وہ تمام خوبیاں موجود تھیں جو ایک لڑکی میں ہونی چاہئیں۔ ہنرمند، باسلیقہ، خوش اخلاق خوش گفتار۔ اس کا رنگ گہرا سانولا تھا۔ بڑی بڑی آنکھوں میں سچے موتیوں کی سی چمک تھی۔ ہونٹوں پر ہر دم مدھم سی مسکراہٹ رقصاں رہتی تھی۔ کردار کی پاکیزگی اور شرم وحیا کے زیور نے اس کے سانولے چہرے کو بہت پرکشش بنا دیا تھا۔

وہ عاطف بھیا کی بچپن کی مانگ تھی۔ تایا ابا کا گھر ہمارے گھر سے ذرا فاصلے پر تھا۔ وہ دل ہی دل میں عاطف بھیا کی پرستش کرتی تھی لیکن مشرقی شرم وحیا والی لڑکی تھی۔ اس لیے جذبات کی خوشبو کو دل کے نہاں خانوں میں ہی رکھا۔

ایک دن جب میں کالج سے گھر واپس آئی تو دیکھا کہ اماں لپک جھپک کہیں جانے کی تیاری کر رہی ہیں۔

"کہاں جانے کی تیاری ہو رہی ہے؟" اماں۔

"ارے بیٹی، ذرا بیگم ملک کے ساتھ عاطف کے لیے لڑکی پسند کرنے جا رہی ہوں۔"

"لڑکی دیکھنے" میں نے حیرت سے اماں کی طرف دیکھا۔

"اماں لڑکی تو اپنے گھر کی ہے اور دیکھی بھالی ہے پھر آپ لڑکی دیکھنے کہاں جا رہی ہیں؟" اماں نے استفہامیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"ارے اماں وہی اپنی صنوبر اور کون۔"

صنوبر کے نام پر اماں کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور پاس کھڑی بڑی آپا نے ناگواری سے میری طرف دیکھا۔ میرا دل دکھ گیا اور میں سمجھ گئی کہ گھر والے صنوبر کو کیوں نظر انداز کر رہے ہیں۔ اگرچہ تایا ابا کی نوکری اچھی ہے اور اچھا کما لیتے ہیں۔ لیکن آٹھ عدد جوان لڑکیوں کو زمانے کے مطابق جہیز دینے کی سکت ان میں بھی نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ بقول اماں کے صنوبر کا رنگ تو کالا ہے اور اماں کو کسی اونچے گھر کی چندے آفتاب اور چندے ماہتاب لڑکی کی ضرورت تھی۔

"ہونھ اپنے لڑکے کو تو دیکھتی نہیں ہیں۔ کھُردرا سا چہرہ، چھوٹی چھوٹی آنکھیں، ٹھنڈا ایسا لمبا جسم... خود تو چاند ایسے ہیں نہیں اور چلی ہیں چاند ایسی بہو ڈھونڈنے بیٹے کی گوری چمڑی پر بہت ناز ہے اماں کو.... میں نے جل کر سوچا۔

پھر مجھے اپنے گزرے ہوئے دن یاد آ گئے۔ جب بابا اپنے کندھے پر کپڑے کی گٹھری لٹکائے گلی گلی آوازیں لگایا کرتے تھے اور اماں ایک چھوٹے سے اسکول میں ڈیڑھ سو روپے ماہوار پہ ٹیچر تھیں... گھر کا خرچہ بڑی مشکل سے پورا ہوتا تھا۔ تایا ابا اپنی حیثیت کے مطابق ہم لوگوں کی مدد کر دیا کرتے تھے۔ اماں نے بڑی آپا اور منجھلی آپا کی میٹرک کرتے ہی شادی کر دی تھی۔

پھر ہمارے آشفتہ حالی کے دن ختم ہوئے اماں جنھوں نے نوکری کے ساتھ ساتھ پرائیوٹ طریقے سے انٹر بی اے اور بی ایڈ بھی کر لیا تھا انھیں اب ترقی مل گئی تھی اور اب وہ اپنے

پرائمری اسکول کی ہیڈ مسٹریس تھیں اور ساتھ ہی مشہور سماجی کارکن بھی تھیں۔

ایم ایس سی کرنے کے بعد تایا ابا کی کوششوں سے بھیا کو ایک غیر ملکی فرم میں شاندار سی نوکری مل گئی۔ فرم کی جانب سے ہر طرح کی سہولتیں مہیا تھیں اور ترقی کے امکانات بھی روشن تھے۔

بابا نے گلی گلی گھوم کر کپڑے بیچنے چھوڑ دیے۔ گھر اچھے اچھے قیمتی فرنیچر سے آراستہ ہو گیا دوسرے بھائی بہن بھی اب صاف ستھرے کپڑوں میں نظر آنے لگے تھے۔ اماں جن کے پاس ایک دو ساڑھیاں تھیں اب درجنوں دیدہ زیب ساڑھیاں ہو گئی تھیں۔ اب اماں بہت فخر سے کہتیں۔

"اب تو ہمارا اسٹیس بلند ہو گیا ہے۔ ہم اپنے عاطف کے لیے کسی اونچے گھر کی خوبصورت لڑکی لائیں گے۔"

اماں جب لڑکی دیکھ کر واپس آئیں تو چہرہ خوشی سے لال ہو رہا تھا بڑی آپا اپنی ساڑی سنبھالتی ہوئی بے اختیار بھیا سے لپٹ گئیں۔

"سچ بھیا بے حد حسین ہے پروفیسر احمد علی کی اکلوتی لڑکی ہے ڈھیروں جہیز لائے گی اپنے ساتھ...." آپا مسکرا مسکرا کر بھیا سے کہہ رہی تھیں اور بھیا گنگناتے ہوئے اپنے کمرے میں چلے گئے۔

پھر ایک ہفتے بعد بھیا کی منگنی بھی ہو گئی۔

"ماشاء اللہ دلہن تو سر سے پیر تک سونے سے پیلی ہو رہی ہے۔ دلہن کی اماں کہہ رہی تھیں کہ ابھی تو ہم اور زیور چڑھائیں گے۔ اور جہیز میں دلہن کے ابا مکان بھی دیں گے۔"

"اماں میٹھی پڑوسن سے باتیں کر رہی تھیں اور میرے سامنے صنوبر کا اداس چہرہ گھوم گیا اماں جس دن بھیا کی منگنی کرنے گئی تھیں اس دن میں نے صنوبر کی آنکھیں بھیگی ہوئی دیکھی تھیں

پھر وہ دن بھی آ گیا جب اماں کی چاند سی بہو نے اس گھر کو رونق بخشی اماں اور آپا کی خوشیوں کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا۔ اعلیٰ اور قیمتی جہیز دیکھ دیکھ کر ان کی باچھیں کھلی جاتی تھیں۔ دلہن بھابی واقعی قدرت کا حسین شاہکار تھیں۔ بنارسی ساری کا پلو سر پر ڈالے گاؤ تکیے

کے سہارے بیٹھی تھیں۔ تبھی میری نگاہیں تائی اماں کی طرف اٹھ گئیں جو خاموش خاموش سی ایک طرف بیٹھی حسرت بھری نظروں سے دلہن بھابی کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ میری نگاہوں نے صنوبر کو ہر طرف ڈھونڈا لیکن وہ کہیں نظر نہیں آئی۔ دبے دبے قدموں سے صنوبر کے کمرے میں داخل ہوئی . . . . آہٹ پر اس نے سر اٹھایا میری طرف دیکھا بستر پر لیٹی وہ رو رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی آنسو پونچھ کر اٹھ بیٹھی۔ میں بے اختیار اس سے لپٹ کر رو دی۔

"نازش یہ تو اپنی اپنی قسمت ہے۔ کیوں روتی ہو تمہیں تو خوش ہونا چاہیئے کہ اتنی اچھی پڑھی لکھی اور اونچے گھر کی لڑکی تمہاری بھابی بنی ہے۔ میری کیا حیثیت ہے معمولی شکل و صورت والی گھریلو سی لڑکی ہوں۔ کاش کہ میں نے عاطف کو دل میں جگہ نہ دی ہوتی"۔

آنسوؤں کے دو قطرے پھسل کر اس کے دامن میں جذب ہو گئے۔

دلہن بھابی کچھ دن تک تو اپنی شرافت کے دائرے میں رہیں لیکن رفتہ رفتہ جب انھوں نے اپنی اصلیت ظاہر کی تو ہمیں پتہ چلا کہ دلہن بھابی صورت کی جتنی اچھی ہیں مزاج کی اتنی ہی تیز اور لڑاکا ہیں اور پھوہڑ تو اس قدر ہیں کہ خود تو بنی سنوری رہتی ہیں لیکن کمرہ کباڑ خانے سے بھی بدتر رہتا ہے۔ اماں سے بھی اب اُن کی ایک منٹ نہیں بنتی تھی۔ وہی اماں جو بہو کے گُن گایا کرتی تھیں۔ اب بہو سے عاجز ہیں۔ تب ایک دن اماں کو روتے ہوئے دیکھ کر میں نے کہا۔

"روتی کیوں ہیں اماں۔ آپ کو تو ڈھیروں جہیز لانے والی اور چاند ایسی بہو کی تلاش تھی نا تو وہ مل گئی۔ اب پچھتاتی کیوں ہو۔ آپ نے صنوبر جیسی ہیرا لڑکی کو ٹھوکر ماری تھی۔ تو اب اس پتھر سے سر پھوڑیں۔

بھیا کی غیر موجودگی میں بھابی کا اپنے کزن فیصل کے ساتھ آزادانہ گھومنا اماں کو سخت ناپسند تھا۔ پھر ایک دن تو طوفان آگیا . . . بھابی کہیں جانے کے لیے تیار ہو کر باہر نکلیں میک اپ سے تپا ہوا چہرہ بغیر آستینوں کا تنگ بلاؤز باریک ساڑی . . . اماں نے انھیں سر سے پیر تک دیکھا۔

"کہاں جارہی ہو دلہن؟"

"میں ذرا فیصل کے ساتھ شاپنگ کے لیے لالہ زار جا رہی ہوں۔"

انھوں نے بڑی بے نیازی سے جواب دیا۔

"عاطف سے پوچھ لیا ہے؟"

"جی نہیں ..... میں اپنی مرضی کی مالک ہوں" اور اپنی سوشل لائف میں کسی کا عمل دخل برداشت نہیں کر سکتی۔"

"لیکن دلہن ہمارے گھرانے میں بہوؤں کا یوں عریاں لباس میں آزادانہ باہر گھومنا سخت ناپسند کیا جاتا ہے۔"

"واٹ" وہ اتنی زور سے گرجیں کہ پاس کھڑا بڑا آپا کا منا ڈر گیا۔ اور پھر تو اچھی خاصی جنگ ہوگئی۔ بھابی نے پاس پڑوس والوں کا بھی خیال نہ کیا اور چیخ چیخ کر سارا گھر سر پر اٹھا لیا اماں جتنی نرمی سے انھیں سمجھا رہی تھیں وہ اتنی ہی تیخ پا ہو رہی تھیں اور اماں کو ڈھیروں صلواتیں سنا ڈالیں۔

اسی وقت بھیا بھی باہر سے آ گئے انھیں دیکھتے ہی بھابی بم کی طرح پھٹ پڑیں۔

"میں کہتی ہوں عاطف اب میں تمہاری ماں بہنوں کے ساتھ ایک منٹ بھی نہیں رہ سکتی یا تو مجھے لے کر الگ رہو یا پھر طلاق دو۔"

بھیا بھی آئے دن کی دانتا کل کل سے پریشان ہو گئے تھے ـــــ "مجھے بیویاں ہزاروں مل سکتی ہیں مگر لیکن ماں باپ جیسی نعمت نہیں مل سکتی ہے میں تمہیں تو چھوڑ سکتا ہوں لیکن ماں باپ کو نہیں ... پھر بھیا نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے طلاق نامہ بھابی کو پکڑا دیا۔ بھیا اب ہر وقت کھوئے کھوئے سے رہنے لگے تھے گھر کی فضا بھی بدلی بدلی سی ہو گئی تھی تب ایک دن اماں ندامت کے آنسو آنکھوں میں لیے صنوبر کو مانگنے تایا ابا کی دہلیز پہ پہنچ گئیں لیکن اسی وقت صنوبر کسی اور کے نام سے منسوب ہو چکی تھی اور کچھ ہی دنوں بعد اسکی ڈولی کسی اور کے آنگن میں اترنے والی تھی اور اماں کفِ افسوس ملتی ہوئی ناکام واپس آ گئیں ●●

(مہناز عرفان)

کنارے ڈوب جاتے ہیں

خالہ زبیدہ اپنے بھاری بھرکم وجود کو سنبھالتی
ں کانپتی ہوئی آئیں تو میں نے انھیں جلدی
پکڑ کر صوفے پر بٹھا دیا۔ میں نے فرج میں
ے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکالی اور گلاس ان
رف بڑھا دیا۔

"اے بیٹی یہ تم نے مجھے کہاں بھیج دیا تھا
ں کوئی مت ماری گئی ہے جو میں وہاں اپنے
ند کی شادی کروں گی۔" کہتے ہوئے خالہ
غٹاغٹ گلاس چڑھا لیا۔ ان کے چاند
ہنے پر میری نظروں میں ان کے بیٹے سمیع
پیٹی ناک اور کالا کلوٹا سراپا گھوم گیا۔
ں کے لیے وہ سورج سی دلہن تلاش
رہی تھی۔ میرے بتانے پر وہ آج راشدہ
دیکھ کر آئی تھیں۔

"کیا ہوا خالہ، کیا پسند نہیں آئی؟"
میں نے تفصیل جاننا چاہی۔

خالہ نے میرے ہاتھ سے پان لیا منہ
میں رکھا اور چپڑ چپڑ چباتے ہوئے بولیں۔

"ارے پسند کی کیا پوچھتی ہو بی بی بھلا
وہ اس قابل ہے کہ میں اسے بہو بناؤں خوب
مذاق کیا ہے تم نے میرے ساتھ۔"

"مگر خالہ دیکھیے نا اتنی قابل ہے انگلش میں
ایم اے پاس ہے اور کیا چاہیے؟"
میں نے ناگواری سے کہا۔

"ارے تو اس کی قابلیت اس کی ڈگری
لے کر چاٹنی ہے۔ نوج نہ شکل ہے نہ صورت
چیاں چیاں سی تو آنکھیں ہیں اس کی۔"
خالہ اپنی آنکھیں پھاڑتے ہوئے بولیں۔

"خالہ ان آنکھوں سے وہ دیکھ تو سکتی
ہے نا۔ ایسی بڑی بڑی آنکھوں سے کیا فائدہ

جو اچھے برے کی تمیز ہی نہ کر سکیں۔"
"اے ناک دیکھی ہے تم نے اس کی۔
پکوڑا سا ہے پکوڑا۔"
خالہ نے یوں کہا جیسے میں نے اُسے کبھی
دیکھا ہی نہ ہو۔
"ٹھیک ہے خالہ اس کی ناک اس کے
چہرے کے نقش کے مطابق ٹھیک ہے بلکہ
میں تو یوں کہوں گی۔ کہ اگر پتلی ناک ہوتی تو اس
کے چہرے کے نقش سے قطعی میل نہ کھاتی۔"
میں نے انھیں سمجھایا۔
"اے لو تمہیں کوئی خامی ہی نظر نہیں
آرہی ہے۔ اے رنگ دیکھا ہے کیسا کالا ہے۔"
وہ ایک کے بعد ایک خامی نکال رہی تھیں۔
"معاف کیجیے خالہ رنگ تو آپ کا بھی صاف
نہیں۔ اور آپ کے سمیع کا تو آپ سے بھی دبتا
ہوا ہے۔"
میں نے ہمت کر کے کہہ دیا۔ کیونکہ مجھے
یوں راشدہ میں خامیاں نکالنا قطعی اچھا نہ لگ
رہا تھا۔ کیوں کہ وہ مجھے بہت پسند تھی۔
"بھئی دیکھو مرد تو مرد ہے چاہے جیسا بھی
ہو کچھ نہیں جاتا۔ پر عورت کی ناک واک درست
نہ ہو تو اچھی نہیں لگتی اور جو چیز اچھی نہ لگے
ہر وقت آنکھوں کے سامنے کس طرح دیکھی
جا سکتی ہے۔"
"اچھا اور کیا خامی ہے اس میں؟"
میں نے چڑ کر کہا۔
"اور تو خیر ٹھیک ٹھاک ہے۔ قد بھی ٹھیک
ہے۔ جسامت بھی مناسب ہے، بال بھی گھنے
گھٹنوں ہیں۔"
وہ سوچتے ہوئے بتاتی رہیں۔
"ٹھیک ہے خالہ، اگر آپ کو پسند نہیں
آئی تو خیر ویسے بھی وہ جتنی اچھی ہے۔ اس
کے لیے اتنا ہی اچھا زندگی کا ہمسفر ملنا چاہیے۔"
"اے تو کیا سمیع کسی سے کم ہے کیا؟"
وہ تڑخ کر بولیں۔
"خیر یہ تو آپ ہی جانیں لیکن مجھے واقعی
افسوس ہوا ہے۔ میں نے تو سمیع کو اپنا بھائی
سمجھ کر آپ کو وہاں بھیجا تھا۔ کیونکہ اگر میرا
اپنا کوئی بھائی ہوتا تو میں راشدہ کو ضرور
بھابی بناتی۔"

"اے چلو چھوڑو۔ یہ شوکت کہاں گیا ہوا ہے ...ے تو آ گیا ہوگا۔"

وہ بات بدل کر بولیں۔

"ذرا فرخ کی طرف گئے ہیں بلایا تھا انہوں نے۔"

"تو اب میں بھی چلتی ہوں ذرا حسن بانو کی ...ف بھی جانا ہے۔"

وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

"کیا کوئی کام ہے؟"

میں نے پوچھا۔

"ہاں ذرا اس کی نند کی لڑکی کو بھی دیکھنے ...ی ہوں، اس نے مجھے بتایا تھا مجھے۔"

میں نے ٹھنڈی سانس بھری اور انھیں ...ا دیکھتی رہی۔

اگلے دن خالہ آئیں تو باتوں باتوں کے ...دوران میں نے پوچھا۔

"دیکھ آئیں خالہ حسن بانو کی نند کی لڑکی کو؟"

"اے ہاں دیکھ لیا۔"

وہ بیزاری سے بولیں۔

"پھر کیا ہوا پسند نہیں آئی؟"

"بھئی بات یہ ہے کہ ویسے تو وہ ٹھیک ٹھاک ہے لیکن بھئی میں ایسی لڑکی کو اپنی بہو نہیں بناؤں گی جو لڑکوں کے ساتھ پڑھتی ہو۔"

خالہ ناک چڑھاتے ہوئے بولیں۔

"کہاں پڑھتی ہے؟"

"اے وہیں پڑھتی ہے۔ یونیورسٹی میں اتنے جوان جہاں لڑکوں کے ساتھ تو، موئی کا دیدہ تو ہوائی ہو گیا ہوگا۔ جانے کتنوں سے عشق لڑایا ہوگا۔ نہ بی بی نہ مجھے نہیں کرنی وہاں شادی۔"

وہ اگالدان میں تھوک کی پچکاری مارتے ہوئے بولیں۔

"خالہ لڑکوں کے ساتھ پڑھنے والی ساری لڑکیاں تو بری نہیں ہوتی ہیں۔ میں بھی تو پڑھتی ہوں۔ آخر لڑکوں کے ساتھ۔"

مجھے ان کی یہ بات بہت ناگوار گزری تھی

خالہ حسب معمول روز آتیں اور روز لڑکیوں کی تفصیل بتاتیں۔ خدا کی بندی کو کوئی لڑکی پسند ہی نہیں آ رہی تھی کوئی انھیں بھینس کی طرح موٹی نظر آتی تو کوئی بے تحاشا دبلی چھپکلی کی مانند کوئی چھوٹے قد کی بونی ہوتی تو کوئی بانس کی طرح

ہی۔ کسی کے بال چھوٹے تو کسی کی ناک موٹی،
کسی کی آنکھیں بھوری۔ تو کہتیں۔

اے بے وفا ہوتی ہیں یہ ایسی دیدے
والیاں کہیں میرے بیٹے کو نہ چھین لے جائے
اگر خوبی قسمت سے کسی میں یہ سب گن پورے
ہوئے تو مالی طور پر پسماندگی ہوتی۔ غرض انکے
معیار کی لڑکی ابھی تک نہ ملی تھی۔ ان کا بس نہ چلتا
تھا کہ کوہ قاف کی کسی پری کو لے آئیں۔

پھر انہی دنوں شوکت نے پہاڑ پر جانے
کا پروگرام بنالیا کیونکہ انھیں میری صحت کی فکر
تھی۔ وہاں ایک ماہ پلک جھپکتے بیت گیا
گھر آکر وہی روز کا معمول ہوگیا، البتہ خالہ اب
تک نہ آئی تھیں جبکہ ہمیں آئے چار دن ہو گئے
تھے۔ "خدا جانے کیا بات ہے ورنہ وہ سنکر
ضرور آتیں" میں نے سوچا۔ مجھے ان کی بیماری
کا بھی خیال آیا۔ لہٰذا سوچا خود ہی حال پوچھ لوں
جاکر۔ میں جانے کا ارادہ کر رہی تھی کہ پڑوس
کی چھمیا آگئی۔

"یہ لیں باجی بھیا کے پاس ہونے کے لڈو"
انکے بھائی نے خیر سے چوتھی جماعت پاس
کرلی تھی۔

"کہیں جارہی ہیں باجی؟"
اس نے پوچھا۔
ہاں ذرا خالہ زبیدہ کی طرف ج
میں نے کہا
"اچھا! مبارک باد دینے جارہی
وہ ہنستے ہوئے بولی۔
"کیسی مبارکباد؟"
"ارے سمیع بھائی کی شادی جو ہو
"اچھا ہوگئی شادی تو آگئی انھیں
لیکن ایسی بھی کیا جلدی تھی۔ میری غیرحا
ہی شادی کرلی"

"اے باجی خالہ نے کب شادی کی
شادی وہ تو سمیع بھائی خود ہی کرلائے ہیں
"خود کرلائے ہیں؟"
میں حیرانی سے بولی۔
"ہاں جی ان کے ساتھ ہی تو کام کرا
فیکٹری میں"

چھمیا میری معلومات میں اضافہ کر کے
گئی۔ میں حیران حیران سی خالہ کے گھر کی طرف

ی۔

ہاں یہی ہونا تھا۔ آخر کب تک سمیع بھائی
رکرتے۔ خالہ کو تو کوئی لڑکی پسند ہی نہ آرہی تھی۔
یں نے سوچا۔

خالہ کے گھر میں داخل ہوئی تو عجیب ویرانی
وس ہوئی۔ برآمدے میں رکھے ہوئے پنجرے
وطا خلاف معمول خاموش تھا۔ ورنہ وہ تو
پا تارتا تھا۔ سامنے کمرے میں خالہ تخت پر
مم گھاری تھیں چہرے پر اداسی تھی۔ مجھے
بھی نہ مسکرائیں نہ ہی کچھ بولیں۔ اسی وقت انکی
م ایک لڑکی کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی
ں نے مجھے سلام کیا۔ میں نووارد لڑکی کو غور
دیکھ رہی تھی۔

"بھابی سلمہ ہیں سمیع بھائی کی بیوی۔"
نسیم نے میری الجھن دور کی۔ لڑکی چادر اٹھا کر
۔شاید دھونے کے لیے چلی گئی تھی۔ اچھی خاصی
صورت لڑکی تھی۔

"خالہ جو قسمت میں تھا ہوگیا، اب غم کرنے
کیا فائدہ؟" میں نے انھیں سمجھایا۔
"مجھے تو آپ کی بہو پسند آئی ہے ماشاءاللہ سگھڑ بھی لگتی ہے۔"

خالہ بدستور چپ تھیں۔ البتہ نسیم جو میرے
برابر بیٹھی تھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"ارے ارے نسیم اس میں رونے کی کیا بات ہے
یہ ٹھیک ہے سمیع نے خود شادی کرلی ہے آپ لوگوں کو
اسکا دکھ ہوا بھائی بیٹے کی شادی کا کسے ارمان نہیں
ہوتا، لیکن جب وہ بہو اس گھر میں لے ہی آیا ہے
تو پھر آپ لوگوں کو بھی سب رنجشیں بھلا کر سمجھوتہ
کرلینا چاہیے۔ آپکی بہو خالہ سیرت کی بہت اچھی
لگتی ہے فرمانبردار بھی ہے خدا کرے ایسی ہی رہے۔"
میں نے تسلی دی۔

"بھابی! اماں بہت خامیاں نکالتی رہتی تھیں
ہر لڑکی میں، کوئی لڑکی انھیں پسند ہی نہیں
آتی تھی۔ کبھی انھوں نے یہ نہیں سوچا کہ اللہ
نے جیسا جس کو بنا دیا ٹھیک ہے۔ اگر اپنے
ہاتھ کی بات ہوتی آج کوئی لڑکی یوں ٹھکرائی
نہ جاتی۔ اماں نے یہ اچھا نہ کیا تھا۔ جانے
کس کس کا دل دکھایا تھا۔ لیکن انھیں بھی سزا
مل گئی ہے۔"

نسیم ہچکیوں کے درمیان بول رہی تھی۔
"چلو خیر جو ہوگیا سو ہوگیا۔ اب کیوں غم

کرتی ہو۔"

میں نے اسے سمجھایا۔

"دیکھو، اب تو تمام باتیں ختم ہو گئیں نا۔ بس سب کچھ بھول جاؤ۔"

"کہاں ختم ہو گئیں بھابی۔ اب تو باتیں شروع ہوئی ہیں نا آپ کو پتہ نہیں ہے نا کچھ نہیں آپ کو۔ مجھے.... مجھے طلاق بھیج دی ہے ان لوگوں نے .... وہ .... وہ کہتے ہیں کہ نکاح کے وقت لڑکی ٹھیک تھی۔ اب رنگ بھی سانولا ہو گیا ہے اور چہرے پر چھالے نکل آئے ہیں جو لڑکے کو پسند نہیں ●●

بہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

وہ دینِ خدا جگ میں پھیلانے والا
کتاب آخری لے کے ساتھ آنے

زبانوں پہ، اُس کی امانت کے چرچے
حریفوں میں صادق کہا جانے

مُروّت کا پیکر، وہ خلقِ مجسّم
محبت سے پتھر کو پگھلانے

جوانوں کا ہادی، ضعیفوں کا ناصر
یتیموں، غریبوں کا غم کھانے

وہ ابرِ سخاوت، وہ رحمت کا ساون
گہر، ریگ زاروں پہ برسانے

نمونہ وہ اللہ کی بندگی کا
وہ شاہوں کی نخوت کو ٹھکرانے

مصائب میں وہ غم زدوں کا سہارا
مسائل کے گیسو وہ سلجھانے

وہ دستورِ انسانیت کا مُرتّب
مساوات کی روشنی لانے

وہ ختمِ رسالت، وہ انسانِ آخر
نہیں کوئی اُس جیسا اب آنے

اطاعت گزاروں میں اُسکے ہوں اظہر
کرم ہے وہی مجھ پہ فرمانے

(اظہر عنایتی)









امام اہلسنّت نمبر (ماہنامہ "البدر" کاکوری کا خاص نمبر)

ترتیب :۔ عبدالعلی فاروقی۔ قیمت :۔ آٹھ روپیے۔ صفحات :۔ ۱۶۰، میگزین سائز۔
ناشر :۔ دارالعلوم فاروقیہ۔ کاکوری۔ لکھنؤ

ہندوستان میں مغلوں کی حکومت کے کمزور ہونے سے اودھ کے شیعہ نوابوں کا بڑا دور دورہ رہا۔ اسی زمانے میں نوابانِ اودھ کے زیر اثر لکھنؤ اور اس کے اطراف کے رہنے والے سُنّی مسلمانوں کے ذہنوں میں شیعی عقائد و احوال جاری و ساری کرنے کی ایک خاص کوشش کی گئی۔ سُنّی مسلمانوں میں تعزیہ داری اور بدعات کا رواج اسی زمانے میں بہت ہوا۔

شیعوں کے اس اثر کو ختم کرنے کے لئے چودھویں صدی ہجری میں جس عظیم شخصیت نے کارِ نمایاں انجام دیا وہ شخصیت تھی امام اہلسنت مولانا عبدالشکورؒ کی۔ مولانا نے شیعوں کے عقائد و احوال کا گہرا مطالعہ کیا اور زبردست دلائل کے ساتھ انھیں رد کیا۔ مولانا کی اِس خدمت کو اُس وقت کے تمام علماء نے سراہا۔ مولانا حسین احمد مدنی رحؒ، تبلیغی جماعت کے بانی مولانا محمد الیاسؒ اور مولانا عبدالماجد دریابادی جیسے عظیم بزرگوں نے اُن کو امامِ وقت تسلیم کیا۔

ماہنامہ "البدر" کاکوری کے مدیران کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ مولانا کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اُن پر حق تھا کہ وہ

امام اہلسنت کے حالات وکوائف اور اُن کی دینی خدمات کو اُجاگر کریں۔ چنانچہ انھوں نے ایک عظیم امام اہلسنت نمبر اس خاص نمبر میں ملک کے بڑے بڑے علماء نے حصہ لیا۔ امام اہلسنت کی زندگی کے تمام گوشے سامنے آگئے مدیرانِ البدر کی یہ خدمت قبول فرمائیے (م)

آئینے

مصنف: مردم شناس۔ **ناشر:** مکتبہ البدر۔ کاکوری لکھنؤ۔ **صفحات**
قیمت: دس روپیہ۔ **کاغذ:** سفید عمدہ۔ **کتاب** مجلّد اور اس کے اوپر گرد پوش۔

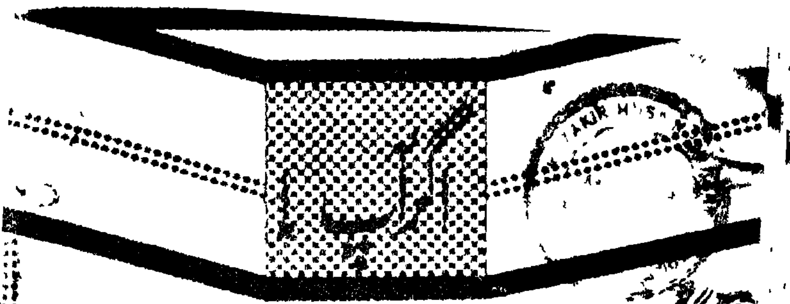
کاکوری سے 'البدر' ایک ماہنامہ نکلتا ہے۔ اس میں ایک کردار ہے 'مردم شناس' یہ کردار بالکل ویسا ہے جیسے 'تجلّی' دیوبند میں ملا ابن العرب مکّی ایک کردار چلا کرتا تھا۔ مردم شناس کے ۲۸ کردار 'آئینے' میں جمع کردئے۔ ظاہر ہے کہ کتاب دلچسپ تو ہے ہی، پھر اس میں جن باتوں پر انگلی رکھ کر ہنسی ہنسی میں تنقید ہے وہ سب ہماری زندگی سے متعلق ہیں۔ اس لئے ہر کردار پڑھنے کے لائق ہے۔

کرنیں: مرکزی درسگاہ اسلامی رامپور کا میگزین

نگراں: محمد جاوید اقبال ناظم درسگاہ۔ **مرتبین:** ابوالمجاہد زاہد، سلیمان قاسمی، عرفان خلیلی (معلمین)
صفحات: ۱۲۰، **قیمت:** چھ روپیہ، رسالہ سائز

مرکزی درسگاہ اسلامی رامپور سے ہر سال یہ میگزین شائع کیا جاتا ہے۔ لائق مرتبین اسے اس طرح ترتیب دیتے ہیں کہ پورے سال کی کارروائی، تعلیمی حالت، تقریری و تحریری تربیت، کھیل کود، بچوں کے مشاعرے، اُن کے اجتماع وغیرہ کا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ میگزین میں درسگاہ کے اساتذہ اور طلبہ کے ہی مضامین ہیں اور یہی مناسب بھی ہے۔

میں اِن سب کو اچھا میگزین شائع کرنے پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ (م)



اگر آپ حجاب

اگر آپ حجاب

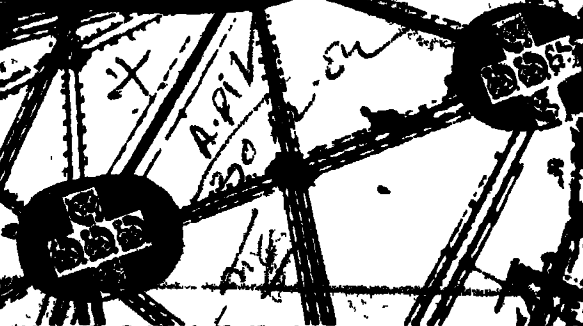
اگر آپ حجاب

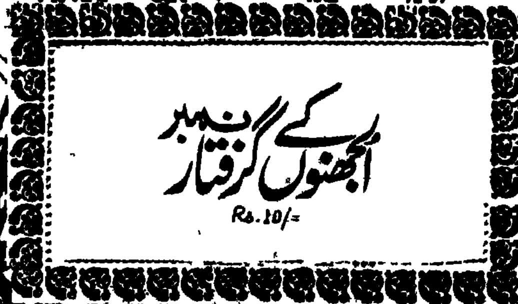
تحفے کی کتابیں یہ ہیں

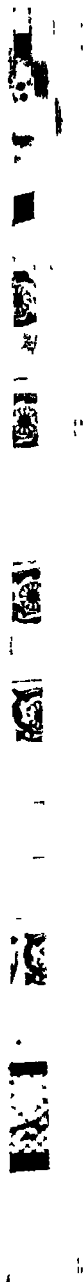
نوٹ :

منیجر ماہنامہ حجاب رامپور یوپی ۲۴۴۹۰۱


حجاب




الجھنوں کے گرفتار نمبر
Rs.10/=



خواتین اور طالبات کا پاکیزہ ڈائجسٹ

حجاب

نومبر، دسمبر ۱۹۸۲ء مطابق محرم، صفر ۱۴۰۲ھ

شمارہ ـ ۱۴۹، ۱۵۰ ٭ جلد ۱۳

سالانہ چندہ ۴۵ روپیہ، دی پی



سالانہ چندہ منی آرڈر سے ارسال فرمائیں

مدیرہ ـ مائل خیرآبادی

سالانہ خریداروں کو جو کتابیں بطور تحفہ دی جاتی ہیں اُس کے لئے پوسٹیج ۵/- روپیہ

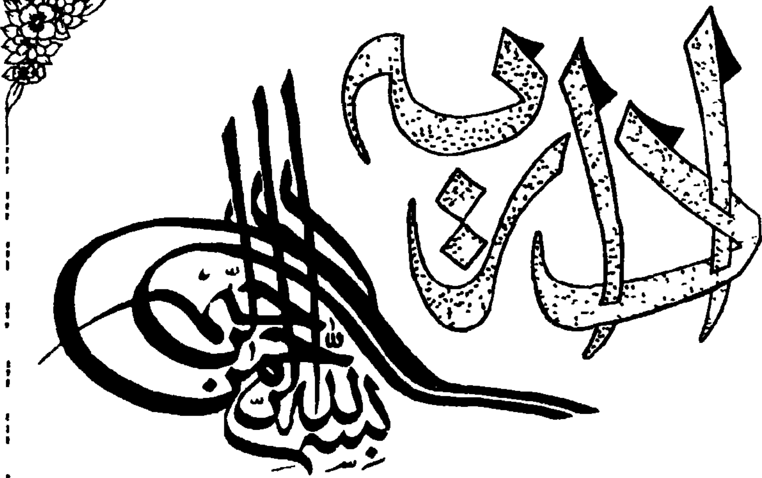
اس شمارے کی قیمت ـ دس روپیہ



اس دائرے میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ نے جو سالانہ چندہ عنایت فرمایا تھا اُس کی میعاد اس شمارے کے ساتھ ختم ہوگئی آئندہ کے لئے زر تعاون جلد بھیج کر ممنون فرمائیں ۔ منیجر

پروپرائٹر، پرنٹر، پبلشر محمد اسحاق بمقام اشاعت بارہ دری محمود خاں رامپور مطبوعہ ایم آر پریس دہلی


درپردۂ حجاب



الجھنیں طرح طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک شخص اس الجھن میں پھنسا ہوتا ہے کہ دنیا میں یہ جو بہت سے مذہب پائے جاتے ہیں ان میں کون سا مذہب سچا ہے۔ ایک شخص اس خبط میں مبتلا ہوتا ہے کہ دنیا میں جھگڑے مذہب کی وجہ سے ہوتے ہیں اس لئے اسے ختم کردینا چاہیئے۔ یا پھر ایسا کیا جائے کہ ہر مذہب کی اچھی باتیں لے لی جائیں اور انھیں ترتیب دے کر ایک کتاب بنالی جائے اور لوگوں کو بتایا جائے کہ ہر مذہب میں اچھی باتیں ہیں اس لئے سب مذہب سچے ہیں۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

بہت سے لوگ رسم و رواج کی الجھنوں میں اپنی گاڑھی کمائی کا پیسہ برباد کرتے رہتے ہیں۔ بہت سے وہ لوگ ہیں جو شک و شبہ یا وہموں کے جال میں جکڑے ہوئے ہوتے ہیں یا چالاک قسم کے لوگ انھیں پھنسا دیتے ہیں۔ اس کے بعد تعویذوں اور گنڈوں کے ذریعہ وہموں میں پڑے ہوئے ناسمجھ لوگوں کو خوب ٹھگتے ہیں۔ بہت سے لوگ ہیں کہ اُن پر دولت کا بھوت سوار ہوجاتا ہے اور وہ دھن کی دُھن میں اُلجھے رہتے ہیں۔

گھر گھر معاشرتی، معاشی، تعلیمی اور ایسی ہی دوسری الجھنیں ہوتی ہیں۔ مردوں کو عورتوں۔ عورتوں کو مردوں سے اور عورت مرد دونوں کو اولاد کی طرف سے الجھنیں رہتی ہیں کہ انھیں اُن بنائیں۔ کیا پڑھائیں۔ کس پیشے کی طرف موڑیں وغیرہ۔

اِس طرح کی اَن گنت الجھنیں ہیں۔ اگر اِن سب کو بیان کیا جائے تو کسی کے پاس نہ اِ بیان کرنے کے لئے وقت ہے اور نہ کسی کو سننے کی فرصت۔ اِس لئے ہم اِن چار قسم کی الجھنو ذکر کریں گے جن کا تعلق ۱۔ دین و مذہب سے ہے ۲۔ ہماری گھریلو زندگی سے ہے ۳۔ دنیا سے ہے ۴۔ اور آخر میں اِس صدی کا خاص مسئلہ جو جماعت اسلامی سے متعلق ہے۔

❁ ❁ ❁ ❁

اِن چاروں الجھنوں کو ہم چار بابوں میں تقسیم کر کے الگ الگ بیان کریں گے: ۱۔ پہلا با "ایمانیات" کے عنوان سے ۲۔ دوسرا باب "قصے اور کہانیوں" سے متعلق ہے ۳۔ تید باب کا نام ہے "تحریکِ اِسلامی" اور ۴۔ چوتھا باب "معاشرتی الجھنوں کے سلسلے میں ہے۔

آپ

اِن چاروں بابوں کا مطالعہ کریں گے تو آپ ہر باب کے ہر عنوان پر سیر حاصل بحث تبصرہ پائیں گے اور آپ ایک سیدھا راستہ پاکر اُس پر مطمئن ہو جائیں گے۔ اگر ہمار کوشش آپ کے لئے نتیجہ خیز ہو تو پھر ہم آپ سے درخواست کریں گے کہ آپ ہمارے اِس دنیا کی سرخروئی اور آخرت کی کامیابی کے لئے دعا کریں۔ مجھ سے جو کچھ ہو سکا پیش ک اَلسعی مِنّی والاتمام من اللہ۔ انسان ایک کام اپنی کوشش سے شروع کرتا ہے اُس کام کو پورا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ ہمارا عقیدہ ہے۔ وَمَا توفیقی الّا باللہ

وَال

باب اول

ایمانیات

فرشتوں کی الجھن

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ إِنِّى جَاعِلٌ فِى ٱلْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوٓا۟ أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن
يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ ٱلدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ
قَالَ إِنِّىٓ أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ○ وَعَلَّمَ ءَادَمَ ٱلْأَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى
ٱلْمَلَٰٓئِكَةِ فَقَالَ أَنۢبِـُٔونِى بِأَسْمَآءِ هَٰٓؤُلَآءِ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ○ قَالُوا۟ سُبْحَٰنَكَ
لَا عِلْمَ لَنَآ إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَآ ۖ إِنَّكَ أَنتَ ٱلْعَلِيمُ ٱلْحَكِيمُ ○ قَالَ يَٰٓـَٔادَمُ أَنۢبِئْهُم
بِأَسْمَآئِهِمْ ۖ فَلَمَّآ أَنۢبَأَهُم بِأَسْمَآئِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ إِنِّىٓ أَعْلَمُ غَيْبَ
ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ ○ (البقرہ ۳۰تا۳۳)

پھر ذرا اُس وقت کا تصور کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ "میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں" انہوں نے عرض کیا "کیا آپ زمین میں کسی ایسے کو مقرر کرنے والے ہیں جو اس کے انتظام کو بگاڑ دیگا اور خونریزیاں کرے گا؟ آپ کی حمد و ثنا کے ساتھ تسبیح تو ہم کر ہی رہے ہیں۔" فرمایا "میں جانتا ہوں، جو کچھ تم نہیں جانتے۔" اس کے بعد اللہ نے آدم کو ساری چیزوں کے نام سکھائے، پھر انھیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا "اگر تمہارا خیال صحیح ہے (کہ کسی خلیفہ کے تقرر سے انتظام بگڑ جائے گا) تو ذرا ان چیزوں کے نام بتاؤ۔" انھوں نے عرض کیا "نقص سے پاک تو آپ ہی کی ذات ہے، ہم تو بس اتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنا آپ نے ہم کو دے دیا ہے۔ حقیقت میں سب کچھ جاننے اور سمجھنے والا آپ کے سوا کوئی نہیں۔" پھر اللہ نے آدم سے کہا "تم انہیں ان چیزوں کے نام بتاؤ۔" جب اس نے ان کو سارے نام بتا دئے تو اللہ نے فرمایا "میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی وہ ساری حقیقتیں جانتا ہوں جو تم سے مخفی ہیں، جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو وہ بھی مجھے معلوم ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اسے بھی میں جانتا ہوں۔"

خلافت کا بوجھ

آسمان اور زمین اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، سب ادب کے ساتھ دست بستہ حاضر تھے۔ اونچے اونچے پہاڑ، بڑے بڑے سمندر، عظیم ریگستان، بڑے، لمبے، موٹے، گرانڈیل جانور، مطلب یہ کہ دنیا جہان کی مخلوق اکٹھا تھی اور ان سب کا پیدا کرنے والا، ان سب کا مالک اور مولا، حاکم اور آقا، سارے جہانوں کا رب، اللہ تعالیٰ اپنے تختِ خدائی پر جلوہ فرما تھا

سب کے رب نے حکم دیا "اپنے داہنی طرف دیکھو" سب نے دیکھا "جنت" سب کی زبان سے برجستہ نکلا۔

"اے ہمارے رب! یہ ہمیں دے دیجئے۔"

"ہم ضرور عنایت فرمائیں گے لیکن ایک شرط کے ساتھ۔"

"بسر و چشم، دل و جان سے وہ شرط ہمیں منظور ہے، اے ہمارے رب!"

"شرط یہ ہے کہ ہم تم کو کچھ اختیار دے کر اپنا خلیفہ بنائیں گے اور یہ دیکھیں گے کہ یہ تھوڑا سا اختیار پا کر تم میرا ہی حکم مانو گے یا کسی اور کا۔"

"اے ہمارے رب! ہم تیرا ہی حکم مانیں گے۔"

"اور اگر تم نے نافرمانی کی تو؟"

"تو جو آپ سزا دیں، ہمیں منظور ہے، اے ہمارے رب!"

"اچھا، تو اپنے بائیں طرف دیکھو۔"

سب نے اپنے بائیں طرف دیکھا "جہنم" سب کی زبان سے نکلا۔ جہنم اپنی تمام ہولناکیوں کے ساتھ سب کے سامنے تھی۔ سب پکار اٹھے:

"اے ہمارے رب! ہمیں نہ اختیار چاہئے اور نہ خلافت۔ ہمیں معاف ہی رکھئے۔"

اب چاروں طرف سناٹا تھا ....

لیمن

۔۔۔۔۔۔ ایک طرف سے پانچ چھ فیٹ کا انسان اُٹھا۔ اُس نے عرض کیا "اِس خدمت کے لئے میں حاضر ہوں" اس نے اللہ رب العزت کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اللہ نے اُسے کچھ اختیار دے کر خلافت کا بوجھ اُس پر ڈال دیا۔

آسمان ہنس پڑا۔ زمین ہنس پڑی۔ سمندر نے قہقہہ لگایا۔ پہاڑوں سے آواز آئی۔ ریتیلے میدانوں اور بڑے بڑے جانوروں نے کہا:

"چہ پدی"۔۔۔ "مینڈکی کو بھی چلی مداروں کو"۔۔۔ "آپ ہیں پانچویں سواروں میں"۔۔۔ وغیرہ وغیرہ

اور۔۔۔ ربّ کائنات نے شاباشی دی: "یہ ہے میرا جوشیلا بندہ"

اور پھر آج شاعروں نے کہا:

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید
قرعہ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند

سب پہ جس بار نے گرانی کی
اُس کو یہ ناتواں اُٹھا لایا

یاد آتا ہے کہ میں نے ہی بڑھ کر اُٹھایا تھا
وہ بوجھ جو کسی سے اُٹھایا نہ جا سکا

انساں ہے کہ بارِ غم کونین اُٹھائے
ذرّہ ہے کہ سورج کو ہتھیلی پہ لئے ہے

شیطان کی الجھن

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (البقرۃ ـــــ ۳۴)

پھر ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے جھک جاؤ تو سب جھک گئے مگر ابلیس نے انکار کیا۔ وہ اپنی بڑائی کے گھمنڈ[1] میں پڑ گیا اور نافرمانوں میں شامل ہو گیا۔

[1] گھمنڈ یہ کہ میں آگ سے پیدا ہوں اور آدم مٹی سے۔ میں اپنے سے کمتر کو سجدہ کیوں کروں
خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝

اقرار نامہ

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِىْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ
اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ڔ شَهِدْنَا ڔ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ
هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ
بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ (الاعراف : ۱۷۲، ۱۷۳)

اور اے نبی! لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جب کہ تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے اُن کی نسل کو نکالا تھا اور انھیں خود اُن کے اُوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟" انہوں نے کہا "ضرور، آپ ہمارے رب ہیں، ہم اس پر گواہی دیتے ہیں۔" یہ ہم نے اس لئے کہا کہ کہیں تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ دو کہ "ہم تو اس بات سے بے خبر تھے" یا یہ نہ کہنے لگو کہ "شرک کی ابتدا تو ہمارے باپ دادا نے ہم سے پہلے کی تھی اور ہم بعد کو اُن کی نسل سے پیدا ہوئے۔ پھر کیا آپ ہمیں اس قصور میں پکڑتے ہیں جو غلط کار لوگوں نے کیا تھا؟" ؎

عہد و پیمان

کبھی میں نے اُن سے ملاقات کی تھی
مُلاقات بھی وہ مُلاقات کیا تھی
کسی بات پر عہد و پیماں کیا تھا
مگر اَب نہیں یاد، وہ بات کیا تھی

اقرار

اِقرار ہے کہ عہدِ محبت کیا تو تھا
اِقرار ہے کہ عہد نبھایا نہ جا سکا

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اعلانِ نبوت پر کفارِ مکہ کی اکھیڑ



وَقَالُوا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِىْ فِى الْاَسْوَاقِ (الفرقان)

کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔

وَاَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ

وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ (الانبیاء ۔۳)

اور یہ ظالم لوگ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں کہ یہ شخص (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تم جیسے ایک بشر

آخر اور کیا ہے۔ پھر تم آنکھوں دیکھتے اس جادو کے شکار ہو جاؤ گے؟

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً (الرعد ۱۰)

اور اے نبی تم سے پہلے بھی ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں اور ان کو ہم نے بیوی بچوں والا ہی (رعد)

یہ ایک اعتراض کا جواب ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا جاتا تھا۔ لوگ کہتے تھے۔۔ بھلا پیغمبروں کو بھی خواہشات نفسانی سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے؟



دجاءتھم الرسل من بین ایدیھم ومن خلفھم الا تعبدوا الا اللہ ط
قالوا لو شاء ربنا لانزل ملٰئکۃ فانا بما ارسلتم بہ کفرون۔

(حٰم السجدہ - ۱۴)

جب خدا کے رسول اُن کے پاس آگے اور پیچھے ہر طرف سے آئے اور انھیں سمجھایا کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو تو اُنھوں نے کہا " ہمارا رب چاہتا تو فرشتے بھیجتا۔ لہٰذا ہم اُس بات کو نہیں مانتے جس کے لئے تم بھیجے گئے ہو۔

یعنی اگر اللہ کو ہمارا یہ مذہب پسند نہ ہوتا اور وہ اِس سے باز رکھنے کے لئے ہمارے پاس کوئی رسول بھیجنا چاہتا تو فرشتوں کو بھیجتا۔ تم چونکہ فرشتے نہیں ہو بلکہ ہم جیسے انسان ہی ہو اس لئے ہم یہ نہیں مانتے کہ تم کو خدا نے بھیجا ہے۔



وقالوا لولا نزل ھٰذا القراٰن علیٰ رجل من القریتین عظیم ۝

(الزخرف - ۳۱)

کہتے ہیں، یہ قرآن دونوں شہروں کے بڑے آدمیوں میں سے کسی پر کیوں نہ نازل کیا گیا ؟ .

دونوں شہروں سے مراد مکہ اور طائف ہیں۔ کفّار کا یہ کہنا تھا کہ اگر واقعی خدا کو کوئی رسول بھیجنا ہوتا اور وہ اس پر کتاب نازل کرنے کا ارادہ کرتا تو ہمارے اِن مرکزی شہروں میں سے کسی بڑے آدمی کو اِس غرض کیلئے منتخب کرتا۔ رسول بنانے کے لئے اللہ میاں کو ملا بھی تو وہ شخص جو یتیم پیدا ہوا، جس کے حصّے میں کوئی میراث نہ آئی، جس نے بکریاں چرا کر جوانی گزار دی، جو اب گزر اوقات بھی کرتا ہے تو بیوی کے مال سے تجارت کر کے، جو کسی قبیلے کا شیخ یا کسی خاندان کا سربراہ بھی نہیں ہے۔



وقالوا مال ھٰذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق ط لولا انزل الیہ

مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ (الفرقان - ۷)

کہتے ہیں، یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے کیوں نہ اُس کے پاس کوئی فرشتہ بھیجا گیا جو اس کے ساتھ رہتا اور (نہ ماننے والوں کو) دھمکاتا؟

یعنے اوّل تو انسان کا رسول ہونا ہی عجیب بات ہے۔ خدا کا پیغام لے کر آتا تو کوئی فرشتہ آتا نہ کہ ایک پوست کا آدمی جو زندہ رہنے کے لئے غذا کا محتاج ہو، تاہم اگر آدمی ہی رسول بنایا گیا تھا تو وہ کم از کم بادشاہوں دنیا کے بڑے بڑے لوگوں کی طرح ایک بلند پایہ ہستی ہونا چاہئے تھا جسے دیکھنے کے لئے آنکھیں ترستیں اور جس حضور باریابی کا شرف بڑی کوششوں سے کسی کو نصیب ہوتا، نہ یہ کہ ایک ایسا عام آدمی خداوند عالم کا پیغمبر بنا جو بازاروں میں جوتیاں چٹخاتا پھرتا ہو۔ بھلا اس آدمی کو کون خاطر میں لائے گا جسے ہر راہ چلتا روز دیکھتا ہو اور کسے بھی اُس کے اندر کوئی غیر معمولی پن نہ پایا جاتا ہو۔ بالفاظِ دیگر، اُن کی رائے میں رسول کی ضرورت اگر تھی تو وہ کو ہدایت دینے کے لئے نہیں بلکہ عجوبہ دکھانے یا ٹھاٹھ باٹ سے دھونس جمانے کے لئے تھی۔

اللہ کی طرف سے جواب

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝ (الانبیاء - ۷، ۸)

اور (اے محمدؐ) تم سے پہلے بھی ہم نے انسانوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا تھا جن پر ہم وحی کیا کرتے تھے۔ تم لوگ اگر علم نہیں رکھتے تو اہلِ کتاب سے پوچھ لو۔ اُن رسولوں کو ہم نے کوئی ایسا جسم نہیں دیا تھا کہ وہ کھاتے نہ ہوں اور نہ وہ سدا جینے والے تھے۔

یہ جواب ہے کفار کے اس قول کا کہ "یہ شخص تم جیسا ایک بشر ہی تو ہے"۔ وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی بشریت کو اس بات کی دلیل قرار دیتے تھے کہ آپ نبی نہیں ہو سکتے۔ جواب دیا ہے کہ پہلے زمانے کے جن بزرگوں کو تم مانتے ہو کہ وہ خدا کی طرف سے بھیجے گئے سب بھی بشر تھے اور بشر ہوتے ہوئے ہی خدا کی وحی سے سرفراز ہوئے تھے ۔

دانشوروں کی اُلجھنیں

ہمارے سامنے یہ دنیا ہے۔ دنیا میں جو کچھ ہے اس میں سے بہت کچھ ہم دیکھتے رہتے اور بہت کچھ ہے جو ہم کو دکھائی نہیں دیتا۔ کبھی کبھی اِن نہ دکھائی دینے والی چیزوں میں سے کچھ ہم پر ر ہو جاتا ہے۔

دکھائی دینے والی چیزوں میں آسمان ہے۔ زمین ہے۔ آسمان پر چاند، سورج اور تارے ہیں۔ ن پر دریا، پہاڑ، جنگل، ریگستان، میدان، چرند، پرند، درندے، کیڑے، مکوڑے، پھل، پھول، ے، میوے اور نہ جانے کیا کیا ہے۔ اِن سب کے علاوہ نہیں معلوم کہ آسمانوں اور زمین میں کیا کیا بکھرا پڑا ہے ایک شخص یہ سب دیکھ کر سوچتا ہے کہ یہ سب کیا ہے؟ یہ سب کیوں ہے؟ یہ سب کیسے ہو رہا ہے؟ کے پیچھے کون سی قوت کام کر رہی ہے؟ وہ قوت کہاں سے آتی ہے؟ ان چیزوں میں روز بروز اضافہ رہتا ہے۔ ایک نہ ایک چیز اچانک ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ آخر یہ اضافہ کون کرتا ہے؟ یہ اچانک نے والی شئے، جس کو ہم ایجاد کا نام دیتے ہیں، کسی کی بدولت ہے یا یوں ہی؟ اِس طرح کی الجھنوں ہمیشہ سے سوچنے والے ذہن پھنسے رہے ہیں۔ آج بھی پھنسے ہیں۔ لوگوں نے سوچا ہے۔ آج بھی چتے ہیں اور اپنی اپنی سمجھ کے مطابق کسی نتیجے پر پہنچتے ہیں۔ اِس الجھن کا جو حل لوگوں نے پیش کیا ہے، ہم آسان زبان میں آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں:۔

بھانت بھانت کی بولیاں

ہر شخص ان چیزوں کے بارے میں عقل کے گھوڑے دوڑا رہا ہے۔ اِس چکّر میں پڑا ہے کہ

یہ سب کیا ہے اور کیوں ہے؟

○ کوئی کہتا ہے: یہ چیزیں آپ سے آپ بن گئی ہیں۔ آسمان آپ سے آپ بن گیا ہے۔ سورج آپ بن گیا ہے۔ سورج میں گرمی اور روشنی آپ سے آپ ہے۔ سمندر آپ سے آپ بن گیا ہے اور آپ ایک عمل ہو رہا ہے یعنی سورج کی گرم کرنیں پانی کو بھاپ بناتی ہیں۔ ہوا بھاپ کو آپ سے آ بھاگتی ہے۔ پھر آپ سے آپ بھاپ ٹھنڈی ہوتی ہے۔ پھر پانی برستا ہے اور یہی پانی پھر سمندر جاتا ہے۔ اِس طرح دنیا کی ہر شئے آپ سے آپ حرکت میں ہے۔ آپ سے آپ کام کر رہی شئے کے پیچھے کوئی قوت نہیں ہے جس سے کنکشن ہو۔

○ کوئی کہتا ہے کہ یہ ساری چیزیں ایک سے زیادہ چیزوں (مادّوں) سے مِل کر بنی ہیں۔ مادّوں کے آپس میں مِل جانے سے ساری چیزیں متحرک (حرکت میں) ہیں، روشن ہیں، کام کر رہی مادّوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے جو ان چیزوں کے اندر کارفرما (کام کرنے والا) ہو۔

○ کوئی کہتا ہے کہ اِن ساری چیزوں کے پیچھے کچھ دیوتا ہیں۔ اِن دیوتاؤں میں سے کوئی سورج سے روشنی اور گرمی بکھیر رہا ہے کوئی بادلوں کا دیوتا ہے اور پانی برسا رہا ہے۔ کوئی ہوا کا دیوتا کوئی نباتات (پودوں اور درختوں وغیرہ) کا، کوئی جمادات کا۔ کوئی حیوانات (جانوروں) کا دیوتا ہے یہ دنیا کی بہار انہی دیوتاؤں کی مہربانی سے ہے۔ اِس طرح سوچنے والوں نے آسمانوں اور آسمانوں میں کچھ ہے، زمین اور زمین میں جو کچھ ہے اور آسمانوں اور زمین کے درمیان جو کچھ ہے، ہر چیز کا ایک دیوتا بنا ڈالا ہے۔ اِن دیوتاؤں کی تعداد بے شمار ہے۔

نوٹ: اِس طرح سوچنے والے سب اپنی اپنی کہہ رہے ہیں لیکن سب کہتے یہی ہیں کہ یہ سب ہما خیال اور قیاس ہے۔ عِلم کی بنا پر نہیں کہتے۔

عِلم کے دعویدار

دنیا میں کچھ ایسے علم والے گذرے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہمارے پاس علم کا ایک ایسا ذریعہ ہے جس

ہم کو معلوم ہوا ہے کہ اِن ساری چیزوں کا بنانے والا "اللہ" ہے۔ وہی اللہ اپنی قوت سے ہر چھوٹی بڑی چیز کو سنبھالے ہوئے ہے اور یہ ساری چیزیں اُسی کے حکم سے کام کر رہی ہیں۔ ایک ڈیوٹی پر لگی ہیں۔

یہ علم والے حضرات کسی ایک جگہ کے نہیں۔ اِن میں سے کوئی عرب کا ہے کوئی عراق کا۔ کوئی شام کا ہے تو کوئی مصر کا۔ کوئی چین کا ہے تو کوئی ایران کا۔ کوئی جاپان کا ہے تو کوئی ہندوستان کا۔ یہ سب ایک ہی زمانے میں نہیں ہوئے۔ اِن کے زمانوں میں برسوں اور صدیوں کی دوری ہے۔ یہ ایک دوسرے کو نہیں جانتے لیکن کہتے ہیں سب وہی ایک ہی بات کہ اِن ساری چیزوں کی باگ ڈور اللہ کے ہاتھ میں ہے معلوم ایسا ہوتا ہے گویا یہ سب ایک ہی یونیورسٹی کے طالب علم ہیں اور اُنھیں اپنے علم کی سچائی پر اس درجہ یقین ہے کہ لوگوں نے اُن کو جھٹلایا۔ اُنھیں ستایا۔ اُن کی ہنسی اُڑائی۔ اُنھیں مارا پیٹا بھی۔ گھروں سے بے گھر کر دیا۔ مگر یہ حق کے طالبان علم سارے دُکھ سہ کر بھی اپنے دعوے پر قائم رہے۔ کسی خوف، کسی دباؤ، کسی لالچ سے اپنے قول میں ذرّہ بھر بھی ترمیم نہیں کی۔

اِن میں سے نہ کوئی جھوٹا تھا نہ چور۔ اِن میں سے کسی نے ذرا بھی خیانت نہیں کی۔ اِن میں سے نہ کوئی ظالم تھا نہ حرام خور۔ یہ سب برائیوں سے ایسے پاک رہے جیسے صاف شفاف آئینہ۔ یہ بات اُن کے دشمنوں نے بھی تسلیم کی ہے۔ اپنی عادتوں اور طور طریقوں میں ایسے نیک کہ اُن جیسا دوسرا نہ ہو سکا نیک ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت ہی ذہین اور سب سے بڑی بات یہ کہ اپنی سچی بات کو دوسروں تک پہنچانے میں اپنی جانیں کھپا دیں اور کسی سے اِس کا صلہ نہیں چاہا۔ ایسی تعلیم دے گئے نیکی کا ایسا نمونہ پیش کر گئے کہ جو اُن سے چھو گیا۔ کُندن ہو گیا۔

اور . . . . اِس سے بھی بڑی بات یہ کہ اُنھوں نے صاف صاف اقرار کر لیا کہ ہم پر یہ اللہ کا خصوصی احسان ہے جس نے یہ علم ہم کو دیا۔ اب آپ ایمان سے کہئے کہ وہ پہلے لوگ سچے ہیں جو علم کے بغیر قیاس سے بات کہتے ہیں اور وہ باہم متفق نہیں اور اخلاقی اعتبار سے اُن میں کوئی خاص خوبی نہیں وہ حضرات جو سب کے سب ایک ہی بات کہتے ہیں اور بے حد سچے اور نیک تھے اور اُنھوں نے

بہتوں کو نیک بنا دیا۔

نبی، رسول، پیغمبر

سچے علم اور اچھے اخلاق کے جن حضرات کا ہم نے ذکر کیا ہے انہی کو اللہ کا نبی، رسول، پیغ
ایلش دوت یا پروفٹ (PROPHET) کہتے ہیں۔ آئیے، نبی ہونا (نبوت)، رسول ہونا (رسالت) پ
ہونا (پیغمبری) کو اچھی طرح سمجھ لیں۔

اِس بات کی جانکاری کے ساتھ سمجھئے کہ دنیا میں جس جس چیز کی ضرورت تھی، اللہ نے اس کا انتظ
انسان کے پیدا ہونے سے پہلے کر دیا۔ یہ روشنی، یہ گرمی، یہ سردی، یہ ہوا، یہ پانی، یہ غذا، یہ لب
وغیرہ جو چیزیں بھی ضروری تھیں، بنا دیں۔ پھر جب انسان پیدا ہوتا ہے تو دیکھنے کے لئے آنکھیں، سن
کے لئے کان، سونگھنے اور سانس لینے کے لئے ناک، چلنے کے لئے پاؤں، کام کرنے کے لئے
سوچنے کے لئے دماغ اور بہت کچھ ضرورت کا سامان ساتھ لے کر آتا ہے۔ پھر جیسے جیسے اس کا قد بڑھتا
اس کی عمر اور قد کے مطابق چیزیں ملتی رہتی ہیں۔ جب تک دانت نہیں نکلتے، ماں کا دودھ حاضر ہے۔ ج
تک خود کام نہیں کر سکتا والدین خدمت کے لئے تیار۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمین و آسمان کی ساری
اس کی خدمت میں لگی ہوئی ہوتی ہیں۔

ایک بات اور۔ دنیا میں کام کرنے کے لئے جتنی صلاحیتوں اور قابلیتوں کی ضرورت ہے
نے وہ سب انسانوں کو دیں لیکن اِس دینے میں بڑی حکمت رکھی ہے۔ سارے انسانوں کو س
قابلیتیں اور صلاحیتیں نہیں دیں۔ اگر ایسا ہوتا تو کسی انسان کو دوسرے انسان سے کوئی لگاؤ او
اور میل جول نہ ہوتا۔ کوئی کسی کی پرواہ نہ کرتا۔ پھر دنیا کا یہ حسین نقشہ نہ ہوتا جس نقشے میں سا
انسانوں کا اپنا اپنا رنگ بھرا ہوا ہے۔

اللہ کی حکمت دیکھئے۔ اللہ نے ہر طرح کی قابلیتیں پیدا تو انسانوں میں کیں مگر اس طرح کہ کسی

اجیت اور قابلیت زیادہ دے دی کسی کو کوئی سا آپ دیکھئے! کسی میں محنت مزدوری کرنے کی
زیادہ ہے۔ کوئی کسی خاص ہنر یا پیشے میں دوسروں سے بڑھ کر ہے۔ کوئی بہترین وکیل ہے
اب سپہ سالار اور سیناپتی ہے۔ کسی میں حکمرانی کی قابلیت زیادہ ہے۔ کوئی شاعری میں یکتا
مضمون لکھنے میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ کوئی نئی نئی چیزیں ایجاد کرتا ہے جو دوسرے لوگ
سکتے۔ وغیرہ۔

دراصل یہ اللہ کی دین ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ جس کو جو چاہے
یہ بات سمجھ کر اب ہم آپ اس جگہ آ گئے کہ پیغمبری کے بارے میں اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔
دیکھئے، اللہ کی حکمت پر غور کیجئے! انسان کے رہنے بسنے کے لئے جن جن قابلیتوں اور صلاحیتوں کی
زیادہ ہے، اللہ نے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اس صلاحیت کے زیادہ آدمی پیدا کئے۔
طرح جس طرح انسان کو سب سے زیادہ ہوا کی ضرورت ہے تو سب سے زیادہ ہوا پیدا کی۔ اسی
دیکھتے ہیں کہ محنت کرنے والے اور سپاہی قسم کے لوگ بہت زیادہ پیدا ہوتے ہیں۔ کسان، جولاہے
کپڑا بننے والوں کی تعداد بہت ہے۔ ان کے مقابلے میں سپہ سالاری اور حکمرانی اور ایجاد کرنے
ت کے لوگوں کی تعداد بہت کم ہوتی ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر سب سے بڑی ضرورت پر دھیان دیجئے:

سب سے بڑی ضرورت

یوں سوچئے کہ اوپر جو ضرورتیں بیان کی گئیں اور ان ضرورتوں کو پورا کرنے والے لوگوں کی طرف
دلایا گیا، یہ سب تو ہوتا لیکن کوئی یہ بتانے والا نہ ہوتا کہ اچھا انسان کس طرح بنتا ہے تو ساری
ا بیکار اور ان ضرورتوں کو پورا کرنے والے عبث ہی ہوتے۔ سب جنگل کے جانور ہی ہوتے۔
اللہ تعالیٰ جو انسانوں پر سب سے زیادہ مہربان ہے، وہ انسانوں کی اس ضرورت کو بھی جانتا تھا۔
اس کا بھی انتظام فرما دیا۔ اس نے ایسے انسان پیدا فرمائے جن کے اندر خدا کو پہچاننے کی بڑی
ت قوت اور صلاحیت تھی۔ ان کو اللہ نے دین دھرم، اچھے اخلاق اور انسانوں کو انسان بنانے والے

قانون (شریعت) کا علم اُپنے پاس سے عطا فرمایا تھا اور اس کام پر لگایا کہ یہی علم دوسروں کو
اِس علم کے تحت خود زندگی بسر کریں اور دوسروں سے بھی اِسی طرز پر زندگی بسر کرنے کے لئے
اِنہی حضرات کو نبی، رسول یا پیغمبر کہا جاتا ہے۔ ہندی میں اسے ایشور دوت اور انگریز
پروفٹ کہتے ہیں۔

پہچان

ہم نے آپ نے مشاعروں میں شرکت کی ہے۔ مشاعروں میں شاعروں کا کلام سُنا
شاعروں کے بارے میں ہماری ایک رائے بنی ہے۔ کسی کا کلام سن کر ہماری زبان سے نکلا
شاعر ہے۔

ہم نے جلسوں میں مقرروں کی تقریریں سُنی ہیں۔ ان کے بارے میں بھی ہماری ایک ر
کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ فلاں تو پیدائشی مقرر یا لیڈر ہے۔

ہم نے اُن لوگوں کو دیکھا ہے جو نئی نئی چیزیں بنا لیتے ہیں۔ ہم ان کو موجد (ایجاد کرنے
ہیں۔ اِن کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ ایجاد اُن کی گھٹی میں پڑی ہے۔ اِسی طرح کتابیں پڑھ
مضمون نگاروں کو پہچان جاتے ہیں۔

یہ شاعر، یہ مضمون نگار، یہ لیڈر اور تقریر کرنے والے یا دوسرے باکمال لوگوں کو
پہچان لیتے ہیں کہ یہ اُپنے کمال میں یکتا ہیں، بے مثل ہیں، اِن جیسے باکمال دوسرے لوگ نہیں
بڑی سچی بات کہی ہے

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

یعنی یہ کمال، اگر اللہ نہ بخشے تو کسی کے بس کا نہیں کہ وہ خود اُپنے اندر پیدا کر سکے
یہ بات ہوتی تو ہر شخص باکمال ہو جاتا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں کیڑے مکوڑوں کی طرح
ہیں لیکن ہر زمانے میں فطری اور باکمال شاعر دو ایک ہی ہوئے ہیں۔

طرح پیغمبر پہچانا جاتا ہے۔ اُس کو بھی فطری اور پیدائشی طور پر ایسا علم دیا جاتا ہے جو دوسروں کو
ہو سکتا۔ پیغمبر کے ذہن میں ایسی باتیں آتی ہیں جو دوسروں کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتیں۔ وہ
تاتا ہے جو دوسرے لوگ نہیں بتا سکتے پیغمبر جو کچھ کہتا ہے ہماری عقل اُس کو قبول کرتی ہے،
تا ہے۔ جانچنے اور پرکھنے سے نبی کی بات سچی ثابت ہوتی ہے۔

ں قابلیت کے ساتھ پیغمبر کی طبیعت ایسی پاکیزہ ہوتی ہے کہ کوئی شخص اس میں کوئی برائی نہیں پاتا
ط اور بری بات نہیں کہتا۔ جو کچھ کہتا ہے پہلے اُس پر خود عمل کرتا ہے۔ اُس کی زندگی میں کبھی کوئی
ہیں ہوتی جو اُس کے کہنے کے خلاف ہو۔

پھر کمال یہ ہے کہ اپنی قابلیت اور اخلاق و کردار میں بے لوث ہوتا ہے۔ اُس کے قول و عمل
کی کوئی ذاتی غرض نہیں ہوتی۔ وہ اپنے بھلے کے لئے دوسروں کا نقصان نہیں کرتا بلکہ دوسروں
کے لئے اپنا نقصان جان بوجھ کر کرتا ہے۔

ہم جس طرح ایک باکمال شاعر اور مقرر اور موجد کو پہچان لیتے ہیں اُسی طرح پیغمبر کی قابلیت،
ت، قول، عمل، شرافت، پاکدامنی اور اعلیٰ درجہ کی انسانیت کو دیکھ کر پہچان لیتے ہیں کہ
کا نبی ہے۔ اللہ کا رسول ہے۔ پیغمبر ہے۔ اور اُسے یہ سارے کمال اللہ نے اپنی طرف سے
طور پر عطا فرمائے ہیں۔ کوئی شخص کوشش کرے پھر بھی پیغمبر نہیں ہو سکتا۔ پیغمبری کوئی ایسی
یں ہے کہ کوشش کر کے، مشق کر کے، محنت کر کے یا علم حاصل کر کے مل جائے۔ یہ اللہ کا
عطیہ ہے۔ جسے چاہتا ہے پیغمبری کے لئے چن لیتا ہے۔ پھر ایسے ذریعہ سے اعلیٰ درجہ کا انسان
ی تعلیم دیتا ہے جسے کوئی دوسرا شخص نہ جان سکتا ہے نہ محسوس کرتا ہے۔ پیغمبر ہی بتاتا ہے کہ
سے مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ بات بتائی ہے۔

س ذریعہ کا نام "وحی" ہے۔ عربی زبان میں وحی کے معنی ہیں اشارہ کرنا، دل میں کوئی بات ڈالنا،

قانون (شریعت) کا علم اپنے پاس سے عطا فرمایا تھا اور اس کام پر لگایا کہ یہی علم دوسروں کو بھی اس علم کے تحت خود زندگی بسر کریں اور دوسروں سے بھی اسی طرز پر زندگی بسر کرنے کے لئے کہیں انہی حضرات کو نبی، رسول یا پیغمبر کہا جاتا ہے۔ ہندی میں اسے ایشں دوت اور انگریزی میں پروفٹ کہتے ہیں۔

پہچان

ہم نے آپ نے مشاعروں میں شرکت کی ہے۔ مشاعروں میں شاعروں کا کلام سنا ہے، شاعروں کے بارے میں ہماری ایک رائے بنی ہے۔ کسی کا کلام سن کر ہماری زبان سے نکلا ہے کہ پیدائشی شاعر ہے۔

ہم نے جلسوں میں مقرروں کی تقریریں سنی ہیں۔ ان کے بارے میں بھی ہماری ایک رائے ہے کسی کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ فلاں تو پیدائشی مقرر یا لیڈر ہے۔

ہم نے اُن لوگوں کو دیکھا ہے جو نئی نئی چیزیں بنا لیتے ہیں۔ ہم ان کو موجد (ایجاد کرنے والا) کہتے ہیں۔ ان کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ ایجاد اُن کی گھٹی میں پڑی ہے۔ اسی طرح کتابیں پڑھ کر ہم مضمون نگاروں کو پہچان جاتے ہیں۔

یہ شاعر، یہ مضمون نگار، یہ لیڈر اور تقریر کرنے والے یا دوسرے باکمال لوگوں کو دیکھ کر ہم پہچان لیتے ہیں کہ یہ اپنے کمال میں یکتا ہیں، بے مثل ہیں، ان جیسے باکمال دوسرے لوگ نہیں۔ ایک بڑی سچی بات کہی ہے

این سعادت بزورِ بازو نیست — تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

یعنی یہ کمال، اگر اللہ نہ بخشے تو کسی کے بس کا نہیں کہ وہ خود اپنے اندر پیدا کر سکے۔ اگر کہیں یہ بات ہوتی تو ہر شخص باکمال ہو جاتا مگر ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں کیڑے مکوڑوں کی طرح شاعر ہیں لیکن ہر زمانے میں فطری اور باکمال شاعر دو ایک ہی ہوئے ہیں۔

اِسی طرح پیغمبر پہچانا جاتا ہے۔ اُس کو بھی فطری اور پیدائشی طور پر ایسا علم دیا جاتا ہے جو دوسروں کو
نہیں ہو سکتا۔ پیغمبر کے ذہن میں ایسی باتیں آتی ہیں جو دوسروں کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتیں۔ وہ
یں بتاتا ہے جو دوسرے لوگ نہیں بتا سکتے پیغمبر جو کچھ کہتا ہے ہماری عقل اس کو قبول کرتی ہے،
دل مانتا ہے۔ جانچنے اور پرکھنے سے نبی کی بات سچی ثابت ہوتی ہے۔

اس قابلیت کے ساتھ پیغمبر کی طبیعت ایسی پاکیزہ ہوتی ہے کہ کوئی شخص اس میں کوئی برائی نہیں پاتا
غلط اور بری بات نہیں کہتا۔ جو کچھ کہتا ہے پہلے اُس پر خود عمل کرتا ہے۔ اُس کی زندگی میں کبھی کوئی
ات نہیں ہوتی جو اُس کے کہنے کے خلاف ہو۔

پھر کمال یہ ہے کہ اپنی قابلیت اور اخلاق و کردار میں بے لوث ہوتا ہے۔ اُس کے قول و عمل
س کی کوئی ذاتی غرض نہیں ہوتی۔ وہ اپنے بھلے کے لئے دوسروں کا نقصان نہیں کرتا بلکہ دوسروں
بھلے کے لئے اپنا نقصان جان بوجھ کر کرتا ہے۔

ہم جس طرح ایک باکمال شاعر اور مقرر اور موجد کو پہچان لیتے ہیں اُسی طرح پیغمبر کی قابلیت،
حیت، قول، عمل، شرافت، پاکدامنی اور اعلیٰ درجہ کی انسانیت کو دیکھ کر پہچان لیتے ہیں کہ
للہ کا نبی ہے۔ اللہ کا رسول ہے۔ پیغمبر ہے۔ اور اُسے یہ سارے کمال اللہ نے اپنی طرف سے
طور پر عطا فرمائے ہیں۔ کوئی شخص کوشش کرے پھر بھی پیغمبر نہیں ہو سکتا۔ پیغمبری کوئی ایسی
نہیں ہے کہ کوشش کر کے، مشق کر کے، محنت کر کے یا علم حاصل کر کے مل جائے۔ یہ اللہ کا
عطیہ ہے۔ جسے چاہتا ہے پیغمبری کے لئے چن لیتا ہے۔ پھر ایسے ذریعہ سے اعلیٰ درجہ کا انسان
کی بنیادی تعلیم دیتا ہے جسے کوئی دوسرا شخص نہ جان سکتا ہے نہ محسوس کرتا ہے۔ پیغمبر ہی بتاتا ہے کہ
ذریعہ سے مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ بات بتائی ہے۔

یا

اس ذریعہ کا نام "وحی" ہے۔ عربی زبان میں وحی کے معنی ہیں اِشارہ کرنا، دل میں کوئی بات ڈالنا،

چھپے طور پر کوئی بات کہنا یا کہلوانا۔ لیکن ہم وحی اسے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے ایک فرشتے (حضرت جبریلؑ) کے ذریعہ اپنے رسول کے پاس جو کچھ بھیجتا ہے، نازل کرتا ہے، اُتارتا ہے، چاہے وہ وحی کتاب کی شکل میں اُترے جیسے توراۃ یا حضرت جبریلؑ کی زبانی نازل ہو جیسے قرآن۔ قرآن خود ان لفظوں میں اس کے معنی بتاتا ہے: "فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ" پھر وہ یعنی فرشتہ وحی کرتا ہے یا پہنچاتا ہے اُس (اللہ کے) حکم سے جو کچھ وہ (اللہ) چاہتا ہے۔

قرآن اور محمدؐ

قرآن اللہ کا کلام ہے۔ قرآن میں انسان کے لئے زندگی بسر کرنے کا پیغام ہے۔ ہدایتیں ہیں احکام ہیں۔ اور یہ سب اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتے حضرت جبریل کے ذریعہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا۔ اُتارا۔ کون محمدؐ! کیسے محمدؐ سُنئے:

ہمارے ملک کے پچھم کی طرف سمندر ہے۔ سمندر کے راستے جہاز پر چلئے تو آگے عرب کا ملک ملے گا۔ اس عرب میں ایک شہر ہے "مکہ"۔ آج سے چودہ سو سال پہلے مکے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ آپؐ کے والد کا نام عبداللہ، ماں کا نام آمنہ، دادا کا نام عبدالمطلب تھا۔

حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم جب پیدا ہوئے تو آپ کی پیدائش سے دو تین مہینے پہلے آپؐ کے والد عبداللہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ آپؐ کے والد صاحب نے اپنے بعد کوئی جائداد نہیں چھوڑی تھی۔ اس لئے ماں نے بڑی غریبی کے ساتھ آپ کو پالا۔ لیکن آپ ابھی چھ برس کے ہوئے تھے کہ ماں کا بھی انتقال ہو گیا تو دادا عبدالمطلب نے پوتے کو اپنے پاس رکھ لیا۔ دادا کے پاس دو برس ہی رہے تھے کہ وہ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اُس وقت حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر آٹھ برس کی تھی۔ عبدالمطلب کے مرنے پر چچا ابوطالب نے بھتیجے کو اپنے گھر بلا لیا۔ وہ تجارت پیشہ آدمی تھے۔ مال باہر لے جاتے۔ وہاں بیچتے۔ پھر وہاں کا مال مکے میں لاتے اور یہاں بیچتے۔ لیکن اُن کے گھر کا خرچ زیادہ تھا اور آمدنی کم۔ اسلئے یہاں بھی اللہ کا فضل ہی تھا۔

حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے نہ کسی سے پڑھنا لکھنا سیکھا نہ مکّے یا عرب میں کوئی اسکول تھا
ں تعلیم حاصل کرتے۔ آپ اُمّی (اَن پڑھ) ہی رہے۔ بچپن کے چار برس دائی حلیمہ کے گھر دیہات
گذارے۔ وہاں بکریاں چرانے اور کھیل کود کے علاوہ کوئی اور کام نہ تھا۔ دائی حلیمہ کے گھر سے
ے تو ماں کے پاس دو برس رہنا ہوا۔ وہ مر گئیں تو دادا کے پاس دو برس رہے۔ نہ کچھ پڑھ لکھ سکے
وئی ہنر سیکھ سکے۔ دو ایک بار ایسا ہوا کہ چچا ابو طالب تجارت کے لئے گھر سے نکلے تو ضد کرکے
اتھ ہو لئے۔ اس کے بعد جب خود بڑے ہوئے تو تجارت کرنے لگے۔ پاس پیسہ نہ تھا۔ لوگوں سے ساجھا
ر لیتے اور جو کچھ نفع ہوتا اُس سے زندگی بسر کرتے۔

اُس زمانے میں مکّے اور مکّے ہی کیا ساری دنیا کی حالت عجیب تھی۔ دور دور بستیاں،
نے جانے کا ذریعہ اپنے پاؤں یا زیادہ سے زیادہ گھوڑا یا اونٹ۔ اگر ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا
ہ تا تو مہینے اور سال لگ جاتے۔ ایک جگہ کی خبر دوسری جگہ مہینوں اور برسوں میں پہنچتی۔ آج کل کی طرح
صاف ستھرے راستے تھے اور نہ سڑکیں۔ نہ ڈاک کا انتظام، نہ ریڈیو، نہ ٹیلی ویژن، نہ ریل نہ ہوائی جہاز
اخبار، نہ پریس، نہ مدرسے اور نہ کالج۔ لوگوں میں جانکاری اور معلومات بہت کم۔ ساری دنیا میں
ہی باتیں عام تھیں۔ بتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ خدا کے بارے میں یہ جانتے تھے کہ ہاں بس ہے۔ لیکن
س سے لوگوں کا تعلق بالکل نہ تھا۔ سارا لگاؤ بتوں سے تھا اور وہی سب کے خدا تھے۔ پھر یہ شراب
و برائی پھیلانے والی شئے ہے، سب کے منھ لگی تھی۔ بچے، بوڑھے، عورت، مرد سبھی اس کے رسیا
تھے۔ جوئے کے بازار گرم رہتے۔ چوریاں اور ڈکیتیاں دن دہاڑے ہوتیں۔ مال کے ساتھ ڈاکو
بچوں اور عورتوں کو بھی لے جاتے اور انھیں بیچ لیتے۔ یہ بچے اور عورتیں مجبور۔ کچھ نہ کر سکتے۔ لونڈی
اور غلام بنالئے جاتے۔ اُن کے ساتھ جانوروں سے بدتر سلوک ہوتا۔ انسان خود انسانوں کا خدا
بن بیٹھتا تھا اور اپنا حکم چلاتا تھا۔ ہر طاقتور ہر کمزور کو دبا لیتا تھا۔ دنیا میں کہیں ذرا سا انصاف
اور ہمدردی دیکھتے تو اُس کو چمتکار یا معجزہ سمجھا جاتا تھا۔ عجوبہ پرستی عام تھی۔ عجوبہ پرستی کے معنی یہ کہ وہ بات

بھی سند بھی نہ رشنی اور جو انسان سے نہو سکے ۔ اِس لئے کسی چیز میں اُس وقت تک سچائی اور بڑائی
ہی نہ جاتی تھی جب تک اُس میں عجوبہ پن نہو۔ جس میں سچائی ، بڑائی یا کمال دیکھا جاتا تو سمجھتے کہ یہ شخص
سان نہیں بلکہ انسانوں سے بڑھ کر ہے۔ لوگ برائیوں میں ایسا لت پت تھے کہ کسی انسان کا ولی اور
رگ ہونا وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے اور اگر کسی میں بزرگی اور بڑائی پاتے تو پھر اُسے انسان سے
بڑھ کر کچھ اور سمجھنے لگتے ۔ اُسے دیوتا مان لیتے تھے ۔

عرب

عرب جس کے شہر مکہ میں حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم رہتے بستے تھے اُس کا حال سارے جہان
سے بدتر تھا ۔ عرب سمندروں اور ریت کے میدانوں سے گھرا ہوا ساری دنیا سے الگ تھلگ ایک
ملک تھا ۔ وہاں نہ کوئی مدرسہ ، نہ وہاں تعلیم کا چرچا ۔ ملک بھر میں اُنگلیوں پر گنتی کے کچھ ایسے لوگ تھے
جو حرف لکھ پڑھ لیتے تھے ۔ عرب کے لوگ تہذیب میں سارے جہان سے گئے گزرے ہوئے ۔ نہایت
بدتمیز قسم کے بت پرست ۔ بت پرستی ، اوہام پرستی ، جہالت ، شراب نوشی ، ڈکیتی عام تھی ۔ گھر میں
لڑکی کا پیدا ہونا اُن کے لئے بڑی ذلت کی بات تھی ۔ بہت سے لوگ تو لڑکی پیدا ہوتے ہی اُسے زندہ دفن
کر دیتے تھے ۔

پھر یہ کہ وہاں کسی طرح کی کوئی حکومت بھی نہ تھی ۔ کوئی داد فریاد کس سے کرے ۔ نہ کوئی قانون،
نہ ضابطہ ۔ دھونس ، دھاندلی اور طاقت کا راج تھا ۔ کسی کا مال چھین لینا ، کسی کو مار ڈالنا معمولی بات
تھی ۔ پاکی ناپاکی ، حرام و حلال اور حیا کا تصور بالکل نہ تھا ۔ ننگے ہو کر عبادت کرنا ، حتّٰی کہ عورتوں
تک کا ننگے ہو کر کعبے کا طواف کرنا اچھا سمجھا جاتا تھا ۔ زنا کی باتیں کھلم کھلا اور بڑے فخر کے ساتھ
بیان کرتے تھے ۔ عورتوں کا نام لے کر کہتے کہ میں نے فلاں کے ساتھ یہ اور یہ کیا ۔

ایسی جگہ اور اِس ماحول میں جو بچہ پلے بڑھے ، سوچیئے ! اُسے کیا ہونا چاہیئے ؟ لیکن دنیا نے
دیکھا کہ حضرت محمدؐ بچپن ہی سے سب سے نرالے اور انوکھے انسان تھے ۔ آپؐ جن لوگوں میں پیدا ہوئے

ن لوگوں کے ساتھ بچپن گزارا، جن لوگوں کے ساتھ جوانی کاٹی اَور جن لوگوں سے میل جول رہا، اُن سب سے
ل نظر آتے ہیں۔ آپؐ نے نہ کبھی کسی بُت کے سامنے سجدہ کیا نہ چڑھاوے کی چیز کھائی نہ کبھی جھوٹ
لے۔ نہ کسی سے لڑے نہ جھگڑے۔ نہ کبھی شراب پی اَور نہ جوا کھیلے۔ سب سے میل جول رکھتے۔ سب
سے ہمدردی کرتے۔ غریبوں، بیواؤں اَور غریب لوگوں کی مدد کرتے۔ ان لوگوں کے برعکس آپؐ کے
ندر ساری اچھائیاں۔ قول میں پاکیزگی۔ عمل میں پاکیزگی۔ اَور تو اَور۔ ذرا یہ دیکھئے۔ جس جگہ بڑوں کے
نگا ہونے میں کوئی مضائقہ نہ تھا، بچوں کے بارے میں کیا ہوتا۔ وہیں ایک بار آپ کا تہمد کھل گیا تو شرم
کے مارے آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ چالیس برس کی عمر کو پہنچتے پہنچتے عربوں نے یہ تسلیم کر لیا کہ محمدؐ
سارے انسانوں سے بہتر اَور بڑھ کر ہیں۔ آپ کو امین اَور صادق کے لقب سے یاد کرتے۔ عربوں نے
لقب کبھی کسی کو نہیں دیا۔

انقلاب

چالیس سال کی عمر میں اچانک آپ کے اندر ایک انقلاب آیا۔ آپ نے لوگوں سے کہا کہ مجھے
ذ نے اپنا نبی بنایا ہے۔ میرے پاس اللہ کا فرشتہ آتا ہے، اللہ کا کلام سُناتا ہے اَور یہ ہے اللہ
کلام۔ سنو! اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم کو بتوں کی پوجا سے روکوں اَور صرف اللہ کی بندگی
اؤں۔ بت پرستی کے ساتھ اَور جو برائیاں تم کرتے ہو اللہ نے اُن سے بھی تم کو روکا ہے۔ یہ چوری، یہ
ٹ مار، یہ ڈکیتی، یہ دھونس دھاندلی، ظلم، ستم، بے حیائی اَور بدکاری چھوڑو۔ سود نہ کھاؤ۔ یہ
ب گناہ کے کام ہیں۔ اللہ کو یہ کام پسند نہیں۔ سچ بولو۔ انصاف کرو۔ کسی کا مال نہ چھینو۔ تم سب
سان ہو۔ انسان انسان ہونے کے ناتے سب برابر ہیں۔ شریف اَور بزرگ وہ ہے جو تم میں
ب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہے۔ وہی اعلیٰ درجے کا انسان ہے۔ اَور دیکھو! جو کچھ تم
رتے ہو سب اللہ کی نظر میں ہے۔ ایک دن آئے گا جب وہ تم سے تمہارے کاموں کا حساب
گا اَور پھر تمہارے لئے یا تو جنت ہے یا جہنم۔

یہ اور ایسی ہی باتیں تھیں جو محمد صلے اللہ علیہ وسلم لوگوں کو بتانے اور سکھانے لگے۔ جس قوم میں برائیاں گھٹی میں پڑی تھیں وہ بھلا کیسے یہ مان لیتی۔ قوم کے لوگ جان کے دشمن ہو گئے۔ وہ گالیاں دیتے، پتھر مارتے، ستاتے۔ لیکن آپؐ نیکیاں پھیلاتے رہے۔ مکے والوں سے کسی طرح برداشت نہ ہوا تو وطن سے نکال باہر کیا۔ اِس پر بھی صبر نہ آیا تو جہاں جا کر آپؐ رہے یعنی مدینہ میں، تو وہاں بھی چین نہ لینے دیا۔

سوچنے کی بات

سوچنے کی بات یہ ہے کہ قوم کیوں آپ کی دشمن ہو گئی۔ کیا زر، زن، زمین کا جھگڑا تھا؟ کیا آپؐ نے کسی کا خون کر ڈالا تھا؟ کیا آپؐ اُن سے کچھ چاہتے تھے؟ نہیں۔ جھگڑا اِس پر تھا کہ یہ شخص خدا پرستی کے لئے کیوں کہتا ہے، نیکی کی تعلیم کیوں دیتا ہے، پجاریوں اور پروہتوں کی بڑائی اور پیشوائی پر چوٹ کیوں مارتا ہے، انسان اور انسان کے درمیان اُونچے نیچے کا فرق کیوں مٹاتا ہے، باپ دادا سے جو ہوتا چلا آرہا ہے اُس پر تنقید کیوں کرتا ہے، سود کھانے سے کیوں منع کرتا ہے؟

اور سوچئے! کیا آپؐ قوم کے سردار یا بادشاہ بننا چاہتے تھے؟ کسی حسینہ سے شادی کرنا چاہتے تھے؟ آپ سب سے بڑے مالدار بننا چاہتے تھے؟ یہ طلب بھی نہ تھی۔ قوم نے تو یہ سب آپؐ کے سامنے پیش کیا لیکن آپ نے ٹھکرا دیا۔

اور سوچیے! چالیس برس کی عمر تک حضورؐ ایک عام عرب کی طرح تھے۔ چالیس برس میں آپ نے نہ کبھی تقریر کی، نہ خدا اور خدا سے متعلق باتیں کیں۔ نبی ہونے کے بعد زندگی بسر کرنے کے بارے میں جو طریقہ اَب آپؐ بتا رہے تھے اور قانون دے رہے تھے اُس کا شائبہ بھی پہلے نہ تھا۔ جنّت اور دوزخ کا نام بھی کسی نے آپؐ سے نہیں سُنا تھا۔ آپ کی کسی بات سے یہ نہیں سوچا جا سکتا تھا کہ آپ آگے چل کر کچھ بننے والے ہیں۔ چالیس برس کے بعد اچانک کایا پلٹ گئی اور اَب آپ ایک حیران کر دینے والا کلام سب کو سُنا رہے تھے جسے سُن کر سارا عرب ہکا بکا رہ گیا۔ یہ کلام سُن کر لوگ ڈرنے لگے کہ دلوں میں نہ اُتر جائے۔ اِس کلام میں وہ زور، وہ روانی، وہ خوبی کہ کسی نے آج تک کسی کے کلام میں نہیں دیکھی

عرب میں بڑے بڑے شاعر اور خطیب موجود تھے۔ سب اِس کلام (قرآن مجید) کے آگے گونگے ہو گئے کوئی ایک جملہ بھی تو اس کے مقابلے کا بنا کر نہ لا سکا۔

اور سنئے! کوئی شاعر کوئی شعر کہتا ہے تو بڑے فخر کے ساتھ کہتا ہے کہ میں نے یہ تیر مارا۔ اسی طرح کوئی اپنی کتاب پر فخر کرتا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ میں نے یہ زبردست تقریر کی۔ میں نے یہ بڑا کام انجام دیا۔

حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم بھی کہہ سکتے تھے کہ قرآن میرا کلام ہے تو کوئی تردید نہ کر سکتا تھا، مگر آپؐ نے صاف صاف بتا دیا کہ بھائیو! میں ایسا کلام نہیں کہہ سکتا۔ میرے اندر یہ قابلیت نہیں ہے۔ ہمارے اللہ کا کلام ہے اور میں نے جبریلؑ کی زبانی سُنا ہے۔

آپ ہی بتائیے۔ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم اُمّی۔ ۲۳ برس برابر قرآن آپؐ پر نازل ہوتا رہا۔ آپؐ لکھاتے رہے۔ یاد کراتے رہے۔ پھر اللہ کے حکم سے اسے ترتیب دیا تو نظر ثانی کی ضرورت ہی نہ ہوئی۔ ایک بول تو الگ رہا، ایک حرف بھی تو نہ بدلا گیا۔ کیسی تصحیح اور کیسی اِصلاح۔ کیا آپ نے دنیا میں کوئی ایسا کلام سُنا ہے جس کی تصحیح اور اصلاح نہ ہوئی ہو۔ اور پھر یہ کہ ۲۳ برس وقفے وقفے سے نازل ہوا لیکن شروع سے آخر تک ایسا مربوط اور سلسلے وار کہ کہیں جوڑ تک نظر نہیں آتا۔

بتائیے۔ کیا کوئی اِنسان اِس پر قادر ہے۔ کس کے بس میں ہے کہ ایسا سچا اور پاکیزہ کلام پیش کر سکے۔ وقفے وقفے سے پیش کرے اور اس میں نہ کوئی جھول ہو نہ جوڑ۔ تو پھر سچ کہئے آپ ایسے انسان کو نبی کے سوا اور کیا کہیں گے۔ آپ کو ماننا پڑے گا کہ قرآن "وحی" ہے یعنی اللہ کا کلام ہے اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْإِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ط (الشوریٰ - ۵۲)

اے نبیؐ تم تو جانتے تک نہ تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے۔ مگر ہم نے اس وحی کو ایک نور بنا دیا جس سے ہم رہنمائی کرتے ہیں، اپنے بندوں میں سے، جس کی چاہتے ہیں۔

مکمل رہنمائی

اسلام دراصل اُس تحریک کا نام ہے جو اس لئے چلائی گئی کہ انسان اللہ ہی کو اپنا مالک، مولا، اور حاکم و آقا مانے اور اسی کے حکموں کے مطابق اپنی زندگی بسر کرے۔ جب سے انسان اس زمین پر بسا، یہی اُس کا عقیدہ رہا اور اسی عقیدے اور اسی بنیاد پر اُس نے تحریکِ اسلامی کو چلایا۔

اِس تحریک کے چلانے والے وہ بڑے لوگ تھے جن کو نبی، رسول اور پیغمبر کہا جاتا ہے۔ اگر آج ہمیں اِس تحریک کو چلانا ہے تو ہم کو اُسی طرح اِس تحریک کو چلانا ہوگا جس طرح اللہ کے ان پیغمبروں نے چلایا جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تک ہوئے۔

اللہ کے اِن تمام نبیوں نے تحریکِ اسلامی کو کس ڈھنگ سے چلایا؟ جب ہم اس سوال کا جواب چاہتے ہیں تو ہمارے سامنے یہ الجھن آتی ہے کہ پُرانے رسولوں کے پورے حالات ہمیں نہیں ملتے جن سے ہم اُن کے طریقے اور ڈھنگ اخذ کر سکیں، لے سکیں، جان سکیں۔ قرآن میں اِن نبیوں کے بارے میں جو حالات ملتے ہیں اُن سے تحریکِ اسلامی کی بنیاد کا پتہ تو چلتا ہے لیکن پوری اِسکیم نہیں ملتی۔ اِس الجھن کا حل ہمیں نبی کریمؐ کی پاک زندگی سے صاف اور پورے طور پر ملتا ہے۔ قرآن کریم سے بھی ہمیں ہدایت اور رہنمائی اول سے آخر تک ملتی ہے اور حضور سرورِ عالمؐ کی پاک زندگی سے بھی۔ وہ پاک زندگی جسے صحابہ کرامؓ نے بیان فرمایا اور ہمارے بزرگوں نے محفوظ کرلیا۔ نبی کریمؐ کی پاک زندگی میں تحریکِ اسلامی کی بنیاد بھی ملتی ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ نے کس ترتیب سے یہ تحریک چلائی اور اسلامی حکومت کے قائم کرنے تک کیسے کیسے مرحلے سامنے آئے اور آپؐ اُن سے کس طرح گذرے۔ یہ ساری باتیں آج ہمارے سامنے آئینے کی طرح ہیں اور حضورؐ ہی کے بتائے ہوئے نشانات پر ہم آج تحریکِ اسلامی کو آگے بڑھا سکتے ہیں۔ اس کے سوا



اہلِ کتاب

وہ لوگ جن کے پاس اللہ کی کتاب ہے۔ اس وقت دنیا میں ایسے تین گروہ ہیں جن کے پاس اللہ کی کتاب ہے :

۱۔ یہودی :۔ اِن کے پاس تورات ہے۔ تورات حضرت موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی تھی۔ یہودیوں
اس میں تحریف کردی یعنی بہت کچھ اس میں سے نکال دیا اور بہت کچھ اپنی طرف سے ملا دیا۔

۲۔ عیسائی :۔ اِن کے پاس انجیل ہے۔ انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی سا
گئی۔ عیسائیوں نے اس میں اپنی طرف سے بہت کچھ ملا دیا اور بہت کچھ نکال دیا۔

۳۔ مسلمان :۔ مسلمانوں کے پاس اللہ کی کتاب قرآن مجید ہے۔ قرآن حض
تھا۔ اس میں کوئی تحریف نہ کرسکا یعنی اِس میں نہ کسی طرح کی تبدیلی ہوئی اور نہ کاٹ چھانٹ اور
صلے اللہ علیہ وسلم پر اُتاری گئی تھی۔

اِن تینوں گروہوں میں سے یہودیوں اور عیسائیوں کو (جن کے پاس تو
تیسرا گروہ جس کے پاس قرآن مجید ہے مومن یا مسلم یا مسلمان کہلاتا ہے ۔ حضرت عیسیٰ

اہلِ کتاب کا عقیدہ اور اُن کا کفر

اہلِ کتاب اللہ کو مانتے ہیں۔ رسالت اور آخرت پر بھی اُن
علیہ السلام کے بتائے اور سکھائے ہوئے طریقے کے مطابق

بتانا تھا کہ
سا کافر ہی کہا

یہ کتاب (قرآن مجید)

نہ کرتا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پیشین گوئیوں کو چھپاتے تو امید کی جا سکتی تھی کہ یہ سب قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر ایمان لے آتے اور یہ مسلم گروہ میں ہوتے۔ ان میں سے کچھ علماء جو تعصب میں مبتلا نہ تھے انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور مسلمان ہو گئے لیکن اہلِ کتاب میں سے زیادہ تر لوگوں نے اپنے نبیوں کی تعلیم کو بھلا دیا۔ انھوں نے قرآن اور نبیؐ کو جھٹلایا۔ ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن کا آخری فیصلہ یہی ہے کہ وہ کافر ہیں۔ حالانکہ قرآن انھیں بہت دنوں تک اہلِ کتاب ہی کہتا تھا لیکن جب انھوں نے کسی طرح مان کر نہ دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اعلان کرا دیا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۝ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۝ وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ۝ وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدتُّمْ ۝ وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ۝

کہہ دو کہ اے کافرو! میں اُن کی عبادت نہیں کرتا جن کی عبادت تم کرتے ہو، اور نہ تم اُس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں۔ اور نہ میں اُن کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی عبادت تم نے کی ہے، اور نہ تم اُس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں۔ تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین۔

پوچھا ہے

ان نبیوں میں سے کسی ایک ہی کو نہ ماننا بھی کفر ہے۔ یہ قرآن کی تعلیم ہے۔ یہودی اور عیسائی اس حکم کے مطابق کافر ہیں۔

جواب حضرت عیسیٰؑ کو نبی نہیں مانا اور عیسائیوں نے حضرت موسیٰؑ کو نبی ماننے سے انکار کر دیا اور ان دونوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم نہیں کیا۔ اس لئے اہلِ کتاب کافر ہی ہیں۔

بارے میں جو

انجمن کا حل نہیں لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ۘ (المائدہ: ۷۳)

رہنمائی اول سے آ ۔۔۔نے جنھوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے۔

نے بیان فرمایا اور ہمارے

یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ کہ یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا تسلیم کر لیا (سورۂ توبہ ۔ ۳۰) اور عیسائیوں

مرحلے سامنے آئے اور آپؐ ا

حضورؐ ہی کے بتائے ہوئے نشا

کہ [illegible]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ مان لیا۔ (المائدہ ۷۲) ۔ قرآن کہتا ہے : لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ : اللہ نہ کسی کا باپ ہے اور نہ بیٹا۔ (ملاحظہ ہو سورۂ اخلاص)

غرض یہ قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے کے بعد اہلِ کتاب کے کافر ہونے میں کیا گنجائش نکل سکتی ہے!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنفَكِّينَ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ رَسُولٌ مِّنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝

اہلِ کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے کفر کے رویے کو اپنا لیا تھا اُن کے لئے ممکن ہی نہ تھا کہ وہ اپنے کفر و شرک سے باز آجاتے تاوقتیکہ اُن کے پاس روشن دلیل نہ آجائے۔

سورۂ البیّنۃ کی اِن آیتوں کے بارے میں تمام مفسرین ایک رائے ہیں کہ ان میں رسول۔۔۔اور رسول بھی کون؟ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔۔۔کی بعثت کی ضرورت بیان فرمائی گئی ہے، یہ کہ دنیا کے لوگ چاہے وہ اہلِ کتاب میں سے ہوں یا مشرکوں میں سے، دونوں جس کفر میں پھنسے تھے اُس سے نکلنا اُس وقت ہی ممکن تھا کہ ایک رسول روشن دلیل کے ساتھ بھیجا جائے۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنی کتابوں میں کتر بیونت کر کے اصل دین میں ملاوٹ کر دی تھی۔ اب آنے والا رسول روشن دلیل سے بتائے کہ یہ ٹھیک ہے اور یہ غلط ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید دے کر بھیجا گیا۔ تو بھی اہلِ کتاب اور مشرکین میں سے جن کی گھٹی میں کفر پڑا تھا وہ ایمان نہ لائے۔ بہت کم علمائے اہلِ کتاب مسلمان ہوئے جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری رسول ہو کر آنا اور قرآن جیسی کتاب روشن دلیل کے طور پر لانا دراصل یہ بتانا تھا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے۔ اب بھی اہلِ کتاب کے دلوں پر مہر لگی رہے اور آنکھوں پر پردے پڑے رہیں تو انھیں کافر ہی کہا جائے گا۔ یہ کوئی اینچ پینچ کی بات نہیں ہے جو سمجھ میں نہ آسکے۔ آئینے کی طرح صاف ہے۔

اہلِ کتاب کی ہٹ دھرمی اس سے زیادہ دیکھنا ہو تو سورۂ بقرہ آیت ۸۹ سے آیت ۹۱ یکفرون بما ورآء ہٗ تک پڑھئے (متن طویل ہے اس لئے صرف ترجمہ درج کر رہا ہوں) :

"اب جو ایک کتاب اللہ کی طرف سے ان کے پاس آئی ہے اس کے ساتھ ان کا برتاؤ کیا ہے جبکہ یہ کتاب (قرآن مجید)

اُس کتاب (توراۃ) کی تصدیق کرتی ہے جو اُن (اہلِ کتاب یہودیوں اور عیسائیوں) کے پاس پہلے سے موجود تھی۔ اِس کتاب (قرآن) کی آمد سے پہلے وہ (اہلِ کتاب یعنی یہودی) کفار کے مقابلے میں فتح و نصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے مگر جب وہ چیز آگئی (الکتاب یعنی قرآن) تو انھوں نے اُسے ماننے سے انکار کر دیا۔ خدا کی لعنت منکرین پر کیسا بُرا ذریعہ ہے جس سے یہ لوگ اپنے نفس کی تسلی حاصل کرتے ہیں کہ جو ہدایت اللہ نے نازل کی ہے اُس کو قبول کرنے سے اِس ضد کی بنا پر انکار کر رہے ہیں کہ اللہ نے اپنے فضل سے اپنے جس بندے کو خود چاہا، نواز دیا۔ لہٰذا اب یہ اسکے مستحق ہیں کہ انھیں عذاب پر عذاب دیا جاتا رہے۔ وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ مُّہِیْنٌ اور ایسے کافروں کے لئے ذلیل کر دینے والا عذاب ہے۔ جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کچھ نازل کیا ہے اُس پر ایمان لاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اُس چیز پر ایمان لاتے ہیں جو ہمارے یہاں (یعنی بنی اسرائیل میں) اُتری ہے۔ اس کے باہر جو کچھ آیا ہے اُس کو ماننے سے وہ انکار کرتے ہیں۔"

یہ وہی بات ہے جو ہمارے ملک میں آر۔ایس۔ایس کا نعرہ ہے "ہندی۔ ہندو۔ ہندوستان"۔ انھیں بھی دکھ ہے کہ اللہ کا آخری نبی عرب میں کیسے پیدا ہو گیا جب کہ یہاں کے لوگوں کی آنکھیں "انتم ایش دوت" کے انتظار میں کھلی ہیں

اِسلام کے پانچ بنیادی عقیدے

سورۃ بقرہ آیت ۲۸۵ میں

اس آیت میں تفصیلات سے قطع نظر کر کے اسلام کے عقائد اور اسلامی طرزِ عمل کا خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے: اللہ کو، اللہ کے فرشتوں کو اور اُس کی کتابوں کو ماننا، اُس کے تمام رسولوں کو تسلیم کرنا بغیر اس کے کہ اُن کے درمیان فرق کیا جائے (یعنے کسی کو مانا جائے اور کسی کو نہ مانا جائے) اور اس امر کو تسلیم کرنا کہ آخر کار ہمیں اُس کے حضور حاضر ہونا ہے۔ یہ پانچ امورِ اسلام۔ بنیادی عقائد ہیں۔ (تفہیم القرآن جلد اول سورہ بقرہ آیت ۲۸۵ کا حاشیہ، ۳۳، صفحہ ۲۲۴)

محرّم کی دسویں تاریخ

بنی اسرائیل کی آزادی کا دن

جس طرح ہم ہندوستانیوں نے ۱۵ اگست کو انگریزوں کی غلامی سے نجات پائی اور اس تاریخ کو اپنے م آزادی کی یادگار بنالیا اسی طرح قوم بنی اسرائیل نے محرم کی دس تاریخ کو مصر کے بادشاہ فرعون کے ظلموں سکارا حاصل کیا تھا۔ انھوں نے اس خوشی میں دسویں محرم کو اپنے لئے آزادی کے دن کو یادگار بنالیا تھا۔

یادگار کے معنی ہیں یاد دلانے والا۔ اگست کی پندرہویں تاریخ ہمیں آزادی کی ان کوششوں کو یاد دلاتی ہے نے اس سلسلے میں کی تھیں۔ محرم کی دسویں بنی اسرائیل کو یاد دلاتی ہے کہ مصر کے بادشاہ نے ان پر کیسے کیسے ظلم ئے تھے اور پھر انھیں کس طرح آزادی نصیب ہوئی تھی۔ ہم نے ۱۵ اگست کو آزادی کی یادگار بنالیا۔ بنی اسرائیل سویں محرم کو۔

بنی اسرائیل کون تھے؟ مصر کے بادشاہ فرعون نے ان پر کیا ظلم کئے اور پھر کس طرح انھیں اس سے نجات ملی؟ یہ کہانی بہت لمبی ہے لیکن ہم کوشش کریں گے کہ کم سے کم لفظوں میں آپ کے سامنے بیان کریں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے ایک بہت بڑے نبی تھے۔ ان کی قربانیوں کی یادگار (عیدالاضحیٰ) ہم پچھلے مہینے میں منا چکے ہیں ان کے ایک بیٹے تھے حضرت اسحاق علیہ السلام۔ حضرت اسحاقؑ بھی اللہ کے نبی تھے حضرت اسحاقؑ کے ایک بیٹے تھے حضرت یعقوبؑ۔ حضرت یعقوب علیہ السلام بھی اللہ کے نبی تھے۔ حضرت یعقوبؑ کا لقب اسرائیل تھا اسی لئے حضرت یعقوب علیہ السلام کی جو نسل چلی اس کو بنی اسرائیل کہا گیا یعنی اسرائیل کی اولاد یہ سب اس دین حنیف کے پیرو تھے جو انھیں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملا تھا اس کے معنی یہ ہیں کہ بنی اسرائیل مسلمان تھے۔

حضرت یعقوب کے ایک بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام تھے حضرت یوسف علیہ السلام بھی اللہ کے نبی ہوئے

حضرت یوسفؑ کے حالات کہانی کے طور پر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمائے ہیں۔ یہ کہانی اس طرح ہے۔

حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹے تھے جو ان کی چار بیویوں سے ہوئے حضرت یوسفؑ اور بن یمین ایک بیوی سے باقی دس دوسری بیویوں سے۔

حضرت یوسفؑ بچپن ہی سے نہایت نیک اور سمجھدار تھے حضرت یعقوبؑ ان کی نیکی اور سمجھداری دیکھ کر دل ہی دل میں کہا کرتے کہ ایسا لگتا ہے، یہ بیٹا اللہ کا نبی ہوگا۔

حضرت یعقوبؑ کے اس خیال نے یقین کی صورت اختیار کرلی تھی۔ اس لئے اپنے تمام بیٹوں کے مقابلے میں حضرت یوسفؑ کو بہت چاہنے لگے۔ اس بات سے دوسری بیویوں سے جو بیٹے تھے ان کے دل میں حسد پیدا ہوا۔ اس حسد نے ان کے دل میں دشمنی پیدا کردی اور وہ حضرت یوسفؑ کی جان لینے پر تُل گئے۔ ایک بار بہانے سے اپنے ساتھ جنگل لے گئے اور وہاں ایک اندھے کنویں میں ڈال دیا۔ گھر واپس آکر باپ سے کہہ دیا کہ یوسف کو بھیڑیا اُٹھا لے گیا۔

انسان کیا کرتا ہے اور خدا کیا کرتا ہے۔ بلکہ یوں کہئے آگے جو کچھ ہونے والا ہوتا ہے خدا وہی انسان سے کرا لیتا ہے یوسفؑ کو ایک قافلے نے کنویں سے نکالا۔ یہ قافلہ مصر جا رہا تھا مصر جا کر قافلے نے حضرت یوسفؑ کو بہت تھوڑے پیسوں میں بیچ ڈالا مصر کے ایک رئیس نے خریدا اور اپنے گھر لے گیا۔ اس رئیس نے حضرت یوسفؑ سے بات کی۔ اسے حضرت یوسفؑ کے اندر ایک بڑا انسان نظر آیا۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا۔ اس لڑکے کو آرام سے رکھنا ہو سکتا ہے کہ اسے ہم بیٹا بنا لیں۔

حضرت یوسفؑ رئیس مصر کے یہاں رہنے لگے۔ آئے دن ان کی ذہانت کا کوئی نہ کوئی واقعہ اس کے سامنے آتا گیا اور وہ ان کا گرویدہ ہوتا گیا۔ دو تین سال کے اندر ہی اس نے انھیں اپنے گھر کا مختار بنا دیا۔ خود فرعون مصر کا درباری اور اعلیٰ عہدیدار تھا۔ وہ درباری کرتا رہا۔ گھر اس نے حضرت یوسفؑ کو سونپ دیا۔

اس وقت مصر کے لوگ عیاشی اور بے حیائی کے اس مقام پر تھے جہاں تک آج کی عریاں تہذیب نہیں پہنچ سکی ہے۔ عورتیں جب اور جہاں اپنی پسند کا مرد پاتیں اسے اغوا کر لے جاتیں شروع شروع میں تو اس اغوا نے ان کے ارمان پورے کئے لیکن زیادہ دن نہیں بیتے تھے کہ مردوں پر نفسیاتی اثر ہوا۔ یہ اثر اس خوف کا نتیجہ تھا کہ کہیں کوئی عورت اس پر حملہ کر کے پکڑ لے جائے اس نفسیاتی خوف نے مردوں کی مردانہ قوت پر بُرا اثر ڈالا بہت سے وہ مرد جو بار بار

...واکئے گئے تھے کہتے ہیں کہ وہ اتنے سہمے رہتے تھے کہ عورت کو دیکھ کر ان کی امنگ ہی مرجاتی تھی۔ چنانچہ عورتیں ...فتور مرد کی تلاش میں رہتی تھیں۔ یہ طاقتور مرد اگر حسین ہو تو اسے پاکر وہ بے حد خوش ہوتی تھیں۔

حضرت یوسفؑ جس رئیس کے گھر میں رہتے تھے اس کی بیوی زلیخا مصر کی حسین ترین عورت تھی اس نے حضرت ...سفؑ جیسے حُسنِ مجسم کو گھر میں دیکھا تو بے قابو ہوگئی۔ ایک دن گھیر لیا لیکن حضرت یوسفؑ بچ نکلے۔ ان کا بچ نکلنا ...بہا "جرم" تھا جسے زلیخا برداشت نہ کرسکی۔ اس نے شوہر کو مجبور کیا کہ وہ یوسفؑ کو جیل بھیج دے۔ چنانچہ یوسفؑ ...یل بھیج دیا گیا۔ واضح رہے کہ اس وقت مصر کا مرد نفسیاتی اور نفسانی اعتبار سے ایسا مضمحل ہوگیا تھا کہ عورت اس ...حاوی ہوگئی تھی۔

انسان کیا کرتا ہے اور خدا کیا کرتا ہے بلکہ یوں کہئے کہ خدا انسان سے کیا کراتا ہے۔ حضرت یوسفؑ جیل میں تھے ...ہیں نبوت عطا ہوئی۔ نبی ہوتے ہی انھوں نے اسلام کی تبلیغ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ قیدی ان سے متاثر ہونے لگے ان متاثرین میں سے ایک قیدی چھوٹا۔ وہ بادشاہ مصر کا ملازم تھا۔ اس نے بادشاہ سے حضرت یوسفؑ کی تعریف کی بادشاہ نے جیل سے انھیں بلایا بات کی حضرت یوسف علیہ السلام کی قابلیت اور صلاحیت سے اتنا مرعوب ہوا کہ اس نے اپنی سلطنت کا بلا شرکت غیرے کرتا دھرتا بنا دیا مصر کا نظم و نسق حضرت یوسفؑ کے ہاتھ میں آگیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے اسی اقتدار کے زمانے میں اپنے ماں باپ اور گھر والوں کو مصر میں بلا لیا چونکہ مصر میں سخت بے حیائی پھیلی تھی اور مصر کے لوگ بُت پرست تھے۔ اس لئے حضرت یوسفؑ نے اپنے گھرانے کو مصر سے الگ دریائے نیل کے کنارے جُشن یا گوشن نامی مقام پر بسایا محض اس ڈر سے کہ کہیں یہ لوگ مصر کی تہذیب اور بُت پرستی سے متاثر ہو جائیں۔ ہاں بنی اسرائیل کے تربیت یافتہ لوگوں کو تبلیغ کی اجازت دے دی۔ ان صاحب فہم مسلمانوں نے تبلیغ شروع کی تھوڑے ہی دنوں میں بہت سے مصریوں نے اسلام قبول کرلیا اور وہ بنی اسرائیل میں گھل مل گئے۔

تھوڑے ہی دنوں میں مصر کے اندر بنی اسرائیل کی اس شاندار کامیابی کی وجہ دراصل یہ تھی کہ اس وقت وہاں عمالیق حکمراں تھے۔ عمالقہ ہکسوس (عرب چرواہے) تھے جو حضرت عیسیٰؑ سے دو ہزار برس پہلے مصر کی طرف آئے اور انھوں نے وہاں قبضہ کر لیا جب ان کو معلوم ہوا کہ حضرت یوسفؑ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں تو انھوں نے تبلیغ کا پورا موقع دیدیا۔

پار ساڑھے چار سو برس بنی اسرائیل مصر میں صاحب اقتدار رہے۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰؑ سے پندرہ سو برس پہلے ملک میں زبردست قوم پرستانہ تحریک اٹھی جس نے ہکسوس اقتدار کا تختہ الٹ دیا۔ ایک نہایت متعصب قبطی قوم کا راج ہو گیا۔ اس نے عمالقہ (ہکسوس) کے زمانے کی ایک ایک یادگار کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر مٹا دیا۔ ڈھائی لاکھ عمالیق کو مصر سے نکال دیا۔ اس کے بعد بنی اسرائیل پر ظلم و ستم ڈھانا شروع کر دیا۔ بنی اسرائیل پر جو ظلم ڈھائے گئے ان میں سرفہرست ظلم یہ تھا کہ قبطی فرمان کے تحت بنی اسرائیل کا نوزائیدہ بچہ اگر لڑکا ہوتا تو اسے مار ڈالا جاتا اور لڑکی ہوتی تو اسے زندہ رکھا جاتا تاکہ اس سے گھروں میں خدمت کرنے کا کام لے سکیں۔ اس ظلم کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی اسرائیل تعداد کے اعتبار سے گھٹنے لگے۔ ان کی معیشت پر بھی زبردست چوٹ کی گئی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ افلاس میں مبتلا ہو گئے وہ قبطی قوم کی تہذیب کا اثر بھی قبول کرنے لگے ان کا ایمان کمزور ہو گیا ان کی اصلاح کے لئے اللہ نے نبی پیدا کئے لیکن بنی اسرائیل میں سے بہت کم لوگوں نے نصیحت قبول کی بیشتر نافرمان ثابت ہوئے۔ اس حالت میں صدیاں گذر گئیں۔

یہی حال تھا کہ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت ان کی والدہ محترمہ نے کسی سرکاری دائی کو نہیں بلایا بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو چھپایا۔ پھر بھی انھیں اندیشہ رہا۔ انھوں نے اللہ سے دعا کی اللہ نے ان کے دل میں ڈالا کہ بچے کو ایک صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں بہا دو ان کو یہ خیال آیا کہ اس طرح بچے کو کوئی نکال لے گا اور پال لے گا۔ چنانچہ انھوں نے ایک چھوٹا سا صندوق بنایا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس میں لٹایا۔ جا کر دریائے نیل میں بہا دیا۔ اپنی بیٹی سے کہا کہ کنارے کنارے جا اور دیکھتی رہ کہ اس صندوق کو کون نکالتا ہے۔

صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس پہنچا۔ اس وقت فرعون کی بیوی کچھ عورتوں کے ساتھ نیل کا منظر دیکھ رہی تھی اس کی نظر صندوق پر پڑی اس نے صندوق نکلوایا کھولا تو اس کے اندر ایک خوبصورت بچہ دیکھا اس کے دل میں محبت پیدا ہو گئی اس نے حکم دیا کہ بچے کے لئے انا حاضر کی جائے۔ کئی دودھ پلانے والیاں آئیں لیکن بچے نے کسی کا دودھ نہیں پیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن بھی کسی طرح محل میں پہنچ گئی تھی اس نے بڑھ کر کہا کہ اگر حکم ہو تو میں ایسی انا لا سکتی ہوں

س کا دودھ یہ بچہ ضرور پیئے گا۔ اجازت مل گئی۔ لڑکی دوڑ کر ماں کے پاس آئی۔ سارا حال کہا۔ اس کے بعد ماں کو محل میں لے
ئ۔ حضرت موسیٰ نے ماں کا دودھ پیا۔ اب ان کی پرورش شاہانہ طور پر ہونے لگی۔

ایک دن محل میں فرعون نے بچے کو دیکھ لیا۔ پوچھا کون ہے۔ اسے پورا قصہ سنایا گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو یہ
ہ اسرائیلی ہے شاید ماں نے اس کی جان کے خطرے سے دریا میں بہا دیا۔ اس نے چاہا کہ حضرت موسیٰؑ کو مار ڈالے کر
وی نے سفارش کی حضرت موسیٰؑ کی جان بچ گئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے ہوئے تو ایک حادثے میں سرکاری افسر کی موت ان کے ہاتھوں ہو گئی وہ ڈرے کہ فرعون
لہ لے کر رہے گا۔ بھاگے اور مدین جا پہنچے۔ مدین میں بنی اسرائیل کے کچھ لوگ بستے تھے۔ مشہور پیغمبر حضرت شعیبؑ کو اللہ نے
ن کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا تھا۔ حضرت موسیٰؑ حضرت شعیبؑ سے ملے۔ حضرت شعیبؑ نے انھیں پناہ دی۔ دس
رہ برس ان کی صحبت میں رہے۔ پھر ان کی لڑکی سے شادی کی۔ شادی کے بعد وطن کی یاد ستانے لگی حضرت شعیبؑ سے
جازت لی۔ بیوی کو ساتھ لیا اور مصر کی طرف چل دئے۔ راستے میں اچانک کوہ طور پر پہنچے۔ اللہ نے نبوت عطا فرمائی۔ لاٹھی
معجزہ عنایت ہوا۔ یہ لاٹھی اللہ کے حکم سے اژدہا بن جاتی تھی یہیں اللہ کے حکم سے ان کی ہتھیلی میں ایسی چمک پیدا
گئی جیسے ایک انگارہ دہک رہا ہو۔ یہیں حکم ہوا کہ فرعون کے پاس جاؤ اور اسے اسلام کی طرف بلاؤ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر پہنچے۔ بڑے بھائی کو ساتھ لیا۔ بڑے بھائی حضرت ہارونؑ کو بھی اللہ نے اپنا
ی بنایا اور حضرت موسیٰؑ کے ماتحت کر دیا۔ دونوں بھائی فرعون کے دربار میں پہنچے۔ اسلام کی دعوت دی، اور
پھر فرعون سے حضرت موسیٰؑ کی کشمکش شروع ہو گئی۔ مدتوں یہ کشمکش چلتی رہی۔ آخر کار اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا کہ
نی اسرائیل کو لے کر راتوں رات ہجرت کر جاؤ۔ حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو ساتھ لیا۔ راتوں رات نکل گئے۔ صبح
رعون کو خبر ہوئی وہ فوج لے کر پیچھے چلا۔ راستے میں دریا پڑتا تھا حضرت موسیٰؑ نے اللہ کے حکم سے ندی کے پانی پر لاٹھی ماری
ندی نے راستہ دیدیا۔ حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کے ساتھ پار اتر گئے۔ پیچھے سے فرعون اپنے لشکر کے ساتھ اسی راستے
پر چلا۔ بیچ ندی میں پہنچا تو اچانک پانی پھٹ پڑا اور فرعون مع لشکر بہہ گیا سارا لشکر تباہ ہو گیا جس دن فرعون کا لشکر
باہ ہوا اور بنی اسرائیل بچ کر نکل گئے اس دن محرم کی دس تاریخ تھی۔ اس خوشی میں بنی اسرائیل نے شکریے کے طور پر

اس دن روزہ رکھا اور محرم کی دسویں کو اپنی آزادی کی یادگار دن بنالیا۔

اس کے بعد بنی اسرائیل کی تاریخ بہت لمبی ہے ان کے عقیدے خراب ہونا شروع ہوئے۔ انھوں نے نبیوں کی تعلیم بدل دی۔ خدائی کتابوں میں اپنی طرف سے بہت کچھ ملا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کا دین اسلام جو انھیں نبیوں سے ملا تھا اس سے انجان بن گئے۔ خدائی تعلیم سے ان کو اتنی نفرت ہوگئی کہ وہ نبیوں کے دشمن ہو گئے بہت نبیوں کو انھوں نے مار ڈالا یا وقت کے بادشاہ سے مل کر قتل کرا دیا۔

جس وقت حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نبی ہوئے۔ اس وقت بنی اسرائیل یہودی کہلاتے تھے، حضرت موسیٰؑ کو خدا کا رسول تو مانتے تھے۔ خدا کو ایک بھی کہتے تھے لیکن خدا کی کتاب توریت میں سے زیادہ حصہ نکال کر ضائع کر دیا تھا بہت تھوڑا حصہ رہنے دیا تھا۔ وہ بھی جس کو وہ اپنے لئے نقصان کا سبب نہیں سمجھتے تھے۔ محرم کی دسویں کو وہ اب بھی روزہ رکھتے تھے لیکن اب وہ مسلمان نہیں رہے تھے وہ خود اپنے کو مسلمان نہیں کہتے تھے یہودی کہلانا فخر سمجھتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں تشریف لائے اور سنا کہ محرم کی دسویں کو یہودی روزہ رکھتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ یہودیوں سے زیادہ عقیدہ وعمل میں ہم حضرت موسیٰؑ سے قریب ہیں۔ ہمارا حق ہے کہ ہم حضرت موسیٰؑ کی تقلید میں روزہ رکھیں چنانچہ آپ نے محرم کی دسویں کو روزہ رکھا اور مسلمانوں کو بھی ترغیب دی کہ اس تاریخ کو روزہ رکھیں۔ یہ اسی طرح ہمارے لئے خوشی کا دن ہے جس طرح بنی اسرائیل کے لئے تھا کیونکہ اس تاریخ میں حق نے باطل پر فتح پائی تھی چنانچہ مسلمان محرّم کی دسویں کو روزہ رکھتے ہیں اور اللہ کا شکر ادا کر کے بنی اسرائیل کے عروج و زوال کو عبرت کی نگاہ سے مطالعہ کرتے ہیں۔

محرّم کی دسویں کا دوسرا واقعہ

محرّم کی دسویں کو غم کی یادگار بنانے کا قصّہ بھی سُن لیجئے۔ یہ قصّہ ہم ہر سال دہراتے ہیں جن بھائی بہنوں کو یہ قصہ معلوم ہے ان کے لئے یاد دہانی ہے اور جن بھائی بہنوں کو نہیں معلوم ہے ان کو معلوم ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا آخری نبی بنایا۔ دین کو بھی مکمل فرمایا (اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ) اور اسلام کے ماننے والوں کو شریعت محمدی کا پابند بھی بنا دیا۔ (اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَافَّۃً) اور دین و شریعت کے اسی مجموعہ پر اپنی رضامندی کا سرٹیفکٹ بھی دیدیا۔ (اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ)۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادات سے لیکر زندگی کے ہر شعبے کی مکمل تعلیم دی اور اس پر عمل کر کے نمونہ بھی پیش فرما دیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سیاست کے میدان میں بھی کامیاب کیا۔ آپ نے سیاست کا قانون بھی اہل اسلام کو دیا۔

حکومت کے بارے میں اسلامی قانون یہ ہے کہ حکومت کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کیونکہ وہی مالک الملک ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاست میں کامیاب ہو کر اسلامی ریاست بنائی۔ اس ریاست میں اللہ کا حکم چلایا خود اس کے مکمل نمونہ اور قائد اعظم تھے۔ اپنی زندگی میں ایک ایسا تربیت شدہ گروہ بنا دیا جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو جیسے کا تیسا یاد رکھا۔ باقی رکھا اس پر عمل کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس تربیت شدہ گروہ کے سربراہ حضرت ابوبکر صدیق رضہ تھے حضرت ابوبکر صدیق رضہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ (نائب) کہلائے اس نسبت سے خلیفۃ المسلمین بنے اللہ کے قانون کے ماتحت اسلامی ریاست کا کام چلایا۔ پھر جب موت کا پیغام آیا تو اسی تربیت یافتہ گروہ کے ذہین اور اعلیٰ درجے کی شخصیتوں سے مشورہ کر کے اپنی زندگی میں حضرت عمر رضہ کو خلیفہ نامزد کر دیا۔

حضرت عمر رضہ نے بھی خلیفہ ہونے کا حق ادا کر دیا پھر انھیں ایک شخص نے شہید کر دیا ابھی جان نہیں نکلی تھی موصوف نے چھ بزرگوں کا نام لے کر فرمایا کہ ان میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنا لینا لیکن میرے بیٹے عبداللہ کو خلیفہ نہ بنانا۔

عبداللہ بن عمر رضہ وہ بزرگ تھے جو بہت ہی متقی انسان اور قرآن و حدیث کے ماہر اور عامل تھے۔ حضرت عمر رضہ کا خیال تھا کہ لوگ انھیں خلیفہ بنا سکتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات اسلامی قانون کی رو سے غلطی نہ ہوتی لیکن حضرت عمر رضہ کو یہ اندیشہ تھا کہ اس طرح اسلامی ریاست پر جاگیردارانہ نظام غالب آسکتا ہے اس لئے آپ نے تاکیداً منع فرما دیا۔

حضرت عمر رضہ کے بعد حضرت عثمان رضہ خلیفہ ہوئے اور ان کے بعد حضرت علی رضہ۔ ان حضرات نے بھی اسلامی قانون کے مطابق ریاست کا کام کیا کبھی کسی طرح کی ترمیم نہیں کی۔

حضرت علی رضؓ کے بعد مسلمانوں کے مشہور امن پسند رہنما حضرت حسن بن علی رضؓ نے حضرت معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور معاویہؓ ریاستِ اسلامی کے خلیفہ بن گئے۔

حضرت معاویہ رضؓ نے دین و شریعت کے ڈھانچے کو رکھا تو ویسا ہی جیسا اپنے سے پہلے خلفاء سے پایا تھا۔ لیکن انھوں نے اسلامی سیاست میں دو ترمیمیں کر ڈالیں۔ اول یہ کہ اپنے بیٹے یزید کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کر دیا لوگوں سے زبردستی بیعت کرالی۔ دوسری ترمیم یہ کی کہ بیت المال (اسلامی خزانہ) جس کا پیسہ مسلمانوں اور اسلام کی ضرورتوں کے لئے خرچ ہونا چاہیئے تھا اسے اپنا ذاتی مال سمجھ کر جس طرح چاہا خرچ کرنا شروع کر دیا۔

حضرت معاویہؓ کی ان دونوں ترمیموں کو مسلمانوں کے دیندار طبقے نے قبول نہیں کیا۔ اس دیندار طبقے کے چار قائدین نے کھلم کھلا حضرت معاویہؓ کے سامنے مخالفت کی عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضؓ، عبداللہ بن زبیر رضؓ، عبداللہ بن عمر رضؓ اور حسین بن علی رضؓ، (حضرت حسن رضؓ کے چھوٹے بھائی) ان کا اعتراض اور مطالبہ یہ تھا۔

(۱) یا تو آپ حضرت ابوبکر رضؓ کی تقلید کریں انھوں نے خلیفہ بننے کے لئے حضرت عمر رضؓ کو نامزد کیا تھا حضرت عمرؓ ان کے خاندان سے نہیں تھے ہاں وہ خلیفہ بننے کے اہل تھے۔

(۲) یا آپ حضرت عمر رضؓ کی تقلید کریں انھوں نے خلیفہ بننے کے لئے چھ بزرگوں کو نامزد کیا تھا ان میں سے کوئی ان کے خاندان کا نہ تھا بلکہ وہ سب خلیفہ بننے کے اہل تھے۔

(۳) یا آپ حضرت عثمان رضؓ کی تقلید کریں انھوں نے کسی کو خلیفہ بننے کے لئے نامزد نہیں کیا بلکہ یہ کام مسلمانوں کے ذہین، دیندار اور صائب الرائے لوگوں کے لئے چھوڑ دیا تھا کہ وہ جسے چاہیں خلیفہ بنالیں۔

(۴) یا آپ حضرت علی رضؓ کا اُسوہ اختیار کریں۔ ان سے لوگوں نے کہا بھی کہ حسنؓ بن علی رضؓ کو خلیفہ نامزد فرما دیں مگر حضرت علی رضؓ بھی اس خیال سے کہ اسلامی ریاست میں جاگیردارانہ نظام نہ پھیلے اپنے قابل بیٹے کو نامزد نہیں کیا

حضرت معاویہؓ نے اس تجویز کو رد کر دیا نتیجہ یہ ہوا کہ جب یزید خلیفہ بنا تو دیندار طبقہ باغی ہو گیا۔ یزید نے بڑی مشکل سے اس طبقے کو زیر کیا۔ ہزاروں بزرگ مارے گئے حضرت حسین بن علی رضؓ مکہ معظمہ چلے گئے۔ ارادہ تھا وہاں زندگی کے بقیہ دن گذاریں گے مگر تقدیر میں کچھ اور لکھا تھا یا یوں کہیئے کہ اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

حالات ہمیں بتاتے ہیں کہ جس طرح اسلامی ریاست میں بڑی جرأت کے ساتھ دو ترمیمیں کر ڈالی گئی تھیں۔ اللہ کا کوئی بندہ اسی جرأت کے ساتھ دونوں ترمیموں کو اپنی صحیح جگہ لانے کے لئے اُٹھ کھڑا ہوتا حضرت حسینؓ نے یہ کارنمایاں انجام دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کربلا کے میدان میں حضرت حسینؓ کے مٹھی بھر جاں نثاروں سے یزید کے چھ ہزار جرار لشکر کی ٹکر ہوگئی۔ اس ٹکر کو میں نے جنگ کبھی نہیں تسلیم کیا۔ یہ تو زبردستی گھیر کر حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ غور فرمائیے کہ ایک طرف سو انسان۔ ان میں عورتیں بھی بچے بھی بوڑھے بھی بیمار بھی۔ کہتے ہیں کہ تیرہ چودہ برس کے نوجوانوں کو ملا کر اس یزیدی بھیڑیا بھیڑیوں کو روکنے کے لئے صرف ۷۲ آدمی نکلے۔ ان ۷۲ جرأت مندوں نے چھ ہزار لشکر جرار کو روکنے کی کوشش کی۔ کیا خیال ہے آپ کا۔ یہ جنگ تھی۔ کیا خیال ہے آپ کا یہ مٹھی بھر نوجوان جوان اور بوڑھے چھ ہزار مسلح اور فوجی تربیت پائے ہوئے لشکر سے جنگ کرنے کے لائق تھے؟

واقعات بتاتے ہیں کہ حضرت حسینؓ نے اپنے وفاداروں کے ساتھ کربلا کے میدان میں بڑی جرأت اور استقلال کے ساتھ یزیدی ریلے کو روکنے کی کوشش کی مگر وہ نہ رکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ظہر کے وقت لشکرِ یزید نے جو آخری سر اُتارا وہ حسین بن علیؓ (نواسۂ رسولؐ) کا تھا۔ اِنّا للہ واِنّا الیہ راجعون۔

حضرت حسینؓ بڑی جرأت اور ایمانی طاقت کے ساتھ اسلامی ریاست کے بنیادی قانون پر قربان ہو گئے۔ دنیا نے ظاہری نظر سے دیکھا کہ یزید کامیاب ہو گیا لیکن مسلمانوں نے آج تک اُسے معاف نہیں کیا تمام مسلمان تسلیم کرتے ہیں کہ یزید نے ظلم کیا۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ مسلمانوں نے صرف یزید کے ظلم اور حسینؓ کی شہادت کو یاد رکھا۔ بڑے غمناک پیرائے میں ہمیشہ واقعاتِ کربلا کو دہرایا۔ لیکن وہ بات بھول گئے جس پر حسینؓ خود قربان ہو گئے اور اپنے بھائی بندوں دوستوں، اور اولاد کو قربان کر دیا۔ یعنی یہ کہ اگر کوئی اللہ، رسولؐ، صحابۂ کرام کے طے شدہ سیاسی قانون میں ترمیم کرے گا تو وہ قابلِ قبول نہ ہوگا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حسینؓ کی شہادت آج غم کی یادگار تو ہے لیکن حسینی اسپرٹ کا کہیں نام و نشان بھی نہیں۔ بلکہ ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ مسلمانوں کا دل تو محض نام کے لئے آج کے حسین کے ساتھ ہے۔ لیکن ان کے ہاتھ (واقعی) آج کے یزیدوں کے ساتھ ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

یزید کافر اور جہنمی ؟

حضرت معاویہ رضہ مشہور صحابی ہیں وہ فتح مکہ میں اپنے باپ ابو سفیان کے ساتھ مسلمان ہوئے نہایت ذہین، دور اندیش اور سیاست داں تھے۔ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا اعتماد حاصل تھا کہ آپ نے ان کو کاتبانِ وحی میں شامل فرمالیا تھا یعنی جب قرآن نازل ہوتا تھا تو آپ ان کو لکھوا دیا کرتے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خاندانی رشتہ بھی تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ان کی یہی ایک خوبی نظر آتی ہے کہ وہ کاتبِ وحی تھے اس کے علاوہ ان کی حیثیت ایک عام صحابی کی تھی۔ حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت کے زمانے میں بھی وہ غیر معروف رہے حضرت عمر رضہ خلیفہ ہوئے تو ایک زبردست معرکہ (یرموک) میں معاویہ رضہ کے بھائی یزید بن ابی سفیان جو ایک رسالے کے افسر تھے نہایت بہادری سے لڑکر شہید ہوئے۔ تو حضرت عمر رضہ نے معاویہ کو دمشق کا گورنر بنا دیا۔

اب معاویہ کے جوہر کھلے۔ دمشق سے مغرب کے ممالک کو فتح کرنے کا دروازہ حضرت معاویہ رضہ ہی نے کھولا بحری جنگ کی ابتداء کر کے اہل یورپ سے اپنے تدبّر کا لوہا منوایا۔ اہل یورپ پر ان کا رعب قائم رہا۔ اسی لئے وہ ہمیشہ دمشق کی گورنری پر مامور رہے۔

حضرت عمر رضہ کے بعد حضرت عثمان رضہ خلیفہ ہوئے۔ معاویہ رضہ کی ایک بہن نائلہ حضرت عثمان رضہ کو بیاہی تھیں حضرت عثمان رضہ پر اقربا پروری کا الزام لگا کر ایک گروہ نے بغاوت کردی اور مدینہ پہنچ کر انھوں نے حضرت عثمان رضہ کے گھر کو گھیر لیا اور بڑے بڑے صحابہ نے جن میں حضرت علی رضہ بھی تھے عرض کیا کہ باغیوں سے جنگ کرنے کی اجازت دیجئے حضرت عثمان رضہ نے یہ پسند نہیں کیا کہ مسلمانوں میں خونریزی ہو۔ تمام صحابہ کو حکم دیا کہ وہ گھر چلے جائیں۔ صحابہ اُداس اُداس گھر چلے گئے لیکن انھوں نے اپنے نوجوان بیٹوں کو حفاظت کے لئے بھیجدیا۔ ان نوجوانوں کے قائد حضرت حسن بن علی رضہ تھے حضرت حسن رضہ نے بڑی دلیری اور سمجھداری سے باغیوں کا مقابلہ کیا۔ لیکن باغی گھر کی پشت سے

داخل ہو گئے۔ حضرت عثمان رضؓ کو شہید کر ڈالا۔ حضرت عثمان رضؓ پر جب تلوار پڑی تو وفادار بیوی نائلہ وہیں موجود تھیں انھوں نے ہاتھ بلند کر کے شوہر کو بچانا چاہا تلوار نے ان کی انگلیاں کاٹ دیں۔ بیوہ ہونے کے بعد وہ اپنے بھائی معاویہ کے پاس دمشق چلی گئیں۔ اور اپنے ساتھ کٹی ہوئی انگلیاں بھی لے گئیں۔

حضرت عثمان رضؓ کے بعد حضرت علی رضؓ خلیفہ ہوئے تو حضرت معاویہ رضؓ نے قاتلانِ عثمان کو سزا دینے کا مطالبہ کیا۔ اس مطالبہ کو اتنا تیز کر دیا کہ حضرت علی رضؓ سے باغی ہو گئے۔ حضرت علی رضؓ نے ان کو دمشق کی گورنری سے معزول کر دیا لیکن وہ ڈٹے رہے یہاں تک کہ حضرت علی رضؓ اور حضرت معاویہ رضؓ کی جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں حضرت معاویہؓ نے ایسی ایسی سیاسی تدبیریں کیں کہ حضرت علی رضؓ کو جنگ روکنا پڑی۔ اس کے بعد حضرت علی رضؓ کو ایک ظالم نے شہید کر دیا۔ حضرت علی رضؓ کی شہادت کے بعد حضرت حسن بن علی رضؓ نے حضرت معاویہؓ کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔ اور معاویہؓ مملکتِ اسلامیہ کے خلیفہ بن گئے۔ وہ خلیفہ تو بن گئے لیکن جمہورِ اُمت نے ان کو وہ مقام نہیں دیا جو ان سے پہلے چاروں خلفاء کا تھا۔ معاویہؓ خلیفۂ راشد نہیں مانے گئے۔ کیونکہ انھوں نے اسلامی قانون کی دو باتوں پر عمل نہ کر کے خلیفۂ راشد کے مقام سے اپنے کو گرا دیا تھا۔

(۱) یہ کہ اپنی جگہ اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ بننے کے لئے نامزد کر دیا۔ یہ بات ابھی تک کسی خلیفہ نے نہیں کی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر خلافت بادشاہت میں تبدیل ہو گئی۔ بعد میں نام تو خلیفہ ہی چلا لیکن تھے وہ سب بادشاہ ہی۔

(۲) بیت المال (اسلامی خزانے) کی رقم کو اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا جس طرح چاہتے خرچ کرتے۔ اس "جس طرح چاہنا" کا دین و شریعت میں کوئی مقام نہیں ہے۔ یہاں تو پائی پائی اللہ اور رسولؐ کے حکموں کے مطابق خرچ ہونا چاہیئے تھی۔

کچھ حوصلہ مند مسلمانوں نے معاویہؓ کو ٹوکا لیکن انھوں نے ان کو سختی سے دبا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی وفات کے بعد یزید خلیفہ ہو گیا۔ اہل مدینہ نے اس کی خلافت کو چیلنج کیا۔ اس چیلنج کے نتیجے میں اہل مدینہ بُری طرح تباہ و برباد کئے گئے اہل مدینہ کے ساتھ وہ سلوک ہوا جسے ہم بیان نہیں کر سکتے۔ شاید غیر بھی یہ سلوک نہ کرتا۔ خلیفہ بننے کے بعد یہ پہلا کارنامہ تھا

یزید کا۔ اس سے پہلے کہ مدینہ تباہ کیا گیا حضرت حسین بن علی رض مکہ معظمہ چلے گئے۔ وہاں سے کوفہ کو روانہ ہوئے راستے میں وہ حادثہ ہوا جو کرب و بلا کے عنوان سے مشہور ہے۔ یہ یزید کا دوسرا کارنامہ تھا جس کی یاد آج تک زندہ ہے اس وقت آج کل کی طرح ڈاک کا نظم نہ تھا کہ تار اور روائرلیس ہوتے اور آن کی آن میں خبر سب کو ہو جاتی کرب و بلا کا واقعہ مہینوں کے بعد لوگوں کو معلوم ہوا۔ وہ بھی یزید نے ایسے حُسن تدبیر سے دبایا جس سے اس کی قامت کی داد دینی پڑتی ہے جس وقت حضرت حسین رض کا سر اور بیمار زین العابدین بن حسین رض ایک اسیر کی حیثیت سے دربار یزید میں پہنچے اس وقت بہت سے صحابہ دربار میں موجود تھے۔ انھوں نے سر حسین پہچانا۔ انھوں ل [illegible] اس شخص کا سر ہے جسے دوشِ رسولؐ پر بیٹھنے کا حق حاصل تھا۔

یزید اس نزاکت کو سمجھتا تھا اس نے فوراً رُخ بدلا۔ مشرقی ممالک کے گورنر جنرل عبیداللہ بن زیاد کو [illegible] کہا۔ افسوس ظاہر کیا اور یہ اقرار کیا کہ میں نے ہرگز یہ حکم نہیں دیا تھا۔ یزید کے الفاظ یہ ہیں "خدا عبید [illegible] پر لعنت کرے"۔

یزید کے محل میں جس وقت حضرت حسین رض کی اہلیہ محترمہ، بہن زینب اور دوسری خواتین لٹی پٹی پہنچیں تو [illegible] کہرام مچ گیا۔ ہاشمی خاندان کی کئی خواتین محل میں تھیں۔ یزید محل میں گیا۔ مگرمچھ کے آنسو گرائے۔ خدا کی قسمیں [illegible] عبیداللہ بن زیاد پر لعنت بھیج بھیج کر افسوس کا اظہار کیا۔ پھر بڑے اعزاز کے ساتھ جلد سے جلد پورے قافلہ [illegible] بھجوا دیا۔ زین العابدین نے یزید کو خلیفہ تسلیم کر لیا اور بیعت بھی کر لی اور اس بیعت پر منضبطی [illegible]

یزید نے حُسن تدبیر سے اس فتنے کو دبا دیا جس کا اسے خطرہ تھا لیکن پھر حسینؓ و یزید پر کتابیں [illegible] روایات میں غلو کیا گیا اور اب جو مواد ہمارے سامنے ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یزید فاسق [illegible] حُسن پرست تھا شرابی تھا رقص و سرود کا عاشق تھا غرض کہ رذائل اخلاق کا پلندہ تھا اور [illegible] نے ایسا لٹریچر تیار کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے حسینؓ کے مقابلے میں ایک کافر تھا۔ یزید کے [illegible] وغیرہ۔ ضرورت ہے کہ اس مسئلے پر روشنی ڈالی جائے کیونکہ اگر یزید کافر تھا تو چلئے اُسے کافر [illegible] آتا لیکن اگر وہ مسلمان تھا اور اُسے کافر کہا جائے گا تو پھر کافر کہنے والے پر کفر اُلٹ کر آ جائے گا

سب سے پہلے ہم اس کی ولی عہدی کے مسئلے کو لیتے ہیں جس وقت حضرت معاویہؓ نے اُسے خلیفہ نامزد کیا تو چار حضرات (عبداللہ بن زبیرؓ، عبدالرحمٰن بن ابو بکرؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور حسین بن علیؓ) ایک وفد کی شکل میں گئے۔ انھوں نے کہا کہ اسلامی اصولوں کے مطابق خلیفہ کا انتخاب ہونا چاہیئے یا پھر آپ خلفائے راشدین کی پیروی کریں۔

وفد کے اعتراضات اور مطالبات میں یہ کہیں نہیں ملتا کہ یزید کردار کے اعتبار سے مجروح تھا۔ چاروں حضرات میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ وہ بدکردار بھی ہے۔

روایات میں ہمیں ملتا ہے کہ ایک مشہور صحابی ہی نے حضرت معاویہؓ کو یہ مشورہ دیا تھا کہ اپنی زندگی میں یزید کو خلیفہ نامزد کر دیں۔ اس موقع پر معاویہؓ نے ان سے یہ کہا تھا کہ مسلمان یزید کو خلیفہ کس طرح مان لیں گے جب مشہور صحابی اور اس سے زیادہ رتبے کے لوگ موجود ہیں۔

یہاں بھی ہمیں یزید کے فاسق اور فاجر اور بدکردار ہونے کی بات نہیں ملتی۔ پھر جب یزید خلیفہ ہوا اور حسینؓ نے بیعت نہیں کی تو آپ نے بھی اُسے بدکردار نہیں کہا۔ حضرت حسینؓ کے خطبے موجود ہیں ان خطبوں میں حضرت حسینؓ نے اپنے آلِ رسولؐ ہونے کی بات کا اعادہ کیا ہے۔ اپنے موقف کی وضاحت کی ہے حکومت وقت پر تنقید کی ہے۔ میدانِ کربلا میں یزیدی لشکر کے سامنے بڑا مدلل خطبہ دیا ہے ملاحظہ ہو:۔

"لوگو! میرا حسب نسب یاد کرو، سوچو میں کون ہوں پھر اپنے گریبان میں منہ ڈالو اور اپنے ضمیر کا محاسبہ کرو۔ خوب غور کرو۔ کیا تمہارے لئے میرا قتل کرنا اور میری حرمت کا رشتہ توڑنا روا ہے؟ کیا میں تمہارے نبی کی لڑکی کا بیٹا نہیں ہوں۔ کیا سید الشہداء حمزہؓ میرے باپ کے چچا نہیں؟ کیا ذوالجناحین جعفر طیار میرے چچا نہیں؟ کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نہیں سنا کہ آپ میرے اور میرے بھائی کے حق میں فرماتے "یہ دونوں جنت میں نوجوانوں کے سردار ہیں"۔ اگر میرا یہ بیان سچا ہے کیونکہ واللہ! میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے آج تک جھوٹ نہیں بولا۔ تو بتاؤ کیا تمہیں ننگی تلواروں سے میرا استقبال کرنا چاہیئے؟ اگر تم میری باتوں کا یقین نہیں کرتے تو میں کہتا ہوں۔ تم میں ایسے لوگ موجود ہیں جن سے تصدیق کر سکتے ہیں تم جاؤ جابر بن عبداللہ انصاری سے پوچھو

ابو سعید خدریؓ سے پوچھو۔ سہیل بن سعد ساعدی سے پوچھو۔ زید بن ارقم رضؓ سے پوچھو۔ انس بن مالکؓ سے پوچھو۔ وہ تمہیں بتائیں گے کہ انھوں نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے یا نہیں؟

کیا یہ بات بھی تم کو میرا خون بہانے سے نہیں روک سکتی۔ واللہ! اس وقت روئے زمین پر میرے سوا کسی نبی کا نواسہ موجود نہیں ہے۔ میں تمہارے نبی کا بلا واسطہ نواسہ ہوں۔ کیا تم مجھے اس لئے ہلاک کرنا چاہتے ہو کہ میں نے کسی کی جان لی ہے۔ کسی کا خون بہایا ہے؟ کسی کا مال چھینا ہے۔ کہو کیا بات ہے آخر میرا قصور کیا ہے؟

دیکھو میرے سر پر کس کا عمامہ ہے یہ دیکھو تلوار کس کے نام کی تسبیح پڑھ رہی ہے اور کس کے نعرے لگا رہی ہے۔ تمہارے سامنے حسین نہیں، علی، فاطمہ، حسن اور وہ کامل انسان (اشارہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف) ہے جس کے نام کو دنیا بوسہ دیتی ہے۔

یہ حضرت حسین رضؓ کی آخری تقریر ہے۔ ترجمے سے فصاحت و بلاغت کے دریا بہہ رہے ہیں اس تقریر میں اشارۃً وکنایۃً یزید کی بے دینی اور بدکرداری کی طرف اشارہ نہیں ہے آپ نے یزید کو یزیدی لشکر کو اس افسر کے سپہ سالار کو کافر نہیں کہا بلکہ ان کو مسلمان مانتے ہوئے جذباتی تقریر فرمائی تاکہ خونِ حسینؓ سے باز آجائیں اور گناہ گار نہ ہوں۔

علامہ راشد الخیری (جو شیعہ تھے) تحریر فرماتے ہیں کہ "اگر یزید اسلامی روایات اور سلف صالحین کی سنّت کو فروغ دیتا تو حضرت حسینؓ ضرور اس کی بیعت کر لیتے۔"

محرّم کی نو اور دس تاریخ کی رات میں یزیدی فوج کا سپہ سالار عمرو بن سعد آپ کی خدمت میں آیا۔ اس نے بیعت کے لئے کہا۔ وہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص مشہور صحابی عشرہ مبشرہ کا بیٹا تھا۔ رشتے میں حسینؓ کا ماموں لگتا تھا اس سے بھی آپ نے وہی بات کہی کہ یزید اسلامی روایات کے خلاف خلیفہ ہوا ہے۔ ماموں بھانجے کی آدھی رات کے وقت جو ملاقات ہوئی۔ اس میں بھی آپ نے یزید کو نہ کافر کہا اور نہ فاسق و فاجر اور بدکردار۔

یاد رہے کہ یزید کی خلافت کے عہد میں ۲۱۴ صحابہ زندہ تھے۔ عبد اللہ بن زبیر رضؓ کے علاوہ سب نے یزید کی بیعت کر لی تھی۔ ان میں حسینؓ کے بزرگوں میں سے عبد اللہ بن عباس رضؓ بھی تھے عبد اللہ بن عمر رضؓ تھے۔ ابو ہریرہ رضؓ تھے

...الدرو ثر تھے. زید بن ارقمؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھا کے صاحبزادے تھے. ابو سعید خدریؓ تھے. ان میں سے بیشتر یزید کے
...درباری تھے. یزید نمازوں میں امامت کرتا تھا صحابہ مقتدی ہوتے تھے. یہ تمام باتیں گواہ ہیں کہ یزید مسلمان تھا اور اس کے
...شرابی، زانی اور بدکردار ہونے میں کلام ہے. حضرت حسن بصریؒ سے کسی نے پوچھا "کیا یزید پر لعنت بھیجوں" فرمایا احتیاط سے
...کام لو وہ مسلمان تھا. اس شخص نے عرض کیا "حسین کو قتل کر کے اس نے اپنی آخرت خراب کر لی" فرمایا. آخرت کا معاملہ خدا
...کے ہاتھ میں ہے. مضمون طویل ہوتا جا رہا ہے آخر میں ایک بات پر غور فرما لیجئے. نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قسطنطنیہ کی مہم
...پر جانے والوں کو جنت کی خوشخبری سنائی ہے چنانچہ مسلمان منتظر تھے کہ قسطنطنیہ کی طرف لشکر اسلامی جائے تو اس میں شریک
...ہوں. یہ موقع حضرت معاویہؓ کی خلافت کے زمانہ میں آیا حضرت معاویہؓ نے لشکر ترتیب دیا. اس کا سپہ سالار یزید کو بنایا.
...اس لشکر میں بڑے بڑے لوگوں نے شرکت فرمائی. مشہور صحابی حضرت ابو ایوب انصاری بڑھاپے اور بیماری کے باوجود
...اس لشکر کے ساتھ گئے. وہیں فوت ہوئے اور ان کو یزید نے عین قلعہ کی بنیاد کے پاس دفن کیا اور بلند آواز سے کہا
...رومیو! اگر تم نے صحابیٔ رسول کی قبر کی بے حرمتی کی تو اسلامی ریاست میں کوئی گرجا سلامت نہ رہے گا."

اس لشکر میں نواسہ رسولؐ بھی تھے اور بہت سے صحابہ اور تابعین تھے. یہ سب محض اس خوشخبری کی وجہ سے لشکر کے ساتھ
...گئے. یہ تمام باتیں بتاتی ہیں کہ یزید مسلمان تھا کافر نہ تھا. اس کے شرابی، زانی اور بدکردار ہونے میں مجھے اس لئے کلام ہے کہ
...۱۴۳ صحابہ میں سے بیشتر دمشق میں رہتے تھے اور اس کے پیچھے نماز پڑھتے تھے. کیا خیال ہے آپ کا. کیا ان صحابہؓ اور امام
...زین العابدینؒ نے تقیہ کر لیا تھا یا یہ سب اسلام سے خارج ہو گئے جیسا کہ مسلمانوں کا ایک گروہ ان صحابہؓ کے بارے میں غلو کرتا
...ہے. اگر یہ دونوں باتیں تسلیم کر لی جائیں گی تو پھر عبد اللہ بن عباسؓ حضرت زین العابدین اور آل ہاشم بھی اس لپیٹ میں آ جائینگے
...اور پھر حدیث کے وہ عظیم سمندر عبد اللہ بن عمرؓ قرآن کے وہ متبحر عبد اللہ بن عباسؓ حافظ حدیث ابو ہریرہؓ اور دوسرے صحابہ سب
...ہی مجروح ہو جائیں گے اور پھر اسلام ہی کا تیا پانچا ہو جائے گا.

یزید بے شک بڑے گناہ کا مرتکب ہوا. اس نے اس گناہ سے توبہ نہیں کی محض سیاسی چالیں چلتا رہا سیاسی
...باتوں سے کام نکالتا رہا. بے شک اس کا یہ گناہ ناقابلِ معافی ہے لیکن یہ کہنا کہ وہ کافر تھا اور جہنمی تھا تو یہ اللہ ہی
...بہتر جانتا ہے. قسطنطنیہ کی مہم سے وہ جنتی ثابت ہوتا ہے. واللہ اعلم بالصواب.

محرم اور ہم

(کبیر حنفی۔ اچل پور شہر)

شور ہے، بچوں کا گلیوں میں تو سڑکوں پر ہجوم
ڈھول، تاشوں کی دھما دھم ناچنے گانے کی دھوم
تعزیئے
مولا علی
بُراق
ڈلدل اور علم
جا بجا ہیں "جلوہ فرما" جو بصد جاہ و حشم
نذر، مِنّت اور چڑھاوؤں کا ہوا بازار گرم
اور عقیدت مند لوگوں کا ہجوم پیہم پیہم
آگیا ماہِ محرم!
لو ہوا آغازِ سال
سج گئے عاشور خانے جب نظر آیا ہلال
لو ہوا آغازِ سال!!

●

ڈھول تاشوں کی دُھنوں پر
جانور کا روپ دھارے
کلمہ گویوں کا یہ ناچ!!!
جا بجا قوالیاں
جلسوں میں گانے والیاں
ان "مقدس محفلوں" میں جلوہ گر ہیں
نت نئی سج دھج میں
"پردے والیاں"

●

چند بے ہنگم سے نعروں پر
صدائے "یا حسینؑ"
ڈھول، تاشے، شور و غل اور نعرۂ نامِ حسینؑ
ایک سے دسویں محرم تک یہ "نیک اعمال" ہیں؛
کیا مسرت بخش ان روحوں کے یہ افعال ہیں
کیا! حسینؑ ابن علی کا بس یہی پیغام ہے؟
"حق پرستوں کی امانت"! کیا یہی اسلام ہے؟

یہ نامے مرے نام آتے ہیں

جمادی الثانی ۱۴۰۲ھ	صفہ
طارق	حسین منزل ۲۔۲۴۶۸۔ خان عبدالغفار خاں مارگ
اپریل ۱۹۸۲ء	تیلی پورہ چوک، آکولہ ۴۴۴۰۰۱ مہاراشٹر۔

محترمی ومکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

حجاب مارچ ۱۹۸۲ء میں آپ کے آپریشن کی خبر پڑھی۔ اُمید ہے کہ کامیاب ہوا ہوگا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مطلق آپ کو شفائی اور صحت وتندرستی کے ساتھ تا دیر سلامت رکھے اور آپ کی دینی سرگرمیوں سے ہم فیضیاب ہوتی رہیں۔ آمین ثم آمین۔

اسی شمارے میں الجھنوں کے گرفتار "ایرنا" پڑھا۔ حجاب میں اسی طرح کے دعوتی مضامین، معترضین کے خطوط کے جواب اور غیر مسلم صاحبان سے گفت وشنید بڑی توجہ سے پہلے بھی پڑھتے ہیں۔ آپ جس طرح ناقابلِ تردید دلائل اور کھلے شواہد سے نہایت سادہ، عام فہم اور دلنشین انداز میں اپنی بات پیش کرتے ہیں یہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ ہذا من فضل ربی۔

لیکن بہن ایرنا کا یہ احتجاج اپنی جگہ بالکل درست ہے کہ اُنھیں کافر نہ کہا جائے کیونکہ اُن کے حق میں حکم، خود قرآن ہے۔ اور بہن ہونے کے ناطے میرا فرض ہے کہ حق کے معاملے میں اپنی بہن کی وکالت کروں۔

آپ نے تو کفر کا مطلب چھپانے سے لے کر اُنھیں کافر کہنے کا جواز پیش کیا لیکن قرآن پاک سورۂ مائدہ آیت ۷۳ کھول کر دیکھئے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْآ اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ م (بیشک بالیقین کفر کیا اُن لوگوں نے جنھوں نے کہا اللہ تین میں کا تیسرا ہے)۔

اس صریح کفر کے بعد بھی اُن کے لئے قرآنی اصطلاح اہل کتاب یا وہ جو کتاب دیئے گئے یا نصاریٰ یا یہود ہی ہے۔ اس کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ باوجود اپنے کفر پر اصرار اور راہِ راست سے راہ روی اور حد سے تجاوز کے اُن کو توحید کا

پاس ہوتا ہے۔ اور جس طرح شرابی شرابی کہلانا اور سود خوار سود خوار کہلانا پسند نہیں کرتا اسی طرح انھیں بھی لفظِ کفر سے ٹھیس پہونچتی ہے؟ جیسا کہ اپنے مضمون میں بہن ایرنا کی کیفیت آپ نے بیان فرمائی ہے۔

مزید اطمینان کے لئے آپ تفہیم القرآن سورۂ الناس یا ۱۹۸۱ء اشاعت صفحہ ۴۴۱ سورۂ بینۃ کی پہلی آیت لم یکن الذین کفر و ملاحظہ فرمائیں۔ سورہ مائدہ آیت ۷۳، ۱۷، سورۂ توبہ آیت ۳، ۳۰ کے حوالے سے اُن کا شرک ثابت کر کے انھیں کافر تو کجا مشرک تک نہ کہا گیا بلکہ اہلِ کتاب فرمایا۔ اور کافر و مشرک اور اہلِ کتاب کا یہ فرق قرآن کی اصطلاح ہی میں نہیں بلکہ شریعت کے احکام میں بھی ہے۔

آپ کی بزرگی، علمی استعداد اور دعوتی تجربات کے پیش نظر اتنا اشارہ کافی ہے۔

حجاب جیسے مقبول عام پرچے میں آپ جیسے ذی علم کی معمولی لغزش ایک بڑے فتنے کا دروازہ کھول سکتی ہے لہٰذا اُمید ہے کہ آئندہ جون کے شمارے میں مضمون " ایرنا " کے اس حصے پر نظرِ ثانی فرماتے ہوئے سورۂ بینۃ کی روشنی میں صراحت فرمائیے گا۔

والدین، بہنیں، حاجی بھائی، امیر جماعت سلام اور دعائے خیر کہتے ہیں۔ میں نے ۲۶ مارچ کو کتابوں کا آرڈر لکھا تھا۔ ہنوز کتابیں یا جواب نہ ملنے سے گمان ہوتا ہے کہ خط آپ تک نہیں پہونچا۔ اب دوبارہ لکھ رہی ہوں خریداری نمبر ۲۴۶۸ کے چالیس روپے اس میں جوڑ لیں اور جلد از جلد کتابیں ارسال فرمائیں۔ بطور خاص قرآن پاک مع مختصر حواشی کی فوری ضرورت ہے۔ پیشگی شکریہ۔ والسلام۔ "بانو"

جواب

نورچشمی بانو سلمہا!

آپ نے سوؔرہ مائدہ آیت ۷۳ کے حوالے سے کرسچین لڑکی ' ایرنا ' کی وکالت فرمائی ہے لیکن یہ آیت تو میرے موقف کی تائید کرتی ہے۔ جب قرآن کہتا ہے کہ بیشک کفر کیا اُن لوگوں نے جنھوں نے کہا، اللہ تین میں کا ایک ہے، تو پھر اُن کے کافر اور مشرک ہونے میں شک ہی کیا رہ گیا۔ مزید برآں عیسائی کچھ نبیوں کو مانتے اور کچھ کو نہیں مانتے ہیں نیز قرآن کو اللہ کا کلام تسلیم نہیں کرتے اور حضور نبی کریم کو آخری کیا نبی ہی نہیں مانتے تو فرمائیے آپ انھیں کیا کہیں گی؟

(۵)

کفر

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

کفر کے اصلی معنی چھپانے کے ہیں۔ اسی سے انکار کا مفہوم پیدا ہوا اور یہ لفظ 'ایمان' کے مقابلے میں بولا جانے لگا۔ ایمان کے معنی ہیں ماننا، قبول کرنا، تسلیم کرنا۔ اِس کے برعکس کفر کے معنی ہیں نہ ماننا، رد کر دینا، انکار کرنا۔ قرآن کی رو سے کفر کے رویّہ کی مختلف صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ انسان سرے سے خدا ہی کو نہ مانے، یا اُس کے اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم نہ کرے اور اُس کو اپنا اور ساری کائنات کا مالک اور معبود ماننے سے انکار کر دے، یا اُسے واحد مالک اور معبود نہ مانے۔ دوسرے یہ کہ اللہ کو تو مانے مگر اُس کے احکام اور اُس کی ہدایات کو واحد منبعِ علم و قانون تسلیم کرنے سے انکار کر دے۔ تیسرے یہ کہ اصولاً اِس بات کو بھی تسلیم کرلے کہ اُسے اللہ ہی کی ہدایت پر چلنا چاہئے، مگر اللہ نے اپنی ہدایات اور اپنے احکام پہنچانے کے لئے جن پیغمبروں کو واسطہ بنایا ہے اُنھیں تسلیم نہ کرے۔ چوتھے یہ کہ پیغمبروں کے درمیان تفریق کرے اور اپنی پسند یا اپنے تعصبات کی بنا پر اُن میں سے کسی کو مانے اور کسی کو نہ مانے۔ پانچویں یہ کہ پیغمبروں نے خدا کی طرف سے عقائد، اخلاق اور قوانینِ حیات کے متعلق جو تعلیمات بیان کی ہیں اُن کو، یا اُن میں سے کسی چیز کو قبول نہ کرے۔ چھٹے یہ کہ نظریے کے طور پر تو ان سب چیزوں کو مان لے مگر عملاً احکامِ الٰہی کی دانستہ نافرمانی کرے اور اس نافرمانی پر اصرار کرتا رہے، اور دنیوی زندگی میں اپنے رویّے کی بنا اطاعت پر نہیں بلکہ نافرمانی ہی پر رکھے۔

یہ سب مختلف طرزِ فکر و عمل اللہ کے مقابلے میں باغیانہ ہیں اور ان میں سے ہر ایک رویّے کو قرآن کفر سے تعبیر کرتا ہے۔ اِسکے علاوہ بعض مقامات پر قرآن میں کفر کا لفظ کفرانِ نعمت کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے اور شکر کے مقابلے میں بولا گیا ہے۔ شکر کے معنے یہ ہیں کہ نعمت جس نے دی ہے انسان اُس کا احسانمند ہو، اس کے احسان کی قدر کرے، اسکی دی ہوئی نعمت کو اسی کی رضا کے مطابق استعمال کرے اور اس کا دل اپنے محسن کیلئے وفاداری کے جذبے سے لبریز ہو۔ اِسکے مقابلے میں کفر یا کفرانِ نعمت یہ ہے کہ آدمی یا تو اپنے محسن کا احسان ہی نہ مانے اور اسے اپنی قابلیت یا کسی غیر کی عنایت یا سفارش کا نتیجہ سمجھے، یا اس کی دی ہوئی نعمت کی ناقدری کرے اور اسے ضائع کر دے، یا اس کی نعمت کو اسکی رضا کے خلاف استعمال کرے، یا اسکے احسانات کے باوجود اسکے ساتھ غداری اور بیوفائی کرے۔ اِس نوع کے کفر کو ہماری زبان میں بالعموم احسان فراموشی، نمک حرامی، غداری اور ناشکرے پن کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

الجھنوں کے گرفتار

(۱) پھر وہ واقعہ یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ کہنے لگے کیا تم ہم سے مسخرگی کرتے ہو؟ موسیٰ نے کہا میں اس سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ جاہلوں کی سی باتیں کروں۔ وہ بولے اچھا اپنے رب سے درخواست کرو کہ وہ ہمیں اس گائے کی کچھ تفصیل بتائے۔ موسیٰ نے کہا اللہ کا ارشاد ہے کہ وہ ایسی گائے ہونی چاہئے جو نہ بوڑھی ہو نہ بچھیا بلکہ اوسط عمر کی ہو۔ لہٰذا جو حکم دیا جاتا ہے اُس کی تعمیل کرو۔ پھر کہنے لگے اپنے رب سے یہ اور پوچھ دو کہ اُس کا رنگ کیسا ہو۔ موسیٰ نے کہا وہ فرماتا ہے زرد رنگ کی گائے ہونی چاہئے جس کا رنگ ایسا شوخ ہو کہ دیکھنے والوں کا جی خوش ہو جائے۔ پھر بولے اپنے رب سے صاف صاف پوچھ کر بتاؤ کیسی گائے مطلوب ہے ہمیں اس کی تعیین میں اشتباہ ہو گیا ہے۔ اللہ نے چاہا تو ہم اس کا پتہ پالیں گے۔ موسیٰ نے جواب دیا اللہ کہتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہے جس سے خدمت نہیں لی جاتی، نہ زمین جوتتی ہے نہ پانی کھینچتی ہے صحیح سالم اور بے داغ ہے۔ اس پر وہ پکار اُٹھے کہ ہاں، اب تم نے ٹھیک پتہ بتایا ہے۔ پھر انھوں نے اُسے ذبح کیا، ورنہ وہ ایسا کرتے ہوئے معلوم نہ ہوتے تھے۔

(۲) اُم المومنین حضرت صفیہؓ ایک بڑے یہودی عالم کی بیٹی اور ایک دوسرے عالم کی بھتیجی تھیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینے تشریف لائے تو میرے باپ اور چچا دونوں آپؐ سے ملنے گئے۔ بڑی دیر تک آپ سے گفتگو کی۔ پھر جب گھر واپس آئے تو میں نے دونوں کو اپنے کانوں سے یہ گفتگو کرتے سُنا:

چچا: ۔ کیا واقعی یہ وہی نبی ہے جس کی خبریں ہماری کتابوں میں دی گئی ہیں؟

والد: ۔ خدا کی قسم، ہاں۔

چچا: ۔ کیا تم کو اس کا یقین ہے؟ **والد:** ۔ ہاں۔ **چچا:** ۔ پھر کیا ارادہ ہے؟

والد: ۔ جب تک جان میں جان ہے اُس کی مخالفت کروں گا اور اُس کی بات چلنے نہ دوں گا۔

(تفہیم القرآن جلد اوّل، سورۂ بقرہ، حاشیہ ۹۵، صفحات ۹۳-۹۴)

۴ خدا گنہگار بندوں کو خوب نواز تا ہے

جب مچھلی پکڑی جاتی ہے یا چوہا گرفتار کیا جاتا ہے تو اُس کو پھانسنے کے لئے گھینسا، گوشت کا لوتھڑا، گھی لگی روٹی کا ٹکڑا وغیرہ لگایا جاتا ہے۔ یہ دراصل اس کی ضیافت نہیں ہوتی بلکہ اُسے لالچ دیا جاتا ہے۔

اب اگر کوئی سمجھ دار آدمی اِس مچھلی کے پاس جا کر کہے کہ "مچھلی جی! اِس کانٹے کے پاس مت جانا ورنہ وہاں میں پھنس جاؤ گی۔ ایک شخص آئے گا اور تمہیں جھولے میں ڈال کرلے جائے گا۔ بیس ٹکڑے کرے گا۔ دس آدمی کھائیں گے۔ تلی جاؤ گی۔ بھونی جاؤ گی۔ دس اُنگلیاں تمہیں دسترخوان پر نوالے بنائیں گی اور بتیس دانتوں کے نیچے تم پیسی جاؤ گی۔ پھر تمہاری ہڈیاں پسلیاں یعنے کانٹے وغیرہ باہر کوڑے میں پھینک دیئے جائیں گے جنہیں کتا چبائے گا" تو وہ کیا جواب دے گی:

"ارے عقل مند! تو یہ کیا کہہ رہا ہے۔ یہاں نہ تو دس آدمی ہیں اور نہ ہی دسترخوان۔ نہ بتیس دانت دکھائی دیتے ہیں اور نہ دس انگلیاں۔ فضول باتیں مت کرو۔ مجھے تو چارہ دکھائی دیتا ہے۔"

اِسی طرح چوہے سے کوئی کہے کہ "بھائی چوہے میاں! جب تم اس چوہے دان کے اندر داخل ہو گے تو فوراً یہ کھٹکا گر پڑے گا اور تم گرفتار ہو جاؤ گے۔ محلّے یا گھر کے بچے اکٹھے ہوں گے۔ تالیاں بجائیں گے، خوشیاں منائیں گے۔ کوئی تیلی بھونکے گا۔ اور یوں ہی تمہیں مار ڈالا جائے گا اور باہر پھینک دیا جائے گا۔" وہ چوہا کیا کہتا ہے: "یہاں تو نہ بچے ہیں نہ اینٹیں کنکر ہیں۔ یہاں تو روٹی ہی روٹی ہے جو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔" اِس طرح چوہا جال میں پھنس جاتا ہے۔

تو انسان کو لازم ہے کہ وہ خدائی ڈھیل کو نوازنا نہ سمجھے بلکہ یہ سمجھے کہ یہ دنیا اُس کے لئے دانہ و دام اور حلق کا کانٹا ہے۔ یہ سمجھانے والے مصلح پیغمبر اور نبی ہیں۔ اگر اُن کا کہنا مان لیتے ہیں تو بچ جاتے ہیں ورنہ وہی انجام ہوتا ہے جو اس مچھلی اور چوہے کا ہوا۔ آج کسی شخص سے کہو کہ جنت ایک شئے ہے اور دوزخ ایک شئے ہے تو اُسے یقین نہیں آتا لیکن کل جب اس دارِ فانی سے کوچ کر جائے گا تو بہشت و نار دونوں عیاں ہو جائیں گی۔

(بشکریہ مومن۔ بدایوں)

خواہ مخواہ کا اندیشہ

میں بہت سوچتی ہوں۔ سوچوں میں بہت آگے نکل جاتی ہوں۔ بچے باہر نکلتے ہیں تو خیال آتا ہے کہ کچھ
نہ ہو جائے گا۔ باورچی خانے میں ہوتی ہوں تو خیال آتا ہے یہ گرم دودھ یا کھولتا ہوا پانی میرے ہاتھ
پر جائے گا اور ہاتھ جھلس جائیں گے۔ خاوند باہر جاتے ہیں اور اگر دیر ہو جائے تو ذہن میں طرح طرح
کے خیال اُبھرتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ میری عمر بائیس سال ہے۔ (ساجدہ معراج)

جواب

آپ کے دل میں کوئی خوف ہے جو آپ کو ظاہر کی باتوں سے ڈرائے رکھتا ہے یہ اعصاب کی کمزوری
معدے کی خرابی بھی ہو سکتی ہے۔ انسان کے معدے اور اعصابی نظام کا اس کے ذہن پر خاصا اثر پڑتا
ہے۔ معالجوں کا خیال ہے کہ اگر معدہ اپنا فعل پوری طرح انجام نہ دے اور جسمانی طور پر کمزوری سے
اعصاب ٹھیک سے کام نہ کریں تو ذہن اُڑا اُڑا اسا رہنے لگتا ہے۔ خیالات میں اُلجھاؤ پیدا ہوتا ہے
توہمات اس میں گھر کر لیتے ہیں۔ انسان مالیخولیا کا اسی طرح شکار ہو جاتا ہے جیسی آپ ہیں۔

آپ پہلے اپنی جسمانی صحت پر غور کریں اگر کسی قسم کی شکایت دیکھیں یا محسوس کریں تو اپنا علاج
کرائیں۔ بظاہر کوئی شکایت نہ ہو تب بھی ڈاکٹری معائنہ کرائیں اس کے ساتھ ہی نفسیاتی علاج کی
طرف آئیں۔ یاد کریں کہ بچپن یا جوانی میں یا اس کے بعد بھی کبھی کوئی ایسی بات تو نہیں ہوئی یا کوئی واقعہ
پیش نہیں آیا جس سے آپ خوفزدہ ہو گئی ہوں۔ یا کوئی ایسی بات سنی یا دیکھی ہو جس سے ہراساں ہو گئی
ہوں۔

پھر اس واقعہ یا بات کی وجوہات سامنے لائیں اور یہ نتیجہ اخذ کریں کہ ایسا تو ہونا ہی تھا ہونے والی

کو کون ٹال سکتا ہے بھلا۔ایسی باتیں تو ہوتی ہی رہتی ہیں اور ایسے واقعات تو پیش آتے ہی رہتے ہیں پھر یہ کیا
ری ہے کہ وہ بات اور وہ واقعہ آپ کے ساتھ بھی پیش آئے۔گرم دودھ یا پانی کھولتا ہوا آپ کے ہاتھوں
گر جائے۔آپ کے بچے اور شوہر سینکڑوں بار گھر سے باہر گئے ہوں گے اور لاتعداد مرتبہ آپ نے دودھ
پانی گرم کیا ہوگا۔اب تک کوئی بات نہیں ہوئی ہے تو آئندہ بھی نہیں ہوسکتی اور اگر خدانخواستہ ہو بھی گئی تو
پ اُسے کیسے روک سکیں گی۔تقدیر کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے؟ مستقبل کے واقعات اور حالات کے
رے میں کون دعوے سے بتا سکتا ہے۔

لہٰذا آپ ایسے خیالات کو ذہن سے جھٹک دیں۔جب بھی ایسا کوئی خیال ذہن میں آئے فوراً اپنے
پ سے کہیں کہ واہ! کیا یہ ضروری ہے کہ ایسا ہو اور اگر خدانخواستہ ہو بھی گیا تو خدا کی مرضی میں اس کی مرضی
و کیسے دخل دے سکتی ہوں۔میں تقدیر کے لکھے کو کیسے مٹا سکتی ہوں۔ایسی سوچ سے آپ کو یقیناً سکون ہوگا۔"

نام کا اثر

میں اکثر بیمار رہتی ہوں۔ کوئی جسمانی نقص نہیں ہے لیکن کمزور ہوں۔ آئے دن مجھ پر کوئی نہ کوئی اُفتاد پڑتی رہتی ہے۔ مثلاً کبھی گر پڑتی ہوں۔ کبھی ہاتھ جلا لیتی ہوں تو کبھی کوئی کام خراب کر دیتی ہوں۔ دو ایک عورتوں نے میری امی کو مشورہ دیا ہے کہ وہ نام بدل دیں۔ یہ نام مجھ پر بھاری ہے لیکن مجھے اپنا نام بے حد پسند ہے۔ اور میں اُسے بدلوانا نہیں چاہتی۔ میری عمر سترہ سال ہے اور فرسٹ ایر کی طالبہ ہوں۔ آپ اس مسئلے کو حل کر دیں تو عنایت ہو گی۔

جواب

بی بی! نام کا کوئی تعلق جسمانی کمزوری یا بیماری سے میری سمجھ میں تو نہیں آتا۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ نام بامعنی ہو۔ اوٹ پٹانگ، بے معنی اور غلط نہیں ہونا چاہئے۔ اکثر لوگ ایسے نام رکھتے ہیں جن کے کوئی معنی نہیں ہوتے۔ بس جو لفظ اچھا معلوم ہو اسے اپنی اولاد کا نام بنا لیا یا ایسے نام رکھتے ہیں جو صرف ونحو یا قرآن حکیم کی رو سے غلط ہوتے ہیں۔ آپ کے معاملے میں یہ ہے کہ آپ نے خود لکھا ہے کہ جسم کمزور ہے اور اکثر بیمار رہتی ہیں۔ اب آپ خود سوچیں کہ جسم کمزور ہو گا تو آئے دن کوئی نہ کوئی اُفتاد پڑے گی ہی۔ ٹانگیں لڑکھڑائیں گی یا دھکا لگے گا تو گرو گی ہی۔ ہاتھوں میں دم نہ ہو گا تو چیزیں ہاتھ سے گریں گی بھی اور ٹوٹیں گی بھی۔ کمزور جسم میں مدافعت کی طاقت بھی کم ہو گی۔

اب یہ کمزوری بیماریوں کے باعث ہے یا بیماریاں کمزوری کی بنا پر ہیں یہ ایک ہی بات ہے اور دونوں صورتوں میں توانائی درکار ہے۔ جلد سے جلد کسی اچھے ڈاکٹر یا حکیم سے رجوع کریں اور پابندی سے اپنا علاج کرائیں۔

ایمان افروز واقعہ

قبلہ چچا میاں مائل خیرآبادی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ میں ایک تراشا آپ کی خدمت میں بھیج رہی ہوں میں نے ارادہ کیا تھا کہ اسے بھیج کر انعامی مقابلے میں حصہ لوں۔ میں نے اسے نقل کر کے اپنے بڑے بھائی کو دکھایا انھوں نے پڑھ کر کہا: "تم اسے مقابلے میں بھیجو۔ انعام الگ رہا۔ چچا میاں کی طرف سے تم پر ڈانٹ پڑے گی۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ جس عورت کا یہ واقعہ ہے۔ وہ ہے تو نماز کی شوقین، لیکن وہ دین کا علم نہیں رکھتی۔ میرے بھائی نے ایک دینی جماعت کا...... نام لیا اور کہا کہ اس طرح کا تقویٰ اس جماعت میں دیکھا گیا ہے۔

بھائی صاحب کے یہ کہنے پر میں الجھن میں پڑ گئی۔ آپ سے درخواست ہے کہ میری الجھن دور فرمائیں واقعہ اس طرح ہے اور وہ ماہنامہ "بتول" لاہور ماہ جنوری ۱۹۶۱ء کے صفحہ ۴۲ پر شائع کیا گیا ہے۔ واقعہ آپ بیتی کی شکل میں اس طرح ہے

نماز میں گھر میں تنہا نماز پڑھ رہی تھی کہ ایک سانپ جائے نماز پر چڑھ آیا۔ میں گھبرائی، مگر فرض نماز پڑھ رہی تھی۔ اس لیے کسی طرح نماز توڑ نہیں سکتی تھی۔ جائے نماز پر آجانے کے بعد وہ سانپ میرے چوڑی دار پاجامہ پر چڑھ آیا۔ میں اور ڈری۔ مگر میں نے سمجھا کہ اگر نماز توڑ کر جان بچالی تو پھر عذاب دوزخ تیار ہے۔ دوسری صورت میں زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ سانپ ڈس لے گا اور اس کے زہر سے میں مرجاؤں گی تو بہرحال مرنا تو ایک دن یقینی ہے پھر دوزخ کا عذاب کیوں مول لیا جائے۔ یہ سوچ کر میں نے نماز جاری رکھنے اور جان دے دینے کا فیصلہ کر لیا۔ سانپ قمیص کے نیچے سے چڑھ کر کندھے تک پہنچ گیا۔ میں پورے اطمینان کے ساتھ نماز پڑھتی رہی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد سانپ خود بخود واپس چلا گیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے ضرر سے محفوظ رکھا۔ دادی اماں نے فرمایا کہ اس وقت تک مجھے اس مسئلے کا علم نہ ہوا تھا کہ حالت نماز میں سانپ کو (قبلہ کی طرف منھ رکھ کر) مارا جا سکتا ہے۔ بہرحال میرے نزدیک یہ واقعہ بہت ایمان افروز ہے۔ (وحیدہ حاجی نعیم)

اِستدراک عزیزہ محترمہ! وعلیکم السلام۔ آپ نے اپنے خط میں جو کچھ لکھا ہے کہ چچا میاں کی طرف سے ڈانٹ پڑے گی تو میرے خیال میں اس سے آپ کے بھائی صاحب کا مطلب پیار کی ڈانٹ کا ہے۔ کوئی اور بات ہوتی تو ممکن تھا کہ میں پیار کی ڈانٹ کے انداز میں لکھتا لیکن جو مسئلہ آپ نے چھیڑا ہے وہ سنجیدگی اور متانت کے ساتھ جواب چاہتا ہے۔ دینی مسئلہ کا جواب سادہ انداز میں کسی اینچ پینچ کے بغیر صاف صاف آنا چاہئے پیار اور محبت کی ڈانٹ میں اُسے رنگین بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔

عزیز بیٹی! سچی بات وہی ہے جو آپ کے بھائی نے کہی کہ جس عورت کا یہ واقعہ ہے وہ اسلامی فقہ سے واقف نہیں ہے وہ یہ نہیں جانتی کہ نماز کس حالت میں توڑ دینا چاہئے میں سب سے پہلے یہی لکھتا ہوں۔

نماز توڑ دی جائے ریل کا مسافر ہے۔ ریل ایک اسٹیشن پر ٹھہری۔ نماز کا وقت ہے۔ مسافر ٹرین سے اُترا۔ ایک طرف نماز پڑھنے لگا۔ اس کا سامان ٹرین پر رکھا ہے یا بال بچے ہیں اسی حالت میں ٹرین چل دی تو مسافر کو چاہئے کہ نیت کو توڑ دے اور ٹرین پر سوار ہو جائے۔

● آدمی نماز پڑھ رہا ہے۔ سامنے سانپ آگیا تو فوراً نماز توڑ دینا چاہئے۔ بھاگے یا سانپ کو مارے

● رات کو مرغی کھلی رہ گئی۔ گھر والی نماز پڑھنے کھڑی ہوئی۔ اتنے میں مرغی کے پاس بلی آگئی۔ گھر والی کو چاہئے کہ نیت توڑ کر مرغی کو بچالے۔

● کوئی نماز پڑھ رہا ہے اس نے دیکھا کہ اس کی جوتی اُٹھا کر ایک شخص بھاگنے والا ہے تو ایسی حالت میں نیت توڑ کر جوتی قبضے میں کر لینا چاہئے۔

● کوئی ایسی چیز ہے جس کی قیمت صدقے کی رقم سے زیادہ ہے اس کے خراب ہونے یا ضائع ہونے کا ڈر ہو تو نماز توڑ دینا چاہئے۔ مثلاً ہانڈی اُبلنے لگے اور گھر والی نماز میں ہو یا دودھ اُبلنے لگے اور یہ اندیشہ ہو کہ اتنا دودھ اُبل کر گر جائے گا جس کی قیمت صدقے کی رقم سے زیادہ ہو گی تو نماز توڑ دینا درست ہے

● اگر نماز میں پیشاب پاخانہ زور کا لگے تو نیت توڑ کر فراغت کر لینا چاہئے۔

● کوئی اندھا جا رہا ہے اس کے آگے کھائی یا کنواں ہے۔ ڈر ہے کہ وہ اس میں گر جائے گا تو ایسی حالت میں نماز توڑ کر اندھے کو بچا لینا چاہئے۔

● کسی بچے کے کپڑوں میں آگ لگ گئی یا کوئی گھر جلنے لگا تو فوراً نماز توڑ دینا چاہیئے۔

● ماں باپ دادا دادی اور اسی مرتبے کے بزرگ کسی خطرے کی وجہ سے پکاریں اور ان کی مدد کو نے والا دوسرا نہ ہو تو نماز توڑ کر فوراً دوڑ پڑنا چاہیئے۔

میں نے یہ مسئلے لکھتے وقت لکھا ہے کہ توڑ دینا چاہیئے" نماز توڑ دینے میں تمام علماء ایک ئے رکھتے ہیں۔ ہاں، کم وبیش درجے بتا دئے ہیں۔

جس جگہ جان جانے کا ڈر ہو۔ وہاں تو نماز توڑ دینا بیحد ضروری ہے —— فرض کا مطلب یہ کہ اگر ایسی حالت میں نماز نہ توڑی تو نمازی گناہ گار ہوگا۔ کوئی کنویں میں گر جائے، کسی گھر میں آگ ں جائے اور جماعت ہو رہی ہو تو امام کو چاہیئے کہ نیت توڑ دے۔ اگر ایسا نہ کرے گا تو گناہ گار ہوگا (م)

غزل

جس کا ہر کام کل پہ ٹلتا ہے — کفِ افسوس ہی وہ ملتا ہے
اُس سے پوچھو کہ زندگی کیا ہے — روز گر گر کے جو سنبھلتا ہے
لاکھ طوفاں آئیں راہوں میں، — جس کو چلنا ہے وہ تو چلتا ہے
کل کی کچھ فکر آپ کر لیتے — عمر کا آفتاب ڈھلتا ہے
اسکو آنا ہے، آئے گا اِک دِن — موت کا وقت کس سے ٹلتا ہے
حادثے اُس سے خوف کھاتے ہیں — انقلابات میں جو پلتا ہے
آہ مظلوم کی سُنی جو کبھی — جانے کیوں میرا دل دہلتا ہے

دِل نہ اُس سے لگائیے شاہد
وقت کے ساتھ جو بدلتا ہے

صفی شاہد۔ پڈاپلی ضلع کرسمنگر

معمّہ اور گانا

عرفان اختر مراد آبا[د]

سوال نمبر ۱۔ ہندوستان کے کئی بڑے بڑے شہروں سے ایک عرصہ دراز سے ادبی معمّے نکل رہے ہیں جو لاکھوں روپیوں کے انعامات، انعام یافتگان میں تقسیم کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہر بار اپنے اپنے اشتہارات میں لکھتے کہ ادبی معمّے لاٹری یا جوا نہیں ہے کیونکہ بقول ان کے ان میں دماغی محنت صرف ہوتی ہے اور جوابات تلاش کرنے کی جستجو میں سیکڑوں کتابوں کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ کسی انعام کا ملنا محض اتفاق پر نہیں۔ ان کی دماغی ہا[...] پر منحصر ہوتا ہے۔ ان معمّوں کے ذریعہ ہر ماہ کئی لاکھ کی رقم لاکھوں لوگوں کی جیب سے نکل کر اس کا تھوڑا سا حصہ ہی میں تقسیم ہوتا ہے۔ نتیجے میں اس معمّے کے جاری کرنے والوں کو ہر ماہ دل کھول کر اپنی جیبیں بھرنے کا موقع ملتا

آپ قرآن و حدیث کی روشنی میں تفصیل سے بتانے کی زحمت گوارا کریں کہ اس طرح کے معمّوں میں حصہ لینا یا ان کو جاری کرنا صحیح ہے یا غلط۔ ان کے ذریعہ جو آمدنی ہوتی ہے یا جو رقم انعام کے روپ میں حاصل ہوتی ہے وہ شرعاً جائز یا ناجائز ؟

سوال نمبر ۲۔ اسلام میں گانے بجانے کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں ایک جگہ حضورؐ کا ارشاد کیا گیا ہے جس کا ترجمہ ہے۔

"جس طرح پانی گھاس اُگاتا ہے اسی طرح گانا دل میں نفاق اُگاتا ہے"

ایک دوسری جگہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا۔

" باجے اور گانے کی آواز دل میں اس طرح نفاق کو اُگاتی ہے جیسے پانی گھاس اُگاتا ہے"۔ (درمختار)

ایک تیسری جگہ حضورؐ کا ارشاد ہے۔

"گانے اور باجے کا سننا معصیت ہے۔ ان کی مجلس کرنا فسق ہے اور ان سے لذت حاصل کرنا کفر"۔ (درمختار)

لیکن ماہنامہ پاکیزہ دہلی کے جون ۷۶ء کے شمارہ صفحہ ۱۰۶ پر اس طرح کی عبارت شائع ہوئی ہے۔

ائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میرے پاس ایک انصاری لڑکی تھی میں نے اس کا نکاح کیا تو رسول اللہ لی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عائشہ! تم گانا نہیں کراتیں قوم انصار گانے کو بہت پسند کرتی ہے۔"

(صحیح ابن حبان)

بن عباسؓ کہتے ہیں کہ عائشہؓ نے ایک رشتہ دار انصاری عورت کا نکاح کیا۔ رسول اللہ صلعم تشریف لائے یا تم نے لڑکی کو اس کے شوہر کے پاس بھیجا۔ عرض کیا نہیں۔ فرمایا۔ انصار ایسی قوم ہے جس میں گانے کا ہے۔ کاش تم اس کے ساتھ کسی شخص کو بھی بھیجتیں جو یہ گاتا ہوا جاتا۔ ہم تمہارے پاس آئے ہیں۔ خدا زندہ تعالیٰ زندہ سلامت رکھے۔ اور ہم کو بھی۔ (ابن ماجہ)

ن مختلف بیانات سے میں الجھن میں ہوں۔ براہ کرم اپنی رائے دے کر میری ذہنی الجھن دور فرمائیں۔

جوابات

پہلے آپ جوئے کی تعریف ذہن نشین کریں۔ وہ سارے کھیل، لین دین کے معاملات اور کام کی شرطوں یت یا کامیابی اور ناکامی جو محض اتفاق پر ہو" جوا ہے آپ پوچھیں گے کہ یہ "محض اتفاق کیا ہوتا ہے مثال سے سمجھئے، اور مثال بھی وہی معمے بازی کی۔ مثلاً ایک شخص نے ایک معمہ چھاپا اور معمے کے صحیح حل کی شرط یہ رکھی کہ جو حل صاحب معمہ کے اس حل سے مل جائے گا جو اس کے یہاں صندوق کے اندر رکھا ہے ل انعام پائے گا۔

یہ شرط "محض اتفاق" ہی ہے۔ صحیح حل بہت سے ہو سکتے ہیں لیکن انعام وہ پائے گا جو صاحب معمہ کے حل لسا مل جائے گا۔ اب اس پر معمے کے مالکین یہ جو کہتے ہیں کہ یہ دماغی صلاحیتوں پر منحصر ہے تو یہ بات بالکل غلط عام و دماغی صلاحیتوں پر کہاں ملتا ہے۔ انعام تو اچانک قرعہ اندازی سے اس حل یا ان حلوں کو ملتا ہے جو صاحب حل سے مل جائے یا مل جائیں۔

قرعہ اندازی کے بارے میں بھی آپ اپنا ذہن صاف فرمالیں۔ اسلام میں قرعہ اندازی کی صرف وہ سادہ صورت ملی ہے جس میں دو یا دو سے زائد برابر کے جائز کاموں یا دو برابر کے حقوق کے درمیان فیصلہ کرنا ہو۔

ں کو بھی مثال سے سمجھئے۔ ایک مکان ہے اس کے دو حقدار ہیں۔ مکان ان دونوں میں تقسیم ہوا۔ کمرے تقسیم
صحن تقسیم ہوگا۔ باہری کمرے تقسیم ہوئے۔ دیواریں بانٹ دی گئیں۔ اب رہا باورچی خانہ، بیت الخلاء، غسل خانہ،
اسٹاک روم وغیرہ۔ یہ ایک ایک ہی ہے تو طے پایا کہ اس کے عوض میں اتنی رقم ہے یعنی ایک حصہ تو وہ جس پا
مکان اور رقم۔

تقسیم بالکل ٹھیک لیکن دونوں ورثہ کی خواہش یہ کہ باورچی خانہ وغیرہ والا حصہ انھیں مل جائے پھر
جوانے کے جھنجھٹ سے بچ جائیں تو ایسی شکل میں قرعہ اندازی سے تقسیم ہوسکتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
موقعوں پر قرعہ اندازی فرمالیا کرتے تھے۔ جہاں آپ کو یہ اندیشہ ہوتا تھا کہ دو برابر کے حقداروں میں سے اگر
ترجیح دیں گے تو دوسرے کو دکھ ہوگا۔

جوئے اور معمے کی ایک اور یکسانیت ملاحظہ فرمائیے جو ایک شخص کے گھر میں ہوتا ہے یا ایک شخص تو
اہتمام کرتا ہے یہ شخص نال وصول کرتا ہے نال وہ رقم ہوتی ہے جو داؤں میں لگی ہوئی رقم میں سے کاٹا
ہے۔ نال تو بہرحال صاحب مکان یا جوا کرنے والے کی جیب میں پہنچ جاتی ہے اس کو اس سے غرض نہیں
جیتا کون ہارا جوے کے ماہرین کہتے ہیں کہ اگر ایک لاکھ کا جوا ہو تو چھ ماہ کے سرکولیشن میں وہ سارے
سارا نال میں نکل جائے گا۔

ممکن ہے نال کے معنی آپ نہ سمجھتے ہوں تو نال کو کہیں چوتھ کہتے ہیں یا پھر جوا کھلانے والے کا کمیشن
صاحب معمہ کو یہ نال یا کمیشن اس صورت سے ملتا ہے کہ وہ معمہ کی فیس مقرر کرتا ہے۔ فیس میں
کہ اُسے ایک لاکھ روپیہ حاصل ہوا۔ اس نے پچھتر ہزار کے انعامات بانٹے اور پچیس ہزار خود رکھ لیے
روپیہ اسی طرح ناجائز ہے جس طرح جوا کا نال ناجائز ہے۔

اب ایک بات اور عرض کروں۔ آدمی کے مزاج میں ایک یہ حرص بھی ہے کہ بغیر محنت کے دولت مند
ہو جائے۔ ہزاروں لاکھوں آدمی اس لالچ میں معمہ بھرتے ہیں اور فیس ادا کرتے ہیں جس قوم میں یکدم مالدار
کی حرص پیدا ہوجاتی ہے وہ قوم محنت کرنے سے عاری ہو جاتی ہے۔ اس طرح معمہ بازی قوم کو نکما بنا
یہ ایک قومی جرم ہے۔ اسے زبردستی بند کردینا چاہیئے۔

جواب نمبر ۲۔ گانا بجانا اسلام میں فعل حرام ہے جیسا کہ آپ نے خود حدیثوں کو نقل کر کے واضح کیا ہے۔ گانا بجانا یں مزامیر کے ساتھ گانے کو حرام کیا گیا ہے۔ مزامیر میں وہ تمام باجے آجاتے ہیں جن میں ٹھیکے سُر اور راگ پیدا ہوتے ہیں۔ طبلہ، سارنگی وغیرہ اس میں شامل ہیں عرب میں ایک آلہ تھا۔ اب بھی ہے اُسے دف کہتے ہیں۔ دف کی شکل وہی ہوتی ہے جو آج کل چار بیت گانے والوں کے پاس ڈفرے کی شکل میں ہوتا ہے یا بعض بھیک مانگنے والوں کے پاس کھنجڑی کی طرح ایک باجا ہوتا ہے اس میں ایک دھاکہ سا پیدا ہوتا ہے۔ یہ دف بجاکر گانا جائز ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک بار کچھ حبشی آئے۔ انھوں نے دف پر گایا آپؐ نے سنا اور حضرت عائشہؓ کو بھی سنایا۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ گانا محض گانا ہو۔ زیادہ سے زیادہ دف پر گایا جائے تو وہ سننا جائز ہے آپ نے پاکیزہ کے حوالے سے گانے کی جو تفصیل احادیث کے ساتھ دی ہے وہ اسی ذیل میں آتی ہے ایک بات اور یاد رکھئے، گانے میں فحش اشعار گانا یا ایسے اشعار گانا جو جذبات کو بھڑکانے والے ہوں۔ مطلب یہ کہ بُرے اشعار ہوں تو وہ گانا بھی حرام ہے آپ کو جہاں جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت ملتی ہے وہاں گانے بُرے اشعار کے ساتھ نہیں تھے انصار لڑکیوں نے جب عائشہؓ کے سامنے گایا تو وہ جنگ بدر سے متعلق اشعار تھے یا خدا کی تعریف میں تھے یا اللہ کے رسولؐ کی شان میں۔ اللہ کے رسولؐ کی شان میں جہاں گانے والیوں نے حد سے تجاوز کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا۔ مثلاً جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرماکر مدینے میں داخل ہوئے تو انصار کی لڑکیاں آپؐ کے لئے استقبالیہ گیت گا رہی تھیں۔ گاتے گاتے انھوں نے یہ بھی گایا کہ ــــ ہم میں ایسا رسولؐ آیا جو کل کی بات جانتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ نہیں وہی گاؤ جو گا رہی تھیں۔

ایک واقعہ اور سنئیے ایک عورت حضرت عائشہؓ کی خدمت میں آئی۔ اس نے گانا سنایا۔ اس عورت کے گلے میں بلا کا سوز اور غضب کی نرمی تھی۔ وہ اچھے اشعار گا رہی تھی۔ آپ نے اس کے بارے میں فرمایا کہ "اس عورت کے گلے میں شیطان بولتا ہے۔"

ایک اور واقعہ سنئیے۔ ایک بار حضرت ابوبکرؓ حضرت عائشہؓ کے گھر گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے

کچھ لڑکیاں گا رہی تھیں۔ گیت رجزیہ تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کے پہنچنے پر لڑکیوں نے گانا بند کر دیا۔

اوپر جو چھان بین کی گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ مزامیر کے بغیر گانا جائز ہے۔ اگر کسی تقریب پر کچھ لڑکیاں گائیں تو وہ گا سکتی ہیں لیکن بعض سنجیدہ صحابہؓ اپنے گھروں میں یا اپنی اولاد کے گھروں میں اسے پسند نہیں کرتے تھے۔ والسّلام

تصویر سے بُت پرستی تک

اسلام میں تصویر بنانا ناجائز کیوں ہے؟ (از نورجہاں بیگم۔ ناگپور)

جواب

محترمہ نورجہاں بیگم صاحبہ کا سوال اگر اتنا ہی ہوتا جو ان کے لفظوں سے ظاہر ہوتا ہے تو ہمارا جواب یہ ہوتا کہ محترمہ! کیوں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسلام میں تصویر بنانا ناجائز نہیں بلکہ جائز ہے لیکن اپنے تجربوں کی بنا پر ہمارا خیال ہے کہ نورجہاں بیگم کے دل میں جو چور تھا اسے باہر لانے کے لئے انھوں نے ایک بنیادی لفظ استعمال نہیں کیا۔ در اصل ان کے دل میں یہ سوال تھا:۔

اسلام میں زندہ کی تصویر بنانا ناجائز کیوں ہے؟

اسلام کی طرف سے جواب یہ ہے کہ اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے زندہ کی تصویر بنانے کو منع فرمایا ہے اس لئے اسلام میں زندہ کی تصویر بنانا ناجائز ہے ثبوت ملاحظہ ہو:۔

"سعید بن ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ (تابعیؒ) فرماتے ہیں میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا کرتا تھا اس وقت ایک آدمی ان کے پاس آیا اور اس نے کہا اے ابن عباسؓ! میں ایک دستکار آدمی ہوں دستکاری ہی میرا ذریعہ معاش ہے۔ میں جانداروں کی تصویریں بناتا اور بیچتا ہوں (اس آدمی کے یہ کہنے کا منشاء تھا کیا یہ پیشہ حلال ہے؟) ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں اپنی طرف سے کچھ نہ کہوں گا میں تم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی حدیث سناؤں گا میں نے حضورؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص زندہ کی تصویر بنائے گا اللہ اس کو سزا دیگا یہاں تک کہ وہ اس تصویر میں جان ڈالے اور وہ ہرگز جان نہ ڈال سکے گا۔

یہ سن کر اس آدمی کا چہرہ پیلا پڑ گیا اور اس نے زور زور سے اوپر کو سانس کھینچی ابن عباسؓ نے اس سے کہا کہ

تابعی ان بزرگوں کو کہتے ہیں جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے صحابہؓ کی صحبت پائی ہے ان سے علم دین سیکھا ہے ان سے حدیثیں سنی ہیں۔

اگر تمہیں یہی کام کرنا ہے تو درختوں، اور ایسی چیزوں کی تصویر بنایا کرو جن میں جان نہیں ہوتی۔

(بخاری بحوالہ راہ عمل)

ایک مسلمان کسی چیز کے حلال و حرام اور جائز و ناجائز ہونے کے لئے قرآن اور حدیث کی طرف دیکھتا ہے اور یہی بات یہ ہے کہ یہی طریقہ ٹھیک ہے لیکن آج کا مسلمان (چاہے وہ نورجہاں بیگم ہوں یا نور محمد خاں) کیوں کے ساتھ جب جائز اور ناجائز کا سوال اٹھاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہماری عقلوں کو بھی مطمئن کیا جائے

نورجہاں بیگم یا نور محمد خاں "یہ کیوں" کا سوال اس لئے نہیں اٹھاتے کہ خدانخواستہ انھیں قرآن و حدیث سے عقیدت نہیں ہے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ آج کل ایک طرف سے اسلام کا ایک ایک اصول و نظریہ اعتراضات کی زد میں ہے۔ ان اعتراضات کا منشا یہ نہیں ہے کہ صحیح جواب پانے کے بعد اعتراض کرنے والے خاموش ہوجائیں گے بلکہ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کو ان کے دین کی طرف سے مذبذب (ڈگمگا رہے) میں ڈال دیا جائے

بہرحال مسلمانوں کی طرف سے یہ کوشش ضرور ہونا چاہئے کہ اعتراضات کا جواب دیں۔ رہا کسی کو مطمئن ہونا تو یہ اللہ کی طرف سے ہے وہ جسے چاہتا ہے توفیق اور ہدایت عطا فرماتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ کون اس کی توفیق اور ہدایت چاہتا ہے۔

زندہ کی تصویر پر بات چیت کرنے سے پہلے ہمیں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اسلام جس چیز کو حرام قرار دیتا ہے تو ساتھ ہی اس کے سارے محرکات کو بھی حرام قرار دے کر اس کے فروغ پانے کے دروازے بھی بند کر دیتا ہے۔ مثلاً اسلام نے زنا کو حرام قرار دیا تو وہ تمام محرکات جن کی وجہ سے زنا کی طرف ترغیب ہوتی ہے سب حرام فرما دیے۔ مثلاً ننگے ہو کر دوسروں کے سامنے آنا۔ نامحرم مردوں اور عورتوں کا تنہا مل کر بیٹھنا، جنسی مذاق زبانی ہو یا جسمانی بناؤ سنگھار کر کے نامحرموں کے سامنے آجانا، دوسروں کو جھانکنا، کسی کے گھر میں دروازے سے جھانکنا، آنکھیں لڑانا، لگاوٹ کی باتیں کرنا، ایک نظر پڑنے کے بعد دوسری نظر قصداً ڈالنا۔ ناچ رنگ، شراب نوشی، بے حیائی کی تعلیم، عریاں ادب، کہاں تک عرض کروں غرض یہ ہے کہ اس طرح کے سارے فعل حرام قرار دیئے جو کہ زنا کی طرف لے جانے والے ہیں۔

اسی اصول پر زندہ کی تصویر بھی حرام قرار دے دی گئی۔ در اصل زندہ کی تصویر بنانے کا سلسلہ شرک سے ملتا ہے شرک سب سے بڑا گناہ ہے اسی لئے اس کا ایک محرک "زندہ تصویر کشی" کو بھی حرام قرار دے دیا گیا یہ کیسے؟

یہ اس طرح شروع ہوا [illegible]

دو دوست ہیں ان میں بڑی محبت ہے زندگی میں ایسے بھی موقع آتے ہیں کہ وہ الگ ہوجاتے ہیں پرانے زمانے سے ہوتا چلا آرہا ہے کہ الگ ہوتے وقت دونوں دوست محبت کی یادگار کے طور پر اپنے دوست کی کوئی نشانی لے جاتے ہیں۔ جیسے کوئی کپڑا، کوئی زیور، چھڑی، لنگوٹ، اسلحہ، کھانوں کی ہی کوئی شے وغیرہ۔ دوست کی ایسی یادگار نشانی کو دوسرا دوست اپنی جان سے زیادہ عزیز تر رکھتا اور اس کی حفاظت اس طرح کرتا تھا جیسے اپنی جان کی حفاظت کی جاتی ہے۔ اس کا گم ہونا یا ضائع ہوجانا زندگی اور محبت کا بہت بڑا حادثہ شمار کیا جاتا تھا۔

جب انسان نے تصویر بنانا سیکھا تو تصویروں کا تبادلہ ہونے لگا۔ یہ بہت ترقی یافتہ اور آمنے سامنے رہنے والی یادگار (نشانی) تھی اور اب بھی ہے۔ آسانی اتنی کہ گلے میں لٹک رہی ہے جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی۔

تصویر اگر بڑی ہوتی تو اسے کمرے میں آویزاں کرلیا جاتا تھا اور آج بھی ایسا ہوتا ہے۔ محبت کے مارے تصویر کے فریم پر روزانہ ہار ڈالا جانے لگا گویا وہ تصویر جاندار ہے یا وہ فریم ذی روح ہے۔ یہ نادانی محبت میں اندھا دھند طور پر ہوتی ہے ورنہ جانتے سب ہیں۔ یہ یونہی سی بات۔

تصویر پتوں پر بنی ہو، کاغذ پر بنی ہو، دیوار پر بنی ہو، زیادہ پائیدار نہیں ہوتی حفاظت کرنے پر بھی جلد ہی خراب ہوجاتی ہے تصویر یار کے خراب ہونے پر خیال یار میں اضمحلال آنے لگتا ہے لہٰذا سوچنے والوں نے ایک ایسی طرح ڈالی کہ اپنی ہی عمر میں نہیں وہ طرح سات پشتوں تک یادگار رہے۔

کیا یہ کہ جس سے محبت ہوگئی اس کی مورتی تراش لی اس کا بُت بنانا شروع کردیا۔ اسی مورتی اور بُت نے پہلے محبت کا روپ دھارن کیا۔ پھر اس کے سامنے بیٹھ کر تصور یار کیا جانے لگا۔ پھر عقیدت کے پھول نچھاور کئے جانے لگے ٹھیک ہے دوستوں نے اپنے دوستوں کو خدا کا درجہ نہیں دیا لیکن یہی بُت جب اولاد کے لئے چھوڑے گئے تو شیطان نے انھیں ان بتوں کے آگے سجدہ کرادیا اور شرک کی بنیاد پڑ گئی۔

اس کے بعد تاریخ گواہ ہے کہ مشرک قوموں میں اس کی وہ پذیرائی ہوئی کہ آج اگر آپ ان کی اس عقیدت کو ذرا ٹھیس پہنچائیں تو وہ لڑنے مارنے کو تیار ہوجائیں گے۔

اس میں لطیفے کی بات یہ ہے کہ آپ ان سے کہیں کہ یہ شرک ہے تو وہ شرک کا الزام اپنے سر نہ لیں گے اور

نرک ہونا اپنے لئے گالی سمجھیں گے۔ میرے دوستوں میں ایسے لوگ ہیں۔ میں نے جب انھیں توجہ دلائی تو انھوں نے
ں طرح کے جوابات دیئے۔

(۱) ان بتوں سے ہمیں عقیدت نہیں ہے بلکہ ہم نے اپنے محبوب (خدا) کے درمیان واسطہ بنایا ہے۔

اسلام نے اس واسطے کو بھی شرک کی ایک قسم بتائی۔

(۲) یہ ہم بھی جانتے ہیں کہ یہ صم بکم عمی ہیں لیکن یہ ہمارے باپ دادا سے ہوتا چلا آیا ہے بس رواج کے طور پر سمجھئے
نہ ہمیں عقیدت نہیں ہے۔

اسلام نے باپ دادا کے زمانے کے بُرے رواجوں کو بھی حرام قرار دیا۔

(۳) ہمارے جن بزرگوں کے یہ بُت ہیں وہ مقبول بارگاہ تھے ان کی دہائی دے کر ہم دعا کرتے ہیں۔ ان کی سفارش
ور قبول ہوتی ہے۔

اسلام نے ایسی سفارش ہی کو کالعدم کر دیا۔ قرآن میں ہے کہ اللہ کے سامنے وہی سفارش کر سکے گا جسے اللہ حکم دے گا
اللہ اپنے اس بندے کے لئے حکم دے گا جسے وہ بخشنا چاہے گا اور سفارش کرنے کے لئے جس کی طرف اشارہ فرمائے گا
کا مرتبہ محشر والوں کو دکھانا مقصود ہوگا یہ نہیں کہ وہ اللہ کو مجبور کر دیں گے۔

قرآن میں اس طرح کی مثالیں پھیلی پڑی ہیں۔ ہم نے چند اشاروں میں بیان کر دیں۔ اُمید ہے کہ نور جہاں بیگم اور نور محمد
کے لئے یہ اشارے کافی ہوں گے۔ آپ نے یہ دیکھ لیا کہ تصویر کہاں سے چلی تھی اور شرک پر جا ٹھہری یہی وجہ ہے کہ
کی تصویر بنانا ناجائز ہے۔ (وما توفیقی الا باللہ)

وہ دن بھی یاد کرو !

• جب جانداروں کی تصویر بنانے والے کو اس کی بنائی ہوئی تصویر دی جائے گی۔ اور کہا جائے گا کہ
ہیں جان ڈال، اور وہ ہرگز ایسا نہ کر سکے گا یعنی وہ تصویر میں جان نہیں ڈال سکے گا۔"

(حدیث)

جاندار کی تصویر

نورجہاں بیگم کے ایک سوال کے جواب میں " کہ جاندار کی تصویر بنانا جائز ہے ؟" ہم نے اس کا جواب " تصویر سے بُت پرستی تک " کے عنوان سے دیا اور ابن عباس رض کی مشہور حدیث سے استفادہ کرکے بتایا کہ جاندار کی تصویر بنانا ناجائز ہے۔

اتفاقات کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو۔ دوسرے مہینے ایک مشہور دینی ماہنامہ میں جاندار کی تصویر سے متعلق ایک علمی اور تحقیقی مضمون شائع ہوا جس میں جاندار کی تصویر بنانے کے سلسلے میں جواز کی صورتیں اور گنجائشیں نکالی گئی ہیں اس کے منظر عام پر آتے ہی مجھ پر سوالات کی بوچھار شروع ہو گئی۔ اور سوالات کی تان یہاں توڑی گئی کہ آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح ہے یا دوسرے رسالے میں جواز کی جو صورتیں دکھائی گئی ہیں وہ ؟

میں اپنے جواب کی تائید میں معروف عالم دین اور مفکر اسلام مولانا ابوالاعلیٰ مودودی رحمتہ اللہ علیہ کی مشہور و مقبول تفہیم القرآن جلد ۴ سے ایک اقتباس نقل کر رہا ہوں یہ اقتباس تفہیم القرآن جلد ۴ صفحہ ۱۸۰ پر تماثیل کے حاشیہ نمبر ۲۰ کے سلسلے میں ہے اسے پڑھ کر سوالات کرنے والے صاحبان اپنا اطمینان کر لیں ——————— (مائل خیرآبادی)

نمبر ۲۰ اصل میں لفظ تماثیل استعمال ہوا ہے جو تمثال کی جمع ہے۔ تمثال عربی زبان میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی قدرتی شے کے مشابہ بنائی جائے۔ قطع نظر اس سے کہ وہ کوئی انسان ہو یا حیوان، کوئی درخت ہو یا پھول یا دریا یا کوئی دوسری بے جان چیز۔ التمثال اسم للشی المصنوع مثلھا بخلق من خلق اللہ (لسان العرب)، تمثال نام ہے ہر اس مصنوعی چیز کا جو خدا کی بنائی ہوئی کسی چیز کے مانند بنائی گئی ہو

التمثال کل ما صور علیٰ صورة غیرہ من حیوان و غیر حیوان۔ (تفسیر کشاف) "تمثال ہر اس تصویر کو کہتے ہیں جو کسی دوسری چیز کی صورت کے مماثل بنائی گئی ہو، خواہ وہ جان دار ہو یا بے جان"۔ اس بنا پر قرآن مجید کے اس بیان سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے جو تماثیل بنائی جاتی تھیں وہ ضرور انسانوں اور حیوانوں کی تصاویر یا ان کے مجسمے ہی ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ پھول پتیاں اور قدرتی مناظر اور مختلف قسم کے نقش و نگار ہوں جن سے حضرت سلیمانؑ نے اپنی عمارتوں کو آراستہ کرایا ہو۔

یہ غلط فہمی کا منبع بعض مفسرین کا یہ بیان ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے انبیاء اور ملائکہ کی تصویریں بنوائی تھیں۔ یہ باتیں ان حضرات نے بنی اسرائیل کی روایات سے اخذ کر لیں اور پھر ان کی توجیہ یہ کی کہ پچھلی شریعتوں میں اس قسم کی تصویریں بنانا ممنوع نہ تھا۔ لیکن ان روایات کو بلا تحقیق نقل کرتے ہوئے ان بزرگوں کو یہ خیال نہ رہا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جس شریعت موسوی کے پیرو تھے اس میں بھی انسانی اور حیوانی تصاویر اور مجسمے اسی طرح حرام تھے جس طرح شریعت محمدیہ میں حرام ہیں، اور وہ یہ بھی بھول گئے کہ بنی اسرائیل کا ایک گروہ حضرت سلیمانؑ سے جو عداوت رکھتا تھا اس کی بنا پر انہوں نے آں جناب کو شرک و بت پرستی اور جادوگری اور زنا کے بدترین الزامات سے متہم کیا ہے، اس لیے ان کی روایات پر اعتماد کر کے اس جلیل القدر پیغمبر کے بارے میں کوئی ایسی بات ہرگز قبول نہ کرنی چاہیے جو خدا کی بھیجی ہوئی کسی شریعت کے خلاف پڑتی ہو۔ یہ بات ہر شخص کو معلوم ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد حضرت عیسیٰؑ تک جتنے انبیاء بنی اسرائیل میں آئے ہیں وہ سب تورات کے پیرو تھے۔ ان میں سے کوئی بھی نئی شریعت نہ لایا تھا جو تورات کے قانون کی ناسخ ہوتی۔ اب تورات کو دیکھیے تو اس میں بار بار بصراحت یہ حکم ملتا ہے کہ انسانی اور حیوانی تصویریں اور مجسمے قطعاً حرام ہیں:

"تو اپنے لیے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا، نہ کسی چیز کی صورت بنانا جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے۔" (خروج، باب ۲۰، آیت ۴) [illegible]

"تم اپنے لیے بت نہ بنانا اور نہ کوئی تراشی ہوئی مورت یا لاٹ اپنے لیے کھڑی کرنا اور نہ اپنے ملک میں کوئی شبیہ دار پتھر رکھنا کہ اسے سجدہ کرو۔" (احبار، باب ۲۶، آیت ۱) [illegible]

"تا نہ ہو کہ تم بگڑ کر کسی شکل یا صورت کی کھودی ہوئی مورت اپنے لئے بنا لو جس کی شبیہ کسی مرد یا عورت یا زمین کے کسی حیوان یا ہوا میں اڑنے والے کسی پرندہ یا زمین پر رینگنے والے جاندار یا مچھلی سے جو زمین کے نیچے پانی میں رہتی ہے ملتی ہو۔" (استثناء، باب ۴، آیت ۱۶-۱۸)

"لعنت اس آدمی پر جو کاریگری کی صنعت کی طرح کھودی ہوئی یا ڈھالی ہوئی مورت بنا کر جو خداوند کے نزدیک مکروہ ہے اس کو کسی پوشیدہ جگہ میں نصب کرتا ہے۔" (استثناء، باب ۲۷، آیت ۱۵)

ان صاف اور صریح احکام کے بعد یہ بات کیسے مانی جا سکتی ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے انبیاء اور ملائکہ کی تصویریں یا ان کے مجسمے بنانے کا کام جنوں سے لیا ہوگا۔ اور یہ بات آخر ان یہودیوں کے بیان پر اعتماد کر کے کیسے تسلیم کر لی جائے جو حضرت سلیمانؑ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ اپنی مشرک بیویوں کے عشق میں مبتلا ہو کر بت پرستی کرنے لگے تھے (۱-سلاطین، باب ۱۱)۔

تاہم مفسرین نے تو بنی اسرائیل کی یہ روایت نقل کرنے کے ساتھ اس امر کی صراحت کر دی تھی کہ شریعت محمدیہ میں یہ فعل حرام ہے، اس لئے کوئی شخص اب حضرت سلیمانؑ کی پیروی میں تصویریں اور مجسمے بنانے کا مجاز نہیں ہے۔ لیکن موجودہ زمانے کے بعض لوگوں نے جو اہل مغرب کی تقلید میں مصوری و مجسمہ تراشی کو حلال کرنا چاہتے ہیں، قرآن مجید کی اس آیت کو اپنے لئے دلیل ٹھہرا لیا۔ وہ کہتے ہیں کہ جب ایک پیغمبر نے یہ کام کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے خود اپنی کتاب میں اس فعل کا ذکر کیا ہے، اور اس پر کسی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا ہے تو اسے لازماً حلال ہونا چاہیے۔

ان مقلدین مغرب کا یہ استدلال دو وجوہ سے غلط ہے۔ اول یہ کہ لفظ تماثیل جو قرآن مجید میں استعمال کیا گیا ہے، انسانی اور حیوانی تصاویر کے معنی میں صریح نہیں ہے بلکہ اس کا اطلاق غیر جاندار اشیاء کی تصویروں پر بھی ہوتا ہے۔ اس لئے محض اس لفظ کے سہارے یہ حکم نہیں لگایا جا سکتا کہ قرآن کی رو سے انسانی اور حیوانی تصاویر حلال ہیں۔ دوسرے یہ کہ نہایت کثیر التعداد اور قوی الاسناد اور مشہور المعنی احادیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی روح اشیاء کی تصویریں بنانے اور رکھنے کو قطعی حرام

قرار دیا ہے۔ اس معاملے میں جو ارشادات حضورؐ سے ثابت ہیں اور جو آثار اکابر صحابہؓ سے منقول ہوئے انھیں ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ مضمون کی طوالت کے خوف سے صرف ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ (م)

ترجمہ احادیث

• اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضرت اُمّ حبیبہؓ اور حضرت اُمّ سلمہؓ نے حبش میں ایک کنیسہ دیکھا تھا جس میں تصویریں تھیں۔ اس کا ذکر انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا حضور نے فرمایا۔ لوگوں کا حال یہ تھا کہ جب ان میں کوئی شخص صالح ہوتا تھا تو اس کے مرنے کے بعد وہ اس کی قبر پر ایک عبادت گاہ بناتے اور اس میں یہ تصویریں بنا لیا کرتے تھے۔ یہ لوگ قیامت کے روز اللہ کے نزدیک بدترین خلائق قرار پائیں گے" (کتاب المساجد، نسائی، کتاب المساجد، کتاب الصلوٰۃ مسلم)

• ابو جحیفہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصوّر پر لعنت فرمائی ہے۔

(بخاری۔ کتاب البیوع۔ کتاب الطلاق۔ کتاب اللباس)

• ابو زرعہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھ ایک مکان میں داخل ہوا تو دیکھا کہ مکان کے اوپر ایک مصوّر تصویریں بنا رہا ہے اس پر حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو میری تخلیق کے مانند تخلیق کی کوشش کرے۔ یہ لوگ ایک دانہ یا ایک چیونٹی بنا کر تو دکھائیں" (بخاری۔ کتاب اللباس۔ مسند احمد اور مسلم کی روایت میں تصریح ہے کہ یہ مروان کا گھر تھا۔)

• ابو محمد ہُذلی حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازے میں شریک تھے آپؐ نے فرمایا کہ تم لوگوں میں سے کون ہے جو جا کر مدینہ میں کوئی بُت نہ چھوڑے جسے توڑ نہ دے اور کوئی قبر نہ چھوڑے جسے زمین کے برابر نہ کر دے اور کوئی تصویر نہ چھوڑے جسے مٹا نہ دے ایک شخص نے عرض کیا میں اس کے لئے حاضر ہوں چنانچہ وہ گیا مگر اہلِ مدینہ کے خوف سے یہ کام کیے بغیر پلٹ آیا۔ پھر حضرت علیؓ نے

عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں جاتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا اچھا تم جاؤ۔ حضرت علیؓ گئے اور واپس آ کر انھوں نے عرض کیا کہ میں نے کوئی بُت نہیں چھوڑا جسے توڑ نہ دیا ہو، کوئی قبر نہیں چھوڑی جسے زمین کے برابر نہ کر دیا ہو اور کوئی تصویر نہیں چھوڑی جسے مٹا نہ دیا ہو۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا۔ اب اگر کسی شخص نے ان چیزوں میں سے کوئی چیز بنائی تو اس نے اس تعلیم سے کفر کیا جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل فرمائی ہے۔" (مسند احمد مسلم کتاب الجنائز اور نسائی کتاب الجنائز میں بھی اس مضمون کی ایک حدیث منقول ہوئی ہے)

• "ابن عباسؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ...... اور جس شخص نے تصویر بنائی اُسے عذاب دیا جائے گا اور مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس میں روح پھونکے اور وہ نہ پھونک سکے گا"

(بخاری۔ کتاب التعبیر۔ ترمذی، ابواب اللباس، نسائی، کتاب الزینۃ، مسند احمد)

• "سعید بن ابی الحسن کہتے ہیں کہ میں ابن عباسؓ کے پاس بیٹھا تھا اتنے میں ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ اے ابن عباس میں ایک ایسا شخص ہوں جو اپنے ہاتھ سے روزی کماتا ہے اور میرا روزگار یہ تصویریں بنانا ہے ابن عباس نے جواب دیا کہ میں تم سے وہی بات کہوں گا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنی ہے۔ میں نے حضورؐ سے یہ بات سنی ہے کہ جو شخص تصویر بنائے گا اللہ اُسے عذاب دے گا اور اُسے نہ چھوڑے گا جب تک وہ اس میں روح نہ پھونکے اور وہ کبھی روح نہ پھونک سکے گا۔ یہ بات سُن کر وہ شخص سخت برافروختہ ہوا اور اس کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا۔ اس پر ابن عباسؓ نے کہا بندۂ خدا اگر تجھے تصویر بنانی ہی ہے تو اس درخت کی بنا۔ یا کسی ایسی چیز کی بنا جس میں روح نہ ہو۔"

(بخاری کتاب البیوع۔ مسلم، کتاب اللباس۔ نسائی، کتاب الزینۃ۔ مسند احمد)

• "عبداللہ ابن مسعود کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے روز اللہ کے یہاں سخت ترین سزا پانے والے مصوّر ہوں گے۔" (بخاری کتاب اللباس۔ مسلم کتاب اللباس۔ نسائی۔ کتاب الزینۃ۔ مسند احمد)

• عبداللہ بن عمرؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ یہ تصویریں بناتے ہیں ان کو قیامت کے روز عذاب دیا جائے گا ان سے کہا جائے گا کہ جو کچھ تم نے بنایا ہے اسے زندہ کرو۔" (بخاری

کتاب اللباس، مسلم کتاب اللباس، نسائی کتاب الزینۃ، ابو داؤد کتاب اللباس، مسند احمد ...

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک تکیہ خریدا جس پر تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو دروازے ہی میں کھڑے ہو گئے، اندر داخل نہ ہوئے۔ میں نے عرض کیا کہ میں خدا سے توبہ کرتی ہوں ہر اس گناہ پر جو میں نے کیا ہو۔ حضورؐ نے فرمایا یہ تکیہ کیسا ہے؟ میں نے عرض کیا، اس غرض کے لیے ہے کہ آپ یہاں تشریف رکھیں اور اس پر ٹیک لگائیں۔ فرمایا ان تصویروں کے بنانے والوں کو قیامت کے روز عذاب دیا جائے گا، ان سے کہا جائے گا کہ جو کچھ تم نے بنایا ہے اس کو زندہ کرو، اور ملائکہ (یعنی ملائکہ رحمت) کسی ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویریں ہوں۔" (بخاری کتاب اللباس، مسلم کتاب اللباس، نسائی کتاب الزینۃ، ابن ماجہ کتاب التجارات، موطا، کتاب الاستیذان)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے اور میں نے ایک پردہ لٹکا رکھا تھا جس میں تصویر تھی۔ آپ کے چہرے کا رنگ بدل گیا، پھر آپ نے اس پردے کو لے کر پھاڑ ڈالا اور فرمایا قیامت کے روز سخت ترین عذاب جن لوگوں کو دیا جائے گا ان میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو اللہ کی تخلیق کے مانند تخلیق کی کوشش کرتے ہیں۔" (مسلم کتاب اللباس، بخاری کتاب اللباس، نسائی کتاب الزینۃ)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپس تشریف لائے اور میں نے اپنے دروازے پر ایک پردہ لٹکا رکھا تھا جس پر پردار گھوڑوں کی تصویریں تھیں۔ حضورؐ نے حکم دیا کہ اسے اتار دو اور میں نے اتار دیا۔" (مسلم کتاب اللباس، نسائی کتاب الزینۃ)

جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ گھر میں تصویر رکھی جائے اور اس سے بھی منع فرما دیا کہ کوئی شخص تصویر بنائے۔" (ترمذی ابواب اللباس)

ابن عباسؓ ابو طلحہ انصاریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ملائکہ (یعنی ملائکہ رحمت) کسی ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا پلا ہوا ہو اور نہ ایسے گھر میں جس میں تصویر ہو۔" (... بخاری کتاب اللباس)

وہ ... ایک مرتبہ جبریل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کا وعدہ کیا مگر بہت دیر لگ گئی اور وہ نہ آئے۔ آخر حضور گھر سے نکلے تو وہ مل گئے۔ آپ نے شکایت کی تو انہوں نے کہا ہم کسی ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔ [illegible] اس مضمون کی متعدد روایات بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، امام مالک اور امام محمد نے متعدد صحابہ سے نقل کی ہیں۔ [illegible]

ان روایات کے مقابلے میں کچھ روایات ایسی ہیں جن سے تصویر کے معاملہ میں رخصت کا پہلو نکلتا ہے، مثلاً ابو طلحہ انصاری کی یہ روایت کہ جس کپڑے پر تصویر کڑھی ہوئی ہو اس کا پردہ لٹکانے کی اجازت ہے۔ (بخاری کتاب اللباس)۔ اور حضرت عائشہ کی یہ روایت کہ تصویر دار کپڑے کو پھاڑ کر انہوں نے گدا بنا لیا تو حضور نے اس کو استعمال کرنے سے منع نہیں فرمایا۔ اور سالم بن عبداللہ بن عمر کی یہ روایت کہ ممانعت اس تصویر کی ہے جو نمایاں مقام پر نصب کی گئی ہو، نہ کہ اس تصویر کی جو فرش کے طور پر بچھائی گئی ہو۔ لیکن ان میں سے کسی روایت سے بھی جانداروں کی تصویر بنانے کی اجازت نہیں نکلتی۔ یہ احادیث صرف اس مسئلے سے بحث کرتی ہیں کہ اگر کسی کپڑے پر تصویر بنی ہوئی ہو اور وہ خریدی جا چکی ہو تو کیا کیا جائے۔ رہی ابو طلحہ انصاری والی روایت تو وہ کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہے کیونکہ وہ بکثرت دوسری احادیث سے ٹکراتی ہے جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر دار کپڑے کا پردہ لٹکانے سے نہ صرف منع فرمایا ہے بلکہ اُسے پھاڑ دیا ہے۔ نیز خود حضرت ابو طلحہؓ کا اپنا عمل جو ترمذی اور موطا میں منقول ہوا ہے یہ ہے کہ تصویر دار پردہ لٹکانا تو درکنار وہ ایسا فرش بچھانا بھی پسند نہیں کرتے تھے جس میں تصاویر ہوں۔ رہیں حضرت عائشہ اور سالم بن عبداللہ کی روایات تو ان سے زیادہ سے زیادہ اتنا ہی جواز نکلتا ہے کہ اگر تصویر احترام کی جگہ پر نہ ہو بلکہ ذلت کے ساتھ فرش میں رکھی جائے اور اسے پامال کیا جائے تو وہ قابل برداشت ہے۔ ان احادیث سے اس پوری تہذیب کے جواز کی دلیل نہیں لائی جا سکتی جو تصویر کشی

اور مجسمہ سازی کے آرٹ کو تہذیب انسانی کا قابل فخر کمال قرار دیتی ہے اور اُسے مسلمانوں میں رواج دینا چاہتی ہے۔ تصاویر کے معاملہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر کار اُمت کے لئے جو ضابطہ چھوڑا ہے اس کا پتہ اکابر صحابہ کے اس طرزِ عمل سے چلتا ہے جو انھوں نے اس باب میں اختیار کیا۔ اسلام میں یہ اصول مسلّم ہے کہ معتبر اسلامی ضابطہ وہی ہے جو تدریجی احکام اور ابتدائی رخصتوں کے بعد حضورؐ نے اپنے آخر عہد میں مقرر کر دیا ہو۔ اور حضورؐ کے بعد اکابر صحابہ کا کسی طریقے پر عملدر آمد کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ اسی طریقے پر حضورؐ نے اُمت کو چھوڑا تھا۔ اب دیکھئے کہ تصویروں کے ساتھ اس مقدس گروہ کا کیا برتاؤ تھا۔

• "حضرت عمرؓ نے عیسائیوں سے کہا کہ ہم تمہارے کنیسوں میں اس لئے داخل نہیں ہوتے کہ ان میں تصویریں ہیں۔" (بخاری کتاب الصلوٰۃ)

"ابن عباسؓ گرجا میں نماز پڑھ لیتے تھے مگر ایسے کسی گرجا میں نہیں جس میں تصویریں ہوں۔"
(بخاری، کتاب الصلوٰۃ)

"ابو الهیاج اسدی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے مجھ سے کہا کیا نہ بھیجوں میں تم کو اس مہم پر جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا تھا؟ اور وہ یہ ہے کہ تم کوئی مجسمہ نہ چھوڑو جسے توڑ نہ دو۔ اور کوئی اونچی قبر نہ چھوڑو جسے مٹا نہ دو۔" (مسلم، کتاب الجنائز، نسائی، کتاب الجنائز)

"حنش الکنانی کہتے ہیں کہ حضرت علی نے اپنی پولیس کے کوتوال سے کہا کہ تم جانتے ہو میں کس مہم پر تمہیں بھیج رہا ہوں؟ اس مہم پر جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا تھا یہ کہ میں ہر تصویر کو مٹا دوں اور ہر قبر کو زمین کے برابر کر دوں۔" (مسند احمد)

اسی ثابت شدہ اسلامی ضابطہ کو فقہائے اسلام نے تسلیم کیا ہے اور اسے قانون اسلامی کی ایک دفعہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ بدر الدین عینی توضیح کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

"ہمارے اصحاب (یعنی فقہائے احناف) اور دوسرے فقہا کہتے ہیں کہ کسی جاندار چیز کی تصویر بنانا حرام ہی نہیں سخت حرام اور کبیرہ گناہوں میں سے ہے، خواہ بنانے والے نے اسے کسی ایسے

[ا]ستعمال کے لئے بنایا ہو جس میں اس کی تذلیل ہو، یا کسی دوسری غرض کے لئے۔ ہر حالت میں تصویر کشی حرام [ہ]ے کیونکہ اس میں اللہ کی تخلیق سے مشابہت ہے۔ اسی طرح تصویر خواہ کپڑے میں ہو یا فرش میں یا دینار یا [د]رہم یا پیسے میں یا کسی برتن میں یا دیواریں، بہرحال اس کا بنانا حرام ہے البتہ جاندار کے سوا کسی دوسری چیز [م]ثلا درخت وغیرہ کی تصویر بنانا حرام نہیں ہے۔ ان تمام امور میں تصویر کے سایہ دار ہونے یا نہ ہونے سے [ک]وئی فرق نہیں پڑتا۔ یہی رائے امام مالک، سفیان ثوری، امام ابوحنیفہ اور دوسرے علماء کی ہے۔ قاضی [ع]یاض کہتے ہیں کہ اس سے لڑکیوں کی گڑیاں مستثنیٰ ہیں۔ مگر امام مالک ان کے خریدنے کو بھی ناپسند کرتے [ت]ھے۔ (عمدۃ القاری۔ ج ۲۲ ص ۷۰)، اسی مسلک کو امام نوری نے شرح مسلم میں زیادہ تفصیل کے ساتھ [ن]قل کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو شرح نووی، مطبوعہ مصر، ج ۱۴، ص ۸۱-۸۲)

یہ تو ہے تصویر سازی کا حکم۔ رہا دوسرے کی بنائی ہوئی تصویر کے استعمال کا مسئلہ تو اس کے [ب]ارے میں فقہائے اسلام کے مسالک علامہ ابن حجر نے اس طرح نقل کئے ہیں۔

"مالکی فقیہہ ابن عربی کہتے ہیں کہ جس تصویر کا سایہ پڑتا ہو اس کے حرام ہونے پر تو اجتماع ہے قطع نظر [ا]س سے کہ وہ تحقیر کے ساتھ رکھی گئی ہو یا نہ۔ اس اجماع سے صرف لڑکیوں کی گڑیاں مستثنیٰ ہیں۔ ابن عربی یہ [ب]ھی کہتے ہیں کہ جس تصویر کا سایہ نہ پڑتا ہو وہ اگر اپنی حالت پر باقی رہے (یعنی آئینہ کی پرچھائیں کی طرح [ن]ہ ہو بلکہ چھپی ہوئی تصویر کی طرح ثابت وقائم ہو تو وہ بھی حرام ہے۔ خواہ اسے حقارت کے ساتھ رکھا گیا [ہ]و یا نہ۔ البتہ اگر اس کا سر کاٹ دیا گیا ہو یا اس کے اجزاء الگ الگ کر دیے گئے ہوں تو ان کا استعمال [ج]ائز ہے۔ امام الحرمین نے ایک مسلک یہ نقل کیا ہے کہ پردے یا تکیے پر اگر تصویر ہو تو اس کے استعمال [ک]ی اجازت ہے مگر دیوار یا چھت میں جو تصویر لگائی جائے وہ ممنوع ہے کیونکہ اس صورت میں اس کا [ا]عزاز ہوگا۔ بخلاف اس کے پردے اور تکیے کی تصویر حقارت سے رہے گی۔ ابن شیبہ نے عکرمہ سے [ن]قل کیا ہے کہ زمانہ تابعین کے علماء یہ رائے رکھتے تھے کہ فرش اور تکیے میں تصویر کا ہونا اس کے لئے باعث [ذ]لت ہے نیز ان کا یہ خیال بھی تھا کہ اونچی جگہ پر جو تصویر لگائی گئی ہو وہ حرام ہے اور قدموں میں جسے

پامال کیا جاتا ہو تو اسے جائز کہتے ہیں داخل کے ابن سیرین، سالم بن عبداللہ، عکرمہ بن خالد اور سعید بن جبیر سے بھی منقول ہے

(فتح الباری ج ۱۰، ص ۳۹۳)

اس تفصیل سے یہ بات بھی اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام میں تصاویر کی حرمت کوئی مختلف فیہ یا مشکوک مسئلہ نہیں ہے بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح ارشادات، صحابہ کرام کے عمل اور فقہائے اسلام کے متفقہ فتاویٰ کی رو سے ایک مسلّم قانون ہے جسے آج بیرونی ثقافتوں سے متاثر لوگوں کی موشگافیاں بدل نہیں سکتیں۔

اس سلسلے میں چند باتیں اور بھی سمجھ لینی ضروری ہیں تاکہ کسی قسم کی غلط فہمی باقی نہ رہے۔

بعض لوگ فوٹو اور ہاتھ سے بنی ہوئی تصویر میں فرق کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ شریعت بجائے خود تصویر کو حرام کرتی ہے نہ کہ تصویر سازی کے کسی خاص طریقے کو۔ فوٹو اور دستی تصویر میں تصویر ہونے کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے ان کے درمیان جو کچھ بھی فرق ہے وہ طریق تصویر سازی کے لحاظ سے ہے اور شریعت نے احکام میں کوئی فرق نہیں کیا ہے۔

بعض لوگ یہ استدلال کرتے ہیں کہ اسلام میں حرمت کا حکم محض شرک و بت پرستی کو روکنے کی خاطر دیا گیا تھا اور اب اس کا کوئی خطرہ نہیں ہے لہٰذا یہ حکم باقی نہ رہنا چاہئے۔ لیکن استدلال بالکل غلط ہے۔ اوّل تو احادیث میں کہیں یہ بات نہیں کہی گئی ہے کہ تصاویر صرف شرک و بت پرستی کے خطرے سے بچانے کے لئے حرام کی گئی ہیں۔ دوسرے یہ دعویٰ بھی بالکل بے بنیاد ہے کہ اب دنیا میں شرک و بت پرستی کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ آج خود برعظیم ہند و پاک میں کروڑوں بت پرست مشرکین موجود ہیں۔ دنیا کے مختلف خطوں میں طرح طرح سے شرک ہو رہا ہے، عیسائی اہل کتاب بھی حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم اور اپنے متعدد اولیاء کی تصاویر اور مجسموں کو پوج رہے ہیں حتیٰ کہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد بھی مخلوق پرستی کی آفتوں سے محفوظ نہیں رہی ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ صرف وہ تصویریں ممنوع ہونی چاہئیں جو مشرکانہ نوعیت کی ہیں یعنی ایسی

اس کی تصویر اور مجسمے جن کو معبود بنا لیا گیا ہو، باقی دوسری تصویریں اور مجسمے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے لیکن اس طرح کی باتیں کرنے والے دراصل شارع کے احکام اور ارشادات سے علتِ حکم اخذ کرنے کے بجائے آپ ہی اپنے طور پر ایک علت تجویز کر بیٹھتے ہیں۔ ان کو یہ معلوم نہیں ہے کہ تصویر صرف ایک بت پرستی ہی کی موجب نہیں بنتی بلکہ دنیا میں بہت سے فتنوں کی موجب بھی بنی ہے اور بن رہی ہے۔ تصویر آج ان بڑے ذرائع میں سے ایک ہے جن سے بادشاہوں، ڈکٹیٹروں اور سیاسی لیڈروں کی عظمت کا نقش عوام الناس کے دماغوں پر بٹھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ تصویر کو دنیا میں شہوانیت پھیلانے کے لئے بھی بہت بڑے پیمانے پر استعمال کیا گیا ہے اور آج یہ فتنہ ہر زمانے سے زیادہ برسرِ عروج ہے۔ تصاویر قوموں میں نفرت اور عداوت کے بیج بونے، فساد ڈلوانے اور عام لوگوں کو طرح طرح سے گمراہ کرنے کے لئے بکثرت بھی استعمال کی جاتی رہی ہیں اور آج سب سے زیادہ استعمال کی جا رہی ہیں۔ اس لئے یہ سمجھنا کہ شارع نے تصویر کی حرمت کا حکم صرف بت پرستی کے استیصال کی خاطر دیا ہے، غلط ہے۔ شارع نے مطلقاً جاندار اشیاء کی تصویر کو روکا ہے۔ ہم اگر خود شارع نہیں بلکہ شارع کے متبع ہیں تو ہمیں علی الاطلاق اس سے رک جانا چاہئے۔ ہمارے لئے یہ کسی طرح جائز نہیں ہے کہ اپنی طرف سے کوئی علتِ حکم خود تجویز کر کے اس کے لحاظ سے بعض تصویروں کو حرام اور بعض کو حلال قرار دینے لگیں۔

بعض لوگ چند بظاہر بالکل "بے ضرر" قسم کی تصاویر کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں کہ آخر ان میں کیا خطرہ ہے۔ یہ تو شرک اور شہوانیت اور فساد انگیزی اور سیاسی پروپیگنڈے اور ایسے ہی دوسرے مفسدات سے قطعی پاک ہیں، پھر ان کے ممنوع ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ اس معاملے میں لوگ پھر وہی غلطی کرتے ہیں کہ پہلے علتِ حکم خود تجویز کر لیتے ہیں اور اس کے بعد یہ سوال کرتے ہیں کہ جب فلاں چیز میں یہ علت نہیں پائی جاتی تو وہ کیوں ناجائز ہے۔ علاوہ بریں یہ لوگ اسلامی شریعت کے اس قاعدے کو بھی نہیں سمجھتے کہ وہ حلال اور حرام کے درمیان ایسی دھندلی اور مبہم حد بندیاں قائم نہیں کرتی جن سے آدمی یہ فیصلہ نہ کر سکتا ہو کہ وہ کہاں تک جواز کی حد میں ہے، اور کہاں اس حد کو پار کر گیا ہے، بلکہ

یسا واضح خطِ امتیاز کھینچتی ہے جسے ہر شخص روز روشن کی طرح دیکھ سکتا ہو۔ تصاویر کے درمیان یہ حدبندی قطعی واضح ہے کہ جانداروں کی حرام اور بے جان اشیار کی تصویریں حلال ہیں اس خط امتیاز میں کسی اشتباہ کی گنجائش نہیں ہے جسے احکام کی پیروی کرنی ہو وہ صاف صاف جان سکتا ہے کہ اس کے لئے کیا چیز جائز ہے اور کیا ناجائز۔ لیکن اگر جانداروں کی تصاویر میں سے بعض کو جائز اور بعض کو ناجائز ٹھیرایا جاتا ہے تو دونوں قسم کی تصاویر کو کوئی بڑی سے بڑی فہرست بیان کردینے کے بعد بھی جواز و عدم جواز کی سرحد کبھی واضح نہ ہوسکتی اور بے شمار تصویروں کے بارے میں یہ اشتباہ باقی رہ جاتا کہ انھیں حد جواز کے اندر سمجھا جائے یا باہر۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے شراب کے بارے میں اسلام کا یہ حکم کہ اس سے قطعی اجتناب کیا جائے ایک صاف حد قائم کردیتا ہے لیکن اگر یہ کہا جاتا کہ اس کی اتنی مقدار استعمال کرنے سے پرہیز کیا جائے جس سے نشہ پیدا ہو تو حلال اور حرام کے درمیان کسی جگہ بھی حدفاصل قائم نہ کی جاسکتی اور کوئی شخص بھی یہ فیصلہ نہ کرسکتا کہ کس حد تک وہ شراب پی سکتا ہے اور کہاں جاکر اُسے رُک جانا چاہیئے۔"

یاد رکھئے

"الجھنوں کے گرفتار نمبر" یعنی یہ شمارہ نومبر و دسمبر ۱۹۸۲ء (دو ماہ) کا حجاب ہے
اس کے بعد اب جنوری ۱۹۸۲ء کے حجاب کا انتظار کیجئے۔ مینجر

رسولِ خدا کا عظیم احسان

پچامیاں ! السلام علیکم۔

میں ایک طالبہ ہوں، کالج میں پڑھتی ہوں۔ میری ساتھیوں میں بہت سی لڑکیاں ہیں ہندو بھی مسلمان بھی، اور عیسائی بھی۔ کبھی کبھی مذہبی باتیں ہوتی ہیں۔ ایک بار ہم باتیں کر رہے تھے کہ میری ایک ساتھی نے سوال کر دیا۔ اس نے کہا کہ محمد جی مہاراج بہت بڑے آدمی تھے لیکن انھوں نے جو کچھ کیا مسلمانوں کے لئے کیا۔ مسلمان اُن کے آبھاری (احسان مند) ہو سکتے ہیں۔ ساری دنیا کے لوگ ان کو اپنا (محسن) کیوں مانیں؟ اس سوال کا جواب میں نہ دے سکی میری مسلمان ساتھیوں سے بھی کچھ بن نہ پڑا ہمیں شرمندگی بھی ہوئی دل میں طرح طرح کے وسوسے آ رہے ہیں مہربانی کر کے آپ اس کا جواب دیجئے تا کہ میری جیسی دوسری طالبہ بھی اپنے ذہن کو سنوار سکیں۔ (خالدہ پروین۔ پونا)

جواب

عزیزہ سلمہا، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔

آپ کے خط سے مجھے ایسا محسوس ہوا کہ آپ کے اور آپ کی کلاس کی مسلم طالبات کے دلوں میں اسلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ہے۔ آپ کی غیرت یہ گوارا نہیں کرتی کہ اسلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کہیں کم ہو۔ یہی وجہ ہوئی کہ جب آپ دوسروں کے سوال کا جواب نہ دے سکیں تو بے چین ہوئیں۔ اور مجھے خط لکھا۔ آپ کا اور آپ کی ساتھی مسلم طالبات کا یہ احساس بہت مبارک ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قائم رکھے اور آپ وسوسے ڈالنے والوں سے محفوظ رہیں۔

اس کے بعد میں آپ کے سوال کا جواب دے رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے کہ میں آسان لفظوں میں سمجھا سکوں۔ سب سے پہلے آپ احسان مند ہونے کے بارے میں سنئے :۔

● کسی کا احسان مند ہونے کی وجہ ایک نہیں، بہت ہیں۔ مثال کے طور پر آپ نے اپنی کسی ساتھی کو ذرا دیر کے لئے فاؤنٹین پن دے دیا۔ آپ کی ساتھی کہیں لڑکھڑا گئی اور آپ نے اُسے سہارا دے دیا۔ آپ کی ایک ساتھی غریب ہے آپ نے اس کی فیس (کل یا اس کا کچھ حصہ) ادا کر دی۔ یہ سب باتیں احسان ہی میں شامل ہیں۔ آپ کی ساتھی آپ کا احسان مانتی ہے ایسے موقعوں پر شکریہ، تھینکیو اور وغیرہ با د جیسے الفاظ کہے جاتے ہیں۔ پڑھے لکھے مسلمان اپنے محسن کے لئے کہتے ہیں "جزاک اللہ" یعنی اللہ تم کو اس احسان کا بدلہ دے۔ مسلمان اپنے محسن کے لئے یہ ایک طرح کی دعا کرتا ہے ظاہر ہے کہ دعا سے بڑھ کر اور کیا الفاظ ہو سکتے ہیں۔

● ایک احسان یہ بھی ہے کہ کوئی کسی کو نوکری دلا دے اس طرح ایک غریب کا بھلا ہو جائے گا کوئی کسی کا قرضہ معاف کر دے۔ کوئی کسی کی مدد روپیہ پیسے سے کر دے۔ کسی غریب کو کپڑے بنوا دے وغیرہ اس طرح کی مدد کو معاشی مدد کہتے ہیں۔ معاشی مدد بڑے احسانوں میں سے ہے۔ پیٹ کی مار بڑی ہوتی ہے اگر کوئی کسی کے معاش کا انتظام کر دے، وہ بیشک اس کا محسن ہے۔

● ایک احسان یہ بھی ہے کہ کوئی ڈوبتے ہوئے آدمی کو نکال لے اور اسے ڈوبنے سے بچا لے کہیں آگ لگ گئی ہو اور وہاں عورتیں اور بچے پھنسے ہوں ان کو جلنے سے بچا لے۔ کسی بیمار کی مدد کر دے کہیں ڈاکہ پڑ گیا ہو اور کوئی اپنی جان کی پروا نہ کر کے ڈاکوؤں کا مقابلہ کرے اور لوگوں کو ڈاکوؤں سے بچانے کی کوشش کرے۔ اس طرح کا احسان بہت بڑا ہوتا ہے۔ مظلوموں کی مدد کرنا ہر مذہب میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

● یہ جو اوپر احسان گنائے گئے ان جیسے احسانوں سے بڑھ کر ایک احسان یہ ہے کہ کوئی دوسرے لوگوں کو بدی سے بچانے کی کوشش کرے اور نیکی کی راہ دکھا دے۔

نیکی اور بدی کے بارے میں ہر ملک اور قوم کے رہنماؤں اور مہاپُرشوں نے کام کئے ہیں۔ اللہ کے نبیوں
ےسب سے بڑھ کر اس سلسلے میں حصہ لیا ہے۔ اللہ کے یہ نبی ہر ملک اور قوم میں ہوئے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ قوموں
ے یا تو اپنے نبیوں کو بھلا دیا یا ان کی تعلیمات میں کانٹ چھانٹ (ترمیم و تنسیخ) کر دی اور اب ان کی تعلیم ٹھیک
ٹھیک ہمارے سامنے نہیں ہے۔ دنیا میں صرف مسلمان قوم ہے جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو
ن وعن جیسے حضورؐ نے تعلیم دی برقرار رکھا۔ قرآن کے بارے میں تو یہاں تک احتیاط کی کہ حرف بحرف اُسے
یسا پایا ویسا ہی رہنے دیا۔

دنیا کے سارے نبیوں نے (وہ کہیں بھی ہوئے) یہ تعلیم دی ہے کہ اے لوگو اللہ کو خوش کرنے کے لئے
کی پھیلاؤ اور بدی مٹانے کی کوشش کرو۔ اس سلسلے میں اگر اللہ تم سے راضی ہو گیا۔ تو تم کو جہنم کے عذاب
سے بچا لے گا اور تم کو جنت عطا فرمائے گا۔

اللہ جنت اور جہنم کو سارے مذہب والے مانتے ہیں۔ الفاظ چاہے بدلے ہی ہوں۔ جنت کو بیکنٹھ
ہیں یا جہنم کو نرک۔ اس سے فرق نہیں پڑتا۔ لیکن غور فرمائیے۔ جو مہاپُرش جہنم کے عذاب سے بچانے کی بھرپور
وشش کرے۔ ایسے آدیش اور ایسی تعلیمات دے جن کے مطابق کام کرنے والے سے اللہ راضی ہو اور
وہ اُسے جہنم کے عذاب سے بچا لے اور اُسے بیکنٹھ باسی بنا دے تو سچ کہئے ایسے مہاپُرش کے احسان سے
بڑھ کر کسی اور کا احسان ہو سکتا ہے۔ ماں باپ کا احسان تسلیم۔ وہ اولاد کے لئے بڑے بڑے دُکھ جھیلتے ہیں
ڈاکٹروں اور حکیموں کا احسان بجا کہ انھوں نے تندرستی کے اصول دئیے اور اس کے لئے جڑی بوٹیاں کھوج
کالیں۔ مصلح اور سدھارک کا یہ احسان بھی ماننے کے لائق ہے کہ انھوں نے بُری رسموں سے پبلک کو بچایا لیکن
سوچئے یہ سب اس چار دن کی زندگی کے لئے ہے وہ احسان جو سدا کے لئے ہو اور جنت دلائے اور جہنم کے عذاب
سے بچائے۔ یہ تو پیغمبروں۔ نبیوں اور رسولوں نے کیا لہٰذا سب سے بڑے محسن یہی ہیں یہ بات اگر کوئی نہیں
مانتا تو وہ نہ مانے۔ ناستک اور دہریہ ہو جائے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کسی کے نہ ماننے سے حقیقت
حقیقت ہی رہے گی۔

اب آپ رسولوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھئے آپ ہی کی تعلیم زندہ ہے قرآن موجود ہے جس میں کسی طرح کی ترمیم و تنسیخ نہیں ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہم کو جو کچھ معلوم ہے اتنا ہم اپنے قریبی لوگوں کے بارے میں بھی نہیں جانتے۔

اگر کوئی شخص خدا کو خوش کرنا چاہتا ہے تو اس کی پوری تعلیم اور عمل جس سے خدا خوش ہوتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پا سکتا ہے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو ہم بھی نبی مانتے ہیں بیشک وہ بہت بڑے نبی تھے لیکن ہم کو نہیں معلوم کہ انھوں نے ہمیں کیا معاشی پروگرام دیا۔ کیا معاشرتی اصول دئیے۔ کون سے سیاسی قانون عنایت فرمائے۔ ان کے سارے کردار اور ان کی ساری تعلیم ہمارے سامنے نہیں عیسائی خود تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے پاس جو انجیل ہے وہ ترمیم شدہ ہے دنیا نے ان کے احسان کو مانا۔ لیکن آج وہ ہمارے سب سے بڑے محسن نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ہم ان کی تعلیمات اور ان کے عمل سے اس طرح واقف نہیں جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے واقف ہیں۔

• اب سوال یہ ہے کہ اللہ کو خوش کرنے، جنت کا راستہ بتانے اور جہنم سے بچانے کا جو عقیدہ و تعلیمات اور عمل حضورؐ نے دیا۔ وہ کسی خاص قوم، ذات اور فرقے کے لئے کیسے ہو گیا جیسا کہ آپ کی ساتھی طالبہ نے کہا۔ جو شخص بھی اس عقیدے کو مان لے اور عمل کرے وہ اللہ کو راضی کر سکتا ہے۔ غور فرمائیے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں اللہ کو راضی کرنے کا پیغام دیا۔ جنت کی بشارت دی اور جہنم سے ڈرایا تو کتنے مسلمان تھے؟ ایک بھی نہ تھا۔

سب سے پہلے پانچ آدمیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو تسلیم کیا۔ اس کے بعد جسے اللہ نے توفیق دی وہ مسلمان ہوا۔ آج بھی جو شخص چاہے اس پیغام کو سمجھ سکتا ہے۔ قبول کر سکتا ہے۔ اپنے اللہ کو راضی کر سکتا ہے۔ جنت حاصل کر سکتا ہے اور دوزخ سے بچ سکتا ہے اس میں یہ بات کہاں سے نکلی کہ مسلمان قوم محمد جی مہراج کی آبھاری ہو۔ یہ پیغام سارے انسانوں اور ساری انسانیت کے لئے ہے۔

تیجا، دسواں، چالیسواں

سوال:۔ محترم بھائی مائل خیرآبادی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ نے جو کتابیں میرے لئے بھیجی تھیں، وہ میں نے ایک ایک کر کے سب پڑھ ڈالیں۔ آپ نے جس غرض سے یہ کتابیں بھیجیں، آپ سُن کر خوش ہوں گے کہ وہ غرض پوری ہوتی دکھائی دیتی ہے میں نے اپنا وہ راستہ بدل دیا ہے جس پر آپ نے مجھے چلتے ہوئے دیکھا تھا۔ اب میں نے وہ راستہ اختیار کر لیا ہے جس پر آپ تیس سال سے گامزن ہیں۔ اب کی بار جب آپ وطن تشریف لائیں گے تو ان شاء اللہ آپ خوش ہوں گے۔ آپ بہت سے لوگوں کو اپنی بھیجی ہوئی کتابیں پڑھتے ہوئے پائیں گے اور ان سے متاثر بھی۔

اس کے بعد ایک بات دریافت طلب ہے۔ آپ کی بھیجی ہوئی کتابوں میں ایمان وعمل سے متعلق بہت کچھ ملا۔ لیکن ایک چیز پر بحث کہیں نظر نہیں آئی۔ وہ ہے تیجا، دسواں، بیسواں، چہلم اور برسی۔ دینی لٹریچر میں قرآن اور حدیث بنیادی ہیں۔ ان کے بعد سیرت کی کتابیں اور بزرگان سلف کا کردار مجھے ان سب میں کہیں تیجا (سویم) دسواں اور چہلم وغیرہ نظر نہیں آتا اور نہ اسلامی ملکوں میں کہیں یہ ہوتا ہے۔ آخر ہمارے ہندوستان میں یہ کہاں سے گھس آیا۔ براہ کرم آپ ان سب کی حقیقت پر روشنی ڈالیں۔ یہاں مجھ سے یہ سوال کیا جاتا ہے تو میں کچھ اطمینان بخش جواب نہیں دے پاتا ہوں۔ والسلام۔ آپکا چھوٹا بھائی فرخ آرزو

جواب:۔ عزیز بھائی آپ نے جن باتوں کی حقیقت معلوم کرنا چاہی ہے۔ وہ ہندو سماج میں ایک حکمت کے تحت رواج پائیں۔ آگے چل کر وہ رسمیں بن گیئں۔ حکمت یہ تھی کہ ان کے یہاں جب کوئی مرجاتا تو بستی کے لوگوں کو جلد معلوم ہو جاتا تھا ——(یہ بات ہر جگہ اور ہر معاشرے میں آپ آج بھی دیکھ سکتے ہیں) بستی کے لوگ اکٹھا ہو کر کریا کرم کر دیتے اور فرض سے ادا ہو

جاتے تھے۔

لیکن ظاہر ہے کہ مرنے والے رشتہ دار صرف بستی کے اندر ہی محدود نہیں ہوتے دوسری بستیوں کے رشتہ دار اور ملنے والوں کو دوسرے دن معلوم ہو جاتا اور وہ تیسرے دن اکٹھا ہو کر تعزیت (پرسا کرنے) کو آتے یہی تیسرے دن کی تقریب تعزیت آگے چل کر "تیجا" کے نام سے مشہور ہوئی۔ تیجا کے معنی ہیں تیسرا دن۔ اردو میں اسے "سوئم" کہتے ہیں۔

پھر اور ذرا دور کے لوگ دسویں دن، پھر اور ذرا دور کے لوگ بیسویں دن اور چالیسویں دن اکٹھا ہو کر یکجائی غم مناتے۔ اس طرح یہ پرسے کی تقریبیں دنوں کے نام کی مناسبت سے چہلم تک چل پڑیں۔

مدتوں تک یہ سب ہوتے ہوتے رسمیں بن گئیں۔ اب اگر کوئی رسم نہ کرتا تو اس پر گرفت ہوتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ دھرم میں بادھا ڈالتا ہے۔ اس میں پنڈتوں کا زیادہ ہاتھ رہا کیونکہ ہندو معاشرے میں پیدائش سے لے کر مرتے دم تک جتنی دنیاوی اور دھارمک رسمیں ہوتی ہیں وہ بغیر پنڈت کے انجام نہیں پاتیں اور ان سے پنڈتوں کو بڑی آمدنی ہوتی ہے۔

اس تمہید کے بعد اب سنئے۔ ہندوستان میں مسلمان آئے۔ آنے والے مسلمانوں میں دو طرح کے لوگ الگ الگ مقصد لے کر آئے۔ ایک تو بادشاہ، ان کا مقصد حکمرانی کے سوا کچھ نہ تھا۔ دوسرے مبلغین اسلام حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح اور ان کے مریدین اور انہی طرح کے دوسرے اسلام پھیلانے والے حضرات آپ ان تمام خانوادوں کے صوفیوں کے حالات پڑھ جائیے۔ پنجاب، دہلی، عظیم آباد، احمد آباد، بنگال، دکن۔ سارے ہی مقامات کے حضرات نے زیادہ تر کام پسماندہ اقوام میں کام کیا۔ ان سب نے مسلمان حکمرانوں سے بے نیاز ہو کر کام کیا۔ ہندوستان کی پسماندہ اقوام یعنی اچھوتوں کی حالت جانوروں سے بدتر تھی۔ یہ بے چارے انسانیت کو ترس گئے تھے۔ بلکہ مایوس ہو چکے تھے اور انھوں نے اچھوت ہونا تسلیم کر لیا تھا

سارے کے سارے مساوات اسلام اور صوفیوں کے کردار سے بہت زیادہ متاثر ہوئے اسلام کو سمجھ کر صاحب علم لوگ تو اکا دکا ہی مسلمان ہوئے۔ اچھوت لوگ ہی زیادہ تر متاثر اور مسلمان ہوئے۔ صرف ایک مثال سے سمجھئے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح تشریف لائے تو آنجناب نے اجمیر شہر سے ذرا ہٹ کر اپنا مسکن ایک درخت کے نیچے بنایا۔ اس راہ سے گذرنے والوں کی خدمت کرتے اسلامی کردار و اخلاق کے ساتھ ہر چھوٹے بڑے سے پیش آتے۔ اس زمانے میں مسافر کی نظر میں پانی کی بڑی اہمیت تھی۔ خواجہ صاحب صاف ستھرے برتن میں سب کو پانی پلاتے۔ اچھوت جھجکتے تو فرماتے "بھائی پیو، اسی برتن میں پیو۔ تم بھی تو اللہ کے بندے ہو۔" اس کردار نے اثر کرنا شروع کر دیا اور اچھوت مسلمان ہونے لگے۔

بہت سے لوگ مسلمان ہو کر گھر جاتے، بہت سے وہیں رہ جاتے اور تربیت حاصل کرتے یہ خبر پنڈتوں نے اجمیر کے راجہ پرتھوی راج کو خطرے کی گھنٹی کے طور پر سنائی اس نے روک ٹوک کی۔ خواجہ صاحب پر اس کی روک ٹوک کا اثر نہیں ہوا۔ تو اس نے اپنے چھوٹے بھائی کھانڈے راؤ کو بھیجا کہ خواجہ صاحب اور ان کے ساتھیوں کو منتشر کر دے۔ کھانڈے راؤ آیا تو وہ یہیں کا ہو کر رہ گیا۔ یہ پہلا ذی شعور انسان تھا جس نے اسلام کے بارے میں بات کی اور مسلمان ہو گیا۔

یہی طریقہ ہندوستان کے تمام خانوادوں کا رہا۔ تمام صوفیوں نے عوام ہی میں عوام کی زبان میں "وحدت آدم" کے اصول پر زیادہ زور دیا۔ وحدت الٰہ کی آواز اس سے بہت مدھم رہی یہی وجہ ہے کہ ہر جگہ اسلام قبول کرنے والوں کی فہرست میں عوام ہی عوام نظر آتے ہیں۔ بیشک آپ "جے پال" جیسے ودّ وانوں کا نام لے سکتے ہیں۔ لیکن ایسے صاحبان خال خال ہیں جنھوں نے اسلام سمجھ کر قبول کیا یہ جو مشہور ہے کہ جے پال اور سید سالار غازی رح کے درمیان

کرشتوں کا مقابلہ ہوا تھا یہ غلط ہے۔ سید سالار ایک سپاہی آدمی تھے۔ وہ صوفیوں میں سے نہیں تھے۔ ایک مسلمان سپاہی اور صاحب کردار فوجی تھے۔ انھوں نے کوئی کرامت نہیں دکھائی ان کی کرامت تھی "گلے میں قران اور ہاتھ میں تلوار" سید سالار کی تلوار نے باطل کی کھیتی کو کاٹا اور حق کی کھیتی کو بچایا۔ جے پال اس کرامت سے متاثر ہوا تھا۔ ہم نے تاریخ چھان ماری ہمیں کھانڈے راؤ اور جے پال جیسے لوگ اکا دکا ہی نظر آئے۔ باقی سارے کے سارے پست اقوام کے تھے۔

ایک بات اور ذہن میں رکھئے۔ پرانے زمانے میں قبیلے قبیلے کے سردار ہوا کرتے تھے یہ سردار قبیلوں کے قبلہ اور رہنما تھے۔ جدھر یہ قبلہ پھر جاتے اسی طرف قبیلے کے لوگ پھر جاتے قبیلوں کے یہ سردار صاحبانِ علم نہیں ہوتے تھے۔ صاحبانِ اقتدار ہوتے تھے۔ ان سرداروں نے مسلمان صوفیوں کی "مساوات اسلام" کو بہت پسند کیا۔ یہ قبلہ لوگ مسلمان ہوئے تو ان کے ساتھ ان کے قبیلے بے سوچے سمجھے مسلمان ہو گئے۔

ہمارے بزرگوں نے یہ کیفیت دیکھی تو انھوں نے محنت و مشقت کر کے ان قبائل اور پست اقوام میں خوب کام کیا۔ جوش تبلیغ میں "یدخلون فی دین اللہ افواجاً" کا منظر پیش کر دیا لیکن بے چارے ان سب کی تربیت نہ کر سکے شعوری اسلام نہ پلا سکے تبلیغ اسلام میں ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں سے نہ مدد لی اور نہ ان حکمرانوں نے مدد دی نتیجہ یہ ہوا کہ نومسلموں کے لئے کہیں کوئی مدرستہ العلوم قائم نہ ہو سکا کہیں کہیں قران یاد کرانے کے مکتب قائم ہو گئے۔ جو زیادہ تر خانقاہوں اور گھروں میں ہوتے تھے۔

یہ بہت سے لوگ جو مسلمان ہوئے اپنے ساتھ اپنے اپنے سماج کے رسم و رواج بھی لائے۔ یہ تیجا، یہ دسواں اور یہ چہلم انہی رسموں میں سے ہیں۔ ان موقوں پر ایک مشکل یہ پیش آئی کہ جو لوگ پڑے سے کے آتے تھے انھیں کیسے ڈیل کیا جائے۔ ہمارے بزرگوں

نے انہی رسموں کو ذرا سی اسلامی شکل یہ دے دی کہ جو لوگ تیجا وغیرہ میں آئیں وہ بیٹھے بیٹھے کلمہ پڑھیں اور جسے قران یاد ہو وہ قران پڑھے یا درود شریف۔

یہی چیز مسلم معاشرے میں در آئی اور آگے چل کر میت کے موقع پر ہمارے یہاں سوئم اور چہلم ہونے لگا۔ جب کہ اسلام میں میت کا سوگ تین دن سے زیادہ منانا منع ہے اور بیوہ عورت کے لئے شوہر کا سوگ اس کی عدت کی مدت تک ہے۔

کاش ہمارے جن بزرگوں نے اس تیزی سے اسلام پھیلایا۔ مسلمان حکمران ان کی کو علماء فراہم کر دیتے تو یہ بدعت مسلم معاشرے میں نہ پھیلتی۔

میرے عزیز! یہ ہے مسلم معاشرے میں تیجا اور چہلم کی حقیقت۔ ضرورت ہے آپ میرے اس خط کو زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو سنا دیں۔ اللہ آپ کو توفیق دے آمین

حجاب کی قیمت ۵ روپے

روز بروز بڑھتی ہوئی کاغذ کی گرانی اور دیگر سامانِ طباعت کی بڑھتی ہوئی قیمتوں نے بہت پہلے ہمیں رسالے کی قیمت میں اضافہ کرنے پر مجبور کر دیا تھا لیکن ہم کسی نہ کسی طرح کام چلا رہے تھے۔ یکم جون ۱۹۸۲ء سے پوسٹ آفس نے رسائل اور اخبارات کی ڈاک شرح میں تین گنا اضافہ کر دیا ہے جس کے بعد ہمارے لئے موجودہ قیمت قائم رکھنا ناممکن ہو گیا۔ لہٰذا "حجاب" کی قیمت میں پچاس پیسے کا اضافہ کیا جا رہا ہے چنانچہ جنوری ۱۹۸۳ء سے ایک شمارے کی قیمت ۴ روپیہ ہوگی اور سالانہ زرِ تعاون ۴۵ روپیہ۔ وی پی سے سالانہ چندہ پچاس روپیہ ہوگا۔ **نوٹ**:۔ سالانہ خریداروں کو مطبوعات مکتبہ حجاب میں سے ۲۵ روپیہ کی کتابیں بطور اعزاز پیش کی جائیں گی۔ سالانہ خریدار بننے والوں سے درخواست ہے کہ وہ زرِ تعاون بھیجتے وقت اپنی پسند کی کتابیں ضرور لکھ کر بھیجیں ورنہ ہم اپنی صوابدید پر ۲۵ روپیہ کی کتابیں بھیج دیں گے۔ **مینجر حجاب**

الجھنوں کے گرفتار۔

اُس نے کہا

میری سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ تمام انبیاء کرام بشمول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جبکہ معصوم اور ان تمام حضرات نے اللہ کی مرضی کے مطابق نیکی ہی کے کام کئے تو پھر حدیثوں میں اس طرح آیا ہے کہ کوئی شخص اللہ کے رحم وکرم کے بغیر جنت میں نہیں جائیگا۔ صحابہؓ نے پوچھا "یا رسول اللہ آپ بھی؟ فرمایا "ہاں"

میری الجھن یہ تھی کہ جب انبیاءؑ نے گناہ کئے ہی نہیں تو انصاف یہ ہے کہ ان کو جنت رحم وکرم کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے علماء صاحبان سے پوچھا۔ وہ مجھے مطمئن نہ کرسکے لیکن ا واقعہ سے خود بخود یہ الجھن دور ہوگئی۔

واقعہ یوں ہے کہ مجھے سیل ٹیکس آفس میں طلب کیا گیا۔ میں حساب کتاب لے کر گیا۔ ٹیکس آفیسر کو دکھایا۔ اس نے جو کچھ پوچھا اس کا ٹھیک ٹھیک جواب دیا گیا۔ حساب چیک کرا دکھائیں۔ کہیں کوئی گرفت نہیں ہوئی۔ سیل ٹیکس آفیسر کو مطمئن کر کے گھر چلا آیا۔ کچھ دنوں ب نوٹس ملا کہ 30% سیل ٹیکس لگادیا گیا۔ میری حیرانی کی انتہا نہ رہی۔ جب حساب بالکل ٹھیک کہ خامی نہیں۔ آمد و خرچ سب رسیدات کے مطابق تو پھر یہ 30% کا سیل ٹیکس کیوں؟ میں نے ا ایک رفیق سے ماجرا کہا۔ رفیق نے جواب دیا "بھائی سارا معاملہ حاکم کے رحم وکرم پر ہے تم چاہیئے تھا کہ حساب چوکس ہونے کے ساتھ ساتھ حاکم کو راضی بھی کرتے۔

یہ سنکر اچانک مجھے اپنی الجھن کا حل مل گیا۔ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ اللہ جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے

... کامیاب وہی ہے جس سے اللہ را

سید حسن اختر جسپوری

الجھنوں کے گرفتار ہیں

ارتقاء کی بلندی پہ رکھ کر قدم   دیدہ ور الجھنوں کے گرفتار ہیں
اِس خصوصی اشاعت کو پڑھ لیجئے   کیوں بشر الجھنوں کے گرفتار ہیں

چاند کی اُجلی اُجلی چمکتی زمیں   ابنِ آدم کے قدموں تلے آچکی
ایک پرواز اک آسماں کا سفر   ہم مگر الجھنوں کے گرفتار ہیں

زندگی، ایک صحرا سلگتا ہوا   آدمی، اک مسافر بھٹکتا ہوا
راہرو روزِ اوّل سے بہکے ہوئے   راہبر الجھنوں کے گرفتار ہیں

بھوک کا مسئلہ، زیست کا مشغلہ   عہدِ حاضر میں پہلے سے بدتر ہوئے
بے ہنر لوگ تو بے ہنر ہیں میاں،   باہنر الجھنوں کے گرفتار ہیں

زرد پیڑوں کا موسم ہرا ہو چکا   نرم شاخیں گلوں سے مہکنے لگیں
وہم کا سرخ موسم بدلتا نہیں   کم نظر الجھنوں کے گرفتار ہیں

آپ کی کاوشوں کی کلی کھل گئی   آج مائل ہمیں روشنی مل گئی
ایک ہم ہی نہیں ہیں پریشاں یہاں   گھر کے گھر الجھنوں کے گرفتار ہیں

اُف، نومبر دسمبر بہت دور ہیں   اپنے ہاتھوں میں کس دن حجاب آئیگا
الجھنوں کے گرفتار نمبر کے سب   منتظر الجھنوں کے گرفتار ہیں

نام لے کر خدا کا جو کی ابتداء   ایک اِک کام اختر کا بنتا گیا
غیر اللہ کے محتاج بندے مگر   کس قدر الجھنوں کے گرفتار ہیں

باب دوم

قصّے اور کہانیاں

قسط ۳

آج کا حاتم

اب تک کہانی کا خلاصہ

آج کا حاتم بچپن ہی سے حاتم تھا۔ جب وہ مدرسے میں پڑھتا تھا تو اپنے ساتھیوں کی مدد کرتا رہتا تھا۔ انھیں سبق یاد کرا دیتا۔ اپنے پاس سے غریبوں کی فیس ادا کر دیا کرتا خود بھوکا رہ کر دوسرے بچوں کو کھانا کھلا دیا کرتا۔

پھر کالج میں داخلہ لیا تو پرنسپل صاحب کے لڑکے سے اس کا تعلیمی مقابلہ رہا۔ پرنسپل صاحب کا لڑکا حاتم سے حسد کرنے لگا۔ ٹھیک امتحان سے ایک دن پہلے اس نے حاتم کو دریا میں ڈھکیل دیا لیکن حاتم زندہ بچ نکلا۔ حاتم نے کسی سے نہیں کہا کہ پرنسپل صاحب کے لڑکے وشوناتھ نے اسے دریا میں ڈھکیل دیا۔ امتحان کے دنوں میں حاتم ایک ہفتہ اسپتال میں رہا۔ وہ امتحان کے کسی پیپر نہ کر سکا۔ فیل ہو گیا۔ وشوناتھ اول آیا۔ تقسیم انعام کے دن وشوناتھ کا ضمیر جاگا اس نے اپنا جرم ظاہر کر دیا تو سید صادق حسین صاحب ایم۔ ایل۔ سی نے خوش ہو کر حاتم کو اپنا بیٹا بنا لیا اور اسے اپنے خرچ سے اعلیٰ تعلیم کے لئے علی گڑھ بھیج دیا۔

علیگڑھ یونیورسٹی میں ایک کرسچین لڑکی ایرنا کے ساتھ حاتم نے بڑا ایثار کیا۔ ایرنا کو ایک سکھ نوجوان سے محبت ہو گئی تھی۔ سکھ نوجوان نے شرط رکھی کہ اگر ایم۔ اے۔ کے امتحان میں اول آگئے تو شادی کروں گا ورنہ نہیں۔ ایرنا حاتم سے مرعوب تھی۔ اس نے حاتم سے سارا حال کہا۔ حاتم نے امتحان نہیں دیا تو کرسچین لڑکی نے ٹاپ کیا اور اس کی شادی سکھ نوجوان سی آئی ڈی انسپکٹر سے ہو گئی۔ حاتم یونیورسٹی سے چلا تو چماروں کے گاؤں چمرودھا پہنچا۔ وہاں کے لوگ حاتم کے اسلامی کردار سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ یہ سارا حال لکھ کر اس نے سید صادق حسین صاحب کے پاس بھیج دیا تاکہ بعد آگے پڑھے

حاتم کا خط

"الحمد للہ"۔ عاصم صاحب نے سید صادق حسین صاحب کو خط واپس کرتے ہوئے کہا۔
"آپ کی زبان سے الحمد للہ سن کر میں یہ سمجھوں کہ حاتم کا چمرودھا میں گنواروں کی طرح رہنا آپ کو پسند ہے؟"
"گنوار کا مطلب یہ ہے کہ حاتم جاہلوں کی طرح زندگی گزارے، نہ اللہ کو پہچانے نہ اللہ کے رسول کو اور نہ حلال حرام میں فرق کرے تو میں اس پر لعنت بھیجوں گا لیکن وہ تو وہاں اسلام پھیلا رہا ہے۔ اس کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک تین گاؤں کے لوگ مسلمان ہو چکے ہیں۔ اس پر ہر مسلمان کو خوش ہونا چاہئے۔"
"لیکن یہ خوشی اسی وقت تک ہے جب تک پریس میں خبر نہیں آتی۔"
"یعنی یہ خبر پا کر ہندو پریس شورش برپا کر دے گا۔"
"بیشک۔ آجکل کوئی عیسائی ہو جائے، بودھ ہو جائے تو کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگے گی لیکن قبولِ اسلام سے سینے پر سانپ لوٹ جاتا ہے۔ پھر جو کچھ ہوتا ہے آپ کے سامنے ہے۔"
"اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمان اصلاح و تبلیغ کا کام ترک کر دیں۔"
"میرا مطلب یہ ہے کہ حاتم جو وہاں دھرنا دے کر بیٹھ گیا ہے یہ مصلحت کے خلاف ہے۔ اب اسے وہاں سے چلا آنا چاہئے۔"
"پھر وہاں کے نو مسلموں کو یہ کون بتائے گا کہ اسلام کی تعلیم کیا ہے۔"
"یہ کام علمائے کرام کا ہے۔"
"معاف کیجئے گا، علمائے کرام وہاں جا کر اسلام کی تعلیم دیں گے یا دیوبندی و بریلوی اور مختلف مکتبہ فکر کے علماء وہاں جا کر ایک دوسرے کو کافر بنائیں گے۔"
"آپ کیا یہ سمجھتے ہیں کہ جھکے جھکے اونٹ کی چوری چھپ جائے گی۔ مانا کہ حاتم نے مصلحت سے کام لیا قبولِ اسلام کی خبر پریس میں نہیں دی لیکن کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہو کر۔"
"یہ تو ٹھیک ہے آپ کا خیال لیکن میں چاہتا ہوں کہ حاتم کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

بھائی عاصم صاحب! میری خواہش تو یہ ہے کہ آخرت سے پہلے یہ دنیا حاتم کے لئے جنت بن جائے مگر دیکھئے
، جہنم بنا دیں گے۔ ساتھ ہی مسلمانوں کو فرقہ پرست کہیں گے۔ عرب ممالک کو بدنام کریں گے کہ وہاں سے لاکھوں
ملام کے لئے آتے ہیں۔"

لیکن ان کا جھوٹ خود سرکار کھول کر رکھ دیتی ہے۔"

سوال سرکار کا نہیں، عوام کا ہے، وہ تو بہک جاتے ہیں۔ میں چاہتا تھا کہ حاتم تحصیل علم سے فارغ ہو کر امریکہ
ب جا کر پٹرول کے سمندروں میں نہاتا۔ آپ دیکھتے نہیں حمّاد کو۔ عرب چلا گیا۔ دیکھتے نہیں جواد کو۔ کویت میں
ہزار ریال تنخواہ ہے۔ کیا سمجھے؟ ساڑھے باون ہزار سکّہ رائج الوقت۔ حاتم تو ان سب سے زیادہ ذہین اور فعّال ہے۔"

سید صاحب! آپ جانتے ہیں کہ میں اس طرح نہیں سوچتا۔ میرے خیال میں ذہین اشخاص کا ملک سے باہر چلے جانا
نصان ہے۔ آپ حاتم سے محبت کرتے ہیں اس لئے اُسے دولت و شہرت سے کھیلتے دیکھنا چاہتے ہیں۔"

بیشک۔ میں نے اسی دن سوچ لیا تھا جب حاتم کو بیٹا کہا تھا۔"

لیکن آپ اُس نقصان کو کیوں نہیں دیکھتے جو ذہین طبقے کے باہر نکل جانے سے ہماری ملّت کو ہو رہا ہے؟ میں
فض کروں تبلیغی جماعت اور جماعتِ اسلامی کس قدر فعال جماعتیں ہیں۔ اِن کے چمکنے والے ستارے
رب اور کویت وغیرہ میں جگمگا رہے ہیں۔ اِن دونوں آسمانوں کے اور بہت سے تارے وہیں ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے ہے
سامنے ہے۔ دونوں جماعتیں اندر اندر کھوکھلی ہوتی جا رہی ہیں۔ کچھ بوڑھے چراغ سحری کی طرح ٹمٹما رہے ہیں۔"

مگر عاصم صاحب! دولت اور شہرت کے بغیر کام بھی تو نہیں بنتا۔"

ولیکن دولت اور شہرت سے آپ دین، ایمان، سکون اور اطمینان نہیں خرید سکتے۔"

"پیٹ اگر خالی ہو تو پھر کیا کام ہوگا دین کا ؎ فاقہ کش سے نام بھی بدنام ہوگا دین کا"

"اگر آپ شعر ہی پسند کرتے ہیں تو سنئے،

دولت کا یہ پانی بہت اچھا مگر اس سے ؎ اُتنی ہی بڑھے پیاس کوئی جتنا پئے ہے
یہ آدمی کی ہوس، اس کا منھ خدا کی پناہ ؎ سوائے خاکِ لحد کوئی اس کو بھر نہ سکا

اور سید صاحب! ایک شعر اور سنئے۔ پھر میں آپ کے جاننے پہچاننے نام اور دولت مندوں کے نام پیش کروں گا، اُن کی زندگی دو بھر کر دی ہے۔ شعر یوں ہے: ؎

وہ اطمینان سے محروم ہو جاتا ہے دنیا میں ❊ کسی انسان پر دولت کی جب بھرمار ہوتی ہے

مثالیں سنئے:

وہ آپ کا گوکل چند سیٹھ ہے۔ اُس کی تجوری جتنی ہی بھرتی جاتی ہے، سیٹھ کا پیٹ بھی بڑھتا جاتا ہے۔ بیچارہ ہو گیا ہے غریب کو۔ جان سے عاری ہے۔

وہ آپ کا ڈاکٹر ٹنڈن ہے۔ چوبیس گھنٹے دھن کی دھن میں پاگل ہو رہا ہے۔ نہ کھانے کا ہوش نہ پہننے کا ٹھیا آج کل اُس کی چاندی ہی چاندی ہے لیکن 'سونا' اُسے نصیب نہیں۔ حاصل یہ کہ ایک پھلکا اُسے ہضم نہیں ہوتا، ڈاکٹر ہو کر پھلوں سے ترستا ہے۔ دودھ، دہی، گھی اُس کے لئے حرام۔ چائے بھی پیتا ہے تو شکرین کی۔ انڈا، گوشت کھٹا سب اُس کے لئے ناجائز۔

اپنے رشتہ دار لنگڑے سید کو دیکھئے۔ ایک دن مجھ سے کہنے لگے بھئی عاصم! ایک لاکھ لے لو، ایک ٹانگ دیدو۔ میں تو یہ یقین کر چکا ہوں کہ جب اللہ دولت دینا چاہتا ہے تو اُس سے پہلے انسان کی کوئی قیمتی شے لے لیتا قاضی صاحب کی ایک آنکھ گئی تو اُن پر دھن برسنا شروع ہوا۔۔۔ اور یہ نیا حادثہ سنا آپ نے؟"

"کیا؟"

"میرے برادر نسبتی ہاشم صاحب ہیں نا۔۔۔!"

"ہاں۔ تو کیا ہوا اُن کو؟"

"جب سے اُن کو دولت ملی ہے تو اس شعر کے مصداق ہو رہے ہیں: ؎

زن نو کن اے دوست در نوبہار ❊ کہ تقویم پارینہ نہ آید بکار

عید کے دن میں اُن سے ملنے گیا تو دیکھا کہ صوفے پر پڑے رو رہے ہیں۔"

"ارے بھئی کیا ہوا؟" فرمایا "یہ جو نئی بیوی میں نے کی ہے تو بڑی بیگم آج اپنے بچوں کو لیکر میکے چلی

میرے گھر میں عید کے دن محرم ہیں۔ لڑکے ہیں وہ چاقو لئے اپنی نئی اماں کی تلاش میں ہیں۔"

"پھر بھی ہر شخص کی فطرت دولت چاہتی ہے۔"

"میرے خیال میں قناعت سب سے بڑی دولت ہے۔ حاتم کو جبرودھا میں سکون ملے گا جو دولت سے نہیں خریدا جا

سکتا ... اچھا! خدا حافظ۔ مجھے ایک کام یاد آگیا۔ میں چلا۔"

عاصم صاحب "السلام علیکم" کہہ کر چلے گئے۔ سید صادق حسین دیر تک یونہی بیٹھے رہے۔ پھر آپ ہی آپ بولے

"بامرداں جاں دارد۔ میں نے حاتم کو بیٹا کہا ہے تو اپنے قول کو نبھاؤں گا" اس کے بعد اٹھے۔ لکھنے کی میز پر پہنچے۔ دراز

سے چیک بک نکالی۔ دس ہزار کا چیک کاٹ کر حاتم کے پتے پر جبرودھا بھیج دیا۔ چیک کے ساتھ خط انھوں نے نہیں لکھا شاید

ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا لکھنا چاہئے۔

کہانی

"حاتم بھیا نے آج بڑا اچھا بھاشن دیا۔"

"مول بات تو یہ کہی کہ گیان کے بنا دھیان کیسا؟"

"ٹھیک ہی کہا حاتم بھیا نے۔ جب ہم یہی نہ جانیں کہ اسلام کیا ہے اور کیا نہیں ہے تو ہمارے مسلمان ہونے سے فائدہ؟"

"کل ہی کی بات ہے، ہم نے نماز میں حاتم بھیا کی نقل کرلی پر یہ نہ جانا کہ نماز میں کیا پڑھا جاتا ہے۔"

"حاتم بھیا نے یہ تو بتایا کہ نماز میں ہم اللہ سے باتیں کرتے ہیں۔ تو ہمیں گیان ملنا چاہئے کہ یہ باتیں کیا ہونی چاہئیں۔"

اس طرح کی باتیں ہونے لگیں تو آپ سے آپ اسکول بننے کی بات آگئی۔ اسکول کی بات آئی تو مکھیا نے کہا کہ اس وقت

بڑی چوپال میں کام چل جائیگا۔ دن میں اسکول لگے۔ بچے اور بچیاں پڑھیں۔ رات میں ہم بڑے اکٹھا ہوں اور حاتم بھیا اسلامی باتیں بتائیں۔"

"دھنیہ ہو مکھیا! بس کل سے لگنے لگے اسکول۔"

"کل سے نہیں، آج سے!" حاتم بول اٹھا۔

"آج سے! حاتم بھیا! ہمارے پاس اسکول کا سامان کہاں ہے؟ آج سے اسکول کیسے لگے گا؟"

"میں زبانی پڑھاؤں گا!"

"زبانی کیسے؟"

"آج میں ایک کہانی سناؤں گا۔ کہانی سن کر آپ اسلام کی بنیادی باتیں سمجھ جائیں گے۔"

کہانیوں میں اللہ تعالیٰ نے ایسی بات رکھی ہے کہ بچے، جوان، بوڑھے، عورتیں، مرد سبھی بڑے شوق سے سنتے ہیں گاؤں بھر میں مشہور ہوگیا کہ آج حاتم بھیا ایک بڑی مزیدار سچی کہانی سنائیں گے۔ سب مغرب کے بعد ہی سے اکٹھا ہونے لگے۔ کہانی سننے کے لئے بچے سب سے زیادہ بیتاب تھے۔ عشاء کی نماز کے بعد حاتم نے اس طرح کہانی شروع کی:

"چودہ سو سال پہلے کی بات ہے۔۔۔"

"یوں کہو لگ بھگ ڈیڑھ ہزار برس ہوگئے۔"

"ہاں چودھری صاحب! لگ بھگ ڈیڑھ ہزار برس ہوئے۔ ڈیڑھ ہزار برس پہلے کی بات ہے۔۔۔"

"تو حاتم بھیا! اُس سمے یہ ریل، یہ تار، یہ بجلی، یہ راکٹ، یہ سڑکیں، ہوائی جہاز، پل، موٹر، اسکول، کالج اور یہ جو ہم کھیتی باڑی کا سامان اور طرح طرح کی چیزیں دیکھتے ہیں یہ کچھ نہ ہوگا!"

"ہاں جو کھے بھیا! اِن میں سے بہت سی چیزیں تو کلو کاکا، چودھری صاحب اور مکھیا چاچا کے بچپنے کی ہونگی۔"

"بچپنے کی۔۔۔!" مکھیا کہنے لگے "بچپنے کی ایک ہی کہی۔ برہما پور کا اسٹیشن تو جب میں جوان تھا تب بنا۔ چودھرا کے ساتھ میں نے سوچا، چلیں دلی ہو آئیں تو برہما پور کے برہمنوں اور ٹھاکروں نے ڈبے میں بیٹھنے ہی نہیں دیا۔ ٹکٹ ہماری جیب میں دھرا کا دھرا رہ گیا۔"

"تو مکھیا چاچا! اور پہلے کی سوچیے۔"

"اور پہلے کی۔ کلو کاکا کے کاکا کہتے تھے کہ کنش پور کے پاس جنگل ہی جنگل تھا۔ اُسے کاٹ کر ہم سب آ بسے اور ہم گاؤں میں رہتے ہیں۔ جنگل صاف کر کے کھیت بنا لیے۔"

"تو بھائی! اور پہلے کی سوچیے۔ سُنا بھی ہے اور سمجھ میں بھی آتا ہے۔ ہر طرف جنگل ہی جنگل تھا جہاں جنگل نہیں تھا، لمبے چوڑے میدان تھے۔ دور دور بہت دور دور گاؤں تھے۔ وہ گاؤں بھی کیسے، جن میں کوئی ایک ہی خاندان رہتا تھا

"بالکل بالکل اسی طرح۔ جیسے وہ گھرولی ہے نا۔ میرے چچا جی بشواپور سے نکالے گئے تو یہاں ڈیرہ ڈالا۔ ہم سب کمہار ہیں۔ پر وہ کا نام گھرولی پڑ گیا۔"

"ہاں تو ڈیڑھ ہزار برس پہلے کی بات ہے۔ جب نہ دنیا میں اخبار تھے، نہ چھاپے خانے، نہ اتنی کتابیں۔ اتنی کیا یوں سمجھو کہ تھیں ہی نہیں۔ چھالوں اور پتوں اور رکھالوں پر لوگ ہاتھ سے لکھا کرتے تھے۔"

"ٹھیک کہا بھیّا۔ یہ ہوا ہے نا۔ کل اس کا نام تم نے حسین رکھا ہے، ایک دن اِتہاس یاد کر رہا تھا اس میں یہی پاٹھ وہ یاد کر رہا تھا۔"

"جی ہاں چودھری صاحب! لگ بھگ ڈیڑھ ہزار برس پہلے جب یہ حال تھا تو ایک کو دوسرے کی خبر کا ہونا بڑا کٹھن تھا۔ لوگ قافلے بنا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے۔ راستے میں ڈاکے پڑتے۔ قافلے جنگلوں میں سے گزرتے۔ کیڑے مکوڑوں اور درندوں کا سامنا ہوتا۔ آگے بڑھتے۔ پہاڑ اُن کو روکتے۔ بڑے بڑے دریا پار کرنا پڑتے۔ سمندروں میں ناؤ سے کام لیتے۔ یہ آج کل کی طرح بڑے بڑے سمندری جہاز اُس وقت نہ تھے۔ جس طرح آج اندرا ہہارانی ہوائی جہاز سے پھر سے اُڑیں اور نہ جانے کہاں کہاں ہو کر آ گئیں۔ نہ گئیں تو ٹیلیفون سے کہہ دیا۔ بے تار کا تار بھی تو چلا ہے۔ وائرلیس۔ اُس سے کام نکال لیا۔ دیس دیس آج جو سمبندھ اور لگاؤ ہے وہ اُس وقت نہیں تھا۔ آج تو گھر بیٹھے ہم ٹیلی ویژن میں جانے کہاں کہاں کے لوگ دیکھتے ہیں، اُن کی باتیں سنتے ہیں، اُس زمانے میں اِس طرح کی باتیں کرنے کے لئے ہزاروں کلومیٹر چلنا ہوتا تھا اور برسوں بعد واپسی ہوتی تھی۔ آپ مجھے بتائیں۔ یہ باتیں میں غلط تو نہیں کہتا۔"

"بالکل ٹھیک کہتے ہو حاتم بھیّا۔"

اچانک کملی جو کل سے کاملہ بی بنیں، آئیں اور فرمانے لگیں: "بھیّا! یہ کہانی کب ہے۔ یوں کہو: ایک تھا راجہ، تاتھا کھاجا، بجاتا تھا باجا۔ اس کے تین بیٹے تھے . . ."

سب لوگ ہنسنے لگے۔ بابا نے ہنس کر ڈانٹا "بیٹھ جا کر۔ کہانی اب کہیں گے۔ ابھی تو بات سمجھائی ہے۔"

کاملہ بی ڈانٹ سُن کر بھاگیں "جنے بھیّا کہانی کب کہیں گے؟"

"اچھا سنئے۔ دنیا کا یہ حال تھا۔ اُس زمانے میں عرب دیس کا حال سارے سنسار سے بُرا تھا۔ عرب تین طرف

سمندروں سے گھرا ہوا ہے، ایک طرف پہاڑوں سے۔ پھر بیچ عرب میں ریگستان ہی ریگستان ہے۔ کوسوں دور تک ریت ریت۔ وہاں گرمی ایسی کہ صبح دو گھنٹے بعد کوئی باہر نکل نہیں سکتا۔ وہاں کے لوگ دنیا بھر کے لوگوں سے کٹے ہوئے، ریگستان میں کہیں کہیں نخلستان تھے جہاں کچھ کھجوروں کے جھنڈ تھے۔ وہیں خیموں اور ڈیروں میں رہتے تھے۔ نخلستانوں میں پانی ختم ہوجاتا تو دوسری جگہ چلے جاتے۔ عرب کے آس پاس ایران، روم، شام اور ہندوستان میں تو کچھ تہذیب اور سبھیتا تھی عرب پورے وحشی ہی تھے۔ وہاں کوئی راج بھی نہ تھا کہ راجہ لوگوں کو داب میں رکھتا۔ ہر خاندان کا دادا اپنی جگہ راجہ تھا۔ دوسرے خاندان والوں کی جان لے لینا ایسا جیسے چیونٹی ماردی۔ جس کا جس پر بس چلتا اُسے مار ڈالتا اور اُس کے مال کو ہتھیا لیتا۔ وہ لوگ پڑھے لکھے بھی نہ تھے۔ اُنھیں کوئی یہ بھی بتانے والا نہ تھا کہ وہ دنیا میں کیوں پیدا کئے گئے۔ کیا اچھا ہے کیا بُرا۔ اُن جو جی چاہا کرتے۔ نہ کسی سے دبتے نہ ڈرتے۔ شراب پیتے۔ جوا کھیلتے۔ لوٹ مار کرتے۔ شرم اور لحاظ بھی اُن میں نہ تھی۔ ایک دوسرے کے سامنے ننگے ہوجانا اُن کے لئے کوئی بات ہی نہیں تھی۔ عورتوں اور لڑکیوں کو وہ بُری نظر سے دیکھتے۔ اُن کو منحوس سمجھتے بہت سے لوگ تو ایسے تھے کہ اُن کے گھر لڑکی پیدا ہوتی تو اُسے مار ڈالتے اور اُس کی ماں کو گھر سے نکال دیتے۔ وہ کسی کے خسر بننا اپنی ذلت سمجھتے تھے۔ باپ کے مرنے کے بعد سوتیلی ماؤں سے شادی کر لیتے تھے۔

"چھی چھی! حاتم بھیا! بڑے بُرے لوگ تھے۔"

"جی۔ اور کیا لکھیا چاچا! جو خاندان جہاں پر رہتا بستا، راتوں کو جاگتا۔ ڈر تھا کہ کبھی دوسرے خاندان والے چھاپہ ماریں اور لوٹ لیں۔ یہ اُن کا پیشہ تھا۔ بہت کم لوگ ایسے تھے جو تجارت کرتے تھے۔ وہ بھی کیسے؟ اپنے یہاں کی کھجوریں لادیں سو پچاس آدمی چلے۔ اُونٹوں پر۔ وہاں اُونٹ ہی ریگستان کا جہاز تھا۔ سب نے تیر کمان اور تلواریں لیں۔ راستے میں ڈاکوؤں کا خطرہ رہتا تھا نا!"

"تو بھیا! یہ بھی ہوگا کہ وہ لوگ ہوتے بہادر ہوں گے۔ تیر کمان اور تلوار چلانا اچھی طرح جانتے ہوں گے۔"

"ہاں یہ بات تھی۔ یہ سب تو وہ بچپن ہی سے سیکھ لیتے تھے۔ جس گھر میں زیادہ لوگ ہوتے وہ بڑے گھمنڈ میں رہتے۔ لوگ بھی اُن سے دبتے تھے۔ اُن کا دباؤ رہتا۔"

"اور سُنو تو بھیا۔ اُن کا دین دھرم کیا تھا؟"

"کلو کا کا! اُن کا دین دھرم، جہاں کہیں خوبصورت سا پتھر دیکھا مندر میں لا دھرا۔ عرب دیس میں ایک شہر ہے۔ آپ نے اُس کا نام سُنا ہوگا ۔ مکّہ۔ جہاں مسلمان حج کرنے جاتے ہیں۔ وہاں ایک مندر بنا رکھا تھا۔ اُس کے اندر پتھر رکھ لئے۔ اِن پتھروں کو دیوتا سمجھ کر پوجتے تھے۔ مورتیاں گھڑ لیتے۔ ان مورتیوں کو خدا مانتے۔ اس مندر میں ۳۶۰ مورتیاں رکھی تھیں۔ وہ سب الگ الگ گھرانوں کی تھیں۔ سب اپنی اپنی مورتیوں کے آگے پوجا پاٹ کرتے تھے۔"

"مگر بھیّا! ایسی پرکار کا دین دھرم تو یہاں کے اونچی جاتی والوں کا بھی ہے؟"

"ہاں ہے تو۔ مگر سوچئے تو، یہ کوئی سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ ایک مورتی اپنے ہاتھ سے بنائی اور اسی کو پوجنے لگے۔ یہ مورتیاں نہ دیکھ سکتی ہیں، نہ سُن سکتی ہیں۔ وہ خود مجبور ہیں۔ بے بس ہیں۔ وہ تو اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتیں۔ دوسروں کی وہ کیا سُنیں گی؟ یہ سب عرب کے پنڈتوں کا ڈھونگ تھا۔ یہ بات تو سب لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ مندر اور مسجد تو خدا کا گھر ہوتا ہے لیکن مکّہ کے خدا کے گھر میں خدا کا نام کوئی نہ لیتا تھا۔ مورتیوں کی جے پکاری جاتی تھی۔ وہاں ایک بت سب سے بڑا تھا۔ اُس کا نام 'ہُبل' تھا۔ آپ سمجھیں مہا دیو۔ پجاری اور پروہت اِن بتوں کے نام پر چڑھاوے اور نذرانے سمیٹتے۔

ایک بات اَور بتاؤں۔ مکّے میں چار قسم کے لوگوں کا گٹھ جوڑ تھا۔ ایک تو یہ پنڈت اور پروہت تھے۔ دوسرے وہ لوگ جن کے گھرانوں میں زیادہ لوگ تھے۔ تیسرے وہ لوگ جو مالدار تھے، سود خور، بیاج لینے والے مہاجن اور چوتھے وہ لوگ جو بڑے لڑاکا تھے۔"

"حاتم بھیّا! ایسے لوگوں کا تو آج بھی گٹھ جوڑ ہے۔ ایسے ہی لوگ آج بھی دھاندلی کرتے ہیں۔ الیکشن ہوتے ہیں تو یہی چاروں پرکار کے لوگ آپس میں مل جاتے ہیں اَور دھن، دھونس اور دھاندلی سے الیکشن جیت لیتے ہیں۔"

"چودھری صاحب! تو اس کا نتیجہ ہم سب کو بھگتنا پڑتا ہے۔ جیسے بیج بوتے ہیں ویسا پھل کھاتے ہیں۔ ہمارے دیش کی جو درگت ہو رہی ہے وہ سب دیکھ ہی رہے ہیں۔ ہر چیز مہنگی ہوتی جا رہی ہے۔ اِنہی چاروں کے گھر میں شکر کے ڈھیر ہیں۔ ہم ترستے ہیں۔ سیمنٹ ان کو ملتی ہے۔ ہر چیز ان کی ہے۔ پرجا محتاج ہے۔ لوگوں کے اچھا اُچھا سب ختم ہو رہے ہیں۔"

"بھیّا جیسا دیس ویسا بھیس۔"

"بابا! بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔ اب یہ سوچئے ایسی حالت میں عرب میں جو بچہ پیدا ہوتا ہوگا وہ کیا سیکھتا ہوگا۔

وہ کیا بنتا ہوگا، کیا بن کر اُٹھتا ہوگا؟"

"حاتم بھیا! جہاں ایسے لوگ ہوں، جہاں وِدیا نام کی چیز نہ ہو، جہاں اسکول نہ ہوں وہاں اولاد بھی ویسی ہی ہوگی جیسے سب لوگ ہوں گے۔ مورکھ، جاہل کے لٹھ، شرابی، کبابی، لڑاکا، لیٹرے . . ."

"اب سنئے مکھیا چاچا، اور سُن رہی ہو عائشہ بی اور کاملہ بی (آرشی اور رگلی) اب کہانی میں مزہ آئے گا۔ ایسے دیس میں، ایسے نگر میں، ایسے لوگوں میں ایک مہان بچہ پیدا ہوتا ہے۔ ابھی وہ ماں کے پیٹ ہی میں تھا کہ باپ کی مرتیو ہو جاتی ہے۔"

"ہے ہے بے چارہ!"

"اور ذرا بڑا ہوتا ہے تو ماں اور دادا بھی پرلوک سدھار جاتے ہیں۔"

"ہے ہے دکھیارہ!"

"اس بچے کی نہ کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہ اچھی بات بتانے والا۔ اور ذرا بڑا ہوتا ہے تو گنوار لڑکوں کی سنگ بکریاں چرانے لگتا ہے۔"

"اور کیا کرتا۔ ہائے ہائے۔ پیٹ تو کہیں نہ کہیں سے بھرنا تھا۔"

"اس کا اُٹھنا، بیٹھنا، ملنا جلنا سب کچھ ان جاہل اور مورکھ عربوں کے ساتھ۔ نہ پڑھا لکھا نہ اُسے اچھے لوگوں کے ساتھ بیٹھنا نصیب ہوا۔"

"بھیا! اس بچے کا ذکر نہ کرو۔ کہانی آگے بڑھاؤ۔ بڑا دُکھ ہوتا ہے۔ ہم عربوں کو کیا دیکھیں۔ ہمارا بھی تو یہی حال ہے ہماری اولاد بھی اِسی لئے بگڑ گئی۔ وہ تو کہئے ایشور کو ہم پر دیا آگئی۔ اس نے تم کو بھیج دیا تو کچھ چمک دمک ہمارے دلوں میں پیدا ہوئی نہیں تو ہم سب دنیا سے الگ تھلگ ہی ہو گئے تھے۔"

"مگر مکھیا چاچا! آپ کو خوشی ہوگی سُن کر۔ اُس بچے کی اُٹھان، اُن لوگوں میں، اُن لوگوں جیسی نہ تھی۔"

"یہ کیا کہتے ہو حاتم بھیا۔ اَن ہونی بات . . ."

"انہونی بات تو دیکھی ہی لوگوں نے۔ دیکھئے، اُس نے کبھی کسی مورتی کے آگے سر نہیں جھکایا۔"

"ارے واہ۔ ایسا؟"

"ہاں۔ بالکل ایسا۔ اور سنو۔ اُس نے مورتیوں پر کے چڑھاوے کی ایک چیز بھی نہیں کھائی۔"

"اس بھولے بچے نے!"

"جی ہاں بابا۔"

"اچنبے کی بات ہے!"

"تعجب کی بات تو یہ ہے۔ اور سنئے۔ عرب لوگ راتوں میں شرابیں پیتے، رنگ رلیاں مناتے، گانا بجانا ہوتا، قصے کہانیاں ہوتیں، کویتائیں ہوتیں۔ اس بچے کے ساتھیوں نے دو ایک بار اُس بچے کو اُکسایا بھی 'چلو یار تم بھی کبھی، دیکھو تو، بڑا مزہ آتا ہے'۔ آپ سب جانتے ہیں کہ سو پھونکوں میں گیلا بھی جل جاتا ہے۔ ایک بار اس بچے کے جی میں آیا: اچھا چلیں چل کر دیکھیں۔ آٹھ نو برس کا بچہ رات کو ایک طرف جا رہا تھا۔ جی ہاں کھیل تماشے دیکھنے۔ راستے میں پھوپی کا گھر پڑا۔ پھوپی نے دیکھ لیا۔ بے ماں کے بچے پر پیار آ گیا۔ بلایا۔ گود میں بٹھایا۔ کھانا کھلایا تو بچے کو نیند آگئی۔ وہیں سو گیا۔ صبح آنکھ کھلی۔ اب کیا تھا۔ ویسے ہی گھر آ گیا۔"

"واہ۔ واہ بھئی۔ تو بھیا حاتم! ہم یوں سمجھیں کہ اس پر ایشور کی خاص کرپا تھی۔"

"یا یوں کہئے چودھری صاحب! کہ وہ اللہ ہی کی نگرانی میں پل رہا تھا۔ اللہ خود اُسے بری باتوں سے بچا رہا تھا۔"

"تو پھر بھیا! اللہ اُس بچے سے کوئی بڑا کام لینے والا ہوگا۔"

"بات تو یہی تھی۔ میں یہ تو بتا چکا کہ وہاں کے لوگ اپنے مطلبی تھے لیکن یہ بچہ دوسروں کا کام کر دیتا۔ محلے میں غریب بڑھیا بے بس لاچار ہوتی تو اُس کا کام کر دیتا۔ بازار سے سودا لا دیتا۔ چھوٹے بچوں کے ساتھ ہمدردی کرتا۔ بڑوں کا ادب کرتا۔ گالی گلوچ اُس کی زبان سے کسی نے نہ سُنی۔ جھوٹ بات اُس نے بچپن میں بھی نہیں کہی۔ سدا سچ بولا۔ وہاں بچے تو بچے، بڑی عمر کے لوگ ننگے پھرا کرتے تھے لیکن اس بچے کو کسی نے ننگا نہیں دیکھا۔ بہت ہی نصیحت اور شکشا کی بات ہے۔ وہ جب دس بارہ برس کا ہوا تو کعبے کی ۔ ۔ ۔ ہاں ہاں وہی جو مندر بنا رکھا تھا لوگوں نے، اُس کی ۔ ۔ ۔ دیوار گر گئی۔ مرمت ہونے لگی۔ بچے پہاڑ پر سے پتھر اُٹھا کر لانے لگے۔ اس بچے نے بھی پتھر ڈھونا شروع کر دیا۔ بڑے بڑے پتھر کندھے پر لانے لگا۔ بھئی! اُس کا کندھا چھل گیا۔"

"چھل تو گیا ہوگا۔ ہے ہے دکھیا۔ ۔ ۔" عورتوں کے مجمع سے آواز بلند ہوئی۔

"کندھا چھل گیا تو ایک صاحب نے اُس کا تہمد کھول کر اُس کے کندھے پر رکھ دیا۔ اسے بھئی! بچا اور شرم کے مارے وہ بچہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اُس وقت تک ہوش نہ آیا جب تک اُس کی لنگی پھر نہ باندھ دی گئی۔ ہوش آیا تو پوچھا کیا ہو گیا تھا پیارے بچے؟ اُس نے کہا: جب میں ننگا ہوا تو میں نے سُنا "ڈھانپ ڈھانپ"۔ پھر مجھے نہیں معلوم یہ کہنے والا کون تھا۔"

"حاتم بھیا! وہ تو بچہ تھا۔ کیا جانتا۔ ہم بتائیں۔ وہ ایشور بانی تھی۔ اللہ اُسے ننگا کرنا نہیں چاہتا تھا۔"

"آگے سنئے! وہ بڑا ہوتا ہے۔ یہ میں بتا چکا، وہ بچہ عورتوں کا سودا سلف لا دیا کرتا تھا تو پائی پائی پیسے پیسے کا حساب بتا دیتا تھا۔ پھر اور بڑا ہوا تو سوداگروں سے ملنے لگا۔ اِن لوگوں کے ساتھ بھی وہ بڑا ایماندار ثابت ہوا۔ اس کی ایمانداری کی دھوم مچ گئی۔ سولہ سترہ برس کا ہوا تو غریب کے پاس پیسہ تو تھا نہیں۔ سوداگروں کے ساتھ ساجھا کرنے لگا۔ ایسے محنت اُس کی، پیسہ دوسروں کا۔ کہئے مکھیا چاچا! کہئے بابا! کہئے چودھری صاحب! کیا وچار ہے؟ کیا اس نوجوان نے امانت میں خیانت کی ہو گی؟"

"نہیں۔ ہرگز نہیں۔ حاتم بھیا! اُس پر تو خدا کا ہاتھ تھا۔ اُس کو تو خدا دیکھ رہا تھا۔"

"جی ہاں۔ ایسا کھرا ثابت ہوا کہ لوگ دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ اری کاملہ بی! اری عائشہ! سُن۔ آگے بہت مزیدار کہانی ہے۔"

"ہاں بھیا۔ بڑی مزے دار ہے۔ وہ بچہ بھی تو بہت اچھا تھا۔ کیا نام تھا اُس کا، تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں۔"
کاملہ اور عائشہ نے اپنے بھیا سے یہ پوچھا تو سب ہی لوگ نام پوچھنے لگے۔ حاتم نے بتایا کہ چودھری صاحب! یہی بچہ تو آگے چل کر آپ کا محمد جی مہاراج بنا صلی اللہ علیہ وسلم۔

"دھنیہ ہو۔ دھنیہ ہو۔ بھیا یہ تم نے نام لے کر کیا پڑھا؟"

"مکھیا چاچا! صلے اللہ علیہ وسلم۔ ہم مسلمانوں کو سکھایا گیا ہے کہ جب اُس کا پاک اور پوتر نام لیں تو درود بھیجیں۔"

"کیا بھیجیں، درود؟ یہ درود کہاں ملتی ہے؟"

"یہ جو میں نے 'صلے اللہ علیہ وسلم' پڑھا یہی درود ہے۔"

"اونہہ بھیّا۔ آشیرواد کہو۔ ہم سمجھے کہ پڑھا وا بھیجا ہوتا ہے۔ تو ذرا اس کا مطلب سمجھاتے چلو۔"

"اِس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی سلامتی اور رحمت ہو محمد جی مہاراج پر۔"

"بہت اچھی دعا ہے۔ اب ہم بھی یہ نام لیں گے یا سُنیں گے تو آشیرواد دینگے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔"

"اچھا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حال آگے سُنئے۔ مکّے میں ایک مہلا تھیں۔ وہ ایک بڑے دھنی رئیس کی بیٹی تھیں۔ اُن کی شادی ایک بڑے گھرانے میں ہوئی تھی لیکن اُن کا شوہر جلد ہی مر گیا۔ وہ بیوہ ہو گئیں۔ دوسری شادی ہوئی۔ دوسرے شوہر سے دو بچے بھی ہوئے۔ ایک لڑکا ایک لڑکی۔ تھوڑے دنوں کے بعد یہ شوہر بھی چل بسا۔ وہ پھر بیوہ ہو گئیں۔ باپ بھی مر چکا تھا۔ تینوں گھروں کی دولت اُن کے حصّے میں آئی۔ وہ بہت مالدار تھیں۔ سُندر بھی بہت تھیں۔ سب بھی بڑے بڑے لوگ اُن سے بیاہ کرنا چاہتے تھے۔ ہاں، اُن میں بھی ایک بات انوکھی تھی۔ وہ آچار و چار کی بہت اچھی تھیں اِس لئے خدیجہ طاہرہ کہلاتی تھیں یعنی پاک پوتر خدیجہ۔ خدیجہ اُن کا نام تھا۔

خدیجہ دوسرے سوداگروں کو مال دیا کرتی تھیں اور نفع طے کر لیا کرتی تھیں۔ لیکن لوگ اُن سے دھوکہ کرتے تھے۔ مال تو کوڑی کوڑی کر کے حساب دیتے۔ پھر نفع تو بس نام کا دیتے۔ وہ ایک ایماندار آدمی کی تلاش میں تھیں۔ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا نام سُنا تو بلا بھیجا۔ بولیں: محمد! میں جو نفع دوسروں کو دیتی ہوں اُس کا دونا تم کو دونگی۔ تم میرا مال لے کر تجارت کرو۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور کر لیا۔ خدیجہ نے اپنا آدمی ساتھ کر دیا۔ پہلی ہی بار بڑا نفع ہوا۔ خدیجہ بہت خوش ہوئیں۔ اپنے نوکر سے حال پوچھا تو اُس نے کہا: بی بی جی! یہ تو آدمی نہیں کوئی فرشتہ ہے۔"

"فرشتہ! کیا ارتھ ہوا اِس کا؟"

"بھیا چاچا، فرشتہ کے معنی دیوی دیوتا، جیسے آپ لوگ چار چھ دنوں پہلے کہا کرتے تھے ناکہ فلاں شخص دیوتا ہے۔"

"ٹھیک ہی کہا نوکر نے۔"

"نوکر نے بتایا: بی بی جی! محمد صاحب نہ جھوٹ بولے نہ کسی کو دھوکہ دیا۔ آپ نے جو مال دیا تھا اُس میں ایک کوئی چیز کھوٹی تھی۔ محمد صاحب نے بتا دیا کہ اِس میں یہ عیب ہے۔ دام کچھ کم کر کے بیچ دیا تو لینے والے لوگوں کو اُن پر ایسا بھروسہ ہو گیا کہ اُلٹے منھ مانگے دام دیتے اور بے دیکھے مال لے جاتے۔ سب سے پہلے ہمارا مال بک گیا۔"

"پھر محمد صاحب نے دن بھر کیا کیا؟"

"پھر دوسرے ساتھیوں کی دوکان پر بیٹھ کر اُن کی مدد کرتے تھے۔"

"اچھا، اِسی لئے اب کی بار لوگ جلد آ گئے۔"

کہانی کہتے کہتے حاتم کی پسلی پھڑکی۔ عائشہ اور کاملہ کو پکارا: "اری سنتی ہو! بتاؤ آگے کیا ہوا؟"

"ہائے بھیا! ہم کیا جانیں۔ ہم نے یہ کہانی کبھی سُنی ہی نہیں۔"

"سُنو! پھر یہ ہوا کہ خدیجہ نے اُن سے کہا کہ آپ میرے ساتھ بیاہ کر لیجئے۔" یہ سُن کر لوگ ہنسنے لگے۔ حاتم بھی مسکرا رہا تھا۔ پھر کسی نے ایک طرف سے پوچھا: "بھیا! خدیجہ تو بڑی عمر کی ہوں گی۔"

"ہاں۔ اُس وقت محمد صلے اللہ علیہ وسلم پچیس برس کے تھے اور خدیجہ چالیس سال کی۔"

"نہ بھائی! یہ جوڑ نہیں۔ اچھا تو کہانی آگے چلائیے۔ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔"

"آپ لوگوں کا کیا خیال ہے؟" حاتم نے سننے والوں سے پوچھا۔ سب نے کہا "محمد صاحب نے صاف کہدیا ہوگا کہ یہ منہ اور مسور کی دال۔"

"نہ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں کیا۔ انھوں نے دیکھا کہ نیک عورت ہے۔ اچھے آچار و چار ہیں، بُری باتوں سے بچتی ہے، تو اپنے ایک چچا سے رائے لی۔ اور پھر شادی ہو گئی۔"

"ارے واہ! اس ادھیڑ عمر کی عورت سے۔"

"جی ہاں!"

"تو بھیا سنو، محمد صلے اللہ علیہ وسلم، ہم کیا کہیں، اب مسلمان ہو کر ہم خدا اور بندے کا فرق سمجھ گئے ہیں نہیں تو ہم اُن کو خدا ہی مان لیتے یا کہتے کہ وہ خدا کا اوتار ہیں۔"

"اوتار لینا تو خدا کی توہین ہے۔ خدا کو کیا پڑی ہے کہ وہ کسی انسان یا جانور کے روپ میں آئے۔ کھائے پئے۔ وہ تو کسی ضرورت کا محتاج نہیں۔ دراصل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے چن لیا تھا اس بات کے لئے کہ وہ سارے لوگوں کو اللہ کی عبادت کرنا سکھا دیں اور یہ بتا دیں کہ دنیا میں کس طرح رہا بسا جاتا ہے جس سے امن چین رہے۔ اللہ اسی کی تیاری کرا رہا تھا۔ ہم مسلمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے رسول کا شبد بولتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔"

"یہ تو وہی بول ہے جو تم نے سکھایا تھا۔ یہی ہونا چاہئے۔"

"ہاں۔ اِس طرح آپ رہتے رہے تو آپ کے اچار و چار کا اثر پڑا۔ عرب کے لوگوں نے آپ کو بڑے اچھے شبدوں سے یاد کیا۔ آپ کو امین اور صادق کا خطاب دیا یعنی امانت داری اور سچائی آپ کی گھٹی میں پڑی تھی۔ وہ محمد امین اور محمد صادق پکارے جانے لگے۔"

اس طرح زندگی بسر کرتے کرتے محمد صلی اللہ علیہ وسلم چالیس برس کے ہو گئے۔ اب آپ کے اندر انوکھا نرالا انقلاب آیا۔ سب آنکا جی چاہنے لگا کہ لوگوں کو مورتی پوجا سے روکیں، بُری باتیں کرنے سے روکیں۔ دنیا میں یہ جو برائیوں کا جال پھیلا ہوا ہے اسے نوچ پھینکیں اور دنیا کو نیکیوں سے بھر دیں۔ اب اُن کا جی تجارت سے اُچاٹ ہو گیا۔ اب وہ تن تنہا پہاڑ کی ایک کھوہ میں جانے لگے اور اُس کے اندر بیٹھ کر یہ سوچنے لگے کہ اللہ کو کیسے پوجیں اور دنیا سے برائیاں کیسے دور کریں؟

اری سنتی ہے عائشہ! اور کاملہ بی! سُنو! اس زمانے میں خدیجہ نے بڑا ساتھ دیا۔ وہ مالدار عورت۔ وہ پھولوں کی سیج پر سونے والی خدیجہ۔ اُس نے بیوی ہونے کا حق ادا کر دیا۔ بہت سے نوکر تھے۔ اُن کے ہاتھ پہاڑ کی کھوہ میں چیزیں بھیج سکتی تھیں پر انھوں نے یہ نہیں کیا۔ خود اپنے سر پر کھانا پینا اور ضرورت کا سامان لے کر جاتیں۔ شوہر کو کھلا پلا آتیں۔ حال پوچھتیں اور چلی آتیں۔ پانچ کلومیٹر روز جاتیں اور آتیں۔ انھوں نے یہ بھی شکایت نہیں کی کہ چلو تجارت تباہ ہو رہی ہے۔ مال پڑا سڑ رہا ہے۔ اُسے دیکھو۔ یہاں کیا ملے گا۔"

"واہ بھئی خوب۔ بیوی ہو تو ایسی ہو۔" مردوں نے بلند آواز سے کہا۔

عورتوں کے مجمع سے آواز آئی "اور مرد بھی ہو تو ایسا ہو۔"

"اللہ اکبر۔ اب سنئے۔ ایک رات ابھی صبح نہیں ہوئی تھی، صبح کی سپیدی ذرا ذرا آئی تھی کہ اچانک اس میں روشنی پھیل گئی اور سُنا کہ کوئی کہہ رہا ہے "پڑھ!"

"آپ گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔ آواز دینے والے سے کہا تم کون ہو؟ سامنے آؤ۔ وہ سامنے آگیا۔ اُس نے بتایا کہ میں فرشتہ ہوں۔ میرا نام جبریل ہے۔ مجھے تمہارے اور سب کے اللہ نے بھیجا ہے۔"

"کیوں بھیجا ہے؟" آپ نے پوچھا۔

"اِس لئے بھیجا ہے کہ میں آپ کو اللہ کا پیغام پہنچاؤں۔ اللہ کی مرضی بتاؤں۔ اللہ کی عبادت کرنا سکھاؤں۔ اللہ نے آپ کو چن لیا ہے۔ اپنا رسول بنا لیا ہے۔ اچھا پہلے یہ پڑھو۔"

"میں نے کچھ پڑھا لکھا نہیں ہے۔"

یہ سُن کر فرشتے نے آپ کو اپنے سینے سے لگا کر بھینچا۔ آپ کا دم گھُٹنے لگا تو اُس نے چھوڑ دیا اور پھر کہا کہ "محمدؐ پڑھو۔"

"میں پڑھوں کیا۔ مجھے پڑھنا آتا ہی نہیں۔"

فرشتے نے پھر سینے سے لگا کر بھینچا اور چھوڑ دیا۔ یہ بات تین بار ہوئی۔ آخر کار جبریل ہی کو پڑھنا پڑا۔ جبریل علیہ السلام نے پڑھا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سُن کر وہ لفظ دُہرا دئے۔

"بھیّا! فرشتے نے کیا پڑھایا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو؟"

"بابا! وہ تو عربی میں ہے۔ قرآن میں لکھا ہے جب میں قرآن سکھاؤں گا تب وہ بول پڑھاؤں گا۔ اِس وقت اُس کا ارتھ سُنئے:

حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو بتایا کہ جب کوئی کام کیا کرو تو وہ کام اللہ کا نام لیکر شروع کرو۔ اِس طرح پڑھ لیا کرو: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ آپ لوگ یاد کر لیجئے۔ آپ مسلمان ہیں۔ کھانا کھائیں تو بسم اللہ پڑھ کر، پانی پئیں تو بسم اللہ پڑھیں۔ ہر کام بسم اللہ پڑھ کر۔"

"اور کیا بتایا حضرت جبریل نے؟"

"اور یہ بتایا کہ انسان کس طرح پیدا کیا گیا ہے۔ بتایا کہ اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم! تم کو اور سب کو تمہارے رب یعنی مالک مولا اللہ نے پیدا کیا ہے جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے۔ اے محمدؐ پڑھو یعنی یاد رکھو۔ اللہ بہت ہی بڑائی والا ہے۔ بڑا کریم ہے اپنی طرف سے احسان کرنیوالا۔ اُس نے تم کو یعنی انسانوں کو قلم کے ذریعہ سے وہ گیان دیا جو انسان کسی طرح جان ہی نہیں سکتا تھا۔"

"بھائی! کلّو کاکا۔ بھائی چودھری۔ بابا! سب کچھ پڑھا دیا جبریل نے۔ کیوں نہ حاتم بھیّا۔ اِن ہی شبدوں کا ارتھ آپ پھیلاتے رہو۔ رہتی دنیا تک پھیلاتے رہو۔ جو کچھ ان شبدوں میں بھرا ہے کوئی کتنی ہی کوشش کرے، عمر بھر بھاشن دیتا رہے، اس کے ایک اچھر (حرف) کا حق ادا نہ کر سکے گا۔"

مُکھیا تعریف کرنے لگے اور سارے لوگ بھی۔ ایسا لگتا تھا کہ سُننے والوں کے دِلوں میں روشنی پھیل گئی۔

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑ کی کھوہ میں وہ بول پڑھ لئے جو جبریلؑ نے پڑھائے تھے۔ جبریلؑ چلے گئے تو آپ آپ کو پسینے چھوٹنے لگے۔ آپ نبی ہونے کی ذمہ داری سے گھبرا تو گئے لیکن پھر اللہ نے ڈھارس بندھائی۔ آپ غار سے نکل کر گھر آئے اور

پکار کر کہنا شروع کر دیا":-

"لوگو! یہ بُت، یہ مورتیاں، جن کو تم خود گھڑتے ہو، یہ بالکل بے جان ہیں۔ یہ تمہارے کام کیا آئیں گی جبکہ یہ خود تمہاری
ح ہیں۔ تم بھولتے ہو۔ یہ خدا نہیں ہیں۔ اِن کو پوجنا چھوڑ دو۔ کوئی انسان، کوئی پیڑ، کوئی پتھر، کوئی دیوی، کوئی دیوتا، کوئی
شتہ، یہ سورج، یہ چاند، یہ ستارے، سب پیدا کئے گئے ہیں۔ جو پیدا کئے گئے وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔ خدا تو وہ
جس نے سب کچھ پیدا کیا۔ وہی ہمارا تمہارا مالک مولا اور حاکم آقا ہے۔ اُسی کے ہاتھ میں موت اور زندگی ہے۔ اسی کی
ی کرو۔ اسی کا حکم مانو۔ اُسی کے آگے سر جھکاؤ۔ اور یہ سب اس طرح کرو جیسے میں بتاؤں کیونکہ اللہ نے مجھے اپنا نبی
ہے۔ یہ چوری، یہ ڈکیتی، یہ لوٹ مار، یہ خون خرابہ، ظلم و سِتم، بے شرمی کی باتیں، شراب پینا، جوا، دوسروں کا مال
ہیا لینا، سب پاپ ہے۔ بُرے کاموں کو چھوڑ دو۔ تمہارا خدا ان بُری باتوں کو پسند نہیں کرتا۔ ہمیشہ سچ بولو۔ انصاف
ات کرو۔ ناحق کِسی کی جان نہ لو۔ ناحق کِسی کا مال نہ لو۔ تم سب اِنسان ہو۔ انسان اِنسان سب برابر ہیں۔ کوئی ذلیل
ریچ نہیں پیدا ہوا۔ یہ ڈھونگ تم نے خود رچا ہے۔ اِس پاکھنڈ میں شیطان نے تم کو ڈالا۔ ذات پات کی اونچ نیچ ماننا
ار ہے۔ اصلی بزرگی اور بڑپن اور شرافت یہ ہے کہ اللہ کو زیادہ سے زیادہ خوش کر لو۔ نیکی کرو۔ شانتی سے رہو۔ جو
سے ڈرے وہی اعلیٰ درجے کا اِنسان ہے۔ جو خدا سے نہ ڈرے وہ بدترین آدمی ہے چاہے وہ نواب اور ٹھاکر کو
ہے وہ برہمن اور چھتری ہی کیوں نہ ہو۔ اور دیکھو! یہ زندگی چند دنوں کی ہے۔ ایک دن تم کو مرنا ہے۔ مر کر پھر جینا
۔ اللہ کے سامنے جانا ہے۔ اپنے کرموں کا حساب دینا ہے۔ وہاں اللہ کی نظر میں جو اچھا ٹھہرا وہ جنت (بیکنٹھ)
جائے گا اور جو بُرا ٹھہرا وہ جہنّم (نرک) میں جھونک دیا جائے گا۔ وہاں نہ ذات پات کام دے گی، نہ روپیہ پیسہ،
نہ کِسی کی سفارش سُنی جائے گی۔"

حاتم جب یہ کہہ رہا تھا تو اُس وقت وہ بڑے جوش میں تھا۔ اِس عرصے میں سب چپ بیٹھے سُنا کئے۔ سب پر
ثر ہوا۔ حاتم ذرا کی ذرا رُکا تو "ستیہ ہے، ستیہ ہے" کی آواز بلند ہوئی،

"بھیّا! کِتنی ڈھارس بندھی ہماری محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وعظ سُن کر۔ اور سناؤ اُن کا حال۔"

"آپ پہلے یہ بتائیں کہ جب محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے قوم کے سامنے یہ بھاشن دیا ہوگا تو کیا ہوا ہوگا؟"

"بھیا! ہمارا وچار تو یہ ہے کہ وہی مثل ہوئی ہوگی جیسے محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال دیا"

"بالکل ٹھیک ہے چودھری صاحب! کعبہ یعنی اس بڑے مندر کے پروہتوں نے سنا تو وہ بھڑک گئے۔ اچھا، یہ چڑھاوے اور نذرانے ختم کرنے چلے ہیں۔ جو لوگ بڑے بنتے تھے وہ غضب ناک ہوگئے۔ اچھا، اونچ نیچ مٹانے چلے ہیں۔ ارے بھائی سب کو اپنا اپنا بازار مندا دکھائی دینے لگا۔ سب نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو برا کہنا شروع کر دیا۔ جاہل اور مورکھ قوم اُن کی دشمن ہوگئی۔ ابھی تک اُن کو قوم سب سے اچھا آدمی سمجھتی تھی۔ اب انہی کو گالیاں دینے لگی۔ لوگ کہنے لگے کہ محمد کا دماغ خراب ہوگیا۔ اُن کو جنون ہوگیا۔ اُن کی باتیں نہ سنو۔ کسی طرح بھی تو انھیں برداشت نہیں کیا۔ لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی برابر ڈٹے رہے۔ اللہ کے پاس سے جو حکم آتا بے جھجک سنا دیتے۔ جو بھلے مانس تھے وہ مسلمان بھی ہوگئے۔ اب تو قوم کے لوگوں نے مار ڈالنے کو سوچا۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو نکال کر ہی رہے۔ آپ مکے سے نکل کر مدینہ چلے گئے۔ وہاں بھی آٹھ برس تک چین نہ لینے دیا۔"

"اُف فوہ! ارے۔ بڑے لوگ۔ حاتم بھیا! ایسا ہی ہوا ہوگا۔ ہم سے پوچھو۔ ابھی ہم کل ہی تو مسلمان ہوئے ہیں۔ اخباروں میں خبر آنے دو۔ ہمارا بھی یہی حال ہوگا۔"

"کچھ پروا نہیں۔ دیکھا جائے گا چودھری صاحب! اللہ نے چاہا تو سب جھیل لے جائیں گے۔ جب نبی جی پر ایمان لائے ہیں تو نبی جی کی سی کر دکھائیں گے۔"

"شاباش نوجوانو! ہم بوڑھوں کو بھی پیچھے قدم رکھتے نہ دیکھو گے۔" بابا نے باہیں جھٹک کر اور سینہ تان کر کہا۔

"بھائیو! ایک بات سوچئے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مکے والوں میں یہ جھگڑا کاہے کا تھا

زر کا ؟

زمین کا ؟

زن کا ؟

مکے والوں نے تو یہ سب پیش کیا تھا۔ بس شرط یہ تھی کہ اللہ کا پیغام نہ سناؤ۔ پنڈتوں کی پنڈتائی نہ چھینو

سرداروں کی سرداری ختم نہ کرو، اُونچ نیچ باقی رہنے دو، عورتوں کو اُونچا مقام نہ دو، لڑکیوں کے پیدا ہونے پر جنت کی نوید نہ سناؤ، جو ہمارے باپ دادا سے ہوتا چلا آرہا ہے ہونے دو۔ نہیں تو ہم تمہارا جینا دوبھر کر دیں گے۔“

”نہیں رہ سکتیں اب یہ باتیں ۔ وہ دن لد گئے جب ہم ذلیل تھے ۔ اب ہم مسلمان ہیں اور اللہ کی مدد ہمارے ساتھ ہے۔“

”بے شک اللہ کی مدد آئے گی ۔ اللہ آپ کی زبانوں میں اثر پیدا کرے گا ۔ آپ جہاں جو کہیں گے ، کچھ نہ کچھ لوگ بھلے نکل کر آپ کا ساتھ دیں گے ۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھئے ۔ اب آپ اللہ کا جو کلام سنا رہے تھے اس میں بلا کا اثر تھا ۔ دوست دشمن سنتے تو سر دھنتے ۔ کانوں میں روئی ٹھونس لیتے ۔ اپنے بچوں کو روکتے کہ ان کے پاس مت جاؤ ان کی باتیں نہ سنو ۔ آنے جانے والوں سے کہتے کہ یہاں ایک جادوگر پیدا ہوا ہے ۔ اس سے بچنا ۔ بڑے بڑے بھاشن دینے والے ، بڑے بڑے شاعر ، سب مات کھا گئے ۔ قرآن سن کر مسلمان ہو گئے ۔ قرآن کی سچائی دیکھ کر اسلام قبول کرنا پڑا ۔

حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم میں خوبیاں تو بچپن سے تھیں ۔ اب جو رسول ہوئے تو نورٌ علیٰ نور ۔ چار چاند لگ گئے ۔ میں کہاں تک بیان کروں ۔ اب تو آپ لوگ سب کچھ جان ہی جائیں گے ۔ آخر جھوٹ پانی کے جھاگ کی طرح غائب ہو گیا اور صاف ستھرا نتھرا نتھرا پانی رہ گیا ۔ حق کا بول بالا ہوا ۔

پھر یہ دیکھئے ، وہی عرب جو مورکھ اور بدتمیز تھے ، قرآن کی تعلیم پا کر اور اس پر عمل کر کے دُنیا کی سب سے اچھی قوم بن گئے ۔ وہ گندے تھے ، پاک صاف رہنے لگے ۔ وہ بُرے تھے ، نیک ہو گئے ۔ بے علم تھے ، عالم ہو گئے ، ایسے عالم جنھوں نے دوسروں کو سبق پڑھایا ۔ ساری دنیا پر چھا گئے اور آج دیکھئے کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں اسلام کی آواز بلند نہ ہو رہی ہو ۔ ہر سمجھدار آدمی یہ آواز سنتا ہے تو اسلام کی طرف لپکتا ہے اور شیطانی طاقتیں ہیں کہ اسے دبانے کی سوچ رہی ہیں ۔

بھائیو! حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی بہت سی خوبیاں تو بعد میں آپ کو معلوم ہونگی ہی، ایک بات عرض کرکے میں اِس کہانی کو ختم کرتا ہوں :

آپ یہ سوچیئے، خدا آپ کے پاس یہ کلام بھیج رہا تھا جسے سُن کر سب جھومتے تھے۔ اگر آپ کہتے کہ یہ میرا کلام ہے تو کوئی اِنکار نہیں کرسکتا تھا۔ آج کل کیا، ہمیشہ نام اور شہرت کے لئے لوگ کیا کچھ نہیں کرتے۔ دوسروں کی کویتا اپنے نام سے پڑھ دیتے ہیں۔ لیکن نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کہا وہ سنیئے۔ فرمایا:-

"لوگو! میں تمہاری طرح ایک اِنسان ہوں۔ میرے پاس کچھ بھی تو اپنا نہیں، سب کچھ خدا کا ہے اور خدا ہی کی طرف سے ہے۔ یہ قرآن جو سُنا رہا ہوں یہ بھی خدا کا ہے۔ میرے بس کی بات نہیں کہ ایسا کلام پیش کرسکوں۔ میں خدا کا محتاج ہوں۔ وہی مجھ سے جو کچھ کہتا ہے، کرتا ہوں۔"

"سچ ہے حاتم بھیّا۔ اِس سے بڑھ کر سچائی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی اور کیا ہو سکتی ہے۔ ہم سب اس سچائی کو مانتے ہیں۔ سچ مچ محمد صلے اللہ علیہ وسلم ایسے ہی تھے۔"

کہانی ختم ہوئی تب بھی لوگ بیٹھے ہی رہے۔ سب سے پہلے چودھری اُٹھے۔ عائشہ کو بُلایا، اُسے ساتھ لیا اور اپنے آدمیوں کے ساتھ کنشن پور روانہ ہوگئے۔ کہتے گئے:

"اب پھر باتیں ہوں گی۔"

اِس کے بعد سبھی لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ بابا مبارک، حاتم اور کاملہ بی کو لے کر اپنے جھونپڑے کی طرف جانا چاہتے تھے لیکن مکھیا نے روک لیا اور رات اپنے گھر ہی بسر کرنے کے لئے کہا۔ پھر سب کے سونے کا بندوبست کردیا۔

اب جو سب سوئے تو ایسے سوئے جسے کہتے ہیں گھوڑے بیچ کر سونا۔

(باقی آئندہ)

نذیرن بُوا

اخباروں اور رسالوں میں عام طور پر بڑوں کے حالات، بڑوں کے قصے اور بڑوں کے انٹرویو چھپتے رہتے ہیں۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان بڑوں کی بڑائی کو لوگ جانیں اور یہ سمجھیں کہ ان میں کیا خاص عادت تھی۔ جس نے ان کو بڑا بنا دیا اور پھر ویسا ہی بننے کی کوشش کریں۔

ان بڑوں سے ہٹ کر آج ہم چھوٹے لوگوں میں سے ایک "بوا" کا قصہ سناتے ہیں۔ "بوا" ہماری طرف اس ادھیڑ عمر کی بیوہ عورت کو کہتے ہیں جو اپنا پیٹ پالنے کے لیے دوسروں کے یہاں نوکری کر لیتی ہے۔ یہ نوکری عام طور پر کھانا پکانے، بازار سے سودا سلف لانے، بچوں کو بہلانے اور نہلانے دھلانے کے لیے ہوتی ہے۔ شاید لفظ "بیوہ" ہی کثرت استعمال سے "بوا" بن گیا۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہر بوا بے پڑھی لکھی ہوتی ہے۔ نذیرن بوا بھی ایسی تھیں۔ بیوہ ہونے کے بعد وہ بھی "بوا" ہوگئیں۔ ان کی ایک چھ سالہ بچی نصیرن تھی۔ اس بچی کو لے کر وہ "ممی صاحب" کے گھر آگئیں۔ ان کی ممی صاحب "محلے بھر کی ممی صاحب" تھیں۔ ممی صاحب کے صاحب مرحوم ہوا "اللہ کو پیارے" ہوگئے تھے اپنے صاحب کے ساتھ انھوں نے اس وقت بیاہ کیا جب وہ ایم اے کر رہی تھیں اور پھر دلہن بنکر بیکے آگئیں۔ یورپین تہذیب میں پلی تھیں۔ اسلام سے اور اسلامی تہذیب سے ان کو کچھ بھی جانکاری نہیں تھی بچپن میں درجہ سوم تک اردو پڑھی تھی جسے وہ بھول چکی تھیں۔ رئیس زادی تھیں۔ رئیس بیگم تھیں گھر میں اللہ کا دیا سب کچھ تھا۔ جائداد تھی۔ بال بچے تھے۔ مرنجاں مرنج زندگی بسر کر رہی تھیں نذیرن بوا ان کے گھر آئیں۔ ہم ابھی ...سے نذیرن بوا کا جنازہ نکلا۔ ممی صاحب نے ہی نذیرن بوا کے حالات مجھے سنائے جس کا مطلب یہ ہوا کہ آج کے مضمون کا عنوان ہے نذیرن بوا، راوی ممی صاحب اور لکھنے والا یہ راوی اب آپ مرحومہ مغفورہ نذیرن بوا کے حالات سنیے۔

نذیرن بُوا

ممی صاحب نے بتایا کہ جب میں پہلے پہل یہاں آئی تو گھر میں سارے کے سارے ملازم مرد تھے کلو باورچی تھا۔ کانوینٹ اسکول میں داخل ہونے کے بعد ہندوستانی کھانا سب سے پہلے اسی نے مجھے کھلایا پھر صاحب کے دوست آتے رہے۔ سب سے ملاقاتیں اور باتیں ہوتی رہیں۔ میں نے ماحول کا جائزہ لیا۔ ایسا لگا کہ اس ماحول میں لوگ مسلمان تو ہیں، ان کو اسلام سے محبت بھی ہے لیکن ہیں وہ سب میری طرح روایتی مسلمان ہیں نے اسلام کے بارے میں چند پڑھے لکھے مسلمانوں سے بات کی تو سب کورے نکلے۔ میرے صاحب بھی ایسے ہی لگے۔

اس ماحول میں آکر آپ سے آپ میرے دل میں نماز سیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ آپ اگر یہ سمجھتے ہیں کہ آپ سے آپ کچھ نہیں ہوتا تو پھر یوں سمجھ لیجیے کہ کلو باورچی جمعہ کے دن نماز پڑھنے جاتا تھا۔ اس دن وہ صاف ستھرے کپڑے پہنتا۔ کچھ دیر کے لیے اس پر مذہبیت طاری ہوتی۔ بڑے ادب کے ساتھ مجھ سے دو گھنٹے کی چھٹی مانگتا "میم صاحب! میں جمعہ کی نماز پڑھنے جا رہا ہوں۔ میں کہتی "جاؤ" وہ چلا جاتا۔ تین بجے آتا تو باورچیوں کا یونیفارم پہن کر پھر باورچی بن جاتا۔ ہوسکتا ہے کہ کلو باورچی کے جمعے نے میرے دل میں نماز کی چاہ پیدا کی ہو

ایک دن کلو نے مجھ سے کہا "میم صاحب! ہمارے محلے میں ایک شخص کا انتقال ہوگیا ہے۔ اس کی بیوی اپنی ننھی بچی کے ساتھ گھر میں رہ گئی ہے۔ اس کا کوئی والی وارث نہیں۔ اس کی عدت کے دن ختم ہوگئے۔ اللہ نے آپ کو بہت کچھ دیا ہے۔ آپ نذیرن کو پناہ دیں تو اللہ آپ سے بہت خوش ہوگا۔ میری زندگی میں یہ پہلا دن تھا جب میں نے کلو باورچی سے اسلامی اخلاق کی بنیادی بات سنی۔ اس سے پہلے میرا ذہن یہ تھا کہ

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

کھاؤ پیو، مزہ کرو اور مر جاؤ۔ زندگی ختم۔ میں نے سوچا کر گھر میں کام کرنے والی ایک عورت ہو جائے گی۔ ۔۔۔ یا کہ نذیرن کو لے آؤ۔

نذیرن بوا تیسرے دن میرے یہاں آگئیں۔ بستر ایک ٹاٹ میں لپٹا ہوا تھا۔ ایک بکس جس میں ان کے کپڑے ۔۔۔ برس کی ایک بچی اس کے ہاتھ میں لوٹا، لوٹے کے اندر گلاس اور گول گول لپٹا ہوا چٹائی کے اندر ایک کپڑا سا۔ ۔۔۔یس برس کی جوان نذیرن بوا، تندرست و توانا۔ سانولا رنگ، نیلی شلوار۔ ہرے رنگ کا جمپر اور سفید دوپٹہ۔ یہ ان کا ۔۔۔نگ روپ اور لباس تھا۔ گھر میں آئیں برقع اتارا۔ ایک طرف بکس اور بستر رکھ دیا۔ سامنے کلو تھا اُسے سلام کیا ۔۔۔کلو نے میری طرف اشارہ کیا۔ میں سامنے کرسی ڈالے بیٹھی تھی۔ نذیرن بوا اپنی بچی کو لے کر میری طرف بڑھیں۔ میں ۔۔۔دیکھ رہی تھی۔ پاس آئیں۔ کہا: "السلام علیکم"، پھر بچی سے کہا، "بیٹی! ممی صاحب کو سلام کرو"، بچی نے بھی سلام کیا۔

میں ہنسنے لگی: "میں ابھی ممی کہاں ہوں؟" نذیرن بوا جھینپ گئیں۔ بولیں "اب آپ ہی میری اور میری بچی کی ممی ہیں۔ عمر میں آپ مجھ سے چھوٹی ہیں۔ اس سے کیا ہوتا ہے۔ بڑائی تو بڑپن سے ہوتی ہے۔ آپ نے مجھے پناہ دی۔ یہ آپ نے بھلائی کا کام کیا۔ اللہ آپ کو خوش رکھے۔ اللہ آپ سے راضی ہو"۔

پھر وہی اللہ کی خوشی اور اللہ کی رضا والی اسلامی اخلاق کی بنیادی بات جو میں نے کچھ دن پہلے کلو سے سنی تھی۔ اب نذیرن بوا سے سنی۔ میرے دل میں جیسے کچھ پھٹ سے ہوتا ہے نا! اس طرح ہوا۔ دل ہی دل میں کچھ لفظ بنے۔ جو آواز نہ بن سکے، شاید غریبوں کے اسلام اور رئیسوں کے اسلام میں فرق ہوتا ہے۔ ایسا ہی کچھ دل نے کہا۔

میں نے نذیرن بوا کو ایک کوٹھری دے دی۔ انھوں نے جا کر کوٹھری صاف کی۔ چھ برس کی بچی ماں کی مدد کرنے لگی۔ کوڑا کرکٹ اکٹھا کیا۔ کلو کے پاس گئیں۔ اس سے کچھ کہا۔ اس نے کچھ جواب دیا۔ تو نذیرن بوا نے کوڑا کرکٹ اکٹھا کر کے ایک طرف کونے میں رکھ دیا۔ ایک ٹوٹی سی ڈھلیا سے ڈھانک دیا۔ پھر بچی سے کہا۔ "بیٹی! وہ چوکے (بڑی اینٹیں) لے آؤ۔ میں یہ سب دیکھ رہی تھی۔ نذیرن بوا نے کوٹھری میں چوکوں پر اپنا

بکس بکس پر بستر رکھ دیا۔ پھر لوٹا اٹھایا نل سے پانی لیا۔ ہاتھ منہ دھویا۔ وضو کیا۔ بچی نے بھی وضو کیا۔ مصلیٰ بچھایا، چٹائی پھر مصلیٰ۔ دونوں نے دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو رونا سی ہو گئیں۔ مجھے بڑا ترس آ رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ اس غریب کو کچھ تسلی دینا چاہیے۔ میں نے کہا۔ نذیرن بوا، جو کچھ ہوا، بھول جاؤ یہاں چین سے رہو گی تو رہا ہی کرو گی۔"

بولیں۔"ممی صاب! میں آپ کے یہاں چین سے ہی رہنے آئی ہوں۔ یہاں آپ اور آپ کے صاب کے ہوتے ہوئے کوئی میری طرف انگلی اٹھا کر نہیں دیکھے گا۔"

میرے دل میں پھر کچھ ٹھیٹ سے ہوا۔ شاید یہ کوئی احساس ہوتا ہے جس میں ہمدردی کی حس ہوتی ہے میں نذیرن بوا کی بات سے دل میں بہت خوش ہوئی۔ "اچھی عورت ہے۔" پھر میں نے کلو باورچی سے کہا کہ نذیرن بوا کو وہ سامنے والی چارپائی دے دو۔

"بس یہی کافی ہے۔" کہہ کر نذیرن بوا نے چارپائی اپنی کوٹھری میں بچھا دی۔"ممی صاب ہم دونوں ماں بیٹی کے لیے یہ کافی ہے۔"

دوپہر کو صاحب آئے۔ گھر میں ایک بچی اور جوان عورت کو دیکھا۔ اس وقت وہ دونوں ظہر کی نماز پڑھ رہی تھیں۔ نماز پڑھ کر ماں بیٹی نے صاحب کو سلام کیا۔ صاحب نے ایک روپیہ نکالا۔ بچی کو دینے لگے تو نذیرن بوا نے کہا:"سرکار! آپ بچی کو پیسہ نہ دیجیے۔ بچی بگڑ جائے گی۔ اس کے بدلے ہمیں ایک نئی چٹائی لا دیجیے۔" میں نے پہلی بار صاحب کی زبان سے "ماشاءاللہ" سنا۔ وہ مجھ سے کہہ رہے تھے:"شیریں! آپ کے قدم مبارک قدم یعنی قدم حضور کے آئے، مرے نصیب کھلے۔" میں نے پوچھا کیا مطلب؟ بولے:"آپ نے اللہ میاں سے اچھا سودا کیا۔ ہماری بخشش کا ٹھکانہ کچھ نہ کچھ کر دیا آپ نے!"

میں مسکرانے لگی۔ دل میں ایک خیال آیا "پرائی نماز سے ہمارا کیا واسطہ؟" پھر کلو نے کھانا لگایا۔ نذیرن بوا غور سے دیکھ رہی تھیں۔ ہم نے کھانا کھایا نذیرن بوا دیکھ رہی تھیں۔ کلو نے میز صاف کی نذیرن بوا دیکھ رہی تھیں پھر ہم آرام کرنے کمرے میں چلے گئے۔ نذیرن بوا اب ہمیں نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ تنہائی میں نذیرن بوا کی کہانی

نے سنائی۔" اچھا کیا آپ نے شگون اچھا ہے" کہہ کر صاحب نے کروٹ لی۔ پھر ہم سو گئے۔
تین بجے سو کر اٹھے۔ چار بجے چائے پی۔ صاحب اپنے کام پہ چلے گئے۔ نذیرن بوا یہ سب دیکھا کیں۔
ہر میں نے دیکھا کہ نذیرن بوا اور ننھی بچی نصیرن نے باورچی خانہ میں کام کرنا شروع کر دیا۔ میں یہ سب
یتی رہی۔ میں نے دیکھا کہ نذیرن بوا نے عصر کی نماز پڑھی۔ پھر مغرب کی نماز پڑھی۔ پھر عشاء کی۔ عشاء
کے بعد صاحب آگئے۔" نذیرن بوا! یہ لیجئے۔" نذیرن بوا خوشی خوشی آئیں۔ ناریل کی چٹائی اور ایک نیا
لی مخملی دیکھ کر آنکھوں سے لگا لیا۔" اللہ میاں! آپ دونوں کو دونوں جہانوں میں سرخرو کرے۔"
ایک ہفتہ کے اندر نذیرن بوا نے میرے گھر کی باتیں سمجھ لیں۔ اب جب میں کلو باورچی کو پکارتی تو نذیرن
حاضر ہو جاتیں۔ یہ دیکھ کر میں نے کام تقسیم کر دیا۔ کلو باورچی کو باہر کے سودا سلف اور باورچی خانے کے بڑے
وں کا ذمہ دار بنایا اور نذیرن بوا کو گھر کے اندر کے کام سونپے۔ نذیرن بوا اس نظم سے بہت خوش
یں۔ کہنے لگیں۔" بڑی اچھی ہیں آپ۔ میں گھبرا رہی تھی کہ کہیں بازار نہ جانا پڑے۔ اور میرا پردہ ٹوٹ
ے۔ آپ نے میرا پردہ رکھ لیا۔ اللہ آپ کا پردہ رکھے۔"

" میرا پردہ؟ میں کب پردہ کرتی ہوں۔ اور تم یہ اتنا سخت پردہ کیوں کرتی ہو؟"

" پیارے رسولؐ نے فرمایا ہے کہ عورتوں کو پردہ کرنا چاہیئے۔"

" کیوں؟"

نذیرن بوا چپ ہو گئیں۔ کیوں کا جواب ان سے بن نہ پڑا۔ میں نے دیکھا کہ نذیرن بوا اپنی معصوم
نصیرن کو اپنے ساتھ کام میں لگائے رکھتیں۔ بات بات میں، قدم قدم پہ اُسے نصیحتیں کرتیں۔ بری
ت بیٹی! یوں نہیں، یوں، ارے توبہ! کھڑے کھڑے پانی پی لیا۔ بُری بات۔ پیارے رسولؐ نے
ع کیا ہے۔ بیٹی داہنے ہاتھ سے پانی پیو۔ پیارے رسولؐ نے فرمایا ہے۔ خبردار! بیٹی جاؤ یہ دیں
یے کا سکہ جہاں سے اٹھایا ہے وہیں ڈال آؤ۔ پیارے رسولؐ نے گری پڑی چیز اٹھانے سے
ا ہے۔ دیکھو بیٹی! گلاس یوں ہی ڈال دیا اسے دھو کر رکھو۔ پیارے رسولؐ صفائی کو بہت

پسند فرماتے تھے۔ توبہ! ناک چھنک کر انگلی نہیں دھوئی۔ بیٹی انگلی دھولیا کرو اور دیکھو، پہلے داہنی چپل پہنو پھر بائیں۔ پیارے رسولؐ نے اسی طرح سکھایا ہے۔

اسی طرح بات بات میں، قدم قدم پر نذیرن بوا اپنی بیٹی نصیرن سے کہا کرتیں اور بالکل اسی طرح جیسے کسی سرکس میں جانور رنگ ماسٹر کے اشارے پر کام کرتے ہیں۔ معصوم بچی ماں کے اشاروں پر عمل کرلی تھی۔ باربار پیارے رسولؐ، پیارے رسولؐ سن کر ایک دن میں نے پوچھا "نذیرن بوا! بچی نے دس پیسے کا سکہ اٹھالیا۔ تم نے کیوں باہر پھنکوادیا؟" کہنے لگیں "ممی صاب پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع ... میں نے پوچھا "کیوں منع کیا ہے؟"

نذیرن بوا کو "چون وچرا" نہیں آتی تھی۔ ان کے پاس جواب صرف ایک تھا یہ کہ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس لئے۔

نذیرن بوا جب فرصت پاتیں۔ ایک طرف اپنی بچی کو لے کر بیٹھ جاتیں یا عشاء کے بعد جب سارے کاموں سے فارغ ہوتیں۔ چارپائی پر پہنچتیں تو اپنی معصوم بچی نصیرن کو چھوٹی چھوٹی سورتیں یاد کراتیں خود پڑھتی جاتیں، بچی دہراتی جاتی۔ وہ اسے بزرگوں کے قصے سنایا کرتی۔ نبیوں کے قصے سناتیں نذیرن بوا کو یہ قصے، کہانیاں ان کے مرحوم شوہر سنایا کرتے تھے۔

میں یہ بتا چکی ہوں کہ کلو باورچی کو جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے جاتے دیکھ کر میرا دل نماز کی طرف مائل ہوا تھا لیکن پھر وہ جذبہ دب گیا نذیرن بوا اور معصوم بچی نصیرن کی نمازوں نے جذبہ ابھار دیا۔ ایک جمعہ کے دن کی بات ہے کلو ادھر نماز کو گیا۔ ادھر نذیرن بوا اپنی بچی کو لے کر نماز پڑھنے لگیں میں صاحب کے ساتھ کمرے میں قیلولہ کے لیے گئی۔ پھر اچانک آپ سے آپ ... نذیرن بوا نماز پڑھ چکی تھیں میں نے ان سے کہا "مجھے نماز پڑھا دیجیے" وہ بہت خوش ہوئیں دعائیں دیں نذیرن بوا نے پہلے وضو کر کے دکھایا، میں نے انھیں دیکھ دیکھ کر وضو کیا پھر بوا بڑے پیار اور نرمی سے کہنے لگیں: ممی صاب! پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ...

نماز نہیں ہوتی جو اتنے ہلکے ہوں کہ ان سے بدن دکھائی دے۔ عادتاً میری زبان سے نکل گیا "کیوں؟" کہنے لگیں اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔" اچھا خیر" میں ایک کالی چادر نکال کر لائی جس طرح نمازی عورتیں سر کو چادر سے لپیٹتی ہیں۔ بوا نے اس طرح پٹینا بتایا۔ اس کے بعد وہ نماز کو کھڑی ہو گئیں ان کے داہنی طرف میں اور ان کے بائیں طرف نصیرن کھڑی ہو گئی۔

نذیرن بوا آگے آگے بلند آواز سے کہتیں۔ میں دہراتی پھر جس طرح انھوں نے نماز کے ارکان ادا کیے، میں نے بھی ان کی نقل کی۔

اس پہلی نماز میں ایک خاص بات میں نے نوٹ کی مجھے ایسا لگا کہ میں کانپ رہی ہوں پوری چار رکعت نماز پڑھوائی۔ میں پسینے میں شرابور ہو چکی تھی۔ چادر میرے بدن پر کمبل کی طرح بوجھ بن گئی تھی۔ میں نے کہا بس اور نذیرن بوا کی زبان سے نکلا " اللہ قبول فرمائے "

چادر اتار کر کمرے میں گئی تو صاحب کو جاگتے پایا۔ وہ کیمرہ کے پاس بیٹھے کچھ دھو رہے تھے میں نے کہا "کیا ہے؟" کہنے لگے ابھی دکھاتا ہوں کچھ دیر کے بعد جب ان کا وقت ابھی "آیا تو ایک تصویر میرے سامنے کر دی اور فرمایا" یہ آپ ہیں۔ کالی چادر میں ایسی لگ رہی ہیں جیسے کالی گھٹا میں سورج یا چاند ہو یا آسمان سے کوئی حور جھانک رہی ہو

سچی بات یہ ہے کہ کالی چادر میں میرا گورا چہرہ ایسا ہی لگ رہا تھا میں نے یہ تمام تصویریں ایک ایک کر کے دیکھیں۔ میں اتنی حسین کسی تصویر میں نہیں تھی صاحب نے بتایا کہ جب آپ کمرے سے نکل گئیں تو میں نے یہ بات غیر معمولی پائی ہو میں نے دروازوں کی درز سے دیکھا تو حضور والا اس پوزیشن میں پایا۔ بہت اچھی لگیں تو فوٹو لے لیا" مجھے یاد آیا کہ کالج میں حمیدہ کالا برقع پہن کر آتی تھی وہ بھی ایسی ہی لگتی تھی

اس دن صاحب موڈ میں تھے۔ میں نے ان سے پوچھا " نماز کیوں پڑھی جاتی ہے؟ " صاحب نے بتایا "اسلامی تھیوری میں ہر نیکی اور عبادت کا مقصد رضائے الٰہی ہے۔ نماز بھی ایک عبادت ہے

میں نے رضائے الٰہی اور عبادت کی تفصیل چاہی تو صاحب نے وہ جواب دیا جس کی میں توقع نہیں کرتی تھی اور نہ کبھی اس طرح ان سے تبادلہ خیال ہوا۔ میں سمجھتی تھی کہ صاحب اسلام کے بارے میں کچھ نہیں جانتے لیکن ان کا جواب سنئے۔ انھوں نے کہا کہ اسلام نیکی اس کو کہتا ہے جس کے کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور بدی وہ ہے جس کے کرنے سے اللہ نے روک دیا ہے۔ اس کے بعد ان کی مزید تفصیل نے مجھے دنگ کر دیا۔ کہا کہ عبادت اور نیکی اگر اس لیے کی جائے کہ اللہ خوش ہوگا تو وہ عبادت ہے لیکن اگر عبادت اور نیکی کرنے کا مقصد شہرت ہو یا یہ کہ لوگ تعریف کریں تو اسکو اسلام ریاکاری کہتا ہے۔ اسی طرح برائی جیل یا بدنامی کے ڈر سے نہیں، اسلام کہتا ہے کہ اللہ کے ڈر سے چھوڑو۔

صاحب نے بات انگریزی میں کہی تھی۔ یہ وہی بات تھی جو نذیرن بوا اپنی بولی میں کہا کرتی تھیں میں نے صاحب سے کہا کہ آپ مجھے ایسی کتاب لا دیجیے، جس میں نماز کے متعلق تمام باتیں مل جائیں۔ دوسرے دن جب صاحب باہر سے آئے تو ان کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی فوکس آف اسلام اور ان کے ساتھ ایک مولوی صاحب تھے۔ کتاب دے کر مجھ سے کہا کہ نذیرن بوا دو چار دن میں آپ کو نماز سکھا دیں گی لیکن صرف نماز کافی نہیں ہے۔ باقی باتیں کچھ تو کتاب میں مطالعہ کیجیے اور کچھ مولانا سے حاصل کیجیے۔ مولانا اردو اور عربی پڑھائیں گے۔ پھر آپ خود جتنا مطالعہ کر سکیں۔

لیجیے، مولانا مجھے اردو عربی پڑھانے لگے۔ بوا نے ایک ہفتہ کے اندر رواں کر دیا لیکن ان دونوں سے زیادہ کتاب نے مجھے اسلام سے واقفیت بہم پہنچائی۔ فوکس آف اسلام پڑھ کر مجھے اپنے صاحب کے بارے میں رائے بدلنا پڑی۔ میرے دل نے کہا کہ نور ہی نور ہے اس پردۂ زنگاری پر ایک دن آپ سے آپ صاحب سے سائنٹفک بحث شروع ہوگئی۔ ابتدا یوں ہوئی کہ نذیرن بوا کو جمائی آئی۔ میں نے دیکھا کہ انھوں نے منھ کھولا۔ ابھی بائیں پشتِ دست (بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کے دوسری طرف کا حصہ) منھ پر رکھ لیا۔ پھر انھیں چھینک آئی۔ چھینک آنے پر انھوں نے الحمد للہ کہی۔ صاحب میرے پاس کی کرسی پر بیٹھے تھے۔ انھوں نے یرحمک اللہ کہا۔ میں یہ سب دیکھ سن رہی تھی۔ میں نے بوا کو پاس بلایا

یا کہ جمائی آنے پر ہتھیلی کے دوسری طرف کا حصّہ منہ پر کیوں رکھ لیا تھا اور چھینک آنے پر الحمد للہ کیوں کہی۔

نذیرن بوا نے وہی جواب دیا جو انھیں رٹا ہوا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اسی طرح سکھایا ہے۔ بوا
ے تو میں نے کہہ دیا کہ جاؤ۔ پھر صاحب کی طرف دیکھ کر کہا کہ آپ نے یرحمک اللہ کہا تو میں آپ سے اس کی
ہ پوچھوں تو آپ بھی یہی کہیں گے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح سکھایا ہے لیکن میں سمجھتی ہوں کہ یہ جو
ت بات میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا حوالہ دیا جاتا ہے یہ بلا وجہ نہیں ہو سکتا۔ کیا آپ کو اس کا سائنٹیفک جواب
علوم ہے۔ آپ سے میں اِس لئے پوچھ رہی ہوں کیونکہ میرا خیال ہے آپ نے اسلام کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔

میں نے دیکھا کہ صاحب کا چہرہ اُتر گیا۔ وہ اُداس ہو گئے۔ مجھے ایسا لگا جیسے اُن کی کوئی قیمتی شے کھو گئی
س پر انھیں افسوس ہو رہا ہے۔ بولے "شیریں! کیا بتاؤں، یوروپین تہذیب اپنا کر ایسا لگ رہا ہے جیسے
یرے جواہرات چھوڑ کر ٹھیکروں پر ریجھ گیا ہوں۔ جب سے نذیرن بوا کو دیکھا، کبھی کبھی اُن جواہرات کی چمک دمک
ظروں کے سامنے گھومنے لگی جو مجھے ورثے میں ملی تھی۔ یہ اسلام کی دولت تھی۔ میں نے اسلام کے بارے میں
ہت کچھ پڑھا ہے۔ یوروپین مفکرین کے افکار بھی میرے ذہن میں ہیں اور قرآن و حدیث کے دلائل بھی۔ لیکن یہ
میری بد نصیبی ہے کہ دنیوی خواہشوں نے مجھے اندھا کر دیا۔ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ہمارے اور سارے
جہاں کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ڈاکٹر نہیں تھے لیکن ڈاکٹری اصول کو لیجئے۔ علم طب کہتا ہے کہ جمائی آنے پر جبڑوں
کا کھلنا ایسا عمل ہے جس میں یکدم ہوا کا دباؤ پڑنے سے کبھی کبھی منہ کھُلا کا کھلا رہ جاتا ہے۔ زیادہ ہوا کے پاس ہونے
کو ہاتھ سے روکا جاتا ہے۔ اس میں حکمت یہ دیکھئے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے پشتِ دست رکھنا سکھایا ہے
حکہ میں کہہ چکا ہوں کہ حضورؐ ڈاکٹر نہیں تھے۔ اسی طرح چھینک کے بارے میں علمِ طب کہتا ہے کہ چھینک آنے پر
دماغ کی ساری چولیں ہل جاتی ہیں۔ اگر ایک سکنڈ بھی دماغ پھر اپنی جگہ قائم نہ ہو جائے تو انسان کی موت ہو سکتی ہے
چھینک آنے کے بعد گویا ہمیں دوبارہ زندگی ملتی ہے۔ اس لئے مسلمان الحمد للہ کہتا ہے اور میں نے جو
یرحمک اللہ کہا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اے وہ جسے چھینک آئی، تجھ پر اللہ نے رحم کیا، ورنہ اگر تیرا دماغ
فوراً ہی اپنی جگہ قائم نہ ہوتا تو تیری موت یقینی تھی۔

شیریں! میں آپ کو بتاؤں، حضورؐ ڈاکٹر نہیں تھے لیکن آپ نے جو تعلیم مسلمانوں کو دی وہ بالکل سائنٹفک ہے۔ یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ واقعی حضورؐ اللہ کے رسول تھے اور آپ کا ہر عمل اللہ کے اشارے پر ہوتا تھا۔"

یہ سُن کر میں دنگ رہ گئی۔ میری زبان سے بھی بے ساختہ صلے اللہ علیہ وسلم نکلا۔ دوسری طرف میں نے صاحب کو دیکھا۔ اُن کی آنکھوں کی دونوں جھیلیں موتیوں کی سی آب سے بھری تھیں۔ اِس وقت وہ مجھے ایسے اچھے لگ رہے تھے کہ میں نے بڑھ کر اُن کے ہونٹ چوم لئے۔ انہوں نے انگلی میرے گالوں پر لگا کر ہٹایا اور کہا "سنترے کا شربت پلا دو" میں نے نذیرن بوا کو پکارا تو صاحب نے فرمایا "ٹھیک ہے۔ مسیحا ہی کے ہاتھ سے دوا پینا ٹھیک ہے۔"

ایک دن میں نے صاحب سے کہا "آپ نذیرن بوا سے بہت متاثر معلوم ہوتے ہیں جبکہ وہ ایک جاہل عورت ہے اور آپ تعلیم یافتہ۔ اب سنئے اِس کا جواب صاحب کی زبان سے۔ فرمایا "شیریں! اسلام میں جاہل سب سے بڑی گالی ہے جاہل اس شخص کو کہتے ہیں جو حق بات کو حق جانتا ہے اور پھر اس کے خلاف عمل کرتا ہے اور اپنے اِس عمل پر اصرار کرتا ہے۔ اِس لحاظ سے میں تو ہم خود جاہل ہیں اور نذیرن بوا عالم ہیں۔ بیشک وہ اسلام کی تھیوری نہیں سمجھتیں لیکن عمل نے اُن کو مستین بنا دیا ہے۔ وہ ہمارے لئے ایسا نمونہ ہیں جسے دیکھ کر ہم اسلام کو چلتا پھرتا محسوس کر سکتے ہیں۔"

یہ سب جان کر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ میں تین طرف سے اثر قبول کر رہی تھی۔ فوکس آف اسلام کتاب مجھے اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ صاحب کی وضاحتیں اپنا کام کر رہی تھیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ نذیرن بوا مجسم نمونہ میرے سامنے تھیں۔ نذیرن بوا مجھ پر چھائی جا رہی تھیں۔ اب میں فرصت کے اوقات میں نذیرن بوا کو پاس بُلا لیتی اور اُن سے باتیں کرتی رہتی تھی۔ بالآخر جس نتیجے پر میں پہنچی وہ یہ تھا کہ بیشک علم کا ایک مقام ہے اور بیشک علم کے بغیر کوئی خدا کو نہیں پہچان سکتا لیکن عمل کے بغیر علم والے کی مثال اُس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوں۔ جس دن یہ بات مجھ پر کھلی اُسی دن سے میں نے نذیرن بوا کو اپنا ٹریننگ انسٹرکٹر مان لیا۔ عجیب و غریب انقلاب جو میرے اندر ہوا وہ یہ ہے کہ اب میں بھی ہر اچھی بات کی یہی دلیل دیتی ہوں کہ اللہ اور اللہ کے رسول نے ایسا کرنے کو فرمایا ہے۔۔۔

نجمہ نسرین مجھ سے الجھ پڑی تو میں نے کہا "نجمہ! ہر کیا اور کیوں کا جواب کسی شخص کے بس کا نہیں اور یہ کہ دنیا کی لاکھوں چیزوں پر کیوں ہو سکتا ہے۔ ہمارے لئے خیر اسی میں ہے کہ ہم اللہ کے رسولؐ کو اتھارٹی مان لیں اور خاموشی سے آپؐ کی بتائی ہوئی لائن اپنا لیں۔ اِس میں ہمارے لئے آسانی بھی ہے اور اسی میں بھلائی بھی۔ اسی طرح جیسی یہ ہیں ہماری نذیرن بوا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

قصۂ یوسفؑ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حالات میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؑ کو دو بیٹے دئے تھے (۱) حضرت اسمٰعیلؑ (۲) حضرت اسحاقؑ۔

حضرت ابراہیمؑ نے دین پھیلانے کی غرض سے دونوں بیٹوں کو ایسی جگہوں پر ٹھہرایا جہاں سے قافلے گزرا کرتے تھے حضرت اسمٰعیلؑ کو اس جگہ ٹھیرایا جہاں اب مکہ شہر آباد ہے۔ اور اسحاقؑ کو فلسطین کی حبرون نامی ایک وادی میں حضرت ابراہیمؑ کے ان سعادتمند بیٹوں نے دین پھیلانے کے سلسلے میں اتنی محنت کی کہ مکہ اور فلسطین کی مرکزیت دنیا بھر کے لوگوں نے مان لی اور اس کا اثر آج بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اسحاق علیہ السلام کو یعقوبؑ جیسا عظیم بیٹا عطا فرمایا جو آگے چل کر اللہ کے نبی ہوئے یعقوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام جیسا فرزند ارجمند اور صالح بیٹا دیا۔ یہ بھی عظیم پیغمبر ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام خود اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ انھیں ایسے بزرگ و برتر باپ دادا ملے قرآن کریم کی سورۂ یوسف آیت ۳۸ میں ہے :۔

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْ اِبْرَاهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ، یوسف حضرت ابراہیمؑ کے پر پوتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ دادا ابراہیمؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کا طریقہ اپنا لیا۔

حضرت یعقوبؑ کی چار بیویاں تھیں، ان سے بارہ بیٹے ہوئے حضرت یوسفؑ اور ان کے چھوٹے بھائی بن یمین ایک بیوی سے تھے باقی دس دوسری بیویوں سے حضرت یوسفؑ تمام بھائیوں میں سب سے زیادہ ذہین اور صالح تھے پھر یہ ان کی والدہ کا انتقال ہو چکا تھا اس لئے حضرت یعقوبؑ یوسفؑ کو تمام بیٹوں سے زیادہ چاہتے تھے

بُرے لوگ یہ تو نہیں کرتے کہ اچھے کام کر کے اچھے بن جائیں اچھے بن کر لوگوں کی آنکھوں کا تارا بن جائیں۔ وہ اس کا اُلٹا کرتے ہیں دیکھتے ہیں کہ لوگ ان کے کسی اچھے بھائی بھتیجے کی عزت کرنے لگے تو بس اس بھائی بھتیجے سے جلنے لگتے ہیں۔ ایسا ہی

حضرت یوسف علیہ السلام کے سوتیلے بھائیوں نے کیا۔ انھوں نے دیکھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام یوسف ؑ کو بہت چاہتے ہیں تو وہ یوسف ؑ سے حسد کرنے لگے۔ جلنے لگے۔

حضرت یوسف علیہ السلام جب ذرا بڑے ہوئے تو ایک خواب دیکھا، اس خواب کا قرآن کی سورہ یوسف میں اس طرح ذکر ہے۔

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ④ جب یوسف ؑ نے اپنے باپ سے کہا "ابا جان! میں نے خواب دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند، سب مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔"

حضرت یعقوب علیہ السلام خواب سن کر سمجھ گئے کہ گیارہ ستارے تو یوسف ؑ کے گیارہ بھائی ہیں اور سورج تو (یعقوب علیہ السلام) اور چاند کا مطلب سوتیلی ماں۔ اور سجدہ کرتے ہیں کا مطلب یہ کہ یوسف ؑ کو آگے چل کر اللہ اتنی عزت دے گا کہ ہم سب ان کی بڑائی مانیں گے۔

خواب کا یہ مطلب سمجھ کر حضرت یعقوب ؑ نے سوچا کہ اگر یوسف ؑ نے یہ خواب سوتیلے بھائیوں کو سنایا تو وہ یوسف ؑ سے جلتے تو ہیں ہی۔ اب جان لینے پر تل جائیں گے اس لئے بیٹے کو نصیحت کی :۔

قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰۤى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ⑤

"بیٹا! اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ سنانا نہیں تو وہ تجھے ستانے پر اتر آئیں گے کیونکہ شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے۔ (شیطان نہیں چاہتا کہ اچھے انسان اُبھریں۔ وہ بُرے لوگوں کو اُکساتا رہتا ہے کہ اس شخص کو نقصان کرو۔ یہ زندہ رہا تو اس کے ہوتے تمہاری عزت نہ ہوگی

یہ نصیحت کرکے حضرت یعقوب ؑ نے خواب کی سچائی اور اس کی تعبیر کے بارے میں بتایا :۔

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ

نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ
وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶﴾

بیٹا! تو نے جیسا خواب دیکھا ہے ایسا ہی ہوگا۔ تیرا رب (اللہ تعالیٰ) تجھ کو اپنے کام کے لئے چن لے گا۔ (یعنی نبی بنائے گا) کیسی ہی الجھی بات ہوگی تو سلجھا دے گا) اور تجھے باتوں کی تہہ تک پہنچنا (باتوں کو سمجھنا بوجھنا) سکھائے گا۔ اور تیرے اوپر اور یعقوبؑ (یعنی میری) اولاد پر اپنی نعمت اس طرح پوری کرے گا جس طرح اس سے پہلے وہ تیرے باپ دادا ابراہیمؑ اور اسحاقؑ پر کر چکا ہے۔ تیرا رب سب کچھ جانتا اور حکمت والا ہے۔

اس خواب کے بعد حضرت یعقوبؑ حضرت یوسفؑ کو بہت ہی زیادہ چاہنے لگے۔ دوسری طرف سوتیلے [بھ]ائیوں نے دل میں ٹھان لیا کہ اب یوسفؑ کو ختم ہی کر دینا چاہیئے تو سب مل کر بیٹھے اور آپس میں رائے [کر]نے لگے کہ یوسفؑ کو اپنے بیچ سے کس طرح دور کریں تاکہ ابا جان ہمیں چاہنے پر مجبور ہو جائیں۔

اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ
اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ ﴿۸﴾

انھوں نے آپس میں کہا " یہ یوسف اور اس کا بھائی دونوں باجان کو ہم سب سے زیادہ پیارے ہیں جبکہ ہم ایک پورا جتھا ہیں (کہیں کسی سے لڑائی ہوئی تو ہم ہی ساتھ رہیں گے۔ دشمنوں کا مقابلہ ہم ہی کریں گے نہ کہ یہ چھوٹے بچے۔ ابا جان تو سچ مچ بالکل بہک گئے ہیں۔ سٹھیا گئے ہیں۔ اتنی سی بات نہیں سمجھتے۔)

اُقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ
بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ﴿۹﴾

اچھا چلو یوسفؑ کو قتل کر دو یا اسے کہیں پھینک دو تاکہ ابا جان کا سارا پیار ہم پر ہونے لگے (ہے تو یہ کام برا لیکن) یہ کر کے پھر نیک بن جائیں گے۔

[...]فقرہ کھٹکتا ہے جو لوگ ہوتے تو برے ہیں لیکن کچھ کچھ ان کا ایمان جاگتا ہوتا ہے وہ اسی طرح سوچتے ہیں آج ہماری بھی یہی کیفیت ہے جہاں کچھ لالچ ہوا بس جھٹ [...]سے لگا کر کھا ڈالا اس وقت پر ضمیر نے ٹوکا تو تسلی دے لی کہ یہ کام اکیلا ہے اسے کسی طرح جھوٹ بول کر خیانت کر کے رشوت دے کر بنا لے پھر توبہ کر کے نیک بن جاتا ہے —

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ
بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰﴾

(یہ سن کر) اُن (بھائیوں) میں سے ایک بولا "یوسفؑ کو قتل نہ کرو۔ اگر کچھ کرنا ہی ہے تو اسے کسی اندھے کنویں میں ڈال دو۔ کوئی آتا جاتا قافلہ اُسے نکال لے جائے گا۔

یہ رائے سب بھائیوں نے مان لی اور یہ طے کیا کہ باپ سے چل کر کہیں کہ ہم سب بکریاں چگانے جنگل کو جاتے ہیں۔ یوسفؑ کو بھی ساتھ کر دیجئے ذرا جنگل کی ہوا کھائے کچھ تگڑا پڑے گا بدن میں چستی آئے گی۔ تو سب بھائی باپ کے پاس گئے:۔

قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴿۱۱﴾
اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾ قَالَ اِنِّيْ
لَيَحْزُنُنِيْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ
عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾
فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْۤا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِ
لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾

عرض کیا "ابا جان! کیا بات ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہم پر بھروسہ نہیں کرتے، ہم سب تو اس کی بھلائی چاہنے والے ہیں کل اُسے ہمارے ساتھ بھیج دیجئے وہاں کچھ جنگلی پھل پھلاری تو ٹونگ لے گا اور کھیل کود سے بھی جی بہلا لے گا ہم سب اس کی دیکھ بھال کرنے والے ہوں گے ہی۔"

حضرت یعقوبؑ نے جواب دیا "تمہارا اسے لے جانا میرے لئے غم کا باعث ہے اور مجھ کو اندیشہ ہے کہ کہیں اسے کوئی بھیڑیا نہ پھاڑ کھائے اور تم (کھیل کود میں پڑ کر) اس سے غافل ہو۔

سب بھائیوں نے (سینہ ٹھونک کر) کہا "اگر ہمارے ہوتے بھیڑیے نے اسے کھا لیا جبکہ ہم ایک پورا جتھا ہیں تب تو ہم بڑے ہی نکمے ہوں گے۔"

اس طرح ضد کر کے جب وہ یوسفؑ کو لے گئے اور انھوں نے طے کر لیا کہ اسے ایک اندھے کنویں میں ڈال دیں

(اور جب اس میں ڈھکیل دیا) تو (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ) ہم نے یوسف کے دل میں ڈالا کہ (اے یوسف!) ایک وقت آئے گا جب تو ان لوگوں کو ان کی یہ حرکت جتائے گا (انھوں نے جو کچھ کیا ہے) یہ اپنے اس کام کے نتیجوں کو نہیں جانتے۔

اور سچی بات یہ ہے کہ انسان کسی کے لئے کچھ کرتا ہے اور اللہ کچھ اور اللہ کی جو مرضی ہوتی ہے وہی بندے کے لئے ہوتی ہے لیکن جب وقت پڑتا ہے اس وقت بندے کی سمجھ میں نہیں آتا اور بے صبر ہو جاتا ہے۔ حضرت یوسفؑ کی دوسری تھی۔ وہ بھائیوں کی اس حرکت پر پیچھے چلائے نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو صبر کی توفیق بخشی اور ان کے دل کو ڈھارس دھائی کہ ایک دن ایسا ہوگا کہ تو عزت پائے گا اور یہ سب تیرے آگے ذلیل ہوں گے۔ اچھا خیر۔ آگے حال سنئے: ان سب حضرت یوسفؑ کا کرتا اُتار لیا تھا اس میں جھوٹ موٹ خون لگا لیا۔ اس کے بعد :-

وَجَاءُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُونَ ﴿١٦﴾ قَالُوا يَا أَبَانَا إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ ۖ وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ ﴿١٧﴾ وَجَاءُوا عَلَىٰ قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ ۚ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ﴿١٨﴾

شام کو وہ روتے پیٹتے اپنے باپ کے پاس گئے اور کہا "ابا جان! ہم سب آپس میں دوڑ کا مقابلہ کرنے میں لگ گئے تھے اور یوسف کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا کہ اتنے میں بھیڑیے نے آکر اُسے کھا لیا آپ ہماری بات کا یقین نہیں کریں گے چاہے ہم سچے ہی ہوں۔"

انھوں نے ثبوت میں وہ کرتا پیش کیا جس میں جھوٹ موٹ خون لگا کر لے گئے تھے یہ سُن کر اُن کے باپ (حضرت یعقوبؑ) ان کی چالوں کو سمجھ گئے۔ انھوں نے کہا "اُف" تمہارے نفس نے آننا بڑا کام تمہارے لئے آسان کر دیا۔ اچھا میں صبر جمیل کروں گا بات تم بنا رہے ہو اس پر اللہ ہی سے مدد مانگی جا سکتی ہے۔

صبر جمیل ایسے صبر کو کہتے ہیں جس میں شکایت نہ ہو، فریاد نہ ہو۔ سر اور سینہ پیٹنا نہ ہو ہائے واویلا نہ ہو۔ نہایت ٹھنڈے سے اس افتاد کو برداشت کرے جو سر پر آ پڑے۔ حضرت یعقوبؑ نے صبر جمیل کا حق ادا کر دیا۔

حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے ان کے ساتھ یہ کیا۔ اب دیکھئے اللہ کیا کرتا ہے یوسف کے بھائی ان کو کنویں میں ڈھکیل کر گھر گئے۔ بھوھر :-

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ ۖ قَالَ يَا بُشْرَىٰ هَٰذَا غُلَامٌ ۚ وَأَسَرُّوهُ بِضَاعَةً ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ⑲ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ⑳

ایک قافلہ آیا اور اس نے اپنے سقہ کو پانی لانے کے لئے بھیجا۔ سقے نے کنویں میں ڈول ڈالا تو یوسفؑ کو دیکھ کر پکار اٹھا۔ مبارک ہو۔ یہاں تو ایک لڑکا ہے۔ انھوں نے اُسے مال سمجھ کر چھپالیا حالانکہ جو کچھ وہ کر رہے تھے خدا وہ سب جاننے والا تھا (وہ قافلہ مصر کی طرف جا رہا تھا۔ وہ یوسفؑ کو مصر کے بازار میں لے گئے اور تھوڑی سی قیمت پر چند درہموں کے عوض بیچ ڈالا اور وہ اس کی قیمت کے بارے میں کچھ زیادہ چاہتے بھی نہ تھے (یعنی وہ چاہتے تھے کہ جلدی سے بیچ لیں کہیں اس کا مالک، سرپرست نہ آپہنچے اور جھگڑا اُٹھ کھڑا ہو۔)۔

مصر میں ایک رئیس تھا یہ رئیس مصر کے بادشاہ کا درباری تھا اور اسے عہدۂ عزیزیہ ملا ہوا تھا۔ اسی نسبت سے وہ عزیز کہلاتا تھا۔ بادشاہ کے بعد سب سے بڑا عہدۂ عزیزیہ ہی تھا۔ عزیز ہی ملک کے سیاہ وسپید کا مالک ہوتا تھا بادشاہ تو بس نام کا بادشاہ ہوتا تھا۔

حضرت یوسفؑ کو اسی عزیز نے خریدا۔ اس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ وہ حضرت یوسفؑ کو لے کر گھر گیا اپنی بیوی سے کہا۔ اس کو اچھی طرح رکھنا۔ اگر یہ ہمارے کام کا نکلا تو ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں گے۔

خدا کی مصلحت بھی عجیب ہے، کوئی سمجھ نہیں سکتا۔ حضرت یوسفؑ پر مصیبت پڑی تھی۔ کوئی دوسرا ہوتا تو وہ اس کو مصیبت سمجھ کر خدا کی شان میں بے ادبی کر بیٹھتا مگر یوسفؑ نے صبر کیا اللہ نے ان کے صبر کا یہ پھل دیا۔ کہاں سے کہاں پہنچے اور کیا سے کیا ہو گئے اور ابھی کیا اللہ تعالیٰ تو انھیں سب سے ہی سربلند کرنا چاہتا تھا۔ یوسفؑ جب عزیز کے گھر پہنچے اس وقت

ـــــ درہم ایک سکہ تھا جو آج کے چھبیس ستائیس پیسے کی قیمت کے برابر تھا۔

کی عمر ۱۸، ۱۹ سال کی تھی۔

حضرت یوسف علیہ السلام اللہ کے عظیم پیغمبر حضرت یعقوبؑ کے گھر پلے بڑھے تھے حضرت یعقوبؑ سے حضرت یوسف علیہ السلام کو خدا پرستی اور نیکی کی تعلیم ملی تھی۔ آزاد ماحول اور کھلی ہوا میں رہنے اور پاک زندگی گزارنے سے صحت و تندرستی کے مالک تھے جوان ہوئے تو حسن و جمال کا شاہکار ہو گئے۔

اس عمر میں بازار مصر میں بکنے گئے اور عزیز مصر نے ان کو دیکھا تو وہ دیکھتا رہ گیا۔ سوداگروں سے کہا کہ یہ لڑکا تو معلوم ہوتا کسی بڑے گھرانے کا ہے قسمت کے کھیل ہیں کہ تمہارے ہاتھ لگ گیا ہے! عزیز نے قیمت ادا کی۔ گھر لایا۔ حضرت یوسف سے باتیں کیں۔ کچھ باتوں میں مشورے طلب کئے تو آنجنابؑ نے ایسی عمدہ رائے دی کہ وہ خوش ہو گیا۔ بیوی سے کہا کہ اسے اچھی طرح رکھنا اسے میں بیٹا بنا لوں گا اور خود اپنا کام حضرت یوسف علیہ السلام سے لینے لگا اسے ہر کام ایسا بنایا ملتا جیسا وہ چاہتا تھا۔ کچھ دنوں تجربہ کرنے کے بعد اس نے اپنا سب کچھ ان کے حوالے کر دیا حضرت یوسف علیہ السلام نہایت سلیقے اور دیانت کے ساتھ گھر کا کام اور اس کی جائیداد کا کام کرنے لگے۔

حضرت یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے گھر پہنچے اس وقت مصر میں بڑی بے حیائی پھیلی ہوئی تھی۔ عورتیں مردوں پر حاوی ہو گئی تھیں اور وہ کھل کر کھیلتی تھیں عورتیں عورتیں آپس میں چیلنج کرتیں کہ ہمارا آشنا تم سے اچھا ہے۔

آج ہم مغربی ماحول میں بے حیائی دیکھ رہے ہیں مصر کی بے حیائی آج کے مغربی ماحول سے بڑھ کر تھی ستم ظریفی کی بات یہ تھی کہ اگر مصری عورت کی عاشقی کا حال شوہر پر کھل جاتا تو وہ عورت کو کچھ نہ کہتا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان بے چاروں کے اعصاب پر عورت بری طرح سوار تھی۔ آج مغرب کا مرد مصری مردوں سے چالاک ہے۔ اس نے عورتوں کو بے وقوف بنا رکھا ہے اور ہر طرح اس سے مزے اڑاتا ہے مصر کے مردوں کو وہاں کی عورتوں نے بس میں کر رکھا تھا مثال میں اسی عزیز مصر کی بیوی کو دیکھئے جس کا نام زلیخا مشہور ہے۔

زلیخا نے ۱۸، ۱۹ سال کے کڑیل جوان حسن و جمال کے پیکر کو گھر میں دیکھا تو دیکھتے ہی عاشق ہو گئی اور یوسف کے پیچھے پڑ گئی کہ اس کا کہنا مان لیں۔ قرآن کریم نے زلیخا کے رومان بند بند لفظوں میں اس طرح بیان کئے ہیں کہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے اور ذہن عریانیت کا شکار نہیں ہوتا۔ ملاحظہ ہو:۔

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ
قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ إِنَّهٗ رَبِّيْٓ أَحْسَنَ مَثْوَايَ ۖ إِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَلَقَدْ
هَمَّتْ بِهٖ ۖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ أَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۚ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ
السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۚ إِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٢٤﴾ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ
قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۚ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ أَرَادَ
بِأَهْلِكَ سُوْٓءًا إِلَّآ أَنْ يُّسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴿٢٥﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ
نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا ۚ إِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ
وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٢٦﴾ وَإِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ
الصّٰدِقِيْنَ ﴿٢٧﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ إِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۚ إِنَّ
كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿٢٨﴾ يُوْسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۖ
إِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِيْنَ ﴿٢٩﴾

جس عورت کے گھر میں وہ (یوسفؑ) تھا وہ اس پر ڈورے ڈالنے لگی۔ ایک روز دروازے بند کر کے بولی۔ "آجا" یوسفؑ نے کہا "خدا کی پناہ، میرے رب نے تو مجھے بہترین ٹھکانہ دیا (اور میں وہیں یہ کام کروں) ایسے ظالم کبھی فلاح پایا نہیں کرتے"۔ وہ اس کی طرف بڑھی اور یوسف بھی اس کی طرف بڑھتا، اگر اپنے رب کی دلیل (کہ ظالم کبھی فلاح نہیں پاتے) نہ دیکھ لیتا۔ ایسا اس لئے ہوا تاکہ ہم اس سے بڑی بیحیائی کو دور کردیں درحقیقت وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا۔ آخرکار دونوں (یوسف اور زلیخا) آگے پیچھے دروازے کی طرف بھاگے۔ اور زلیخا نے پیچھے سے یوسف کا قمیص (کھینچ کر) پھاڑ دیا۔ دروازے پر دونوں نے زلیخا کے شوہر کو موجود پایا۔ اسے دیکھتے ہی وہ بولی "کیا سزا ہے اس شخص کی جو تیری گھروالی پر نیت خراب کرے (پھر خود ہی کہنے لگی) اس کے سوا اور کیا سزا ہو سکتی ہے کہ وہ قید کیا جائے۔ اسے سخت عذاب دیا جائے۔" یوسف نے کہا "یہی مجھے پھانسنے کی کوشش کر رہی تھی۔" (زلیخا کا شوہر عزیز مصر سوچ میں پڑ گیا

پس زلیخا کے گھرانے کا ایک شخص آگیا) اس نے پکی بات کہی کہ اگر یوسف کا قمیص آگے سے پھٹا ہو تو عورت سچی اور جھوٹا اگر اس کا قمیص پیچھے سے پھٹا ہو تو عورت جھوٹی اور یہ سچا۔ (یہ مشورہ پانے کے بعد) شوہر نے دیکھا کہ یوسف کا قمیص پیچھے سے پھٹا ہے تو اس نے کہا" یہ تم عورتوں کی چالاکیاں ہیں۔ تمہاری چالیں بڑی غضب کی ہوتی ہیں (پھر اس نے حضرت یوسفؑ سے کہا) اس معاملے سے درگزر کر (اور عورت سے کہا) تو معافی مانگ۔ اصل خطا کار تو ہی تھی۔"

بات پھیلی تو شہر کی عورتیں آپس میں چرچا کرنے لگیں کہ عزیز کی بیوی اپنے نوجوان غلام پر مرمٹی ہے۔ محبت نے اس کو ہوش میں نہیں رہنے دیا یہ بھی نہ دیکھا کہ وہ غلام ہے اور اس کے برابر کا نہیں۔ ہمارے نزدیک تو وہ کھلم کھلا اندھی ہو رہی ہے۔ زلیخا نے ان کی یہ باتیں سنیں تو دل میں ٹھانا کہ ان سب کو قائل کروں گی خود ان سے منوالوں گی کہ میں جو کچھ کر رہی ہوں، ٹھیک کر رہی ہوں۔ اس نے ان سب کو بلا بھیجا ان کے لئے تکیہ دار بیٹھک سجائی۔ دعوت میں چھری اور پھل رکھ دیئے۔ ٹھیک اس وقت جب عورتوں نے چھری لے کر پھل کاٹنا چاہے۔ زلیخا نے یوسف کی طرف اشارہ کیا کہ ان کے سامنے آ۔ اب ان عورتوں نے یوسفؑ کو دیکھا تو دیکھتی رہ گئیں۔ وہ پھل کے بدلے اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں۔ اور پکاریں نہیں انسان نہیں۔ یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔"

ان عورتوں کا خیال تھا، اور ان عورتوں ہی کا کیوں، ہر شخص سوچ سکتا ہے کہ زلیخا جیسی حسین وجمیل اور رئیس عورت اپنے کو اس کے سپرد کرے اور وہ دور بھاگے تو یہ انسان نہیں، فرشتہ ہی ہو سکتا ہے۔ مصر جیسے بے حیا ماحول میں واقعی ممکن نہیں تھا کہ کوئی انسان ایسی عورت سے بچ جائے۔ عورتوں نے تسلیم کیا کہ زلیخا کا انتخاب ٹھیک ہے۔

اب زلیخا نے کہا" دیکھ لیا، یہ ہے میرا وہ بوائے جس کے بارے میں تم مجھ پر باتیں مارتی تھیں۔ میں نے اسے پھانسنے کی کوشش کی لیکن یہ بچ نکلا۔ اگر یہ میرا کہنا نہ مانے گا تو قید کیا جائے گا اور بہت ذلیل ہوگا۔

حضرت یوسفؑ کھڑے یہ سب سن رہے تھے۔ وہ بہت گھبرائے، دل ہی دل میں اللہ سے دعا کرنے لگے :-

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۳۳﴾

اے میرے رب! یہ عورتیں جو کچھ مجھ سے چاہتی ہیں اس کے مقابلے میں قید مجھے منظور ہے اور اگر تو نے

ان کی چالوں کو دور نہ کیا تو میں ان کے جال میں پھنس جاؤں گا اور جاہلوں میں شمار ہوں گا۔

انسان کا مقام اس وقت بہت بلند ہو جاتا ہے جب ایک گناہ سے بچتا ہے تو اس طرح ڈینگ نہیں ... نے یوں لات ماردی۔ میں یوں بچ نکلا بلکہ سب اللہ کا فضل سمجھتا ہے اور اس کی مدد چاہتا ہے۔

زلیخا نے اپنے محل میں عورتوں کو جو دعوت دی تھی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت مصر کے ... کی اخلاقی حالت کیا تھی؟ زلیخا نے مصر کی ٹاپ کی عورتیں بلائی تھیں۔ ان سب نے اس کے محبوب ہوائے کو دیکھ ... دسے میٹھیں پھل کے بدلے ہاتھوں میں چرکے لگا لئے تھے لیکن در اصل ان کے دل پر چھری چل گئی تھی۔

حضرت یوسف علیہ السلام، غریب کا یہ حال کہ ایک طرف وہ اکیلے اور خدا پر بھروسہ، دوسری طرف ... جال ہیں جو ہر وقت، ہر جگہ انھیں پھانسنے کے لئے پھیلے ہوئے ہیں عورتیں جذبات بھڑکانے کی کیسی کیسی ... ہے چارے زلیخا کے گھر میں رہتے تو وہ مالکن خود ناگن بن کر ڈسنے کو تیار، گھر سے باہر نکلتے تو گناہ اپنی ... دل لبھانے والی باتوں کے ساتھ منتظر کھڑا ہوتا۔ بدمعاش آدمی تو ایسے موقعے تلاش کرتا۔ یہاں موقعے حضرت یوسف ... ہیں اور اس تاک میں لگے ہوئے ہیں کہ جس وقت بھی ان کا دل ذرا ادھر مائل ہو بس فوراً آگے بچھ جائیں۔ اس پر طرہ یہ ... یہ سب دیکھتے اور سنتے ہیں لیکن بےحیائی ایسی عام ہے کہ ان کے بنائے کچھ نہیں بنتی۔ یہ سب کچھ اس بات کا پتہ دیتا ہے ... اور امریکہ آج عورتوں کی جس آزادی اور کھلی بےحیائی کو بیسویں صدی کی ترقیوں کا کرشمہ سمجھ رہے ہیں وہ کوئی نئی چیز ... بہت پرانی ہے دقیانوسی سے بھی سیکڑوں برس پہلے مصر میں آج کے روشن زمانے سے بھی زیادہ شان کے ساتھ ...

جہاں عورت مردوں کے اعصاب پر اس طرح چھائی ہو، وہاں نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ گھر برباد ہونے لگتے ہیں۔ عورتیں ... سے کم، غیر مردوں سے زیادہ دلچسپی لینے لگتی ہیں۔ آج یورپ اور امریکہ میں یہی ہو رہا ہے۔ ایسا بھی نہیں کہ سنجیدہ لوگ ... نہ ہوں۔ آج بھی سوچتے ہیں کہ عورت کو اس کا اصلی مقام کیسے واپس دیں۔ وہاں مصر میں بھی سوچا جانے لگا کہ اس وقت ... سے بڑا فتنہ برپا ہے عورتیں یوسفؑ کے لئے باؤلی پھر رہی ہیں۔ ہمارے گھر برباد ہو رہے ہیں تو اس کی روک تھام؟ انھوں نے کیا کیا؟ زلزلہ بر عضو ضعیف افتد۔ سارا نزلہ غریب یوسف پر گرا۔ عورتوں کو تو کوئی روک نہ سکا۔ عورتوں کو کوئی ٹوک نہ سکا۔ مردوں نے بشمول عزیز مصر طے کیا کہ یوسف کو جیل خانے میں ڈال دو۔ نہ بانس رہے نہ بانسری بجے

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾

پھر ان لوگوں کو یہ سوجھی کہ ایک مدت تک کے لئے اُسے قید کر دیں (حالانکہ وہ اس کی پاکدامنی اور اپنی عورتوں کی بدمعاشیوں کی) نشانیاں دیکھ چکے تھے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آج کسی شخص کو عدالتوں میں مجرم ثابت کئے بغیر بس یونہی پکڑ کر جیل بھیج دیا جاتا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بے ایمان حکمرانوں کی بہت پرانی سنت ہے۔ اس معاملے میں بھی آج کے شیطان چار ہزار برس پہلے کے شیطانوں کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ فرق ہے تو یہ کہ پرانے شیطان جمہوریت کا نام نہیں لیتے تھے اور آج اپنے ان کرتوتوں کے ساتھ جمہوریت کا نام لیتے ہیں۔ اور اگر کسی شریف آدمی کو پھانسنے کی قانون میں دفعہ نہیں پاتے تو کارروائی سے پہلے قانون بنا لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہنگامی حالات کا تقاضا ہے۔ پرانے وقتوں میں با اقتدار طبقہ اپنی غرض کے لئے شریف لوگوں پر ہاتھ ڈالتا تھا اور آج کے با اقتدار جن پر ہاتھ ڈالنا چاہتے ہیں اس کے بارے میں دنیا کو یقین دلاتے ہیں کہ اس سے ملک و قوم کو خطرہ ہے۔ سوچنے والے! وہ لوگ محض ظالم تھے۔ آج کے لوگ ظالم ہونے کے ساتھ جھوٹے اور مکار بھی ہیں۔

قصہ مختصر حضرت یوسفؑ کو جیل بھیج دیا گیا۔ جیل میں دو غلام بھی ان کے ساتھ ہی داخل ہوئے۔ اکبر الہ آبادی شاعر نے ایک بڑے پتے کی لکھی ہے کہتے ہیں کہ: ؎ کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہو کر۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو قیدیوں نے دیکھا۔ ہر وقت اللہ کی یاد۔ ہر وقت دوسروں کے لئے دعائیں کرنا۔ کسی سے شکوہ نہ شکایت۔ نہ واویلا۔ جو سزا ملی ہے اسے جھیلنا۔ دوسرے قیدیوں کو بھی اچھی باتوں کی تلقین کرنا۔

اب دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ ہم یہ عرض کر دیں کہ خراب سے خراب آدمی چاہے اچھی قدروں کو خود پامال کرے لیکن اس کے دل سے ان کی قدر نہیں نکلتی۔ ہم نے اپنے یہاں ایمرجنسی کے زمانے میں دیکھا کہ جب آر۔ ایس۔ ایس جیسے لوگوں کے ساتھ مسلمان جیلوں میں پہنچے تو آر۔ ایس۔ ایس نے مسلمانوں کے ایمان اور کردار کو دیکھ کر ان کے دامن چوم چوم لئے تھے۔ وہاں کی عملی شکلیں بہت نمایاں تھیں۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام جیل پہنچے تو اس وقت وہ بیس اکیس برس کے نوجوان تھے۔ قیدیوں نے دیکھا۔ بولے ارے یہ نوجوان تو کوئی غیر معمولی انسان ہے۔ ان قیدیوں کا ذہن غیر اسلامی تھا وہ ان کو دیوتا سمجھنے لگے۔ صرف قیدی ہی نہیں قید خانے کے افسر اور اہل کار سب ان کی عزت کرنے لگے تھے۔ جیلر نے تو سارے قیدی ان کو سونپ دئے تھے۔ قیدی

جو کچھ کہتے حضرت یوسف علیہ السلام کے حکم سے کرتے تھے۔ جیلر بے فکر ہو گیا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ جو دو غلام جیل میں داخل ہوئے تھے۔ ایک دن وہ دونوں خدمت میں حاضر ہوئے ان میں سے ایک نے کہا "میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا "میں نے خواب میں دیکھا کہ سر پر روٹیاں رکھی ہیں اور پرندے ان کو کھا رہے ہیں"۔ دونوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے اپنے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی۔ نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهِ ۖ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٣٦﴾

ہم کو اس کی تعبیر بتائیے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ بہت بڑے نیک لوگوں میں سے ایک ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام جیل میں دعوت و تبلیغ کا کام کر ہی رہے تھے۔ آج خود ان کے پاس دو شخص چل کر آئے تو موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ ان دونوں قیدیوں کے سامنے آپ نے ایک مختصر تقریر فرمائی۔ آنحضرت نے اس مختصر تقریر میں پوری دعوت سمو دی گویا کوزے میں دریا بھر دیا۔ انداز بھی عجیب بھانے والا۔ آپ نے پہلی جوبات فرمائی۔ وہ قرآن کے لفظوں میں ملاحظہ فرمائیں۔

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَن يَأْتِيَكُمَا ۚ ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ۚ

فرمایا، یہاں جو کھانا تمہیں ملا کرتا ہے اس کے آنے سے پہلے میں تمہیں ان خوابوں کی تعبیر بتا دوں گا (خواب کی تعبیر جو تم مجھ سے پوچھ رہے ہو) یہ علم ان علوم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے عطا کئے ہیں۔

یہ سن کر دونوں قیدی مطمئن ہو گئے کہ دو تین لمحوں کے بعد ان کو جواب مل جائے گا اور جواب بھی کیسا ٹھیک ٹھیک دونوں دھیان سے سننے لگے۔ اب یوسف علیہ السلام نے پہلے اپنی بات کہی۔ فرمایا۔

إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُم بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿٣٧﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ مَا كَانَ لَنَا أَن نُّشْرِكَ بِاللَّهِ مِن شَيْءٍ ۚ ذَٰلِكَ مِن فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٣٨﴾ يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ

اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ
وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا
اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾

جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں، سچی بات یہ ہے کہ میں نے ان کا طریقہ چھوڑ کر اپنے بزرگوں ابراہیمؑ۔ اسحاقؑ اور یعقوبؑ کا طریقہ اختیار کیا ہے (سنو پہلی معرکے کی بات) ہمارا کام یہ نہیں ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو ساجھی بنائیں۔ سچ پوچھو تو یہ اللہ کا فضل ہے ہم پر اور ان لوگوں پر (کہ اس نے اپنے سوا کسی غیر کا بندہ ہمیں نہیں بنایا) مگر بہت سے لوگ ہیں شکر ادا نہیں کرتے۔

اے جیل کے ساتھیو! تم خود ہی سوچو کہ بہت سے الگ الگ رب ٹھیک ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے اس کو چھوڑ کر تم جن کی بندگی کر رہے ہو وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ بس چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں اللہ نے ان کے لئے کوئی سند نہیں اُتاری حکومت کرنے کا حق اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں ہے اس کا حکم ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو یہی زندگی کا ٹھیٹھ سیدھا راستہ ہے مگر بہت سے لوگ نہیں جانتے۔

دونوں غور سے سنتے رہے۔ اسلام پیش کرنے کے بعد فرمایا "اے میرے جیل کے ساتھیو! تمہارے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تم میں سے ایک تو اپنے مالک (شاہ مصر) کو شراب پلائے گا۔ رہا دوسرا تو اسے سولی پر چڑھایا جائیگا اور پرندے اس نوچ نوچ کر کھائیں گے۔ تو فیصلہ ہو گیا اس بات کا جو تم پوچھ رہے تھے۔"

ایسا ہی ہوا جس قیدی نے شراب تیار کرنے کا خواب دیکھا تھا وہ جلد ہی قید سے چھوڑ دیا گیا اس کا قصور بھی معاف کیا گیا اور اس نے پھر جا کر بادشاہ کو شراب پلانے کا عہدہ سنبھال لیا۔ دوسرے قیدی کو پھانسی دیدی گئی۔

جیل میں یوسفؑ کو کئی سال ہو گئے ایک دن بادشاہ نے دربار کیا تو دربار کے لوگوں سے کہا۔ میں نے خواب میں دیکھا ہے سات موٹی گائیں ہیں ان کو سات دُبلی گائیں کھا رہی ہیں اور اناج کی سات بالیاں ہری ہیں اور دوسری سات بالیاں سوکھی۔ اے اہل دربار! مجھے اس خواب کی تعبیر بتاؤ۔ اگر تم خوابوں کا مطلب سمجھتے ہو۔ درباریوں نے کہا "حضور! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

آج کل آپ کا دماغ رعایا کی دیکھ بھال میں پریشان ہو گیا ہے۔ یہ خواب وہی پریشان خیالی ہے۔ اس طرح کے خوابوں کا مطلب کچھ نہیں ہوتا۔

اب سنئے وہ قیدی جو بادشاہ کو شراب پلانے پر مقرر تھا اور جیل سے چھوٹ کر آیا تھا اس نے کہا "میں آپ سب کو اس خواب کی تعبیر بتاتا ہوں مجھے ذرا قید خانے میں یوسفؑ کے پاس بھیج دیجئے۔"

بادشاہ نے پوچھا "خواب سے اور یوسفؑ سے کیا نسبت ہے" اس نے وہ سارا حال بتایا جب وہ قید خانے میں تھا اور کہا کہ یوسف ضرور ضرور صحیح تعبیر بتا دے گا۔ اے بادشاہ! یوسفؑ سراپا صدیق ہے جھوٹ بات اس کی زبان سے نکلتی ہی نہیں۔

بادشاہ نے اسے قید خانے میں جانے کی اجازت دے دی۔ وہ بڑے ادب سے حضرت یوسفؑ کی خدمت میں گیا بادشاہ کا خواب بیان کیا پھر عرض کیا "اے صدیق! (سراپا سچ ہی سچ) مجھے اس خواب کی تعبیر بتائیے۔

حضرت یوسفؑ نے تعبیر بتائی کہ وہ جو سات موٹی گائیں ہیں اور سات ہری بالیاں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم لگاتار سات برس تک خوب کھیتی باڑی کرو گے اور ان سات برسوں میں غلہ خوب پیدا ہو گا تم کو چاہئے کہ ان سات برسوں میں جو پیداوار ہو اس میں سے اپنے مطلب بھر کا اناج بالیوں سے نکال کر کام میں لاؤ باقی بالیوں میں رہنے دو تاکہ وہ خراب نہ ہو پھر جو تم نے سات دبلی گائیں اور سات سوکھی بالیاں دیکھی ہیں ان کی تعبیر یہ ہے کہ سات برس کے بعد سات سال تمہارے ملک میں سوکھا پڑ جائے گا۔ ان سات برسوں میں تم بالیوں میں بچا ہوا اناج نکال کر کھانا اس کے بعد پھر اللہ تم پر خوش حالی کا سال لائے گا اور تم خوش ہو جاؤ گے۔"

وہ خواب کی تعبیر سن کر دوڑا دوڑا بادشاہ کے پاس پہنچا خواب کی تعبیر بیان کی تعبیر ایسی جچی تلی تھی کہ سن کر بادشاہ بہت خوش ہوکر وزیر کو حکم دیا کہ یوسف کے پاس جا اور عزت کے ساتھ یہاں لا۔ وزیر حضرت یوسفؑ کے پاس گیا۔ آزادی کی خوشخبری سنائی اور کسی بڑے عہدے کی امید دلائی یوسفؑ نے اس سے کہا کہ جب تک میری پوزیشن صاف نہ ہو گی تب تک نہیں جاؤں گا۔ جاؤ میرے مقدمے کی تفتیش کرو اور تحقیق کرو کہ ان عورتوں کا کیا معاملہ ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے رب تو سب کچھ جانتا ہی ہے مگر تم کو بھی ٹھیک بات جاننا چاہئے۔"

وزیر نے آکر بادشاہ سے کہا "حضور! وہ تو کوئی عظیم شخص ہے۔ وہ تو یہ اور یہ کہتا ہے۔" بادشاہ نے بات کی

...یوسفؑ کی شخصیت کو سمجھ چکا تھا جبکہ آنحضرتؑ نے تعبیر بتانے کے ساتھ معاشیات کا ایک گُر بھی بتا دیا تھا جس کا خواب میں ...کر نہ تھا کہ غلّہ یوں محفوظ رکھنا۔ بادشاہ نے فوراً عورتوں کو طلب کیا۔ ان بے حیا عورتوں نے اقرار کیا: بیشک ہم نے اُسے ...رجھانے کی کوشش کی تھی لیکن یوسف میں تو شمہ بھر بھی بُرائی نہیں پائی۔ عزیز کی بیوی سے پوچھا گیا تو اس نے کہا "اب جب سچائی سامنے آگئی تو سنئے، وہ میں ہی تھی جس نے اس کو پھسلانے کی کوشش کی تھی۔ بے شک وہ سچا ہے۔

ہم نے اس عبارت سے پہلے کہیں ان عورتوں کی بیحیائی اور عیاری کے بارے میں لکھا ہے یہاں اس کی انتہا ملاحظہ فرمایئے بھرے دربار میں بادشاہ کے سامنے انہی درباریوں کی بیویوں نے اپنا پول کھولا۔ اور سارے درباریوں نے سنا۔ مصر کا ماحول کس درجہ ذلیل اور گندہ ہو چکا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام سے مصر کے سارے ہی لوگ واقف ہو چکے تھے پہلی بات ان کو یہ معلوم ہوئی تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام بہت ہی خوبصورت جوان ہیں ان پر عورتیں فریفتہ ہیں پھر یہ معلوم ہوا کہ انھیں جیل بھیجدیا گیا۔ جیل کی خبروں سے معلوم ہوا کہ وہ تو سراپا نیکی ہی نیکی ہیں پھر اس وقت تو ان کی عقلمندی کی دھوم مچ گئی جب انھوں نے خواب کی تعبیر بتائی اور اس وقت جب یوسفؑ نے جیل سے نکلنے سے انکار کر دیا اور مقدمہ بر سر عدالت جانچ کرانے کو کہا تو سب دنگ رہ گئے کہ سات آٹھ سال سے جیل میں ہیں باہر نکل کر آزادی کی سانس لیتے اور اپیل دائر کر دیتے۔ یہاں حضرت یوسفؑ کا کہنا یہ تھا کہ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّىْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ۔ اس سے میرا مطلب یہ ہے (عزیز) جان لے کہ میں نے پردہ میں اس کی خیانت نہیں کی بادشاہ نے وزیر سے کہا۔ "انھیں میرے پاس لاؤ۔ تاکہ میں ان کو اپنے لئے مخصوص کر لوں

پھر جب وزیر ان کو لایا اور بادشاہ نے آمنے سامنے باتیں کیں تو معتقد ہو گیا کہا۔ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ۔ اب آپ کا ہمارے یہاں ایک بلند مقام ہے اور آپکی امانت داری پر پورا پورا بھروسا ہے۔ یہ کہکر بادشاہ نے ریاست کا سارا ہی نظم حضرت یوسفؑ کے حوالے کر دیا اور اس کے درباریوں نے بھی یہ فیصلہ دل سے مان لیا حضرت یوسف علیہ السلام سیاہ و سپید کے مالک ہو گئے ایک تحقیق یہ بھی ہے کہ بادشاہ نے یوسفؑ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اللہ اللہ! یوسفؑ کے بھائیوں نے کیا سوچ کر انھیں کنویں میں ڈھکیلا تھا اور اللہ کے منصوبے میں کیا تھا۔ سچ ہے کسی کے کرنے سے کچھ نہیں ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے اور خدا کے منصوبے میں جو ہوتا ہے وہی بندے کے حق میں اچھا ہوتا ہے مبارک ہے وہ بندہ جو مصیبت کے وقت صبر کرے اور اللہ کو نہ بھولے۔

حضرت یوسفؑ نے نظم سنبھالنے کے بعد نہایت مستعدی سے کام شروع کر دیا۔ خوشحالی کے پہلے سات برسوں میں آنے والے قحط کے سات برسوں کے لئے غلہ اکٹھا کر لیا۔ پھر جب قحط پڑا تو وہ قحط صرف مصر ہی میں نہ تھا بلکہ آس پاس کے علاقے بھی اس کے پیٹ میں آگئے تھے۔ ان علاقوں کے لوگ مجبور ہوئے کہ مصر جا کر غلہ حاصل کریں حضرت یوسف علیہ السلام کا وطن فلسطین بھی قحط سے متاثر تھا۔ وہاں سے آلِ یعقوب (یوسفؑ کے بھائی) غلہ خریدنے کے لئے مصر پہنچے۔ درخواست دی۔ یوسفؑ نے بھائیوں کو پہچان لیا۔ مگر وہ ان کو نہ پہچان سکے۔ وہ پہچانتے بھی کیسے۔ انھوں نے جب یوسفؑ کو کنویں میں ڈھکیلا تھا، اس وقت ان کی عمر سترہ سال کی تھی۔ اب وہ دونی عمر سے بھی زیادہ لگ بھگ ۳۷-۳۸ سال کے تھے کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ جس بھائی کو وہ کنویں میں پھینک گئے تھے وہ آج مصر کے تخت کا مالک ہو گا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کی درخواست کو پڑھا۔ پھر کہا "تم دس بھائی آئے ہو۔ گیارہواں بن یمین کہاں ہے؟" انھوں نے بتایا "ہمارے والدین بہت بوڑھے ہو گئے ہیں اُسے ہم ان کی مدد کے لئے چھوڑ آئے ہیں۔ اس پر یوسفؑ نے فرمایا "اچھا اس بار ہم تم کو سب کے لئے غلہ دے رہے ہیں لیکن دوبارہ آنا ہو تو اسے بھی لانا۔ رہے والدین، تو خیر ان کے بڑھاپے کا عذر قابل قبول ہے۔ اس مقام پر قرآن مجید کے الفاظ میں سنئے۔ کیا حسین انداز پایا جاتا ہے:-

وَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَّكُم مِّنْ أَبِيكُمْ ۚ أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ﴿٥٩﴾ فَإِن لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِندِي وَلَا تَقْرَبُونِ ﴿٦٠﴾

پھر جب اس نے (یوسفؑ نے) ان کا (بھائیوں کا) سامان تیار کرا دیا تو چلتے وقت ان سے کہا اپنے سوتیلے بھائی کو میرے پاس لانا دیکھتے نہیں ہو کہ میں کس طرح پیمانہ (ناپ، پلڑا) بھر بھر کر دیتا ہوں اور باہر سے آنے والوں کے ساتھ میرا برتاؤ کیسا اچھا ہے اگر تم اُسے نہ لاؤ گے تو میرے پاس تمہارے لئے کچھ بھی غلہ نہیں بلکہ تم میرے قریب بھی نہ پھٹکنا۔"

اللہ اللہ، کس قدر دھمکی ملا ہوا پیار ہے اور پیار کیسا، ایسا جیسے معلوم ہوتا ہے کہ بھائی کے لئے بے چین ہو رہے ہیں۔ بھائیوں نے کہا "ہم کوشش کریں گے کہ والد صاحب اسے بھیجنے پر راضی ہو جائیں اور ہم اسے لانے کی ضرور کوشش کریں گے

رخصت کرتے وقت یوسفؑ نے نوکروں سے کہا کہ ان لوگوں نے غلہ کے بدلے جو مال دیا ہے چپکے سے ان کے غلوں کی بوریوں کے بیچ رکھ دینا۔ وہ یہاں نہ جان سکیں۔ یوسف علیہ السلام نے ایسا اس لئے کیا کہ گھر پہنچ کر جب وہ یہ دیکھیں گے کہ مال بھی واپس کر دیا تو دوبارہ ضرور غلہ لینے آئیں گے۔

یوسفؑ کے بھائی واپس گھر پہنچے تو حضرت یعقوبؑ سے سارا حال کہا۔ بتایا کہ آئندہ غلہ اسی شرط کے ساتھ ملے گا جبکہ بن یمین بھی ساتھ جائے۔ بن یمین کی حفاظت کا ذمہ ہم لیتے ہیں حضرت یعقوبؑ نے جواب دیا۔

قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ۭ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۠ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۶۴﴾

کیا میں اس کے (بن یمین کے) معاملے میں تم پر ویسا ہی بھروسہ کروں جیسا اس سے پہلے اس کے بھائی (یوسفؑ) کے بارے میں کر چکا ہوں۔ اللہ ہی بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور وہی سب سے بڑا رحم فرمانے والا ہے۔

بیٹے چپ ہو گئے۔ پھر جب اونٹوں پر سے سامان اُتارا اور اُسے کھولا تو دیکھا کہ ان کا مال بھی واپس کر دیا گیا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ پکار اُٹھے:۔

"ابا جان! یہ دیکھئے اور ہمیں کیا چاہیئے۔ ہمارا مال بھی ہمیں واپس دے دیا گیا ہے۔ اب تو ہم پھر جائیں گے اور اپنے گھر والوں کے لئے غلہ لائیں گے۔ بن یمین کو بھی ضرور لے جائیں گے۔ اس کی وجہ سے ایک اونٹ غلہ اور ہمیں مل جائے گا۔ رہا آپ کا اندیشہ تو بن یمین کی حفاظت کا ذمہ ہم لیتے ہیں۔ کیسا ہی وقت ہو ہم اسے اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔

حضرت یعقوبؑ نے پھر بڑی مضبوطی کے ساتھ کہا "میں اس کو ہرگز تمہارے ساتھ نہ بھیجوں گا جب تک کہ تم اللہ کا نام لے کر قسم نہ کھاؤ کہ اسے ضرور میرے پاس واپس لاؤ گے۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ تم کہیں گھیر لئے جاؤ۔" بیٹوں نے قسم کھا کر وعدہ کیا تو حضرت یعقوبؑ اس طرح سمجھانے لگے:۔

دیکھو۔ غلہ اس وقت مصر میں ہے۔ آس پاس کے علاقوں میں بھی قحط پڑا ہے۔ عزیز مصر کو یہ اندیشہ بھی ہوگا کہ آس پاس کے لوگ جو قبائلی زندگی بسر کرتے ہیں۔ لوٹ مار کرنے چوری چھپے آ جائیں۔ ہو سکتا ہے کہ عزیز مصر تم کو ایسا ہی سمجھ کر گھیر لے اور قید کر دے تو دیکھو تم مصر میں ایک ساتھ ایک دروازے سے نہ جانا بلکہ ایک ایک دو دو الگ الگ دروازوں سے

داخل ہونا۔ اس طرح جتھا بن کر داخل نہ ہو گے تو تم پر شبہ نہ ہوگا۔ مگر یہ بھی یاد رکھو۔ ہوگا وہی جو اللہ چاہے گا اس لئے بھروسہ اللہ پر کرنا۔ میں اللہ ہی پر بھروسہ کرتا ہوں۔

یعقوبؑ کے بیٹے قول و قسم کے بعد مصر کی طرف چلے وہ مصر میں الگ الگ دروازوں سے داخل ہوئے مگر ان کی ساری تدبیریں دھری کی دھری رہ گئیں۔ ہوا وہی جو اللہ چاہتا تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب یہ لوگ یوسفؑ کے سامنے گئے تو یوسفؑ نے بن یمین کو اپنے پاس الگ بلایا اور اسے بتا دیا کہ میں تیرا وہی یوسف بھائی ہوں جسے کنوئیں میں پھینک دیا گیا تھا۔ اب تو اداس نہ ہو۔ غم نہ کر اور ان بھائیوں کے ظلم بھول جا جو یہ کرتے رہے ہیں بن یمین نے کہا "بھائی جان اب میں ان کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ مجھے کسی تدبیر سے روک لیجئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائی کو تسلی دی۔ پھر جب سب کو غلہ دے کر سامان لادنے لگے تو اپنے بھائی بن یمین کے سامان میں اپنا پیالہ رکھ دیا سامان لادا جا چکا تو نوکروں نے دیکھا کہ سرکاری پیالہ غائب ہے انھوں نے ... اور ان سے کہنے لگے۔ تم چور ہو۔ تلاشی دو۔

ان لوگوں کو کیا خبر۔ انھوں نے پوچھا۔ تمہاری کیا چیز چوری گئی ہے؟" بتایا کہ سرکاری پیالہ گم ہے اگر وہ نہ ملا تو ... خیر نہیں۔ غلہ کے جمعدار نے اعلان کر دیا کہ جو شخص پیالہ لا کر دے گا اس کو ایک اونٹ غلہ دیا جائیگا اس کا ... ہوں۔

ان بھائیوں نے کہا "خدا کی قسم، تم سب اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم اس ملک میں فساد کرنے نہیں آئے ... کرنے والے لوگ نہیں ہیں۔ جمعدار نے کہا" اچھا اگر تمہاری بات جھوٹی نکلی تو چور کی کیا سزا ہے ... کہ ہمارے یہاں اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان میں چیز نکلے وہ آپ ہی اپنی سزا میں دھر لیا جائے۔

جمعدار نے مقدمہ حضرت یوسفؑ کے سامنے پیش کیا۔ تلاشی لی جانے لگی۔ پیالہ بن یمین کے سامان ... سب کے چہرے فق ہو گئے گھبراہٹ میں آگئیں اور تو کچھ نہ سوچا کہنے لگے "یہ چوری کرے تو کیا تعجب ... اس کا ایک بھائی یوسف تھا وہ بھی اس سے پہلے چوری کر چکا ہے حضرت یوسفؑ بھائیوں کی یہ بات ...

اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾ بڑے ہی برے ہو تم لوگ۔ جو کچھ ... اللہ اس کی حقیقت خوب جانتا ہے

اس کے بعد حضرت یوسفؑ نے اسی حکم کے مطابق جو بھائیوں نے بتایا تھا۔ بن یمین کو روک لیا اور کہا کہ اب تم لوگ جا سکتے ہو۔ بھائی بہت گھبرائے اب لگے خوشامد کرنے۔

قَالُوْا یٰۤاَیُّهَا الْعَزِیْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَیْخًا كَبِیْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۷۸﴾ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾

اے عزیز مصر! اے صاحب اقتدار! اس لڑکے (بن یمین) کا باپ بہت ہی بوڑھا ہو چکا ہے اس نے بڑی مشکل سے ہمارے اصرار پر اسے ساتھ کر دیا تھا وہ اس کے بغیر زندہ نہ رہ سکے گا۔ اس کی جگہ آپ ہم میں سے کسی کو روک لیجئے ہم آپ کو بڑا نیک دل انسان پاتے ہیں۔"

یوسفؑ نے جواب دیا "معاذ اللہ (توبہ توبہ۔ خدا کی پناہ) دوسرے کسی شخص کو ہم کیسے رکھ سکتے ہیں جس کے پاس ہم نے مال پایا ہے، اس کو چھوڑ کر دوسرے کو رکھ لیں گے تو ہم ظالم ہوں گے۔

حضرت یوسف کی یہ بات سن کر وہ سب مایوس ہو گئے۔ پھر وہ ایک طرف جا کر بیٹھے "آپس میں مشورہ کرنے لگے۔

بڑا بھائی بولا "بھائیو! تم جانتے ہو کہ ابا جان ہم سے تم سے خدا کی قسم کے ساتھ قول و قرار لے چکے ہیں اور اس سے پہلے یوسف کے بارے میں جو زیادتی کر چکے ہو۔ وہ بھی تم کو معلوم ہے۔ اب میں تو یہاں سے ہرگز نہ جاؤں گا جب تک کہ ابا جان مجھے اجازت نہ دیں۔ یا پھر اللہ ہی میرے لئے کوئی فیصلہ فرما دے۔ کیونکہ وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ تم سب جا کر اپنے ابا جان سے کہو کہ آپ کے لاڈلے بیٹے نے چوری کی ہے ہم نے اسے چوری کرتے ہوئے نہیں دیکھا جو کچھ ہم کو معلوم ہوا ہے بس وہی ہم بیان کر رہے ہیں جو بات ہم دیکھ نہ سکتے تھے اس کی نگرانی کیسے کر سکتے تھے۔ آپ اس بستی کے لوگوں کے ساتھ پوچھ لیجئے جو ہمارے ساتھ قافلہ میں تھے ہم اپنے بیان میں بالکل سچے ہیں۔"

حضرت یعقوبؑ نے یہ سن کر کہا۔

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَنِیْ بِهِمْ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿۸۳﴾ وَ تَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ یٰۤاَسَفٰى عَلٰى یُوْسُفَ

وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ۝۸۴ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ
حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ۝۸۵ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ
اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸۶ يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ
وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا
الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸۷

" تم نے اپنے آپ اپنے لئے ایک اور بڑی بات کو سہل بنا لیا ہے (یعنی تم جانتے ہو کہ میرا بیٹا کتنا نیک چلن ہے پھر بھی تم نے کتنی آسانی سے اس کے چور ہونے کا یقین کر لیا) اچھا (میں یوسف پر صبر کر چکا ہوں) اس پر بھی صبر جمیل اختیار کرتا ہوں اللہ کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں کہ ان سب کو مجھ سے ملا دے وہ سب کچھ جانتا ہے اور اس کے سارے کام حکمت کے تحت ہوتے ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ (یعقوبؑ) بیٹوں کی طرف سے منہ پھیر کر بیٹھ گیا اور کہا " ہائے یوسف!" وہ دل ہی دل میں غم سے گھٹا جا رہا تھا اور اس کی آنکھیں سفید پڑ گئی تھیں۔ یہ دیکھ کر بیٹوں نے کہا۔ خدا کی قسم! آپ تو بس یوسف ہی کو یاد کئے چلے جا رہے ہیں نوبت یہ آ گئی ہے کہ اس کے غم میں آپ اپنے کو گھلا دیں گے یا اپنی جان ہلاک کر ڈالیں گے

اس نے کہا "میں اپنی پریشانی اور اپنے غم کی فریاد اللہ کے سوا کسی سے نہیں کرتا۔ اور اللہ کو جیسا میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ میرے بچو! پھر جاؤ، یوسفؑ اور اس کے بھائی کی ٹوہ لگاؤ۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ اللہ کی رحمت سے تو بس کافر ہی مایوس ہوتے ہیں۔"

باپ کا یہ حال دیکھ کر بیٹے پھر مصر پہنچے۔ یوسفؑ کے سامنے پیش ہوئے۔ باپ کا حال بیان کیا اور عرض کی اے عزیز مصر! ہم اور ہمارے گھر والے سخت مصیبت میں پڑ گئے ہیں۔ ہمارے پاس جو پونجی تھی ہم وہ سب لے کر آئے ہیں آپ ہمیں پھر پورا غلہ دیدیجئے اور کچھ خیرات بھی۔ اللہ خیرات کرنے والوں کو اچھا بدلہ دیتا ہے۔

اب یوسف علیہ السلام سے نہ رہا گیا۔ کہا "تمہیں کچھ یہ بھی معلوم ہے کہ تم نے یوسفؑ اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا جبکہ تم نادان تھے؟" یہ سن کر سب چونکے۔ یوسفؑ کی طرف دیکھا۔ بولے "کیا تم ہی یوسف ہو؟"

یوسفؑ نے کہا۔ ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر احسان فرمایا حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی تقویٰ اور صبر سے کام لے تو اللہ کے یہاں ایسے نیک لوگوں کا اجر مارا نہیں جاتا۔

بھائیوں نے کہا: خدا کی قسم، اللہ نے تم کو ہم پر بڑائی دی۔ واقعی ہم خطاکار ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے کہا۔ اللہ تم کو معاف کرے۔ آج تم پر کوئی گرفت نہیں، اللہ رحم فرمانے والا ہے۔ جاؤ، لو، میرا قمیص لے جاؤ اور میرے والد کے منہ پر ڈال دو۔ وہ پھر دیکھنے لگیں گے اور سارے گھر بار کو میرے پاس یہاں لے آؤ۔

فَلَمَّآ أَن جَآءَ ٱلْبَشِيرُ أَلْقَىٰهُ عَلَىٰ وَجْهِهِۦ فَٱرْتَدَّ بَصِيرًا ۖ قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ إِنِّىٓ أَعْلَمُ مِنَ ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٩٦﴾ قَالُوا۟ يَٰٓأَبَانَا ٱسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَآ إِنَّا كُنَّا خَٰطِـِٔينَ ﴿٩٧﴾ قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّىٓ ۖ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٩٨﴾

پھر جب خوشخبری لانے والا آیا تو اس نے یوسف کا قمیص یعقوبؑ کے منہ پر ڈال دیا اور یکدم اس کو دکھائی دینے لگا اب اس نے (یعقوبؑ نے کہا: میں تم سے کہتا نہ تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ سب بول اٹھے: اباجان! آپ ہمارے گناہوں کی بخشش کے لئے دعا کریں۔ واقعی ہم خطاکار تھے۔ اس نے کہا: میں اپنے رب سے تمہارے لئے معافی کی درخواست کروں گا۔ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔"

اس کے بعد حضرت یعقوبؑ گھر بار کو لے کر مصر جانے کی تیاری کرنے لگے۔ پھر جب سب لوگ کنعان سے چل کر مصر پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے سرداروں اور فوجوں کو ساتھ لیا۔ بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ ملاقات کی۔ اپنے والدین کو اپنے پاس تخت پر بٹھالیا۔ گھر والوں سے کہا چلو اب شہر میں چلو۔ اللہ نے چاہا تو امن چین سے رہو گے۔

شہر میں پہنچے۔ دربار کیا۔ وہاں حضرت یوسفؑ نے والدین کو تخت پر بٹھالیا اب ان کے والدین اور بھائی سب کے سب بے اختیار ان کے آگے جھک گئے۔ یوسف علیہ السلام نے کہا۔

"يَٰٓأَبَتِ هَٰذَا تَأْوِيلُ رُءْيَٰىَ مِن قَبْلُ" اباجان! یہ ہے میرے اس خواب کی تعبیر جو میں نے پہلے دیکھا تھا (سورج اور چاند اور گیارہ ستارے مجھے سجدہ کر رہے ہیں) قَدْ جَعَلَهَا رَبِّى حَقًّا۔ میرے رب نے اسے سچ کر دکھایا۔ وَقَدْ أَحْسَنَ بِىٓ إِذْ أَخْرَجَنِى مِنَ ٱلسِّجْنِ وَجَآءَ بِكُم مِّنَ ٱلْبَدْوِ مِنۢ بَعْدِ أَن نَّزَغَ ٱلشَّيْطَٰنُ

بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِمَا يَشَاءُ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿١٠٠﴾ اس کا احسان ہے کہ اس نے مجھے قید خانے سے نکالا اور آپ لوگوں کو صحرا سے لاکر مجھ سے ملایا جبکہ شیطان میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈال چکا تھا سچی بات یہ ہے میرا رب چھپی تدبیروں سے جو چاہتا ہے کرتا ہے بے شک وہ جاننے والا حکمت والا ہے۔"

اس کے بعد حضرت یوسفؑ نے اس طرح اللہ سے دعا کی :۔

رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۚ فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنتَ وَلِيِّي فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ ﴿١٠١﴾

اے میرے رب! تو نے مجھے حکومت بخشی اور مجھ کو باتوں کی تہہ تک پہنچنا سکھایا۔ اے زمین اور آسمانوں کے بنانے والے تو ہی دنیا میں میرا ولی اور سرپرست ہے اور آخرت میں بھی۔ مروں تو اس حال میں کہ میں مسلمان ہوں اور مجھے صالح بندوں میں شامل فرما دے۔ (آمین۔)۔

اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السّلام نے اپنے گھر والوں کو آبادی سے الگ دریائے نیل کے کنارے بسایا اس لئے کہ مصر میں اُس وقت شرک اور بے حیائی کی باتیں بہت ہی پھیلی ہوئی تھیں ڈر تھا کہ آلِ یعقوبؑ بھی وہی باتیں نہ سیکھ لیں۔ کوئی شخص کیسا ہی نیک اور ایماندار ہو لیکن اگر وہ غلط ماحول میں رہتا ہے تو اس کی کوشش کے باوجود اس کی اولاد غلط باتیں سیکھ لیتی ہے۔ پڑوسی، بستی والوں کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ اچھے ماں باپ چاہتے ہیں کہ اولاد اچھی بنے لیکن وہ ماحول کے اثر سے بُری بن کر اٹھتی ہے۔

آج کون سی ایسی جگہ ہے جہاں شیطان نے بُری طرح اپنے پنجے نہیں جما دیئے ہیں۔ آج کے ماحول میں اگر کوئی چاہتا ہے کہ خود اچھا انسان اور اچھا مسلمان بنے تو ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنی اولاد، پاس پڑوس اور بستی والوں کو اچھی باتیں اپنانے اور برائیوں سے بچنے کی نصیحت کرے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ ہیضے کی وبا کے اپنا ہی گھر صاف ستھرا رکھنے سے کام نہیں چلتا جب تک گھر کے آس پاس اور بستی کو صاف ستھرا نہ رکھا جائے گا ہیضہ نہ بھاگے گا یہی حال اپنا ہے۔ ہم کو چاہئے کہ بُری باتوں سے خود بچیں، اپنے گھر والوں کو بھی بچائیں اور دوسرے لوگوں کو بھی

کے لیے پچھلا شمارہ دیکھیے۔

یروشلم کی پتلی

سارہ نے بے تیمار کے کمرے کو بند کر کے مقفل کر دیا اور مصلا بچھا کر نماز پڑھنے لگی۔ اس نے شکرانے
بھی پڑھے کہ اللہ نے مدد کی اور وہ عورت واپس آگئی جو اس کی نگرانی میں تھی اور دھوکا دے کر فرار
تھی۔ نماز سے فارغ ہو کر قرآن پاک کی تلاوت کرنے لگی۔ باہر گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دیں۔ دروازے
ک ہوئی، سارہ دروازے پر گئی۔

"دروازہ کھولے بغیر اس نے پوچھا: کون ؟"

"سیف الدین ابوبکر"

کیا چاہتے ہیں ملک العادل ؟"

وہ عورت ہمارے حوالے کر دو جو الموت جاتے ہوئے راستے میں پکڑی گئی تھی۔"

سارہ نے درز میں دیکھا کہ ملک العادل کے ہاتھ میں تلوار ہے اور غصے کے مارے ان کا چہرہ سرخ ہے۔

"کیا آپ اسے قتل کرنا چاہتے ہیں ؟"

"اس نے خود اپنی موت کا بندوبست کیا ہے۔"

لیکن آپ فیصلہ نہیں کر سکتے۔ یروشلم میں باقاعدہ حکومت موجود ہے۔ آپ قاضی کی عدالت کا دروازہ
ئیں۔ میں عورت کو لے کر حاضر ہو جاؤں گی۔"

"خوب، تو اب ہم اپنے دشمن پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔"

"عالی قدر ملک العادل ! اب تمام تلواریں قاضی کے احکام کی تابع ہو چکی ہیں۔"

" قاضی کی عدالت سے بھی وہی سزا ملے گی جو ہم دینا چاہتے ہیں۔"

سے ان کے مرد چھینے، ان کے ارمان نوچے، یورپ کو ویران کیا۔ بار بار صلیبی لشکر سمندر کی طوفانی موجوں کی طرح اُمڈ اُمڈ کر آئے لیکن یروشلم سے بہت دور سر ٹکرا ٹکرا کر رہ گئے۔

پے در پے ناکامیوں نے شاہ رچرڈ کو بیمار کر دیا۔ علاوہ ازیں کہیں بھی اسے چین نصیب نہ ہو۔ وہ لڑائی کا طوطا نہ پال سکتا تھا۔ وہ صلح کا راستہ ٹٹول رہا تھا۔ وہ ماضی کی تلخیوں کا خاتمہ چاہتا تھا۔ دشمن سے خوش گوار تعلقات قائم کر کے ان کے ساتھ پرامن رہ کر بگڑی ہوئی ساکھ بحال کرنا چاہتا تھا۔

سلطان غازی صلاح الدین فاتح یروشلم کو شاہ رچرڈ کا پیغام صلح ملا تو دشمن پر پوری طرح حاوی اور فتح کے نشے سے سرشار ہونے کے باوجود اس نے کہلا بھیجا: "میرا دین اسلام ہے اور اسلام کے معنی امن و سلامتی ہیں۔ خلق خدا کو جنگ نہیں چاہیے۔ آپ ہی نے جنگ چھیڑی تھی۔ آپ ہی جنگ سے تائب ہو رہے ہیں۔ ہم ہاتھ بڑھاتے ہیں۔"

چند دن پیام رسانی کا سلسلہ جاری رہا اور آخر صلح نامے کی شرائط طے کرنے کے لیے فریقین نے دن اور وقت مقرر کیا گیا۔ عالی شان شامیانے گاڑے گئے۔ حفاظتی انتظامات کیے گئے۔ شاہ رچرڈ نے فیصلہ کیا کہ وہ بہ نفس نفیس معاہدے کی بات چیت میں شامل ہوگا۔ وہ اچانک دھماکہ کرے گا اور وہ منصوبہ عمل میں لائے گا جس کی بدولت اس کی ساری ناکامیاں کامیابیوں میں بدل جائیں گی۔ وہ اپنے حسن تدبر سے تمام دنیا کو حیران کر دے گا۔ اور اس کے وہ ساتھی جو مایوسی کے عالم میں اسے چھوڑ کر یورپ چلے گئے اس کی تازہ کامیابی پر تسلیم کریں گے جو کام تلوار سے نہ ہوا وہ سیاسی تدبر سے ہوگا۔ وہ پانچ سال کے ضائع شدہ لہو کی بھاری قیمت وصول کرے گا۔ دنیا کو بتائے گا کہ جنگ پاپائے اعظم نے چھیڑی اور ہار جیت کا سہرا اس کے سر ہے۔

تمام انتظامات مکمل ہوئے تو شاہ رچرڈ مشیروں کو لے آیا۔ ان کے چمکتے دمکتے لباس قابل دید تھے۔ بہترین عربی النسل گھوڑوں پر سوار تھے۔ لیکن ان کے چہرے پر افسردگی کی کیفیت تھی شاہ رچرڈ تھا تاہم وہ بار بار مسکرا رہا تھا۔ سب لوگ شامیانے میں آ گئے۔

مسلمان نمائندے نے کہا: "جنگ ایسی وبا ہے جو سب کو کھا جاتی ہے۔ بستیوں کو نگل جاتی ہے۔ ویرانیاں لاتی ہے۔ ایک دفعہ شروع ہو جائے تو ختم ہونے کا نام نہیں لیتی۔ ملک رک (رچرڈ) نے صلح کا ہاتھ بڑھا کر انسان دوستی کا ثبوت دیا ہے۔ ہم آپ کی قدر کرتے ہیں۔"

شاہ رچرڈ نے کہا: "میری دلی خواہش ہے کہ اہل صلیب و اہل ہلال دنیا میں امن و امان سے رہیں ان کے تعلقات خوشگوار ہوں۔"

مستقل امن کے لیے آپ کی تدبیر کیا ہے۔ ملک رک!

"میں اپنی بہن ملکہ صقلیہ جونا کو ملک العادل سیف الدین ابوبکر سے بیاہنے کی پیش کش کرتا ہوں۔"

یہ سنکر سب لوگ سناٹے میں آ گئے۔ شیر دل رچرڈ کی جرات ناقابل بیان تھی۔ اس کی پیش کش غیر معمول تھی۔ اس نے پاپائے اعظم سے اجازت نہیں لی تھی۔ اپنے ساتھیوں، یورپ کے حکمرانوں سے مشورہ نہیں کیا تھا کیا وہ پورے یورپ کو اپنے خلاف بغاوت کی دعوت دینا چاہتا تھا۔

شاہ رچرڈ نے ایک اور جملہ کہہ کر فریق ثانی کے تن بدن میں آگ لگا دی: "ملکہ صقلیہ کی قیمت یروشلم ہوگی۔"

مسلمان نمائندے نے اسی آن اعلان کیا: "اس شرط پر قیامت تک صلح نہیں ہو سکتی۔ ایک عورت کیا پورے یورپ کی عورتیں پیش کی جائیں تو یروشلم کی قیمت ادا نہ ہوگی۔ ملک رک! صلح کی میز پر پھلوں کے طباق تو پیش کیے ہیں۔ لیکن یروشلم پیش نہیں کیا جا سکتا۔ جنگ میں مسلمانوں نے ایک عورت کو بھی ہاتھ میں لگایا۔ ایک عورت کی آبرو ریزی نہیں کی۔ عورت ہماری کمزوری نہیں۔ کیا طرابلس کی نصرانی ملکہ ہمارے ہاتھ نہیں لگی تھی۔ ہم نے اسے احترام اور حفاظت سے واپس کیا تھا؟ کیا یروشلم کی سابق ملکہ سائیسہ کی التجا پر ملک الناصر سلطان غازی نے ماؤں کو ان کے بیٹے اور بیویوں کو ان کے شوہر نہیں لوٹائے؟"

عجب نہ تھا کہ صلح کی گفتگو ناکام رہ جاتی لیکن شاہ رچرڈ ہر قیمت پر صلح پر تلا تھا اس نے پوچھا "صلح کی شرائط کیا ہوں گی؟"

"نہایت سادہ. ہرایک کے پاس اپنا اپنا علاقہ رہے گا. کوئی کسی کے علاقے میں مداخلت نہ
لوگ بے روک ٹوک ایک دوسرے کے علاقے میں آجاسکیں گے بشرطیکہ شرارت نہ کریں۔ سرحدوں کا
جائے گا. قیدی رہا کئے جائیں گے۔"

۲۲رشعبان ۵۸۸ھ (ستمبر ۱۱۹۲ء) کو صلح نامہ ہوا۔ اور دنیا بھر میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

سائرہ بنت ارزق اور صادق بن حکیم کو فوراً صلح نامے کی خبر ملی۔

حجرے کا دروازہ کھلا اور سائرہ نے لے تیمار سے کہا: "اب تم آزاد ہو۔ جہاں چاہو جاسکتی ہو۔"

"کیا مطلب؟" لے تیمار نے حیران ہوکر پوچھا۔

"مسلمانوں اور عیسائیوں میں صلح ہوگئی ہے۔"

"کیا شاہ رچرڈ نے ملکہ جونا کی قیمت وصول کرلی ہے؟"

"تم اپنی جان کی فکر کرو اور جس قدر جلد بن پڑے یہاں سے چلی جاؤ! یروشلم کی سرزمین میں کوئی
بال بیکا نہ کرے گا۔"

لے تیمار سوچ میں پڑ گئی. اس کی تو جیسے طاقت ہی سلب ہوگئی تھی. جب تک مسلمانوں کی
میں رہی. اب خود کو بالکل غیر محفوظ محسوس کرنے لگی۔

سائرہ نے کہا: "ملکہ برن گاریہ تمہیں ضرور قبول کرلے گی۔"

"لیکن ملکہ برن گاریہ کو کون قبول کرے گا؟"

وہ گم سم ہوگئی حجرے کا دروازہ کھلا تھا لیکن وہ باہر نہ آرہی تھی۔

"ایک دن اور قید میں رہنے دو۔"

"اب ایک لمحے کے لیے بھی تمہیں قید میں نہیں رکھ سکتی۔"

"مہمان کے طور پر بھی نہیں رکھ سکتیں؟"

"تم نے کیا بنا یا ہے اپنی زندگی کو کہ آزادی سے نفرت کرنے لگی ہو۔"

مجھے ایک دن سوچنے کو دو! اس وقت میری عقل کام نہیں کر رہی۔"

ٹھیک ہے۔ آزاد عورت کی حیثیت سے جب تک چاہو رہو۔"

وہ چپ ہو گئی۔ اس نے پورا دن اور پوری رات سوچ میں گذاری۔ اگلے دن گھوڑے پر سوار ہوئی اور ... جانے والی شاہراہ پر آ گئی۔ سائرہ اور صادق اس کے دائیں جانب اور شیری بون اور رحیم بن ... جانب ہو گئے۔ دونوں طرف بے رونق پہاڑیاں تھیں۔ کارروان آجا رہے تھے۔ اس کی ... میں آنسو تھے۔ دل میں غم کا طوفان تھا۔ ایک جگہ جا کر سب رک گئے۔ سائرہ نے پوچھا: "لے تیار ... ؟"

وہاں جہاں سے میں ملکہ صقلیہ کے قتل کے احکام حاصل کر سکوں۔"

... الموت؟"

ہاں۔"

جاؤ، اب تم آزاد ہو۔"

وہ روتے روتے رخصت ہو گئی اور ان راہوں میں کھو گئی جہاں تقدیر اٹکھیلیاں کر رہی تھی۔ پھر ... پتہ نہ چلا۔

وہ الموت کے بوڑھے شیخ الجبل پر بھروسہ رکھتی تھی جو خنجر کے آخری وار کا فیصلہ کرنے والا تھا اور ... کا خنجر اس کی گھات میں بیٹھا تھا۔ (ختم)

خلاصہ خطبات

... لانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی معرکہ آرا کتاب کا خلاصہ مدیر حجاب نے بڑی محنت سے کیا۔ ایک ایک عنوانوں سے ایسے اقتباسات لیے جن کی مثال ایسی ہے جیسے کوزے میں دریا بھر دیا۔ مسجدوں میں ایک صفحہ مفت ... جا سکتا ہے۔ یہ خلاصہ تجربے میں بہت مفید ثابت ہوا۔ قیمت دو روپیہ۔ تاجروں کو زیادہ کمیشن۔ محصولڈاک بذمہ خریدار۔

(منیجر مکتبہ حجاب رامپور۔ یو۔ پی)

باب سوم

تحریکِ اسلامی

کیا جماعتِ اسلامی میں کوئی صاحبِ دل بزرگ ہے؟

دریاباد، ضلع بارہ بنکی یوپی

محترم جناب مائل صاحب السلام علیکم۔ امید ہے کہ مزاج عالی بخیر ہوگا۔

میرے ایک کرم فرما دوست مندرجہ ذیل سوالوں کا جواب شافی و کافی چاہتے ہیں کیونکہ ان تذکروں سے لوگ بے اعتمادی کے ساتھ ساتھ شک و شبہ میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔ اس کے صحیح جواب اور صحیح رہنمائی کے لیے آپ کو تکلیف دے رہا ہوں۔

۱۔ ماضی قریب میں مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادیؒ، حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، مولانا شاہ وصی اللہؒ اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ جیسے صاحب دل بزرگ گزرے ہیں جن کی ایک نظر کیمیا اثر نے نہ معلوم کتنے عاصی پُر معاصی کی زندگیاں یک لخت بدل دی اور ان کو معاصی سے دلی نفرت ہوگئی۔ زندہ بزرگوں میں کچھ ایسا ہی مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھی کے بارے میں سنا جاتا ہے۔

۲۔ کیا جماعت اسلامی کی تاریخ میں، جماعت سے منسلک حضرات میں بھی کوئی ایسے ہی صاحب دل بزرگ گزرے ہیں۔ ان کے بارے میں تفصیل سے مطلع فرمائیے۔ مشکور ہوں گا۔

۳۔ جس طرح شیعہ حضرات میں حافظ قرآن نہیں ہوتے اسی طرح جماعت اسلامی میں کوئی صاحبِ دل بزرگ نہیں پائے جاتے ہیں۔ والسلام

(نیازمند: بشیر الحق انصاری)

جواب

بھائی انصاری صاحب! آپ نے اپنے ایک کرم فرما دوست کے تین سوال نقل کر کے میرے پاس بھیجے ہیں۔ اور ارشاد فرمایا ہے کہ میں ان سوالوں کے جواب دوں۔ زیادہ اچھا تو یہ تھا کہ آپ براہ راست یہ سوالات مرکز جماعت اسلامی ہند دہلی کو بھیجدیتے۔ میری دانست میں جماعت اسلامی ہند کی تاریخ ابھی نہیں لکھی گئی ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ امیر جماعت کی نظر میں کچھ ایسے صاحب دل بزرگ ہوں جن کی نظر کیمیا اثر نے کچھ عاصی پُرعاصی کی زندگیاں یک لخت بدل دی ہوں۔

انصاری صاحب! میں بتیس ۳۲ سال سے جماعت اسلامی ہند سے وابستہ ہوں۔ اس عرصے میں مجھے جماعت اسلامی کو بہت قریب سے دیکھنے کے مواقع ملے۔ اس عرصے میں جتنے آل انڈیا اجتماعات ہوئے ان سب میں شریک رہا۔ اس عرصے میں ارکان کے جتنے اجتماع ہوئے۔ بھوپال کے اجتماع کے علاوہ (میں بروقت بیمار ہوگیا تھا۔) سب میں شریک ہوا۔ اس کے بعد جماعت اسلامی کے نمائندوں کو بھی قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور آخری بات یہ ہے کہ جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کے لیے ممبران مجلس شوریٰ کو منتخب کرنے میں بھی حصہ لیا۔ ممبران مجلس شوریٰ کو جماعت اسلامی کا مکھن کہہ سکتے ہیں۔ لیکن ان میں سے ایک رکن شوریٰ کو بھی ایسا صاحب دل نہیں پایا جو نظر کیمیا اثر رکھتا ہو۔ یہ بات میں اس لیے عرض کر رہا ہوں۔ کہ اگر انھیں نظر کیمیا اثر اور صاحب دلی حاصل ہوتی تو یہ سب گلی گلی عوام الناس کی گالیاں نہ کھاتے پھرتے ہوتے۔ گاؤں گاؤں تبلیغی دورے کر کے اپنی جان کو ہلکان نہ کرتے ہوتے۔ حکومت کی نظر میں معتوب نہ ہوتے اور آئے دن جیل کی ہوا نہ کھاتے کوئی کہیں ملتا، ایک نظر ڈال دیتے، اس کی کایا پلٹ جاتی۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ آج ہندوستان

اعت اسلامی ہی جماعت اسلامی نظر آتی۔
انصاری صاحب! آپ کو آپ کے کرم فرمانے نہیں بتایا۔ میں عرض کردوں۔ صاحب
ضرات لعاب دہن بھی چٹا کر چاٹنے والوں کی نظر میں چودہ طبق روشن کردیتے ہیں۔ میں
اہی مایوسی کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ جماعت اسلامی کے کسی فرد کے لعاب دہن میں
تاثیر نہیں دیکھی۔ جماعت اسلامی کے ارکان کی نظر بے کیمیا اثر کا یہ حال ہے کہ جماعت کے
ں اکتالیس سال سے دعوت و تبلیغ کا کام انجام دیتے چلے آرہے ہیں۔ ایک ایک شخص
ام اور جماعت کے قریب لانے کے لیے برسوں کوشش کرتے ہیں۔ پھر اللہ جسے چاہتا ہے
عادیتا ہے اور جسے توفیق نہیں ملتی کورے کا کورا ہی رہتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آپ میری
ضات پڑھ کر یہ سمجھیں کہ مائل خیرآبادی انکساری کررہا ہے۔ تو بھائی! میں دستور جماعت اسلامی
سے وہ "معیار مطلوب" نقل کررہا ہوں جو ص۱۳ پر درج ہے۔ آپ ملاحظہ فرمائیں۔ جماعت
عیار مطلوب میں نہ صاحب دل ہونے کی شرط ہے اور نہ کسی کی نظر کیمیا اثر مطلوب ہے۔

معیار مطلوب دفعہ ۹ ص ۱۳

ہر رکن جماعت کو کوشش کرنی ہوگی کہ وہ :۔
۔ اسلام اور جاہلیت (غیر اسلام) کے فرق سے باخبر اور حدود اللہ سے واقف ہو جائے۔
۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے تعلق کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کرے اور اس کے لیے فرض عبادات
و نوافل اذکار اور تلاوت قرآن وغیرہ کا بھی اہتمام کرے۔
۔ تمام معاملات میں اپنے نقطۂ نظر، خیال اور عمل کو ہدایت الٰہی کے مطابق ڈھالے۔ اپنی
کے مقصد اپنی پسند اور قدر کے معیار اور اپنی وفاداریوں کے محور کو تبدیل کرکے رضائے
کے موافق بنائے اور اپنی خودسری اور نفس پرستی کے بت کو توڑ کر تابع امر رب ہو جائے۔

۴۔ ان تمام رسومات جاہلیت سے اپنی زندگی کو پاک کرے جو احکام شریعت کے خلاف
۵۔ اُن تعصبات اور دلچسپیوں سے اپنے قلب کو اور ان مشاغل، جھگڑوں اور بحثوں
اپنی زندگی کو پاک کرے جن کی بنا نفسانیت یا دنیا پرستی پر ہوں۔ اور جن کی کوئی اہمیت
میں نہ ہو۔
۶۔ فساق و فجار اور خدا سے غافل لوگوں سے مودت و موالات کے روابط
انسانی تعلقات منقطع کرے اور نیک اور خداترس لوگوں سے ربط و تعلق قائم کرے۔
۷۔ کسی غیر الٰہی نظامِ حکومت کا آلۂ کار ہونے یا اس کے قوانین کے اجرا میں مددگار ہونے
میں اپنے اس ذریعہ معاش سے جلد از جلد علیحدہ ہو جائے۔
۸۔ غیر اسلامی عدالتوں میں اضطرار کے بغیر معاملات کے تصفیہ کے لیے نہ جائے۔
۹۔ اپنے معاملات کو راستی۔ عدل۔ خداترستی اور بے لاگ حق پرستی پر قائم کرلے
۱۰۔ اپنی دوڑ دھوپ اور سعی و جہد کو اقامت دین کے نصب العین پر مرتکز کرلے
زندگی کی حقیقی ضرورتوں کے سوا ان تمام مصروفیتوں سے دست کش ہو جائے جو ا
نصب العین کی طرف نہ لے جاتی ہوں۔
دیکھا آپ نے یہ معیار مطلوب! صاف معلوم ہوتا ہے کہ کچھ گناہگار اکٹھے ہو گئے
مل جُل کر اپنے کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس کوشش
کون کتنا کامیاب ہے۔ یہ بھی کسی کو نہیں معلوم۔ یہ گناہ گار اتنے احمق بھی ہیں کہ اپنی
کا پروپگنڈہ تک نہیں کرتے۔ کبھی کبھی تو ایسا ہوتا کہ جماعت اسلامی کا کوئی رکن
کی ضرب لگا کر یا ہو حق کا نعرہ مار کر عوام کالانعام کو مرعوب تو کر دیتا۔ کہ منم صاحب دلم کہ نظر
ایسا تو کبھی ہوا نہیں۔ اُلٹے یہ ہوا کہ کسی پیر کی طرف سے مرید کرنے کی اجازت پائے ہو
دل جماعت میں آئے اور پیری مُریدی بھلا بیٹھے۔

انصاری صاحب! آپ کے کرم فرما دوست نے چار پانچ بزرگوں کا نام لیا ہے اور انھیں صاحبِ دل بتایا ہے۔ صاحب دل کے معنی بھی بتائے ہیں۔ کہ ان کی نظر کیمیا اثر نے بہت سے عاصی پرمعاصی کی زندگیاں بدل دیں۔

بے شک! آپ نے تو عاصی پرمعاصی کا اشارہ انسانوں کی طرف کیا ہے۔ میں نے ان بزرگوں کے ملفوظات پڑھے ہیں۔ صاحبِ دل حضرات کی نظر کی کیمیا اثری انسانوں تک محدود نہیں۔ انھوں نے جانوروں اور جانوروں میں بھی، کس جانور پر، ایک کتے پہ نظر ڈال دی۔ تو وہ کتا صاحب دل ہوگیا۔ ملاحظہ ہو۔ حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کی کتاب امداد المشتاق ص۱۰۱ جسے میرے روحانی پیر حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ترتیب دیا ہے۔ مولانا تھانوی لکھتے ہیں کہ حاجی صاحب نے:۔

"(۲۲۸) فرمایا۔ حضرت جنید بغدادیؒ بیٹھے تھے۔ ایک کتا سامنے سے گزرا۔ آپ کی نگاہ اس پر پڑ گئی۔ اس قدر صاحب کمال ہوگیا کہ شہر کے کتے اس کے پیچھے دوڑے۔ وہ ایک جگہ بیٹھ گیا۔ سب کتوں نے اس کے گرد حلقہ باندھ کر مراقبہ کیا۔ (حاشیہ) قولہ اس قدر صاحب کمال ہوگیا۔ (اقول) کمال خاص مراد ہے نہ کہ کمال مطلوب"۔

یہ ہیں ہمارے بزرگوں کے وہ کمالات جو ان کے بعد آنے والے بزرگوں نے تحریر فرمایا ہیں۔ اگر حضرت مولانا تھانویؒ کے علاوہ کوئی اور مؤلف ہوتا تو شاید میں کہہ دیتا کہ یہ خود اس کی تصنیف ہے لیکن جب مولف مولانا تھانوی جیسا ثقہ بزرگ ہو تو کیا کہا جائے۔ مات کر دیا بریلویوں کو بھی۔

صاحب دل بزرگوں کی سیرت کا مطالعہ کیجئے تو طلسم ہوشربا کی داستانوں سے زیادہ حیرت انگیزیاں نظر آئیں گی۔ کشف المحجوب میں لکھا ہے اور راوی ہیں حضرت علی ہجویریؒ اور قصّہ ہے حضرت رابعہ بصری رح کی صاحب دلی کا۔ اس قصّے میں حضرت رابعہ بصریؒ کو

جس فضیلت سے نوازا گیا ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضؓ کو بھی حاصل نہ تھی
قصہ سنئے :-

حضرت ابراہیم ادھمؒ ہر ہر قدم پر دوگانہ نفل پڑھتے ہوئے چودہ برس میں بلخ سے
مکہ پہنچے تو خانہ کعبہ کو اصل جگہ پر نہ پایا۔ ہاتف غیبی نے آواز دی "ابراہیم ٹھہرو۔ اور صبر کرو
خانہ کعبہ ایک ضعیفہ کی زیارت کو گیا ہے۔"

ابراہیم ادھمؒ اس ضعیفہ کی تلاش میں نکلے۔ ایک جنگل میں حضرت رابعہ بصریؒ کو
دیکھا کہ بیٹھی ہیں اور خانہ کعبہ ان کے گرد طواف کر رہا ہے"

اللہ اکبر کیسے کیسے صاحب دل لوگ ہوئے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ
میں تشریف فرما ہیں۔ اس کوشش میں ہیں کہ کفار مکہ صرف خانہ کعبہ کا طواف کر لینے دیں
انھوں نے مان کر نہ دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام صحابہ کے ساتھ ناکام واپس آئے
خانہ کعبہ کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ اپنی جگہ سے چل کر حدیبیہ آجاتا۔ اور حضورؐ اس کا طواف کر لیتے
مگر بھئی یہ ممکن بھی کیسے ہوسکتا تھا۔ حضورؐ کو نہ حضرت رابعہ بصری کی سی صاحب دلی نصیب
تھی نہ نظر کیمیا اثر۔ (استغفر اللہ)

انصاری صاحب! جماعت اسلامی ایک تحریکی جماعت ہے جو گھر سے بازار تک اور بازار
سے میدان کارزار تک اسلام ہی اسلام دیکھنا چاہتی ہے۔ جماعت اسلامی کے پاس نہ کوئی
ایسا منتر ہے نہ جادو۔ کہ پھونک مار کر اسلامی حکومت قائم کردے۔ اُسے تو اپنی اصلاح
سے کر ماحول کی اصلاح۔ اپنی بستی کی اصلاح۔ تعلیم گاہوں کی اصلاح اور صاحبان اقتدار
کی اصلاح تک جو جو مرحلے پیش آتے ہیں۔ سب بھگتنا پڑیں گے۔ جو شخص بھی اس کام
کے لیے اٹھا ہے اسے یہ تمام مرحلے پیش آئے ہیں۔ نبیوں کو تو ہجرت تک کرنا پڑی ہے
جنگیں لڑنی پڑی ہیں۔ بڑی خوشی ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کوئی چھو منتر حضورؐ کو بتا دیتا۔ آپؐ پھونک

ردیتے اور ساری دنیا کے لوگ صاحب دِل ہوجاتے۔ کاہے کو ابوجہل، ابولہب اور دوسرے ظالموں کے مظالم برداشت کرنا پڑتے۔

مگر یہ اللہ کی سنت نہیں ہے۔ یہ سنت ان پیروں کی ہے جو تصوف کی بدولت کرامتیں دکھاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ تحریک اسلامی کے خادموں کو ایسی صاحب دلی سے محفوظ رکھے جس کا دل گواہی دے ان گناہگاروں کے ساتھ ہوکر غلبۂ اسلام کی کوشش میں لگ جائے اور جس کا جی چاہے وہ صاحب دل بزرگوں کی تلاش کرتا پھرے۔ مگر واضح رہے ایسے صاحب دل حضرات اپنی خانقاہ کو تو صاحب دلی اور نظر کی کیمیا اثری سے روشن کرلیں گے لیکن انھیں کبھی یہ توفیق نصیب نہ ہوگی کہ اسلام کو غالب کرسکیں۔ کیا خوب کہا ہے جس نے کہا ہے۔

کبیرا کھڑا بازار میں لیے لکوراہاتھ — جو گھر جارے آپنا چلے ہمارے ساتھ
جو اپنے گھر کو پھونک دے خود اپنے ہاتھ سے۔ وہ میرے ساتھ آئے محبت کی راہ میں۔

ملفوظات

بزرگوں کے ان فقروں اور جملوں کو کہتے ہیں جو انھوں نے اپنے مریدوں کے سامنے کہے اور مریدوں نے انھیں لکھ لیا۔ اسکے بعد جمع کر کے کتاب بنالی۔ جیسے ملفوظات معین الدین چشتیؒ ملفوظات علی ہجویریؒ۔ ملفوظات حاجی امداد اللہؒ یعنی امداد المشتاق وغیرہ۔

نمونہ

میں نے ملفوظات میں تلاش کیا کہ کوئی مختصر سا نمونہ مل جائے اسے یہاں نقل کر دوں چنانچہ بایزید بسطامیؒ کے بارے میں ص۲۴۳ کلام المرغوب ترجمہ کشف المحجوب مصنفہ علی ہجویریؒ معروف داتا گنج بخش سے چند سطریں بطور نمونہ نقل کر رہا ہوں۔ علی ہجویری لکھتے ہیں کہ

"حضرت (یعنی حضرت بایزید بسطامیؒ) فرماتے تھے۔ سُبْحَانِی مَا اَعْظَمَ شَانِی۔ (میں پاک ذات ہوں۔ میری شان کی بلندی کا کیا کہنا)"

علی ہجویریؒ یہ لکھ کر فرماتے ہیں کہ (حضرت بایزید بسطامیؒ کا) یہ کہنا ان کی گفتار کا نشانہ ہے اور درحقیقت یہ کہنے والا حق سبحانہٗ ہی بندے کے پردے میں ہے۔

پتہ نہیں کہ علی ہجویریؒ نے واقعی یہ لکھا یا کسی اور شخص نے یہ سب تصنیف کر کے علی ہجویریؒ کی طرف منسوب کر دیا۔

بہر حال ہمارا دل قبول نہیں کرتا کہ بایزید بسطامیؒ نے یہ فرمایا ہو اور علی ہجویریؒ نے یہ ملفوظات محفوظ کئے ہوں لیکن بڑے افسوس کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ حلول (اوتار) کے فلسفے کو صوفیوں نے درست اور بجا ہی نہیں بلکہ توحید کا راز بتایا ہے۔ اس کے بعد اگر اس کے اشعار پر کوئی گروہ وجد کرے تو تعجب کی کیا بات ہے۔

• وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر — اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفیٰ ہو کر

• انا، اللہ میاں نے ہند میں نام۔ رکھ لیا، خواجہ معین الدین (استغفر اللہ)

اسلامی تحریکی ادب

ڈاکٹر احمد سجاد - ایم اے - ڈی - لٹ
شعبۂ اُردو، رانچی کالج
رانچی یونیورسٹی

برادرِ مکرم مائل خیرآبادی صاحب! السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

الحمدللہ بخیر رہ کر خواہانِ خیریت ہوں ــــــ یہ خط یہ ایک علمی و تحقیقی ضرورت سے لکھ رہا ہوں اس وقت اُردو کی تحقیقی دنیا میں جو دھڑے بندی، علمی استحصال اور دہریت کا غلبہ ہے آپ اس سے کما حقہ واقف ہوں گے۔ اس نقار خانے میں میں اپنی نسالی آواز بلند کرنا چاہتا ہوں اور موجودہ فیشن کے برخلاف ایک ریسرچ اسکالر سے اُردو میں اسلامی تحریکی ادب کے موضوع پر کام کروا رہا ہوں۔ میرا خیال یہ ہے کہ اس طرح کے چند موضوعات پر وقیع تحقیقی کام سے غیر اسلام پسند ادیبوں اور شاعروں کی طرف کوئی متوجہ نہ ہوگا۔

میں چونکہ آپ کے علمی و ادبی کارناموں کو اسلامی ادب میں ایک بیش بہا اضافہ سمجھتا ہوں۔ اس لئے چاہتا ہوں کہ ایک فنکار، شاعر اور ادیب کی حیثیت سے اس موضوع پر آپ سے تبادلۂ خیال کروں۔

یہ فرمائیے کہ موضوع کیسا ہے۔ آپ چونکہ ایک زمانے میں "مومن کانفرنس کی تحریک سے متاثر تھے۔ اور میں نے مومن میں آپ کی بہت سی شعری تخلیقات دیکھی ہیں۔ نیز ادھر عرصہ سے جماعتِ اسلامی جیسی ہمہ گیر تحریک کے اہم ترین اہلِ قلم اور اس سے وابستہ فنکار ہیں لہٰذا آپ اس امر پر روشنی ڈالئے کہ تحریکی اور غیر تحریکی ادب میں آپ کچھ فرق محسوس کرتے ہیں یا نہیں۔ اگر ہاں تو آپ کے نزدیک ان دونوں میں وہ بنیادی فرق کیا ہو سکتا ہے ــ اس موضوع پر آپ کسی اور پہلو سے روشنی ڈالنا چاہتے ہوں تو تکلف بے جا یا عدیم الفرصتی کا بہانہ نہیں بنائیں گے عنایت ہوگی۔ خدا کرے آپ مع اہل و عیال بخیر و عافیت ہوں۔ جواب کا منتظر۔

والسّلام۔ خیراندیش:۔ احمد سجاد۔ رانچی

تحریکی اور غیر تحریکی ادب

جو ادب انسان کے ذہن کو کسی ہمہ گیر نظریۂ حیات کی طرف موڑنے والا ہو اور اس میں اس نظریے کا پیغام ہو وہ تحریکی ادب کہا جائے گا۔ اس کے برخلاف جس میں پیغام نہ ہو اور وہ پیغام انسان کے رجحانات کو گیر نظریۂ حیات کی طرف نہ موڑے وہ تحریکی ادب نہیں کہا جائے گا۔ میں نیچے کچھ بہترین اشعار پیش کرتا ہوں ان کے ذریعہ تحریکی اور غیر تحریکی ادب کا فرق صاف ظاہر ہو جائے گا۔ میں کئی رنگ کے اشعار درج کروں گا اور ہر رنگ اپنی جگہ اپنی آپ مثال ہوگا۔ مثلاً نہایت معروف شعر ہے ؎

انگڑائی بھی وہ لینے نہ پائے اُٹھا کے ہاتھ
دیکھا جو مجھ کو چھوڑ دئے مسکرا کے ہاتھ

یہ شعر رامپور کے مشہور شاعر نظام رامپوری کا ہے۔ محاکاتی اشعار میں اس سے بہتر شعر میں نے نہیں پڑھا الفاظ کے ذریعہ شاعر نے جو تصویر پیش کی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ایک مصور کاغذ پر اور ایک بت تراش پتھر پر اس رنگ کی تصویر یا بت بنانے سے عاجز رہے گا پھر یہ کہ شاعرانہ انداز پوری فنکاری کے ساتھ اس شعر میں سمو دیا گیا ہے۔ لیکن اس میں کوئی پیغام نہیں یہ انسان کے ذہن کو کسی نظریے کی طرف نہیں موڑتا۔ ایسے نظریے کی طرف جو تعمیری اور ہمہ گیر ہو۔ لہٰذا یہ شعر تحریکی ادب میں جگہ نہ پا سکے گا آگے چل کر جب ہم اسلامی تحریکی ادب کی تعریف کریں گے اس وقت یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ اسلامی تحریکی ادب اتنے گہرے مطالعہ کی اجازت کو نہیں دے سکتا۔ اس شاعرانہ فنکاری سے بھرپور شعر کے بعد ایک نفسیاتی شعر ملاحظہ ہو۔ مرزا تعشق لکھنوی فرماتے ہیں: ؎

شق ہوا جاتا ہے سینہ بس اُٹھالو اپنا ہاتھ
اب اگر تسکین دو گے تم تو مر جائیں گے

یہ شعر نفسیاتی گہرے مطالعہ کا آئینہ دار اور غزل گوئی کا شاہکار ہے۔ اس سے پہلے تک شعرائے لکھنؤ

ہا ہے کہ اے دوست میرا دل بہت بے چین ہے اگر تم تسکین کے دو لفظ کہہ دو۔ مہربان ہو کر میرے سینہ پر ہاتھ رکھ دو تو میرے دل کو سکون حاصل ہو جائے گا لیکن مرزا صاحب نے سب سے الگ ہو کر یہ کہا ہے کہ تم مجھے تسکین دیتے ہو اس سے میری بے چینی میں اضافہ ہو گیا ہے۔

میں ایک معمولی مثال سے ایک نفسیاتی اثر کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ ایک ننھا بچہ ماں، بہن بھائی سے کچھ مانگتا ہے یا ضد کرتا ہے۔ ڈانٹ دیا جاتا ہے وہ مایوس اور آبدیدہ ہو جاتا ہے ایسے موقع پر ایک کنارے دیوار سے لگ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیتا ہے۔ اتنے میں باہر سے باپ آتا ہے۔ ننھے کو لیکن جذبات سے متاثر پاتا ہے شفقت پدری ہمدردی کا روپ دھارن کر لیتی ہے وہ اس کی طرف بڑھتا ہے۔ اٹھا کر چھاتی سے لگا لیتا ہے اس وقت دیکھنے میں آتا ہے کہ بچہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتا ہے۔

اس توضیح کے بعد شعر پھر پڑھئے۔ آپ شعر کی داد دئے بغیر نہ رہ سکیں گے۔ آپ دیکھیں کہ شعر جذبات کا مرقع ہے۔ پھر الفاظ کی سٹنگ اتنی عمدہ ہے۔ اور آہنگ ایسا لاجواب ہے کہ بایدو شاید مگر افسوس کہ ہم اس شعر کو تحریکی ادب میں شامل نہیں کر سکتے کیونکہ اس میں کوئی ہمہ گیر نظریہ حیات نہیں۔

اس کے بعد ایک نہایت پاکیزہ شعر پیش کرتا ہوں۔ اس شعر میں آپ ایک ایسی تشبیہ پائیں گے جس سے شاعر کی فکر و جستجو کا قائل ہونا پڑے گا۔ شعر خالص عاشقانہ ہے لیکن ایسا صاف اور ستھرا کہ آپ ماں بہن بیٹی کو اس کا مطلب سمجھا سکتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں

گل مرقعے ہیں ترے چاک گریبانوں کے
شکل معشوقوں کی انداز ہیں دیوانوں کے

(ریاض خیرآبادی)

کھلے ہوئے پھول کی خوبصورتی، اس کی نرم و نازک پنکھڑیوں کا الگ الگ ہو جانا۔ شاعر نے اسے اس کی چاک گریبانی کہا۔ چونکہ چاک گریبانی دیوانوں کا شعار ہے اس لئے عشق کے دیوانوں کو ان سے تشبیہ دی اور انہی دیوانوں کو پھول کی طرح حسین و جمیل ثابت کر دیا۔ سبحان اللہ!

برجستہ سبحان اللہ، قلم سے نکلا تو یاد آیا کہ گورکھپور کے مشہور نقاد اور رئیس مولوی سبحان اللہ خاں صاحب نے جب یہ شعر سنا تو ایک ہزار روپے انعام دیا اور فرمایا کہ ریاضؔ نے صرف یہی شعر عمر بھر میں کہا ہوتا تو میں اُسے شاعر مان لیتا۔

لیکن افسوس کہ ہم اس بیش قیمت شعر کو بھی تحریکی نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ یہ بھی اپنے اندر کوئی پیغام نہیں رکھتا۔ اس کے بعد میں علامہ سیماب اکبر آبادی مرحوم کا ایک استادانہ اور نہایت نازک شعر سامنے لاتا ہوں فرماتے ہیں ؎

محبت میں اک ایسا وقت بھی آتا ہے انساں پر
کہ تاروں کی چمک سے چوٹ پڑتی ہے رگِ جاں پر

شعر میں کیا بھر دیا ہے۔ ایک منتظر ملاقات سے پوچھئے۔ منتظر رات میں جاگ رہا ہے۔ انتظار میں تاروں پر نظر ہے۔ محبت ہے کہ دوست سے ملنے کے لئے بیتاب لیکن وہ نہیں آتا۔ اب اس غریب کے نازک دل کی حالت پر غور فرمائیے۔ یہی تاروں کی لطیف چمک چوٹ بن کر اس کے محبت بھرے دل پر لگتی ہے۔ اللہ اکبر شاعر کیسی کھوج سے شعر کہتا ہے۔ داد دینی پڑتی ہے لیکن یہ تعریف بھی شعر کو تحریکی ادب میں شامل نہیں کر سکتی۔

بس یہ چار شعر بہت ہو گئے۔ اندیشہ ہے کہ مضمون طویل ہو جائے۔ ایسے اشعار اردو ادب میں دس بیس ہی نہیں، ہزاروں ہیں جن کو پڑھ کر لوگ جھومتے ہیں لیکن تحریکی ادب میں ان کا کوئی مقام نہیں۔ ان کے برخلاف مندرجہ ذیل اشعار : ؎

آ تجھ کو بتاؤں میں تقدیرِ اُمم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل، طاؤس و رباب آخر



آگ ہے، اولاد ابراہیم ہے، نمرود ہے
پھر کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

آہ، یہ عقلِ زیاں اندیش کیا چالاک ہے
اور تا ثر آدمی کا کس قدر بیباک ہے

اجل ہے لاکھوں ستاروں کی اک ولادتِ مہر
عدم، عدم ہے کہ آئینہ دارِ ہستی ہے

ممکن ہے اس آخری شعر کا مطلب اُلٹا سمجھ لیا جائے۔ اس لئے نہایت مختصر تشریح کر دینا چاہتا ہوں۔ علامہ اقبالؒ نے اس میں یہ نہیں کہا ہے کہ ولادتِ مہر یعنی سورج کے نکلنے سے لاکھوں ستارے مر گئے۔ ماند پڑ گئے، بلکہ یہ کہا ہے کہ جب لاکھوں ستاروں نے اپنی جان کی قربانی پیش کی تو ایک سورج پیدا ہوا۔ اس لئے عدم، عدم نہیں، موت، موت نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے ایک بڑی زندگی ہے جو لاکھوں قربانیاں چاہتی ہے تب ہی نمودار ہوتی ہے۔

اسے کہتے ہیں تعمیری پیغام، اسے کہتے ہیں پیغامِ حیات، یہ پیغام انسان کو قربانی کے لئے اُبھار رہا ہے موت کا خوف دل سے اُتار رہا ہے اسی طرح کے وہ شعر بھی ہیں جو اس سے پہلے لکھے گئے ان اشعار کے ذریعہ اقبال کسی شعر میں انسانی جد و جہد اور اس کے عیش کی پوری تاریخ پیش کرتا ہے۔ اور کسی شعر میں بید ھڑک کام کرنے کی ترغیب دیتا ہے انھیں ہم تحریکی ادب میں فخر کے ساتھ شامل کرتے ہیں اُردو شاعری ایسے موتیوں سے مالامال ہے۔

اسلامی اور غیر اسلامی تحریکی ادب

تحریکی اور غیر تحریکی ادب کا فرق سمجھ لینے کے بعد اسلامی اور غیر اسلامی تحریکی ادب آسانی کے ساتھ سمجھ میں آجائے گا۔ جس طرح تحریکی ادب وہ ہے جس میں کوئی پیغام ہو اور وہ انسان کے رجحانات کو کسی ہمہ گیر نظریہ حیات کی طرف موڑنے والا ہو۔ اسی طرح اسلامی تحریکی ادب وہ ہے جس میں کوئی اسلامی پیغام ہو اور وہ

انسان کے رجحانات کو اسلامی نظریے کی طرف موڑنے والا ہو مثال کے طور پر استاد ذوق کا یہ شعر: ؎

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

کتنے آسان لفظوں میں شاعر نے جچی تلی بات کہہ دی۔ لوگ گھبرا کر مرنے کی تمنا کرتے ہیں ان کا خیال ہے کہ زندگی بس یہی زندگی ہے۔ اس کے بعد مٹی میں مل جانا ہے اور بس لیکن شاعر کہتا ہے بھائی! اگر مرنے کے بعد بھی اپنی بداعمالی سے چین نہ ملا تو کیا ہوگا۔ آخرت کے حساب کتاب کا ڈر اور جہنم کا خوف جو اسلامی عقیدہ میں ہے ایک عقیدہ ہے جس کے بغیر انسان میں انسانیت نہیں آسکتی۔ اسی کی طرف شاعر نے توجہ دلائی ہے اور کہا ہے کہ اس زندگی کو سنوار لو تو موت کے بعد ابدی زندگی میں چین ہی چین پاؤ گے۔

ذوق کے ہمعصر اور ہمارے موجودہ ویش کے مانے ہوئے ملکی شاعر چچا غالب یہ شعر پڑھ کر سر دھنتے تھے اور فرمایا کرتے تھے ذوق یہ شعر مجھے دیدے اور میرا پورا دیوان لے لے۔ یہ اور ایسے ہی اشعار اسلامی تحریکی ادب کی جان ہیں اور ہم بڑے فخر کے ساتھ ایسے اشعار اسلامی تحریکی ادب میں شامل کر سکتے ہیں۔ نیچے اُردو کے سلطان الشعراء میر کا شعر ملاحظہ فرمائیے: ؎

سب پہ جس بار نے گرانی کی
اس کو یہ ناتواں اُٹھا لایا،

اس شعر کا شانِ نزول یہ ہے کہ میر تقی میر نے فارسی میں ایک شعر پڑھا۔ فارسی کا شعر ہے: ؎

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند

یہ شعر دل میں گھر کر گیا۔ اس شعر میں یہ ہے کہ جب ازل میں اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات سے خلافت کا بار اُٹھانے کے لئے فرمایا تو سب نے کانوں پہ ہاتھ رکھا لیکن اس ضعیف الجثہ، نحیف الاعضاء انسان کے سر تھوپ دیا گیا۔ (قرآن اس تھوپ دینے کے برعکس کہتا ہے)۔

میر نے شعر پڑھا بس ایک دُھن تھی کہ کسی طرح سے اردو میں ڈھال لیں۔ کہتے ہیں کہ میر راتوں کو جاگ جاگ کر فارسی شعر پڑھتے تھے۔ آسمان کی طرف دیکھتے تھے۔ آخر کار اُسے اُردو کا جامہ پہنا ہی دیا۔ ہم تو کہتے ہیں کہ الہام ہوا۔ اس طرح کہ آج جب ہم پڑھتے ہیں تو معلوم تک نہیں ہوتا کہ یہ ترجمہ ہے عین برجستہ شعر معلوم ہوتا ہے۔ اردو میں یہ شعر میر کا سب سے اچھا شعر مانا گیا ہے اور یہ اسلامی تحریکی ادب والوں کی ایک فتح ہے جس پر انھیں فخر کرنا چاہئے۔ میں نے اب سے دس بارہ برس پہلے "بنتِ حوا" ایک کتاب ترتیب دی تھی۔ یہ ایک دین پسند خاتون سے خط وکتابت کے سلسلے میں عالم وجود میں آئی تھی اس میں میں نے لکھا کہ اسلامی ادب پر بحث کی ہے۔ آپ مزید تسکین کے لئے اُسے ملاحظہ فرمالیں۔

اسلامی نظریات کے برعکس جو شعر کہا جائے گا وہ غیر اسلامی تحریکی ادب میں جگہ پائے گا ایسے ادب میں آپ کو اشعار کا ایک انبار ملے گا جس میں ہر طرح کے نفسیاتی جذباتی، رومانی، روحانی اور جانے کیسے کیسے اشعار ملیں گے وہ اچھے بھی ہوں گے لیکن وہ سب مختلف وادیوں میں لے جانے والے ہوں گے۔ ہر گلے رنگ و بوئے دیگر است کے مصداق ہوں گے۔ لیکن اسلامی تحریکی ادب میں جگہ نہ پاسکیں گے۔

یہی وہ بات ہے جسے ڈاکٹر سجاد صاحب نے اپنے خط میں یوں کہی ہے کہ "اس وقت اردو کی تخلیقی دنیا جو دھڑے بندیاں، علمی استحصال اور دہریت کا غلبہ ہے آپ اس سے کماحقہ واقف ہوں گے"۔

ڈاکٹر صاحب کے خط کا مخاطب ان دھڑے بندیوں سے واقف ہی نہیں وہ ان قلابازیوں کو بھی شمار رہتا ہے جو بنت نئی صورتیں بدل بدل کر سامنے آتی رہتی ہیں لہٰذا "اُردو میں اسلامی تحریکی ادب" کی سرگزشت کو اُس جیسا ہر شخص ایک مستحسن فعل قرار دے گا۔ اچھوتی کوشش کہے گا اور کار ثواب بھی۔ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کے ارادوں میں استحکام اور انھیں یہ کام کرنے کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے۔"

یاد رکھئے! یہ شمارہ نومبر و دسمبر دو مہینوں کا ہے۔ اس کے بعد جنوری کے حجاب کا انتظار کیجئے! (منیجر)

تحریکی ادب

ڈاکٹر احمد سجاد۔ ایم۔ اے ڈی۔ لٹ
شعبہ اُردو۔ رانچی کالج
رانچی یونیورسٹی

برادر مکرم و محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

عنایت نامہ مورخہ ۲۲ راگست مجھے پرسوں ملا۔ انتہائی مصروفیتوں کے باوجود مفصل جواب کا شکریہ آپ کی مص شاقہ اور اس قدر مصروفیات کا مجھے اندازہ نہیں تھا۔ یہ اُردو زبان و ادب کی بدقسمتی ہے کہ آپ جیسے پرورش لوح و کرنے والوں کو بال بچوں سمیت اس طرح پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ یہاں آپ کی محنت کا صلہ کیا ملے گا۔ آپ جس نیت سے کر رہے ہیں انشاء اللہ وہاں آپ کی توقع سے زیادہ ملے گا۔

میں اس کے لئے معذرت خواہ ہوں کہ علمی و ادبی گفتگو کرتے کرتے آپ کے گھریلو معاملات میں دخل در معقولات کرنے لگ گیا۔ میرے کیلئے اس کا کچھ جواز بھی ہے۔ ممکن ہے آپ بھی تسلیم کریں۔ اولاً آپ کے خطوط میں "اپنا پن" کی فضا۔ دوسرے اس ڈیڑھ فٹ کی مریض بچی کی مسکراہٹ جواب ماشاء اللہ ۵ فٹ کی صحت مند لڑکی بن گئی ہوگی تیسرے حجاب اور آپ کی بیسیوں کتاب اور کتابچوں کے ذریعہ میرے گھر کے چھوٹے سے لے کر بڑے تک سب سے آپ کی دوستی۔ ان تینوں اسباب نے آپ کی شخصیت کو میرے گھر کا ایک بہترین فرد بنا دیا ہے۔ میں تو آپ کو اپنا محسن بھی مانتا ہوں اس لئے کہ آپ کی کتابیں میری تربیتی کوتاہیوں کی تلافی کر دیتی ہیں۔ بڑا بچہ طارق سجاد (عمر ۹ سال) پڑھتا تو انگریزی اور ہندی میڈیم ہے۔ مگر الحمد للہ میں نے اردو اور اسلامیات سے غفلت نہیں برتی ہے۔ وہ خصوصیت کے ساتھ آپ کی کہانیوں کا رسیا ہے۔ خدا جانے "ہیرے کا جگر" ٹھیک سے سمجھ بھی سکا یا نہیں۔ مگر پوری ورق گردانی کر گیا۔ اب اس کتاب کو میری چھوٹی بہن اور والدہ محترمہ کے بعد والد بزرگوار بڑے ذوق و شوق سے پڑھ رہے ہیں۔ "ہمارا ابن بطوطہ" طارق نے خوب مزے لے لے کر ختم کیا

بچے ہیں مشکل الفاظ اور محاورات کے معنی مطلب بھی پوچھتا جاتا ہے۔ پہ تو یہ ہے کہ انہی بچوں نے اس طرف مجھے دوبارہ آپ کی طرف مائل کیا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ گوناگوں علمی و ادبی اور ملی کاموں میں اس قدر مصروفیت بڑھ گئی ہے کہ عرصے سے آپ کی کتابیں پڑھنے کا موقع نہیں ملتا۔ میرے ریسرچ اسکالر نے نظم و نثر میں آپ کی چھوٹی بڑی کتابوں کی جو فہرست دکھائی اس میں ۱۴۴ کی تعداد[1] دیکھ کر میں خود چکر میں پڑ گیا کہ اب بغیر اس محقق کی مدد کے اس کا جائزہ بھی میرے لئے آسان نہیں۔

اچھا اب آئیے کچھ "اسلامی تحریکی وغیر تحریکی ادب" کے موضوع پر۔ اس موضوع پر ایک سوالنامہ مختلف ادیبوں اور شاعروں کے پاس بھیجا جا رہا ہے تاکہ تحقیق کے جدید تقاضے پورے کئے جا سکیں۔ آپ نے اپنی مفصل رائے بھیج کر بڑا کرم کیا ہے۔ "اسلامی وغیر اسلامی اور تحریکی وغیر تحریکی ادب" کے سلسلے میں میں آپ کے خیال سے متفق ہوں مگر تحریکی ادب کے ضمن میں یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا نظم و نثر میں محض تحریکی خیال" اس کے "تحریکی ادب" ہونے کے لئے کافی ہے یا کسی ادیب و شاعر کے لئے اس کا عملاً کسی تحریک (MOVEMENT) سے وابستہ یا متاثر ہونا بھی ضروری ہے؟ جہاں تک "تحریک" بمعنی حرکت و عمل کے ہیں۔ اس نقطۂ نظر سے اکبر و اقبال وغیرہ کا تشنہ ہی سہی کچھ نہ کچھ مطالعہ ہوا ہے مگر تحریک بمعنی "انقلابی اقدام" یا (MOVEMENT) کے جیسے وہابی، خلافت، جنگ آزادی اور جماعت اسلامی وغیرہ کی تحریکات نے جو ادب پیدا کیا ہے اس کا محققانہ جائزہ نہیں کے برابر ہوا ہے۔" اسلامی تحریکی ادب" سے میری مراد اسی قسم کے ادب سے ہے۔ اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ پورے ادب کا جائزہ لینے کے بجائے بعض تحریکات کے ادب کا قدرے تفصیلی مطالعہ کیا جا سکے گا۔

آپ نے جتنے اُدبا و شعرا کا نام درج کیا ہے ان میں محمد حسین آزاد، شرر، رسوا، سلیمان ندوی، حسن نظامی، عبدالماجد دریابادی، راشد الخیری وغیرہ کے یہاں اسلامیت" سے تو انکار نہیں مگر "تحریکیت" اور وہ بھی کسی ایسی تحریک کی تحریکیت جس کا اسلام کے کسی پہلو سے تعلق ہو۔ میرا خیال یہ ہے کہ اس کو ثابت کرنے کے لئے

---

[1] اب تقریباً دو سو ہو گئی۔

بہت سے دور از کار دلائل سے کام لینا پڑے گا۔ ہاں ان فنکاروں میں اگر کسی کا کسی بھی اسلامی اور "مسلمانی" تحریک سے کوئی تعلق رہا ہو تو اس کی ضرور نشاندہی کی جائے۔ اُمید ہے کہ موضوع کے اس پہلو پر بھی آپ کچھ روشنی ڈالیں گے۔

مفکرِ اسلام جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کے ادب کے بارے میں میں آپ کے خیالات کی مخلصانہ تائید کرتا ہوں۔ اب تو ان کی ادبی صلاحیتوں کا بھی اعتراف کیا جانے لگا ہے وہ تو اس موضوع کے گویا "جزو لاینفک" ہیں۔ ان کا خارج ہونا بعید از قیاس ہے۔

ہمیں سب سے زیادہ اُلجھن پاکستانی اُدباء و شعراء کی تصانیف اور مجموعہ ہائے کلام کی فہرست اور پھر ان کی دستیابی کا مسئلہ درد سر معلوم ہو رہا ہے پھر بھی اگر فہرست ملتی جائے تب بھی میں سمجھوں گا کہ کام کچھ آگے بڑھ رہا ہے۔ کتابیں بھی کسی نہ کسی طرح دیکھنے کو مل ہی جائیں گی۔ آپ از راہِ کرم حسب وعدہ ایسے فنکاروں کی تصانیف کے نام سے وقتاً فوقتاً ضرور آگاہ فرماتے رہیں۔

اچھا خدا حافظ کہنے سے پہلے اس مسکرانے والی بچی کی والدہ محترمہ اور بھائی بہنوں کو میرا اسلام علیک عرض کیجئے گا۔ والسلام خیر اندیش احمد سجاد

جواب

عزیز گرامی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

گرامی نامہ مورخہ ہ ستمبر، مجھے ۵ ستمبر کو مل گیا تھا۔ چونکہ "تحریکی ادب" کے سلسلے میں میری اور آپ کی رائے میں قدرے اختلاف ہے۔ اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ عزیزم مولانا ابوالمجاہد زاہد صاحب سے مشورہ کر کے آپ کو جواب دوں۔ زاہد صاحب کا مشورہ میں اس لئے وزنی سمجھتا ہوں کہ وہ عرصے سے تحریکی ادب کا مطالعہ کر رہے ہیں اور اس کے متعلق ان کا سوچا سمجھا ایک فیصلہ ہے۔ میں یہ جو کئی دن کے بعد جواب دے رہا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دنوں میں آپ کا خط ان کے مطالعہ میں رہا۔ آج ان سے واپس ملا تو جواب دے رہا ہوں۔

میرے خیال میں کسی ادیب و شاعر کا کسی تحریک (MOVEMENT) سے متاثر ہونا تو ضروری ہے لیکن اس سے وابستہ 'ممبر یا رکن ہونا' ضروری نہیں ہے۔ کیوں ؟

اس لئے کہ ہمارے مشاہدے میں یہ بات آچکی ہے کہ مختلف تحریکوں میں بہت سے ایسے ادیبوں اور شاعروں
لیا ہے جو محض ادیب و شاعر ہی نہیں بلکہ اپنی جگہ فعال بھی تھے لیکن وہ ان تحریکوں سے وابستہ نہیں رہے
ادب کا محرک ہوتا ہے۔ وابستگی سے اور کام تو ہوتا ہے لیکن ادب پیدا نہیں ہوتا۔

یں آج کی ایک مثال دوں۔ کوثر فاروقی جماعتِ اسلامی سے بے حد متاثر ہیں۔ فعال بھی ہیں۔ اپنے بال
ن تربیت اسی کے نہج پر عملاً کر رہے ہیں ان کے کلام کا ایک حصہ تحریک بمعنی "حرکت و عمل" سے بڑھ کر تحریک
نقلابی اقدام پر مشتمل ہے لیکن وہ جماعتِ اسلامی سے عملاً وابستہ نہیں۔ وابستگی والی شرط تسلیم کر لی جائے
فاروقی کو اسلامی شاعر تسلیم کر لیا جائے گا۔ لیکن اسلامی تحریکی شاعر نہیں مانا جائے گا۔

اسی جگہ ایک لطیفہ عرض ہے۔ علامہ اقبالؒ کے یہاں تحریکی ادب بمعنی حرکت و عمل بھی پایا جاتا ہے اور بمعنی
اقدام بھی لیکن میں آپ سے عرض کروں آج وہ زندہ ہوتے اور جماعت اسلامی کا رکن ہونے کے لئے درخواست
دیتے تو محض اس بنا پر وہ رکن نہ بنائے جاتے کہ آں محترم داڑھی نہیں رکھتے تھے۔

ایسی صورت میں آج کے کوثر فاروقی یا کل کے علامہ اقبالؒ دونوں کو اسلامی تحریکی شاعروں کی فہرست
رج کر دینا پڑے گا۔ اس طرح تو نہ جانے کتنے شاعروں اور ادیبوں کی نظم و نثر تخلیقات پر خطِ تنسیخ
ینا پڑے گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تحریکی ادیب و شاعر کی یہ محدود تعریف اسلامی تحریکی ادب کے بہت سے
ں کے تاثر ہی کو ختم کر دے۔

پھر یہ کہ جس تحریک بمعنی انقلابی اقدام کے ادیبوں اور شاعروں کی بے کسی پر آپ کو ترس آیا ہے وہ تحریک بھی
ز حرکت و عمل تک ہی پہنچی ہے یعنی اس تحریک نے جو لٹریچر پیش کیا ہے اس سے ذہنوں میں تبدیلی آئی ہے
کے ممبر عملاً حرام و حلال سے پرہیز کرنے لگے ہیں۔ انھوں نے طاغوت سے انکار تو کیا ہے لیکن ہنوز اس
ملاً ٹکر نہیں لی۔ جماعت اسلامی کی موجودہ پالیسی میں ابھی اس طرح کے ٹکراؤ یا انقلابی اقدام کا اشارہ بھی نہیں
ہے۔ اس کے معنی اس کے سوا اور کیا ہوں گے کہ اسلامی تحریکی ادب ایسے ادیبوں اور شاعروں سے محروم ہے
عامر عثمانی ایڈیٹر تجلی دیوبند دعویدار ہیں کہ وہ جماعت کے باہر رہ کر مخالفین جماعت سے مدافعانہ جنگ

لڑ رہے ہیں۔ بہت سے لوگ ان کے اس دعویٰ کو تسلیم بھی کرتے ہیں ظاہر ہے کہ انھیں بھی اسلامی تحریکی ادیب تسلیم نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ بھی کوثر فاروقی کی طرح جماعت اسلامی کے رکن نہیں ہیں۔

آپ کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مجھے اس وقت سے جانتے ہیں جب میں مومن تحریک سے متاثر تھا۔ آپ میری وہابیت سے بھی واقف ہوں گے میرا ابتدائی کلام اسی سے متاثر تھا۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ میری نظم "توحیدِ خالص" کو اکثر جلسوں میں کسی خوش گلو شخص سے فرمائش کر کے پڑھوایا کرتے تھے۔ پھر میں تحریک خلافت سے متاثر ہوا تو میرا وہ فارسی مسدس جو ۲۹ بندوں پر مشتمل تھا اور جسے میں پرائیویٹ صحبتوں میں بڑا جوش سے سنایا کرتا تھا ؎

زانکہ پارہ پارہ باشد پرچمِ برطانیہ　　　می برآید نادک آں از چلۂ اسلامیہ

اگر یہ مسدس ۱۹۲۲ء سے پہلے چھپ جاتا تو میں اور چھاپنے والا دونوں فرنگی قید و بند سے بچ نہ سکتے۔ اس کے بعد میں نے جنگ آزادی کے زمانے میں نظمیں کہیں اور جلسوں میں پڑھیں بھی لیکن آپ کو بتاؤں کہ وہابی تحریک میری پیدائش سے مدتوں پہلے دفن ہو چکی تھی۔ تحریک خلافت کا ممبر میں کبھی نہیں رہا تو کیا رائے ہے۔ میرا پتہ بھی صاف ہی ہی حال جنگِ آزادی میں تھا۔ لطف یہ کہ ان تحریکوں کے تاثر سے زبان پر اسلام کا نام تھا مگر عملاً میں نام کا مسلمان تھا۔ یہ جماعتِ اسلامی ہے کہ اس نے اسلام کے تقاضے بتا کر میری کایا پلٹ دی۔ ورنہ کیفیت یہ تھی کہ :- ؎

دن کو کعبے میں رہا شب کو صنم خانوں میں　　　ایسا کافر کوئی دیکھا ہے مسلمانوں میں

آپ لکھتے ہیں کہ میری کتابیں آپ کی تربیتی کوتاہیوں کی تلافی کر دیتی ہیں لیکن میں سوچتا ہوں کہ یہ پشتارا لاد کر جب مجمع محشر میں مالک کے حضور پہنچوں گا اور وہاں یہ پوچھا گیا کہ تو نے اپنے لکھے پر کتنا عمل کیا؟ تو جواب میں یہاں بھی میری قسمت میں آنسو ہی آنسو ہیں اور وہاں بھی یہی آنسو میرا حصہ ہوں گے۔ اگر یہ آنسو وہاں کام کر گئے تو میری خوش نصیبی ہو گی۔ بس اس امید پر آخرت کے ان مسافروں کے پیچھے لگ لیا ہوں چلنے میں پھسڈی اتنا ہوں کہ ان کے ساتھ قدم ملا کر بھی نہیں چل سکتا۔ سب مجھے ڈھکیل ڈھکیل کر سا تھ

کہتے ہیں اور میں ہوں کہ بیٹھ جاتا ہوں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے۔ حال یہ ہے کہ سب سے اتنی دور پیچھے
کہ مڑ کر کارواں کو دیکھ کر منزل کی طرف لڑھک رہا ہوں۔ اس کارواں کی گرد کا کوئی ذرہ مجھ پر پڑ جاتا ہے
مجھتا ہوں کہ ڈگر پر ہوں۔ شکر کے لئے یہی میرے لئے بہت کچھ ہے۔

جماعت اسلامی سے متاثر ہونے کے بعد میں نے اپنے قلم کو مسلمان کیا اور رکن ہونے سے پہلے نثر و
کا ایک بڑا ذخیرہ چھوڑا۔ خیال ہے کہ اگر میں رکن ہونے سے پہلے "انا للّٰہ" ہو جاتا تو میرے اس ذخیرے
باد جو د آپ کی نظر مجھ پر اس طرح نہ پڑتی جیسی آج پڑ رہی ہے جبکہ میں جماعت سے وابستہ ہو چکا ہوں۔

پھر بھی اگر آپ کا یہی اصرار ہے کہ کسی ادیب و شاعر کا عملاً کسی تحریک سے وابستہ ہونا ضروری ہے تو معاف
: ایسا ادیب و شاعر وہابی تحریک نے ایک بھی پیدا نہیں کیا۔ تحریک خلافت میں مولانا محمد علی جوہر کو آپ کھینچ
لے آئیں گے۔ تحریک آزادی میں بے شک کچھ مل جائیں گے لیکن جماعت اسلامی میں؟ — جواباً عرض ہے کہ:
اس وقت جماعت اسلامی میں مضمون نگار اور کتابیں مرتب کرنے والے بہت ملیں گے لیکن سچ کہئے
ستان کی جماعت کے لٹریچر میں سے ابوالاعلیٰ مودودی کا لکھا ہوا الگ کر دیجئے اس کے بعد جو بچے گا
پ اُسے ادبی کہہ سکیں گے؟ کچھ دنوں پہلے جدید تعلیم یافتہ بعض نوجوانوں نے کچھ کیا کرایا تھا اس وقت
ں سے زیادہ تر جیات ہیں مگر ادبی خدمات سے انھوں نے استعفادے رکھا ہے لے دے کر دو چار
رہ جاتے ہیں اُن کی آواز بھی مدھم ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اس طرح (جیسا کہ آپ نے خود لکھا ہے) آپ پورے ادب کا جائزہ لینے سے
ائیں گے۔ بعض تحریکات کے ادب کا قدرے تفصیلی مطالعہ کر کے بہت تھوڑے وقت میں آپ کا
چ اسکالر اپنی کتاب مکمل کرے گا۔ مگر واضح رہے کہ ریسرچ اسکالر کی یہ کتاب نہ تو دستاویزی حیثیت ہی
ل ہو گی۔ اور نہ آئندہ کام کرنے والے طالب علم کے لئے رہنما ثابت ہو گی۔

لہٰذا میری رائے ہے اور میری رائے سے زاہد صاحب بھی متفق ہیں کہ آپ تحریکی ادیب و شاعر کی
یف متعین کرنے میں تھوڑی سی لچک پیدا فرمالیں۔ تحریک سے متاثر کو تو انڈر لائن کر لیں۔ وابستہ اور

رکن جماعت ہونے کی شرط کو اُڑا دیں۔

خط میں جن اُدبار اور شعراء کا نام درج ہے وہ کسی تحریک سے کبھی وابستہ نہیں رہے۔ پاکستانی اور شاعروں کے مجموعہ ہائے کلام کی فہرست کی ایک قسط ارسال کر رہا ہوں۔ اس کے بعد کہیں کچھ مزید پھر بھیج دوں گا۔ میں نے گھر میں آپ کا سلام درجہ بدرجہ سب کو پہنچا دیا ہے۔ آپ کا خط پڑھ کر سن کر چھوٹے بڑے سب متاثر ہیں۔ سلام لکھوا رہے ہیں۔ اور ہاں اس مسکرانے والی لڑکی آپ کا خط پڑھ لیا۔ والسلام۔ مائل خیرآبادی



غزل



مائل خیرآبادی

روزِ روشن کا نہ دنیا میں سویرا ہوتا
وہ نہ آتے تو اندھیرا ہی اندھیرا ہوتا

پاؤں پھیلا کے بڑے چین سے ہم بھی سوتے
کہیں دنیا میں ہمارا کوئی ڈیرا ہوتا

ہمی ہم ہوتے زمانے میں ہمی ہم ہوتے
اُن کی گلیوں میں اگر اپنا بسیرا ہوتا

بحرِ خاموش میں تیرے حرکت آ جاتی
کہیں تجھ کو کسی طوفان نے گھیرا ہوتا

رات سے لڑنے کو سورج بھی بنایا کوئی
یا تمنا ہی تمنا ہے سویرا ہوتا

رنج تو ہوتا مگر اتنا نہ ہوتا مائلؔ!
لوٹنے والا اگر کوئی لٹیرا ہوتا

اِستدراک

ڈاکٹر احمد سجاد۔ ایم۔ ڈی۔ لٹ
صدر شعبہ اُردو۔ رانچی کالج۔ رانچی یونیورسٹی

مکرمی و محترمی جناب مائل خیرآبادی صاحب مدیر الحسنات و مولانا ابو المجاہد زاہد صاحب! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'

روانہ کردہ عنایت نامہ مل گیا۔ شکریہ۔ چونکہ اُس خط میں آپ دونوں بزرگوں کے مشورے شامل ہیں اور مجھے اسی سلسلے میں کچھ عرض کرنا ہے لہٰذا آج کی صحبت میں آپ دونوں حضرات سے بیک وقت ہم کلام ہوں۔

آپ نے "تحریکی ادب" کی تعریف میں بجا طور پر جس لچک کا ذکر کیا ہے اس کے بغیر تو کام ممکن ہی نہیں ہے اصل میں "وابستگی" کے لفظ سے آپ کو غلط فہمی ہوئی اور میں نے اس کی وضاحت کی نہیں تھی۔ وابستگی سے میری مراد محض رُکنیت کی حد تک تنظیمی وابستگی نہیں بلکہ ذہنی و فکری ہم آہنگی تک اس کا دائرہ وسیع ہے۔

تحقیق کے معاملے میں میں بھی کسی شارٹ کٹ یا آسان نسخے کا بھی قائل نہیں۔ اصل سوال یہ ہے کہ "تحریکی ادب" سے کیا مراد لی جائے؟ اس کا ایک مفہوم آپ حضرات کے نزدیک یہ ہے کہ "تحریکیت" خواہ کسی دور میں کسی کے یہاں ملے اُسے تحریکی ادب سمجھا جائے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ تعریف غلط ہے۔ میرا تقاضہ یہ ہے کہ کوئی ادیب یا شاعر اگر کسی دور میں کسی اسلامی یا "مسلمانی" (اشارہ سمجھ گئے ہوں گے) تحریک سے کسی نہ کسی نوعیت کی وابستگی یا ہم آہنگی رکھتا ہے اور اس کے ادب پارے پر اس کا کوئی اثر ہے تو اسے "تحریکی" قرار دیا جائے آپ کی دی ہوئی تعریف اور "لچک" سے میرا اسی لئے اختلاف ہے کہ اگر اس کی تحدید نہ کی گئی تو اردو ادب کی پوری تاریخ میں جہاں کسی ادیب یا شاعر نے "حرکت و عمل" کی ادبی تعلیم و تلقین کی ہیں ان سب کو "تحریکی ادب" قرار دینا پڑے گا۔ ایسی صورت میں مختلف دینی حرکات نے جواب پیدا کیا ہے اس میں اور اول الذکر ادب میں آخر فرق کیا رہ جائے گا۔ یہاں میں اس بحث کو نہیں چھیڑنا چاہتا کہ تحریکی و غیر تحریکی ادب میں معیار کس کا کیا ادا کیا ہے؟ میرے دیے ہوئے مفہوم کو اگر تسلیم کر لیا جائے تو پھر دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے کہ شاہیر اردو شعراء

اگر کسی تحریک سے متاثر رہے ہوں تو ان کی نشاندہی کی جائے اور گنجائش ہو تو اس روشنی میں ان کے ادب کی تحریکیت کا مطالعہ کیا جائے۔ اگر مومن ایہ تو وہابی تحریک سے متاثر تھے مثنوی جہاد یہ اس کا واضح ثبوت ہے غالب، اقبال وغیرہ کے کلام میں اگر اس پہلو سے گنجائش ہے تو ضرور مطالعہ ہونا چاہئے۔ غالباً میرا مفہوم واضح ہو گیا ہوگا۔

لہٰذا یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہئے کہ وابستگی سے میری مراد محض رکنیت تک محدود ہے اُمید ہے کہ اس پہلو پر آپ حضرات مزید روشنی ڈالیں گے کہ میرا موقف کہاں تک درست ہے۔

اس سلسلے میں ایک سوالنامہ پیشِ خدمت ہے اُمید ہے کہ زحمت فرما کر ان پر اپنی مفصل رائے پیش کریں گے۔ اس سوالنامہ کے بعض سوالات کے جواب آپ تو ضرور دے چکے ہیں پھر بھی جو حصے باقی رہ گئے ہیں ان کے جواب سے ضرور نوازئے۔

آپ کے خط میں یہ نکتہ بڑا پسند آیا کہ اب تک جماعتِ اسلامی یا دوسری اسلامی جماعتوں نے عملاً طاغوت سے ٹکر نہیں لی ہے۔ فی الحال علمی و فکری یا نظریاتی کشمکش تک معاملہ محدود ہے اس لئے اس کے ادب کی حقیقی "تحریکیت اور انقلابیت" کا ایک اہم گوشہ خالی ہے۔ یہ حقیقت واضح ہے۔ شاید یہ بھی ایک بہت بڑی وجہ ہے کہ "اسلامی ادب" نے اب تک اول درجے کا ادب کم اور دوم و سوم درجے کی چیزیں زیادہ پیش کی ہیں۔

یہ فرمائیے کہ آپ کی نظم "توحیدِ خالص" اور فارسی مسدس" کہاں سے اور کیسے حاصل کی جائے۔

برادرِ مکرم زاہد صاحب سے بھی گذارش ہے کہ نظم و نثر میں اپنی تمام تخلیقات اور ادبی مضامین کی ایک فہرست روانہ فرمائیں۔ نوازش ہوگی۔ مزید یہ کہ ہندوستان و پاکستان کے شعراء و ادباء کے کارناموں سے وقتاً فوقتاً مطلع فرماتے رہئیے۔ ہمارے ریسرچ اسکالر کو کیا اور کس نوعیت کا مواد (لوازمہ) چاہئے یہ سوالنامہ سے ظاہر ہے۔ جملہ متعلقین کی خدمت میں سلام علیک۔ والسلام نیازمند احمد سجاد

[illegible] چندہ ۵۰ روپے

امیر حلقہ بہار کا مکتوب، وزیر اعلیٰ بہار کے نام

جماعت اسلامی

کی

فرقہ پرستی کا ثبوت کیا ہے

ڈاکٹر سید ضیاء الھدیٰ نے امیر حلقہ جماعتِ اسلامی ھند
بہار نے ڈاکٹر جگن ناتھ مِشرا وزیر اعلیٰ بہار کو اُن کے حالیہ
بیان پر ایک خط ارسال کیا ھے۔ اس خط سے جماعت اسلامی ھند
کی صحیح تصویر اور پوزیشن واضح ھو جاتی ھے۔ اس
کی افادیت کے پیش نظر ھم اسے شائع کر رھے ھیں (مدیر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب وزیر اعلیٰ بہار!

آپ نے ۹ دسمبر ۱۹۸۱ء کو بہار اسمبلی میں جمشید پور "فسادات" کے سلسلے میں جتندر نرائن تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ پر بحث کرتے ہوئے سرکار کے اس فیصلے سے آگاہی بخشی ہے کہ:

۱۔ حکومت کی جانب سے ایک عام حکم جاری کیا جائے کہ آر۔ ایس۔ ایس، جماعت اسلامی ہند، آنند مارگ یا کسی بھی دوسری فرقہ پرست تنظیم کو ریاست کے (الف) کسی سرکاری اور غیر سرکاری تعلیمی ادارے کے کیمپس میں (ب)... اداروں کے کیمپس میں (ج) کسی میونسپلٹی کیمپس میں کسی طرح کی سبھا، جلسہ یا دوسری تقریب کرنے کی اجازت نہیں دی جائے۔

۲۔ مندرجہ بالا کسی بھی تنظیم کے زیر اہتمام چلنے والے تعلیمی ادارے یا انجمن کو کوئی سرکاری امداد نہیں دی جائے۔

۳۔ حکومت کے ذریعے کسی بھی سرکاری ملازم یا کسی امداد یافتہ ادارے یا پبلک انسٹی ٹیوشن کے ملازمین یا کسی بھی ... غیر سرکاری تعلیمی اداروں (پرائمری سے لیکر یونیورسٹی تک) کے اساتذہ کے آر۔ ایس۔ ایس، جماعت اسلامی، آنند مارگ یا کسی دوسری فرقہ پرست تنظیم کا ممبر ہونے پر پابندی لگائی جائے۔

جناب وزیر اعلیٰ!

آپ کے بیان کو پڑھ کر جہاں ایک طرف خوشی ہوئی کہ آپ نے اور آپ کی سرکار نے فرقہ پرستی کے ساتھ لڑنے کا عزم ... دعوامی اور میونسپل اداروں کے کیمپس میں فرقہ پرست جماعتوں کے جلسوں پر پابندی لگانے کا فیصلہ کیا ہے وہیں ایسی جماعتوں کی فہرست میں جماعت اسلامی کا نام دیکھ کر بیحد تعجب اور افسوس ہوا۔ اس حیرت اور تعجب کی وجہ یہ ہے کہ جماعت اسلامی کو ایک فرقہ پرست تنظیم سمجھا گیا ہے جبکہ جماعت اسلامی کسی حیثیت سے بھی اور کبھی بھی فرقہ پرست تنظیم نہیں رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ کے پاس جماعت اسلامی کی فرقہ پرستی کا ثبوت کیا ہے؟ کیا حکومت، عدلیہ یا عوام کسی حلقہ کی جانب سے کبھی جماعت اسلامی کی فرقہ پرستی کا کوئی ثبوت پیش کیا گیا ہے؟ کیا جتندر نرائن کمیشن جماعت اسلامی کی فرقہ پرستی کا کوئی ثبوت پیش کر سکی ہے؟ ظاہر ہے کہ نہ کر سکی اور پیش کر بھی نہیں سکتی۔ اس لئے کہ جماعت اسلامی فرقہ پرستی کی سرگرمیوں کے لئے قائم ہی نہیں ہوئی۔ اس کا مقصد تو اوّل سے انسانوں کو انسانوں کی بندگی، غلامی اور ظلم واستحصال سے نکال کر خدا کی بندگی اور نظام عدل کی طرف بلانا ہے۔

عتِ اسلامی ہند، اس کی پالیسی و پروگرام اور اس کی ۳۴ سالہ سرگرمیوں کو دیکھئے۔ آپ کو فرقہ پرستی کا نام و نشان
دستور جماعتِ اسلامی ہند میں صاف لکھا ہے :

"جماعت اسلامی ہند کا نصب العین اقامتِ دین ہے۔" (ملاحظہ ہو دستور جماعتِ اسلامی ہند صہ)

رکے سلسلے میں دستور جماعتِ اسلامی ہند کے صـ۱۰۹ پر لکھا ہے :

۱۔ "قرآن و سنت جماعت کی اساس کار ہوگی۔" (ظاہر ہے قرآن اور حدیث فرقہ پرستی کی تعلیم نہیں دیتے۔ اگر یہ تو
تو نہ مسلمان فرقہ پرست ہوگا خواہ وہ کانگریسی ہو یا کمیونسٹ)

۲۔ "جماعت اپنے تمام کاموں میں اخلاق حدود کی پابند ہوگی اور کبھی ایسے ذرائع اور طریقے استعمال نہ کرے گی
جو صداقت و دیانت کے خلاف ہوں یا جن سے فرقہ وارانہ منافرت، طبقاتی کشمکش، اور فساد فی الارض رونما ہو۔"

۳۔ جماعت اپنے نصب العین کے حصول کے لئے تعمیری اور پُرامن طریقے اختیار کرے گی یعنی تبلیغ و تلقین اور
اشاعت افکار کے ذریعہ ذہنوں اور سیرتوں کی اصلاح کرے گی۔"

عت اسلامی ہند کی پالیسی و میثاقی پروگرام دیکھئے۔ شق ۱۷ میں مذکور ہے۔

"جماعت مذہبی، لسانی اور علاقائی تعصبات، علیحدگی پسندانہ اور آمرانہ رجحانات، تہذیبی جارحیت اور فرقہ وارانہ
کی مخالفت کرے گی۔" (بحوالہ پالیسی و میثاقی پروگرام صـ۳)

جماعت کی ۳۴ سالہ سرگرمیوں پر نظر ڈالئے۔ آپ کو فرقہ وارانہ سرگرمیوں کا ایک واقعہ بھی نہ ملے گا۔ البتہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی،
یکجہتی، انسانی بھائی چارہ، ریلیف ورک اور خدمتِ خلق کی کوششوں کی سیکڑوں مثالیں ملیں گی۔ جماعت کے
اداروں کی متعدد تقریریں اور مجلس شوریٰ کی متعدد قرار دادیں ملیں گی جن میں فرقہ پرستی، چھوت چھات، اونچ نیچ، نسلی
منافرت اور تشدد اور انتہا پسندانہ رجحانات کی مذمت کی گئی ہے۔

جماعت کے خدمتِ خلق کے کام کو دیکھئے۔ جماعت نے سیلاب، سائیکلون اور فرقہ وارانہ فسادات کے مواقع پر بار ریلیف کا
انجام دیا ہے۔ مگر کبھی جماعت نے کسی خاص فرقہ تک اپنے کام کو محدود نہیں رکھا۔ بلکہ عام مصیبت زدگان کی امداد جماعت
اصل مقصد رہا ہے۔ جمشید پور میں بھی جماعت نے جن محلوں میں ریلیف کا کام اپنے ذمہ لیا وہاں جو غیر مسلم فساد زدہ تھے انہیں بھی

جماعت کی طرف سے مذہب و فرقہ کے امتیاز و تعصب کے بغیر یکساں طور سے ریلیف پہنچائی گئی۔ (۹۱ غیر مسلموں کو مو
اور ۷ غیر مسلموں کو کاروباری امداد پہنچائی گئی۔ ۱۱ غیر مسلموں کی دوکانیں اور ۲ مکانات کی تعمیر و مرمت کی گئی۔ بحوالہ، رپو
جمشید پور ریلیف ورک جماعت اسلامی ہند صلے ۲ مطبوعہ اگست ۱۹۸۰ء۔ منجانب شعبہ نشر و اشاعت جماعت ا
بہار، سلطان گنج، پٹنہ۔ ۶)

امید ہے کہ ان تصریحات سے یہ بات آپ پر اچھی طرح واضح ہو چکی ہوگی کہ جماعت اسلامی کا فرقہ پرستی سے ادنیٰ
بھی نہیں اور یہ جماعت کسی خاص فرقہ کی نہیں بلکہ عام انسانوں کی بھلائی کے لئے قائم کی گئی ہے۔ اس کے پاس ایک اصولی
اور بھلائی کا ایک جامع پروگرام ہے جسے وہ سب انسانوں تک پھیلاتی ہے۔ مگر کبھی تشدد یا غیر قانونی سرگرمیوں کے ذری
پھیلاتی بلکہ تبلیغ و تلقین اور اشاعت افکار کے معروف جمہوری اور پرامن ذرائع سے پھیلاتی ہے جس کا دستور ہند نے ہر
اور ہر جماعت کو حق دیا ہے اور کسی حکومت اور وزارت کو دستور ہند کے ان حقوق کو پامال کرنے یا خلاف ورزی کا
نہیں ہونی چاہئے۔

لہٰذا جماعت اسلامی ہند کو فرقہ پرستوں کی فہرست میں شامل کرنا کسی طرح بھی مبنی بر حق اور صحیح نہیں۔ یوں بھی بغیر
کے کسی کا کسی کو فرقہ پرست، کسی کو چور، کسی کو قاتل کہہ دینا انتہائی قابل مذمت بات ہے اور بذات خود ایک بہ
جرم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نرائن کمیشن نے اگر اپنی سفارشات میں تعلیمی اداروں میں آر۔ ایس۔ ایس کے ساتھ جماعت ا
کی سرگرمیوں پر پابندی لگانے کی بے بنیاد سفارش کی تو اس پر حیرت اور افسوس کا اظہار ہی کیا گیا ہے اور بہت سے اخبا
نے اس پر اپنا رد عمل ظاہر کیا ہے مثلاً STATESMAN مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۸۱ء اپنے اداریہ میں لکھتا ہے:

"کمیشن نے تمام تعلیمی اداروں میں آر۔ ایس۔ ایس اور جماعت اسلامی کی میٹنگوں پر پابندی عائد کرنے کی سفارش کی ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ جمشید پور کالج میں آر ایس ایس کا کیمپ منعقد ہوا تھا اور اگر کسی اور جگہ ہوا ہوتا تو اس کا بھی یہی نتیجہ برآمد ہو سکتا تھا۔ جماعت کا نام لے کر کمیشن نے بظاہر توازن قائم کرنے کی کوشش کی ہے"

جناب وزیر اعلیٰ!

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے آنکھ بند کر کے کمیشن کی سفارشات پر عمل کرنا شروع کر دیا ہے، ورنہ کوئی وج

لیم (آر ایس ایس) جو جمشید پور فساد کی ذمہ دار ٹھہرائی گئی ہے اور وہ تنظیم (جماعت اسلامی ہند) جس کے ریلیف ورک کا
ٹن کے ذریعے کیا گیا ہے (ملاحظہ ہو رپورٹ نرائن کمیشن ص ۱۲۵) دونوں کو ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے۔ کیا آپ کی نظر میں فساد کے
کے خادم دونوں یکساں ہیں؟ کیا وہ تنظیم جو تشدد اور منافرت کا پرچار کرتی ہے، کھلے بندوں ہتھیار بند شاکھائیں
(جیسا کہ نرائن کمیشن کا بیان ہے) اور وہ تنظیم جو انسانی بھائی چارہ، خدمتِ خلق، ریلیف ورک اور پُرامن اجتماعات کے
اعتِ افکار کا کام کرتی ہے، دونوں برابر ہیں؟ ظاہر ہے کہ نہیں! پھر جماعت کے ساتھ یہ ظلم اور بے انصافی کیوں؟؟

وزیر اعلیٰ جیسی ذمہ دار ہستی کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ نیک اور پُرامن مقاصد کے لئے کام کرنے والی فلاحی تنظیموں کو
ینے کے بجائے اُن کی سرگرمیوں پر پابندی لگانے کی بات کرے اور نہ یہ بات زیب دیتی ہے کہ بغیر کسی ثبوت کے کسی فرد یا تنظیم کو
ت کہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آج تک حکومت کے ذمہ داروں کی طرف سے فرقہ پرستی کی کوئی تعریف متعین نہیں کی گئی
ی صورت میں کسی کو اللّپ فرقہ پرست کہہ دینا مبنی بر انصاف نہیں بلکہ غیر ذمہ دارانہ طرزِ عمل ہے اور اگر بغیر ثبوت و دلیل
کو فرقہ پرست کہنا جائز اور صحیح ہے تو پھر کوئی شخص کسی کو بھی فرقہ پرست کہہ سکتا ہے۔ پھر کوئی حرج نہیں اگر کوئی کہے کہ کانگریس اور
سٹ پارٹی فرقہ پرست ہیں۔ کیا بغیر ثبوت کے کانگریس پارٹی پر کسی کا یہ الزام آپ کے لئے قابل قبول ہے؟؟

آخری بات یہ کہ کیا آپ کی نظر میں کسی اصول اور کسی نظریہ کی طرف کسی جماعت کا دعوت دینا یا کسی فرد و جماعت کی فلاح و
د کے لئے کام کرنا فرقہ پرستی ہے؟ اگر ہاں! تو پھر کانگریس پارٹی بھی فرقہ پرست ہے اور کمیونسٹ پارٹی بھی اور دنیا کی ہر اصولی جماعت
رٹی فرقہ پرست ہے، اور اگر نہیں! تو پھر "جماعتِ اسلامی کی فرقہ پرستی" کا "موہوم خیال" آپ کے دل میں کیونکر پیدا ہوا؟ حقیقت
ہے کہ فرقہ پرستی دراصل یہی ہے کہ کوئی شخص یا گروہ اپنے فرقہ کی حمایت و مفاد کی خاطر کسی دوسرے فرقہ یا اُس کی جماعت کو نقصان
ادے اور اپنے فرقہ کے جرم اور گناہوں کی پردہ پوشی کے لئے زبردستی اور ناحق کسی بے گناہ فرقہ کو موردِ الزام ٹھہرا دے۔ مستقبل
ر جانبدار مورخ بجا طور سے اس کا فیصلہ کرے گا کہ "جماعتِ اسلامی" فرقہ پرست تنظیم تھی یا "وہ لوگ" جو اگرچہ اُٹھے تو
اس دعوے کے ساتھ کہ فرقہ پرستی ختم کر کے دم لیں گے مگر خود فرقہ پرستانہ جذبات سے مغلوب ہو گئے اور انہیں یہ بات
ار گزری کہ اکثریتی فرقہ ہی کی ایک جماعت (آر ایس ایس) کی فرقہ پرستی اور امن دشمن سرگرمیاں کیوں ثابت ہوئیں۔ لہٰذا "توازن
الیسی" برقرار رکھنے کے لئے اقلیتی فرقہ کی ایک جماعت کو "ناحق تو ناحق ہی سہی" فرقہ پرستی کا الزام دے کر مختلف قسم کی

پابندیوں کے جال میں پھنسایا جائے۔

جناب وزیر اعلیٰ! یہ چند باتیں بطور وضاحت غور و فکر کے لئے آپ کے سامنے پیش کی گئی ہیں۔ اُمید ہے کہ آپ حق پسند انسان کی طرح ٹھنڈے دل سے اِن پر غور کریں گے اور دیکھیں گے کہ یہ فیصلہ کتنا صحیح اور کتنا غلط ہے۔ اور بحیثیت آپ کی کتنی نیک نامی یا بدنامی اِس سے ہوگی اور بحیثیت ایک انسان آپ کے لئے اِس میں کتنا پن اور پاپ ہے۔ (ضیا)

غزل

حسرت بھٹکلی

اور کیا میرے مقدر میں لکھا ہے دوستو
سامنے دار و رسن پیچھے قضا ہے دوستو

چین سے جینے نہیں دیتا شعورِ احتساب
ہر قدم پر مجھ کو احساسِ خطا ہے دوستو

دار پر معصوم، مجرم تخت پر ہیں جلوہ گر
عدل کا کیسا، یہ دورِ ارتقا ہے دوستو

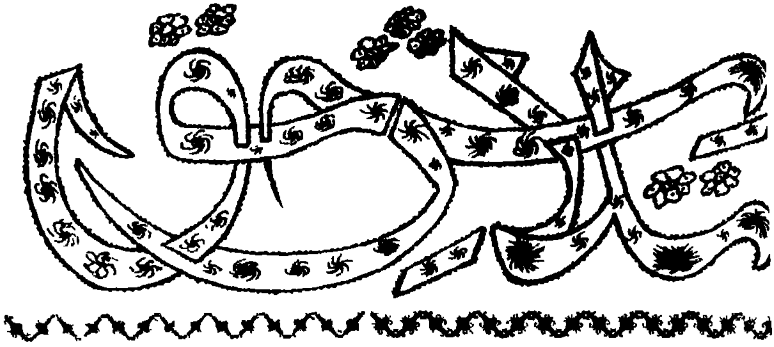
بے گناہوں کو سزائیں دی گئیں تو کیا ہوا
ہر ستم دورِ ترقی میں روا ہے دوستو

پھول کو کانٹا کہو، پتھر کو بھی گوہر کہو
سوچتے کیا ہو، یہ اُن کا فیصلہ ہے دوستو

میں اکیلا تو نہیں ہوں جادۂ ایثار میں
میرے پیچھے رنج و غم کا قافلہ ہے دوستو

ذرّے ذرّے میں نظر آتا ہے جلوہ یار کا
بزمِ ہستی جیسے کوئی آئینہ ہے دوستو

مے کشی حسرت کی اِک رازِ نہاں تو ہے نہیں
پھر بھی یہ سب کی نظر میں پارسا ہے دوستو



وہ کچھ نوجوان تھے جو اپنی ایک اُلجھن کا حل تلاش کرنے نکلے تھے۔ اُن کی اُلجھن کیا تھی؟ یہ مضمون بڑے سادہ انداز میں اُلجھن اور اُس کا حل پیش کرتا ہے۔ (مدیر)



پھر وہ نوجوان مڑ گئے۔ مسجد سے وعظ کی آواز آرہی تھی۔ ایک بزرگ منبر پر بیٹھے دین کی باتیں کر رہے تھے۔ اُن کے سامنے کچھ لوگ نہایت اَدب سے سر جھکائے بیٹھے تھے۔ کچھ کے ہاتھوں میں تسبیحیں تھیں۔ کچھ کے لب ذِکرِ خدا میں ہل رہے تھے۔ ۱۲۰۱۰ جوانوں کا یہ گروپ بھی اُن میں جا کر بیٹھ گیا۔ بزرگ لوگوں کو دوزخ سے ڈرانے اور جنّت کی ترغیب دینے کے سلسلے میں قرآن و حدیث کے حوالے پیش کر رہے ہیں۔ آخرت کے ذکر پر وہ لرز جاتے، دُنیا اور دنیاداری کی مذمت کرتے وقت اُن کا لہجہ تیز ہو جاتا۔ جب سیاست کا ذکر آیا تو فرمایا کہ "یہ بہت غلیظ چیز ہے، بلکہ اِس سے گندی چیز دنیا میں کوئی اور نہیں۔ دین دار لوگوں کو اس دنیا اور اس کی سیاست سے بچنا چاہیے۔ دین الگ چیز ہے، دنیا الگ چیز ہے۔ دین دنیا سے کٹ جانے کا مطالبہ کرتا ہے۔ اور یہ دین چلہ پھرت سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ کتابیں، رسالے اور اخبارات سب بے کار چیزیں ہیں۔ اِن سے دین حاصل نہیں ہوتا" نوجوان بڑی توجہ سے اُن کی باتیں سُن رہے تھے۔ بزرگ نے فرمایا "جو لوگ سیاست اور دین کو خلط ملط کرتے ہیں وہ گمراہ

ہیں۔ اُن کی باتوں میں نہ آنا چاہیے۔" پھر نشست ختم ہوگئی۔ نوجوان بھی مسجد سے باہر آ گئے۔ دراصل نوجوانوں کا یہ گروہ نسلی اور رسمی مسلمان ہونے کے باوجود دین کو سمجھنے کے لئے نکلا تھا۔



پھر وہ لوگ ایسے مقام پہنچے جہاں بہت بڑا مجمع لگا ہوا تھا۔ معلوم ہوا کہ کسی سیاسی پارٹی کا انتخابی جلسہ ہے۔ دور دور تک پوسٹر لگے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ڈائس پر ایک باریش بزرگ تشریف لائے۔ وضع قطع سے شریعت کی پوری پابندی جھلک رہی تھی۔ پوچھنے پر نوجوانوں کو معلوم ہوا کہ اس حلقہ سے یہی بزرگ الیکشن لڑ رہے ہیں۔ بہت بڑے عالم دین ہیں۔ بہت بڑے مدرسہ سے فارغ ہیں۔ دین اور ملت کا بڑا درد رکھتے ہیں۔ ایک دینی جماعت سے بھی تعلق ہے۔ انھوں نے تقریر شروع کی "میں تو آپ لوگوں کا ایک معمولی سا خادم ہوں لیکن جس پارٹی کا امیدوار ہوں وہ آپ کی فلاح و خوشحالی کی ضامن ہے۔ میں مسلمانوں سے خاص طور سے کہوں گا کہ وہ اسی پارٹی کو ووٹ دیں۔ لوگوں کے بہکاوے میں نہ آئیں۔ یہاں ہمیں نماز، روزے اور اذان کی جو اجازت ہے وہ اسی پارٹی کی بدولت ہے۔ مسلمانوں کے تمام مفادات اسی پارٹی کے ہاتھوں میں محفوظ ہیں۔ میں اگر کامیاب ہو گیا تو مسلمانوں کی ترقی کے لئے مزید کام ہوگا . . ." پھر جلسہ ختم ہو گیا اور لوگ منتشر ہو گئے۔ دو تین دن کے بعد پولنگ کا وقت آ گیا۔ صبح نوجوانوں نے دیکھا کہ پولنگ بوتھ پر ووٹ دینے والوں کی لمبی قطار لگی ہوئی ہے۔ قطار میں وہ بزرگ اور وہ لوگ بھی شامل ہیں جنھیں انھوں نے مسجد میں دین کی باتیں کرتے اور سنتے دیکھا تھا۔



پھر وہ آگے بڑھ گئے۔ انھوں نے صرف دین ہی دین کی باتیں بھی سُنی تھیں اور دین داروں کی دُنیا داری کا منظر بھی دیکھا تھا۔ اب وہ اس تضاد پر غور کر رہے تھے۔ چلتے چلتے وہ آبادی سے باہر ہو گئے۔ ایک جگہ دیکھا کہ سڑک کے ایک طرف ایک بڑے سے پیڑ تلے کچھ لوگ جمع ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ لوگ بھی کسی تنظیم سے وابستہ ہیں اور اس وقت یہاں آپس میں کچھ باتیں کہنے اور سننے کے لئے جمع ہوئے ہیں جسے وہ تربیتی کیمپ کا نام دے رہے تھے۔ ان میں کچھ عمر رسیدہ لوگ بھی تھے لیکن زیادہ تعداد نوجوانوں کی تھی۔ یہ نو وارد نوجوان وہاں بیٹھ گئے۔ پھر کسی نے اعلان کیا کہ فلاں صاحب "اسلام دینِ فطرت ہے" کے موضوع پر تقریر کریں گے۔ ایک صاحب اُٹھے۔ اُن کے حلیہ اور وضع قطع سے وہ دین داری تو نہیں ظاہر ہو رہی تھی جس کا نمونہ وہ نوجوان

ے قبل دیکھ چکے تھے لیکن باتیں بہرحال دین کی کر رہے تھے۔ بہت سیدھے سادے انداز میں وہ کہہ رہے تھے "دراصل دنیا دو علیحدہ چیزیں نہیں ہیں بلکہ دین کے ہی تابع دنیا بھی ہے اور سیاست بھی۔ اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے۔ وہ ماں سے گور تک اور مسجد سے پارلیمنٹ تک ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں اسلام نے ہمیں راہ ائی ہو۔ اللہ نے اپنے رسولؐ کے ذریعہ ہمیں زندگی گزارنے کے لئے ایک مکمل قانون عنایت فرمایا ہے۔ اس نے مسجد میں ت کرنے کے طریقے بھی بتائے ہیں اور سیاست و ریاست کی تشکیل میں بھی ہماری رہنمائی کی ہے"۔

"لیکن آپ تو سیاست میں حصہ نہیں لیتے؟" کسی نے ٹوکا۔

"ہاں! ہم آج کی پارلیمانی سیاست میں عملاً حصہ نہیں لیتے کیونکہ ابھی خود کو اس کا اہل نہیں سمجھتے۔ البتہ ہم سیاست کو ور اخلاق کا تابع بنانے کے لئے مقدور بھر کوشش کرتے ہیں۔ ہم مسلمانوں سمیت دنیا کے تمام انسانوں کو دعوت دیتے ہیں کہ ٹ اور فریب کی بے دین سیاست کو چھوڑ کر خداترسی کی سیاست اختیار کریں۔ اپنے پیدا کرنے والے کی مرضی کے مطابق زندگی یں۔ قرآن و سنت سے رہنمائی حاصل کریں۔ ہم سیاست کو شجرِ ممنوعہ اور غلیظ سمجھ کر نہ تو اُس سے دور رہتے ہیں نہ دل و دماغ کے ساتھ اُس میں غرق ہوتے ہیں۔ ہم اسلام کی روشنی میں ..." لیکن وہ نوجوان سوچ کی دنیا میں بہت دور نکل چکے تھے انقلاب برپا ہو چکا تھا۔ اُن میں ہر کوئی سوچ رہا تھا "کیا یہی وہ چیز ہے جس کی تلاش میں ہم نکلے تھے!!" (بشکریہ دعوت)

ادھر اُدھر سے

زمانے کی کروٹیں

یہ اُسی سرزمین کی بات ہے

کلاس روم خالی اور بلیک بورڈ پر لکھا ہوا تھا:

ہم درجہ ۲-ای کی طالبات اپنا سبق اُس وقت تک نہیں پڑھیں گی جب تک ہمیں دوپٹے سے سر ڈھکنے کی اجازت بحال نہیں کی جاتی۔

نیچے کچھ طالبات کے دستخط تھے۔ واقعہ آس پاس کا نہیں، ماڈرن مسلم ملک ترکی کا ہے۔ کہنے کی ضرورت نہیں کہ وہی ترکی ہے جہاں کوئی ساٹھ سال پہلے خلافت اور اسلامی اقدار کا تیا پانچہ کرنے کے لئے ایک شخص اُٹھا تھا اور مغرب نے اسلام کا ہیرو بنا کر مسلمانوں کے سامنے پیش کیا تھا۔ پھر اُس شخص نے ترکی کے معاشرے کو مغرب کے رنگ میں اس طرح رنگ دیا کہ ترکی دنیا کے نقشے پر مسلم ملک کی حیثیت سے تو باقی رہا لیکن اسلام کی چھاپ وہاں سے مٹ کے رہ گئی۔ یہی نہیں۔ اسلام کی شکل بھی مسخ کی جانے لگی۔ اقتدار کو ظالم ہاتھوں میں دیکھ کر اُن لوگوں کی ہمت ٹوٹ گئی جن کا دل و دماغ تو مسلمان تھا لیکن وہ اِس فتنے کی مزاحمت کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ طاغوتی قوتوں نے جب چاروں طرف سے حملہ کیا تو ترکوں کے اوپر آہستہ آہستہ غنودگی طاری ہونے لگی۔۔۔ یہاں تک کہ وہ سو گئے۔

جب ایمان نے کروٹ لی

تیس چالیس سال بعد جب ترک مسلمانوں کے ایمان نے کروٹ لی تو انھیں احساس ہوا کہ ہم زندہ ملّت ہیں

ریک اسلامی کا احیاء ہوگیا۔ تحریک فطری رفتار سے اپنا کام کرنے لگی۔ اسلامی اقدار کی بحالی کے تذکرے ہونے لگے۔ مغرب سے بیزاری کی لہر چل پڑی اور لوگ مغربی پیروی کی غلطیوں کی نشاندہی علانیہ کرنے لگے۔ دنیا کے متعدد مسلم ملکوں میں اسلامی نظام کی صدا بلند ہوئی تو اس کی بازگشت ترکی میں بھی سنی جانے لگی۔ خواتین میں مغربی لباس سے نفرت اور شرعی لباس سے رغبت پیدا ہوگئی لیکن طاغوتی قوتیں بھی اپنے داؤں پر رہیں اور اسلام پسند عناصر کے خلاف صف آرائی شروع ہوگئی۔ حق و باطل کی کشمکش میں باطل ایک بار پھر چال چل گیا۔ اسلام پسندوں کی پیشقدمی دیکھ کر اسلام بیزاروں کو فکر لاحق ہوگئی۔ حکمرانوں پر الزام آیا کہ وہ اسلامی تحریک کو روکنے میں ناکام ہو رہے ہیں۔ فوج کو حرکت دی گئی۔ اس نے مضبوطی سے اقتدار سنبھال کر اسلام پسندوں کی گردن ناپنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ستمبر ۱۹۸۰ء سے یہ عمل جاری ہے۔

لیکن حق کی آواز دبی نہیں

لیکن حق کی آواز دبی نہیں۔ لوگ حکمرانوں کے ارادوں کی مزاحمت کر رہے ہیں۔ مرد و خواتین غیر اسلامی احکامات کی خلاف ورزی پر آمادہ ہیں۔ حکمران چاہتے ہیں کہ عورتیں اپنے سروں سے نقاب اتار پھینکیں لیکن عورتیں سروں کو ڈھانپ رہی ہیں۔ اقتدار کا حکم ہے کہ سرکاری ملازمات اسکرٹ پہن کر دفتر جایا کریں لیکن ملازمات پاجامہ پہن کر دفتر جاتی ہیں۔ مردوں کو حکم ہے کہ وہ نئی حکومت کے سیکولر ضوابط سے بچنے کے لئے ڈاکٹروں کے سرٹیفکیٹ پیش کریں لیکن وہ لوگ قرآن و سنت کا حوالہ پیش کرنے کی جرأت کر رہے ہیں۔ سرکاری ملازمتوں میں جن لوگوں کو گھٹن ہونے لگی ہے وہ ملازمتیں چھوڑ رہے ہیں۔ بچیوں کو صرف قرآن کی تعلیم کے وقت سر ڈھانپنے کی اجازت ہے لیکن وہ چاہتی ہیں کہ دوسری تعلیم کے دوران بھی سر ڈھانپے رہیں۔ اپنے والدین کی جرأت سے ان بچیوں میں بھی جرأت پیدا ہو رہی ہے۔ اسی لئے انقرہ کے سرپرامام ہاٹف اسکول کی طالبات نے کلاس روم سے واک آؤٹ کرتے ہوئے بلیک بورڈ پر لکھ دیا :

"ہم درجہ ۱۲ ای کی طالبات اپنا سبق اس وقت تک نہیں پڑھیں گی جب تک ہمیں دوپٹے سے سر ڈھکنے کی اجازت بحال نہیں کی جاتی۔"

تبلیغ کا حق

جناب مائل صاحب ـــــ السلام علیکم!

ایک بار میں دین کی باتیں دوسری بہنوں کو بتا رہی تھی۔ اچانک ایک صاحبہ نے یہ کہہ کر ہماری زبان بند کر دی کہ کیا آپ کو دین کا پورا علم بھی ہے اور کیا آپ نے اپنی اصلاح کر لی ہے۔ اگر ایسا نہیں تو تبلیغ کرنے کا تم کو کیا حق ہے؟ ظاہر بات ہے کہ ہمیں دین کا پورا علم تو الگ رہا، کچھ بھی علم نہیں اور عمل میں تو بالکل کوری۔ اب بتائیے۔ کیا کیا جائے۔ (وحیدالنسا رپچپور)

جواب

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث کا پورا علم حاصل کئے بغیر کسی کو تبلیغ کا کوئی حق نہیں ہے ان سے دریافت کیجئے کہ پورے علم کی تعریف کیا ہے، اس کی حد کیا ہے، اور اس کا ناپ کیا ہے۔ یہ پیمائش کیسے ہوگی کہ کسی کو پورا علم حاصل ہو گیا ہے۔ جن لوگوں کی عمریں قرآن و حدیث پڑھتے پڑھاتے ہوئے گذر گئی ہیں وہ بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتے، کہ انھیں پورا علم حاصل ہو گیا ہے جو آدمی صحیح معنوں میں عالم ہوتا ہے وہ مرتے دم تک طالب علم رہتا ہے۔ کبھی اس کے دماغ میں یہ ہوا نہیں بھرتی کہ میں پورا عالم ہو گیا ہوں اور مجھے پورا پورا علم حاصل ہو گیا ہے اس لئے یہ بات کہنا غلط ہے کہ پورا علم حاصل کئے بغیر تبلیغ کرنا درست نہیں یہ بتایا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو بدوی آکر مسلمان ہوتے تھے اور پھر اپنے پورے قبیلے میں جا کر تبلیغ کرتے تھے وہ کب پورے عالم بن کر جاتے تھے۔ بس دین کا خلاصہ انھیں معلوم ہو جاتا تھا وہ یہ جان لیتے تھے، حق کیا ہے، باطل کیا ہے، ہمارے فرائض کیا ہیں، کیا چیزیں ہمارے لئے ممنوع ہیں اور کن باتوں کی اجازت ہے یہ سب باتیں وہ جان لیتے تھے اور جا کر لوگوں کو خدا کے دین کی تبلیغ کرتے اور پورے پورے

قبیلوں کو مسلمان بنا لیتے تھے۔

مدینے کی ام سلیم نے شرک سے توبہ کی تو حضرت طلحہؓ جیسے شخص کو مسلمان بنایا حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ نے عمرؓ جیسے پہاڑ کو اسلام کے قدموں میں لا گرایا۔ ایسی ہی بہت سی خواتین تھیں کیا انھیں دین کا پورا علم تھا؟ اور وہ اپنی اصلاح کر کے بے عیب ہو چکی تھیں۔

عمل نہ ہوتے ہوئے تبلیغ کرنے کے متعلق جواب یہ ہے اللہ کے راستے کی طرف بلانا کسی شرط کے ساتھ مشروط نہیں ہے۔ ایک آدمی اگر شیطان کے راستے کی بجائے اللہ کے راستے کی طرف بلا رہا ہے اور اس کے اپنے عمل میں خامی ہے تو یہ کام غلط نہیں ہے۔ اصل چیز یہ ہے کہ جب ایک آدمی (چاہے وہ مرد ہو یا عورت) یہاں تک آ پہنچتا ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلاتا ہے۔ انھیں برائیوں سے روکنے کی کوشش کرتا ہے ان کے سامنے حق پیش کرتا ہے تو امید رکھنی چاہئیے کہ یہ عمل خود بخود اس کی زندگی کو درست کر دے گا۔ جب وہ یہ کام کرے گا تو وہ خود ہر وقت اپنے عمل اور زندگی پر نظر ثانی کرے گا اور آہستہ آہستہ اپنی اصلاح کرلے گا جو خود بخود غلط راستے سے صحیح راستے کی طرف آرہا ہے اگر کوئی اُسے بار بار ٹوکے گا اور اس طرح اس کے واپس لوٹ جانے کا سبب بنے گا تو میرا خیال ہے کہ وہ خدا کے یہاں پکڑا جائے گا اس کے اس طرح ٹوکنے کا نتیجہ یہی تو نکل سکتا ہے کہ وہ خدا کے راستے کی طرف نہ بلائے حق بات نہ کہے اور لوگوں کو خدا کی بندگی کی طرف دعوت نہ دے۔ ظاہر ہے کہ یہ نہایت غلط بات ہے۔ اگر اس کے عمل میں کوئی خرابی ہے تو توقع کیجئے کہ اس کی اصلاح بھی ہو جائے گی۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضورؐ سے ایک شخص کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ دن کو نمازیں پڑھتا ہے اور رات کو چوریاں کرتا ہے اس کے متعلق کیا حکم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دو یا تو چوری اس سے نماز چھوڑوا دے گی۔ یا نماز اس سے چوری چھوڑوا دے گی اب اگر ایک آدمی اصلاح کے جوش میں آکر ایسے شخص سے یہ کہے کہ کم بخت تو چوری کرتا ہے تو تیری نماز کس کام کی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کی اصلاح کی آخری امید کاٹ دینا چاہتا ہے۔ چوری میں تو وہ مبتلا ہے ہی۔ اب اس سے نماز بھی چھڑ وانا

چاہتا ہے۔ نماز ایک آخری رشتہ ہے جو اسے ابھی تک کسی نہ کسی حد تک بھلائی کے ساتھ باندھے ہوئے ہے۔ وہ مکمل بھلائی کی طرف پلٹ آئے لیکن جو لوگ یہ رشتہ کاٹ دینا چاہتے ہیں وہ اسے جہنم کی طرف چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ جب وہ شخص چوری کرتا ہے تو نماز حاصل۔ بلکہ یہ فرمایا کہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ نہ اس کی نماز کی خاطر اس کی چوری کی تصدیق کرو کی اس چوری کی خاطر اس کی نماز کی تردید کرو۔ ایک وقت آئیگا کہ یا تو اس کی نماز چوری چھڑا دے گی نماز چھڑا دے گی۔

حجۃ الوداع کے خطبے میں یہ نقرہ غور طلب ہے "حضورؐ نے فرمایا کہ دین کی جو بات تم کو معلوم ہو کو بتا دو"۔ یہ نقرہ تبلیغ کے لئے دلیل ہے۔

اقوالِ زریں



مرسلہ



ایم۔ اے۔ خیامی ۔۔۔ کھریا۔ یوپی

- اللہ کی مدد صبر کے ساتھ ہے۔
- ایمان کے بعد افضل ترین نیکی خلق کو آرام پہنچانا ہے۔
- شرک کے بعد بدترین گناہ ایذا رسانی خلق ہے۔
- ایماں کے بعد نیک بخت بیوی سے زیادہ کوئی نعمت نہیں — حضرت عائشہؓ
- خوبیاں قربانیوں سے پیدا ہوتی ہیں۔
- نکتہ چینی سے اصلاح نہیں بلکہ اور بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔
- پڑوسی کو ستانے والا دوزخی ہے اگرچہ تمام رات عبادت کرے اور دن میں روزہ رکھے۔ — حضور سرور کائناتؐ
- نیک وہ شخص ہوتا ہے جو دوسرے سے نصیحت حاصل کرے۔
- جو عہد پورا نہ کرے وہ دیندار نہیں۔
- آدمی اپنے ہمنشیں سے پہچانا جاتا ہے کہ وہ کیسا ہے۔

اور میں جماعت اسلامی سے وابستہ ہو گیا

(پروفیسر غلام اعظم)

[illegible] ۵۴ء کی بات ہے ان دنوں میں رنگ پور کالج میں بحیثیت پروفیسر کام کر رہا تھا اس وقت تبلیغی جماعت، اور تمدن مجلس [illegible] سے منسلک تھا تبلیغی جماعت میں سیاسیات، معاشیات اور زندگی کے دوسرے شعبوں کا کوئی ذکر نہ ہوتا تھا اور تمدن [illegible] کی کمی تھی میں دونوں سے وابستہ ہو کر اپنی پیاس بجھانے کی کوشش کر رہا تھا

[illegible] ۱۹۵۴ء میں جمعہ کا دن تھا اعلان ہوا کہ جماعت اسلامی کی طرف سے مولانا عبدالخالق صاحب [illegible] کی طرف سے پروفیسر غلام اعظم خطاب کریں گے مولانا عبدالخالق صاحب نے اپنی تقریر میں کہا کہ ہمیں [illegible] جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے۔ آج اسلام کو جس کشمکش سے گذرنا پڑ رہا ہے [illegible] [illegible] بیٹ نے اپنی تقریر میں کہا کہ پہلے لوگوں کو صحیح کلمہ [illegible]

[illegible] ختم نہیں ہو گئی۔ مولانا عبدالخالق صاحب رخصت ہونے لگے [illegible] بیان کرتے ہوئے [illegible] سوالات پر غور کرنے کی دعوت دی ان کا پہلا سوال یہ تھا کہ آپ بھی دین کی تبلیغ کرتے ہیں ہم بھی کرتے [illegible] سلیقے بود کرنا، کوئی نبی بھی ایسا نہ تھا کہ اس نے دین کی دعوت دی ہو اور وقت کے اقتدار نے اسے برداشت [illegible] آپ دعوت دیتے ہیں کوئی اقتدار اس سے کبھی برا فروختہ نہیں ہوا کیوں؟

ان کا دوسرا سوال یہ تھا کہ آج بھی جب دین کی مؤثر دعوت دی جاتی ہے تو ہر قوت اسے کچلنے کے لئے آگے [illegible] کیوں نہ آپ تمام حقائق کا مطالعہ کر کے بتائیں کہ جماعت اسلامی پر آئے دن حکومت "مہربان" ہوتی رہتی ہے [illegible] ہو سکتا ہے۔؟

مولانا عبدالخالق صاحب تو چلے گئے لیکن میں بے چینی اور کرب کے ایک سمندر میں پڑا جو چیز مجھے بار بار بے چین [illegible] وہ میرا یہ احساس تھا کہ اگر اب تک حق کے لئے وقف رہا ہوں، تو ایسا کیوں ہے کہ سارے سفر میں ایک کانٹا [illegible] پاؤں میں نہیں چبھا؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ باطل نے مجھے بے ضرر سمجھ کر میرے کام سے ایک سمجھوتہ سا

کر لیا ہے کہ تم مجھ سے تعرض نہ کرو، میں تم سے کوئی واسطہ نہ رکھوں گا؟ اگر میری موجودہ مصروفیات اور جدوجہد ہی حق کو سربلند
کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہے تو باطل نے مجھے نظر انداز کیسے کر دیا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ ان سوالات نے میری نیند اچاٹ کر دی۔ بھوک پیاس کسی چیز کا خیال نہ رہا۔ پندرہ دن اس حال
میں گزر گئے۔ میں اس حد تک غیر مطمئن اور پریشان تھا کہ جب تین چار احباب نے مجھ سے اس موضوع پر گفتگو کی اور میں نے اپنے
دل کا درد اُن کے سامنے رکھا تو وہ بھی اسی کیفیت میں مبتلا ہو گئے۔

ایک روز مولانا عبدالخالق صاحب کا خط آیا کہ جماعتِ اسلامی کی ایک دو روزہ کانفرنس گائے باندھا کے تا
پر منعقد ہو رہی ہے۔ انھوں نے مجھے شرکت کی دعوت دی تھی۔ میں کانفرنس میں شریک ہوا۔ بے حد متاثر ہوا، لیکن پوری
طرح یکسو ہونے میں ۲۴ گھنٹے مزید باقی تھے۔ کانفرنس ختم ہوئی تو اس کمرے میں مختلف حضرات سے گفتگو شروع ہوئی جو
بہت اہم تھا۔ رات کے تین بج گئے تو باقی گفتگو کو نمازِ فجر کے بعد تک ملتوی کر کے سونے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ دوسرے
حضرات تو سو گئے لیکن میری نیند ایک بار پھر اچاٹ ہو چکی تھی۔

اس کمرے میں جماعت کے ایک معمّر رکن شیخ امین الدین صاحب بہاری بھی موجود تھے۔ وہ میری حالت کو دیکھ رہے
تھے، جب کسی طرح نیند نہ آئی تو میں اٹھا اور نمازِ تہجّد پڑھنے لگا۔ دعا کے وقت میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ میں
بار کہہ رہا تھا کہ یا اللہ میری رہنمائی کر۔ یا اللہ میری رہنمائی کر۔ شیخ امین الدین صاحب کی مشفقانہ آنکھیں مجھے دیکھ رہی تھیں
لیکن مجھے اس بات کا علم نہیں تھا۔

نمازِ فجر کے بعد جب ہم گفتگو کے لئے اکٹھے ہوئے تو شیخ امین الدین صاحب نے میرے سامنے متفقین کا فارم
دیا۔ میں نے پڑھا اور فارم پُر کر کے دستخط کر دیئے۔ متفق بننے کے ڈیڑھ ماہ کے اندر اندر میں رکنیت کی درخواست دے چکا
تھا!

انھیں دنوں میجر جنرل سکندر مرزا مشرقی پاکستان کے گورنر بن کر آئے۔ اس وقت وہاں جماعت اسلامی کے خلاف
کوئی اقدام نہیں ہوا تھا۔ مرزا صاحب نے آتے ہی یہ کام شروع کر دیا۔ مختلف تحقیقاتی کمیٹیاں بن گئیں۔ مجھے کالج کے
سربراہوں نے بلایا اور کہا کہ یا کالج چھوڑ دیں یا جماعت کا کام چھوڑ دیں۔ میں نے استعفا دے دیا اور جماعت کیلئے یکسو

عبدالسمیع ندوی

میں جماعت سے کیسے قریب ہوا؟

میں نے جب شعور سنبھالا تو خود کو ایک دیندار گھرانے میں پایا۔ والد مرحوم مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کے مُرید تھے۔ ہمارے جوار میں جب بھی مولانا تشریف لاتے تو میں والد مرحوم کے ساتھ حضرت مدنیؒ کا بیان سننے جایا کرتا تھا۔ دو مرتبہ مولانا کے دولت کدے پر دیوبند بھی جانا ہوا۔ اُن کی جدوجہد، خلوص اور مہمان نوازی سے میں بہت متاثر ہوا۔

جب میں نے حفظِ قرآن شروع کیا تو ساتھ ہی ساتھ مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتابیں پڑھنا شروع کیں اور اِن کتابوں کے ذریعہ وعظ کہنا شروع کیا۔ نماز پڑھنا اور وعظ و نصیحت کرنا مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ یہ کام میں نے کب سے شروع کئے ہیں۔

غالباً ۱۹۵۵ء کا زمانہ تھا کہ میرا قیام میرٹھ میں ہوا اور پہلی مرتبہ مولانا سلامت اللہ صاحب (جو مدرسہ امداد الاسلام کی مسجد میں امام تھے) سے جماعتِ اسلامی اور متکلم اسلام مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا نام میرے کانوں میں پڑا۔ مولانا سلامت اللہ صاحب انتہائی اخلاق و محبت سے پیش آتے، اپنا نعتیہ کلام سُناتے، جماعت کا تعارف کراتے اور دلنواز مسکراہٹ سے طالب علموں کا دل موہ لیتے۔ مگر ہمارے اساتذہ ہم کو اُن کے پاس جانے سے روکتے تھے۔ اُس وقت میری سمجھ میں یہ بات نہ آتی تھی کہ یہ لوگ مولانا کے پیچھے نماز بھی پڑھتے ہیں اور اُن کی مخالفت بھی کرتے ہیں۔

کچھ دنوں کے بعد میں اپنے چند دوستوں کے ساتھ میرٹھ سے ہفت روزہ "منظر" نکالنے کی تیاری کر رہا تھا کہ اسی اثناء میں دینی تعلیمی کونسل یوپی کا ایک بڑا جلسہ فیض عام انٹر کالج میرٹھ میں ہوا۔ اس جلسہ میں مولانا ابوالحسن علی ندوی کی تقریر ہوئی۔ میں مولانا کی تقریر سے متاثر ہو کر مزید تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے دارالعلوم

ندوۃ العلما لکھنؤ پہونچا۔ دو سال شعر و سخن کی مجلسوں، علم و ادب کی محفلوں میں گذرے۔ ندوہ کی طالب علمانہ زندگی میں میں نے تبلیغی جماعت کے ساتھ شہر سے باہر آنا جانا شروع کیا۔ لیکن میں تبلیغی جماعت کے مخصوص نظام اور محدود تصورِ دین سے جلد ہی اکتا گیا اور اپنے ساتھیوں سے بحث و مباحثہ کرنے لگا۔ پڑھنے کا بے حد شوق ہے اس لئے مولانا ابوالکلام آزادؒ اور مولانا شبلیؒ کی تحریروں سے بے حد متاثر ہوا۔ ان ہی دنوں مولانا عبدالماجد صاحب دریابادیؒ سے تین چار مرتبہ ملاقات ہوئی۔ اُن کی تحریریں دل پسند تھیں۔ مولانا مرحوم علم و فضل اور سادگی کا نمونہ تھے۔ اسی طرح میں الٰہ آباد گیا اور مولانا شاہ وصی اللہ صاحب سے بطور خاص ملا۔ اُن کی سادہ باتوں کا آج تک مجھ پر اثر ہے۔ شاہ صاحب دارالعلوم ندوۃ العلما کے طلبہ پر بہت مہربان تھے۔ شاہ صاحب کا حال یہ تھا ؎

دل ڈھونڈتا سینے میں مرے بوالعجبی ہے
اک ڈھیر ہے یاں راکھ کا اور آگ دبی ہے

وقت کا کارواں آگے بڑھتا رہا۔ "دعوت" اخبار دارالعلوم میں آیا کرتا تھا، شورش کاشمیری مرحوم کا "چٹان" ہفت روزہ پڑھنے کو مل جایا کرتا تھا۔ آتشِ شوق نے کام کیا۔ میں اپنے ایک رفیقِ سبق مولوی حافظ محمد یاسین صاحب ندوی کے ساتھ جماعت کے دفتر گولہ گنج پہونچا۔ وہاں میری ملاقات مولانا عبدالغفار صاحب ندوی سے ہوئی کبھی کبھی رحمت الٰہی صاحب سے بھی ملاقات ہو جایا کرتی تھی۔ میں دیکھتا کہ ایک بھاری بھرکم شخصیت بھی دفتر میں آتی جاتی ہے۔ خیال آیا کہ ہو نہ ہو یہیں سے گوہرِ مراد ہاتھ آئے۔ یہ تھے جناب م۔ نسیم صاحب۔ میں کیونکہ شاہ عبدالقادر رامپوریؒ سے بیعت اور مولانا تھانوی کی تحریروں سے متاثر تھا اس لئے مخالفانہ ذہن لے کر نسیم صاحب سے ملا۔ مگر اُنھوں نے انتہائی حکمت و دانشمندی، خلوص و دلسوزی اور محبت و اپنائیت سے میری مخالفانہ روش کو موافقانہ طرز میں بدل دیا۔ اُنھوں نے مجھے خطبات اور شہادتِ حق پڑھوائیں۔ پھر رسائل و مسائل، تنقیحات، کشمکش سوم مطالعہ کے لئے دیں۔ مطالعہ کے بعد میں اُن سے تبادلہ خیالات کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ مولانا مودودیؒ کی تحریر دل کو بھانے لگی اور اُن کی فکر دل و دماغ پر چھانے لگی۔ اپنے ادبی ذوق کی تسکین کے لئے میں نے

م اقبال قائم کی۔ پھر جماعت کی اسلامک یوتھ آرگنائزیشن میں دلچسپی لی، بلاسودی سوسائٹی میں حصہ لیا۔ ان
ام سرگرمیوں کے باوجود میں اپنے اُن ساتھیوں کو کھو بیٹھا جن کے ساتھ تبلیغ میں آنا جانا ہوا کرتا تھا۔
۱۹۷۳ء میں مجھے اپنے وطن میں ایک دینی مدرسہ کے قیام کا خیال پیدا ہوا۔ مورنہ ضلع مظفر نگر میں اس کی
باد رکھی اور کام شروع کر دیا۔ مگر وہاں میری اور جماعت کی مخالفت کا طوفان اُٹھ کھڑا ہوا۔ قرب وجوار کے
لوی صاحبان ایک ایک دو دو کر کے آتے رہے اور بحث و مباحثہ کرتے رہے۔ ایک دن لطیفہ پیش آیا۔ ہوا
پندرہ بیس آدمی صبح سے شام تک اِس موضوع پر مجھ سے بات چیت کرتے رہے۔ آخر میں لاجواب ہو گئے تو
ں نے خود پوچھا اچھا بتاؤ تم میری مخالفت کیوں کرتے ہو؟ منشی محمد اسحاق صاحب نے جواب دیا کہ میں نے فلاں
فتی صاحب سے خود سُنا ہے کہ یہ جماعتِ اسلامی والے خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ مفتی
صاحب کا نام سُن کر میں حیران رہ گیا۔ پھر یہ شعر زبان پر جاری ہوا ؎

اِتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت دامن کو ذرا دیکھ، ذرا بندِ قبا دیکھ

۱۹۷۴ء میں شہر مظفر نگر میں درسگاہ اسلامی میں معلم رہا۔ وہاں بھی بعض حضرات سر راہ بُرا بھلا کہتے تھے۔
بلا دلیل مولانا مودودیؒ کو موردِ الزام قرار دیتے تھے۔ دلیل اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ فلاں بزرگ نے اور فلاں عالم
نے جماعتِ اسلامی کو گمراہ کہا ہے۔ اللہ اللہ عقل و خرد نالہ بکناں ہیں۔ دین اشخاص سے سمجھا جانے لگا اور کتاب و
سنّت کو لوگوں نے طاقوں میں رکھ دیا۔ ؏

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

اِسے اتفاق کہئے یا خوبیٔ قسمت کہ میں ۱۹۷۵ء میں جنوبی ہند آیا اور اسے ہلی ضلع ہاسن میں بچوں کی تعلیم اور
خطابت کا سلسلہ قائم ہوا۔ اسی کے ساتھ میرے شوق کا عالم یہ تھا کہ میں جماعت اور الحسنات کی نیز مائل خیرآبادی کی
کتابیں لے کر گھر گھر جاتا اور مطالعہ کے لئے دیتا۔ کچھ مخالفت بھی ہوئی مگر کام جاری رہا۔ آخر کار وہ ساعتِ سعید
آہی گئی اور گلِ مراد کھل ہی گیا کہ میں ۱۹۷۸ء میں حق کے علمبرداروں میں شامل ہو گیا اور قدم قدم چلنے لگا ؎

مری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سرفرازی میں اسی لئے مسلماں، میں اسی لئے نمازی

مسلم خواتین سے خطاب

مولانا احسن مستقیمی

تیسری (۳) قسط ..... گذشتہ سے پیوستہ

دینی معلومات کس طرح حاصل کریں: یوں دینی معلومات حاصل کرنے کے لئے آپ کی بہ نسبت مردوں کو زیادہ سہولت اور وسائل و ذرائع حاصل ہیں مگر خدا نے آپ کو بھی محروم نہیں کیا ہے۔ یہ بات مجھ سے زیادہ آپ جانتی ہیں کہ اپنے جائز اور ناجائز مطالبات عورتیں کس طرح اپنے مردوں سے منوالیا کرتی ہیں۔ اگر عورتوں کو یقین ہو جائے کہ دراصل خدا کا دین ہی دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی اور نجات کا واحد ذریعہ ہے، خدا پرستانہ زندگی ہی جہنم کی آگ سے محفوظ رہ سکتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ آپ اپنے تمام دوسرے مطالبات ترک کر دیں گی۔ کھانا، کپڑا، مکان، یہ تو وہ چیزیں ہیں جن کا آپ مطالبہ کریں یا نہ کریں، گھر کے مردان کا اہتمام کریں گے۔ آپ سب کا اصل مطالبہ اپنے شوہروں، بھائیوں، باپوں اور بیٹوں سے یہ ہونا چاہیئے کہ وہ آپ کو اللہ کے دین سے واقف کرائیں۔ دینِ اسلام کو سمجھنے میں مدد دیں۔ آپ کی طرف سے یہ مطالبہ نہایت بابرکت مطالبہ ہوگا۔ اگر خدا کا دین آپ کی زندگی کا دین، آپ کے گھر کا دین، آپ کے بڑوں اور بچوں کا دین، آپ کے معاشرے اور سماج کا دین بن جائے تو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ آخرت میں فردوس بریں پانے سے قبل اللہ تعالیٰ اِس دنیا کی چند روزہ زندگی ہی میں آپ کے گھر کو، آپ کے ماحول کو ایک مثالی گھر اور مثالی ماحول بنا دے گا۔ اگر آپ کے مرد دین اسلام سے خود آگاہ نہیں ہیں تو آپ اُن سے کہیئے کہ وہ خود بھی دینی معلومات حاصل کریں پھر اُن سے آپ کو واقف کرائیں۔ اِس طرح انشاءاللہ آپ کو

وثواب حاصل ہوگا اور آپ کے مردوں کے اجر وثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ بیوی کا شوہر پر اور اولاد کا والدین پر
م ہے کہ وہ اپنی بیویوں اور اپنی اولاد کو دین سے واقف کرائیں۔ وہ نہایت بدنصیب شوہر، باپ، بیٹا اور
دنیا جو اپنی بیوی، اپنے بیٹوں، اپنی ماں اور اپنی بہن کا ہر طرح تو خیال رکھے مگر خود کو اور انھیں آنے والی
ندگی میں جہنم کا ایندھن بننے سے بچانے کا کوئی اہتمام نہ کرے۔

لومات کے ساتھ عملی اقدام ضروری ہے: تیسری اہم بات یہ ہے کہ دین کی جو باتیں آپ کو پہلے سے
ں اُن پر آپ بلا تاخیر عمل شروع کر دیں۔ جو باتیں گناہ کی ہیں اور اللہ نے اُن سے روکا ہے اُن سے آپ بچیں
ز کریں۔ مثال کے طور پر آپ جانتی ہیں کہ پنجوقتہ نماز فرض ہے۔ آپ پوری طرح اس کی پابند ہوں۔ آپ کو
ہے کہ رمضان کے روزے فرض ہیں۔ آپ اِن کا اہتمام کریں۔ آپ جانتی ہیں اللہ و رسول نے سچ کو پسند کیا
ٹ سے منع فرمایا ہے، آپ ہمیشہ سچ بولیں اور جھوٹ کے قریب بھی نہ جائیں۔ آپ جانتی ہیں کہ پیٹھ پیچھے کسی
بیان کرنا سخت گناہ ہے۔ قرآن میں اس فعل کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسلئے
رض ہے کہ خود بھی غیبت اور چغلی سے بچیں اور حتی الوسع اس موذی مرض کو اپنے گھروں میں گھسنے بھی نہ دیں۔
، شوہر کے گھر کی ملکہ اور محافظ ہیں، آپ اسے محسوس کریں۔ صبر، شکر اور قناعت گھر کی فضا کو درست رکھنے
ہر کے ساتھ مخلصانہ تعاون میں بڑی موثر صفات ہیں۔ آپ اِنھیں اپنے اندر پیدا کیجئے۔ اگر آپ کے گھر کے
پرستانہ زندگی گزارنا چاہتے ہیں، دینِ اسلام کی اقامت اور دعوتِ اسلامی کے فروغ میں لگے ہوئے
ہر طرح اُن کی حوصلہ افزائی کریں۔ اُن کی دِقتوں اور دشواریوں کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ انھیں خوش
کے ساتھ حل کرنے میں اُن کے ساتھ تعاون کریں۔ یاد رکھئے کہ جس طرح ایک شوہر کے لئے خدا پرست بیوی
م نعمت ہے ٹھیک اُسی طرح بیوی کے لئے خدا ترس شوہر خدا کے فضل و کرم کی ایک روشن علامت ہے۔
وبہ میں ارشاد ہے: مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے دینی رفیق ہیں۔ نیک
ا تعلیم دیتے ہیں، بُری باتوں سے منع کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، اللہ کے رسول کا
تے ہیں۔ اِن لوگوں پر اللہ ضرور رحم فرمائے گا۔ بلاشبہ اللہ قادرِ مطلق ہے۔

ته وار اجتماع بھی ایک اہم ذریعہ ہے: دین سیکھنے اور دینی زندگی بسر کرنے میں ایک اور چیز آپ
لئے نہایت مفید اور موثر ہے، وہ یہ کہ آپ ہفتہ میں ایک بار گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے لئے اپنا اجتماع کریں
دوسری بہنوں اور سہیلیوں کو بھی اِس میں شرکت کی دعوت دیں۔ اِس اجتماع کے اندر ابتداءً قرآن حکیم ک
یات تفہیم القرآن کی مدد سے پڑھیں۔ اس کے ترجمہ اور تشریح کی مدد سے اِن آیات کو سمجھنے کی کوشش کریں
طرح کبھی کبھی منتخب احادیث سے چند حدیثیں پڑھ کر سنائیں۔ دینی لٹریچر سے یا دینی اخبارات و رسائل سے
ہت حصے پڑھ کر سنائیں۔ اجتماعات کا یہ سلسلہ اگر آپ جاری رکھیں تو آپ کے لئے یہ بہت زیادہ مفید ہوگا۔
ں کی تربیت: چوتھی اہم بات یہ ہے کہ یہ ننھے منّے بچے جو جنت کے پھول ہیں، اللہ نے انھیں آپ کے
دوں اور آپ کی آغوش میں کھلا رکھا ہے، یہ اُس کی بہت بڑی امانت ہیں۔ یہ عظیم امانت آپ کے سپرد کی گئی
۔ انھیں اچھے اخلاق و عادات سے آراستہ کرنا، بُری عادتوں اور غلط قسم کے اثرات سے انھیں محفوظ رکھنا
کی بہت ہی اہم ذمہ داری ہے۔ یاد رکھئے، چار چھ مہینے کا بچہ بھی جو چلنا اور بولنا نہیں جانتا ایک سادہ
ٹ کے مانند ہوتا ہے جو اُن کے جسمانی ٹیپ ریکارڈر میں گردش کر رہا ہوتا ہے۔ آپ کے اخلاق و کردار کے
ت اِس میں ریکارڈ ہوتے رہتے ہیں۔ ماں کی ممتا کی کشش کو وہ اپنے اندر جذب کرتا رہتا ہے۔ وہ آپکی چھاتیوں
صرف شیریں دودھ ہی نہیں پیتا بلکہ اس دودھ اور ممتا کے ساتھ وہ آپ کی حرکات و سکنات اور آپ کے
ماق و کردار اور رہن سہن کے اثرات کو بھی اپنے اندر جذب کرتا رہتا ہے۔ آپ کی سراپا تصویر اُس پر اثر انداز ہوتی
۔ آپ اگر ناراض نہ ہوں تو میں عرض کروں کہ جو لوگ خدا کی اِس زمین پر فساد برپا کرتے ہیں، قتل و خونریزی کا
ر گرم کئے ہوئے ہیں، جو جان و مال اور عزت و آبرو پر ڈاکے ڈالتے ہیں، جو خدا کے باغی اور رسول کے نافرمان
، جو شراب، سود، جوئے اور زناکاری کے مجرم ہیں، جو طاقت اور اقتدار کے نشے میں بدمست ہو کر بندگانِ خدا
لئے مصیبت بنے ہوئے ہیں، اُنھیں بھی کچھ عورتوں ہی نے جَنا ہے، اُنھوں نے بھی اپنی اپنی ماؤں کا دودھ
ہے، انھیں بھی والدین کی آغوش میں پروان چڑھنے کے مواقع ملے ہیں، مگر کیا اس حقیقت سے انکار ممکن ہے
ان کے بگاڑ میں اوّل نمبر پر اُن کی ماؤں کے بگاڑ کو بڑا دخل ہے۔ اُن کی ماؤں کی بے دینی، مجرمانہ غفلت اور

اناشناسی نے انھیں ابلیس کا ایجنٹ بنا کر انسانی سماج میں لاکھڑا کر دیا۔ اگر آپ یہ تہیہ کرلیں کہ آپ کے خدا کے سپاہی بنیں گے اور انھیں خدا کا سپاہی بنانے پر آپ بھرپور توجہ دیں تو میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جس محلہ، جس آبادی اور جس ملک کی خواتین یہ فیصلہ کرلیں گی اور اس پر کاربند ہوں گی وہاں اسلامی انقلاب برپا ہونے میں کچھ زیادہ وقت نہ لگے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

الرجل راع فی اھلہا ومسئول عن المیتہ والمرأۃ فی بیت زوجہا۔

مرد اپنے گھر والوں پر حاکم ہے اس سے اُس کے گھر والوں کے بارے میں بازپرس ہوگی اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی حاکمہ ہے اس لئے اس سے بھی پوچھا جائے گا۔

آپ نے فرمایا: "تم اپنے بچے کو نماز سکھاؤ جب سات سال کی عمر کو پہنچنے لگیں اور اگر وہ دس سال کی عمر تک نماز کی طرف راغب نہ ہوں تو انھیں تنبیہ کرو اور سزا دو۔" خداوند قدوس کا ارشاد ہے:

وأمر اھلك بالصلوٰۃ واصطبر علیہا۔

اپنے متعلقین کو بھی نماز کا حکم کرتے رہو اور خود بھی اس پر جمے رہو۔

دیکھئے کہ انسان بنانے والی فیکٹری جب تک درست نہ ہوگی اُس وقت تک وہ ہتھیار دستیاب نہیں ہو سکتے جو باطل کو کچلنے اور حق کو غالب کرنے کے لئے ضروری ہیں۔

ایک اور اہم بات جس کی طرف میں آپ کو توجہ دلانا ضروری خیال کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ دینِ اسلام اور خدا اور رسول سے تعلق کمزور ہونے کے باعث بہت سی مسرفانہ اور غیر شرعی رسوم ملیریا اور طاعون کے مہلک جراثیم کی مانند مسلمان گھروں اور مسلم سماج کے اندر پھیلی ہوئی ہیں۔ ان کی تباہ کاریوں اور فتنہ سامانیوں سے ہمارا سارا معاشرہ گمراہ ہو رہا ہے۔ اس طرح کے رسم و رواج کو زندہ رکھنے اور پھیلانے میں، معاف کیجئے، ہماری عورتوں کا سب سے بڑا دخل ہے۔ ان رسموں میں کتنی ہی ایسی ہیں جو خدا کی نگاہ میں سخت ناپسندیدہ ہیں۔ قرآن و سنت نے انھیں سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔ کتنی ہی رسمیں ایسی ہیں جن کی انجام دہی میں بے پناہ دولت پانی کی طرح بہائی جاتی ہے۔ بے شمار لوگ قرضوں کے بوجھ تلے دبتے اور پستے رہتے ہیں۔ کتنے ہی لوگ سود خوروں

کے جال میں بری طرح پھنس کر تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ مجھ سے زیادہ آپ ان واہیات، مسرفانہ اور غیر شرعی رسموں سے واقف ہیں۔ میں تو بطور مثال شادی بیاہ کے مسئلے کو آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ آپ جانتی ہیں کہ خدا کے دین میں سب سے زیادہ آسان مسئلہ نکاح ہے جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت اور خدا کا حکم ہے شریعت نے اِسے بے حد آسان بنایا ہے مگر آج یہی نکاح ہمارے سماج میں سب سے زیادہ مشکل بن کر رہ گیا ہے۔ خدا اور رسول نے جس کو سب سے زیادہ آسان بنایا تھا آج خدا اور رسول پر ایمان رکھنے والوں نے اِسے سب سے زیادہ مشکل بنا دیا ہے۔ خدا کے دین میں جہیز کا کہیں نام و نشان تک نہیں ملتا مگر آج مسلمانوں نے مسلم سماج پر اس بدترین لعنت کو اس درجہ مسلّط کر دیا ہے کہ خدا کی پناہ! خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اِس لعنت نے کتنی ہی نو بیاہتی بیٹیوں کو موت کی نیند سُلا دیا ہے۔ کتنی ہی لڑکیاں اِس کی زد میں آکر اپنے گھروں میں بیٹھی رہ گئیں۔ اِس لعنت نے ہمارے معاشرے میں زنا کے بے شمار راستے پیدا کر دیئے۔ شادی بیاہ کے موقعوں پر ہماری عورتوں کے لئے سب سے زیادہ اہم چیز مطالبات کی طویل فہرست ہوتی ہے۔ اگر یہ مطالبات منظور نہ کئے جائیں تو اُن کے نزدیک برادری میں "ناک" کٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ پڑوسنوں اور رشتہ داروں کے طعن و تشنیع کا خوف لاحق ہوتا ہے۔ والدین کے "وقار" کا مسئلہ کھڑا کیا جاتا ہے۔ ان گھروں کے مرد بھی خدا اور آخرت سے بے نیاز اور دولت کے نشے میں چور ہو کر سب کچھ کر گذرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ ستم بالائے ستم تو یہ ہے کہ اچھے خاصے دیندار لوگ جن کی دینداری اور جن کے تقویٰ و تقدس کا دن رات ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے اُن کی دینداری اور خدا ترسی کی قلعی بھی ایسے مواقع پر کھل جاتی ہے۔ وہ بھی انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ وہ سب کچھ کر گذرتے ہیں جنھیں دیکھ کر شیطان بھی تھوڑی دیر کے لئے ہی سہی ششدر رہ جاتا ہوگا۔

<u>اِصلاحِ معاشرہ کا کام آسان ہو سکتا ہے</u>: اگر مسلمان عورتیں یہ عزم کرلیں کہ وہ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی شادیوں میں بھی اللہ اور رسول کے احکام و ہدایات کی سختی کے ساتھ پابندی کریں گی اور کوئی ایسی رسم اور کوئی ایسا کام نہیں کریں گی جس سے اللہ اور رسول نے روکا ہے، وہ حتی الوسع اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو، اپنے شوہروں اور بایوں کو اس معاملے سے آگاہ کریں گی اور حکمت کے ساتھ ان لعنتوں کو

یک ایک کر کے اپنے گھروں سے خارج کریں گی تو میں سمجھتا ہوں کہ داعیان حق کے لئے بھی اصلاح معاشرہ کا کام افی آسان ہو سکتا ہے۔

ند خطرات کی نشاندہی: اب میں ان چند خطرات کی بھی نشاندہی کرنا چاہتا ہوں جو مغربی تہذیب اور الحاد و ہریت کے علمبرداروں کی طرف سے ہماری مسلم خواتین اور ہمارے مسلم سماج پر منڈلا رہے ہیں۔

ردوزن میں مساوات کا پر فریب نعرہ: ایک پر فریب نعرہ جو بڑے زور و شور کے ساتھ عورتوں کی مدردی اور بہی خواہی کے نام پر ان حضرات کی طرف سے لگایا جا رہا ہے وہ ہے "مردوں اور عورتوں کے درمیان ساوات کا نعرہ"۔ ان حضرات کی کوشش یہ ہے کہ مسلمان عورت اُن تمام فرائض کو بھی انجام دے جو بحیثیت ورت صرف وہی انجام دے سکتی ہے اور زندگی کے مختلف شعبوں اور معاملات و مسائل کے اندر عورت اِن مہ داریوں کو بھی انجام دے جو مردوں کی فطری ساخت کے مطابق مردوں پر عائد ہوتی ہیں۔ صاف اور سیدھے لفاظ میں یہ کہ ایک طرف عورت گھر کے اندر ہانڈی چولہے کا کام انجام دے، اپنے شوہر کی بیوی بن کر رہے، بچے نو ماہ اپنے شکم میں لئے رہے، بچے پیدا کرے، اُسے اپنے خون کا ایک ایک قطرہ دودھ کی شکل میں پلائے، ردی، گرمی، دھوپ اور بہت سی پریشانیوں سے اُسے محفوظ رکھے، خود بڑی سے بڑی مصیبتیں اٹھا کر بچے کو طرح کا آرام پہنچائے اور دوسری طرف وہ مختلف انجمنوں، آفسوں اور دوسرے تمام شعبوں میں مردوں کے نہ بشانہ حصولِ معاش کے لئے دوڑ دھوپ بھی کرے۔ مغربی تہذیب اور الحاد و دہریت کے متوالے اِس کو نصاف کا نام دیتے ہیں۔ اِسے وہ "مساوات" باور کرانا چاہتے ہیں۔ مگر آپ ذرا سنجیدگی کے ساتھ غور کریں گی پ محسوس کریں گی کہ اِس کے پردے میں جو اصل غرض و غایت ہے، جو اصل محرک ہے وہ صرف یہ ہے کہ ورت —— قدرت نے جس کی تخلیق صنفِ نازک کے طور پر کی ہے —— ہر ایک مقام پر اِن خواہش پرست ر عیاش مردوں کی ہوس رانیوں کا باسانی شکار ہوتی رہے۔ اِن نفس پرستوں کو ہر جگہ عورت درکار ہے جس سے اپنی آنکھوں کو سینک سکیں، جس سے وہ اپنی خواہشاتِ نفس کو تسکین دے سکیں۔ یہ حجام کی دوکان پر حجامت رواتے وقت آپ کی عریاں و نیم عریاں تصاویر کا نظارہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ مارکیٹ کے اندر کوئی چیز خریدیں گے

یا فروخت کریں گے تو اُس پر بھی آپ کی ننگی تصاویر انھیں مطلوب ہونگی۔ اخبارات و رسائل اور لٹریچر کے اندر بھی یہ آپکے حسن و جمال سے محظوظ ہونا چاہتے ہیں۔ سکول، یونیورسٹی، سینما، سرکس، ٹیلی ویژن اور ریڈیو وغیرہ پر بھی یہ آپ کی عصمت و عفت اور آپکے حسن و جمال سے لطف لینا ضروری سمجھتے ہیں۔ ایک دور تھا جب اسطرح کے لوگ اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے، اب ایک دور یہ ہے جب اسطرح کے لوگ عورت کو ہر میدان میں، ہر گلی کوچے میں، ہر محلے اور آفس میں، ہر مجلس اور انجمن میں اپنی نفسانی خواہشات کا شکار بناتے پھرتے ہوئے ہیں۔ خدا نے آپکی عزت و عصمت کو، آپکے حسن و جمال کو آپکے شوہر کیلئے وقف کیا تھا مگر یہ آپکی ان نایاب اشیاء کو منڈی میں لاکر نیلام کرتے ہیں۔ اسلام نے مرد و عورت دونوں کو یکساں طور پر اہمیت دی ہے، دونوں کے حقوق و اختیارات کا تعین کیا مگر دونوں کی فطری ساخت کے مطابق تقسیم کار کے طور پر حلقہ اثر الگ الگ رکھا ہے۔ عورت اصلاً گھر کی ملکہ اور نگراں ہے، مرد اصلاً قوام ہے اور حصولِ معاش کیلئے ذمہ دار ہے۔ اسلام میں زندگی کی گاڑی جن دو پہیوں پر چلتی ہے اُن میں اگر ایک مرد ہے تو دوسرا عورت ہے۔ اسلام نے عورت کو ایک عظیم مرتبہ عنایت فرمایا ہے۔ اُسکی فطرت اور مزاج کے عین مطابق اُن پر ذمہ داریاں ڈالی ہیں مگر لادینی ثقافت میں عورت مردوں کیلئے ایک کھلونا ہے۔ ہوس پرست انسانوں کے لئے ایک شکار ہے۔

<u>فیملی پلاننگ</u>: آپ جانتی ہیں کہ انسان اگر اپنے آپ کو اپنی خواہشاتِ نفسانی کے حوالے کردے تو اسکی ہوس کی کوئی انتہا نہیں۔ ہوس رانی کی اِس مہم نے فیملی پلاننگ کا ایک پر فریب فلسفہ گھڑ کر پیش کیا ہے جسطرح آزادی اور مساوات کے نام پر عورتوں کو گھر دا سے گھسیٹ کر بازاروں، چوراہوں، انجمنوں اور آفسوں میں لاکھڑا کیا گیا ہے اسیطرح خوراک کی کمی کا بہانہ بنا کر مردوں کو نامرد اور عورتوں کو بانجھ بنا ڈالنے کی پرزور مہم چلائی جاتی ہے اور اس پر ہر سال لاکھوں اور اربوں روپیے اور بے پناہ افرادی طاقت و صلاحیت صرف کی جاتی ہے۔ اِسکے جو اثرات سامنے آرہے ہیں وہ یہ کہ زنا کاری اب فیشن بنتی جارہی ہے۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں، بازاروں اور آفسوں میں ہر جگہ اور ہر مقام پر مرد و زن کا اختلاط کنواری ماؤں کی کھیپ تیار کر کے سامنے لا رہا ہے۔ ایک سے زائد بیویوں پر اعتراض کرنے والوں کو کھلی چھوٹ مل گئی ہے۔ بیوی گھر میں سسکتی رہتی ہے مگر میاں کا پورا وقت داشتہ اور "دوست خواتین" میں گزرتا ہے۔ آج سے چودہ سو برس قبل کے معاشرے میں ہوس پرست انسانوں کے اندر یہ رواج تھا کہ سیکڑوں عورتوں سے شادیاں کر لیتے تھے۔ ہمارے ہندوستان میں بھی ایک ایک مرد درجنوں بلکہ سیکڑوں خواتین کو بیوی بنا کر حرم میں رکھتا تھا۔ آج بھی بعض قبیلوں میں ایک ایک مرد درجنوں عورتوں کا شوہر ہوتا ہے۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس پر پابندی لگائی اور بیشمار مصالح اور حکمتوں کے تحت بیک وقت زیادہ سے زیادہ چار تک کی گنجائش رکھی اور اس کے ساتھ حسنِ سلوک کے ضوابط عنایت فرمائے مغربی تہذیب کے علمبردار ہماری خواتین کو جھوٹے پروپیگنڈوں اور خود ساختہ کہانیوں کے ذریعہ دینِ اسلام سے بدظن کرنے کی جو مہم چلا رہے ہیں اُس کا منشا اِس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ بے شرمی اور عریانیت کے موجودہ سماج میں باپردہ اور غیر تمند خواتین اُن کے لئے ایک کھلا ہوا چیلنج ہیں۔

مغربی تہذیب کا عبرتناک انجام: میں عرض کر چکا ہوں کہ مغربی تہذیب کے نتیجے میں آج نکاح مشکل اور زنا کاری آسان ہوتی جا رہی ہے۔ مخلوط تعلیم، فحش لٹریچر، ہیجان انگیز فلمیں، عریاں تصویریں، حیا سوز ڈرامے، شرمناک مضامین سے لبریز اخبار و رسائل، شراب نوشی کی کثرت، ثقافت کے نام پر ناچ اور رنگ رلیوں کی محفلیں دن بدن ہمارے سماج کو ناپاک بنائے دے رہی ہیں۔ اِن کے نتیجہ میں طلاق کی کثرت ہو رہی ہے۔ کنواری ماؤں کی فوج در فوج نمودار ہو رہی ہے۔ مغربی تہذیب کا جنم داتا اور گہوارہ امریکہ کے مردم شماری کے بورڈ کی اطلاع کے مطابق گذشتہ برس ۲۰ سال سے ۲۴ سال کے درمیان کی کنواری لڑکیوں میں فی ہزار ۳۶ لڑکیاں بن بیاہی ماں بن چکی تھیں اور اس وقت امریکہ کے اندر جتنے بچے پیدا ہوتے ہیں اُن میں سے آدھے بچے ایسی لڑکیوں سے ہوتے ہیں جو کنواری ہیں جن کی ابھی شادی نہیں ہوئی ہے۔ یہ امریکہ کی سرکاری رپورٹ ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سب سے زیادہ روشن خیال اور ترقی یافتہ ملک کی معاشرت کس قدر شرمناک اور کرپٹ ہو چکی ہے۔ مغربی ملکوں کی نقل میں ہمارے یہاں بھی اربوں روپیے اور بے پناہ صلاحیتیں اور قوتیں اس بات پر صرف کی جا رہی ہیں کہ مختلف دواؤں اور تدابیر سے رحم مادری کے اندر بچے کو ضائع کر دیا جائے اور اگر یہ تدابیر کارگر نہ ہو سکیں تو پھر اسقاطِ حمل کی سہولتوں سے فائدہ اُٹھا کر حمل ضائع کرا دیا جائے۔ بہانہ یہ ہے کہ یہ کمبخت اگر جنم لے لیگا تو روٹی اور کپڑے کا مطالبہ کرے گا یا اگر یہ جنم لے لیگا تو بن بیاہی خاتون پر اس کی پرورش و پرداخت کی ذمہ داریاں آن پڑیں گی۔ مگر ان تمام حماقتوں کے باوجود نہ بچوں کی پیدائش میں کمی آتی ہے اور نہ کنواری ماؤں اور حرامی بچوں کی کثرت میں کوئی فرق واقع ہوتا ہے۔ اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اس طرح کی مہم جو لوگ چلا رہے ہیں اور اس کے داعی اور علمبردار ہیں غالباً وہ کسی بھول چوک اور غلطی کے نتیجے میں خود تو کسی نہ کسی طرح باہر آ گئے مگر اب باہر آ کر شور مچا رہے ہیں کہ کوئی اور باہر نہ آنے پائے ورنہ اُن کے عیش و عشرت میں فرق پڑ جائے گا۔ کیا انسانی تاریخ میں اِس سے بڑی بھی حماقت کبھی آپ نے سنی؟

ہوس رانی کی ایک اور شکل: ۲۷ر فروری ۱۹۸۲ء کے اخبارات میں راجیہ سبھا کی جو کارروائی شائع ہوئی ہے،

یں سے پتہ چلتا ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کی مہم میں اسقاطِ حمل کے غلط طریقوں کے باعث ہر سال چھ لاکھ
اتین موت کا شکار ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح کی ایک اور خبر اخبارات کی زینت بن رہی ہے کہ آج کل گجرات
کے کچھ شہروں میں مردوں اور عورتوں کے درمیان "میتری قرار یعنی معاہدۂ دوستی" کے نام سے ہوس رانی کی
ب اور شکل سامنے آئی ہے۔ انگریزی اخبارات نے اسے FRIENDSHIP-CONTRACT کا نام دیا
ہے۔ اس معاہدے کے تحت کوئی بھی شادی شدہ یا کنوارا مرد کسی بھی عورت کو اپنے ساتھ رکھ سکتا ہے۔
س پر پولیس یا قانون کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔

قتلِ اولاد کا ایک بہانہ: بعض نادان یا پھر شاطر قسم کے حضرات جو مسلمانوں میں اس حماقت کو
رواج دینا چاہتے ہیں وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ قرآن نے تو قتلِ اولاد سے منع کیا ہے:

لاتقتلوا اولادکم من خشیتہ املاق نحن رزقکم وایاھم (تم اپنی
اولاد کو افلاس کے خوف سے قتل نہ کرو۔ ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور اُن کو بھی دیں گے)

ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ دواؤں اور مختلف تدابیر سے رحمِ مادر میں جو بچہ ضائع کیا جاتا ہے،
س میں اس وقت تک روح نہیں ہوتی اس لئے اس کا ضیاع قتلِ اولاد کی تعریف میں نہیں آتا۔ مگر مغربی
تہذیب کے گہوارے امریکہ کے سائنسدانوں کی تحقیق سامنے آچکی ہے کہ ڈیڑھ ماہ کے حمل میں بچے کا
دماغ کام کرنے لگتا ہے جبکہ سائز میں وہ اس وقت بمشکل ایک انچ کا ہوتا ہے اور دل کی دھڑکن تین یا
چار ہفتے کی مدت میں ہی شروع ہو جاتی ہے۔ یہ رپورٹ اس کمیشن کی ہے جسے تحقیق کے لئے صدر امریکہ
نے مقرر کیا تھا۔ کمیشن نے یہ بھی اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ بچے کا انگوٹھا اس کے منہ میں آٹھ ہفتوں کے
اندر پہنچ جاتا ہے۔ ایک اور ماہر ڈاکٹر کی تحقیق یہ ہے کہ رحمِ مادر میں بچے کی زندگی کے آثار دو ہفتے ہی کے
حمل میں ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ یہ اس ملک کے سائنسدانوں کی سرکاری رپورٹ ہے جس کی نقالی میں ہمارے
ملک میں وہ سب کچھ ہوتا ہے جس کا ذکر میں نے کیا ہے۔

محترم خواتین! مجھے توقع ہے کہ آپ سب نے یہی فیصلہ کیا ہوگا کہ اس چند روزہ زندگی کو آپ خدا کی

مرضی کے مطابق گذاریں گی خواہ اِس سلسلے میں آپ کو کچھ دشواریاں اور زحمتیں کیوں نہ پیش آئیں تاکہ کل آخرت میں خدا کے سامنے ذلت و رسوائی سے سابقہ نہ پیش آئے۔ خدا کی پکڑ اور جہنم کا عذاب سخت پکڑ اور شدید عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اِس سے محفوظ رکھے۔

میں نے جو باتیں عرض کی ہیں مجھے اُمید ہے کہ آپ نے انھیں اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا۔ یہی باتیں ہیں جو جماعتِ اِسلامی ہند کے خدام تمام بندگانِ خدا کے سامنے پیش کرتے ہیں کیونکہ جس دینِ حق میں ہم اپنی نجات تصور کرتے ہیں ہمارا فرض ہے کہ ہم اُسے اپنے گھر، خاندان، آبادی اور اُن تمام بندگانِ خدا کے سامنے پیش کریں جن سے ہم کو سابقہ پڑتا ہے۔ اِسی طرح اگر آپ نے اِن باتوں کو درست اور اپنے حق میں مفید اور ضروری تصور کیا ہے تو آپ کا بھی فرض ہے کہ انھیں خود اپنائیں اور دوسری بہنوں کے سامنے بھی رکھیں۔

دعوتِ حق کی سہ طرفہ مخالفت: خدا پرستی کی یہ صاف اور سیدھی باتیں ہیں مگر آپ جانتی ہیں کہ دنیا پرستوں اور خواہشاتِ نفس کے متوالوں نے اِن باتوں کو کبھی ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کیا ہے۔ خدا پرستوں پر ہر دور میں بے دینی اور گمراہی کے الزامات لگائے گئے، انھیں اقتدار کا طالب کہا گیا، طرح طرح سے ان کا مذاق اُڑایا گیا۔ مگر آپ جانتی ہیں کہ دین کی دعوت اور اسلام کی تحریک کو جس دور میں جتنا دبانے کی کوشش کی گئی ہے یہ اُتنا ہی اُبھری ہے۔ اِس کے نتیجہ میں حق پرستوں اور دین کے داعیوں کو طرح طرح سے ستایا گیا۔ اُن کا سماجی بائیکاٹ کیا گیا۔ اُن سے علیک سلیک تک پر پابندی لگائی گئی۔ انھیں جیلوں کے اندر بند کیا گیا۔ پھانسی کے تختوں پر لٹکایا گیا۔ مگر اہلِ حق نے ہمیشہ صبر و استقلال کے ساتھ اِن تمام دشواریوں اور مصیبتوں کو برداشت کیا۔ حق پرستوں اور داعیانِ اِسلام کی ہر دور میں اکثر و بیشتر سہ طرفہ مخالفت کی گئی۔ ایک طرف اربابِ اقتدار نے جو خدا بیزار اور آخرت فراموش تھے، اسلامی تحریک کو دبانے اور مٹانے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی تو دوسری طرف دنیا پرست اور باطل اقتدار کے حاشیہ بردار سکہ بند علماء اور مفتیوں نے اپنے فتووں کی ان پر گولہ باری کی۔ تیسری طرف عوام کے اندر سے اُن لوگوں نے اِن کے خلاف طوفان برپا کئے جو دنیا پرست علماء کے دامن گرفتہ تھے، جنھوں نے اپنی عقل اور اپنے دین و ایمان کو بگڑے ہوئے مفتیوں

کے ہاتھوں میں رہن رکھ دیا تھا۔ چونکہ خالص اور بے آمیز خدا پرستی کی چوٹ براہِ راست ان تینوں طبقوں کے مفادات پر پڑتی ہے اس لئے ان تینوں کی طرف سے مخالفت کی مہم بھی ضروری تھی۔ دعوتِ حق اور داعیانِ اسلام کی ہر دور میں یہ ایک واضح علامت ہوتی ہے کہ انہیں بگڑا ہوا سماج، بگڑا ہوا مذہبی طبقہ اور بگڑا ہوا اقتدار کبھی برداشت نہیں کرتا خواہ یہ دعوت پیغمبروں کے ذریعہ پیش کی جا رہی ہو یا غیر پیغمبر صلحاء، ائمہ کرام، اور بزرگانِ دین کی طرف سے، ہزار سال پہلے پیش کی گئی ہو یا آج پیش کی جا رہی ہو یا آئندہ کسی دور میں پیش کی جائے۔ یہ سہ طرفہ مخالفت ضروری ہے۔ اگر کبھی بگڑے ہوئے ماحول میں دین کی دعوت دی جائے مگر یہ تینوں گروہ اس کے مقابلے پر صف آرا نہ ہوں، بلکہ ہر طرف سے داد و تحسین پیش کی جا رہی ہو تو جان لیجئے کہ وہ دعوت خدا کے دین کی نہیں ہو سکتی بلکہ خدا کے دین کا نام لے کر کسی اور دین کا سکہ رائج کیا جا رہا ہوگا۔

دعا

خدا سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اپنے دین کا صحیح فہم عطا کرے، عملِ صالح کی توفیق دے، ہمارے گناہوں اور خطاؤں کو معاف فرمائے اور جب ہم سب اس کے حضور حاضر کئے جائیں تو وہ اپنی رحمت کے پردوں میں ڈھانپ لے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

باب چہارم

معاشرتی الجھنیں

پردے کی نزاکت

(۱)

مکرمی و محترمی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ،

مطالعہ جاری ہے۔ پڑھتے وقت سوچتی ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے ابھی سے عملی میدان میں اُٹھ کر اس بگڑے ہوئے ماحول میں اسلام کا بول بالا کروں۔ ضروری بات یہ کہنی ہے کہ جب ہم یہ کام لے کر اُٹھتے ہیں تو سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہوتی ہے کہ ہمارے ماحول میں جن سے پردہ کرنا ضروری ہے۔ مثلاً دادی کی دو تین بہنیں ہیں۔ ان کے بیٹے اور بیٹیوں کے شوہر یعنی رشتے کے چچا اور پھوپھا ہوتے ہیں۔ کافی تعداد میں ہیں۔ ان سے گہرا خلوص بھی ہے۔ ان لوگوں سے پردہ کرنے میں دشواریاں ہو رہی ہیں۔ اگر ہم پردے کا خیال رکھیں تو سب سے پہلے غلط فہمی ہو گی۔ اس غلط فہمی کی وجہ سے ہم کو دعوتِ اسلامی میں بڑی رکاوٹ معلوم ہوتی ہے۔ مجھے یہ اسلام کی تعلیم شادی کے بعد ملی ہے۔ شادی سے پہلے ان سب لوگوں سے پردہ نہیں تھا۔ اُلجھن یہی ہے کہ کیا اس بگڑے ماحول کو یوں بھی سدھار سکتے ہیں۔ اُمید ہے کہ ہمارے لئے معلومات میں اضافہ کریں گے۔ اور ہماری اس اُلجھن کو دور کریں گے۔ والسلام

عرض گذار۔ خیر النساء بیگم بتوسط محمد عبد الحمید صاحب

خیریت آباد۔ حیدر آباد

محترمہ آپ نے جس صورت حال کی طرف توجہ دلائی ہے وہ صرف آپ ہی کو درپیش نہیں بلکہ آج کل ہر اس خاتون کے سامنے یہ اُلجھن ہے جو اسلامی تعلیمات کو سچے دل سے اپنا لیتی ہے اور چاہتی ہے کہ اس کا ماحول بھی اسی رنگ میں رنگا نظر آئے۔ بدقسمتی سے مسلمانوں کے انتہائی مذہبی گھرانوں میں بھی شرعی پردہ نہیں کیا جاتا۔ مثال کے طور پر دیور کے لئے آتا ہے کہ الحمو الموت۔ دیور تو موت ہے۔ اس ارشاد سے دیور سے پردہ پر زور دینا مقصود ہے۔ لیکن بہت اچھے مسلم گھرانوں میں بھی آپ خواتین کو دیور

ب دیکھیں گی۔

اب آپ اپنی اُلجھنیں لیجئے۔ آپ کے خط کا یہ جملہ تشریح طلب ہے کہ پردہ کرنے کی وجہ سے آپ کو دعوت
ی کے کام میں دشواریاں پیش آرہی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ دعوت دین کے سلسلے میں آپ اپنی زیادہ توجہ
خواتین پر دیجئے۔ جہاں تک آپ کے مرد رشتہ داروں کا سوال ہے وہ دیکھ کر ضرور چونک سکتے ہیں کہ
ب جو لڑکی ہمارے سامنے آتی رہی ہے اب وہ ہم سے پردہ کر رہی ہے۔ ممکن ہے کہ انھیں یہ غلط فہمی
ئے کہ آپ کسی ناراضگی کے سبب ان سے چھپ رہی ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ غلط فہمی ہمیشہ نہیں رہ سکتی
سلوک اور آپ کا رویّہ انھیں خود بتلا دے گا کہ آپ صرف شرعی ہدایات کے احترام میں ایسا کر
ہیں۔ بعد میں یہ احساس ان کے دلوں میں آپ کے لئے احترام اور محبت کے جذبات بھی پیدا کرسکتا ہے۔

اگر خدانخواستہ آپ کا ماحول انتہائی مذہب بیزار ہے تو میں نہیں کہہ سکتا کہ پھر پردہ ہی غلط فہمی کی بنیاد
ی بنے گا۔ پھر تو آپ کی ہر بات آپ کے ماحول کو ناگوار ہوگی اور آپ کے ہر ہر قول و عمل میں تبدیلی کا
لبہ کیا جائے گا۔ اگر واقعی یہی ہے تو یہ آپ کی ایک آزمائش ہے۔ آپ حکمت اور استقلال کے ساتھ
ت کو سازگار بنانے میں لگی رہئے۔ گھر کی فضا اور لوگوں کے ذہن بدلنے کی کوشش کیجئے۔ اس کام
ں آپ اپنے شوہر کو واسطہ بنا سکتی ہیں۔ دل سوزی اور خالص دینی جذبہ کے ساتھ کی گئی آپ کی
یں ضرور مؤثر ثابت ہوں گی۔

یہ بات بھی ذہن میں رکھئے کہ نامحرم رشتہ داروں سے خصوصاً ان سے جن کے ساتھ ہر وقت رہن سہن
پردہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ گھر میں ہر وقت پردے پڑے رہیں۔ اور غسل خانہ یا باورچی خانہ تک جانے
لئے بھی گھر میں آوازیں لگائی جائیں کہ ذرا پردہ کر لیجئے در اصل ایسا ہی پردہ غلط فہمیاں اور تلخیاں
دا کرتا ہے۔ قریبی رشتہ داروں سے پردہ کا مطلب صرف یہ ہے کہ آپ کو خود کو ذرا Reserve رکھیں
پ پلنگ پر بیٹھی ہیں کہ آپ کے رشتہ کے پھوپھا آئے۔ آپ ذرا سا رُخ موڑ لیجئے۔ بس آپ کو ان کے سامنے
نا ہے۔ تھوڑا سا آنچل سر سے نیچے ڈھلکا لیجئے ان سے گفتگو کرنی ہے۔ پوری احتیاط کے ساتھ مختصر سی

ضروری گفتگو کر لیجئے۔ اپنے جسم کا کوئی حصہ اور سر کے بال وغیرہ ان کے سامنے کھلنے مت دیجئے۔ ہو گیا پردہ۔ میرا خیال ہے کہ ایسا پردہ گھر میں کوئی بھی بدمزگی نہیں پیدا کر سکتا۔ ہر وقت گھر میں ساتھ رہنے والے لوگوں سے اگر آپ شدید قسم کا پردہ کرنے لگیں۔ وہ دالان سے گذر کر بڑے دروازہ تک جانا چاہتے ہیں تو آواز دے کر نکلیں پھر گھر کے اس کمرے کے کواڑ بند کیے جائیں جس میں آپ بیٹھی ہیں تا کہ انھیں باہر جانے کا موقع ملے۔ اگر وہ آپ سے کوئی ضروری بات کہنا چاہتے ہیں تو پہلے کافی دیر تک آپ کے شوہر یا کسی بچے کا راستہ دیکھیں جو ان کی بات آپ تک پہنچا سکے۔ ظاہر ہے کہ یہ طرزِ عمل نہ شرعی اعتبار سے موزوں ہے اور نہ سماجی اعتبار سے مناسب۔

اچھے گانے

(۲) س:۔ کیا اچھے گانے گانا اور سُننا گناہ ہے۔ مثلاً "میرے دیس کی دھرتی سونا اُگلے" یہ بھی بتائیے کہ نظموں کو گانے کی طرز پر پڑھنا کیسا ہے؟"

(روبینہ ناز وانمباڑی)

محترمہ بہن! سب سے پہلے تو آپ اچھے اور بُرے گانے کا فرق ذہن میں بٹھا لیجئے۔ آپ جانتی ہیں کہ اللہ کے فضل سے ہم سب مسلمان ہیں۔ اسلام نے ہمیں پسند اور ناپسند کا ایک معیار دیا ہے اس لئے کسی بھی چیز کی خوبی یا خرابی جانچنے کے لئے اسلامی نقطۂ نگاہ سے سوچنا چاہیئے وہ گانے جنھیں پڑھ کر ہمارا نسلی یا قومی تعصب جاگ اُٹھتا ہو۔ جن کے ذریعہ لوگوں میں زمین کے کسی مخصوص حصہ کے لئے پرستش کے جذبات اُبھارنا مقصود ہو۔ اسلام کی نظر میں پسندیدہ نہیں ہو سکتے۔ ہمارے نزدیک صرف وہ اشعار اور گیت پسندیدہ ہو سکتے ہیں جن میں ماحول کے اندر پھیلی ہوئی برائیوں کے خلاف جدوجہد کے لئے اُکسایا گیا ہو۔ جن کے ذریعہ بندوں میں رب کے جذبات تازہ ہوتے ہوں اور جنھیں پڑھکر ہمارے کردار پر کوئی پاکیزہ اثر پڑتا ہو۔

جہاں تک اچھے اشعار کا تعلق ہے خود حضور سرورِ کائنات ؐ نے اچھے اشعار کو پسند فرمایا ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ ایک بار تو آپ مشہور اسلامی شاعر حضرت حسان ابن ثابتؓ کے لئے اپنا منبر
ڈکر نیچے اُتر آئے تھے اور ان سے بعض اشعار کو بار بار دہرانے کے لئے فرمایا تھا۔

فرصت اور تنہائی کے اوقات میں آپ اچھے اشعار کو گنگنا سکتی ہیں۔ سہیلیوں یا اپنے محرموں کے
منے اشعار کو ترنم سے پڑھنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں لیکن سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اس
ماد کو ہمیشہ پیش نظر رکھئے کہ "عورت کی آواز فتنہ ہے۔" قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "کسی غیر
رد سے گفتگو کرو تو کھرے لہجے میں، کہیں وہ تمہاری آواز کی نرمی سے کچھ غلط اُمیدیں نہ باندھ لے۔" جب
ہ بات چیت میں اتنی نگہداشت ہے تو آپ کا ترنم تو نامحرموں کے لئے بہت فتنہ انگیز ثابت ہو سکتا ہے
سلئے نامحرموں کے سامنے نہ گائیے۔"

پردہ کریں یا نہ کریں

آج کل کے مشینی دور میں جبکہ مردوں کے علاوہ عورتیں بھی عملی میدان میں قدم رکھ چکی ہیں اور مردوں ہی کے شانہ بشانہ کام کررہی ہیں تو پھر وہ اپنا پردہ کس طرح برقرار رکھ سکتی ہیں کہ جس کا ہمارا مذہب سختی سے پابند ہے۔ آج کل عورت ہر شعبے میں موجود ہے۔۔ اسکول، کالج، یونیورسٹی۔۔۔ خواہ اس کی حیثیت معلّمہ کی ہو یا طالبہ کی۔۔۔!! اگر ایک جہاز آسمان کی وسعتوں پر پرواز کرتا نظر آتا ہے تو وہاں پر بھی ایک عورت میزبانی کے فرائض انجام دیتی نظر آئے گی۔ ایسی حالت میں تو اُن کا پردہ کرنا ممکن نظر نہیں آتا۔ مگر۔۔۔

تعلیمی اِداروں میں صورتِ حال کچھ عجیب سی نظر آتی ہے۔ ایک طرف دیکھیں تو سر سے پیر تک برقعہ پوش خواتین نظر آئیں گی اور دوسری طرف نظر ڈالیں تو وہاں ایسی صورت نہ ہوگی۔ انھیں تو سوا گز کا دوپٹہ بھی وبال معلوم ہوتا ہے۔ بقول اُن کے "اصل پردہ تو آنکھ کا ہوتا ہے۔ وہ ہم کرتی ہیں۔" لو جی! بات ختم ہوگئی۔ مگر ہمارا خیال ہے کہ اس میں زیادہ قصور ان خواتین کا بھی نہیں ہے۔ آپ شاید اس بات کو تسلیم نہ کریں مگر یہ حقیقت ہے۔ لڑکیاں خود بے چاری اِن مخلوط تعلیمی اداروں میں آکر چکی کے دو پاٹوں کی طرح سے پِس جاتی ہیں۔

گھریلو ماحول اور ساتھ میں تعلیمی شوق اُن کو آگے بڑھنے پر جب مجبور کرتا ہے تو اُن کے ساتھ کچھ اس قسم کی صورتحال پیش آتی ہے کہ جب برقعہ اوڑھ کر اَپنے آپ کو اچھی طرح سے ڈھانپ کر وہ پہلی بار تعلیمی درس گاہ میں قدم رکھتی ہیں تو اُن کے قریب ہی سے کوئی منچلا سرگوشی کرتا گذر جاتا ہے۔ "یہ۔۔۔ ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں کالی بھیڑیں کہاں سے آگئیں۔" اور یہی محترمہ اگر دوسرے ہی دن چادر لپیٹ کر داخل ہوتی ہیں تو پھر آواز لگتی ہے "یار! آج سردی بہت ہے۔ لحاف اوڑھ کر آتے۔" پھر۔۔۔ پھر چادر اُتری مگر فطری شرم کے باعث چوڑا سا دوپٹہ سر پر ڈال کر چلتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ تو پھر ارشاد ہوتا ہے "کہ نماز کا وقت نکلا جا رہا ہے۔ جلدی سے وضو کے لئے لوٹا لا دو۔" اور پھر جب یہی لڑکی چند دن بعد کچھ منچلی لڑکیوں کے ساتھ

ہو پہ ڈالے اُونچے اور کھلے قہقہے لگاتی ہے تو . . . وہی لوگ مطمئن انداز سے دیکھ کر مسکراتے ہوئے گذر جاتے ہیں ۔ اور پھر یہی لڑکی جب
اس طرح بیباکی سے قہقہے لگاتی ہوئی نظر آتی ہے تو ہمارے والدین بے شرم اور بے حیا کہہ کر اور ہم . . . "تمہاری بھابی اتنی بے شرم اور
بے باک نہیں ہو سکتی" کہہ کر ریجیکٹ کر دیتے ہیں . . . یہ سوچے بغیر کہ اس معصوم اور سادہ سی لڑکی کو اتنا بیباک کس نے بنایا ہے اور
کا ذمہ دار کون ہے . . . اور پھر یہی لڑکی سوچتی رہ جاتی ہے کہ ہم پردہ کریں یا نہ کریں ۔ اگر کریں تو "بیک ورڈ کالی بھیڑیں" کے طعنے سُنیں
اگر نہ کریں تو "بے حیا"، "بے شرم" کے خطابات ملیں ۔ آخر ہم کیا کریں؟؟

یہ ایک ایسا سوال ہے جو چند خاندانی لوگوں کے لئے مسئلہ بن چکا ہے ۔ آخر ان سب باتوں کا کوئی تدارک تو ہونا ہی چاہیے
بات تو یہ ہے کہ اِن سب باتوں کا ذمہ دار صرف ہمارا معاشرہ ہی ہے ۔ اور کبھی بھی زندگی کے کسی بھی دور میں انسان معاشرے
سے جدا نہیں رہ سکتا ۔ یہ کبھی ممکن نہیں کہ ایک انسان ایک جیتی جاگتی دنیا میں رہتا ہو اور اُس کا اثر نہ لیتا ہو ۔ ہم نہ صرف یہ کہ معاشرے
سُدھارنے کا عہد کرتے ہیں بلکہ اس پر بے شمار صفحے تک کالے کرتے جاتے ہیں مگر نتیجہ . . . وہی . . . صفر . . .

یہ بات سمجھانے کی نہیں کہ ایک ایک فرد سے مل کر پورا معاشرہ تشکیل پاتا ہے ۔ ایک مشہور مفکر کا کہنا ہے کہ "تم مجھے اچھی
ئیں دو میں تمہیں بہترین قوم دوں گا" اِس چھوٹے سے جملے میں ساری بات ختم ہو جاتی ہے ۔ مائیں ہی اپنی اپنی اولاد کی تربیت اِس
نداز میں کریں کہ جب وہ اِس معاشرے میں داخل ہوں تو نقشہ ہی بدل دیں ۔

کیا اِس دور کی مائیں اپنے فرائض سے غافل ہو چکی ہیں؟ کیا وہ اپنی اولاد کو یہ نہیں سکھاتیں کہ پردہ عورت کی شرم و حیا
کو برقرار رکھتا ہے؟ کیا وہ اپنی اولاد کو یہ نہیں سکھاتیں کہ اپنی بہن کے علاوہ ہر دوسری لڑکی بھی تمہاری بہن ہے، تمہارے
وطن کی عزت ہے؟؟ (بشکریہ "ندائے ملت"، لکھنؤ)

نئے نئے میاں بیوی

مائل خیر آبادی

ہر شادی شدہ جوڑا چاہتا ہے کہ اس کی ازدواجی زندگی ہنسی خوشی بسر ہوتی رہے۔ لیکن دیکھا یہ گیا ہے بہت سے خاندانوں میں شوہر اور بیوی کے تعلقات شادی کے چند دنوں کے بعد ہی بڑے افسوسناک ہوجا ہیں جن دو ہستیوں نے خدا اور رسولؐ کے نام کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا عہد کیا تھا، تھوڑے ہی عرصے کے ایک دوسرے سے دور ہوجاتے ہیں اور دل ہی دل میں کڑھا کرتے ہیں۔ اس طرح رہتے رہتے ان کی زندگی ایک خاص راستے پر پڑجاتی ہے اور پھر ؎

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

میاں نے کمائی کرکے ضرورت کی چیزیں گھر میں لا پٹکیں اور بیوی نے کھانا پکا کر میاں کے آگے لا دھرا بچے ہوئے۔ انھیں جیسے تیسے پال پوس دیا۔ اگر زندگی سنوارنے کا خیال بھی آتا ہے تو ساتھ ہی ان کے دل میں یہ ارمان بھی پیدا ہوتا ہے کہ کوئی "کسی" "چھو منتر" سے ٹھیک ٹھاک کر دے۔ خود انھیں کچھ سوچنا اور کرنا نہ پڑے غا ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے دنیا جہان کی نصیحتیں بے سود ہیں۔ ہاں سوچنے اور عمل کرنے والوں کے لئے کچھ مفید مشورے اور کامیاب تجربے نیچے لکھے جاتے ہیں۔

ازدواجی زندگی کا ابتدائی زمانہ

ازدواجی زندگی کا ابتدائی زمانہ ہر شادی شدہ جوڑے کے لئے بڑا جذباتی اور سرور کا زمانہ ہوتا ہے۔ جنسی خواہشات کے عروج کا یہی وقت ہوتا ہے۔ جب میاں بیوی ایک دوسرے سے محبت اور پیار میں سبقت جتا ہیں۔ ایک دوسرے کی خاطر و مدارات اور دلجوئی کرتے ہیں کچھ مخصوص اور بے حد سنجیدہ لوگوں کو چھوڑ کر ہر نیا جوڑا جان پہچان والوں میں شریک حیات کے متعلق ایسی باتیں بھی کہہ جاتا ہے جو اس میں نہیں ہوتیں۔

یہ جذباتی زمانہ سال چھ ماہ سے زیادہ نہیں رہتا۔ لیکن تجربہ بتاتا ہے کہ یہی سال چھ ماہ کا مختصر زمانہ ہر جوڑے کے لئے آئندہ زندگی بسر کرنے کی بنیاد بنتا ہے۔ شادی کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد جب قدرتی طور پر خون کی وہ گرمی باقی نہیں رہتی جو جذبات کے اندر طوفان برپا کرنے کا باعث ہوتی ہے تو پھر اس پیار بھری کیفیت کا دور شروع ہوتا ہے جو مفید بھی ہوتا ہے اور مضر بھی۔ مفید اس طرح کہ شادی کے فوراً بعد جنسی خواہشات جو دونوں طرف طوفان بن کر اٹھتی ہیں اگر کم نہ ہوں تو پھر شادی شدہ جوڑا جسمانی اور اقتصادی دونوں صورتوں میں کمزور تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس جذباتی زمانے میں دونوں طرف سے جو اندھا دھند محبت کا اظہار ہوتا ہے اس کا اثر باقی رہتا ہے اور یہی اثر دونوں کے تعلقات کو مضبوط رکھتا ہے۔

ان فائدوں کے پیش نظر ناتجربہ کار انسانی جوڑے پر قدرت کی یہ بڑی مہربانی ہے کہ وہ ان کو اس جذباتی زمانے کے فائدوں سے تو مالا مال کر دے۔ لیکن جذبات کو زیادہ دنوں تک بیقرار نہ رکھے اور انہیں اس اعتدال پر لے آئے جہاں میاں بیوی اپنی آئندہ زندگی کے لئے کچھ کام کے بن سکیں۔

اس جذباتی زمانے کا مضر پہلو یہ ہے کہ نادان اور ناتجربہ کار میاں بیوی یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ دونوں طرف سے خلوص اور محبت کی یہی بھرمار عمر بھر رہے گی جو نہیں رہتی۔ اور اسے رہنا بھی نہ چاہئے۔ لہٰذا اس طرح کی اُمید قائم رکھنا ایک زبردست غلطی ہے۔ اس غلطی سے آگاہی اس وقت ہوتی ہے جب جذبات کا یہ زمانہ ختم ہو جاتا ہے اور محبت اعتدال پر آ جاتی ہے۔

نکتہ چینی کا زمانہ

جذباتی زمانہ ختم ہونے کے بعد جب میاں بیوی کی محبت اعتدال پر آتی ہے اور اب ایک دوسرے پر نظر ڈالتے ہیں تو ایک دوسرے پر کچھ باتیں اپنی طبیعت کے خلاف نظر آنے لگتی ہیں۔ اب تک ان باتوں پر جذبات کی آندھی نے پردہ ڈال رکھا تھا۔ دونوں میں سے کسی کو ہوش ہی نہ تھا کہ اس طرف دھیان دیتا دونوں ایک خاص حالت میں مگن تھے جذبات کی آندھی ختم ہوتے ہی جب آنکھیں کھلیں تو نظر آیا کہ کچھ باتوں میں ایک کچھ چاہتا ہے اور دوسرا کچھ۔ اب ٹکراؤ شروع ہوتا ہے۔ اس ٹکراؤ میں اس جذباتی زمانے کی بعض وہ

باتیں جو محض تفریح کے طور پر ایک نے دوسرے کے سامنے رکھی تھیں، شکوے کے طور پر دُہرائی جاتی ہیں، "فلاں وقت مجھے یوں کہا تھا مگر میں نے کچھ نہیں کہا۔ فلاں دن یہ کیا لیکن میں نے ضبط کر لیا" وغیرہ وغیرہ۔

پہلے حال یہ تھا کہ بیوی نے کھانا کھلاتے وقت پوچھا۔ نمک کیسا ہے؟ سالن کیسا بنا؟" تو میاں نے جواب دیا "بہت خوب" تمہارے ہاتھوں کی بنی ہوئی چیز بھلا مجھے پسند نہ آئے" اور بیوی پیار بھرے جملوں میں کہتی "کبھی تو اپنی پسند کی بات کہو، ویسا ہی کر دوں" لیکن اب عالم یہ ہے کہ میاں کو آج نمک پھیکا معلوم ہوتا ہے تو کل تیز۔ آج مرچیں کم ہیں تو کل زیادہ۔ اور وہی بیوی ٹھنک کر جواب دیتی ہے "اونہہ! میرے ہاتھ کا کھانا تمہیں پسند ہی کب آیا۔ لاکھ جتن کرتی ہوں پر تمہاری پسند کا پتہ ہی نہیں چلتا۔

اسی طرح میاں کی حالت پہلے یہ تھی کہ بیوی نے جھوٹوں بھی کہہ دیا کہ فلاں چیز لیتے آنا، تو میاں نے جھٹ لا حاضر کی۔ لیکن اب یہ عالم ہے کہ بیوی بار بار ایک چیز کے لئے کہہ رہی ہے اور میاں ہیں کہ انھیں یاد ہی نہیں رہتا اور اگر کہیں بیوی کی زبان سے نکل گیا کہ "چھالیاں بھول گئے لیکن سگریٹ نہ بھولے" تو مزاج مبارک برہم ہو جاتا ہے۔

آخر کار حالت یہ ہوتی ہے کہ دونوں اپنی اپنی جگہ جھنجھلاتے رہتے ہیں اور گھر کا نظم درہم برہم ہوتا رہتا ہے۔ ایک کا اعتراض یہ ہے کہ "بیس بار کہا کہ پانی کھلا مت رکھو۔ گھڑوں کو ڈھانک دیا کرو۔ برتنوں کو صاف کرو۔ یہ دیکھو پھر وانی ابھی تک نہیں اُٹھائی، وہ دیکھو لوٹا اُدھر اوندھا پڑا ہے کوئی گھر میں ہو تو سب دیکھ بھال کرے"

دوسرا اپنی طرف جھینک رہا ہے" اتنی رات گئے اب آئے ہیں، راستہ دیکھتے دیکھتے آنکھیں پھوٹ گئیں نہ جانے اپنی کس سگی کے یہاں گئے تھے آج بہشتی پانی نہیں لایا، نہ جانے کس خوشامد سے بھنّو بی نے دو لوٹے پانی نل سے منگوایا، کسی کو کیا فکر، پھر نواب صاحب سے کون کہے، ایک مٹھلیا پانی لا دیجئے"

دیکھنے میں تو یہ باتیں چھوٹی ہیں مگر ان کا اثر بڑا بُرا پڑتا ہے۔ میاں بیوی ایک دوسرے سے دور ہوتے جاتے ہیں۔

اصلاح

نکتہ چینی کے زمانے کی بھونڈی تصویر جو اوپر کھینچی گئی ہے اس سے گھبرانا نہیں چاہئے جس طرح جذباتی زمانے کی ترنگیں کم ہوتے ہوتے ایک سطح پہ آجاتی ہیں۔ اسی طرح یہ نکتہ چینی بھی اپنا کام کر کے ایک حد پر آکر رک جاتی ہے۔ نادان میاں بیوی اس صورتِ حال سے گھبرا کر اپنے کو بے بسی کے سپرد کر دیتے ہیں اور پھر وہ زندگی کو نہیں گزارتے زندگی انھیں گزارتی ہے۔ لیکن اللہ کے جن بندوں میں ذرا بھی سمجھ ہوتی ہے وہ مایوس نہیں ہوتے وہ کوشش کرتے ہیں کہ ان تبدیلیوں ہی میں اعتدال کی راہ تلاش کریں۔ اور اصلاح کے پہلوؤں کی کھوج لگا کر اپنے اصولوں پر زندگی کو ڈھالیں۔ اس نکتہ چینی سے جہاں ایک طرف وہ نقصان ہوتا ہے جو اوپر بیان کیا گیا۔ وہاں ایک فائدہ بھی ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ میاں بیوی دونوں کا ذہن اور مزاج کھل کر سامنے آجاتا ہے اور ظاہر ہے کہ ذہن و مزاج کا کھل کر سامنے آجانا اصلاحِ حال کی کتنی بڑی شاہراہیں کھول دیتا ہے۔

یہ تو سب جانتے ہیں کہ دو شخصوں میں ذہن و مزاج کا کچھ نہ کچھ اختلاف پایا ہی جاتا ہے انسانی تمدن کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ وہ دو مختلف مزاجوں کو ایک جگہ جمع کر کے زندگی بسر کرنے کے اصول بتاتا ہے۔ ان اصولوں میں کچھ موٹے موٹے اصول یہ ہیں۔

محبت واحترام

اس بات کو ہر شادی شدہ جوڑا اچھی طرح جانتا ہے کہ نکاح کے دو مبارک بولوں کے ساتھ ہی ان میں قدرتاً محبت کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ محبت کا یہ جذبہ لاکھ اختلافات کے باوجود ختم نہیں ہوتا۔ ہماری اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ جب شوہر اور بیوی میں جھگڑا ہوتا ہے اور بیوی روٹھ کر میکے چلی جاتی ہے یا شوہر ناراض ہو کر خود اُسے بھیج دیتا ہے تو مہینہ پندرہ دن کے اندر ہی دونوں بے چینی محسوس کرنے لگتے ہیں اور اپنی اپنی جگہ انھیں اپنی غلطیوں کا احساس ہونے لگتا ہے اور پھر اس طرح سوچتے ہیں کہ سمجھا بجھا کر یا ڈانٹ ڈپٹ کر کوئی دونوں کو ملا دے ہم پھر کبھی نہ لڑیں گے۔

اس بات پر بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ محبت واحترام کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ جنسی خواہشات سے مجبور ہو کر

یہ احساس اُبھرتا ہے۔ یا پھر اپنے پرایوں کے مختلف استفسارات سے ندامت محسوس کرکے پھر میل کرنے کی راہیں نکالی جاتی ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ جنسی خواہشات اپنی جگہ مسلّم۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ اپنے پرائے اَن بَن کی کھوج لگانے میں طرح طرح کے سوالات کرتے ہیں۔ اور ان سوالات سے شوہر اپنی جگہ ذلت محسوس کرتا ہے اور بیوی اپنی جگہ لیکن یہ مشاہدہ گہرا مشاہدہ نہیں ہے جن لوگوں نے قریب سے دیکھا ہے ان کا کہنا ہے کہ ایک قدرتی محبت ہے جو دونوں کو پھر ملانے کے لئے اُبھارتی رہتی ہے۔

عقلمند وہ ہے جو اس محبت کی قدر کرے اور اس کا احترام کرے۔ اس احترام کے سلسلے میں سب سے پہلا مشورہ یہ ہے کہ جب کوئی نامناسب بات کسی کی طرف سے ہو جائے تو وہ گھر کی گھر ہی میں رہے۔ اصل میں انسان ذلت اس وقت محسوس کرتا ہے ــــ جب اس کی غلطی دوسروں کے سامنے کھولی جانے لگتی ہے۔ وہ عورت نہایت بے وقوف ہوتی ہے جو شوہر کی غلطیوں کو میکے میں جاکر کہتی ہے اور وہ مرد بھی بڑا نادان ہوتا ہے جو اپنی بیوی کی خامیوں کو دوستوں سے کہتا پھرتا ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کے لئے لباس کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک دوسرے کا لباس نوچ کر اسے ننگا کرنے کی کوشش کرے گا تو خود بھی ننگا ہونے سے نہ بچے گا۔

اعتماد

شادی ہونے کے بعد جب شوہر اور بیوی ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو ان میں بڑا اعتماد ہوتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دیتے ہیں لیکن دیکھا گیا ہے کہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد یہ اعتماد اُٹھ جاتا ہے۔ اعتماد کے اُٹھ جانے میں دونوں طرف سے کچھ زیادتیاں ہوتی ہیں۔ کبھی تو کسی شک کی وجہ سے اعتماد میں رخنہ پڑتا ہے۔ میاں اس خیال سے اپنی آمدنی چھپاتا ہے کہ بیوی نے جانا تو مطالبہ کرے گی اور پھر اپنی بے جا ضرورتوں میں خرچ کر ڈالے گی۔ بیوی اپنی آئندہ ضرورتوں کے لئے میاں سے اشیا چُھپا چُھپا کر رکھتی ہے۔ بہت سی چیزیں گھر میں دس پندرہ دن کے لئے موجود ہوتی ہیں لیکن مطالبہ پہلے سے شروع ہو جاتا ہے

شوہر ایک اور غلطی کرتا ہے کہ موقع پا کر کبھی کبھی شوہر بیوی کے بکس کا جائزہ لیتا ہے بیوی کو اس بات سے دلی صدمہ ہوتا ہے اور وہ اُسے اپنی ذلت محسوس کرتی ہے۔ ان باتوں کی وجہ سے بیوی شوہر سے بھی بڑی غلطی کرتی ہے وہ شوہر سے چھپا کر بعض چیزیں اپنی سہیلیوں اور ماں کے پاس رکھ دیتی ہے پھر جب شوہر کسی طرح سُن گن پا جاتا ہے تو بے اعتمادی کے ساتھ جھگڑا اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ معمولی سی یہ بات دونوں کی سمجھ میں نہیں آتی کہ بیوی اگر کچھ بچا کر محفوظ کر دیتی ہے تو آخر وہ کبھی نہ کبھی گھر ہی کے کام آئے گا۔ اسی طرح شوہر کے پاس جو کچھ ہے وہ بھی کسی نہ کسی دوراندیشی کی وجہ سے ہے۔

بعض شکی مرد سب سے بڑی غلطی یہ کرتے ہیں کہ وہ بیوی کے چال چلن پر شبہ کرتے رہتے ہیں اور اس معاملہ میں بڑی سختی برتتے ہیں۔ اس سے عورت کو بڑا صدمہ ہوتا ہے اور وہ مرد کو ظالم خیال کرتی ہے کوئی عورت اپنے شوہر کے سوا کسی غیر کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتی۔

بعض عورتیں بھی اس طرح کی بے وقوفی کرتی ہیں۔ شوہر رات کے وقت ذرا دیر کر کے آیا تو وہ طرح طرح کے شبہے کرنے لگتی ہیں اور شوہر کے آنے پر اس طرح کے سوالات کرتی ہیں جن سے شوہر سمجھتا ہے کہ وہ اس کی ٹوہ اور کھوج لگاتی ہے اس طرح بے اعتمادی کا بیج پڑ جاتا ہے اور زندگی کا لُطف غائب ہونے لگتا ہے

اس بے اعتمادی کی وجہ سے ایک طرف سے بندشیں شروع ہوتی ہیں دوسری طرف سے شکوہ شکایت۔ بات دوسروں تک پہونچتی ہے بہت سے کم ظرف لوگوں کو ہنسنے کا موقع ملتا ہے اور یہ دونوں ذلیل ہوتے ہیں۔

بحالی

اگر میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کا احترام اور اعتماد کریں تو ازدواجی زندگی بڑی خوشگوار رہتی ہے اس میں زیادہ قابلیت کی ضرورت نہیں۔ ذرا سے صبر اور معمولی حکمت سے یہ دونوں چیزیں قائم رکھی جا سکتی ہیں مثال کے طور پر یہ مشورے قابلِ غور ہیں۔

گھر میں چیزیں ٹوٹتی پھوٹتی رہتی ہیں۔ کسی نہ کسی طرح دیکھ بھال اور احتیاط کے باوجود نقصان ہو ہی جاتا ہے کبھی کسی سے چائے کی پیالی ٹوٹ جاتی ہے۔ کبھی گلاس فرش پر گر کر چور چور ہو جاتا ہے۔ کبھی دال بگھارنے میں گھی

جل جاتا ہے۔ کبھی کپڑے گھلے رہ جاتے ہیں۔ کبھی بازار سے کوئی چیز آنے سے رہ جاتی ہے۔ یہ سب بالکل چھوٹی باتیں ہیں مگر ان کا ایک رُخ یہ ہے کہ اگر بیوی سے ایسا ہوگیا تو میاں آنکھیں نکال کر کہتے ہیں تم کو کیا۔ کمانا تو مجھے پڑتا ہے میاں کی طرف سے ایسا ہوا تو بیوی تیوریاں چڑھاتی ہے کہ تم کو کیا، میں ہر چیز کے لئے ترستی رہتی ہوں۔

دوسرا رُخ یہ ہے کہ بھئی چائے کی پیالی ٹوٹ گئی تو ٹوٹ جانے دو جو ہوگیا سو ہوگیا۔ اب لالٹین کا شیشہ جڑ تو سکتا نہیں۔ گھی گر گیا تو اس میں بات ہی کیا ہوئی۔ ارے بھئی، اس طرح نقصان ہونے ہی سے تو تجربہ ہوتا ہے اور آئندہ انسان خیال رکھتا ہے اور پھر یہ سب ہے تو تمہارا ہی ہے۔ تم کو بھی تو صدمہ ہوا ہوگا۔

ایک واقعہ ہے۔ ایک عورت کی بے پروائی سے بلی دودھ پی گئی۔ وہ بے چاری ڈر اور سہم رہی تھی کہ نہ جانے آج وہ کتنا غصہ کریں۔ شوہر نے آکر جانا تو اس نے کہا: "اچھا ہوا بلی دودھ پی گئی۔ شاید اس دودھ میں کچھ خرابی آگئی تھی۔ اگر ہم تم اُسے کھاتے پیتے تو نہ جانے کیا نقصان ہوتا۔ ممکن ہے اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس خراب دودھ کے نقصان سے بچا لیا ہو۔"

گھر میں اس طرح کے نقصانات کے موقعوں پر دونوں رُخ بیان کر دئیے گئے۔ سمجھدار آدمی سوچ سکتا ہے کہ ان دونوں میں کس رخ کا کیا اثر پڑتا ہے۔ تجربہ بتاتا ہے کہ دوسرا انداز اختیار کرنے سے میاں بیوی میں ایک دوسرے سے کھٹک پیدا نہیں ہوتی۔ اور پھر ایسا ہوتا ہے کہ اپنی بڑی سے بڑی غلطی ایک دوسرے کے سامنے کہہ دیتے ہیں اور آپس کے مشوروں سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

اس جگہ ایک پکی بات بیان کرنا ضروری ہے۔ جسم و طبیعت کے اعتبار سے عورت مرد کے مقابلے میں بڑی نرم ہوتی ہے وہ ہر بات سے جلد متاثر ہو جاتی ہے۔ قوی جسم اور مرد کی مردانگی اس میں نہیں کہ کمزور بیوی پر غصہ اتارے مرد کی مردانگی یہ ہے کہ وہ اپنے کو سنبھالے رکھے۔ عورت سے زیادہ عفو اور درگذر سے کام لے۔ گھر کے نظم میں اس کی مدد کرے۔ اور ایک سب سے بڑے سچے کی یہ بات یاد رکھے کہ غصے کو جو پچھاڑ دے وہ پہلوان ہے۔

یہ باتیں جو اوپر بیان کی گئیں۔ دیکھنے میں معمولی نظر آتی ہیں مگر تجربہ کار لوگوں کا کہنا ہے کہ انہی معمولی باتوں پر عمل کرنے سے انھوں نے عورت کو جیت لیا۔ اور وہی عورت جو ان سے ڈرتی تھی اب بے خوف اطاعت میں

لونڈی سے زیادہ سرگرم ہے۔ کتنی پیاری باتیں ہیں یہ کہ عورت کو دن میں ستر بار معاف کرو۔ اُسے سیدھا کرنے کے لئے سختی سے کام نہ لو ورنہ وہ ٹوٹ جائے گی۔ اس سے حکمت سے کام لو۔ سب سے بہتر شخص وہ ہے جو اپنی بیوی کے لئے سب سے بہتر ہے۔"

اولاد

مثل مشہور ہے کہ جب دو گھڑے پاس پاس ہوں گے تو وہ ٹکرا ضرور جائیں گے۔ کبھی نہ کبھی میاں بیوی میں کچھ نہ کچھ جھڑپ ہو ہی جاتی ہے اور بعض اوقات دونوں کی ناسمجھی سے یہ جھڑپ غلط رُخ اختیار کر لیتی ہے۔ قدرت کا یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے ایک مرد اور عورت کو مل کر زندگی گذارنے کے لئے ایسی حکمتوں سے کام لیا ہے کہ سمجھ رکھنے والے وجد میں آجاتے ہیں۔ میاں بیوی کے بہت سے جھگڑے اولاد کی وجہ سے آپ ہی آپ ختم ہوجاتے ہیں۔ اولاد کی محبت شوہر اور بیوی کے دلوں میں قدرتی طور سے ہوتی ہے۔ جب کبھی میاں بیوی میں کسی بات پر رنجش ہوجاتی ہے ذرا سا بے زبان ننھا اپنی دل فریب حرکتوں سے والدین کے دلوں کو گدگدا دیتا ہے اور وہ مسکرانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اولاد کی پرورش و پرداخت زن و شوہر کو اول تو لڑنے کا موقع ہی نہیں دیتی اور اگر پرانی یا نئی کشمکش ہوتی بھی ہے تو وہ آپ سے آپ ختم ہوجاتی ہے۔ گھر کے باہر کا کوئی "ناصح شفیق" سمجھانے نہیں آتا۔ گھر کا یہ چراغ خود دونوں کے دلوں کو روشن کر دیتا ہے۔ اب اگر دونوں میں "ٹکراؤ" ہوتا ہے تو اس لئے کہ ننھے کے لئے فلاں چیز نہیں لائے۔ ننھے کی تمہیں فکر نہیں۔ ننھے کو آج بخار آگیا۔" دوسری طرف سے جواباً کہا جاتا ہے۔" ہر وقت ننھے کو کھلایا پلایا مت کرو۔ میں کہاں تک حکیم ڈاکٹر کے یہاں دوڑوں، اسے صاف ستھرا رکھو وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح دونوں طرف سے جھنجھلا جھنجھلا کر کہا جاتا ہے۔ لیکن صاحب اولاد جانتے ہیں کہ یہ وہ جملے نہیں ہیں جن میں سچ مچ غصہ شامل ہو۔ سمجھدار لوگ اپنی بہت سی آپس کی کشمکش اولاد کی بدولت رفع دفع کرکے ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنا لیتے ہیں۔

بیماری

اللہ اپنی حکمتوں کو خود ہی سب سے بہتر جاننے والا ہے لیکن اس کی کچھ حکمتوں کو کسی حد تک انسان نے

سمجھ لیا ہے یہ بیماریاں جو ہو جاتی ہیں ظاہر میں انسان ان سے پریشان ہو جاتا ہے لیکن ان میں بڑے فائدے بھی چھپے ہوئے ہیں۔ ہم نے اوپر کہا ہے کہ کبھی نہ کبھی میاں بیوی میں جھگڑا ہو ہی جاتا ہے اور یہ جھگڑا بعض اوقات بڑی نامناسب حد تک پہنچ جاتا ہے لیکن سمجھدار میاں بیوی جب موقع پاتے ہیں بڑی خوبصورتی سے اسے دور کر دیتے ہیں۔ کچھ تجربہ کار لوگ بڑے لطف کے ساتھ کہتے ہیں کہ بیماری سے بڑھ کر میاں بیوی کی کشمکش کا کوئی اور علاج نہیں۔ سمجھدار جوڑے اس موقع پر اپنی تیمارداری سے ایک دوسرے کو اپنا لیتے ہیں اس زمانے میں کھوئی یا سوئی ہوئی ہمدردی واپس آجاتی اور جاگ اٹھتی ہے۔ بیماری کے اس فائدے کو دیکھ کر بعض نادان عورتیں شوہر کی زیادہ سے زیادہ ہمدردی سے لطف اٹھانے کے لئے بیمار بن جاتی ہیں۔ ان عورتوں کی یہ بات بڑی مضحکہ خیز بھی ہے اور غلط بھی، اس بناوٹی بیماری کا اثر شوہر پر غلط پڑتا ہے لہذا ایسی نادانی کبھی نہ کرنا چاہئے

رشتہ دار اور احباب

میاں بیوی کے تعلقات کو مضبوط کرنے میں رشتہ دار بھی بڑا ذریعہ بنتے ہیں۔ ہر عورت یہ چاہتی ہے کہ اس کے میکے والوں اور اس کی سہیلیوں کا شوہر کے گھر احترام کیا جائے اس فخر کو حاصل کرنے کے لئے جب کبھی اس کے گھر کا کوئی شخص یا اس کی سہیلی آجاتی ہے تو وہ بڑی خاطر مدارات کرتی ہے اور چاہتی ہے کہ شوہر کی طرف سے بھی کشادہ دلی کا اظہار ہو۔ یہ سب وہ اپنے فخر کے لئے نہیں کرتی بلکہ دراصل وہ یہ دکھانا چاہتی ہے کہ اس کا شوہر کتنا نیک ہے ایسے مہمانوں کے آنے پر عقلمند شوہر ذرا سی توجہ اور معمولی خندہ جبینی سے عورت کو ہمیشہ کے لئے جیت لیتا ہے۔ اگر شوہر ان رشتہ داروں اور بیوی کی سہیلیوں کی خاطر و مدارات میں بڑھ کر حصہ لیتا ہے تو اگر بیوی کے دل میں مدت کی پڑی ہوئی کوئی رنجش ہوتی بھی ہے تو وہ دور ہو جاتی ہے اور وہ اپنے شوہر کی بعض ان نیکیوں، عقلمندیوں اور اخلاق کا تذکرہ اپنوں سے کرنے لگتی ہے جو شوہر میں نہیں ہوتیں اور اسے اونچا سے اونچا اٹھانے میں بڑی لن ترانی سے کام لیتی ہے۔

اسی طرح ہر مرد چاہتا ہے کہ اس کی بیوی کو لوگ اچھا کہیں۔ وہ اپنی بیوی کی برائی سن کر اپنی توہین محسوس کرتا ہے۔ عام طور پر ساس بہوؤں اور نند بھاوجوں کی چشمکیں مشہور ہیں۔ لیکن سمجھدار عورتیں ساس نندوں سے

اچھا برتاؤ کر کے مرد کے دل کو مٹھی میں کر لیتی ہیں۔ ان بیویوں کو سچی خوشی کبھی نصیب نہیں ہوتی جو اپنے شوہر کو اس کے والدین سے کاٹ کر الگ کر دیتی ہیں۔ شوہر اس خیال سے کہ کہیں بیوی اپنی ترپلیٹ سے لوگوں میں ذلیل نہ کر دے مانا کہ بیوی کو لے کر والدین سے الگ جا رہا ہے۔ لیکن دل میں اس غم کو عمر بھر نہیں بھولتا زبان سے نہ کہے۔ یہ دوسری بات ہے۔ لہٰذا کسی عورت کو قطع رحمی کرتے وقت سوچ لینا چاہئے کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بھولا بھالا شوہر ماں باپ سے الگ گھر بسانے کے بعد بھولا نہیں رہتا۔ اس کے بعد بیوی کی ذرا سی غلطی پر بپھر جاتا ہے اور چیخ اٹھتا ہے کہ تیرے کہنے پر میں نے ماں باپ کو چھوڑا۔ اب کیا ہے جو آنکھیں نکالتی ہے۔“ اور پھر ہوتا یہ ہے کہ اس علیحدگی کے غم کا بدلہ مختلف طریقوں سے لیتا ہے۔

شوہر جس طرح یہ چاہتا ہے کہ بیوی اس کے ماں باپ سے اچھی طرح پیش آئے، اسی طرح وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کے دوستوں کی نظر میں باوقار رکھے۔ اس وقار کے لئے وہ دوستوں کی دعوتیں کرتا ہے بیوی کو چاہئے کہ اس موقع پر بڑے ذوق و شوق سے اس کے دوستوں کی خاطر کرے اگر وہ ایسا کرتی ہے تو شوہر بھی بڑے مبالغے سے کام لیتا ہے اور دوستوں میں بیٹھ کر بیوی کی خوب تعریف کرتا ہے اور زیب داستان کے طور پر اپنی طرف سے بھی کچھ ملا دیتا ہے۔“

اُس نے کہا

مَیں اُس کی اِس اُلجھن کو حل کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ ہمارے ملک میں تحریک اسلامی کی کامیابی کے بڑے امکانات ہیں۔ میں بار بار کہتا ”آپ سمجھے نہیں“ اور پھر اَپنے دلائل دُہرانے لگتا۔ بار بار جب میں نے ”آپ سمجھے نہیں۔ آپ سمجھے نہیں“ کہا تو وہ جھنجلا کر بولا ”میں سمجھا نہیں یا آپ کو بات کرنے کی تمیز نہیں!“ اور وہ اُٹھ کر چلا گیا۔ پھر کبھی اُس نے میری طرف رُخ نہیں کیا۔ میں نے اَپنے ایک رفیق سے یہ واقعہ کہا تو اُس نے مجھے بتایا کہ اَیسے موقعوں پر یوں کہتے ہیں ”میں اپنی بات آپ پر واضح نہ کر سکا۔ پھر غور فرمائیں۔“ اب میں سمجھا کہ میں بات کرنے میں کیا غلطی کیا کرتا تھا —— (ایک رفیق)

شادی کیسے ہونا چاہیئے

محترم بھائی صاحب السلام علیکم۔!

اُمید ہے کہ بخیر ہوں گے۔ بہت دنوں کے بعد خط لکھ رہی ہوں۔ اس سے میرے ذہن میں ایک بات ہے جو آج کل ہمارے معاشرے میں بہت ہی اہم بات ہو کر رہ گئی ہے۔ میں اس سلسلے میں آپ کے اہم مشورہ کی منتظر رہوں گی۔ سوال تو بہت پرانا ہے۔ یعنی آج کل شادی کیسے ہونی چاہئے۔ اور شادی کا مسئلہ جو گھناؤنی صورت اختیار کر گیا ہے۔ اس کی روک تھام کیسے ہو۔ میں اس سوال کا ایک واضح جواب چاہتی ہوں۔ کیونکہ عملی طور پر مجھے اس سے گذرنا ہے۔ میں یہ چاہتی ہوں کہ شادی پورے اسلامی اصول کے مطابق ہو لیکن کیا یہ آج کل ممکن ہے۔ ہماری بستی میں شادی کے سلسلے میں ایسی ایسی رسمیں رائج ہیں جو غیر مسلموں سے لی گئی ہیں۔ ہماری بہنوں کے ذہنوں میں یہ جڑ پکڑ گئی ہیں اور سب کچھ جانتے بوجھتے اس اندھیرے کی طرف دوڑی جارہی ہیں۔ اس کے لئے کیا کیا جائے، یہ تمام سوالات میرے ذہن میں آتے رہتے ہیں۔ اگر ان سب کا ایک مکمل جواب مل جائے تو میں اس کے لئے بہت ہی شکر گذار ہوں گی۔ والسلام

ایس زینب بی۔ مدراس

جواب

محترمہ بہن! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اپنے گرامی نامہ کے ذریعہ آپ نے جو سوالات مجھ سے کئے ہیں۔ یہ صرف آپ کے سوالات نہیں ہیں۔ یہ وہ اُلجھنیں ہیں جن کی طرف آپ کے قول کے مطابق جان بوجھ کر ہماری بہنیں دوڑی چلی جارہی ہیں۔ یہ تو ملت کے سارے

لوگوں کا مسئلہ ہے اور آج سے نہیں ایک مدت سے لوگ اس پر غور کرتے اور مشورہ دیتے چلے آرہے ہیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ جب سب جان بوجھ کر ان الجھنوں کو گلے لگائیں تو کام کیسے بنے گا؟ کوئی شخص سوتا بن کر لیٹ رہے اس کو کون جگا سکتا ہے۔ ضرورت تو یہ ہے کہ ان باتوں کو جنھوں نے شادی بیاہ کے مسئلے کو گھناؤنا بنا دیا ہے۔ دور کرنے پر کوئی آمادہ ہو تو اس کے سامنے بات بن سکتی ہے۔ آپ ان خواتین کے شکریہ کی مستحق ہیں جن کی نمائندگی کر کے آپ نے یہ سوالات چھیڑے۔ میں نے آپ کے ایک ایک لفظ پر غور کیا، سوچا اور ان الجھنوں کو سلجھانے کے لئے اپنے کو آمادہ کیا۔ اُمید ہے کہ آپ اور دوسری بہنیں ٹھنڈے دل سے میری گذارش کو پڑھیں گی۔

میں نے آپ کے خط سے آپ کے سوالات الگ کر کے لکھ لئے ہیں۔ آپ کے سوالات یہ ہیں:۔

۱۔ آج کل شادی کیسے ہونا چاہئے؟

۲۔ شادی کا مسئلہ جو گھناؤنی صورت اختیار کر گیا ہے اس کی روک تھام کیسے ہو؟

۳۔ شادی اسلامی اصول کے مطابق ہو، کیا یہ ممکن بھی ہے؟

۴۔ شادی بیاہ میں جو رسمیں جڑ پکڑ گئی ہیں ان کے لئے کیا کیا جائے؟

یہ ہیں آپ کے متعین سوالات۔ ان کے جوابات سنئے:۔

۱۔ آج کل ہی نہیں، شادی ہمیشہ شریعت کے مطابق ہی ہونا چاہئے۔ شریعت نے شادی کا طریقہ یہ بتایا ہے کہ مرد اور عورت جب باہم شادی کرنا چاہیں تو ان کو ایک سے زیادہ آدمیوں کے سامنے اعلان کے ساتھ ایجاب و قبول کرنا چاہئے۔ مرد عورت کے نان نفقہ (کھانے پہننے وغیرہ) کی ذمہ داری قبول کرنے کے ساتھ ایک مقررہ رقم مہر کے طور پر دے یہ ایجاب و قبول اور مہر (نان نفقہ کی ذمہ داری کے ساتھ) مرد پر فرض اور واجب ہے اس کے بعد جب وہ اپنی دلہن کو گھر لائے تو اس کے اعزاز میں دعوت ولیمہ کرے۔ یہ دعوت ولیمہ سنت ہے۔ فرض ور واجب نہیں۔ اگر اللہ نے مقدرت دی ہے تو کرے، ثواب ملے گا اور اگر دعوت ولیمہ کرنے سے آئندہ مالی کھنائیاں پیش آنے کا اندیشہ ہو تو نہ کرے۔

یہ ہے اسلامی طریقہ۔ غور کیجئے اس سادہ اور آسان طریقہ سے شادی کرنا کب ممکن نہیں ہو سکتا؟ یہ تو وہ سہل طریقہ ہے کہ ہر امیر و غریب ہمیشہ اس پر عمل کر سکتا ہے۔ اس سے کئی فائدے ہوں گے۔ سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ

اس طرح شادی کرنے سے خدا کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس سادہ طریقہ سے شادی کرنے میں آدمی پر بوجھ نہیں پڑتا۔ وہ قرضدار نہیں ہوتا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اس سادہ طریقے پر عمل کرنے سے دوسروں کے راستے کی مشکلیں آسان ہوتی ہیں اس طرح گویا آپ سے آپ اصلاح اور سدھار کی تمہید شروع ہوتی ہے۔ دوسروں کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ بھی اسی طرح شادی بیاہ کریں۔

یہ ہے سادہ اور صحیح جواب آپ کے سوال نمبر ۱، ۳ کا لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ کا دل مطمئن نہیں ہو سکا ہے کیونکہ یہ تو آپ جانتی ہی ہیں آپ کے سامنے رسم و رواج کا جو جال بچھا ہے جب تک اس کے تار و پود نہ بکھریں آپ کو اطمینان نہ ہوگا۔

بہن! آپ کو بے اطمینانی یہ ہے کہ کیا اسلامی طریقے پر شادی کرنا ممکن بھی ہے؟ ہمارا جواب یہ ہے کہ ممکن یہی طریقہ ہے، ناممکن طریقہ تو وہ ہے جس میں طرح طرح کی رسمیں جڑ پکڑ گئی ہیں۔ ایک وہ نہیں جس دن سے منگنی شروع ہوتی ہے اس دن سے رسموں کا جو جال بچھنا شروع ہو جاتا ہے منگنی سے لے کر شادی کے بعد چالوں تک بے شمار رواج ہیں جو برتے جاتے ہیں۔ اگر میں آپ سے اور ساری خواتین سے پوچھوں کہ ذرا ان کو گنائیے تو میرا دعویٰ ہے کہ آپ سب شمار بھی نہ کر سکیں گی، بہت دن ہوئے میں نے ایک کتاب میں ان رسموں کے نام لکھے دیکھے تھے۔ لکھنے والے نے اس اعتراف کے ساتھ لکھا تھا کہ یہ کل رسمیں نہیں ہیں۔ پھر بھی ان رسموں کا نام کئی صفحات میں آیا تھا۔ ٹھنڈے دل سے، بہت ہی سنجیدگی سے سوچئے، رسموں کے ان جنگلوں کو پار کرنا آسان اور ممکن ہے یا شریعت کے سادہ طریقہ کو ؟

میں نے جہاں تک غور کیا ہے، ان رسموں کو مختلف مقاموں پر مختلف طریقوں اور مختلف اضافوں کے ساتھ برتتے دیکھا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ ان رسموں پر عمل کرنے والا یا عمل کرنے والی ان رسموں کو حفظ بھی کر لے تب بھی اس کے لئے ممکن نہیں ہے کہ ان کو پورا کر سکے کیونکہ دوسری جگہوں کے اختلاف اور اضافوں کو وہ کیا کرے گی۔

میرے ایک دوست جو ڈپٹی انسپکٹر آف اسکولس تھے بفضلہ وہ اس وقت حیات بھی ہیں انھوں نے اپنی لڑکی کی شادی میرے ایک دوست کے لڑکے سے طے کی۔ شادی سے پہلے دونوں طرف سے رسمیں باقاعدہ لکھ دی گئیں پھر بھی جب ان پر عمل کرنے کا وقت آیا تو دونوں طرف کے لوگوں کی لمبی ناکیں کٹ گئیں۔

دراصل ان رسموں کا جال اپنی ناک کو اونچا کرنے کے لئے ہی بچھایا جاتا ہے لیکن ہم نے کہیں نہیں دیکھا کہ

کسی کی ناک کٹنے سے بچی ہو کہیں منگنی کے سامان میں کسی ایک مٹھائی کی تھال کے کم ہونے پر جھگڑا ہوتے دیکھا کہیں اس بات پر منگنی ختم ہوتے ہوتے رہ گئی کہ سات کورے گھڑوں میں جو شربت آیا تھا (یہ لطیفہ بھی یاد رکھئے کہ جاڑوں کے دن تھے) ان میں سے ایک گھڑا چھوٹا تھا۔ معلوم نہیں آپ کو تعجب ہوگا یا نہیں کہ ایک بار ایک جگہ لڑکے والیاں لڑکی کو دیکھنے گئیں تو لڑکی مائیوں ——— بیٹھی تھی۔ پھر جب وہ سامنے لائی گئی تو بے چاری نے سلام کر لیا۔ بس پھر کیا تھا۔ یہ رواج کے خلاف ہو گیا اور منگنی ختم ہو گئی۔ لاحول ولا قوۃ۔

خدا خدا کر کے منگنی کی رسم انجام کو پہنچتی ہے تو دونوں طرف دیوانگی کا عالم ہوتا ہے شادی کے دن کی طرح طرح کی رسموں کی جکڑ بند، مہمانوں کی خاطر مدارات، وہ وہ گلے شکوے ہوتے دیکھے ہیں کہ توبہ بھلی۔ ایسی ایسی بے حیائیاں سامنے آتی ہیں کہ کوئی زبان سے کہہ نہیں سکتا۔ اس طوفانی وبا کو ممکن سمجھا جاتا ہے جس میں ہر وہ شخص فیل ہو جاتا ہے جو اس وبا کو دعوت دیتا ہے اور اس سادہ طریقے کو ناممکن بتایا جاتا ہے جسے اسلام نے بتایا ہے عجیب بات ہے!

آپ نے اپنے خط میں تحریر فرمایا ہے کہ "سب جانتے بوجھتے اس اندھیرے کی طرف دوڑی جا رہی ہیں" اس لئے اب میں اس ممکن اور ناممکن مسئلے کو پھیلانا نہیں چاہتا۔ میں آپ کو آج کل کی اس بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ جانتے بوجھتے انسان کیوں ان میں مبتلا ہو جاتا ہے؟

● اس کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ ہمارا معاشرہ اسلامی عقائد و نظریات سے واقف نہیں ہے۔ خواتین تو خواتین ہمارے مرد بھی میدان میں کورے ہیں پھر کیسے خوفِ خدا اور پاسِ رسولؐ ہو جو اسلامی عقائد و نظریات کو اپنائے سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ ہم ان تمام طریقوں سے واقف ہوں جو اسلام نے ہمیں دئے ہیں۔

● دوسری وجہ یہ ہے کہ جو لوگ کچھ واقف بھی ہیں وہ اس پر عمل نہیں کرتے کیوں نہیں عمل کرتے اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ مرد خواتین کی ضدوں سے مجبور ہیں۔ اور خواتین علم میں ناقص ہونے کی وجہ سے بڑی بوڑھیوں کا سہارا لیتی ہیں۔

عمل ایک وجہ سے اور بھی نہیں ہو پاتا۔ فرض کیجئے کہ ایک صاحب جو دین سے واقف ہیں انھوں نے اپنی لڑکی کی شادی ایک ایسے گھرانے میں طے کی جو رسم پرست ہے۔ یہ گھرانہ بضد ہے کہ اگر رسموں کی پابندی نہ ہوئی تو شادی نہ ہوگی اس مرحلے پر لڑکی والا یا تو رسموں کو برتے یا انکار کر دے۔ آج کل اچھے لڑکوں کے نہ ملنے کی وجہ سے ذرا دل پر ہاتھ

رکھ کر سوچیے کہ اگر خدانخواستہ ایسا مرحلہ سامنے آجائے تو آپ کیا کریں گی ؟۔

بہن! جس طرح آپ کے سامنے یہ تشویش ناک صورت حال ہے میں بھی اس بے چینی میں ہوں میں نے بڑے بڑوں کو تقویٰ کا دعویٰ کرتے تو بہت دیکھا ہے لیکن موقع آنے پر ایسا مجبور اور معذور پایا ہے کہ حیرت اور تعجب ہوا۔ سچی بات یہ ہے کہ اس مرحلے پر جو کمزور ہوگا وہی دب کر رہے گا۔

سوال یہ ہے کہ پھر کیا ہو ؟ کیا خدا اور رسول کی خوشنودی کے لئے محض رسموں کی بنا پر بنا بنایا کھیل ختم کر دینا چاہئے۔ یہ سوال آپ اپنے آپ سے کیجئے۔ پھر خود ہی جواب دیجئے۔

میرا جواب ایک تو وہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابۂ کرام رضؓ کو دیا تھا کہ شادی دین کی بنیاد پر کرو نہ کہ حسن، دولت اور خاندان کی بنا پر۔ اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کی شادیاں کرنے کے لئے ہم خیال خاندانوں کو تلاش کیجئے چاہے وہ غریب ہوں ان سے رشتہ کر لیجئے۔ پھر وہ جنگ ہی نہ پڑے گا جس کا ذکر اوپر ہوا ہے اور اگر یہ منظور نہیں اور پھر بھی آپ ان رسموں سے پریشان ہیں تو میرا مشورہ وہی ہے جسے کٹھن سمجھ کر لوگ کہہ دیتے ہیں "اجی چلو بھی" یہ سب اگلے وقتوں کی کہانیاں ہیں"

یعنی میرا مشورہ یہ ہے کہ اگر آپ معاشرے سے اس گندگی کو دور کرنا چاہتی ہیں تو جہاں تک آپ کی پہنچ ہو سکے دعوت و تبلیغ کے طور پر کام کیجئے اپنی بہنوں اور بچیوں کا مزاج بنانے کے لئے بیقرار رہئے۔ انھیں ایسی کتابیں مطالعہ کے لئے دیجئے جن میں ان رسموں کے متعلق اچھے طور پر مضامین ہوں۔ پھر اتنا ہی کافی نہیں ہے آپ اس پر عمل بھی کیجئے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ آجکل بڑے بڑے مولوی اور روشن خیال لوگ اصلاحی باتیں تو خوب کر لیتے ہیں مگر جب عمل کرنے کا وقت آتا ہے تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ کیا کریں، مجبوری ہے عورتیں نہیں مانتی ہیں۔

ایک بار میں نے ایک بزرگ کو توجہ دلائی تو آپ سن کر حیرت کریں گی انھوں نے فرمادیا "تو پھر کیا برادری کو چھوڑ دیں بیوی بچوں کو گھر سے نکال دیں؟" میں دل میں یہ شعر پڑھ کر رہ گیا ؎

گر ہمیں مکتب و ہمیں مُلّا   کارِ طفلاں تمام خواہد شد

میں ایک بات کی طرف آپ کی توجہ اور دلاؤں گا۔ میں نے دیکھا ہے کہ بعض روشن خیال لوگ پہلے سے اپنے گھرانوں کا، اپنے رشتہ داروں کا، اپنے پڑوسیوں کا اور اہل محلہ کا ذہن بنانے کی کوشش نہیں کرتے، پھر عین شادی کے موقع پر

ان رسموں کے خلاف آواز اُٹھاتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود نکّو بن کر رہ جاتے ہیں۔ یہ طریقہ بالکل غلط ہے پہلے سے برابر رسم و رواج کے خلاف فضا ہموار کرتے رہنا چاہیئے۔ تب کام چلے گا۔

ایک علاج اور ہے۔ جو لوگ فارغ البال ہیں جن کو اللہ نے صاحب مال بنایا ہے اور جن کا اثر اپنی جگہ ہے ان کو چاہیئے کہ وہ بڑھ کر رسموں کی روک تھام کریں اور خود سادہ طور پر شادی کر کے نمونہ پیش کریں پھر دیکھئے گا کہ کسی کی ناک نہ کٹے گی۔ پھر سب ایسا ہی کرنے لگیں گے۔

میں اتنا اور عرض کر دوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن، مال اور خاندان کے مقابلے میں دین کو ترجیح دی ہے اور فرمایا ہے کہ بہترین شادی وہ ہے جس میں خرچ کم ہو۔

ناک کی اُلجھن

اختر ایسولوی

قدرت نے ہاتھ پاؤں دئے، کان، سر دیا رخسار، دہن، دانت، زبان، دل، جگر دیا
دو آنکھیں دے کے نور سے معمور کر دیا ہر طرح اُس نے دامنِ مقصود بھر دیا

جو عضوِ جسم میں ہے ہر اک لاجواب ہے
اِنسان کی یہ ناک مگر اک عذاب ہے

رہتا ہے اس کا دھیان ہر اک رسم و راہ میں ہوتی ہے پیش پیش یہ شادی میں بیاہ میں
اِس ناک کا ہے دخل ثواب و گناہ میں ہے باعثِ گناہ یہ حالِ تباہ میں

اِس دور میں ہے ناک سے دشوار زندگی
یہ کٹ گئی تو ہو گئی بےکار زندگی

کپڑوں کا اہتمام اِسی ناک کے لئے دعوت کا اِنتظام اِسی ناک کے لئے
سب چاہتے ہیں نام اِسی ناک کے لئے اِنساں ہے غلام اِسی ناک کے لئے

کھانے کی فِکر ہے نہ کمانے کی فِکر ہے
ہر آدمی کو ناک بچانے کی فِکر ہے

ہمارا شوہر

ہمارا خدا
ظالم شخصیت
موہوم دیوتا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قبلہ محترم............سلام ورحمت،

میں نہ تو اہلِ قلم ہوں نہ کسی اسکول یا کالج کی سند یافتہ۔ جو کچھ بھی تعلیم حاصل کی وہ گھر پر حاصل کی اور یہ سب کچھ خدا کا فضل اور والد صاحب خلد آشیاں کی خاص توجہ کی مرہونِ منت ہے۔ والد صاحب مرحوم کی دیرینہ خواہش تھی کہ میں پردہ کی پوری طرح پابند رہ کر گھر پر ہی تعلیم حاصل کروں اور موصوف کو میں نے اس معاملہ میں کبھی مایوس نہ ہونے دیا۔

گذشتہ ماہ مجھے ایک تقریب میں شرکت کا موقع ملا۔ عام طور پر جو تقاریب میں ہوتا ہے ایسا ہی عمل یہاں بھی پایا۔ لیکن خوش قسمتی سے اس محفل میں ایک بزرگ خاتون سے ملنے کا شرف حاصل ہوا جو بظاہر سِن وسال کے لحاظ سے صرف بزرگ نظر آتی تھیں اور چونکہ خواتین کی محفل میں ان کی ہم عمر کوئی خاتون نہ تھی۔ شاید اسی بنا پر وہ یکہ وتنہا ایک طرف بیٹھی دور ہی سے محفل کی رنگینیوں کو چشمِ عبرت سے دیکھ رہی تھیں چونکہ میں بھی تنہائی پسند واقع ہوئی ہوں۔ پھر ایسی بزرگ خواتین کی صحبت کو بہتر سمجھتی ہوں۔ جب ان کو دیکھا تو بے اختیار ان کی طرف بڑھی اور سلام کر کے محترمہ کے پاس بیٹھ گئی۔ میرے سلام کا جواب موصوفہ نے دعاؤں کے ساتھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد سلسلۂ کلام شروع ہو چکا تھا۔ اس سلسلہ میں ان فرشتہ صفت خاتون نے جو نصیحت آمیز باتیں فرمائیں اور جو تاثرات نہ صرف مجھ پر بلکہ موجودہ زمانہ کی نوجوان فیشن پرست خواتین پہ ہوئے وہ ناقابلِ فراموش ہیں اور اسی بنا پر میں نے جرأت کی کہ اگر ان حقائق کو ماں بہنوں اور بیٹوں تک پہنچایا جائے تو

ایک کارِ خیر کے ساتھ قومی خدمت بھی ہو گی۔

جس وقت میں محترمہ خاتون سے محو گفتگو تھی تو میرا سوال تھا۔

محترمہ آپ کے نزدیک آپ کے بچپن سے اب تک جن محفلوں میں آپ نے شرکت فرمائی ہے کوئی عظیم انقلاب یا فرق نظر آتا ہے۔

فرمایا — فرق! زمین وآسمان کا فرق، رائی اور پہاڑ کا فرق میں تو ابھی آپ کے آنے سے پیشتر شاعر کے اس شعر کو گردش دے رہی تھی ؎

آنکھ سے جو دیکھتا ہوں لب پہ آسکتا نہیں محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

"تو کیا آپ کے خیال میں اس تہذیب کی کوئی حد بھی ہو سکتی ہے"؟

"بھئی یہ تو میں کیسے کہہ سکتی ہوں لیکن سنا ہے کہ اس جدید تہذیب کے معماروں نے نیم برہنگی کو چھوڑ کر مکمل برہنگی اختیار کر لی ہے اور اگر یہ سچ ہے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ تاریخ خود کو دوہرا رہی ہے اور اسکی یہی حد ہے"۔

اسی دوران میری نظر عائشہ پر پڑی جو رشتہ میں میری بھانجی ہوتی ہے۔ ابھی میں عائشہ کو دیکھ ہی رہی تھی کہ اس کی نظریں بھی مجھ سے چار ہوئیں۔ اس کے ہمراہ اس کی کچھ سہیلیاں بھی تھیں۔ عائشہ فوراً میری طرف معہ اپنی سہیلیوں کے بڑے اشتیاق کے ساتھ بڑھی۔ وہ معہ اپنی سہیلیوں کے آدھمکی۔ سلام و دعا کے بعد شکوہ کیا۔

خالہ جان! کیا اب واقعی رشتہ داروں کا خون سفید ہو گیا ہے۔ ایسی بھی کیا بے مروتی ہے"۔

"میں نے جواب میں کہا" عائشہ ایسی بات نہیں۔ چند ماہ پہلے تمہاری شادی کے بعد جب میں نے تم سے ملنے کا ارادہ کیا تو پتہ چلا تم اپنے دولہا کے ہمراہ باہر چلی گئی ہو مگر دو ماہ بعد ہی آگئیں۔ پچھلے ماہ کے شروع میں وہ مجھے لینے آئے تھے لیکن امی نے فرمایا کہ جاکر پھر آنا پڑے گا مگر وہ نہ مانے اور لے گئے آخر اس تقریب میں شرکت کے لئے آنا ہی پڑا:

"اچھا اب یہ بتاؤ تمہارے دولہا تو اچھے ہیں۔ کیا کرتے ہیں؟"

" خالہ جان کیا بتاؤں وہ ہیں تو بہت سی خوبیوں کے مالک. کالج میں لکچرار ہیں مگر وہ فیشن پرستی میں مجھ سے بھی کہیں آگے ہیں۔"

" بیٹی فیشن کی دلدادہ تو تم خود ہی بہت ہو۔ پھر کیا ہے۔"

" یہ سچ ہے کہ میں فیشن کی دلدادہ رہی ہوں۔ مگر وہ تو پردے کے بالکل ہی خلاف ہیں اور اس کو دقیانوسی جہالت کی رسم کہتے ہیں۔

تو کیا وہ پردہ کو اسلامی نقطۂ نظر سے نہیں مانتے۔

ان کا اپنا تو ایسا ہی خیال ہے۔ وہ کہتے ہیں یہ ایک پرانے زمانے کی رسم ہے جو زمانہ جاہلیت سے چلی آرہی ہے اور لوگ پرانی لکیر کے فقیر بنے بیٹھے ہیں۔"

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ پردے کے سخت مخالف ہیں اور شاید تم کو ایک دن پردہ سے کنارہ کشی اختیار کرنا پڑے۔

" خالہ جان! یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ ابا جان نے مجھے کالج میں داخلہ سے صرف اسی لئے روکا تھا کہ شہر میں تعلیم نسواں کا علیحدہ کالج نہیں ہے اگر میں نے آپ کے داماد کے دباؤ یا اصرار سے پردہ توڑ دیا تو کیا ابا جان کو اس کی خبر نہ ہوگی۔ مجھے اس خیال سے ہی خوف معلوم ہوتا ہے کہ میں ابا جان کو کسی مقام پر بے پردہ نظر آؤں تو ابا جان مجھے کبھی معاف نہیں کریں گے۔ ادھر میرے میاں کا حال یہ ہے کہ ایک دن وہ انگریزی کا ایک اخبار لیکر آئے آتے ہی فرمانے لگے۔

" لو عشو" (جی ہاں مجھے وہ پیار سے عشو کہتے ہیں) دیکھو اس اخبار میں کن کن کے فوٹو ہیں۔ تم تو پردہ کی ہمیشہ رٹ لگاتی رہی ہو اب کیا کہتی ہو۔ یہ ہیں ایک اسلامی ملک کے صدر صاحب اور ان کے پاس جا یہ بیٹھی زلف بردوش ان کی جوان صاحبزادی کھڑی ہیں۔ جو اپنے والد کے ہمراہ بغرض سیر و تفریح تشریف ... یہ لوگ مسلمان نہیں۔ کیا یہ صاحب اسلامی ملک کے صدر نہیں کیا ... صاحبہ ان صدر صاحب کی ... اگر پردہ اسلام میں ضروری ہوتا تو یہ کس طرح اپنی نوجوان صاحبزادی کو اس طرح بے پردہ اپنے ساتھ ...

بس آج تم بھی فوراً اپنے سیاہ کفن کو آگ لگا دو۔ وہ سیاہ کفن جو تمہاری خوبصورتی، تمہارے فیشن کو گہن کی طرح چھپائے رکھتا ہے۔ اب میں مزید کوئی عذر نہیں سنوں گا۔ اس سے بڑھ کر پردہ کے خلاف اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔"

غرض کہ وہ تو ایک سانس میں یہ سب کچھ کہہ گئے اور میرے جواب کا انتظار کرنے لگے۔ میں نے اپنے حواس درست کرتے ہوئے کہا۔

آپ کا فرمانا بجا ہے اور میں اب ایسا ہی کروں گی جو آپ چاہتے ہیں لیکن ایک عورت جو ہمیشہ پردہ میں رہی۔ ایک دم اس کو بے پردہ ہونے میں کچھ جھجک تو محسوس ہوتی ہی ہے میں خود پر قابو پالوں۔

اس طرح سردست میں نے موقع کی نزاکت کو سمجھ کر ٹال دیا۔ کیونکہ بحث کرنے سے بات زیادہ بڑھ جاتی۔ اب رات دن یہی فکر گھن کی طرح کھائے جاتی ہے کہ آخر ایسا کب تک ہوگا۔ ادھر ان کا اصرار، ادھر ابا جان کا خوف خالہ جان آپ ہی بتائیں اب میں کیا کروں کیا نہ کروں۔"

محترمہ بزرگ خاتون جو اب تک ساری باتیں نہایت خاموشی سے سنتی رہی تھیں نہایت افسردگی سے فرمانے لگیں۔ بیٹی تمہاری ساری داستان سن کر میں اس نتیجہ پر پہنچی ہوں کہ بظاہر معاملہ پیچیدہ ہے لیکن مایوس کُن نہیں صبر و تحمل سے ہر مشکل پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

سب سے پہلے تو یہ دیکھنا ہے کہ پردہ ہے کیا۔ یہ کوئی ایام جاہلیت کی رسم ہے یا خدا اور رسول کا فرمان ہے اس کو ایام جاہلیت کی رسم بتانا اسلام پر ایک سخت بہتان ہے ایام جاہلیت کو سمجھنے کے لئے اس زمانہ کے رسم و رواج پر غور کرنا ہے جس کی بدولت وہ زمانہ، جاہلیت کا زمانہ کہلاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے سے پہلے جب مکہ اور اس کے اطراف میں شرک و کفر کی گھٹائیں چھا رہی تھیں۔ عربوں میں نفاق تھا ان کے خاص مشاغل عورت، شراب اور جوا تھے۔ اپنے ہی ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کی پرستش کرتے اور ان ہی سے مرادیں مانگتے تھے۔ ذرا ذرا سی بات پر تلواریں نیام سے نکال لی جاتی تھیں اور انسانی خون پانی سے بھی ارزاں تھا۔ عورتوں اور غلاموں کی کوئی عزت نہ تھی۔ غلاموں کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک ہوتا تھا

سماج میں عورتوں کی کوئی عزت نہ تھی۔ غیر مردوں کو گرویدہ کرنے کے لئے اپنے حسن کی نمائش گلی کوچوں، بازارا اور تفریح گاہوں پر کرتی پھرتی تھیں۔ ہر مرد جتنی تعداد میں چاہتا تھا عورتوں کو رکھ سکتا تھا۔ ان کے کوئی حقوق نہ تھے۔ لڑکیوں کی پیدائش باعث شرم سمجھی جاتی تھی۔ ان کے کوئی حقوق نہ تھے اور اکثر لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ کیونکہ باپ کو یہ بات گوارا ہی نہ ہوتی تھی کہ کوئی خسر کہلائیں۔ لیکن اسلام نے ان تمام برائیوں کو دور کیا۔ پردہ عورتوں کے لئے لازم قرار دیا کیونکہ بے پردگی بھی فتنہ و فساد کا باعث تھی۔ موجودہ زمانہ میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ تاریخ خود کو دوہرا رہی ہے۔ عورتوں کے سلسلہ میں اگر زمانۂ جاہلیت جیسا رنگ دیکھنا ہو تو چشم عبرت سے آج ہم موجودہ ماحول کو دیکھ کر سبق حاصل کریں۔

پردہ کوئی رسم نہیں یہ تو خدا کا فرمان ہے جس کی تصدیق قرآن پاک کی سورۂ نور اور سورۂ احزاب سے ہوتی ہے۔ اخلاق و کردار کی تعلیم اسلام سے پہلے بھی دوسری شریعتوں میں بھی پائی جاتی تھی۔ بلکہ اللہ کا دین تو ہر نبی کے عہد میں پھیلا ہے اور ہر نبی نے جو کچھ خدا کی طرف سے ان کو حکم ملا وہ اس کے بندوں تک پہنچایا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم کے علاوہ کسی نبی کی تعلیم میں یہ ذکر نہیں کہ تعلیم ساری عالمی برادری کے لئے ہے اور رہتی دنیا تک اسی پر عمل ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنی حیات طیبہ میں عرب کے علاوہ عرب کے باہر بھی دعوتِ اسلام پہنچائی۔ آپ کے بعد اس مقدس کام کو آپ کے سچے پیروؤں نے دنیا کے کونے کونے میں پہنچایا۔

وہ زمانہ میں معزز تھے مسلماں ہو کر اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

ہم نے نیکی اور سچائی کا راستہ چھوڑ کر غلط راہ اختیار کرلی ہے۔ یوں تو ہمارے یہاں نام نہاد عالم بھی ہیں، صوفی بھی ہیں۔ اور قومی رہنما بھی ہیں۔ باعمل کوئی نہیں۔ صوفیوں نے مذہب کو دوسرا ہی رنگ دے دیا ہے۔ کوئی کسی مسجد کا متولی بنا بیٹھا ہے۔ کوئی کسی مزار کا سجادہ نشین ہے اور دائرہ اسلام مساجد اور مزاروں تک ہی محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ جہاں چڑھاوے، نذرانے اور ان کے بدلے میں گنڈے تعویذ دھندہ ہوتا ہے۔

★ تمہارے میاں کا کہنا ہے کہ ایک اسلامی ریاست کے سربراہ اپنی نوجوان اور خوبصورت صاحبزادی کے ساتھ تشریف لائے اور صاحبزادی صاحبہ بے پردہ تھیں تو وہ مسلمانوں کے لئے سند نہیں ہمارے لئے سند قرآن وحدیث ہے۔ پردہ کوئی رسم بھی نہیں ہے یہ ہمارے خدا کا حکم ہے اس کی تاکید قرآن میں آئی ہے لوگ قرآن وسنت کے بدلے نئی تہذیب کے گرویدہ ہیں اس کے نتائج بھگت رہے ہیں۔ آوارگی بڑھتی جا رہی ہے۔ خاندانی نظام درہم برہم ہو رہا ہے۔ اُس برہمی سے برہم سب ہیں مگر صحیح علاج کے لئے سچے حکیم کے نسخے کا استعمال نہیں کرتے۔

بہت سے واقعات ہمارے سامنے ہیں۔ نئی تہذیب کے دلدادہ لوگوں نے اپنی سیدھی سادی بیوی کو پردے سے باہر نکالا۔ پھر جب اس کے نتائج اپنے اوپر اثر انداز ہوئے تو آنکھیں کھلیں اور پھر یا تو وہ راہ راست پر آ گئے۔ یا انھوں نے بیوی کو قتل کر کے گھر برباد کر دیا۔ خدا نہ کرے کہ تم پر وہ دن آئے ہم عورتوں کے مشکل یہ ہے کہ ہم گھریلو کاموں کی طرح دینی معاملات میں بھی شوہر کے خیالات کی پابند ہیں گویا وہ ہمارا خدا ہے۔ اگر شوہر اسلام ترک کر کے عیسائی ہو جائے تو ہم بھی مذہب تبدیل کر دیں۔ ورنہ تجرد کی زندگی کیسے گذرے۔ یہ ہے ہمارا نہ سلجھنے والا مسئلہ۔ کہو یہ ہے ہمت کہ اپنے شوہر کو خدا نہ بناؤ گی؟"

بزرگ خاتون یہ کہہ کر ذرا دیر کے لئے چپ ہوئیں۔ پھر خود کہنے لگیں" میرا بڑا لڑکا بھی ایسا ہی بے راہ ہو گیا تھا میری اسلام پسند بہو نے اس سے صاف صاف کہہ دیا کہ میرا آپ کا نکاح خدا اور رسولؐ اور اسلام کے نام پر ہوا تھا۔ اگر آپ مجھ سے خدا کی نافرمانی کرائیں گے تو میرا آپ سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ صاحبزادے صاحب نے دو دن کی لی۔ اکڑ گئے۔ بہو کو میکے بھیج دینے کی دھمکی دی۔ اس موقع پر میں نے بہو کا ساتھ دیا۔ میں نے اس سے خلع کا دعویٰ کرا دیا اور صاف صاف بیان دلوا دیا کہ اس کے شوہر کے عقائد وہ نہیں ہیں جو کہ ایک مسلمان کے ہونے چاہئیں۔ میں نے خود گواہی دی۔ عدالت سے بہو کے موافق فیصلہ ہوا میاں کے مزاج ٹھکانے آ گئے۔ بزرگوں کو درمیان میں ڈال کر صلح کی۔ اب وہی میاں بیوی ہیں کہ ایک جان دو قالب نظر آتے ہیں۔

اذان کی آواز نے محترمہ خاتون کو چونکا کر دیا تھا لہٰذا وہ سب کو خدا حافظ کہہ کر نماز کی تیاری میں مصروف ہو گئیں۔ لیکن نہ مٹنے والا اثر سامعین پر چھوڑ گئیں۔

عائشہ بیٹھی شاید یہ سوچ رہی تھی کہ کیا اب وہ اپنے شوہر کو خدا بنائے یا اُسے جس کے نام پر مسلمان ہے وہ سوچ رہی تھی کہ رزق دینے والا اللہ ہے یا شوہر؟ ——— اختر الیاس بیگم اعجازی

فرق و امتیاز

اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو یکساں نہیں بنایا ہے بلکہ اُن کے درمیان بے شمار حیثیتوں سے فرق رکھے ہیں۔ کوئی خوبصورت ہے اور کوئی بدصورت۔ کسی کی آواز اچھی ہے اور کسی کی بری۔ کوئی طاقتور ہے کوئی کمزور کسی کی کاٹھی اچھی ہے اور کوئی پیدائشی طور پر جسمانی نقص لے کر آیا ہے۔ کسی کو جسمانی اور ذہنی قوتوں میں سے کوئی قوت زیادہ دی ہے اور کسی کو کوئی دوسری قوت۔ کسی کو بہتر حالات میں پیدا کیا ہے اور کسی کو بدتر حالات میں۔ کسی کے ذرائع زیادہ ہیں کسی کے کم۔ اِس فرق اور امتیاز پر انسانی تمدن کی ساری گوناگونی قائم ہے اور یہ عین مقتضائے حکمت ہے۔ جہاں اِس فرق کو اس کے فطری حدود سے بڑھا کر انسان اپنے مصنوعی امتیازات کا اس پر اضافہ کرتا ہے وہاں ایک نوعیت کا فساد رونما ہوتا ہے اور جہاں سرے سے اس فرق ہی کو مٹا دینے کے لئے فطرت سے جنگ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے وہاں ایک دوسری نوعیت کا فساد برپا ہوتا ہے۔ آدمی کی یہ ذہنیت کہ جسے کسی حیثیت سے اپنے مقابلے میں بڑھا ہوا دیکھے، بے چین ہو جائے، اجتماعی زندگی میں رشک، حسد، رقابت، عداوت، مزاحمت اور کشاکش کی جڑ ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو فضل اسے جائز طریقوں سے حاصل نہیں ہوتا اُسے وہ ناجائز تدبیروں سے حاصل کرنے پر اُتر آتا ہے۔ مدعا یہ ہے کہ اللہ نے جو فضل دوسروں پر فرمایا ہے اُس کی تمنا نہ کرو البتہ اللہ سے فضل کی دعا کرو۔ وہ جس فضل کو اپنے علم و حکمت سے تمہارے لئے مناسب سمجھے گا عطا فرما دے گا۔ (تفہیم القرآن جلد اوّل۔ صفحات ۳۴۷ و ۳۴۸۔ حاشیہ ۵۴، تشریح:-

ولا تتمنوا ما فضل اللہ بہ بعضکم علی بعض)

معاشرے کا مطالعہ

محترمی بھائی صاحب السلام علیکم ـــــــــــــــ ان دنوں ایک فلسفہ ذہنوں میں گردش کر رہا ہے پردے کے خلاف کہ جو چیز ہر وقت پیشِ نظر رہتی ہے اس کے دیکھنے کی خواہش کم ہوتی ہے۔ ایک مسلم لڑکی نے دوسری مسلم لڑکی سے دسہرے کے موقع پر غیر مسلم لڑکے لڑکیوں کو ایک سڑک پر جاتے ہوئے کہا۔ ان میں کوئی برائی نہیں ہوگی۔ مسلم لڑکیاں پردہ میں رہتی ہیں اس لئے بھوکی پیاسی نظروں سے انھیں دیکھا جاتا ہے۔ اس بے خبر لڑکی نے اپنی بے پردگی پر فخر کرتے ہوئے پردہ نشین لڑکی سے کہا۔ لفظاً وہ رد نہیں کر سکی۔ لیکن اس خیال سے متفق بھی نہیں ہوئی۔ ایک بار آپ اصلاح فرمائیں۔ بے پردہ لڑکی عالیہ خاتون اور پردہ نشین عذرا خاتون ہے۔ معاشرے کا مطالعہ عنوان دے کر مضمون لکھیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ ـــــــــــــــ والسّلام۔ عبدالرشید (جمشید پور)

برادر محترم عبدالرشید صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

اسلام کے نظریات اور عقیدوں پر کس کس رُخ سے حملے ہو رہے ہیں اور ہم ہیں کہ نہ علم رکھتے ہیں نہ تجربہ اور نہ دنیا کے حالات اور ان کے نتیجوں سے واقف ہیں میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ایک معصوم بچی پردے پر اس رُخ سے حملہ کرے گی۔ یہ تو نئی تہذیب کی اچھی خاصی کھلاڑی عورت کا اعتراض ہو سکتا ہے میرا خیال ہے کہ عالیہ بی نے کہیں سُن لیا۔ اور پھر وہ مثل کہ کاتا اور لے دوڑیں۔ یعنی یہ وہ نہیں بول رہی ہیں بلکہ کوئی معشوق ہے اس پردہ زنگاری میں۔ مجھے ان بچیوں پر بہت ترس آتا ہے اور ان کی بدنصیبی پر رونا بھی بدنصیبی یہ کہ وہ اسلامی تعلیم اور اس کے فوائد کی جانکاری سے بالکل کوری ہیں۔ اتنا ہی نہیں آج بے پردگی کے جو نتیجے سامنے آچکے ہیں ان سے بالکل بے بہرہ بھی۔

عالیہ بی کے اس اعتراض کا جواب مجھ سے نہ سنئے۔ اسی تہذیب کے کھلاڑیوں سے سنئے جو اس کام میں ننگے ہو کر کود پڑے پھر جو کچھ دیکھا بھگتا اور حاصل کیا وہ اُگل کر رکھ بھی دیا۔ انھوں نے جو بیان دیا اسے بہت سے اخباروں نے

چھاپا۔ ہم ملاپ کے ۱۲ ستمبر کے سنڈے ایڈیشن سے یہاں نقل کرتے ہیں مضمون کے بہت سے پیراگراف ہم نے حذف کر دیے ہمارا معاشرہ ان کے مطالعہ کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ لیجئے مضمون پڑھئے اور بے پردگی نے جو گل کھلائے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔ اس میں عالیہ بی کے اعتراض کا جواب ہی نہیں عبرتناک نتیجہ بھی ہے۔ آپ عالیہ بی سے پوچھیں کیا وہ یہ دیکھنے کے لئے تیار ہیں؟ ——— (مائل خیرآبادی)

ہالی وُڈ اور برطانیہ کے ہندوستانی نژاد فلم سٹار عمر شریف نے ایک انٹرویو میں یہ اظہار خیال کیا کہ غیر معمولی مادی ترقی کی وجہ سے ساری مغربی دنیا شدید جنسی جذباتی اور روحانی بحران کا شکار ہو گئی ہے اور یہ بحران زیادہ سے زیادہ گمبھیر شکل اختیار کرتا جاتا ہے اس کا اثر مغربی تہذیب کے اثرات کے ساتھ دنیا کے دوسرے خطوں پر بھی پڑ رہا ہے۔ اور اگر اس طوفان کو نہیں روکا گیا تو ساری دنیا ایک بھیانک جنسی، سیاسی اور اقتصادی تباہی کا شکار ہو جائے گی۔

اس بحران کی مختلف ظاہری علامتوں کا ذکر کرتے ہوئے عمر شریف نے کہا کہ "پہلی نمایاں علامت ہماری فلمیں ہیں۔ نہ صرف اب فلموں میں تشدد اور ہیجانی جنسیت کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ بلکہ اب ان میں ہیرو ہیروئن کے حسن کا تصور ہی بدل گیا ہے۔ اب طرح دار، نزاکت پسند، وضع دار اور خوش گفتار ہیروؤں کا زمانہ گذر گیا ہے اب وہ وحشی قسم کا طاقتور مرد ہونا چاہئے۔ بالکل بے ڈھنگا۔ لیکن بن مانس کی جیسی جنسیت کا نمونہ —— عمر شریف کہتا ہے کہ:۔

پہلے جذبات پر قابو کھونے والے مرد، عورتوں کی زبردستی آبروریزی کرتے تھے۔ اب عورتوں نے یہ شغل اختیار کر لیا ہے اور پارٹیوں اور پکنکوں میں عموماً لڑکیاں لڑکوں پر ٹوٹ پڑتی ہیں۔ پہلے مرد عورتوں کو ورغلا کر بھگایا کرتے تھے۔ اب عورتیں مردوں کو پھسلا کر بھگائے جا رہی ہیں۔

پہلے مرد دعوے کرتے یا ڈینگیں مارتے تھے کہ ان کا تعلق اتنی لڑکیوں یا عورتوں سے رہا ہے اب اس قسم کی ڈینگیں لڑکیاں اور جوان عورتیں مارتی ہیں کہ انھوں نے اتنے گھاٹوں کا پانی پیا ہے بلکہ اب وہ خود چاہتی ہیں کہ وحشی قسم کے مردوں کی شکار ہو جائیں۔

عمر شریف دو بنیادی اسباب کو اس بھیانک جنسی اور جذباتی بحران کے لئے ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔

اوّل۔ عورتوں کو حد سے زیادہ شتر بے مہار قسم کی آزادی ملنا اور ان کا بہت بڑے پیمانے پر اس کا ناجائز استعمال کرنا ــــ دوئم۔ غیر معمولی مادی ترقی اور مادیت پرستی کا مردوں کے اعصابی نظام پر بہت بُرا اثر پڑنا۔

عورتوں نے اپنی آزادی سے کوئی اچھا فائدہ اُٹھانے کی بجائے اُسے صرف مرد کو مغلوب کرنے اور اس کی پچھلی زبردستی اور ظلم کا بدلہ لینے کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کی۔ یہ سب اپنی ہزار سالہ پُرانی غلامی اور فرسٹریشن (بددلی) کی وجہ سے کیا۔ لیکن ایسا کرتے ہوئے وہ قدرت کے قانون کو بھول گئیں۔ فطرت اور اس کے تقاضوں کو بھی نظر انداز کر دیا۔ اس لئے اس کا اُلٹا نتیجہ نکلا اور اس وجہ سے ان کی بددلی اور بے بسی اور بڑھ گئی ہے۔

خدا، مذہب اور سماج کے ڈر سے اور سلامتی کی طلب کے زیرِ اثر عورت پہلے اپنے جنسی جذبات کو دباتی رہی فطرتاً اس کے لئے ایسا کرنا مرد کی نسبت آسان تھا۔ لیکن آزادی حاصل کرنے پر سب سے پہلے اس نے اپنا جنسی فرسٹریشن دور کرنے کی کوشش کی اور وہ بھی غلط ڈھنگ سے۔

اب جنسی کھیل میں عورتیں خود پہل کرتی ہیں بلکہ مرد پر حملہ کر دیتی ہیں لیکن یہ سلوک مرد کی فطرت اور نفسیات کے خلاف جاتا ہے اس سے اس کے جذبات گرم ہونے کی بجائے زیادہ سرد پڑ جاتے ہیں اور جنسی لحاظ سے بھری ہوئی اس کی بیوی یا محبوبہ کو اس غلبہ پرستی سے کچھ ملتا نہیں۔ کیونکہ جب مرد کا جوش ٹھنڈا پڑ جائے تو جھاگ کی طرح بیٹھ جاتا ہے۔

فطرت کا تقاضا ہے کہ محبت کے کھیل میں مرد پہل کرے، خود تیار ہو جائے اور پھر اپنی شریک محبت کو ڈھنگ سے تیار کرے اور اس کے برعکس جب عورت ہی اس پر بھری ہوئی شیرنی کی طرح ٹوٹ پڑے تو وہ مرد سے نامرد ہو جاتا ہے۔

اس صورت حالات کو جدید زندگی نے اور مادیت پرستی نے اور بھی پیچیدہ بنا دیا ہے۔ بے قاعدہ زندگی، ناقص خوراک، بڑھتی ہوئی کاروباری پریشانیوں، زیادہ سے زیادہ دولت کی طلب (وہ بھی عورت کا لالچ پورا کرنے کے لئے) اور لگاتار تھکاوٹ نیز منشیات کے استعمال نے مرد میں مردانگی کم کر دی ہے اس کا اعصابی نظام کمزور

ہوگیا ہے۔ اس کا اثر اس کی جنسی طلب اور قوت پر بھی پڑا ہے۔ اُدھر سے مخالف جنس کی بڑھتی ہوئی طلب ہے ایسے حالات میں ازدواجی زندگی بلکہ اس سے پہلے محبت یا کورٹ شپ میں بہت تلخ تجربے ہونے لگے ہیں۔ طلاقوں کی بھرمار ہونے کی یہی سب سے بڑی وجہ ہے چنانچہ حال ہی میں ہندوستان آئی ہوئی ہالی وُوڈ کی ایک نامور ہیروئن نے شکایت کی۔ اب مغربی ملکوں کے لڑکے یا نوجوان لڑکیوں یا نوجوان عورتوں میں دلچسپی نہیں لیتے۔

اس دلچسپی کو بڑھانے کے لئے پہلے مغربی عورت نے عریانیت کا سہارا لیا۔ لیکن ٹاپ لیس فیشن، ہاٹ پینٹس منی اسکرٹ، مختصر ترین لباسِ غسل، یہ سب حربے ناکام رہے۔ مرد کی مردانگی اور دلچسپی اور کم ہوگئی حتیٰ کہ نوبت یہاں تک آئی ہے کہ اگر کوئی حسینہ سر بازار ننگی پھرے تو نوجوان مرد چنداں توجہ نہیں دیتے۔ اس وجہ سے سٹریکنگ (بازاروں میں الف ننگا دوڑنے) کا تجربہ بھی فیل ہوگیا ہے۔

رہی سہی کسر کثرتِ شراب نوشی اور نشہ پرستی نے پوری کردی ہے اس بدعت سے عورت کا جوش بڑھ جاتا ہے لیکن مرد کی مردانگی بالکل کمزور پڑ جاتی ہے۔

لیکن آزاد عورت نے اپنی بنیادی غلطی محسوس کرنے اور مرد کو مغلوب کرنے کی کوشش ترک کرنے کی بجائے نئے حربے آزمانے شروع کر دئیے چنانچہ اب وہ طرح دار اور وجیہہ نہیں بلکہ وحشی اور قوی ہیکل مرد کی متلاشی رہتی ہے لیکن اس کا اُلٹا اثر ہو رہا ہے کہ اب عام مرد اپنی جنسی تسکین کا سامان، اغلام بازی، رنڈی بازی، گندی کتابیں پڑھنے اور گندی فلمیں اور تصاویر دیکھنے میں ڈھونڈتے ہیں۔ طلاق بہت مہنگا ہونے اور ادھر ازدواجی زندگی بہت ہی بے مزا ہوجانے کی وجہ سے اب بہت کم مرد ادھیڑ عمر کے ہونے سے پہلے شادی کے جھنجھٹ میں پھنسنے کا خطرہ مول لیتے ہیں۔ اس لئے بھی کہ شادی کے بغیر کسی عورت کے ساتھ رہنے پر کوئی قانونی یا مجلسی پابندی نہیں مگر صحیح جنسی آسودگی عنقا ہوگئی ہے۔

عمر شریف کے اس قول کی تصدیق کئی نفسیاتی اور جنسی ماہرین نے کی ہے کہ یہ صورت حالات مرد کو بالکل ناآسودہ بنا کر اس کی خود اعتمادی کا جذبہ ختم کر دے گی جس سے سیاسی، اقتصادی اور مجلسی زندگی میں بھی انارکی پھیل جائے گی۔ عورت کی جنسی جارحیت کی وجہ سے بھلے چنگے مرد بھی اپنے اوپر سے اعتماد گنوا کر نامرد ہو رہے ہیں اور اس طرح

جذباتی اور ذہنی خلفشار میں مبتلا ہونے والا مرد بھلا کس طرح نارمل زندگی بسر کر سکتا ہے۔

عمر شریف کا بیان زیادہ فحش پیراگرافوں کو حذف کر کے ختم کر دیا گیا یہ بیان گواہ ہے کہ بے پردگی اور عریانی سے براہ راست جذبات پر کیا ردِ عمل ہوتا ہے یہ معلوم نہیں۔ عالیہ بی کی عمر کیا ہے۔ خیال تو یہی ہے کہ وہ بالغ ہو چکی ہوں گی۔ آپ ان سے پوچھئے کہ کیا وہ مرد پر یہ ردِ عمل دیکھنے کی خواہش مند ہیں؟

ہو سکتا ہے کہ وہ عمر شریف کی گواہی کو سمجھ ہی نہ سکیں۔ لیکن اب وہ دن زیادہ دور نہیں ہیں کہ ان سے دو عمر کی لڑکیوں کو یہ دن دیکھنا پڑے گا۔ وہ بھی حسین و جمیل اور نازک بدن نوجوانوں کے بدلے حبشی مردوں کے پیچھے بھاگیں گی اور حبشی مرد کی یہ حالت ہو گی کہ وہ ان کے خوف سے دہائی دیتا ہوا مدد کے لئے پولیس کو پکارے گا کاش، وہ دن آنے سے پہلے ٹھہر کر سوچ لیا جائے کہ کیا کرنا چاہئے اور کیسے کرنا چاہئے۔

رشید صاحب، کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ عمر شریف کے صرف اتنے ہی بیان کو جو میں نے حذف کرنے کے بعد چھاپا ہے چار صفحہ کے پمفلٹ پر چھپوا کر جمشید پور میں بٹوا دیں۔ آپ کا اجر کہیں نہیں جائے گا وما توفیقی الا باللہ

غزل

سیّد حسن اختر جمشید پوری

جو لوگ اپنے آپ سے انجان بن گئے
وہ آپ اپنی موت کا سامان بن گئے

کیسا خلوص، کیسی وفا، کیسی دوستی؟
انسان میرے عہد کے حیوان بن گئے

اہلِ خرد کے نام سے جلتا ہے یہ جہاں
ہم، دوستو یہ سوچ کے نادان بن گئے

اک بار میں نے کی تھی کناروں کی آرزو
قطرے بھی آج آ کے مری طوفان بن گئے

گُل کیا ہیں، خار کیا ہیں، نہیں جن کو یہ شعور
اختر! وہ گلستاں کے نگہبان بن گئے

آئیڈیل شوہر

محترم وشفیق چچا میاں! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

ایک الجھن میں گرفتار ہوں مجھے توقع ہے کہ آپ انشاء اللہ اُسے سُلجھا دیں گے۔ غالباً آپ کو معلوم ہوگا کہ میری محترمہ امی کا انتقال ہوچکا ہے اور میں اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی ہوں۔ ہماری مالی حیثیت اوسط سے کچھ بہتر ہی ہے امی کے انتقال کے بعد سے اہل خاندان نے والد محترم کو نئے نئے مشورے دیئے جو ہمارے لئے پریشان کُن تھے مگر ربُّ العالمین کی کارسازی نے ایک ایسی راہ ہمارے لئے واضح اور روشن فرمادی کہ ایک دینی درسگاہ میں میرا داخلہ اور قیام ممکن ہوگیا جس سے تعلیم وتربیت کے فوائد کے علاوہ سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ والد محترم جو سرکاری ملازم ہیں اور اکثر دورے پر رہتے ہیں ان کو میری فکر سے ایک بڑی حد تک اطمینان ہوگیا اور خاندان کی کشاکشی اور غلط ماحول سے مجھے نجات مل گئی۔ لیکن ایک شفیق باپ کی حیثیت سے ہروقت ان کو میرے مستقبل کے بارے میں فکر لگی رہتی ہے چونکہ خاندان میں کوئی ایسا نہیں جو ابوجان کو مناسب مشورہ اور بے لوث رائے دے سکے اور نہ کسی سے یہ اُمید لگائی جاسکتی ہے کہ ابوجان کے بعد کوئی میری سرپرستی کا حق ادا کرسکے۔ اس لئے ابوجان چاہتے ہیں کہ اپنی حیات ہی میں میرے فرض سے سبکدوش ہوکر میرے مستقبل سے مطمئن ہوجائیں۔ مگر پیچیدہ اور مشکل مسئلہ یہ ہے کہ خاندان میں کوئی بھی اچھا اور قابل اعتماد رشتہ نظر نہیں آرہا۔ یوں پیغامات کی کوئی حد نہیں۔

مگر نہ جانے کیوں مجھے ہر ایک اُمیدوار لالچی نظر آتا ہے اور میری نگاہ میں کوئی بھی شرافت اور آدمیت کی ابتدائی شرطوں پر پورا نہیں اُترتا میرے ابوجان بے انتہا شفیق ہیں انھوں نے مجھے ماں اور باپ کا پیار دیا ہے وہ مجھ سے میرے مستقبل کے بارے میں مشورہ کرتے ہیں۔ مجھے بڑی ندامت ہوتی ہے کہ میں نے ان کو بڑی مشکل میں ڈال رکھا ہے میں برابر ٹال مٹول کررہی ہوں کیونکہ میں ایک ایسا رفیقِ حیات چاہتی ہوں جو ایسا شریف النفس ہو جو مجھکو جہنم کی آگ

بچنے میں مدد دے سکے اور جس کو دین کا اس قدر تو احترام ہو کہ معاشرتی زندگی کے حقوق فرائض سے واقف ہو اور اچھا شوہر ہونے کے ساتھ ساتھ آئندہ چل کر ایک خدا ترس باپ ثابت ہو سکے۔

بہرحال اب والد محترم کی طرف سے ایک M.S.C پاس نوجوان کا انتخاب پیش ہے وہ دور کے رشتہ دار بھی ہوتے ہیں نہ زیادہ امیر ہیں نہ زیادہ غریب۔ بقول والد محترم کہ وہ والد کے سمجھانے سے نماز کے پابند بھی ہوگئے ہیں اور ان سے اُمید لگائی جاسکتی ہے کہ وہ ہمارے ماحول میں آسانی سے ڈھل سکیں گے معلوم ہوتا ہے کہ والد صاحب اس رشتہ کو رد نہ کرسکیں گے اور جلد ہی مجھ پر بھاری بوجھ ڈالنا چاہتے ہیں۔

ایک مشفق استاذ محترم کی حیثیت سے مشورہ چاہتی ہوں کہ اس مرحلہ پر ابوجان کو کیا مشورہ دوں۔ سوچتی ہوں کہ ابوجان کو اس فکر سے آزاد کردوں۔ میں نے بھی ایک طائرانہ نظر سے ان اُمیدوار کو دیکھا ہے بظاہر سادہ ہیں آجکل کے نوجوانوں کی طرح ہپی بھی نظر نہیں آئے اگرچہ میرے خیالات کچھ اور ہیں۔ میں چاہتی تھی کہ کوئی خدا کا خوف دل میں رکھنے والا اور دین کی قدروں کا احترام کرنے والا شریف النفس مرد نیک ہوتا۔ مگر والد محترم کو کب تک حیران کروں زندگی کا کیا بھروسہ ہے اور خاندان بے رحم ہے اگر میں اکیلی رہ گئی تو کیا ہوگا دوسرے امیدواروں کے مقابلے میں مجھے قدرے غنیمت معلوم ہوتے ہیں ہو سکتا ہے کہ میں محنت و خدمت سے ان کو اپنے رنگ میں ڈھالنے میں کامیاب ہو سکوں کیونکہ میں نے اپنی امی مرحومہ کو دیکھا تھا کہ وہ مالدار گھرانے کی تھیں۔ ابوجان غریب بھی تھے اور دین سے ان کو کوئی خاص لگاؤ بھی نہ تھا مگر میری آنکھوں میں وہ منظر خوب گھوم رہا ہے کہ میری مرحومہ امی عشاء اور فجر میں وضو کا پانی اور جانماز لے کر ابو کو نماز کے لئے اٹھاتی تھیں اور بار بار کہتی تھیں کہ نماز پڑھ لیجئے پھر فوراً سو جائیے گا۔ آج وہی میرے ابو ہیں کہ الحمدللہ ان کا دل خوف خدا سے بھرا ہوا ہے اور ماشاءاللہ ساتوں وقت کی نماز بڑے سکون و خوشی سے ادا کرتے ہیں۔

اس لئے میں حوصلہ کرتی ہوں کہ دو شرطوں کے ساتھ ابوجان کے انتخاب کو قبول کرلوں۔

۱۔ ایک یہ کہ میرا رفیق حیات تارک صلوٰۃ نہ ہو۔

۲۔ دوسرے یہ کہ مال حرام سے اس کو دلی نفرت ہو۔

میرے محترم اور شفیق بزرگ اُستاذ اپنے علم و تجربہ کی روشنی میں میری رہنمائی فرمائیے کہ کیا یہ رشتہ ان شرائط کے ساتھ قبول کرلوں، کیا یہ شرطیں بیجا تو نہیں۔ ایک مسلمان لڑکی کو اپنے رفیق حیات کے بارے میں کم از کم اتنا تو سوچنا ہی

چاہئے اور اپنے والدین پر واضح کر دینا چاہئے کہ وہ کم از کم اس قدر خیال رکھیں کہ کسی تارکِ صلوٰۃ اور مالِ حرام سے دلچسپی رکھنے والے نوجوانوں کو اپنی بیٹی کے رشتہ کے لئے ہرگز پسند نہ کریں۔

(آپ کی عزیز شاگرد)

جواب :۔ عزیزہ سلمہا۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔

آپ کا خط میں نے بڑے غور سے پڑھا۔ پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ کسی مدرسۃ نسواں کے اعلیٰ درجہ کی طالبہ ہیں اور بہت ذہین و دیندار ہیں۔ ساتھ ہی آپ کا مزاج تحریکی ہے اللہ تعالیٰ آپ کی ذہانت اور دینداری میں اضافہ فرمائیں۔

اس خوبی کے باوجود آپ کے اندر ایک نقص بھی ہے۔ وہ یہ کہ آپ خواہ مخواہ کے اندیشوں میں گرفتار رہتی ہیں۔ آپ کو سب سے بڑا اندیشہ یہ ہے کہ نہ جانے شریکِ حیات کیسا ملے۔ آپ تو چاہتی ہیں کہ نیک حیات صوم وصلوٰۃ کا پابند ہو اور حلال کمائی گھر میں لائے۔

آپ نے اپنے خیال میں جس آئیڈیل شوہر کو بٹھا رکھا ہے خدا کرے کہ ویسا ہی شوہر آپ کو ملے لیکن آپ یہ ہر وقت یاد رکھیں کہ انسان جو چاہتا ہے ضروری نہیں کہ وہ پا بھی جائے۔ اس لئے آپ اپنے اس تحریکی مزاج کو سامنے رکھ کر اپنی والدہ محترمہ کا اُسوہ اختیار کریں اور تیار رہیں کہ جیسا کچھ شوہر ملے گا اُسے دینی سانچے میں ڈھالتی رہیں گی۔ اور کسی حال میں بھی بے دینی کے آگے سپر نہ ڈالیں گی۔

آپ نے اپنے والد صاحب کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ عزیزہ محترمہ ہر باپ اپنی بیٹی کے لئے اچھے سے اچھا بر تلاش کرتا ہے۔ لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اپنی جس بلندی پر ہوتا ہے اس کے مطابق بر نہیں ملتا تو وہ ذرا نیچے اُتر کر ڈھونڈتا ہے پھر بھی کوئی بر نہیں پہنچتا تو ایک سیڑھی اور نیچے آتا ہے یہاں تک کہ لڑکی کی عمر پچیس تیس برس کی ہو جاتی ہے اور پھر پیغامات کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے اس جگہ آ کر ماں باپ بیٹی تینوں ایک کرفت اور کڑھن میں مبتلا ہو جاتے ہیں میں آپ کو ایک قصہ سناؤں۔

ایک منشی جی میرے دوست تھے ان کی ایک لڑکی تھی بہت حسین منشی جی مالدار آدمی تھے۔ لڑکی جوان

ئی تو پیغامات آنے لگے لیکن منشی جی نے بر کے لئے اتنا اونچا معیار قائم کر لیا تھا کہ اس معیار پر کوئی لڑکا پورا نہیں اترتا تھا۔ اگر لڑکا پڑھا لکھا تھا تو غریب تھا۔ اگر لڑکا اونچے خاندان کا تھا تو جاہل تھا اگر لڑکا حسین تھا اس کا چال چلن اچھا نہ تھا۔ اس طرح ہر خوبی میں ایک نہ ایک عیب نکل ہی آتا تھا۔ منشی مجھ سے مشورہ کرتے تھے میں کہتا تھا کہ ہمیں سبھی کلیں چوکس نہ ملیں گی۔ ہر لڑکے میں کوئی نہ کوئی عیب تو ہوگا۔ یہ دیکھو کہ لڑکا سیدھا سادا خدا ترس ہو اور اسے بیٹی بیاہ دو۔ کچھ خود تولو اور پرکھو اور پھر زیادہ تر اللہ کے سپرد کرو۔

منشی جی نے میری باتوں پر توجہ نہ دی۔ یہاں تک کہ لڑکی پچیس چھبیس برس کی ہو گئی اب منشی اپنی اونچی سیڑھی سے ایک ایک زینہ اترنے لگے۔ اچھا بھئی۔ یہ گوارا مگر گوارا کرتے کرتے سب سے نیچی پر اتر گئے۔ ایک گاؤں میں ایک مالدار لڑکا تھا اس کی بیوی مرچکی تھی اس سے بیاہ دیا۔ لڑکی سسرال جا کر ئی تو سونے میں پیلی ہو رہی تھی۔ منشی بہت خوش ہوئے لیکن دوسرے سال جب میری ان سے ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ لڑکے نے بیوی کو (منشی جی کی بیٹی کو) گھر سے نکال دیا اور ایک بیسوا کو گھر میں ڈال لیا۔

یہ کہانی سنانے کا منشا یہ ہے کہ بے عیب ذات خدا کی ہے اور انسان مرکب ہے خطا اور نسیان سے۔ لہٰذا ہمیشہ اپنا معیار معتدل بنانا چاہئے۔ معتدل معیار کو سامنے رکھتے ہوئے یہی رائے ہے کہ آپ پنے اس رشتہ دار سے شادی کر لیں جس کا اشارہ آپ کے خط میں پایا جاتا ہے۔ اپنا تحریکی ذہن کام میں لائیں خدا پر بھروسہ کریں انشاء اللہ شوہر آپ کے مزاج کے مطابق ہو جائے گا۔

آخر میں آپ نے دو شرطیں لکھی ہیں۔ میری عزیزہ! شادی کے موقع پر دونوں طرف سے بڑی بڑی شرطیں قبول کر لی جاتی ہیں لیکن وہ شرطیں بے کار ثابت ہوتی ہیں ان پر عمل کوئی نہیں کرتا آپ اس چکر میں نہ پڑیں جانا پہچانا دیکھا بھالا مل رہا ہے آپ اس وقت نہ چوکیں۔ والسلام

یاد رکھیئے!

حجاب کا یہ شمارہ نومبر اور دسمبر کے لئے ہے۔ اس لئے دسمبر میں حجاب کا پرچہ شائع نہ ہوگا۔ (منیجر)

بیوی کو بیوی بنانا

مصلحتاً خط نہیں چھاپا جا رہا ہے (م)

برادر محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

گرامی نامہ مجھے اس وقت ملا تھا جب میں ایک جگہ جانے کے انتظامات میں الجھا ہوا تھا۔ آپ کو لکھ دیا تھا کہ اس سے فارغ ہو کر جواب لکھوں گا چنانچہ اب آپ کے خط کا جواب دے رہا ہوں۔

جب سے آپ کا خط آیا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ میں کچھ دوسرے کاموں میں لگا رہا لیکن بار بار آپ کے خط کا خیال آتا رہا۔ اور میں دعا کرتا رہا کہ اللہ تعالیٰ غیب سے کوئی ایسی صورت نکال دے کہ آپ کے گھر کے حالات سنور جائیں۔ آپ کے بارے میں دعا کر کے نہ جانے کیسے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ کے حالات عنقریب سدھر جائیں گے۔

یہ تو ہے وہ تاثر جو آپ کے خط کے آنے کے بعد مجھ پر ہے اب اپنے خط کے بارے میں میری رائے ملاحظہ فرمائیں۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنی بیوی سے ہرگز قطع تعلق نہ کریں۔ دیکھئے تو آپ اس کے ساتھ سات برس گذار چکے آپ اس کی اچھائیوں اور برائیوں سے واقف ہو چکے اور وہ آپ کو اور آپ کے مزاج کو پہچان گئی پھر یہ کہ اس سے آپ کی اولاد بھی ہے خدانخواستہ آپ نے قطع تعلق کر لیا تو اولاد تباہ ہو جائے گی اور پھر آپ کے دل کو عمر بھر سکون حاصل نہ ہو سکے گا۔ یہ بھی ڈر ہے کہ اس کے بارے میں آپ سے اللہ بھی باز پرس کرے اور آپ جواب نہ دے سکیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ کی بیوی عورت ذات ہے یعنی صنفِ نازک اور آپ مرد یعنی آہنی انسان۔ عورت ذرا میں کچھ اور ذرا میں کچھ ہوتی رہتی ہے ذرا ہنس کر بول دیجئے وہ پچھلے سارے شکوک بھول جاتی ہے۔ ذرا کچھ اس کے خلاف ہو گیا تو جھٹ سے کہہ دیتی ہے کہ تمہارے گھر میں کبھی سکھ نہ ملا۔ اس کے مقابلے میں آپ مرد ہیں آپ ان کے نگراں ہیں اس پر قوام ہیں آپ کا کام یہ ہے کہ اس ذرا میں کچھ اور ذرا میں کچھ کو اعتدال پر لانے کی کوشش کرتے رہیں۔ مرد ہونے کے معنی یہ نہیں کہ مدِمقابل کو پچھاڑ دیا جائے۔ میرے نزدیک مرد ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اپنے جذبات

اپنے بس میں رکھا جائے۔ غصے کو پچھاڑا جائے اور بیوی کو بے لگام نہ ہونے دیا جائے۔ ایک ماہر نفسیات کا مشورہ یہ ہے کہ بیوی کو جیتنے کا سب سے بڑا حربہ یہ ہے کہ اس سے ہار جایا جائے۔

یہ بات میں اس لئے لکھ رہا ہوں کہ آپ ایک نئے اقدام کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ آپ سوچ رہے ہیں کہ کیوں نہ کسی غریب لڑکی سے شادی کر لی جائے جو زندگی میں سکون دے سکے۔

میرے بھائی! اگر کسی عورت سے سکون کی گارنٹی مل جائے تو آپ اس سے ضرور شادی کر لیں۔ اگر ایسی کوئی یقینی صورت ہو تو اس کی قیمت یہ بھی لگ سکتی ہے کہ ماں باپ بھائی بہن اور اپنا سب کچھ اس پر قربان کیا جا سکتا ہے لیکن میرا خیال یہ ہے کہ آپ نے سوچ سمجھ کر یہ بات نہیں لکھی کسی عورت کے بارے میں آپ کو نہیں معلوم کہ وہ آپ کو واقعی سکون دے سکے گی۔ ایک امید پر چھان پھٹک کر شادی کی جاتی ہے۔ شکل و صورت دیکھ لی جاتی ہے۔ خاندان جانچ لیا جاتا ہے۔ مالداری دیکھ لی جاتی ہے۔ سارٹیفکٹ ملاحظہ فرما کر تعلیمی استعداد کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ لیکن وہ کون سا آلہ ہے جس سے آئندہ زندگی میں سکون حاصل کرنے کا علم ہو جائے گا۔ حیرت یہ ہے کہ آپ ایک ایسی اَلھڑ اور ان پڑھ اٹھارہ بیس سال کی ناتجربہ کار لڑکی سے یہ توقعات قائم کرتے ہیں کہ وہ آپ کے اجنبی گھر اور اجنبی لوگوں میں آکر آپ کو سکون دے گی۔ ایک مدت تو اسے مطالعہ میں لگ جاتی ہے کہ کس کا کیا مزاج ہے۔ کون کیا چاہتا ہے۔ ساس کے تیور کیا ہیں۔ خسر صاحب کا رُخ کدھر ہے۔ ان متضاد ذہنوں کے درمیان ایک ناتجربہ کار لڑکی آکر پھنستی ہے۔ خود اس کا مطالعہ بڑی گہری نظر سے کیا جاتا ہے۔ قدم قدم پر اس کی گرفت ہوتی ہے۔ طنز ہوتا ہے اب اگر کوئی اُسے تربیت دینے والا ہو تو مختلف مرحلوں سے گزر کر وہ بیوی بننے لگتی ہے۔ ایجاب و قبول کے وقت ایک عورت مرد کی بیوی تو ہو جاتی ہے لیکن بیوی بنتی برسوں میں ہے۔ گنوار اور جاہل مرد بیوی کو جوتوں اور ڈنڈوں سے بیوی بناتے ہیں۔ شریف اور صاحب علم لوگ حکمت و تدبر سے بیوی کو بیوی بنانے میں بڑی مدت لگتی ہے۔ عام مشاہدہ یہ ہے کہ ایک بیوی اس وقت بیوی بننا شروع ہوتی ہے۔ جب اس کے جسم کا کساؤ کم ہونا شروع ہوتا ہے اور جب وہ کم سے کم تین چار بچوں کی ماں ہو جاتی ہے میکے سے آتے ہی آتے ایک لڑکی واقعی بیوی بن جائے یہ تو ایک معجزہ ہوگا۔ یا یوں کہئے کہ اچانک سونے کی چڑیا ہاتھ آگئی ورنہ صحیح بات یہ ہے کہ مرد بیوی کرنے کے بعد خود اُسے بیوی بناتا ہے۔ بیوی کو بیوی بنانا بڑا پتے ماری کا کام ہے۔

میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ اپنی اسی بیوی کو بیوی بنانے کے لئے عزم کریں جس کے ساتھ آپ نے چھ سات برس گذارے۔ اور جس سے آپ کی اولادیں ہیں اور یہ کہ جس کی بیماری کی آپ تشخیص کر چکے ہیں۔ مرض کی تشخیص کے بعد دوا کا انتخاب آسان ہو جاتا ہے۔

آپ اپنی بیوی کو اس کے میکے چھوڑ آئے۔ آپ نے تو بیزاری کے طور پر ایسا کیا لیکن یہ ایک دوا ہے گھریلو جھگڑوں کو چکانے کی۔ اس مدت میں آپ کو بھی غور کرنے کا موقع ملا ہوگا کہ کہاں کہاں آپ نے غلطی یا زیادتی کی اور بیوی صاحبہ بھی اپنی جگہ سوچتی ہوں گی کہ انھوں نے کہاں کہاں بے جا نخرے اور بے جا مطالبے کر ڈالے۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ آپ بھی اپنی جگہ کچھ نرم پڑے ہوں گے۔ اور بیگم صاحبہ کو بھی تارے نظر آنے لگے ہوں گے۔ جدائی کے ان دنوں میں سب سے زیادہ ستم ظریفی کی بات جو سامنے آئی ہوگی وہ یہ ہے کہ جب آپ کے یار دوست آپ کی خیریت پوچھتے ہوں گے تو آپ راہ فرار تلاش کرتے ہوں گے اور آں محترمہ کی سکھی سہیلیاں ان سے مزاج پرسی کرتی ہوں گی تو وہ مخاطب کا منہ نوچنے کے طور پر فرماتی ہوں گی "تجھ سے کیا۔ یعنی تو کون ہے جو میرا حال پوچھتی ہے۔ دوسری دوا یہ ہے کہ کوئی ذی اثر بزرگ درمیان میں پڑ کر معاملے کو سلجھانے کی کوشش کریں گے اور آپ دونوں کی خودداری کو برقرار رکھتے ہوئے سمجھا بجھا کر اور نصیحت کر کے ملاپ کرا دیں گے اس وقت آپ دیکھیں گے یہ مصرع کتنا صحیح ہے:۔ ؎ بڑا مزہ اس ملاپ میں ہے کہ صلح ہو جائے جنگ ہو کر

پھر جب بیوی کو لیکر گھر تشریف لے آئیں تو آپ یہ سمجھیں کہ آج آپ کا بیاہ ہوا ہے اور آپ حکمت کے ساتھ بیوی کو بیوی بنانے کی مہم شروع کر دیں اور اس طرح جیسے ایک حکیم بیمار کا علاج کرتا ہے۔ با ترتیب علاج یہ ہے۔

۱۔ سب سے پہلے یہ کہ آپ کچھ دن بیوی کو اس کی مرضی سے گھر چلانے دیں۔ آپ یہ دیکھتے رہیں کہ کہاں کہاں مشورہ دینے کی ضرورت ہے۔ اگر ضرورت محسوس کریں تو مشورہ دیں حکم نہ دیں حکم دیا تو معاملہ پھر بگڑا۔ مشورہ قبول کرے تو کرلے۔ آپ پروا نہ کریں۔ مشورہ نہ قبول کر کے جب خود نقصان ہوگا تو محسوس کریں گی۔ یہ محسوس کرنا در اصل اصلاح کا پہلا قدم ہے۔

۲۔ اس دوران آپ یہ بہر حال عملاً جتاتے رہیں کہ آپ ہی اس کے سب سے بڑے خیر خواہ ہیں۔

۳۔ اپنی اولاد میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی لیں۔ ایسا کرنے سے بیوی کا دل زیادہ نرم ہوگا۔

۴۔ بیوی کی ضروریات جو آپ حتی الامکان پوری کر سکیں ان میں کمی نہ کریں۔ میں نے دیکھا ہے کہ مشورہ کر کے گھر والی کو مقررہ رقم دے دی گئی تو اس کے چار چھ ماہ کے اندر اندر حسنِ انتظام پیدا ہو گیا۔ ایسا تجربہ آپ بھی کریں آپ بجٹ بنانے میں مدد کریں اور اس بجٹ پر عمل کرنے کی ترغیب دیں۔

۵۔ بموجب حدیث بیوی کو دن میں ستر بار معاف کرنے کی عادت ڈالیں۔ بیوی کو کسی بات میں چیلنج ہرگز نہ کریں۔

۶۔ جو عادت بیوی میں ڈالنا چاہیں وہ عادت خود اختیار فرمائیں۔

۷۔ اعتماد کی فضا پیدا کریں۔ بیوی کے رشتہ داروں کی خاطر مدارات کریں چاہے وہ دکھاوا ہی ہو۔

مجھے اُمید ہے کہ اگر آپ ان مشوروں پر حکمت کے ساتھ عمل کرلے گئے تو آپ کی یہی بیوی آپ کی نظر میں ایسی ہو جائے گی جیسی آپ چاہتے ہیں۔ آپ اپنی بیوی کی مدد کیجئے۔ اللہ آپ کی مدد کرے گا۔ والسلام۔ (م ہ ح)

غزل

سید جاوید ہاشمی

چرا کے لے گیا منزل۔ سراب چھوڑ گیا
کہاں ہمیں دلِ خانہ خراب چھوڑ گیا

حجاب بن کے نگاہوں سے جو رہا اوجھل
نہ جانے کیوں وہ مجھے بے حجاب چھوڑ گیا

اسی سے اب بھی اجالے ہیں نور و نکہت میں
جو ایک عہدِ درخشاں کا باب چھوڑ گیا

وہ جس نے ایک نئے عہد کی بنا ڈالی
وہ اپنے پیچھے رہِ انقلاب چھوڑ گیا

اُسی کے کوچے کی ہے دل میں آرزو جاوید
جو میرے پاس وفا کی کتاب چھوڑ گیا

سوکن کے ساتھ

میں نے محترمہ مریم جمیلہ صاحبہ کو خط لکھا تھا کہ آپ نے جناب یوسف صاحب سے اس حال میں شادی کرنا منظور کر لیا جبکہ ان کی بیوی موجود تھی اور وہ کئی بچوں کے باپ تھے اور اب ماشاء اللہ آپ بھی کئی بچوں کی ماں ہیں ایسے ماحول میں آپ ایک کامیاب زندگی بسر کر رہی ہیں۔ آپ کی اس کامیابی کا راز کیا ہے؟ موصوفہ نے اس سوال کے جواب میں جو کچھ تحریر فرمایا۔ وہ پیش کیا جاتا ہے۔ اُمید ہے کہ دلچسپی کے ساتھ پڑھا جائے گا ——

——————— (مائل خیرآبادی)

مریم جمیلہ معرفت محمد یوسف خان — ۹ جنوری

مکان ۱۵ - اسٹریٹ ۴۹ - سنت نگر - لاہور - (پاکستان)

عزیز دینی بھائی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

مجھے آپ کا ۲۶ دسمبر کا کارڈ اور رسالہ میں چھپے ہوئے مضمون کے تراشے رجسٹرڈ ڈاک سے مل گئے۔

میں ابتدائے عنفوان شباب سے ہی اسلامی طرز زندگی کی سادگی، پاکیزگی اور دیگر اعلیٰ اوصاف کی طرف مائل مختلف ممالک میں رہنے والے لوگوں کے طرز زندگی اور مشرقی تہذیب کے بارے میں پڑھنا پسند کرتی تھی۔ اور بالخصوص عرب دنیا کے کلچر اور اسلامی موضوعات پر لکھی ہوئی کتابوں کے مطالعہ کے ذریعہ میں اسلام سے روشناس ہوئی جب میں اس کا مقابلہ مغربی طرز زندگی کی اوہام پرستی، اخلاقی بگاڑ، بناوٹ اور ریاکاری سے کرتی تو اس مغربی ماحول سے دور ہٹتی جاتی تھی جس میں میں پروان چڑھی تھی جس وقت میں نے پہلی بار قرآن کریم کا (مترجم ایم پکتھال) پڑھا تو محسوس ہوا کہ اسلام تمام حالات کے لئے ایک مکمل رہنمائی دیتا ہے۔ اس کے برخلاف مذاہب کی موجودہ تعلیمات بگڑ چکی ہیں۔ عنفوانِ شباب کے بعد کے زمانہ میں میں نے مختلف مسلم ممالک کے نوجوانوں سے خط وکتابت کی اور بعد میں ہندوستان و پاکستان اور عرب دنیا کے مسلم مذہبی لیڈروں

مشورے کئے، معلومات حاصل کیں۔ اور رہنمائی پائی۔ اسی دوران مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے ساتھ خط کتابت کا موقع ملا۔ یہ سلسلہ ڈیڑھ سال رہا۔ اس کے بعد میں نے لاہور آنے اور ان کے خاندان کے ایک فرد کی حیثیت سے رہنے کا دعوت نامہ منظور کر لیا۔ بدقسمتی سے ناموافق حالات کے دباؤ کے باعث میری صحت گر گئی۔ اور مجھے کئی مہینے اسپتال میں رہنا پڑا۔ مولانا مودودی چونکہ بے پناہ مصروف بزرگ ہیں، اس لئے میری طرف اتنی توجہ نہ دے سکے جتنی مجھے درکار تھی انھوں نے یہ کام جماعت اسلامی کے ایک ہمہ وقتی کارکن رفیق کے سپرد کر دیا۔

ڈسچارج ہونے کے بعد میرے لئے تنہا رہنا مناسب نہ تھا۔ محمد یوسف خان نے میرے ہسپتال کے قیام کے دوران بڑی ذمہ داری سے میری دیکھ بھال کی تھی۔ انھوں نے مجھ سے شادی کرنے کی تجویز رکھی میں نے ان کی تجویز منظور کر لی۔

آپ کے قارئین کے لئے یہ بات تعجب کا باعث ہوگی کہ میں نے ایک ایسے شخص کے ساتھ شادی کرنے کی رضامندی دے دی۔ جس کے پہلے سے ہی بیوی بچے موجود تھے۔ اسلامی قانون واضح طور پر چار بیویاں کرنے کی اجازت دیتا ہے، بشرطیکہ وہ شخص ان کی کفالت کر سکتا ہو اور ان کے درمیان انصاف قائم رکھ سکتا ہو۔ جو لوگ کثرتِ ازدواج کو فطری طور پر غلط سمجھ کر اس کی مخالفت کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ مشکل سے کوئی عورت دوسری عورت کو اپنے رقیب کی صورت میں پسند کر سکتی ہے۔

ان کا خیال ہے کہ اگر کوئی مرد دوسری شادی کرتا ہے تو وہ پہلی بیوی کے ساتھ یقیناً ناانصافی کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مجھے ہی بہت سے لوگ قصوروار ٹھہراتے ہیں کہ میں نے پہلی بیوی کی خوشیوں کو ختم کر کے اپنی خوشی کو حاصل کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ میرا ارادہ اس سے خوشی چھین لینے کا نہیں بلکہ اس کی خوشی میں شریک ہونا رہا ہے۔ کچھ لوگ کثرت ازدواج کو اس لئے غلط کہتے ہیں کہ ان کے خیال میں اس سے گھریلو مشکلات میں اضافہ ہوتا ہے۔ ایسے تمام لوگوں کو میرا جواب یہ ہے کہ اس دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں جسے مکمل کہہ سکیں۔ یہ کثرت ازدواج پر ہی منحصر نہیں ہے۔ ایک ہی عورت سے شادی کر کے گھر کے نظم و ضبط میں مشکلات پیش آتی ہیں۔ پریشانیاں

الجھنوں اور دقتوں کے اوقات آتے ہیں۔ اس نامکمل دنیا میں بڑی برائی اور چھوٹی برائی میں سے چھوٹی برائی کو چننا جاتا ہے۔ کثرت ازدواج کا مطلب ہے کہ ایک مرد ان سے شادی کرکے ان کی دیکھ بھال کی ذمہ داری لیتا ہے ان کی کفالت کرتا ہے ان کے بچوں کا باپ بنتا ہے

کثرتِ ازدواج عدم موجودگی میں طلاقوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ خلافِ فطرت جنسی برائیاں جو آج امریکہ اور یورپ میں عام ہیں، پروان چڑھتی ہیں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ دو بیویوں کا ساتھ ساتھ رہنا بڑا مشکل کام ہے۔ اسلام اگرچہ کثرتِ ازدواج کی اجازت دیتا ہے پھر بھی اس کی ایسے ہی لوگوں کے لئے سفارش کرتا ہے جو پختہ ذہن رکھتے ہوں، ذمہ دار اور بے لوث ہوں۔ گھریلو مشکلات اور دشواریوں کو بخوشی برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتے ہوں، باہمت اور مستقل مزاج ہوں۔

ایک بار میں نے مولانا مودودی سے اس موضوع پر تبادلۂ خیالات کیا تو انھوں نے میری شادی کی کامیابی کا سارا کریڈٹ پہلی بیوی کو دیا۔ انھوں نے کہا پہلی بیوی اگر صابر نہ ہوتی اور صبر و تحمل سے تمھیں برداشت نہ کرتی تو یہ شادی مصیبت بن جاتی۔

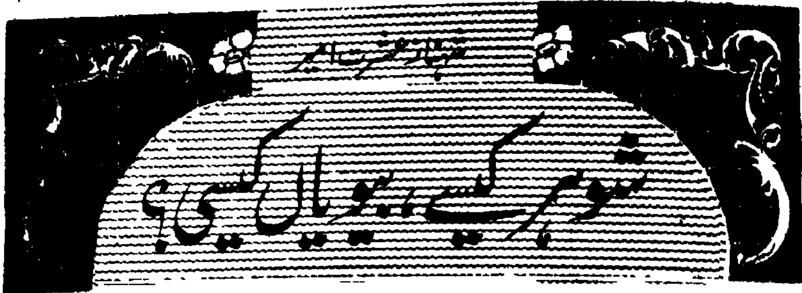
میری شادی کے وقت پہلی بیوی شفیقہ کے چار بچے تھے جب سے اب تک اس کے چار بچے اور ہوئے میرے بھی چار بچے ہوئے۔ میری پہلوٹھی کی لڑکی کا انتقال ہوگیا —— اب جبکہ میں اپنے تمام بچوں کو خوشی خوشی ایک ساتھ مل کر بہن بھائیوں کی طرح کھیلتے دیکھتی ہوں تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے مجھے ایک ایک عمدہ خاندان، ایک مہربان منصف اور دوراندیش شوہر اور تین بچے جو کسی بھی گھر کے لئے نعمت ہیں عطا فرمائے

میں سوچتی ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ میرے اوپر یہ تمام عنایات نہ فرماتا تو میری زندگی کیسی ٹریجڈی ہوتی !!
میں اپنی گھریلو زندگی کی کسی بھی مشکل اور کسی بھی کھچاؤ کو بخوشی برداشت کرسکتی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ میرا جواب بہنوں کے تجسس کو دور کرکے انھیں مطمئن کرسکے گا۔

والسلام

آپ کی مسلم بہن

مریم جمیلہ



کس طرح کے لوگ دوسروں کو زیادہ پُرکشش اور اچھے لگتے ہیں؟ سیدھے سادھے شرمیلے یا چلتے پُرزے، تیز طرار......؟
عورتیں کیسا شوہر پسند کرتی ہیں؟ جس پر وہ حکم چلا سکیں، یا جو ان پر حکومت کر سکے؟
ذہین مردوں سے کیا عورتیں دور بھاگتی ہیں؟ عام مردوں کے بارے میں عورتوں کے احساسات کیا ہیں؟
عورتوں کی نفسیات کے بہت سے ماہرین نے ان محسوسات کی تہہ تک پہنچ کر ان سوالات کے جواب تلاش کرنے کی کوشش کی ہے، اور وہ جن نتائج پر پہنچے ہیں وہ قابلِ غور اور دلچسپ ہیں۔
لانگ آئی لینڈ یونیورسٹی کے ماہرِ نفسیات ہیوگو جی بائیگل نے تمام طبقوں اور..... درجوں کی سترہ سے چالیس سال تک عمر کی سینکڑوں عورتوں سے پوچھا کہ مردوں میں وہ سب سے زیادہ کس خوبی پر زور دیں گی؟ —— زیادہ تر نے یہ خوبیاں بتائیں:
(۱) مرد کو بہت ذہین اور سمجھدار ہونا چاہیئے
(۲) آزاد خیالات، حاضر جواب اور ذرا تیز و طرار ہونا چاہیئے۔
(۳) پڑھا لکھا ہونا چاہیئے
(۴) اپنی بات منوانے والا اور کبھی نہ دبنے والا ہونا چاہیئے۔
بہت سی عورتوں کو کچھ کم ذہین اور سمجھدار مرد بھی پسند تھے لیکن ایک بھی عورت ایسا شوہر پسند نہیں کرتی تھی جو عقل میں خود اس سے کم تر ہو۔

مٹھی بھر عورتیں، دولت یا عزت و شہرت کی خاطر اپنے سے کم تر ذہین اور سمجھ دار مرد سے بھی شادی کرنے پر تیار تھیں لیکن ایسی عورتوں کے جوابات کا گہری نظر سے جائزہ لینے پر پتہ چلا کہ وہ بھی اپنے آپ کو اس طرح کا — بھلاوا دیتی رہتی ہیں۔ کہ ان کا شوہر ان سے زیادہ ذہین اور سمجھدار ہے۔ کم سے کم اپنی سہیلیوں میں تو وہ یہی دعوے کریں گی۔ کہ ان کا شوہر حقیقت میں ذہین اور قابل ہے۔

آزاد خیالی اور حاضر جوابی وغیرہ سے عورتوں کا مطلب یہ ہے کہ شوہر بات چیت کرنے میں ماہر ہو۔ اس کی معلومات، سوجھ بوجھ اور مطالعہ خاصہ وسیع ہو۔ صرف ایک فی صد عورتوں نے ایسے مردوں کو پسند نہیں کیا۔

اچھے پڑھے لکھے مرد سے یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ لازماً اعلیٰ تعلیم یافتہ ہی ہو۔ عورتوں کا منشاء صرف اتنا ہے کہ وہ آرٹ اور دیگر فنون کی خاصی معلومات رکھتا ہو، اور کم سے کم اُن سے زیادہ پڑھا لکھا ہو۔

عموماً سب ہی عورتوں کے جوابات سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ عورتوں کو ایسے شوہر پسند نہیں جنھیں وہ اُنگلیوں پر نچا سکیں۔ ان کی نظر میں آدرش مرد وہ ہے جو عورت کو یہ نہ سمجھنے دے کہ وہ (عورت اس سے کسی بھی طرح اعلیٰ ہے۔ اور موقعہ پڑنے پر گال پر تھپڑ بھی رسید کر سکے۔

اب مسئلے کے دوسرے پہلو پر بھی نظر ڈالئے۔ مردوں میں کون سی باتیں عورتوں کو سب سے زیادہ کھٹکتی ہیں۔

ایسے مرد عورتوں کو قطعی پسند نہیں آتے جو ہوشیاری اور سمجھداری سے بات نہ کر سکیں جو ضدی ہوں، غیر مہذب ہو۔ سستا ذوق اور پسند رکھتے ہوں — مختلف موضوعات پر معلومات نہ رکھتے ہوں اور عورت کو محض دل بہلانے کا ذریعہ سمجھتے ہوں۔

شادی شدہ عورتوں کو اپنے شوہروں سے سب سے زیادہ شکایت تھی غصے کی۔ بات بات پر بگڑ جانا، دفتر میں موڈ آف کرنے کے بعد گھر میں آکر چیخنا چلانا، باہر کا غصہ بیوی

تارنا، یہ شوہروں کی سب سے
ل اعتراض بُرائیاں ہیں۔
سری شکایت شراب خوری اور دوسری
توں کی ہے۔ ان بُری عادتوں پر پیسہ
نے والے مردوں سے عورتوں کو
رت ہوجاتی ہے۔
س کے بعد ہے مردوں کی بے پرواہی
لی پن کا نمبر۔ بیوی یہ پسند بھی کیسے کر
ہے کہ وہ تو کوئی بات کر رہی ہو اور
حب اخبار پر سے نظریں ہی نہ ہٹائیں
ں چاہتی ہے کہ اس پر بھرپور توجہ دی
اور اس کے ساتھ مناسب سلوک کیا

وہر کی خودغرضی اور فضول خرچی بھی
بہت ناپسند ہوتی ہے، خصوصاً اس
ب شوہر اپنی دلچسپیوں پر تو پیسہ
طرح بہائے۔ لیکن بیوی کو قدم قدم
یت شعاری کی تلقین کرتا رہے۔
جانچ سے معلوم ہوا کہ ایسی بیویاں بہت
لتی ہیں جو ان تمام برائیوں اور بدعادتوں
کے باوجود اپنے شوہروں کو چھوڑنے کے لئے
تیار ہوں۔

اس جانچ سے ایک اور بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ بیویاں سب سے زیادہ اہمیت شوہر کی وفاداری کو دیتی ہیں۔ تین چوتھائی سے زیادہ عورتوں کا یہی جواب تھا غیر عورتوں سے شوہر کے تعلقات ناقابلِ برداشت ہیں اور ایسے شوہر کو طلاق دینا مناسب ہے۔ اس سے یہ بات غلط ثابت ہوجاتی ہے کہ وفاداری کو جدید زمانے کی عورتیں فیشن کے خلاف سمجھتی ہیں۔ کچھ عورتیں اس معاملے میں تھوڑی نرمی برتنے کے حق میں بھی نکلیں ان کا خیال تھا کہ اس طرح کی غلطی کرنے والے شوہر کو سدھرنے کا موقع دینا چاہیئے اور یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ کن حالات میں گمراہ ہوئے ہیں۔

شخصیت کے معاملے میں سنجیدہ عورتیں ایسے مرد کو پسند کرتی ہیں جو سوچنے کی بجائے زیادہ بولتا ہو۔ جو عورتیں دماغ سے کم اور دل سے زیادہ کام لیتی ہیں انہیں سوچنے والے مرد پسند ہوتے ہیں۔

یہ بھی پتہ چلا ہے کہ زیادہ تر خوب صورت عورتیں خوب صورت مردوں سے اور عام شکل وصورت والی عورتیں عام شکل کے مردوں سے ہی سے دل چسپی لیتی ہیں۔

زیادہ تر عورتیں مردوں پر مکمل اعتماد نہیں کرتیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زیادہ تر مرد سچے نہیں ہوتے اور دھوکا دینے میں عورتوں سے چار قدم آگے رہتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک دل چسپ بات یہ ہے کہ مرد جتنا کم ذہین اور سمجھدار ہوگا، بیوی سے وہ اتنا ہی زیادہ جھوٹ بولے گا۔ وجہ شاید یہ ہے کہ ذہین اور سمجھدار مرد کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگتی کہ عورت کو دھوکے میں رکھنا بہت مشکل ہے۔

زیادہ تر عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ وہ اپنے شوہروں کو خوب سمجھتی ہیں، لیکن یہ ان کا وہم ہے۔ عام عورت اپنے شوہر کو اتنی اچھی طرح نہیں سمجھتی جتنا اس کا خیال ہوتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسروں کے کردار کو جانچنے کے معاملے میں عورتیں چاہے کتنی ہی ہوشیار اور چالاک ہوں۔ اپنے شوہر کی حد تک اُن کی یہ چالاکی اور ہوشیاری زیادہ کام نہیں دیتی تھوڑے سے اختلافات کو نظر انداز کر دیا جائے تو سب ہی عورتیں اپنے شوہر کو بہت زیادہ چاہتی ہیں۔ لیکن مرد اس معاملے میں جذباتی نہیں ہوتے، وہ اپنی بیوی کے بارے میں زیادہ حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کرتے ہیں۔

ایک اور سوال جس کا جواب دینا مشکل ہے عورتوں سے یہ پوچھا گیا "کیا عورتیں اپنا بہت سا وقت مردوں کی طرف توجہ دینے اور ان کا ذکر کرنے میں خرچ کرتی ہیں؟ جانچ کے دوران میں بہت سی عورتوں کی آپس کی بات چیت چوری چھپے سُنی گئی۔ اس سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ اُن کی بات چیت کے تین اہم موضوعات میں سے ایک مرد بھی ہے۔ لیکن مردوں سے زیادہ وہ بات چیت کرتی ہیں دوسری عورتوں کے بارے میں تیسرا نمبر کپڑوں اور فیشن کا ہے۔

سادہ زندگی بسر کیجیے۔ سکھ ملے گا۔



Regd. No. R. N. 20384/70 Regd. No. MRD 34.

NOVEMBER, DECEMBER 1982

ULJHANOON-KE-GIRAFTAR, NUMBER

Price Rs. 10/-